www.KitaboSunnat.com

المحلی

اردو

ترجمہ

تالیف

امام ابن حزم اندلسی ؒ

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

جلد اول

دار الدعوة السلفية

شیش محل روڈ ۰ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام ابن حزم اندلسی

المحلّیٰ اردو

یوسفی

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

ناشر

دار الدعوة السلفية

شیش محل روڈ

لاہور، پاکستان

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (بخاری)

دو ہزار سے زائد احکام و مسائلِ زندگی پر مشتمل فقہ الحدیث کی بلند پایہ کتاب

المحلّٰی اردو

تالیف

حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید المعروف بہ امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ

المتوفی : ۴۵۶ھ

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی ، فیصل آباد

نظرِ ثانی

مولانا ابو الاشبال صغیر احمد شاغف بہاری (احمد)

(جلد اوّل)

دار الدعوۃ السلفیۃ ۔ شیش محل روڈ ۔ لاہور ۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلۂ مطبوعات ۱۷

256.15
اب ن - م

زیر اہتمام : —— (حافظ) احمد شاکر

ناشر : —— المجلس العلمی السلفی - لاہور

مطبع : —— طفیل آرٹ پریس - لاہور

طبع اوّل : —— جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ —— فروری ۱۹۸۴ء

www.KitaboSunnat.com

المكتبة الرحمانية
۹۹-بے ماڈل ٹاؤن - لاہور
04532

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

المحلّٰی (اردو) جلد اوّل

عرضِ ناشر

افتتاحیہ از مترجم ۱

تعارف امام ابن حزمؒ ۲

تعارف "المحلّٰی" ابن حزمؒ ۵

ترجمۃ المترجم (مترجم کے حالات زندگی) ۷

آغازِ کتاب ۱۱

۱۔ توحید ۱۳

۱۔ قلبی ولسانی شہادت ۱۳

۲۔ اثباتِ ہستی باری تعالیٰ ۱۴

۳۔ دلیلِ وحدانیّت ۱۵

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء کو کسی علتِ موجبہ کے بغیر پیدا نہیں کیا ۱۶

۵۔ روح مخلوق ہے ۱۷

۶۔ وحدتِ روح ونفس ۱۸

۷۔ عرش مخلوق ہے ۲۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی صورت میں متمثل نہیں ہوتا	۲۱
۹۔ نبوت حق ہے	۲۱
۱۰۔ حضرت محمد بن عبداللہ کی رسالتِ عامہ	۲۲
۱۱۔ تمام ادیان منسوخ ہیں	۲۴
۱۲۔ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے	۲۵
۱۳۔ تمام انبیاء انسان تھے	۲۶
۱۴۔ جنت حق اور مخلوق ہے	۲۷
۱۵۔ دوزخ حق اور مخلوق ہے	۲۸
۱۶۔ مومن ابدی جہنمی نہیں ہوگا	۲۸
۱۷۔ جنت و دوزخ اور ان کے مکین فنا نہیں ہوں گے	۲۹
۱۸۔ اہلِ جنت کھائیں پئیں گے	۳۰
۱۹۔ عذابِ جہنم کے انواع و اقسام	۳۲
۲۰۔ حدیثِ نبوی کا منکر کافر ہے	۳۳
۲۱۔ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے	۳۳
۲۲۔ قرآن میں مذکور جملہ واقعات حق ہیں	۳۴
۲۳۔ دین میں کوئی راز نہیں	۳۴
۲۴۔ ملائکہ حق ہیں	۳۵
۲۵۔ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں	۳۵
۲۶۔ فرشتے سب مخلوقات سے افضل ہیں	۳۵
۲۷۔ جن حق ہیں	۳۶
۲۸۔ موت کے بعد جی اٹھنا برحق ہے	۳۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۹- وحشی جانور روزِ قیامت اکٹھے ہو جائیں گے ۳۹

۳۰- پُل صراط حق ہے ۳۹

۳۱- میزان حق ہے ۴۰

۳۲- حوض حق ہے ۴۰

۳۳- اہلِ کبائر کے لیے رسولِ کریمؐ کی شفاعت برحق ہے ۴۱

۳۴- اعمال نامے پر ہمارا ایمان ہے ۴۲

۳۵- اہلِ ایمان کے دائیں ہاتھ اور کافر کو بائیں ہاتھ اعمالنامے دیے جائیں گے ۴۲

۳۶- ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہیں ۴۳

۳۷- حسنات و سیّئات ۴۴

۳۸- کفر کی حالت میں کیے گئے اعمال کا مسئلہ ۴۵

۳۹- عذابِ قبر حق ہے ۴۸

۴۰- نیکیوں سے بُرائیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے ۵۰

۴۱- حضرت عیسٰی نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ۵۱

۴۲- رسولِ کریمؐ اور آپؐ کے صحابہ روزِ قیامت زندہ ہوں گے ۵۲

۴۳- رُوحیں زندہ ہیں ۵۳

۴۴- وحی منقطع ہو چکی ہے ۵۵

۴۵- دین کامل ہو چکا ہے ۵۵

۴۶- حضورؐ نے سب احکام اُمّت کو پہنچا دیے۔ ۵۵

۴۷- اللہ کی حجّت تمام ہو چکی ۵۶

۴۸- امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہیں ۵۶

۴۹- اسلام کی صداقت کا اعتراف ۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۰۔ انس وجن میں سب سے افضل انبیاء ہیں	۵۸
۵۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے	۵۹
۵۲۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز اللہ کے مشابہ نہیں	۶۰
۵۳۔ اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے پاک ہے	۶۰
۵۴۔ اسماء و صفاتِ الٰہی کا مسئلہ	۶۱
۵۵۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام	۶۱
۵۶۔ اپنی طرف سے اللہ کا کوئی نام تجویز نہ کیا جائے	۶۲
۵۷۔ آسمانِ اوّل پر نزولِ باری تعالیٰ	۶۳
۵۸۔ قرآنِ کریم مخلوق نہیں	۶۴
۵۹۔ قرآنِ کریم کلام الٰہی ہے	۶۴
۶۰۔ اللہ تعالیٰ کا علم حق ہے	۶۶
۶۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے	؍
۶۲۔ صفاتِ باری تعالیٰ	۶۷
۶۳۔ رؤیتِ باری تعالیٰ بروزِ قیامت	۷۰
۶۴۔ انبیاء سے شرفِ ہمکلامی	〃
۶۵۔ حضرت محمدؐ اور حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں	۷۱
۶۶۔ معراج جسمانی	〃
۶۷۔ معجزات کا صدور صرف انبیاء سے ہوتا ہے	۷۲
۶۸۔ سحر سے قلبِ ماہیت نہیں ہوتی	۷۳
۶۹۔ تقدیر حق ہے	۷۳
۷۰۔ وقت مقرر سے پہلے کسی کو موت نہیں آسکتی	〃

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۱۔ موت سے پہلے ہر شخص رزقِ مقدر پا لیتا ہے	۷۴
۷۲۔ افعال العباد اللہ کے پیدا کردہ ہیں	۷۵
۷۳۔ اللہ تعالیٰ کسی کے آگے جواب دِہ نہیں	″
۷۴۔ خدا کے افعال عدل و حکمت پر مبنی ہیں	″
۷۵۔ ایمان و اسلام دونوں ایک ہیں	۷۶
۷۶۔ قلبی تصدیق، زبانی اقرار اور عمل بالاعضاء کا نام ایمان ہے	″
۷۷۔ تصدیق بالقلب کرنے والا اگر اقرار باللسان نہ کرے تو کافر ہے	۷۸
۷۸۔ تصدیق بالقلب و اقرار باللسان کرنے والا مومن ہے خواہ اس کی دلیل معلوم ہو یا نہ ہو	″
۷۹۔ تمام شرعی اعمال کا تارک ناقص الایمان مومن ہے	۷۹
۸۰۔ یقین میں درجہ بندی نہیں ہے	″
۸۱۔ کبائر و صغائر کا معاملہ	۸۰
۸۲۔ کبائر سے اجتناب نہ کرنے کا معاملہ	۸۱
۸۳۔ مسئلہ شفاعت	۸۲
۸۴۔ جنت میں درجہ بندی	۸۴
۸۵۔ سب سے افضل انبیاء ہیں	۸۵
۸۶۔ خلافت قریش میں محدود ہے	۸۶
۸۷۔ خلافت کے شرائط	۸۷
۸۸۔ توبہ کے قواعد و شرائط	۹۰
۸۹۔ دجّال یک چشم اور کذّاب ہے	۹۲
۹۰۔ خضر نبی تھے اور وفات پا چکے ہیں	۹۳
۹۱۔ ابلیس زندہ ہے	″

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲- شرعی احکام کے اصول

۹۲- دینی احکام کا سرچشمہ قرآن اور حدیث صحیح ہے	۹۵
۹۳- حدیث موقوف و مرسل حجت نہیں	۹۶
۹۴- سُنّت، قرآن و سُنّت دونوں کو منسوخ کر سکتی ہے	۹۸
۹۵- بلا دلیل کسی آیت یا حدیث کو منسوخ یا مؤوّل نہیں کہہ سکتے	۱۰۰
۹۶- اجماع کی تعریف	۱۰۲
۹۷- ایک کے اختلاف سے بھی اجماع باقی نہیں رہتا	〃
۹۸- عہدِ صحابہؓ کے بعد کسی مسئلے پر علماء کا اتفاق، اجماع نہیں	〃
۹۹- نزاع و اختلاف کی صورت میں کیا کیا جائے؟	۱۰۴
۱۰۰- دین میں قیاس و رائے پر عمل حرام ہے	۱۰۵
رائے کی مذمّت میں خلفائے اربعہ کے اقوال	۱۱۳
۱۰۱- رسولِ کریمؐ کے سارے افعال اُمّت پر فرض نہیں	۱۱۹
۱۰۲- سابقہ شرائع کا اِتّباع جائز نہیں ہے	〃
۱۰۳- کسی زندہ اور مُردہ کی تقلید جائز نہیں	۱۲۰
اجتہاد کی تعریف	۱۲۳
۱۰۴- عالم بالحدیث کی برتری	〃
۱۰۵- خطاء و نسیان کا حکم	۱۲۴
۱۰۶- فرائض کی تعمیل لازم ہے	۱۲۵
۱۰۷- کسی دینی فریضے کو قبل از وقت انجام نہیں دیا جاسکتا	〃
۱۰۸- مجتہد سے جب خطا سرزد ہو	۱۲۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۹۔ صرف ایک قول حق ہوتا ہے ۱۲۷

"ظن" کا مفہوم و مطلب (حاشیہ)

۲۔ کتاب الطہارۃ ۱۳۳

۱۱۰۔ وضوء فرض ہے ۱۳۳

۱۱۱۔ وضو کے لیے طہارت کی نیت شرط ہے ״

احناف کے بعض قیاسات کا رد ۱۳۴

۱۱۲۔ وضوء نماز کے وقت سے پہلے اور بعد جائز ہے ۱۳۶

۱۱۳۔ وضو کرتے وقت ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت جائز نہیں

۱۱۴۔ نیت ہر کام سے شروع کرنے سے پہلے اس سے مُتّصل کرنی چاہیے ۱۳۹

۱۱۵۔ اعضائے وضوء پر پانی بہانا ۱۴۰

۱۱۶۔ قراءتِ قرآن و سجدۂ تلاوت بلا وضو جائز ہے ״

بلا وضوء تلاوت و سجدہ کو ناروا کہنے والوں کے دلائل کا جائزہ ۱۴۳

۱۱۷۔ اذان و اقامت بلا وضوء جائز ہے ۱۴۹

۱۱۸۔ جُنبی کے لیے مستحب ہے کہ کھاتے یا سوتے وقت وضو کرے ۱۵۰

۱۱۹۔ بُلوغت کے بعد شرعی احکام فرض ہوتے ہیں ۱۵۳

۱۲۰۔ ازالۂ نجاست فرض ہے ۱۵۸

۱۲۱۔ موزے اور جوتے کو پاک کرنا ۱۵۹

بعض ائمہ کے قیاسات کا ردّ ۱۶۱

۱۲۲۔ قُبل و دُبر کی طہارت ۱۶۲

بعض ائمہ کے قیاسات کا جائزہ ۱۶۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۳۔ پیشاب کی نجاست کا ازالہ کیسے کیا جائے؟ ۱۶۸

۱۲۴۔ خون کی تطہیر ۱۷۰

۱۲۵۔ مذی کی تطہیر ۱۷۵

۱۲۶۔ برتنوں کی تطہیر ۱۷۷

۱۲۷۔ جس برتن میں کتا منہ ڈالے، اس کا حکم ۱۷۹

مقلدینِ حنفیہ کے دلائل کا رد ۱۸۶

۱۲۸۔ بلی برتن میں منہ ڈالے تو اس کا حکم ۱۹۰

۱۲۹۔ چمڑے کی تطہیر ۱۹۲

اقوالِ صحابہ و تابعین ۱۹۶

فقہاء کے اقوال ۱۹۷

اقوالِ ائمہ پر تنقید و تبصرہ ۱۹۸

۱۳۰۔ حرمتِ خمر ۲۰۱

۱۳۱۔ منی کی طہارت کا مسئلہ ۲۰۲

۱۳۲۔ گوبر یا پاخانہ جل جائے تو اس کا حکم ۲۰۶

۱۳۳۔ مردوں، عورتوں اور ماکول اللحم جانوروں کا لعاب اور پسینہ پاک ہے ؍؍

۱۳۴۔ کفار کا لعاب، آنسو اور پسینہ ناپاک ہے ۲۰۷

۱۳۵۔ تمام ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم جانوروں کا جوٹھا پاک اور حلال ہے ۲۱۱

مقلدین ائمہ کے قیاسات کا رد ۲۱۲

۱۳۶۔ پانی میں نجاست پڑنے کا حکم (مسئلہ قلتین) ۲۱۶

نجاسات سے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا موقف ۲۲۷

امام مالکؒ کے اقوال ۲۳۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ کا نقطہ نظر ۲۳۶
۱۳۷۔ بول کی مختلف اقسام اور ان کا شرعی حکم ۲۶۲
ظاہریہ کا مسلک ۲۶۴
۱۳۸۔ اُون، پشم اور سینگ پاک ہیں ۲۸۲
۱۳۹۔ مومن کے اعضاء پاک اور کافر کے ناپاک ہیں ۲۸۲
۱۴۰۔ نجاست خور جانور کا دودھ حرام ہے ۲۸۳
۱۴۱۔ ماءِ مستعمل کے ساتھ وضوء و غسل جائز ہے 〃
امام ابوحنیفہؒ کا موقف ۲۸۵
امام شافعیؒ کا مسلک ۲۸۶
۱۴۲۔ مکھی، پسّو اور چمگادڑ وغیرہ کا فضلہ ۲۹۳
۱۴۳۔ قے سے اجتناب 〃
۱۴۴۔ شراب و قمار ۲۹۴
۱۴۵۔ نبیذ کا مسئلہ ۲۹۵
۱۴۶۔ پاخانے کے وقت قبلہ رُخ ہونے کی ممانعت ۲۹۷
ابن حزم کا نقد و تبصرہ ۳۰۰
۱۴۷۔ پانی، جس میں کوئی پاک چیز مل جائے۔ ۳۰۶
۱۴۸۔ نبیذ کا حکم ۳۱۰
امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ۳۱۱
۱۴۹۔ نیند سے بیدار ہونے والے کا حکم ۳۱۶
۱۵۰۔ کھڑے پانی میں غسل جنابت کا مسئلہ ۳۱۹
۱۵۱۔ عورت کے بچے ہوئے پانی کا حکم ۳۲۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۲- مغصوب پانی کے ساتھ وضوء کا حکم ۳۲۶

۱۵۳- چاندی سونے کے برتن سے وضوء و غسل جائز نہیں ۳۲۹

۱۵۴- ارض ثمود کے کنوؤں سے وضوء کی ممانعت ۳۳۰

۱۵۵- عرق سے وضوء جائز نہیں ۳۳۱

۱۵۶- سمندری پانی کے ساتھ وضوء اور غسل ″

۱۵۷- وہ امور جن سے وضو واجب ہوتا ہے ۳۳۲

۱۵۸- نیند ناقض وضوء (وضوء کو توڑنے والی) ہے ۳۳۴

ائمہ اربعہ کے مسالک ۳۳۵

۱۵۹- مذی اور بول و براز ناقض وضوء ہیں ۳۴۵

۱۶۰- دبر سے ہوا کا خروج ناقض وضوء ہے۔ ۳۴۶

۱۶۱- جو شخص بول و براز وغیرہ سے مغلوب ہو ″

۱۶۲- مندرجہ صدر امور ناقض وضوء ہیں ۳۵۰

۱۶۳- شرمگاہ کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے ″

۱۶۴- اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے ۳۵۸

۱۶۵- مرد و عورت کا ایک دوسرے کو چھونا ناقض وضو ہے ۳۶۱

۱۶۶- دخول بلا انزال ناقض وضوء ہے ۳۶۹

۱۶۷- جنازہ اٹھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے ″

۱۶۸- استحاضے کا خون ناقض وضو ہے ۳۷۱

۱۶۹- مندرجہ ذیل امور ناقض وضو نہیں ہیں ۳۷۶

حنفیہ کے مسلک پر امام ابن حزم کا نقد و تبصرہ ۳۷۸

شوافع کا نقطۂ نظر اور اس پر نقد ۳۸۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ وہ اُمور جن سے سارے جسم کا دھونا واجب ہو جاتا ہے ۳۹۱

۱۷۰۔ مباشرت ۳۹۱
۱۷۱۔ وجوبِ غُسل ۳۹۴
۱۷۲۔ جنابت کیا ہے ۳۹۵
۱۷۳۔ منی کا خُروج مُوجبِ غسل ہے ۳۹۶
۱۷۴۔ غُسل کے بعد رطُوبت کا خُروج ۳۹۷
۱۷۵۔ انزال نہ ہو تو عورت پر غُسل نہیں ؍
۱۷۶۔ غُسل کے بعد منی کا خُروج ۳۹۸
۱۷۷۔ غُسل کے لیے نیّت ضروری ہے ۳۹۹
۱۷۸۔ جُمعہ کے دن غُسل ۴۰۰
۱۷۹۔ غُسلِ جمعہ کا وقت ۴۱۴
اقوالِ ائمہ اور ابنِ حزم کا نقد ۴۱۸
۱۸۰۔ غُسلِ میت ۴۱۹
۱۸۱۔ میّت کو غُسل دینے والا بھی غُسل کرے ؍
۱۸۲۔ ضروری نہیں کہ غُسل اپنے ہاتھ سے ہو ۴۲۳
۱۸۳۔ مُدّتِ حیض میں خون کی رُکاوٹ ؍
۱۸۴۔ حیض و نفاس والی عورت کا حج ؍
۱۸۵۔ عُمرہ کرنے والی حائضہ عورت ۴۲۴
۱۸۶۔ عورت اگر خُون میں تمیز نہ کر سکے ۴۲۵
۱۸۷۔ اور کسی بات کے باعث غسل واجب نہیں ۴۲۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ غسلِ واجب کا طریقہ ۴۲۷

۱۸۸۔ غسلِ جنابت ״

۱۸۹۔ جسم کو ملنا ضروری نہیں ۴۲۹

۱۹۰۔ ڈاڑھی کا خلال ضروری نہیں ۴۳۴

۱۹۱۔ عورت کے لیے (چوٹی کے بالوں کا) خلال ضروری نہیں ۴۳۸

۱۹۲۔ وہ غسل جن میں عورت کے لیے بالوں کا کھولنا ضروری ہے ״

۱۹۳۔ غسل اور غوطہ ۴۴۲

۱۹۴۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل ״

۱۹۵۔ مختلف غسل ۴۴۵

۱۹۶۔ غسل میں تولیے وغیرہ کا استعمال ۴۵۱

۱۹۷۔ غسل کا آغاز کہاں سے کرے؟ ۴۵۲

۱۹۸۔ نیند سے بیداری کے بعد وضوء کا طریقہ ۴۵۳

۱۹۹۔ کانوں کا مسح فرض نہیں ہے ۴۶۲

۲۰۰۔ پاؤں کا مسح ״

۲۰۱۔ سر پر پہنے ہوئے لباس پر مسح ۴۶۵

۲۰۲۔ سر پر پہنے ہوئے کپڑے اور طہارت ۴۷۲

۲۰۳۔ سر کے ملبوسات پر مسح کے لیے مدت مقرر نہیں ۴۷۳

۲۰۴۔ سر پر مسح صرف وضوء میں ہے غسل میں نہیں ״

۲۰۵۔ وضوء اور غسل میں احتیاط ۴۷۴

۲۰۶۔ وضوء میں ترتیب ضروری ہے ״

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے دلائل کا تجزیہ ۴۷۶
۲۰۷۔ وضوء اور غسل میں متابعت ضروری نہیں ۴۷۸
۲۰۸۔ وضو اور غسل میں زیادہ پانی کا استعمال مکروہ ہے ۴۸۲
۲۰۹ پٹیوں وغیرہ پر مسح ضروری نہیں ۴۸۴
۲۱۰۔ مقام مخصوص کو ہاتھ لگانا ۴۸۷
۲۱۱۔ شک پڑ جائے تو کیا کرے؟ ۴۸۹
۲۱۲۔ پاؤں میں پہنے ہوئے جائز لباس پر مسح ۴۹۱
۲۱۳۔ مدت مسح کی ابتداء و انتہاء ۵۰۷
۲۱۴۔ مذکورہ صدر مسائل مردوں اور عورتوں و نیز سفر جائز و ناجائز سب کے لیے یکساں ہیں ۵۱۱
۲۱۵۔ ایک پاؤں دھونے کے بعد موزے میں داخل کرنا۔ ۵۱۲
۲۱۶۔ پھٹے ہوئے موزوں پر مسح جائز ہے ۵۱۳
۲۱۷۔ ٹخنے کے نیچے مقطوعہ موزے پر مسح ۵۱۶
۲۱۸۔ بحالت طہارت موزے پہننے کے بعد اگر اُتار دے؟ ۵۱۷
۲۱۹۔ مسح کے بعد موزوں کو اُتارنا ۵۱۹
۲۲۰۔ حالت طہارت میں موزے پہننا بہت بہتر ہے ۵۲۴
۲۲۱۔ حضر میں مسح کرنے کے بعد سفر میں یا سفر میں مسح کے بعد اقامت 〃
۲۲۲۔ مسح صرف اوپر ہے ۵۲۶
۲۲۳۔ بغیر وضوء پہنے ہوئے موزے اور شدت خوف مانع مسح ہو تو کیا کرے؟ ۵۳۰

تمت

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

تصدیر

دارالدعوۃ السلفیہ لاہور کے اغراض و مقاصد میں سرفہرست کتبِ حدیث کے عربی متون، ان کے شروح و حواشی، ان کے اردو تراجم اور فقہ اسلامی سے متعلقہ بنیادی اور اہم لٹریچر کی ترتیب و تدوین اور ان کی توزیع و اشاعت ہے۔

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل و کرم، پھر مخلص رفقاء کے تعاون سے ادارے نے اپنے مختصر سے دورِ زندگی (کم و بیش تین چار سال) میں مذکورہ مقاصد میں کافی پیش رفت کی ہے اور بعض اہم علمی کتابیں اس کے زیرِ اہتمام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصّۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ جن میں "تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ" (عربی) اور "منتقی الاخبار" (مترجم) جیسی ضخیم کتابیں سب سے اہم ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مسلمہ مجتہد امام ابنِ حزم اندلسی کی شہرۂ آفاق کتاب "المحلّٰی" ہے جسے علماء محققین عموماً اور شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ اور امام ابنِ القیمؒ جیسے اساطین علم و تحقیق خصوصاً بڑی اہمیت دیتے رہے، اور جو عبادات کے علاوہ زندگی کے تمام اہم معاملات پر بھی حاوی، تقریباً ڈھائی ہزار مسائل و احکام پر مشتمل ہے۔ چنانچہ موجودہ دور کے عربی و مصری علماء نے بھی عصری مسائل کی تحقیق میں اس سے بطورِ خاص استفادہ کیا ہے۔

اِدھر پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا بھی چند سالوں سے بہت غلغلہ ہے۔ بنا بریں دارالدعوۃ السلفیہ نے اب اُردو دان حضرات کے لیے اس اہم کتاب کو، جو اہلِ علم میں صدیوں سے مقبول اور متداول چلی آ رہی ہے، اُردو کے قالب میں ڈھالنے کا عزم کیا ہے تاکہ ہمارے ملک کے جج، وکلاء اور دیگر عربی سے ناآشنا حضرات بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کتاب گیارہ ضخیم جلدوں میں ہے جس کے ترجمہ اور اشاعت کا اِحساس سَعُودی عرب میں مُقیم ہمارے بعض مُخلص ذی علم دوستوں کو ہُوا، اور اُن ہی کی مُخلصانہ کوششوں اور مکمل تعاوُن سے یہ منصوبہ انشاءاللہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔

"المحلّٰی" اَندلس میں تالیف کی گئی، اُس زمانے میں وہاں فقہِ مالکی کا دَور دورہ تھا اور مالکی فقہاء پر تقلیدِ جامد ایسی چھائی ہوئی تھی کہ اس کے مقابلے میں نُصُوصِ صحیحہ وصریحہ سے بھی بے اعتنائی عام تھی اور اس کی بنیاد بھی زیادہ تر "قیاس" پر ہوتی تھی۔ ایسے ماحول میں حافظ ابنِ حزمؒ نے یہ ضخیم کتاب تالیف فرمائی جس میں ہر مسئلے کی بنیاد قرآن وحدیث اور وضاحتی آثار پر رکھی گئی ہے اور چونکہ فُقہاء کے اندر قیاس میں غُلو پایا جاتا تھا، اس وجہ سے قدرتی طور پر تقلید پر تنقید بھی تیز تر ہوگئی ہے اور قیاس کے سلسلے میں امام ابن حزمؒ نے امام داؤد ظاہریؒ کے مسلک کو اپنایا، جو اُن معنوں میں قیاس کو نہیں مانتے تھے جو اہلِ تقلید کا مبنیٰ تھا۔ بنابریں حنفی، مالکی اور شافعی فقہاء حافظ ابن حزمؒ سے بدکتے تھے اور ان کے اندازِ تحقیق اور طرزِ استدلال سے، جس میں سب سے زیادہ اہمیت نُصُوصِ شرعیہ یعنی قرآن وحدیث کو حاصل تھی ناراض تھے۔ چنانچہ ان کی اکثریّت نے اپنی کتابوں میں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ تحقیقِ مسائل میں "اہلِ ظاہر" کے اختلاف کی کوئی اہمیّت اور اعتبار نہیں۔ تاہم اصحاب مذاہب کے وسیعُ النّظر محققین کو بالآخر ابن حزم کی تحقیقاتِ عالیہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے اور انھوں نے صاف صاف کہا کہ گو ان کے تفرّدات محلِ نظر ہو سکتے ہیں، لیکن ان کا اختلاف بے وزن نہیں اور فقہی مسالک وآراء میں ان کا اعتبار کیا جانا چاہیے جیسا کہ ساتویں صدی ہجری کے حافظ ابنُ الصلاحؒ اور آٹھویں صدی ہجری کے علاّمہ سُبکیؒ اور حافظ ذہبیؒ وغیرہ نے کھُلے دل سے اس کو تسلیم کیا ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں: سیر اعلام النُّبلاء، للذّہبی، ج ۱۳ ص ۱۰۶-۱۰۷ — طبقات الشافعیہ للسُّبکی، ج ۲، ص ۲۸۹-۲۹۰ طبع جدید — "ابن حزم" لابی زہرۃ، ص ۲۶۶)

خطاؔ ونسیان، انسانیّت کا خاصا ہے، امام موصوف نے اگرچہ ہر مقام پر اہلِ تقلید کی مُوشگافیوں کے مقابلے میں نُصوص کی برتری کو ملحوظ رکھا ہے، تاہم بعض مقامات پر "ظاہریتِ محضہ" کے باعث شُذُوذ اور تفرّد بھی پایا جاتا ہے جن کے بارے میں حاشیے میں مُناسب کلام کر دیا گیا ہے۔ اس قسم کے بعض شُذُوذ سے اہلِ تجدُّد واہلِ باطل بعض دفعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط استدلال کرتے ہیں۔اسی طرح اہلِ تعلید ان کو بطورِ مثال پیش کر کے امام موصوف کی فقاہت اور ان کی علمی کاوشوں کی قدر و قیمت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ امام موصوف ایک مجتہد تھے اس لیے ان کی اجتہادی غلطیاں بموجب فرمانِ نبوی قابلِ عفو ہیں، کیونکہ اس پر بھی وہ بارگاہِ خداوندی میں اجر و ثواب ہی کے مستحق ہیں۔ إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد فأخطأ فله أجر واحد۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ۔ باب العمل في القضاء والخوف منه۔ ص ۳۲۴)۔ بنابریں امام موصوف کے تفردات سے کسی مسئلے پر تمسک صحیح ہے، نہ ان کی بنا پر وہ ہدف و ملامت کے لائق ہیں۔ غفر الله له ويرد مضجعه۔

کتاب کا ترجمہ پروفیسر مولانا غلام احمد حریری، فاضلِ دینیات صدر شعبہ علومِ اسلامیہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد نے کیا ہے جنہوں نے متعدد علمی کتابوں کے تراجم کیے ہیں اور اہلِ علم کے حلقہ میں مقبول ہیں۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ پھر اس پر نظرِ ثانی مولانا ابو الاشبال صغیر احمد صاحب شاغف بہاری (مقیم جدہ) حفظہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے جو اس منصوبے کے اصل روحِ رواں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبۂ خدمتِ دین میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

بہرحال "المحلی" کی جلد اول ہدیۂ ناظرین ہے، اللہ تعالیٰ بقیہ جلدوں کی تکمیل و اشاعت کی بھی جلد از جلد توفیق عطا فرمائے۔ ع ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

(حافظ) صلاح الدین یوسف رفیق المجلس العلمی السلفی۔

دار الدعوۃ السلفیہ

لاہور

۲۰ ربیع الثانی ۔ ۱۴۰۴ھ

۲۵ جنوری ۔ ۱۹۸۴ء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

از

مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

احوال و ظروف

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جو اقامت دین کے زاویۂ نگاہ سے عالمِ وجود میں آئی۔ مگر پینتیس سال گزرنے کے باوجود یہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔ آج تک مسندِ اقتدار پر متمکن ہونے والوں کی اکثریت ایسے اشخاص پر مشتمل رہی جنھیں اس ملک کی نظریاتی اساس کے ساتھ چنداں تعلقِ خاطر نہ تھا۔ اہالیان پاکستان کی خوش بختی اور نیک نصیبی ہے کہ تخلیقِ پاکستان کی علت غائی کی تکمیل کے لیے علمائے کرام اور دوسرے اہل حق کوشاں ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ ان کی کوششوں سے اس کام کی تکمیل ہو جائے جسے تا ہنوز ایک عقدۂ لاینحل تصور کیا جاتا رہا۔

بحمد اللہ اس عظیم کام کی بنا پڑ چکی ہے اور اس پر اقامتِ دین کی عمارت کو استوار کرنا زیادہ دشوار نہیں اگرچہ پورے وثوق کے ساتھ یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اس سلسلہ میں جو کام ابھی تک ہوا ہے وہ ابتدائی مراحل میں ہے اور اس کی رفتار بڑی حوصلہ شکن ہے۔ نظریاتی پہلو جس قدر امید افزا ہے عملی جانب اسی قدر افسوسناک اور مایوس کُن ہے۔

ان احوال و ظروف میں جب کہ ارضِ پاک میں اللہ کے دین کو بحیثیتِ مجموعی نافذ کرنے کی بات چل رہی ہے، اور لوگ قانونِ الٰہی کو سُننے اور سمجھنے کے لیے کوشاں ہیں "المحلّٰی ابن حزمؒ" بڑی حد تک ممد و معاون ہو سکتا ہے۔ دینِ اسلام کا مدار و انحصار کتاب و سنت کی پیروی پر ہے۔ یہ کتاب فقہ اسلامی میں ایک عظیم فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ تقلیدی جمود کا دور لد چکا ہے۔ یہ عقل و دانش کے فروغ اور فہم و بصیرت کی روشنی سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستنیر ہونے کا عنصر ہے۔ اس کتاب کا موضوع ائمۂ اربعہ کے مسالک و دلائل اور کتاب و سنت کے ساتھ ان کا تطابق و توافق اور ہم آہنگی ہے۔ اس کتاب کا قاری فقہ ہائے اربعہ کے دلائل معلوم کر کے بسہولت جانچ پرکھ سکتا ہے کہ کتاب و سنت سے قریب تر کس کا موقف ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے درد دل رکھنے والے ان احباب کو جنھوں نے اس عظیم منصوبہ کا بیڑہ اٹھایا کہ امام ابن حزمؒ کے المحلیٰ کو جو گیارہ مجلدات میں مطبوع ہے اُردو کے قالب میں ڈھالا جائے۔ ترجمہ کے سلسلہ میں نظرِ انتخاب اس خاکسار پر پڑی۔ ہر چند اپنی دائمی علالت، خلقی نحافت اور پیرانہ سالی کا عذر پیش کیا مگر مقبول نہ ہوا اور اصرار بڑھا۔ آخر اللہ کا نام لے کر اس کارِ خیر کا آغاز کیا اور جلد اوّل کا ترجمہ تمام ہوا۔ یہ احباب اپنے مشن میں بیحد مخلص ہیں۔ نام کا اظہار تک منظور نہیں اور نہ کوئی تجارتی نفع پیش نظر۔ مقصد صرف ایک ہے کہ اس کتاب کے قاری اقوال الرجال کا سہارا لینے کے بجائے براہ راست دین کے اصلی سرچشمہ کتاب و سنّت سے اپنی دینی پیاس بجھائیں اور انہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔

تعارُف

ذیل میں زیر ترجمہ کتاب کا مختصر تعارُف کرایا جاتا ہے، جو چند تعارفات کو سموئے ہوئے ہے:-

۱۔ مصنّف کے مختصر سیر و سوانح۔

۲۔ تعارُف کُتب۔

۳۔ ترجمۃ المُترجِم۔

۱۔ امام ابنِ حزمؒ

نام ونسب اور ولادت: علی بن احمد بن سعید بن حزم اور کنیت ابو محمد تھی۔ اپنی تصانیف میں صرف اپنی کُنیت ذکر کرتے ہیں۔ ابنِ حزم کے نام سے شُہرت پائی۔ وہ خُود لکھتے ہیں کہ وہ ۳۸۴ھ کو ماہِ رمضان کی آخری شب میں بعد از فجر و قبل از طلوع آفتاب پیدا ہوئے۔ معجم الادباء کے بیان کے مطابق ابن حزم کی وفات اواخر شعبان ۴۵۶ھ میں وقوع پذیر ہوئی۔ ابن حزم قرطبہ کی مشرقی جانب پیدا ہوئے۔ آپ ان بلاد و دیار میں پروان چڑھے جنہیں "فردوسِ گم گشتہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ آپ سرزمین اُندلس کے رہنے والے تھے جس کی یاد سے اب بھی دلوں سے خُون کے فوّارے اُبلنے لگتے ہیں۔ دل میں حزن و ملال کا سمندر موجیں مارنے لگتا ہے۔ وہی اُندلس جو تاریخ اسلام کا عظیم سانحہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ حزم کا عہدِ طالب علمی

ابنِ حزم نے بڑے باعزت اور خوشحال گھرانے میں تربیت پائی۔ انہیں اپنی خاندانی نجابت پر بڑا ناز تھا کہ انہوں نے علم کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا۔ بچپن ہی میں قرآن حفظ کیا، اَشعار یاد کیے اور لکھنا سیکھا۔ آپ کے والد بزرگوار نے ایک باوقار عالم ابوالحسین بن علی الفاسی کو آپ کا اتالیق مقرر کیا جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ آپ نے فقہ پڑھنے کا آغاز کیا اور اس کے پہلو بہ پہلو علمِ حدیث، ادب اخبار، علومِ عقلیہ اور فلسفہ بھی پڑھتے رہے۔ آپ جدل و مناظرہ میں بھی حصّہ لیتے تھے۔

سب سے پہلے آپ نے مالکی فقہ کو اپنی فکر و نظر کی جولانگاہ قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اَندلس میں مالکی فقہ کا چرچا تھا اور اسے سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل تھی۔ ابنِ حزم سے منقول ہے کہ "دو مذہب قوّت و اقتدار کے بل بوتے پر پھیلے۔ حنفی مذہب مشرق میں اور مالکی مسلک مغرب میں"۔ بعد ازاں ابنِ حزمؒ نے فقہ شافعی کا مُطالعہ کیا اور اس کے توسُّط سے فقہ حنفی سے آگاہ ہوئے۔ پھر فقہ ہائے مختلفہ سے مُتعارف ہونے کی سعادت حاصل کی۔

مگر ابنِ حزم زیادہ دیر تک فقہ شافعی کے ساتھ نہ چل سکے۔ بلکہ ظاہری فقہ کے امام داؤد اَصبہانی کی طرح جو امام شافعیؒ کے تلمیذِ رشید تھے خالص نُصوصِ کتاب و سُنّت کی طرف دعوت دینے لگے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اَوامر و نَواہی وہی ہیں جو نصوصِ کتاب و سُنّت سے ثابت ہوں۔

مختلف عُلوم و فنون میں مہارت

جہاں تک ابنِ حزم کے تبحّر اور ان کی شخصیّت کی وسعت و جامعیت کا تعلّق ہے آپ کی ذات میں مختلف قسم کے علوم و فنون جمع ہو گئے تھے۔ حدیثِ نبویؐ کے ساتھ اُنہیں جو وابستگی و دلبستگی رہی آپ کی تصانیف اس کی زندہ گواہ ہیں۔ مصر کے عظیم فقیہ ابو زہرہ نے "حیاتِ ابنِ حزم" میں "ھو المحدّث العظیم الذی یجمع اشتات الحدیث" کہہ کر ان کے عظیم مُحدّث اور حافظ الحدیث ہونے پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان کی فقہی مہارت کا یہ عالم تھا کہ ائمۂ اربعہ سے اختلاف کر کے فقہ ظاہری کی بنا ڈالی۔ کتاب و سُنّت فقہ ظاہری کا مرکز و محور ہے۔ ابنِ حزم کو منطق و فلسفہ میں وہ ماہرانہ بصیرت حاصل تھی کہ ارسطو تک کی غلطیاں نکالتے تھے۔ الشیخ ابو زہرہ کہتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کان یخطئ ارسطو فی منطقہ"

فلسفہ میں وہ نام پایا کہ آپ کا کوئی ثانی نہیں ہوا۔ آپ پہلے فلسفی عالمِ دین ہیں جس نے فلاسفہ کے افکارِ باطلہ کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیں اور انہی کے دلائل سے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ امام غزالی آئے تو ابن حزم کی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہوئے۔ ابوزہرہ لکھتے ہیں:۔

کان یسبق الغزالی الی مناقشتھم وادحاض حججھم

اُدیان و مِلل اور اسلامی مذاہب سے اس قدر گہری واقفیت رکھتے تھے کہ کتاب "الفصل" جیسی کبیر الحجم کتاب لکھ ڈالی جس کے سامنے عبدالکریم شہرستانی کی المِلَل والنِحَل کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

جذبۂ اتّباعِ سُنّت ابن حزم کا جذبۂ اتّباعِ سنّت اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ وہ حدیث نبوی کی موجودگی میں کسی کے قول کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ اقوالِ صحابہ کو بھی حجت نہیں گردانتے اور لگی لپٹی رکھے بغیر کہتے ہیں کہ

لاحجۃ فی قول احد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی موجودگی میں کسی کا قول حجت نہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں

لیس لاحد ان یقلد احدًا

کسی شخص کو کسی دوسرے کی تقلید کا حق حاصل نہیں۔

فرماتے ہیں التقلید حرام (تقلید حرام ہے)

خاکسار نے اپنے اساتذہ کی یہ روایت سُنی ہے کہ مُحیِ سنت، ماحیِ بدعت امام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کو ابن حزم سے بڑا تعلق خاطر تھا۔ مگر یہ چیز اکثر کھٹکتی کہ ابن حزم اکابر و اعاظم رجال کا ادب ملحوظ نہیں رکھتے۔ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو جسارتِ ابن حزم کی وجہ پوچھی حضورؐ نے فرمایا "این غلبۂ عشق است نے ترکِ ادب"

غرض یہ کہ ابن حزم فقہا میں منفرد اور یگانہ شخصیت کے مالک تھے۔ وہ مناظر بھی ہیں اور عظیم محدث بھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ فرق ومذاہب کے جید ترین عالم ہیں اور بہترین شاعر اور نثر نویس بھی۔ اُن کے اشعار کسی طرح بھی جاہلیت کے فحول شعراء سے کم مرتبہ نہیں۔ ان کی فنی نثر تفوقِ معنوی، جودتِ خیال، شوکتِ الفاظ اور بلندئ اسلوب کے اعتبار سے سہل ممتنع کا درجہ رکھتی ہے۔ ابن حزم کی عبارت جذبات واحساسات سے بریز ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صفِ اوّل کے نثر نویسوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی نثر میں صرف الفاظ کا رکھ رکھاؤ ہی نہیں بلکہ معنوی حسن، دقتِ فکر ونظر اور ظاہری حسن وجمال بھی پایا جاتا ہے۔ مصنّف کی مدح وستائش میں مَیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ مزید تفصیلات کے لیے آپ میری کتاب "حیات امام ابن حزم" کی جانب رجوع فرمائیے جو عصر حاضر کے عظیم فقیہ الشیخ ابو زہرہ کی کتاب "ابن حزم حیاته وفقهه" کا ترجمہ ہے۔

۲۔ المحلّٰی ابن حزم

ابن حزم کا علم وفضل صرف قلب ولسان تک ہی محدود نہ تھا۔ بخلاف ازیں انھوں نے اپنے علوم ومعارف کا گنجینہ صفحاتِ قرطاس پر بڑی بلیغ عبارت میں بکھیر دیا تھا۔ یہ یادگار کے طور پر محفوظ رہا اور تاریخ نے ہمیشہ کے لیے اسے اپنے اوراق میں سمیٹ لیا۔ یہ بیش قیمت علمی ذخیرہ اخلاف کے یہاں محفوظ رہا، جو دلائل وبراہین، فقہ وجدل اور اخلاق وفلسفہ کے رنگ میں اس کی یاد تازہ کرتے رہے۔ ان گراں بہا تصانیف کے محتویات ومحتملات سے ابن حزم ایسے نابغہ وعبقری کی وسعتِ علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ حیات ابنِ حزم میں اُن کی تصنیفات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ امام ابن حزم کے بیٹے ابو رافع الفضل فرماتے ہیں:۔

"میرے یہاں میرے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تقریباً چار صد کتب جمع ہوگئی ہیں، جو اسّی ہزار اوراق پر مشتمل ہیں"۔ (معجم الادباء از یاقوت)

یہاں ابنِ حزم کی تصانیف پر تفصیلی نقد وتبصرہ مقصود نہیں۔ البتہ المحلّٰی شرح المجلّٰی کا تعارف پیش کرنا پیش نظر ہے جس کے مطالب ومعانی سے ہم قارئین کرام کو روشناس کرانے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ امام ہُمام نے المجلّٰی نامی ایک کتاب تحریر کی تھی جس کا موضوع فقہی مسائل تھے۔ چونکہ اس میں حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا تھا اس لیے انھوں نے خود ہی شرح نویسی کا بیڑا اٹھایا اور گیارہ ضخیم مجلّدات میں اس کی شرح تحریر کی۔ مگر متن وشرح کو امام نے اس طرح مخلوط کر دیا ہے کہ اس میں دونوں کے مابین کوئی خطِ فاصل قائم نہیں کیا جاسکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متقدمین کے یہاں شرح نویسی کا ایک طرز و انداز یہ بھی ہے کہ متن و شرح دونوں کو باہم اس طرح مدغم کر دیا جائے کہ دونوں ایک کتاب نظر آئیں۔ المحلّٰی کا بھی یہی اُسلوب و انداز ہے۔

المحلّٰی کا بنیادی موضوع فقہی مسائل ہے کسی دینی مسئلہ کے بارے میں جناب امام نہ صرف ائمہ اربعہ بلکہ اکابر سلف کا مسلک و موقف مع براہین و دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے جس کا مسلک ان کی نظر میں کتاب و سنت سے قریب تر ہوتا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں اور دیگر مسالک پر کسی کی رُو رعایت ملحوظ رکھے بغیر نقد و جرح کتاب و سنت کے مضبوط دلائل سے پیش کرتے جاتے ہیں۔ اور اس نقد و جرح کا مقصد اِحقاقِ حق ہوتا ہے ورنہ امام ابن حزم جیسے اعاظم رجال سے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کی تنقید کا ہدف کوئی مخصوص امام یا عالم جیسے امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ و شافعیؒ یا امام احمدؒ بن حنبل اور دیگر علماء سلف ہوں۔ تقلیدی جمود نے اصل بات کو سمجھنے سے قاصر رکھا اور اُلٹے لوگ امام ہمام ابن حزم ہی کو جارح قرار دینے لگے ——— ان کا موقف صرف ایک ہے کہ دین میں حُجّت صرف کتاب و سنّت ہے اقوال الرّجال نہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ ابن حزم ظواہر نصوص پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ کسی تاویل و تعلیل کا سہارا لے کر ان سے جان نہیں چھڑاتے۔ خواہ ان نصوص کا تعلق دینی عقائد سے ہو یا عملی احکام سے۔ خدا کے دین میں وہ شخص واحد کی تقلید کو حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور تقریباً یہی مسلک ائمہ اربعہ اور جمیع علمائے سلف سے منقول ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں:۔

”کسی شخص کے لیے کسی زندہ یا فوت شدہ آدمی کی تقلید روا نہیں۔ جو شخص کسی سے دین کی کوئی بات دریافت کرنا چاہے اس پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے پوچھے کہ اس شہر میں دین اسلام کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ پھر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے مطلوبہ مسائل دریافت کرے۔ پھر جب وہ فتویٰ دے تو سائل اس سے پوچھے کیا خدا کا حکم یونہی ہے؟ اگر مفتی کہے کہ ہاں! تو سائل بلا تامل اس پر عمل کرے۔ اور اگر فتویٰ دینے والا یوں کہے کہ میری رائے یہ ہے یا یہ فلاں کا قول ہے۔ اور اس کے ساتھ کسی قدیم یا جدید فقیہ کا نام ذکر کر دے۔ یا مفتی خاموش رہے اور سائل کو ڈانٹ دے تو سائل کو ایسے شخص سے مسئلہ دریافت نہیں کرنا چاہیے بلکہ کسی اور سے پوچھے۔“ (المحلّٰی ج ۱۔ ص ۶۶-۶۷)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوا کہ ابن حزمؒ عامی کو بھی تقلید کا حق نہیں دیتے۔ عالم کے لیے تو تقلید کا کوئی جواز ہی نہیں۔ ابن حزمؒ عالم کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"جو شخص بھی کسی عالم یا پیشوا کی تقلید کرتا ہے۔ مثلاً امام مالک، ابوحنیفہ، شافعی، سفیان، اوزاعی، احمد بن حنبل یا داؤد رحمہم اللہ کا مقلد ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اکابر تقلید سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ کہیں گے بارِ خدایا! ہم تو تیرے اور تیرے نبی کے کلام ہی کو حکم مانا کرتے تھے اپنے تمام اختلافات و تنازعات میں خدا و رسول کے ارشادات سے فیصلہ چاہتے تھے۔ اگر روئے زمین کے لوگ اس بات پر ہم سے ناراض ہو جائیں اور ہمارے خلاف نبرد آزما ہوں تو ہمیں مطلقاً اس کی پروا نہیں۔" (الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ج ۱۔ ص ۱۰۰)

خلاصہ یہ کہ المحلّی سابق الذکر اسلوب و انداز کا حامل ہے اور تمام دینی مسائل میں نصوص کتاب و سنت کے ظاہری معنی و مفہوم کو پیش کرتا ہے۔ چنانچہ کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت آپ پر واضح ہوتی چلی جائے گی۔

۳۔ ترجمۃ المترجم

اس کتاب کا مترجم خاکسار غلام احمد حریری بن چوہدری حسین بخش مرحوم بن چوہدری سلطان بخش مرحوم یکم ستمبر ۱۹۲۰ء کو ضلع گورداسپور کے گاؤں طالب پور میں ایک راجپوت خاندان میں پیدا ہوا۔ خاندان کے لوگ خالص زمیندار تھے۔ خاندانی روایات سے ہٹ کر احقر نے ۱۹۴۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ درسِ نظامی تمام کمال فاضل اساتذہ سے پڑھا۔ حدیث، اصولِ حدیث اور ادب عربی کے ساتھ خصوصی لگاؤ رہا۔ درسِ نظامی کی متداولہ کتب مولانا عبدالحق صاحب مرحوم اور مولانا حافظ عبدالحفیظ صاحب مرحوم سے پڑھیں۔ اکثر و بیشتر کتب صحاح و سنن استاد محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب امرتسری مدظلہ العالی حال مہتمم و شیخ الحدیث دارالقرآن والحدیث جناح کالونی فیصل آباد سے پڑھیں۔

مزید برآں مُسلّم الثبوت، توضیح تلویح اور حاشیہ خیالی علی شرح العقائد عصر حاضر کے متبحر فاضل حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ سے پڑھیں۔ درسِ نظامی کی آخری کتب شمس بازغہ، صدرا، قاضی مبارک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح چغمینی، حاشیہ عبدالغفور علی الجامی، متن متین اور اقلیدس کے لیے عصر حاضر کے جید علماء مثلاً شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں، مولانا عبدالحنان آف جلالیہ اور قاضی عبدالسبحان کھلابٹی رحمہم اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۱۹۴۴ء-۴۵ء میں مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی طور پر پاس کیے۔ ۱۹۷۵ء میں جنوری میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوا۔ جولائی ۱۹۸۰ء میں بار دیگر زیارت بیت اللہ اور عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ ریاض، طائف، مکہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ میں ایک ایک ہفتہ سرکاری مہمان کی حیثیت سے قیام کیا اور سرزمین نجد و حجاز کو گھوم پھر کر دیکھا اور اکابر اہل علم سے ملاقاتیں کیں۔

۱۹۴۷ء میں گھر بار، اثاثہ و سرمایہ کو خیرباد کر صعوبات سفر جھیلتے اور خون کے دریا میں تیرتے ہوئے فیصل آباد پہنچے۔ ۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے عربی اور ۱۹۵۵ء میں ایم۔اے علوم اسلامیہ دونوں درجہ اوّل میں پاس کیے۔ ۱۹۶۴ء میں اسلامیہ کالج فیصل آباد میں لیکچرر تعیّنات ہوا۔ اپریل ۱۹۶۸ء کو زرعی یونیورسٹی میں سینئر لیکچرر مقرر ہوا۔ یکم ستمبر ۱۹۷۵ء کو سیّد ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت پر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بطور صدر شعبہ علوم اسلامیہ تعیّنات ہوا۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جب ڈاکٹر غلام رسول چوہدری زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد کے وائس چانسلر مقرر ہوئے تو اُن کے بُلانے پر واپس آکر صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ کے منصب پر فائز ہوا۔ ۷ار دسمبر ۱۹۸۲ء کو سعودی عرب کی حکومت نے خاکسار کو اپنی جانب سے پروفیسر عربی و علوم اسلامیہ مقرر کیا، جہاں تادمِ تحریر مصروف کار ہوں۔

تدریسی فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ راقم تصنیف و ترجمہ کے کام میں بھی مشغول رہا اور تاہنوز مندرجہ ذیل علمی، ادبی خدمات انجام دے چکا ہے۔

تحقیقی کام

اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے لیے مندرجہ ذیل طویل و ضخیم تحقیقی مقالات تحریر کیے جو اس میں شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ عُلوم القرآن۔
۲۔ قرآن کریم کے اثرات و برکات۔
۳۔ اِعجاز القرآن
۴۔ سیرت نگاری۔
۵۔ عربی لُغت نگاری۔
۶۔ علم الصرف

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷ ۔ علم الاشتقاق ۹ ۔ مسجد

۸ ۔ کعبہ ۱۰ ۔ منبر

تصانیف و تراجم اہم کتب حسب ذیل ہیں :۔

۱ ۔ تاریخ تفسیر و مفسرین ۔ (ترجمہ مع اضافات)

۲ ۔ تاریخ حدیث و محدثین (ترجمہ)

۳ ۔ حیات حضرت امام ابوحنیفہؒ (ترجمہ)

۴ ۔ حیات ابنِ حزمؒ (ترجمہ)

۵ ۔ حیات ابنِ قیمؒ (ترجمہ)

۶ ۔ المنتقی من منهاج السنۃ کا اردو ترجمہ

۷ ۔ اسلامی مذاہب (ترجمہ)

۸ ۔ حیات ابُوہریرہؓ (”)

۹ ۔ قرآن کریم کے فنّی محاسن (التصویر الفنّی سید قطب شہید کا ترجمہ)

۱۰ ۔ اتّباع سنّت اور ائمۂ سلف (ترجمہ)

۱۱ ۔ حدیث رسُول کا تشریعی مقام ”

۱۲ ۔ علوم القرآن (ترجمہ)

۱۳ ۔ علوم الحدیث (”)

۱۴ ۔ عربی اُردو بول چال

۱۵ ۔ شرح الحدیث والفقہ۔

۱۶ ۔ عدالت نبوی کے فیصلے دو جلد

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ بھی خاکسار کے تحقیقی مقالات پاکستان کے جرائد و مجلّات میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب چند اہلِ علم کی خواہش و اصرار پر محلّٰی ابن حزم کا ترجمہ شروع کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہلت عطا فرمائے۔

بارگاہ ربّانی میں دعا گناں ہوں کہ خداوند کریم اس خدمت کو شرفِ قبول سے نوازے اور اُسے میرے لیے، میرے والدین واساتذہ کے لیے اور اُن احباب کے لیے جنھوں نے یہ کام مجھ سے کرایا ہے۔ نیز کاتب اور طابع وناشر سب کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خاکسار مترجم

غلام احمد حریری عفی عنہ

شعبہ علوم اسلامیہ

زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

ڈی۔ ۶۱ پیپلز کالونی فیصل آباد

۱۶ر جون ۱۹۸۲ء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد خاتم النبیین والمرسلین وسلم تسلیماً۔
ونسأل اللہ ان یصحبنا العصمۃ من کل خطأ وزلل ویوفقنا للصواب فی کلّ قول وعمل۔
آمین آمین۔ اما بعد

امام علی بن احمد بن سعید بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ہم ان مختصر مسائل کی قدرے توضیح کریں جن کو ہم نے اپنی کتاب الموسوم "المحلّٰی" میں یکجا کیا ہے۔ اور براہین و دلائل کے قواعد مختصراً بیان کرنے پر اکتفاء کریں۔ تاکہ طالب و مبتدی بسہولت ان سے استفادہ کر سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے بحث و استدلال میں مہارت حاصل ہو، اختلافی مسائل سے آگاہ ہو اور ان دلائل کی صحّت سے باخبر ہو جن سے حق کی پہچان حاصل ہوتی ہے مگر لوگوں نے (بلاوجہ) ان کو متنازعہ بنا رکھا ہے۔

بایں طور مبتدی قرآنی احکام اور ان احادیث سے آگاہ ہو گا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں یہ ملکہ پیدا ہو گا کہ غیر صحیح احادیث میں فرق و امتیاز کر سکے۔ ثقہ راویوں سے آشنا ہو اور اُن کو ضعیف راویوں سے ممیّز و ممتاز کر سکے۔ اس سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قیاس اور اس کے قائلین کا فساد و تناقض واضح کیا جائے۔ ان مقاصد کے پیش نظر میں نے استخارہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی کہ وہ حق کی امداد کی طرف راہنمائی فرمائے۔ میں نے خالق حقیقی سے اس کے اظہار و بیان کی توفیق مانگی اور نیز یہ کہ وہ وہّاب حقیقی (اس ناچیز کاوش کو) خاص طور سے اپنی خوشنودی و رضامندی کا ذریعہ بنائے۔ آمین آمین یارب العالمین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب ہذا کے قاری پر یہ حقیقت خوب عیاں ہونی چاہیے کہ ہم نے اس میں صرف اسی حدیث سے اخذ و احتجاج کیا ہے جو متصل ہونے کے ساتھ ساتھ ثقہ راویوں سے مروی و منقول ہو۔ ہم نے ضعیف و منسوخ حدیث کی صرف مخالفت ہی نہیں کی بلکہ ہم نے اس ضعیف حدیث کے ضعف کی وجہ بیان کی اور منسوخ حدیث کا نسخ واضح کیا ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ تعالیٰ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَسَائِل التوحِید

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

ا۔ قلبی و لسانی شہادت

پہلی بات جو ہر شخص کے لیے لازم ہے اور جس کے بغیر اسلام کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا یہ ہے کہ ہر شخص قلبی یقین و اخلاص کے ساتھ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو اس حقیقت کو دل سے جان لے اور زبان سے اس کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس کی دلیل:

ا۔ وہ حدیث ہے جسے ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اُمیہ بن بسطام از یزید بن زریع از روح از علاء اور وہ اپنے باپ عبدالرحمٰن بن یعقوب سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا" مجھے لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا ہے حتّٰی کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مجھ پر ایمان لائیں اور اس شریعت پر جس کو میں لایا ہوں۔ جب انھوں نے اس بات پر عمل کر لیا تو مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیے الّا یہ کہ ان پر شریعت کا کوئی حق عائد ہوتا ہو" (صحیح مسلم کتاب الایمان)۔

حضرت معاذ بن جبل رضؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ نے متصلاً جو روایات کی ہیں ان کا معنی و مفہوم بھی یہی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ

(آل عمران۔ ۸۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

جمہور صحابہ اور اہل اسلام کا مسلک یہی ہے۔

قلبی تصدیق کے وجوب کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البینۃ۔۵)

(اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں)۔

اس لیے کہ اخلاص قلبی فعل ہے۔

لسانی شہادت کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ جو شہادت زبان سے صادر ہوتی ہے لازماً اسی کی بنا پر خون اور مال حلال کے بجائے حرام ٹھہرتے ہیں جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

۲- اثبات ہستی باری تعالیٰ

امام ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں مندرجہ صدر اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اشیاء کا اِلٰہ اور خالق ہے جو اس عالم میں اس کے سوا موجود ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ جہاں اور جو کچھ اس میں ہے ذو زمان ہے۔ یعنی عالم اور زمانہ لازم و ملزوم ہیں۔ ان کے باہم جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ زمانے سے مراد وہ مدت ہے جس میں جسم متحرک یا ساکن رہتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ عرض کے کسی جسم میں پائے جانے کی مدت کا نام زمانہ ہے۔ جب زمانے سے مراد مدت ہے جیسا کہ ہم نے بتایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر اسے شمار بھی کیا جا سکتا ہے اور اس میں اضافے کا بھی امکان ہے۔ اور اضافہ اسی چیز میں ممکن ہے جس کا کوئی نقطۂ آغاز و انتہاء ہو۔ اور وہ اپنے نقطۂ آغاز سے چل کر آگے بڑھے گی۔ ظاہر ہے کہ عدد و معدود کے لیے بھی کسی نقطۂ آغاز کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ زمانہ اپنے اجزاء سے مرکب ہے اور اس کا ہر جزو یقیناً ایک جگہ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ زمانہ کے اجزاء کا دوسرا نام کُل ہے۔ جب زمانہ کے تمام اجزاء ایک نقطۂ آغاز رکھتے ہیں تو زمانہ بحیثیت کُل ہونے کے بھی لازماً ایک آغاز رکھتا ہوگا۔

نتیجۃً جب زمانے کے لیے ایک نقطۂ آغاز لازم ہوا۔ اور یہ جہان زمانے سے الگ نہیں ہو سکتا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانے کا ایک مبداء ہوتا ہے تولازماً اس جہان کا بھی کوئی نقطۂ آغاز ہوگا۔ اس سے یہ منطقی نتیجہ نکلا کہ یہ پوری کائنات اپنے جوہر و عرض سمیت ایک مَبدء رکھتی ہے اور جو چیز کوئی مبداء (نقطۂ آغاز) رکھتی ہو وہ مُحدَث (نو پیدا شدہ) ہوتی ہے۔ اور مُحدَث کا وجود اس امر کا مُقتضی ہے کہ اُس کا کوئی مُحدِث (ایجاد کنندہ) ہو۔ اس لیے کہ مُحدِث کے بغیر مُحدَث کا وجود عقلاً محال ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عالم مخلوق ہے اور اس کا ایک خالق ازلی ہے اور جملہ مخلوقات کا مالک ہے اور اس لیے وہ ان کا اِلٰہ اور ایجاد کنندہ بھی ہے جس کے سوا کسی اِلٰہ کا کوئی امکان نہیں[1]۔

۳۔ دلیلِ وحدانیت

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

ذاتِ باری تعالیٰ ہی معبودِ حقیقی ہے۔ اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے اور ازلی و ابدی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ عالم سب کا سب اس کی مخلوق ہے اور اس کا ایک خالق ہے تو اس سے واضح ہوا کہ اگر خالق ایک سے زیادہ ہوتے تو اُن کا عدد و شمار ممکن ہوتا۔ اور جس چیز کا حصر و شمار ممکن ہو اس کی ایک انتہا بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا۔ اور جس چیز کی کوئی انتہاء ہو وہ حادث ہوتی ہے۔ (لہٰذا اندریں صورت اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آیا جو کہ محال ہے)۔

مزید براں جو چیزیں دو ہوں وہ ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں اور جو دو چیزیں ایک دوسری سے الگ ہوں ان دونوں میں یا دونوں میں سے کسی ایک چیز میں ایسی صفت پائی جاتی ہے جو ایک چیز کو

---

[1] اس منطقیانہ تقریر میں امام ابن حزم نے وجود صانع کو عقلاً ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عقلی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ یہ عالم اور زمانہ باہم لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کا جُزو لاینفک ہیں۔ زمانہ اجزاء سے مرکب ہے اور ہر جُزو کا ایک نقطۂ آغاز ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس کائنات کا بھی ایک نقطۂ آغاز ہے اور جو چیز ایک نقطۂ آغاز رکھتی ہو وہ ازلی نہیں ہو سکتی ہے بلکہ حادث ہوگی۔ اور حادث چیز از خود عالم وجود میں نہیں آ سکتی۔ بلکہ کسی صانع و خالق کی محتاج ہوتی ہے۔ لہٰذا منطقی طور پر ثابت ہوا کہ یہ کائنات خالقِ حقیقی کی پیدا کردہ ہے۔ غلام احمد حریری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری سے ممیز و ممتاز کرتی ہے۔ بنابریں دونوں میں سے ایک چیز اپنی ذات اور اس صفت سے مرکب ہوگی جو اسے دوسری چیز سے ممتاز کرتی ہے اور جب مرکب ہوئی تو لازماً مخلوق ہوئی (حالانکہ اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں) لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور وہ من کل الوجوہ اپنی مخلوقات سے مختلف ہے۔ بخلاف ازیں مخلوقات کثیر بھی ہیں اور حادث بھی۔ وہ واحد ازلی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا اس کائنات میں سے ہونا لازم آتا۔ وَتَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ - ۱۱)

(اس کی مانند کوئی چیز نہیں)۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص - ۴)

(اور کوئی اس کا ہمسر نہیں)۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء کو کسی علّتِ موجبہ کے بغیر پیدا کیا

اللہ تعالیٰ نے جملہ اشیاء کو پیدا کیا بدوں اس کے کہ کسی علت نے اللہ تعالیٰ پر اس تخلیق کو واجب قرار دیا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی علتِ موجبہ کی وجہ سے ایسا کرتا تو اس کی دو صورتیں ممکن تھیں۔

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ یہ علت ذاتِ باری کی طرح ازلی ہوتی۔

۲۔ دوسری یہ کہ حادث و مخلوق ہوتی۔ تیسری قسم کا کوئی امکان نہیں۔

پہلی صورت کی موجودگی میں دو ایسی چیزوں کا وجود لازم آتا ہے جو ممنوع و مستحیل ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور چیز بھی ازلی ہے۔ اس سے توحید کا بطلان لازم آتا ہے جس کی دلیل ہم نے ابھی بیان کی ہے۔

۲۔ دوسری یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ جب علتِ تخلیق ازلی ہے تو مخلوق بھی ازلی ہوگی۔ اس لیے کہ علت معلول سے جدا نہیں ہوسکتی۔ اور اگر الگ ہوسکے تو وہ علت نہ ہوگی۔ حالانکہ ہم ابھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل و برہان کی روشنی میں حدوثِ عالم کا وجوب ثابت کر چکے ہیں۔ مزید براں علّتِ موجبہ کے پائے جانے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بحالتِ اضطرار اس علّت کی وجہ سے تخلیق کا کام انجام دیا۔ ظاہر ہے کہ اندریں صورت وہ الٰہ نہیں رہے گا (اس لیے کہ الٰہ مجبور نہیں ہو سکتا) اگر علّت کو حادث تسلیم کیا جائے تو پھر دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱ - وہ علّت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہوگی۔

۲ - اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نہیں ہوگی۔

دوسری صورت غلط ہے۔ اس لیے کہ ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ جو چیز بھی حادث ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اگر پہلی صورت کو تسلیم کیا جائے تو پھر دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱ - وہ علّت کسی اور علّت کی پیدا کردہ ہوگی۔

۲ - کسی دوسری علّت کی پیدا کردہ نہیں ہوگی۔

بصورتِ اوّل دوسری علّت خالقہ کے بارے میں وہی استحالہ لازم آئے گا جو ہم نے ابھی ذکر کیا۔ مزید براں اس سے ایسے حادثوں کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جن کا سلسلہ کہیں جا کر بھی ختم نہیں ہوتا، اور یہ باطل ہے۔ اُس کے بُطلان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جو وجود پذیر ہوئی ہو اُس کو عدد یا پیمائش کے ذریعے گنا یا ناپا جا سکتا ہے اور جس چیز کی یہ کیفیت ہو وہ متناہی اور زوال پذیر ہوتی ہے۔ بنا بریں یہ قسم باطل ٹھہری اور ہماری بات صحیح ثابت ہوئی۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔ اور اگر حریف یوں کہے کہ اس علّت کو کسی دوسری علّت نے تخلیق نہیں کیا۔ تو پھر اس سے دریافت کیا جائے گا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ سب اشیا کو کسی علت کی بنا پر خلق کیا جائے مگر علّت کسی دوسری علت کی پیدا کردہ نہ ہو، ظاہر ہے کہ حریف کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

۵۔ رُوح مخلوق ہے

اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض اوقات ہمارا جسم کسی چیز کو محسوس نہیں کرتا۔ مزید براں جب آدمی کسی چیز پر غور و فکر کرتا ہے اندریں حالت اگر وہ جسمانیت سے عاری ہو تو اس کا فہم و ادراک قوی تر ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے ساتھ احساس اور فہم کا تعلق ہے وہ جسم انسانی سے الگ چیز ہے۔ بخلاف ازیں جب جسم انسانی تمام اعضا سمیت موجود ہو مگر اس میں روح نہ ہو تو اس میں حس و فہم کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقدان ہوگا۔ خواہ رُوح کی عدم موجودگی موت کی وجہ سے ہو یا غشی اور نیند کی وجہ سے۔ اس سے واضح ہوا کہ احساس و ادراک کا تعلق جسمِ انسانی کے سوا اس چیز کے ساتھ ہے جسے نفس و روح کہتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط (الزمر۔ ۴۲)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے مرنے کے وقت اُن کی رُوحیں قبض کر لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں اُن کی رُوحیں سوتے میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم صادر کر چکتا ہے اُن کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

ارشادِ ربانی کے پیشِ نظر روح کی بہت سی قسمیں ہیں۔ تجربہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بعض رُوح خبیث ہیں اور بعض طیّب، بعض بہادر ہیں اور بعض بُزدل۔ اسی طرح بعض ارواح عالم ہیں اور بعض جاہل۔ پس اس سے یقینی طور پر ثابت ہوا کہ ہر زندہ کی ایک رُوح ہوتی ہے جو دوسری ارواح سے مختلف ہوتی ہے۔ جب یہ بات طے ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی قرار پایا کہ ارواح بہت قسم کی ہیں جو اپنے جوہر اور صفات سے مرکّب ہیں۔ تو اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ عالم میں شامل ہیں۔ نیز یہ کہ ارواح زمانہ اور عدد سے جُدا نہیں ہو سکتیں اور اسی بنا پر یہ حادث اور مرکب ہیں۔ اور جو چیز بھی حادث اور مرکّب ہو وہ مخلوق ہوتی ہے اور جس نے بھی اللہ کے سوا کسی چیز کو غیر مخلوق قرار دیا اُس نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی خلاف ورزی کی۔

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ (الفرقان۔ ۲)

اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔

مزید براں اس نے شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مسلمانوں کے اجماع اور عقلی دلیل کو بھی نظر انداز کیا۔

۶۔ وحدتِ رُوح و نفس

رُوح اور نفس ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس لیے کہ یہ بات دلیل سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایک چیز ایسی ہے جو جسمِ انسانی کی مدبّر ہے۔ وہ چیز

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندہ و حسّاس ہے اور اسی کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ دو چیزیں ہیں جو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ بایں طور جو شخص یہ کہتا ہے کہ روح اور نفس دو جُدا گانہ چیزیں ہیں وہ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ ایک نہیں بلکہ دو چیزیں ہیں اور یہ ایسی بات ہے جو باطل ہے اور جس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

قرآن میں ارشاد ہے:۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ (البقرۃ۔ ۱۱۱)

کہہ دیجیے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

اور جس بات کی کوئی دلیل نہ ہو وہ سچی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نفس اور رُوح دو اسم ہیں اور اُن کا مسمّٰی ایک ہی ہے۔

۲۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد سجستانی از احمد بن صالح از عبداللہ بن سہل از یونس یزید از ابن شہاب از ابن مسیب از] حضرت ابوہریرہؓ ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو مامور فرمایا کہ رات کو جاگتے رہیں۔ مگر حضرت بلال نیند سے مغلوب ہو گئے۔ چنانچہ رسول اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا۔ حضرت بلال بھی محوِ خواب رہے حتّٰی کہ دن چڑھ آیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بیدار ہوئے۔ فرمایا: اے بلالؓ (آپ کیونکر سوئے رہے) عرض کی یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں جس (نیند) نے آپؐ پر غلبہ پایا اس نے مجھے بھی مغلوب کر لیا[۱]۔ راوی نے پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس میں وہ آیت بھی ہے جو پیچھے گزری۔ "اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ ــــــ أَجَلٍ مُّسَمًّى"۔

۳۔ [اور ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد از علی بن نصر جہضمی از اسود

---

[۱] اس حدیث میں "عرض کی" کا لفظ متن سے ساقط ہو گیا تھا ہم نے ابوداؤد سے اخذ کر کے اس کا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح اس نے مجھے بھی مغلوب کر لیا" کے الفاظ حضرت بلالؓ کے ہیں حدیث مرفوع میں شامل نہیں (احمد شاکر) (شامل تو نہیں لیکن آپ نے نکیر نہیں کی لہٰذا اس سے استدلال درست ہے اس پر جا گئے نقد ہے وہ صحیح نہیں) (شائف)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن شیبان از خالد بن سمیر از عبداللہ بن رباح از حضرت) ابوقتادہ انصاری جنھوں نے اپنی روایت کردہ حدیث میں حضورؐ کے سوجانے کا ذکر کیا ہے حتّٰی کہ آفتاب طلوع ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم کسی دُنیوی کام میں مشغول ہو کر نماز سے غافل نہیں ہوئے۔ صرف بات یہ ہے کہ ہماری رُوحیں اللہ کے ہاتھ میں تھیں جب اُس نے چاہا اُنھیں رہا کر دیا۔ (یہ دونوں روایتیں ابوداؤد کتابُ الصّلاۃ میں ہیں)

ان احادیث سے مستفاد ہوا کہ ایک ہی چیز کو آپ نے بعض دفعہ "اَنفُس" سے تعبیر کیا اور بعض اوقات "ارواح" سے[1]۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں اس کے خلاف حضورؐ سے کچھ بھی منقول نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۷۔ عرش مخلوق ہے

عرش مخلوق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (التوبہ۔۱۲۹) (وہ عرش عظیم کا رب ہے)

جب اللہ تعالیٰ ربُّ العرش ہوا تو عرش مربُوب ٹھہرا اور جو چیز مربُوب ہو وہ مخلوق ہوتی ہے۔

---

[1] ظاہر ہے کہ یہ حضرت بلالؓ کے الفاظ ہیں اور حدیث مرفوع میں شامل نہیں۔ لہٰذا مصنف کا استدلال درست نہیں۔ مسئلہ زیر بحث چنداں اہم نہیں۔ عرب عام طور سے نفس کو رُوح کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی المفردات میں لکھتے ہیں کہ عربی شعراء نفس اور روح کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ اس کی مثال میں اُنھوں نے شاعر کا شعر پیش کیا ہے جو اُس نے آگ کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس رُوح کا ایک جزو ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے نوع یعنی انسان پر جنس یعنی حیوان کا اطلاق کیا جائے۔ رُوح سے مراد جسمِ انسانی کا وہ حصّہ ہے جس سے زندگی، حرکت، حصولِ نفع اور دفع ضرر کا قیام ہے۔ آیت "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ" میں بھی اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابن الانباری کہتے ہیں روح و نفس ایک ہی چیز ہیں۔ البتہ روح مُذکر ہے اور نفس مؤنث۔ ابنِ سیدہ لغوی کہتے ہیں کہ رُوح و نفس کے مابین فرق ہے مگر وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ پھر ابنِ سیدہ نے وہ شواہد بیان کیے ہیں جہاں نفس رُوح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ الفاظ دیگر معانی کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں مگر ان کا تذکرہ یہاں غیر ضروری اور طوالت کا موجب ہے۔ (احمد شاکر مصری)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی صورت میں متمثّل نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں۔ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز کی صورت میں متمثّل نہیں ہوتا۔ قبل ازیں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کی صورت میں متمثّل ہوتا تو وہ صورت اس کی مثل ہو جاتی۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے کہ "اس جیسی کوئی چیز نہیں"۔

(الشوریٰ۔ ۱۱)

۹۔ نبوّت حق ہے

نبوّت کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز ہماری نگاہ سے غائب ہو یا ہم سے پہلے موجود تھی (اور اب موجود نہیں) تو اس کا علم اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں خبر دی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ خبر متواتر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ اگر خبر متواتر میں بھی شک و ریب کا وجود تسلیم کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ یہ بات بھی مشکوک ہو کر رہ جائے کہ آیا ہم سے قبل کوئی مخلوق اس کائنات پر موجود تھی یا نہیں؟ اس لیے کہ ہمیں سابقہ مخلوقات کا علم خبر ہی نے حاصل ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے انکار خلافِ عقل ہوگا۔

نظریں نقل متواتر سے ہمیں اس بات کا علم حاصل ہوا ہے کہ انسانوں ہی میں سے بعض افراد (انبیائے کرام) اپنے ہم زمانہ لوگوں کے پاس آئے اور انھیں بتایا کہ خالق حقیقی نے انھیں بطریق وحی اپنی قوم کو ڈرانے کا حکم دیا ہے۔ جب لوگوں نے ان سے اس کی دلیل و برہان طلب کی تو اُن سے ایسے اعمال صادر ہوئے جو طبعی اُمور کے خلاف تھے اور کوئی مخلوق عقلاً ان کو انجام دینے پر قادر نہ تھی۔ بجز اس خالقِ حقیقی کے جس نے اپنی مشیّت کے مطابق ان کو وجود پذیر کیا۔ مثلاً عصا (موسیٰ) کو دوڑنے والے سانپ کی صورت میں تبدیل کرنا، گزرنے والے لشکر (بنی اسرائیل) کے لیے دریا میں راستہ پیدا کرنا اور تعاقب کرنے والوں (یعنی لشکر فرعون) کو ڈبونا، (عیسیٰ کا) مُردوں کو زندہ کرنا، پیدائشی اندھے کو بینا کرنا۔ (قومِ صالح کے لیے) پتھر سے ناقہ پیدا کرنا، آگ میں ڈالے جانے کے باوجود کسی انسان کا اس میں نہ جلنا (جیسے ابراہیم علیہ السلام)، معجزات محمدی) ایک صاع جَو سے دسیوں لوگوں کو سیر کرنا، انسان کی انگلیوں سے پانی کے چشمے کا جاری ہونا یہاں تک کہ پورا لشکر سیراب ہو جائے اور دیگر معجزات۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ معجزات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ ان کے ہاتھوں جو معجزات رُونما ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کی صحت کی شہادت دی اور ان کی تصدیق کی تھی۔

۱۰- حضرت محمد بن عبداللہ کی رسالتِ عامّہ

حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انس وجنّ اور مومن وکافر کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کریم کو ہمارے پاس لائے اور یہ کامل تواتر کے ساتھ منقول ہو کر ہم تک پہنچا۔ آپ نے مخالفین کو چیلنج کیا کہ وہ اس جیسا قرآن تیار کر کے لے آئیں مگر وہ سب کے سب اس کے مقابلہ سے قاصر رہے (جیسا کہ سُورۃ بقرہ آیت ۲۲ اور دوسری جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کیا ہے)۔

۲- آپ کے لیے چاند کو شق کیا گیا۔ قرآن کریم میں فرمایا:۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ (القمر: ۱تا۳)

قیامت قریب آپہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔ اور انھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مُقرر ہے۔

۳- آپ کو موجود نہ پاکر (کھجور) کا تنہ رونے لگا جس کو تمام حاضرین نے سُنا اور وہاں متعدد گروہ موجود تھے (جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ کتب احادیث میں مروی ہے)۔

۴- آپ نے یہود کو چیلنج کیا کہ اگر وہ سچے ہوں تو موت کی آرزو کریں۔ آپ نے اُن کو یہ بھی بتا دیا کہ وہ ہرگز موت کی آرزو نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ علانیہ موت کی آرزو سے قاصر رہے (جیسا کہ سورۂ جمعہ میں وارد ہے)

۵- آپ نے نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ دی مگر اُنھوں نے اسے قبول نہ کیا۔ (جیسا کہ سورہ آل عمران ۶۰ میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وارد ہے)

آخری دونوں دلیلوں کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں یہ بھی مذکور ہے کہ تمام عرب اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز و قاصر رہے۔

۶۔ آپ کو یہ معجزہ بھی عطا ہوا کہ آپؐ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔ اور آپؐ نے ایک صاع جَو اور بکری کے ایک بچے کا گوشت سینکڑوں لوگوں کو کھلایا اور وہ تمام سیر ہو گئے (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے)

۷۔ آپ کے معجزات کو صحیح سمجھ کر یمن و بحرین اور عمّان کے مُلوک و سلاطین آپ نے مطیع ہو گئے اور وہ بخوشی خاطر بلا خوف و خطر اپنی حکومت سے دستبردار ہو گئے۔ نہ تو انھیں یہ خطرہ دامنگیر تھا کہ آپ ان کے خلاف نبرد آزما ہوں گے، اور نہ ہی ان کو کسی قسم کا لالچ دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ آپؐ کے پاس دولتِ دُنیا نہ تھی۔ خود آپؐ نے تیمی میں پرورش پائی تھی لہٰذا دنیاوی دولت کی لالچ آپ کیسے دیتے۔

۸۔ عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے نبوّت کا دعویٰ کر ڈالا۔ مثلاً صنعاء کا رہنے والا (اَسود عَنسی) اور یمامہ کا رہنے والا (مُسَیلمہ کذّاب) ان دونوں کی فوجی قوّت آپؐ سے زیادہ تھی۔ وسیع تر علاقہ کے مالک تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کی قوم کے سوا کسی نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔ ان کے مقابلہ میں آپؐ کا لشکر کمزور تر، حدود مملکت محدود تر، اور آپؐ کا وطن ملوک و سلاطین کے علاقوں سے بعید تر تھا۔

ان ساری باتوں کے باوجود آپؐ نے ان ملوک و سلاطین کو جو آپؐ سے دو ماہ کی طویل مسافت پر آباد تھے اقامتِ صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کی دعوت دی۔ فخر و جبر کو ترک کر کے اظہار عجز و نیاز کی تلقین کی۔ ان کو مامور فرمایا کہ انسانی جان کا معاملہ ہو یا اس سے کم (کسی انسانی عضو کا) امیر ہو یا فقیر قصاص کے اصول کو اپنایا جائے۔ قطع نظر اس سے کہ مظلوم کے پاس مال ہو یا نہ ہو، اس کی پشت پناہی کرنے والا قبیلہ موجود ہو یا مفقود۔ غرض یہ کہ جو لوگ بھی حضورؐ کے وابستہ دامن ہوئے وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان نشانات کو دیکھ کر ہوئے جن سے مجبور و مقہور ہو گئے تھے۔ آپ لڑ کر کسی شہر پہ قابض نہیں ہوئے بجز مکہ مکرمہ اور خیبر کے۔ قرآن کریم میں فرمایا:۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف - ۱۵۸)

(اے محمدؐ) کہہ دو کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ (تا آخر) (الرحمن - ۳۳)

اے گروہ جن و انس اگر تمہیں قدرت ہو (آخر تک)

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا (الجن - ۱)

(اے پیغمبر) لوگوں سے کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے اس کتاب کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔
(آل عمران - ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

۱۱۔ تمام اَدیان منسوخ ہیں

اللہ رب العالمین نے آپؐ کی ملت کے آنے سے تمام ملتوں کو منسوخ ٹھہرایا اور اس کائنات پر بسنے والے تمام انس و جن پر آپؐ کی اطاعت کو لازم قرار دیا۔ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب-۴۰)

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے) ہیں۔

۴ - [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از وہب بن مسرہ از محمد بن وضاح از ابو بکر بن ابی شیبہ از عبداللہ بن ادریس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از مختار بن فلفل بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک نبوّت و رسالت دونوں منقطع ہوگئیں" یہ سُن کر لوگ بے قرار ہوئے تو آپ نے فرمایا "بشارات باقی ہیں اور وہ نبوّت کا ایک جزو ہیں" (یہ روایت جامع ترمذی کتاب تعبیر الرؤیا میں بھی ہے)

۱۲۔ عیسٰی بن مریم نازل ہوں گے

حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے انبیاء گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کا نام ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں۔ سب انبیاء پر ایمان لانا فرض ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث نبوی ہے۔

۵۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ولید بن شجاع و ہارون بن عبداللہ و حجاج بن شاعر از حجاج بن محمد از ابن جریج از ابوزبیر بیان کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ میری اُمت کا ایک گروہ حق پر قائم رہتے ہوئے تا قیامت مشغولِ جہاد رہے گا۔ پھر عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر کہے گا کہ آیئے ہمیں نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس سے انکار کریں گے اور فرمائیں گے کہ تم ایک دوسرے کے امیر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو یہ شرف بخشا ہے۔ (یہ روایت صحیح مسلم کتاب الایمان اور کتاب الجہاد دونوں میں موجود ہے)

اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں حضرت آدم[1] و نوح[2] و ادریس[3] و ابراہیم[4] و اسماعیل[5] و اسحاق[6] و یعقوب[7] و یوسف[8] و موسیٰ[9] و ہارون[10] و داؤد[11] و سلیمان[12] و یونس[13] و الیسع[14] و الیاس[15] و زکریا[16] و یحییٰ[17] و ایوب[18] و عیسیٰ[19] و ہود[20] و صالح[21] و شعیب[22] و لوط[23] علیہم السلام کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (النساء - ۱۶۴)

اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا: يُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا (النساء: ۱۵۰ - ۱۵۱)

اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں وہ بلا اشتباہ کافر ہیں۔

۱۳۔ تمام انبیاء انسان تھے

جملہ انبیاء بشمول جناب محمد و عیسٰی علیہما السلام اللہ کے بندے اور باقی انسانوں کی طرح اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ تمام انبیاء ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوئے۔ بجز حضرت آدمؑ اور عیسٰیؑ کے۔ اس لیے کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ مٹی سے پیدا کیا۔ نہ مرد سے اور نہ ہی عورت سے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان کی والدہ کے بطن میں کسی مرد کے بغیر پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسل و انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے (اپنی اپنی اُمّتوں کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا:

إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (ابراهیم - ۱۱)

ہم تمھارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ (الحجرات - ۱۳)

ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹)

عیسٰی کا حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا۔

مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (سورہ ص - ۷۵)

تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (مریم ۱۹-۲۱)

انھوں نے کہا کہ میں تو تمھارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ) ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ تمھیں پاکیزہ لڑکا بخشوں (مریم نے) کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ (فرشتے نے) کہا کہ یونہی ہوگا۔ تمھارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اور دوسری جگہ فرمایا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا (التحریم-۱۲)

اور عمران کی بیٹی مریم جنھوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

۱۴- جنّت حق اور مخلوق ہے

جنّت حق ہے اور اہل ایمان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ کافر اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔

ارشاد ربّانی ہے:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (آل عمران-۱۳۳)

اور جنّت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ۔ (الاعراف-۵۰)

اور دوزخی بہشتیوں سے کہیں گے کہ کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمھیں عنایت فرمایا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دو۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے بہشت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ دوزخ حق اور مخلوق ہے

دوزخ حق ہے۔ یہ گھر پیدا کیا جا چکا ہے۔ کوئی مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

قرآن میں فرمایا:

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى (اللیل۔ ۱۵-۱۷)

اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس سے بچا لیا جائے گا۔

۱۶۔ مومن ابدی جہنمی نہیں ہوگا

مشیّت ربانی سے دوزخ میں وہ مسلمان بھی داخل ہوں گے جن کے کبیرہ گناہ اور برائیاں نیکیوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوں گی۔ پھر شفاعت کی بنا پر دوزخ سے نکل کر جنّت میں داخل ہو جائیں گے۔

ارشاد ربّانی ہے:۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (النساء۔ ۳۱)

اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے پرہیز کرو گے تو ہم تمھارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تمھیں عزّت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔

نیز فرمایا:۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (الانبیاء۔ ۴۷)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرہ بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

اور فرمایا: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ (القارعۃ: ۶-۱۱)

تو جس کے (نیک اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہلکے نکلیں گے اس کا مرجع ہاویہ ہے اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

۶۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابو غسان مسمعی و محمد بن مثنیٰ از معاذ بن ہشام دستوائی از ابو قتادہ بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کہا اور اس کے دل میں جَو بھر نیکی ہو اُس کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔ پھر اُس کو دوزخ سے نکالا جائے گا جس نے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ پڑھا اور اس کے دل میں گندم کے دانے پر نیکی (کا جذبہ) ہو۔ بعد ازاں اس کو دوزخ سے نکالا جائے گا جس نے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ پڑھا اور اس کے دل میں ذرہ بھر نیکی ہو (یہ روایت بخاری نے کتاب الایمان و کتاب التوحید اور مسلم نے کتاب الایمان اور ترمذی نے صفۃ جہنم میں بیان کی ہے۔

۱۷۔ جنت و دوزخ اور اُن کے مکین فنا نہیں ہوں گے

جنت و دوزخ اور ان کے مکین کبھی فناء سے ہمکنار نہ ہوں گے

اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ اور ان کے باسیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (النساء : ۱۶۹) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور فرمایا: خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔ (ھود۔۱۰۸)

ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان اور زمین ہیں۔ مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بخشش جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

۷۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف بن نامی از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از محمد بن عیسٰی عمرویہ جلودی از ابراہیم بن سفیان از مسلم بن حجاج از ابو بکر بن شیبہ و ابو کریب از ابو معاویہ از اعمش از ابو صالح بیان کیا کہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز موت کو دھاری دار مینڈھے کی صورت میں حاضر کیا جائے گا اور اہلِ جنت سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تمھیں معلوم ہے یہ کیا ہے؟ اہل جنت دیکھ کر کہیں گے یہ موت ہے۔ پھر دوزخیوں سے یہی سوال کیا جائے گا تو وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھ کر کہیں گے کہ یہ موت ہے۔ پھر موت کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے جنّت والو! اب تمھیں موت نہیں آئے گی اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ اور اے دوزخ والو! اب تمھیں موت نہیں آئے گی اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (مریم: ۳۹)

اور ان کو حسرت کے دن سے ڈراؤ جب بات طے کر دی جائے گی اور (افسوس) وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔

یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے آپؐ نے اہلِ دنیا کی طرف اشارہ کیا۔ ابُو کُریب نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ "موت کو جنّت اور دوزخ کے درمیان ٹھہرایا جائے گا" (یہ روایت بخاری کتاب التفسیر اور مسلم کتاب صفۃ الجنّۃ والنّار اور ترمذی کتاب التفسیر میں ہے)۔

اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت کے بارے میں فرماتا ہے:۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (الدخان: ۵۶)

اور پہلی دفعہ مرنے کے سوا موت کا مزہ نہیں چکھیں گے۔

اور دوزخیوں کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:۔

لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر: ۳۶)

نہ انھیں موت آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔

۱۸- اہلِ جنّت کھائیں پئیں گے

اہلِ جنّت کھائیں پئیں گے، لباس پہنیں گے اور جنسی لذّت حاصل کریں گے۔ ہرگز کسی تکلیف سے دوچار نہ ہوں گے۔ یہ سب اشیاء دنیوی چیزوں سے مختلف ہوں گی۔ ان کی کیفیت یہ ہوگی کہ ایسی چیز نہ کبھی آنکھوں نے دیکھی، نہ کانوں نے سُنی اور نہ دل میں کبھی اُس کا خیال آیا۔ اور حُور کا وجود برحق ہے۔ یہ پاکیزہ عورتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے پیدا کیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الواقعة: ۱۷-۲۴)

نوجوان خدمت گار جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے۔ آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے کر۔ اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ اُن کی عقلیں زائل ہوں گی۔ اور میوے جس طرح کے ان کو پسند ہوں۔ اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا ان کا دل چاہے اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے (حفاظت سے) تہ کیے ہوئے (آبدار) موتی۔ یہ اُن اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

نیز فرمایا:۔ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (الحج: ۲۳) اور ان کا لباس اس (جنت) میں ریشم کا ہوگا۔

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَّسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر: ۲۱)

اور اُنھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔

۸۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از محمد بن عیسٰی از ابراہیم بن محمد از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از سفیان از ابوزناد از اعرج بیان کیا کہ]

حدیث قدسی

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا گزر ہوا۔ اس کی تائید قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (السجدة: ۱۷)

کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

۹۔ [ہم سے از سند سابقہ تا مسلم بن حجاج از حسن حلوانی از ابوعاصم از ابن جریج از ابوزبیر بیان کیا کہ]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کھائیں پئیں گے مگر انھیں بول و براز کی حاجت نہ ہوگی۔ نہ ہی تھوکیں گے۔ ان کا کھانا ڈکار لینے سے ہضم ہو جائے گا جیسے کستوری کی خوشبو ہوتی ہے۔ حمد و تسبیح ان سے اس طرح بے ساختہ صادر ہوں گے جس طرح سانس لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم صفۃ الجنۃ میں روایت ہے)

یہ حدیث اس بارے میں نص کی حیثیت رکھتی ہے کہ یہ عمل دنیوی معاملات کے برعکس ہے (اس لیے کہ دنیا میں کھا پی کر بول و براز کی حاجت ہوتی ہے)

۱۹۔ عذاب جہنم کے انواع و اقسام

دوزخیوں کو بیڑیاں اور گلے میں طوق پہنائے جائیں گے۔ اسی طرح گندھک کا لباس، آگ کے طبقے۔ کھانے کے لیے تھوہر، پینے کے لیے پگھلا ہوا تانبا اور گرم پانی دیا جائے گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

قرآن میں فرمایا:۔

سَرَابِیْلُھُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ ۔ (ابراھیم: ۵۰) اُن کے کُرتے گندھک کے ہوں گے۔

اور فرمایا: اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاْ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا (الدھر: ۴)

ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کی ہے۔

پھر فرمایا: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا (المائدہ: ۳۷)

چاہیں گے کہ عذاب سے نکل جائیں مگر اس سے نہیں نکل سکیں گے۔

پھر ارشاد ہوا: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۔ طَعَامُ الْاَثِیْمِ (الدخان: ۴۳-۴۴)

بلاشبہ تھوہر کا درخت گنہگار کا کھانا ہے۔

اور مزید ارشاد ہے: فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ (الواقعۃ: ۴۲)

دوزخ کی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں۔

اور بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُھْلِ یَشْوِی الْوُجُوْہَ

(الکھف: ۲۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی داد رسی کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح (گرم ہوگا) اور جو مونہوں کو بھون ڈالے گا۔

۲۰۔ حدیث نبوی کا منکر کافر ہے ہر وہ شخص جو رسول کریمؐ سے ثابت شدہ صحیح حدیث کا انکار کرے یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی و منقول ہو اور اس پر اہل ایمان کا اجماع منعقد ہو چکا ہو تو وہ شخص کافر ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (النساء: ۱۱۵)

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

۲۱۔ قرآن کریم کلام اللہ ہے شرق و غرب میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن کریم کا جو نسخہ موجود ہے سورۃ الفاتحہ سے لے کر آخری دو سورتوں تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بصورت وحی آنحضورؐ کے قلب مبارک پر اتارا گیا ہے۔ جو شخص اس میں سے ایک حرف کا بھی منکر ہو وہ کافر ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ (التوبۃ: ۶)

تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلام الٰہی سننے لگے۔

اور ارشاد ہوا: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ (الشعراء: ۱۹۳)

اس کو امانت دار فرشتے کر اترا ہے۔ اس نے تمہارے دل پر (القاء) کیا ہے۔

مزید بار دیگر ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا: (الشوریٰ: ۷)

اور اسی طرح تمہارے پاس ہم نے قرآن عربی بھیجا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں جتنی روایات منقول ہیں کہ ان کے پاس قرآن کا جو نسخہ تھا اس میں سورۃ الفاتحہ اور آخری دو سورتیں موجود نہ تھیں سب جھوٹی اور موضوع ہیں۔ اُن سے ثابت شدہ قرأت از عاصم از زرّ بن حبیش از ابن مسعودؓ ہے اور اس روایت میں سورۃ الفاتحہ اور آخری دو سورتیں موجود ہیں۔

۲۲- قرآن میں مذکور جملہ واقعات حق ہیں

قرآن کریم میں جو اخبار و واقعات مذکور ہیں خواہ کسی نبی کے بارے میں ہوں، یا کسی قوم کو مسخ کیے جانے، یا اس کو عذاب دینے یا انعامات دینے کے بارے میں وہ سب حق اور درست ہیں۔ یہ سب واقعات اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور ان میں رمز و اشارہ نہیں پایا جاتا۔

قرآن کریم میں فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (الشوریٰ: ۷) عربی قرآن

اور ارشاد ہوا: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۸۹) اس میں ہر چیز کی وضاحت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدہ: ۱۲)

وہ الفاظ کو ان کی جگہوں سے تبدیل کر دیتے ہیں۔

۲۳- دین میں کوئی راز نہیں

کسی کے نزدیک دین میں کوئی راز کی بات موجود نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ. اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا۔ (البقرۃ: ۱۵۹- ۱۶۰)

جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں اور (احکامِ الٰہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں۔

پھر فرمایا: لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (آل عمران: ۱۸۷)

اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات کو) نہ چھپانا۔

۲۴۔ ملائکہ حق ہیں بلا شبہ فرشتے برحق ہیں۔ وہ باقی مخلوقات کی طرح اللہ کی ایک باعزت مخلوق ہیں یہ سب اللہ کے پیامبر ہیں۔ قرآن میں فرمایا:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ (الرعد: ۲۳)

اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے ہر دروازے سے۔

اور فرمایا: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (الانبیاء: ۲۹) بلکہ وہ بندے ہیں معزز

جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ (فاطر: ۱)

فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے پر ہوتے ہیں۔

۲۵۔ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے سب فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم پانی اور مٹی سے مخلوق ہوئے اور جن آگ سے۔

۱۰۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از محمد بن عیسٰی از ابراہیم بن محمد از مسلم بن حجاج از عبد بن حمید از عبدالرزاق از معمر از زھری از عروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنوں کو آگ کے شُعلے سے اور حضرت آدم کو اس چیز سے خلق کیا جس کا تذکرہ اس نے یوں فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ (المومنون: ۱۲)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔

۲۶۔ فرشتے سب مخلوقات سے افضل ہیں فرشتے تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ وہ چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہیں کرتے۔ وہ آسمانوں پر رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم:۶)

اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں۔

اور فرمایا: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (النساء:۱۷۲)

مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں)

مزید ارشاد ہوا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل:۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ فرشتوں کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ بنی آدم فرشتوں کے سوا باقی سب مخلوقات سے افضل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو جھک کر سلام (سجدہ تحیۃ) کریں۔ اگر فرشتے آدم سے افضل نہ ہوتے تو جھک کر سلام کروانے میں حضرت آدم کی کوئی فضیلت لازم نہ آتی۔ اور ہم نے اپنی کتاب "الفصل" میں تفصیلی بحث کی ہے۔

قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا: وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ (الزمر:۷۵)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں۔[1]

۲۷۔ جن حق ہیں

اس میں شبہ نہیں کہ جن حق ہیں۔ یہ بھی اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں۔ ان میں کافر بھی ہیں اور مومن بھی۔ وہ ہمیں دیکھتے ہیں لیکن ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ وہ کھاتے ہیں اور ان کی نسلیں ہوتی ہیں اور پھر (ہماری طرح) مر جاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:۔

---

[1] بیشک فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں لیکن انبیاء سے افضل ہونے میں امت مسلمہ کے بڑے بڑے ائمہ میں اختلاف ہے۔ ابوالاشبال پاکستانی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ (الرحمٰن : ۳۲) اے گروہ جن وانس۔

اور فرمایا: وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (الحجر : ۲۷)

اور جنوں کو اس سے پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جنات کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے:۔

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا. وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن : ۱۴-۱۵)

اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض گنہگار ہیں۔ تو جو فرمانبردار ہوئے وہ سیدھے راستے پر چلے اور جو گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔

اور فرمایا: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (الاعراف : ۲۷)

وہ (ابلیس) اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔

پھر ارشاد ہوا: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ (الکھف : ۵۰)

کیا تم اس (ابلیس) کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔

مزید ارشاد ہوا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن : ۲۶) جو (مخلوق) زمین پر ہے اس کو فنا ہونا ہے۔

بارِ دیگر فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران : ۱۸۵) ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔

۱۱۔ [ہم سے احمد بن محمد جسور و عبداللہ بن ربیع دونوں نے بیان کیا احمد نے از وہب بن مسرہ از محمد بن وضاح از ابوبکر بن ابوشیبہ او عبداللہ نے از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از ھناد بن سری۔ پھر ابن ابوشیبہ اور ھناد دونوں از حفص بن غیاث از داؤد طائی از شعبی از علقمہ بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہڈیوں اور لید کے ساتھ استنجاء نہ کیجیے اس لیے کہ یہ دونوں تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ (یہ روایت ترمذی کتاب الطھارۃ اور سنن کبریٰ امام نسائی کی کتاب الطھارۃ میں ہے)۔

۲۸۔ موت کے بعد جی اُٹھنا برحق ہے | موت کے بعد حیاتِ نَو حق ہے۔ یہ ایسا وقت ہوگا جب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روئے زمین کی تمام زندہ مخلوقات موت سے ہمکنار ہو جائیں گی۔ پھر مُردوں کو اُن کی ہڈیوں سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا جو قبروں میں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ روحوں کو پھر سے ان میں داخل کر کے جسموں کو ان کی اصلی حالت پر لایا جائے گا۔ اس طرح پہلے اور پچھلے سب یکجا ہو جائیں گے۔ اور یہ اُس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ اس روز جن وانس کا محاسبہ کر کے ان کے اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔

قرآن کریم میں فرمایا:۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ (الحج: ۶-۷)

(اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی (قادر مطلق ہے جو) برحق ہے۔ اور یہ کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اٹھائے گا۔)

پھر فرمایا، مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یٰس: ۷۸-۷۹)

جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو اُن کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا: يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النور: ۲۴)

جس دن اُن کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں سب اُن کے کاموں کی گواہی دیں گے۔

مزید ارشاد ہوا: قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۔ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ۔

(الواقعۃ: ۴۹-۵۰)

کہہ دو کہ بے شک پہلے اور پچھلے سب ایک روز مقرر وقت پر جمع کیے جائیں گے۔

بار دیگر فرمایا: فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (السجدۃ: ۵)

اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر مزید ارشاد ہوا: اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (المومن: ١٧)

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج (کسی کے حق میں) بے انصافی نہیں ہوگی۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

۲۹- وحشی جانور روزِ قیامت اکٹھے ہو جائیں گے

روزِ قیامت وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔ قرآن میں فرمایا:

وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (التکویر: ٥) اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (الانعام: ٣٨)

"اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے اُن کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی پھر سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کیے جائیں گے"

۱۲- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قتیبہ بن سعید از اسماعیل بن جعفر از علاء بن عبدالرحمٰن از پدرِ خود بیان فرمود کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم روزِ قیامت حق والوں کا حق ضرور ادا کرو گے۔ حتّٰی کہ سینگ دار بکری سے بے سینگ بکری کا قصاص لیا جائے گا۔ (یہ حدیث مسلم کتاب الادب میں ہے)۔

۳۰- پُل صراط حق ہے

پُل صراط حق ہے۔ یہ ایک گزرگاہ ہے جس کو جہنم کے آر پار رکھا جائے گا۔ پس جس کو اللہ چاہے نجات دے گا اور جس کو چاہے گا ہلاکت سے ہمکنار کرے گا۔

۱۳- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از یعقوب بن ابراہیم از پدرِ خود از ابن شہاب از عطاء بن یزید لیثی نے بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا۔ پل صراط جہنم کے آر پار رکھا جائے گا۔ اس حدیث میں آپؐ نے مزید فرمایا کہ جہنم میں کانٹے ہوں گے جیسے گوکھرو ہوتے ہیں۔ کیا تم نے گوکھرو دیکھے ہیں؟ جہنم کے کانٹے گوکھرو (پنجابی بکھڑا) جیسے ہوتے ہیں۔ مگر ان کی جسامت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ وہ کانٹے لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق پھانسیں گے۔ بعض اس سے ہلاک ہو جائیں گے اور بعض ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ نجات پانے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ پھر راوی نے باقی ماندہ حدیث ذکر کی۔ (یہ روایت بخاری کتاب الرقاق اور کتاب التوحید اور مسلم کتاب الایمان اور نسائی کتاب الصلاۃ میں ہے)۔

۳۱۔ میزان حق ہے

میزانِ اعمال حق ہے جس میں اعمال وزن کیے جائیں گے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے مگر ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ قرآن عزیز میں فرمایا۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (الانبیاء۔ ۴۷)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

اور فرمایا: وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ (الاعراف: ۸) اور (اعمال کا) تولنا اس روز برحق ہے

مزید ارشاد ہوا: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۔ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۔ نَارٌ حَامِيَةٌ (القارعۃ: ۶-۱۱)

تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے۔ وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

۳۲۔ حوض حق ہے

حوض حق ہے۔ جو شخص بھی اسے پی لے گا اس کو کبھی پیاس لاحق نہ ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابوشیبہ از عبدالعزیز بن عبدالصمد عمی از ابوعمران جونی بیان کیا کہ] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی حضور! حوض پر کتنے برتن موجود ہوں گے؟ فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے اُن ستاروں سے بھی زیادہ ہوگی جو تاریک اور بے اَبر صاف رات میں نمایاں ہوں۔ جو اُن سے ایک مرتبہ پیئے گا آخر تک اُسے پیاس نہ لگے گی جنّت سے دو پرنالے اس حوض میں گر رہے ہوں گے۔ جو اس میں سے پیئے گا اسے کبھی پیاس لاحق نہ ہوگی۔ اُس کا طول و عرض یکساں ہے اور اس کا فاصلہ اتنا ہے جتنا عمّان سے لے کر ایلہ تک۔ اس کا پانی دودھ سے سفید تر اور شہد سے شیریں تر ہوگا۔

۳۴- اہل کبائر کے لیے رسولِ کریمؐ کی شفاعت برحق ہے

رسولِ کریمؐ کی سفارش اپنی اُمّت کے اہلِ کبائر کے لیے برحق ہے۔ آپ کی سفارش سے وہ دوزخ سے نکل کر جنّت میں چلے جائیں گے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ: ۲۵۵)

وہ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔

۱۵- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوغسان مسمعی از معاذ بن ہشام دستوائی از پدرِ خود از قتادہ بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی اپنی اُمّت کے لیے ایک دعا کرتا ہے۔ میں نے اپنی دعا کو روزِ قیامت اپنی اُمّت کی شفارس کرنے کے لیے محفوظ رکھا ہے۔ (اس حدیث کو مسلم نے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے)۔

۱۶- [ہم نے از سند سابقہ تا مسلم از نصر بن علی از بشر بن مفضل از ابوسلمہ سعید بن یزید از ابونضرۃ روایت کیا کہ] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اہلِ جہنّم جو اس میں مقیم ہوں گے نہ زندہ ہوں گے نہ مردہ۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایک طرح کی موت دے گا اور وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر شفاعت کی اجازت ملے گی تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھیں گروہوں کی صُورت میں لایا جائے گا۔ انھیں علیحدہ علیحدہ جنّت کی نہروں پر ٹھہرایا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا جنّت والو! ان پر پانی ڈالو۔ پھر وہ اس طرح اُگیں گے جیسے وہ دانہ اُگتا ہے جو سیلاب کے ساتھ ساتھ بہتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان، سنن ابن ماجہ کتاب الزّھد)

۴۴۔ اعمال نامہ پر ہمارا ایمان ہے

اعمال نامے جن میں فرشتے بندوں کے اَعمال رقم کرتے ہیں برحق ہیں۔ ہم اُن پر ایمان رکھتے ہیں یہ جانے بغیر کہ ان کی کیفیت کیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیَانِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (سورۃ قٓ : ۱۷-۱۸)

جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

مزید ارشاد ہے: اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الجاثیہ : ۲۹)

جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔

پھر فرمایا: وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیْ عُنُقِہٖ ط وَنُخْرِجُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلْقٰہُ مَنْشُوْرًا۔ اِقْرَاْ کِتٰبَکَ ط (بنی اسرائیل : ۱۳-۱۴)

اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو بصورت کتاب اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ کتاب) اسے نکال دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے۔

۴۵۔ اہل ایمان کے دائیں ہاتھ اور کافر کو بائیں ہاتھ میں اعمالنامے دیے جائیں گے اور اہل کبائر کو پچھلی طرف سے

روزِ قیامت لوگوں کو اُن کے اعمالنامے دیے جائیں گے۔ وہ خوش نصیب اہلِ ایمان جو عذاب سے محفوظ رہیں گے اُن کو دائیں ہاتھ سے اعمالنامے دیے جائیں گے۔ کفّار کو بائیں ہاتھ میں اور کبائر کے مرتکب اہل ایمان کو پچھلی طرف سے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن عزیز میں فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔ وَیَنْقَلِبُ اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ۔ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا۔ وَیَصْلٰی سَعِیْرًا۔ اِنَّهٗ کَانَ فِیْ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۔ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ۔ (الانشقاق: ۷-۱۴)

تو جس کا (نامۂ اعمال) اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا۔ اور جس کا (نامۂ اعمال) اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ موت کو پکارے گا۔ اور دوزخ میں داخل ہو گا۔ یہ اپنے اہل وعیال میں مست رہتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ (اللہ کی طرف) پھر کر نہیں جائے گا۔

پھر فرمایا: وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ۔ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ۔ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ۔ مَا اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ۔ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ۔ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۔ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ۔ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (الحاقة: ۲۴-۳۴)

اور جس کا (نامۂ اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش موت ہمیشہ کے لیے میرا کام تمام کر چکی ہوتی۔ (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ (ہائے) میری سلطنت، خاک میں مل گئی (حکم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو۔ پھر زنجیر سے جس کی ناپ ستر گز ہے جکڑ دو۔ یہ نہ تو اللہ جلّ شانہ پر ایمان لاتا تھا اور نہ فقیر کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا تھا۔

۳۶۔ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہیں

ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو اُس کے اقوال و اعمال کو لکھتے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۔ (قٓ: ۱۷-۱۸)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے لکھ لیتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

۳۷۔ حسنات و سیّئات

جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا مگر ہنوز اس پر عمل نہ کیا تو اس کے اعمال نامہ میں ایک نیکی درج ہو جائے گی۔ اگر عملاً اس کو انجام دیا تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا پھر اللہ سے ڈر کر اس کو ترک کر دیا تو اُس کے اعمال نامہ میں ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اور اگر کسی نے بالجبر اس کو اس برائی سے باز رکھا تو اس کے اعمال نامہ میں اس کا اندراج نہیں کیا جائے گا۔ اگر عملاً برائی کا ارتکاب کر لیا تو اس کے اعمال نامہ میں ایک برائی لکھی جائے گی۔

۷۱۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف وہ احمد بن فتح سے وہ عبدالوہاب بن عیسٰی سے وہ احمد بن محمد سے وہ احمد بن علی سے وہ مسلم بن حجاج سے وہ محمد بن رافع سے وہ عبدالرزاق سے وہ معمر سے بیان کرتے ہیں کہ]

حدیث قُدسی

ھمام بن مُنَبِّہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے ہمیں بہت سی احادیث سُنائیں۔ منجملہ ان احادیث کے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا بندہ نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر عمل کرنے سے پیشتر میں (اس کے اعمال نامہ میں) ایک نیکی لکھ لیتا ہوں۔ جب اس پر عمل کر لیتا ہے تو میں اس نیکی کو دس گنا کر کے لکھ لیتا ہوں، اور جب برائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر عمل کرنے سے میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ جب عملاً برائی کر لیتا ہے تو پھر ایک برائی لکھتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اے ربّ! تیرا فلاں بندہ برائی کرنا چاہتا ہے ____ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بخوبی معلوم ہے ____ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انتظار کرو۔ اگر یہ شخص عملاً برائی کرے تو ایک ہی برائی لکھو۔ اور اگر بُرائی کا ارادہ ترک کر دے تو اس کے اعمالنامہ میں ایک نیکی لکھ دو۔ اس لیے کہ اس نے میرے ڈر سے برائی کا ارادہ ترک کیا۔

(اس کے بعد) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص بحسن وخوبی اسلام لائے تو ہر نیکی جو وہ کرتا ہے اس کو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے۔ بخلاف ازیں بُرائیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی وہ عملاً انجام دیتا ہے۔ آخری دم تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۸۔ کُفر کی حالت میں کیے گئے اعمال کا مسئلہ

جس شخص نے کفر کی حالت کی کوئی بُرا کام کیا پھر مشرف باسلام ہوا۔ اگر وہ اس بُرائی پر قائم رہا تو آخرت میں اس فعل کی جزا سزا دی جائے گی جو اس نے کفر و اسلام دونوں حالتوں میں انجام دیا۔ اور اگر اسلام لانے کے بعد توبہ کرلی تو کفر کی حالت میں جو بُرائی اُس نے کی تھی وہ ساقط ہوگئی۔ جس شخص نے حالتِ کُفر میں اعمال صالحہ انجام دیے اور پھر اسلام لے آیا تو اُسے اُن اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اور اگر کفر پر اُس کی موت واقع ہوگئی تو اس کو دنیا میں ان نیک اعمال کا صلہ ملے گا مگر آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔

[ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن حاتم بن میمون اور ابراہیم بن دینار از حجاج بن محمد از ابن جریج از یعلی بن مسلم از سعید بن جبیر بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بعض مشرکین نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا، اکثر مرتبہ زنا کاری کے مرتکب ہوئے پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی آپ جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ حالت کُفر میں ہم جو کچھ کر چکے ہیں کیا اس کی تلافی ممکن ہے؟ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۔ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ۔ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا (الفرقان : ۶۸ -- ۷۰)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود کے طور سے نہیں پکارتے اور اس جان کو قتل نہیں کرتے۔ جس کے قتل کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر جائز طریقہ سے۔ اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے گا وہ کیے کی سزا پائے گا۔ روز قیامت اسے دُگنا عذاب دیا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ذلت کی حالت میں رہے گا۔ سوائے اس کے جو توبہ کرلے، ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دے۔" (صحیح بخاری کتاب التفسیر، صحیح مسلم کتاب الایمان، سنن ابو داؤد کتاب الفتن، سنن نسائی کتاب المحاربۃ)

حالتِ کُفر میں کیے گئے انہی اعمال قبیحہ کو اللہ تعالیٰ نے معاف کیا ہے جن کے ساتھ ایمان، توبہ اور اعمال صالحہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل ہوں۔

۱۹۔ [نیز سند سابقہ تا مسلم از عثمان بن ابوشیبہ از جریر از منصور از ابووائل از] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یارسولؐ اللہ! کیا ہم ان اعمال کی بنا پر پکڑے جائیں گے جو ہم نے قبل از اسلام انجام دیے تھے؟ آپ نے فرمایا جس نے اسلام لانے کے بعد اپنی اصلاح کر لی اسے نہیں پکڑا جائے گا۔ اور جس نے اس بُرے کام کو جاری رکھا اسے اُن اعمال کی وجہ سے پکڑا جائے گا جو اُس نے کفر و اسلام کی حالت میں انجام دیے تھے (صحیح بخاری کتاب استتابۃ المرتدین و صحیح مسلم کتاب الایمان)

۲۰۔ [و نیز از سند سابقہ تا مسلم از ابوبکر بن ابوشیبہ از وکیع از اعمش از ابووائل از] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت ہے کہ ہم نے عرض کی یارسولؐ اللہ! جو کام ہم نے دورِ جاہلیت میں کیے تھے کیا اُن کی بنا پر ہماری گرفت ہوگی؟ فرمایا جس نے حالتِ اسلام میں اپنے آپ کی اصلاح کر لی، اعمالِ جاہلیت کی بنا پر اس پر گرفت نہیں ہوگی اور جو حالتِ اسلام میں بھی اپنے بُرے اعمال کو جاری رکھے اسے پہلے اور پچھلے سب گناہوں کی وجہ سے پکڑا جائے گا۔ (صحیح بخاری کتاب استتابۃ المرتدین صحیح مسلم کتاب الایمان، سنن ابن ماجہ کتاب الزّھد)

۲۱۔ [اور اسی سند سابقہ کے ساتھ مسلم تک و مسلم از حسن حلوانی از یعقوب بن ابراہیم بن سعد از پدرِ خود از ابوصالح بن کیسان از ابن شہاب از عروہ بن زبیر روایت ہے کہ] حکیمؓ بن حزام نے عرض کی یارسولؐ اللہ! یہ ارشاد فرمائیے کہ دورِ جاہلیت میں مَیں جو نیک کام کیا کرتا تھا مثلاً صدقہ، غلام آزاد کرنا یا صلہ رحمی کیا ان کا اجر مجھے ملے گا؟ آپ نے فرمایا اُس دَور میں آپ نے جو نیک کام کیے اسلام لانے کے بعد وہ رائگاں نہیں جائیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، کتاب البیوع، کتاب العتق، کتاب الادب اور صحیح مسلم کتاب الایمان)

سوال: اگر معترض یہ کہے کہ قرآن میں فرمایا:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال: ۳۸)

جو لوگ کافر ہیں ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آجائیں تو اُن کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

مزید برآں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو فرمایا تھا کہ اسلام سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔ اسی طرح ہجرت اور حجّ کی بنا پر بھی پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔" حالانکہ آپ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابنِ حزم) نے اوپر لکھا ہے کہ سابقہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ اور اپنے رویّے کی اصلاح شرط ہے۔

جواب: ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خود آپ کے کلام یا کلام ربانی کا معارض نہیں ہو سکتا — نعوذ باللہ من ذلک — اگر ایسا ہوتا تو دونوں میں سے کسی کو ترجیح دی جاتی۔ مزید براں اس سے استدلال کرنے والے کا استدلال بھی باطل ہوتا۔ اسی طرح قرآن کریم نہ تو قرآن کریم کا معارض ہو سکتا ہے نہ حدیث نبوی کا۔ قرآن میں فرمایا:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء-۸۲)

اور اگر (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پایا جاتا۔

جہاں تک آیت کریمہ اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ کا تعلق ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی اصلاح کرے اسے مُعاف کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص باز نہ آئے اُس کو بھی معاف کر دیا جائے۔ لہٰذا معترض کا استدلال اس آیت سے باطل ٹھہرا۔ حدیث میں اسلام اور ہجرت کے بارے میں حضورؐ نے جو کچھ فرمایا وہ بھی حق ہے۔ ہمارا زاویۂ نگاہ بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ اسلام کا اطلاق جمیع طاعات پر ہوتا ہے اور بُرے فعل سے توبہ کرنا بھی طاعات میں شامل ہے۔ حضورؐ نے ہجرت کے بارے میں فرمایا کہ تمام گناہوں سے توبہ کرنا ہجرت ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ مہاجر وہ ہے جو منہیات شرعیہ کو ترک کر دے۔

۲۲- [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از محمد بن یوسف فربری از بخاری از آدم بن ابی ایاس از شعبہ از عبداللہ بن ابی سفر و اسماعیل بن ابی خالد از شعبی بیان کیا کہ] حضرت عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اصلی) مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامتی میں رہیں۔ اور (اصلی) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان و کتاب الرقاق، سنن ابو داؤد کتاب الجہاد، سنن نسائی کتاب الایمان)

۲۳- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ از حفص بن غیاث از داؤد از شعبی از مسروق بیان کیا کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! ابن جدعان (کافر) دورِ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا تو کیا اس سے اُسے کچھ (اُخروی) نفع حاصل ہوگا؟ فرمایا نہیں۔ اس لیے کہ اُس نے کسی روز بھی یہ نہیں کہا تھا کہ اے میرے رب! قیامت کے روز میری خطائیں معاف کر دیں (صحیح مسلم کتاب الایمان)

۲۴۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از محمد بن عیسٰی از ابراہیم بن محمد از مسلم از زہیر بن حرب از یزید بن ہارون از ہمام بن یحییٰ از قتادہ بیان کیا کہ] حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ اسے دنیا میں بھی اجر ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ بخلاف ازیں کافر جو نیک کام کرتا ہے اسے اس کا اجر دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ جب آخرت کو بارگاہِ ربانی میں پیش ہوگا تو اس کی کوئی نیکی باقی نہ ہوگی جس کا اجر اسے دیا جائے۔ (صحیح مسلم کتاب التوبۃ)

۳۹۔ عذابِ قبر حق ہے

عذابِ قبر حق ہے اور موت کے بعد روحوں سے سوال کرنا حق ہے اپنی موت کے بعد کوئی شخص تا قیامت زندہ نہیں رہے گا۔

۲۵۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از محمد بن عیسٰی از ابراہیم بن محمد از مسلم بن حجاج از محمد بن بشار از محمد بن جعفر از شعبہ از علقمہ بن مرثد از سعد بن عبیدہ بیان کیا کہ] حضرت براء بن عازب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آیت کریمہ

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراھیم: ۲۷)

اللہ مومنوں (کے دلوں کو) صحیح اور پکّی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا۔

عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔

میّت سے سوال کیا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا میرا رب اللہ اور میرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز و کتاب التفسیر، صحیح مسلم صفۃ الجنۃ والنّار سنن ابو داؤد کتاب السنّۃ، جامع ترمذی کتاب التفسیر، سنن نسائی کتاب الجنائز، سنن ابن ماجہ کتاب الزّھد)

۲۶۔ [ہم سے بسند سابقہ تا مسلم از عبیداللہ بن عمر قواریری از حماد بن زید از بدیل از عبداللہ بن شقیق بیان کیا کہ]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب مومن کی رُوح اُس کے جسم سے نکل جاتی ہے تو دو فرشتے اُسے لے کر اُوپر چڑھتے ہیں۔ آسمان والے کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ رُوح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ اے رُوح! تجھ پر خدا کی رحمتیں ہوں اور اس جسم پر جس کو تُو آباد کیے ہوئے تھی۔ وہ اس کو لے کر اپنے رب کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کو آخری وقت تک سنبھالے رکھو۔ جب کافر کی رُوح نکلتی ہے تو آسمان والے کہتے ہیں کہ یہ پلید رُوح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ کہا جائے گا کہ اس کو آخری وقت تک سنبھالے رکھو۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر رسولِ کریمؐ نے وہ چادر جو آپؐ کے جسم پر تھی اپنی ناک پر ڈال لی (جیسے بُو آرہی ہو)۔ (صحیح مسلم کتاب صفۃ الجنۃ والنار)

قرآن کریم میں فرمایا:۔

كُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (البقرۃ - ۲۸)

تم بے جان تھے تو اُس نے تم کو جان بخشی پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا۔

مندرجہ صدر بیان سے مستفاد ہوا کہ زندگیاں بھی صرف دو ہیں اور موتیں بھی دو۔ کسی مُردہ کو زندہ صرف معجزہ کی بنا پر کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ کیا اور اس قسم کے واقعات جن کے بارے میں (کتاب وسنت کی) نص وارد ہوئی ہو۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا قول بھی یہی ہے۔

[ہم سے محمد بن سعید بن نبات از اسماعیل بن اسحاق از عیسٰی بن حبیب از عبداللہ بن عبدالرحمان بن محمد بن عبداللہ بن یزید مقری از جد خود محمد بن عبداللہ از سفیان بن عیینہ از منصور بن عبدالرحمان بیان کیا کہ منصور کی والدہ] صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ عبداللہؓ بن عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ عبداللہؓ بن زبیرؓ کی نعش زمین پر پڑی تھی ابھی اُن کو سُولی پر نہیں لٹکایا گیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ کو بتایا گیا کہ (ابن زبیرؓ کی والدہ) اسماء موجود ہیں۔ چنانچہ آپؓ نے اُن کے پاس جا کر اُن سے (اُن کے بیٹے کی) تعزیت کی۔ عبداللہ کہنے لگے یہ اجسام بے حقیقت ہیں اور رُوحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں۔ یہ سُن کر اسماءؓ نے کہا مجھے (صبر سے) کیا چیز مانع ہے حضرت زکریاؑ

ؔ کتب تفسیر و آثار میں مرقوم ہے کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کا سر کاٹ کر بدکار عورت کو پیش کیا گیا تھا۔ بخلاف ازیں حضرت زکریاؑ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا سر (کاٹ کر) بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کو تحفہ کے طور پر دیا گیا تھا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کسی سے ایسی روایت منقول نہیں کہ عذاب قبر کی صورت میں رُوح جسم میں دوبارہ لوٹائی جاتی ہے۔ البتہ منہال بن عمرو سے ایسی روایت منقول ہے مگر وہ ثقہ راوی نہیں ہے۔

۴۔ نیکیوں سے برائیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے

نیکیوں سے بُرائیوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ توبہ گناہوں کو دُور کر دیتی ہے اور قصاص نیکیوں میں سے دیا جائے گا۔ قرآن میں فرمایا:۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طٰہٰ: ۸۲) اور میں توبہ کرنے والے کو بخش دیتا ہوں۔

اور فرمایا اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود: ۱۱۴) بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

۲۸ ۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی انا احمد بن محمد انا احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قتیبہ بن سعید انا اسماعیل از علاء بن عبدالرحمٰن از پدر خود بیان کردہ است کہ] حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ مُفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ ہم مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ یا مال و متاع نہ ہو۔ آپ نے فرمایا میری اُمّت کا مفلس وہ ہے جو روز قیامت نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر دربارِ الٰہی میں حاضر ہو گا۔ اس کے ساتھ اُس نے کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان لگایا، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا پیٹا۔ ان لوگوں میں اس کی نیکیاں تقسیم کر دی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں مگر اس پر جو حقوق واجب الادا تھے ختم نہ ہوئے تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ)۔

قرآن کریم میں فرمایا: اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ (المومن: ۱۷)

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے جسم کو آرے کے ساتھ چیر گیا تھا۔ اُس وقت آپ ایک درخت کے درمیان کھڑے تھے۔ اصل عبارت یحیٰی بن زکریا تھی۔ یحیٰی کا لفظ غلطی سے ساقط ہو گیا۔ (احمد محمد شاکر مصری)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۴۱۔ حضرت عیسٰی نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب

حضرت عیسٰی علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وفات دی پھر اپنی طرف اٹھالیا۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (النساء: ۱۵۷) اُنھوں نے عیسٰی کو قتل نہیں کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا۔

پھر فرمایا: اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران: ۵۵)

میں تمھاری دنیا میں رہنے کی مُدت پوری کرکے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔

اور ارشاد ہوا: وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔

اور جب تک میں اُن میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا تھا جب تو نے مجھے دُنیا سے اُٹھالیا تو تو اُن کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

مزید ارشاد ربّانی ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت اُن کی رُوحیں قبض کرلیتا ہے اور جو مرے نہیں اُن کی روحیں سوتے میں (قبض کرلیتا ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ وفات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نیند (۲) موت "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" سے حضرت عیسٰی کا مطلب یہ نہ تھا کہ جب تُو نے مجھے سُلادیا بلکہ اُن کی مراد یہ تھی کہ جب تُو نے مجھے وفات دی۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ حضرت عیسٰی مقتول یا مصلوب ہوئے تو وہ شخص کافر اور مرتد ہے۔ اس کا خون اور مال مباح ہے۔ اس لیے کہ وہ شخص قرآن کی تکذیب اور اجماع کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہے[1]۔

---

[1] ابن حزم حضرت عیسٰی کو مقتول یا مصلوب ماننے والے کو مرتد یا واجب القتل اس لیے قرار دے رہے ہیں کہ اس نے قرآن کی تکذیب کی اور اجماع کی خلاف ورزی کی مگر خود وہ حیاتِ عیسٰی کے اجماعی عقیدے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۲۔ رسولِ کریمؐ اور آپ کے صحابہؓ روزِ قیامت زندہ ہوں گے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے کوئی بھی روزِ قیامت سے پہلے دنیا میں لوٹ کر نہیں آئے گا۔ سب اُسی وقت لوٹیں گے جب اللہ تعالیٰ سب مومنوں اور کافروں کو جزا سزا کے لیے لوٹائے گا۔ اس بات پر تمام اہلِ اسلام کا یقینی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

اس کے بعد روافض کا ظہور و شیوع ہوا۔ اُنھوں نے اہلِ اسلام کے اجماع کی مخالفت کی، (قرآن کریم کے مفاہیم و معانی) کو تبدیل کر دیا اور احادیث صحیحہ کی تکذیب کی۔ روافض نے علانیہ طرح طرح کے متضاد اور متناقض اکاذیب کو ایجاد کیا۔ اور اُن قرآنی آیات کی مخالفت کی جن میں ارشاد ہے۔

وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (البقرۃ: ۲۸)

تم بے جان تھے تو اُس نے تمھیں جان بخشی پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا۔

اور ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (الزمر۔ ۳۱)

پھر تم روزِ قیامت اپنے رب کے پاس جھگڑا کرو گے۔

روافض نے دعویٰ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے۔ حالانکہ اگر جھوٹ کی پروا نہ ہو تو ایسا بلا دلیل دعویٰ حضرت عمر یا عثمان یا معاویہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مخالفت کی وجہ قرآن کی صریح آیات اور اس کے ظاہری معنی ہیں۔ حیاتِ مسیح کے اجماعی عقیدے کے دلائل کے لیے مولانا حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہادۃ القرآن حصہ اوّل و دوم ملاحظہ فرمائیے۔ مندرجہ صدر آیات کی تفسیر کے لیے قدیم و جدید کتب تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔ جمہور مفسرین نے ان آیات سے وہ معنی و مفہوم مراد نہیں لیا جو ابن حزم نے بیان کیا ہے۔ ابن حزم بہت سے مسائل میں جمہور علماء سے الگ مسلک رکھتے ہیں۔ حیاتِ عیسیٰ کے اجماعی مسئلہ سے اختلاف بھی ان کے تفردات میں سے ایک ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ ابن حزم نزولِ عیسیٰؑ کو تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھیے محلی جلد اوّل مسئلہ ۱۲۔ گویا وفاتِ عیسیٰ کے ساتھ وہ نزولِ عیسیٰ کے بھی قائل ہیں۔ (غلام احمد حریری مترجم)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی کیا جا سکتا ہے۔ کتاب وُسنّت یا اجماع اور عقل ونقل سے ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

وَبِاللہِ التوفیق۔

۴۳۔ روحیں زندہ ہیں شبِ معراج رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صالحین کی ارواح حضرت آدمؑ کے دائیں جانب اور بدکردار لوگوں کی رُوحیں اُن کی بائیں جانب پہلے آسمان پر تھیں۔ رُوحیں نہ فنا ہوتی ہیں اور نہ ہی دوسرے اجسام میں منتقل ہوتی ہیں، بخلاف ازیں وہ زندہ حساس، باشعور عیش وراحت میں یا بدحالی میں تا قیامت زندہ وقائم رہیں گی۔ پھر جنّت یا جہنم کی جزاو سزا دینے کے لیے اُن کے اجسام میں لوٹا دیا جائے گا۔ البتہ انبیاء وشہداء کی رُوحوں کا معاملہ مختلف ہے کہ اُن کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ ہر طرح عیش وراحت میں ہیں۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ رُوحیں اُن اجسام کو چھوڑ کر دوسرے اجسام میں منتقل ہو جاتی ہیں وہ بلاشبہ کافر ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

۲۹۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از حرملہ بن یحیٰی از ابن وہب از یونس بن یزید از ابن شہاب بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ یہ روایت ذکر کیا کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت میں شگاف کیا گیا اور جبریلؑ نازل ہوئے۔ میں اس وقت مکّہ میں مقیم تھا۔ میرے سینہ کو شق کر کے اسے آبِ زمزم کے ساتھ دھویا گیا۔ پھر سونے کی ایک پلیٹ لائے جو حکمت وایمان سے لبریز تھی اور اُسے میرے سینے میں انڈیل دیا۔ پھر سینہ کو (حسبِ سابق) برابر کر دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے پہلے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ جب پہلے آسمان پر پہنچے تو جبریلؑ نے پہلے آسمان کے دربان سے کہا دروازہ کھولیے۔ اُنھوں نے پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل۔ پھر پوچھا آپ کے ہمراہ کوئی ہے؟ کہا ہاں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دربان نے پوچھا کیا آپؐ کو بلایا گیا ہے؟ جبریلؑ نے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔

جب ہم پہلے آسمان پر چڑھے تو دیکھا کہ ایک شخص ہے اُس کی دائیں جانب کچھ ڈھانچے ہیں اور بائیں جانب بھی۔ جب دائیں جانب دیکھتے تو ہنس پڑتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو رونے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لگتے۔ اُس شخص نے کہا نبی صالح اور ابنِ صالح کا آنا مبارک۔ میں نے دریافت کیا اے جبریل! یہ کون ہے؟ کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں۔ اور یہ سیاہ سی چیزیں (کالید) جو دائیں بائیں نظر آرہے ہیں اُن کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں طرف اہلِ جنت کی رُوحیں ہیں اور بائیں جانب دوزخیوں کی۔ اِسی لیے جب دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔ فرمایا پھر جبریل مجھے لے کر دوسرے آسمان پر پہنچے۔ اس حدیث کے راوی حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اس طرح حضورؐ نے آسمانوں پر حضرات آدم، ادریس، عیسٰی، موسٰی اور ابراہیم علیہم السلام کو پایا۔ حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ مذکورہ انبیاء کس کس جگہ تھے۔ صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے آسمان پر اور حضرت ابراھیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر تھے۔ پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔ اس حدیث سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی رُوحیں جنّت میں تھیں (صحیح بخاری کتاب الصلاۃ وکتاب الحج وکتاب الانبیاء صحیح مسلم کتاب الایمان، سنن نسائی کتاب الصلاۃ، سنن ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

شہداء کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (البقرۃ: ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مُردہ نہ کہو بلکہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں۔

اور وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (آل عمران: ۱۶۹)

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے اس پر خوش ہیں۔

اہلِ اسلام کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اللہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ ومقام دوسرے سب لوگوں کی نسبت بلند تر اور عظیم ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از محمد بن عیسٰی از ابراہیم بن محمد از مسلم بن حجاج از

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبد بن حمید از عبدالرزاق از معمر از زہری از سالم بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو صبح و شام اس کے سامنے اس کی اقامت گاہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت کو پیش کیا جاتا ہے اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ کو۔ پھر اسے کہا جاتا ہے یہ ہے تمہاری اقامت گاہ جس میں تمہیں روز قیامت ٹھہرایا جائے گا۔

اس حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ جسم چھوڑنے کے بعد بھی رُوح میں علم و شعور اور احساس کی قوت باقی رہتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ارواح کو دوسرے اجسام میں منتقل کیا جاتا ہے تو یہ اصحاب تناسخ کا قول ہے جو جملہ اہل اسلام کے نزدیک کفر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۴۴۔ وحی منقطع ہو چکی ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وحی صرف انبیاء کی طرف کی جاتی ہے۔ (اور آپ کی وفات کے بعد کوئی نبی موجود نہ تھا) قرآن کریم میں فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب۔ ۴۰)

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں۔

۴۵۔ دین کامل ہو چکا ہے

دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اب اس میں کسی کمی بیشی یا تبدیلی کا امکان نہیں۔ قرآن میں فرمایا:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ: ۳) آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔

اور لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (یونس: ۶۴) اللہ کے کلمات میں تبدیلی (ممکن) نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ کمی یا بیشی تبدیلی ہوتی ہے۔

۴۶۔ حضورؐ نے سب احکام اُمت کو پہنچا دیے

آپ نے دین کے سب احکام اُمت کو پہنچا دیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور فرمایا تھا۔

قرآن میں فرمایا:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ صِرَاطِ اللَّهِ (الشوریٰ: ۵۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آپ سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں جو اللہ کی راہ ہے۔

اور فرمایا: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل۔ ۴۴)

تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کی وضاحت کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی۔

۴۷۔ اللہ کی حجّت تمام ہو چکی

ہر مومن و کافر اور صالح و طالح کو اللہ کا پیغام پہنچ جانے کے بعد ان پر اللہ کی حجت تمام ہو چکی ہے۔ قرآن میں فرمایا:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ: ۲۵۶)

دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر) ظاہر گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

اور فرمایا: لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال: ۴۲)

تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔

۴۸۔ اَمر بالمعروف و نَھی عن المنکر فرض ہیں

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر شخص پر اس کی استطاعت بشری کی حد تک فرض ہے۔ ہاتھ کے ساتھ بُرائی سے روکے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان کے ساتھ، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل کے ساتھ۔ آخری درجہ کمزور ترین ایمان کا درجہ ہے۔ جس کے بعد ایمان کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا (جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے)

قرآن میں فرمایا:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران: ۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے، اچھی باتوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور یہی ہیں کامیاب ہونے والے۔

اور فرمایا: وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ۔ (الحجرات: ۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اگر ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے لڑو حتّٰی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

۳۱۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ از وکیع از سفیان ثوری اور از مسلم از محمد بن مثنی از محمد بن جعفر از شعبہ پھر شعبہ و ثوری دونوں نے از قیس بن مسلم از طارق بن شہاب بیان کیا کہ] حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی کو برائی کرتا دیکھے تو اُسے ہاتھ سے ہٹا دے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان کے ساتھ، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل کے ساتھ۔ اور یہ کمزور ترین ایمان کا درجہ ہے۔ (مسلم کتاب الایمان، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ و کتاب الملاحم، ترمذی کتاب الفتن، نسائی کتاب الایمان، ابن ماجہ کتاب الصلاۃ و کتاب الفتن)

۳۲۔ [اور ہم سے بسند سابقہ تا مسلم از عبد بن حمید از یعقوب بن ابراہیم بن سعد از پدرِ خود از صالح بن کیسان از حارث بن فضیل خطمی از جعفر بن عبداللہ از عبدالحکیم از عبدالرحمٰن بن مسور از ابو رافع مولاءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے قبل اللہ نے جس نبی کو بھی اس کی اُمّت کی طرف مبعوث فرمایا تو اس اُمّت میں ایسے مخلص رفقاء ہوا کرتے تھے جو اس نبی کی سُنّت سے استناد کرتے، اور اس کے اوامر کی تعمیل کرتے۔ بعد ازاں ایسے ناخلف پیدا ہو جاتے جو ایسی باتیں کہتے جو خود نہ کرتے اور ایسے افعال کے مرتکب ہوتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ ایسے لوگوں کے خلاف جو ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے۔ جو زبان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے۔ جو دل کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے۔ اس کے بعد کسی میں رائی کے دانہ بھر ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس بات میں اہلِ اسلام کے یہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ مذکورہ صدر دونوں آیات مُحکم اور غیر منسوخ ہیں۔ لہٰذا جو دلیل ان دونوں آیات کی معارض ہو یا ان احادیث سے مُتصادم ہو جو ان آیات کی مؤید ہیں وہ بلاشبہ منسوخ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۹۔ اسلام کی صداقت کا اعتراف

جو شخص اپنی جہالت یا عجمی ہونے کی بنا پر شرعی مسائل و احکام کی معرفت سے قاصر ہو اس پر لازم ہے کہ حسب استطاعت بشری دِل سے کلمہ طیبہ کا معتقد ہو اور زبان کے ساتھ اس کا اظہار کرے۔ نیز اس بات کا مُعترف ہو کہ دین اسلام کے سب احکام حق ہیں اور اس کے سوا سب مذاہب باطل ہیں۔

۴۳۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از امیہ بن بسطام از یزید بن زریع از روح از علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے حتّٰی کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مجھ پر ایمان لائیں اور اس شریعت پر جس کو میں لایا ہوں۔ اگر انھوں نے اس پر عمل کیا تو مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیے۔ اِلّا یہ کہ کسی حق کی وجہ سے اُن کا خون و مال مباح ہو جائے اور اُن کا محاسبہ اللہ کے ذمے ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (آل عمران: ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے تو اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

۵۰۔ اِنس و جنّ میں سب سے افضل انبیاء ہیں

انس و جن میں سب سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ کے صحابہ کا درجہ ہے پھر صالحین کا۔

قرآن کریم میں فرمایا:

جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا (فاطر: ۱) فرشتوں کو قاصد بنانے والا۔

اور فرمایا: اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (الحج: ۷۵)

اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیامبر منتخب کرتا ہے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (الحدید: ۱۰)

نہیں برابر ہیں وہ لوگ جنھوں فتح (مکّہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑے یہ لوگ بڑے درجہ والے ہیں اُن لوگوں سے جنھوں نے فتح (مکّہ) کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی۔ اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔

۴۳۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابن اعرابی از ابوداؤد سجستانی از مسدد از ابومعاویہ، محمد بن خازم ضریر از اعمش از ابوصالح بیان کیا کہ] حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو اُن کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب، مسلم کتاب الفضائل، ابوداؤد کتاب السُّنّۃ، ترمذی کتاب المناقب، ابن ماجہ کتاب السُّنّۃ)

[ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن ابی بکر از ابوداؤد سجستانی از عمرو بن عون و مسدد از ابوعوانہ از قتادہ از زرارہ بن اوفیٰ بیان کیا کہ] حضرت عمران بن الحُصین بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمّت کا سب سے بہتر وہ زمانہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا۔ پھر وہ زمانہ جو اُس کے قریب ہے پھر وہ زمانہ جو اُس کے قریب ہے۔ اس کے بعد ایک ایسی قوم رُونما ہوگی جو شہادت دیں گے بلا اس کے کہ ان سے شہادت طلب کی جائے۔ نذریں مانیں گے مگر اُن کا ایفا نہیں کریں گے لوگوں کا مال چھین لیں گے اور امانت داری کا پاس نہیں کریں گے۔ ان میں موٹاپا پھیل جائے گا۔ عبداللہ بن ربیع کی روایت میں "یحربون" (چھین لیں گے) کے الفاظ ہیں۔ مگر ہم نے متعدد طرق سے "یخونون" (خیانت کریں گے) روایت کیا ہے۔

۵۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے

اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر چیز کا خالق ہے۔ دوسرا کوئی خالق نہیں قرآن عزیز میں فرمایا:

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر: ۶۲) وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

اور فرمایا: هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ (لقمان: ۱۱)

یہ تو اللہ کی پیدائش ہے تو مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا جو لوگ ہیں انھوں نے کیا پیدا کیا ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید ارشاد ہے: اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا (الفرقان)

وہ جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں۔

۵۲۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں

مخلوقات میں سے کوئی چیز بھی کسی بات میں اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (الشوریٰ: ۱۱)

اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اور فرمایا: وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص: ۴) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

۵۳۔ اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے پاک ہے

اللہ تعالیٰ مکان و زمان میں محدود نہیں بلکہ وہ زمان و مکان کا خالق ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (الفرقان: ۲)

اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔

اور فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا (الفرقان: ۵۹)

وہ ذات جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو جو ان دونوں کے درمیان ہیں۔

زمان و مکان اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کے بغیر موجود تھا۔ علاوہ ازیں مکان اجسام کے لیے ہوتا ہے۔ ہر ساکن یا متحرک کی مدّت کا نام زمان ہے۔ اسی طرح جو چیز کسی ساکن یا متحرک کے ساتھ قائم اور اس کے ساتھ وابستہ ہو اُس کو بھی زمان کہتے ہیں اور یہ سب باتیں ذات باری تعالیٰ سے بعید ہیں[1]۔

---

[1] بے شک اللہ زمان و مکان کا خالق ہے اور وہ ان سے قبل ہے اور ان کے بعد بھی رہے گا وہ ہم جیسا مجسّم بھی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے متعلق اپنے کلام میں فرمایا کہ وہ عرش پر ہے لہٰذا بلا کیف ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ ابوالاشبال پاکستانی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۴- اسماء وصفاتِ الٰہی کا مسئلہ کسی شخص کے لیے روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی اور نام سے پکارے یا کسی اور صفت کے ساتھ متّصف کرے۔ بجز اس اسم وصفت کے جو اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود اپنے لیے بیان کی ہو۔

قرآن عزیز میں فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْٓ اَسْمَآئِهٖ (الاعراف: ۱۸۰)

اور اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں تو اُس کو اُس کے ناموں سے پکارا کرو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔

مذکورہ صدر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اسماءِ حُسنیٰ کے بغیر کسی اور نام کے ساتھ پکارنے سے منع فرمایا نیز یہ بھی فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو کسی اور نام سے پکارا اُس نے الحاد کا ارتکاب کیا۔ جو اسماءِ حسنیٰ الف لام کے ساتھ وارد ہوئے ہیں وہ ایک معہود و معروف ذات کے لیے ہیں۔ اور معہود وہ ہے جس کی تصریح خود اللہ تعالیٰ نے فرما دی ہے۔ جو شخص اس پر اضافہ کا مدّعی ہو اس سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی دلیل و برہان موجود نہیں۔ اور جس کے پاس دلیل نہ ہو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ: ۱۱۱)

کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

۵۵- اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام اللہ تعالیٰ کے ننانوے (ایک کم سو) نام ہیں۔ انہی کو اسمائے حُسنیٰ کہا جاتا ہے۔ جس شخص نے ان پر اپنی مرضی سے کسی نام کا اضافہ کیا اُس نے اسماءِ حُسنیٰ میں الحاد کا اِرتکاب کیا۔ یہ اسماءِ مبارکہ کتاب و سنت میں مذکور ہیں۔

[ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن رافع از عبدالرزاق از معمر از ایوب (از ابن سیرین) و ہمام بن منبہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے (ایک کم سو) نام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں جو اُن کو حفظ کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ ھمام نے اپنی روایت میں ان الفاظ میں اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق چیز کو پسند کرتا ہے (صحیح مسلم کتاب الدعوات)

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ کوئی شخص اس پر کسی نام کے اضافہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کے الفاظ ہیں "ایک کم سَو" اگر اس پر کسی ایک نام کا اضافہ جائز ہوتا تو سَو نام ہو جاتے۔ اور جب ایسا ہوتا تو حضورؐ کی بات (ایک کم سَو) صحیح نہ ہوتی۔ اور جو شخص اس کے جواز کا قائل ہے وہ بلاشُبہ کافر ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (الحشر: ٢٣-٢٤)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے) سلامتی امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑائی والا۔ اللہ اُن لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔

ہم نے "کتاب الایصال" میں اسانید صحیحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکثر صفاتی ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

٥٦- اپنی طرف سے اللہ کا کوئی نام تجویز نہ کیا جائے

کسی شخص کے لیے روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا نام ایجاد کرے جو اس نے خود اپنے لیے تجویز نہیں کیا۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات ہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (الشمس: ٥) قسم ہے آسمان کی اور جو کچھ اُس نے بنایا۔

اور فرمایا: وَاَكِيْدُ كَيْدًا (الطارق ١٦) اور میں تدبیر کرتا ہوں۔

اور ارشاد ہوا: خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آل عمران: ٥٤) بہترین تدبیر کرنے والا۔

مزید ارشاد باری ہے: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ (آل عمران: ٥٤) اور انھوں (یہود) نے تدبیر کی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی۔

مذکورہ صدر آیات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو "بانی" (بنانے والا) "کیّاد" (تدبیر کرنے والا) "ماکر"، "متجبّر" اور "متکبّر" نہیں کہہ سکتے۔ بنا بریں تاویل بھی یہ درست نہیں۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ بُری تدبیر کی سزا دینے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو ماکر یا کیّاد کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ کسی اور وجہ کی بنا پر بھی اللہ کے لیے ایسے نام تجویز نہیں کیے جا سکتے۔ جو اس کی خلاف ورزی کا مدّعی ہو وہ مُلحِد فی الاسماء ہے۔ علاوہ ازیں وہ جھوٹا ہے اور بلا دلیل ایک بات کہہ رہا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

۵۷۔ آسمان اوّل پر نزولِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ ہر رات پہلے آسمان پر اُترتا ہے۔ یہ ایک فعل ہے جس کو اللہ تعالیٰ انجام دیتا ہے۔ یہ حرکت اور نقل مکانی نہیں۔ اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔

۳۷۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحییٰ بن یحییٰ از مالک بن انس از ابن شہاب از ابو عبداللہ اغر و ابو سلمہ بیان کیا کہ] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر شب آسمانِ اوّل پر اُس وقت نزولِ اجلال فرماتا ہے جب رات کی آخری تہائی باقی رہتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اُس کی دُعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اُسے دُوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اُسے معاف کر دوں (صحیح بخاری کتاب الصلاۃ و کتاب الدعوات، مسلم کتاب الصلاۃ، ابوداؤد کتاب الصلاۃ و کتاب السّنۃ، ترمذی کتاب الدعوات، ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

۳۸۔ [دوسری روایت مسلم ہی کی از اسحاق بن منصور از ابو مغیرہ از اوزاعی از یحییٰ بن کثیر از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کیا کہ] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شب پہلے آسمان پر اس وقت اُترتا ہے جب رات کی پہلی تہائی گزر جاتی ہے۔ فرماتا ہے میں ہوں بادشاہ، میں ہوں بادشاہ، کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی دُعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اُسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے اور میں اُسے معاف کروں؟ طلوعِ فجر تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلاۃ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۹- [ابن حزم فرماتے ہیں ایک روایت زہری از ابو سلمہ از ابو ہریرہ میں ہے کہ جب ایک تہائی رات باقی رہتی ہے۔

۴۰- [دوسری روایت یحییٰ بن ابی کثیر کے طریق سے جو مروی ہے اس میں ہے کہ] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدھی یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے۔

۴۱- اور ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ رات کی پہلی تہائی گزرنے سے لے کر طلوعِ فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۴۲- اور اسی طرح ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابن راھویہ از جریر از منصور از ابی اسحاق سبیعی از اغر از حضرت ابو ہریرہؓ و ابو سعید خُدری نے بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔

ان احادیث میں رات کے اوقات میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی وجہ مشرق و مغرب میں غروب آفتاب کی تقدیم و تاخیر ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان اوقات میں دعا قبول فرماتے ہیں۔ یہ حرکت نہیں ہے۔ اس لیے کہ حرکت اور نقلِ مکانی مخلوقات کی صفات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے (ابنِ تیمیہ نے اس حدیث کی شرح ایک مستقل تصنیف کی شکل میں لکھی ہے)۔

۵۸- قرآن کریم مخلوق نہیں

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا علم ہے اس لیے مخلوق نہیں۔ قرآن عزیز میں فرمایا:

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ (یونس: ۱۹)

اور اگر ایک بات جو تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بتایا کہ اس کا کلام ہی اس کا علم ہے اور اس کا علم ہمیشہ غیر مخلوق رہا ہے۔

۵۹- قرآن کریم کلامِ الٰہی ہے

قرآن کریم وہی ہے جو اوراق پر لکھا جاتا ہے، قاری سے سُنا جاتا ہے، اسے سینوں میں محفوظ کیا جاتا ہے، اور اسی کو جبریل علیہ السلام نے حضورؐ کے قلبِ مبارک پر اُتارا تھا۔ حقیقۃً یہی اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے نہ مجازاً۔ جو شخص اس میں سے کسی چیز کو قرآن اور کلامِ الٰہی تسلیم نہ کرے وہ کافر ہے، اس لیے کہ وہ شخص اللہ و رسول کے احکام اور اجماع کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ (التوبة: ۶) اُس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام الٰہی سُن لے۔

اور فرمایا: وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (البقرة: ۷۵)

اُن میں سے کچھ لوگ کلام الٰہی (تورات) سُنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بُوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔

پھر ارشاد ہوا: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (البروج: ۲۱)

بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے۔ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)

مزید ارشاد ہے: فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(الواقعہ: ۷۸-۸۰)

جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ پروردگار عالم کی طرف سے اُتارا ہوا ہے۔

ارشاد باری ہے: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت، ۴۹)

بلکہ یہ روشن آیات ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے اُن کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

اور مزید ارشاد الٰہی ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔

(الشعراء: ۱۹۳-۱۹۴)

اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اُترا ہے۔ اُس نے تمہارے دل پر (القاء) کیا ہے تاکہ لوگوں کو نصیحت کرتے رہو۔

۴۳۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد از قعنبی از مالک از نافع بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ دشمن کی سرزمین کی جانب سفر کرتے ہوئے قرآن کو ساتھ لے جایا جائے (بخاری کتاب الجہاد، مسلم کتاب المغازی، ابوداؤد کتاب الجہاد ابن ماجہ کتاب الجہاد)

کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اپنے جھوٹے دعوے کی بنا پر اللہ و رسول کے کلام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو حقیقت کے بجائے مجاز پر محمول کرے۔ و باللہ التوفیق۔

۶۰۔ اللہ تعالیٰ کا علم حق ہے

اللہ تعالیٰ کا علم حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے ماکان و مایکون کا علم ہے خواہ وہ چھوٹی بات ہو یا بڑی۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید: ۳) وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

یہ عام ہے جس سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (طٰہٰ: ۷) وہ جانتا ہے چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات۔

۶۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت حق ہے۔ وہ کسی چیز سے عاجز و قاصر نہیں۔ مانگنے والا اس سے جو بھی مانگے وہ اس پر قادر ہے خواہ وہ چیز محال ہے اور کبھی وجود پذیر نہ ہوئی ہو۔ قرآن میں فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (السجدۃ: ۱۵)

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے اُن کو پیدا کیا وہ اُن سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے۔

۴۴۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد بلخی از فربری از بخاری از ابراہیم بن منذر حزامی از معن بن عیسٰی از عبدالرحمٰن بن ابی الموال از محمد بن المنکدر از عبداللہ بن حسن بیان کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دعائے استخارہ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ" سکھایا کرتے تھے۔ پھر راوی نے طویل حدیث بیان کی۔

قرآن عزیز میں فرمایا:

لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ (الانبیاء: ۱۷)

اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں یعنی فرزند و زن) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنالیتے۔

اور فرمایا: لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ (الزمر: ۴)

اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کا چاہتا انتخاب کر لیتا۔

فرمایا: عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ (التحریم: ۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں اُن کا پروردگار تمھارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے۔

اور مزید فرمایا: وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران: ۲۹) (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

مزید ارشادِ الٰہی ہے: اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ: ۸۲)

اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر نہ ہوتا تو عاجز ہوتا۔ اور جب عاجز ہوتا تو اُس کا حادث ہونا لازم آتا۔ حالانکہ وہ اس سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ایک خاص ترتیب دی ہے: واجب الوجود، ممکن الوجود اور ممتنع الوجود کو اُسی نے یہ درجات بخشے۔ اور اگر وہ چاہتا کہ اس کے برخلاف کرے تو وہ ایسا کر سکتا تھا اور اس سے عاجز نہ تھا۔ اس لیے کہ اگر وہ عاجز ہوتا تو مضطر و مجبور ہوتا نہ کہ مختار۔ اور جو شخص یوں کہے وہ کافر ہے۔[1]

قرآن میں فرمایا: وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ (القصص۔ ۶۸)

اور تیرا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

۶۲۔ صفاتِ باری تعالیٰ

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزت، جلال، اِکرام، یَد، یَدین (دونوں ہاتھ) اَیدی (بہت سے ہاتھ) وجہ "چہرہ"، عَین (آنکھ) اَعیُن (بہت سی آنکھیں) اور کبریا (بڑائی) رکھتا ہے۔ یہ سب باتیں حق اور واجب التسلیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم، اور قدرت و قوت اور اُن تمام اُمور سے مجالِ انکار نہیں جو قرآن عزیز اور سنّتِ صحیحہ

---

[1] ابنِ حزم نے قدرتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ علمائے سلف کے زاویۂ نگاہ سے مختلف ہے۔ قدرتِ خداوندی سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر اُس نے اپنی قدرت کے لیے بھی کچھ ضوابط و اصول بنائے ہیں۔ وہ اُصول کسی دوسرے نے نہیں بنائے اس نے خود ہی بنا رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زوجین کے بغیر بھی انسان کی تخلیق پر قادر ہے جیسے حضرت آدم و عیسیٰ کی تخلیق۔ مگر اُس نے تخلیق کا ایک ضابطہ خود ہی تجویز کیا ہے۔ غلام احمد حریری مترجم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ثابت ہیں مگر اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کے بارے میں کتاب و سُنّت کی کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو۔

دلیل و برہان کے لیے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمٰن: ۷۸) (تمہارا پروردگار جو صاحب جلال و عظمت ہے)

۲۔ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح: ۱۰) (اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے)

۳۔ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (صٓ: ۷۵) (جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پیدا کیا)

۴۔ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا (یٰسٓ: ۷۱)

(جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں اُن میں سے ہم نے اُن کے لیے چارپائے پیدا کر دیے)

۵۔ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ (الدھر: ۹) (ہم تمھیں خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں)

۶۔ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي (طٰہٰ: ۳۹) (تاکہ میری آنکھ کے سامنے تیری پرورش کی جائے)

۷۔ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور: ۴۸) (بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے)

مذکورہ صدر آیات میں ان تمام چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تذکرہ ہم نے قبل ازیں کیا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے لیے "عینین" (دو آنکھیں) سمع، بصر اور حیات کا اثبات نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس ضمن میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کو سمیع، بصیر اور حیّ و قیوم کہہ سکتے ہیں۔

۴۵۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از احمد بن یوسف ازدی از عمر بن حفص بن غیاث از پدر خود از اعمش از ابواسحاق سبیعی از ابومسلم اغر بیان کیا کہ] حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عزت اس (اللہ تعالیٰ) کا تہبند اور کبریا (بڑائی) اس کی چادر ہے۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والادب)

۴۶۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از اسحاق بن ابراہیم از فضل بن موسیٰ از محمد بن عمرو از ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوف بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں جنّت و جہنّم کی تخلیق کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ تیری عزت کی قسم مجھے ڈر تھا کہ اس میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ (نسائی فی الایمان والنذور)

اور اگر ذاتِ باری کے سوا بھی کوئی چیز ایسی ہوتی تو وہ ازلی ہوتی یا حادث۔ ازلی ہونے کی صورت میں لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی بعض اشیاء ازلی ہیں۔ اور یہ شرک ہے اور اگر وہ چیز حادث ہوتی تو اُس کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا علم، قوّت و قدرت اور عزّت و کبریاء سے عاری ہونا لازم آتا اور یہ کفر ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الاعراف: ۳۳)

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں۔

اور فرمایا: وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا (النحل: ۷۸)

(اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جب کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے)

اور مزید فرمانِ الٰہی ہے: وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرۃ: ۱۵۱)

(اور وہ تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے)

پھر ارشادِ باری ہے: وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ (الاعراف: ۱۸۰)

(اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں)

غرض یہ کہ نصِ شرعی کے بغیر کسی چیز کو نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے نہ اس کے بارے میں کوئی خبر دی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی نام تجویز کیا جا سکتا ہے بجز اس کے کہ جو نص میں وارد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہو۔ بنابریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذو مکر اور ذو کید ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں وارد ہوا ہے۔

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ (الاعراف: ۹۹) (کیا یہ لوگ اللہ کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے)

اور فرمایا: وَأَكِيدُ كَيْدًا (الطارق: ۱۶) (اور میں اپنی تدبیر کر رہا ہوں)

اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا تمام اشیاء و امور کا خالق ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۶۳۔ رؤیت باری تعالیٰ بروز قیامت

تمام اہل اسلام اللہ تعالیٰ کو بروز قیامت اس قوت کے ساتھ نہیں بلکہ ایک اور قوت کے ساتھ دیکھیں گے۔ قرآن میں فرمایا:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۔ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامة: ۲۳-۲۴)

(اس دن بہت منہ رونق دار ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار رہوں گے)

۴۷ ۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن سلیم از ابن اعرابی از ابوداؤد از ابوبکر بن ابی شیبہ از جریر و وکیع و ابواسامہ از اسماعیل بن ابوخالد از قیس بن ابوحازم بیان کیا کہ] جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دیکھ کر فرمایا تم اپنے ربّ کو (روز قیامت) اس طرح دیکھو گے جس طرح اس (چاند) کو دیکھ رہے ہو۔ دیکھتے وقت ازدحام (کا خطرہ) نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری کتاب الصلاۃ و کتاب التفسیر و کتاب التوحید، مسلم کتاب الصلاۃ، ابوداؤد کتاب السنّۃ، ترمذی کتاب صفۃ الجنۃ، ابن ماجہ کتاب السنّۃ)

اگرچہ یہ قوت (بصارت) اس وقت انسانوں میں پائی جاتی ہے وہ صرف رنگدار چیزوں کو دیکھ سکتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ (رنگ وغیرہ سے) پاک ہے۔

کفار کے بارے میں قرآن میں فرمایا:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ (المطففین: ۱۵)

(بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے اوٹ میں ہوں گے)

۶۴۔ انبیاء سے شرف ہمکلامی

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء میں سے جن کو چاہا شرف ہمکلامی بخشا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (النساء: ۱۶۴) (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو شرف ہم کلامی بخشا)

اور فرمایا: اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَبِكَلَامِي (الاعراف: ۱۴۴)

(میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کر لیا)

اور ارشاد ہوا: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرۃ: ۲۵۳)

(یہ پیغمبر ہیں جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)

۶۵۔ حضرت محمدؐ اور حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو اپنا دوست بنایا تھا۔

۴۸۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن بشار از محمد بن جعفر از شعبہ از اسماعیل بن رجاء از عبداللہ بن ابو ہذیل از ابوالاحوص بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ مگر وہ میرے بھائی اور رفیق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے رفیق (حضرت محمدؐ) کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔

۶۶۔ معراج جسمانی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے روح مع الجسم رات کو آسمانوں کی سیر کرائی اور آپ ایک ایک آسمان پر تشریف لے گئے۔ آپؐ نے وہاں انبیاء علیہم السلام کی روحیں دیکھیں۔

قرآن کریم میں فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى (بنی اسرائیل: ۱)

وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔

اور اگر معراج خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی شخص آپ کی تکذیب نہ کرتا جس طرح اگر کوئی کافر خواب کا واقعہ بیان کرے تو ہم اس کو نہیں جھٹلاتے۔ ہم قبل ازیں حضورؐ کے انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے کا تذکرہ کر چکے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لٰہذا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۶۷۔ معجزات کا صدور صرف انبیاء سے ہوتا ہے

معجزات کا ظہور صرف انبیاء سے ہوتا ہے۔ قرآن عزیز میں فرمایا:

مَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (الرعد: ۳۸)

اور کسی پیغمبر کے اختیار کی بات نہ تھی کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے

اور فرمایا: وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ (القمر: ۲)

اور اگر (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے

موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ۔ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۔ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ

(الشعراء: ۳۰-۳۱)

(کہا خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز لاؤں (یعنی معجزہ) (فرعون نے) کہا اگر سچے ہو تو اسے لاؤ)

اور فرمایا: فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ (القصص: ۳۲)

(یہ دو دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ہیں (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ)

ان آیات سے یہ حقیقت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے کہ اگر ساحر یا کسی اور میں یہ طاقت ہوتی کہ کسی چیز کی ماہیت یا نوع کو تبدیل کر سکتا تو انبیاء کے معجزات کو دلیل و برہان کہنا درست نہ ہوتا۔ پھر جو لوگ معجزات کو سحر کہتے تھے نہ اُن کی تردید کی جا سکتی تھی اور نہ ہی یہ معجزات انبیاء کے لیے آیت یا نشانی بن سکتے تھے۔

اور جو شخص اس بات کا مدعی ہو کہ قلب ماہیت اسی صورت میں معجزہ کہلا سکتا ہے جب کوئی نبی اس کی بنا پر لوگوں کو چیلنج کرے تو وہ شخص جھوٹا ہے اور اس کا دعویٰ کسی عقلی یا کتاب و سنت کی دلیل سے عاری ہے اور جس چیز کی یہ کیفیت ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کھجور کے تنے کی (فراق نبویؐ میں آہ و زاری)، ایک صاع جَو کے کھانے سے سینکڑوں لوگوں کا سیر ہونا، حضور کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ نکلنا، چھوٹے سے پیالے سے جس کا قطر ایک بالشت سے بھی کم تھا چودہ سو آدمیوں کی سیرابی،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے کوئی چیز بھی حضور کا معجزہ نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے ان کی بنا پر کسی کو چیلنج نہیں کیا تھا۔

۶۸۔ سحر سے قلب ماہیت نہیں ہوتی

سحر سے قلب ماہیت نہیں ہوتی۔ سحر محض ایک حیلہ اور خیالی شعبدہ گری کا نام ہے۔

قرآن عزیز میں فرمایا: يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ (طٰہٰ: ۶۶)

(موسیٰ کے خیال میں ایسی آنے لگیں کہ وہ میدان میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سحر محض ایک خیالی چیز ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر سحر سے قلب ماہیت ہو جاتی تو ایک ساحر اور نبی کے مابین کوئی فرق و امتیاز باقی نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ ساحر کو نبی کہنا کھلا ہوا کفر ہے۔

۶۹۔ تقدیر حق ہے

تقدیر حق ہے۔ جو مصیبت ہمیں پہنچی وہ ٹلنے والی نہ تھی اور جو ٹل گئی وہ لاحق ہونے والی نہ تھی۔ قرآن کریم میں فرمایا:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا (الحدید: ۲۲)

کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے

۷۰۔ وقت مقرر سے پہلے کسی کو موت نہیں آسکتی

کوئی شخص اجل مقرر سے پہلے نہیں مر سکتا۔ خواہ قتل سے یا کسی اور وجہ سے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا (آل عمران: ۱۴۵)

(اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے اس نے موت کا وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے)

اور فرمایا: فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (الاعراف: ۳۴)

(جب وہ اجل آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی)

اور فرمایا: قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ (آل عمران: ۱۵۴)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھ دیجیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے)

۷۱۔ موت سے پہلے ہر شخص رزقِ مقدّر پا لیتا ہے

آدمی کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ رزقِ مقدّر پا نہ لے اور جو اعمال اس کی تقدیر میں مرقوم ہیں ان کو انجام نہ دے لے۔ خوش نصیب وہ ہے جو اللہ کے علم میں خوش نصیب ہے اور بدبخت وہ ہے جو علمِ الٰہی میں بد قسمت مرقوم ہے۔

۴۹۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن عبداللہ بن نمیر از پدر خود و ابو معاویہ و وکیع از اعمش از زید بن وہب بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ سچے اور راست باز ہیں فرمایا: "تم میں سے ہر شخص کا مادۂ تخلیق شکمِ مادر میں چالیس روز تک جمع کیا جاتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدّت میں خون منجمد بن جاتا ہے پھر اتنے ہی ایام میں گوشت کے لوتھڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ فرشتے کو چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے۔

۱۔ اس کا رزق تحریر کرے۔

۲۔ اس کی عمر لکھے۔

۳۔ اس کا عمل تحریر کرے۔

۴۔ یہ لکھے کہ آیا وہ خوش نصیب ہو گا یا بدنصیب۔

مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک شخص اہلِ جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے حتّٰی کہ اس کے اور جنّت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر لکھا ہوا اس پر غالب آ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے حتّٰی کہ جہنّم رسید ہو کر رہتا ہے اور تم میں سے ایک شخص دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے حتّٰی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے پھر لکھا ہوا اس پر غالب آ جاتا ہے اور وہ جنّتیوں کے سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے حتّٰی کہ جنّت میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داخل ہو جاتا ہے۔

۷۲۔ افعال العباد اللہ کے پیدا کردہ ہیں

بندوں کے تمام کام ـــــ اچھے ہوں یا بُرے ـــــ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے نفوس میں اختیار، ارادہ اور معرفت کو پیدا کرتا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات: ۹۶) (اس نے تم کو پیدا کیا اور اس کو جو تم کرتے ہو)

اور فرمایا: اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (القمر: ۴۹) (ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا)

اور فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا (الفرقان: ۵۹)

(اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے)

۷۳۔ اللہ تعالیٰ کسی کے آگے جوابدہ نہیں

کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر حُجّت قائم نہیں کر سکتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ ہر شخص پر حُجّت قائم کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (الانبیاء: ۲۳)

(وہ جو کام کرتا ہے اُس کی پرسش نہیں ہو گی اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اُس کی اُن سے پرسش ہو گی)

اور فرمایا: قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (الانعام: ۱۵۲)

(کہہ دو کہ اللہ ہی کی حُجّت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا)

۷۴۔ خدا کے افعال عدل و حکمت پر مبنی ہیں

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کسی کی تقدیر میں لکھ دیا ہے کوئی شخص اس کی بنا پر دنیا یا آخرت میں کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے سب افعال عدل و حکمت پر مبنی ہیں۔ اس لیے کہ وہ ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر رکھتا ہے۔ وہ ایسا حاکم ہے جس پر کوئی دوسرا حاکم نہیں اور نہ اس کے احکام کی باز پرس کرنے والا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (ھود: ۱۰۷) (وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۵۔ ایمان واسلام دونوں ایک ہیں

ایمان واسلام ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الذاریات: ۳۵-۳۶)

(تو وہاں جتنے مومن تھے اُن کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا)

اور فرمایا: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الحجرات: ۱۷)

(یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے مسلمان ہو)

۷۶۔ قلبی تصدیق، زبانی اقرار اور عمل بالاعضاء کا نام ایمان ہے

قلبی تصدیق، زبانی اقرار اور عمل بالاعضاء کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔ ایمان اطاعت سے بڑھتا اور گناہوں سے گھٹتا ہے۔ قرآن نے فرمایا:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (التوبة: ۱۲۴)

(پس جو ایمان والے ہیں اُن کا تو ایمان زیادہ کیا)

۵۰۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از عبیداللہ بن معاذ بن معاذ عنبری از پدر خود از کہمس تمیمی از عبداللہ بن بریدہ از یحیٰی بن یعمر از عبداللہ بن عمر بیان کیا کہ] حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک ایک شخص نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت اُجلے اور بال نہایت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کا کوئی نشان نہ تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ وہ آکر آپ کی خدمت میں (مؤدّبانہ) بیٹھ گیا اور کہنے لگا اے محمد! مجھے بتائیے کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ نیز یہ کہ نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے۔ اگر وہاں پہنچنے کی استطاعت ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُس نے کہا آپ نے سچ فرمایا مجھے بتائیے کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ اُس کی تقدیر کو تسلیم کرے خواہ اچھی ہو یا بُری۔ اُس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔“ پھر حدیث کا باقی ماندہ حصّہ بیان کیا۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عُمرؓ! تجھے معلوم ہے کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی خُوب جانتے ہیں۔ فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے اور تمھیں تمھارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔

۵۱ - [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن محمد از ابو عامر عقدی از سلیمان بن بلال از عبداللہ بن دینار از ابو صالح بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں۔ حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (بخاری کتاب الایمان، مسلم کتاب الایمان، ابوداؤد کتاب السّنۃ، ترمذی کتاب الایمان، نسائی کتاب الایمان ابن ماجہ کتاب السنۃ)

۵۲ - [اور سند سابقہ تا بخاری از قتیبہ از لیث از یزید بن ابی حبیب از ابوالخیر بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کی کونسی بات سب سے افضل ہے؟ فرمایا یہ کہ تو لوگوں کو کھانا کھلائے اور ہر شخص کو سلام کہے خواہ واقف ہو یا نہ ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان و کتاب الاستئذان، مسلم کتاب الایمان، ابوداؤد کتاب الادب، نسائی کتاب الایمان ابن ماجہ کتاب الاطعمہ)

۵۳ - [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن رمح از لیث از ابن الہاد از عبداللہ بن دینار بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا میں نے کسی ناقص عقل و دین رکھنے والے کو نہیں دیکھا جو تم سے زیادہ کسی صاحبِ عقل و خرد پر غلبہ پانے والا ہو۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں عقل و دین کی کمی کیونکر پائی جاتی ہے؟ فرمایا کہ عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی شہادت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک آدمی کی شہادت کے برابر ہے۔ اور دین کی کمی کی دلیل یہ ہے کہ عورت خاص ایام میں نہ نماز پڑھتی ہے نہ رمضان کے روزے رکھتی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان، ابوداؤد کتاب السنّۃ، ابن ماجہ کتاب الفتن)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دین صرف اسلام ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام و ایمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دین ایمان کا نام ہے۔ اور ایمان میں کمی بیشی کی بنا پر دین میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۷۷۔ تصدیق بالقلب کرنے والا اگر اقرار باللسان نہ کرے تو کافر ہے

جو شخص دل سے ایمان کی تصدیق کرے مگر تقیّہ کی بنا پر زبان سے اعتراف نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اہلِ اسلام دونوں کے نزدیک کافر ہے۔ اور جو شخص زبان سے اقرار کرے مگر دل سے تصدیق نہ کرے تو ایسا شخص عنداللہ و عندالمسلمین کافر ہے! اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (النحل: ۱۴)

(اور بے انصافی اور غرور سے اُن سے انکار کیا کہ اُن کے دل اُن کو مان چکے تھے)

اور فرمایا: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ۔ (المنافقون: ۱)

(اے محمدؐ!) جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو (از راہِ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت تم اس کے رسول ہو۔ لیکن اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ منافق (دل سے) اعتقاد نہ رکھنے کے لحاظ سے جھوٹے ہیں)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۸۔ تصدیق بالقلب واقرار باللسان کرنے والا مومن ہے خواہ اس کی دلیل اُسے معلوم ہو یا نہ ہو

جو دل سے ایمان کا معتقد ہو اور زبان سے اس کا اعتراف کرے وہ عند اللہ و عند المسلمین مومن ہے خواہ اس کی دلیل اسے معلوم ہو یا نہ ہو۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (التوبۃ: ۵)

(تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک میں بیٹھے رہو۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اُن کی راہ چھوڑ دو)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ انھیں دلیل بھی معلوم ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت سے لے کر تا وفات لوگوں سے لڑتے رہے۔ حتّٰی کہ وہ اسلام کا اقرار والتزام کریں۔ ان کو استدلال کا مکلف نہیں کیا اور نہ یہ دریافت کیا کہ آیا انھیں صداقتِ اسلام کی دلیل بھی معلوم ہے یا نہیں آج تک دینِ اسلام اسی ڈگر پر چلتا رہا۔

۷۹۔ تمام شرعی اعمال کا تارک ناقص الایمان مومن ہے

جو شخص تمام شرعی اعمال کا تارک ہو وہ گنہگار اور ناقص الایمان مومن ہے

۵۴۔ (ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی انا احمد بن محمد انا احمد بن علی انا مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از یعقوب بن ابراہیم بن سعد از پدر خود از ابن شہاب از عطاء بن یزید بیان کیا کہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ بندوں کا فیصلہ کر کے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت سے دوزخیوں کو وہاں سے نکالنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو شخص کلمہ طیبہ پڑھتا ہو اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اس کو جہنم سے نکال دو۔ (بخاری کتاب التوحید و کتاب الرقاق، مسلم کتاب الایمان، نسائی کتاب الصلاۃ)

۸۰۔ یقین میں درجہ بندی نہیں ہوتی

یقین میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ تاہم اگر اس میں شک و انکار کی تھوڑی سی بھی آمیزش ہو جائے تو یقین باقی نہیں رہتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یقین کسی چیز کے اثبات کا نام ہے اور اثبات میں کمی بیشی کا امکان نہیں ہوتا۔ اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات کا تحقق نہ ہو سکے تو وہ شک میں بدل جاتا ہے۔

۱۸۔ کبائر و صغائر کا معاملہ

اور گناہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) کبائر یا فواحش (۲) صغائر ان کو لَمَم بھی کہتے ہیں۔

(۱) کبائر یا فواحش ان گناہوں کو کہتے ہیں جن کے مرتکب کو قرآن یا حدیث میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے جو کبائر سے اجتناب کرے اس کے تمام چھوٹے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (النجم: ۳۲)

(جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں بے شک تیرا پروردگار بڑی بخشش والا ہے)

لَمَم کے معنی کسی چیز کا ارادہ کرنے کے ہیں۔ ہم قبل ازیں یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ جو شخص گناہ کا ارادہ کرے مگر اس پر عمل نہ کرے اس پر کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔

۵۵۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از سعید بن منصور از ابوعوانہ از قتادہ از زرارہ بن اوفی بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے ان خیالات کو معاف فرما دیا جن کا گزر اُن کے جی میں ہو۔ جب تک اُن کو اپنی زبان پر نہ لایا جائے یا اُن پر عمل نہ کیا جائے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (النساء: ۳۱)

(اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے) (بخاری کتاب الطلاق و کتاب العتق و کتاب الایمان والنذور، مسلم کتاب الایمان۔ ابوداؤد و ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کتاب الطلاق)

یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ گناہ کو کبیرہ (بڑا) صغیرہ (چھوٹا) کی نسبت سے کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب شدید عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے تو وہ لازماً کبیرہ گناہ پر دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس گناہ کی سزا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عذاب جہنم کی وعید نہ سنائی گئی ہو وہ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا جتنا بڑا وہ گناہ ہے جس میں عذاب جہنّم کی سزا بیان کی گئی ہو۔ لہٰذا وہ گناہ لازماً صغیرہ ہو گا۔ پس واضح ہوا کہ ان دو کے علاوہ کوئی تیسری قسم نہیں ہو سکتی۔

۸۲۔ کبائر سے اجتناب نہ کرنے کا معاملہ

جو شخص کبائر سے اجتناب نہ کرتا ہو اس کے تمام اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اعمالِ صالحہ اور ان گناہوں کا موازنہ کرے گا جن سے اس نے توبہ نہیں کی اور نہ ہی اس گناہ کی اسے شرعی سزا (حد شرعی) دی گئی۔ اگر اس کی نیکیوں کا پلڑا جھک گیا تو وہ جنت میں جائے گا اور اگر اعمال صالحہ اور قبیحہ برابر ہوئے تو اعراف میں جائے گا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِيْنَ (الانبیاء: ۴۷)

(اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرہ بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہو گا تو ہم اس کو لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں)

اور فرمایا: فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (القارعہ: ۶-۷)

(تو جس کے اعمال کے وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہو گا)

مزید فرمایا: إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود: ۱۱۴) (نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں)

اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ توبہ گناہ کو ساقط کر دیتی ہے۔

۵۶۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسماعیل بن سالم از ہشیم از خالد از ابو قلابہ از ابو الاشعث بیان کیا کہ] حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اسی طرح عہد لیا جیسے عورتوں سے لیا تھا۔ یہ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، چوری اور بدکاری کا ارتکاب نہ کریں، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں اور کسی پر بہتان طرازی نہ کریں۔ آپ نے فرمایا جس نے تم میں سے اس عہد کو پورا کیا وہ اللہ تعالیٰ سے اجر پائے گا اور جس نے ایسے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جُرم کا ارتکاب کیا جس پر حدِ شرعی قائم کی جاتی ہے۔ پھر اس پر وہ حدّ قائم کردی گئی تو اس جُرم کا کفارہ ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس کی پردہ پوشی کردی اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے اسے سزا دے اور چاہے تو معاف کردے (مسلم و ابن ماجہ کتاب الحدود)

۸۳۔ مسئلہ شفاعت جس شخص کی برائیاں اس کی نیکیوں پر غالب ہوں تو ایسے لوگ اپنے اعمال کے مطابق شفاعت کی بنا پر جہنّم سے نکل جائیں گے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ۔ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ۔ وَمَا اَدْرٰکَ مَا ھِیَہْ۔ نَارٌ حَامِیَۃٌ۔

(القارعۃ: ۸-۱۱)

(اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے)

اور فرمایا: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔

(الزلزال: ۷-۸)

(تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا)

مزید ارشاد ہے: اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ (المومن: ۱۷)

(آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا)

۵۷۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از یعقوب بن ابراہیم بن سعد از پدر خود از ابن شہاب از عطاء بن یزید بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں فرمایا کہ پُل صراط کو جہنّم کے آر پار رکھا جائے گا۔ میں اور میری اُمّت سب سے پہلے اس پر سے گزرے گی۔ رسولوں کے سوا اس روز کسی کو یارائے تکلّم نہ ہوگا۔ رسولوں کی زبان پر یہ کلمہ ہوگا کہ اے اللہ سلامت رکھ، سلامت رکھ۔ جہنم میں گوکھرو کی قسم کے کانٹے ہیں جس کی جسامت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ کانٹے لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق پھانس لیں گے۔ بعض لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنّم میں گر کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اور بعض لوگ گرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجات پا جائیں گے۔ (بخاری کتاب التوحید و کتاب الرقاق، مسلم کتاب الایمان، نسائی کتاب الصلاۃ)

۵۸۔ [از سند سابقہ تا مسلم از ابو غسان سمعی و محمد بن مثنی از معاذ بن ہشام دستوائی از پدر خود از قتادہ بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کلمہ طیبہ پڑھا اور اُس کے دل میں جو بھر نیکی ہو تو وہ دوزخ سے نکل جائے گا۔ پھر وہ شخص نکلے گا جو کلمہ طیبہ پڑھے اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر نیکی ہو۔ اس کے بعد وہ شخص نکلے گا جو کلمہ طیبہ پڑھے اور اس کے دل میں ذرہ بھر نیکی ہو۔ (بخاری کتاب التوحید، مسلم کتاب الایمان، ترمذی کتاب صفۃ جہنم)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء ۔ ۴۸)

(اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے)

میں فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور حضرت عُبادہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ اگر چاہے اسے بخش دے اور اگر چاہے عذاب دے۔ یہ آیت اور حدیث حضرت انس بن مالک کی سابق الذکر حدیث کے خلاف نہیں۔ عدم تعارض کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ شرک کے سوا باقی گناہ اگر وہ چاہے تو معاف کر سکتا ہے اور یہ بات بلاریب صحیح ہے، جس طرح دوسری آیت میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کر دیتا ہے" مزید براں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے بارے میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ قَالَ اللّٰہُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ط (المائدہ ۔ ۱۱۸-۱۱۹)

(اگر تو اُن کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو اُن کی سچائی ہی فائدہ دے گی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہے کہ یہ آیت سابقہ آیت اور حدیث سے معارض نہیں۔ اس لیے کہ کسی آیت یا حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں وہ اس کو بھی معاف کر دیتا ہے اور سزا نہیں دیتا۔ لہٰذا جو بات ہم نے کہی ہے وہی سب مجمل نصوص کی توضیح و تشریح کرتی ہے۔ جن نصوص میں وارد ہوا ہے کہ جو یوں کرے اس پر جنت حرام ہے، اور جو شخص صدق دل سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام ٹھہراتا ہے اور جو شخص دانستہ کسی مومن کو قتل کر دے اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ ان تمام نصوص کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنّت کو حرام کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کو اس کے اعمال کی سزا دی جائے۔ قاتل کے ابدی جہنمی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ کافی مدّت جہنم میں رہے گا حتّٰی کہ شفاعت کی بنا پر جہنم سے رہائی پائے گا۔ اس طرح تمام نصوص میں جمع و تطبیق پیدا ہو جاتی ہے[1]۔ وباللہ التوفیق۔

۸۴۔ جنّت میں درجہ بندی

جنّت میں لوگ اس تقرب کی بنا پر درجہ وار داخل ہوں گے جو اُن کو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہے۔ لہٰذا جو شخص سب

---

[1] تلخیص مترجم: یہ امر پیش نظر رہے کہ امام عالی مقام نے مذکورہ صدر پیرا میں بظاہر متعارض و متضاد نصوص میں جمع و تطبیق دینے کی کوشش ہے۔ مصنف کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات و احادیث میں وارد ہوا ہے کہ فلاں فعل سے جنت حرام ہو جاتی ہے یا یوں فرمایا کہ کلمہ طیبہ کہنے سے آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ یا یہ کہ قاتل ابدی جہنّمی ہے۔ ان آیات و احادیث کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ ایسے فعل کا ارتکاب کرنے والا اپنے اعمال کی سزا پا کر جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس سے قبل جنت اس پر حرام ہے۔ اسی طرح قاتل جب تک اپنے کیے کی سزا نہ پا لے جنت میں نہیں جائے گا، لا الٰہ کہنے سے جہنّم کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہمیشہ جہنّم میں رہنا حرام ہے۔ وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہو جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں ان میں سے کسی نص میں یہ مذکور نہیں کہ اسے ان اعمال کی سزا بھی نہیں ملے گی۔ لہٰذا سب نصوص کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ ان افعال کا ارتکاب کرنے والا کچھ مدّت جہنّم میں رہے گا۔ پھر شفاعت کی بنا پر جنت میں چلا جائے گا۔ اسی طرح آیات و احادیث کا یہ ظاہری تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے افضل ہے اس کا درجہ جنّت میں بھی سب سے بلند ہوگا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (الواقعہ: ۱۰-۱۲)

(اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں۔ وہی اللہ کے مقرب ہیں نعمت والے بہشتوں میں)

اور اگر افضل شخص کو جنّت میں ادنیٰ درجہ ملے تو پھر فضیلت کا کچھ فائدہ نہیں اور اس میں کچھ کشش باقی نہ رہے گی۔ فضیلت کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ افضل شخص کو دُنیا میں عزت و عظمت دیتا ہے اور جنّت میں اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

۸۵۔ سب سے افضل انبیاء ہیں

سب لوگوں سے افضل انبیاء ہیں۔ پھر ان کی اُزواجِ مطہّرات، اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا درجہ ہے۔ سب صحابہ جنّتی ہیں۔ ہم قبل ازیں یہ حدیث نبوی ذکر کر چکے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر ہم میں سے کسی کے پاس کوہِ اُحد کے برابر سونا ہو اور وہ اسے (راہِ خدا) میں خرچ کر دے تاہم وہ صحابہ کے عشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جو شخص لوگوں میں افضل ہوگا اس کا درجہ جنّت میں بھی سب سے بلند تر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ انبیاء سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں۔ جو شخص ان کے درجہ میں شریک ہوگا وہ لازماً باقی لوگوں سے افضل ہوگا اور یہ درجہ ان کی ازواجِ مطہّرات ہی کا ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ط وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ط (الحدید: ۱۰)

(جس شخص نے تم میں سے فتح (مکّہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کیے وہ) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ اُن لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور کفّار سے جہاد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب سے (ثواب) نیک کا وعدہ تو کیا ہے)

اور فرمایا، اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ۔ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ (الانبیاء: ۱۰۱-۱۰۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دُور رکھے جائیں گے (یہاں تک کہ) اُس کی آواز بھی تو نہیں سنیں گے۔ اور جو کچھ اُن کا جی چاہے گا اس میں (یعنی ہر طرح کے عیش اور لطف میں) ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا)

مذکورہ صدر آیات سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی حضورؐ کی صحبت سے مستفید ہوا اُس سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور یہ بات نصّ سے ثابت ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (آل عمران: ۹) (اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا)

اور یہ بات نص سے ثابت ہو چکی ہے کہ جس کے لیے اللہ کی طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہو وہ جہنم سے دُور رہے گا اور اُس کی آواز بھی نہ سُن سکے گا۔ جو کچھ اس کا جی چاہے گا (کھائے پیئے گا) اُس دن کا بھاری خوف بھی اُس کو غم زدہ نہیں کرے گا۔ اس میں شُبہ نہیں کہ منافقین اور کفار آپ کے صحابہ میں شامل نہیں۔ بلکہ آپ کے ساتھ ان کو کوئی نسبت بھی حاصل نہیں۔

۸۶۔ خلافت قریش میں محدود ہے

خلافت کا منصب قریش میں محدود ہے۔ قریش فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔

۵۹۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از احمد بن عبداللہ بن یونس از عاصم بن محمد بن زید از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک دنیا میں دو شخص بھی باقی ہیں خلافت کا منصب لوگوں میں موجود رہے گا۔ (بخاری کتاب المناقب و کتاب الاحکام۔ مسلم کتاب المغازی)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ خبر کے ہیں (یعنی رسول کریم نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ خلافت کا معاملہ قریش میں رہے گا) اگر حدیث کے الفاظ کو امر پر محمول کیا جائے (کہ آپؐ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ خلافت قریش میں رہے) تو دوسرے لوگوں کو یہ منصب ہرگز نہیں مل سکتا۔ اور اگر اس حدیث کو خبر پر محمول کیا جائے جیسا کہ الفاظ کا ظاہری تقاضا ہے تو اس میں کوئی شُبہ باقی نہیں رہتا کہ اگر غیر قریش خلافت کا دعویٰ بھی کرے تو بھی وہ اس منصب کا حامل نہیں ہوگا۔ بہر کیف یہ حدیث حضورؐ کی پیشینگوئی پر مبنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ قریش کے سوا دوسرے کسی کو یہ منصب نہیں مل سکتا۔

۸۷۔ خلافت کے شرائط نابالغ، مجنوں اور عورت منصب خلافت کے اہل نہیں ہیں۔ دنیا بھر میں بیک وقت ایک ہی خلیفہ ہونا چاہیے۔ جس شخص نے کسی خلیفہ کی بعیت کیے بغیر ایک رات گزاری وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جس بات سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت درست نہیں۔ خلیفہ کی موت کے بعد نئے خلیفہ کے انتخاب میں تین شب و روز سے زیادہ تردّد درست نہیں۔ اس کی دلیل حسب ذیل ہے۔

(ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن سلیم از ابن اعرابی از ابوداؤد از عثمان بن ابی شیبہ از جریر از عطاء بن سائب از ابوظبیان بیان کیا کہ) حضرت علیؓ بن ابی طالب روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی مرفوع القلم ہیں[1]:

۱۔ سونے والا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو۔

۲۔ بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔

۳۔ فاترالعقل شخص یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگے۔ (ابوداؤد کتاب الحدود)

---

[1] ابوداؤد نے اس حدیث کو باب "المجنون یسرق او یصیب حدًا" میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے ابوظبیان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت کو لایا گیا جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ وہاں سے گزرے تو انھوں نے عورت کو رہا کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو حضرت علیؓ کو بلایا حضرت علیؓ نے کہا امیرالمومنین! مجھے معلوم ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ (۱) بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (۲) سویا ہوا شخص حتیٰ کہ بیدار ہو (۳) مجنون آدمی یہاں تک کہ تندرست ہو۔ یہ فلاں قبیلہ کی پاگل عورت ہے۔ ممکن ہے کسی نے اس حالت میں اس کے ساتھ زنا کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے تو معلوم نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے بھی معلوم نہیں، یہ حدیث بروایت ابن عباس بھی مروی ہے۔ اس میں مجنون کے الفاظ نہیں۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو بروایت حضرت عائشہؓ مختصراً روایت کیا ہے۔ اس میں مجنون کا لفظ موجود ہے۔ ممکن ہے مصنف نے اپنے حافظہ سے اس حدیث کو بالمعنی روایت کیا ہو۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں خلیفہ اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، صدقات وصول کرے، شرعی حدود کو قائم کرے، شرعی احکام کو نافذ کرے اور اعدائے اسلام سے جہاد کرے۔ یہ سب امور مہتم ہیں اس لیے ایک نابالغ اور فاتر العقل شخص ان کا مخاطب نہیں ہوسکتا۔

۶۱۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قتیبہ از لیث بن سعد از عبیداللہ بن عمر از نافع بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان شخص پر واجب ہے کہ اپنے امیر کی بات سُنے اور اس کی اطاعت کرے خواہ اُسے پسند کرے یا نہ کرے۔ الّا یہ کہ اسے اللہ و رسول کی نافرمانی کا حکم دیا جائے۔ اگر نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سُننا ضروری ہے نہ اطاعت کرنا (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الجہاد)

۶۲۔ [اور بسند سابقہ تا مسلم از وہب بن بقیہ واسطی از خالد بن عبداللہ واسطی از جریری از ابونضرۃ بیان کیا کہ] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو جس کی پیچھے بیعت کی گئی ہے اس کو قتل کردو۔ (صحیح مسلم کتاب المغازی)

۶۳۔ [اور بسند سابقہ تا مسلم از عبیداللہ بن معاذ عنبری از پدرِ خود از عاصم بن محمد بن زید از زید بن محمد از نافع بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو روزِ قیامت وہ اللہ کو اس حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور جو شخص کسی امیر کی بیعت کا قلادہ گردن میں ڈالے بغیر مرجائے وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (صحیح مسلم کتاب المغازی)

۶۴۔ [ہم سے احمد بن محمد جسوری از وہب بن مسرۃ از محمد وضاح از ابوبکر بن ابوشیبہ از ابوداؤد طیالسی از عیینہ بن عبدالرحمٰن از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت ابوبکرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے اپنے امورِ سلطنت کسی عورت کو تفویض کردیے وہ ہرگز فلاح نہیں پائے گی۔ (ابوداؤد طیالسی ص ۱۱۸ حدیث نمبر ۸۷۸)

۶۵۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قتیبہ از حماد بن زید از ایوب از ابوقلابہ از ابواسماء رحبی بیان کیا کہ] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمّت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا اور ان کی مخالفت کرنے والا انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اسی حالت میں قیامت برپا ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد، ترمذی کتاب الفتن، ابن ماجہ کتاب السُّنّۃ)

بنا بریں یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کوئی زمانہ اس بات سے خالی نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی حق بات کہنے والا شخص موجود نہ ہو۔ جب کسی بات پر اہل علم کا اجماع منعقد ہو جائے تو وہ بات قطعی طور پر حق ہوتی ہے۔

یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو چھ صحابؓ کی ایک جماعت انتخاب خلیفہ کے بارے میں تین روز تک غور و خوض کرتی رہی۔ تمام اہل اسلام نے اس کو بنظرِ استحسان دیکھا۔ لہٰذا یہ بات درست ہے کہ انتخاب خلیفہ کے بارے میں تین دن تک مشورہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے زیادہ مدّت کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ حدیثِ نبوی اور اجماع کی روشنی میں اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

بار دیگر جب ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا تو یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آئی کہ جناب فاروقؓ نے چھ صحابہ کو معیّن کر دیا تھا کہ اپنے میں سے جس کو چاہیں امیر بنا لیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت حضرت عثمانؓ اللہ تعالیٰ کے علم میں خلیفہ تھے۔ اس لیے کہ ان صحابہ کے آپ کو منتخب کر لینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو امارت کا معاملہ تفویض کر دیا تھا۔

لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہ رہا اور یہ بات کُھل کر سامنے آئی کہ اُمّتِ محمدیہ ایک رات تو بڑی بات ہے ایک لمحہ بھی خلیفہ و امیر سے خالی نہ رہی۔ بلکہ ان کا ایک خاص معین و موصوف امام موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگ تین روز تک اس کو پہچان نہ سکے[1]۔

---

[1] ابن حزم کا یہ موقف درست دکھائی نہیں دیتا اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے چھ صحابہ کو جو اختیار دیا تھا کہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ آپ نے ان میں سے کسی کو امیر مقرر کر دیا تھا۔ اگر آپ ہونے والے امیر کے اوصاف بتا بھی دیتے جو ان میں سے کسی ایک پر منطبق ہوتے تو بھی اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ آپ نے اس کا (باقی برصفحہ آیندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۸۔ توبہ کے قواعد و شرائط کفر، زنا، لواطت، شراب خوری اور دیگر محرّمات مثلاً خنزیر، مُردار خون سے توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے فعل پر اظہار ندامت کیا جائے۔ اس فعل کا اعادہ نہ کیا جائے اور یہ عہد باندھا جائے کہ آئندہ کبھی اس فعل کا مرتکب نہیں ہوں گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی جائے۔ اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔ ظلم کسی طرز و انداز کا بھی ہو مثلاً کسی کو بے آبرو کیا جائے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تقرر کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہونے والے امیر کے اوصاف مطلقاً بیان نہیں فرمائے تھے آپ نے صرف یہ کیا کہ ان چھ صحابہ کو یہ معاملہ سونپ دیا جن کو حضورؐ نے اس دنیا ہی میں جنتی قرار دیا تھا، حضرت عمرؓ نے ان کو نصیحت کی، فتنہ سے ڈرایا اور کہا میرا خیال ہے کہ عثمان و علی میں سے ایک آدمی امیر منتخب ہوگا۔ اگر عثمانؓ کو یہ منصب ملا تو وہ نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اگر علیؓ کو امیر بنایا گیا تو ان کی طبیعت میں مزاح پایا جاتا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ علیؓ اُمت کو راہِ حق پر گامزن رکھیں گے۔ پھر باقی صحابہ کے امتیازی اوصاف بیان کیے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو تین دن مشورہ کی مہلت دی۔ صحابہ نے حضرت عمرؓ کی مخالفت اس لیے نہ کی کہ آپ اُن کے امیر تھے اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر یہ حکم دے رہے تھے۔ امیر ہونے کے اعتبار سے اُن کی اطاعت صحابہ پر واجب تھی۔ بنابریں اس کو اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ بات مصالح مُرسلہ کے قبیل سے ہے جس میں اولوالامر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ جس بات میں اُمت کی مصلحت دیکھیں اس کا حکم صادر کر دیں اور اگر حضرت عمرؓ مشورہ کی مدت تین دن سے زیادہ مقرر کر دیتے تو بھی کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ اور اگر اصحاب الرائے مسلمانوں میں سے کوئی یہ تجویز پیش کر دیتا تو بھی اس میں حرج کی کوئی بات نہ تھی۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ ابن حزم نے یہ موقف کیسے اختیار کر لیا کہ ان تین دنوں میں بھی مسلمانوں کا ایک معیّن و موصوف امیر موجود تھا، حالانکہ مسلمانوں نے ہنوز کسی کو منتخب کیا تھا نہ امرِ اُمت کسی کو تفویض کیے تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ مُسلمانوں کی گردن میں ابھی تک کسی کی اطاعت کا قلادہ نہ تھا، یہ ابن حزم کی اپنی سمجھ ہے کہ اس میں ان سے کچھ سہو واقع ہوا ہے اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کا درجہ بلند فرمائے۔ لیکن ایک اہم بات جو ابن حزم اور محشی دونوں نے نظر انداز کر دی۔ وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے عارضی طور پر ایک امیر عمار بن یاسر کو مقرر کر دیا تھا جس سے ثابت ہوا کہ واقعی امیر کے بغیر اس اُمت نے ایک رات بھی نہیں گزاری اور چونکہ وہ حضرت عمرؓ کے قائم مقام تھے اس لیے بیعت کی ضرورت نہ تھی۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کے جسم و مال میں بے جا تصرّف کیا جائے، اس سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کا مال غصب کیا ہو تو اُسے واپس کیا جائے۔ اگر مغصوبہ چیز میں سے کچھ پیدا ہوا ہو تو اُسے بھی لوٹا دیا جائے۔ اور اگر وہ چیز باقی نہ ہو تو اس جیسی چیز واپس کر دی جائے۔ اگر یاد نہ رہا ہو کہ کیا چیز غصب کی تھی تو مغصوبہ چیز کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دی جائے یا دوسرے نیک کاموں میں صَرف کر دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ بُرے فعل پر ندامت ہو۔ آیندہ اس سے باز رہنے کا عہد کیا جائے اور بارگاہِ الٰہی سے معافی طلب کی جائے۔ مزید براں لوگوں کی بے آبروئی اور جسمانی نقص و عیب کی تلافی کی جائے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کو تفویض کیا جائے۔

روزِ قیامت مظلوم کی دادرسی ازبس ناگزیر ہے۔ اُس روز بے سینگ بکری سینگ دار سے انتقام لے گی۔ قتل سے توبہ ان تمام اُمور سے عظیم تر ہے اور وہ صرف قصاص کی صورت میں ممکن ہے۔ اگر اس کا امکان نہ ہو تو کثرت سے نیکی کے کام کر کے اعمالِ صالحہ کے ترازو کو بھاری کیا جائے۔

۶۶- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی اور مروان بن محمد دمشقی از سعید بن عبدالعزیز از ربیعہ بن یزید از ابو ادریس طولانی بیان کیا کہ]

حدیثِ قُدسی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو تمھارے ہی اعمال ہیں جن کو میں نے تمھارے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔ پھر میں ان کی پوری پوری جزا تمھیں دوں گا۔ جو شخص (اپنے اعمال نامہ میں) نیکیاں پائے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور جو اس کے سوا کچھ پائے تو اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ (صحیح مسلم کتاب البرّ والصلۃ)

۶۷- [اور بسند سابقہ تا مسلم از قتیبہ بن سعید از اسماعیل بن جعفر از علاء بن عبدالرحمٰن از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا تم جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کی مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا میری اُمّت میں مفلس وہ شخص ہے جو روزِ قیامت بہت سی نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر بارگاہِ ربّانی میں حاضر ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان لگایا، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کو پیٹا ہو گا۔ فرمایا ان سب لوگوں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی۔ اگر حقوق کی ادائیگی سے قبل اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو اُن کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا تمھیں روزِ قیامت تمام حقوق ادا کرنے ہوں گے۔ حتیٰ کہ بے سینگ بکری سینگ دار بکری سے اپنا انتقام لے گی۔ (صحیح مسلم کتاب البرّ والصلہ)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ حدیث اپنے معنی و مفہوم میں واضح ہے۔ اس لیے کسی دوسری حدیث کے عموم کی بنا پر اس میں نسخ یا تخصیص کا احتمال نہیں ہے۔

۸۹۔ دجّال یک چشم اور کذّاب ہے

دجال آئے گا۔ وہ کافر، ایک آنکھ سے کانا، حیلہ گر اور ملمّع ساز ہے۔

۶۸۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از محمد بن عیسٰی از ابراہیم بن محمد از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنی از محمد بن جعفر از شعبہ از قتادہ بیان کیا کہ] حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اپنی اُمت کو یک چشم کذّاب (دجال) سے نہ ڈرایا ہو۔ یاد رکھیے کہ دجّال کانا ہے جب کہ تمھارا رب کانا نہیں ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "ک ف ر" (کافر) لکھا ہوا ہے۔ (بخاری کتاب الفتن و کتاب التوحید، مسلم کتاب القدر، ترمذی وابنِ ماجہ کتاب الفتن)

۶۹۔ [اور بسند سابقہ تا مسلم از سریج بن یوسف از ہشیم از اسماعیل بن ابو خالد از قیس بن ابو حازم بیان کیا کہ] حضرت مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس قدر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دجّال کے بارے میں پوچھا کسی اور نے نہیں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کثرتِ سوال کی وجہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ دجّال کے پاس روٹی اور گوشت کے پہاڑ اور پانی کی نہر ہو گی۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دجّال کی قدر و قیمت اس سے بہت کم ہے کہ اُس کے پاس ایسی چیزیں ہوں۔" (بخاری کتاب الفتن، مسلم کتاب الفتن والاستئذان، ابنِ ماجہ کتاب الفتن)

۷۰۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابنِ سلیم از ابن اعرابی از ابو داؤد سجستانی از موسیٰ بن اسماعیل از جریر از حمید بن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلال ابو دھماء بیان کیا کہ] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دجّال کے بارے میں سنے (کہ وہ آگیا ہے) تو اُس سے دُور چلا جائے۔ اللہ کی قسم! ایک شخص اُس کے پاس آئے گا اور وہ اسے مومن خیال کرے گا۔ پھر جو شکوک و شبہات دجال پیش کرے گا اس کی بنا پر وہ مومن اس کی پیروی کرنے لگے گا۔ (ابو داؤد کتاب الملاحم)

۹۰۔ خضر نبی تھے اور وفات پا چکے ہیں

نبوّت اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔ جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اُس کو ایسے اُمور سے آگاہی حاصل ہوتی ہے جو قبل ازیں اسے معلوم نہیں ہوتے۔ رسالت نبوّت سے بڑھ کر ہوتی ہے رسالت کے معنی کسی مخلوق کی جانب خاص احکام دے کر مبعوث کرنے کے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ خضر علیہ السلام نبی تھے مگر اب وفات پا چکے ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي (الکھف: ۸۲) (میں نے اس کو اپنی مرضی سے نہیں کیا)

اس لیے خضر کی نبوّت صحیح ہے۔ قرآن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۰) (مگر اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے)

۹۱۔ ابلیس زندہ ہے

ابلیس زندہ موجود ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ اور اس یقین کے ساتھ اپنے گناہ پر مُصر رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ (اور آگ مٹی سے افضل ہے) اللہ تعالیٰ نے اُسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ مگر اُس نے تعمیل نہ کی اور آدم کو اپنے سے حقیر جانا اور اس طرح کُفر کا مرتکب ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ابلیس کا قول نقل کیا ہے۔

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔ (ص: ۷۶)

(بولا کہ میں اُس سے بہتر ہوں (کہ) تُو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا: اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (ص: ۷۹)

(مجھے اُس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں، مہلت دے)

اور ارشاد ہوا:

فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ (الاعراف: ۱۶)

(مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر ان کو گمراہ کرنے کے لیے بیٹھوں گا)

اور مزید ارشاد ہوا:

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ (البقرہ: ۳۴) (اور ہو گیا کافروں میں سے)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۔ شرعی احکام کے اُصول

۹۲۔ دینی احکام کا سرچشمہ قرآن اور حدیث صحیح ہے

دینی احکام جن کی تعمیل ہر شخص پر لازم ہے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ چوتھی صورت ممکن نہیں ہے۔

۱۔ اُمت کے تمام علماء کسی مسئلہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کریں۔ اس کو اجماع کہتے ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کسی مسئلہ کو آپ سے روایت کرے (اس کو متواتر کہتے ہیں)

۳۔ ثقہ راوی ایک دوسرے سے تسلسل کے ساتھ روایت کریں حتیٰ کہ روایت کا یہ سلسلہ حضورؐ تک پہنچ جائے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۳-۴)

(اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکمِ الٰہی ہے جو اُن کی طرف بھیجا جاتا ہے)

اور حکم ہوا : اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (الاعراف: ۳)

(لوگو! جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو)

اور فرمایا: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا)

اگر بظاہر (اس لیے کہ حقیقی تعارض تو ممکن نہیں) دو آیتیں، یا دو صحیح حدیثیں، یا ایک آیت اور حدیث باہم متعارض معلوم ہوں تو دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ دونوں اطاعت کے اعتبار سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساوی الدرجہ ہیں۔ لہٰذا جب تک ممکن ہو دوسری کی خاطر ایک کو نظر انداز کرنا روا نہیں اور اس پر عمل کرنے کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ قلیل المعانی آیت یا حدیث کو کثیر المعانی والی آیت و حدیث سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جو آیت یا حدیث کسی زائد حکم پر مشتمل ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا وجوب مبنی بر یقین ہے اور یقین کو ظن کی بنا پر ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی وضاحت وصراحت کر دی ہے لہٰذا اس میں کسی پیچیدگی کا احتمال نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: ۳) (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا)

نیز فرمایا: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۸۹) (اس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے)

۹۳۔ حدیث موقوف و مرسل حجت نہیں

حدیث موقوف و مرسل دین میں حجت نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں جس کا راوی ایسا شخص ہو جس کے دین اور حافظہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور دوسرے کسی راوی نے اسے روایت نہ کیا ہو۔ جو بات کتاب وسنّتِ صحیحہ سے ثابت ہو اس کو کسی شخص کے قول کی بنا پر ترک نہیں کیا جا سکتا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ شخص حدیث کا راوی ہو یا نہ ہو۔

مُرسَل اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں میں سے کوئی یا راوی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی غیر معروف شخص ہو۔

موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے۔

حدیث موقوف کے حجّت نہ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: ۱۶۵)

(تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے)

حدیث موقوف کے حجّت نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دین میں کسی شخص کا قول حجت نہیں۔ حدیث موقوف کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ ظنّی چیز ہے اور ظن کے بارے میں ارشادِ ربانی حسب ذیل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم: ٢٨)

(اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا)

نیز فرمایا: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ٣٦)

(جس بات کا تمہیں علم نہ ہو وہ مت بیان کرو)

حدیث مُرسل اور وہ حدیث جس کے راویوں میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس کی دین داری اور حفظ پر اعتماد نہ کیا جا سکتا ہو اُس کی عدمِ حُجیت کی دلیل یہ آیت ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ (التوبة: ١٢٢)

(ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر جماعت میں سے ایک گروہ دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے چلا جاتا اور جب وہ واپس آتا تو اپنی قوم کو ڈراتا)

اس آیت کریمہ میں طلب علم کے لیے سفر کرنے والے کے پیغام پر عمل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے واجب ٹھہرایا کہ وہ شخص دین کا فہم و ادراک رکھتا ہے۔

مزید فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات: ٦)

(اے ایمان والو! اگر فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو مبادا تم ایک قوم کو جہالت میں مبتلا کر دو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے)

ظاہر ہے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں ایک ثقہ اور دین دار۔ دوسرا فاسق و فاجر۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فاسق کی خبر قبول کرنے کو حرام ٹھہرایا۔ باقی رہا ثقہ شخص تو اس کا پیغام قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

جہاں تک مجہول (غیر معروف) شخص کا تعلق ہے ہمیں اس کے بارے میں پورا یقین نہیں کہ آیا وہ شخص ان صفات کا حامل ہے یا نہیں جن کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے اُس کی بات ماننے کا حکم دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وہ صفت دینِ اسلام کا فہم و ادراک ہے۔ لہٰذا جب تک اس کا عالم دین اور فسق سے پاک ہونا ثابت نہ ہو جائے ہمارے لیے اس کی دی ہوئی خبر کو تسلیم کرنا روا نہیں ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کے ملوک و سلاطین کی طرف ہر ایک مملکت میں ایک ہی شخص کو قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ قاصد انفرادی طور پر ہر شہر اور ہر قبیلہ میں پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا۔ مثلاً حضور نے صنعاء، الجُنَد، حضرموت، تیماء، نجران، بحرین، عمان اور دیگر بلاد و دیار کی طرف اپنے قاصد بھیجے تھے جو ان کو دینی احکام سکھاتے تھے۔ آپ نے ہر قبیلہ پر اپنے امیر اور معلّم کی اطاعت فرض ٹھہرائی تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ثقہ راوی اگر ایک بھی ہو اور وہ دوسرے ثقہ راوی سے روایت کرے یہاں تک کہ روایت کا سلسلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے تو اُس کی روایت قابلِ قبول ہے۔

جس شخص نے قرآن کی کسی آیت یا حدیث صحیح کو صحابی یا کسی دوسرے شخص کے قول کی بنا پر ترک کر دیا خواہ وہ حدیث اس کی اپنی روایت کردہ ہو یا کسی اور کی تو اُس نے اس چیز کو ترک کر دیا جس کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا تھا۔ بخلاف ازیں اُس نے اُس شخص کے قول کو اختیار کیا جس کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے اُسے نہیں دیا تھا۔ یہ حکمِ ربانی کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

صحابی کو جو عظمت و فضیلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاصل ہے اُس کا یہ تقاضا ہرگز نہیں کہ اس کے اقوال کی تقلید کی جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا۔ اس کی تعظیم و محبت کا تقاضا صرف یہ ہے کہ اُن کی مرویات کو قبول کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی بات کا حکم دیا ہے۔

۹۴۔ سُنّت قرآن و سُنّت دونوں کو منسوخ کر سکتی ہے

قرآن کی ایک آیت دوسری کو منسوخ کر سکتی ہے۔ سُنّت قرآن کریم اور سُنّت دونوں کو منسوخ کر سکتی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا (البقرۃ: ۱۰۶)

(ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیج دیتے ہیں)

نیز فرمایا: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (البقرة : ۱۰۶)

(تاکہ وضاحت کر دے تو لوگوں کے لیے اس چیز کی جو اُن کی طرف اُتاری گئی)

اور مزید فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم : ۳-۴)

(اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم الٰہی ہے جو (اُن کی طرف) بھیجا جاتا ہے)

اور ارشاد ہوا: إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (یونس : ۱۵)

(میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے)

بار دیگر ارشاد ہوا: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۔ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۔ (الحاقة : ۴۴-۴۷)

(اگر پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹ بنا لاتے تو ہم اُن کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر اُن کی رگ گردن کاٹ ڈالتے ۔ پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر فرمایا۔ چونکہ نسخ بھی بیان ہی کی ایک قسم ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔[1]

---

[1] مسئلہ نمبر ۹۴ میں ابن حزم نے دعویٰ کیا ہے کہ سنت قرآن کی ناسخ ہو سکتی ہے ۔ امام شافعی کی جانب بھی یہ بات منسوب ہے ۔ مگر اکثر علماء نے امام شافعی کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے نزدیک سُنت قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ "مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ" سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف قرآن ہی قرآن کا ناسخ ہو سکتا ہے ۔ امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے ۔ امام احمدؒ سے مشہور تر روایت یہی ہے اور ان کے اکثر اصحاب اسی کے قائل ہیں ۔ اس کی دلیل بڑی واضح ہے ۔ اور وہ یہ کہ جو نص ظنی الدلالۃ ہو وہ قطعی الدلالۃ کی مساوی نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی ناسخ کیونکر ہو گی ۔ امام رازی اور دیگر علماء نے ابو مسلم اصفہانی سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں نسخ سرے سے موجود ہی نہیں ۔ جن آیات کو منسوخ قرار دیا گیا ہے ابو مسلم نے ان کا غیر منسوخ ہونا ثابت (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۵- بلا دلیل کسی آیت یا حدیث کو منسوخ یا مؤول نہیں کہہ سکتے

کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی آیت یا حدیث صحیح کے بارے میں یہ بات کہے کہ یہ منسوخ یا مخصوص ہے۔ یوں کہنا بھی درست نہیں کہ فلاں نص قابلِ تاویل ہے۔ اور اُس کا وہ مفہوم نہیں جو اس کے ظاہری الفاظ سے متبادر ہے۔ اسی طرح یہ قول بھی ناروا ہے کہ فلاں حکم آغاز ورود ہی سے ہمارے لیے ضروری نہیں۔ جب تک کسی دوسری نص یا اجماع سے ثابت نہ ہو کہ یہ نص منسوخ یا مؤول ہے۔ یا کوئی حِسّی ضرورت اس کی داعی و محرک ہو۔ ان باتوں کی عدم موجودگی میں نسخ یا تاویل کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے۔

اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ ہیں:۔

۱- وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴)

(اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے)

۲- وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراھیم: ۴)

(اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انھیں (احکام الٰہی) کھول کھول کر بتا دے)

۳- بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء: ۱۹۵) (فصیح عربی زبان میں وحی کی)

۴- وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ (البقرۃ: ۷۵)

(ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کو سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں)

۵- فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور: ۶۳)

www.KitaboSunnat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کیا ہے۔ امام رازی کی تفسیر میں متعدد مواقع پر اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ مسئلہ ہذا کی تفصیل کے لیے دیگر تفاسیر کی جانب رجوع فرمائیے (احمد شاکر) ابن حزم کی بات ہی حق ہے اگرچہ اکثر علماء نے اس کو قولاً قبول نہیں کیا۔ لیکن عملاً سب کا یہی مسلک ہے۔ فتفکر وتدبر۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو) اُن پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)

آیت کریمہ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ" (النساء: ۶۴) سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ تمام اوامر میں آپ کی اطاعت واجب ہے اور آیت کریمہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ" قرآن کی اطاعت کو واجب ٹھہراتی ہے۔

جو شخص کسی آیت یا حدیث کے منسوخ ہونے کا مدّعی ہو گویا وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ساقط کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اور آیت کریمہ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراھیم: ۴)

(اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انھیں (احکام الٰہی) کھول کھول کر بتائے)

سے عیاں ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کی ہر نص سے اس کا ظاہری مفہوم مراد لینا چاہیے۔ لہٰذا جو شخص اس سے وہ مفہوم مراد نہیں لیتا جس کے لیے وہ عربی زبان میں بولا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قول اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا اور اس پر افتراء پردازی کرتا ہے۔ جو شخص اس بات کا مدّعی ہو کہ فلاں نص سے وہ پورا مفہوم مراد نہیں جو عربی زبان میں اس کے لیے مقرّر ہے بلکہ اس کے مفہوم کا کچھ حصّہ مراد ہے وہ اپنے جھوٹے دعویٰ کی اساس پر حکم ربّانی کی اطاعت کو ساقط کرنے والا ہے اور اس کا یہ قول افتراء علی اللہ بھی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی آیت سے پورے ظاہری مفہوم کی نسبت اس کے ایک جزو کو مراد لینا اولیٰ و افضل ہو۔ جس شخص کا یہ دعویٰ ہو کہ اللہ کے فلاں حکم کی تعمیل مجھ پر لازم نہیں۔ آیت کریمہ "فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ" (النور: ۶۳) اس کے لیے وعید کا حکم رکھتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نصوص واجب التعمیل ہیں۔ اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہو کہ اتنی مدّت تک فلاں حکم میرے لیے واجب الاطاعت نہیں وہ گویا حکم الٰہی کو ساقط کرتا ہے۔ مزید براں اندریں مدّت وہ رسول کریم کی اطاعت واجبہ کو بھی ساقط الاعتبار ٹھہراتا ہے اور یہ حکم الٰہی کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ اگر مذکورہ صدر دعاوی کا اثبات

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب وسنت، اجماع یا نقل صحیح سے ہو جائے تو ان کا صحیح ہونا کسی شک وشبہ سے بالا ہوگا۔ ورنہ یہ ایسے فاسد اقوال ہیں جن سے اسلام جمیع علوم اور جمیع لغات واُلسنہ کا بطلان لازم آتا ہے اور یہ ظاہر الفساد ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۹۶۔ اجماع کی تعریف

اجماع اس یقین کا نام ہے کہ تمام صحابہ فلاں بات کو جانتے اور تسلیم کرتے تھے اور اس کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی اس بات سے اختلاف نہیں کیا۔ مثلاً اس بات کا یقین کہ تمام صحابہ نے آپ کی اقتدا میں پانچوں نمازیں ادا کیں۔ اس لیے وہ رکوع وسجود کی تعداد سے بخوبی آگاہ تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ فلاں نماز حضورؐ نے لوگوں کی موجودگی میں اس طرح ادا کی۔ یا یہ کہ صحابہ نے آپ کی رفاقت میں روزے رکھے۔ یا انھیں معلوم تھا کہ آپ نے لوگوں کے ساتھ اپنے شہر میں مقیم رہ کر ماہِ رمضان کے روزے رکھے۔ اور اس قسم کے دیگر شرعی احکام جن کے بارے میں اسی قسم کا یقین حاصل ہوا اور جو شخص ان کا معترف نہ ہو وہ زمرۂ مومنین سے خارج ہوا۔ ایسی باتوں کے اجماعی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ایمان کا دائرہ ان دنوں صحابہ میں محدود تھا۔ اس لیے کہ ان کے سوا پوری کائنات پر دوسرا کوئی مومن موجود نہ تھا۔ اور جو شخص اس کے سوا کسی بات کو اجماع قرار دیتا ہو اُس کو اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرنی چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

۹۷۔ ایک کے اختلاف سے بھی اجماع باقی نہیں رہتا

جس مسئلہ میں کسی ایک صحابی کا اختلاف منقول ہو، یا اس بات کا یقین نہ ہو کہ سب صحابہ اُس سے آگاہ تھے اور اس کو تسلیم کرتے تھے تو اس کو اجماع نہیں کہتے۔ جو شخص اس کو اجماع قرار دے وہ کاذب ہے اور مُنہ سے ایسی بات نکالتا ہے جس کی اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (بنی اسرائیل۔۳۶) (وہ بات نہ کہہ جس کا تجھے علم نہیں)

۹۸۔ عہدِ صحابہ کے بعد کسی مسئلہ پر علماء کا اتفاق اجماع نہیں

اگر اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ عہد صحابہ کے بعد کسی زمانہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں تمام اہل عصر ایسے مسئلہ پر متفق ہو گئے جس کے بارے میں صحابہ کا اجماع منعقد نہیں ہوا تھا تو وہ مسئلہ قطعی طور پر حق و صداقت کا حامل اور حجّت ہو گا مگر اسے اجماعی مسئلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جہاں تک اس مسئلہ کے قطعی و حتمی ہونے کا تعلق ہے اس کی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سابق الذکر حدیث ہے جس میں حضوؐر نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمّت کا ایک گروہ تا قیامت حق پر قائم رہے گا اور ان کا مخالف انھیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہلِ عصر ایک لمحہ کے لیے بھی غلط بات پر متفق نہیں ہو سکتے۔ ان میں کوئی شخص ایسا ضرور ہو گا جو حق کا قائل ہو گا۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کو اجماع قرار نہیں دیا جا سکتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عصرِ صحابہ کے بعد کسی زمانہ کے لوگ جب کسی مسئلہ پر متفق ہوں گے تو وہ جمیع اہل ایمان نہیں ہو سکتے۔ بخلاف ازیں وہ مومنین کا ایک حصہ ہو سکتے ہیں۔ اور اجماع جملہ اہلِ ایمان کے کسی مسئلہ پر یک زبان ہونے کا نام ہے نہ کہ بعض مومنین کا۔

جب صورتِ حال یہ ہو کہ جملہ اہلِ ایمان کے مابین ایک ایسا شخص موجود ہو جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ آیا وہ مسئلہ زیرِ بحث میں ان کے ساتھ متّفق ہے یا نہیں۔ اگر اس صورت کا نام اجماع رکھا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ جب دو یا تین یا چار یا اس سے کم و بیش آدمی تمام اہلِ ایمان سے نکل جائیں تو اس کو بھی اجماع کہا جائے۔ اندریں صورت نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب کہنے والا صرف ایک ہو تو اس کو بھی اجماع قرار دیا جائے اور یہ باطل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عصرِ صحابہ کے بعد اجماع کے بارے میں یقین حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ معدودے چند افراد تھے جن کا حصر و عدد اور کسی مسئلہ میں ان کے اقوال معلوم کرنا بسہولت ممکن تھا[1]۔ بخلاف ازیں بعض لوگوں کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ عصرِ صحابہ کے بعد بھی اجماع کا انعقاد ممکن ہے اس لیے کہ کسی مسئلہ میں اصحابِ مالک، ابوحنیفہ و شافعی کی مرضی ان کے اقوال سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ بات عین ممکن ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی امام نے

---

[1] یہ بھی ممکن نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی بات کہی ہو مگر خود ان کے اصحاب و تلامذہ میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جو اس مسئلہ میں آن کے ساتھ متفق نہ ہو، اگرچہ وہ دیگر تمام مسائل میں ان کا ہمنوا ہو۔

۹۹۔ نزاع و اختلاف کی صورت میں کیا کیا جائے؟

جب لوگوں کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف رونما ہو یا کوئی شخص کسی مسئلہ میں نزاع و جدال کا مرتکب ہو تو اس وقت کتاب و سنّت کی جانب رجوع کرنا واجب ٹھہرتا ہے۔ کتاب و سنّت کو نظر انداز کرکے دوسری کسی چیز کی جانب مطلقاً رجوع نہ کیا جائے۔ حتّٰی کہ اہلِ مدینہ یا کسی اور کے تعامل کو بھی مرکز توجہ بنانا درست نہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء: ۵۹)

(مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔ اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو)

مندرجہ صدر آیت کریمہ اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے کہ نزاع کی صورت میں کتاب و سنت کے سوا کسی اور چیز کی طرف رجوع کرنا درست نہیں۔ بلکہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے سوا کسی اور کے قول کی جانب رجوع کرنا حرام ہے، اس لیے جو شخص آپ کے سوا کسی اور کے قول کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے کہ نزاع کی صورت میں صرف کتاب و سنت کو مرکز و محور بنایا جائے، خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو "اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ" کے ساتھ معلق و مشروط ٹھہرایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم نہیں دیا کہ تمام اہلِ ایمان کو نظر انداز کرکے بعض اہلِ ایمان کے قول کو مرکز فکر و عمل بنایا جائے۔ ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم مدینہ میں اقامت گزیں تھے۔ جب کہ اُن کے عمّال یمن، مکّہ اور دیگر بلاد و امصار میں بود و باش رکھتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ کے عمّال بصرہ، کوفہ، مصر اور شام میں مقیم تھے۔ لہٰذا یہ بات کسی طرح قرین عقل و صواب نہیں کہ خلفائے راشدین نے تمام بلادِ اسلامیہ کو نظر انداز کر کے حلال و حرام اور دیگر شرعی مسائل و احکام صرف اہلِ مدینہ سے اخذ کیے ہوں۔ یہ ایک غیر مستحسن اقدام تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ و مصئون رکھا۔

بنواُمیہ کے ملوک و سلاطین نے نماز کی بعض تکبیروں کو ترک کر دیا تھا۔ اسی طرح انھوں نے عیدین کے موقع پر نماز سے پہلے خطبہ کو رواج دیا اور عوام الناس اس پر عمل کرنے لگے۔ بنا بریں یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان کا قول حُجّت نہیں ہے۔

۱۰۰۔ دین میں قیاس و رائے پر عمل حرام ہے

کسی دینی مسئلہ کے بارے میں قیاس و رائے[1] سے فیصلہ کرنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نزاع کی صُورت میں کتاب و سُنّت کی جانب رجوع کرنے کا حُکم دیا ہے۔ بخلاف ازیں جو شخص قیاس و رائے یا کسی خود ساختہ علّت کی طرف رجوع کرتا ہے وہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو تمھیں اس کی تعمیل کرنی چاہیے۔ مگر رائے پر عمل کرنے والا جس چیز کی طرف نزاع کی صُورت میں لوٹتا ہے اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ قیاس و رائے کا ابطال کرتی ہیں:۔

۱۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹) (اس (قرآن) میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے)

---

[1] ابن حزم نے اپنے بعض رسائل میں تحریر کیا ہے کہ رائے کے معنی یہ ہیں کہ کسی دینی مسئلہ میں بلا نص شرعی کوئی فیصلہ صادر کر دیا جائے۔ محض اس بنا پر کہ حلال و حرام اور کسی چیز کو واجب قرار دینے کے معاملے میں مُفتی اس بات کو زیادہ قرین احتیاط و انصاف سمجھتا ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ جو شخص رائے کی اس تعریف کو جانتا ہو اس کے لیے رائے کی حرمت کے لیے مزید کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ رائے ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی دلیل سرے سے موجود ہی نہیں۔ رائے کا ظہور و شیوع قرنِ صحابہ میں ہوا اور قیاس کا قرنِ ثانی (یعنی تابعین) میں۔

(ماخوذ از نسخہ محلّٰی منسوب بجانب سید محمد بن اسماعیل امیر یمانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

(تاکہ تو لوگوں کے سامنے اس چیز کی وضاحت کر دے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے)

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ: ۳) (آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا)

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸)

(ہم نے کتاب میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی)

کیونکہ اس بات کو خود اہل الرائے بھی مانتے ہیں کہ نص کی موجودگی میں قیاس سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ نصوص میں کسی چیز کی کمی باقی نہیں۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بات کو واضح کر دیا ہے اور دین ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ شرعی نصوص پورے دین پر محیط ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر قیاس اور اپنی یا دوسروں کی رائے پر عمل کرنے کی کیا ضرورت باقی رہی؟

ہم قائلینِ قیاس سے پوچھتے ہیں کہ آیا ہر قیاس حق ہوتا ہے یا یہ کہ قیاس حق بھی ہوتا ہے اور باطل بھی؟ اگر وہ اس کے جواب میں کہیں کہ ہر قیاس حق ہوتا ہے تو یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ بعض قیاسات باہم متعارض ہوتے ہیں اور ایک قیاس دوسرے کا ابطال کرتا ہے اور یہ بات کسی طرح قرینِ قیاس نہیں کہ ایک چیز اور اس کی ضد دونوں حق ہیں۔ یا یوں کہیے کہ ایک ہی چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی۔ ظاہر ہے کہ یہاں نسخ و تخصیص کا تو کوئی احتمال نہیں۔ جس طرح احادیث متعارضہ باہم ایک دوسری کو کرتیں یا ایک حدیث دوسری کی تخصیص کرتی ہے۔ مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں۔

اور اگر وہ اس کے جواب میں یوں کہیں کہ بعض قیاس حق اور بعض باطل ہوتے ہیں تو ہم ان سے دریافت کریں گے کہ قیاسِ صحیح و فاسد کے مابین کیونکر امتیاز کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کے پاس ایسا کوئی معیار نہیں ہے۔ اور جب دونوں کے درمیان فرق و امتیاز ممکن نہیں تو اس کے نتیجے میں قیاس سرے سے باطل ٹھہرا۔

اگر مثبتینِ قیاس یہ دعویٰ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے قیاس کا حکم دیا ہے تو ہم پوچھیں گے کہ وہ حکم کہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ اگر کہیں کہ قیاس کی دلیل یہ آیت ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر: ۲) (اے گروہِ دانشمنداں عبرت حاصل کیجیے)

تو اُن سے کہا جائے گا کہ جس عربی زبان میں قرآن اُترا ہے اُس کے اعتبار کے معنی تعجب کے ہیں۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً (النحل: ۶۶)

(بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں عبرت (کا سامان) ہے)

اس آیت میں عبرت کے معنی تعجب کے ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ (یوسف: ۱۱۱) (بے شک اُن کے واقعہ میں تمھارے لیے عبرت ہے)

یہاں بھی عبرت سے تعجب مراد ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اعتبار کے معنی قیاس کے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیاس کا حکم صادر کرے مگر یہ نہ بتائے کہ ہم کیا قیاس کریں، کیسے کریں اور کس پر قیاس کریں۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا کوئی جواب ممکن نہیں۔ اس لیے کہ دینی احکام و مسائل معلوم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے احکام معلوم کر کے ہمیں اُن سے آگاہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: ۲۸۶)

(اللہ تعالیٰ کسی کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اس میں طاقت ہوتی ہے)

اگر قائلینِ قیاس اس اثبات میں ایسی آیات و احادیث پیش کریں جن میں ایک چیز کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دے کر ایک شرعی حکم کو ثابت کیا گیا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ حق و صدق ہے۔ کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کا مجاز نہیں۔ اس کی حیثیت ایک نص کی ہے جس کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ مگر تم یہ تشبیہ دے کر اس کو علت بنانا چاہتے ہو جس کی تصریح اللہ اور اُس کے رسول نے نہیں کی۔ لہٰذا یہ ظاہر البطلان ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے ملمع سازی سے جو آیات و احادیث بھی پیش کی ہیں وہ ان کے خیالات کے عین برعکس ان کے خلاف حجت ہیں۔ اس کی تفصیلات کے لیے ہماری تصانیف "الاحکام لاصول الاحکام" "کتاب النکت" "کتاب الدرۃ"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور "کتاب النبذة" کی طرف رجوع فرمائیے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں قائلین قیاس کے جواب میں ہم نے ویسا ہی بلکہ واضح تر قیاس کر کے ان کے خلاف معارضہ کیا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد اس بات کو اَلَم نشرح کرنا ہے کہ ہر قسم کا قیاس باطل ہے۔ مگر ملمع سازوں نے حیلہ جوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ تم ہمیشہ قیاس کا ابطال قیاس سے کرتے ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ تم خود قیاس سے احتجاج کرنے کے حق میں ہو۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص عقلی دلیل کے ابطال کے لیے عقلی و نظری دلیل سے دوسرے کے خلاف حجت قائم کرے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں قائلینِ قیاس کی جانب سے یہ مغالطہ دہی کی ایک کوشش ہے جس کی تردید چنداں دشوار نہیں۔ اس مغالطہ کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ ابطالِ قیاس کے لیے ہم نے قیاس سے احتجاج ہرگز نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے تمھیں یہ دکھانا چاہا ہے کہ قیاس کے اثبات میں تم نے جو دلیل پیش کی ہے وہ اس امر کی غماز ہے کہ قیاس کی ہر قسم باطل ہے۔ اور جو دلیل خود اپنے آپ کی تردید کرتی ہو اُس سے زیادہ ظاہر البطلان دلیل اور کون سی ہوگی۔ اس کی توضیح کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم (المائدہ ۵ : ۱۸)

(اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ کہہ دو پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی تائید نہیں کی کہ تم درحقیقت اللہ کے پیارے اور عزیز ہو۔ بخلاف ازیں ان کو ایسا الزامی جواب دیا گیا ہے جس سے ان کا یہ دعویٰ خود بخود باطل ٹھہرتا ہے (اور وہ اس طرح کہ اگر تم واقعی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہو تو پھر وہ تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے۔ اس لیے کہ کوئی شخص اپنے عزیز کو سزا نہیں دیتا) اور تمھاری بیان کی ہوئی یہ مثال بھی درست نہیں کہ قیاس سے قیاس کا ابطال اسی طرح ہے جیسے عقلی دلیل کی عدمِ حجیت ثابت کرنے کے لیے عقلی دلیل پیش کی جائے۔ اس لیے کہ وہ شخص عقلی دلیل کو درست سمجھ کر اسے عقلی دلیل کے رد میں پیش کرتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ اس شخص کے کلام میں تناقض پایا جاتا ہے (کہ وہ عقلی دلیل کو حجت تصوّر نہیں کرتا اور اس کے باوجود اس کے ابطال میں وہ خود بھی عقلی دلیل پیش کرتا ہے) ظاہر ہے کہ اس کے پاس دوسری کوئی دلیل موجود نہ ہوگی جس سے وہ عقلی دلیل کا بُطلان ثابت کرے۔

بخلاف ازیں ہمارا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس لیے کہ ہم نے کبھی قیاس کا ابطال قیاس سے نہیں کیا بلکہ ہم قیاس کے ابطال میں شرعی نصوص اور عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ پھر مختلف قیاسات کے تناقُض و تعارُض کو واضح کر کے ہم اس کی مزید مذمت کرتے ہیں۔ اس میں شُبہ نہیں کہ ہم جس قیاس کو معارضہ کے طور پر تمھارے قیاس کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں ہم اس کو فاسد مانتے ہیں اور ساتھ ہی تمھارے قیاس کو بھی فاسد کہتے ہیں جو کہ ہمارے قیاس کی طرح ہوتا ہے یا اس سے بھی گیا گزرا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ہم معتزلہ، روافض، مُرجئہ، خوارج، یہود و نصاریٰ اور دہریہ کے خلاف خُود انہی کے اقوال سے احتجاج کرتے ہیں جن کو وہ صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ہم ان پر ان اقوال کا تعارض و تناقض واضح کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم اور قائلینِ قیاس میں سے کوئی بھی ان اقوال کو درست تسلیم نہیں کرتا جن کی بنا پر ہم ان کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ بلکہ یہ اقوال ہمارے نزدیک انتہائی طور سے باطل اور فاسد ہیں۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں جو کُتب موجود ہیں ہم انہی سے اخذ کر کے ان کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کُتب کو صحیح تصوّر نہیں کرتے بلکہ محرّف و مبدّل سمجھتے ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ سب اصحابِ قیاس اپنے قیاسات میں مختلف الرائے ہیں۔ ہر مسئلہ کے بارے میں ہر گروہ ایک جداگانہ قیاس کا دعویٰ کرتا اور اسے صحیح قرار دیتا ہے۔ دوسرا گروپ ایک علیحدہ قیاس کرتا ہے جو پہلے گروہ کے قیاس سے متصادم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ تمام گروہ اس ضمن میں متحد الخیال ہیں کہ ہر قیاس حق نہیں ہوتا اور نہ ہر رائے صحیح اور درست ہوتی ہے۔ ہم اُن سے کہیں گے کہ قیاس صحیح اور رائے صحیح کی منطقی تعریف بتائیے جس کی بنا پر وہ قیاس فاسد اور رائے فاسد سے ممیز و ممتاز ہو سکے۔ اسی طرح ہم اُن سے علّتِ صحیحہ کی تعریف دریافت کریں گے جس کی اساس پر وہ قیاس کرتے ہیں تاکہ علّتِ صحیحہ و فاسدہ کا فرق معلوم ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس بات کا ان کے پاس

لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی جواب نہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ ایسی شدید گرفت ہے کہ قائلین قیاس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اسی سے ان کے قول کا فساد واضح ہو جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اگر قائلینِ قیاس کوئی نص پیش کریں تو ہم کہیں گے کہ نص تو حق ہے مگر تم اپنی آراءِ فاسدہ سے جو جو بات اُس کی طرف منسوب کرتے ہو باطل ہے۔ اور اسی سے ہم اختلاف کرتے ہیں۔ اگر وہ اس بات کا دعویٰ کریں کہ جمیع صحابہ قیاس کے قائل تھے تو ہم کہیں گے کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ حق بات یہ ہے کہ قیاس کے ابطال پر تمام صحابہ کا اجماع قائم ہو چکا ہے۔ ان کے (یعنی جو لوگ قیاس کو صحابہ کی طرف نسبت کرتے ہیں) جھوٹے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ کسی صحابی کے بارے میں وثوق کے ساتھ یہ بات نہیں کر سکتے کہ اُس نے مطلقاً قیاس کو درست تسلیم کیا ہو۔

اس ضمن میں صرف ایک مکتوب کا نام لیا جاتا ہے جس کو وضع کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس خط میں یہ عبارت ہے کہ "نظائر و امثال کو پہچانو اور دیگر امور کو ان پر قیاس کرو"۔ اس مکتوب کو عبدالملک[۲] بن ولید بن مُعدان نے اپنے والد سے روایت کیا ہے اور کسی نے روایت

---

[۱] (حاشیہ صفحہ گزشتہ) علتِ صحیحہ وہ ہے جس کا علت ہونا ان حروف تعلیل کے ساتھ کتاب و سُنّت سے ثابت ہو جو عربی زبان میں علت کے لیے معروف ہیں۔ یا حکم کو کسی ایسے وصف کے ساتھ مُعلّق کیا گیا ہو جو تعلیل کے لیے موزوں ہو۔ علتِ فاسدہ وہ ہے جس کا علت ہونا کتاب و سُنّت سے ثابت نہ ہو۔ (امیر صنعانی)

[۲] (حاشیہ صفحہ ہذا) امام ذہبی کی کتاب "میزان الاعتدال" میں ہے کہ عبدالملک بن ولید کے بارے میں یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ صالح راوی ہے۔ ابو حاتم اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مُحدّث ابن حبان کہتے ہیں کہ عبدالملک اسانید میں الٹ پھیر کر دیتا ہے اور اس لیے قابلِ احتجاج نہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں "فیہ نظر"۔ یہ خط جو حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا موضوع اور خود ساختہ ہے۔ ابن القیمؒ نے اعلام الموقّعین میں اس خط کی تشریح کی ہے مگر تشریح کرنے سے اس خط کی صحت لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ کسی روایت کی صحت کا دار و مدار اس کے رُواۃ و رجال (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا۔ حالانکہ عبدالملک بلا اختلاف ضعیف راوی ہے اور اس کا والد اس سے بھی ضعیف تر یا اس جیسا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پر ہوتا ہے نہ کہ شروح پر۔

ہم (یعنی احمد محمد شاکر) کہتے ہیں عبدالملک کی توثیق و تضعیف کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ ابن حزم اس کی انتہائی تضعیف کرنے کے معاملہ میں منفرد ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ وہ متوسط درجے کا راوی ہے۔ عبدالملک کے والد ولید کے بارے میں ابن حبانؒ "الثقات" میں لکھتے ہیں کہ ولید بن معدان عبداللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے۔ ولید سے اس کا بیٹا عبدالملک روایت کرتا ہے۔ ولید کی اس روایت کو تسلیم کیا جاتا ہے جو اس کے بیٹے عبدالملک کے علاوہ کسی اور نے نقل کی ہو۔ اس عبارت کو ابن حجر نے لسان المیزان میں نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں "ولید اس خط کے روایت کرنے میں منفرد ہے جو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو تحریر کیا"۔

اس خط کی سند ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۹۸ پر اس طرح نقل کی ہے (ابو عبید نے فرمایا کہ ہم سے کثیر بن ہشام از جعفر بن برقان اور ابو نعیم نے از جعفر بن برقان اور معمر بصری از ابو عوام اور سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ہم سے ادریس ابو عبداللہ بن ادریس نے بیان کیا کہ میں سعید بن ابو بردہ کے پاس آیا اور ان سے عمرؓ بن خطاب کے خط کے بارے میں پوچھا جو انھوں نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا۔ اور ابو موسیٰ نے اسے ابو بردہ کے سپرد کیا تھا۔ ابو بردہ نے بہت سارے خطوط نکالے ان میں حضرت عمرؓ کا خط بھی ہم نے دیکھا۔ پھر پورا خط نقل کیا۔ پھر ابو عبید نے فرمایا کہ میں نے کثیر سے کہا کہ کیا ابو جعفر نے اسے بسند بیان کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس کے بعد ابن قیم رقمطراز ہیں۔

"یہ جلیل القدر مکتوب ہے جس کو اہل علم نے قبولِ عام سے نوازا اور قضاء و شہادت کے اکثر اصول کو اس پر مبنی قرار دیا ہے۔ حاکم و مفتی اس خط میں فکر و تامل کے حد درجہ محتاج ہیں"۔

المبرد نے کتاب الکامل کے آغاز میں اس خط کو بلا سند نقل کیا ہے اور اس کی شرح کی ہے۔ دار قطنی نے اپنے سنن صفحہ ۵۱۲ پر اس خط کو مع سند نقل کیا ہے۔ اس کی سند اس طرح ہے۔ ہم سے ابو جعفر محمد بن سلیمان بن محمد نعمانی از عبداللہ بن عبدالصمد بن ابو خداش از عیسیٰ بن یونس از عبیداللہ بن ابی حمید از ابو الملیح ہذلی بیان کیا کہ عمرؓ بن خطاب نے لکھا الخ شارح دار قطنی علامہ شمس الحق عظیم آبادی کہتے ہیں کہ اس سند میں عبیداللہ بن ابی حُمید راوی (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب گرامی میں ایسی باتیں بھی ہیں قائلینِ قیاس جن کو تسلیم نہیں کرتے مثلاً خط کی یہ عبارت کہ :۔

"تمام اہلِ اسلام ایک دوسرے کے حق میں ثقہ اور عدول ہیں۔ بجز اس شخص کے جس پر حدِ قذف قائم کی جا چکی ہو یا وہ شخص جو وِلاء یا نسب کے بارے میں متہم ہو چکا ہو"

اصحابِ قیاس میں سے احناف، شوافع اور مالکیہ مذکورہ صدر باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر حضرت عمرؓ کا یہ قول ـــــ بشرطیکہ یہ بات صحیح ہو کہ وہ اس خط میں درج ہے ـــــ قیاس کے بارے میں حُجت ہے۔ تو ان کا یہ قول بھی واجب التعمیل ہے کہ "سب اہلِ اسلام عدول ہیں بجز اس کے جس پر حدِ قذف قائم ہو چکی ہو"۔ اور اگر یہ قول حجت نہیں تو قیاس کے بارے میں بھی ان کا قول حُجت نہیں ہوگا۔ لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اس خط کا وجود ہی ثابت نہیں (اس کے مندرجات پر بحث تو دوسری چیز ہے)

قیاس کے بُطلان کے بارے میں ہم نے صحابہ کے جس اجماع کا تذکرہ کیا ہے اس کی صحت کی دلیل یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ضعیف ہے اور امام بیہقی نے "المعرفۃ" میں اس طرح روایت کیا فرمایا ہم سے ابوعبداللہ حافظ از ابوالعباس محمد بن یعقوب از محمد بن اسحاق صنعانی از محمد بن عبداللہ بن کناسہ از جعفر بن برقان از معمر بصری از ابوعوام بصری بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے لکھا الخ۔ ان اسانید مذکورہ میں سفیان بن عیینہ کی سند کو ہم دیکھتے ہیں کہ از ادریس۔ اور وہ ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن اودی ہیں اور وہ ثقہ ہیں کہ بے شک سعید بن ابوبردہ نے ان کو وہ خط دکھایا اور اُن کے پاس اُسے پڑھا۔ اگرچہ اس سے اقوی نہیں ہے لیکن تلقی بالحفظ سے قراءت کتاب زیادہ اوثق ہے۔

اسی طرح ابن الجوزی نے اس خط کو سیرت عمر بن الخطاب صفحہ ۱۵۲ ہر از ابوعبداللہ بن ادریس بن یزید سے نقل کیا کہ وہ سعید بن ابوبردہ کے پاس آئے اور حضرت کے خطوط جنھیں حضرت عمر ابوموسیٰ کو لکھا کرتے تھے اس کے بارے میں پوچھا تو ابوبردہ نے وہ سارے خطوط نکال کر رکھ دیے تو انھوں نے اُن میں وہ خط بھی دیکھا۔ الخ

(احمد شاکر رحمہ اللہ نے اتنے طویل حاشیہ کے بعد بھی ابن حزم کے اعتراض کو دفع نہیں کیا ہر حال میں ابن حزم کا اعتراض باقی رہا کہ یہ خط سندِ صحیح سے منقول نہیں) (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ تمام صحابہ قرآن کریم کی تصدیق کرتے تھے۔ اور قرآن کریم میں ارشادِ ربّانی ہے کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو اتمام تک پہنچایا)

نیز فرمایا، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء: ۵۹)

(اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو)

رائے کی مذمت میں خلفائے اربعہ کے اقوال

یہ بات محال اور باطل ہے کہ صحابہ کو یہ بات معلوم ہو اور اس پر یقین بھی رکھتے ہوں مگر اس کے باوجود نزاع کی صورت میں قیاس[1] اور رائے کی طرف رجوع کریں۔ کوئی صاحب دانش و خرد اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا اگر میں کتاب اللہ کی کسی آیت کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں یا وہ بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو[2]"

---

[1] اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جب نزاع کے وقت ایسے قیاس کی طرف رجوع کیا جائے جو کتاب و سنت کی کسی نص پر مبنی ہو تو گویا یہ رجوع قیاس کی جانب نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ہی کی جانب ہے۔ علامہ ابن القیمؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیاس پر صحابہ کا عمل تواتر معنوی کا درجہ رکھتا ہے۔ پھر آپ نے اس قسم کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں۔ (امیر صنعانی)

[2] جناب صدیقؓ کا یہ قول تفسیر قرآن کے ساتھ مخصوص ہے۔ ابو عبیدہ نے فضائل میں اور عبد بن حمید نے ابراہیم التیمی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن میں "اَبّا" کا جو لفظ وارد ہوا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب فاروقؓ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"دین میں رائے سے احتراز کیجیے کہ رائے محض ظن و تکلف کا نام ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک فتویٰ دیا تو اس کے بارے میں فرمایا:

"میں نے یہ فتویٰ اپنی رائے سے دیا ہے جو چاہے اس پر عمل کرے اور جو چاہے اُسے چھوڑ دے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اگر دین کا مدار و انحصار رائے پر ہوتا تو موزے کی نچلی جانب مسح کرنا بالائی جانب سے افضل ہوتا۔"

حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اے لوگو! دینی معاملات میں رائے زنی سے احتراز کرو۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جس نے قرآن کی تفسیر میں کوئی بات اپنی رائے سے کہی اُس نے اپنا گھر جہنم میں بنا لیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کے کیا معنی ہیں؟ تب آپ نے یہ فقرہ ارشاد فرمایا جس کا تعلق قرآن کے کسی لفظ کے ساتھ ہے جس کا معنی و مفہوم معلوم نہ ہو۔ مسئلہ زیرِ بحث کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں اس لیے کہ متنازعہ مسئلہ یہ ہے کہ جب اصل میں کوئی منصوص علت پائی جاتی ہو تو آیا فرع کو اشتراکِ علت کی بنا پر اصل کے حکم میں شریک کیا جا سکتا ہے یا نہیں؛ کسی لفظ کی لغوی تشریح بیان زیرِ بحث نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ چنانچہ عبد بن حُمید اور ابن الانباری نے المصاحف میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے "وَفَاكِهَةً وَأَبًّا" کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ فاکھہ تو ہم جانتے ہیں (کہ پھل کو کہتے ہیں) مگر "ابًّا" کیا چیز ہے؟ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے" (امیر صنعانی)

ھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا قول یُوں ہے: "مگر میں نے دیکھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موزے کی بالائی جانب مسح فرمایا کرتے تھے۔" آپ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر نص نہ ہوتی تو ہم موزے کی نچلی جانب مسح کرتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نص کی عدم موجودگی میں رائے پر عمل کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہے:

"میں اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اگر درست ہوا تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر اور شیطان پر عاید ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جو بات کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ سے ماخوذ نہیں اس سے اجتناب کیجیے کہ وہ بدعت و ضلالت ہے۔"

اور اس قسم کے دیگر اقوال و آثار کے تتبّع سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صحابہ سے کوئی رائے منقول ہے وہ بر سبیلِ ایجاب نہیں بلکہ قطع نزاع اور عفو و مصالحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہی گئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی حدیث جس میں یہ الفاظ ہیں کہ "میں اپنی رائے کی بنا پر اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی کوتاہی کو دخل نہ ہوگا" صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث کو صرف حارث بن عمرو نے روایت کیا ہے اور وہ مجہول راوی ہے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ پھر حارث اس حدیث کو چند اہلِ حمص سے روایت کرتا ہے اور اُن کے نام تک بیان نہیں کرتا۔ ہم نے اپنی مذکورہ کتاب میں ان تمام احادیث کی اسانید بیان کی ہیں۔[۲]

۷۱۔ [ہم سے احمد بن قاسم از ابو قاسم بن محمد از جدّ خود قاسم بن اصبغ از محمد بن اسماعیل ترمذی از نعیم بن حماد از عبداللہ بن مبارک از عیسیٰ بن یونس سبیعی از جریر بن عثمان از عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عوف بن مالک الاشجعی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا میری اُمّت ستّر سے

---

[۱] کہا جاتا ہے کہ دادے کی وراثت کے بارے میں صحابہ کے یہاں اختلاف پیدا ہوا تو انھوں نے رائے سے فیصلہ کیا۔ اس لیے کہ اس ضمن میں اُن کو کوئی نص نہ مل سکی۔ اور اس قسم کی دیگر آراء جن کے مطابق صحابہ نے فیصلے صادر کیے۔ (امیر یمانی)

[۲] حضرت معاذؓ سے منقول حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ "یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے اور اس کی سند میرے نزدیک متصل نہیں ہے۔" (شرح ابو داؤد ج ۳ ص ۳۳۰ نیز جامع بیان العلم لابن عبدالبر ج ۲ ص ۵۵) دیکھیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ میری اُمّت کے لیے سب سے بڑا فتنہ وہ قوم ہے جو اپنی آراء سے قیاس کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرائیں گے۔[۲]

---

[۱] یہ اس قوم کے بارے میں ہے جو نصوص صریحہ کو اپنے قیاسات سے رد کر دیتی ہو۔ حلال کو حرام ٹھہرانے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نصوص کی موجودگی میں ایسا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ تحلیل و تحریم کا اثبات نص ہی سے ہوتا ہے۔ یہ بات بھی نص سے ثابت ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ: ۲۹) (زمین میں جو کچھ ہے اس نے تمہارے ہی لیے پیدا کیا ہے) (امیر یمانی۔ احمد شاکر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ ابن حزم نے اپنی کتاب الفِصَل میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے (تعجب و حیرت ہے کہ احمد شاکر نے اس مقام پر جزء و صفحہ کا حوالہ اپنی عادت کے مطابق نہیں دیا)

[۲] حضرت عوفؓ بن مالک سے مروی حدیث کو ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۶، پر روایت کیا ہے اس کی سند اس طرح ہے: ہم نے عبدالوارث بن سفیان از قاسم بن اصبغ از عبید بن عبدالواحد بن شریک از نعیم بن حماد از عیسیٰ بن یونس از حریز بن عثمان) الخ بیان کیا اور اس سند میں نعیم اور عیسیٰ کے درمیان عبداللہ بن مبارک کا ذکر نہیں ہے اور یہی درست ہے کیونکہ یہ حدیث نعیم از عیسیٰ ہی مشہور ہے اور ہیثمی نے اس کو مجمع الزوائد (۱: ۱۷۹) میں طبرانی کبیر اور البزار (کشف الاستار عن زوائد البزار ۱: ۹۸) کی جانب منسوب کیا ہے (اور فرمایا کہ اس کے رجال کل صحیح کے رجال ہیں) اس حدیث کے راوی اگرچہ ثقہ ہیں مگر یہ حد درجہ کی ضعیف حدیث ہے۔ اس میں نعیم سے غلطی ہوئی ہے۔ اس بارے میں ائمہ حدیث کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

ابن حجرؒ نے تہذیب میں فرمایا کہ: ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا کہ میں نے دحیم سے کہا کہ نعیم ابن حماد از عیسیٰ بن یونس۔ الیٰ آخر الحدیث، تو فرمایا کہ یہ صفوان بن عمرو کی حدیث ہے اور معاویہ والی حدیث کی اسناد مقلوب ہے۔ ابوزرعہ ہی فرماتے کہ ابن معین سے میں نے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اس کا انکار کیا پھر میں نے کہا کہ یہ کس طرح ان سے ہوا تو فرمایا کہ وہ اُن پر مشتبہ ہو گئی۔ اور محمد بن علی مروزی نے فرمایا کہ میں نے ابن معین سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ پھر میں نے نعیم کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں پھر (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حزم فرماتے ہیں:۔

"شرعی احکام کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ فرض ۔ اس کا تارک گنہگار ہے۔

۲۔ حرام ۔ اس کا فاعل گنہگار ہے۔

۳۔ مباح ۔ اس کا فاعل و تارک دونوں گنہگار نہیں ہیں۔

مباح کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ مندوب ۔ اس کا فاعل ثواب کا مستحق ہوتا ہے مگر تارک گنہگار نہیں ہوتا۔

۲۔ مکروہ ۔ اس کا تارک اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے مگر فاعل گنہگار نہیں ہوتا۔

۳۔ مطلق ۔ اس کا تارک و فاعل نہ اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور نہ ہی گنہگار ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (الانعام: ۱۱۹) (جو کچھ زمین میں ہے اس نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے)

نیز فرمایا: وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ (الانعام: ۱۱۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں نے اعتراضاً کہا کہ ثقہ باطل روایت کس طرح بیان کرے گا تو فرمایا کہ وہ شبہ میں پڑ گئے۔ اور ابن عدی نے اس حدیث کو سوید بن سعید از عیسٰی ذکر کرنے کے بعد فرمایا: یہ حدیث نعیم بن حماد از عیسٰی بن یونس معروف ہوئی اور لوگوں نے اس میں کلام فرمایا ہے۔ پھر اس حدیث کو اہل خراسان سے ایک شخص حکم بن مبارک نامی نے روایت کیا اس کے بعد اس کو ضعیف راویوں نے سرقہ کر لیا جو سرقہ حدیث میں مشہور ہیں۔ اور عبدالغنی بن سعید مصری نے فرمایا کہ جتنے لوگوں نے عیسٰی بن یونس سے نعیم بن حماد کے علاوہ روایت کیا ہے ان سبھوں نے دراصل نعیم ہی سے لیا ہے اور اسی حدیث کے روایت کرنے کی وجہ سے اکثر اہل حدیث علماء کے نزدیک نعیم بن حماد بدنام ہوئے لیکن یحیٰی بن معین نے ان کو جھوٹا قرار نہیں دیا بلکہ اُسے اُن کا وہم قرار دیا۔ انتہی۔ (ان ساری باتوں کے باوجود ایک اہم بات یہ کہ یہ روایت دوسری صحیح روایتوں اور صریح آیاتِ قرآنیہ کے موافق ہے اور محدثین میں سے ابن حزم اس کو صحیح قرار دے رہے ہیں)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے اللہ نے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کتاب وسنت میں جن اشیاء کو حرام قرار دیا گیا ہے اُن کو چھوڑ کر باقی سب اشیاء حلال ہیں۔

۷۲۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از یزید بن ہارون از ربیع بن مسلم قرشی از محمد بن زیاد بیان کیا کہ] حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! اللہ نے تم پر حج کو فرض قرار دیا ہے اس لیے حج کرو۔ یہ سُن کر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کریں۔ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اُس نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کو ادا نہ کر سکتے۔ جب تک میں تمھیں کچھ نہ کہوں تم ابتدا نہ کیا کرو۔ اس میں شُبہ نہیں کہ تُم سے پہلی اُمّتیں کثرتِ سوالات اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بناء پر تباہ و برباد ہو گئیں۔ جب میں تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو امکانی حد تک اس کی تعمیل کیجیے۔ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز رہو۔ (صحیح مسلم ونسائی کتاب الحج)

ابن حزم فرماتے ہیں کہ مذکورہ صدر حدیث تمام دینی احکام کی جامع ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس بات سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی، نہ اُس سے روکا اور نہ اس کا حکم دیا وہ مباح ہے۔ ایسی چیز نہ حرام ہے اور نہ فرض کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس بات کا آپ نے حکم دیا وہ فرض ہے اور جس سے روکا وہ حرام ہے۔ جس بات کا آپ نے حُکم دیا ہو وہ استطاعتِ بشری کی حد تک واجب التعمیل ہے۔ اگر ایک دفعہ بھی اس پر عمل کر دیں تو اس کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ تکرار و اعادہ لازم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس واضح بیان کی موجودگی میں قیاس ورائے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ والحمد للہ۔

اگر معترض یہ کہے کہ ہم قیاس کی حُرمت کو تب تسلیم کریں گے اگر قرآن میں ایسی کوئی نصّ موجود ہو۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہم قبل ازیں حرمتِ قیاس کے دلائل پیش کر چکے ہیں۔ ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ اختلاف ونزاع کی صُورت میں صرف کتاب وسُنّت کی طرف رُجوع کرنا چاہیے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِتَّبِعُوا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءَ (الاعراف: ۳)

(لوگو! جو کتاب تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو)

نیز فرمایا: فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (النحل: ۷۴)

(لوگو! اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ۔ (صحیح مثالوں کا طریقہ) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

قیاس بھی ایک طرح سے اللہ کے لیے مثالیں بیان کرنے کے مترادف ہے۔ معترض سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے یہ اعتراض کیا ہے اس طرح تو شیعہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ الہام اور اتباع امام کو اس وقت تک ناروا قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک تم نصّ قرآنی سے اس کا عدم جواز ثابت نہ کرو۔ اسی طرح مقلّدین بھی یہی اعتراض کر سکتے ہیں۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جب بھی کہا جائے کہ اُس نے فلاں چیز کو حلال قرار دیا اور فلاں کو حرام یا اُس نے کسی چیز کو واجب ٹھہرایا تو نصّ کی موجودگی میں یہ بات کہنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۰۱۔ رسولِ کریمؐ کے سارے افعال اُمّت پر فرض نہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال (اُمّت پر) فرض نہیں بجز اُن افعال کے جن کے ذریعے اللہ کے کسی حکم کو واضح کیا گیا ہو۔ اندریں صُورت اُن کی حیثیت امر کی ہوگی۔ مگر ان امور میں آپ کی پیروی ایک مستحسن امر ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابھی ہم نے ذکر کی۔ مذکورہ صدر حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے لیے وہی چیز لازم ہے جس کا آپ نے حکم دیا یا جس سے منع کیا۔ جس چیز سے آپ نے خاموشی اختیار کی وہ ساقط الاعتبار اور معاف ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)

(بے شک تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں عمدہ نمونہ موجود ہے)

۱۰۲۔ سابقہ شرائع کا اتّباع جائز نہیں ہے

سابقہ انبیاء کی شریعت کی پیروی ہمارے لیے درست نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا (المائدۃ: ۴۸)

(ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرّر کیا)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۳- [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از وہب بن مسرۃ از محمد بن وضاح از ابوبکر بن ابوشیبہ از ہشیم از سیار از یزید فقیر بیان کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔

۱- ایک ماہ کے فاصلہ سے دشمن پر میرا رُعب طاری ہو جاتا ہے۔

۲- میرے لیے تمام زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا۔ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز ادا کرو۔

۳- میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا گیا جو کسی اور کے لیے حلال نہیں ٹھہرایا گیا۔

۴- مجھے شفاعت کا حق عطا ہوا۔

۵- انبیاء سابقین کو کسی خاص قوم کی جانب مبعوث کیا جاتا تھا مگر مجھے عام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔

(صحیح بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب الصلاۃ وکتاب الخمس، مسلم کتاب الصلاۃ، نسائی کتاب الطہارۃ وکتاب الصلاۃ)

جب یہ بات ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ ہر نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے تو اس سے واضح ہوا کہ ان انبیاء کی لائی ہوئی شریعتیں اپنی اپنی قوم کے ساتھ مختص ہیں۔ جب وہ انبیا ہماری طرف بھیجے ہی نہیں گئے اور نہ انھوں نے ہمیں کسی بات کا حکم دیا اور نہ کسی چیز سے منع کیا تو ان کی اطاعت ہم پر کیسے لازم ہوگی؟ اگر انبیائے سابقین ہمیں خطاب کرتے، ہمیں حکم دیتے اور منع کرتے تو اس ضمن میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر کیا فضیلت حاصل ہوتی؟ جو شخص اس بات کا قائل ہو گویا وہ اس حدیث کی تکذیب کرتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو باطل ٹھہراتا ہے۔ جب ان انبیاء نے ہمیں اپنا مخاطب ہی نہیں بنایا تو یہ بات واضح ہوئی کہ ان کی شریعتوں کی پیروی ہم پر ہرگز لازم نہیں ہے۔

وباللہ التوفیق۔

۱۰۳- کسی زندہ اور مردہ کی تقلید جائز نہیں

کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی زندہ یا مُردہ کی تقلید کرے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ حسب استطاعت اجتہاد کرے۔ جس شخص سے دین کے بارے میں پوچھا جائے تو سائل کا مطلب یہ ہے کہ وہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کون سے دینی احکام لازم ٹھہرائے ہیں۔ اگر وہ دنیا بھر کا جاہل ترین شخص بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس دین کے بارے میں جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اپنے علاقہ کے سب سے بڑے عالم سے دریافت کرے۔ جب وہ فتویٰ صادر کرے تو اس سے پوچھے کہ کیا اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس طرح فرمایا ہے؟ اگر وہ جواب میں کہے کہ ہاں! اس طرح فرمایا ہے تو اس کو لے لے اور ہمیشہ اسی پر عمل کرے اور اگر یوں کہے کہ یہ میری رائے ہے یا یہ قیاس ہے اور کسی قدیم و جدید فقیہ یا کسی صحابی و تابعی کا نام لے کر بتائے کہ یہ اس کا قول ہے۔ یا خاموش رہے یا اسے ڈانٹ دے اور کہے کہ مجھے معلوم نہیں تو اس کے قول کو اخذ کرنا درست نہیں۔ بلکہ کسی اور سے دریافت کرنا چاہیے۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹)

(اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب امر ہیں ان کی بھی)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بعض اصحاب امر کی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا جو شخص کسی ایک عالم کی یا علماء کی جماعت کی تقلید کرے تو اس نے اللہ و رسول اور اصحاب امر کی اطاعت نہیں کی۔ اور جب اُس نے اس کی طرف رجوع نہیں کیا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ حکم نہیں دیا کہ بعض اصحاب امر کی اطاعت کی جائے اور بعض کی نہیں۔[1]

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک اولوالامر سے اس آیت میں اہل علم مراد ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں سلف کا ایک قول یہ ہے۔ مگر ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ابن جریر اور ابن ابی حاتم حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

اس آیت کی تفسیر میں احادیث مرفوعاً و سلف کے مختلف آثار منقول ہیں۔ بعض نے اولوالامر سے اصحاب العلم مراد لیے ہیں۔ مصنف کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء سے کتاب و سُنّت کے احکام دریافت کیجیے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر معترض مندرجہ ذیل آیات پیش کرے (کہ ان سے قیاس کا اثبات ہوتا ہے)

۱ - فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل : ۴۳)

(اگر تم نہ جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھ لو)

۲ - لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ (التوبة : ۱۲۲)

(تاکہ دین کا فہم حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں)

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص طلب علم کے لیے جائے اس سے اس کی رائے قبول کر لی جائے۔ نہ ہی اس بات کی اجازت دی کہ اہل الذکر کی رائے کو تسلیم کر لیا جائے اور جو غیر مشروع دین جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی وہ پیش کریں اس کو (بلا چون وچرا) مان لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اہل الذکر سے اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کے بارے میں دریافت کیا جائے۔ نہ یہ کہ ان سے ایسے لوگوں کے اقوال کے بارے میں سوال کیا جائے جن کی بات نہ سُنی جا سکتی ہے اور نہ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لیے سفر کرے تو دین کے سلسلہ میں جو بات وہ بتائے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہو تو اس کی بات کو قبول کیا جائے۔ نہ یہ کہ اس سے سُن کر ایسی بات بھی قبول کی جائے جو اللہ کے دین میں سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ جو شخص اس بات کا مدعی ہو کہ عامی کے لیے مفتی کی تقلید واجب ہے اس کا دعویٰ باطل ہے۔ یہ ایسا قول جو نہ تو کتاب و سنت سے ثابت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور ظاہر ہے کہ فتوٰی کا مطلب کتاب و سنت میں مندرج احکام بتانا ہے، اس کو تقلید نہیں کہا جاتا۔ بخلاف ازیں یہ تو گویا خبر واحد پر عمل کرنے کے مترادف ہے جس کا اللہ نے اپنے بندوں کو مکلف کیا ہے۔ ایک طرح سے یہ عمل بالنص بھی ہے جو کہ اخبار آحاد سے مستفاد ہوتا ہے، مصنف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم کا فتوٰی قبول کرنے کے حق میں نہیں ہیں جب تک وہ فتوٰی اجماع کی صورت اختیار نہ کر لے۔ اور یہ بات خود مصنف کے مسلمات کے خلاف ہے۔ (سید محمد امیر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور نہ اجماع و قیاس سے۔ اور جس بات کی یہ حیثیت ہو اور اُس کے بُطلان میں کیا شُبہ ہو سکتا ہے۔

بخلاف ازیں اس کے ابطال کے دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا ٱلسَّبِيلَا۠ (الاحزاب: ۶۷)

(ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو اُنھوں نے ہم کو راستے سے گمراہ کر دیا)

اجتہاد کی تعریف

اجتہاد کے معنی ہیں دینی مسئلہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں انتہائی کوشش کرنا۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے جسے ہر سلیم العقل آدمی جانتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس بات کا اقرار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کا معبود ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں نیز یہ کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو اس دین کو اس کی اور دوسروں کی طرف لائے۔ جب یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے تو جو شخص بھی دین کے کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنا چاہے اسے صرف یہ دریافت کرنا چاہیے کہ اس مسئلہ میں اللہ نے کیا حکم دیا ہے۔ اور جب مُفتی فتویٰ صادر کر دے تو سائل اس سے دریافت کرے کہ آیا یہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کا حکم ہے؟ اور یہ اتنی سطحی سی بات ہے جسے ہر وہ شخص دریافت کر سکتا ہے جو جانتا ہو کہ اسلام کیا ہے۔ خواہ وہ کوہ قاف سے ہی کیوں نہ آیا ہو۔

وباللہ التوفیق۔

۱۰۴۔ عالم بالحدیث کی برتری

جب کوئی شخص دریافت کرے اس کے شہر میں سب سے بڑا عالم دین کون ہے؟ اور اس کے جواب میں کہا جائے کہ فلاں شخص عالم حدیث ہے اور فلاں صاحب الرائے ہے تو اُسے چاہیے کہ عالم حدیث سے دریافت کرے اور صاحب الرائے سے بالکل نہ پوچھے۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدة: ۳) (آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا)

نیز فرمایا: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل-۴۴)

(تاکہ تو لوگوں پر اس چیز کی وضاحت کر دے جو اُن کی طرف اُتاری گئی ہے)

اصلی و حقیقی دین یہ ہے اس کے سوا کوئی دین نہیں۔ رائے اور قیاس محض ظنّی چیز ہے اور ظن باطل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔

۷۴۔ [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از احمد بن سعید از ابن وضاح از یحییٰ بن یحییٰ از مالک از ابوالزناد از اعرج بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظن سے بچتے رہو اس لیے کہ ظن سب سے جھوٹی چیز ہے (بخاری و مسلم و ابو داؤد کتاب الادب)

۷۵۔ [ہم سے یونس بن عبداللہ از یحییٰ بن مالک بن عائذ از ابو عبداللہ بن ابو حنیفہ از ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی از یوسف بن یزید قراطیسی از سعید بن منصور از جریر بن عبدالحمید از مغیرہ بن مقسم بیان کیا کہ] امام شعبی فرماتے ہیں کہ سنّت کو قیاس کی ترازو میں رکھ کر جانچا پرکھا نہیں جا سکتا۔

۷۶۔ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از اسماعیل بن اسحاق بصری از احمد بن سعید بن حزم از محمد بن ابراہیم بن حیون حجازی بیان کیا کہ] عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد احمد بن حنبل کو یہ کہتے سُنا کہ ضعیف حدیث ہمیں رائے سے عزیز تر ہے۔

۷۷۔ [ہم سے حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن بیان کیا کہ] عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص کسی شہر میں اقامت گزیں ہو اور اسے کوئی دینی مسئلہ درپیش ہو اس شہر میں حدیث کا ایک عالم ہو جو احادیث صحیحہ و سقیمہ میں فرق و امتیاز نہ کر سکتا ہو اور دوسرا آدمی صاحب الرائی ہو تو اب وہ شخص دونوں میں سے کس سے مسئلہ دریافت کرے۔ فرمایا حدیث کے عالم سے پوچھے اور صاحب الرأی سے نہ پوچھے۔ ہمارے نزدیک ضعیف حدیث امام ابو حنیفہ کی رائے سے قوی تر ہے۔

۱۰۵۔ خطاء و نسیان کا حُکم

خطاء و نسیان کا اعتبار اسی جگہ کیا جائے گا جہاں کتاب و سنت میں اس کا ذکر آیا ہو ورنہ نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب : ۵)

(اور جو بات تم سے غلطی سے ہو گئی اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ لیکن جو دلی ارادہ سے کرو (اس پر گرفت ہے)

نیز فرمایا: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (البقرۃ : ۲۸۶)

اے پروردگار ہم سے جو بھول چوک ہو گئی ہو تو اس پر مواخذہ نہ کر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۶۔ فرائض کی تعمیل لازم ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن فرائض کا مکلّف و مامور بنایا ہے جتنی المقدور اُن کی انجام دہی اس پر فرض ہے۔ اگر پورے فرض سے عاجز ہو تو وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر فرض کے کچھ حصے پر قادر ہو اور کچھ پر نہ ہو تو جس حصے پر قادر ہے اس کی انجام دہی لازم ہے۔ اور جس پر قادر نہیں وہ ساقط ہے۔ قطع نظر اس سے کہ تھوڑے حصے پر قادر ہو یا زیادہ پر۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: ۲۶۸)

(اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو مقدور بھر اس کی تعمیل کرو"۔ ہم قبل ازیں اس حدیث کو مع سند نقل کر چکے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۰۷۔ کسی دینی فریضہ کو قبل از وقت انجام نہیں دیا جا سکتا

جو دینی فرائض کسی خاص وقت پر مقرر ہوں اُن کو قبل از وقت انجام دینا روا نہیں۔ اگر وہ فریضہ کسی خاص وقت پر شروع ہو کر کسی خاص وقت پر اختتام پذیر ہوتا ہو تو اس کو نہ قبل از وقت ادا کیا جا سکتا ہے نہ بعد از وقت۔

اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات ہیں:۔

۱۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق: ۱)

(اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ستم ڈھایا)

۲۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (البقرۃ: ۲۲۹)

(یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو)

اُوقات اللہ تعالیٰ کی حدود میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے جس نے اللہ تعالیٰ کے مقرر وقت سے تجاوز کیا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد کو پھاند لیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۸۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسحاق بن راہویہ از ابو عامر عقدی از عبداللہ بن جعفر زہری از سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن از قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق بیان کیا کہ] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ رد کیے جانے کے لائق ہے۔ (بخاری کتاب الصلح، مسلم کتاب الاقضیہ، ابوداؤد کتاب السنۃ، ابن ماجہ المقدمہ)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وقت میں کوئی کام کرنے کا حکم دیا ہو مگر وہ شخص اس کام کو اس وقت نہیں بلکہ قبل از وقت یا بعد از وقت انجام دیتا ہے، تو اس نے گویا ایسا کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ لہٰذا وہ کام غیر مقبول، مردود اور باطل ہے۔ مزید براں یہ وہ کام نہیں جس کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ اگر کسی نصّ سے ثابت ہو جائے کہ وہ کام کسی دوسرے وقت میں بھی انجام دیا جا سکتا ہے تو وہ بھی اس کا جائز اور صحیح وقت تصوّر کیا جائے گا۔ نامناسب وقت وہ ہے جس کے بارے میں کوئی نصّ وارد نہیں ہوئی۔ وباللہ التوفیق۔

۱۰۸۔ مجتہد سے جب خطا سرزد ہو

جس مُجتہد سے اپنے اجتہاد میں غلطی صادر ہو جائے وہ عنداللہ اس مُقلِّد سے افضل ہے جس سے غلطی سرزد نہ ہوئی ہو۔ یہ بات اہلِ اسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ جہاں تک غیر مُسلموں کا تعلّق ہے مُجتہد کے لیے کوئی عذر نہیں خواہ وہ مُستدِل ہو یا مُقلِّد۔ وہ دونوں قعرِ ہلاکت میں گرے ہوئے ہیں۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو قبل ازیں ہم نے ذکر کی کہ حضورؐ نے فرمایا:

"جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں غلطی واقع ہو تو اُسے ایک اجر ملے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تقلید کی مذمّت کی ہے۔ لہٰذا مقلِّد گنہگار ہے اور مجتہد اللہ سے اجر و ثواب پائے گا۔ ظاہر ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا مُقلِّد نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایسا فعل انجام دیتا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ بخلاف ازیں مقلِّد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی پیروی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ جہاں تک غیر مسلموں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا تعلق ہے اُن کے بارے میں قرآن میں فرمایا:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران: ۸۵)

(جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے تو اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا)

۱۰۹۔ صرف ایک قول حق ہوتا ہے

بہت سے اقوال میں سے ایک قول حق ہوتا اور باقی خطاء پر مبنی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس: ۳۲) (پس حق کے بعد ضلالت کے سوا اور کیا ہے)

اور فرمایا: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء: ۸۲)

(اور اگر قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے)

اختلاف کی مذمّت کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا (آل عمران: ۱۰۵)

(اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو فرقہ فرقہ بن گئے اور اختلاف کرنے لگے)

نیز فرمایا: وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا (الانفال: ۴۶) (اور جھگڑا نہ کرو پھر تم دل ہار دو گے)

اور مزید فرمایا: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۸۹) (قرآن میں ہر چیز کی وضاحت ہے)

مندرجہ صدر آیات سے معلوم ہوا کہ اقوال میں سے حق وہ ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہو۔ حق ایک ہی قول ہوتا ہے اور اس میں اختلاف نہیں پیدا ہوتا۔ خطاء اس قول میں واقع ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔ جو شخص اس بات کا مدعی ہو کہ سب اقوال حق ہوتے ہیں اور ہر مجتہد کا اجتہاد درست ہوتا ہے وہ ایک ایسی بات کہتا ہے جو نہ تو کتاب و سُنّت اور اجماع ہی سے ثابت ہے اور نہ کسی عقلی دلیل سے۔ اور جو بات ایسی ہو اُس کا بُطلان کسی شک و شُبہ سے بالا ہوتا ہے۔ رسول کریم کی وہ حدیث بھی اس کا ابطال کرتی ہے جس میں ارشاد فرمایا:

"جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں اس سے خطا واقع ہو تو بھی اُسے اجر ملے گا۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں آپ نے بصراحت فرمایا کہ مجتہد سے غلطی بھی سرزد ہوتی ہے۔ جو شخص یہ بات کہتا ہے کہ لوگوں کو صرف اجتہاد کا مکلّف بنایا گیا ہے (قطع نظر اس سے کہ صحیح ہو یا غلط) وہ غلطی پر ہے۔

بخلاف ازیں لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہو صرف اس کی پیروی کریں۔ قرآن میں فرمایا:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ (الاعراف: ۳)

(لوگو! جو (کتاب) تم پر تمھارے پروردگار کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو)

اس آیت کریمہ میں قرآن کے اتباع کو فرض ٹھہرایا اور دوسری چیزوں کی پیروی اور حد شکنی سے روکا۔ غلطی کرنے والے مجتہد کو ایک اجر اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ حق کا طالب ہوتا ہے۔ جب اُس کا اجتہاد درست نہیں نکلتا وہ تب بھی گنہگار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی نیّت طلب حق کی تھی۔ اجتہاد کے درست ہونے کی صورت میں اُسے دو اجر ملتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جب مُجتہد کا اجتہاد درست ہو تو اُسے ایک اور اجر ملتا ہے۔"

۷۹۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یزید مقری از حیوۃ بن شریح از یزید بن عبداللہ از محمد بن ابراہیم از بسر بن سعید از ابوقیس مولیٰ عمرو بن عاص بیان کیا کہ] حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ "جب حاکم اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی فیصلہ کرے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اُسے دو اجر ملتے ہیں۔ اور اگر اجتہاد غلطی پر ہو تو ایک اجر۔" (صحیح بخاری کتاب الاعتصام، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد و سنن نسائی کتاب القضا۔ ابن ماجہ المقدمہ)

ظن کی بنا پر فیصلہ صادر کرنا درست نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا (النجم: ۲۸)

(وہ صرف ظن پر چلتے ہیں۔ اور ظنّ یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا)

---

[1] میں کہتا ہوں اس بات میں بڑا اشکال ہے کہ ظن کی بنا پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اس پر (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ظن سے بچتے رہو اس لیے کہ ظن بڑی جھوٹی بات ہے۔" وباللہ التوفیق۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ عام ناظرین امام ابن حزم کے خیالات سے متاثر نہ ہوں بحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

ظن کا پہلا اور دوسرا مفہوم ظن کا لفظ چند معانی کے لیے بولا جاتا ہے۔ ائمہ لغت مثلاً صاحب قاموس کی تصریحات کے پیش نظر لفظ ظن کا اطلاق شک پر کیا جاتا ہے جس کے معنی کسی چیز میں متردّد ہونے کے ہیں۔ غیر یقینی اعتقاد کی دونوں طرفوں میں سے جو راجح ہو اس کو بھی ظن کہتے ہیں۔ ظن کے دو استعمال تو یہ ہیں۔

ظن کا تیسرا مفہوم ظن کا تیسرا اطلاق یقین پر کیا جاتا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ: ۴۶)

(جو یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

مومنین کی توصیف میں فرمایا:

وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (البقرۃ: ۴) (اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں)

اس لیے کہ ایمان بالآخرۃ پر یقین ضروری ہے۔

ظن کا چوتھا مفہوم ظن کا اطلاق تہمت پر بھی کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِظَنِیْنٍ (التکویر: ۲۴) (متداول روایت حفص میں بِضَنِیْنٍ ضاد کے ساتھ ہے)

(اور وہ پوشیدہ باتوں کے ظاہر کرنے میں بخیل نہیں)

اس آیت میں ظَنِیْنٍ بالظاء ائمہ تفسیر کے نزدیک تہمت زدہ کے معنوں میں ہے۔

اس تمہید سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ مذموم صرف وہ ظن ہے جو شک کے معنوں میں ہو۔ یعنی کسی معاملہ کی دو طرفوں میں تردّد اور شبہ ہو۔ دونوں طرفیں برابر ہوں اور ان میں سے کوئی بھی راجح نہ ہو۔ اس ظن پر عمل بالاتفاق حرام ہے اور اسی کو حدیث نبوی میں اکذب الحدیث کہا گیا ہے۔ اسی ظن کے بارے میں فرمایا کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" (النجم: ۲۸) اسی کو "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" (الحجرات: ۱۲) کہا۔

اس لیے کہ فطرتِ بشری اور شریعتِ اسلامیہ میں علم اور ظن کے اس پہلو پر عمل کیا جاتا ہے جو راجح ہو۔ ظن بمعنی طرفِ راجح ہی عام طور سے معمول بہ ہے بلکہ اکثر احکام شرعیہ اسی پر مبنی ہیں۔ ظن کی یہی قسم ہے جو گناہ نہیں ہے اور جس کا آیت کریمہ "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" میں کیا گیا ہے، نیز اس لیے کہ اخبار آحاد شرعی احکام میں معمول بہا ہیں حالانکہ ان سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے۔

امام ابن حزمؒ کا یہ بیان پہلے گزر چکا ہے کہ ایک جاہل شخص جب کسی عالم سے پیش آمدہ شرعی مسئلے کا حل دریافت کرے اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ اس ضمن میں اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ یہ ہے تو اس شخص کو ہمیشہ اس پر عمل کرنا چاہیے۔ حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ جاہل شخص کی اس عالم سے یہ روایت خبر واحد کے ذیل میں آتی ہے جو مفید ظنّ ہوا کرتی ہے۔ اس کے باوجود ابن حزمؒ نے اس کو واجب القبول ٹھہرایا ہے۔ اللہ کا یہ حکم کہ جب دو شاہد عدل حاکم کے رُوبرو شہادت دے دیں تو حاکم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کرے بھی تو اسی زُمرہ میں آتا ہے اس لیے کہ شہادت سے بھی ظنّی علم حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ اُن کو عادل بھی ظن ہی کی بنا پر قرار دیا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میرے پاس جھگڑا چکانے آجاتے ہو۔ آخر میں فرمایا کہ میں اُس کے حق میں جہنّم کا ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں"۔

یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ شہادت کی بنا پر جو ظنی علم حاصل ہوا تھا اس کی اساس پر حضورؐ نے فیصلہ صادر فرمایا۔ اس لیے کہ اگر بنا بر یقین فیصلہ کرتے تو وہ چیز جہنّم کا ٹکڑا کہلانے کی مستحق نہ ہوتی۔ وہ جہنّم کا قطعہ اسی بنا پر ہے کہ جس شہادت کی بنا پر فیصلہ صادر کیا تھا اس کے درحقیقت جھوٹا ہونے کا احتمال موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سجود سہو کے باب میں جو حدیث منقول ہے اس کے الفاظ ہیں:۔

"جب تم نماز ادا کر رہے ہو اور اس بات میں شک پڑ جائے کہ تین رکعت ادا کی ہیں یا چار اور زیادہ گمان یہ ہو کہ چار رکعت ادا کی ہیں" (تا آخر)

نماز اشرف العبادات ہے۔ اس کے باوجود اس حدیث میں ظنِ غالب پر عمل کیا گیا ہے۔ طبرانی اور حاکم میں یہ حدیث قدسی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انا عند ظنّ عبدی بی فلیظنّ بی ما شاء" (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے بارے میں قائم کرتا ہے۔ اس لیے جو ظن وہ میرے بارے میں قائم کرنا چاہے کرے۔

اسی طرح حدیث نبوی میں فرمایا:

"تم میں سے ایک شخص کو موت اس حالت میں آئے جب وہ اللہ تعالیٰ سے حُسنِ ظن رکھتا ہو۔"

اس حدیث کو احمد، مسلم، ابو داؤد اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔

مذکورہ صدر تمام احادیث میں جس ظن کا ذکر کیا گیا ہے وہ ظنِ راجح ہے جس کی صحت کے علامات موجود ہوں۔ جہاں صحت ظن کی علامت موجود نہ ہوں وہ باطل ہوتا ہے۔ جیسے کفار کا یہ ظن کہ

لَنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (الفتح: ۱۲) (اللہ کا رسول اور اہل ایمان نہیں لوٹیں گے)

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا (الفتح: ۱۲)

(تم نے بُرے بُرے خیال کیے اور (آخر کار) تم ہلاکت میں پڑ گئے)

کفار کا یہ ظن اس بات پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اہل ایمان کی مدد نہیں کرے گا اس لیے باطل ہے کفار کا یہ ظن کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے آگاہ نہیں جس کا تذکرہ مندرجہ ذیل آیت میں کیا گیا ہے۔

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (السجدۃ: ۲۲-۲۳)

(بلکہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے عملوں کی خبر ہی نہیں۔ اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے تم کو ہلاک کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں ہو گئے)

کفار کا یہ ظن اس امر پر مبنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے احاطہ سے بے خبر تھے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر کفار کے ظن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (الاحزاب: ۱۰)

(اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کفار اس ظن میں مبتلا تھے کہ حملہ آور گروہ رسول کریم پر غالب آجائیں گے۔ وہ اس لیے کہتے تھے کہ

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا (الاحزاب: ۱۲)

(اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا)

بخلاف ازیں اہلِ ایمان یہ کہتے تھے کہ

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔

(الاحزاب: ۲۲)

(کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے اُن کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی)

بحمد اللہ یہ بحث آپ کو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملے گی۔ یہ خالص الہام ربانی کا نتیجہ ہے۔ اس بحث سے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو گیا۔ دراصل یہ تفصیل کا موقع تھا مگر مصنف نے یہاں حد درجہ اختصار سے کام لیا ہے۔ یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ مصنف اس کتاب میں اکثر و بیشتر اخبار آحاد، اُن کے عموم الفاظ اور الفاظ قرآن سے استدلال کرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب ظنی دلائل ہیں۔ آپ کو اس بلند پایہ بحث کی افادیت اور اس کی قدر و قیمت سے آگاہ ہونا چاہیے۔ (سید محمد بن اسماعیل الامیر جزاہ اللہ خیرا) (اس بحث میں بھی خلط ملط ہے۔ ابن حزم کا منشا صرف اتنا ہے کہ کتاب و سنت کے علاوہ کسی مجتہد کا اجتہاد ظن ہے لیکن احادیث نبویہ متواتر ہوں یا خبر واحد ہر حال میں یقین بہم پہنچاتی ہیں اس کو ظن سے تعبیر کرنا صحیح نہیں اور اگر کسی نے کہا ہو تو اس جگہ ظن بمعنی یقین ہو گا (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ کِتَابُ الطَّهَارَة

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمْ

۱۱۰۔ وضو فرض ہے

نماز کے لیے وضو فرض ہے۔ وضو کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ اور یہ اس شخص کے لیے ہے جب پانی دستیاب ہو۔ یہ اجماعی مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ ۶:۵)

(مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک (دھولیا کرو)

۱۱۱۔ وضو کے لیے طہارت کی نیّت شرط ہے

نماز فرضی ہو یا نفلی اس کے لیے جو وضو کیا جائے اس میں طہارت کی نیّت شرط ہے۔ نیت کے بغیر وضو نہیں ہوگا۔ اس حکم میں سب نمازیں شامل ہیں کسی کی تخصیص نہیں۔

اس کی دلیل مذکورہ صدر آیت ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں وضو کا حکم صرف نماز کے لیے بحیثیتِ عموم دیا ہے کسی نماز کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس لیے تخصیص درست نہیں۔ دیگر یہ کہ وضو صرف اسی مقصد کے لیے کرنا چاہیے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے (اور وہ نماز ہے)

مگر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل بلا نیّت بھی کافی ہیں۔ اور اگر ٹھنڈک اور پاکیزگی حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے تب بھی درست ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسم اور اعضاءِ جسمانی کو دھونے کا حکم دیا ہے اور اس کی تعمیل ہوگئی۔ وہ کہتے ہیں ہم اس کو نجاست کے ازالہ پر قیاس کرتے ہیں کہ وہ بلا نیّت ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے نیّت شرط نہیں۔ دوسری جانب احناف یہ کہتے ہیں کہ تیمم بلا نیّت درست نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن بن حیؒ کہتے ہیں کہ وضو، غسل اور تیمّم تینوں بلانیت درست ہیں۔ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اگر جنبی شخص ڈول نکالنے کے لیے کنویں میں غوطہ لگائے تو یہ غسلِ جنابت کے لیے کافی نہیں۔ جب کہ محمد بن حسن کے نزدیک غسلِ جنابت کے لیے کافی ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ احناف کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے صرف جسم اور ان اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے غلط ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کو نماز کی نیّت سے دھونے کا حکم دیا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینۃ۔ ۵)

(اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں)

اس آیت میں عبادت کا حکم اس لیے جداگانہ نیّت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں تمام شرعی اعمال شامل ہیں۔

۸۰۔ [ہم سے حمام بن احمد از عبداللہ بن ابراہیم از ابوزید مروزی از فربری از حمیدی از سفیان بن عیینہ از یحییٰ بن سعید انصاری از محمد بن ابراہیم تیمی از علقمہ بن وقاص لیثی بیان کیا کہ] حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ برسرِ منبر کہہ رہے تھے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ اعمال کا دار و مدار انحصار نیّت پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیّت کی۔ (بخاری بدء الوحی، کتاب الایمان، کتاب العتق، کتاب النکاح، کتاب المناقب کتاب الایمان والنذور، کتاب ترک الحیل۔ مسلم کتاب الجہاد، ابوداؤد کتاب الطلاق، ترمذی کتاب الجہاد۔ نسائی کتاب الطہارۃ و کتاب الطلاق و کتاب الایمان۔ ابن ماجہ کتاب الزہد۔

یہ حدیث جملہ اعمال کو شامل ہے لہٰذا بعض اعمال کی تخصیص کا دعویٰ درست نہیں۔

جہاں تک وضو کو ازالۂ نجاست پر قیاس کرنے کا تعلق ہے تو یہ باطل ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ قیاس ہے اور قیاس کی ہر قسم باطل ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ اگر قیاس کرنا جائز ہوتا تب بھی یہ قیاس ناروا ہوتا۔ اُس کے بُطلان کے چند وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل احناف سے کہا جائے گا کہ وضو اور غسل کو جو تم نے ازالۂ نجاست پر قیاس کیا ہے ہم پوچھتے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہیں کہ ان کو تم نے تیمم پر کیوں نہ قیاس کیا۔ حالانکہ بعض حالات میں تیمّم وضو کا قائم مقام ہوتا ہے (اور بقول تمھارے تیمم کے لیے نیّت شرط ہے تو وضو اور غُسل میں بھی یہ شرط ہونی چاہیے) بخلاف ازیں بعض وجوہ سے تم نے تیمم کو وضو پر قیاس کیا ہے۔ اسی لیے تمھارے نزدیک کہنیوں کو بھی تیمّم میں شامل کرنا چاہیے۔ کیونکہ وضو میں کہنیوں کو دھویا جاتا ہے۔ تو پھر وضو کو تیمّم پر قیاس کر کے تم نے نیّت کو ضروری کیوں نہ قرار دیا؟ اس لیے کہ وضو اور تیمّم دونوں نماز کے لیے طہارت ہونے میں برابر کے شریک ہیں۔ اگر احناف کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کے بارے میں یوں فرمایا:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا (المائدہ ۶:) (پاک مٹی کا قصد کرو)

مگر وضو کے سلسلہ میں اس طرح نہیں فرمایا۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے پھر کیا ہوا؟ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ وضوء کے متعلق فرماتا ہے:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا (المائدہ ۶:) (جب نماز کا قصد کرو تو دھو لیا کرو)

لہٰذا ثابت ہوا کہ آیت کی نصّ کے مطابق یہ دھونا صرف نماز کے لیے کافی ہے۔

وجہِ ثانی احناف کا یہ دعویٰ کہ غسلِ جنابت کے لیے نیّت ضروری نہیں باطل ہے۔ معاملہ یوں نہیں جیسا انھوں نے کہا۔ بخلاف ازیں ہر نجاست جس کو پاک کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ایک خاص طریقہ کے مطابق دیا ہو۔ اس میں وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ساتھ ہی نیّت بھی ضروری ہوگی۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص نے وہ کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ رُد کیے جانے کے لائق ہے۔"

قبل ازیں ہم اس حدیث کو مع سند ذکر کر چکے ہیں۔

ہر ایسی نجاست جس کو زائل کرنے کا حکم کسی خاص طریقہ پر نہیں دیا گیا (اس میں نیّت شرط نہیں ہوگی) صرف یہ بات ضروری ہے کہ نماز ادا کرتے وقت انسان کا جسم، اس کا لباس اور وہ جگہ نجاست سے پاک ہو جہاں نماز ادا کی جاتی ہے۔ جب کسی نے ان شرائط کے مطابق نماز ادا کی تو اُس نے اس حکم کی تعمیل کر دی جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے حنفیہ کے احتجاج کا فساد ظاہر ہوا۔ نیز یہ بات منظرِ عام پر آئی کہ وضوء غسل اور تیمم و نماز کے درمیان فرق کر کے اُنھوں نے کس قدر عظیم تناقض کا ثبوت دیا ہے جس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اسی طرح اس جُنبی کے بارے میں حنفیہ کا اختلاف جو کنویں میں غوطہ لگائے کسی دلیل پر مبنی نہیں۔

سوال:۔ بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر وضو کے لیے نیت کی ضرورت ہے تو پھر نیت کے لیے ایک اور نیت کی ضرورت ہو گی۔

جواب:۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ سوال تم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تم بھی تیمم اور نماز کے لیے نیت کے قائل ہو۔ تو بقول تمھارے اس نیت کے لیے ایک اور نیت کی ضرورت ہو گی جو کہ محال ہے، اس لیے کہ جس نیت کا حکم دیا گیا ہے وہ بذاتِ خود مامور بہا ہے اس لیے کہ نیت کے ذریعے اس کام کا قصد کیا جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (لہٰذا نیت کے لیے کسی دوسری نیت کی ضرورت نہیں)

جہاں تک حسن بن حیّ کے قول کا تعلق ہے (کہ غسل، وضو اور تیمم بلا نیت درست ہیں) اس کا بُطلان ہماری ذکر کردہ آیت و حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

اس ضمن میں ہم نے جو فیصلہ کیا ہے امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق اور داؤد رحمہم اللہ کا موقف بھی یہی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۱۲۔ وضو نماز کے وقت سے پہلے اور بعد جائز ہے

وضو نماز کے وقت سے پہلے اور بعد دونوں طرح درست ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک وضو اور تیمم نماز کا وقت ہونے کے بعد کرنا چاہیے۔ بخلاف ازیں بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ وضو وقت سے پہلے کیا جا سکتا ہے مگر تیمم نہیں۔ اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک وضو اور تیمم دونوں قبل از وقت دُرست ہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں وضو و تیمم نماز کا وقت آنے پر کیے جا سکتے ہیں پہلے نہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے۔

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (المائدہ ۵:۶)

(جب نماز کا قصد کرو تو اپنے منہ دھو لیا کرو)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت اُن کے لیے دلیل نہیں بلکہ اُن کے خلاف حجت ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم فرض نماز کے لیے اُٹھو، اور نہ یہ کہ جب نماز کا وقت ہو جائے اور تم اُس کی طرف اُٹھو۔ بلکہ فرمایا یہ ہے کہ "جب تم نماز کا قصد کرو" نماز کا لفظ عام ہے اور اس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں کی گئی۔ نماز بلا اختلاف فرض بھی ہوتی ہے نفل بھی۔ اور روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفلی نماز طہارت کے بغیر درست نہیں۔ خواہ طہارت وضو کی صُورت میں ہو یا غسل و تیمم کی صورت میں۔

لہٰذا آیت کی نص سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب کوئی شخص فرض یا نفل نماز کا ارادہ کرے اور اس کے لیے کھڑا ہو تو اُسے وضو کرنا چاہیے۔ اگر جُنبی ہو تو غُسل کرے۔ اگر تیمم کا اہل ہو تو تیمم کرے پھر نماز ادا کرے۔ یقینی طور پر یہ آیت کا نفسِ مضمُون ہے جب کوئی شخص غُسل، وضُو یا تیمم کی تکمیل کر لے تو وہ پاک ہو گیا۔ جب طہارت کی تکمیل ہو گئی تو یہ بات بالکل جائز اور درست ہے کہ طہارت اور نماز کے درمیان جس کے لیے وہ اٹھا ہے (مسجد کی طرف) چل کر جائے، بات کرنے یا کوئی اور کام کرنے کے لیے وقفہ پیدا کر لے۔ اس لیے کہ آیت اپنے الفاظ کی بنا پر یا کسی اور دلیل سے نماز اور طہارت کے ربط و اتصال کو واجب قرار نہیں دیتی۔ جب طہارت اور نماز کے مابین وقفہ جائز ہوا تو اس وقفہ میں اتنی توسیع جائز ہے جس سے کتاب و سُنّت مانع نہ ہو۔ اور یہ تاخیر فرضی نماز کے آخری وقت تک مُنعقد ہو سکتی ہے اور نوافل میں جب تک چاہے۔

بنا بریں آیت کی نص سے یہ بات ثابت ہوئی کہ فرض نماز کے وقت سے پہلے غُسل، وضو اور تیمم کے ذریعے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ مزید برآں آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ غسل و وضو کے لیے طہارت نماز کی نیت سے حاصل کی گئی ہو اس کے بغیر نہیں۔

قبل از وقت طہارت کے جواز کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ نماز بلا اختلاف اوّل وقت میں جائز ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ طہارت اس سے قبل حاصل کر لی گئی ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ نماز کا اوّل وقت شروع ہونے سے پہلے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ اس کی ایک اور دلیل

۸۱۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از قتیبہ بن سعید از مالک از سمی از ابوصالح بیان کیا کہ]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے روز اچھی طرح غسل کرے جیسے غسلِ جنابت کیا جاتا ہے اور نمازِ جُمعہ کے لیے چلا جائے تو گویا اُس نے اونٹ صدقہ کیا اور جو دوسری گھڑی میں جمعہ کے لیے جائے تو گویا اُس نے گائے صدقہ کی۔ جو تیسری گھڑی جمعہ کے لیے جائے گویا اُس نے مینڈھا صدقہ دیا۔ جو چوتھی گھڑی جائے گویا اس نے مرغی صدقہ کی اور جو شخص پانچویں گھڑی جائے گویا اس نے انڈا صدقہ کیا۔ جب امام (جمعہ کے لیے گھر سے) نکلتا ہے تو فرشتے حاضر ہو کر ذکر سنتے ہیں۔

(بخاری و مسلم کتاب الصلاۃ۔ ابوداؤد کتاب الطہارۃ۔ ترمذی و نسائی کتاب الصلاۃ)

یہ حدیث مسئلہ زیرِ بحث کے بارے میں نصِّ جلی ہے کہ وضو اور تیمّم نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے جائز ہے اس لیے کہ امام جمعہ کے روز نماز کے لیے یا تو نماز کے وقت سے پہلے نکلتا ہے یا وقت شروع ہونے کے بعد۔ اور دونوں میں سے جو بات بھی ہو نماز جمعہ کے لیے پہلے جانے والے کی طہارت بلاشبہ جمعہ کے وقت سے پہلے ہوگی۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے آگاہ تھے کہ جمعہ کے لیے پہلے جانے والوں میں دونوں قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ وضو کرنے والے بھی اور تیمّم کرنے والے بھی۔

جو فقہاء وضو قبل الوقت کو جائز قرار دیتے ہیں اور تیمّم کو نہیں ان کا دعوٰی یہ ہے کہ آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ وضو ہو یا تیمّم وقت شروع ہونے کے بعد کرنا چاہیے۔ مگر وضو اس حکم سے اس لیے مستثنٰی ٹھہرا کہ فتح مکّہ کے دن حضورؐ نے تمام نمازیں ایک ہی وضو کے ساتھ ادا کی تھیں (لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ وضو قبل از وقت جائز ہے) مگر اس حدیث سے ان کا مُدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس حدیث میں مذکور نہیں کہ آپؐ نے نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے وضو کیا تھا۔ بخلاف ازیں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد آپ نے وضو کیا ہو۔ پھر وضو ٹوٹنے تک اسی طہارت کے ساتھ باقی نمازیں ادا فرماتے رہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۱۳۔ وضو کرتے وقت ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیّت جائز نہیں

اگر وضو کرتے وقت نماز کی نیّت کی مگر ساتھ ہی ٹھنڈک حاصل کرنے یا کسی اور بات کا ارادہ بھی کر لیا تو اس وضو کے ساتھ نماز درست نہ ہوگی۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینۃ : ۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں)

جس شخص نے اس کے ساتھ جس کا حکم اُسے دیا گیا تھا ایسی نیّت کو مخلوط کر لیا جس کا حکم اسے نہیں دیا گیا تھا اُس کی عبادت میں اخلاص باقی نہ رہا۔ اور جب اخلاص باقی نہ رہا تو گویا اُس نے وہ وضو نہیں کیا جس کا وہ مامور تھا۔ وضو کرتے وقت اگر نماز کی نیّت کے ساتھ ساتھ اس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ حاضرین کو وضو کی تعلیم دے تو یہ وضو نماز کے لیے کافی ہوگا۔ اس لیے کہ شرعاً لوگوں کو تعلیم دینے کا حکم دیا گیا ہے[1]۔ وباللہ التوفیق۔

۱۱۴۔ نیّت ہر کام شروع کرنے سے پہلے اس سے مُتّصل کرنی چاہیے

وضو ہو یا دیگر اعمال نیّت کام شروع کرنے سے قبل اس سے متّصل کرنی چاہیے۔ اُس عمل اور نیّت کے مابین تھوڑا یا زیادہ وقفہ نہیں ہونا چاہیے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ثابت ہو چکا کہ کسی کام کی نیّت فرض ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عمل کے کسی حصہ کا نیت سے خالی نہ ہونا واجب ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نیّت اور عمل کے درمیان وقفہ پیدا ہو گیا اور اس طرح عمل نیّت سے خالی ہو گیا۔ مزید براں اگر نیّت اور عمل کے مابین ایک منٹ کا وقفہ درست ہو تو پھر دو، تین یا چار منٹ بلکہ اس سے زائد دس سال تک کا وقفہ درست متصوّر ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیّت و عمل باہم متقارن و متّصل ہوں۔ اندریں صورت عمل کا ابتدائی حصہ نیّت سے خالی ہوگا۔ اس لیے کہ نیّت کسی کام کے قصد کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے سلسلہ میں فرض ٹھہرایا اور یہ جبھی ممکن ہے

---

[1] خاکسار مترجم اس مسئلہ میں امام ابن حزم کے ساتھ متفق نہیں۔ وضو کرتے وقت نماز کی نیّت کے ساتھ ٹھنڈک حاصل کرنے یا کسی اور مقصد کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کے مابین کوئی تعارض نہیں۔ ایک شخص اداء فرض کے لیے حج کرنے جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ کچھ تجارتی نفع بھی حاصل کر لیتا ہے تو قرآن میں اس کی اجازت موجود ہے۔ اس لیے کہ اصل نیت اداءِ فرض کی ہے اور تجارتی نفع مقصود بالذات نہیں۔ اسی طرح وضو سے اصل مقصد نماز کی ادائیگی ہے اور دوسرے تمام مقاصد ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے اِخلاصِ نیّت میں فرق نہیں آتا۔ جس طرح بقول ابنِ حزم لوگوں کو تعلیم دینے کی نیت نماز کی نیت میں مُخل نہیں ہوتی۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار غلام احمد حریری مترجم)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ عمل شروع کرنے سے پہلے اور اس کے ساتھ ہی اس کی نیت کر لی جائے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۱۵۔ اعضاءِ وضو پر پانی بہانا

جس شخص نے وضو کے اعضاء کو پانی میں ڈبویا اور نیت یہ کی کہ نماز کے لیے وضو کر رہا ہے۔ یا پرنالے کے نیچے کھڑا رہا حتّٰی کہ اعضاءِ وضو پانی سے تر ہو گئے اور نماز کے لیے وضو کی نیت کی، یا وضو کے اعضاء پر نماز کے ارادہ سے پانی بہایا، یا کسی اور کے اعضاءِ وضو پر پانی بہایا اور اس نے وضو برائے نماز کی نیّت کی، تو ان تمام صورتوں میں یہ وضو نماز کے لیے کافی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام صُورتوں پر اس زبان میں "غُسل" کا اطلاق ہوتا ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ اور جو شخص یہ بات کہے کہ غُسل کے معنی ہاتھ سے ملنے کے ہیں[۱] تو اس کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ، شافعی اور داؤد (ظاہری) رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۱۶۔ قراءتِ قرآن و سجدۂ تلاوت بلا وضو جائز ہے

قرآن کریم کی تلاوت، سجدۂ تلاوت، قرآن کریم کو چھونا اور ذکرِ الٰہی وضو کے ساتھ اور بلا وضو دونوں طرح جائز ہے۔ جُنبی مرد اور حائضہ عورت کو بھی اس کی اجازت ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ قراءتِ قرآن، سجدۂ تلاوت اور مسّ الصحف (قرآن کو چھونا) اور ذکرِ الٰہی سب نیکی کے کام ہیں جو مستحب ہیں۔ ان کا فاعل اجر و ثواب سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بعض حالات میں ان سے روکتا ہے وہ اس کی دلیل پیش کرنے کا مکلف ہے۔

جہاں تک تلاوتِ قرآن کا تعلق ہے جو لوگ مخالفین میں سے موجود ہیں وہ اس ضمن میں ہمارے ہمنوا ہیں کہ بلا وضو تلاوتِ قرآن جائز ہے۔ جُنبی اور حائضہ کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ ایک گروہ کا موقف یہ ہے

---

[۱] امیر صنعانی فرماتے ہیں کہ لغت میں غاسل کی مباشرت لازم ہے۔ مصنف نے اسے نظر انداز کر دیا اور "دلك" ملنے کا معنی لے لیا۔ انتہٰی۔ میں کہتا ہوں کہ مصنف نے ملنے کی نفی کی ہے مباشرت کی نہیں۔ کیونکہ پانی جس طرح بھی اعضاء وضو پر پہنچے یا جسم پر مباشرت ہر حال میں واقع ہوا۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ حائضہ اور جُنبی کے لیے تلاوتِ قرآن بالکل جائز نہیں۔ یہی قول حضرت عمر، حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حسن بصری، قتادہ، نخعی اور دیگر اہلِ علم بھی اسی کے قائل ہیں۔ ایک دوسرے گروہ کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ حائضہ عورت جتنا چاہے قرآن کریم پڑھے۔ البتہ جنبی صرف دو آیتیں یا اس کے قریب پڑھ سکتا ہے (اور زیادہ نہیں) امام مالکؒ کا قول یہی ہے۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ جُنبی پوری آیت تلاوت نہ کرے۔ امام ابو حنیفہ اسی کے قائل ہیں۔

جُنبی کے لیے تلاوت کے ممنوع ہونے کے سلسلے میں وہ عبداللہ بن سلمہ از حضرت علیؓ کی مروی حدیث سے احتجاج کرتے ہیں کہ رسولِ کریم کو جنابت کے سوا دوسری کوئی چیز تلاوتِ قرآن سے روکتی نہ تھی۔ حالانکہ یہ حدیث ان کے لیے حجت نہیں بن سکتی اس لیے کہ اس میں جُنبی کو تلاوت سے منع نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں حضورؐ کے صرف ایک فعل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ آپ جنابت کی بنا پر تلاوتِ قرآن سے احتراز فرماتے تھے۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس حالت میں کسی اور وجہ سے آپؐ نے تلاوت نہ فرمائی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا پورے مہینہ کے کبھی روزے نہیں رکھے تھے۔ اسی طرح قیام اللیل میں تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل ادا نہیں کیے تھے۔ نیز کرسی پر بیٹھ کر اور تکیہ لگا کر کبھی کھانا نہیں کھایا۔

تو کیا رمضان کے سوا کسی اور کامل ماہ کے روزے حرام ہیں؟ اسی طرح تہجد میں تیرہ رکعت سے زیادہ رکعات ناروا ہیں؟ یا میز کرسی پر اور تکیہ لگا کر کھانا حرام ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اس کا قائل نہیں۔ اور اس کے نظائر و امثلہ کی بھی کمی نہیں۔ یہ درست ہے کہ جُنبی اور بے وضو کو تلاوت سے منع کرنے کے سلسلے میں متعدد اقوال و آثار مروی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ ہم نے دوسری جگہ ان اسانید کا ضعیف ہونا واضح کر دیا ہے۔ اگر ان آثار کی صحت ثابت ہوتی تو ان لوگوں کے خلاف حجت ہوتی جو جُنبی کو قرآن پاک کی ایک پوری آیت یا آیت کا کچھ حصہ پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس لیے کہ ان آثار میں مطلقاً جنبی کو تلاوتِ قرآن سے روکا گیا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ جُنبی ایک آیت یا اُس کی مثل پڑھ لے یا یہ کہ پوری آیت نہ پڑھے۔ اور وہ فقہاء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنھوں نے حائضہ کو تلاوت کی اجازت دی ہے اور جنبی کو نہیں۔ تو یہ فاسد اقوال اور ایسے دعاوی ہیں جن کی قرآن اور سنتِ صحیحہ اور سقیمہ میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ نہ اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہے، نہ قولِ صحابی اور قیاس و رائے صحیح سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آیت کا حصّہ ہو یا پوری آیت اس کے قرآن ہونے میں شُبہ نہیں۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اسے ایک آیت پڑھنے کی اجازت دی جائے یا کسی دوسری کی۔ یا یہ کہ اسے ایک آیت پڑھنے سے روکا جائے یا دوسری سے۔ ان اقوال کے قائلین ان صحابہ کی مخالفت کرتے ہیں جن کا کوئی مخالف معلوم نہیں۔ وہ صحابہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم ہیں۔ کسی صحابی کے بارے میں معلوم نہیں جس نے ان کی مخالفت کی ہو۔

پھر یہ امر قابل غور ہے کہ آیات چھوٹی بڑی ہوتی ہیں۔ لیکن ایک ہی کلمہ پر مشتمل ہیں مثلاً "وَالضُّحٰی" "مُدْهَآمَّتٰنِ" "وَالْعَصْرِ" "وَالْفَجْرِ"۔ اور بعض بہت سے کلمات کی جامع ہوتی ہیں۔ مثلاً (سورۃ البقرہ کے آخر میں) آیت دَین۔ جب یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے تو پھر یہ بات بڑی عجیب ہے کہ آیۃ الدَّین (اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ) یا اس کے بعد والی آیت، یا آیۃ الکرسی اور اس کا کچھ حصّہ تو پڑھنے کی اجازت دی جائے مگر پوری آیت پڑھنے کی نہیں۔ مگر "وَالْفَجْرِ۔ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ" کی تلاوت سے روکنا یا آیت "مُدْهَآمَّتٰنِ" کی تکمیل سے منع کرنا بڑا حیرت خیز معاملہ ہے۔

علیٰ ہذا القیاس فقہاء نے حائضہ اور جُنبی کے مابین جو تفریق اس اساس پر کی ہے کہ حائضہ کا معاملہ طویل ہوتا ہے (لہٰذا وہ تلاوت کر سکتی ہے) محال (اور بلا جواز) ہے۔ اس لیے کہ اگر حائضہ کے لیے تلاوت قرآن ناروا ہے تو معاملہ کی طوالت سے جائز نہیں ہو سکتی۔ اور اگر حلال ہے تو معاملہ کی طوالت کے کوئی معنی نہیں۔

۸۲۔ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از محمد بن وضاح از موسیٰ بن معاویہ از ابن وہب بیان کیا کہ] یونس بن یزید ربیعہ سے نقل کرتے ہیں کہ جُنبی کے قرآن پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

۸۳۔ [اور بسند سابقہ تا موسیٰ بن معاویہ از یوسف بن خالد سمتی از ادریس بیان کیا کہ حماد کہتے ہیں کہ میں نے] سعید بن المسیّب سے پوچھا کہ آیا جُنبی قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے؟ جواب دیا کیوں نہیں۔ جب قرآن اس کے پیٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں ہے تو تلاوت کیوں نہیں کرے گا۔

۸۴ - [اور بسند سابقہ تا یوسف سمتی بیان کیا کہ] نصر الباہلی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حالتِ جنابت میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

۸۵ - [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عون از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبدالسلام خشنی از محمد بن بشار از غندر از شعبہ بیان کیا کہ] حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جُبیر سے پوچھا کہ کیا جنبی تلاوت کر سکتا ہے۔ فرمایا: "اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیا اس کے پیٹ میں قرآن نہیں ہے"۔

ابن حزم فرماتے ہیں جواز ہی کا قول داؤد ظاہری اور تمام اصحاب ظواہر کا ہے۔

جہاں تک سجدہ ہائے تلاوت کا تعلق ہے تو وہ نماز بالکل نہیں ہے۔

[ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن بشار از عبدالرحمان مہدی و محمد بن جعفر از شعبہ از یعلی بن عطاء از علی الازدی یعنی علی بن عبداللہ البارقی راوی ثقہ۔ بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ شب و روز کی نماز دو دو رکعت ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز وتر ایک رکعت ہے جو رات کے آخری حصہ میں ادا کی جاتی ہے (صحاح ستہ و مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ جو ایک رکعت کامل یا دو رکعت نہ ہو وہ نماز نہیں۔ ظاہر ہے کہ سجدۂ تلاوت نہ ایک رکعت ہے اور نہ دو رکعت لہٰذا نماز نہیں ہے۔ اور جب نماز نہیں تو بلا وضو جائز ہے۔ اسی طرح حائضہ اور جُنبی کو بھی اس کی اجازت ہے۔ مزید براں دیگر اذکار کی طرح قبلہ رُخ ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وضو صرف نماز کے لیے لازم ہے۔ اور کتاب و سُنّت یا اجماع و قیاس سے یہ بات ثابت نہیں کہ نماز کے بغیر بھی وضو لازم ہے۔

ایک سوال: اگر معترض کہے کہ سجدہ نماز کا جزو ہے۔ اور جزو اصل (یعنی نماز) کی طرح ہوتا ہے۔

جواب: بتوفیقہ تعالیٰ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ بات دُرست نہیں۔ اس لیے کہ نماز کا جزو اس وقت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کہلائے گا جب وہ اس طرح مکمل ہو جس طرح نمازی کو حکم دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص تکبیر کہے پھر قراءت کرے اور رکوع کرے پھر دانستہ نماز کو توڑ ڈالے تو کوئی مسلمان نہیں کہے گا کہ اس نے نماز ادا کی ہے بلکہ سب لوگ کہیں گے کہ اس نے نماز نہیں پڑھی۔ بخلاف ازیں اگر وتر کی ایک رکعت ادا کرے، یا نماز جمعہ، فجر، نماز قصر کی دو رکعتیں اور دو رکعت نماز نفل ادا کی تو بلا اختلاف یہ نماز کہلائے گی۔

جو لوگ بلا وضو سجدۂ تلاوت کو ناروا کہتے ہیں ہم اُن سے یہ بھی کہیں گے کہ قیام، تکبیر، قراءتِ فاتحہ، جلسہ اور سلام سب نماز کے اجزاء ہیں۔ لہٰذا بقولِ شما یہ جملہ افعال بحالتِ وضو ادا ہونے چاہئیں۔ اور اُن میں سے کوئی فعل بلا وضو دُرست نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ تمھارا یہ موقف نہیں ہے لہٰذا تمھارا استدلال باطل ٹھہرا۔ وباللہ التوفیق۔

اگر (مانعین سجدہ بلا وضو) کہیں کہ اس پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ تم نے خود ہی اپنی دلیل کے بُطلان اور علّت کے فاسد ہونے کا اقرار کر لیا۔ وباللہ التوفیق۔

ؔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے "باب سجود المسلمین مع المشرکین اور مشرک نجس ہوتا ہے جس کے وضو کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وضو کے بغیر سجدۂ تلاوت کیا کرتے تھے۔" یہ صحیح بخاری کی عبارت ہے۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول حدیث ذکر کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم میں سجدہ کیا۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جنّ و انس نے بھی سجدہ کیا۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"بیہقی نے بسندِ صحیح لیث از نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ "مرد" "طاہر" ہونے کی حالت میں سجدۂ تلاوت کیا جائے۔" ان دونوں احادیث کے مابین جمع و تطبیق کی یہ صورت ہے کہ "طاہر" سے جنابت سے پاک ہونا مراد لیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر جلدی سجدہ کرنا مطلوب ہو تو بلا وضو کر لیا جائے۔ اور اگر وقت موجود ہو تو وضو کر لیا جائے۔ ابن حجرؒ مزید فرماتے ہیں۔ امام بخاری کے ترجمۃ الباب اور اثر ابنِ عمرؓ کے مابین مطابقت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو مسلمان اس آیت کی تلاوت کے وقت موجود تھے عادۃً بعید ہے کہ وہ سب باوضو ہوں (باقی بر صفحہ آئندہ)

جہاں تک قرآن کو چھونے کا تعلق ہے جُنبی کو مسِّ مصحف سے روکنے پر جن اقوال و آثار سے بھی استدلال کیا گیا ہے اُن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ وہ یا تو مُرسل ہیں، یا غیر مرفوع صحیفہ[1] سے منقول ہیں، یا مجہول اور ضعیف راویوں سے مروی و منقول ہیں۔ دوسری جگہ ہم نے ان کی تفصیل ذکر کی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس لیے کہ وہ سجدہ کے لیے قبل ازیں تیار نہ تھے۔ لہٰذا ان میں سے جن لوگوں نے بلا وضو سجدہ کرنے میں جلدی کی مبادا وہ فوت ہو جائے۔ رسولِ کریم نے ان کو اس بات سے منع نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں اگر کسی دشواری کا سامنا ہو تو سجدۂ تلاوت بلا وضو بھی جائز ہے۔

متن کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اثر ابنِ عباسؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ "آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن و انس نے سجدہ کیا" حضرت ابنِ عباسؓ نے سجدہ کی نسبت تمام حاضرین کی طرف کی ہے۔ حالانکہ ان میں بعض لوگ ایسے تھے (یعنی مشرکین) جن کی طرف وضو کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ اس سے لازم آتا ہے کہ سجدہ با وضو اور بے وضو سب لوگوں کا درست تھا۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ شعبی کے بغیر دوسرے کسی راوی نے اس بات پر ابن عمرؓ کی موافقت نہیں کی کہ سجدۂ تلاوت بلا وضو جائز ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اس کو بسندِ صحیح روایت کیا ہے مزید براں ابنِ ابی شیبہ ہی نے حسن سند کے ساتھ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے نقل کیا ہے کہ وہ سجدہ والی آیت پڑھتے۔ پھر بلا وضو قبلہ رُخ ہوئے بغیر راہ چلتے اشارہ کے ساتھ سجدہ کر لیتے۔

[1] موطأ امام مالک کی اس حدیث کی جانب اشارہ ہے جو عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے منقول ہے۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحریر عمرو بن حزم کے نام لکھی تھی اس میں مرقوم تھا کہ "قرآن کو وہی شخص چھوئے جو پاک ہو" یہ مُرسل روایت ہے۔ یہ اس خط کا ایک ٹکڑا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوکِ یمن کے نام تحریر کیا۔ یہ خط عمرو بن حزم نے بھیجا اور اس کے بعد اپنے خاندان میں مقیم رہے۔ دارقطنی نے سُنن اور حاکم نے المستدرک میں ثقہ راوی ابو دجان محمد بن عبدالرحمان سے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب مسندِ خلافت پر بیٹھے تو کسی کو مدینہ بھیج کر وہ عہد نامہ تلاش کرنا چاہا جو رسولِ کریمؐ نے صدقات کے بارے میں تحریر کیا تھا۔ چنانچہ آلِ عمرو بن حزم کے پاس وہ خط مل گیا جو حضورؐ نے عمرو بن حزم کو صدقات کے بارے میں بھیجا تھا۔ علاوہ ازیں (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح حدیث وہ ہے جس کو

۸۷۔ [ہم نے عبداللہ بن ربیع از محمد بن احمد بن مفرح از سعید بن سکن از فربری از بخاری از حکم ابن نافع از شعیب از زہری از عبید اللہ بن عبداللہ بن عقبہ سے روایت کیا ہے جبکہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوسفیان سے روایت کیا ہے کہ وہ ہرقل کے پاس تھے کہ اُس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگوایا جس کو حضرت دحیہ حاکم بُصری کے پاس لے کر گئے تھے۔ اور اُس نے وہ خط رُومی حاکم ہرقل کو سپرد کر دیا تھا۔ ہرقل نے جب وہ خط پڑھا تو اُس کا مضمون یہ تھا۔

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں بنام ہرقل حاکم رُوم۔ "سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی" اما بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ اللہ تمھیں دُہرا اجر عطا کرے گا۔ اگر اس سے برگشتہ ہو جاؤ گے تو رعایا کی ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ "اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف چلے آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں۔ اور اگر وہ اس بات سے منحرف ہو جائیں تو تم گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔" (صحیح بخاری بدء الوحی، الایمان، الجہاد، الجزیہ، الاحکام،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت عمر بن الخطاب کے خاندان والوں کے یہاں سے وہ خط موصول ہوا جو حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ فراہم کرنے والے عُمّال کے نام تحریر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ خط رسول کریمؐ کے اس خط کے بالکل مشابہ تھا جو آپ نے عمرو بن حزم کے نام تحریر کیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے عُمّالِ زکوٰۃ کو مامور فرمایا کہ ان دونوں خطوط کو معمول بہ بنائیں۔ میں نے حضورؐ کے اس خط کی تلاش کی جو آپ نے عمرو بن حزم کے نام لکھا تھا اور بتوفیقِ ربّانی اس میں کامیاب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ محدث حاکم نے اپنی کتاب المستدرک جلد ا ص ۳۹۵ طبع ہند پر اس پورے مکتوب کو نقل کیا ہے۔ نسائی، ابن حبان، دارقطنی اور بیہقی نے بھی اس خط کو بسند صحیح نقل کیا ہے۔ میں نے بحمد اللہ اپنی کتاب شرح التحقیق لابن الجوزی ج ا ص ۹۷ مسئلہ نمبر ۴۲ پر اس خط کی سند کی صحت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (احمد شاکرؒ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الاستئذان، الادب۔ مسلم مغازی۔ ابوداؤد الادب۔ ترمذی الاستیذان)

دیکھیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے نام یہ خط لکھا اور اس میں یہ آیت مرقوم تھی۔ جب کہ آپ کو یقین تھا کہ اہل کتاب اسی خط کو چھوئیں گے۔ اگر مخالفین حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ وہ حدیث پیش کریں جس کو

۸۸ - [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از قتیبہ بن سعید۔ از لیث از نافع بیان کیا کہ] حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کرتے وقت دشمن کی سرزمین کی طرف قرآن لے جانے سے منع فرمایا۔ مبادا دشمن اس کو نقصان پہنچائے۔" (بخاری کتاب الجہاد، مسلم کتاب المغازی۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔ نسائی کتاب السیر و فضائل القرآن کبریٰ۔ ابن ماجہ کتاب الجہاد و مالک الموطأ)

بلاشبہ یہ حدیث حق اور واجب الاتباع ہے۔ مگر اس میں یہ نہیں فرمایا کہ جنبی اور کافر قرآن کریم کو مس نہ کریں۔ اس حدیث میں صرف یہ فرمایا ہے کہ دارالحرب کے رہنے والے قرآن کو نقصان نہ پہنچائیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ رسول کریمؐ نے تو ہرقل کی طرف صرف ایک آیت بھیجی تھی (نہ کہ پورا قرآن) تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ آپؐ نے دیگر آیات بھیجنے سے منع بھی نہیں کیا تھا۔ تم اہل قیاس ہو اگر تم ایک آیت پر باقی قرآن کو قیاس نہیں کرتے ہو تو اس آیت پر دوسری آیات کو قیاس مت کرو۔

اگر مخالفین آیت کریمہ

فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعہ: ۷۸-۷۹)

(جو کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے) اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں)

پیش کریں تو ہم ان سے کہیں گے کہ اس آیت سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ آیت امر نہیں خبر ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قرآن کو صرف وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاکیزہ خیالات رکھتے ہوں)۔ اس بات کا حکم نہیں دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سچی بات کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خبر کے لفظ کو امر کے معنی میں کسی نص جلی یا یقینی اجماع کے بغیر تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ جب ہم نے دیکھا کہ قرآن کو طاہر و غیر طاہر سب لوگ چھوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس سے قرآن نہیں بلکہ کوئی اور کتاب مراد ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ

۸۹ - [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عبدالبصیر از قاسم اصبغ از محمد بن عبدالسلام خشنی از محمد بن مثنی از عبدالرحمٰن بن مہدی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از سفیان ثوری از جامع بن ابی راشد بیان کیا کہ) سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "المطھرون" سے آسمانی فرشتے مراد ہیں۔

۹۰ - (ہم سے حمام بن احمد بن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از یحیٰی بن علاء از اعمش از ابراہیم نخعی بیان کیا کہ) علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سلمان فارسیؓ کے یہاں آئے۔ وہ پاخانہ سے نکل کر ہمارے پاس آئے۔ ہم نے کہا اے ابوعبداللہ! بہتر ہوتا کہ آپ وضو کر لیتے اور پھر فلاں سورہ ہمیں پڑھ کر سناتے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا آیت "لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی ذکر صرف ملائکہ ہی کرتے ہیں۔

۹۱ - (ہم سے محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عبدالبصیر از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبدالسلام خشنی از محمد بشار از محمد بن جعفر از شعبہ از منصور بن معتمر از ابراہیم نخعی بیان کیا کہ) علقمہ بن قیس جب اپنے پاس قرآن کا کوئی نسخہ لکھنا چاہتے تو ایک نصرانی کو کہتے کہ تحریر کر دے اور وہ آپ کو تحریر کر دیتا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جنبی قرآن کو گلے میں حمائل کرے۔ مگر کسی لٹکانے والی چیز کے بغیر نہ اٹھائے۔ احناف کے نزدیک بے وضو کا بھی یہی حکم ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں جنبی اور بے وضو شخص قرآن کریم کو کسی طرح بھی نہ اٹھائے۔ نہ گلے میں حمائل کرے اور نہ ہی تکیہ پر رکھے۔ اگر قرآن کریم کسی تھیلے یا صندوق میں ہو اور یہودی، عیسائی، جنبی اور بے وضو شخص اسے اُٹھائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں مذکورہ صدر الیسی جزئیات ہیں جن کی کتاب وسنت ــــ صحیحہ وسقیمہ ــــ اور اجماع وقیاس میں کوئی دلیل نہیں۔ کسی صحابی کے قول سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اگر تھیلہ قرآن اور اس کے حامل کے مابین حائل ہو سکتا ہے تو تختی اور کاغذ کی پشت کا بھی یہی حکم ہو گا اور وہ بھی چھونے والے اور قرآن

ؔ امام مالک موطا میں فرماتے ہیں "سب سے اچھی بات جو میں نے اس آیت کی تفسیر میں سنی ہے یہ ہے کہ ایک آیت سورہ عبس کی مندرجہ ذیل آیت کی مانند ہے۔

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۔ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۔ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (عبس: ۱۱-۱۶) (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درمیان حدِ فاصل بن سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ (علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی ابنِ حزم کی متابعت اپنے فتاویٰ میں کی ہے)

۱۱۷۔ اذان و اقامت بلا وضو جائز ہے

اذان و اقامت بے وضو اور حالتِ جنابت میں جائز ہیں۔ امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب نیز ابوسلیمان اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔ امام شافعی اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کر لے تو وہ اذان و اقامت کافی ہوگی۔ عطاء کہتے ہیں اذان صرف باوضو شخص کہے۔ امام مالک کے نزدیک اذان بلا وضو جائز ہے مگر اقامت نہیں۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اذان و اقامت کے مابین فرق و امتیاز کی کوئی دلیل نہ کتاب و سُنّت میں ہے نہ اجماع و قیاس میں اور نہ اقوالِ صحابہ میں۔ اگر معترض کہے کہ اقامت نماز سے متصل ہوتی ہے (لہٰذا وضو ضروری ہے) ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اقامت بعض اوقات نماز سے متصل نہیں ہوتی اور دونوں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے۔ مثلاً امام کسی کے ساتھ گفتگو شروع کر دے جس میں غسل اور وضو کیا جا سکے۔ بعض اوقات اذان اقامت اور نماز کے ساتھ متصل ہوتی ہے جیسا کہ مغرب کی نماز اور دیگر نمازوں میں۔ پھر دونوں میں کیا فرق ہوا؟

اور جب کسی نص سے ثابت نہیں ہوتا کہ اذان و اقامت کے لیے جنابت وغیرہ سے طہارت واجب ہے تو جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں ان کا قول درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ ایک نئی شریعت ایجاد کرنے والی بات ہے جو کتاب و سُنّت سے ثابت ہے نہ اجماع سے۔ اگر مخالف یہ حدیث پیش کرے کہ آپﷺ نے فرمایا "طہارت کے بغیر میں اللہ کے ذکر کو پسند نہیں کرتا" تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (دیکھو یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پس جو چاہے اسے یاد رکھے۔ قابلِ ادب ورقوں میں لکھا ہوا جو بلند مقام پر رکھے ہوئے اور پاک ہیں۔ ایسے لکھنے والے کے ہاتھوں میں جو سردار اور نیکو کار ہیں) (احمد شاکرؒ)

ﻪ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں کہ "مہاجر بن قنفذ (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ حدیث اس کی کراہت کی دلیل ہے ممانعت کی نہیں۔ مزید براں یہ حدیث تمھارے لیے مفید نہیں بلکہ بلکہ تمھارے خلاف حُجّت ہے۔ اس لیے کہ تم بلا وضو اذان، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی اجازت دیتے ہو۔ اور اسی کو محولہ صدر حدیث میں مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر تم اس کو مکروہ نہیں سمجھتے۔ لہٰذا یہ حدیث تمھارے خلاف عظیم حُجّت ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب امور بحالتِ طہارت ہمارے نزدیک افضل ہیں۔ مگر بلا طہارت مکروہ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ یہ کراہت منسوخ ہو چکی ہے جیسا کہ آگے چل کر ہم بتائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

۱۱۸۔ جُنبی کے لیے مُستحب ہے کہ کھاتے یا سوتے وقت وضو کرلے

جُنبی شخص جب کھانا کھانے یا سونے لگے یا سلام کا جواب دینا یا اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو مستحب یہ ہے کہ وضو کرلے۔ مگر یہ واجب نہیں ہے۔

اگر معترض کہے کہ حدیث نبوی "میں بلا طہارت ذکر الٰہی کو پسند نہیں کرتا" اور حضرت عمرؓ نے جب بارگاہِ نبوی میں ذکر کیا کہ رات کے وقت ان کو جنابت لاحق ہو جاتی ہے تو آپ نے فرمایا "استنجاء اور وضو کرکے سو جاؤ" اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ یہ حدیث کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حالتِ جنابت میں سونے یا کھانے کا ارادہ کرتے تو ایسا وضو کرتے جس طرح نماز کے لیے کیا جاتا ہے" (صحیح مسلم)

تو آپ ان احادیث سہ گانہ کی بنا پر اس حالت میں وضو کو واجب کیوں نہیں ٹھہراتے؟

ہم بتائید ربانی اس کا جواب یہ دیں گے کہ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے "کہ ذکرِ الٰہی بلا طہارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ پیشاب کے لیے بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے جواب نہ دیا۔ پھر وضو کیا اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا "میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ طہارت حاصل کیے بغیر اللہ کا ذکر کروں" (یعنی سلام کا جواب دوں) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (احمد شاکر)

ل اس حدیث کو بخاری، مسلم اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکروہ ہے۔" تو یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس کو

۹۲- [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از صدقہ از ولید بن مسلم از اوزاعی از عمیر بن ہانی از جنادہ بن ابی امیہ بیان کیا کہ] حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص رات کو سوکر اُٹھا اور پڑھا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَـهٗ لَـهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" یا کوئی اور دُعا کی تو مقبول ہوگی۔ اگر وضو کر کے نماز ادا کی تو اُس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (بخاری کتاب الصلاۃ۔ ابوداؤد کتاب الادب، ترمذی اور ابن ماجہ کتاب الدعوات)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اور وضو کرنے سے قبل ذکرِ الٰہی کو مباح کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ اور انعامات کو منسوخ نہیں ٹھہرایا جاتا اس لیے کہ ہم پر یہ احسانات ربانی ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا)

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہنوز باقی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۱)

(اللہ تعالیٰ اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے)

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی یہ عام ضمانت ہے جس کی وہ کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد: ۳۱) (اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"میری اُمت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔" یہ حدیث قبل ازیں مع سند گزر چکی ہے۔

بنا بریں ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ پوری اُمت ہرگز تبدیل نہ ہوگی۔ جب یہ بات صحیح ہے کہ پوری اُمت کبھی تبدیل نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کو بھی کبھی تبدیل نہ کرے گا۔ وباللہ التوفیق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا حکم دینے کا تعلّق ہے وہ بنا پر استحباب ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

۹۳- [ہم سے حمام از عمر بن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از سفیان ثوری از ابو اسحاق از اسود بن یزید بیان کیا کہ] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سو جاتے اور پانی کو ہاتھ تک نہ لگاتے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث کے الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حضور کا دائمی فعل تھا۔ اور حضورؐ کے سونے، جاگنے اور طاہر غیر طاہر ہونے کو حضرت عائشہؓ سے بہتر کون جانتا ہے؛

اگر معترض کہے کہ اس حدیث میں سُفیان سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اس لیے کہ زہیر بن معاویہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سُفیانؒ کو خطا کار قرار دینے والا خود خطا کار ہے۔ کیونکہ سُفیان زہیر سے بڑھ کر حافظِ حدیث ہے۔ وباللہ التوفیق۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛

قائلینِ قیاس کو لازم تھا کہ وہ یوں کہتے کہ نماز چونکہ ذکرِ الٰہی ہے اور بلا وضو جائز نہیں۔ تو اس پر قیاس کرتے

لہ یہ حدیث صحیح ہے اور مصنف کی بات درست ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو ابو اسحاق کی غلطی کی بنا پر معلّل قرار دیا ہے سفیان کی غلطی کی بنا پر نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "لا یمس ماءً" کہنا ٹھیک نہیں۔ بیہقی کہتے ہیں محدثین نے ان الفاظ پر اعتراض کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ اسود کے علاوہ دیگر راویوں سے منقول ہیں۔ نیز یہ کہ ابو اسحاق مدلّس راوی ہے اور یہ الفاظ اس کی تدلیسات میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابراہیم نخعی اور عبدالرحمٰن بن اسود نے اسود سے جو روایت کی ہے وہ ابو اسحاق سے مختلف ہے۔ پھر بیہقی نے دیگر روایات نقل کی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آپ کھانے اور سونے سے پہلے وضو کیا کرتے تھے۔ اور ان روایات کے درمیان کچھ تعارض نہیں۔ اس لیے کہ جُنبی کھانے اور سونے سے پہلے اگر وضو کرلے تو یہ مستحب ہے۔ اور بعض اوقات آپؐ نے اس پر عمل نہیں کیا تو وہ صرف بیانِ جواز کے لیے تھا (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے مُجملہ اذکار بلا وضو نا روا ہیں۔ مگر اس میں اُنھوں نے تعارض و تناقض سے کام لیا ہے۔ وہ اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے۔

۹۴- [کیونکہ ہم سے عبداللہ بن ربیع از عبداللہ بن محمد بن عثمان از احمد بن خالد از علی بن عبدالعزیز از حماد بن منہال از حماد بن سلمہ از ایوب از نافع بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ جب بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے، سلام کا جواب دیتے یا ذکر الٰہی کرتے تو باوضو ہو کر کرتے۔

اگر جنبی شخص بارِ دیگر مجامعت کرنا چاہے تو دونوں مجامعتوں کے درمیان وضو اُس پر فرض ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۹۵- [ہم نے از طریق حفص بن غیاث و ابن عیینہ از عاصم الاحول از ابوالمتوکل روایت کیا کہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت کر کے دوبارہ جماع کا ارادہ کرے تو دونوں کے درمیان وضو کر لے۔"

یہ حفص بن غیاث کے الفاظ ہیں۔ ابن عُیینہ کے الفاظ یہ ہیں کہ "جب عَود کرنا چاہے تو اس سے پہلے وضو کر لے۔"[1] ہمیں کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جو اُس کی مخصّص ہو یا جس سے معلوم ہو کہ یہ حکم صرف مُستحب کے درجہ میں ہے۔ البتہ یحییٰ بن ایوب کی روایت کردہ ایک ضعیف حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں وضو کرنا مستحب ہے۔ مگر حضرت عمرؓ بن الخطاب، عطا، عکرمہ، ابراہیم نخعی، حسن بصری اور ابن سیرین بھی وجوب وضو ہی کے قائل ہیں۔

۱۱۹- بلوغت کے بعد شرعی احکام فرض ہوتے ہیں

شرعی احکام مندرجہ ذیل شرائط کی موجودگی میں عائد ہوتے ہیں۔

---

[1] پہلے الفاظ صحیح مسلم میں مرقوم ہیں (ج ۱، ص ۹۸) اس میں یہ الفاظ ہیں۔ پھر عَود کرنے کا ارادہ کرے۔" اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ "یہ بات عَود کرنے کے لیے لذت بخش ہے۔" ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱ - احتلام

۲ - مُوئے زیرِ ناف یا بغل کے بالوں کا نمودار ہونا۔ یا مرد کو داڑھی مونچھ کا نکل آنا۔

۳ - منی کا خروج جس سے بچے کی ولادت ہوتی ہے۔

۴ - مرد و عورت کی عمر جب اُنّیس برس کی ہو جائے۔ اگرچہ احتلام نہ ہو۔

۵ - عورت کے لیے حیض کا آغاز

اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:۔

۹۶ - [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از احمد بن عمرو بن سرح از ابن وہب از جریر بن حازم از سلیمان اعمش از ابو ظبیان از ابن عباس بیان کیا کہ] حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (ان کے اعمال تحریر نہیں کیے جاتے)

۱ - وہ پاگل شخص جس کے ہوش و حواس بجا نہ ہوں۔

۲ - سویا ہوا آدمی جب تک بیدار نہ ہو جائے۔

۳ - بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔

(ابوداؤد و ترمذی کتاب الحدود و سنن نسائی کتاب الرجم فی الکبریٰ)

صَبِی (بچہ) کا لفظ عام ہے اور اس میں لڑکا ہو یا لڑکی دونوں شامل ہیں۔

۹۷ - [ہم سے حمام بن احمد از عباس بن اصبغ۔ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن روح از یزید بن ہارون از حماد بن سلمہ از عبدالملک بن عمیر بیان کیا کہ] عَطِیّہ القُرظی بیان کرتے ہیں کہ بنو قُریظہ کے ساتھ حضورؐ کو جو واقعہ پیش آیا اس روز جس کی داڑھی اُگی ہوتی اس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ میں اُن لوگوں میں تھا جن کی ہنوز داڑھی نہیں اُگی تھی۔ جب مجھے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے مجھے رہا کر دیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و طیالسی اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلوغت کے احکام میں تفریق درست نہیں چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کافر قیدیوں میں کسی کی ڈاڑھی اُگی ہو تو وہ مُباح الدم ہے۔ کیونکہ اس کو بالغ تصوّر کیا جائے گا۔ مگر دوسرے حالات

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسے بالغ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ غیر بالغ کو مباح الدم کیسے قرار دیا جائے گا، اور وہ بچوں کے زُمرہ سے کیسے خارج ہوگا جب کہ حضورؐ نے بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ یہ بات ممتنع اور محال ہے کہ ایک ہی شخص ایک حالت میں بالغ ہو اور دوسری حالت میں نابالغ۔

جہاں تک حالتِ بیداری میں منی کے خروج کا تعلّق ہے جس سے بچہ تولّد ہوتا ہے اور جس کی بنا پر مرد والد اور عورت والدہ قرار پاتی ہے تو بلا اختلاف یہ بلوغت ہے۔

انیس سال کی عمر میں بلوغت کا حصول ایک یقینی امر ہے جس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں بچّے، جوان اور ادھیڑ عمر کے لوگ موجود تھے۔ جو لوگ بچپن کی حدود سے نکل کر بالغ ہو گئے تھے حضورؐ نے اُن پر شرعی احکام عائد کر دیے۔ اور بچوں کو ان کا مکلّف نہ بنایا۔ تمام لوگ جو آپ کے آس پاس موجود تھے آپ نے اُن سے یہ نہیں پوچھا کہ تمھیں احتلام ہوتا ہے یا نہیں؛ موئے زیرِ ناف آ گئے ہیں یا نہیں؛ تمھیں انزال ہوتا ہے یا نہیں؛ عورتوں سے آپ نے دریافت نہ کیا کہ تمھیں حیض آتا ہے یا نہیں۔

یہ ایسی یقینی بات ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا یہ حقیقت کُھل کر سامنے آگئی کہ عمر کا ایک خاص مرحلہ ہے جب آدمی یا عورت اس تک پہنچ جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ اُن لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن کو انزال ہوتا ہے یا جو موئے زیرِ ناف رکھتے ہیں یا اُن عورتوں کے زُمرہ میں شامل ہے جو حائضہ ہوتی ہیں۔ البتہ کسی عارضہ کی وجہ سے مرد و عورت میں ان علامات کا ظہور نہ ہو تو دوسری بات ہے جیسے بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کو ڈاڑھی نہیں آتی۔ اور اگر یہ عارضہ نہ ہوتا تو وہ بلاشُبہ باریش ہوتے۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو ادنیٰ تأمل سے معلوم ہو سکتی ہیں اور تمام کائنات پر یہ فطرتِ الٰہی جاری ہے۔ اس میں شُبہ نہیں کہ جو کوئی اُنیس سال پورے کر کے بیسویں سال میں داخل ہو جائے وہ بچپن کے مرحلہ سے گزر کر مَردوں کے زُمرہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اہلِ مذاہب اور مختلف دیار و بلاد کے رہنے والوں میں سے دو مرد بھی اس سے اختلاف نہیں رکھتے۔ اگر کسی عارضہ کی وجہ سے اسے انزال یا احتلام نہ ہوتا ہو، یا اس کے بال نہ اُگے ہوں اور اسے حیض نہ آیا ہو تاہم اسے بالغوں میں شمار کیا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۸ - [حیض کے متعلق ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابوسعید بن الاعرابی از محمد بن جارود قطان از عفان بن مسلم از حماد بن زید از قتادہ از محمد بن سیرین از صفیہ بنت حارث بیان کیا کہ] ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ حائضہ (بالغہ) کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں کرتا۔" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ حائضہ پر شرعی احکام عائد ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس کی نماز اوڑھنی کے ساتھ مقبول ہے ورنہ نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنی عمر کے پندرہ سال پورے کر کے بچّہ بالغ ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ غزوۂ اُحد (۳ھ) کے موقع پر عبداللہ بن عمر کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان کی عمر اس وقت چودہ سال تھی۔ تو آپ نے (جہاد میں شرکت کرنے کے لیے) اُن کو قبول نہ کیا۔ غزوۂ خندق (۵ھ) کے موقع پر عبداللہ بن عمر اور رافع بن خدیج کو پیش کیا گیا جب کہ اُن کی عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے اُن کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دو وجوہات کی بنا پر مذکورہ صدر حدیث مخالفین کے لیے حجّت نہیں۔

ؔ اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خُزیمہ، ابن حِبّان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں اس حدیث کو سعید بن ابی عَروبہ نے قتادہ سے انھوں نے حَسن سے اور انھوں نے نبی کریمؐ سے روایت کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ مگر بخاری و مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ قتادہ سے روایت کرنے والوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔" امام ابنِ حزم نے اس حدیث کی سند میں حماد بن زید از قتادہ کہہ کر غلطی کی ہے۔ صحیح حمّاد بن سلمہ ہے جیسا کہ سنن ترمذی، ابن ماجہ اور علل دارقطنی میں صراحۃً مذکور ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر جو صحیح کہا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ مسلم نے حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے نہیں۔ البتہ حماد بن زید سے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کی ہے۔ اگر اس حدیث کی سند میں راوی کا نام حماد بن زید ہوتا تو حاکم کی اصطلاح کے مطابق یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں کی شرط کے مطابق صحیح ہوتی (نہ کہ صرف مسلم کی شرط کے مطابق)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وجہِ اوّل: پہلی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے ان کو جنگ میں شمولیت کی اجازت اس لیے دی ہے کہ وہ پندرہ برس کے ہو چکے تھے۔ جب معاملہ یوں ہے تو پھر اس بات کو حضورؐ کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے جو آپؐ نے خود نہیں فرمائی۔ غزوۂ خندق میں اجازت دینے کا ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس موقع پر مدینے کا محاصرہ کیا گیا تھا اور پتھر وغیرہ پھینکنے کے سلسلہ میں بچوں سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ غزوۂ اُحد میں اجازت نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ اُس روز جنگ کے لیے صحابہ مدینہ سے باہر گئے تھے۔ اس لیے اس جنگ میں طاقتور اور ہوشیار آدمی ہی شرکت کر سکتے تھے۔

لہ کتب سِیَر و تراجم صحابہ میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو غزوۂ اُحد میں واپس کر دیا تھا اور غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت دے دی۔ رافع بن خدیجؓ کو غزوۂ بدر میں واپس کر دیا تھا مگر غزوۂ اُحد میں شرکت کی اجازت دی (الاصابۃ ج ۲ ص ۱۸۶) و دیگر کتب۔ ابن ہشام سیرت صفحہ ۵۶۰ میں رقمطراز ہیں:۔

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُمرہؓ بن جُندبُ الفزاری اور بنی حارثہ کے رافعؓ بن خدیج کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی تھی۔ اس وقت اُن کی عمر پندرہ برس تھی۔ آپؐ نے پہلے اُن کو واپس کر دیا تھا۔ جب آپؐ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! رافع تیر انداز ہے تو آپؐ نے اجازت دے دی۔ پھر آپؐ سے کہا گیا کہ سُمرہ کُشتی میں رافع کو پچھاڑ لیتا ہے تو آپؐ نے سَمُرہ کو بھی اجازت دے دی۔"

تاریخ طبری میں ہے کہ آپؐ نے رافعؓ اور سمرہؓ کو کُشتی لڑنے کا حکم دیا۔ جب سمرہ نے رافع کو گرا لیا تو آپؐ نے سمرہ کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی۔ طبری میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضورؐ نے رافعؓ کو صغیر السن سمجھا۔ رافع اپنے موزوں کے بل اکڑ کر کھڑے ہو گئے (تاکہ اُونچے نظر آئیں) موزوں پر چمڑے کے جوڑ لگے ہوئے تھے۔ جب آپؐ نے انھیں دیکھا تو شرکت کی اجازت دے دی (تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۲-۱۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے رافع اور سمرہ کو جو اجازت دی اس کی وجہ عمر اور بلوغت نہ تھی بلکہ طاقت اور خطرات میں کُود پڑنے کی جُراَت و جلادت تھی۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہِ ثانی:۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ بہ یک وقت دونوں کی عمر پندرہ سال پوری ہوگئی تھی۔ جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ نیز اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ جس کی عمر سولہ سال پوری ہونے میں ایک دو ماہ باقی ہوں اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ پندرہ برس کا ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال باطل ٹھہرا۔ وباللہ التوفیق۔

۱۲۰۔ ازالۂ نجاست فرض ہے

نجاست اور ہر وہ چیز جس کے ازالہ کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو زائل کرنا فرض ہے۔

یہ مسئلہ نہایت کثیر الانواع ہے۔ مگر ان میں ایک قدرِ مُشترک پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جس چیز سے اجتناب کا حکم دیا ہو، یا کسی نصّ سے اس کی حُرمت ثابت ہوتی ہو، یا آپ نے کسی چیز کو دھونے یا پُونچھنے کا حکم دیا ہو، یہ جُملہ امور فرائض میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ان کی خلاف ورزی کرنے والا گنہگار ہے۔ اس لیے کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت فرض ہے[۱]۔ وباللہ التوفیق۔

---

[۱] یہ مسئلہ بحث و تحقیق کا محتاج ہے کہ اگر جسم یا کپڑے پر نجاستِ حقیقی لگی ہو تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟ جہاں تک آیات و احادیث کا تعلّق ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کو پاک کرنا واجب ہے۔ مگر امام مالک اس کو سُنّت قرار دیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ آیا نجاست کا ازالہ نماز کی صحت کے لیے شرط ہے؟ ظاہر ہے کہ فرض و واجب اور شرط کا فرق واضح ہے۔ امام ابن حزم کا قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط ہے۔ دیگر مذاہب معروفہ کا زاویۂ نگاہ بھی یہی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ شرط ہونے کی دلیل کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ سب احادیث میں امر کا لفظ ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

جہاں تک شرط ہونے کا تعلّق ہے اس کا اثبات دلیل سے ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ اگر بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ مگر تلاشِ بسیار کے باوجود یہ چیز مجھے نہیں ملی۔ بخلاف ازیں ہمیں بکثرت دلائل ایسے ملے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نجاست کی موجودگی میں بھی نماز ہو جاتی ہے تحقیق مزید کے لیے دیکھیے۔ (التحقیق لابن الجوزی مسئلہ نمبر ۱۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۲۱۔ موزے اور جوتے کو پاک کرنا

اگر موزے اور جوتے پر خون، شراب، پاخانہ یا پیشاب یا کوئی اور نجاست لگی ہو تو ان کو زمین پر رگڑ کر پاک کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ نجاست کا نشان باقی نہ رہے۔ پھر ان میں نماز ادا کرے۔ اگر پہلے نجاست کی جگہ پر مٹی مَلے اور پھر اس کو دھولے تو یہ بھی کافی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ خُون، شراب، پاخانہ اور بول حرام ہے اور حرام سے اِجتناب فرض ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۹۹۔ [ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از محمد بن اسماعیل صائغ از سلیمان بن حرب واشحی از حماد بن سلمہ از ابونعامہ از ابونضرہ بیان کیا کہ] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے۔ آپؐ نے اپنے جوتے اُتار کر بائیں جانب رکھ دیے۔ لوگوں نے بھی اپنے جوتے اُتار دیے۔ جب سلام پھیرا تو دریافت کیا کہ تم نے جُوتے کیوں اتارے۔ انھوں نے کہا ہم نے آپ کو جُوتے اُتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اپنے جُوتے اُتار دیے۔ فرمایا جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور بتایا کہ میرے جُوتوں میں غلاظت ہے۔ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے تو اپنے جُوتوں کو دیکھے۔ اگر ان کو پلیدی لگی ہو تو زمین پر رگڑ لے اور ان میں نماز پڑھے۔[1]

---

[1] اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے اپنے مسند میں حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے۔ دارمی اس کو حجاج بن منہال و ابوالنعمان از حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔ حاکم نے المستدرک میں اس کو بطریق یزید بن ہارون از حماد بن سلمہ نقل کیا ہے۔ بیہقی نے بھی اس کو حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابوداؤد سجستانی نے سنن میں از موسیٰ بن اسماعیل منقری تبوذکی از حماد بن زید از ابونعامہ روایت کیا ہے۔ اور یہ میری رائے میں سہو ہے کیونکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ بالاتفاق حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور کتب رجال میں ابونعامہ سے روایت کرنے والوں میں حماد بن سلمہ ہی کا ذکر ہے ابن زید کا نہیں اور اسی طرح ابن زید کے تلامذہ میں موسیٰ بن اسماعیل کا ذکر نہیں بلکہ حماد بن سلمہ کے شاگردوں میں ان کا شمار ہے۔ غالباً ابوداؤد کے نسخوں میں یہ غلطی رواۃ کی طرف سے ہوئی ہے یا خود ابوداؤد ہی سے سہو ہو گیا ہے اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابونعامہ کا نام عبد ربّہ سعدی ہے۔ ابونضرہ کا نام مُنذر بن مالک عبدی ہے۔ یہ دونوں ثقہ ہیں۔

۱۰۰۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم انا ابن اعرابی انا ابوداؤد انا احمد بن ابراہیم از محمد کثیر از اوزاعی از محمد بن عجلان از سعید بن ابی سعید مقبری از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص موزوں کے ساتھ گندگی کو لتاڑے تو وہ مٹّی پر رگڑنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ۔ ابن حبان وحاکم)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اس روایت کو عُروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص کے جُوتے لید سے آلودہ ہو جائیں تو وہ کیا کرے؟ کہنے لگے ان کو زمین پر رگڑ لے اور اُن میں نماز نہ پڑھے اور حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے جُوتوں کو زور سے زمین پر رگڑ لیا کرتے اور ان میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام اوزاعی، ابوثور، ابوسلیمان اور ہمارے اصحاب کا قول بھی یہی ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں پانی سے دھونے کو بھی "مسح" (رگڑنا) کہتے ہیں۔ عربی میں بولتے ہیں "مسحتُ الشَّیئَ بِالمَاءِ وَبِالدُّھنِ (میں نے فلاں چیز کو پانی اور تیل سے دھویا) گویا ہر دھونے کو مسح (رگڑنا) کہہ سکتے ہیں مگر ہر رگڑنے کو دھونا نہیں کہا جا سکتا۔ وہ حدیث جس کو ہم نے (بطریق ابوداؤد انا احمد بن ابراہیم از محمد بن کثیر انا اوزاعی انا ابن عجلان از سعید بن ابی سعید مقبری۔ از پدرِ خود) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نجاست کو اپنے موزے یا جوتے کے ساتھ لتاڑے تو اس پر مٹّی مل لے"۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اضافہ پایا جاتا ہے جو حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت میں موجود نہیں۔ مزید براں یہ اضافہ الفاظ میں بھی ہے اور حکم میں بھی ہے۔ پس واجب ٹھہرا کہ جس حدیث میں کمی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حاکم نے اس حدیث کو شرطِ مسلم پر قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس سے موافقت کی ہے۔ حماد بن سلمہ مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔ بخاری نے ان سے روایت نہیں کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں اس اضافہ کو شامل کیا جائے۔ اس طرح تمام احادیث و آثار پر عمل ہو جائے گا۔ لہٰذا جو شخص ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث پر عمل پیرا ہو گا وہ ابوسعید خدری کی روایت کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ جو شخص ابوسعید خُدری کی روایت پر عمل کرے گا وہ حضرت ابوہرُیرہ کی روایت کے خلاف کرے گا۔

امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نجاست کا ازالہ صرف پانی سے ممکن ہے۔ البتہ دُبر کے اندر جو پاخانہ ہو اور آلۂ تناسل کے سوراخ میں بول کا جو قطرہ ہو پانی کے بغیر بھی اس کی طہارت ممکن ہے۔ یہاں دونوں اماموں نے بکثرت نصوص کو ترک کر دیا ہے جیسا کہ ہم نے اس جگہ اور دوسرے مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اُنھوں نے باقی نجاسات کو دُبر کے اندر پاخانہ اور ذکر کے سوراخ میں جو بول ہو اس پر قیاس نہیں کیا، حالانکہ یہ دونوں اصل نجاست ہیں۔ (تو جب امام مالک و شافعی کے نزدیک یہ دو نجاستیں پانی کے بغیر پاک ہو سکتی ہیں تو دیگر نجاسات میں یہ امکان کیوں موجود نہیں)

ابن حزم کہتے ہیں دونوں اماموں کا یہ موقف مذکورہ بالا نصوص اور قیاس کے خلاف ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جب موزے یا جوتے کو گھوڑے، گدھے یا کسی اور جانور کی لید لگ جائے تو اگر وہ بغلی درہم[1] سے زیادہ ہو تو نماز اس میں جائز نہیں۔ اسی طرح اگر جوتے یا موزے کو انسان کا پاخانہ یا خون یا منی لگ جائے۔ اگر بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہو تو نماز جائز ہے۔ اگر یہ تمام نجاسات خشک ہوں تو ان کو کھرچ کر نماز ادا کرلے۔ اور اگر گیلی ہوں تو دھوئے بغیر نماز درست نہیں۔ اگر موزے کو کسی انسان یا گدھے یا ان جانوروں کا پیشاب لگ جائے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اگر درہم سے زیادہ ہو تو اس کی موجودگی میں نماز درست نہیں۔ ان نجاستوں کو کھرچنا کافی نہیں بلکہ دھونا لازم ہے خواہ خشک ہوں یا تر۔ اور اگر بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہوں تو اس کو رگڑ لے اور دھوئے بغیر نماز درست ہے۔

---

[1] بغلی درہم۔ پرانے زمانے میں جو سکے رائج تھے ان میں سے ایک ہے۔ یہ ایک بادشاہ رأس البغل کی طرف منسوب ہے غالباً اسی نے اسے ڈھلوایا تھا جس کا وزن موجودہ نظام میں 3.776 گرام ہوتا ہے۔ یعنی تقریباً پونے چار سو گرام۔ واللہ اعلم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مزید فرماتے ہیں کہ گھوڑے کے پیشاب کے ساتھ نماز جائز ہے بشرطیکہ بہت زیادہ مقدار میں نہ ہو۔ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے اُن کے پیشاب کا بھی یہی حکم ہے۔ مگر بہت زیادہ مقدار کی اُنھوں نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اگر موزے یا جوتے پر ماکول اللحم یا غیر ماکول اللحم پرندے کی بیٹ لگ جائے اور وہ مقدار میں ایک درہم سے زیادہ ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ حد سے زیادہ مقدار میں نہ ہو۔ اور اگر ان پرندوں کی بیٹ جسمِ انسانی کو لگ جائے تو اُس کو پانی کے ساتھ دھونا ضروری ہے۔ اور اگر کپڑے کو لگے تو اُسے پانی اور دیگر تمام مائعات کے ساتھ دھویا جا سکتا ہے۔ یہ ایسے اقوال ہیں کہ اُن کو سُن کر اللہ کا شکر بجالانا چاہیے کہ اُس نے اُن سے محفوظ رکھا۔ و باللہ التوفیق۔

یہ امر موجبِ حیرت و استعجاب ہے کہ احناف نے اس ضمن میں نصوصِ واردہ کی جانب بالکل توجہ مبذول نہیں کی۔ نہ ہی ان مسائل کو نصوص پر قیاس کرنے کی زحمت گوارا کی۔ علاوہ ازیں انھوں نے ایک قسم کی جسمانی نجاست کو دوسری قسم کی جسمانی نجاست پر بھی قیاس نہیں کیا۔ یعنی پاخانہ جو دُبر میں ہو یا بول جو ذکر کے سوراخ میں اٹکا ہوا ہو۔

اسی طرح احناف نے کپڑے پر لگی ہوئی نجاست کو جسم پر لگی ہوئی نجاست پر بھی قیاس نہیں کیا۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس ضمن میں اُنھوں نے علمائے سلف میں سے کسی کا قول پیش نہیں کیا۔ ہم اُن سے پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ نجاستوں میں سے بعض غلیظ ہوتی ہیں اور بعض خفیف؟ آیا یہ بات کتاب و سنت سے ثابت ہے یا قیاس سے؟ اس طُرفے پر طُرّہ یہ کہ جس نجاست کے ازالہ میں سخت احکام وارد ہوئے ہیں وہاں تم نرمی سے کام لیتے ہو۔ مثلاً وہ برتن جس میں کُتّا مُنہ ڈالے یا پاخانہ جس میں صرف استنجاء کیا جاتا ہے۔

۱۲۲۔ قُبل و دُبر کی طہارت

آدمی اور عورت کی شرمگاہ کو بول و براز اور خُون سے پانی یا تین ڈھیلوں کے ساتھ پاک کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ نجاست کا نشان باقی نہ رہے۔ اگر تین ڈھیلے کافی نہ ہوں تو مزید ڈھیلے استعمال کرنا چاہیے بشرطیکہ طاق ہوں حتّٰی کہ طہارت حاصل ہو۔ تین سے کم نہ ہوں اور ان میں سے کوئی پاخانہ کے ساتھ ملوّث بھی نہ ہو۔ یا مٹّی اور ریت کے ساتھ گنتی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے بغیر نجاست کو دُور کرے۔ حتیٰ کہ نشان باقی نہ رہے۔ دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجاء روا نہیں اور نہ ہی قبلہ رُخ ہونے کی حالت میں۔ اگر ڈھیلوں کا استعمال آلۂ تناسل سے شروع کرے تو دُبر کی طہارت کے لیے یہی ڈھیلے کافی ہیں اور اگر دُبر سے ڈھیلوں کا استعمال شروع کرے تو مخرج البول کے لیے یہ ڈھیلے کافی نہ ہوں گے سوا اُن ڈھیلوں کے جن پر نجاست نہ لگی ہو وہ پیشاب گاہ کے لیے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

۱۰۱۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنیٰ از عبدالرحمان بن مہدی از سفیان ثوری از اعمش و منصور بن المعتمر از ابراہیم نخعی از عبدالرحمان بن یزید بیان کیا کہ] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مشرکین نے کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تمھارا نبی تمھیں ہر چیز سکھاتا ہے حتیٰ کہ تمھیں قضائے حاجت کے آداب بھی سکھاتا ہے۔ سلمانؓ نے کہا یہ درست ہے۔ آپ ہمیں دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجاء کرنے، اس حالت میں قبلہ رُخ ہونے اور طہارت کے لیے لید اور ہڈیوں کو استعمال کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ استنجاء کرتے وقت تین ڈھیلوں سے کم نہ استعمال کیے جائیں۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۱۰۲۔ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از محمد بن وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع بن جراح از اعمش از ابراہیم نخعی از عبدالرحمٰن بن یزید بیان کیا کہ] حضرت سلمانؓ فارسی بیان کرتے ہیں کہ بعض مشرکین نے کہا تمھارا نبی تمھیں ہر چیز سکھاتا ہے حتیٰ کہ پاخانہ کے آداب تک بیان کرتا ہے۔ کہنے لگے ہاں! اُنھوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قضائے حاجت کے وقت قبلہ رُخ نہ ہوں، دائیں ہاتھ سے ڈھیلے استعمال نہ کریں اور کم از کم تین ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کریں جن میں لید اور ہڈی نہ ہو۔ (حوالہ گزر چکا)

۱۰۳۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از اسحاق بن راہویہ از ابو معاویہ از اعمش از ابراہیم نخعی از عبدالرحمان بن یزید بیان کیا کہ] حضرت سلمانؓ فارسی روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا کہ ہم بول و براز کے وقت قبلہ رُخ ہوں، یا یہ کہ ہم دائیں ہاتھ کے ساتھ ڈھیلے استعمال کریں اور یہ کہ ہم تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفا کریں۔ (حوالہ گزر چکا)

۱۰۴۔ [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از احمد بن سعید از عبیداللہ بن یحییٰ بن یحییٰ از پدرِ خود از مالک از ابنِ شہاب از

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوادریس خولانی بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ڈھیلے استعمال کرو تو طاق استعمال کرو۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

۱۰۵۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از محمد بن بشار از محمد بن جعفر از شعبہ از عطاء بن ابومیمونہ بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا لوٹا اور نیزہ اُٹھائے رکھتے۔ آپ پانی کے ساتھ استنجاء فرماتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

۱۰۶۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قتیبہ بن سعید از اسماعیل بن جعفر از علاء بن عبدالرحمٰن از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے تمام رُوئے زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا ہے۔ (مسلم کتاب الصلاۃ، ترمذی کتاب السیر، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ) یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ بھی استنجاء کرے کافی ہے۔ کوئی خاص تعداد معیّن نہیں۔ بشرطیکہ طہارت حاصل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اس لیے کہ آپ نے تین سے کم ڈھیلوں پر اکتفا کرنے سے منع فرمایا اور آپ نے طاق ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس ضمن میں اُن کے پاس حضرت عمرؓ سے منقول اس اثر کے سوا کوئی دلیل موجود نہیں۔ وہ اثر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہڈی یا پتّھر تھا جس کے ساتھ آپ استنجاء کیا کرتے تھے۔ پھر وضو کرتے اور نماز پڑھتے۔ حالانکہ یہ اثر دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں شک پایا جاتا تھا کہ وہ پتّھر تھا یا ہڈی۔

پھر اس پر طُرّہ یہ کہ احناف نے مسح علی العمامہ اور دیگر مسائل میں حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا ہے اور اگر اس اثر کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول دین میں حجّت نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب کہ حضرت سلمانؓ فارسی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُن سے اختلاف کیا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بتایا کہ استنجاء کا صحیح حکم وہی ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سکھایا کہ تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفا نہ کیا جائے۔

اگر معترض کہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بول و براز دونوں کے لیے بہ یک وقت تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جُداگانہ طور پر ان دونوں کے حصّہ میں تین سے کم ڈھیلے آئے ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم تین ڈھیلوں سے کم استعمال نہ کریں۔ بول کرتے وقت جو طہارت حاصل کی جاتی ہے اس کو استنجاء نہیں کہتے۔ یہ حدیث استنجاء اور پاخانہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ تین سے کم ڈھیلوں پر اکتفا درست نہیں۔ البتہ یہ نص اس ضمن میں مجمل ہے کہ آیا صرف بول اور صرف پاخانہ میں تین ڈھیلوں سے کم کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ ہماری بات صحیح ثابت ہوئی۔

بول کی حالت میں دائیں ہاتھ کا استعمال جائز ہے۔ اسی طرح بول قبلہ رُخ ہو کر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ بول کے بارے میں اس سے نہی وارد نہیں ہوئی صرف استنجاء کے ضمن میں ہوئی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں ایک پتھر استنجاء کے لیے کافی ہے۔ اس کو تین مرتبہ استعمال کیا جائے وہ کہتے ہیں کہ ہڈی، لید، کوئلہ، انتڑیاں اور غیر مدبوغ چمڑا (جو رنگا نہ گیا ہو) کو چھوڑ کر باقی سب چیزوں کے ساتھ استنجاء جائز ہے۔ مگر امام شافعی کا یہ قول حدیث نبوی کے خلاف ہے۔ کیوں کہ آپ نے تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اگر شافعیہ یہ کہیں کہ ہم باقی چیزوں کو پتھر پر قیاس کر کے ان کے ساتھ استنجاء کی اجازت دیتے ہیں تو ہم اُن سے کہیں گے کہ تیمم میں جو مٹی استعمال کی جاتی ہے تم باقی اشیاء کو اس پر کیوں نہیں قیاس کرتے؟ آخر مٹی میں اور باقی چیزوں میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟

اگر شافعیہ دلیل میں وہ حدیث پیش کریں جس کو زہری کے بھتیجے نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو تین دفعہ ڈھیلے سے استنجا کرے۔" تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام زُہری کا بھتیجا ضعیف راوی ہے۔ مزید براں اس سے محمد بن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یحییٰ کنانی نے یہ حدیث روایت کی ہے اور وہ مجہول ہے۔ بشرطِ صحت یہ حدیث اس لیے حجّت نہیں بن سکتی کہ اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ ایک ہی پتّھر سے شرمگاہ کو تین مرتبہ پونچھا جائے گا۔ لہٰذا یہ اضافہ اپنی طرف سے نہیں کیا جا سکتا۔

جو شخص یہ بات کہتا ہے کہ حدیث من استجمر فلیوتر (جو شخص ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق کرے) تین ڈھیلوں والی حدیث کی مُعارض ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ بات غلط ہے۔ بخلاف ازیں دونوں احادیث بجائے خود صحیح ہیں۔ وہ تین ڈھیلے کافی ہیں جن میں لید وغیرہ نہ ہو۔ اس سے کم جائز نہیں ہیں۔ اور مٹی طاق ہی کافی ہے۔ جن چیزوں کو مٹّی نہیں کہا جاتا وہ کافی نہیں ہے بلکہ وہاں طہارت کا حصول پانی سے ہو گا۔

اگر پتّھر نجاست سے آلودہ ہو مگر وہ لید نہ ہو تو کافی ہے۔ اس لیے کہ اس سے نہی وارد نہیں ہوئی۔[1]
سعید بن المسیّب، حسن بصری اور بعض اہلِ علم کے نزدیک تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء جائز نہیں[2]۔
اگر کوئی شخص حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ مرفوع حدیث پیش کرے جس کو ہم نے بطریق حصین حبرانی از ابی سعید یا ابوسعد بیان کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ

"جو شخص استنجاء کرنا چاہے وہ طاق ڈھیلے استعمال کرے۔ اگر ایسا کرے تو اچھا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں"

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ابن الحُصَین اور ابوسعید یا ابوسعد دونوں مجہول راوی ہیں[3]۔

---

[1] مصنف یہاں عجیب تضاد کا شکار ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ جو چیز مٹّی کی جنس سے نہ ہو تو اگرچہ وہ پاک بھی ہو تاہم اس کے ساتھ استنجاء درست نہیں۔ دوسری جانب فرماتے ہیں کہ اگر پتھر نجاست سے آلودہ ہو تاہم اس کے ساتھ استنجاء جائز ہے۔ شارع کا مقصد صرف طہارت و نظافت کا حصول ہے نہ کہ نجاست اور گندگی (تو جو پتھر خود نجاست سے آلودہ ہے وہ جسم کو کیسے پاک کرے گا)

[2] اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنے سنن میں بسندِ خود حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ ابنِ ماجہ بھی اس کو حضرت ابوہریرہؓ سے بسندِ خود روایت کرتے ہیں۔ ابوسعید یا ابوسعد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض (باقی بر صفحہ آیندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر مخالفین حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا "میرے لیے پتھر لاؤ۔ میں دو پتھر اور ایک لید کا ڈھیلا لے آیا۔ آپ نے دونوں پتھر لے لیے اور لید کو پھینک دیا اور فرمایا یہ پلید ہے"؟ یہ حدیث مخالفین کی دلیل اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس میں یہ الفاظ نہیں کہ آپ نے دو پتھروں کو کافی تصور کیا۔ آپ کا یہ حکم صحیح تھا کہ پتّھر (بصیغہ جمع) لاؤ۔ لہٰذا حکم کو اس کے اصل پر باقی رکھنا لازم ہے۔ مزید براں اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ابواسحاق نے اس میں تدلیس سے کام لیا ہے۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق ابواسحاق از علقمہ روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "میرے لیے تیسرا ڈھیلا تلاش کر کے لاؤ[1]"

اگر کہا جائے کہ آپ نے ہڈی اور لید کے ساتھ استنجاء کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ وہ ہمارے برادر جنوں کی خوراک ہے۔ ہم کہیں گے پھر کیا ہوا؟ اس کے برعکس اس سے تو یہ بات ثابت ہوئی کہ جو شخص لید اور ہڈی کے ساتھ استنجا کرتا ہے وہ دُہرا گنہگار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس نے حدیث نبوی کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے یہ کہ اُس نے ان لوگوں کے کھانے کو آلودہ کیا جس سے اس کو منع کیا گیا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دونوں کو ایک ہی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس کا راوی ابوسعید الحُبرانی الحمیری ہے اور وہ مجہول راوی ہے جیسا کہ محدث ابُوزرعہ فرماتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ "التہذیب" میں لکھتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ دو شخصیتیں ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابوسعد الخیر صحابی ہیں۔ ابوحاتم، ابن حبّان، بَغوی، ابن قانع اور محدثین کی ایک جماعت امام بخاری کی ہمنوا ہے۔ البتہ ابوسعید الحُبرانی حتمی طور پر تابعی ہیں صحابی نہیں۔ بعض راویوں نے اپنی روایت میں ان کا نام "ابوسعد الخیر" لیا ہے جو وہم پر مبنی ہے یا اس لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس حاشیہ سے بھی ابن حزم کی تائید ہوتی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں)

[1] علقمہ کی اس حدیث کو امام احمدؒ نے مُسند میں بطریق مَعمر از ابواسحاق از علقمہ از ابن مسعودؓ روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے لید کو پھینک دیا اور فرمایا یہ پلید ہے۔ میرے لیے ایک پتّھر اور لاؤ"۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ دیکھیے ہماری شرح بر تحقیق لابن الجوزی مسئلہ نمبر ۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہے کہ معصیت اطاعت کا بدل نہیں بن سکتی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہڈی کے ساتھ استنجا درست نہیں نیز یہ کہ اس مقصد کے لیے دائیں ہاتھ کو استعمال نہیں کیا جا سکتا ان میں سے امام شافعی، ابوسلیمان اور دیگر اہلِ علم ہیں۔

۱۲۳۔ پیشاب کی نجاست کا ازالہ کیسے کیا جائے؟

آدمی کے بول کی تطہیر ——— آدمی کوئی بھی ہو اور بول کہیں بھی ہو ——— کا طریقہ یہ ہے کہ اس پہ پانی چھڑکا جائے یہاں تک کہ پیشاب کا نشان زائل ہو جائے۔ مادہ (عورت یا لڑکی) کا بول دھویا جائے۔ اگر پیشاب زمین پر ہو ——— بول کسی کا بھی ہو ——— تو اُس پر پانی بہایا جائے یہاں تک کہ پیشاب کا نشان زائل ہو جائے۔

۱۰۷۔ [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از احمد بن فضل دینوری از محمد بن جریر از عمرو بن علی از عبدالرحمٰن بن مہدی از یحییٰ بن ولید از محل بن خلیفہ طائی بیان کیا کہ] حضرت ابوالسمحؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپ کے پاس حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو لایا گیا تو انھوں نے آپ کے سینہ پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوا کر اس پہ چھڑکا اور فرمایا کہ اسی طرح کیا جاتا ہے۔ بچے کے بول پر پانی چھڑکا جاتا ہے اور بچی کے بول کو دھویا جاتا ہے[1] (ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)

---

[1] اس حدیث کو ابوداؤد نے بدیں الفاظ روایت کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو لایا گیا تو اس نے آپ کے سینہ پر پیشاب کر دیا۔ میں اس کو دھونے لگا تو آپ نے فرمایا "لڑکی کے بول کو دھویا جائے اور لڑکے کے بول پر پانی چھڑک دیا جائے۔" اس کو حاکم نے المستدرک میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے "انھوں نے پیشاب کو دھونے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اس پر پانی چھڑک دو۔ لڑکی کے بول کو دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے بول پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔" حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ محدث ذہبی بھی حاکم کے ہمنوا ہیں۔ اس حدیث کو البزار، نسائی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بخاری کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ ابوالسمح حضورؐ کے آزاد کردہ غلام اور آپ کے خادم تھے۔ محدث ابوزرعہ فرماتے ہیں "مجھے اس کا نام معلوم نہیں اور مجھے نہیں معلوم کہ اس کے علاوہ بھی اس نے کوئی حدیث روایت کی ہے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۰۸۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بیان کیا کہ] اُمّ قیس بنت محصن بیان کرتی ہیں کہ وہ حضور کی خدمت میں اپنا ایک چھوٹا بیٹا لائیں جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اُس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا اور اُسے دھویا نہیں۔ (صحیح بخاری)

۱۰۹۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از موسٰی بن اسماعیل از ہمام بن یحیٰی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدّو کو دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کر رہا تھا۔ آپ نے پانی منگوا کر اس جگہ پر بہا دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچّے کے کھانا کھانے کی حد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ نہیں ہے[1]۔ جن لوگوں نے لڑکے اور لڑکی کے بول میں تفریق کی ہے۔ ان میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علیؓ جیسے اکابر کے اسماء شامل ہیں۔ صحابہ میں کسی نے اُن سے اختلاف نہیں کیا۔ قتادہ اور زہری کا قول بھی یہی ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ یہ ایک طے شدہ سنّت ہے۔ اہل علم میں سے عطاء

---

[1] البتہ اہلِ علم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ و اشارات سے یہ بات اخذ کی ہے۔ ابوالسمح کی روایت میں "الغلام" کا لفظ ہے اور مصنف کی ذکر کردہ روایت میں "الذکر" (نرینہ اولاد) ہے۔ مگر یہ روایت احمد بن فضیل کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام احمد اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دودھ پینے بچّے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ یہ اصول ہے کہ مطلق کو مقیّد پر محمول کیا جاتا ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ شارع نے بول سے احتراز کرنے کے سلسلہ میں حد درجہ سختی سے کام لیا ہے اور نہایت شدید وعید سنائی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ نصوص وارد تک محدود رہیں اور اس میں توسّع سے کام نہ لیں۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن ابی رباح، حسن بصری، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد بن علی، ابنِ وہب اور دیگر علماء اسی کے قائل ہیں۔

البتہ حسن بصری اور سفیان کہتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کے بول پر پانی چھڑکا جائے۔ بخلاف ازیں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور حسن بن حیّ کہتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کے بول کو دھویا جائے۔ ہمارے علم کی حد تک کتاب وسنت اور اقوالِ صحابہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ بلکہ تابعین میں سے کوئی بھی اس کا ہمنوا نہیں۔ مگر بعض متاخرین نے ابراہیم نخعی سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ اُن کا یہ قول نہیں بلکہ اُنھوں نے سعید بن المسیب سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر قسم کے پیشاب کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ جو پیشاب چھڑکاؤ کی صورت میں ہوتا ہے (مثلاً لڑکے کا) اس پر چھڑکاؤ کیا جائے۔ اور جو پیشاب یکدم گرتا ہے (مثلاً لڑکی کا) اس کو دھویا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ قول ان کے نقل کردہ قول کے خلاف ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۲۴۔ خون کی تطہیر حیض کا خون ہو یا کوئی اور خون خواہ مچھلی کا ہو یا کسی اور چیز کا جب کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو پانی کے ساتھ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھر کے خون یا جسم کے خون کو پاک کرنا ضروری نہیں۔ بجز اُس خون کے جس کے دھونے میں انسان کو کسی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسے خون کو صاف کر دیا جائے۔

۱۱۰۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابوشیبہ و ابوکریب از وکیع از ہشام بن عروہ از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فاطمہ بنت حبیش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی مجھے مسلسل استحاضہ آتا ہے جس سے میں پاک نہیں ہو پاتی تو کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ فرمایا نہیں! یہ ایک رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ جب حیض کا خون آئے تو نماز چھوڑ دیا کرو۔ جب رک جائے تو خون دھو کر نماز پڑھ لیا کرو۔"

سلسلہ ترقیم کی روسے ارکان رکعت کتاب الطہارۃ ...

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے جس میں ہر قسم کا خون شامل ہے[1] ہمیں اس بات کی پروا نہیں کہ حضورؐ سے سوال حیض کے خون کے بارے میں کیا گیا تھا۔ اس لیے حضورؐ کے الفاظ مستقل ہیں۔ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو سوال کی جانب لوٹ رہی ہو۔

۱۱۱ - [ہم سے عبدالرحمان بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از محمد بن مثنیٰ از یحییٰ بن سعید قطان از ہشام بن عروہ از فاطمہ بنت منذر بن زبیر بیان کیا کہ] حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ فرمایا خون کو کپڑے سے کھرچ ڈالے، پھر اس کو پانی کے ساتھ ملے اور اس پر پانی بہائے، پھر اس میں نماز پڑھے۔ (بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

مستحب ہے کہ غسلِ حیض میں قدرے کستوری استعمال کی جائے (تاکہ بُو نہ رہے)

۱۱۲ - [ہم سے عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از یحییٰ از ابن عیینہ از منصور بن صفیہ از مادرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسلِ حیض کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے اسے طریقہ بتایا۔ آپؐ نے فرمایا روئی کے ایک ٹکڑے پر کستوری لگاؤ اور اس کے ساتھ طہارت حاصل کرو۔ اس نے پھر پوچھا کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپؐ نے فرمایا "سبحان اللہ!" اس کے ساتھ طہارت حاصل کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ کر کہا جہاں جہاں خون لگا ہو وہاں وہ کستوری لگا دو (حوالہ بعد والی حدیث

---

[1] المحلّی کے یمنی نسخہ کے حاشیہ پر یہ الفاظ مرقوم ہیں۔ ظاہر تر بات یہ ہے کہ آپ کی مراد حیض کا خون تھا۔ الدم کے لفظ پر الف لام عہدی ہے جس پر حیض کا ذکر اور سیاقِ کلام دلالت کرتا ہے لہٰذا یہ اسی طرح ہے جیسے سوال کی طرف لوٹنے والی چیز موجود ہو، لہٰذا ابنِ حزم کا قول درست نہیں اور یہ استدراک نہایت واضح اور صحیح ہے۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ملاحظہ فرمائیے)

۱۱۳- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از احمد بن سعید دارمی از حبان بن ہلال از وہیب از منصور بن صفیہ از مادرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے آپ سے پوچھا کہ طہارت حاصل کرتے وقت کیسے غسل کروں؟ آپ نے فرمایا روئی کا ایک ٹکڑا لو جس پر کستوری لگی ہو (اُسے خون کی جگہ پر ملو) پھر وضو کر لو۔ راوی نے حدیث کا باقی حصہ سفیان کی روایت کی طرح بیان کیا (یعنی پہلی روایت جو اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے)

(بخاری کتاب الطہارۃ و کتاب الاعتصام۔ مسلم و نسائی کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضور نے روئی کے ٹکڑے کو استعمال کرنے اور پھر وضو کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلّم اور ترجمان بنا کر بھیجا تھا۔ اگر روئی کے ٹکڑے کا استعمال فرض ہوتا تو آپ اس عورت کو اس کے استعمال کا طریقہ سکھاتے۔ جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرض و واجب کے درجہ میں نہ تھا۔ مزید برآں مختلف ادوار میں اس کے عدمِ وجوب پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ عہدِ رسالت سے لے کر عصرِ حاضر تک عورتیں ہر گھر میں حیض سے طہارت حاصل کرتی رہی ہیں مگر کسی نے بھی روئی کے استعمال کو فرض نہیں ٹھہرایا۔ اس کے اثبات کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ روئی کا ذکر ابراہیم بن مُہاجر کی سند میں ملتا ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔ دوسری سند جس میں یہ الفاظ مذکور ہیں منصور بن صَفیہ والی ہے۔ وہ بھی ضعیف راوی ہے[1]۔ اس کی مرویات کے ساتھ احتجاج درست نہیں۔ لہٰذا یہ حکم ساقط ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] ابراہیم بن مہاجر سے امام مسلم نے روایت کی ہے وہ ثقہ راوی ہے ابنِ سعد نے اس کی توثیق کی ہے البتہ ابنِ حبان نے فرمایا کہ وہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے اور منصور بن صفیہ جو عبدالرحمٰن بن طلحہ حجبی کے بیٹے ہیں ان کی ماں صفیہ بنت شیبہ ہیں۔ یہ بھی ثقہ ہیں ان سے شیخین بخاری و مسلم نے روایت نہیں لی ہے جیسا کہ خود ابنِ حزم نے بیان کی ہے۔ ابنِ حزم سے قبل کسی نے ان دونوں کو ضعیف قرار نہیں دیا اور ابنِ حزم کا ہر قول قابلِ حجت نہیں۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اندریں مسئلہ اللہ اور اُس کے رسُول نے حصولِ طہارت یا غُسل کا جو حکم دیا ہے وہ صرف پانی کے ساتھ ہے، اور پانی کی عدم موجودگی میں مٹی کے ساتھ۔ اگر کسی نص سے ثابت ہو جائے کہ پانی کے بغیر بھی طہارت حاصل ہو سکتی ہے تو ہم اس پر عمل کریں گے۔

۱۱۴۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابو شیبہ و ابو کریب (ابوبکر از محمد بن فضیل اور ابو کریب از ابن ابی زائدہ) اور ابن فضیل و ابن ابی زائدہ از ابو مالک اشجعی از ربعی بن حراش بیان کیا کہ] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باقی اُمتوں پر ہمیں تین وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ساری زمین کو ہمارے لیے مسجد اور پانی نہ ملنے کی حالت میں اس کی مٹی کو پاک بنا دیا گیا (صحیح مسلم کتاب الصلاۃ) اس میں شبہ نہیں کہ ہر غسل جس کا حکم دین میں دیا گیا ہے وہ طہارت کا باعث ہے۔ مگر ہر طہارت غُسل نہیں ہے (اس لیے کہ پانی کی عدم موجودگی میں طہارت مٹّی کے ساتھ بھی حاصل ہو سکتی ہے) لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ طہارت صرف پانی کے ساتھ ہو سکتی ہے اور جب پانی نہ ہو تو مٹی کے ساتھ۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مچھلی کا خون کم ہو یا زیادہ کپڑے، جسم یا پانی کو پلید نہیں کرتا۔ مچھّر اور پِسّو کے خُون کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسرے تمام خون قلیل ہوں یا کثیر پانی کو نجس کر دیتے ہیں۔ جہاں تک کپڑے اور جسم کا تعلق ہے اگر خون کی مقدار ایک بغلی درہم یا اس سے کم ہو تو کپڑا یا جسم نجس نہیں ہوتا اور اُس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر خُون کی مقدار بغلی درہم سے زیادہ ہو تو کپڑا یا جسم نجس ہو جائے گا۔ اور اُس کے ساتھ نماز دُرست نہ ہو گی۔ اگر خُون جسم پر لگا ہو تو اس کا ازالہ صرف پانی سے ممکن ہے۔ اور اگر کپڑے پر لگا ہو تو اُسے پانی یا کسی اور چیز کے ساتھ جو اُسے زائل کر دے دُور کیا جا سکتا ہے۔ اگر موزے یا جوتے پر لگا ہوا اور خشک ہو تو اسے کُھرچ دینا کافی ہے اور اگر تر ہو تو دھونا ضروری ہے، جس چیز کے ساتھ بھی دھونا ممکن ہو۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سارے خون کا ازالہ فرض نہیں۔ اور اس کا ازالہ بھی صرف پانی کے ساتھ ہو سکے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ازالہ فرض ہے اور وہ بھی پانی کے ساتھ ممکن ہوگا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

قرآن کریم میں فرمایا

۱۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: ۷۸)

(تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں ہے)۔

۲۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: ۲۸۶)

(اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)

۳۔ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ: ۱۸۵)

(اللہ تعالیٰ کو تمھاری آسانی مطلوب ہے سختی نہیں)

بدیہی طور پر یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ پچھڑوں اور انسانی جسم کے خون سے احتراز ممکن نہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو دھونا اس خون کا لازم ہوگا جس میں انسان کو تنگی و تکلیف کا سامنا نہ ہوتا ہو اور وہ بات استطاعتِ بشری کے دائرہ میں شامل ہو۔ بعض اہلِ علم نے ان جانداروں میں جن کا خون بہتا ہے اور جن کا نہیں بہتا فرق و امتیاز روا رکھا ہے مگر یہ بات غلط ہے اس لیے کہ کتاب و سنت، اجماع، قیاس اور اقوالِ صحابہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

بعض اہلِ علم نے دمِ مسفوح (جو خون ذبح کے وقت بہتا ہے) اور غیر مسفوح کے مابین فرق کیا ہے۔ اور آیت کریمہ أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا (الانعام: ۱۴۵) (یا بہایا گیا خون) سے استناد کیا ہے۔

حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ (المائدۃ: ۳)

(حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت)

اس آیت کریمہ میں دم (خون) اور میتہ (مردار) کے الفاظ عام ہیں۔ ان میں کسی کی تخصیص نہیں۔ لہٰذا ان کی تخصیص ایک زائد شریعت ہے جو قرآن سے ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مردار کو بلا تخصیص حرام قرار

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دیا قطع نظر اس سے کہ اس کا خون بہتا ہو یا نہ بہتا ہو۔ بغلی درہم کی مقدار معیّن کرنے کے سلسلہ میں بعض اہلِ علم نے ایک ضعیف حدیث کے ساتھ احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ اگر وہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو ان کے خلاف حجّت ہوتی۔ اس لیے کہ اُس حدیث میں بقدرِ درہم مذکور نہیں۔ اور بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ دُبر پر قیاس کر کے کہا گیا کہ اتنی نجاست معاف ہے (اس لیے کہ بقدرِ بغلی درہم نجاست دُبر کے ساتھ لگی رہتی ہے) ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ تم نے اس کو حشفہ کے سوراخ پر کیوں نہیں قیاس کیا جہاں سے پیشاب نکلتا ہے۔ حالانکہ دُبر اور حشفہ دونوں کا حکم طہارت میں یکساں ہے۔ پھر اس پر طُرّہ یہ کہ حنفیہ نے خود ہی اپنے اس قیاس کو ترک کر دیا ہے، اور وہ اس طرح کہ جسمِ انسانی سے نجاست کا ازالہ حنفیہ کے نزدیک صرف پانی سے ممکن ہے (کسی اور چیز کے ساتھ نہیں) حالانکہ دُبر سے یہ نجاست ڈھیلے کے استعمال سے بھی زائل ہو سکتی ہے۔ (پھر اُن کا قیاس کہاں گیا) اور جو اہلِ علم (امام مالک) کہتے ہیں کہ نجاست کا ازالہ ضروری نہیں محوّلہ صدر احادیث ان کے خلاف ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۲۵- مذی کی تطہیر مذی کی تطہیر پانی کے ساتھ ممکن ہے۔ آلۂ تناسل کے جس سوراخ سے وہ نکلتی ہے اُس کو دھویا جائے اور اگر کپڑے کو لگ جائے تو اس پر پانی چھڑکا جائے۔ امام مالک کے نزدیک پورے آلۂ تناسل کو دھونا ضروری ہے۔

۱۱۵- [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از محمد بن عبداللہ بن دلیم از ابن وضاح از یحییٰ بن یحییٰ از مالک از ابو النضر مولیٰ عمر بن عبیداللہ از سلیمان بن یسار بیان کیا کہ] حضرت مقدادؓ بن اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے مجھے حکم دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں کہ جب آدمی اپنی بیوی کے قریب بیٹھے اور اس سے مذی (لعاب دار مادہ جو شہوت کے وقت آلۂ تناسل سے خارج ہوتا ہے) خارج ہو تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟) تو میں نے آنحضورؐ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "جب تم سے کوئی شخص ایسا پائے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکے اور پھر اس طرح وضو کرے جیسے نماز کے لیے کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ کتاب الطہارۃ و مؤطا (امام مالک)

۱۱۶- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن مفرج از ابن السکن از فربری از بخاری از ابوالولید طیالسی از زائدہ از ابو حصین

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از ابو عبدالرحمٰن سلمی بیان کیا کہ] حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں ایک ایسا شخص تھا جسے مذی زیادہ آتی تھی میں نے ایک شخص سے کہا کہ وہ اس ضمن میں آنحضورؐ سے دریافت کرے۔ چونکہ آپؐ کی بیٹی میرے نکاح میں تھی اس لیے حیاء ایسا سوال کرنے سے مانع تھی۔ چنانچہ اس شخص نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اپنی شرمگاہ دھو لو اور وضو کرو۔" (بخاری، نسائی کتاب الطہارۃ)

۱۱۷- [ہم سے حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از بکر بن حماد و محمد بن وضاح۔ بکر بن حماد از مسدد از حماد بن زید اور ابن وضاح از ابوبکر بن ابو شیبہ از اسماعیل بن عبید و یزید بن ہارون پھر اسماعیل و یزید دونوں از محمد بن اسحاق از سعید بن عبید بن سباق از پدرِ خود بیان کیا کہ] سہل بن حُنیف روایت کرتے ہیں کہ حماد نے اپنی روایت میں کہا۔ "مجھے مذی کی کثرت کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی تھی اور بار بار غسل کرتا رہتا تھا۔" اس سے آگے سب راویوں کا متفقہ بیان ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "تجھے وضو کافی ہے۔" میں نے عرض کی "جب مذی کپڑے کو لگ جائے تو اُسے کیسے پاک کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا۔ چلّو بھر پانی لو اور کپڑے پر جہاں مذی لگی ہو چھڑک دو۔"[1]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ آلۂ تناسل کے سوراخ کو جہاں سے مذی خارج ہوتی ہے دھونے پر غُسلِ ذکر کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص مخرج البول کو دھوئے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنے آلۂ تناسل کو دھویا۔ اس لیے پورے آلۂ تناسل کے دھونے کا وجوب ایک زاید چیز

---

[1] اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابنِ خزیمہ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اس کو صرف محمد بن اسحاق کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ اس مسئلہ میں اہلِ علم مختلف الرأی ہیں کہ اگر مذی کپڑے کو لگ جائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک دھونا ضروری ہے۔ امام شافعی اور اسحاق کا قول یہی ہے۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ پانی چھڑکنا ہی کافی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں مجھے امید ہے کہ کپڑے پر پانی چھڑکنا ہی کافی ہوگا (مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۴) اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق راوی مدلّس ہے۔ لیکن اس حدیث میں اُس نے تحدیث کی صراحت کی ہے اس لیے یہ حدیث حجت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے جو شرعاً ثابت نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ اس میں تقلیص ہے اس لیے کہ غیر ممکن ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کسی حکیم سے مدد حاصل کر لی جائے۔

یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ جسم پر نجاست لگ جائے تو اس کا ازالہ صرف پانی سے ہوتا ہے۔ البتہ نجاست اگر کپڑے پر لگی ہو تو وہ پانی کے بغیر بھی زائل ہو جاتی ہے۔ اگر احناف حضرت عائشہؓ کا یہ قول پیش کریں کہ ان کے نزدیک اگر کپڑے پر حیض کا خون لگا ہو تو اسے تھوک سے بھی دور کیا جا سکتا ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک سنگیوں کو دھوئے بغیر کنکریوں کے ساتھ خون سے صاف کیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دین میں دلیل کی حیثیت صرف اسی بات کو حاصل ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو۔

۱۲۶۔ برتنوں کی تطہیر اہل کتاب کے برتنوں کو پانی کے ساتھ پاک کیا جا سکتا ہے۔ جب دوسرا برتن نہ ملے تو اُس کو دھو کر استعمال کر لیا جائے۔ قطع نظر اس سے کہ اس میں نجاست کا علم ہو یا نہ ہو۔ مسلم کا برتن پاک متصور ہو گا۔ اگر کسی برتن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس میں کوئی ایسی چیز موجود تھی جس سے اجتناب ضروری ہے تو جس چیز کے ساتھ بھی ممکن ہو اس کی نجاست کو زائل کیا جائے اِلّا یہ کہ برتن میں پالتو گدھے کا گوشت، چکنائی، اُس کی چربی یا اس کے جسم کا کوئی اور حصہ پڑا ہو تو اس کی طہارت پانی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۱۱۸۔ [ہم سے یونس بن عبداللہ بن مغیث انا ابو عیسیٰ بن ابو عیسیٰ از احمد بن خالد از ابن وضاح انا ابوبکر بن ابو شیبہ از محمد بن بشر از سعید بن ابو عروبہ از ایوب سختیانی انا ابو قلابہ بیان کیا کہ] حضرت ابو ثعلبہ الخُشنی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم اہل کتاب کے علاقہ میں بود و باش رکھتے ہیں ہمیں اُن کی ہنڈیوں اور برتنوں کی ضرورت پیش آتی ہے (اس کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں) فرمایا "جہاں تک ہو سکے اُن کے برتنوں کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ جب کوئی چارہ کار نہ پاؤ تو پانی کے ساتھ دھو لو پھر اُن میں کھانا پکاؤ اور پانی پیو"۔ (بخاری مسلم، ابو داؤد و نسائی، ابن ماجہ کتاب الصید۔ ترمذی کتاب السیر)

۱۱۹۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد انا احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن عباد و قتیبہ از حاتم بن اسماعیل از یزید بن ابو عُبید بیان کیا کہ) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خیبر مسلمانوں کے لیے فتح کر دیا۔ جس روز خیبر فتح ہوا اُس دن کی شام کو لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلائی۔ حضورؐ نے پوچھا۔ یہ آگ کس لیے جلائی جا رہی ہے؟ لوگوں نے کہا "گوشت جلا رہے ہیں"۔ پوچھا کون سا گوشت؟ لوگوں نے کہا "پالتو گدھوں کا گوشت" حضورؐ نے فرمایا "اس کو انڈیل دو اور برتن توڑ ڈالو" ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہؐ! کیا ہم گوشت کو انڈیل کر برتنوں کو دھو لیں؟ فرمایا "تمھاری مرضی"۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی و کتاب المظالم و کتاب الذبائح و کتاب الدیات و کتاب الادب و کتاب الدعوات۔ مسلم و ابنِ ماجہ کتاب الذبائح)

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ دین میں جس چیز کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے وہ تطہیر ہے۔ اور تطہیر پانی کے بغیر ممکن نہیں۔

یہ بات درست نہیں کہ پالتو گدھے کے گوشت والے برتن دھونے پر دوسرے برتنوں کی تطہیر کو قیاس کیا جائے (یعنی یہ کہا جائے کہ جس طرح گدھے کے گوشت والے برتنوں کو دھویا جاتا ہے اسی طرح کتّے نے جس برتن میں منہ ڈالا ہو اس کو بھی دھو لیا جائے) اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں قسم کے برتنوں کی تطہیر کے سلسلہ میں مختلف النوع نصوص وارد ہوئی ہیں۔ جس طرح کتّے والے برتن کو گدھے کے گوشت والے برتن پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس کا عکس بھی ممکن ہے (یعنی قیاس جانبین سے کیا جا سکتا ہے)

اور یوں نہیں کہ ایک جانب کا قیاس دوسرے سے افضل ہے۔ اور یہ بھی اس (مفروضہ) صورت میں جب قیاس کو حق تصوّر کیا جائے (حالانکہ وہ حق نہیں ہے) یہ کسی طرح درست نہیں کہ جس بات کا آپ نے حکم دیا ہے اس کی طرف اس بات کو منسوب کیا جائے جس کا حکم آپ نے نہیں دیا۔ اس کا مطلب ایک اَن کہی بات کو آپ کی جانب منسوب کرنا اور ایک ایسی بات کو شریعت ٹھہرانا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ ظاہر کہ نبی کریمؐ کے اوامر تک محدود رہنا بغلی درہم اور فروقِ فاسدہ پر اکتفا کرنے سے افضل ہے۔

۱۲۷۔ جس برتن میں کتّا منہ ڈالے اس کا حکم

اگر کتّا برتن میں منہ ڈالے ـــــ برتن کیسا بھی ہو اور کتّا چھوٹا ہو یا بڑا، شکاری ہو یا غیر شکاری ـــــ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو برتن میں جو کچھ بھی ہو اُس کو انڈیل دیا جائے۔ یہ فرض ہے۔ پھر برتن کو سات مرتبہ پانی کے ساتھ دھویا جائے۔ پہلی مرتبہ پانی اور مٹی کے ساتھ صاف کیا جائے۔ وہ پانی جس کے ساتھ برتن کو دھویا جاتا ہے پاک اور حلال ہے۔ اگر کُتّا برتن میں کھائے مگر اس کو چاٹے نہیں، یا اپنا پاؤں یا دُم برتن میں داخل کرے یا پورے کا پورا برتن میں داخل ہو جائے تو ان صُورتوں میں نہ برتن کا دھونا ضروری ہے اور نہ ہی اس میں موجود چیز کو انڈیلنا۔ وہ برتن حسب سابق حلال اور پاک ہے۔

اگر کتا زمین کو چاٹے یا کسی آدمی کے ہاتھ کو منہ لگائے، یا اس چیز میں مُنہ ڈالے جس کو برتن نہیں کہا جاتا، تو ان صورتوں میں نہ ان کو دھونا ضروری ہے اور نہ ہی اس میں موجود چیز کو انڈیلنا۔ حدیث میں "ولوغ" کا لفظ ہے جس کے معنی صرف پینے کے ہیں۔[1] اگر کُتّے کا لعاب دہن یا اُس کا پسینہ جسم یا کپڑے یا برتن یا کسی سامان یا شکار کو لگ جائے تو اس کو کسی چیز کے ساتھ زائل کر دیا جائے خواہ پانی ہو یا کوئی اور چیز۔ البتہ کپڑے کو لازماً پانی کے ساتھ دھویا جائے۔

---

[1] ابن حزم کے یہ نظریات ظاہری مسلک میں غلو و مبالغہ پر مبنی ہیں۔ بدوں اس کے کہ شریعت اسلامیہ کے حِکم و اسرار پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس میں کیا عقلی مصلحت مُضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو حرام ٹھہرایا ہے جو گندی اور غلیظ ہو اور اسی چیز کو نجس ٹھہرایا ہے جس سے پاکیزہ طبائع اجتناب کرتی ہوں۔ نجاست کا ازالہ واجب ہے اور اس کی حکمت و مصلحت قرینِ عقل و دانش ہے۔ بنا بریں یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ابن حزم کُتّے کے کھانے اور پینے میں فرق کرتے ہیں (یعنی ان کے نزدیک پینے سے برتن ناپاک ہو جاتا ہے مگر کھانے سے نہیں) اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک اگر کُتّا برتن میں گر پڑے تو برتن ناپاک نہیں ہوتا اگر پینے سے ناپاک ہو جاتا ہے) حالانکہ کُتّا ہر حال میں ناپاک ہے۔ مزید براں طبّ جدید سے ثابت ہوتا ہے کہ کُتّا کثیر امراض میں مبتلا ہوتا ہے جو انسان کو لاحق ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے، اور یہ بات رُوحِ شریعت سے قریب تر ہے پھر اس پر مُستزاد یہ کہ صفائی و پاکیزگی جزوِ ایمان ہے۔ (واقعی ابن حزم کا موقف اس مسئلہ میں صحیح نہیں۔ لیکن وہ پانی جس سے برتن دھویا گیا ہے اگر وہ کسی انسان کے جسم یا کپڑے پر لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری نہیں) (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۰ - [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از علی بن حجر سعدی از علی بن مسلم از اعمش از ابورزین و ابوصالح بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اُسے اُنڈیل دے پھر اسے سات مرتبہ دھوئے" (مسلم نسائی کتاب الطہارۃ)

۱۲۱ - [دوسری حدیث ہم سے بسند سابقہ تا مسلم از زہیر بن حرب از اسماعیل بن ابراہیم از ہشام بن حسان از محمد بن سیرین بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھویا جائے پہلی مرتبہ اس پر مٹی مَلی جائے (مسلم کتاب الطہارۃ)

۱۲۲ - [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابن اعرابی از ابوداؤد از احمد بن حنبل از یحیٰی بن سعید قطان از شعبہ از ابوالتیاح از مطرف بن عبداللہ بن شخیر بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مُغفّل روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کتوں کے ساتھ تمھیں کیا سروکار؟ پھر آپؐ نے شکاری کُتے اور بکریوں کے نگران کُتے (کو باقی رکھنے کی) اجازت دے دی۔ حضورؐ نے فرمایا "جب کُتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات مرتبہ دھولو۔ آٹھویں مرتبہ مٹی سے صاف کرو (مسلم کتاب الطہارۃ وکتاب البیوع۔ ابوداؤد و نسائی کتاب الطہارت۔ ابن ماجہ کتاب الطہارۃ و کتاب الصید)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کُتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو حضورؐ نے برتن میں موجود چیز کو اُنڈیل دینے کا حکم دیا۔ اس ضمن میں آپؐ نے کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی۔ برتن کے سوا کسی دوسری چیز کے بارے میں آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس میں جو چیز ہو اسے ضائع کر دو۔ بخلاف ازیں آپؐ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ "ساتویں مرتبہ مٹی سے صاف کرو"۔ بعض میں یہ الفاظ ہیں کہ "ایک مرتبہ مٹی کے ساتھ" مگر ان کے مطالب و معانی میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس لیے کہ پہلی دفعہ بلاشک و شبہ غَسلات (غَسل کی جمع) میں سے ایک شمار ہوتی ہے۔ "الاولیٰ" سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد غَسلات میں سے یہ پہلا غَسل ہے۔ جو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شخص یہ کہتا ہے کہ پہلی مرتبہ برتن پر مٹی مَلی جائے وہ بلاشک وشبہ غُسلات میں سے ایک میں مٹی ملنے کا قائل ہے اور اس نے حضورؐ سے منقول دونوں الفاظ (احدا ھُنَّ - اُولٰھُنَّ) پر عمل کر لیا - اور جو شخص پہلی دفعہ مٹی ملنے کا قائل نہیں اُس نے حضورؐ کے لفظ اولٰھن کی خلاف ورزی کی جو درست نہیں ۔

ہم اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ پہلی دفعہ مٹی کے ساتھ مانجھنا سات غُسلات کے ساتھ شامل کر کے آٹھویں دفعہ بن جاتی ہے ۔ بحیثیتِ مجموعی ان غُسلات پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ باقی غُسلات کی نسبت پہلی دفعہ ہے ۔ اس طرح ان مختلف الفاظ کی تعمیل ہو جاتی ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث میں مروی و منقول ہیں ۔ مٹی کے عوض کسی دوسری چیز کو استعمال نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنے والی بات ہے[1]

جس پانی سے برتن (جس میں کُتّے نے منہ ڈالا) کو دھویا جائے وہ پانی پاک ہے ۔ کیونکہ کسی نص میں نہیں آیا کہ اس سے اجتناب کیا جائے ۔ اور شریعت میں وہی بات معتبر ہے جو حضورؐ نے فرمائی ہے ۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اللہ نے اُس کا حکم نہیں دیا ۔ ظاہر ہے کہ پانی طاہر ہے اور اس کا پینا حلال ہے ۔ لہٰذا حضورؐ کے حکم کے بغیر اسے حرام نہیں ٹھہرایا جا سکتا[2] ۔

جس برتن میں کُتّا گر جائے، یا اس میں سے اس نے کھایا ہو، یا اپنے بعض اعضاء ڈالے ہوں، تو اُسے نہ دھونے کی ضرورت ہے نہ اُنڈیلنے کی ۔ اس لیے کہ وہ پہلے سے یقینی طور پر حلال اور پاکیزہ ہے ۔ اس لیے

---

[1] کتب طب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کُتّے کے لُعاب میں بعض ایسی بیماریاں پائی جاتی ہیں جن کا ازالہ صرف مٹی ملنے سے ہی ممکن ہے ۔

[2] معاذ اللہ کہ یہ پانی پاک ہو بلکہ حضورؐ کے الفاظ "طھور اناء احدکم" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نجس ہے اور یہ ایسا ظاہری مفہوم ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ۔ لہٰذا اس پانی کے غلیظ اور قابلِ نفرت ہونے میں بالکل شبہ نہیں ۔ (یہاں بھی ابن حزم کا موقف صحیح نہیں یعنی طاہر ہونے کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو دھونا ضروری نہیں تو اسے قبول کیا جاتا لیکن اس پانی کو پینے کا جواز بالکل ہی نامقبول ہے) ۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ مباح ماکولات و مشروبات میں سے ہے۔ لہٰذا اسے کسی نص کے بغیر حرام یا نجس نہیں ٹھہرا سکتے۔[1]

باقی رہا کُتے کے لُعاب اور پسینے کا ازالہ خواہ کہیں بھی ہو تو وہ اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاڑھوں میں پکڑ کر کھانے والے درندوں کو حرام ٹھہرایا ہے اور کُتا ڈاڑھوں والے درندوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے حرام ہے اور جو چیز حرام ہو اُس کے اجزاء بھی حرام ہوتے ہیں اور اس میں شُبہ نہیں کہ کُتے کا لُعاب اور اس کا پسینہ اس کا جُزو ہے اور اس لیے حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ حرام چیز سے اجتناب اور اس کا ازالہ فرض ہے[2]۔ جب لُعاب یا پسینہ کپڑے کو لگ جائے تو اُسے صرف پانی کے ساتھ پاک کیا جائے گا۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر) (اپنے کپڑوں کو صاف کر)

قبل ازیں ہم نے ذکر کیا ہے اس نجاست کا ازالہ صرف پانی سے ہو سکتا ہے البتہ پانی کے عدم موجودگی میں مٹی سے بھی رگڑ کر کپڑے وغیرہ کو پاک کیا جا سکتا ہے۔

جس برتن میں کُتے نے مُنہ ڈالا ہو اس کو سات مرتبہ دھونے کے سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ بھی ہمارے ہمنوا ہیں۔ چنانچہ:

(ہم سے یونس بن عبداللہ از ابوبکر بن احمد بن خالد از پدرِ خود از علی بن عبدالعزیز از ابوعبید قاسم بن سلام از اسماعیل بن علیہ از ایوب سختیانی از محمد بن سیرین بیان کیا کہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

---

[1] یہاں بھی ابنِ حزم سے سہو ہو گیا ہے۔ اگرچہ نصِ صریح تو نہیں لیکن اُمتِ مُسلمہ کا قریب قریب اتفاق ہے کہ اس کا استعمال جائز نہیں (ابوالاشبال پاکستانی)

[2] جب معاملہ یوں ہے تو کیا جس کھانے میں سے کُتا کھالے، یا پانی میں سے پی لے، یا اس کے اعضاء اس برتن میں داخل ہوئے ہوں اور اُس کے لُعاب یا پسینہ یا تعفن کا کچھ حصہ اس میں باقی رہ گیا ہو وہ حرام نہ ہوگا اور اس کا انڈیل دینا واجب نہ ہوگا؟ (ضرور ہوگا اور یہی موقف جمیع امتِ مسلمہ کا ہے) (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جب کُتا برتن میں منہ ڈالے تو اُسے سات مرتبہ دھویا جائے۔ پہلی مرتبہ یا اُن میں سے ایک مرتبہ مٹی کے ساتھ مانجھا جائے۔ اور اگر بلی منہ ڈالے تو ایک مرتبہ دھویا جائے۔

ہم نے حسن بصری سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں "جب کُتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے انڈیل کر سات مرتبہ دھو لیا کرو"۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عُروہ بن زُبیر، طاؤس اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں "اگر کُتا ایسے برتن میں منہ ڈالے جس میں دس اَقساط (قسط نصف صاع کا ایک پیمانہ) دودھ ہو تو سب ضائع کر دیا جائے۔ برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے اور پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ مانجھا جائے۔ اگر پانی کسی معمولی سی جگہ میں جمع ہوا ور صرف اس قدر ہو جس کے ساتھ ایک آدمی وضو کر سکے اور کُتا اس میں سے پی لے تو وہ پانی پاک ہے۔ اس کے ساتھ وضو کیا جا سکتا ہے۔ اگر کُتے کا لُعاب کپڑے یا شکار کو لگ جائے تو اس کو دھو لیا جائے"۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"ہم بھی امام اوزاعی کے ہمنوا ہیں۔ برتن کو سات مرتبہ دھونے اور ایک مرتبہ مٹی کے ساتھ صاف کرنے سے سلسلے میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوعُبید، ابوثور، داؤد اور تمام اصحاب الحدیث ہمارے ہم خیال ہیں"۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے اس فرق کے ساتھ کہ اگر برتن میں پانی پانچ صد رطل ہو تو کُتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے اُسے اُنڈیلا نہ جائے۔ اگر کوئی دوسری چیز ہو تو خواہ کتنی بھی زیادہ ہو اُسے ضائع کر دیا جائے۔ اگر سؤر کسی برتن میں سے پی لے تو اس برتن کو بھی سات مرتبہ دھویا جائے جیسے کُتے کے پی لینے سے دھویا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی درندہ یا خنزیر کے سوا کوئی اور جانور پانی میں منہ ڈالے تو برتن کو سات مرتبہ دھونا ضروری نہیں۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ برتن میں موجود چیز کو انڈیلنے کے بارے میں حضورؐ کا حکم عام ہے لہٰذا اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔ اگر قیاس جائز بھی ہوتا تو بھی خنزیر کو کُتے پر قیاس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ کُتا درندوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اسی لیے حرام ہے کہ آپ نے بطریق عموم سب درندوں کے گوشت کو حرام ٹھہرایا ہے۔

بایں طور پانی میں منہ ڈالنے والے درندوں کو کُتے پر قیاس کرنا درست ہے اس لیے کہ کُتا درندوں میں شمار ہوتا ہے اور اسے تربیت دی جائے تو اس کا کیا ہوا شکار کھانا بھی درست ہے۔ مگر سُور کو کتے پر اسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا جس طرح یہ قیاس ناروا ہے کہ خنزیر کو کتے پر قیاس کر کے اسے پالنا بھی جائز ہے اور اس کا کیا ہوا شکار بھی حلال ہے۔ جب یہ قیاس درست نہیں تو بعینہٖ یہ بھی صحیح نہیں کہ برتن کو دھونے کے سلسلے میں بھی خنزیر کو کُتے پر قیاس کیا جائے۔ یہ قیاس درست بھی کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ قیاس کی ہر قسم باطل ہے؟

امام مالکؒ کے بعض اقوال حسب ذیل ہیں:۔

"(جس برتن میں سے کُتے نے پیا ہو) اس کے ساتھ وضو کیا جا سکتا ہے۔ برتن کو سات مرتبہ دھونے کے سلسلہ میں آپ کے متضاد اقوال ہیں۔ بعض اقوال اس کے اثبات میں ہیں اور بعض نفی میں۔ ایک دوسرے قول میں فرمایا "پانی کو انڈیل کر برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے۔ اگر دودھ ہو تو اسے ضائع نہ کیا جائے اور برتن کو سات مرتبہ دھو لیا جائے۔ برتن میں جو کچھ ہو اس کو کھا لیا جائے" بعض دفعہ یوں فرماتے ہیں کہ "برتن میں جو کچھ بھی ہو اس کو ضائع کر کے برتن کو سات مرتبہ دھو لیا جائے۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

"یہ ایسی تفریقات ہیں جن کی غلطی بڑی نمایاں ہے۔ ان میں نہ تو نص کی پیروی کی گئی ہے، نہ قیاس پر عمل کیا گیا ہے، اور نہ ہی کسی صحابی یا تابعی کے قول کو معمول بہ بنایا گیا ہے۔"

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"میں اس امر کو (عظیم گناہ) سمجھتا ہوں کہ رزقِ الٰہی کو محض اس لیے ضائع کر دیا جائے کہ اس میں کُتے نے منہ ڈالا ہے۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

"جو شخص امام مالک کے قول سے استناد کرتا ہو اس سے کہا جائے گا کہ جس بات کو تم نے عظیم کہا ہے اس سے عظیم تر بات یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس چیز کے انڈیلنے کا حکم دیا ہو مگر آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے۔ پھر اس سے بھی عظیم تر بات یہ ہے کہ تمھارے نزدیک اگر کسی برتن میں چڑیا مر جائے تو جو کچھ اُس میں موجود ہو اس کو ضائع کر دینا چاہیے حالانکہ اللہ نے اس کے ضائع کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر مالکیہ کہیں کہ مُردہ چڑیا حرام ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اس سے اختلاف نہیں۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ جس چیز میں گر کر چڑیا مری ہے وہ سیال چیز حلال ہے۔ پس ایک حلال چیز کو محض اس لیے حرام ٹھہرانا کہ وہ حرام چیز کے ساتھ چھوتی ہے باطل ہے۔ ہاں! اگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہوتا تو ٹھیک تھا۔ حضورؐ کے دیے ہوئے احکام سے نہ تو تجاوز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی آپ کی طرف اس قول کو منسوب کیا جا سکتا ہے جو آپ نے فرمایا نہ ہو۔"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"جس برتن میں کُتے نے مُنہ ڈالا ہو اُس میں جو کچھ بھی ہو اُس کو پھینک دیا جائے ——— کم ہو یا زیادہ ——— جو شخص اس پانی کے ساتھ وضو کرے وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے۔ ایسے برتن کو صرف ایک مرتبہ دھویا جائے۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

"یہ ایسا قول ہے جو صحابہ و تابعین کسی سے بھی منقول نہیں۔ مگر ہم نے ابراہیم (نخعیؒ) سے روایت کیا ہے کہ اُنھوں نے کہا۔ "جب کُتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے دھو لو" اور بعض دفعہ یوں کہتے کہ "اسے اچھی طرح دھو لو حتیٰ کہ صاف ہو جائے۔" اُنھوں نے دھونے کی کوئی تعداد معین نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ قول مذکورہ صدر احادیث کے خلاف ہے اور اس قول کے خطاء ہونے کے لیے صرف یہی بات کافی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے بعض مقلّدین نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ابُو ہریرہؓ اس حدیث کے رُواۃ و رجال میں سے ہیں اور انھوں نے خود اس حدیث کی مخالفت کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حزمؒ فرماتے ہیں مقلّدین کا یہ قول کئی وجہ سے باطل ہے :۔

پہلی وجہ :۔ اس کے بُطلان کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا راوی عبدالسلام بن حرب ایک ضعیف راوی ہے اور اس سے زیادہ بُری بات اور کیا ہے کہ جس حدیث کو ابو ہریرہؓ سے ابن عُلَیّہ از ایوب از ابن سیرین جیسے روشن ستاروں نے روایت کیا ہو اس کو عبدالسلام بن حرب جیسے راوی کی بنا پر محلِّ نقد و جرح ٹھہرایا جائے۔

لہ حضرت ابو ہریرہؓ کے قول کو طحاوی نے معانی الآثار (ج ۱، ص ۱۳) میں بطریق عبدالسلام از عبدالملک ابن ابی سلیمان از عطاء از ابو ہریرہؓ روایت کیا ہے۔ دار قطنی نے سنن ص ۲۴، ۲۵ میں بروایت اسحاق الازرق و ابن فُضیل از عبدالملک روایت کیا ہے۔ اسی طرح عبدالسلام اس اثر کے روایت کرنے میں متفرد نہیں رہتا۔ عبدالسلام ثقہ راوی ہے اور بخاری و مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ حفّاظِ حدیث نے عبدالسلام پر یہ گرفت کی ہے کہ اس نے عبدالملک سے روایت کرنے میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں اس اثر کو صرف عبدالملک نے عطا سے اس طرح روایت کیا ہے۔ بیہقی سنن کبریٰ (ج ۱، ص ۲۴۲) پر لکھتے ہیں کہ حمّاد نے بطریق ایوب از محمد بن سیرین از ابو ہریرہؓ سات مرتبہ دھونے کا فتویٰ (ابو ہریرہؓ سے) نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالملک کی روایت میں تین دفعہ دھونے کے الفاظ درست نہیں۔ محدثین کے نزدیک عبدالملک جب ثقہ راویوں سے اختلاف کرتا ہو تو اس کی روایت کو درخورِ اعتناء تصور نہیں کیا جاتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں رقمطراز ہیں :۔

"یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ابو ہریرہ نے سات مرتبہ دھونے کا فتویٰ دیا ہے۔ جن راویوں نے ان کے فتویٰ کے مُطابق (سات مرتبہ دھونے کی) روایت کی ہے وہ ان راویوں کی روایت سے راجح تر ہے جنھوں نے اس کے خلاف روایت کی ہے اور اس کا اَرجح ہونا دونوں طرح سے ہے بلحاظ نظر بھی اور باعتبار سند بھی۔ من حیث النظر تو ظاہر ہے من حیث الاسناد اس لیے کہ حماد کی روایت از ایّوب از ابن سیرین از ابو ہریرہ اصح الاسانید میں سے ہے۔ اس روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ کے فتویٰ اور حدیث دونوں میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مخالفت کی روایت عبدالملک بن ابی سلیمان از عطاء منقول ہے جو قوّت میں پہلی سند سے کم ہے۔ عبدالملک ثقہ اور قابلِ اعتماد راوی ہے۔ (باقی برصفحۂ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دوسری وجہ:۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ضُعف کے باوجود عبدالسلام کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ برتن کو تین دفعہ دھویا جائے۔ اس طرح حنفیہ نے حدیث نبوی اور قول ابی ہریرہ دونوں کی خلاف ورزی کی ہے۔

تیسری وجہ:۔ اگر ابوہریرہؓ کے فتویٰ کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کی بنا پر حدیثِ نبوی کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ اس لیے کہ حُجت صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہ کہ کسی اور کا قول۔ بعض اوقات صحابی بُھول جاتا ہے کہ اس نے کیا روایت کی ہے اور بعض اوقات اس کی تاویل کرتا ہے۔ ایسے موقع پر ضروری ہوتا ہے کہ حدیث پر عمل کیا جائے اور قولِ صحابی کو ضعیف قرار دیا جائے۔ نہ یہ کہ اس کے برعکس قولِ صحابی پر عمل کریں اور حدیثِ رسول کو نظرانداز کر دیں۔ یہ باطل اور ناروا ہے۔

چوتھی وجہ: اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ ابوہریرہ نے اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے (نعوذ باللہ من ذلك) تو بکثرت دیگر صحابہؓ نے بھی حضورؐ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اُنھوں نے اپنی روایت کردہ حدیث کی مخالفت بھی نہیں کی۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مغفل نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم حضورؐ نے اس وقت دیا تھا جب کُتوں کو قتل کرنے کا حُکم صادر فرمایا تھا۔ جب کُتّوں کے قتل سے منع فرمایا تو سات مرتبہ دھونے کا حکم منسوخ ٹھہرا۔

امام ابن حزم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ عبدالملک پر صرف یہ جرح کی گئی ہے کہ وہ عطاء سے "الشفعه للجار" والی حدیث روایت کرنے میں متفرد ہے۔ اور یہ بات اس کی روایت کی صحت میں خارج نہیں ہے۔ ممکن ہے تین دفعہ دھونے کا فتویٰ دیتے وقت ابوہریرہؓ سے غلطی سرزد ہوئی ہو یا بھول گئے ہوں۔ (اس طویل حاشیہ سے بھی واضح ہوا کہ ابنِ حزم کی گرفت حنفیہ کے مسلک کے بارے میں صحیح ہے)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ دو وجوہ کی بنا پر سفید جھوٹ ہے۔

۱۔ ایک تو اس لیے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس کا قائل بلا دلیل و برہان یہ بات کہتا ہے جو کہ حرام ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن مغفل نے جو حدیث روایت کی ہے وہ دو باتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں کتّوں کے قتل سے منع بھی کیا گیا ہے اور برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم بھی دیا گیا ہے ہم اس حدیث کو قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔

مزید براں کُتّوں کو قتل کرنے کا حکم آغازِ ہجرت میں دیا گیا تھا۔ بخلاف ازیں برتن کو سات مرتبہ دھونے کی حدیث ابوہریرہؓ اور ابنِ مغفل نے روایت کی ہے۔ اور یہ دونوں صحابی متاخرالاسلام ہیں۔

بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم تغلیظاً (سختی کی بنا پر) دیا گیا ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:۔

ہم یہ بات کہنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا حضورؐ کا یہ فیصلہ مبنی برحق تھا جس میں آپ کی اطاعت لوگوں پر واجب تھی؟ یا باطل پر مبنی تھا جس میں آپ کی نافرمانی کی جا سکتی ہے؟ اگر پہلی شق اختیار کریں تو انھوں نے خود ہی اپنے قول "بنا بر تغلیط" کو رد کر دیا۔ جہاں تک دوسری شق کا تعلق ہے یہ کہنا کفر صریح ہے جس کی جسارت کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔

بعض اہلِ علم کہتے ہیں ایک اثر وارد ہوا ہے جس میں مذکور ہے کہ کُتّوں کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ اہلِ ایمان کو ڈراتے تھے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں کُتّوں کے قتل سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں جو مسئلہ زیرِ بحث ہے وہ یہ ہے کہ جس برتن میں کُتّا مُنہ ڈال دے اس کا کیا حکم ہے؟ مگر اس اثر میں صرف کتّوں کو قتل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ مزید براں یہ اثر اس لیے موضوع ہے کہ اس کا راوی حُسَین بن عُبَیداللہ العِجلی ساقط الاحتجاج راوی ہے[1]۔

---

[1] محدث دارقطنی کہتے ہیں کہ حسین بن عبیداللہ عجلی حدیثیں خود بنا لیا کرتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض اہلِ علم نے خلطِ مبحث کرتے ہوئے اس حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے اس بدکار عورت کے لیے دعائے مغفرت کی تھی جس نے اپنے موزے کے ساتھ کُتّے کو پانی پلایا تھا۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ استدلال تو بہت ہی عجیب ہے۔ اس لیے کہ یہ واقعہ سابقہ اُمتوں کو پیش آیا جب کہ ہم ان کی شریعت کے اتباع کے مکلّف نہیں ہیں۔ پھر اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اس کے بعد اس موزے کو دھویا نہیں گیا تھا اور بلا دھوئے اس میں پانی پیا گیا تھا؛ نیز یہ کہ زانیہ عورت اس شرعی مسئلہ سے آگاہ تھی کہ کُتّے کے منہ ڈالنے سے برتن کو دھونا ضروری ہے۔ مزید براں وہ عورت نبی تو نہ تھی جس کا فعل قابلِ احتجاج ہوتا۔ ہمچو قسم کے تمام دلائل دراصل "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مترادف ہیں جن سے حیاء لازم ہے۔

جو شخص بھی اس برتن کو دھولے کافی ہے خواہ اس کا مالک ہو یا کوئی اور۔ اس لیے کہ حضورؐ کا حکم "اسے دھولیا کرو" عام ہے۔ (اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں ہمیں اس بات کا طعن دیا گیا ہے کہ ہم کہتے ہیں جس برتن میں کتا منہ نہ ڈالے اس میں اور اس صورت میں جب کہ کُتا کسی برتن سے کھالے، یا اس میں گر جائے، یا اُس میں اپنے اعضاء میں سے زبان کے بغیر کوئی دوسرا عضو رکھے فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں جو شخص وہ بات کہے جو رسولِ کریمؐ نے کہی اور وہ بات نہ کہے جو آپ نے نہیں فرمائی اس پر کوئی طعن نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جو شخص حضورؐ کے اوامر کی خلاف ورزی نہ کرے اور جو چیز دین میں مشروع نہیں اس کو مشروع نہ ٹھہرائے اس پر کسی نقد و جرح کا امکان نہیں۔ مَوردِ طعن تو وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ اگر مُرغی کا خون کپڑے کو لگ جائے اور وہ مقدار میں ایک بغلی درہم سے زیادہ ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی لیکن اگر کپڑے کو مچھلی کے خون میں ڈبو دیا جائے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس کا قول ہے کہ اگر کپڑے کو مُرغی کی بیٹ یا گھوڑے کی لید لگ جائے اور اس کی مقدار بغلی درہم سے زیادہ ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر کپڑے کی ایک چوتھائی سے کم گھوڑے کے بَول یا کوّے کی بیٹ سے آلودہ ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ اسی طرح قابلِ اعتراض وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ کُتّا اگر برتن میں منہ ڈالے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس میں پانی ہو تو اس کو پھینک دیا جائے۔ اور اگر دودھ ہو تو نہ پھینکا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس ہدفِ ملامت وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ اگر برتن میں کُتے کا ایک درہم لعاب پڑ جائے اور اس میں پانچ سو رطل پانی ہو تو اس کو پھینک دیا جائے اور اگر کُتے کا لعاب جو مقدار میں ایک رطل ہو برتن میں گر جائے تو وہ پاک ہے اس کی کسی چیز کو ضائع نہ کیا جائے۔[1]

دراصل قابلِ تنقید یہ امور ہیں نہ کہ وہ باتیں جو ہم نے کہیں ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۲۸۔ بلّی برتن میں منہ ڈالے تو اس کا حکم

اگر بلّی برتن میں منہ ڈالے تو جو کچھ اس میں ہے اس کو پھینکا نہ جائے۔ بلکہ کھا پی لیا جائے اور استعمال کیا جائے۔ پھر برتن کو صرف ایک مرتبہ دھو لیا جائے۔ کپڑے اور برتن کے سوا اگر کسی اور چیز کو بلّی کا لعاب لگ جائے تو اس کو صرف پانی کے ساتھ ہی زائل کرنا ضروری نہیں بلکہ جس چیز کے ساتھ بھی ممکن ہو زائل کر دیا جائے۔ اور اگر کپڑے کو لگ جائے تو صرف پانی کے ساتھ اس کا ازالہ کیا جائے۔

۱۲۴۔ ہم سے احمد بن محمد بن عبداللہ طلمنکی از ابن مفرج از محمد بن ایوب صموت از احمد بن عمرو بزار از عمرو بن علی میرفی از ابو عاصم ضحاک بن مخلد از قرہ بن خالد از محمد بن سیرین بیان کیا کہ) حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کُتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات مرتبہ دھو لو اور اگر بلّی منہ ڈالے تو صرف ایک مرتبہ۔[2]

---

[1] یہ عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ صحیح عبارت یوں ہے کہ اگر پانچ صد رطل پانی میں کُتے کا ایک رطل لعاب پڑ جائے تو وہ پاک ہی رہتا ہے۔" اس سے شافعیہ کی تردید مقصود ہے جن کا موقف یہ ہے کہ جب پانی "دو قلّہ" بھر ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ "دو قلّہ" کی تشریح وہ پانچ صد رطل سے کرتے ہیں۔

[2] اس حدیث کو ترمذی، دارقطنی، حاکم اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ حُفّاظِ حدیث کہتے ہیں کہ "والهرة مرة" (بلّی والا برتن ایک دفعہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے حدیث نہیں۔ ہم التحقیق ابن الجوزی مسئلہ نمبر ۱ کے حاشیہ پر اس کی توضیح کر چکے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۲۵- [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از وہب بن مُسرۃ از ابن وضاح از ابو بکر بن ابو شیبہ از زید بن حباب از مالک بن انس از اسحاق بن عبداللہ بن ابو طلحہ از حمیدہ بنت عبید بن رافع بیان کیا کہ] کبشہ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جو ابو قتادہ کے بیٹے کی بیوی تھیں۔ کبشہ بیان کرتی ہیں کہ اُس نے ابو قتادہ کے وضو کرنے کے لیے پانی رکھا۔ اسی اثناء میں ایک بلی آکر پینے لگی۔ ابو قتادہ نے برتن جُھکا دیا (تاکہ بلی پانی پی لے) میں دیکھتی رہی۔ کہنے لگے دختر برادر! تم تعجب کرتی ہو۔ حالانکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ (بلّی) نجس نہیں یہ تو تمھارے آس پاس چکر لگانے والوں میں سے ہے۔[1]" (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ (کتاب الطھارۃ)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ بلّی جس برتن میں منہ ڈالے اس کا دھونا واجب ہے۔ مگر جو کچھ اس میں ہو اس کو ضائع کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ نجس نہیں ہے۔ اگر اس کا لعاب کپڑے کو لگ جائے تو اس کا دھونا واجب ہے۔ کیونکہ بلّی ڈاڑھوں والے درندوں میں شمار ہوتی ہے اور اس لیے حرام ہے اور جو چیز حرام ہو اس کے اجزاء بھی حرام ہوتے ہیں۔ مگر ہر حرام نجس نہیں ہوتا۔ نجس وہی چیز ہے جس کو اللہ اور اس کا رسول نجس ٹھہرائے۔ مثلاً ریشم اور سونا مردوں پر حرام ہیں مگر نجس نہیں۔ قرآن میں فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر-۴) (اور اپنے کپڑوں کو صاف رکھ)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس برتن میں بلّی منہ ڈالے جو کچھ اس میں ہو پھینک دیا جائے۔ اس پانی کے ساتھ وضو درست نہیں اور اس برتن کو صرف ایک دفعہ دھویا جائے[2]"

---

[1] اس حدیث کو شافعی، احمد، دارمی، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابنِ خُزیمہ، ابن حبان، حاکم اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری، عُقیلی، دارقطنی، بیہقی اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی بھی حاکم کے ہمنوا ہیں۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[2] اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ کا جو مسلک ہدایہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ بلّی کا بچا ہوا پانی پاک مگر مکروہ ہے۔ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ وہ مکروہ نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ بات ابوقتادہؓ سے مروی حدیث کے خلاف ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس برتن میں بلّی نے منہ ڈالا ہو اس کے ساتھ وضو درست ہے۔ اس برتن کو دھونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات حضرت ابوہریرہؓ سے منقول حدیث کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے بلّی کے منہ ڈالنے سے برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے اُن میں ابوہریرہؓ، سعید بن المسیّب، حسن بصری، طاؤس اور عطاء جیسے اکابر کے نام شامل ہیں۔ البتہ طاؤس اور عطاء نے کہا ہے کہ جس برتن میں بلّی منہ ڈالے اُس کا حکم وہی ہے جو اس برتن کا ہے جس میں کُتا منہ ڈالے۔ بخلاف ازیں ابوقتادہ، ابن عباس، ابوہریرہ، اُمّ سلمہ، حضرت علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ بلّی کا بچا ہوا مُباح ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کرنے والوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ ہمارا اور ابوہریرہؓ کا قول نص کے اعتبار سے صحیح تر ہے۔

۱۲۹۔ چمڑے کی تطہیر مردار کے چمڑے کی طہارت ـــــ مردار کوئی بھی ہو مثلاً سؤر، کُتا، درندہ یا کوئی اور ـــــ رنگنے سے ہوتی ہے کسی بھی پاک چیز کے ساتھ رنگا جائے۔ رنگنے کے بعد اس کو فروخت کرنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی ماکول اللحم جانور کا چمڑا جسے ذبح کیا گیا ہو۔ مگر مردار کے چمڑے کا کھانا کسی حالت میں بھی حلال نہیں۔ البتہ انسان کے چمڑے کو اُتارنا اور رنگنا جائز نہیں۔ کافر بھی ہو تو اُس کو دفن کر دیا جائے۔ مُردار کی اُون، بال، پَر اور ریشم رنگنے سے پہلے حرام اور اس کے بعد حلال ہیں۔ مُردار کی ہڈی اور اس کے سینگ سب مباح ہیں مگر ان کو کھانا حلال نہیں[1]۔ مُردار کو فروخت کرنا اور اس کی انتڑیوں اور چربی کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

۱۲۶۔ [ہم سے احمد بن قاسم از پدر خود قاسم بن محمد بن قاسم از جدّ خود قاسم بن اصبغ از محمد بن اسماعیل ترمذی از حمیدی از سفیان بن عیینہ از زید بن اسلم از عبدالرحمٰن بن دعلہ مصری بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

---

[1] مصری نسخہ میں ہے کہ یہ سب حرام ہیں اور ان کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا جس چمڑے کو بھی رنگ لیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے[1]۔

۱۲۷۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر از زہری از عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور کا گزر حضرت میمونہؓ کی آزاد کردہ لونڈی کی بکری کے پاس سے ہوا جو مرچکی تھی۔ فرمایا تم نے اس کے چمڑے سے فائدہ کیوں نہ اٹھا لیا۔ صحابہ نے کہا یارسول اللہ! وہ تو مُردہ ہے۔ فرمایا صرف اس کا گوشت حرام ہے[2]۔

۱۲۸۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از قتیبہ بن سعید از سفیان بن عیینہ از زہری از عبید اللہ بن از ابن عباس بیان کیا کہ] حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک بکری پر سے ہوا جسے پھینک دیا گیا تھا۔ فرمایا یہ کس کی بکری ہے؟ صحابہ نے عرض کی "حضرت میمونہؓ کی" فرمایا اگر تم اس کے چمڑے کو استعمال کر لیتے تو اس میں کیا حرج تھا؟ صحابہ نے کہا "وہ تو مُردہ ہے" فرمایا "اللہ نے اس کے کھانے کو حرام ٹھہرایا ہے (چمڑے کو نہیں)" (مسلم کتاب الطہارۃ، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب اللباس۔ نسائی کتاب الفرع والعتیرۃ)

[ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبداللہ بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحییٰ بن یحییٰ و ابوبکر بن ابی شیبہ و عمرو ناقد و ابن ابی عمر از سفیان بن عیینہ از زہری و از عبید اللہ بن عبداللہ بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی کو ایک بکری صدقہ کے طور پر دی گئی تھی جو مر گئی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو فرمایا۔ تم نے اس کے چمڑے کو رنگ کر استعمال کیوں نہ کر لیا؟ صحابہؓ نے عرض کی۔ "وہ تو مری ہوئی ہے۔" فرمایا "صرف اس کا کھانا حرام ہے۔" (بخاری کتاب الزکاۃ و کتاب الذبائح، مسلم کتاب الطہارۃ، ابوداؤد کتاب اللباس، نسائی کتاب الفرع والعتیرہ، ابنِ ماجہ

---

[1] اس حدیث کو مسلم، احمد، نسائی، ابنِ ماجہ، ترمذی، دارقطنی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو بخاری مسلم اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب اللباس)

۱۳۰ - [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از ابن جریج از عطاء بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے۔ مجھے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک بکری مرگئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے اس کے چمڑے کو رنگ کر استعمال کیوں نہ کر لیا"۔ (حوالہ حدیث گزر چکا ہے)[1]

۱۳۱ - [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از عبیداللہ بن سعید از معاذ بن ہشام دستوائی از پدر خود از قتادہ از حسن از جون بن قتادہ بیان کیا کہ] حضرت سلمہ بن المحبق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں ایک عورت سے پانی طلب کیا۔ اُس نے کہا پانی میرے پاس صرف ایک مشک میں پڑا ہے جو مُردار کے چمڑے سے تیار کی گئی ہے۔ فرمایا کیا تم نے اسے رنگا نہیں؟ عرض کی جی ہاں؛ فرمایا اس کا رنگنا ہی اس کی طہارت ہے۔" (ابوداؤد کتاب اللباس، نسائی کتاب الفرع والعتیرۃ)

۱۳۲ - [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از احمد بن فضل دینوری از محمد بن جریر طبری از محمد بن حاتم از ہشیم از منصور بن زاذان از حسن بیان کیا کہ] حضرت جون بن قتادہ تمیمی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پھر طویل حدیث بیان کی جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "چمڑے کا رنگنا ہی اس کی طہارت ہے۔"

ابن حزم کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں مذکور جون اور سلمہ دونوں صحابی تھے۔[2]

---

[1] المحلّٰی کے مصری نسخہ سے میمونہ کا ذکر ساقط ہو گیا اور صرف ابن عباس کا نام مرقوم ہے۔ یہ درست نہیں۔ یہاں مصری نسخہ سے دیکھ کر تحریر کیا گیا ہے اور یہی درست ہے۔ (دیکھیے نسائی جلد ۲ ص ۱۹۰ - ۱۹۱)۔

[2] سلمہ بن المحبق کی روایت کردہ حدیث کو ابوداؤد، بیہقی، ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ بغوی، ابن مندہ اور ابن قانع نے اس حدیث کو بروایت حسن از جون روایت کیا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ہشیم نے اسی طرح بیان کیا اور جون ابن قتادہ سے اوپر نہیں بڑھے۔ اور حالانکہ "جون" صحابی نہیں ہیں۔ حفاظِ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ہشیم سے اس حدیث میں غلطی ہو گئی ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن حزم کو اس حدیث کی ظاہری سند سے دھوکا ہو گیا ہے اُنھوں نے بطریق طبری از محمد بن حاتم از ہشیم روایت کی اور (باقی بر صفحۂ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۳- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از قتیبہ بن سعید از لیث بن سعد از یزید بن ابو حبیب از عطاء بن ابو رباح بیان کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فتح مکہ کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، سؤر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام ٹھہرائی ہے۔ رسولِ کریمؐ سے دریافت کیا گیا کہ مردار کی چربی ہم کشتیوں کو ملتے ہیں، چمڑوں کو اس سے روغن کرتے ہیں اور لوگ اس سے دیے جلاتے ہیں تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا اس کی اجازت نہیں۔ یہ حرام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ یہود کو غارت کرے اللہ تعالیٰ نے جب اُن پر مُردار کی چربی حرام ٹھہرائی تو انھوں نے اسے پگھلا کر فروخت کر دیا اور پھر اس کی قیمت کھالی (بخاری کتاب البیوع وکتاب المغازی وکتاب التفسیر، مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب البیوع۔ نسائی کتاب البیوع وکتاب الفرع والعتیرۃ۔ ابن ماجہ کتاب التجارات)

امام ابن حزم کہتے ہیں امام احمد بن حنبل کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ مُردار کا چمڑا اگر رنگ لیا جائے تب بھی اس کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو

۱۳۴- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن قدامہ از جریر از منصور از حکم بن عتیبہ از

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور "جون" صحابی ہیں۔ ابوبکر بن مفوز نے تعاقب کیا اور فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ جون تابعی ہیں اور مجہول بھی ان سے حسن کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ اور جون کی یہ روایت سلمہ بن محبق سے۔ محمد بن حاتم سے غلطی واقع ہوئی ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ محمد بن حاتم کی طرف خطا کی نسبت کرنے میں ان سے سہو ہو گیا۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ جون مجہول ہیں تو یہی قول ابو طالب اور اثرم نے احمد بن حنبل سے بھی نقل کیا ہے اور ابوالحسن ابن البراء علی بن المدینی سے بیان کرتے ہیں کہ جون معروف ہیں۔ اگرچہ ان سے صرف حسن ہی روایت کرتے ہیں اور ایک دوسرے مقام پر حسن کے شیوخ مجہولین میں ان کا شمار کیا ہے۔ حالانکہ جون بن قتادہ حسن کے علاوہ زبیر بن عوام سے بھی روایت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ جمل میں شریک بھی تھے۔

اصابۃ (۱/۲۸۴) مختصراً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کیا کہ) عبداللہ بن عکیم فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مکہ بھیجا کہ مُردار کے چمڑے اور انتڑیوں کو استعمال نہ کریں۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب اللباس۔ نسائی کتاب الفرع والعتیرۃ)

امام ابن حزم کہتے ہیں یہ صحیح حدیث ہے[1]۔ یہ سابق الذکر حدیث کے خلاف نہیں۔ یہ حق بات ہے کہ مردار کے چمڑے کو رنگے بغیر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ دیگر احادیث میں وارد ہوا ہے۔ بشرطیکہ حضورؐ کی احادیث کو باہم ملایا جائے اور انھیں آپس میں ٹکرایا نہ جائے۔ اس لیے کہ احادیث تمام اللہ کی جانب سے ہیں۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (والنجم: ۳-۴)

(وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتا۔ یہ تو حکم الٰہی ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)

اور فرمایا: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء - ۸۲)

(اور اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے)

اقوال صحابہ و تابعین

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہایت صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ "چمڑے کا رنگنا ہی اس کی طہارت ہے[2]" یہ ہر قسم کے چمڑے کو شامل ہے۔

---

[1] ابن حزم کی یہ بات درست نہیں بلکہ یہ حدیث مرسل یا مضطرب ہے اس لیے کہ عبداللہ بن عُکیم صحابی نہیں ہیں۔ مزید براں ابن ابی لیلیٰ کا سماع بھی ان سے ثابت نہیں۔ میں نے اس پر تفصیلی کلام التحقیق لابن الجوزی کے حاشیہ بضمن مسئلہ رقم ۱۷ کیا ہے۔ (احمد شاکر)

[2] اس کو دارقطنی نے مرفوعاً بدیں الفاظ روایت کیا ہے "ہر چمڑے کا رنگنا اس کی طہارت ہے"۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن اور تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس حدیث کو نسائی، ابن حبان، طبرانی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابنِ عباسؓ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک مُردہ بکری کے چمڑے کو رنگا اور اس میں کھجوریں بھگو کر شربت بناتی رہیں حتیٰ کہ وہ گل گیا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ "چمڑے کا رنگنا ہی اس کی پاکیزگی ہے۔"

فقہائے کے اقوال ابراہیم نخعی گائے بکری کے چمڑوں کے بارے میں فرماتے ہیں جو مر جائیں اور اُن کو رنگ لیا جائے کہ انھیں فروخت کرنا اور پہننا جائز ہے۔ امام اوزاعی کے نزدیک اُن کو فروخت کرنا درست ہے۔ اور سفیان ثوری کے نزدیک ان کو پہن کر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ لیث بن سعد اس کو فروخت کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ سعید بن جبیر مُردار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے چمڑے کا رنگنا ہی اس کی طہارت ہے۔ امام زہری نے چیتے کے چمڑے کو مباح قرار دیا ہے۔ اس کی دلیل میں وہ حضورؐ کی حدیث پیش کرتے ہیں جو مردار کے چمڑے کے بارے میں مروی ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز، عروہ بن زبیر اور ابنِ سیرین رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

امام ابو حنیفہ:۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جب مردہ جانور کے چمڑے کو رنگا جائے تو اس کا چمڑہ اور اُس کی ہڈیاں، انتڑیاں، اعصاب، اُون، بال، پشم اور سینگ ان سب چیزوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ رنگے ہوئے چمڑے کو پہن کر نماز بھی درست ہے۔ خواہ کوئی چمڑہ بھی ہو ماسوا خنزیر کے۔

امام مالکؒ:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں مُردار کی ہڈیاں بے کار ہیں۔ مُردار کے چمڑے کو رنگ بھی لیا جائے تو اس میں نماز جائز نہیں۔ کوئی بھی چمڑہ ہو اُسے فروخت کرنا یا اُسے مَشک بنانا درست نہیں۔ البتہ ماکول اللحم جانوروں کا چمڑا جب رنگ لیا جائے تو اس پر بیٹھنا اور آٹا چھاننا جائز ہے۔ البتہ مشک بنا کر اس سے پانی پینا مکروہ ہے۔ امام مالک کے سوا دوسرے علماء اس سے منع نہیں کرتے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب درندوں کے چمڑے کو رنگ لیا جائے تو اس پر بیٹھنا اور آٹا چھاننا مُباح ہے۔ لیکن گدھے کے چمڑے کو اگر رنگ بھی لیا جائے تو اس کا استعمال جائز نہیں۔ اسی طرح مردہ جانور کے سینگ، دانت، اُس کے کُھر اور پَروں کو استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ وہ مُردہ جانور کی اُون، اس کے بالوں اور پشم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مُباح قرار دیتے ہیں۔ اور اسی طرح زندہ جانور سے اُون، پشم وغیرہ کاٹ لی جائے تو اُن کے نزدیک اس کا استعمال جائز ہے۔

امام شافعی :- امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مُردہ جانور کا چمڑا جب رنگ لیا جائے تو اس کو پہن کر وضو کیا جا سکتا ہے۔ خواہ کوئی چمڑا بھی ہو۔ ماسوا کُتے اور سؤر کے چمڑے کے۔ رنگنے سے صرف چمڑا پاک ہوتا ہے جانور کی اُون، بال، پشم، ہڈیاں، سینگ، دانت اور پر پاک نہیں ہوتے۔

اقوالِ ائمہ پر تنقید و تبصرہ

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا یہ قول کہ مردہ جانور کی ہڈیاں اور پٹھے مباح ہیں درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ سابق الذکر حدیث کے خلاف ہے کہ "ہم مُردار کے چمڑے اور اعصاب کو کام میں نہ لائیں" دوسری حدیث میں حضورؐ نے چمڑے کو رنگنے کے بعد مُباح قرار دیا مگر پٹھوں کی حرمت باقی رہی۔ اسی طرح آپؒ نے درندوں، مردہ جانوروں اور سؤر کے چمڑے میں جو تفریق کی ہے وہ بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ مردہ اور حرام ہونے میں یہ سب یکساں ہیں۔ یہ تفریقات اور یہ قول امام ابو حنیفؒ سے پہلے کسی سے منقول نہیں۔

امام مالکؒ نے ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے مابین جو فرق و امتیاز پیدا کیا ہے وہ درست نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مُردار اور خنزیر دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور دونوں کے درمیان حُرمت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ قرآن کریم میں فرمایا:-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ (المائدہ ۵: ۳)

(تم پر مُردار اور خون اور سؤر کے گوشت کو حرام ٹھہرایا گیا ہے)۔

یہ بدیہی سی بات ہے کہ ایک مرے ہوئے مینڈھے اور مرے ہوئے خنزیر کے مابین امام مالکؒ اور ہمارے نزدیک بلکہ کسی مسلم کے نزدیک بھی کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح امام صاحب نے گدھے اور درندے کے چمڑے کے مابین جو تفریق کی ہے بلا وجہ اور خطا ہے اس لیے کہ تحریم دونوں کے حق میں وارد ہوئی ہے پھر کیا فرق باقی رہا۔ یہ امر موجب حیرت ہے کہ گھوڑے کا چمڑا جب رنگا جائے تو مالکیہ اس سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتفاع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ذبح شدہ گھوڑے کا گوشت نصِّ شرعی کے مطابق حلال ہے بخلاف ازیں درندے کا چمڑا جب رنگا جائے تو اس کے استعمال کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ وہ حرام ہے۔ جس میں طہارت کسی طرح بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ علیٰ ہذا القیاس امام مالک کا یہ قول کہ درندے کے چمڑے کو اگر رنگا جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں، مبنی پر خطا ہے۔ اس لیے کہ یہ وجوہِ انتفاع میں بلا نص تفریق ہے جو کتاب و سنت، اقوالِ صحابہ و تابعین اور قیاس سے ثابت نہیں۔ امام مالک کے سوا یہ قول کسی اور سے منقول نہیں۔

امام شافعیؒ نے درندوں کے چمڑے اور کُتے و خنزیر کے چمڑے میں جو تفریق کی ہے وہ بھی مبنی پر خطا ہے اس لیے کہ حُرمت میں یہ سب یکساں ہیں۔ انھوں نے حدیث نبویؐ "اذا دبغ الاھاب فقد طھر" (جب چمڑا رنگا جائے تو پاک ہو جاتا ہے) کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ چمڑا رنگنے کے بعد اپنی اصلی طہارت کی طرف لوٹ آتا ہے۔ مگر یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ اس کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ "چمڑا اب پاک ہوگیا" یہ تفریق کسی اور سے منقول نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

چمڑے پر جو اُون، بال یا پشم ہو وہ دباغت (رنگنے) کے بعد پاک ہے اس سے پہلے نہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ مردہ جانور کے چمڑے پر بال، پَر، پشم اور اُون بھی ہوتی ہے تاہم آپ نے ان کو الگ کرنے کا حکم دیا اور نہ ہی قبل از دباغت ان کو مباح ٹھہرایا۔ یہ تمام اشیاء قبل از دباغت مُردہ جانور کا جزو ہیں اور اس لیے حرام ہیں۔ دباغت کے بعد یہ مردار نہیں رہتیں بلکہ پاک ہو جاتی ہیں اور اس لیے حلال ٹھہرتی ہیں لیکن ان کو کھایا نہیں جاسکتا اور جب یہ حلال ہیں تو نماز میں ان کو پہننا اور ان کو فروخت کرنا اس انتفاع میں داخل ہیں جس کا حکم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اگر ان کو قبل از دباغت مُردہ جانور کے چمڑے سے الگ کر لیا جائے تو ان سے انتفاع ناجائز اور حرام ہے اس لیے کہ دباغت ان پر اثر انداز نہیں ہوئی۔ اور اگر دباغت کے بعد الگ کیا جائے تو دیگر مباحات کی طرح طاہر اور حلال ہے۔ صرف ان کو کھانا روا نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک ہڈی، سینگ اور پروں کا تعلق ہے یہ اگر زندہ جانور کے ہوں تو زندہ کا جزو ہیں۔ اور زندہ کو اپنی ملکیت بنانا اور فروخت کرنا مباح ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی نص اس سے مانع ہو۔ اور اگر یہ مُردہ جانور کے ہوں تو مردہ کے حکم میں ہیں۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ حضورؐ نے مُردہ کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور مردار کا جُزو مُردار ہوتا ہے لہٰذا ان میں سے کسی چیز کی خرید و فروخت حلال نہیں۔ مگر ان تمام اشیاء سے انتفاع جائز ہے۔ اس لیے کہ آپ نے صرف اُن کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کے سوا سب کچھ مباح ہے۔ سوا ان چیزوں کے جن کا نام لے کر ان کی خرید و فروخت، اُن کی چربی کے استعمال اور اُن کے اعصاب و گوشت کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

سؤر کے بال اور اُس کی ہڈیاں سب حرام ہیں، ان کو ملکیت بنانا اور ان سے انتفاع حلال نہیں۔ اس لیے قرآن میں فرمایا:-

اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (الانعام: ۱۴۵)

(یا سؤر کا گوشت کہ وہ پلید ہے)

فَاِنَّهٗ کی ضمیر قریب تر لفظ کی جانب راجع ہے (جو کہ خنزیر ہے) بنا بریں خنزیر کے سب اجزاء پلید ہیں، اور پلید سے اجتناب واجب ہے۔ جیسا کہ قرآن عظیم میں فرمایا:

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ: ۹۰)

(پلید اور شیطانی کام ہیں ان سے اجتناب کرو)

البتہ سؤر کا چمڑہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضورؐ کا ارشاد عام ہے کہ جو چمڑا بھی رنگا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جہاں تک انسانی جلد کا تعلق ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مُثلہ سے منع فرمایا ہے اور انسانی کھال اتارنا بہت بڑا مُثلہ ہے۔ لہٰذا کافر ہو یا مومن کسی کا مُثلہ جائز نہیں۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ نے غزوہ بدر کے کافر مقتولوں کو گڑھے میں ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا ہر میّت کو ـــــ کافر ہو یا مومن ـــــ دفن کرنا واجب ہے۔ وباللہ التوفیق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۳۰- حرمتِ خمر اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے تو برتن پاک ہے۔ اس برتن سے وضو کیا جا سکتا ہے اور اسے دھوئے بغیر اس میں پانی پیا جا سکتا ہے۔ اگر شراب انڈیل دی جائے اور مائعات میں سے کسی چیز کے ساتھ اس کا نشان زائل کر دیا جائے تو برتن پاک ہو گا۔ خواہ برتن مٹی کا ہو یا لکڑی کا، یا تانبے کا یا پتھر کا یا کسی اور چیز کا۔

شراب، نص اور یقینی اجماع کی بنا پر حرام ہے لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:-

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ: ۹۰)

(شراب اور جوا اور فال والی تیر شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو)

۱۲۵- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد از عثمان بن ابی شیبہ از معاویہ بن ہشام از سفیان ثوری از محارب بن دثار بیان کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرکہ اچھا سالن ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الاطعمہ اور ترمذی نے حضرت عائشہ سے بھی یہ روایت بیان کی ہے)

حضورؐ کے یہ الفاظ عام ہیں ان میں کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی۔ سرکہ شراب نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو چیز حلال اور طاہر ہو وہ حرام اور نجس چیز سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اُس برتن میں شراب کا کوئی اثر موجود نہیں، لہٰذا نہ اس سے اجتناب لازم ہے اور نہ اس کا ازالہ ضروری ہے۔ بخلاف ازیں جب برتن میں شراب کا نشان موجود ہو تو گویا شراب موجود ہے۔ اس لیے اس کا ازالہ ضروری اور اس سے اجتناب فرض ہے۔ چونکہ کسی نص یا اجماع سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا ازالہ کسی خاص چیز کے ساتھ ضروری ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس چیز کے ساتھ بھی اس کے نشان کو زائل کر دیا جائے اس سے اداء واجب ہو جاتا ہے اور جب نشان باقی نہ رہا تو برتن پاک ٹھہرا کیوں کہ اس میں اب کوئی چیز ایسی موجود نہیں جس کی وجہ سے اجتناب لازم ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۱۔ منی کی طہارت کا مسئلہ

منی پاک ہے[1]۔ خواہ پانی میں ہو یا جسم پر یا کپڑے پر۔ اس کا ازالہ ضروری نہیں۔ تھوک بھی منی جیسا ہے اور دونوں میں کوئی فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۱۳۶۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از سفیان ثوری و سفیان بن عیینہ از منصور بن المعتمد از ابراہیم نخعی بیان کیا کہ] ہمّام بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک مہمان کو بلایا۔ آپ کو بتایا گیا کہ جنابت کی وجہ سے وہ اپنے کپڑے کو دھو رہا ہے فرمایا وہ کپڑے کو دھوتا کیوں ہے؟ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اس کو کھرچ دیا کرتی تھی۔ اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منی کے دھونے پر اعتراض کیا۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۱۳۷۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از احمد بن جواس از ابوالاحوص از شبیب بن غرقد بیان کیا کہ] عبداللہ بن شہاب خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے یہاں مہمان ٹھہرا تھا کہ مجھے احتلام ہو گیا۔ میں نے اس کپڑے کو پانی میں ڈبو دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے مجھے دیکھ لیا اور حضرت عائشہؓ کو بتایا۔ حضرت عائشہؓ نے مجھے پیغام بھیج کر دریافت کیا کہ آپ نے کپڑے کو کیا کیا؟ میں نے کہا "مجھے خواب میں احتلام ہو گیا تھا" فرمایا "کیا کپڑے پر کوئی نشان موجود تھا؟" میں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا "اگر اس پر کوئی نشان دیکھتے تو اسے دھو لیتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ خشک ہونے کی حالت میں میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اپنے ناخنوں کے ساتھ کھرچ دیا کرتی تھی۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ)

یہ روایت اس شخص کی دروغ گوئی پر روشنی ڈالتی ہے جو کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کپڑے کو پانی کے ساتھ دھویا کرتی تھیں۔

www.KitaboSunnat.com

---

[1] پاک سے مراد یہ ہے کہ جسم یا کپڑے یا جائے نماز وغیرہ پر لگ جائے اور خشک ہو جائے تو اس کا دھونا واجب نہیں بلکہ کھرچ دینا کافی ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۳۸- [ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن انا احمد بن زہیر بن حرب از موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمہ از حماد بن ابی سلیمان انا ابراہیم انا اسود بن یزید بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں منی تو حضورؐ کے کپڑے سے کھرچ دیا کرتی تھی پھر آپ اس میں نماز ادا فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ)

اس حدیث کو علقمہ بن قیس (مسلم کتاب الطہارۃ) اور حارث بن نوفل (سنن نسائی کتاب الطہارۃ) نے مرفوعاً حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث متواتر ہے۔

حضرت سعدؓ بن وقاص کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ منی کو اپنے کپڑے سے کھرچ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ منی کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ ناک اور تھوک کی مانند ہے۔ اسے تنکے یا کپڑے کے ساتھ پونچھ لو اور دھونے کی کوشش نہ کرو۔ البتہ اگر کپڑے پر دیکھ کر کراہت آتی ہو تو اسے دھولو سفیان ثوری، امام شافعی، ابوثور، احمد بن حنبل، ابوسلیمان اور ان کے تمام اصحاب و تلامذہ کا یہی مسلک ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ منی نجس ہے اور اس کا دھونا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب، ابوہریرہ، انس اور سعید بن المسیّب اسی کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ منی کو نجس قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر جسم پر بغلی درہم سے زیادہ منی لگی ہو تو اس کا ازالہ صرف پانی ہی سے ممکن ہے اور اگر بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہو تو اس کو پانی کے بغیر زائل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کپڑے یا جوتے یا موزے پر بغلی درہم سے زیادہ منی لگی ہو اور گیلی ہو تو اس کو کسی سیال چیز کے ساتھ دھونا ضروری ہے اور اگر خشک ہو یا بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہو (کھرچ دینا کافی ہے) اور اگر گیلی ہو تو اسے پونچھ دینا کافی ہے۔ ہم نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: "اگر منی گیلی ہو تو اسے دھولو اور اگر خشک ہو تو کھرچ دو۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جو لوگ منی کی نجاست کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استجاج کرتے ہیں کہ جسے ہم نے بطریق سلیمان بن لیسار از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھویا کرتے تھے۔ میں حضورؐ کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ منی چونکہ بول کے مخرج سے نکلتی ہے اس لیے ناپاک ہے۔ وہ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث پیش کرتے ہیں جسے ہم بطریق ابو حذیفہ از سفیان ثوری۔ اور سفیان نے ایک مرتبہ از اعمش اور بار دیگر از منصور۔ پھر از ابراہیم از ہمام بن الحارث از حضرت عائشہ روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منی کو کھرچنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس دلیل سے ان کا مدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے حضرت عائشہ، سعد اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس ضمن میں ہمارے ہمنوا ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں اقوال صحابہ مختلف ہوں تو ایک کے قول کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ اندریں صورت کتاب و سنّت کی جانب رجوع واجب ہے۔ باقی رہی سُلیمان بن یسار کی روایت تو اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ آپ نے اُس کے دھونے یا زائل کرنے کا حکم دیا یا اُسے نجس ٹھہرایا تھا۔ اس میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ آپ منی کو دھویا کرتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی اسے دھویا کرتی تھیں۔ یہ حضورؐ کا ایک فعل ہے اور آپ کے افعال وجوب پر دلالت نہیں کرتے۔

۱۳۹۔ [کیونکہ ہم سے عبدالرحمان بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از مالک بن اسماعیل از زہیر بن معاذ از حمید بیان کیا کہ] حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے قبلہ کی دیوار پر ناک کا فضلہ دیکھا تو اُسے اپنے ہاتھ سے مَل دیا۔ اندریں اثنا ناگواری کے آثار حضورؐ کے چہرے پر نمایاں ہو گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الصلاۃ)

ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ناک کی نجاست ثابت نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات آدمی ایسی چیز کی وجہ سے بھی اپنے کپڑے کو دھو لیتا ہے جو نجس نہیں ہوتی۔ جہاں تک سفیان کی روایت کردہ حدیث کا تعلق ہے اس سے روایت کرنے میں ابو حُذیفہ موسیٰ بن مسعود النہدی منفرد ہے اور وہ بصرہ کا رہنے والا ضعیف اور کثیر الخطأ راوی ہے۔ وہ سفیان سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں "وہ کچھ بھی نہیں" گویا ابو حذیفہ جس سفیان سے روایت کرتا ہے وہ کوئی اور راوی ہے اور وہ سفیان نہیں جس سے اکثر لوگ حدیثیں روایت کرتے ہیں۔[1]

---

[1] حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث جس کو ابو حُذیفہ نے نقل کیا ہے۔ اس کو ابن الجارود نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منی کو نجس قرار دینے والوں نے ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہ مخرج البول سے نکلتی ہے اس لیے ناپاک ہے۔ حالانکہ اس دلیل سے ان کا مدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بول جب تک خارج نہ ہو اس پر کوئی حکم عائد نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کریم میں فرمایا:

مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا (النحل ۶۶)

(گوبر اور لہو سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ دودھ خون اور گوبر کے درمیان سے نکلنے کے باوجود ناپاک نہیں ہوا لہٰذا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) المنتقیٰ ۱/ ۲۰۷ پر نقل کیا ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے۔ ہم سے محمد بن یحییٰ و احمد بن یوسف از ابو حذیفہ از سفیان از منصور از ابراہیم بیان کیا کہ ہمام بن حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے یہاں ایک مہمان ٹھہرا تو اُسے احتلام ہو گیا۔ وہ اپنا کپڑا دھونے میں لگ گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کپڑے کو کھرچ دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔" حافظ ابن حجر التلخیص ج ۱، ص ۱۹۱ پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ مسلم نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "میں خشک منی کو حضورؐ کے کپڑوں سے اپنے ناخنوں کے ساتھ کھرچ دیا کرتی تھی۔" اس میں امر (حکم دینے) کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کی صحیح اصل موجود ہے۔ ابو حذیفہ ثقہ راوی ہے بخاری نے اس سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صدوق راوی ہے الثوری کہلاتا تھا۔ مگر اس میں تصحیف پائی جاتی ہے۔ ابن سعد الطبقات جلد ۷، صفحہ ۵۵ پر لکھتے ہیں کہ ابو حذیفہ کثیر الروایت ثقہ راوی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سفیان جب بصرہ آئے تو انھوں نے ابو حذیفہ کی والدہ کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ جمادی الاخریٰ ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ اور امام احمد کا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ابو حذیفہ سفیان سے جو حدیثیں روایت کرتا ہے۔ دوسرے محدثین ان کو نہیں پہچانتے۔ ظاہر ہے کہ یہ ابو حذیفہ پر نقد و جرح نہیں ہے۔ جب امام احمد سے ابو حذیفہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا ابو حذیفہ کے صدق مقال ہونے میں شبہ نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخالفین کے تمام دلائل باطل ٹھہرے۔ وباللہ التوفیق۔

بعض اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ منی جب گیلی ہو تو سلیمان بن یسار کی روایت کے پیش نظر اس کو دھویا جائے اور اگر خشک ہو تو دیگر احادیث کے مطابق اس کو کھرچ دیا جائے۔ مگر یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ سلیمان کی روایت میں گیلی ہونے اور دیگر احادیث میں خشک ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کا تذکرہ صرف الخولانی کی روایت میں ملتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ خصم نے کذب اور تحکم کا ارتکاب کیا اور احادیث میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں بعض اہل علم کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں "کنت افرکہ" (میں اسے مَلا کرتی تھی) کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے ساتھ دھویا کرتی تھی۔ مگر یہ ایک اور جھوٹ اور حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ حالانکہ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "میں اپنے ناخنوں کے ساتھ کھرچا کرتی تھی"۔ ابن حزم فرماتے ہیں اگر منی نجس ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے سمیت نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیتے اور آپ کو بتا دیتے کہ یہ پلید ہے۔ جس طرح نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا تھا کہ آپ کے جوتے ناپاک ہیں ان کو اتار دیجیے۔ ہم یہ حدیث مع سند قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۳۲۔ گوبر یا پاخانہ جل جائے تو اس کا حکم

جب پاخانہ، گوبر اور مردار جل جائے یا متغیر ہو کر راکھ یا مٹی بن جائے تو وہ پاک ہے۔ اور اس کے ساتھ تیمم جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شرعی احکام اس نام پر وارد ہوتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مخاطب کیا ہے۔ جب وہ نام باقی نہ رہے تو حکم بھی باقی نہیں رہتا۔ گویا اب وہ چیز باقی نہیں رہی جس کے بارے میں اللہ نے حکم صادر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ پاخانہ یا گوبر مٹی یا راکھ سے الگ چیز ہے۔ اسی طرح شراب اور سرکہ دو مختلف چیزوں کے نام ہیں۔ اسی طرح انسان وہ خون نہیں جس سے اس کی تخلیق ہوئی ہے اور مردار مٹی سے الگ چیز ہے۔

۱۳۳۔ مردوں، عورتوں اور ماکول اللحم جانوروں کا لعاب اور پسینہ پاک ہے

مومن مردوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عورتوں کا لُعاب ــــــ وہ جنبی ہوں یا حائضہ ــــــ اسی طرح گھوڑوں اور ماکول اللحم جانوروں کا لُعاب، پسینہ، آنسو اور جُوٹھا پانی پاک ہے اور اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

۱۴۰۔[ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از علی بن عبداللہ از یحییٰ بن سعید قطان از حمید از بکر از ابورافع بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو مدینہ کی ایک شاہراہ پر ملے۔ ابوہریرہؓ جنبی تھے اس لیے چھپ گئے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا "ابوہریرہؓ تم کہاں تھے؟" عرض کی میں جنبی تھا اس لیے ناپاکی کی حالت میں آپ کی ہم نشینی کو نامناسب خیال کیا"۔ فرمایا "سبحان اللہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

ابنِ حزم فرماتے ہیں سب ماکول اللحم جانور بلا اختلاف و نزاع پاک ہیں۔ قرآن میں فرمایا:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷)

(پاکیزہ چیزوں کو اُن کے لیے حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک کو حرام کرتا ہے)

پس جو چیز بھی حلال ہے وہ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ چیز نجس نہیں بلکہ طاہر ہوتی ہے اور طاہر کا جُزو بھی بلاشک وشبہ طاہر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کُل اپنے اجزاء سے الگ نہیں ہوتا بلکہ اُن کا عین ہوتا ہے۔ بجز اس صورت کے کہ نصّ سے طاہر کے کسی جزو کی حرمت ثابت ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ مثلاً خون، بَول اور لِید وغیرہ کہ اس کو طاہر کے باقی اجزاء سے مستثنیٰ تصوّر کیا جائے گا۔ اس کے سوا طاہر کے دیگر اجزاء اپنی طہارت پر قائم رہیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۴۳۔ کفّار کا لعاب، آنسو اور پسینہ ناپاک ہے

کفّار کا لعاب ــــــ مرد ہوں یا عورت، کتابی ہوں یا غیر کتابی ــــــ بالکل نجس ہے۔ اسی طرح اُن کا پسینہ، آنسو اور ان کی ہر چیز ناپاک ہے۔ غیر ماکول اللحم جانور، پرندے ہوں یا دوسرے جانور، خنزیر، کُتّا، بلّا، درندہ اور چوہا ان سب کا لعاب حرام اور واجب الاجتناب ہے۔ ماسوا ضبع (بجّو) کے۔ علیٰ ہذا القیاس ان کا پسینہ اور آنسو بھی حرام اور ناپاک ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تمام باتوں کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے :۔

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (التوبۃ ، ۲۸) (مشرک ناپاک ہیں)

جب مشرکین نجس ہیں تو ان کا ہر جزو ناپاک ٹھہرا۔ اس لیے کہ کُل اپنے اجزاء سے عبارت ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مشرکین کا مذہب نجس ہے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ بالفرض والمحال اس بات کو درست مانا جائے تو کیا اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ مشرکین پاک ہیں؟ معاذاللہ! اس آیت کریمہ اور حضورؐ کی حدیث "ان المومن لا ینجس" سے یہ بات ہرگز نہیں سمجھی گئی کہ مشرک پاک ہوتا ہے۔ اور اس سے عجیب تر بات اور کیا ہوگی کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے نجس کہا ہے ان کو پاک تصور کیا جائے؟ پھر اس پر طرّہ یہ کہ مشرکین کو پاک کہنے والا منی کو نجس قرار دیتا ہے جس کی نجاست میں کوئی نص وارد ہی نہیں ہوئی بس ایسی بات کو صرف سُن لینا چاہیے (تسلیم کرنا اور عمل کرنا تو دوسری بات ہے) اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس سے محفوظ ہیں۔

اگر معترض کہے کہ کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح اور مجامعت کی اجازت ہے (تو وہ نجس کیونکر ہوئے) ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ پھر ان کے لعاب، پسینہ اور آنسو کے پاک ہونے کی کیا دلیل ہوئی؟ اگر کہا جائے کہ ان چیزوں سے بچنا محال ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ غلط ہے۔ بخلاف ازیں اگر آدمی کو کتابی عورت کا لعاب یا پسینہ لگ جائے تو اس کو اسی طرح زائل کیا جائے جیسے ان کے بول، خون اور ان کی شرمگاہ کے پانی کو دُور کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان عورتوں کے لعاب اور بول میں کچھ فرق نہیں۔ اور اس میں کچھ مضائقہ بھی نہیں۔

بالفرض والمحال اگر کتابی عورتوں کے لعاب اور پسینہ کو پاک بھی تسلیم کر لیا جائے تو ان کے مردوں کی طہارت کیسے ثابت ہوگی۔ نیز غیر کتابی مردوں اور عورتوں کے لعاب وغیرہ کا پاک ہونا کہاں سے لازم آئے گا؟ اگر وہ کہیں کہ ہم غیر کتابی کو کتابی پر قیاس کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یوں تو قیاس کی ہر قسم باطل ہے تاہم اگر قیاس حق بھی ہوتا تو یہ قیاس عین باطل ٹھہرتا۔ بطلان کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک کتابی عورتوں کی طہارت کی علت ان کے ساتھ نکاح کا جواز ہے۔ مگر جیسا کہ وہ خود مانتے ہیں کہ یہ علت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر کتابی عورتوں ہی معدوم ہے اور انھیں خود تسلیم ہے کہ قیاس تب جائز ہوتا ہے جب دو حکموں کے درمیان علّتِ جامعہ موجود ہو۔ مگر یہاں علّتِ جامعہ نہیں بلکہ علّتِ مُفرقہ پائی جاتی ہے[1]۔ و باللہ التوفیق۔

---

[1] کافر کے بدن، پسینہ اور لعاب کی نجاست کا قول نہایت شاذ ہے جو میرے علم کی حد تک کسی عالم سے منقول نہیں۔ البتہ ابنِ کثیر نے یہ قول اپنی تفسیر ج ۴، ص ۲۷۴ میں بعض اہلِ ظاہر سے نقل کیا ہے۔ غالبًا ابن کثیر کا اشارہ ابنِ حزم کی جانب ہے۔ اسی طرح ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر ج ۱۰، صفحہ ۷۴، پر حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ ''اُن سے مصافحہ نہ کیجیے جو مصافحہ کرے وہ وضو کرے'' یہ عجیب بات ہے کہ ابو حیان نے النہر حاشیہ البحر ج ۵، ص ۲۷ میں طبری کی جانب اس قول کو منسوب کیا ہے کہ وہ کفار کے اجسام کو نجس قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ طبری نے یہ قول دوسرے لوگوں سے نقل کیا اور اس کو حضرت ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ طبری اس کے تذکرہ کو بھی پسند نہیں کرتے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ابنِ حزم نے اس مسئلہ کے اثبات میں چند مغالطات[2] کو دلائل سمجھ کر پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے اہلِ کتاب کے تیار کردہ کھانے اور ان کے ساتھ مل کر کھانے کو مباح ٹھہرایا ہے۔ کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ان کے ساتھ اختلاط و آمیزش کے جواز کی متقضی ہے۔ یہ ایسی صورت حال ہے جس کی موجودگی میں کتابی عورت کے لُعاب اور اس کے پسینے سے مومن کا کپڑا اور بستر کسی طرح بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سابق الذکر آیت اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ اس سے مشرکین کی معنوی اور اعتقادی نجاست مراد ہے دوسرے یہ کہ کفار پاکیزگی اور طہارت کے چنداں شائق نہیں ہوتے اور نہ ہی نجاست سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امیر صنعانی المحلّٰی کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[2] مغالطات کہنا انتہائی زیادتی ہے۔ ابنِ حزم کے دلائل نہایت مضبوط ہیں۔ صرف ابنِ حزم نے منکوحہ کتابیہ کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ یہ ان کا سہو ہے۔ لیکن جن لوگوں نے منکوحہ پر دوسروں کا قیاس کیا وہ البتہ مغالطہ عظیم ہے۔ اہلِ کتاب کے ساتھ مل کر کھانے کی کوئی نص نہیں۔ البتہ ان کے کھانے کو حلال کرنا ثابت بالنص قطعی ہے لیکن بشرطِ طیبات۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام غیر ماکول اللحم جانور نص قطعی کی بنا پر حرام ہیں اور حرام سے اجتناب واجب ہے۔ مزید براں حرام کا جزو بھی حرام ہوتا ہے، اور جس چیز کے جزو سے اجتناب واجب ہو اس کے سب اجزاء واجب الاجتناب ہوتے ہیں۔ ہم نے بطریق شعبہ انا ابوالطفیل روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن اُسید دجّال کے بارے میں فرماتے ہیں "سواریوں میں سے صرف گدھے کو دجّال کے تابع بنایا جائے گا۔ دجّال خود بھی نجس ہوگا اور سواری بھی نجس چیز پر کرے گا۔ (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور طیالسی)

ضبع یعنی بجّو کے استثناء کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۱۴۱۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق انا ابن اعرابی از ابو داؤد از مسدد انا ابوعوانہ از ابو بشر از میمون بن مہران بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھوں والے درندوں اور پنجہ میں پکڑ کر کھانے والے پرندوں کو کھانے سے روکا۔"

۱۴۲۔ [اور ہم سے بسند سابقہ تا ابو داؤد از محمد بن عبداللہ از جریر بن حازم از عبداللہ بن عبید بن عمیر از عبدالرحمٰن ابو عمارہ بیان کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجُّو کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ شکار (یعنی حلال) ہے۔ اور اگر مُحرِم اسے شکار کرے تو اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آیت کریمہ "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ" سے شرعی معنی مراد نہیں بلکہ نفرت دلانا مقصود ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام کے قریب جانے کے اہل نہیں ہیں۔ لفظ "نجس" عربی میں چند معانی کے لیے آتا ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ مشرک غلیظ ہوتے ہیں اور اپنی اعتقادی نجاست اور بت پرستی کی بنا پر بیت اللہ سے دُور رہتے ہیں۔ بنا بریں ان کا افضل ترین مقامات اور اہل ایمان کی اعلیٰ ترین عبادت گاہوں سے دُور رہنا ہی موزوں ہے۔"

لہ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۰) ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۵۲، المنتقٰی میں اس کو نسائی کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر یہ حدیث مجھے نسائی میں نہیں ملی۔ (نسائی کی بجائے ابو داؤد کتاب الاطعمۃ میں اس سند کے ساتھ موجود ہے۔ البتہ بطریق سعید بن جبیر سنن نسائی کتاب الصید اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے کفارہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا جائے۔ (ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، ترمذی کتاب الاطعمہ وکتاب الحج۔ نسائی کتاب الصید وکتاب الحج۔ ابن ماجہ کتاب الحج وکتاب الصید)

۱۳۵۔ تمام ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم جانوروں کا جوٹھا پاک اور حلال ہے

ہر کافر اور کافرہ کا جوٹھا، علیٰ ہذا القیاس تمام ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا بچا ہوا، خواہ وہ خنزیر ہوں یا درندہ، یا پالتو گدھا یا مرغی جسے باہر چھوڑا گیا ہو یا وہ مُرغی جسے باہر نہ چھوڑا گیا ہو، طاہر اور حلال ہے۔ بشرطیکہ غیر ماکول اللحم جانور کے لعاب کا اثر ظاہر نہ ہو۔ بجز اس برتن کے جس میں کُتّے نے منہ ڈالا ہو۔ ان میں سے کسی برتن کو دھونا ضروری نہیں، ماسوا اس برتن کے جس میں کُتّے اور بلّے نے منہ ڈالا ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزوں کی طہارت، نجس اشیاء کی پلیدی، حرام چیزوں کی حرمت اور حلال چیزوں کی حلت کا فیصلہ کیا ہے۔ اُس نے اس بات کی مذمت کی ہے کہ اس کی مقررہ حدود سے تجاوز کیا جائے۔ ہر وہ چیز جس کی طہارت کا فیصلہ اللہ نے کیا ہے وہ طاہر ہے اور نجاست کی آمیزش سے نجس نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو نجس ٹھہرایا ہے وہ پاکیزہ چیز کے اختلاط سے پاک نہیں ہوتی کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس حکم نہیں دیا۔

اسی طرح جملہ حلال اشیاء حرام کی آمیزش سے حرام نہیں ٹھہرتیں۔ اس لیے کہ اللہ و رسولؐ نے اس کا حکم نہیں دیا۔ علیٰ ہذا القیاس محرّمات حلال کی آمیزش سے حلال قرار نہیں پاتیں۔ اس لیے کہ اللہ اور اُس کے رسُولؐ نے اس کا حکم نہیں دیا۔ جو شخص یہ بات کہتا ہے کہ پاکیزہ چیز نجاست کی آمیزش سے نجس ہو جاتی ہے اور حلال چیز حرام کے اختلاط سے حرام ہو جاتی ہے۔ اس شخص کے درمیان اور اس کے برعکس دعویٰ کرنے کے درمیان جس کے نزدیک نجس چیز طاہر کی ملاقات سے پاک ہو جاتی ہے اور حرام چیز حلال کے ملنے سے حلال ہو جاتی ہے کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ یہ دونوں قول باطل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ضمن میں صحیح بات یہ ہے کہ حلال حلال ہی رہتا ہے اور حرام اپنی حُرمت پر باقی رہتا ہے۔ البتہ کسی چیز کے بارے میں اس کے برخلاف اگر کوئی نص آجائے تو دوسری بات ہے۔ مگر وہ حکم اسی چیز تک محدود رہے گا جس کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے اس سے آگے تجاوز نہیں کرے گا۔ پس جن جانوروں کا ذکر ہم نے کیا ہے اگر ان میں سے کوئی کسی برتن سے کھا پی لے، یا اپنا عضو اس برتن میں ڈالے، یا اس برتن میں گر جائے تو اس کا بچا ہوا (کھانا یا پانی) حلال اور طاہر ہے اور نجاست اور حرام کی آمیزش سے نجس نہیں ہوگا۔ اِلّا یہ کہ حرام چیز کا کوئی نشان اس میں رُونما ہو تو وہ حرام ٹھہرے گا اس لیے کہ حرام کا جزو بھی حرام ہوتا ہے۔ مگر کُتّا اور بلّا اُس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے بارے میں رسولِ کریمؐ کا فیصلہ قلمبند کر چکے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

امام ابو حنیفہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی ماکول اللحم حیوان کسی برتن میں پانی پی لے تو وہ پاک ہے اور اس کے ساتھ وضو جائز ہے۔ اس میں گھوڑا، گائے، بھیڑ بکری اور دیگر حیوانات یکساں ہیں۔ اسی طرح تمام پرندوں کا جوٹھا —— وہ ماکول اللحم ہوں یا غیر ماکول اللحم —— نیز چگنے کے لیے چھوڑی گئی مرغی کا جوٹھا پاک ہے اور اس کے ساتھ وضو جائز مگر مکروہ ہے۔ اس کا کھانا (پینا) حلال ہے۔ اگر کوئی غیر ماکول اللحم جانور مثلاً خچر، گدھا، کُتا، بلّا، درندہ یا خنزیر برتن میں سے پی لے تو وہ پانی نجس ہے اور اس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص اس پانی کے ساتھ وضو کرے تو وضو کا اعادہ کرے۔ اگر اُن کا لعاب کسی برتن میں گر جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ غیر ماکول اللحم پرندے قیاس میں غیر ماکول اللحم حیوانات کے ساتھ مساوی ہیں۔ مگر میں قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کرتا ہوں"

امام ابن حزم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"امام ابو حنیفہ کا بیان کردہ فرق درست نہیں۔ اور آپ سے پہلے ہمارے علم کی حد تک کسی نے یہ فرق بیان نہیں کیا۔ جب (بقول امام ابو حنیفہ) قیاس حق ہے تو آپ نے حق کو ترک کرکے استحسان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

راہ کیوں اختیار کی جو خلافِ حق ہے؟ اور اگر قیاس باطل ہے تو آپ نے باطل پر عمل کر کے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔"

بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ سیال چیز کا حکم وہی ہوتا ہے جو اُس گوشت کا ہے جو اس میں مل جائے۔ ابن حزم کہتے ہیں یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور جو بات ایسی ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ اگر اس قائل کا مطلب یہ ہے کہ دونوں (پانی اور جو گوشت اس میں پڑا ہے) حُرمت میں برابر ہیں تو یہ جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ انسان کا گوشت حرام ہے۔ مگر جس برتن میں سے کوئی شخص پیئے، یا اپنی زبان اس میں ڈالے اس کو وہ حرام قرار نہیں دیتے۔ اور اگر قائل کا مطلب یہ ہے کہ سیّال چیز اور گوشت طہارت و نجاست میں یکساں ہیں تو غیر ماکول اللحم حیوان جب تک زندہ ہو اس کی نجاست کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ اور اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ نجس صرف وہی چیز ہوتی ہے جس کی نجاست نصّ سے ثابت ہو۔ اور اگر حرام چیز نجس بھی ہو تو انسان کا نجس ہونا لازم آئے گا۔ (اس لیے کہ انسان کا گوشت بھی حرام ہوتا ہے)۔

امام مالکؒ: امام مالکؒ فرماتے ہیں:

"گدھے، خچر اور تمام غیر ماکول اللحم جانوروں کا جوٹھا باقی جانوروں کی طرح پاک ہے۔ یعنی ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ البتہ جو پرندے اور درندے مُردار کھاتے ہیں اگر وہ کسی برتن سے پانی پی لیں تو اس سے وضو جائز نہیں۔ جو مُرغیاں گندگی کھاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر اس کے ساتھ وضو کر کے اور نماز کا وقت باقی ہو تو دوبارہ وضو کرے (ورنہ نہیں) اگر ان جانوروں میں سے کوئی دودھ کے برتن میں سے پی لے، اور اس جانور کی چونچ گندگی سے آلودہ ہو تو وہ دودھ نہ پیا جائے اور اگر چونچ غلاظت سے ملوّث نہ ہو تو اس کے پینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔"

امام مالکؒ کے تلمیذ، ابن القاسم کہتے ہیں اگر دوسرا پانی نہ ملے تو اس کے ساتھ وضو کرے اور ساتھ ہی تیمّم بھی کرے۔ بشرطیکہ معلوم ہو کہ یہ جانور گندگی کھاتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کُتّے کے لعاب میں کچھ حرج نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ حزم امام مالک کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

امام مالک کا یہ فرمانا کہ نماز کا وقت باقی ہو تو وضو کا اعادہ کرے درست نہیں۔ اس لیے کہ یہاں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس نے وضو اور نماز دونوں کو صحیح طور سے ادا کر لیا جیسا اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس نے صحیح طور سے ادا نہیں کیا۔ پہلی صورت میں جب اس نے وضو اور نماز کو صحیح طور سے ادا کر لیا ہے تو یہ بات جائز نہیں کہ ایک ہی دن میں دو مرتبہ ظہر کی نماز ادا کرے۔ باقی نمازوں کا بھی یہی حکم ہے۔ بصورتِ ثانی جب اس نے صحیح طور سے نماز ادا نہیں کی تو نماز اس پر واجب الادا ہے۔ اور بقول امام مالک باقی ماندہ نماز بعد از وقت ادا کی جائے گی"

امام مالکؒ کے بعض متعصب مقلدین پر جب اعتراض کیا گیا تو اس نے کہا دونوں پہلو ہیں۔ اس نے نماز ادا بھی کی ہے اور نہیں بھی کی۔ جب اس پر نقد و جرح کی گئی تو اس نے یہ آیت پیش کی۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال : ۱۷)

(جب تو نے تیر پھینکا تو تُو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا ہے)

امام ابن حزم فرماتے ہیں اس آیت سے یہ استدلال بالکل بے محل ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر پھینکا تو آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا ہے اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس نے نماز پڑھی ہے اور نہیں بھی پڑھی، اس کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے کس نے نماز ادا کی ؟ اگر اس کی طرف نماز کا فعل وقوع پذیر ہو چکا ہے تو اس کے لیے کسی فاعل کا وجود از بس ناگزیر ہے۔ جس طرح تیر پھینکا گیا تو کوئی اس کا پھینکنے والا بھی تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور یہ بات تو محال و ضلال ہے کہ فعل تو ہو مگر اس کا فاعل کوئی نہ ہو۔ کوئی موحد یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ اور اگر جس نماز کا وہ مامور تھا اس نے ادا نہیں کی تو مالکیہ کے طریقہ کے مطابق اُسے ادا کرے۔

باقی رہا ابن القاسم کا یہ قول کہ اگر پتہ چلے کہ وہ جانور غلاظت خور ہے اور دوسرا پانی نہ ملے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تو اسی پانی کے ساتھ وضو کرے اور ساتھ ہی تیمم بھی کرے۔ ظاہر ہے کہ اس قول میں تناقض پایا جاتا ہے اس لیے کہ یہاں دو صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ جس پانی کے ساتھ اس نے وضو کیا وہ پانی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ پانی نہیں ہے۔ بصورتِ اوّل جب وہ پانی ہے تو دوسرا پانی ہو یا نہ ہو اس کے ساتھ وضو جائز ہے اور اگر دوسرے پانی کی موجودگی میں اس کے ساتھ وضو جائز نہیں تو دوسرے پانی کی عدم موجودگی میں بھی اس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ اس لیے کہ بصورتِ ثانی وہ پانی ہے ہی نہیں کیونکہ پانی کی متبادل چیز صرف مٹی ہے (نہ کوئی اور چیز) یہاں تیمم کو داخل کرنا سراسر غلط ہے۔ اس لیے کہ جب وضو کے لیے پانی موجود ہو تو تیمم کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

امام شافعی: امام شافعی کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ حیوان حلال ہو یا حرام اس کا جوٹھا اور لعاب پاک ہے ــــــ بجز کتے اور خنزیر کے ــــــ آپ کے بعض اصحاب و تلامذہ نے اس کی دلیل میں کہا ہے کہ امام شافعیؒ نے اس مسئلے کو بنی آدم کے جوٹھے اور اُن کے لعاب پر قیاس کیا ہے۔ اس لیے کہ بنی آدم کا گوشت حرام ہے، مگر اس کے باوصف ان کا جوٹھا اور لعاب پاک ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ قیاس کی ہر قسم باطل ہے۔ اگر قیاس بفرضِ محال حق بھی ہوتا تو یہ قیاس (جو امام شافعی نے اندریں مسئلہ کیا ہے) بالکل باطل ہوتا۔ تمام درندوں کو کتے پر قیاس کیا گیا ہے (اور یہ قیاس اس لیے درست ہے) کہ کتے کی حرمت کی علت یہی ہے کہ وہ درندوں میں شامل ہے۔ نیز اس لیے کہ درندوں کی حرمت کے بارے میں حضورﷺ کے الفاظ عام ہیں جن میں کتا بھی داخل ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو کتا حلال ٹھہرتا۔ بنا بریں درندوں کو کتے پر قیاس کرنا اس بات سے افضل ہے کہ ان کو انسانوں پر قیاس کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنی نوعِ آدم اور درندوں کے درمیان کوئی علت جامعہ نہیں پائی جاتی مزید براں بنی آدم شرعی احکام کے مکلّف ہیں جب کہ حیوانات مکلّف نہیں ہیں۔ علاوہ بریں بنی آدم کی عورتوں کے ساتھ مجامعت، نکاح اور مِلک یمین کی بنا پر مردوں کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ حالانکہ مادہ حیوانات میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ نیز بنی آدم کی عورتوں کا دودھ حلال ہے جب کہ درندوں کی مادہ اور گدھی کا دودھ حلال نہیں ہے۔ پس واضح ہوا کہ یہ قیاس مبنی بر خطا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر شوافع یہ کہیں کہ ہم حیوانات کو بِلّے پر قیاس کرتے ہیں، تو ہم کہیں گے کہ تم پر یہ بات کس نے واجب ٹھہرائی ہے کہ تم حیوانات کو بِلّے پر قیاس کرو اور کُتّے پر نہ کرو؟ حالانکہ تم نے خنزیر کو کُتّے پر قیاس کیا ہے نہ کہ بِلّے پر۔ جس طرح تم نے درندوں کو بِلّے پر قیاس کیا ہے بشرطیکہ اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے۔ حالانکہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ بِلّے کے منہ ڈالنے سے برتن کو دھونا واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ حدیث اس حدیث سے صحیح تر ہے جس کو حمیدہ نے کبشہ سے روایت کیا ہے۔

یہ ہیں اصحابِ قیاس کے قیاسات! جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۱۳۶۔ پانی میں نجاست پڑنے کا حکم

ہر سیال چیز خواہ وہ پانی ہو یا زیتون کا تیل، یا گھی، دودھ عرقِ گلاب، شہد، شوربہ، خوشبو یا اور چیز کوئی بھی ہو، جب اس میں کوئی نجس چیز یا مردار یا ایسی حرام چیز پڑ جائے جو واجب الاجتناب ہو اور اس کا رنگ مزہ یا بُو تبدیل ہو جائے تو وہ چیز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کا کھانا استعمال کرنا اور فروخت کرنا حرام ٹھہرتا ہے۔ اور اگر اس کا مزہ، رنگ اور بُو تبدیل نہ ہو تو اس سیال چیز کا کھانا پینا، استعمال کرنا اور اور اس کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ قبل ازیں بھی وہ چیز حلال ہو۔ اس کے ساتھ غسل بھی جائز ہے اور قبل ازیں اس کی خرید و فروخت حلال ہو تو اب بھی یہ حکم باقی ہے اور اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اب یہ حقیقت کھلی ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جیسے پانی میں تھوک یا ناک یا فضلہ پڑ جائے۔

اگر کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب کرے تو اس کے ساتھ وضو اور غسل ناجائز ہے ——— قطع نظر اس سے کہ یہ غسل اس پر فرض ہو یا نہ ہو ——— اگر دوسرا پانی نہ ملے تو یہ شخص تیمم کرلے۔ تاہم یہ پانی پاک ہے۔ اس کو بَول کرنے والا بھی پی سکتا ہے اور دوسرا شخص بھی۔ بشرطیکہ پیشاب کی وجہ سے پانی کے اوصاف میں تغیر رُونما نہ ہو۔ دوسرا شخص اس کے ساتھ وضو بھی کر سکتا ہے اور غسل بھی۔[1]

---

[1] المحلّٰی کے یمنی نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے: "اس مسئلہ پر محقق ابن دقیق العید نے اپنی کتاب شرح الالمام میں تفصیلی بحث کی اور ابن حزم کے دلائل کا تجزیہ کیا ہے۔ ابن دقیق العید نے "الامام" نامی کتاب (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر کوئی شخص پانی میں بے وضو ہو گیا، یا پانی سے باہر پیشاب کیا اور وہ بہہ کر پانی میں مل گیا، تو وہ پانی پاک ہے۔ اس کے ساتھ وہ شخص بھی وضو اور غسل کر سکتا ہے اور دوسرا شخص بھی۔ اِلّا یہ کہ بول اور بے وضو ہونے کے باعث پانی کے اوصاف میں تغیر رُونما ہو۔ اندریں صورت کوئی شخص بھی اسے استعمال کرنے کا مجاز نہیں نہ وہ شخص اور نہ کوئی اور۔ اسی طرح جس پانی میں کُتّا منہ ڈالے اس کو لازماً ضائع کر دیا جائے۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

اگر مردہ چوہا گھی میں گر جائے، یا اس میں گرنے کے بعد مر جائے، یا زندہ گھی سے باہر نکل جائے ——— چوہا نر ہو یا مادہ چھوٹا ہو یا بڑا ——— تو گھی کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر وہ چوہے کی موت کے وقت پگھلا ہوا ہو، یا چوہا جب مُردہ حالت میں اس میں گرا اس وقت پگھلا ہوا ہو یا جب اُسے زندہ نکالا گیا اس وقت پگھلا ہوا ہو، تو سارے گھی کو ضائع کر دیا جائے، وہ لاکھوں روپے کا یا کم و بیش کیوں نہ ہو اس کو استعمال میں لانا حلال نہیں ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کے بعد منجمد ہو جائے یا نہ ہو۔ اور اگر چوہے کے مرتے وقت جامد ہو یا اس وقت جامد ہو جب چوہا مُردہ حالت میں اس میں گرا تو چوہے کو اور اس کے آس پاس جو گھی ہے اس کو پھینک دیا جائے۔ اس کے بعد جو گھی بچ جائے اس کا کھانا، فروخت کرنا اور اس کو کسی چیز پر مَلنا جائز اور حلال ہے ——— خواہ کم ہو یا زیادہ ——— پانی کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) احادیث الاحکام اور ان کی شرح کے موضوع پر تصنیف کی ہے، الامام کی شرح کا نام "الامام" رکھا ہے۔ علامہ اَدفوی "الطالع السعید" میں لکھتے ہیں: "اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتی"۔ اس کتاب کے اقتباسات اس کثرت کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ کتاب مکمل کر دی تھی مگر ہمارے زمانہ میں یہ کتاب نادر الوجود ہے۔ مگر یہ حاشیہ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ یہ کتاب دیارِ یمن میں موجود ہے۔ المحلّٰی جزو اوّل کی طباعت کے بعد اہل یمن میں سے جو اصحاب ہماری اس تحریر سے مطلع ہوں ان سے امید کی جاتی ہے کہ اگر ان کو یہ کتاب ملے یا اس کا کوئی جزو دستیاب ہو تو اس مسئلہ کے بارے میں امام ابن دقیق العید کی تحقیقات کا خلاصہ ہمیں لکھ بھیجیں تاکہ المحلّٰی الجزء الثانی کی طباعت کے وقت ہم اس تحقیق کو ایک رسالہ کی صورت میں اس کے ساتھ شامل کر دیں۔ وباللہ التوفیق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل ہم کتاب البیوع میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

مذکورہ صدر مسائل و احکام کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال و طاہر قرار دیا ہے وہ تا ابد اسی حالت پر قائم رہے گی جب تک دوسری نص سے اس کی حرمت و نجاست ثابت نہ ہو جائے اور جس چیز کو اس نے حرام اور نجس ٹھہرایا ہے وہ اپنی حالت پر قائم رہے گی تا وقتیکہ کسی دوسری نص سے اس کی اباحت و طہارت ثابت نہ ہو جائے، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والی بات ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

۱۔ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (البقرہ: ۲۲۹)

(یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو)

۲۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ (النحل: ۱۱۶)

(اور تمھاری زبانیں جو کچھ جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے)

۳۔ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُونَ (یونس: ۵۹)

(کہو بھلا دیکھو تو اللہ نے تمھارے لیے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال، ان سے پوچھو کیا اللہ نے تمھیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو)۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ جو چیز پاک ہے وہ نجاست کے ملنے سے ناپاک نہیں ہوتی۔ اور جو چیز نجس ہے وہ پاک چیز کے ساتھ مل کر طاہر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حرام چیز حلال سے مل کر حلال نہیں ہوتی اور حلال چیز حرام کے ملنے سے حرام نہیں ہوتی۔ ہر چیز اپنی حالت پر قائم رہتی ہے۔ جو چیز حلال ہے وہ حلال ہی رہتی ہے اور حرام اپنی حرمت پر باقی رہتی ہے۔ جو چیز طاہر ہے وہ طاہر رہتی ہے اور جو نجس ہے وہ نجس ہی رہتی ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی نص ایسی وارد ہو جس سے اس کی حالت کے تغیّر کا پتہ چلے تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس کی تعمیل کی جائے گی ورنہ نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر پانی نجاست کے ملنے سے نجس ہو جائے تو کوئی چیز کبھی پاک ہی نہ ہو۔ اس لیے کہ جب نجاست کو دھونے کے لیے اس پر پانی ڈالا جائے گا تو اس کے ساتھ مل کر وہ بھی نجس ہو جائے گا۔ اور جب نجس ہو جائے گا تو اُسے پاک کرنا واجب ہو گا اور یہ تسلسل آگے چلتا جائے گا (جو کہ عقلاً محال ہے) اگر صورتِ حال یہ ہے تو سمندر اور بہتی نہریں سب نجس ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ جب پانی نجاست کے ملنے سے نجس ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ جو پانی ملے گا وہ بھی پلید ٹھہرے گا۔ پھر اس کی نجاست کو دُور کرنے کے جب اس پر اور پانی ڈالیں گے تو وہ بھی نجس ہو جائے گا۔ یہ تسلسل جاری رہے گا اور اس سے خلاصی کا کوئی امکان نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ نجاست کے ازالہ کے لیے جو پانی ڈالا جائے گا وہ پلید نہیں ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انھوں نے اپنے موقف کو ترک کر کے حق کو قبول کر لیا۔ اس سے اُن کے فکری تناقض کا بھی پتہ چلا اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہونے اور اس بات کو تسلیم کر لینے سے کہ اگر خون منہ سے نکل کر کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو اس سے وہ نجس نہیں ہوتے۔ اس بات کا اعتراف پایا جاتا ہے کہ نجس وہی چیز ہوتی ہے جس میں نجاست بذات خود موجود ہو۔ اسی طرح حرام وہ چیز ہو گی جس میں بعینہ وہ چیز موجود ہو جس کی حرمت پر نص وارد ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر اقوال فاسد ہیں۔

اگر مخالفین یہ کہیں کہ جو پانی بعد میں ڈالا جاتا ہے وہ وارد ہے اور جس پانی میں نجاست ملی ہوئی ہے وہ اس سے مختلف ہوتا ہے تو گویا انھوں نے بلا دلیل اس مسئلہ کو اُلجھانے کی کوشش کی ہے۔

جب کسی حلال اور پاک چیز کا رنگ، مزہ یا بُو پلید اور حرام چیز کی آمیزش کی وجہ سے تبدیل ہو جائے تو اندریں صورت ہم حلال کو اسی صورت میں استعمال کر سکیں گے جب ساتھ ہی حرام کو بھی استعمال کریں۔ ظاہر ہے کہ کھانے پینے اور نماز کے سلسلے میں حرام کا استعمال ناروا ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے مگر اس لیے نہیں کہ جو چیز حلال اور طاہر تھی وہ نجس اور حرام بن گئی۔ اور اگر ہمارے لیے ممکن ہو کہ حلال اور پاک کو حرام اور نجس سے جدا کر لیا جائے تو حلال چیز حلال ہی رہے گی۔

علیٰ ہذا القیاس جب کسی پاک چیز پر حرام یا نجس چیز لگ جائے اور ہم اُس کو علیحدہ کر دیں تو اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی یہ نہیں کہ نجس چیز طاہر بن گئی یا حرام چیز حلال ٹھہری۔ بخلاف ازیں ہوا صرف یہ ہے کہ حلال اور طاہر چیز نجس سے جدا ہو گئی۔ اور اب ہم اس کو جداگانہ طور پر حلال و طاہر کی حیثیت سے استعمال کر سکتے ہیں۔

جب نجس یا حرام چیز کی اصلی صفات بدل جائیں اور وہ نام باقی نہ رہے جس پر حکم وارد ہوا تھا۔ بلکہ اس کا نام حلال اور پاک چیز جیسا ہو جائے، تو وہ چیز نجس اور حرام نہیں رہتی۔ بلکہ وہ اور چیز بن جاتی ہے اور اس کا حکم بھی وہ نہیں رہتا۔ اسی طرح جب کسی حلال اور طاہر چیز کی اصلی صفات میں تبدیلی رُونما ہو اور وہ نام باقی نہ رہے جس پر حکم وارد ہوا تھا بلکہ اس کا نام حرام اور نجس چیزوں جیسا ہو جائے تو وہ چیز حلال اور طاہر نہیں رہے گی بلکہ وہ اور چیز بن جائے گا اور اس کا حکم بھی مختلف ہو گا۔ جیسے شیرہ شراب بن جائے یا شراب سرکہ کی صورت اختیار کر لے۔ یا مرغی خنزیر کا گوشت کھالے اور اس کے معدہ میں جا کر وہ حلال مرغی میں تبدیل ہو جائے۔ یا جیسے پانی (انسانی جسم میں پہنچ کر) پیشاب بن جاتا ہے اور کھانا پاخانے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح بول اور پاخانہ زمین میں کھاد کے طور سے ڈالے جاتے ہیں اور اس سے حلال پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بے شمار نظائر و امثال موجود ہیں۔ مثلاً پانی کا قطرہ شراب میں پڑ کر شراب بن جاتا ہے اور شراب کا قطرہ پانی میں گر کر پانی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا اپنا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام ناموں کی اساس پر صادر کیے جاتے ہیں۔ نام ان صفات کے تابع ہوتے ہیں جن سے ان کی ماہیت ظاہر ہوتی ہے اور اُن سے مختلف انواع کا باہمی فرق واضح ہوتا ہے۔

جہاں تک اس چیز کی خرید و فروخت اور اس کو چراغ میں جلانے کا تعلق ہے تو یہ ایک حلال چیز کی خرید و فروخت کا معاملہ ہے نہ اس حرام کا جو کہ اس میں مل گیا ہے۔ اور حلال چیز کی خرید و فروخت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ اس کی دلیل پیش کرے۔

جن لوگوں نے سیّال اشیاء کی بیع و شرا اور اُن کے استعمال کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جب اُن میں نجاست پڑ جائے اُن میں حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو موسیٰ اشعری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ابوسعید خدری، قاسم، سالم، عطاء، لیث، ابوحنیفہ، سفیان، اسحاق و دیگر اکابر رضی اللہ عنہم جیسے اہل علم کے اسماء شامل ہیں۔

اگر معترض کہے کہ بعض لوگ اس کو حرام ٹھہراتے ہیں اور اگر ایسی چیز اُن کو مفت بھی دی جائے تو اس کو لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے کہ سیال چیز میں پڑی ہوئی نجاست کو چھپانا فریب دہی ہے جو کہ دین میں حرام ہے۔ اس لیے کہ دین ہمدردی اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے یہ درست ہے کہ بعض لوگ اُس سیال چیز کو قبول نہیں کرتے جس میں کسی کوڑھی نے ناک کا فضلہ ڈالا ہو یا اپنا ہاتھ داخل کیا ہو۔ خواہ وہ چیز انھیں مفت کیوں نہ دی جائے۔ اور یہ ہمارے جامد مقلدین خصوم و اعداء کا طریق کار ہے۔ حالانکہ اس کو فریب دہی نہیں کہا جا سکتا۔ دھوکا فریب وہ ہے جو کسی دینی معاملہ میں کیا جائے، نہ کہ جھوٹے ظنون و اوہام میں جو احکام الٰہی کے خلاف ہوں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تھوک نجس ہے۔ اس نظریہ کے حاملین میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ یہ متاخرین جن کی تقلید کرتے ہیں اگر ان سے ساری زمین بھی بھر جائے تو وہ ان سے افضل ہیں۔ جیسا کہ

۱۴۳۔[ہم سے محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عبدالبصیر از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبدالسلام خشنی از محمد بن مثنی از ابو عامر العقدی از سفیان الثوری از حماد بن ابی سلیمان از ربعی ابن حراش بیان کیا کہ] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم وضو کر کے اپنے جسم پر تھوک لو تو اُسے دھوئے بغیر نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ پاک نہیں۔

اور ابن مثنیٰ مزید فرماتے ہیں کہ ہم سے مخلد بن یزید حرانی از تیمی از مغیرہ بن مقسم بیان کیا کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ تھوک پاخانے کی مانند ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کا قول حجت نہیں ہے۔

پیشاب کرنے والے کے بارے میں مندرجہ ذیل احادیث ہیں۔

۱۴۴۔[ہم سے احمد بن قاسم از پدر خود قاسم بن محمد از جد خود قاسم بن اصبغ از محمد بن وضاح از حامد بن یحییٰ بلخی از سفیان بن عیینہ از ایوب سختیانی از محمد بن سیرین بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں جو چلتا نہیں پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرنے لگے!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۵- [دوسری حدیث ہم سے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن مسعود نا احمد بن سعید بن حزم از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن احمد بن حنبل از پدرِ خود از عبدالرزاق از معمر نا ایوب از محمد بن سیرین بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں جو چلتا نہیں پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرنے لگے!

۱۴۶- [تیسری حدیث ہم سے بسند سابقہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص غیر جاری پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں وضو کرنے لگے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، واحمد)

(اس حدیث میں بول کرنے والے کو وضو اور غسل سے منع کیا ہے) اگر دوسرے شخص کو منع کرنا مقصود ہوتا جس نے بول نہیں کیا تو حضورؐ اس سے عجز و نسیان کی بنا پر ہرگز خاموش نہ رہتے[1]۔ جہاں تک کُتے سے متعلق مسائل و احکام کا تعلق ہے وہ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں۔ ہاں گھی کے بارے میں ارشادِ نبوی

---

[1] امام ابنِ حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسئلہ زیرِ بحث میں تمسّک بالظاہر کے سلسلے میں غلو سے کام لیا ہے۔ آپ نے مسئلہ زیرِ قلم میں جو موقف اختیار کیا ہے عقل و نقل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ امام نَوَوی نے المجموع ج ۱ ص ۱۱۸-۱۱۹ میں ابنِ حزم کے اس موقف کی زبردست تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"ہمارے اصحاب نے داؤد بن علی ظاہری رحمہ اللہ سے اس ضمن میں عجیب مسلک نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں داؤد تنہا یہ بات کہتے ہیں جس میں کوئی ان کا ہمنوا نہیں کہ اگر کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب کرے تو اس سے وضو کرنا ناروا ہے۔ اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس سے وضو کرنے لگے" یہ صحیح حدیث ہے۔

داؤد کہتے ہیں کہ دوسرا شخص اس سے وضو کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ نجس نہیں ہے۔ اور اگر کسی برتن میں پیشاب کرے پھر اسے پانی میں ڈال دے۔ یا نہر کے کنارے پر پیشاب کرے اور پیشاب بہ کر نہر میں جا گرے تو اس پانی سے وضو جائز ہے۔ اس لیے کہ اس نے اس پانی میں پیشاب نہیں کیا بلکہ دوسری جگہ کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مندرجہ ذیل ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اگر کوئی شخص بہتے پانی میں پاخانہ کرے تو اس سے وضو جائز ہے۔ اس لیے کہ اس نے پاخانہ کیا ہے پیشاب نہیں کیا۔ یہ نہایت عجیب و غریب موقف ہے جس کا فساد محتاجِ بیان نہیں۔ داؤد ظاہری سے جو مسائل منقول ہیں یہ ان سب سے قبیح تر ہے۔ بشرطیکہ اس کی نسبت ان کی جانب صحیح ہو۔ یہ مسلک اس قدر بیّن الفساد ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے جو اختلافی مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں اس مذہب کو نقل کرکے اس کی تردید کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا فساد و بطلان "عیاں راچہ بیاں" کا مصداق ہے۔ پاخانہ کے بارے میں جو بات داؤد نے کہی ہے وہ اجماع شکنی کی ذیل میں آتی ہے۔ اس لیے کہ کسی نے کبھی پاخانہ اور پیشاب کے مابین فرق و امتیاز نہیں کیا۔ پانی میں پیشاب کرنے اور برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دینے کے مابین جو فرق داؤد نے کیا ہے وہ عجیب ترین شے ہے۔

مختصر ترین الفاظ میں اس نظریہ کی تردید یوں کی جا سکتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بول سے وہ اشیاء مراد لی ہیں جو نجاست میں اس کی شل ہیں مثلاً پاخانہ یا کسی دوسرے کا بول وغیرہ۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہے کے بارے میں فرمایا جو گھی میں گر کر مرجائے کہ "اگر گھی جما ہوا ہو تو چوہے کو اور اس کے آس پاس جو گھی ہو اس کو پھینک دو۔"

اور اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ بلّے کا حکم بھی وہی ہے جو چوہے کا ہے۔ اسی طرح تیل وغیرہ (مائعات) گھی کے حکم میں ہیں۔ حدیث صحیح میں فرمایا "جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اسے دھو لو" اگر داؤد ظاہری فرمائیں کہ برتن کا مالک کسی اور کو برتن دھونے کا حکم دے تو وہ پاک نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے وہ برتن خود نہیں دھویا۔ تو یہ کھلی ہوئی اجماع شکنی ہے۔ اور اگر کہیں کہ دوسرے کے دھونے سے بھی وہ برتن پاک ہو جائے گا تو انھوں نے (الفاظ پر نہیں بلکہ) معنی و مفہوم پر نگاہ ڈالی اور خود ہی اپنے قول کی خلاف ورزی کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (احمد شاکر مصری) (اس طویل حاشیے میں دلیل نام کی کوئی چیز نظر تو نہیں آتی۔ پھر بعض مسائل تو ابن حزم کے سرے سے ہیں ہی نہیں داؤد ظاہری کے ہیں۔ اور ابن حزم داؤد ظاہری کا مقلد نہیں پھر اس کا تعلق ابن حزم سے کس طرح جوڑا گیا) اللھم اغفرلنا ولھم (ابو الاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۷۔[ہم سے حمام بن احمد از ابن مفرّج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر از زہری از سعید بن المسیب بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سے چُوہے کے بارے میں دریافت کیا گیا جو گھی میں گر پڑے تو آپؐ نے فرمایا "اگر گھی جما ہوا ہو تو چوہے کو اور اس کے آس پاس جو گھی ہے اس کو پھینک دو۔ اور اگر پگھلا ہوا ہو تو اس کے قریب بھی نہ پھٹکو"۔ عبدالرزاق کہتے ہیں یہ حدیث بطریق معمر از زہری از عبیداللہ بن عبداللہ از ابنِ عباس از ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے اور ہم سے ابن عیینہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

چوہا، سانپ، مرغی، کبوتری، نیولا وغیرہ کا اطلاق عربی زبان میں ان جانوروں کے نر و مادہ دونوں پر کیا جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ "اس کو اور اس کے پاس جو کچھ ہے اس کو پھینک دو" میں اشارہ ہے کہ جانور اس میں مُردہ حالت میں ہوتا ہے اور زندہ ہونے کی صورت میں یہ بات ممکن نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ عبدالواحد بن زیاد نے معمر سے روایت کی اُنھوں نے زُہری سے انھوں نے ابن المسیب سے اُنھوں نے ابوہریرہؓ سے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "اگر گھی پگھلا ہوا یا سیّال ہو تو اس کے ساتھ چراغ جلالیا کرو یا فرمایا اس سے فائدہ اٹھایا کرو"۔ تو ہم بتوفیق الٰہی اس کے جواب میں کہیں گے کہ عبدالواحد نے حدیث کے الفاظ میں شک کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے صحیح طور سے الفاظ سے یاد نہیں رہے اور

۱؎ اس حدیث کو ابوداؤد (ج ۳ ص ۴۲۹) نے بطریق عبدالرزاق روایت کیا ہے۔ ترمذی (ج ۱ ص ۳۴۲) نے اس کو بلا سند ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا اس حدیث کو روایت کرنے میں معمر سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ صحیح زہری کی روایت ہے جو انھوں نے زُہری از عُبیداللہ از ابن عباس از میمونہ نقل کی ہے۔ حضرت ابنِ عباس نے حضرت میمونہؓ سے جو روایت کی ہے اور جس کا تذکرہ ابن حزم نے اس کے بعد کیا اور امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (احمد شاکر مصری)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں شبہ نہیں کہ عبدالرزاق کو معمر کی روایت کے الفاظ زیادہ یاد ہیں۔ مزید براں معمر از زہری از عبید اللہ از ابن عباسؓ از میمونہ کی سند میں کسی نے اختلاف نہیں کیا اور جس سند میں اختلاف نہ ہو وہ حفظ و ضبط میں اس سند سے بڑھ کر ہوتی ہے جس میں راویوں نے اختلاف کیا ہو۔

اس ضمن میں ہم جس بات پر کامل وثوق رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دونوں روایتیں حق ہیں۔ جہاں تک عبدالواحد کی روایت کا تعلق ہے وہ ہمارے موقف سے ہم آہنگ ہے جس پر ہم تھے بشرطیکہ عبدالرزاق کی روایت نہ ہوتی اس لیے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے لہٰذا گھی سے استفادہ کرنا چاہیے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ: ۲۹)

(زمین میں جو کچھ بھی ہے اس نے تمھارے لیے پیدا کیا ہے)

باقی رہی عبدالرزاق کی روایت تو وہ ایک نئے حکم پر مشتمل ہے جو سابقہ اباحت کا ناسخ ہے۔ یہ یقینی بات ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر منسوخ حکم کو پھر جاری کرتا اور ناسخ کو ختم کردیتا تو رفع اشکال کے لیے اس کی وضاحت کردیتا۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

"لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" النحل: ۴۴)

(تاکہ ان لوگوں کے لیے اس چیز کی وضاحت کردیں جو اُن کی طرف اُتاری گئی ہے)

پس عبدالواحد والی روایت کا حکم بالیقین باطل ہوگیا جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۴۸۔ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عبدالبصیر از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبدالسلام خشنی از محمد بن مثنیٰ از محمد بن فضیل از عطاء بن السائب از میسرۃ النہدی[1] بیان کیا کہ] حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ چوہے کے بارے میں فرماتے ہیں جب گھی میں گر پڑے اور مر جائے کہ اگر گھی جما ہوا ہو تو چوہے کو اور اس کے ارد گرد جو گھی ہے اس کو پھینک دو اور باقی ماندہ کھالو۔ اور اگر پگھلا ہوا ہو تو اُسے پھینک دو۔"

---

[1] غالباً یہ روایت منقطع ہے کیونکہ میسرۃ نہدی سے حضرت علیؓ کی ملاقات و نیز زمانہ پانا بھی ثابت نہیں۔ (احمد شاکر مصری)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم کہتے ہیں چوہے کے ارد گرد جو گھی جما ہوا ہو وہ کم مقدار میں لیا جائے اور اُسے ضائع کر دیا جائے۔ اس لیے کہ ارد گرد کا مطلب یہی ہے کہ جو گھی اس کے علاوہ ہو اس کو کھا لیا جائے اور ضائع نہ کیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "چوہے کے آس پاس سے ایک چلّو بھر لے لو" تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس حدیث کو ابو جابر البیاضی نے ابن المسیب سے مُرسلاً روایت کیا ہے اور ابو جابر کذاب ہے[1]۔ مزید براں اس حدیث کو شریک بن ابو نمر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے اور شریک ضعیف[2] راوی ہے۔ مُرسل حدیث کے راوی ثقہ بھی ہوں تب بھی وہ حجت نہیں مگر یہاں تو اس کے راوی ضعیف ہیں پھر ایسی حدیث کیوں کر قابلِ احتجاج ہو سکتی ہے؟

یہ امر پیشِ نظر رہے کہ مسئلہ زیرِ قلم میں حضوؐر کا حکم بطورِ خاص چوہے سے متعلق ہے جو گھی میں گر پڑے لہٰذا یہ حکم نہ تو چوہے کے سوا کسی اور جانور پر منطبق کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا اطلاق گھی کے سوا کسی اور چیز پر کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ نص کے الفاظ اسی دائرہ کے اندر محدود ہیں۔ چوہے کے سوا کوئی اور جانور گھی میں گر پڑے تو نص میں اس کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ یہ بات محال ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوہے کے سوا کسی اور جانور کے بارے میں بتانا چاہتے ہوں کہ جب وہ گھی کے سوا کسی اور چیز میں گر جائے تو شرعی حکم کیا ہے۔ پھر آپ بتائیں نہیں بلکہ خاموش رہیں اور ہمیں علمِ غیب کے سپرد کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم اللہ کے بارے میں وہ بات کہیں جس کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں۔ اگر آپ بتانا

---

[1] محلّٰی کے یمنی نسخہ کے حاشیہ پر "تقریب" کے حوالہ سے نقل ہے کہ ابو جابر صدوق ہے غلطا کرتا ہے اور یہ بات سہو پر مبنی ہے کیونکہ "تقریب" میں اس کا ذکر نہیں۔ بلکہ "لسان المیزان" میں اس کا ذکر ہے اور اس کا نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے۔ اس کو ابن معین وغیرہ نے کذّاب کہا ہے۔ (احمد شاکر مصری)

[2] یہ بات درست نہیں شریک ثقہ راوی ہے اور اس سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے۔ ابن سعد ابو داؤد اور دیگر محدثین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے (لیکن یہ روایت مرسل ہے لہٰذا ضعیف ہے)۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

چاہتے کہ فلاں حرام اور نجس چیز کسی سیّال چیز میں گر پڑے تو اس طرح کر لیا کرو، تو اس سے مانع کیا چیز تھی ؟ معاذ اللہ! کہ حضور کو کسی بات کے پہنچانے کا حکم ہوا ہو اور آپ اس کو نظر انداز کر دیں۔ یہ بات قطعی وحتمی طور پر ظاہر البُطلان ہے۔

اگر معترض کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چوہے کے بارے میں دریافت کیا گیا جو چربی میں گر پڑے تو آپ نے ارشاد فرمایا "اگر چربی جمی ہوئی ہو تو چوہے کو اور اس کے ارد گرد جو چربی ہے اس کو پھینک دو" پھر دریافت کیا گیا اگر پگھلی ہوئی ہو تو پھر کیا ارشاد ہے ؟ فرمایا اس سے فائدہ اٹھا لو مگر اسے کھاؤ نہیں[1]۔"

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس حدیث کو صرف عبد الجبار بن عمر نے روایت کیا ہے اور عبد الجبار لاشئی ہے۔ اس کو محدث ابنِ معین، بخاری، ابوداؤد، الساجی (یا نسائی) اور دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس میں صرف چوہے کا ذکر کیا گیا ہے جو وَدک (چربی) میں گر پڑے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وَدک عربی زبان میں بطورِ خاص گھی اور شوربے کو کہتے ہیں اور دَسم کا اطلاق چربی پر کیا جاتا ہے۔

نجاسات سے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا موقف

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر شراب، مُردار، پیشاب، پاخانہ یا دوسری کوئی نجس چیز کھڑے پانی میں گر پڑے تو وہ سارے کا سارا پلید ہو جاتا ہے ــــ نجاست خواہ کم ہو یا زیادہ ــــ اس سارے پانی کو ضائع کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے وضو کرکے یا غسل کرکے نماز ادا کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ ایسے پانی کا پینا بھی ناروا ہے وہ قلیل ہو یا کثیر۔ الّا یہ کہ پانی اس قدر زیادہ ہو کہ اگر اس کی ایک جانب کو حرکت دی جائے تو دوسری جانب متحرک نہ ہو۔ ایسا پانی پاک ہے۔ اس کا پینا اور اس کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے۔ اگر نجاست پانی کے علاوہ کسی اور سیّال چیز میں گر جائے تو اس کا

---

[1] اس حدیث کو محدث ذہبی نے المیزان ج ۲ صفحہ ۹۲ میں محدث عُقیلی سے بسند خود نقل کیا ہے۔ (دیکھو ترجمہ عبد الجبار بن عمر، اور حدیث بہر حال ضعیف ہی ہے)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانا پینا حرام ہے۔ مگر اس کے ساتھ چراغ جلانا، اس کو کام میں لانا اور فروخت کرنا جائز ہے۔

اگر کوئی نجس یا حرام چیز کنویں میں گر جائے، مثلاً چڑیا یا چوہیا گر کر مرگئی اور اس کو کنویں سے نکال دیا گیا تو کنواں ناپاک ہوگیا۔ اب اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی کے بیس ڈول نکالے جائیں تو باقی ماندہ پانی کو پاک سمجھا جائے گا۔ اگر مرغی یا بلّی گر کر مرگئی اور اس کو نکال دیا گیا تو پانی کے چالیس ڈول نکالنے سے باقی ماندہ پانی پاک ٹھہرے گا۔ اگر بکری کنویں میں گر گئی اور مرنے کے بعد اس کو نکال دیا گیا یا اس وقت نکالا گیا جب وہ پانی میں پھول گئی یا پھٹ گئی یا چوہے، چڑیا، مرغی اور بلّے کو پھول جانے یا پھٹ جانے کے بعد نکالا گیا تو سارا پانی نکالنے سے کنواں پاک ہوگا۔ اور کنویں کا سارا پانی نکالنے کی حد امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابویوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پانی کا اکثر حصہ نکال دیا جائے۔ اور محمد بن حسنؒ کے نزدیک اس کی حد دو سو ڈول ہے۔ اگر بلا، چوہا اور چھپکلی وغیرہ کنوئیں میں گر جائے اور اس کو زندہ ہونے کی حالت میں نکال دیا جائے تو پانی پاک ہے اور اس کے ساتھ وضو جائز ہے۔ تاہم مستحب یہ ہے کہ پانی کے بیس ڈول نکال دیے جائیں۔ اگر کتّا یا گدھا کنوئیں میں گر جائے اور اس کو زندہ نکال دیا جائے تو کنویں کا سارا پانی نکال دینا ضروری ہے۔ اگر بکری کنوئیں میں پیشاب کرے تو کنویں کا سارا پانی نکالنا ضروری ہے ـــــ پیشاب خواہ کم ہو یا زیادہ ـــــ اونٹ اگر کنوئیں میں پیشاب کردے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر اونٹ یا بکری کی دو مینگنیاں کنویں میں گر جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو کچھ حرج نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی کنویں سے وضو کرے بعد ازاں اس میں سے مُردہ چوہے یا مرغی یا اس قسم کے کسی اور مردہ جانور کو نکالا جائے اور وہ پھٹا ہوا نہ ہو تو ایک دن رات کی نمازیں دوبارہ پڑھے اور اگر پھٹ چکا ہو تو تین دنوں اور تین راتوں کی نمازیں دہرائے۔ اگر کوئی پرندہ کنویں میں گر پڑے اور پھٹ جانے سے پہلے کنویں سے نکال دیا جائے تو کسی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر پھٹ جانے کے بعد نکالا جائے تو تین دنوں اور تین راتوں کی نمازیں لوٹائی جائیں۔ اگر کنویں میں شراب یا خون ڈال دیا جائے تو اس کا سارا پانی نکال دیا جائے۔ اگر کنویں میں مُردار کی ہڈی ڈال دی جائے اور اس پر گوشت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خون لگا ہو تو پورا کنواں نجس ہو جائے گا اور اس کا سارا پانی نکالنا واجب ٹھہرا۔ اور اگر اس پر خون یا گوشت نہ ہو تو کنواں پلید نہیں ہو گا۔ اِلّا یہ کہ خنزیر کی ہڈی اور اس کا ایک ہی بال ہو تب بھی کنواں پلید ہو جائے گا اور اس کا سارا پانی نکالنا واجب ہو گا۔ قطع نظر اس سے کہ ہڈی یا بال پر گوشت یا چکناہٹ ہو یا نہ ہو۔

امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ فرماتے ہیں اگر کسی پلیٹ میں پانی پڑا ہوا اور اس میں چوہا مر جائے۔ پھر اس پانی کو کنوئیں میں ڈالا جائے تو اس میں سے صرف بیس ڈول پانی نکالا جائے۔ اگر کوئی پاکیزہ مسلم ٹب کے پاکیزہ پانی میں وضو کرے اور یہ ٹب بھی پاک ہو پھر اس مُستَعمل پانی کو کنوئیں میں ڈالا جائے تو بقول قاضی ابو یوسف کنواں نجس ہو گیا لہٰذا اس کا تمام پانی نکال دیا جائے۔ محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ اس میں سے بیس ڈول نکالے جائیں جس طرح مردہ چوہے کے گرنے سے نکالے جاتے ہیں۔ اگر چوہا پانی کے کسی بڑے مٹکے میں گر کر مر جائے پھر اس پانی کو کنوئیں میں ڈالا جائے تو قاضی ابو یوسف کے نزدیک صرف اتنا ہی پانی نکالا جائے جتنا اس میں ڈالا گیا تھا۔ محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ پانی یا بیس ڈول نکالے جائیں۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں اگر کوئی چوہا پانی کے مٹکے میں گر کر مر جائے۔ پھر چوہے کو ایک کنوئیں میں پھینکا جائے اور پانی کو دوسرے کنوئیں میں، تو چوہے کو نکال کر اس میں سے بیس ڈول پانی نکال دیا جائے، دوسرے کنوئیں میں سے اتنا پانی نکالا جائے جتنا اس میں ڈالا گیا تھا اور اس کے علاوہ بیس ڈول نکالے جائیں۔ اگر چوہا کسی کنوئیں میں گر جائے۔ پھر چوہے کو نکال دیا جائے اور ساتھ ہی بیس ڈول پانی کے نکالے جائیں پھر چوہے کو اور ان بیس ڈولوں کو کسی اور کنوئیں میں ڈال دیا جائے تو اس کنوئیں میں سے چوہے کو نکال کر صرف بیس ڈول پانی نکال دیا جائے۔

احناف کا قول ہے کہ اگر پانی میں مینڈک، مکھی، بھڑ، بچھو، گبریلا، ٹڈی، چیونٹی، جھینگر، مچھلی وغیرہ میں سے کوئی چیز مر کر تیرنے لگے یا ایسی چیز گر جائے جس کا خون نہیں بہتا تو وہ پانی پاک ہے۔ اس کے ساتھ غسل اور وضو جائز ہے۔ احناف کے نزدیک مر کر تیرنے والی مچھلی حلال نہیں ہے۔ ان جانوروں میں سے کوئی اگر پانی کے علاوہ کسی اور سیال چیز میں گر کر مر جائے تو وہ پاک اور حلال ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اگر سانپ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانی یا کسی سیّال چیز میں گر کر مر جائے تو وہ پانی یا سیّال چیز نجس ٹھہرے گی۔ اس لیے کہ سانپ میں خون ہوتا ہے۔ اگر کتے یا گدھے یا درندے کو ذبح کر کے کھڑے پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ پانی نجس نہیں ہوگا۔ البتہ یہ گوشت حرام ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ تمام چیزوں کا یہی حکم ہے بجز خنزیر اور انسان کے۔ ان دونوں کو ذبح بھی کر دیا جائے تو پانی پلید ہو جائے گا۔[1]

ابن حزم احناف کے بیان کردہ مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

جو شخص ان اقوال کا مدّعی ہے ــــــ جن میں سے اکثر فاتر العقل شخص کے اقوال کے قریب تر ہیں ــــــ وہ ایسے شخص کو ہدفِ طعن بنانے سے نہیں چوکتا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و احکام کی پیروی کرتا ہے، احکامِ الٰہی کے فہم و ادراک میں عقلِ انسانی کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ سنّتِ نبوی کو جب بھی ضائع کیا جاتا ہے بدعت کو فروغ نصیب ہوتا ہے۔ اگر ان اقوال پر نقد و جرح کا باب وا کیا جائے تو ایک بڑا دفتر تیار ہو جائے۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر قول فساد و تناقض کی آخری حدوں کو چھُو رہا ہے۔ یہ ایسے اقوال ہیں جو ان (احناف) سے پہلے کسی نے نہیں کہے۔ کتاب اور سنتِ صحیحہ و سقیمہ میں ان کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ قیاسِ صحیح اور رائے صائب سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ حتّٰی کہ رائج الوقت باطل بھی ان کے حق میں نہیں۔ البتہ رسوائے زمانہ اور رکیک باطل ان کا ضرور مؤید ہے۔ موجب حیرت یہ بات ہے کہ انھوں نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کی روایت سے فریب دہی کی کوشش کی ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک حبشی چاہِ زمزم میں گر کر مر گیا تھا اور دونوں بزرگوں نے چاہ زمزم کا سارا پانی نکال دیا۔ مزید براں وہ حضرات حضرت علی، ابراہیم نخعی، عطاء، شعبی، حسن، حماد بن ابی سلیمان اور سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہم کی مرویات سے بھی احتجاج کرتے ہیں۔

[1] جس انداز سے یہ مسائل ان ائمہ کی طرف منسوب ہیں۔ اللھم اغفرلھم یہ انداز بیان دینِ اسلام کے ساتھ تلاعب معلوم ہوتا ہے۔ ابوالاشبال پاکستانی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ مذکورہ بالا صحابہ و تابعین سے جو کچھ بھی منقول ہے وہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے خلاف ہے۔ حضرت علیؓ سے صرف یہ بات منقول ہے کہ ایک چوہا کنویں میں گر کر مرگیا تو آپ نے فرمایا اس کا پانی نکال دیا جائے۔ اسی طرح ایک چوہا کنویں میں گر کر ٹکڑے ہوگیا تو آپ نے فرمایا اس میں سے سات ڈول نکالے جائیں۔ اور اگر چوہا سالم رہے تو کنویں میں سے ایک دو ڈول نکال دیے جائیں۔ اور اگر بدبودار ہوگیا ہو تو کنویں میں سے اتنا پانی نکالا جائے کہ بدبو جاتی رہے۔ مگر امام ابوحنیفہ کے اقوال ان دونوں روایتوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

جہاں تک حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی روایت کا تعلق ہے ——— بشرطیکہ یہ ثابت ہوجائے کہ حضورؐ سے منقول ہے ——— اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نجاست کے پڑنے سے کنویں کا سارا پانی نکال دیا جائے۔ حضورؐ کے علاوہ دوسروں کے اقوال کا تو ذکر ہی نہیں۔ اس لیے کہ اُس روایت میں یہ بات مذکور نہیں کہ ان دونوں صحابہ نے پانی نکالنے کا حکم دیا تھا یا اس کو واجب قرار دیا۔ روایت میں صرف اتنا مذکور ہے کہ انھوں نے یہ کام کیا۔ ممکن ہے کہ انھوں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہو نہ اس لیے کہ اس کو واجب تصور کیا۔ لہٰذا احناف کا احتجاج اس روایت سے باطل ٹھہرا۔

مزید برآں اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہؓ بن عباسؓ سے کہا گیا کہ حجر اسود کی جانب ایک چشمہ ہے (جس سے پانی نکلنا بند نہیں ہوتا اور اس طرح چاہِ زمزم کا پانی ختم نہیں ہو پاتا) یہ سُن کر حضرت ابن عباسؓ نے ان کو ایک ریشمی چادر دی جس کو انھوں نے اس چشمہ میں ٹھونس کر سارا پانی نکال دیا۔ مگر ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اس کے قائل نہیں۔ اس لیے کہ کنویں کا سارا پانی نکالنے سے مراد ان کے نزدیک یہ ہے کہ پانی کا اکثر حصّہ نکال دیا جائے۔ امام محمد اس کی حد دو سو ڈول مقرر کرتے ہیں۔ ابویوسف امام ابوحنیفہؒ کے ہمنوا ہیں۔ بتائیے اس شخص سے گمراہ تر شخص اور کون ہے جو کسی حدیث سے بایں زعم احتجاج کرے کہ یہ مخالفین پر حُجّت ہے۔ پھر احتجاج کرنے والا اس حدیث کا اوّلین مخالف بن جائے جس کے ساتھ اس نے احتجاج کیا تھا۔ اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ سابق الذکر دونوں صحابہ نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنویں کا سارا پانی نکالنے کا حکم دیا تھا تو یہ روایت احناف کی دلیل نہیں بن سکتی اس لیے کہ چاہ زمزم کے پانی کا رنگ حبشی کے مرنے کی وجہ سے یقیناً تبدیل ہوگیا ہوگا (اس لیے ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نے چاہِ زمزم کا پانی نکال دیا) اور ہمارا موقف بھی یہی ہے۔ اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ہم سے بطریق وکیعؒ از زکریا بن ابی زائدہ از شعبی بیان کیا کہ آپ نے فرمایا چار چیزیں ہیں جو نجس نہیں ہوتیں یعنی پانی، کپڑا، انسان اور زمین۔

حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پاکیزہ بنا دیا ہے۔

جہاں تک تابعین کرام کا تعلق ہے ان کے اقوال حسب ذیل ہیں۔

ابراہیم نخعی : چوہے کے گرنے سے چالیس ڈول۔ بلّے کے گرنے سے چالیس ڈول۔

شعبی : مرغی میں ستر ڈول۔

حماد بن ابی سلیمان : بلّے میں تیس ڈول۔ مرغی میں تیس ڈول۔

سلمہ بن کُہیل : مرغی چالیس ڈول۔

حسن بصری : چوہا چالیس ڈول۔

عطاء : چوہا بیس ڈول۔ بکری اگر کنویں میں گر کر مر جائے تو چالیس ڈول۔ اور اگر مر کر پھٹ جائے تو سو ڈول۔ یا کنویں کا سارا پانی نکال دیا جائے۔ اگر کتا کنویں میں گر جائے اور اسے زندہ نکال لیا جائے تو بیس ڈول۔ اور اگر مر جائے اور اسے فوراً باہر نکال لیا جائے تو ساٹھ ڈول اگر مر کر پھٹ جائے تو سو ڈول یا کنویں کا سارا پانی نکال دیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان اقوال میں سے کوئی قول بھی ایسا ہے جو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے اقوال سے ہم آہنگ ہے؛ بجز عطاء کے قول کے جو چوہے سے متعلق ہے اور ابراہیم نخعی کے قول کے جو بلّے کے بارے میں کہا۔ مگر عطاء اور نخعی کے یہاں وہ تقسیم مفقود ہے جو ابوحنیفہ کے یہاں پائی جاتی ہے۔ اس کا ثمرہ یہ نکلا کہ احناف نے جمیع صحابہ و تابعین کے اقوال کی خلاف ورزی تو کی ہی تھی احادیث و قیاسات کو بھی نظر انداز کر دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہم نے حنفیہ کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے عجیب ترین قول یہ ہے کہ ایک صاف ستھرے طاہر مسلم کے وضو کا مُستعمل پانی مردہ چوہے سے نجس تر ہے۔ اگر ہم اس پر حنفیہ کو ہدفِ طعن و ملامت بنانا چاہیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ رسول کریمﷺ جس پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ پھر یا تو اپنا قول چھوڑنے پر مجبور ہوں گے یا اسلام سے نکل جائیں گے۔ نیز خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے وضو کے پانی کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟

پھر حنفیہ کا یہ قول بڑا عجیب ہے کہ پانی کا حوض اتنا بڑا ہو کہ ایک طرف کو حرکت دیں تو دوسری جانب متحرک نہ ہو۔ اے کاش! ہمیں پتہ ہوتا کہ یہ حرکت کیسے دی جائے گی؟ آیا بچے کی انگلی سے؟ کسی تنکے سے، دھاگے سے، تیراک کے تیرنے سے، ہاتھی کے گرنے سے، اچھوٹی کنکری سے، منجنیق کے پتھر کے ساتھ یا حوض کے گر جانے سے؟ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو ان مغالطوں سے محفوظ رکھا۔ خصوصاً ان کی وہ تفریق جو وہ پانی اور دیگر مائعات کے مابین روا رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان مسائل میں اجماع کا دعویٰ کریں تو ہم کہیں گے تم جھوٹ کہتے ہو۔ دیکھیے ابن الماجشون کہہ رہے ہیں کہ ہر پانی نجاست کے پڑنے سے نجس ہو جاتا ہے اِلّا یہ کہ اتنا بڑا تالاب ہو کہ اس کے وسط کو حرکت دی جائے تو اطراف متحرک نہ ہوں۔

امام مالک کے اقوال

امام مالکؒ اس کنویں کے بارے میں فرماتے ہیں جس میں مرغی گر کر مر جائے کہ اس کا سارا پانی نکال دیا جائے۔ اِلّا یہ کہ پانی اتنا زیادہ ہو جسے نکالا نہ جا سکے۔

اُس پانی کے ساتھ اگر آٹا گوندھا گیا ہو تو اس سے پکی ہوئی روٹی نہ کھائی جائے۔ اگر کپڑا اس پانی کے ساتھ دھویا گیا ہو تو اسے دوبارہ دھویا جائے۔ اگر اس پانی کے ساتھ غسل کر کے یا وضو کر کے نماز پڑھی ہو اور نماز کا وقت باقی ہو تو اس کا اعادہ کیا جائے۔ اگر کنویں میں چھپکلی یا چوہا گر کر مر جائے اور سارا پانی نکالنا ممکن ہو تو سارا پانی نکال دیا جائے حتّٰی کہ پاک ہو جائے۔ اگر پانی میں شراب گر جائے اور کوئی شخص اُس سے وضو کر کے نماز پڑھے تو نماز کا اعادہ کرے۔ بشرطیکہ نماز کا وقت باقی ہو۔ اگر اس قسم کی کوئی چیز پانی کے علاوہ کسی سیّال چیز میں گر پڑے تو اس کا کھانا پینا حرام ہے وہ تغیر پذیر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو یا نہ ہو۔ اگر روٹی کو پانی میں تر کیا جائے تو اس کے ساتھ وضو جائز نہیں اور اگر کسی نے اس کے ساتھ وضو کر کے نماز پڑھی ہو تو نماز کو دہرائے۔ اگرچہ وقت نکل چکا ہو۔ اگر نجاست کے پڑنے یا پاک چیز کے ملنے سے پانی متغیر ہو جائے تو جس نے اس سے وضو کر کے نماز پڑھی ہو اس کو جب بھی ممکن ہو دہرائے اگر حشرات الارض میں سے کوئی پانی، کھانے، مشروب، یا کسی اور چیز میں گر کر مر جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً بھڑ، بچھو، جھینگر، گبریلا، کیکڑہ، مینڈک اور اس قسم کے دیگر حشرات الارض۔

امام مالک کے شاگرد ابن القاسم فرماتے ہیں۔

تھوڑا پانی تھوڑی نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے سوا دوسرا پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اسی پانی کے ساتھ وضو کر کے نماز پڑھ لے اور نماز کا وقت باقی ہو تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

اگر امام مالک مردہ چھپکلی، چوہے اور مری ہوئی مرغی کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایک غلط بات ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اور اگر ان سب کو یکساں قرار دیتے تو ان کے اپنے اقوال میں تناقض پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس پانی کے ساتھ کھانا تیار کیا جائے تو اُس کو کھانا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی کپڑا اس کے ساتھ چھو جائے تو اس کو دھو لیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر وقت باقی ہو تو نماز کا اعادہ کیا جائے۔ اور یہ حکم بھی بطور استحباب ہے بلحاظ وجوب نہیں۔ اگر یہ نماز جس کو امام مالک وقت کے اندر ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں نفل کا درجہ رکھتی ہے تو ایک نفلی نماز فاسد شدہ فرائض کی تلافی کیسے کر سکتی ہے؟ اگر امام مالک کہیں کہ اس میں حکمت و مصلحت مضمر ہے تو ہم اُن سے دریافت کریں گے کہ وقت نکلنے کے بعد یہ مصلحت کہاں چلی جاتی ہے؟ آخر مالکیہ وقت کے اندر نوافل کا حکم دیتے ہیں اور خروج وقت کے بعد کیوں نہیں دیتے؟ اور اگر وہ نماز جس کے وقت کے اندر اعادہ کا حکم امام مالک دیتے ہیں فرض ہے تو پھر ایک ہی وقت میں ظہر کی دو نمازیں کیونکر ادا کی جائیں گی؟ نیز یہ کہ خروج وقت کے بعد وہ کیسے ساقط ہو جاتی ہے؟ حالانکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی فرضی نماز رہ گئی ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تو وہ خروج وقت کے بعد بھی اسے ادا کرے۔

باعث تعجب و حیرت تو یہ بات ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک دونوں سے مروی ہے کہ جس جانور میں خون نہیں ہوتا اور جس میں خون ہوتا ہے اگر پانی یا کسی سیال چیز میں گر کر مرجائے یہ دونوں ائمہ ان دونوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم، احادیث صحیحہ وسقیمہ، اقوالِ صحابہ، قیاس اور عقلی براہین و دلائل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ موجب حیرت تو یہ بات ہے کہ وہ اس کو ان جانوروں تک محدود رکھتے ہیں جن میں خون ہوتا ہے، حالانکہ مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پسّو اور مکھی میں بھی خون موجود ہوتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ ہماری مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کا خون بہتا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ اس سے عجیب تر ہے۔ آخر مردہ جانوروں میں خون کا یہ امتیاز تم نے کہاں سے اخذ کیا؟ حالانکہ تم ہمارے اور تمام اہلِ اسلام کے ساتھ اس ضمن میں متحد الخیال ہو کہ مُردار جو بھی ہو وہ حرام ہوتا ہے (قطع نظر اس سے کہ اس کا خون بہتا ہو یا نہیں) قرآن کریم بھی اسی کا مؤید ہے۔ مرا ہوا پسّو ہو یا مکھی یا بچھو یا گبریلا تمام کے تمام بلانزاع وجدال حرام ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ تمام اہلِ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر لوبیا پکا ہوا ہو اور اس میں مُردہ دُفش (ایک چھوٹا سا کیڑا) پڑا ہو، یا شہد میں مُردہ شہد کی مکھی پڑی ہو، یا سرکہ میں کیڑا مرا پڑا ہو، یا پنیر اور انجیر میں مُردہ کیڑا ہو تو ان سب کا کھانا حلال ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکھی کو کھانے میں ڈبونے کا حکم دیا (تو پھر حرام کی آمیزش کی وجہ سے یہ اشیاء حرام کیوں نہ ٹھہریں؟)

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اگر فی الواقع اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے جیسا کہ تم مدعی ہو۔ نیز حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مکھی اگر کھانے میں مرجائے تو کھانا حلال ہے جیسا کہ تم نے کہا تو پھر اس میں دو صورتیں ممکن ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اسی صورت تک محدود رکھو جو اجماع سے ثابت ہے اور حدیث سے جس کی علّت ثابت ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ باقی اشیاء کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ تمہارے نزدیک ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ نجاست جب پاک چیز میں مل جاتی ہے تو اُسے ناپاک بنا دیتی ہے جو چیز اس ضابطہ سے خارج ہے اس کو تم مذکورہ صورتوں پر قیاس نہیں کرو گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری صورت یہ ہے کہ ہر پرندے کو مکھی پر قیاس کرو (کہ جس طرح مکھی پڑنے سے کھانا ناپاک نہیں ہوتا اسی طرح ہر اڑنے والے جانور کا یہی حکم ہے) اسی طرح ہر پاؤں والے حیوان کو قش (ایک چھوٹا سا جانور) اور ہر رینگنے والے جانور کو کیڑے پر قیاس کرو۔ پھر تمہارے لیے یہ کیسے ممکن ہوگا کہ جن جانوروں میں خون نہیں ہوتا تم ان کو بھی اس پر قیاس کرو؟ پس تم نے دو غلطیوں کا ارتکاب کیا۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ مکّھی میں خون ہوتا ہے اور دوسری یہ کہ تم نے قیاس کو ان جانوروں تک محدود رکھا ہے جن میں خون نہیں ہوتا مگر تم نے یہ نہیں کیا کہ ہر اُڑنے والے جانور کو جس کے دو پر ہوں یا ھر ذی روح کو مکّھی پر قیاس کرتے۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے (مکھی وغیرہ کے علاوہ) باقی جانوروں کو چوہے کے گھی میں گرنے والی حدیث پر قیاس کیا ہے (یعنی جس طرح چوہے کے گھی میں گرنے سے گھی ناپاک ہو جاتا ہے اسی طرح ان جانوروں کے گر کر مرنے سے) تو ہم اُن سے کہیں گے کہ پھر تم نے ہر لمبی دُم والے جانور کو چوہے پر قیاس کیوں نہیں کیا؟ یا غیر درندوں میں سے حشرات الارض کو چوہے پر کیوں نہ قیاس کیا؟ ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ ان کا یہ فیصلہ کس قدر عجیب ہے کہ جس جانور میں بہنے والا خون موجود ہو وہ نجس ہوتا ہے۔ ہم ان سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مردار اور خون کو حرام قرار دیا ان میں کیا فرق ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے کہ تم خون کو نجس قرار دیتے ہو مگر مُردار کو نہیں۔ حالانکہ موت کے بعد مردار میں خون موجود ہی نہیں ہوتا۔ ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ ان کا یہ قول ظاہر الفساد ہے۔

ابن القاسم کا قول مبنی بر خطا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ناپاک پانی سے وضو کرنے کے بجائے تیمم افضل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ناپاک پانی سے وضو کرے اس کا وضو درست تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز کا اعادہ وقت کے اندر ہی ممکن ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ شخص ان کے نزدیک گویا بے وضو نماز پڑھ رہا ہے۔

امام شافعی کا نقطۂ نظر

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب پانی بہہ نہ رہا ہو، خواہ وہ کنواں ہو یا کوئی برتن یا کوئی جگہ اور وہ پانچ سو رطل بغدادی (رطل چالیس تولے کا ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے) سے کم ہو ــــــ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ ــــــ تو وہ نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مُردار کے گرنے سے بھی نجس ہو جاتا ہے۔ مُردار کسی قسم کا بھی ہو، اس کا خون بہتا ہو یا نہ بہتا ہو ہر مردار چیز نجس ہے اور جس میں بھی وہ گر جائے وہ چیز ناپاک ہو جاتی ہے۔ اور اگر پانی پانچ صد رطل سے زیادہ ہو تو نجاست کے پڑنے سے نجس نہیں ہوتا۔ اِلّا یہ کہ اس کا رنگ یا مزہ یا بُو تبدیل ہو جائے۔ اگر پانی کے سوا کسی اور سیال چیز میں نجاست پڑ جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال حرام ہے خواہ مقدار کم ہو یا زیادہ۔

امام شافعی کے رفیق ابو ثور فرماتے ہیں:۔

تمام مائعات (سیال) پانی کی مانند ہیں۔ جب مائع (سیال) پانچ سو رطل ہو تو وہ کسی چیز کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ اِلّا یہ کہ اس کا رنگ یا مزہ یا بُو تبدیل ہو جائے۔ اگر پانچ سو رطل سے کم ہو تو نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

تمام شوافع اس ضمن میں متحد الرای ہیں کہ اگر کسی برتن میں پانچ صد رطل سے ایک اوقیہ (ایک پیمانہ) کم پانی ہو اور اس میں بول یا شراب یا نجاست کا ایک قطرہ پڑ جائے تو وہ سارے کا سارا نجس اور حرام ہو جاتا ہے اور اس سے وضو جائز نہیں۔ اگرچہ اس پانی میں اس نجاست کا کوئی نشان ظاہر نہ ہو۔ اگر اس میں ایک رطل بول یا شراب یا نجاست پڑ جائے اور پانی میں اس کا کوئی نشان ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے۔ اس کے ساتھ وضو جائز ہے اور اس کا پینا حلال ہے۔[1]

شوافع اپنے اس قول کی تائید میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ کتا اگر برتن میں منہ

---

[1] مصنف شوافع کی تردید کر رہے ہیں۔ اُن کا مقصد یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک جب پانی پانچ سو رطل سے ایک اوقیہ کم ہو پھر اس میں ایک رطل پیشاب گر گیا تو اب وہ پانچ سو رطل ہو گیا جو اُن کی اصطلاح میں آب کثیر ہے اور دو قلہ سے زیادہ ہے۔ لہٰذا وہ نجس نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس پر نجاست کا کوئی نشان نمودار نہیں ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈال دے تو برتن کو دھو لیا جائے اور جو کچھ اس میں ہو اس کو پھینک دیں۔ نیز وہ حدیث جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھوئے۔ کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں کہاں پھرتا رہا ہے۔" نیز آپؐ نے فرمایا کہ "جو شخص پانی میں پیشاب کرے اس سے وضو اور غسل نہ کرے۔" حضورؐ نے فرمایا "جب پانی دو قلّہ بھر ہو جائے تو کوئی چیز اسے ناپاک نہیں کر سکتی اور وہ نجاست کو قبول نہیں کرتا۔"

شوافع کہتے ہیں ان احادیث سے مستفاد ہوا کہ پانی اس وقت تک نجاست کو قبول کرتا ہے جب تک ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے۔ اور دو قلّہ اس کی منصوص حد ہے جس میں نجس ہونے کا احتمال نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کے اصحاب و تلامذہ نے بھی اس سے احتجاج کیا ہے۔ پھر دو قُلّہ کی تحدید و تعیین میں اختلاف رُونما ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے بعض اصحاب کا قول ہے کہ قُلّہ چوٹی کو کہتے ہیں۔ یہاں قُلّتَین سے دو مٹکے مراد ہیں۔ امام شافعی ابنِ جُریج سے روایت کرتے ہیں کہ قلّتین سے مقامِ ہَجر کے دو مٹکے مراد ہیں۔ مقامِ ہَجر کا ایک مٹکا دو مشک یا دو مشک سے کچھ زیادہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ایک مَشک سَو رَطل پانی پر مشتمل ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ دو قُلّہ کی تحدید وہ بعض دفعہ چار مَشک اور بعض اوقات پانچ مَشک سے کرتے ہیں۔ وہ اس کی تعیین رَطلوں میں نہیں کرتے۔ اسحاق کہتے ہیں دو قُلّے چھ مَشک پر مشتمل ہوتے ہیں۔ وکیع اور یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ قُلّہ مَٹکے کو کہتے ہیں۔ حسن بصری بھی اسی کے قائل ہیں۔ ہر مَٹکے کو قُلّہ کہتے ہیں۔ مجاہد اور ابو عُبید کا قول بھی یہی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں قُلّہ مٹکے کو کہتے ہیں۔ ابو عُبَید نے قُلّہ کی تحدید نہیں کی۔

اس ضمن میں عجیب ترین بات جاری اور غیر جاری پانی کے مابین تفریق ہے۔ اگر وہ اس کی دلیل یہ پیش کریں کہ بہتے پانی میں جب نجاست مل جائے تو وہ آگے چلا جاتا ہے اور پیچھے جو پانی ہوتا ہے وہ پاک ہوتا ہے حالانکہ ان کو بخوبی معلوم ہے کہ جس پانی میں نجاست مل جاتی ہے وہ اسی حالت میں آگے چلا جاتا ہے اور اُن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آگے بہہ جانے والے پانی کے ساتھ وضو کرنے، نہانے اور پینے کی اجازت ہے۔ اس لیے کہ وہ پانی مباح اور پاک ہے۔ حالانکہ بلاشبہ اس پانی میں نجاست کی آمیزش

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو چکی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس چیز کی وہ مذمت کرتے تھے وہ اسی کے مرتکب ہوئے۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے جاری و غیر جاری پانی کے مابین فرق و امتیاز اس لیے کیا ہے کہ غسل سے نہی کھڑے پانی کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس میں بول کیا جائے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ تمھاری بات ٹھیک ہے اور حق بھی یہی ہے اور ہم نے اسی حدیث کی بنا پر بول کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان امتیاز روا رکھا ہے (کہ غسل و وضو کی ممانعت صرف پیشاب کرنے والے کے لیے ہے کسی دوسرے کے لیے نہیں) اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ انھوں نے اس حدیث کے ایک جزو کو لے لیا اور دوسرے کو ترک کر دیا جس کی کوئی دلیل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اپنے اس دعویٰ پر کہ پانی کے علاوہ دیگر مائعات نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جاتے ہیں اور وہ اس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر چوہا جمے ہوئے گھی میں گر کر مر جائے تو چوہے کو اور اس کے آس پاس جو گھی ہو اس کو پھینک دو۔ امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

یہ ہے ان کے دلائل کی کل کائنات! اس کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ بلاشبہ یہ سب احادیث صحیح اور ثابت ہیں مگر اُن کے لیے حجّت نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں یہ احادیث ان کے خلاف حجت ہیں۔ جیسا کہ ہم اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وبہ نستعین۔

پہلی بات یہ ہے کہ ان کے اقوال ان احادیث کے مندرجات کے بالکل خلاف ہیں۔ الحمد للہ کہ ہم ان احادیث پر پوری طرح عمل کرتے ہیں۔

احناف:۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کتّے کے برتن میں منہ ڈالنے کا تعلق ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے علانیہ اس کی مخالفت کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ایسے برتن کو سات مرتبہ دھولو اور پہلی مرتبہ مٹی سے صاف کرو۔ بخلاف ازیں احناف نے کہا نہیں بلکہ صرف ایک ہی مرتبہ دھویا جائے۔ لہٰذا حنفیہ کا استدلال اس حدیث کے ساتھ باطل ٹھہرا جس کے وہ اوّلین مخالف اور اس کی حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ انھوں نے حدیث کے اصل مضمون کو چھوڑ کر اس بات کا دعویٰ کیا جو اس میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اس طرح وہ ڈبل غلطی کے مرتکب ہوئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالکیہ:۔ امام مالک فرماتے ہیں کُتّا اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے اور اس میں پانی ہو تو اسے پھینک دیا جائے (اور اگر دودھ یا کوئی اور چیز ہو تو اُسے نہ پھینکا جائے) بایں طور امام مالک نے بھی حدیث کی علانیہ خلاف ورزی کی ہے۔ حالانکہ امام مالک اور آپ کے اصحاب اس ضمن میں ہمارے ہمنوا ہیں کہ اس حدیث کو اس کے اصلی مضمون تک محدود رکھا جائے اور دیگر نجاسات کو کُتّے کے برتن میں منہ ڈالنے پر قیاس نہ کیا جائے۔ ان کا یہ قول بجا اور درست ہے اس لیے کہ جو شخص اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اضافہ کا مرتکب ہوتا اور آپ کی جانب اس بات کو منسوب کرتا ہے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

شوافع: امام شافعی فرماتے ہیں اگر برتن میں پانچ سَو رَطل پانی ہو تو اُسے نہ انڈیلا جائے اور نہ ہی برتن کو دھویا جائے۔ اگر برتن میں پانی کے سوا کچھ اور ہو تو کتنا بھی ہو اسے اُنڈیل دیا جائے۔ مگر حدیث میں یہ مضمون بیان نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی اور دلیل سے ثابت ہے۔ اسی طرح امام شافعی نے حدیث کی خلاف ورزی کی اور اس مضمون کا اضافہ کر دیا ہے جو اس میں موجود نہیں۔ امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کُتا برتن میں اپنا ہاتھ، پاؤں یا دُم داخل کر دے تو جو کچھ اس میں ہو اس کو اُنڈیل دیا جائے اور اسے سات مرتبہ دھویا جائے۔ نیز ایک مرتبہ مٹی کے ساتھ مانجھا جائے حالانکہ یہ ایسا اضافہ ہے جو حضورؐ کے کلام میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔

امام شافعی مزید فرماتے ہیں اگر خنزیر کسی برتن میں منہ ڈالے تو اس کا حکم بھی کُتّے جیسا ہوگا۔ برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے، ان میں سے ایک دفعہ مٹی کے ساتھ مانجھا جائے۔ اور اگر درندہ کسی برتن میں منہ ڈالے تو برتن کو دھونے اور انڈیلنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شافعی سؤر کو کُتّے پر قیاس کرتے ہیں مگر درندے کو نہیں۔ حالانکہ کُتا درندوں میں شمار ہوتا ہے۔ کتّے کو اس لیے حرام ٹھہرایا گیا ہے کہ آپ نے تمام درندوں کو حرام ٹھہرایا جو ڈاڑھوں میں پکڑ کر کھاتے ہیں۔ یہ نہی تمام درندوں کو شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے اقوال اس حدیث کے خلاف ہیں جب کہ ہمارے اقوال اس حدیث کے مندرجات کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث شافعیہ کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے اُن کے قیاس کا بُطلان ثابت ہوا۔ نیز یہ کہ اُن کے سب دعاوی دلیل و برہان سے یکسر عاری ہیں۔

باقی رہی وہ حدیث جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ اسے دھوئے۔ کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں کہاں پھرتا رہا ہے۔ وہ سب اس حدیث کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ نیند سے بیدار ہونے والے کے لیے ہاتھ دھونا ضروری نہیں۔ بخلاف اس کے ہم اس کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ان سب کا کہنا ہے کہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پانی ہر قسم کی نجاست کو قبول کرتا ہے۔ نیز یہ کہ ان دونوں باتوں میں فرق ہے کہ نجاست پانی میں پڑ جائے اور یہ کہ پانی نجاست میں مل جائے کہ یہ ایک ہی دفعہ دھونے سے زائل ہو جاتی ہے حالانکہ یہ بات ان دونوں احادیث کے علانیہ خلاف ہے۔ اس لیے کہ ایک حدیث میں برتن کو سات مرتبہ دھونے اور ان میں سے ایک دفعہ مٹی کے ساتھ صاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری میں تین مرتبہ دھو کر ہاتھ کو پاک کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حالانکہ وہ نجاسات کے ضمن میں اس کے قائل نہیں ہیں۔

اگر ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پانی نجاست کو قبول کرتا ہے تو ازالۂ نجاست کے سلسلہ میں ان کو معمول بہ بنانا چاہیے تھا۔ لہٰذا دونوں احادیث کے ساتھ ان کا استدلال باطل ٹھہرا۔ والحمد للہ۔

یہ بات یقینی طور پر باطل ہے کہ تم نے اس حدیث کی روشنی میں معلوم کر لیا کہ ہاتھ کی نجاست تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو گی اور جب تمھیں ہاتھ کے نجس ہونے کا یقین ہو گیا تو ایک ہی دفعہ دھونے کو کافی سمجھ لیا۔ اس قول کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ دین کے معاملہ میں وہ اپنے عقلی ڈھکوسلوں پر عمل پیرا ہیں۔ حالانکہ عقل انسانی اس سے ابا کرتی ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات کہتے تو ہم اس کی اطاعت کرتے اور اس کو حق قرار دیتے۔ لیکن جب حضورؐ نے یہ بات نہیں فرمائی تو اس کو نظر انداز کرنا، اس سے اعراض و انحراف اور اس کے بُطلان پر یقین رکھنا واجب ٹھہرا۔ یہ بات محال ہے کہ نیند سے بیدار ہونے والے کو ہاتھ کے تین مرتبہ دھونے کا حکم اس خدشہ کے تحت دیا گیا ہو کہ مبادا اسے نجاست لگ گئی ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو اس کے پاؤں کے بارے میں بھی یہ احتمال موجود تھا۔ مزید براں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی رانوں اور سرینوں کی اندرونی جانب ہاتھ سے زیادہ اس کی سزاوار ہوتی۔

امام مالکؒ اس ضمن میں ہمارے ہمنوا ہیں کہ حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ پانی نجاست کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ان کا احتجاج اس حدیث سے باطل ٹھہرا اور ثابت ہوا کہ یہ حدیث ان کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ان سب کے نزدیک ان دونوں حدیثوں کو دیگر نجاسات کے لیے اصل واساس نہیں بنایا جا سکتا اور دیگر نجاسات کو ان کے حکم پر قیاس کرنا بھی درست نہیں۔ لہٰذا ان کا استدلال ان دونوں احادیث کے ساتھ باطل ٹھہرا۔

باقی رہی وہ حدیث جس میں آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب کر کے اس سے وضو یا غُسل کرے تو (تینوں ائمہؒ) اس کے خلاف ہیں۔ ابوحنیفہؒ تو یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی اتنے بڑے حوض میں ہو کہ اس کی ایک جانب کو حرکت دی جائے تو دوسری طرف متحرک نہ ہو تو کوئی شخص جتنا چاہے اس میں بول کرے اس کے علی الرغم وہ اس پانی سے وضو اور غسل کر سکتا ہے۔ اور اگر حوض اتنا بڑا نہ ہو تو بول کرنے والے یا کسی اور کو اس بات کی اجازت نہیں کہ اس سے وضو یا غسل کرے۔ اس طرح امام ابوحنیفہؒ نے حدیث میں اس بات کا اضافہ کر دیا جو اس میں مندرج نہ تھی۔ اور وہ یہ کہ پیشاب کرنے والے کے سوا دوسروں کو بھی اس سے وضو وغسل کرنے سے منع کیا اور اسے حرام ٹھہرایا۔ مزید براں حدیث کی اس انداز سے بھی مخالفت کی کہ آب کثیر ہونے کی صورت میں پیشاب کرنے والے کو بھی وضو اور غسل کی اجازت دے دی اور قلیل ہونے کی صورت میں نہیں۔

بخلاف ازیں امام شافعی نے پانی کے پانچ صد رطل یا اس سے کم ہونے کی تفریق کر کے امام ابوحنیفہؒ کی طرح حدیث کی خلاف ورزی کی اور اس میں امام ابوحنیفہ ہی کی طرح اضافہ کا ارتکاب کیا۔ امام مالک نے بھی پوری حدیث کی خلاف ورزی کی ہے۔ فرماتے ہیں اگر پیشاب کرنے سے پانی متغیر نہ ہو تو اس کے ساتھ وضو اور غُسل کر سکتا ہے۔ بعض اقوال میں یوں کہا کہ آب کثیر ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ چونکہ تینوں ائمہ نے حدیث کی مخالفت کی ہے لہٰذا اس حدیث سے ان کا احتجاج باطل ٹھہرا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے حدیث جس طرح وارد ہوئی تھی بلا کم و کاست ہم نے اُس کو معمول بہ بنا لیا۔ وللہ الحمد۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس حدیث میں چوہے کے گھی میں گرنے کا ذکر ہے تینوں ائمہ نے اس کی خلاف ورزی کی ہے۔ امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی نے تو اس گھی کے ساتھ چراغ جلانے کی اجازت دی ہے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اُس کے قریب مت جاؤ۔" امام ابوحنیفہ اس کو فروخت کرنے کی اجازت دیتے ہیں بنابریں ہر سہ ائمہ کا استدلال ان جمیع اقوال و آثار سے باطل ٹھہرا اور یہ بات نکھر کر سامنے آئی کہ تینوں ائمہ اس کے خلاف ہیں اور یہ آثار ان پر حجّت ہیں۔

اگر معترض کہے کہ اگر ان احادیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ پانی نجاست کو قبول کرتا ہے تو ان کا معنی و مطلب آخر کیا ہے؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ان کا معنی وہی ہے جو ان کے الفاظ کا مقتضا ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ کسی شخص کے کلام کو وہ معانی پہنائے جو اس کا مقتضاء نہیں ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو یہ سلوک بالکل ناروا ہے کیونکہ اس کے بارے میں تو شدید وعید وارد ہوئی ہے کہ جو بات آپ نے نہیں فرمائی اس کو آپ کی طرف منسوب کیا جائے۔

باقی رہا ان آثار کا فائدہ تو اُن کی یہ افادیت کیا کم ہے کہ ان کی اطاعت کر کے آدمی جنّت میں داخل ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ بات کُھل کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں اور اطاعت سے انحراف کرنے والوں کے مابین کیا فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

جہاں تک "قُلَّتَین" والی حدیث کا تعلق ہے یہ ان کے لیے ہرگز حجّت نہیں۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قُلّہ کی تحدید نہیں فرمائی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر آپ دو قُلّہ کو نجاست قبول کرنے والے اور نہ قبول کرنے والے پانی کے مابین حدّ فاصل ٹھہراتے تو لازماً آپ اُن کی ایسی تحدید فرمادیتے جس میں تبدیلی کا کوئی احتمال نہ ہوتا یہ ایسی چیز نہ تھی کہ اس کی تعبیر و تشریح لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دی جاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو دو قُلّے ـــــ چھوٹے ہوں یا بڑے ـــــ اس کی طے شدہ حد ہوتے۔ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب تو قُلّہ سے کنویں کا حصہ مراد لیتے ہیں۔ اگر ان کی اس تاویلِ فاسد کو تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم وہ اس حدیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اس لیے کہ کنویں کے اگر دو یا تین حصے ہوں تاہم وہ ان کے نزدیک ناپاک ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعی نے دو قُلّہ کی جو حد مقرر کی ہے وہ دوسروں کی مقرر کردہ حد سے ارجح نہیں ہے۔

دیگر اہلِ علم نے قُلّہ کی جو توضیح کی ہے وہ امام شافعی سے مختلف ہے۔ اور ہر قول جو دلیل پر مبنی نہ ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس حدیث کو حق سمجھتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب پانی کی مقدار دو قُلّہ ہو تو وہ نجاست کو قبول نہیں کرتا۔ قُلّہ سے مراد وہ ہے جس پر عربی زبان میں قُلّہ کا اطلاق ہوتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ جو قُلّہ دس رطل پانی پر مشتمل ہو اس کو بھی عرب قُلّہ کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں مقام ہجر کے مٹکوں کا ہرگز ذکر نہیں کیا گیا اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ہجر میں بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے مٹکے ہوتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ حدیث معراج میں ہجر کے مٹکوں کا ذکر ملتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی مٹکوں کا ذکر ہو وہاں ہجر کے مٹکے مراد ہوں۔ مزید براں ابن جریج نے "قُلّتین" کی جو تشریح کی ہے وہ مجاہد کی توضیح سے افضل نہیں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے دو مٹکے مراد ہیں۔ حسن بصری بھی یہی کہتے ہیں کہ قُلّہ مٹکے کو کہتے ہیں وہ کوئی بھی ہو۔

کسی دلیل و نص سے یہ بات ثابت نہیں کہ پانی اگر دو قُلّہ سے کم ہو تو ناپاک ہو جاتا ہے۔ جس نے مذکورہ حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ کیا اس نے حضورؐ کی طرف اس بات کو منسوب کیا جو آپ نے نہیں فرمائی۔ لہٰذا کسی دوسری حدیث سے معلوم کرنا چاہیے کہ پانی جب دو قُلّہ سے کم ہو تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ جب ہم نے اس ضمن میں طلب و تلاش سے کام لیا تو ہمیں یہ حدیث ملی جس کو

۱۴۹۔ [ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از محمد بن وضاح از ابو علی عبدالصمد بن ابی سکینہ جو ثقہ ہیں از عبدالعزیز بن ابو حازم از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت سہل ابن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم بُضاعہ کے کنویں سے وضو کرتے ہیں حالانکہ لوگ اس میں پاخانہ

ؔ بیر بُضاعہ پر مشتمل حدیث بروایت ابو سعید خدری معروف ہے۔ سہل بن سعد کی روایت کا تذکرہ صرف اسی جگہ ملتا ہے اور یہ روایت صرف محمد بن وضاح کی ہے۔

(باقی برصفحہ آیندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیض کے خون سے آلودہ کپڑے اور مُردار پھینکتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کوئی چیز پانی کو ناپاک نہیں کر سکتی"۔

۱۵۰۔[ہم سے احمد بن محمد بن جسور از وہب بن مسّرۃ از ابن وضاح از ابوبکر بن ابوشیبہ از محمد بن فضیل از ابومالک اشجعی از ربعی بن حراش بیان کیا کہ] حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تین وجوہ کی بنا پر ہمیں دوسری امتوں پر برتری عطا کی گئی ہے۔ اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ" ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور اس کی مٹی کو ــــــ جب کہ ہم پانی نہ پائیں ــــــ پاک بنا دیا گیا۔" اس حدیث میں پانی کا لفظ عام ہے اس میں کسی پانی کی تخصیص نہیں کی گئی۔ (صحیح مسلم)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان سے قاسم بن اصبغ نے اپنے مصنف اور محمد بن عبدالملک بن ایمن نے اپنے متخرج علی سنن ابی داؤد میں لیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص (ج ۱، ص ۹) پر ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابن وضاح نے فرمایا کہ میں ابن ابی سکینہ سے حلب میں ملا تو انھوں نے روایت بیان کی اور قاسم بن اصبغ نے فرمایا کہ بئر بُضاعہ کے بارے میں یہ سب سے اچھی روایت ہے۔ اور ابن حزم نے فرمایا کہ عبدالصمد ثقہ و مشہور ہیں اور قاسم نے فرمایا کہ وہ سہل بن سعد سے بئر بُضاعہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ اور ابن ابو سکینہ جس کو ابنِ حزم نے مشہور کہا ہے اس کے بارے میں ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا کہ وہ مجہول ہے اس سے محمد بن وضاح کے علاوہ کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا اور اس حدیث کو دارقطنی نے صلا پر بطریق فضیل بن ابوسلیمان از ابو حازم از سہل مختصراً بئر بُضاعہ کے ذکر کے بغیر روایت کیا ہے۔ اور ان سے ابن الجوزی نے "التحقیق" میں مسئلہ رقم ۲ میں نقل کیا ہے اور اس حدیث کی ایک شاہد بھی ہے جو قوی ہے۔ امام بیہقی نے اپنی سنن ج ۱ ص ۲۵۹ میں محمد بن یحییٰ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں سہل بن سعد ساعدی کے گھر گیا۔ پھر بیہقی نے پوری حدیث بیان کر کے فرمایا کہ یہ سند موصول و حسن ہے۔ اور امام دارقطنی نے ص ۱۲ پر اسی سند کے ساتھ مختصراً ذکر کیا ہے۔ یہ تمام اسانید اس پر دال ہیں کہ اس حدیث کی سہل بن سعد سے اصل صحیح ہے۔ ہاں عبدالصمد کے متعلق ابن عبدالبر کو اطلاع نہ ہو سکی تو دوسرے اس سے مطلع ہیں مثلاً قاسم بن اصبغ اور ابن حزم۔ اور جس کو اطلاع ہے اس بات کی اس شخص کے مقابلہ میں جس کو اطلاع نہیں قابلِ حجت ہے۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخالفین نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم خود اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ جب نجاست پڑنے سے پانی کا رنگ، مزہ اور بُو تبدیل ہو جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس طرح تم نے مذکورہ صدر دونوں حدیثوں کی خلاف ورزی کی"۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے:۔

"معاذ اللہ کہ ہم ایسی بات کہیں۔ بخلاف ازیں ہمارا مؤقف یہ ہے کہ پانی ہرگز ناپاک نہیں ہوتا۔ اپنی اصل کے اعتبار سے پاک ہی رہتا ہے۔ بشرطیکہ ہم حرام چیز کی آمیزش سے اسے الگ کرنے قادر ہوں۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو ہم اُس کو ضرور استعمال کرتے۔ چونکہ یہ بات ہماری استطاعت سے خارج ہے لہٰذا اس کا حکم ہم پر باقی نہیں رہا۔ دیگر اشیاء کا بھی یہی حال ہے۔

مثلاً ایک پاک کپڑا، جو شراب، خون یا پیشاب سے آلودہ ہو جائے۔ پس حسب سابق پاک ہے اگر ہمارے لیے یہ بات ممکن ہو کہ ہم اس سے نجاست کو الگ کر سکیں تو ہم اُس میں نماز ادا کریں گے۔ اور اگر نماز ادا کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہو کہ ہم اس نجس اور حرام کپڑے کو استعمال کریں تو اس کا حکم ہم سے ساقط ہو جائے گا۔ اندریں صورت نماز اس لیے باطل نہیں ہو گی کہ ہم نے یہ کپڑا پہن کر ادا کی بلکہ اس نجاست کی وجہ سے جو اس کپڑے میں موجود ہے۔ جس روٹی کو سؤر کی چربی کے ساتھ چُپڑا گیا ہو اس کا اور ہمچو قسم کی دیگر اشیاء کا بھی یہی حکم ہے۔ اِلّا یہ کہ بطورِ خاص کسی چیز کی حُرمت کے بارے میں نص وارد ہوئی ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ مثلاً کُتا کسی برتن میں منہ ڈالے اور اس میں کوئی سیال چیز پڑی ہو۔ یا کھڑا پانی جس میں کوئی شخص پیشاب کرے یا پگھلا ہوا گھی جس میں گر کر چوہا مر جائے۔ ہم نے بطریق قتادہ از عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا اگر پانی میں خون مِل جائے تو پانی پاک ہی رہے گا"۔ وباللہ التوفیق

اگر نجاست کے ملنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ جب کوئی شخص پانی کے نالے میں پیشاب کرے تو اس سے نچلی جانب کسی شخص کو وضو کرنا جائز نہ ہو۔ اس لیے کہ وضو کرنے والا لازماً اسی پانی سے وضو کرے گا جس میں پیشاب اور پاخانہ پڑا ہے۔ مزید براں کسی شخص کا منہ خون یا قے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پاک نہ ہوگا۔ اس لیے کہ پانی جب نجس میں جائے تو پلید ہو جائے گا۔ جو شخص اس ضمن میں پانی اور دیگر مائعات کے مابین تفریق کرتا ہے وہ تحکم سے کام لیتا ہے اور اس کا دعویٰ بلا دلیل ہے جو کہ باطل ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

"ہم کو اس بنا پر ہدف نقد و جرح بنایا جاتا ہے کہ حدیث میں پیشاب کرنے والے کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر غیر بائل (پیشاب نہ کرنے والے) کا تذکرہ موجود نہیں۔ اس کے باوصف ہم دونوں میں فرق و امتیاز روا رکھتے ہیں۔ اسی طرح چوہے کا ذکر کیا گیا ہے جو گھی میں گر کر مر جائے۔ مگر چوہے کے زیتون میں گرنے یا کسی حرام چیز کے گھی میں گر پڑنے کا ذکر نہیں کیا گیا مگر یہ نقد و جرح دراصل ہمارے مخالفین پر صادق آتی ہے۔ اور اگر وہ بنظر غائر سوچتے تو ان کو پتہ چل جاتا کہ وہ پیشاب کرنے والے کو ـــــ جس کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے ـــــ پیشاب نہ کرنے والے کے ساتھ جو مساوی قرار دیتے ہیں یہ مبنی بر خطا ہے۔ ہم نے بائل (پیشاب کرنے والے) اور غیر بائل کے مابین جو فرق کیا ہے، وہ اسی طرح ہے جس طرح کھڑے پانی ـــــ جس کا تذکرہ حدیث میں موجود ہے ـــــ اور بہتے پانی کے درمیان ـــــ جس کا ذکر حدیث میں نہیں کیا گیا ـــــ فرق کیا جاتا ہے اور جس کے سلسلہ میں مخالفین بھی ہمارے ہمنوا ہیں۔ ورنہ ہمیں بتائیں کہ کھڑے پانی اور بہتے پانی میں فرق و امتیاز کیوں روا رکھا جاتا ہے اور بائل اور غیر بائل کے درمیان کیوں تفریق نہیں کی جاتی؛ مگر بات یہ ہے کہ حدیث میں جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کا حکم اس کی طرف متعدی نہیں ہوگا جس کا تذکرہ حدیث میں نہیں کیا گیا۔ جب تک اس ضمن میں کوئی نص وارد نہ ہو۔ بائل اور غیر بائل کے درمیان ہم نے جو فرق کیا ہے وہ بالکل اسی قسم کا ہے جس طرح حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص پانی غصب کرتا ہے اس پر اس کا پینا اور استعمال کرنا حرام ہے جب کہ غیر غاصب پر حرام نہیں ہے۔ بائل اور غیر بائل کے مابین فرق و امتیاز بالکل اسی طرح ہے جیسے زانی و غیر زانی کے مابین یا سارق و غیر سارق اور مصلّی (نمازی) اور غیر مصلّی (بے نماز) ہیں۔ ہر ایک کا نام بھی الگ ہے اور حکم بھی۔ غلطی اور قباحت تو اس بات میں ہے کہ نص تو بائل کے بارے میں وارد ہو مگر اس حکم کا اطلاق

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر بائل پر بھی کر دیا جائے۔ یہ تو بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے سارق کا حکم غیر سارق پر عائد کر دیا جائے۔ اور زانی یا مصلّی کے بارے میں جو فیصلہ ہو اس کا اطلاق غیر زانی اور غیر مصلی پر کر دیا جائے۔ دیگر شرعی احکام میں بھی یہی طریق کار اختیار کیا جائے۔ ونعوذ باللہ من ھذا۔

اگر مالکیہ و شافعیہ انصاف سے کام لیتے تو اپنی اس تفریق پر اپنے آپ کو ہدفِ ملامت بناتے جو انھوں نے اس مسئلہ میں کی ہے کہ اگر شرمگاہ کو ہاتھ کی ہتھیلی سے چھُوا جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ہاتھ کی بالائی جانب سے مَس کیا جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ مزید براں مالکیہ اپنے آپ کو اس تفریق پر ہدفِ طعن بناتے جو انھوں نے ایک معزّز عورت اور گھٹیا عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے سلسلہ میں روا رکھی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شرمگاہ کی حِلّت و حُرمت اور مہر کے معاملے میں کوئی تفریق پیدا نہیں کی۔ نیز مالکیہ اور شافعیہ اس تفریق پر اپنے آپ کو موردِ طعن و تشنیع بنائیں جو اُنھوں نے عرایا (وہ پھل دار درخت جو کسی مسکین کو دے دیے جائیں کہ وہ ان کا پھل بلاقیمت کھالے) کے معاملہ میں پکّی اور کچّی کھجوروں کے درمیان پیدا کی ہے۔

ذرا مالکیہ کو دیکھیے وہ اس تفریق میں ہمارے ہمنوا ہیں کہ کُتا اگر برتن میں اپنی زبان ڈال دے تو اس کا حکم الگ ہے اور اگر اپنی دُم پانی سے تر کی ہوئی کسی برتن میں ڈال دے تو اس کا حکم اور ہے۔ مالکیہ گائے اور گھوڑے کے پیشاب میں فرق کرتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ پھر اس سے قبیح تر تفریق وہ ہے جو مالکیہ آزاد چھوڑی ہوئی اور بندھی ہوئی مرغی کی بیٹ کے مابین کرتے ہیں۔ نیز یہ تفریق کہ بکری اگر نجس پانی پیئے تو اس کے بَول کا اور حکم ہے اور جب پاک پانی پیے تو اور۔ اسی طرح مالکیہ نے لوبیا کی مختلف اقسام میں تفریق کی ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ کے مسئلہ میں اُنھوں نے لوبیا اور ماش کو ایک ہی قسم قرار دیا ہے مگر بَیع کے معاملات میں ان کو جُدا گانہ اشیاء ٹھہرایا ہے اور ہر دانشمند شخص جانتا ہے کہ پاخانہ کرنے والے اور پیشاب کرنے والے کے درمیان نص کی بنا پر جو فرق پایا جاتا ہے وہ اس فرق سے روشن تر ہے جو آج کے لوبیا اور گزشتہ کل کے لوبیا یا لوبیا کی بعض انواع کے مابین پایا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شافعیہ نے اس بَول کے مابین جو ذَکر کے سوراخ میں ہو اور اس بَول میں جو حشفہ کی بالائی جانب تک پہنچ جائے فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذکر کے سوراخ میں جو بَول ہو وہ ڈھیلے سے پاک ہو جاتا ہے۔ جب کہ حشفہ والا بَول پانی کے بغیر پاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح انھوں نے دُودھ پیتے بچّے کے بَول اور پاخانہ میں پانی بہانے اور دھونے کے اعتبار سے تفریق کی ہے اور اسی مسئلہ کے سلسلہ میں ہم کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

احناف کے نزدیک اگر بکری کنویں میں پیشاب کر دے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور اگر اسی قدر پیشاب کپڑے پر کرے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ احناف کا قول ہے کہ اگر اونٹ کنویں میں پیشاب کرے تو کنواں نجس ٹھہرتا ہے خواہ وہ ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر اونٹ کی دو مینگنیاں کنویں میں گر پڑیں تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا اور یہی اعتراض انھوں نے ہم پر بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر گھوڑے کی لید کپڑے کو لگ جائے اور وہ مقدار میں بغلی درہم سے زیادہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اسی گھوڑے کے بَول سے کپڑا آلودہ ہو جائے تو نماز تب فاسد ہوگی اگر کپڑے کی ایک چوتھائی پیشاب سے تر ہو جائے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ ہے۔ ابو یوسف کہتے ہیں طول و عرض میں بالشت بھر کپڑا بَول سے تر ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ زُفر کہتے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب بالکل پاک اور ان کا پاخانہ نجس ہے۔ وہ اس کی بنا پر ہمیں موردِ طعن بھی بناتے ہیں۔ وہ اس قَے میں جو مُنہ بھر کر آئے اور اس میں جو منہ بھر کر نہ آئے فرق کرتے ہیں۔ جو بَول جسم پر لگا ہو اس کو صرف پانی سے صاف کیا جا سکتا ہے۔ اور جو کپڑے پر لگا ہو اس کو پانی کے بغیر کسی اور چیز کے ساتھ بھی دُور کر سکتے ہیں۔

اور اگر ان کی خامیوں اور لغزشوں کا تتبّع کیا جائے تو اس سے ایک دفتر مرتب ہو جائے گا۔

اگر معترض یہ کہے کہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے یا پاخانہ کرنے کے مابین تم نے جو تفریق کی ہے تم سے پہلے یہ بات کس نے کہی ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ بات اللہ کے رسولؐ نے کہی ہے ـــــ جس کے نہ آگے باطل دم مار سکتا ہے نہ پیچھے ـــــ اس لیے کہ حضورؐ نے پیشاب کرنے والے کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا۔ اور پاخانہ کرنے والے، تھوکنے والے اور ناک کا فضلہ پھینکنے والے کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی۔ اب تم ہمیں یہ بتاؤ کہ اولادِ آدم میں سے تم سے پہلے یہ تفریقات کس نے ایجاد کیں؟ مثلاً تمہارے نزدیک بکری اگر کنویں میں پیشاب کرے تو اس کا حکم اور ہے اور اگر کپڑے پر پیشاب کرے تو اس کا حکم اور۔ بکری جسم پر پیشاب کرے تو اس کا حکم اور ہے اور اگر کپڑے پر کرے تو دوسرا حکم۔ بکری ناپاک پانی پی کر پیشاب کرے تو وہ تمہارے یہاں الگ مسئلہ ہے اور اگر پاک پانی پی کر کرے تو دوسرا مسئلہ۔ پیشاب اگر حشفہ کے سر میں ہو تو اس کا حکم اور ہے اور اگر اس کے اوپر ہو تو اس کا حکم الگ ہے۔ یہ ایسے اقوال ہیں جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کہے۔ اے کاش! کہ ایسے اقوال کے اظہار و بیان سے پہلے وہ ان پر غور کر لیتے۔ ان کے بیان کردہ دیگر فروق کا بھی یہی حال ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

کتاب و سنت میں جو کچھ بھی ہے اس کے اظہار و ابلاغ سے ہم بالکل انکار نہیں کرتے۔ اگرچہ ہمیں معلوم نہ ہو کہ یہ کس کا قول ہے۔ مگر حیرت تو (مقلّدین) پر ہے جو دوسروں کو ہدفِ ملامت بناتے ہیں مگر خود اسی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہٰذا ملامت کے مستحق وہ ہیں نہ کہ ہم۔ ہم جس بات کی مذمت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کے بارے میں وہ بات کہی جائے جو اللہ اور اس کے رسول نے نہیں فرمائی۔ بنا بریں ملامت اور نقد و جرح کے لائق یہ بات ہے خواہ دنیا کے سب لوگ اس کے قائل ہوں۔

اگر مقلدین ہمیں کہیں کہ تم سے پہلے یہ تفریق کس نے کی ہے کہ اگر چوہا گھی میں گر پڑے تو اس کا حکم اور ہے اور اگر کسی اور چیز میں گرے تو اس کا حکم اور؟ تو اس کا جواب وہی ہے جو ہم اوپر دے چکے ہیں۔ حالانکہ ہم دونوں کا فرق بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما واضح کر چکے ہیں۔

۱۵۱۔ [جیسا کہ ہم سے احمد بن محمد بن جسور از محمد بن عیسیٰ بن رفاعہ از علی بن عبدالعزیز از ابو عبید قاسم بن سلام از ہشیم از معمر از ابان از راشد مولیٰ قریش نے بیان کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ سے چوہے کے بارے میں دریافت کیا گیا جو گھی میں گر پڑے۔ فرمایا اگر پگھلا ہوا ہو تو سب کا سب گھی پھینک دو اور اگر جما ہوا ہو تو چوہے کو نکال کر اس کے اردگرد جو گھی ہو اس کو پھینک دو اور باقی ماندہ کو استعمال کر لو۔ دوسری روایت

۱۵۲۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر و سفیان ثوری از ایوب سختیانی از نافع

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ سے چوہے کے بارے میں دریافت کیا گیا جو بیس فرق (اہل مدینہ کا پیمانہ جو سولہ رطل کا ہوتا ہے) زیتون میں گر پڑے۔ فرمایا "اس کے ساتھ چراغ جلایا کرو اور چمڑے کو چپڑ لیا کرو۔

۱۵۲۔ [اور بسند سابقہ تا عبدالرزاق بیان کیا کہ] ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا کہ اگر چوہا پگھلے ہوئے گھی یا تیل میں گر کر مر جائے اور اس کی کھال بھی اتر چکی ہو یا سخت ہونے کی وجہ سے نہ اتری ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا جب چوہا اس میں مر جائے ـــــ خواہ اس کی کھال اُترے یا نہ اُترے مساوی ہے ـــــ تو تیل میں کسی چیز کو ملا کر اس کو کسی چیز پر مل دیا جائے بشرطیکہ تمہیں اس سے نفرت نہ ہو۔ میں نے پوچھا کیا گھی میں کسی چیز کو ملا کر کھایا جا سکتا ہے؟ فرمایا نہیں اس کے ساتھ سر کو چپڑ لیا جائے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں نصِّ قرآنی کے مطابق زیتون بھی تیل ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا،

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْآكِلِينَ (المومنون: ۲۰)

(اور وہ درخت بھی (ہم ہی نے پیدا کیا) جو طُورِ سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی زیتون کا درخت کہ کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن لیے ہوئے اُگتا ہے)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر زیت میں نجاست پڑ جائے تو اس کو دھو کر کھا لیا جائے۔ ابن القاسم امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر کھانے یا پانی میں شراب کا قطرہ پڑ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتے۔ یہ پانی پیا جا سکتا ہے اور اس کھانے کو کھایا جا سکتا ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں ہم احناف سے کہیں گے کہ تم اپنی رائے سے بعض نجاسات کو غلیظ اور بعض کو خفیف قرار دیتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس کتاب و سنت یا اجماع و قیاس سے اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ مثلاً تمہارے نزدیک بعض نجاستیں ایسی ہیں جن سے کپڑا، بدن، موزے اور جوتے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتے جب تک اُن کو بغلی درہم سے زیادہ نجاست نہ لگے یا بعض اوقات اس سے کم۔ نجاست کی بعض انواع ایسی ہیں کہ جب تک کپڑے کی ایک چوتھائی اُن سے ملوث نہ ہو کپڑا نجس نہیں ہوتا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ جسم جوتے، موزے اور زمین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ نجاست کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ اگر کپڑے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جسم کو لگیں تو ان کا حکم اور ہے اور اگر کنویں میں گریں تو اور۔

مثلاً تم کہتے ہو کہ شراب یا بول کا ایک قطرہ کنویں کو ناپاک کر دیتا ہے مگر کپڑے اور جسم کو نہیں۔ جب تک اس کی مقدار ایک بغلی درہم سے زیادہ نہ ہو۔ بتائیے اگر کوئی تالاب ایسا ہو کہ اس کی ایک جانب کو حرکت دی جائے تو دوسری طرف متحرک نہ ہو۔ اس میں کُتّے یا بکری کے پیشاب کا قطرہ گر پڑے یا مرا ہوا چیچڑ گر جائے یا مُردہ ہاتھی اس میں گر کر پھٹ جائے تو اس ضمن میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آیا یہ تمام نجاسات یکساں ہیں؟ اگر ان کو یکساں تسلیم کریں تو اُن کا یہ اصول ٹوٹ جاتا ہے کہ نجاست کی بعض قسمیں غلیظ ہوتی ہیں اور بعض خفیف۔ نیز اندریں صورت ان کو اپنا یہ قول ترک کرنا پڑے گا کہ اونٹ یا بکری کی دو مینگنیاں کنویں کو ناپاک نہیں کر سکتیں۔ اور اگر ان تمام اشیاء میں تفریق کریں (کہ ان میں سے بعض نجاستِ غلیظہ ہیں اور بعض نجاستِ خفیفہ) تو ہم ان سے اس کی تفصیل دریافت کریں گے تاکہ یہ تمسخر میں اضافہ کا موجب ہو۔

ایک اعتراض: احناف ہم پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: کیا رائے ہے تمہاری شراب، خون یا بول کے بارے میں جو پانی میں جا گرے اور اس کے پڑنے سے اس کے مزہ، بُو اور رنگ میں کوئی تغیر رُونما نہ ہو، بتائیے کیا یہ تینوں چیزیں پانی بن گئیں یا اپنی حالت پر قائم رہیں؟ اگر یہ پانی بن گئیں تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ اور اگر اپنی حالت پر قائم رہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے شراب، بول اور خون کو مباح ٹھہرایا یہ نہایت بڑی بات ہے اور اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں بتوفیق الٰہی ہم اس کا جواب یہ دیں گے۔

جواب: یہ عالم ایک ہی جوہر ہے جس کے اجزاء اپنے اعراض و اوصاف کی بنا پر تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ عالم کے ہر جزو کی صفات کی تبدیلی کی وجہ سے اُن اجزاء کے نام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ دینی احکام انہی اجزا پر واقع ہوتے ہیں اور سب لوگ تمام زبانوں میں انہی کی بنا پر ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھاتے ہیں۔ مثلاً انگور، انگور ہی ہے اور منقّٰی نہیں ہے۔ انگور کا شیرہ، نہ انگور ہے اور نہ شراب۔ شراب شیرے سے الگ چیز ہے۔ سرکہ شراب نہیں ہے۔ ان سب چیزوں کے دینی احکام جداگانہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نوعیت کے ہیں۔

جو ذات ان صفات کی حامل ہے وہ ایک ہی ہے۔ یہ سب اس کی صفات ہیں جن سے اُس کی تعریف مترتب ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک یہ صفات اس ذات میں موجود ہیں وہ پانی ہے اور اس پر پانی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جب یہ صفات اس ذات سے زائل ہو جائیں تو وہ پانی نہیں رہے گا اور نہ اس پر پانی کا اطلاق کیا جائے گا۔ خون، شراب، بول اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس کی یہی کیفیت ہے۔ اس کی ہر نوع کی کچھ صفات ہوتی ہیں جب تک اس میں موجود ہوں وہ شراب ہے اور اس پر شراب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ یا بول ہے اور اسے بول کہا جاتا ہے یا خون ہے اور اُسے اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ جب یہ صفات اُن میں باقی نہ رہیں تو یہ چیز نہ شراب رہے گی، نہ پانی نہ خون اور نہ ہی بول۔ نہ ہی وہ چیز باقی رہے گی جن صفات کی وجہ سے یہ نام اس کو دیا گیا تھا۔ جب شراب، بول، یا خون سرکے یا دودھ یا کسی اور چیز میں گر گیا تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر اُس کی وہ صفات زائل ہو گئیں جن کی بنا پر خون کو خون، شراب کو شراب اور بول کو بول کہا جاتا تھا، اور اس چیز کی صفات اپنی اصلی حالت پر موجود رہیں جن میں وہ گرا تھا تو اب وہ چیز جو گری تھی نہ شراب رہی نہ خون اور نہ ہی بول۔ بخلاف ازیں اب وہ چیز دراصل پانی یا درحقیقت دودھ ہے۔ تمام اشیاء میں یہی اصول کارفرما ہے۔

اگر گرنے والی چیز کو غلبہ حاصل ہو جائے اور اس کی صفات بدستور رہیں۔ مگر وہ چیز جس میں وہ گری تھی اس کی صفات باقی نہ رہیں۔ مثلاً پانی یا دودھ یا سرکہ نہ پانی رہا نہ دودھ اور نہ سرکہ تو اسے حقیقتاً بول یا شراب یا خون تصور کیا جائے گا۔ اگر گرنے والی چیز کی صفات باقی رہیں لیکن جس میں وہ گری تھی اُس کی صفات بھی زائل نہ ہوں، تو اُسے پانی و شراب، یا پانی و بول، یا پانی اور خون فرض کیا جائے گا۔ جملہ اشیاء کا یہی حال ہے۔

اندریں صورت ان میں سے جو حلال چیز ہے اس کا استعمال ہمارے لیے حرام نہیں بشرطیکہ ہم اس کو حرام سے علیحدہ کر سکیں۔ مگر ہم اس حلال کو اسی صورت میں استعمال کر سکتے ہیں جب اس کے ساتھ حرام کو بھی استعمال کریں اور اسی طرح ہم حلال کے استعمال سے قاصر رہتے ہیں۔ ورنہ اپنی ذات کے اعتبار

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے وہ حسبِ سابق حلال و طاہر ہے۔ دُنیا کی تمام اشیاء کا یہی حال ہے۔ مثلاً خون گوشت کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو وہ گوشت کہلاتا ہے نہ کہ خون۔ حالانکہ ان کی اصل ایک ہے۔ اسی طرح گوشت چربی کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو گوشت نہیں رہتا بلکہ چربی بن جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کی اصل ایک ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، گوبر، پاخانہ، پیشاب، پانی اور مٹی یہ سب اشیاء کھجور کے درخت کے پتوں اور کھجور کے پھل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ نتیجتہً اُن میں سے کوئی چیز اب گوبر، مٹی اور پانی کی صورت میں باقی نہیں رہی بلکہ وہ حلال اور پاک کھجور کی صورت اختیار کر گئیں۔ تمام نباتات کی یہی حالت ہے اسی طرح پانی ہوا بن کر اُڑ جاتا ہے یا نمک بن کر منجمد ہو جاتا ہے۔ اب وہ پانی نہیں رہا اور نہ ہی اس کے ساتھ وضو جائز ہے حالانکہ ان کی اصل و اساس ایک ہے۔ پھر ایک مرحلہ وہ آتا ہے جب یہ ہوا اور نمک پانی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اب وہ نہ ہوا ہے نہ نمک بلکہ حلال پانی ہے جس کے ساتھ وضو اور غُسل جائز ہے۔

اگر تم ان باتوں کو تسلیم نہ کرو اور کہو کہ اگرچہ اس چیز کی صفات باقی نہیں رہیں تاہم یہ چیز وہی ہے۔ جو تمھیں ماننا پڑے گا کہ بَول کے ساتھ وضو جائز ہے اس لیے کہ وہ بلاشبہ پانی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ علیٰ ھذا القیاس۔ تمھارے نزدیک پسینے کے ساتھ بھی وضو جائز ہونا چاہیے اس لیے کہ اصلاً وہ بھی پانی تھا۔ مزید براں تمھیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن پھلدار درختوں کو گوبر اور پاخانے کی کھاد دی جاتی ہے وہ حرام ہیں۔ اسی طرح مرغی کا گوشت بھی تمھارے نزدیک حرام ہونا چاہیے اس لیے کہ وہ بھی محرّمات کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

اگر معترض کہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خون کو پانی، شراب اور بَول میں ڈالا جاتا ہے مگر اس کا رنگ، بُو یا مزہ ظاہر نہیں ہوتا اور جب مسلسل اسے پانی وغیرہ میں ڈالا جاتا ہے تو خُون کی صفات اس میں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ تو دوسرا پانی کیوں نہ بن گیا جیسے پہلا بن گیا تھا؟ ہم معترضین سے کہیں گے کہ یہ سوال ہم سے نہیں کرنا چاہیے۔ مگر تم اپنی عادتِ ذمیمہ پر گامزن رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام و افعال پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہو۔ لہٰذا تمھیں یہ سوال اللہ تعالیٰ سے پوچھنا چاہیے نہ کہ ہم سے۔ کیوں وہی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جس نے پہلے کو حسبِ مرضی حلال کیا اور دوسرے کو نہیں۔ اسے ہم نے حلال نہیں ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اس کا جواب روزِ قیامت دیں گے جب سائل کو اس سوال پر ندامت ہوگی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے سوالات سے منع کیا ہے۔ وہ قرآن میں فرماتا ہے:۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ (الانبیاء: ۲۳)

(وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہوگی اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی اُن سے پرسش ہوگی)

پھر ہم تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں یہ فریضہ ہم پر عائد کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ (المائدۃ: ۸)

(اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو)

ہم تمھیں اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ دیکھو اللہ کی مخلوقات جو اس نے حسبِ مرضی پیدا کی ہیں۔ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہوا پانی کو خشک کر کے اڑا دیتی ہے۔ پانی ہوا بن جاتا ہے اور ہرگز پانی نہیں رہتا۔ جب بہت سا پانی فضا میں ہوا کی صورت میں متحیل ہو جاتا ہے تو ہوا حسبِ سابق پانی بن جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو بادلوں سے بارش کی صورت میں نیچے برساتا ہے۔ بعینہٖ یہ وہی دلیل ہے جو تم نے ہمارے خلاف استعمال کی تھی۔ اور وہ یہ کہ خون پانی میں چھپ جاتا ہے، چاندی تانبے میں پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اور جب لگاتار یہ سلسلہ جاری رہتا ہے تو پھر خون اور چاندی اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

یہ احمقانہ سوال بالکل اسی نوعیت کا ہے جیسے کوئی پوچھے اللہ نے پانی کو وضو کے لیے کیوں پیدا کیا۔ وضو کے لیے عرقِ گلاب کو کیوں پیدا نہ کیا؟ کعبہ کو نماز کے لیے قبلہ کیوں بنایا؟ حج کے لیے خانہ کعبہ کیوں جاتے ہیں؟ نماز اور حج کے لیے کسکر و فرمار (دو شہروں کے نام) اور کوہ طور کا رُخ کیوں نہیں کیا جاتا؟ مغرب کے تین، صبح کے دو اور مقیم کے لیے ظہر کے چار فرض کس لیے ہوتے ہیں؟ گدھے کے کان لمبے اور اونٹ کے چھوٹے کیوں ہوتے ہیں؟ چوہے اور لومڑی کی دُم لمبی اور بکری اور خرگوش کی چھوٹی کیوں ہوتی ہے؟ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا بات ہے کہ ہوا انسان کی نچلی جانب سے خارج ہوتی ہے اور اس کی بنا پر اسے منہ اور کلائیاں دھونی پڑتی ہیں، سر کا مسح کرنا اور پاؤں دھونا پڑتا ہے مگر جہاں سے ہوا خارج ہوتی ہے اس جگہ کو نہیں دھوتا؟ ایسا سوال کوئی دانشمند مسلم اور ایماندار عالم نہیں کر سکتا۔ بخلاف ازیں اس قسم کے سوالات کرنا نادان ملاحدہ اور جاہل دہریہ کا شیوہ ہے۔

جب ہم نے تمہیں اور اپنے تمام خصوم واعداء کو اس ضمن میں اپنے حواس سے کام لینے کی دعوت دی ہے کہ اسماء اپنی صفات کے بدل جانے سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہم نے تم پر واضح کیا کہ جو اسماء وصفات باہم لازم وملزوم نہیں ہوتے وہ صفات اسی وقت تک موجود رہتی ہیں جب تک اعیان موجود ہوں۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کو ہم تم اور اس کائنات پر بسنے والے تمام انسان زمانۂ قدیم وجدید سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر ہم نے عقلی وبدیہی براہین ودلائل پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جیسے چاہا پیدا کیا۔ بنابریں تمہارے سب اعتراضات مبنی بر ضلالت وبطالت و دہریت و الحاد کی تمہید ہیں۔

معترضین کا قول ہے کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ چاندی میں تانبہ مخلوط ہو گیا۔ چاندی میں تانبے کا کوئی اثر نمودار نہ ہوا۔ اب بتایئے اس کی زکوٰۃ کیا اس اعتبار سے ادا کی جائے گی کہ وہ سب چاندی ہے اور اس کو چاندی کے اعتبار سے فروخت بھی کیا جائے گا یا نہیں؟

بتوفیق ربانی ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ معاملہ بھی بعینہٖ پانی کی طرح ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر چاندی کی صفات بدستور موجود رہیں اور اس پر تانبے کا کوئی نشان ظاہر نہ ہوا تو اس کی زکوٰۃ چاندی کے وزن کے اعتبار سے ادا کی جائے گی۔ اسی طرح اس کو چاندی کے لحاظ سے فروخت بھی کیا جائے گا۔ نہ کم نہ زیادہ اور نہ ہی اُدھار۔ اور اگر اس پر تانبے کا غلبہ ہو گیا حتیٰ کہ چاندی کا کوئی نشان باقی نہ رہا تو اس کو خالص تانبہ تصوّر کیا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی۔ قطع نظر اس سے کہ جو چاندی تانبے میں مستحیل ہوئی ہے وہ کم ہے یا زیادہ۔ اس کو چاندی کے عوض نقد وادھار دونوں طرح فروخت کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ چاندی جس کے عوض اُسے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فروخت کیا جارہا ہے اس میں مخلوط چاندی سے کم ہو یا زیادہ یا اس کے مساوی اور اگر چاندی اور تانبہ دونوں کے اثرات اس پر یکساں طور سے نمایاں ہوں تو وہ چاندی بھی ہے اور تانبہ بھی۔ اگر اس میں موجود چاندی پانچ اوقیہ کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ عائد ہو گی ورنہ نہیں۔ جیسا کہ اس صورت میں اگر وہ چاندی علیحدہ ہوتی۔ اس مخلوط صورت میں اس کی بیع خالص چاندی کے عوض جائز نہیں۔ خواہ خالص چاندی اس میں مخلوط چاندی سے کم ہو یا زیادہ یا اس کے برابر۔ نیز یہ بیع نہ نقد جائز ہے نہ ادھار۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مماثلت بالوزن پر قادر نہیں ہیں۔ البتہ مخلوط چاندی اور تانبے کو سونے کے عوض نقداً فروخت کیا جا سکتا ہے ادھار نہیں۔

معترضین یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اگر ہنڈیا میں شراب مل گئی یا اس میں پیشاب، پاخانہ یا خون پڑ گیا اور ان چیزوں کا کوئی نشان اس پر ظاہر نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ جو شخص عمداً ہنڈیا میں اس قسم کی کوئی چیز ڈالے تو وہ فاسق و فاجر اور اللہ کا نافرمان ہے۔ کیونکہ اس نے ایک حرام چیز کو جس سے اجتناب واجب تھا ہنڈیا میں ڈالا۔ اور اگر یہ تمام محرمات اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہیں تو ہنڈیا میں جو کچھ بھی ہے اس کا کھانا حلال ہے۔ اس لیے کہ ہنڈیا میں کوئی حرام چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب محرمات کو حلال کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

پھر ہم اس سوال کو انہی پر پلٹ دیتے ہیں۔ یہ سوال ایک مٹکے سے متعلق ہے جس میں سرکہ پڑا ہے۔ پھر اس میں شراب ڈال دی گئی۔ مگر اس شراب کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ اس ضمن میں ان کا قول یہ ہے کہ مٹکے میں جو کچھ بھی ہے حلال ہے یہ اُن کے اقوال میں تناقض کا بیّن ثبوت ہے۔ اس لیے کہ اسی بنا پر انھوں نے ہم کو ہدفِ نقد و جرح بنایا تھا۔ اس طرح وہ خود ہی موردِ طعن و ملامت ٹھہرے۔ اس لیے کہ انھوں نے اس کو بڑی اہمیت دی اور دوسروں کے خلاف اسے حجت تصور کیا۔ اور ہم ہدفِ طعن بننے سے اس لیے بچ گئے کہ ہم نے نہ اس کو اہمیت دی اور نہ ہی حجت تسلیم کیا۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں جب متاخرین حنفیہ نے دیکھا کہ ان کا مذہب فاسد اور رکیک ہے اور وہ اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحفظ پر قادر نہیں ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہم بڑے تالاب اور نہر و دریا وغیرہ میں تفریق نہیں کرتے۔ جس پانی سے وضو اور غسل کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک اس میں فیصلہ غلبۂ ظن کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اگر ہمیں یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ پانی میں نجاست مخلوط ہوگئی ہے تو اس کا استعمال حرام ہے خواہ وہ دریا ہی کیوں نہ ہو اگر ہمیں یقین یا ظن غالب ہو کہ نجاست مخلوط نہیں ہوئی تو ہم اس کے ساتھ وضو کر لیں گے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ مذہب جس کو انھوں نے اختیار کیا اس مذہب سے فاسد تر ہے جس سے انھوں نے انحراف کیا۔ اس کے وجوہ فساد کئی ایک ہیں۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنا ظن پر رکھی گئی ہے جو ناروا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم: ۲۸)

(وہ صرف ظن پہ چلتے ہیں اور ظنّ یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بدظنّی سے بچتے رہو اس لیے کہ بدظنّی نہایت جھوٹی بات ہے" اور اُس شخص سے زیادہ بُرا اور کون ہے جو اللہ کے دین میں ـــــ جو کہ خالص حقّ ہے۔ ـــــ ظنّ کی بنا پر فیصلہ کرتا ہے حالانکہ اسے خود اعتراف ہے کہ وہ حق نہیں ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ جیسے تمھیں یہ گمان ہے کہ اس میں نجاست مخلوط نہیں ہوئی۔ اسی طرح تمھارا گمان یہ بھی ہے کہ نجاست اس میں مل چکی ہے لہٰذا تمھیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ ظنّ پر عمل کرنا بھی تمھارے اصول میں سے ایک ہے۔ پھر تم نے ظن کے ایک پہلو کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کیسے بنا لیا۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ تمھارا قول تحکم بلا دلیل ہے اس لیے باطل ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ ہم ان سے دریافت کریں گے نجاست کے پانی میں مخلوط ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کو نہ ہم سمجھتے ہیں نہ تم اور نہ ہی دُنیا کا اور کوئی شخص۔ وللّٰہ الحمد اگر تم کہو کہ آمیزش کے معنی یہ ہیں کہ پانی کا ہر جزو نجاست کے ہر جُزو کے قریب ہے۔ تو یہ محاورت (قریب ہونا)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو ہے مگر مخالطت (آمیزش) نہیں ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب نجاست کی مقدار پانی کے مساوی ہو۔ ورنہ پانی کے کچھ اجزا بچ جائیں گے اور نجاست کا کوئی جزو اُن کے قریب نہ ہو گا۔

اگر حنفیہ اس کے جواب میں کہیں کہ پانی کے سب اجزاء ناپاک ہو چکے ہیں اگرچہ نجاست کا کوئی جزو ان کے قریب نہ بھی ہو۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس سے تمھیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر پیشاب کا ایک قطرہ بھی دریا میں پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اس لیے کہ یہ بات تم نے خود تسلیم کر لی ہے اگر ماننے سے انکار کریں تو ہم کہیں گے کہ نجاست کی وہ متعین مقدار بتاؤ کہ جب وہ پانی کی متعین مقدار میں مل جائے تو اسے ناپاک بنا دیتی ہے۔ اگر وہ اس مقدار کا تعین کر دیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اپنی ضلالت اور بے راہ روی میں خود ہی اضافہ کر لیا۔ اور اگر وہ اس کی جسارت نہ کریں تو گویا انھوں نے اپنے قول کو ترک کر دیا۔ ان کا یہ قول مردار کی طرح فاسد اور مجہول ہے اور دین میں اس کا اقرار روا نہیں۔

مزید براں ہم احناف سے پوچھتے ہیں کہ اگر فیصلہ تمھارے ظنِ غالب کی بنا پر کیا جاتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ تم ایک پیالے کے بارے میں کہو جس میں دو اوقیہ پانی تھا۔ اُس میں پسّو کے انڈے کے برابر کُتے کا پیشاب گر گیا کہ صرف اُسی قدر پانی ناپاک ہو گا جس میں اس نجاست کا ملنا ممکن تھا۔ اور وہ پانی اتنا ہی ہو گا جس قدر معمولی وہ نجاست تھی۔ پیالے کا باقی پانی پاک رہے گا اور اس کے ساتھ وضو کرنا اور اسے پینا روا ہو گا۔

اسی طرح ایک حوض کا معاملہ ہے جس میں ایک کُر (عراق میں ایک پیمانہ جس کا وزن ۶۰ قفیز) کے برابر پانی تھا۔ اس میں ایک اوقیہ (ایک وزن جو سات مثقال کا ہوتا ہے) پیشاب گر گیا۔ تمھارے اصول کے مطابق اس پانی میں سے اتنا ہی ناپاک ہو گا جس میں یہ پیشاب ملا تھا۔ باقی ماندہ پانی طاہر اور حلال ہے اور ہم تم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ پیشاب اس پانی کے عُشرِ عشیر میں بھی نہیں مل سکا ہو گا۔ اگر تم اس کو تسلیم کر لو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تمھیں تمام قدیم و جدید غلط نظریات کو خیرباد کہنا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگا۔ اگر تم کہو کہ صرف وہ پانی ناپاک ہوگا جو نجاست کے قریب ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ تمہارے نزدیک دریائے نیل، جیحوں بلکہ بہتا پانی جو بھی ہو ناپاک ٹھہرے۔ اس لیے کہ پانی کے اجزا ر باہم ایک دوسرے سے مِل جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ خواہ دریا میں پیشاب کا ایک قطرہ ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ اب جونسی صورت چاہو تسلیم کر لو۔

اگر احناف کہیں ہمیں یقین نہیں آتا کہ اندریں صُورت بڑی نہر یا دریا ناپاک ہو جائے گا۔ ہم اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ جس شخص نے نہر کے پانی کے ساتھ وضو کیا اس نے ایسے پانی کے ساتھ وضو جس میں نجاست مِل چکی تھی۔ ہم ان سے کہیں گے کہ پھر حوض، کنویں، قُلّہ اور اس پیالے کے بارے میں بھی یہی بات کہو جس میں دس رطل پانی تھا۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی نجاست کا ظہور نہیں ہوا اور دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

اور یہ امر یقینی نہیں کہ جن پانیوں کا بھی ہم نے ذکر کیا ہے سب ناپاک ہو جاتے ہیں۔ اور نہ اس بات پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے بھی یہ پانی پیا یا اس سے وضو کیا اس نے ناپاک پانی پیا اور ناپاک پانی کے ساتھ وضو کیا۔ علاوہ ازیں اگر اسی طرح ہوتا جیسے اُنھوں نے ذکر کیا ہے تو یہ بات ضروری نہ تھی کہ پانی یا کوئی سیّال چیز جو طاہر اور حلال ہے محض نجس یا حرام کے قریب ہونے کی وجہ سے ناپاک ہو جاتی، جب تک اس میں حرام یا نجس کی صفات موجود نہ ہوں۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں میں نے بعض ایسے فقہاء کو دیکھا ہے جن کا میلان ورجحان نظر و استدلال (عقلیات) کی طرف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر پانی جس میں نجاست پڑ جائے مگر نجاست کا اثر اس میں نمایاں نہ ہو ــ وہ پانی کم ہو یا زیادہ ــــ اس کا حکم یکساں ہے۔ اور وہ یہ کہ جو شخص اس پانی کے ساتھ وضو کرے یا اس میں سے پیے اور اتنا پانی بچ جائے جس میں نجاست پڑی تھی تو اس کا وضو جائز، اس کی نماز مکمل اور اس کا پینا حلال ہے۔ اس پانی سے غسل کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لیے کہ اسے یقین نہیں کہ اس نے نجاست کو استعمال کیا یا اس نے حرام پانی پیا۔

اگر اُس نے سارے پانی کو استعمال کر لیا تو نہ اس کا وضو ہوگا اور نہ وہ پاک ہوگا۔ وہ اس کے پینے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی گنہگار ہو گا اس لیے کہ ہمیں یقین ہے کہ اس نے نجاست کو استعمال کیا اور حرام پانی پیا۔ دریا یا اس سے کم پانی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر اس پانی کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ آدمیوں نے وضو کیا اور انھوں نے وضو اور غسل کرتے وقت یا پیتے وقت سارے پانی کو استعمال کر لیا تو اندریں صورت ان دونوں میں سے ہر ایک یا اُن تمام میں سے ہر ایک کا وضو، غُسل یا پینا بظاہر جائز ہے مگر ان دونوں میں یا ان تمام میں کوئی شخص ایسا ضرور ہے جس کا وضو اور غسل درست نہیں۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ وہ شخص کون ہے لہٰذا بنا برظن میں ان میں سے کسی کو بھی وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دوں گا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں میں نے مسئلہ زیرِ بحث کے سلسلے میں اس قول کے قائل کے ساتھ مناظرہ کیا اور اس کے اختیار کردہ ایک اصول کی بنا پر اس پر گرفت کی۔ میں نے اسے کہا کہ مسئلہ زیرِ قلم میں تمام متعلقہ لوگوں کو وضو اور نماز کے اعادے کا حکم دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی کو بھی اپنی طہارت کا یقین نہیں بلکہ بے وضو ہونے کا شک ہے۔ اس ضمن میں ہمارا بلکہ تمام مسلمانوں کا موقف بھی یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے بے وضو ہونے کا یقین اور باوضو ہونے کا شک ہے۔ اندریں صورت اسے طہارت کا یقین حاصل ہونا ضروری ہے۔

میں نے اس کے سامنے پہلے قول کے بطلان پر وہ دلیل بھی پیش کی جس کا تذکرہ قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔ اور وہ یہ کہ ناموں کے بدل جانے سے احکام بھی تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔ اور اسما کی تبدیلی اُن صفات کی تبدیلی پر موقوف ہے جن کی بنا پر کسی چیز کی تعریف (منطقی حد) بیان کی جاتی ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ جس چیز کو تم جائز قرار دیتے ہو اُس کے اور اُن دو برتنوں کے درمیان فرق ہے جن میں سے ایک میں پانی اور دوسرے میں کسی درخت کا جوس ہے۔ اسی طرح گوشت کے دو ٹکڑوں میں بھی فرق پایا جاتا ہے کہ ایک سور کے گوشت کا ٹکڑا ہو اور دوسرا مینڈھے کے گوشت کا۔ اسی طرح دو بکریوں میں فرق ہے کہ ایک تو مذبوحہ ہے اور دوسری کسی درندے کی چیر پھاڑ سے مری ہو۔ ظاہر ہے کہ ان میں فرق و امتیاز کس قدر دشوار ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں صحابہ و تابعین میں سے بکثرت اکابر اس ضمن میں ہمارے ہمنوا ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ کوئی چیز پانی کو ناپاک نہیں کرسکتی۔ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ، عمر بن الخطاب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، حسین بن علی، ام المومنین میمونہ، ابوہریرہ، حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم۔ اور تابعین میں سے اسود بن یزید، اُن کا بھائی عبدالرحمٰن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سعید بن جُبیر، مجاہد، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، حسن بصری، عکرمہ جابر بن زید، عثمان البتی وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔

اگر دین میں کسی کی تقلید جائز ہوتی تو مذکورہ صدر صحابہ و تابعین کی تقلید ابوحنیفہ، مالک اور شافعی کی تقلید سے افضل ہے۔

۱۳۷۔ بول کی مختلف اقسام اور ان کا شرعی حکم

انسان اور حیوانات کا بول ——— ماکول اللحم ہوں یا غیر ماکول اللحم ——— اسی طرح پرندوں کا بول

حلال ہوں یا حرام، اُس کا کھانا پینا حرام ہے۔ الا یہ کہ علاج کی بنا پر، یا کسی کے مجبور کرنے سے، یا بھوک اور پیاس کی وجہ سے اسے استعمال میں لایا جائے۔ طہارت اور نماز کے معاملات میں اس سے اجتناب فرض ہے۔ البتہ جس سے احتراز کرنے میں دشواری پیش آتی ہو وہ معاف ہے۔ مثلاً مکھی اور پسّو وغیرہ کا فضلہ۔

امام ابوحنیفہؒ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر قسم کا بول نجس ہے۔ خواہ ماکول اللحم جانوروں کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا۔ البتہ بول کی بعض اقسام مقابلۃً نجس تر ہوتی ہے۔ ماکول اللحم جانوروں کا بول مثلاً گھوڑا، بکری، اونٹ، گائے اور دیگر جانوروں کا بول لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا اور نہ ہی نماز دہرائی جاتی ہے۔ اِلّا یہ کہ وہ بہت زیادہ مقدار میں ہو۔ اندریں صورت کپڑا نجس ٹھہرے گا اور اسے پہن کر اگر نماز ادا کی ہو تو اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔ امام صاحب کے مشہور قول میں نجاست کثیرہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

قاضی ابویوسف کے نزدیک کثیر نجاست وہ ہے جس کا طول و عرض ایک بالشت ہو۔ فرماتے ہیں اگر بکری کنویں میں پیشاب کردے تو کنواں ناپاک ہوگیا۔ اب اس کا سارا پانی نکالا جائے۔ جہاں تک انسان اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے بول کا تعلق ہے اس کے لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا اور نہ ہی نماز کا اعادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرنے کی ضرورت ہے۔ بجز اس صورت کے کہ اس کی مقدار بغلی درہم سے زیادہ ہو۔ اگر اتنی مقدار میں پیشاب کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا اور اس میں پڑھی گئی نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ اور اگر پیشاب کی مقدار بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہو تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا اور نہ نماز کو دہرانے کی ضرورت ہے۔ اب تک جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس سلسلہ میں حنفیہ کے نزدیک عمد و نسیان میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ دونوں حالتیں برابر ہیں۔

احناف کہتے ہیں لید یا گوبر خواہ وہ ماکول اللحم جانوروں کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا مثلاً گائے، گھوڑا، اور گدھا وغیرہ ان کا شرعی حکم یکساں ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر یہ کپڑے، جوتے، موزے اور جسم کو لگ جائے اور اس کی مقدار بغلی درہم سے زیادہ ہو اس میں نماز نہیں ہوگی اور اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔ اور اگر بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہو تو اس سے کچھ حرج نہیں ہوتا۔ اگر کنویں میں اینٹ یا بکری کی دو یا کم مینگیاں گر پڑیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر لید یا گوبر مذکور موزے یا جوتے کو لگ جائے اور اس کی مقدار ایک درہم سے زیادہ ہو تو خشک ہونے کی صورت میں اس کا مل دینا کافی ہے۔ اور اگر گیلا ہو تو لازماً اسے دھونا ہوگا۔ اگر لید یا گوبر کے بجائے بول لگا ہو تو خشک ہو یا تر اس کو دھونا پڑے گا۔

احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں نماز ادا کرے کہ اس کے کپڑے میں ماکول اللحم یا غیر ماکول اللحم پرندے کی بیٹ لگی ہو اور وہ مقدار میں درہم سے زیادہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور نہ ہی نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ البتہ اگر بہت زیادہ مقدار میں ہو تو نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ البتہ اگر کپڑے میں مرغی کی بیٹ لگی ہو اور وہ مقدار میں درہم سے زیادہ ہو اور کوئی شخص اس میں نماز ادا کرے تو نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ اگر پانی میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ زُفر فرماتے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے قلیل ہو یا کثیر۔ جہاں تک غیر ماکول اللحم جانوروں کے بول و براز اور ماکول اللحم جانوروں کے فضلہ کا تعلق ہے یہ سب نجس ہیں۔

امام مالکؒ:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں غیر ماکول اللحم جانوروں کا بول و براز ناپاک ہے۔ بخلاف ازیں ماکول اللحم جانوروں کا بول و براز پاک ہے۔ البتہ اگر انھوں نے ناپاک پانی پیا ہو تو اندریں صورت اُن کا بول ناپاک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جو مرغیاں نجاست کھاتی ہیں ان کا فضلہ نجس ہے۔

امام داؤد ظاہری۔ امام داؤد (ظاہری) کا قول ہے کہ تمام حیوانات کا بول و براز ـــــ ماکول اللحم ہوں یا غیر ماکول اللحم ـــــ پاک ہے۔ مگر انسان کا بول و براز دونوں ناپاک ہیں۔

امام شافعی:۔ امام شافعی کا قول ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

امام ابن حزم ان اقوال پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جہاں تک امام ابو حنیفہؒ کے قول کا تعلق ہے وہ ظاہر الفساد و التناقض ہے۔ نہ قرآن کے ساتھ اس قول کا کچھ تعلق ہے اور نہ ہی احادیث صحیحہ و سقیمہ کے ساتھ۔ قیاس و اجماع سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اقوال صحابہ اور رائے صحیح بھی اس کی تائید و حمایت میں منقول نہیں۔ ہمارے علم کی حد تک امام ابو حنیفہؒ سے پہلے کسی نے نجاست کو ان اقسام میں تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ ہم کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نے یہ ترتیب قائم نہیں کی لہٰذا حتمی طور پر اس کو مسترد کرنا ضروری ہے۔

ظاہریہ کا مسلک اس ضمن میں ہمارے اصحاب (ظاہریہ) کا موقف حسب ذیل ہے۔

اشیاء میں اصل طہارت ہے حتیٰ کہ نص سے کسی چیز کی حرمت و نجاست ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ حیوانات کے بول و براز کی نجاست اجماع اور نص سے ثابت نہیں۔ بجز انسان کے بول و براز کے کہ وہ نجس ہے۔ لہٰذا ہم انسان کے ماسوا کسی کے بول و براز کو نجس تسلیم نہیں کرتے۔

اصحاب الظاہر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگوں نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! ہم مال مویشی رکھنے کے خوگر تھے اور کسان نہ تھے۔ مدینہ کی آب و ہوا ان کے لیے سازگار ثابت نہ ہوئی۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اونٹ اور ایک چرواہا دیا اور فرمایا کہ مدینہ سے باہر جا کر اونٹوں میں رہیں اور اُن کا بول اور دودھ پئیں (تا آخر)

ہم نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں جہاں بھی ہوتے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز ادا کر لیتے۔ آپ بکریوں کے باڑوں میں بھی نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے۔ قریش کے چند لوگ بیٹھے تھے۔ انھوں نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا۔ کہنے لگے کون ہے جو اس اوجھ کو خون سمیت لے جائے۔ پھر انتظار کرے، حتیٰ کہ آپ سجدہ کریں تو اس اوجھ کو آپ کی پیٹھ پر رکھ دے۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں یہ سن کر بدبخت ترین شخص (عقبہ بن ابی مُعیط) اٹھا۔ اس نے اوجھ کو اپنے ساتھ لے لیا جب آپ سجدہ کرنے لگے تو اُس کو آپ کی پشت مبارک پر رکھ دیا۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ابھی بچی تھیں۔ آپ کو پتہ چلا تو بھاگتی ہوئی آئیں اور اُس کو آپ کی پُشت مبارک سے ہٹا دیا۔ حضور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا "اے اللہ قریش کو سنبھال لے۔" (تا آخر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں عہدِ رسالت میں کنوارا نوجوان تھا اور مسجد میں سویا کرتا تھا۔ کُتے مسجد میں آیا جایا کرتے تھے اور پیشاب بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر پیشاب والی جگہ پر پانی نہیں چھڑکا جاتا تھا۔ اس ضمن میں صحابہ اور تابعین سے بھی بعض اقوال منقول ہیں۔ جیسا کہ ہم نے شعبہ و سفیان از اعمش بیان کیا کہ مالک بن حارث اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس جگہ نماز پڑھائی جہاں گوبر تھا۔ یہ سفیان کے الفاظ ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں "وہاں جانوروں کی لید تھی"۔ دیگر راویوں سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ "اس جگہ کے آگے صحراء تھا"۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا "یہاں اور وہاں نماز ادا کرنا یکساں ہے" حضرت انسؓ فرماتے ہیں "ہر اوجھ والے جانور کے بول میں کچھ مضائقہ نہیں"۔ منصور کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی سے گوبر کے بارے میں دریافت کیا جو کسی شخص کے موزے، جوتے یا پاؤں کو لگ جائے انھوں نے کہا اس میں کچھ حرج نہیں۔ ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ خچر کے بول کرتے وقت وہ دُور چلا گیا۔ ابراہیم نے اسے کہا "اگر پیشاب تجھے لگ جاتا تو کیا حرج تھا"۔ نخعی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ خچر کو حرام ٹھہراتے تھے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بکری کے پیشاب میں کچھ مضائقہ نہیں۔ محمد بن علی بن حسین اور نافع مولیٰ ابن عمر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس کی پگڑی کو اونٹ کا پیشاب لگ جائے کہ اسے دھونے کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ بن مُغَفّل کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز پڑھا کرتے تھے اور ان کے پاؤں پر گوبر کا نشان ہوتا تھا۔ عُبَید بن عُمَیر کہتے ہیں میری ایک چھوٹی سی بکری تھی جو میری مسجد میں مینگنیاں کیا کرتی تھی۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

سابق الذکر آثار سب صحیح ہیں۔ مگر یہ مخالفین کے حق میں حجّت نہیں ہے۔ جہاں تک عبداللہ بن عمرؓ سے منقول حدیث کا تعلق ہے وہ مرفوع نہیں۔ اس لیے کہ اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضورؐ اس بات سے باخبر تھے کہ کُتّے مسجد میں پیشاب کرتے ہیں مگر آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا اور جب یہ بات مذکور نہیں تو وہ حدیث قابل احتجاج ہی نہیں۔ اس لیے کہ حجّت تو حضورؐ کا قول وعمل ہے یا وہ بات جس کو دیکھ کر آپؐ نے منع نہ فرمایا ہو۔ لہٰذا اس حدیث سے احتجاج ساقط ہوا۔

مگر جو شخص حضرت ابو سعید خدریؓ کی اس حدیث سے احتجاج کرتا ہے کہ "عہدِ رسالت میں ہم طعام میں سے ایک صاع صدقۂ فطر نکالا کرتے تھے"۔ اسے چاہیے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی مذکورہ صدر حدیث کے ساتھ بھی احتجاج کرے اس لیے کہ بات اقرب الی القیاس ہے کہ رسول کریمؐ کو مسجد نبوی میں ہونے والے واقعہ کا ضرور علم ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ آپ کو معلوم ہو کہ ابو سعید خُدری کے قبیلہ والے کیا کر رہے ہیں۔ جو شخص صحابہ کے عمل کو ہدفِ تنقید بناتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث سے احتجاج کرتے ہوئے کتّوں اور دیگر جانوروں کے بَول کو نجس قرار نہ دے۔ مگر اس ضمن میں اُن کے یہاں تناقض پایا جاتا ہے۔

باقی رہی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث تو وہ مخالفین کے لیے حجّت نہیں۔ اس لیے کہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ گوبر میں خون بھی تھا۔ اس کے باوجود یہ حدیث (حنفیہ) کے یہاں خون کے پاک ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ بات تو عذر ہوگی کہ یہ حدیث گوبر کے پاک ہونے کی دلیل تو ہو مگر خون کی طہارت اس سے ثابت نہ ہو سکے۔ حالانکہ حدیث میں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مزید براں اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حدیث کو شعبہ، سفیان اور زکریا ابن ابی زائدہ نے اسی شخص سے روایت کیا ہے جس سے علی بن صالح نے کیا ہے۔ اور وہ ابواسحاق ہے جو عمرو بن میمون سے روایت کرتا ہے اور وہ عبداللہ بن مسعود سے۔ ان سب نے ذکر کیا ہے کہ وہ اونٹ کا اوجھ تھا۔ حالانکہ یہ سب لوگ علی بن صالح کی نسبت ثقہ تر اور ان سے بڑھ کر حافظ حدیث ہیں۔ ان کی روایت میں وہ اضافہ[ل] ہے جو علی بن صالح کی روایت میں نہیں ہے۔ جب گوبر اور خون اوجھ میں ہوا تو دونوں ناپاک ہوئے۔ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ یہ مکہ کا واقعہ ہے جب کہ پاخانہ اور خون کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا بلاشبہ یہ منسوخ ہے اور اس کے ساتھ احتجاج باطل ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث جس میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اس کے بارے میں ہمارے مخالفین لکھتے ہیں کہ بکریوں کے باڑے میں ان کی مینگنیاں اور پیشاب بھی ہوتا ہے (لہٰذا اس حدیث سے بکریوں کے پیشاب اور مینگنیوں کی طہارت ثابت ہوئی) ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ باڑے میں بکریوں کی مینگنیوں اور پیشاب کے علاوہ چرواہے کا پیشاب بھی ہوتا ہے حالانکہ اس حدیث سے انسانی بول کی طہارت ثابت نہیں ہوتی۔

۱۵۴- [ونیز ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد سجستانی از محمد بن کریب از

ل علی بن صالح کی روایت کو نسائی (ج ۱ ص ۵۸) نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جو مصنف نے ذکر کیے ہیں۔ جہاں تک دوسری روایات کا تعلق ہے دیکھیے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۳۹، ۷۸ وجلد ۲ ص ۴۴، ۸۳، ۱۸۲) نیز صحیح مسلم (ج ۲ ص ۶۷، ۶۸) مسند احمد (ج ۱ ص ۴۱۷) ابوداؤد طیالسی حدیث نمبر ۳۲۵- ان تمام روایات میں یہ الفاظ ہیں "اونٹ کا اوجھ" بجز بخاری کی روایت کے دیکھیے (جلد ۱ ص ۸۷) کتاب الصلوٰۃ بطریق اسرائیل از ابواسحاق۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلہ کے اونٹ کا قصد کرے اور اس کا گوبر، خون اور اوجھ اٹھا لائے"۔ یہ علی بن صالح کی روایت کی مؤید ہے۔ علی بن صالح ثقہ ہے۔ اس کی روایت میں گوبر اور خون کے الفاظ کا اضافہ ہے اور ثقہ راوی کا اضافہ قابلِ قبول ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسین بن علی جعفی از زائدہ از ہشام بن عروہ از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ انھیں صاف ستھرا رکھا جائے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلاۃ) امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ گھروں سے رہائشی گھر یا محلّے مراد ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں محلّہ بنی ساعدہ، محلہ بنی النجار، محلّہ بنی عبدالاشہل۔ حضور نے بھی یہی فرمایا ہے اور یہ لفظ عربی زبان میں بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ بنا بریں مذکورہ صدر حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ آپ نے مساجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے لہٰذا مساجد کو بول اور مینگنیوں وغیرہ سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

۱۵۵- [ونیز ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از شیبان بن فروخ و ابوربیع زہرانی از عبدالوارث از ابوالتیاح بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ بسا اوقات نماز کا وقت ہو جاتا تو میں دیکھتا کہ آپ کے نیچے جو چٹائی ہوتی تھی اس کو صاف کیا جاتا اور اس پر پانی چھڑکا جاتا تھا۔ پھر آپ امامت فرماتے۔ ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے اور آپ ہمیں نماز پڑھاتے۔ (بخاری کتاب الادب، مسلم کتاب الصلاۃ، کتاب الاستیذان و کتاب الفضائل، ترمذی کتاب الصلوٰۃ و کتاب البر والصلۃ، ابن ماجہ کتاب الادب) اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز پر نماز پڑھنا ہو اس کو جھاڑا پونچھا جائے اور اس پر چھڑکاؤ کیا جائے۔

۱۵۶- [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از وہب بن مسرۃ از ابن وضاح از ابوبکر بن ابوشیبہ از اسماعیل بن علیہ از عبداللہ بن عون از انس بن سیرین از عبدالحمید بن المنذر بن جارود بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میرے بعض چچوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور عرض کی میری آرزو یہ ہے کہ آپ میرے گھر میں کھانا کھائیں اور نماز پڑھیں۔ آپ تشریف لائے، گھر میں کھجور کے پتوں کی ایک صف تھی۔ آپ نے گھر کے ایک کونے کو صاف کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُسے صاف کر کے اس پر چھڑکاؤ کیا گیا۔ پھر آپ نے اور ہم نے مل کر نماز ادا کی[1]۔

[1] حاشیہ بر صفحہ آیندہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں حضورؐ نے نماز کی جگہ کو صاف کرنے اور اس پر چھڑکاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس حکم میں بکریوں کے باڑے اور دیگر مقامات بھی شامل ہیں۔

۱۵۷۔ [ونیز ہم سے اس حدیث کو بطریق عبدالوارث انا ابوالتیاح انا انس روایت کیا ہے اور ہمیں یہ روایت بطریق امام بخاری از سلیمان بن حرب از شعبہ از ابوالتیاح پہنچی کہ] حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی تعمیر سے قبل بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب الصلاۃ۔ مسلم و ترمذی کتاب الصلاۃ)

معلوم ہوا کہ یہ آغازِ ہجرت کی بات ہے جب بول و براز سے اجتناب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

۱۵۸۔ [ونیز ہم سے یونس بن عبداللہ از ابوعیسٰی بن ابوعیسٰی انا احمد بن خالد از ابن وضاح انا ابوبکر بن ابوشیبہ از یزید بن ہارون از ہشام بن حسان از محمد بن سیرین بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں (نماز ادا کرنے کے لیے) بکریوں اور اونٹوں کے باڑے کے سوا اور جگہ نہ ملے تو بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کر لیا کرو مگر اونٹوں کے باڑے میں نہیں۔ (ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

۱۵۹۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از سفیان ثوری از اعمش از عبداللہ از عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی بیان کیا کہ] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کریں؟ فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا گیا کیا بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کریں؟ فرمایا ہاں۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

ابن حزم کہتے ہیں اس سند میں عبداللہ سے مراد عبداللہ بن عبداللہ کوفی ہے جس کو رَے کے شہر کا قاضی مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ثقہ راوی ہے۔

لہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ ابنِ ماجہ کتاب الصلاۃ میں ہے اور دیگر سند کے ساتھ بخاری کتاب الصلاۃ اور کتاب الادب اور ابوداؤد کتاب الصلاۃ میں بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۶۰ - [ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از احمد بن محمد برتی انا ابو معمر از عبدالوارث بن سعید از یونس از حسن بیان کیا کہ] عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بکریوں کے باڑے میں آؤ تو اس میں نماز ادا کر لیا کرو اور اگر اونٹوں کے باڑے میں جاؤ تو اس میں نماز نہ پڑھو۔ اس لیے کہ اونٹ شیطانوں سے تخلیق کیا گیا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

ابن حزم فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا جو حکم دیا ہے اگر اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا بول اور مینگنیاں پاک ہیں۔ تو اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے سے ممانعت ان کے بول اور مینگنیوں کے ناپاک ہونے کی دلیل ہوگی۔ اور اگر اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے کی ممانعت ان کے بول کی نجاست کی دلیل نہیں ہے، تو بکریوں کے باڑے میں نماز کی اجازت اُن کے بول اور مینگنیوں کے پاک ہونے کی دلیل نہیں ہوگی۔ دونوں کے حکم میں تفریق زبردستی اور تحکّم کی دلیل ہے۔

اگر معترض کہے کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ ان کی تخلیق شیاطین سے ہوئی ہے جیسا کہ حدیث میں مرقوم ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا کہ بکری ایک جنتی جانور ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں احادیث کا طہارت و نجاست سے کچھ تعلّق نہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے احتجاج باطل ٹھہرا۔ وباللہ التوفیق۔

جہاں تک حضرت انس کی اونٹوں کے دودھ اور بول سے متعلق روایت کردہ حدیث کا تعلّق ہے یہ مخالفین کے لیے حجّت نہیں ہے۔ اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عُرینہ والوں کو علاج کے لیے اونٹوں کا بول اور دودھ پینے کی اجازت دی تھی۔ جیسا کہ

۱۶۱ - [ہم سے بطریق مسلم انا ابوبکر بن ابوشیبہ از ابن علیہ از حجاج بن ابوعثمان انا ابورجاء مولیٰ ابو قلابہ از ابو قلابہ روایت کیا کہ] حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ عُکل کے آٹھ آدمیوں نے رسولِ اکرم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ مگر ان کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ اور وہ بیمار پڑ گئے۔ بارگاہِ نبوی میں شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا تم ہمارے چرواہے کے ساتھ جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں جاکر اونٹوں کا دودھ اور بول پیا کرو۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور تندرست ہو گئے۔ اُنھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے (تا آخر) (بخاری کتاب الطہارۃ، محاربین، جہاد، مغازی، تفسیر، مسلم، ابوداؤد، کتاب الحدود، نسائی کتاب المحاربۃ)

اس حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم علاج کے لیے دیا تھا۔ اس علاج سے وہ صحت یاب بھی ہو گئے تھے اور علاج ایک مجبوری اور ضرورت ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (الانعام: ۱۱۹)

(حالانکہ جو چیزیں اس نے تمھارے لیے حرام ٹھہرادی ہیں وہ ایک ایک کرکے بیان کر دی ہیں۔ (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے کھانے کے لیے ناچار ہو جاؤ)

ماکولات و مشروبات میں سے جس چیز کے استعمال کرنے پر انسان مجبور ہو وہ حرام نہیں ہے۔

اگر اس حدیث کے بارے میں سوال کیا جائے جس کو بطریق شعبہ از سماک از علقمہ بن وائل از پدرِ خود روایت ہے کہ سُوید بن طارق روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے منع فرمایا۔ دوبارہ پوچھا تو پھر منع کر دیا۔ پھر کہا یا رسولؐ اللہ! یہ تو دوا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں یہ علاج نہیں بلکہ خود بیماری ہے"

اسی طرح وہ حدیث جو بطریق جریر از سلیمان شیبانی از حسان بن مخارق روایت کی گئی ہے کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے جس چیز کو تم پر حرام ٹھہرایا ہے اس میں تمھاری شفا نہیں رکھی"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث اُن کے لیے حجت نہیں۔ کیونکہ علقمہ بن وائل کی نقل کردہ حدیث بطریق سماکؒ بن حرب منقول ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔ شعبہ وغیرہ راویوں نے اس کی

لہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادت دی ہے۔ بالفرض اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ان کے لیے حجت نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ شراب دوا نہیں ہے"

اور جب شراب دوا نہ ہوئی تو اس ضمن میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ جو چیز دوا نہ ہو حرام ہونے کی صورت میں اس کا استعمال ناروا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم نے دوا کے سلسلہ میں ان کی مخالفت کی ہے مگر دیگر فقہاء اس کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے بخلاف ازیں ہمارے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سماک بن حرب ثقہ راوی ہے۔ ان کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا۔ بعض اوقات یہ بھول جایا کرتے تھے اور ان کو لقمہ دیا جاتا تھا۔ اسی لیے جن راویوں نے ان سے اوائل عمر میں استفادہ کیا تھا مثلاً شعبہ اور سفیان ان کی روایت کردہ احادیث صحیح ہیں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵) ابوداؤد (ج ۴ ص ۷) ترمذی (ج ۲ ص ۴) ابوداؤد طیالسی ص ۱۳۷۔ مسند احمد (ج ۴ ص ۳۱۱ نیز جلد ۶ ص ۳۹۹) یہ جملہ محدثین بطریق شعبہ از سماک از علقمہ بن وائل از وائل روایت کرتے ہیں۔ امام احمد کے الفاظ یہ ہیں کہ سماک حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے (تا آخر) اس حدیث کو احمد (ج ۴ ص ۳۱۷) نے بطریق اسرائیل از سماک روایت کیا ہے۔ ان جملہ اسانید میں یہ حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ احمد (ج ۴ ص ۳۱۱ ج ۵ ص ۲۹۲) وابن ماجہ (ج ۲ ص ۱۸۵) نے اس حدیث کو بطریق حماد بن سلمہ از سماک از علقمہ بن وائل از طارق بن سُوید روایت کیا ہے۔ گویا حماد نے اس حدیث کو طارق کی مرویات میں شامل کیا ہے۔ اس بات کا احتمال موجود ہے۔ مگر میری غالب رائے یہ ہے کہ حماد سے اس میں غلطی سرزد ہوئی ہے۔ کیونکہ شعبہ و اسرائیل نے اس کی مخالفت کی ہے اور وہ دونوں راوی اس سے بڑے حافظِ حدیث ہیں۔ ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث وائل بن حجر کی روایت کردہ ہے جو علقمہ کے والد تھے۔ اس امر کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ علقمہ نے طارق بن سُوید کا نام لینے میں شک کا اظہار کیا ہے۔ اگر علقمہ نے طارق سے بلاواسطہ روایت کی ہوتی تو اس میں شک کی گنجائش نہ تھی۔ ہمارے علم کی حد تک یہ حدیث بروایت شعبہ و اسرائیل صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اصحاب اور مالکیہ خناق کے مریض کے لیے شراب پینے کو جائز قرار دیتے ہیں جب اس کے سوا وہ کسی اور چیز کو نگلنے پر قادر نہ ہو۔ احناف اور شوافع پیاس کی شدت میں شراب پینے کو مباح قرار دیتے ہیں۔

البتہ وہ حدیث جس میں دعائے خبیث کا ذکر کیا گیا ہے وہ ٹھیک ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے بوقت ضرورت مباح قرار دیا ہے وہ خبیث نہیں بلکہ حلال طیب ہے۔ اس لیے کہ حلال خبیث نہیں ہوتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ خبیث دوا وہ ہے جو مہلک اور خطرناک ہو۔

مزید براں یونس بن ابی اسحاق جو اس کے روایت کرنے میں منفرد ہے قوی راوی نہیں ہے۔

باقی رہی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام ٹھہرایا ہے اس میں تمہاری شفا نہیں رکھی، تو وہ بے کار ہے۔ اس لیے کہ اس کا راوی سلیمان شیبانی مجہول ہے۔ یہ ایک

۱؎ ابن حزم نے یہ حدیث ذکر نہیں کی یا کاتب نے حذف کر دی ہے۔ اور وہ یونس بن ابی اسحاق کی روایت کردہ حدیث ہے جو اس نے مجاہد سے اور اس نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوائے خبیث کو استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ ترمذی (ج ۲ ص ۴) ابن ماجہ (ج ۲ ص ۱۸۰) الحاکم (ج ۴ ص ۴۱۰) ابن تیمیہ نے المنتقی میں اس حدیث کو مسند احمد اور صحیح مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھیے نیل الاوطار (ج ۹ ص ۹۳) حافظ ابن حجر التلخیص ص ۳۶۰ میں اس کو ابن حبان کی جانب بھی منسوب کرتے ہیں۔

۲؎ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۹ میں ابو یعلیٰ اور ابن حبان کی طرف منسوب کیا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر التلخیص (۳۵۹-۳۶۰) میں اس کو بیہقی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ فتح الباری میں اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔

"فرماتی ہیں میری ایک بیٹی بیمار پڑی تو میں نے ایک برتن میں (کچھ کھجوریں) بھگو دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ برتن اُبل رہا تھا۔ فرمایا یہ کیا ہے؟ میرے بتلانے پر آپ نے فرمایا اللہ نے حرام چیزوں میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی۔"

ابن حبان نے اس حدیث کی جو تصحیح کی اور ابن حجر نے اس کی تائید کی ہے وہ ہماری نگاہ میں ابن حزم کے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقینی امر ہے کہ جب بھوک کی بنا پر جان کا خطرہ ہو تو مُردار اور سؤر بھی حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنے والی بھوک سے ہماری شفا اُن چیزوں میں رکھی ہے جو دیگر حالات میں حرام ہیں۔ یہ درست ہے کہ جب تک کوئی چیز ہم پر حرام رہتی ہے اس میں ہماری شفا نہیں ہوتی۔ لیکن اضطراری حالت میں وہ چیز حرام نہیں رہتی بلکہ حلال ٹھہرتی ہے اور اس میں ہمارے لیے شفا مضمر ہوتی ہے۔ حدیث کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حرام کردہ اشیاء کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ - ۱۷۳)

(ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت سے) باہر نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں)

قرآن کریم میں فرمایا۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (الانعام: ۱۱۹)

(جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے (کھانے کے) لیے ناچار ہو جاؤ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کو ضعیف قرار دینے سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اور سلیمان شیبانی مجہول راوی نہیں ہے بلکہ وہ دوسرا راوی ہے جس کا نام ابو اسحاق شیبانی سلیمان بن ابی سلیمان ہے۔ سلیمان شیبانی ثقہ راوی ہے۔ جریر سے مراد جریر بن عبدالحمید الضبی ہے۔ جہاں تک حسّان بن مُخارق کا تعلق ہے مجھے اس کا ترجمہ و تعارف نہیں ملا۔ البتہ ابن سعد نے الطبقات ج ۶ ص ۱۰۲ پر تحریر کیا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ سے حدیثیں روایت کرتا ہے۔ مزید براں یہ الفاظ کہ "حرام اشیاء میں اللہ نے تمہاری شفاء مضمر نہیں کی"۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول بھی ہے جو صحیح سند کے ساتھ منقول ہے بخاری نے اس کو بلا سند نقل کیا ہے۔ ابن حجر فتح الباری (ج ۱۰ ص ۶۹) میں اس کو فوائد علی بن حرب، احمد فی الاشربۃ طبرانی فی الکبیر اور داؤد بن نصیر الطائی کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے اس کو بروایت جریر از منصور بسند صحیح و بشرط شیخین نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں الحاکم نے اس کو المستدرک ج ۴ ص ۲۱۸ پر نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث صحیح میں فرمایا:۔

"ریشم اور سونا میری اُمت کے مَردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:۔

دنیا میں ریشم وہ شخص پہنتا ہے جس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملے گا۔"

یہ حدیث اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی و منقول ہے جو مفیدِ علم ہیں۔ ریشم کی حُرمت حضرت عمرؓ، اُن کے بیٹے عبداللہ، عبداللہ بن زبیر، ابو موسیٰ اور دیگر صحابہ سے منقول ہے۔ اس کے باوجود یقینی طور پر ہمیں معلوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف و زبیر بن العوام کو خارش، جوؤں اور درد کی بنا پر ریشمی لباس پہننے کی اجازت بطورِ علاج دی تھی۔ لہٰذا مخالفین کے تمام دلائل ناکارہ ثابت ہوئے۔

جہاں تک مخالفین کے اس قول کا تعلق ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ جس کی دلیل میں وہ مذکورہ صدر سورہ الانعام کی آیت نمبر ۱۱۹ پیش کرتے ہیں۔ نیز یہ آیت کریمہ کہ

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة ، ۲۹)

(اس نے تمھارے لیے پیدا کیا جو کچھ بھی زمین میں ہے)

تو مخالفین کی یہ بات صحیح ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں (کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے)۔

اگر ہمارے پاس بول و براز کی جُملہ اقسام کی حرمت پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو ہم ان کو حرام نہ ٹھہراتے بجز ان اشیاء کے جن کی حُرمت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ مثلاً بنی نوعِ آدم کے بول و براز کی حرمت۔ اور اگر ان اشیاء کی حُرمت اُن سے اجتناب کرنے پر مشتمل کوئی نص ہمیں مل گئی تو اس پر عمل واجب ہے۔

اس ضمن میں جب ہم نے طلب و تلاش سے کام لیا تو ہمیں مندرجہ ذیل احادیث دستیاب ہوئیں۔

۱۶۲- [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد بلخی از فربری از بخاری از ابن سلام از عبیدہ بن حمید ابو عبدالرحمٰن از منصور از مجاہد بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آواز سنی جن کو قبر میں عذاب دیا جا رہا تھا۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں کو سزا دی جا رہی ہے۔ اور یہ سزا کسی بڑے کام کی وجہ سے نہیں دی جا رہی ہے (جس سے احتراز کرنا ممکن نہ ہوتا) مگر یہ کام بڑے بھی ہیں (معمولی نہیں ہیں) ان میں سے ایک تو پیشاب کرتے وقت پردہ نہ کرتا تھا اور دوسرا غیبت کا ارتکاب کرتا تھا۔ تا آخر (صحیح بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب الادب۔ ابوداؤد کتاب الطہارۃ، نسائی کتاب الجنائز)

امام ابن حزم فرماتے ہیں ہر بڑا کام چھوٹا ہوتا ہے جب اس کا تقابل اس سے بڑے کام کے ساتھ کیا جائے۔ مثلاً شرک اور قتل وغیرہ۔

۱۶۳۔ [اور ہم نے بطریق بخاری از محمد بن مثنی از ابومعاویہ ضریر محمد بن خازم از اعمش از مجاہد از طاؤس روایت کیا ہے کہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر ہوا تو فرمایا ان دونوں کو سزا دی جا رہی ہے اور یہ سزا کسی بڑے کام کی وجہ سے نہیں دی جا رہی۔ ان میں سے ایک تو پیشاب کرتے وقت چھپتا نہ تھا اور دوسرا غیبت کا خوگر تھا۔ پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی (بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب الجنائز وکتاب الادب، مسلم، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، نسائی کتاب الطہارۃ وکتاب الجنائز)

ہم نے اس حدیث کو بطریق احمد بن حنبل از محمد بن جعفر از شعبہ از اعمش۔ و بطریق وکیع از اعمش اور بطریق جریر و شعبہ از منصور از مجاہد بھی روایت کیا ہے۔

۱۶۴۔ [ہم سے یونس بن عبداللہ بن مغیث از ابوعیسٰی از احمد بن خالد از ابن وضاح از ابوبکر بن ابوشیبۃ از عفان بن مسلم از ابوعوانہ از اعمش از ابوصالح بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ زیادہ تر عذابِ قبر بول کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

ہم نے اس حدیث کو بطریق ابومعاویہ از اعمش از ابوصالح از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی روایت کیا ہے۔

۱۶۵۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک خولانی از محمد بن بکر از ابوداؤد از احمد بن حنبل از یحیٰی بن سعید قطان از ابوحزرہ یعقوب بن مجاہد قاص از عبداللہ بن محمد برادر قاسم بن محمد بیان کیا کہ] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا موجود ہو تو نماز ادا نہ کی جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور نہ اس حالت میں جب کہ بول و براز اس کو دھکیل رہے ہوں (مسلم کتاب الصلاۃ، ابو داؤد کتاب الطہارۃ مسند احمد ۶: ۴۳، ۵۴)

ہم نے اس حدیث کو بطریق مسدد از یحییٰ بن سعید الیٰ آخرہ و نیز بطریق مسلم از محمد بن عباد از حاتم بن اسماعیل از ابو حزرہ بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

مذکورہ صدر احادیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ہر قسم کے پیشاب سے اجتناب کرنے کو فرض ٹھہرایا اور اس پر عذاب کی وعید سنائی۔ یہ ایک عام حکم ہے جس میں کسی بول کی تخصیص نہیں کی گئی۔ اگر کوئی شخص تخصیص کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے جس کا اسے کوئی علم نہیں اور یہ باطل ہے تاوقتیکہ کسی نص سے اس کا اثبات نہ ہو۔ محولہ بالا احادیث میں حضورؐ نے بول و براز کو خبیث فرمایا اور خبیث حرام ہوتا ہے قرآن کریم میں فرمایا:

یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف، ۱۵۷)

(وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے)

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر خبیث چیز حرام ہے۔

اگر معترض کہے کہ رسول کریمؐ کے مخاطب اس وقت انسان تھے لہٰذا آپ کی مراد انسانوں کا بول و براز ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت حضورؐ کے مخاطب انسان تھے مگر آپ نے جو الفاظ استعمال کیے اُن میں عموم ہے جس میں ہر قسم کا بول و براز شامل ہے۔ جس نے یہ کہا کہ حضورؐ کا مقصد انسانوں کا بول و براز تھا۔ یا یوں کہا کہ آپؐ نے بطور خاص انسانوں کا بول و براز مراد لیا ہے ان دونوں کے قول کا ایک ہی مطلب ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں صحیح موقف یہ ہے کہ اس کا اطلاق ایسے جامع اسم پر کرنا چاہیے جو بمنزلہ جنس کے ہو اور اپنے سب افراد پر مشتمل ہو۔

اگر معترض کہے کہ جس حدیث میں بول کے سلسلہ میں سزا کا ذکر کیا گیا ہے یہ بطریق اَعمش از مجاہد منقول ہے اور اس سند کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ مزید براں اَعمش اس کو بعض اوقات از مجاہد از

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، اور بعض دفعہ از مجاہد از طاؤس از ابن عباس۔ نیز ابن راہویہ، محمد بن العلا یحییٰ اور ابو سعید الاشج اس کو بروایت وکیع از اعمش نقل کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "وہ اپنے بول کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا۔" اسی طرح عثمان بن ابی شیبہ نے اس حدیث کو بروایت جریر از منصور از مجاہد نقل کیا ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ سب کچھ بے کار ہے۔ جہاں تک اعمش کی مجاہد سے روایت کا تعلق ہے شعبہ اور وکیع دونوں اماموں نے اپنی روایت میں اعمش کے مجاہد سے سماع کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا (عدم سماع) کا اعتراض ساقط ہوا۔ علاوہ ازیں ہم نے تھوڑا پہلے اس حدیث کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں اعمش نہیں۔ وہ سند بطریق منصور از ابن عباس منقول ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ساقط ہوا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بعض اوقات یہ حدیث از مجاہد از ابن عباس روایت کی جاتی ہے اور بعض مرتبہ از مجاہد از طاؤس از ابن عباسؓ۔ تو اس کی وجہ سے حدیث کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی بنا پر وہی شخص بہانہ سازی کرے گا جو جاہل اور حقائق سے بے بہرہ ہو۔ اس لیے کہ طاؤس اور مجاہد دونوں امام فی الحدیث ہیں اور طویل عرصہ تک حضرت ابن عبّاس کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ گویا مجاہد نے اس حدیث کو ابن عباسؓ سے ہی سنا اور طاؤس سے بھی اور انھوں نے ابن عباس سے۔ اور دونوں طرح روایت بھی کیا ہے۔ اب بتائیے اس میں قادح فی الروایۃ کیا چیز ہے؟ ہماری دلی خواہش ہے کہ مخالفین اس پر روشنی ڈالیں مگر ان کے لیے یہ ممکن نہیں۔ البتہ بلا دلیل دعویٰ کیا جا سکتا ہے جس طرح محدّثین کی ایک جماعت نے مبنی بر خطا دعویٰ کیا ہے اور جس نے ان کی تقلید کی ہے اُن کی حالت ان سے بھی بدتر ہے۔

باقی رہی ان لوگوں کی روایت جنھوں نے "من بولہٖ" کا لفظ نقل کیا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ان سے ثقہ تر رواۃ و رجال نے ان کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ ہنّاد بن السّری، زہیر بن حرب، محمد بن المثنّٰی اور محمد بن بشّار یہ سب لوگ وکیع سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں "من البول" کا لفظ ہے۔ اسی طرح ابن عون، ابن جریر از والد خود از منصور از مجاہد کی روایت میں بھی "من البول"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کا لفظ ہے۔ علاوہ ازیں شُعبہ اور عُبیدہ بن حُمید اس کو منصور سے اور وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں ان کی روایت میں "من البول" ہے۔ نیز شعبہ، ابومعاویہ الضریر اور عبدالواحد بن زیاد سب اَعمش سے روایت کرتے ہیں۔ اُن کی روایت میں بھی "من البول" کا لفظ ہے۔ لہٰذا دونوں روایات درست ہیں۔ اور ان کی روایت سے دیگر راویوں کی روایت کردہ حدیث میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ثقہ راوی کا اضافہ واجب القبول ہوتا ہے۔ پس مخالفین کے سب شکوک ساقط الاعتبار ہو گئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر قسم کے بُول و براز سے اجتناب فرض ہے۔

علمائے سلف کی ایک جماعت کا موقف یہی ہے۔ چنانچہ

۱۶۶۔ [ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از احمد بن محمد برکی قاضی از ابو معمر از عبدالوارث بن سعید از عمارۃ بن ابو حفصہ بیان کرتے ہیں کہ] ابو مجلز کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے اپنی ناقہ کے بُول کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا "جس چیز کو لگ جائے اُس کو دھو لیا کرو"۔ نیز از احمد بن حنبل از معتمر بن سلیمان تیمی از سلم بن ذیال از صالح دہان روایت ہے کہ جابر بن زید فرماتے ہیں کہ بول کسی قسم کا بھی ہو ناپاک ہوتا ہے۔ و نیز حماد بن سلمہ نے از یونس بن عُبید بیان کیا کہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی قسم کا بول لگ جائے تو اس کو دھویا جائے۔ و نیز قتادہ روایت کرتے ہیں کہ سعید المسیّب فرماتے ہیں کہ بُول کسی قسم کا بھی ہو اُس پر پانی بہایا جائے اور چھڑکا جائے۔ اور معمر روایت کرتے ہیں کہ امام زُہری اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ چرواہے کے کپڑے اور جسم کو پیشاب لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ فرماتے ہیں اس پر پانی چھڑکا جائے۔ اور سفیان بن عیینہ از ابو موسیٰ اسرائیل بیان کرتے ہیں کہ میں محمد بن سیرین کے ہمراہ تھا۔ اسی اثناء میں اُن پر چمگادڑ کا بُول گر گیا تو انھوں نے اس پر پانی چھڑک دیا۔ پھر فرمانے لگے میں چھڑکا کرنے کو چنداں اہمیت نہ دیتا تھا۔ حتیٰ کہ سات صحابہ سے مجھے اس کا ثبوت ملا۔ وکیع شُعبہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حمّاد بن ابی سُلیمان سے بکری کے بُول کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا اُسے دھو لیا کرو۔ حمّاد سے اونٹ کے پیشاب کے بارے میں بھی یہی بات منقول ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

جہاں تک زُفر کے موقف کا تعلق ہے وہ ان احادیث سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ چنانچہ امام مالک کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم اس کی وجہ بیان کریں گے۔ مگر زُفر کے ہمنوا اہلِ علم اُس حدیث سے احتجاج کرتے جس کو

۱۶۷۔ [عیسٰی بن موسٰی ابن ابو حرب صفار از یحیٰی بن بکیر از سوار بن مصعب از مطرف از ابو جہم روایت کیا ہے کہ] براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے بَول میں کچھ مضائقہ نہیں۔" (دارقطنی ص ۴۷)

ابن حزم کہتے ہیں یہ حدیث باطل اور موضوع ہے۔ اس لیے کہ سَوار بن مُصعب تمام محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ وہ موضوع حدیثیں روایت کرنے کا عادی ہے۔ جب یہ حدیث ساقط الاحتجاج ہوئی تو زفر (اس کو نظر انداز کرکے) بعض قسم کے بَول کو بعض پر قیاس کرنے لگے۔ مگر وہ پاخانے کو بَول پر قیاس نہیں کرتے۔ اُن کے ہمنوا اس بنا پر ہم کو موردِ طعن بناتے ہیں کہ ہم کھڑے پانی میں پیشاب کرنے والے اور پاخانہ کرنے والے کے مابین فرق و امتیاز روا رکھتے ہیں۔ مگر ہمارے اور زُفر کے درمیان یہ فرق پایا جاتا ہے کہ ہم نے یہ موقف اتباعِ رسول کی بنا پر اختیار کیا ہے اور زفر اپنی رائے فاسد کی بنا پر اس کے قائل ہوئے ہیں۔

امام مالک کا قول ظاہر الخطاء اس لیے ہے کہ انھوں نے (پیشاب کے پاک ہونے پر) جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں صرف اونٹ کے بَول کا ذکر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں جس حدیث سے آپ نے احتجاج کیا ہے وہ بکریوں کے بَول اور مینگنیوں کے پاک ہونے کا استدلال ہے (یعنی وہ حدیث جس میں بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے) اس پر قیاس کرتے ہوئے امام مالکؒ نے گائے کے بَول اور گوبر، اونٹوں کی مینگنیوں اور تمام ماکول اللحم جانوروں کے بول و براز کو پاک ٹھہرایا ہے۔

اگر مخالفین کہیں کہ ہم نے ماکول اللحم کو غیر ماکول اللحم پر قیاس کرکے یہ موقف اختیار کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ تم نے تمام چوپایوں کو اونٹ اور بکری پر کیوں نہ قیاس کر لیا۔ اس لیے کہ اُن سب کے چار پاؤں ہیں اور سب حیوانات میں شامل ہیں۔ یا یہ کہ تم نے اونٹ اور بکری کو چھوڑ کر جن کا تذکرہ حدیث میں کیا گیا ہے باقی سب جانوروں کو انسان کے بول و براز پر جو کہ حرام ہیں کیوں نہ قیاس کر لیا؟ اس لیے کہ دونوں میں یہاں جو علت پائی جاتی ہے وہ تمھاری بیان کردہ علت سے اُعمّ ہے۔ بشرطیکہ تم عِلَل میں اُعمّ کو تسلیم کرتے ہو۔ اور اگر اس موقع پر تم اُخص فی العِلَل کی پناہ لو تو ہم تمھیں کہیں گے کہ جن چوپایوں کا تذکرہ کرنے سے خاموشی اختیار کی گئی ہے تم نے اُن کو اونٹ اور بکری پر کیوں نہ قیاس کر لیا؟ یعنی ایسے جانور جن کی قربانی دی جاتی ہے مثلاً اونٹ اور بکری۔ یا وہ جانور جن میں سے زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ مثلاً گائے، اونٹ اور بکری۔ یا وہ جانور جن کا ذبح کرنا مُحرم کے لیے جائز ہے۔ مثلاً اونٹ، گائے اور بکری۔ بجائے اس کے کہ تم ان جانوروں کو اونٹ، بکری، شکار اور پرندوں پر قیاس کرتے۔ یہ تمھاری بیان کردہ علت سے اخص ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کا قیاس یقینی طور پر فاسد ہے۔

اگر ہمارے مخالفین یہ کہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کے بُول اور پاخانے کو ہم نے ان کے دودھ پر قیاس کیا ہے (جس طرح ان کا دودھ حلال ہے اسی طرح ان کا پیشاب اور پاخانہ بھی پاک ہے) تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ تم نے ان کے بُول کو اُن کے خُون پر کیوں نہ قیاس کیا؟ کہ جس طرح اُن کا خُون ناپاک ہے اسی طرح اُن کا بُول و براز بھی نجس ہے۔ نیز یہ کہ نَر جانور اور پرندے دودھ نہیں دیتے تاکہ اُن کے بُول و براز کو دودھ پر قیاس کیا جائے۔ مزید براں کتاب وسنت اور یقینی اجماع سے تمھارے قیاس اور علت کا فساد و بُطلان واضح ہو چکا ہے اس لیے کہ خواتین کے بول و براز کو ان کے دودھ پر قیاس کر کے حلال اور پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں۔

انھوں نے ایسا کیوں نہ کیا کہ دو پاؤں والے پرندے کے پاخانے کو انسان کے پاخانے پر قیاس کرتے کیونکہ انسان کی بھی دو ٹانگیں ہوتی ہیں؟ آخر یہ قیاس بھی تو تمھارے قیاسات سے میل کھاتا ہے بلکہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نمایاں تر ہے۔ جو شخص قیاس کے بُطلان کا قائل ہے وہ تو یونہی کہے گا۔ یہ ایک حقیقت مسلّمہ ہے کہ امام مالکؒ و ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب ؒ کا مذکورہ صدر قول یقینی طور پر باطل ہے، اس لیے کہ اندریں مسئلہ انھوں نے نہ تو نصوص کی پیروی کی، نہ قیاس کو منضبط بنایا اور نہ ہی متقدمین میں سے کسی کے قول کو اختیار کیا۔ امام مالک کا یہ قول بطورِ خاص محلِ تنقید ہے کہ اگر کوئی جانور پاکیزہ پانی پیے تو اُس کا بول پاک ہے اور اگر نجس پانی پیے تو اُس کا بول بھی ناپاک ہے۔ امام مالکؒ جانتے ہیں کہ مرغی کا گوشت مُردار اور پاخانہ کی پیداوار ہوتا ہے۔ بایں ہمہ وہ اس کو حلال وطیّب ٹھہراتے ہیں اور یہ بڑا واضح قسم کا تناقض ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۳۸۔ اُون، پشم اور سینگ پاک ہیں

وہ اُون، پشم، سینگ اور دانت جو زندہ جانور سے الگ کیے جائیں پاک ہیں مگر ان کا کھانا حلال نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ زندہ جانور پاک ہے اور پاک چیز کے اجزاء بھی پاک ہوتے ہیں مگر زندہ جانور کو کھانا روا نہیں۔ اسی طرح زندہ جانور کے اجزاء و اعضاء بھی حلال نہیں۔

۱۳۹۔ مومن کے اعضاء پاک اور کافر کے ناپاک ہیں

مومن کے اعضا پاک اور کافر کے نجس ہیں۔ مسلم کی قے، پیپ اور سفید دھاگہ (وہ سفید رنگ کا دھاگا سا جو عورت کی ماہواری بند ہونے کے بعد نکلتا ہے) پاک ہیں۔ مومن کا ہر وہ عُضو جو زندہ یا مردہ ہونے کی حالت میں اس سے کاٹا جائے نیز مومن عورت کا دودھ سب پاک ہیں۔ کافر مرد و عورت کی یہ سب چیزیں ناپاک ہیں۔[1]

اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبة: ۲۸) (مشرک ناپاک ہیں)

حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ "مومن ناپاک نہیں ہوتا۔" ہم قبل ازیں یہ حدیث مع سند ذکر کر چکے ہیں۔

---

[1] پاک و ناپاک سے مطلوب و مراد یہ ہے کہ اگر کپڑے یا جسم وغیرہ پر لگ جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ www.KitaboSunnat.com

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز طاہر ہو اس کے اجزا بھی پاک ہوتے ہیں اور جو نجس ہو اس کے اجزاء بھی نجس ہوتے ہیں۔ کیونکہ اجزاء کا نام ہی کُل ہوتا ہے اور کُل کوئی الگ چیز نہیں ہوتی۔ وباللہ التوفیق۔

۱۴۰۔ نجاست خور جانور کا دودھ حرام ہے

جو اونٹنی، گائے یا بکری نجاست کھاتی ہو اُس کا دودھ حرام ہے۔ اگر نجاست کھانے سے باز رہے حتیٰ کہ اُس کا یہ نام (نجاست خور) باقی نہ رہے تو اُس کا دُودھ حلال اور پاک ہے۔

۱۶۸۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک خولانی از محمد بن بکر از ابوداؤد از محمد بن مثنیٰ از ابو عامر العقدی از ہشام دستوائی از قتادہ از عکرمہ بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاست خور جانور کے دودھ سے منع فرمایا (ابوداود کتاب الاطعمہ، نسائی کتاب الضحایا)

۱۶۹۔ [نیز بسند سابقہ تا ابوداؤد از عثمان بن ابوشیبہ از عبدۂ از محمد بن اسحاق از ابن ابونجیح از مجاہد بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاست خور جانور کو کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد، ترمذی کتاب الاطعمہ۔ ابنِ ماجہ کتاب الذبائح)۔

۱۴۱۔ ماءِ مُستعمَل کے ساتھ وضو و غسل جائز ہے

استعمال شدہ پانی کے ساتھ غسل جنابت اور وضو جائز ہے۔ قطع نظر اس سے کہ دوسرا پانی موجود ہو یا نہ ہو۔

آبِ مستعمل اس پانی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ فرضی یا نفلی نماز ادا کرنے کے لیے وضو یا غسل جنابت یا محض غسل کیا گیا ہو۔ نیز یہ کہ وضو کنندہ مرد ہو یا عورت۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدۃ۔ ۶)

(اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو)

اس آیت کریمہ میں پانی کا ذکر بصیغۂ عموم کیا گیا ہے اور کسی پانی کی تخصیص نہیں کی گئی۔ لہٰذا کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وضو یا غسل واجب کی صورت میں پانی کے موجود ہوتے ہوئے اس کو استعمال نہ کرے۔ اِلّا یہ کہ کوئی نصّ قطعی یا اجماع یقینی اس سے مانع ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور اس کی مٹی کو پاک بنا دیا گیا جب کہ پانی موجود نہ ہو۔"

اس حدیث کے الفاظ میں بھی عموم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک نصّ قطعی یا اجماع یقینی کی بنا پر کسی پانی سے منع نہ کیا گیا ہو اس کو ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۱۷۰۔ (ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن سلیم از ابن اعرابی از ابوداؤد از مسدد از عبداللہ بن داود خریبی از سفیان ثوری از عبداللہ بن محمد بن عقیل بیان کیا کہ) حضرت رُبیّع بنت معوّذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے بچے ہوئے پانی سے اپنے سر کا مسح کیا۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ)

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے اس بات میں دو مسلمان بھی مختلف الرائے نہیں ہیں کہ جو شخص بھی وضو کرتا ہے وہ پانی لیتا ہے۔ پھر اس پانی کے ساتھ اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کہنیوں تک دھوتا ہے۔ اسی طرح وضو کرتے اور غسل جنابت کرتے وقت تمام اعضاء کو دھوتا ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جس کو ہر مشاہدہ کرنے والا شخص جانتا ہے کہ اس پانی کے ساتھ پہلے پہل ہاتھوں کو دھویا گیا۔ پھر کلائیوں کو کہنیوں تک اچھی طرح صاف کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ پانی یقیناً مستعمل ہے اس کے بعد وضو کرنے والا اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن کی طرف لوٹاتا ہے۔ اس وقت صورتِ حال

لہ اس حدیث کو دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے وضو کیا اور اپنے ہاتھوں کی طراوت سے اپنے سر کا مسح کیا۔" اس حدیث کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ دیکھیے (شرح سنن ابی داؤد ج ا ص ۴۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ سے پانی کے قطرے گررہے ہوتے ہیں۔ یہ پانی وہی ہے جس کے ساتھ اس نے اعضاءِ وضو کو پاک کیا۔ پھر وہ دوسرے عضو کے لیے اور پانی لیتا ہے۔ ہر دانشمند آدمی جو عقلِ سلیم سے بہرور ہو جانتا ہے کہ دوسرا عضو اُس جدید پانی کے ساتھ پاک ہوا ہے جس کے ساتھ وہ پانی بھی موجود تھا جس کو سابقہ عضو کے دھونے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ اور اس بات سے کسی طرح مخلصی ممکن نہیں۔

حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، سُفیانؒ ثوری، ابوثورؒ، داؤد اور ہمارے جملہ اصحاب کا یہی مسلک ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر دوسرا پانی نہ ملے تو اس کے ساتھ وضو کرے اور تیمم نہ کرے۔

امام ابوحنیفہ کا موقف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس پانی کے ساتھ وضو یا غُسل کیا ہو اس کے ساتھ وضو اور غُسل جائز نہیں۔ اس کا پینا مکروہ ہے۔ آپ سے ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ یہ پانی پاک ہے۔ ظاہر تر روایت یہ ہے کہ نجس ہے۔ یہی روایت صحیح تر ہے۔ ماءِ مُستعمَل سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا اِلّا یہ کہ وہ بہت زیادہ مقدار میں ہو۔

قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کپڑا اس سے اس قدر آلودہ ہو جائے کہ اس کا طول و عرض بالشت در بالشت ہو تو کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص پاک ہو اس نے نماز ادا کرنے کے لیے وضو کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ پھر وہ شخص وضو کرکے پانی کنویں میں ڈالتا جائے تو وہ کنواں ناپاک ہو گیا۔ اس کا سب پانی نکال دیا جائے۔ اگر وہ باوضو نہ ہو تو یہ وضو اس کے لیے کافی نہ ہوگا۔ اگر وہ شخص کنویں میں غسل کرے تو سب پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص پاک ہو، جُنبی نہ ہو اور وہ سات کنووں میں غُسل کرے تو سب ناپاک ہو جائیں گے۔

قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں اگر بیس کنویں ہوں تو وہ سب کو ناپاک کر دے گا۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ دونوں فرماتے ہیں یہ غُسل اُس کے لیے کافی نہ ہوگا۔ اگر کنویں سے اپنا ہاتھ اور پاؤں دھو کر پاک کیے تو کنواں ناپاک ہو گیا۔ اگر اس کی کلائیوں یا پاؤں کی اُنگلیوں پر پٹیاں ہوں اور اُس نے اُن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو کنویں میں اس نیّت سے ڈبویا کہ وہ ان پر مسح کر رہا ہے تو یہ اس کے لیے کافی نہ ہوگا۔ اور کنویں کا سب پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اگر اس کے ہاتھ کی انگلیوں پر پٹیاں ہوں اور اس نے ان کو کنویں میں مسح کی نیت سے ڈبویا تو یہ مسح کافی ہوگا۔

ان پٹّیوں کا پانی ہاتھ کو ناپاک نہیں کرے گا برخلاف دیگر اعضاء کے۔ اگر اس شخص نے کنویں میں غوطہ لگایا مگر وضو یا غسل کی نیّت نہیں کی، نہ اپنے جسم کو ملا تو کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ حتّٰی کہ وضو یا غسل کی نیت کرے۔ ابو یوسفؒ کہتے ہیں وہ غوطہ لگانے سے پاک نہیں ہوگا۔ محمد بن حسن کہتے ہیں پاک ہو جائے گا۔ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اگر مسح کی نیّت سے اپنا سر پانی میں ڈبویا تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ ناپاک اس صورت میں ہوتا ہے جب ایسے عضو کو پاک کرنے کی نیت کرے جس کا دھونا لازم ہو۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اگر وضو یا غسل کی نیّت سے ہاتھ کا کچھ حصّہ دھویا تو پانی اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا جب تک کسی پورے عضو کو نہ دھوئے۔ اگر اپنا سر یا موزہ مسح کی نیّت سے ڈبویا تو یہ مسح کافی ہوگا اور پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ غسل کی نیّت پانی کو ناپاک کر دیتی ہے مسح کی نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ جملہ اقوال عقل و دانش کے بجائے حماقت و رکاکت سے قریب تر ہیں۔

امام شافعیؒ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

جس پانی کے ساتھ کسی شخص نے وضو یا غسل کیا ہو اس کے ساتھ وضو یا غسل کرنا کافی نہیں ہے۔ اگرچہ وہ پانی پاک ہے۔ تمام شوافع کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے وضو کرنے کے لیے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا۔ پھر برتن سے پانی لے کر کلّی کی۔ ناک میں پانی ڈالا اور منہ دھویا۔ اس کے بعد اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا تو اس پانی کے ساتھ وضو کرنا حرام ٹھہرا۔ اس لیے کہ وہ پانی اب مُستعمل ہو چکا ہے۔ واجب یہ تھا کہ برتن سے پانی اپنے ہاتھ پر ڈالتا اور اس کو دھو کر برتن میں ڈالتا۔

ابنِ حزم کہتے ہیں اس مسئلہ کے قائلین نے اس حدیث سے احتجاج کیا ہے جس میں حضورؐ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جنبی آدمی کو کھڑے پانی میں غُسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ نظریہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ حضوؐر نے اس بات سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس طرح پانی مُستَعمل ہو جاتا ہے۔ جبکہ اُن کے مخالفین کا کہنا یہ ہے کہ آپؐ نے کھڑے پانی میں نہانے سے اس لیے منع کیا مبادا ذکر کے سوراخ سے ایسا مادہ نکلے جس سے پانی نجس ہو جائے۔

ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ دونوں قول باطل ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

مَعَاذَ اللّٰہ کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب ایسا قول و عمل منسوب کریں جو آپ سے صادر نہیں ہوا۔ یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی ہوگی جو اکبر الکبائر میں سے ہے۔ بشرطیکہ کوئی آدمی علیٰ وجہ الیقین یہ بات کہے۔ اور اگر یقین کے ساتھ نہیں کہتا تو یہ ظن ہے اور بفرمانِ الٰہی ظن حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"سوءِ ظن سے بچتے رہو اس لیے کہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔"

جو شخص ان دو تاویلوں میں سے ایک کو اختیار کرتا ہے وہ ان دو باتوں (یقین یا ظن) میں سے لازماً ایک کا شکار ہے۔ لہٰذا ان کا استدلال اس حدیث سے باطل ٹھہرا۔

بعض لوگوں نے اس کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ وضو یا غُسل کرنے والے کو کسی نے یہ نہیں کہا کہ بار بار وہی پانی اپنے اعضاء پر ڈالتا رہا۔ بخلاف ازیں نیا پانی لینا اس کے لیے واجب قرار دیا گیا ہے۔ وضو اور غسل کے بارے میں حضوؐر کا معمول بھی یہی تھا۔ لہٰذا لازماً یہ وضو یا غُسل کافی نہیں ہوگا۔

ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ علمائے سلف میں سے کسی نے بھی وضو یا غُسل کرتے وقت اس پانی کو استعمال کرنے سے منع نہیں کیا، نہ ہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کبھی منع فرمایا۔

ہم حنفیہ سے کہتے کہ تم اُلٹا وضو کرنے کی اجازت دیتے ہو۔ حالانکہ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا منقول ہے اور نہ ہی مسلمانوں میں سے کسی نے ایسا کیا ہے۔ حضوؐر نے ہر عضو کے لیے جو نیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانی لیا تھا یہ آپ کا ایک فعل ہے۔ اور آپ کے افعال لازم نہیں ہیں۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے مُستَعمَل پانی کے ساتھ اپنے سرِ مبارک کا مسح کیا تھا۔

اگر معترض کہے ایک روایت میں آیا ہے کہ سر کے مسح کے لیے نیا پانی لیا جائے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس کو دہشم بن قُرّان نے روایت کیا ہے۔ وہ ساقط الاعتبار راوی ہے۔ اس کی مرویات کو ناقابلِ احتجاج تصوّر کیا جاتا ہے۔ دہشم نے اس کو نمران[1] بن جاریہ سے روایت کیا ہے اور وہ مجہول راوی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے جب کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے نیا پانی لیے بغیر غُسلِ جنابت کی اجازت دی تھی۔ جیسا کہ

---

[1] نمران بکسر النون ابنِ حبّان نے اُن کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ ابن القطان اس کو مجہول الحال کہتے ہیں۔ المحلّٰی کے یمنی نسخہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے "اس حدیث کو مسلم نے بروایت عبداللہ بن زید روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نئے پانی کے ساتھ سر کا مسح کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا۔ اس کی سند میں نمران نہیں ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۳) از طریق عمرو بن یحییٰ بن عمارہ از پدر خود از عبداللہ بن زید بن عاصم، اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "آپ نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا، پھر باہر نکالا اور سر کا مسح کیا" ایک دوسری روایت از طریق حبان بن واسع از پدر خود از عبداللہ بن زید اس میں یہ الفاظ ہیں "سر کا مسح اس پانی کے ساتھ کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا۔ اس حدیث کو دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ ابو داؤد ج ۱ ص ۴۶۔ ترمذی ج ۱ ص ۹۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دارمی ص ۶۸، بیہقی ج ۱ ص ۶۵۔ یہ سب محدثین اس کو بطریق حبان روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اکثر اہلِ علم اسی بات کے قائل ہیں کہ سر کے مسح کے لیے نیا پانی لیا جائے۔ نمران کی سند جس کا ذکر ابن حزم نے کیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر نے التلخیص ج ۱ ص ۲۹ ہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ عبداللہ بن زید کی روایت بھی ضعیف ہو۔ اس لیے کہ عبداللہ بن زید کی روایت کردہ حدیث صحیح ہے اور اہلِ علم نے اس سے احتجاج کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۷۱ - [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسحاق بن ابراہیم و ابو بکر بن ابو شیبہ و عمرو ناقد و ابن ابو عمر از ابن عیینہ از ایوب بن موسٰی از سعید مقبری از عبداللہ بن رافع مولی ام سلمہ بیان کیا کہ] اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کے بارے میں ان سے فرمایا: "تمھارے لیے یہ کافی ہے کہ سر پر تین چلّو پانی ڈالو، پھر سارے جسم پر پانی بہاؤ۔ اس طرح تم پاک ہو جاؤ گی۔" (صحیح مسلم)

۱۷۲ - [ہم سے عبدالرحمان بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابو نعیم فضل بن دکین از معمر بن یحیٰی بن سام بیان کیا کہ] ابو جعفر محمد بن علی بن حسین کا بیان ہے کہ جابر نے مجھ سے کہا تمھارے چچازاد بھائی (حسن بن محمد ابن الحنفیہ) نے مجھ سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین چلّو پانی لیتے اور اسے اپنے سر پہ بہاتے، پھر سارے جسم پر پانی بہایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں اگر حنفیہ کی یہ بات درست ہوتی کہ استعمال شدہ پانی ناپاک ہوتا ہے تو کسی شخص کا وضو، طہارت اور نماز کسی وقت بھی درست نہ ہوتا۔ اس لیے کہ غسل کرنے والا جس پانی کو اپنے جسم پر بہاتا ہے وہ اس کے کندھوں اور سینہ کو پاک کرتا ہوا اس کی پشت اور پیٹ کی جانب بہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر غسل کرنے والا ناپاک پانی کے ساتھ وضو کرتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا۔

دیگر اعضاءِ وضو مثلاً کلائی، چہرہ اور پاؤں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس لیے کہ کلائی کو اسی پانی کے ساتھ دھویا جاتا ہے جس کے ساتھ ہاتھ کو دھویا تھا۔ اسی طرح چہرے کے نچلے حصّہ کو اس پانی کے ساتھ دھویا جاتا ہے جس کے ساتھ اس کا بالائی حصّہ دھویا تھا اور اسی طرح پاؤں کو۔

بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ غسل اور وضو کرتے وقت جسم کا پسینہ بھی اس میں مل جاتا ہے اور وہ خالص پانی باقی نہیں رہتا۔ ابنِ حزم کہتے ہیں یہ بڑی کمزور سی بات ہے۔ اگر پسینہ پانی میں مل بھی گیا تو کیا ہوا؟ اور ایسے پانی کے ساتھ وضو اور غسل کب سے حرام ٹھہرا ہے جس میں کوئی ایسی پاک چیز شامل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئی ہو جس کا کوئی نشان پانی میں نمایاں نہ ہو، حالانکہ حنفیہ اس پانی کے ساتھ وضو کو جائز قرار دیتے ہیں جس میں گرمی کی وجہ سے برف شامل کر دی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ پسینہ کی نسبت برف کا اختلاط آبِ مُستعمل میں زیادہ ہوتا ہے۔

بعض اہلِ علم کہتے ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب وضو کے اعضاء کو دھویا جاتا ہے تو اس سے گناہ زائل ہوتے ہیں (لہٰذا مستعمل پانی ناپاک ہوا) بتوفیقِ ربّانی ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ گناہوں کے دُور ہونے سے کیا ہوا؟ اس فضیلت کا تقاضا تو یہ ہے کہ گناہوں کو دُور کرنے کے لیے اعضاء کو بار بار دھویا جائے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ گناہوں کا جسم ہوتا ہے جو پانی میں گھل جاتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آبِ مُستعمل جمرات کی کنکریوں کی مانند ہے کہ جب کنکری کو ایک مرتبہ پھینک دیا جائے تو اسے دوبارہ نہیں پھینکا جا سکتا۔ ابن حزم کہتے ہیں یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ کنکریوں کو دوسری مرتبہ پکڑنا اور پھینکنا بالکل جائز ہے اور ممنوع نہیں ہے۔ ہم نہیں سمجھتے اس سے کیا چیز مانع ہے؟ علیٰ ہذا القیاس جس مٹی سے ایک مرتبہ تیمّم کیا جائے اس کے ساتھ بارِ دیگر تیمّم کرنا جائز ہے۔ اگر ایک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھتے وقت ستر پوشی کی جائے تو دوسری نماز کے بھی اس کپڑے سے یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اصحابِ قیاس ہیں تو یہ بات اُن پر خوب روشن ہے کہ یہ سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آبِ مُستعمل اس پانی کی مانند ہے جس میں لوبیا یا چنے پکائے جائیں۔ ابنِ حزم کہتے ہیں یہ بات رد کیے جانے کے لائق ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ جس پانی میں چنے، لوبیا یا تُرمس (ایک غلہ جو ذرا کڑوا ہوتا ہے) پکایا گیا ہو اس سے وضو یا غسل کیوں کر جائز نہیں؟ جب تک کہ اُس پر پانی کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ ماءِ مُستعمل پر منفرداً پانی کا اطلاق نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے ساتھ سابقہ یا لاحقہ لگا کر "آبِ مستعمل" وغیرہ کہا جاتا ہے لہٰذا وہ مطلق پانی کے حکم میں نہیں ہے۔

ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ حماقت ہے۔ بخلاف ازیں اس پر مطلق پانی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ مزید

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

براں مطلق پانی یا مستعمل پانی کہنے میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ مثلاً کہا جاتا ہے نمکین پانی، میٹھا پانی، کڑوا پانی، گرم پانی اور بارش کا پانی۔ اس کے باوجود ایسے پانی کے ساتھ وضو اور غسل جائز ہوتا ہے۔

اگر ماءِ مُستَعمَل کی نجاست سے متعلق امام ابوحنیفہ کے قول کو درست مانا جائے تو دین کا اکثر حصہ بے کار ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اندریں صورت اگر کوئی شخص غُسل یا وضو کر کے کپڑے پہنے اور نماز ادا کرے تو گویا وہ ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کے لیے لازم ہو گا کہ دوسرے پانی کے ساتھ اپنے اعضاء کو پاک کرے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ ماءِ مُستَعمَل تب ناپاک ہوتا ہے جب اعضاء سے الگ ہو۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ عظیم جسارت اور دین کے بارے میں قول بالباطل ہے۔ ہم ان سے دریافت کریں گے کہ آیا یہ پانی تمہارے نزدیک صرف استعمال کرنے ہی سے ناپاک ہوتا ہے؟ لامحالہ وہ اس کا جواب اِثبات میں دیں گے۔ یہ بات تو محالات میں سے ہے کہ پانی فی الفور تو ناپاک نہ ہو اور اس کے بعد نجس ہو جائے۔ اس سے بڑی جرأت آخر اور کیا ہو سکتی ہے کہ یوں کہا جائے "یہ پانی پاک ہے، اس کے ساتھ فرائض ادا کیے جائیں گے۔ جب وضو اور غُسل جیسے بہترین اعمال انجام دے کر تقرب الٰہی حاصل کر لیا جائے گا تو یہ نجس ہو جائے گا یا یہ کہ اس کے ساتھ تقرب الی اللہ کا حصول حرام ٹھہرے گا۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ احناف اس مغالطہ کا شکار کیوں کر ہوئے؟

بعض احناف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اگر جُنبی کسی حوض میں غسل کرے تو اس کا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ یہ روایت نہ صرف یہ کہ صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے۔ احناف اس کو بروایت حماد بن ابی سلیمان از ابراہیم از ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ حماد سے کس نے روایت کی ہے؟ مزید براں ابراہیم کا سماع حضرت ابن عباسؓ سے ثابت نہیں[1]۔ ابن عباسؓ سے

---

[1] حفاظِ حدیث کا بیان ہے کہ ابراہیم نخعی نے کسی صحابی سے نہیں سُنا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو صحیح روایت منقول ہے وہ اس کے خلاف ہے[1]۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہم قبل ازیں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کر چکے ہیں جو اس کے خلاف ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ "چار چیزیں ہیں جو ناپاک نہیں ہوتیں یعنی پانی، زمین، انسان اور آپ نے ایک چوتھی چیز کا ذکر کیا"

احناف ذکر کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ محمد پر صدقہ حرام ٹھہرایا اور ارشاد فرمایا "یہ لوگوں کے ہاتھوں کا غسالہ ہے" (یعنی وہ پانی ہے جس کے ساتھ انھوں نے ہاتھ دھوئے ہیں) حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ قول ہرگز اُن کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ اس قول کے ساتھ احتجاج کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ بطورِ خاص صرف آلِ محمد کے لیے حرام ہو۔ کیونکہ حضورؐ نے اس کو کسی اور کے لیے نہ تو ناپسند فرمایا نہ اس سے روکا۔ بخلاف ازیں اس کو سب کے لیے مباح ٹھہرایا۔ احناف حضرت عمرؓ کے قول سے اس لیے احتجاج نہیں کر سکتے کہ وہ خود اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس پانی کا پینا اُن کے نزدیک جائز ہے۔ مزید براں لوگوں کے ہاتھوں کا غُسالہ اور ہے اور جس پانی کے ساتھ وضو کر کے وہ تقرّبِ الٰہی حاصل کرتے ہیں چیزے دیگر۔

اس سے زیادہ حیران کن بات اور کیا ہوگی کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں کے غُسالہ کو مُباح اور پاک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جس اثر سے وہ استدلال کرتے ہیں وہ اسی سلسلہ میں وارد ہوا ہے۔ مگر تقرّبِ الٰہی کے حصول کے لیے جس پانی سے وضو کیا تھا اُس کو حرام ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں آثار سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا مگر اُن سے کچھ نہیں سُنا۔ اسی طرح ابراہیم نے حضرت انسؓ کا زمانہ پایا مگر سماع ثابت نہیں۔

[1] دیکھیے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۳۶۔ حضرت ابنِ عباس سے ایک قول منقول ہے کہ آبِ مُستعمَل خود پاک ہے مگر کسی دوسرے کو پاک نہیں کرتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہی ثابت نہیں ہوتی۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا الضَّلَالِ وَتَحْرِیْفِ الْکَلَامِ۔

ہم شوافع سے پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اعضاءِ وضو میں سے کسی عضو کو کھڑے پانی میں دھوئے۔ (حالتِ جنابت میں پورے عضو یا عضو کے ایک حصّہ کو یا انگلی کے حصہ کو، یا ایک بال کو دھوئے یا سر کے ایک بال کا مسح کرے یا پورے موزہ یا اس کے ایک حصّے کا مسح کرے تو اس ضمن میں اُن کی کیا رائے ہے؟ تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ ان مسائل میں وہ کیا فرماتے ہیں؟

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی ایک شخص کو پلا دیا۔ نیز یہ کہ آپ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پر ڈال دیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ جب وضو کرتے تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسم پر مَل لیتے۔ بایں ہمہ اُن مقلّدین کی رائے یہ ہے کہ پاک اور صاف ستھرا مسلم جب پاکیزہ پانی کے ساتھ وضو کرے، پھر اس پانی کو کنویں میں ڈالا جائے تو یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے اس میں مُردہ چُوہا یا کوئی اور نجس چیز پھینک دی جائے۔ ایسے قول سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

۱۴۲۔ مکھی، پِسّو اور چمگادڑ وغیرہ کا فُضلہ

مکھی، پِسّو اور شہد کی مکھی کے فضلہ اور چمگادڑ کے بَول سے اگر بچاؤ ممکن نہ ہو، اور اس کے دھونے میں تنگی اور دشواری پیش آتی ہو تو اس کا دھونا اسی حد تک لازم ہے جس میں تکلیف کا سامنا نہ ہو۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم قبل ازیں یہ آیت کریمہ پیش کر چکے ہیں۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ : ۱۸۵)

(اللہ تعالیٰ کو تمہاری آسانی منظور ہے نہ کہ تنگی)

تنگی و تکلیف کو ہم سے دُور رکھا گیا ہے۔ جس چیز کے دھونے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو اس کا دھونا لازم ہے۔ اور وہ بَول اور گوبر وغیرہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۴۳۔ قے سے اجتناب

مُسلم ہو یا کافر اس کی قے حرام ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اپنے عطیہ کو واپس لینے والا اسی ہے جیسے کوئی قے کرکے اسے کھالے"

حضورؐ کے اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہی ہے کہ ہدیہ کردہ چیز کو واپس لینا ممنوع ہے۔

۱۴۴۔ شراب و قمار شراب و قمار، بُت اور پانسے ناپاک اور حرام ہیں۔ ان سے اجتناب واجب ہے۔ جو اِن میں سے کسی چیز کو اٹھانے کی حالت میں نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ۔

(المائدہ: ۹۰)

(بے شک شراب، جُوا اور بُت اور پانسے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو)

جس شخص نے نماز کی حالت میں ان سے پرہیز نہ کیا اس نے اس طرح نماز ادا نہ کی جیسے وہ مامور تھا اور جس نے حسب الحکم نماز ادا نہ کی اس نے گویا نماز پڑھی ہی نہیں[1]۔

---

[1] ابن حزم نے جُوا، بُت اور پانسوں کی نجاست کے ضمن میں جو موقف اختیار کیا وہ حد درجہ شاذ اور غریب ہے۔ اور اگر ہم وہ شیوہ اختیار کریں جو متاخرین فقہا اپنے مناظرات میں اختیار کرتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اجماع کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے کہ نووی اور دیگر محدثین نے ان چیزوں کی طہارت پر اجماع نقل کیا ہے۔ ہمارے علم کی حد تک کسی عالم نے بھی یہ مسلک اختیار نہیں کیا جس پر ابن حزم گامزن ہوئے ہیں۔

اگر دلائل صحیحہ سے اس موقف کی ترجیح ثابت ہوتی تو اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ مؤلف نے اس کی تائید و حمایت میں جس آیت سے استدلال کیا ہے اس سے اُن کا عندیہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے رِجْسٌ کا اطلاق جس طرح نجس پر کیا جاتا ہے اسی طرح مکروہ، خبیث، گناہ کی موجب اور عذاب کو بھی رجس کہتے ہیں۔

الزجاج کا قول ہے:

"رِجس لغت میں ہر گندے اور ناپسندیدہ کام کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیا (باقی برصفحۂ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۵۔ نبیذ کا مسئلہ

جب پختہ اور نیم پختہ کھجوروں کو خشک انگوروں کے ساتھ ملا کر ایک برتن میں بھگویا جائے تو اس کا شیرہ حرام ہے اور اس سے پرہیز لازم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی انتہائی مذمت سے کام لیتے ہوئے ان کو رجس قرار دیا۔" (لسان العرب)

راغب اصفہانی فرماتے ہیں:۔

"رجس گندی اور غلیظ چیز کو کہتے ہیں۔ عربی محاورہ میں بولتے ہیں رَجُلٌ رِجْسٌ و رِجَالٌ اَرْجَاسٌ

قرآن کریم میں فرمایا:۔

"رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ" رجس کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ جو طبعاً رجس ہو۔

۲۔ جو عقلاً غلیظ ہو۔

۳۔ جو شرعاً پلید ہو۔ جیسے شراب اور جوا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عقلاً ناپاک ہیں۔

۴۔ جو ہر اعتبار سے ناپاک ہو۔ مثلاً مردار۔ اس لیے کہ مردار سے طبعاً، عقلاً اور شرعاً یعنی ہر طرح نفرت کی جاتی ہے۔ آیت کریمہ "وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" میں اس جانب اشارہ فرمایا کہ یہ اشیاء عقلاً ناپاک ہیں۔ اس لیے کہ جس چیز کا گناہ اس کے نفع سے زیادہ ہو عقل اس سے پرہیز کرنے کا فتویٰ دیتی ہے۔

آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ رجس سے یہاں نجس مراد ہے۔ مثلاً المیسر کے معنی قمار بازی کے ہیں اور اس میں بظاہر نجاست نہیں پائی جاتی۔ اور اگر ابن حزم کا دعویٰ یہ ہے کہ المیسر سے لعب ولہو مراد ہیں تو اس دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ حرمت آلاتِ لعب میں نہیں پائی جاتی بلکہ مکلف کے لیے یہ فعل حرام ہے۔

مفسر ابن جریر فرماتے ہیں:۔

"رِجْسٌ یعنی گناہ کے موجب اور مکروہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے پسند نہیں کرتا۔ (مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ) یعنی تمہاری شراب نوشی، اونٹوں کی شرط لگا کر قمار بازی کا ارتکاب، بتوں پر جانور ذبح کرنا اور پانسے کے تیروں سے تقسیم کرنا ایسے کام ہیں جن کو شیطان نے تمہارے لیے آراستہ پیراستہ بنا دیا ہے اور وہ تمہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو

۱۷۳- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابنِ اعرابی از ابو داؤد از موسیٰ بن اسماعیل از ابان بن یزید عطار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان کی طرف دعوت دیتا رہتا ہے۔ یہ ایسے اعمال نہیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ تمھیں بلاتا ہو یا اُن کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہو۔ بخلاف ازیں وہ اُن سے ناراض ہوتا ہے۔ لہٰذا انھیں چھوڑ دیجیے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے باز رہیے۔" (تفسیر ابن جریر ۷، ص ۲۱)

یہ آیت کریمہ کے مطالب و معانی کی نہایت دقیق تفسیر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابنِ حزم نے آیت کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ درست نہیں۔ بزعمِ خویش وہ فرماتے ہیں کہ بُت بذاتِ خود ناپاک ہیں اور ان کے ذوات و اَجسام سے اجتناب واجب ہے۔

مذکورہ صدر بیان اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ یہ آیت شراب کی نجاست پر دلالت نہیں کرتی اور یہی بات صحیح بھی ہے۔ امام نَوَوی فرماتے ہیں:۔

"آیت اس پر ظاہراً دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے کہ رِجس کے معنی عربی میں گندی اور ناپسندیدہ چیز کے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ نجس ہو۔ آیت میں اجتناب کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اُس سے نجس ہونا لازم نہیں آتا۔"

اس کے بعد نَوَوی ان اشیاء کی نجاست کی ایک دلیل دینے، پھر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اس ضمن میں امام غزالی کی بات أقرب إلی القیاس ہے۔ اور وہ یہ کہ ان اشیاء کی حرمت میں شدت پیدا کرنے اور اُن سے زجر و توبیخ کے لیے ان کو نجس ٹھہرایا گیا ہے۔ جس طرح کُتے کے بارے میں اور اس برتن کے بارے میں فرمایا جس میں وہ منہ ڈال دے۔ (المجموع ج ۲ ص ۵۶۴)

امام نَوَوی نے غزالی کی بیان کردہ دلیل کو قوی قرار دیا ہے مگر درحقیقت وہ نہایت کمزور دلیل ہے حق بات یہ ہے کہ کسی دلیل سے بھی شراب کا نجس ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اشیاء میں اصل طہارت ہے۔ شراب خوری کی حرمت سے اس کی نجاست ثابت نہیں ہوتی۔ دیکھیے زہر حرام ہے مگر ناپاک نہیں۔ دیگر منشی اشیاء کا بھی یہی حال ہے ربیعہ و داؤد کا بھی یہی مؤقف ہے۔ جیسا کہ نَوَوی نے قاضی ابوالطیب سے نقل کیا ہے۔ اندریں مسئلہ (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از یحییٰ بن ابی کثیر از عبداللہ بن ابو قتادہ روایت کیا ہے کہ] حضرت ابو قتادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے منقّٰی اور خشک کھجور، خشک و نیم پختہ نیز نیم پختہ و تر کھجوروں کے ملے جلے شیرے سے منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا ان کو الگ الگ بھگویا کرو۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ سب نے اسے کتاب الاشربہ میں روایت کیا ہے)۔

مذکورہ پانچ قسم کی کھجوروں کے علاوہ باقی کھجوریں یکجا ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ طاہر اور حلال ہیں بشرطیکہ نشہ آور نہ ہوں۔ کیونکہ آپ نے صرف ان قسموں کی آمیزش سے منع فرمایا ہے۔

۱۴۶۔ پاخانہ کے وقت قبلہ رُخ ہونے کی ممانعت

بول و براز کے وقت قبلہ کی جانب منہ یا پشت کرنا جائز نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ کوئی شخص مکان کے اندر ہو یا کھلے صحرا میں۔ استنجا کرتے وقت بھی قبلہ رُخ ہونا جائز نہیں۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:۔

۱۴۷۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف انا احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ انا احمد بن محمد انا احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحییٰ بن یحییٰ از سفیان بن عیینہ از زہری از عطاء بن یزید لیثی بیان کیا کہ] حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بیت الخلاء میں آؤ تو بول و براز کرتے وقت قبلہ رُخ نہ ہوا ورنہ اس کی طرف پیٹھ کرو۔ لیکن مشرق یا مغرب کی طرف منہ پھیر لیا کرو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہمارا موقف بھی یہی ہے۔ وللہ الحمد۔

راغب اصفہانی کا جو اقتباس ہم نے نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مسلک بھی یہی ہے ما للہ البھیّۃ اور اس کی شرح الروضۃ الندیہ (ج ۱، ص ۲۰-۲۱) سے مستفاد ہوتا ہے کہ قاضی شوکانی بھی اسی کے قائل ہیں۔ علامہ محمد بن اسماعیل الامیر نے بھی سبل السلام (ج ۱، ص ۴۲ طبع المنیریۃ) میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (امام ابن حزم اس مسئلہ میں بالکل منفرد نہیں ہیں جیسا کہ اس طویل حاشیہ سے مترشح ہوتا ہے بلکہ علمائے سلف اور ائمہ میں سے اور لوگ بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ کتب تفسیر اور فقہ میں اس کی تفصیلات ہیں)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ممانعت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ سے بھی منقول ہے۔ ہم قبل ازیں حضرت سلمانؓ فارسی کی روایت کردہ حدیث باب الاستنجاء میں ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص قبلہ رُخ ہو کر استنجاء نہ کرے۔

بیت الخلاء جاتے وقت قبلہ رُخ ہونے کی ممانعت مکان کے اندر کے قائلین میں حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ شامل ہیں۔ اُن کی روایت اُوپر گزر چکی ہے۔ اسی طرح حضرات ابوہریرہ، عبداللہ بن مسعود اور سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہم بھی قبلہ رُخ ہونے سے منع کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ بکثرت صحابہ و تابعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ عطاء، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، اوزاعی اور ابوثور بھی ہمارے اس مؤقف میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ بھی بول و براز کے وقت قبلہ رُخ ہونے کو ممنوع تصوّر کرتے ہیں۔ ان سب اکابر کے نزدیک یہ حکم عمارت اور صحراسب میں یکساں ہے۔ ہم نے بطریق حماد بن سلمہ از ایوب سختیانی از نافع روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ بول و براز کے وقت دونوں قبلوں کی طرف رُخ کرنے سے منع کرتے تھے۔ مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کی ممانعت صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ لہٰذا ہم اس کے قائل نہیں ہیں۔

عُروہ بن زُبیر اور داؤد بن علی کا قول ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ رُخ ہونا اور پُشت کرنا جائز ہے۔ ہم نے یہی قول ابن عمرؓ سے بطریق شُعبہ از عبدالرحمن بن القاسم بن محمد از نافع از ابن عمرؓ نقل کیا ہے۔ ہم نے عبداللہ بن عمرؓ سے دوسرا قول بطریق ابوداؤد از محمد بن یحییٰ بن فارس از صفوان بن عیسیٰ از حسن بن ذکوان از مروان الاصفر از ابن عمر روایت کیا ہے کہ وہ صحرا میں ہوتے ہوئے قبلہ رُخ ہونے سے منع فرماتے تھے۔ جب قبلہ کے درمیان کوئی پردہ کرنے والی چیز حائل ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتے۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ والحاکم فی المستدرک ۱۵۴/۱) ہم نے شعبی سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا موقف بھی یہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو لوگ قبلہ رُخ ہونے کو مباح خیال کرتے ہیں وہ حضرت ابنِ عمرؓ کی روایت کردہ حدیث کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں کہ میں اپنی ہمشیرہ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے قبلہ رُخ بیٹھے تھے۔[۱] بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ "میں نے حضورؐ کو قبلہ رُخ ہو کر پیشاب کرتے دیکھا" بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ "میں نے ایک روز دیکھا کہ حضورؐ مکان کی چھت پر قضائے حاجت فرما رہے تھے۔ اس پر اینٹوں کا پردہ بنایا گیا تھا۔ میں نے جب دیکھا تو آپؐ اُس وقت قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے تھے۔

وہ حضرت جابرؓ کی مندرجہ ذیل حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں:۔

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ہم پیشاب کرتے وقت قبلہ رُخ ہوں۔ آپ کی وفات سے ایک سال قبل میں نے دیکھا کہ آپؐ اس حالت میں قبلہ رُو بیٹھے تھے۔"[۲]

ونیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ قضائے حاجت کے وقت قبلہ رُخ ہونے سے منع کرتے ہیں۔ یہ سُن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا ایسا کرنا لوگوں نے شروع کر دیا؟ میری قضائے حاجت کی

---

[۱] اس حدیث کو امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ ملک شام کی جانب منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کیے ہوئے تھے۔" ابنِ حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "آپ قبلہ رُو اور شام کی جانب پیٹھ کیے ہوئے تھے۔" حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں "یہ غلط ہے، ایسی حدیث کو مقلوب کہتے ہیں"۔ (شوکانی جلد ا صفحہ ۹۰ مطبع منیریہ)

[۲] اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابن الجارود، ابنِ خُزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ نیز دارقطنی (۲۲) ترمذی (ج ا، ص ۴) نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حاکم (ج ا، ص ۱۵۴) کہتے ہیں۔ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ بیہقی (ج ا، ص ۹۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جگہ کو قبلہ رُخ تبدیل کر دو۔[1]

ابنِ حزم کا نقد و تبصرہ

ابنِ حزم ان دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔
ان دلائل کے سوا مجوّزین کے پاس اور کوئی دلیل موجود نہیں۔ مگر یہ احادیث ان کے لیے حُجّت نہیں ہیں۔ جہاں تک ابنِ عمرؓ کی روایت کردہ حدیث کا تعلق ہے۔ اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ یہ ممانعت کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جب یہ بات اس میں مذکور نہیں تو ہمیں اس بات کا یقین کامل ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ کی یہ حدیث اس وقت کے حالات کے عین مطابق ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رُخ ہونے سے منع نہیں فرمایا تھا اور یہ بات کسی شک و شبہ سے بالا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات سے روک دیا تو حضرت ابنِ عمرؓ کی روایت کا حکم منسوخ ٹھہرا۔ ظاہر ہے کہ ایک یقینی بات کو محض ظن کی بنا پر ترک کرنا، جس بات کا منسوخ ہونا ایک یقینی امر ہے اس کو معمول بہ بنانا اور یقینی ناسخ کو نظر انداز کرنا بالکل باطل اور حرام ہے۔

ہم متعدد مقامات پر اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جس شرعی حکم کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ کسی حکم کا ناسخ ہے تو یہ امر محال اور باطل ہے کہ اس کے بعد ناسخ منسوخ اور منسوخ ناسخ بن

---

[1] بحوالہ احمد و ابنِ ماجہ (ج ۱، ص ۶۹) بیہقی (ج ۱، ص ۹۲ - ۹۳) دارقطنی (ص ۲۲)
امام نووی المجموع (ج ۲، ص ۸۰) میں فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ مگر بخاری نے اس کے معلول ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔ علامہ سندھی شرح ابنِ ماجہ میں فرماتے ہیں۔ اس حدیث کے راوی ثقہ اور معروف ہیں جس نے اس کے برعکس کہا اس نے غلطی کا ارتکاب کیا۔ امام بخاری نے اس میں ایسی علت کا ذکر کیا ہے جو حدیث کی صحت میں قادح نہیں ہے۔ بخاری فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ ان الفاظ پر اعتراض کرتی تھیں کہ "قضائے حاجت کے وقت قبلہ رُخ نہ ہوا کرو" اور یہ صحیح تر ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ آپ نے کہا اُس کا ثبوت اس کی نفی کو مستلزم نہیں۔ سند کی صحت ثابت ہو جانے کے بعد اس کی صحت کا اعتراف واجب ہے۔ عنقریب اس حدیث پر مزید گفتگو کی جائے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبدیل ہو جائے۔ بجز اس کے کہ اس پر مکمل کر روشنی ڈالی جائے۔ اگر ایسا ہو تو پورا دین معماّ بن کر رہ جائے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ناقص بھی ٹھہرے گا۔ حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ ۵: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا)

نیز فرمایا:۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

(تاکہ آپ اس چیز کو واضح کر دیں جو ان پر اُتاری گئی)

مزید براں ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں صرف استقبالِ قبلہ کا ذکر ہے۔ بنا بریں اگر اس حدیث کا ناسخ ہونا ثابت ہو بھی جائے تو قبلہ کی جانب پیٹھ کرنے کی ممانعت اس حدیث سے منسوخ نہ ہو گی۔ اور جو شخص پیٹھ کرنے کی ممانعت کو بھی اس میں شامل کرے وہ جھوٹا اور شریعتِ اسلامیہ کو باطل ٹھہرانے والا ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ لہٰذا ابنِ عمرؓ کی روایت کردہ حدیث سے اُن کا احتجاج باطل ٹھہرا۔

باقی رہی حضرت عائشہؓ والی حدیث تو وہ اس لیے ساقط الاعتبار ہے کہ اس کو ایک ثقہ راوی یعنی خالد الحذّاء ایک مجہول راوی یعنی خالد بن ابی الصّلت[1] سے روایت کرتا ہے۔ نیز اس حدیث

---

[1] حضرت عائشہؓ کی حدیث کو خالد الحذاء نے روایت کیا ہے۔ پھر خالد سے روایت کرنے والوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض راویوں نے اس کو بروایت خالد الحذاء از عراک از عائشہ روایت کیا ہے بعض نے از خالد الحذاء از شخصے از عراک۔ حماد بن سلمہ، علی بن عاصم از عبدالعزیز بن المغیرہ نے اس حدیث کو بروایت خالد الحذاء از خالد بن ابی الصّلت از عراک بن مالک نقل کیا ہے۔

حماد بن سلمہ کی روایت کے لیے ملاحظہ فرمائیے، ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۹، دارقُطنی ص ۲۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۹۳۔ علی بن عاصم کی روایت سنن بیہقی اور دار قُطنی میں ہے۔ عبدالعزیز بن المغیرہ کی روایت ابن ماجہ میں مذکور ہے۔ جن رُواۃ نے تبیین و توضیح سے کام لیا ہے ان کی روایت ابہام و اجمال کا رویّہ اختیار کرنے والوں پر حجت ہے۔ علی بن عاصم کی روایت مقابلۃً واضح تر ہے۔ دارقطنی نے اس کو بطریق ہارون بن عبداللہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عبدالرزاق سے یہ خطاء سرزد ہوئی کہ اس نے اس کو بروایت خالد الحذّاء از کثیر بن الصّلت ذکر کیا جو بالکل ہی باطل ہے۔ اس لیے کہ خالد الحذّاء نے کثیر بن الصّلت کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ اگر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور بیہقی نے بروایت یحییٰ بن ابی طالب ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں علی بن عاصم سے وہ خالد الحذاء سے وہ خالد بن ابی الصّلت سے روایت کرتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ اُن کے پاس عراک بن مالک بھی تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا میں نے اتنے عرصہ سے قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کیا نہ پیٹھ۔ یہ سُن کر عراک نے کہا "مجھے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سنائی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے اپنا بیت الخلاء قبلہ رُخ بنالیا۔

دارقُطنی کہتے ہیں یہ محفوظ ترین اسناد ہے اور اس میں خالد بن ابی الصّلت کا اضافہ کیا اور یہ اضافہ ہی درست ہے۔

ابن حزم کا دعویٰ ہے کہ خالد بن ابی الصّلت مجہول راوی ہے۔ ابن مفوز اس پر گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "یہ مشہور راوی اور معروف عالم ہے۔ مگر اس کی مرویات معلول ہوا کرتی ہیں"۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ اسلم بن سہل نے تاریخ واسط میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ سُفیان بن حُسین فرماتے ہیں "ہم خالد بن ابی الصّلت کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ واسط کے شہر میں عمر بن عبدالعزیز کا کمانڈر اور بڑا رُعب دار آدمی تھا۔ اس حدیث میں وہی عِلّت پائی جاتی ہے جو علامہ سندھی نے بیان کی اور ابھی ہم نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے "التہذیب" میں خالد مذکور کا تعارف کراتے ہوئے ترمذی کی "العِلَل الکبیر" سے یہ عبارت نقل کی جو انھوں نے امام بخاری سے اخذ کی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں"۔ اس حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے حدیث نہیں ہے"۔

یعنی انھوں نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ حالانکہ یہ ترجیح بلادلیل ہے۔ اس لیے کہ بعض راویوں کے اس حدیث کو موقوفاً روایت کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ دوسری (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی صحت ثابت بھی ہو جائے تو مخالفین کا مدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ نہی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ بات تو محال اور باطل ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو بول و براز کے وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صحیح سند سے مرفوعاً منقول نہیں ہے۔ حالانکہ علی بن عاصم نے اپنی روایت میں خالد بن ابی الصلت کے عراک بن مالک سے سماع کی تصریح کی ہے۔ اور ساتھ ہی عراک کے حضرت عائشہؓ سے سننے کو بھی صراحۃً بیان کیا ہے۔ علی بن عاصم ثقہ راوی ہے۔ اگرچہ اس سے بعض اوہام و اغلاط صادر ہوئے ہیں۔ چونکہ حمّاد بن سلمہ نے علی کی تائید کی ہے اس لیے غلطی کا شبہ دور ہو گیا۔

حافظ ابن حجر "التہذیب" ج ۳ ص ۹۷ پر تاریخ بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ موسیٰ نے از حماد بن سلمہ از خالد الحذاء از خالد بن ابو الصلت بیان کیا کہ ہم عمر بن عبد العزیز کے پاس تھے تو عراک نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے بیت الخلاء کو قبلہ رُو کر دیجیے" علامہ الحازمی "الناسخ والمنسوخ" ص ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک نے بھی اس کی تائید کی ہے" یہ روایات اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ منقول ہے اور اس کے راوی کا سماع ثابت ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو بدیں وجہ معلول قرار دیا ہے کہ عراک کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔ ابن ابی حاتم نے المراسیل (ص ۶۰) میں یہ بات امام احمد سے نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجر اس کو اثرم سے اور وہ امام احمد سے نقل کرتے ہیں۔ مگر یہ علّت اس لیے درست نہیں کہ عراک نے حضرت عائشہ سے سماع کی تصریح کی۔

یہ درست ہے کہ عراک نے بعض احادیث حضرت عائشہؓ سے بواسطہ عُروہ سُنی ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عراک کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔ محدّث ابن دقیق العید اپنی کتاب الامام میں رقمطراز ہیں۔ "عراک نے متعدد احادیث حضرت عائشہؓ سے بواسطہ عُروہ روایت کی ہیں، مگر بات یہ ہے کہ جب کوئی ثقہ راوی یوں کہے کہ میں نے فلاں سے سُنا ہے تو اس کی بات تسلیم کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ عُروہ سے سُن کر بعد ازاں خود حضرت عائشہؓ سے ملا ہو۔ بشرطیکہ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور لقاء کا امکان ہو۔ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عراک کا سماع ابو ہریرہؓ سے ثابت ہے۔ اس پر انھوں نے کوئی نقد و جرح نہیں کی۔ حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبلہ رُخ ہونے سے منع فرماتے، اور جب صحابہ آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کرتے تو حضور اُن پر معترض ہوتے۔ یہ ایسی بات ہے جس کو کوئی سلیم العقل آدمی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپؐ نے صحابہ کی مذمت فرمائی۔ لہٰذا اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو یہ بلاشُبہ منسوخ ٹھہرے گی۔ مزید براں اس حدیث سے قبلہ رُخ ہونے کی اباحت ثابت ہوگی نہ کہ پُشت کرنے کی اباحت۔ لہٰذا مخالفین کا استدلال حضرت عائشہؓ کی مروی حدیث سے باطل ٹھہرا۔

باقی رہی حضرت جابرؓ کی روایت کردہ حدیث تو اس کا راوی اُبان بن صالح مشہور نہیں ہے۔ مزید براں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابوہریرہؓ کا سال وفات ایک ہی ہے یعنی ۵۸ھ۔ لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ عراک نے ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے حضرت عائشہؓ سے سُنا ہو۔ غالباً اسی بنا پر مسلم نے اپنی صحیح میں عراک از عائشہؓ پر مشتمل حدیث درج کی ہے۔ یہ حدیث امام مسلم نے بطریق یزید بن ابی زیاد مولیٰ ابن عباس از عراک از عائشہؓ نقل کی ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ سکینہ دو لڑکیوں کو اٹھائے ہوئے میرے یہاں آئی (تا آخر) آگے چل کر ابن دقیق العید نے اس کی حمایت و تائید میں علی بن عاصم کی سابق الذکر روایت نقل کی ہے۔ یہ بات علامہ زَیلعی نے نصب الرایۃ ج ا ص ۲۷۳ میں ابن دقیق العید سے نقل کی ہے۔"

اس نادر تحقیق سے جو کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں یہ حقیقت المنشرح ہوئی کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث امام مسلم کے شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق۔

لہ محدث ابن معین، العجلی، ابو زرعہ اور ابو حاتم نے اس کی توثیق کی ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر التہذیب میں رقم طراز ہیں:۔

"ابن عبد البرؒ التمہید میں فرماتے ہیں کہ جابرؓ کی روایت کردہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابان بن صالح ضعیف راوی ہے۔ ابن حزم المحلیٰ میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اَبان مشہور راوی نہیں ہے۔ مگر ابن عبد البرؒ اور ابن حزم کی یہ بات غفلت اور خطاء پر مبنی ہے۔ ان دونوں بزرگوں سے پہلے کسی نے بھی اَبان کو ضعیف قرار نہیں دیا۔ اس ضمن میں ابن معین اور دیگر محدثین کے اقوال کافی ہیں۔"　(باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ آیا حضورؐ بیت الخلاء میں ممانعت کے بعد قبلہ رُو ہو کر بیٹھے تھے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ یوں کہتے کہ پھر میں آپ کو دیکھا کہ آپؐ (ممانعت کے بعد قبلہ رُخ ہو کر بیت الخلاء میں بیٹھے تھے) اگر اس حدیث کی صحت ثابت بھی ہو جائے تو اس سے لازم آئے گا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ حدیث بطریق محمد بن اسحاق از ابان منقول ہے۔ علامہ زیلعی نصب الرایۃ ج ا ص ۲۰۲ میں فرماتے ہیں:۔

"ابن حبان نے اس حدیث کو اپنی صحیح کی قسم ثانی میں ذکر کیا ہے۔ محدث حاکم نے المستدرک میں اور دارقطنی اور بیہقی نے اپنے اپنے سنن میں نقل کیا ہے۔ ان چاروں کتب میں تحدیث کی صراحت پائی جاتی ہے۔ اس لیے اَبان سے تدلیس کی تہمت زائل ہو گئی۔ ترمذی "العلل الکبیر" میں فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا "یہ حدیث صحیح ہے۔"

لہ یہ ابن حزم کے کمزور ترین براہین و دلائل میں سے ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابرؓ ایک فصیح اللسان عرب ہیں۔ وہ پہلے ذکر کرتے ہیں کہ حضورؐ نے بول و براز کے وقت قبلہ رُخ ہونے سے منع فرمایا۔ اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ بیت الخلاء میں قبلہ رُخ بیٹھے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ اس حکم کے منسوخ ہونے کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممانعت آپ کے اس فعل سے پہلے تھی (اب نہیں ہے) ہمارے فہم و ادراک کی حد تک ایک صحابی ایسی بات بلاوجہ نہیں کہتا۔ بلکہ ایسے موقع پر کہتا ہے جب کوئی شخص ان سے پوچھتا ہے یا اس مسئلہ میں بحث و نزاع کی نوبت آتی ہے۔

بایں ہمہ روایت میں "ثُمَّ" کا لفظ ہے۔ دارقطنی اور بیہقی میں یہ الفاظ ہیں کہ

"پھر میں نے آپ کو آپ کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ قبلہ رُو ہو کر پیشاب کر رہے تھے۔"

محدث حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:۔

"پھر ہم نے آپ کو آپ کی وفات سے ایک سال قبل دیکھا کہ آپ قبلہ رُخ ہو کر پیشاب کر رہے تھے۔"

(تحفۃ الاحوذی کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیے علامہ مبارکپوری بھی غالباً ابن حزم کے ہمنوا ہیں)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ قبلہ رُخ ہونے کی نہی منسوخ ہو چکی ہے البتہ قبلہ کی جانب پشت کرنے کی نہی ہرگز منسوخ نہیں ہوئی۔ احادیث میں اپنی طرف سے کسی بات کا اضافہ کرنا روا نہیں اور اس کا ارتکاب کرنے والا جھوٹا ہے۔ اور یہ بڑی صاف بات ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں سے منع کیا پھر ایک کی ممانعت منسوخ کردی تو دوسری کی ممانعت علی حالہٖ قائم رہی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مخالفین کے جملہ دلائل ھباءً منثوراً ثابت ہوئے۔ و باللہ التوفیق۔

بول و براز کے وقت قبلہ رُو ہونے کے مسئلہ میں جو لوگ عمارت اور صحرا میں تفریق کرتے ہیں اُن کا قول کسی دلیل و برہان پر مبنی نہیں۔ اس لیے کہ کسی قول و اثر میں عمارت و صحرا کے مابین تفریق کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لیے یہ تفریق ظن پر مبنی ہے اور ظن سب سے جھوٹی بات ہے، جسے کسی حالت میں بھی حق کا بدل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جن لوگوں نے نہی کو صحرا پر محمول کیا ہے ان کا قول بالکل اسی طرح ہے جس طرح بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی ممانعت مکّہ اور مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے یا جس طرح بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ممانعت صرف حج کے ایام میں ہے۔ یہ سب بے کار اقوال ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں صحرا میں قبلہ رُخ ہو کر بول و براز سے اس لیے منع کیا کہ بعض لوگ وہاں نماز ادا کرتے ہیں اور یہ چیز اُن کے لیے باعثِ اذیت ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ صحرا میں بول و براز کے وقت کسی جانب بھی رُخ کیا جائے وہ جہت لامحالہ کسی جگہ کے رہنے والوں کے لیے قبلہ ہوگی اور دوسری جہت کے رہنے والوں کے لیے قبلہ نہیں ہوگی۔ لہٰذا امام مالک کا قول حدیث نبوی یا کسی دوسری دلیل سے ثابت نہیں۔ بخلاف ازیں یہ قول جمیع صحابہ کے اقوال کے خلاف ہے۔ اِلاّ یہ کہ ابن عمرؓ سے اس ضمن میں ایک روایت منقول ہے۔ مگر خود انہی سے اس کے خلاف ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

۱۴۷۔ پانی جس میں کوئی پاک چیز مل جائے

ہر وہ پانی جس میں کوئی پاکیزہ مباح چیز مل جائے اور پانی میں اس چیز کا رنگ، اس کی بُو اور اس کا مزہ ظاہر ہو جائے۔ البتہ اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو تو اس کے ساتھ وضو اور غسلِ جنابت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً (المائدہ) (پس تم پانی نہ پاؤ)

ظاہر ہے کہ یہ پانی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اُس میں کستوری پڑی ہو یا شہد یا زعفران یا کوئی اور چیز۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:۔

۱۷۵۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از ابن جریج از عطاء بن ابورباح بیان کیا کہ] اُمّ ہانی بنت ابی طالب بیان کرتی ہیں کہ میں فتح مکّہ کے روز آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ایک گنبد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے لگن کے پانی سے غُسل کیا۔ جس میں آٹے کی آمیزش تھی۔ پھر آپؐ نے چاشت کی نماز پڑھی۔ (نسائی)

۱۷۶۔ [اور بسند سابقہ تا عبدالرزاق از معمر از ابن طاؤس از مطلب بن عبداللہ خطب بیان کیا کہ] حضرت اُمّ ہانی بیان کرتی ہیں کہ فتح مکّہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی حصہ میں اُترے۔ میں آپؐ کے پاس ایک لگن لائی جس میں پانی تھا۔ پانی میں آٹے کے آثار نمایاں تھے۔ ابوذرؓ نے پردہ کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غُسل فرمایا۔ پھر آپؐ نے پردہ کیا اور ابوذرؓ نے غُسل کیا۔ پھر آپؐ نے چاشت کے آٹھ (نوافل) ادا کیے۔ (عبدالرزاق المصنف ۳: ۶۷، و احمد ۶: ۳۴۱)

۱۷۷۔ [ہم سے یونس بن عبداللہ از ابوعیسیٰ بن ابوعیسیٰ از احمد بن خالد از ابن وضاح از ابوبکر بن ابوشیبہ از زید بن حباب از ابراہیم بن نافع از ابن ابونجیح از مجاہد بیان کیا کہ] حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے بڑے سے ٹب سے غُسل کیا جس میں آٹے کا نشان تھا۔ (نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

ابن حزم کہتے ہیں یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ثابت ہے۔ فرماتے ہیں جب جنبی شخص خطمی کے ساتھ اپنا سر دھوئے تو یہ غُسلِ جنابت سے کفایت کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ، سعید بن المسیّب، ابن جُریج نیز انصاری صحابیات و تابعات سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ان سب کا قول ہے کہ جنبی و حائضہ عورت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب تِتلی مہندی لگا کر سر میں کنگھی کرے تو یہ غُسلِ حیض وجنابت کے لیے کافی ہوگا۔ اسے دوبارہ سَر دھونے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اگر جنبی شخص بیری کے پتّوں اور خطمی کے ساتھ اپنا سَر دھولے تو غُسلِ جنابت کے سلسلہ میں اُس کے لیے دوبارہ سر دھونا غیر ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور داؤد کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ سُحنُون نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے کہ اُنھوں نے امام مالک سے ایک جوہڑ کے بارے میں دریافت کیا جہاں آکر حیوانات بول و براز کر جاتے ہوں اور اس وجہ سے اُس کے پانی کا رنگ اور اُس کی بُو تبدیل ہو جائے تو کیا اُس کے پانی سے نماز کے لیے وضو کیا جا سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا۔ "میں اس کو ناپسند کرتا ہوں مگر حرام نہیں ٹھہراتا"۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے "میں چاہتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان حلال چیز کی ایک حدِ فاصل قائم کروں"۔

لیکن امام مالکؒ کے اصحاب و تلامذہ کا تعامل اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اگر پانی میں روٹی تر کی جائے یا اس میں نیل گر پڑے تو اس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ جس پانی میں چمڑا بھگویا جائے[1]

---

[1] دیکھیے المدونہ ج ۱ ص ۴۔ اس کی عبارت یوں ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا جس پانی میں روٹی تر کی جائے اُس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ ابن القاسم کہتے ہیں ہمارے اصحاب میں سے بعض نے مجھے بتایا کہ ایک شخص نے امام مالکؒ سے دریافت کیا اگر پانی میں چمڑا یا کپڑا گر پڑے اور اسے نکال لیا جائے تو کیا اس پانی کے ساتھ وضو جائز ہے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا۔ "میرے نزدیک اس میں کچھ مضائقہ نہیں"۔ اس نے پوچھا تو پھر پانی میں روٹی بھگونے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ یہ سُن کر امام مالکؒ نے فرمایا۔ "بتائیے اگر کوئی شخص چمڑے کو لے کر پانی میں ڈال دے تو کیا اس کے ساتھ وضو جائز ہوگا؟ حالانکہ اس پانی میں چمڑے کو بھگویا گیا ہے"؟ اس شخص نے کہا۔ "نہیں"۔ تب امام مالکؒ نے فرمایا۔ "چمڑا روٹی ہی کی طرح ہے۔ اور ہر چیز کا اپنا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ کتاب و سنت، اجماع، قیاس اور اقوالِ صحابہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ بخلاف ازیں مالکیہ نے اس مسئلے میں تین صحابہ کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔ مزید برآں اُن کا یہ قول فقہاءِ مدینہ کے تعامل کے خلاف ہے۔ حالانکہ اس کی دلیل وہ صرف یہ پیش کرتے ہیں کہ اندریں حالت علی الاطلاق اس کو پانی نہیں کہا جاتا۔

امام ابن حزم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ قول مبنی بر خطا ہے۔ اس لیے کہ دوسری چیز کے پائے جانے کے باوجود بھی وہ آبِ مطلق ہی ہے۔ اس پانی میں خواہ مذکورہ بالا چیز پڑی ہو یا پتھر دونوں کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ مالکیہ کے نزدیک اس پانی کے ساتھ وضو جائز ہے جس کا رنگ مقامی مٹی کی وجہ سے متغیّر ہو گیا ہو۔ اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے جو مالکیہ کے یہاں پایا جاتا ہے۔

یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ جس پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو مگر اس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو مالکیہ اس کو پانی کا حکم نہیں دیتے۔ بخلاف ازیں اگر چاندی میں اس قدر تانبہ مل جائے جس سے چاندی چاندی نہ رہے تو مالکیہ اُسے خالص چاندی تصوّر کرتے ہیں۔ مخلوط سونے کا بھی یہی حکم ہے۔ مالکیہ زکوٰۃ اور بیع صرف (سونے چاندی کی آپس میں خرید و فروخت) کے معاملہ میں اس کو خالص سونے کی طرح قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط اور حقائق کا اُلٹ ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں اگر تانبا اور چاندی دونوں ملے جُلے ہوں تو اُن میں زکوٰۃ فرض ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط اور باطل ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ جائز اور درست ہے کہ مخلوط تانبے اور چاندی کو خالص چاندی کے عوض برابر برابر وزن میں فروخت کیا جائے۔ یہ بعینہٖ ربا ہے۔ لیکن ایسا پانی جس کے ساتھ کوئی پاک چیز مل گئی ہو اس کے ساتھ غُسل اور وضو کیا جائے۔ تو آخر اس میں کیا مضائقہ ہے کہ پانی کے ہمراہ ایک اور پاک چیز کسی کے اعضاء پر سے گزر جائے؟

بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا پانی عرقِ گلاب کی مانند ہے اکہ عرقِ گلاب کے ساتھ وضو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائز نہیں) ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ عرقِ گلاب پانی ہرگز نہیں ہے۔ مگر یہ عرقِ گلاب سے یکسر مختلف ہے۔ کیونکہ یہ پانی ہے مع شے زائد۔

۱۴۸۔ نبیذ[1] کا حکم اگر کسی چیز سے بالکل ہی پانی کا نام ساقط ہو جائے مثلاً نبیذ وغیرہ تو اس کے ساتھ وضو اور غسل جائز نہیں۔ بلکہ تیمم کرنا چاہیے۔ خواہ اس مسئلہ یا سابق الذکر مسئلہ میں دوسرا پانی موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا (المائدہ ۶:۵)

(پس تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا ارادہ کیا کرو)

نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث "کہ زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاک بنا دیا گیا ہے جب ہمیں پانی نہ ملے"۔

چونکہ ایسے پانی کو جس میں دوسری چیز کے مل جانے کی وجہ سے اس میں پانی کی صفات باقی نہ رہی ہوں پانی نہیں کہتے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وضو صرف پانی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس لیے ایسے پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، حسن بصریؒ، عطاءؒ بن ابی رباح، سفیانؒ ثوری، ابو یوسفؒ، اسحاقؒ، ابو ثورؒ اور دیگر اہلِ علم کا مسلک بھی یہی ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ پانی کی عدم موجودگی میں نبیذ کے ساتھ وضو کیا جا سکتا ہے۔ اور جب نبیذ موجود ہو تو تیمم جائز نہیں۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں جب پانی موجود نہ ہو مگر غیر منشی نبیذ موجود ہو تو تیمم جائز نہیں۔ اگر نشہ آور ہو تو اس کے ساتھ وضو نہ کیا جائے۔ حسن بن حیؒ کے رفیق حمیدؒ[2] فرماتے ہیں۔ بطورِ خاص

---

[1] نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کھجوریں یا انگور بھگوئے ہوں۔ اس طرح وہ پانی شربت بن جاتا ہے۔ زیادہ دیر تک بھیگا رہنے سے اس میں نشہ کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ غلام احمد حریری۔

[2] یعنی حمید بن عبدالرحمٰن بن حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی الکوفی جو کہ ثقہ راوی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھجوروں کی نبیذ سے وضو اور غسل جائز ہے۔ یہ جواز سفر و حضر، فرضی اور نفلی تمام قسم کی نمازوں کے لیے ہے۔ قطع نظر اس سے کہ پانی موجود ہو یا نہ ہو۔ کھجوروں کی نبیذ کے علاوہ کسی دوسرے نبیذ سے وضو جائز نہیں، خواہ پانی ہو یا نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ کا مسلک

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے اس مسئلے میں دو قول ہیں۔ مشہور تر قول یہ ہے کہ بطورِ خاص کھجور کا نبیذ اگر نشہ آور نہ ہو تو اس کے ساتھ وضو اور غسل جائز ہے۔ بشرطیکہ پانی موجود نہ ہو اور آدمی شہروں اور دیہات سے دُور ہو۔ اور اگر نبیذ نشہ آور اور مطبوخ ہو تاہم اس کے ساتھ وضو اور غسل جائز ہے۔ اگر نبیذ کچا (غیر مطبوخ) ہو تو اس کا استعمال اور اس کے ساتھ وضو کرنا ہرگز روا نہیں۔ اگر یہ پانی موجود نہ ہو۔ شہر اور دیہات میں پانی نہ بھی ہو تو اس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ کھجوروں کے سوا کسی اور نبیذ کے ساتھ وضو جائز نہیں، خواہ دیہات میں ہو یا غیر دیہات میں۔ خواہ پانی موجود نہ بھی ہو۔

۲۔ امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ نبیذ کسی قسم کا بھی ہو اس کے ساتھ وضو اور غسل بالکل اسی طرح روا ہے جس طرح کھجوروں کے نبیذ کے ساتھ۔

امام محمد بن حسن (شیبانی) فرماتے ہیں جب پانی موجود نہ ہو تو کھجوروں کے نبیذ کے ساتھ وضو کرے اور ساتھ ہی تیمم بھی کرے۔

امام ابن حزم ان مسالک پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”جہاں تک اُوزاعی، عکرمہ اور حسن بن حیّ کے اقوال کا تعلق ہے انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے ساتھ احتجاج کیا ہے۔ اس حدیث کو ہم نے متعدد طُرق سے روایت کیا ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ جن (جس رات آپؐ نے جنّوں کے ساتھ ملاقات کی) مجھ سے دریافت کیا کیا آپ کے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی ”میرے پاس پانی نہیں ہے۔ البتہ میرے پاس ایک برتن ہے جس میں نبیذ ہے“ یہ سُن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ پاکیزہ پھل اور پاک پانی ہے“ چنانچہ آپؐ نے وضو کر کے نمازِ فجر ادا کی۔ بعض روایات

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ کے ساتھ وضو کیا اور فرمایا یہ پاکیزہ پھل اور پاک پانی ہے۔ (ترمذی کتاب الطہارۃ بسند ضعیف۔ طحاوی معانی الآثار ۱: ۵۷، ۵۸ اس کے تمام طرق کو ضعیف قرار دیا ہے۔)

بعض اہلِ علم کا بیان ہے کہ چند صحابہ بحری کشتی میں سوار ہوئے۔ ان کے پاس صرف سمندر کا پانی یا نبیذ تھا۔ چنانچہ انھوں نے نبیذ کے ساتھ وضو کیا اور سمندر کے پانی کو استعمال نہ کیا۔ مذکورہ صدر روایت کو ہم نے اس طرح روایت کیا ہے۔

۱۷۸۔ [ہم سے محمد سعید بن نبات از احمد بن عبد البصیر از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبد السلام خشنی از محمد بن مثنی از یزید بن ہارون از عبد اللہ بن مسرۃ از مزیدۃ بن جابر بیان کرتے ہیں کہ] حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا کہ "جب تمھیں پانی نہ ملے تو نبیذ کے ساتھ وضو کر لیا کرو۔" دوسری روایت

۱۷۹۔ [بسند مذکور محمد بن مثنی نے فرمایا ہم سے ابو معاویہ محمد بن خازم ضریر از حجاج بن ارطاۃ از ابو اسحاق سبیعی از حارث بیان کیا کہ] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبیذ کے ساتھ وضو کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔"

اُن علماء کا یہ کہنا کہ ہمارے علم کی حد تک صحابہ میں کوئی اس قول کا مخالف نہیں۔ گویا بقول اُن کے اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبیذ بلاشبہ پانی ہے۔ جس میں دوسری چیز (کھجور وغیرہ) کی آمیزش ہوئی ہے۔ لہٰذا جب وہ اس حالت پر قائم ہو تو اُس کے ساتھ وضو جائز ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

یہ ہیں اُن کے ممکنہ مغالطات! حالانکہ ان میں سے کسی قول کے ساتھ بھی اُن کا مدّعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ (اب ہم باری باری ان پر نقد و جرح کرتے ہیں)

جہاں تک سابق الذکر حدیث کا تعلق ہے وہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اُس کے تمام طُرق و اسانید میں مجہول راوی پائے جاتے ہیں یا ایسے راوی موجود ہیں جن میں بھلائی کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا۔ اپنی دیگر تصانیف میں ہم نے اس پر کُھل کر گفتگو کی ہے۔ اگر نقلِ تواتر کے ساتھ اس حدیث کی صحت ثابت ہو بھی جائے تاہم یہ حدیث اُن کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ شبِ جِنّ کا واقعہ مکہ میں قبل از ہجرت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پیش آیا۔ جب کہ وضو کے حکم پر مشتمل آیت سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں مدینہ جاکر نازل ہوئی۔ اور یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ وضو مکہ میں فرض ہوا۔ جب صورتِ حال یہ ہوئی تو نبیذ کے ساتھ وضو نہ ہونے کے برابر ہے۔ پس بشرطِ صحت بھی اس حدیث کے ساتھ احتجاج باطل ٹھہرا۔

اس ضمن میں ہمارے مخالفین نے صحابہ کا جو فعل نقل ہے وہ ان کی دلیل نہیں بلکہ اُن کے خلاف حجت ہے۔ اس لیے کہ اوزاعی، حسن بن حیّ، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ سب کے سب صحابہ سے نقل کردہ اَمر کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمندری پانی کے ساتھ وضو کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سمندری پانی کے ہوتے ہوئے نبیذ کے ساتھ وضو درست نہیں۔ البتہ حسن بن حیّ کے رفیق کار حمید سمندری پانی کی موجودگی میں نبیذ کے ساتھ وضو کو جائز قرار دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ صدر اصحاب حضرات صحابہ سے منقول فعل کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ غلط بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ آدمی ایک بات کو اپنے خصم کے خلاف حجت سمجھتا ہو مگر اپنے خلاف تصور نہ کرتا ہو۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے قول کا تعلق ہے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول دلیل و برہان کی حیثیت نہیں رکھتا۔ مزید براں حسن بن حیّ کا رفیق کار حمید حضرت علیؓ سے منقول قول کی خلاف ورزی کرتا ہے اس لیے کہ اس کے نزدیک پانی کی موجودگی میں نبیذ کے ساتھ وضو درست ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت علیؓ کے قول کے خلاف ہے۔ اسی طرح حُمید کے نزدیک کھجوروں کے نبیذ کے علاوہ دیگر کسی نبیذ کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ اور یہ بات بھی حضرت علیؓ کے قول سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

باقی رہا ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ نبیذ پانی ہے جس میں کسی اور چیز کی آمیزش ہوتی ہے۔ تو اس کی بنا پر انھیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دودھ میں پانی ملا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ اسی طرح سیاہی جس میں مازو اور پھٹکڑی کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس شوربہ میں بھی پانی، زیت اور سرکہ یا پانی، زیت اور کالی مرچ ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی دیگر مخلوط اشیاء۔ حالانکہ وہ ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی وضو کو جائز تصور نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کے اپنے پیش کردہ دلائل ہی میں تناقض ثابت ہوگیا۔ وللہ الحمد۔

جہاں تک امام ابوحنیفہؒ کے دونوں اقوال کا تعلق ہے تو سابق الذکر دلائل کا اُن سے دُور کا واسطہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی نہیں۔ اس ضمن میں مذکورہ حدیث کے اندر یہ بات موجود نہیں کہ نبیذ کے ساتھ وضو کرتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے باہر تھے۔ پھر اس بات کی کیا دلیل ہے کہ شہر اور دیہات سے باہر نبیذ کے ساتھ وضو کرنے کی اجازت ہے؟ یہ اس حدیث کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے۔ خصوصاً جب کہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ بستی کے قریب تیمّم جائز نہیں۔ اور قصر صلوٰۃ کی اس سفر میں اجازت ہے جو تین شب و روز پر مشتمل ہو اور مسافت بھی اکیس فرسخ (۴۸ میل) سے کم نہ ہو۔ حالانکہ اس کے اثبات کے لیے کوئی دلیل ان کے پاس موجود نہیں۔ اور اگر وہ کوئی دلیل پیش بھی کریں تو وہ ان تمام مسائل پر منطبق ہوگی جن کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے دوسرے قول میں نبیذ کی دیگر اقسام کو کھجوروں کے نبیذ پر قیاس کیا ہے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ انھوں نے مقیم کو مسافر پر کیوں نہ قیاس کیا جو بستی سے باہر ہوتا ہے؟ آخر ایک قیاس کے جواز اور دوسرے کے عدمِ جواز کی وجہ کیا ہے؟ خصوصاً جب کہ حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ "یہ پاکیزہ پھل اور پاک پانی ہے"۔ جب وہ پانی پاک ہے تو دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اسے کیوں استعمال نہیں کر سکتے؟ حالانکہ وہ دونوں پاک ہیں۔ اور یہ وہ گرفت ہے جس سے مخلصی ممکن نہیں۔ اور اگر پانی کی موجودگی میں اسے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے تو انھیں چاہیے کہ مریض جب کسی جگہ مقیم ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو تو اُسے نبیذ کے استعمال کی اجازت دے دیں۔

باقی رہا فعلِ صحابہ اور حضرت علیؓ کا قول تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ابوحنیفہؒ سمندری پانی کے ہوتے ہوئے نبیذ کے ساتھ وضو کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح ان کے نزدیک دیہات میں پانی نہ بھی ہو تو نبیذ کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ مگر حضرت علیؓ کے قول میں یہ بات موجود نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ کھجور کی نبیذ اور نبیذ کی دیگر اقسام میں فرق نہیں کرتے۔ بخلاف ازیں امام صاحب اپنے ایک قول میں یہ امتیاز روا رکھتے ہیں۔ بہرکیف دنیا و آخرت میں ناپسندیدہ ترین آدمی وہ ہے جو اپنے مخالف کو ایک قول کے ترک کرنے کا مجرم گردانتا ہو۔ حالانکہ اس قول کا اوّلین تارک وہ خود ہو۔ خصوصاً جب کہ اس کا مخالف اُس قول کو ـــــ جس کو اس نے نظرانداز کیا ـــــ حُجّت بھی تصوّر نہ کرتا ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن کریم میں فرمایا ۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (الصف ۳)

(تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم نہیں کرتے)

احناف کا یہ قول کہ نبیذ پانی اور کھجوروں کے مرکب کا نام ہے ۔ تو شوربے اور دیگر چیزوں کے سلسلہ میں ان پر الزام قائم ہو گا ۔ (اس لیے کہ یہ اشیاء بھی پانی اور دیگر چیزوں کی آمیزش سے بنی ہیں تو ان کے ساتھ بھی وضو جائز ہونا چاہیے) حالانکہ یہ امام صاحب کے قول کے خلاف ہے ۔ اس تجزیہ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہر دو اقوال فاسد ہیں ۔ وَالْحَمْدُ للّٰہ رب العٰلمین ۔

جہاں تک امام محمد بن حسن کے قول کا تعلق ہے (اور وہ یہ کہ جب نبیذ کے ساتھ وضو کرے تو ساتھ ہی تیمم بھی کرے) تو دو صورتیں ممکن ہیں ۔

۱ ۔ ایک یہ کہ اگر نبیذ کے ساتھ وضو جائز ہے تو تیمم بے کار ہے ۔

۲ ۔ اگر وضو جائز نہیں تو اُس کے کرنے سے کیا حاصل ؟ خصوصاً جب کہ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے کپڑے میں بغلی درہم سے زیادہ نشہ آور نبیذ لگا ہو تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے ۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص نبیذ کے ساتھ وضو یا غُسل کرتا ہے تو اس کے جسم اور کپڑوں میں کئی بغلی درہم سے زیادہ نبیذ لگی ہوتی ہے ۔ اور اگر محمد بن حسن کی تائید و حمایت کرنے والا کہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ آیا نبیذ کے ساتھ وضو ہو جاتا ہے اس لیے اسے ترک کرنا کافی نہیں ۔ یا یہ کہ اس کے ساتھ وضو جائز نہیں لہٰذا اس کے ساتھ وضو کرنا کافی نہیں ۔ اس لیے ہم دونوں باتوں پر عمل کرتے ہیں ۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ جب پانی موجود ہو تو اُس کے ساتھ وضو یقیناً فرض ہے ۔ اس لیے اسے ترک کرنا درست نہیں ۔ اور جب نبیذ کے ساتھ وضو کافی نہیں تو تیمم کرنا یقینی طور پر فرض ہوا ۔ ظاہر ہے کہ نبیذ کے ساتھ وضو حنفیہ کے نزدیک غیر یقینی ہے ۔ اور جو بات یقینی نہیں اس پر عمل کرنا غیر ضروری ہے ۔ اور جو بات غیر ضروری ہو اس کے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ اور اگر حنفیہ یہ انداز اختیار

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں کہ جس چیز کے وجوب میں شبہ ہو اس پر عمل کرنا چاہیے تو انھیں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خصوصاً جب کہ حنفیہ کو اس بات کا یقین ہے کہ نبیذ ناپاک ہے اور اگر کپڑے میں لگی ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ جو چیز یقینی طور پر نجس ہو اس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔

جہاں تک مالکیہ اور شافعیہ کا تعلّق ہے وہ اکثر اپنے اصول و فروع میں یہ بات کہتے ہیں کہ جس صحابی کا کوئی مخالف معلوم نہ ہو اس کی مخالفت روا نہیں مگر اس جگہ انھوں نے اپنے اس ضابطہ کو توڑ دیا ہے۔ وباللهِ التَّوفِیق۔

امام ابو حنیفہؒ قائلینِ قیاس میں سے ہیں مگر یہاں قیاس کے سلسلے میں انھوں نے اپنے اصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ وہ شوربہ اور نبیذ کے مختلف اقسام کو کھجور کے نبیذ پر قیاس نہیں کرتے۔ مزید براں انھوں نے اندریں مسئلہ صحابہ کے ایک گروہ کی خلاف ورزی کی ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور ان کا کوئی مخالف معروف نہیں۔ یہ بھی ان کے مقرر کردہ ضابطہ کے خلاف ہے۔ اب جو شخص اُن کے اقوال کے باہمی تناقض اور اصول کی مخالفت سے آگاہی حاصل کرنا چاہے کرلے۔ وباللهِ التوفیق۔

۱۴۹۔ نیند سے بیدار ہونے والے کا حکم

جو شخص بھی نیند سے بیدار ہو ــــ خواہ تھوڑی نیند ہو یا زیادہ، دن ہو یا رات، بیٹھ کر سوئے یا لیٹ کر، نماز کی حالت میں سوئے یا نماز کے بغیر ــــ اس پر فرض ہے کہ اپنے ہاتھ کو تین مرتبہ دھوئے بغیر وضو کے برتن میں نہ ڈالے۔ قطع نظر اس سے کہ وضو کا پانی کسی برتن میں ہو یا نہر میں یا کسی اور جگہ۔ تین دفعہ ناک کو پانی دے اور اسے صاف کرے۔ اگر عمداً یا سہواً اس طرح نہ کیا تو نہ اُس کا وضو جائز ہے نہ نماز۔ ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوئے۔ تین دفعہ ناک کو پانی دے۔ پھر وضو اور نماز کا آغاز کرے۔ یہ پانی پاک ہے۔ اگر ہاتھوں پر پانی ڈالا اور وضو کیا مگر اپنے ہاتھوں کو پانی میں ڈبو یا نہیں تو اس کا وضو اور نماز ناقص ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۱۸۰۔ [ہم نے از یونس بن عبداللہ از ابو عیسٰی بن ابو عیسٰی از احمد بن خالد از ابن وضاح از ابو بکر بن ابو شیبہ از سفیان بن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیینہ از زہری از ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو پانی میں ڈبوئے نہیں جب تک تین مرتبہ اس کو دھوئے نہیں۔ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں پھرتا رہا۔ (مسلم ونسائی کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہاتھوں کو دھونے کا حکم نجاست کے خوف سے دیا گیا ہے۔ مگر یہ بات بلاشبہ باطل ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ کا مقصد یہ ہوتا تو اس کو بیان فرما دیتے اور امت سے چھپا کر نہ رکھتے۔ مزید براں اگر اس کی وجہ نجاست کا خوف ہوتا تو یہ بات پاؤں میں بھی ممکن تھی۔ نیز یہ کہ رانوں کی اندرونی جانب اور سرینوں کی درمیانی جگہ دھونے کے زیادہ لائق تھی۔ حنفیہ کے اصول کے مطابق یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ مشکوک نجاست کی بنا پر تو ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونے کا حکم ہوا در جب نجاست کا یقین ہو تو ایک ہی دفعہ دھونا کافی ہو۔ ہاتھوں کو دھونے کی اصلی وجہ وہی ہے جو صراحۃً حضورؐ نے بیان فرما دی کہ بیدار ہونے والے کو معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ شب بھر کہاں کہاں پھرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو کسی کا سبب بنانا چاہے بنا دے۔ مثلاً ہوا جسم کے نچلے حصّے سے خارج ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو دھونا، چہرہ کے دھونے، سر کے مسح اور ہاتھوں اور کہنیوں کے دھونے کا موجب بنا دیا ہے۔

بعض اہلِ علم نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حکم صرف رات کے سونے کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیوں کہ آپؐ نے فرمایا "اُس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری"۔ ان کا دعویٰ کہ مبیت کا لفظ رات کے لیے مخصوص ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں ان کی یہ بات غلط ہے۔ عربی محاورہ میں بولتے ہیں "بات النوم بید بسرون امو کذا" یہ واقعہ دن کے وقت بھی وقوع پذیر ہو تو یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔

۱۸۱۔ [ونیز ہم سے عبدالرحمن بن خالد ہمدانی از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابراہیم بن حمزہ زبیری از عبدالعزیز بن ابوحازم از یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن الہاد از محمد بن ابراہیم از عیسیٰ بن طلحہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو تین مرتبہ اپنی ناک کو جھاڑے، اس لیے کہ شیطان اس کی ناک پر رات گزارتا ہے۔ (بخاری بدء الخلق، مسلم، نسائی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الطہارۃ)

دوسری روایت میں

۱۸۲- [ہم سے سالم بن احمد بن فتح از عبداللہ بن سعید از عمر بن محمد بن داؤد از محمد بن عیسیٰ جلودی از ابراہیم بن محمد از مسلم بن حجاج از بشر بن الحکم از عبدالعزیز بن محمد از ابن الہاد از محمد بن ابراہیم از عیسیٰ بن طلحہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے تو تین مرتبہ اپنی ناک کو جھاڑے۔ اس لیے کہ شیطان اُس کی ناک پر رات بسر کرتا ہے"۔ (حوالہ پہلی روایت میں گزر چکا ہے)

۱۸۳- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ از محمد بن زنبور از عبدالعزیز بن ابی حازم از یزید بن الہاد از محمد بن ابراہیم از عیسیٰ بن طلحہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو تین مرتبہ اپنی ناک میں پانی ڈالے، اس لیے کہ شیطان اس کی ناک پر رات بسر کرتا ہے۔ (حوالہ اوپر گزر چکا)

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ ان احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل فرض ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ.

(النور: ۶۳)

(جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اُن کو ڈرنا چاہیے (کہ ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)

جو شخص وضو کرے مگر حضورؐ کے حکم کی تعمیل نہ کرے (تین دفعہ ناک نہ جھاڑے) تو گویا اُس نے اس طرح وضو نہیں کیا جس طرح اُسے حکم دیا گیا تھا۔ اور جب اُس نے وضو کی تعمیل نہ کی تو اُس کی نماز نہیں ہوئی خصوصاً شیطان کو اپنی ناک سے ہٹانا تو بڑا ضروری کام تھا۔ ہم نہیں جانتے کہ کوئی مسلم اس میں سہل انگاری سے کام لینا پسند کرے۔

مالکیہ کے نزدیک وضو میں پے درپے اعضا کا دھونا (توالی و تسلسل) فرض ہے۔ اس کے بغیر وضو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نماز کی تکمیل نہیں ہوتی۔ امام شافعی کے نزدیک نماز میں حضورؐ پر درود پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز تشنۂ تکمیل رہتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے کلّی اور ناک میں پانی پہنچانے کو غسلِ جنابت میں واجب ٹھہرایا ہے جس کے بغیر غسل اور نماز نامکمل ہے۔ مگر اللہ اور اُس کے رسُول نے اُن میں سے کسی چیز کا بھی حکم نہیں دیا لہٰذا ان کا انکار واجب ہے۔ کام وہی واجب ہے جس کا حکم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہو۔ نہ کہ اس شخص کا فعل جس کو اللہ کا نبی کسی کام کا حکم دے اور وہ کہے کہ میں تو اسی طرح کروں گا جیسے چاہوں گا۔ اور بلا یقین اجماع کا دعویٰ پوری اُمّت پر افترا پردازی کے مترادف ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

۱۸۴۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبد الرزاق بیان کیا کہ] ابن جُریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے کہا کیا ناک کو پانی دینا ضروری ہے؟ کہا ہاں! میں نے دریافت کیا کتنی مرتبہ؟ کہا "تین مرتبہ" میں نے کہا آپ نے کس سے روایت کیا؟ کہا "عثمان سے" عبد الرزاق نے فرمایا ہم سے معمر از قتادہ بیان کیا کہ مُعبد الجُہنی کلّی اور ناک کو پانی دینے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جنبی ہو تو تین مرتبہ کلّی کرے اور ناک کو پانی دے۔ اگر پاخانہ سے فارغ ہو کر آیا ہو تو دو دفعہ۔ اور اگر پیشاب کر کے آیا ہو تو صرف ایک دفعہ۔ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کو نہ دھوئے اور وضو کر کے نماز ادا کرے تو وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔ داؤد (ظاہری) اور ہمارے اصحاب کا مسلک بھی یہی ہے۔

۱۵۰۔ کھڑے پانی میں غسلِ جنابت کا مسئلہ

اگر کھڑے پانی میں غُسلِ جنابت کیا تو وہ کافی نہ ہوگا۔ اگر اس میں غُسل کیا تو گویا اُس نے غسل کیا ہی نہیں۔ مگر کھڑا پانی اپنی ذات کی حد تک پاک ہے۔ تاہم اس میں غُسل کرنے والا دوبارہ غسل کرے۔ اگر جنبی آدمی نے ادائیگی فرض کے لیے کھڑے پانی میں غُسل کیا تو وہ کافی نہ ہوگا۔ اور اگر جنبی نہ ہو تو کھڑے پانی میں غُسل کافی ہوگا۔ کھڑے پانی کے ساتھ وضو جائز ہے۔ اگر جنبی شخص نہر کے کسی بڑے سے مٹکے میں غُسل کرے اور نہر کا پانی کھڑا ہو تو یہ غسل کافی نہیں ہوگا۔ باقی رہا سمندر تو وہ جاری اور متحرک ہوتا ہے کھڑا نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا۔ اور یہ ایسی بات ہے عینی مشاہدہ جس کی شہادت دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب کرے۔ پھر اس پانی کو چھوڑ دے اور وہ بہنے لگے، تو اس پانی سے وضو اور غسل جائز نہیں۔ اس لیے کہ بعینہٖ اس پانی کے ساتھ وضو اور غسل بنا بر نصّ ممنوع ہے۔

اگر کوئی شخص بہتے پانی میں پیشاب کرے، پھر اس کے بہاؤ کو روک دے اور وہ کھڑا ہو جائے تو اس پانی سے وضو اور غسل جائز ہے۔ اس لیے کہ اس نے کھڑے پانی میں پیشاب نہیں کیا۔ بہتے پانی کے ساتھ غسلِ جنابت یا عام غسل مباح ہے۔ اگر بہتے پانی میں پیشاب کیا تو اس پانی سے وضو اور غسل جائز ہے اور اس میں بھی وضو اور غسل کیا جا سکتا ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو

۱۸۵۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف انا احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ انا احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج انا ابوطاہر و ہارون بن سعید از ابن وہب از عمرو بن حارث از بکیر بن اشج از ابوالسائب بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص حالتِ جنابت میں کھڑے پانی میں غسل نہ کرے"۔ راوی نے پوچھا ابوہریرہ! پھر کس طرح کرے؟ کہا پانی لے کر اس سے باہر غسل کرے۔ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

دیکھیے ابوہریرہ جنبی کو کھڑے پانی میں نہانے کی اجازت نہیں دیتے۔ امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر جنبی نے کھڑے پانی میں غسل کر لیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ قبل ازیں ہم اس قول کا فساد و بطلان واضح کر چکے ہیں۔ امام مالک اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ تاہم اگر جنبی اس میں غسل کرے تو کافی ہوگا۔ مگر یہ اس لیے درست نہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الإذعان کے خلاف ہے۔ کھڑا پانی کم ہو زیادہ یہ حکم یکساں ہے۔ اگر پانی کا طول و عرض چند فرسخ (چند مائیل) بھی ہو تاہم یہ حکم بدستور ہے اور جنبی کے لیے اس میں غسل کرنا کافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پانی کی تخصیص نہیں فرمائی اور نہ ہی غیر جنبی کو اس سے وضو و غسل کرنے سے منع فرمایا۔ اور ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ (الطلاق: ۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنی جان پر ستم ڈھایا)

۱۵۱- عورت کے بچے ہوئے پانی کا حکم

جس پانی سے حائضہ یا غیر حائضہ نے وضو یا غُسل کیا اور کچھ پانی بچ رہا تو آدمی کے لیے اس پانی سے وضو یا غسل جائز نہیں۔ خواہ دوسرا پانی موجود ہو یا نہ ہو۔ اندریں حالت ان کے لیے تیمّم فرض ہے۔ البتہ عورتوں اور مَردوں کے لیے اس کا پینا حلال ہے۔ عورتوں کو اس سے وضو اور غُسل کی بہر حال اجازت ہے۔ بچا ہوا پانی اس کو کہیں گے جو استعمال کردہ پانی سے کم ہو۔ اگر اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو اس کو فضل (بچا ہوا پانی) نہیں کہیں گے۔ ایسے پانی کے ساتھ مردوں اور عورتوں کو وضو اور غُسل کی اجازت ہے۔

مَردوں کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ مَردوں اور عورتوں کو وضو اور غُسل کی اجازت ہے۔ الّا یہ کہ حدیث صحیح سے ثابت ہو جائے کہ عورت اس پانی کے ساتھ وضو اور غُسل نہیں کر سکتی تو ہم اس پر عمل کریں گے۔ ابھی تک اس ضمن میں ہمیں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی[1]۔ اگر مرد و عورت ایک ہی برتن سے چلّو بھر بھر کر وضو یا غُسل کریں تو یہ جائز ہے۔ قطع نظر اس سے کہ دونوں میں سے کس نے ابتدا کی یا کس نے پہلے وضو یا غُسل کی تکمیل کی۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۱۸۶- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد سجستانی از محمد بن بشار از ابوداؤد طیالسی از شعبہ از عاصم بن سلیمان احول از ابو حاجب سوادہ بن عاصم بیان کیا کہ] حکم بن عمرو الغفاری نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے[2]۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

---

[1] اس مضمون پر مشتمل صحیح حدیث موجود ہے۔ بلکہ مصنّف کی روایت کردہ حدیث کی سند سے بھی اس کی اسناد صحیح تر ہے۔ آگے چل کر ہم اس موضوع پر مزید بحث کریں گے۔

[2] اس کو ابن حبان نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے نیل الاوطار ج ۱، ص ۳۱-۳۲۔ شرح ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰-۳۱۔ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۱۹۰-۱۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۷- [ہم سے اصبغ از اسحاق بن احمد از محمد بن عمر عقیلی از علی بن عبدالعزیز از معلی بن اسد از عبدالعزیز بن مختار از عاصم احول بیان کیا کہ] عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ پانی ناپاک ہے نہ ہی آدمیوں کے سوا کسی اور کو اس سے اجتناب کرنے کی ہدایت فرمائی۔ عبداللہ بن سرجس اور حکم بن عمرو جو حضورؐ کے صحابہ میں سے تھے اُن کا قول بھی یہی ہے۔ اُمّ المومنین حضرت جُویریہؓ، حضرت اُمّ سلمہؓ اور حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جو شخص اس بات سے انحراف کرتا اس کو دُرّے سے مارتے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں نے سعید بن المسیّب اور حسن بصری سے اس ضمن میں دریافت کیا تو دونوں نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ وضو کرنے سے منع فرمایا۔

امام مالک رحمہ اللہ نافع سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہؓ بن عمر سے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے (وضو اور غُسل کرنے میں) کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ حائضہ یا جنبی نہ ہو۔ و نیز حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ مل کر ایک ہی برتن سے غُسل کیا کرتے تھے۔ حتّٰی کہ آپ فرماتے "میرے لیے پانی رہنے دیجیے"۔ اور حضرت عائشہؓ کہتیں "میرے لیے پانی باقی چھوڑ دیجیے"۔ یہ بات درست ہے۔ اس پانی پر "فضل" (بچا ہوا) کا اطلاق از روئے لغت اس وقت ہوگا جب پانی بچ جائے اُس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

لہ دارقطنی (ص ۴۳) نے اس حدیث کو بطریق ابی حاتم الرازی اور معلّٰی بن اسد اسی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے اور عورت آدمی کے بچے ہوئے پانی سے، لیکن دونوں مل کر پانی ڈالتے جائیں۔ یہ سند اس سند کی نسبت صحیح تر ہے جس سے اس حدیث کو ابنِ حزمؒ نے روایت کیا ہے۔ بیہقی (ج ۱ ص ۱۹۲) نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔ اس کے بعد دارقطنی اور بیہقی نے عبداللہ بن سرجس سے ایک موقوف روایت بیان کی ہے جس کا مفہوم یہی ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخالفین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث سے احتجاج کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دارقطنی کہتے ہیں یہ موقوف مگر صحیح روایت ہے اور یہی اولیٰ بالصواب ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کو مرفوعاً روایت کرنا صحیح نہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرنا ایک اضافہ ہے جو ایک ثقہ راوی سے قابلِ قبول ہے۔ موقوف روایت صحابی کا فتوی ہے جس کی تائید اس کی مرفوع روایت کرتی ہے لہٰذا اس کے مُعارض نہیں ہے۔

ابن الترکمانی الرد علی البیھقی میں لکھتے ہیں :۔

"بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے عبدالعزیز بن المختار سے روایت کی ہے۔ محدث ابن معین، ابو حاتم اور ابوزرعہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ لہٰذا جس نے اس کو موقوف قرار دیا اُس سے حدیث کو نقصان نہیں پہنچتا۔ اس کا ایک صحیح شاہد بھی ہے جس کو احمد، ابوداؤد، نسائی اور بیہقی نے حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں مَیں ایک شخص سے ملا جو حضورِ اکرمؐ کی صُحبت میں ابوہریرہ کی طرح چار سال رہا تھا۔ اس نے کہا کہ رسولِ اکرمؐ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص ہر روز کنگھی کرے یا اپنے غسل خانے میں پیشاب کرے یا یہ کہ آدمی عورت کے بچے ہوئے پانی سے اور عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غُسل کرے۔ چاہیے کہ دونوں (مرد و عورت) چُلّو بھر بھر کر غُسل کریں۔ یہ بیہقی کے الفاظ ہیں" (ابوداؤد اور نسائی نے کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے)

حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۱، ص ۲۶۰ پر رقمطراز ہیں :۔

"اس حدیث کے رُواۃ و رجال ثقہ ہیں۔ جو شخص اس حدیث کو معلول قرار دیتا ہے اس کے پاس کوئی قوی دلیل موجود نہیں۔ بیہقی کا یہ دعویٰ کہ یہ حدیث مُرسل کی مانند ہے درست نہیں۔ اس لیے کہ صحابی کا ابہام ضرر رساں نہیں ہوتا اور تابعی نے صحابی سے ملاقات کی صراحت کی ہے۔"

حافظ اور ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کرنے والا داؤد بن یزید اودی ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔ یہ مردود دعویٰ ہے اس لیے کہ وہ راوی داؤد بن عبداللہ اودی ہے اور وہ ثقہ ہے داؤد کے باپ کا نام ابوداؤد وغیرہ نے صراحۃً بیان کیا ہے اور حافظ نے "بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام" جو ان کی تصنیف ہے اس میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ ابن حجر نے ابن حزم سے جو بات نقل کی ہے وہ المحلیٰ میں نہیں شاید کسی اور کتاب میں موجود ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۸- [جس کو ہم نے بطریق عبدالرزاق از ثوری از سماک بن حرب از عکرمہ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ] اُمّ المومنین میں سے کسی نے جُنبی ہونے کی بنا پر غُسل کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اُن کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا۔ انھوں نے کہا: "میں نے اس پانی سے غُسل کیا تھا" آپ نے فرمایا، "کوئی چیز پانی کو ناپاک نہیں کرتی"۔[1]

مخالفین کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۱۸۹- [ہم نے بطریق طہرانی از عبدالرزاق از ابن جریج از عمرو بن دینار از ابوالشعثاء روایت کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے بچے ہوئے پانی سے غُسل فرمایا کرتے تھے (مختصر) ابن حزم کہتے ہیں کہ حدیث کے نفس مضمون میں مختصر کا لفظ موجود ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ دونوں حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ پہلی حدیث کا راوی سماک بن حرب ہے جس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جیسا کہ شُعبہ اور دیگر رواۃِ حدیث اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ اور یہ جرح بہت نمایاں ہے۔[2] دوسری

---

[1] سفیان ثوری کی روایت کو دارمی (ص ۱۷) نے نقل کیا ہے مگر اس کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ علاوہ ازیں دارمی نے اس کو یزید بن عطاء سے بھی روایت کیا ہے۔ ابوداؤد (ج ۱، ص ۲۶) اور ترمذی (ج ۱، ص ۱۵) نے اس کو ابوالاحوص سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی (ص ۱۹) نے اس کو شریک سے اور حاکم (ج ۱ ص ۱۵۹) نے سفیان اور شعبہ سے روایت کیا ہے۔ یہ سب راوی اس حدیث کو سماک بن حرب سے اور وہ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابوداؤد اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ "پانی جُنبی نہیں ہوتا" حدیث جن الفاظ کے ساتھ یہاں بیان کی گئی ہے اس کو حاکم نے سفیان سے نقل کیا ہے۔ بیہقی نے (ج ۱، ص ۱۸۸) اس کو بطریق سُفیان از سماک بدیں الفاظ نقل کیا ہے کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک بیوی کے یہاں تشریف لے گئے۔ انھوں نے غُسل کیا تھا اور کچھ پانی بچ گیا تو حضورؐ نے اس پانی کے ساتھ وضو کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اس پانی سے غسل جنابت کیا تھا۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا "بے شک پانی ناپاک نہیں ہوتا"۔

[2] حافظ ابن حجر فتح الباری (ج ۱، ص ۲۶۰) میں رقم طراز ہیں:-

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث ہیں طہرانی سے یقیناً خطا سرزد ہوئی ہے۔

۱۹۰- [کیونکہ ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسحاق بن راہویہ و محمد بن حاتم از محمد بن بکر از ابن جریج از عمرو بن دینار بیان کیا کہ عمرو نے کہا میرا گمان غالب ہے کہ ابوالشعثاء نے بیان کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ غسل فرمایا کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم کتاب الطہارۃ)

ابنِ حزم کہتے ہیں کہ ثابت ہوا کہ عمرو بن دینار کو اس حدیث کے روایت کرنے میں شک گزرا ہے اور اُن کو اس حدیث کی سند کا یقین نہیں اور یہ لوگ طہرانی کی نسبت ثقہ تر اور ان سے بڑے حافظِ حدیث ہیں۔

مزید براں اگر ان دونوں حدیثوں کی صحت ثابت ہو بھی جائے اور ان میں کوئی کسر باقی نہ رہے تو بھی یہ حجّت نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کا یہ عمل اس وقت تھا جب آپ نے آدمی کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے غُسل یا وضو کرنے سے روکا نہ تھا۔ ہم کامل وثوق سے کہتے ہیں کہ ان دونوں احادیث کا حکم حتمی طور پر منسوخ ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہوئی تو ان احادیثِ منسوخہ سے اخذو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بعض محدثین نے اس حدیث کو سماک کی بنا پر مُعلول قرار دیا ہے جو اس حدیث کو عکرمہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ سماک کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ مگر اس حدیث کو سماک سے شعبہ نے روایت کیا ہے جو اپنے شیوخ واساتذہ سے صرف احادیث صحیحہ روایت کرتے ہیں۔

لہ طہرانی بکسر الطاء واسکان الراء طہران کی جانب منسوب ہے جو رَنّے کے قریب ایک بستی تھی۔ طہرانی حافظ کبیر اور ثقہ راوی تھے۔ نام ابوعبداللہ محمد بن حماد الرازی نزیل عسقلان ہے۔ ابن ابی حاتم، ابنِ خراش، دارقطنی اور دیگر محدثین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ۲۷۱ھ میں وفات پائی۔ محدث ذہبی نے ابنِ حزم کی تردید کی ہے۔ جس کو ابنِ حجر نے نقل کیا ہے۔ طہرانی کے ترجمہ وتعارف کے لیے دیکھیے (التہذیب ج ۹ ص ۱۲۴-۱۲۶) انساب السمعانی (ص ۳۷۴) معجم البلدان (ج ۶ ص ۴۷) تذکرۃ الحفاظ (ج ۲ ص ۱۶۸)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احتجاج اور ناسخ کو ترک کرنا کسی طرح درست نہیں۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ منسوخ کا حکم لوٹ کر پھر آگیا ہے اور ناسخ باطل ٹھہرا ہے وہ کاذب اور مفتری ہے۔ اس لیے کہ یہ بات ممتنع اور محال ہے کہ ایسی بات ہوئی ہو اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان نہ کیا ہو حالانکہ تبیین و توضیح آپ پر فرض ہے۔ و باللہ التوفیق۔

علاوہ ازیں امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ جو ان دونوں حدیثوں سے احتجاج کرتے ہیں ان میں سے ایک حدیث کے الفاظ پر عمل نہیں کرتے۔ وہ الفاظ یہ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "پانی ناپاک نہیں ہوتا" اور یہ بہت بڑی بات ہے کہ ایک حدیث کو حجت سمجھ کر اس سے احتجاج کیا جائے۔ مگر اسی حدیث کے ایک جزو کی خلاف ورزی کی جائے۔ وباللہ التوفیق۔

ہم نے حضرت علی و عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مضمون پر مشتمل حدیث روایت کی ہے کہ آدمی عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر سکتا ہے، مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت میں عَرزمی اُمّ کلثوم سے روایت کرتا ہے۔ حالانکہ عَرزمی ضعیف راوی ہے اور اُمّ کلثوم مجہول راویہ ہے۔ معلوم نہیں وہ کون ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کردہ حدیث ابن ضُمیرہ[1] سے مروی ہے اور وہ اپنے والد سے اور وہ اُن کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ایک موضوع اور جھوٹی روایت ہے جس سے ایک جاہل آدمی ہی احتجاج کر سکتا ہے۔ صرف وہ احادیث باقی رہیں جن کو ابنِ سرجس اور دیگر صحابہ روایت کرتے ہیں اور جن کے خلاف دوسری کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔

۱۵۲۔ مغصوب پانی کے ساتھ وضو کا حکم

اس پانی کے ساتھ وضو اور غسل جائز نہیں جو ناحق کسی سے لیا گیا ہو۔ اور نہ ہی اس پانی کے ساتھ جو غصب کردہ برتن میں موجود ہو۔ اِلّا یہ کہ برتن یا پانی کا مالک اس کی اجازت دے۔ جو شخص ایسا کرے

---

[1] ابن ضُمیرہ کا نام حسین بن عبداللہ بن ضُمیرہ ابن ابی ضُمیرہ حمیری مَدَنی ہے۔ امام مالک، ابو حاتم اور ابن الجارود نے اس کو جھوٹا راوی قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۸۹)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اس پر وضو اور غُسل کا اِعادہ لازم ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۱۹۱۔ [ہم نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از مسدد از بشر بن عمر از عبداللہ بن عون از محمد بن سیرین روایت کیا کہ] عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے (پھر طویل حدیث بیان کی جس میں آپ نے فرمایا) بے شک تمھارے خون، مال اور آبرو تمھارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن کی حرمت، اس مہینہ میں، تمھارے اس شہر میں۔ جو شخص حاضر ہو وہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ ممکن ہے جس کو وہ پہنچائے وہ اُس سے زیادہ اس بات کو یاد رکھنے والا ہو۔" (بخاری کتاب العلم، الحج، الاضاحی، التفسیر، بدء الخلق، المغازی، الفتن، التوحید۔ مسلم الحدود، نسائی کتاب المناسک والعلم فی الکبریٰ)

ہم نے اس حدیث کو بطریق جابرؓ بن عبداللہ و ابن عمرؓ مرفوعًا روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا: "ایک مسلمان کا خون، آبرو اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔"

بنا بریں جو شخص مغصوب پانی یا مغصوب برتن کے ساتھ وضو یا غسل کرے تو اہلِ اسلام کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اس پانی یا برتن سے وضو اور غُسل حرام ہے۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے جس کو ہر سلیم العقل انسان جانتا ہے کہ جو چیز حرام اور ممنوع ہوتی ہے وہ فرض یا واجب سے الگ ہوتی ہے جب یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے تو جس شخص نے اس پانی سے وضو کیا گویا اس نے وہ وضو کیا ہی نہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا تھا۔ اور جس وضو کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔ بخلاف ازیں یہ حرام وضو ہے اور اس پانی سے غُسل یا وضو کرنے والا اللہ کا نافرمان ہے۔ اور نماز اس وضو اور غُسل کے بغیر جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کفایت نہیں کرتی۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔

ہم اپنے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ جس شخص پر مسکینوں کو کھانا کھلانے کا کفّارہ ہوا اور وہ ان کو کسی کا مال کھلا دے، یا کسی کے ذمّہ چند دن کے روزے ہوں اور وہ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے روزے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھے، یا کسی کے ذمّہ غلام کو آزاد کرنا ہو اور وہ کسی دوسرے کی لونڈی کو آزاد کر دے، تو کیا اس کے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی؟ وہ اس کے جواب میں کہیں گے "نہیں" تو ہم اُن کو کہیں گے کہ پھر تم اس کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہو؟ اور مغصوب برتن اور پانی کے ساتھ وضو اور غسل کی اجازت دیتے ہو؟

حالانکہ ان سب پر یہ کام اپنے اپنے مال سے ادا کرنا فرض تھا، اور دوسرے کے مال سے حرام تھا۔ تم خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہو اور اس گرفت سے مخلصی تمھارے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ ان سب مسائل کا حکم ایک ہے۔ یہ سب مسائل حرمتِ اموال اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کے تحت داخل ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ مردود ہے۔ اور یہ سب معاملات ایسے ہیں جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا۔ اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق رد کیے جانے کے لائق ہیں۔ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے گندم اور کھجور حرام ہیں اور جَو اور منقّٰی حرام نہیں ہیں۔ یہ ناروا قسم کا تحکّم ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص مستعمل پانی کے ساتھ وضو کرے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص ایسے پانی کے ساتھ وضو کرے جس میں روٹی بھگوئی ہو تو اس کا وضو نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں۔ اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں بجز اس مغالطے کے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے پانی سے منع کیا ہے۔ دوسری جانب ان کی یہ حالت ہے کہ ایسے پانی اور برتن کے ساتھ وضو اور غُسل کی اجازت دیتے ہیں جس کے بارے میں انھیں خود اعتراف ہے کہ اس کے متعلق نہی وارد ہو چکی ہے، اور اس کے ساتھ وضو اور غُسل حرام ہے۔ یہ ایسی عجیب بات ہے جس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ اس پر طُرفہ یہ کہ اس مسئلہ میں انھوں نے نص، اجماعِ قطعی اور قیاس کی خلاف ورزی کی ہے جس سے وہ دوسروں کو روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ضمن میں ان کے پاس اصلاً کوئی دلیل موجود نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۵۳۔ چاندی سونے کے برتن سے وضو وغُسل جائز نہیں

چاندی سونے کے برتن سے مرد یا عورت کو وضو وغُسل کی اجازت نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۱۹۲۔ [ہم نے محمد بن سعید از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از ابنِ وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع از شعبہ از حکم بن عتیبہ از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کیا ہے کہ] حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ریشم و دیباج اور سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع کیا اور فرمایا "یہ اُن (کفار و مشرکین) کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں"۔[1] اسی طرح ہم نے براء بن عازب سے روایت کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "چاندی کے برتنوں سے منع فرمایا"۔[2]

اگر کہا جائے کہ سونے چاندی کے برتنوں میں صرف کھانے پینے کی ممانعت ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ان دونوں حدیثوں میں نہی عام ہے۔ یعنی ان دونوں حدیثوں میں ایک زائد شرعی حکم بیان کیا گیا ہے جو ان احادیث میں نہیں جن میں صرف کھانے پینے سے منع کیا گیا ہے۔ اور حکم میں جو اضافہ ہو اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ احادیث میں تو صرف یہ مذکور ہے کہ "سونا اور ریشم میری اُمت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے"۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے یہ ٹھیک ہے، مگر جس حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہی عورتوں کے لیے بھی ہے۔ اس طرح دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جائے گا۔ ہمارے مخالفین بھی خواتین کو سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینے سے منع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے عورتوں کو سونا پہننے کی جو اجازت دی تھی یہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

اگر معترض کہے کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ "برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرسکتا"۔[3] ہم

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ، الاشربہ، اللباس۔ صحیح مسلم کتاب اللباس۔ ابوداؤد، ترمذی کتاب الاشربہ۔ نسائی کتاب الزینہ۔ ابن ماجہ کتاب الاشربہ و کتاب اللباس۔

[2] بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔

[3] نیل الاوطار ج ۹ ص ۶۹۔ طبع منیریہ۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہیں گے جی ہاں! یہ درست ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ سونے چاندی کے برتن میں جو پانی ہے وہ حلال ہے اور اس کے ساتھ وضو جائز ہے۔ البتہ جو چیز حرام ہے وہ برتن کا استعمال ہے۔ چونکہ اس میں پینے اور اس سے وضو کرنے میں برتن کو استعمال کرنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ اس لیے اس برتن کو استعمال کرنے والا گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے اور جب وہ اس برتن سے وضو یا غسل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ معصیت عبادت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی اور نہ ہی حرام طہارت فرضی تطہیر کی جگہ لینے کے قابل ہے۔ پھر ہم مخالفین سے کہیں گے حیرت ہے کہ تم اس حدیث سے ہمارے خلاف احتجاج کرتے ہو۔ حالانکہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں مگر تم اس کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ دیکھیے امام ابو حنیفہ اور شافعی اُس پانی کے ساتھ وضو اور غُسل کو حرام قرار دیتے ہیں جو ایسے برتن میں پڑا ہو جس میں شراب تھی۔ مگر شراب کا کوئی اثر پانی میں ظاہر نہیں ہوا۔ مذکورہ حدیث کے عین برخلاف ہے۔ گویا یہ برتن ان کے نزدیک پانی کی حرمت کا موجب بنا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں جو نبیذ کدو کے برتن یا رال سے طلا شدہ برتن کے اندر ہو وہ حرام ہے۔ اس طرح انھوں نے اس حدیث کو باطل ٹھہرایا۔ حالانکہ یہ حدیث اسی ضمن میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ حدیث صحیح مروی ہے جس میں زیور کو عورتوں کے لیے مباح ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اس برتن کو حرام قرار دیا گیا ہے جو چاندی سے بنا ہو یا اُس پر چاندی کی پالش کی گئی ہو۔ وباللہ التوفیق۔

۱۵۴۔ ارضِ ثمود کے کنوؤں سے وضو کی ممانعت

ارضِ ثمود کے کنوؤں سے پانی پینا اور وضو کرنا جائز نہیں۔ بجز اُس کنوئیں کے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی۔ کہ اُس سے یہ سب کچھ جائز ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو

۱۹۳۔ [ہم نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از محمد بن مسکین از یحییٰ بن حسان از سلیمان از عبداللہ بن دینار روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کے مقام پر پڑاؤ کیا تو صحابہؓ کو مامور فرمایا کہ یہاں کے کنوئیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نہ خود پانی پئیں نہ اپنے چوپایوں کو پلائیں۔ صحابہؓ نے عرض کی ہم نے اس پانی سے آٹا گوندھا اور اپنی سواریوں کو پلایا ہے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اس آٹے کو پھینک دیں اور پانی کو ضائع کر دیں۔ (بخاری کتاب الانبیاء)

۱۹۴۔ [اور ہم نے بسند سابقہ تا بخاری از ابراہیم بن منذر از انس بن عیاض از عبید اللہ بن عمر از نافع روایت کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ثمود کی سرزمین حجر میں پڑاؤ کیا اور اپنی سواریوں کو پانی پلایا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی انڈیل دیں اور آٹا اپنے اونٹوں کو کھلا دیں۔ آپؐ نے فرمایا اُس کنویں سے پانی پی سکتے ہو جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی (بخاری کتاب الانبیاء۔ مسلم کتاب الزہد)

ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ وہ کنواں تبوک میں معروف ہے۔

۱۵۵۔ عرق سے وضو جائز نہیں

ہر وہ پانی جو کسی پودے سے نچوڑا گیا ہو مثلاً عرق گلاب وغیرہ اس سے وضو یا غسل کر کے فرض ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے وہ پانی نہیں اور طہارت پانی کے ساتھ ہوتی ہے اور جب پانی نہ ہو تو مٹی کے ساتھ۔

۱۵۶۔ سمندری پانی کے ساتھ وضو اور غسل

سمندری پانی کے ساتھ وضو اور غسل کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اسی طرح گرم پانی کے ساتھ اور اس پانی کے ساتھ جسے دھوپ میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو یا برف اور اولے پگھل کر بنا ہو یا اس نمک سے بنا ہو جو دراصل پانی تھا اور معدنی نمک نہ تھا وضو اور غسل جائز ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا سب پانی کی قسمیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو"۔ نمک پہلے پانی تھا پھر برف کی طرح جم گیا۔ اب اس پر پانی کا اطلاق نہیں کیا جاتا لہٰذا فرائض کی ادائیگی کے لیے اس کے ساتھ وضو اور غسل جائز نہیں۔ جب نمک پگھل کر پانی بن گیا تو پھر اس پر پانی کا اطلاق ہونے لگا لہٰذا وضو اور غُسل کا حکم بھی دوبارہ لوٹ آیا۔ البتہ معدنی نمک کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ کسی حالت میں بھی پانی نہ تھا۔ وباللہ التوفیق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض مسائل میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آتا ہے۔ صحابہ میں سے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سمندری پانی سے وضو جائز نہیں۔ جو شخص اقوالِ صحابہ کی تقلید کرتا ہے اور جب ان کی بات اس کے موقف سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ ایسی باتوں میں قیاس جائز نہیں۔ تو اسے چاہیے کہ اس مسئلہ میں اُن کا ہمنوا ہو۔ اسی طرح جو شخص علی العموم پانی کی طہارت کا قائل نہیں اسے بھی صحابہ کا یہ موقف اختیار کر لینا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ حدیث ـــــ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے ـــــ صحیح نہیں[1]۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس سے احتجاج نہیں کیا۔ مجاہد گرم پانی کے ساتھ وضو کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک دھوپ سے گرم شدہ پانی کے ساتھ وضو مکروہ ہے[2]۔ مگر یہ سب بے معنی باتیں ہیں۔ دلیل صرف قرآن کریم، حدیث صحیح اور یقینی اجماع ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۵۷۔ وہ امور جن سے وضو واجب ہوتا ہے

اہل علم کا بیان ہے کہ چند باتیں ایسی ہیں جن سے وضو واجب ہوجاتا ہے اور دوسری باتوں سے

---

[1] ابن حزم کی بات درست نہیں۔ یہ صحیح حدیث ہے جس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اس کو المستدرک میں نقل کیا ہے۔ امام بخاری اور اکثر علماء و حفاظ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے التلخیص ص ۲، ۳ اور شوکانی نے نیل الاوطار ج ا ص ۱۷، ۱۹ میں اس کی اسانید پر طویل بحث کی ہے۔ اس کو ضعیف قرار دینے والے کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں۔

[2] دھوپ سے گرم شدہ پانی کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف حدیث وارد نہیں ہوئی (البیہقی ج ا ص ۶، ۷) البتہ حضرت عمرؓ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ جس کی سند پر کوئی نقد و جرح نہیں کی گئی۔ امام شافعی چونکہ طبیب تھے اس لیے طبی لحاظ سے آپ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ موصوف اپنی کتاب الاُم ج ا ص ۳ میں رقمطراز ہیں۔ دھوپ میں گرم شدہ پانی کو میں طبی لحاظ سے ناپسند کرتا ہوں۔ حیرانی ہے کہ شافعیہ نے اس کو شرعاً مکروہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں طبیب سے بعض اوقات غلطی بھی صادر ہوجاتی ہے۔ الاُم میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ اس کو طبی اعتبار سے مکروہ کہتے ہیں۔ انھوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ کسی حدیث پر اعتماد کر کے اسے مکروہ ٹھہرایا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب نہیں ہوتا۔ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک عقل کے رخصت ہونے سے وضو واجب ٹھہرتا ہے۔ خواہ عقل کسی چیز سے ضائع ہو جائے۔ مثلاً جنون یا بے ہوشی یا کسی نشہ کی بنا پر۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر یقیناً اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جس کی عقل جاتی رہے وہ خطاب کا اہل نہیں رہتا۔ اور جب صورت حال یہ ہوئی تو اس کی طہارت بھی رخصت ہوئی۔ اور اگر اس بات پر اجماع منعقد نہ ہو گیا ہوتا کہ اس پر جنابت کا حکم عائد نہیں ہوتا تو یہ حکم بھی عائد ہو جاتا۔ وباللہ التوفیق۔

امام ابن حزم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ان کا یہ موقف درست نہیں۔ جہاں تک اس پر انعقاد اجماع کے دعویٰ کا تعلق ہے وہ باطل ہے۔ اس ضمن میں ہمیں صحابہ سے ایک لفظ تک نہیں پہنچا۔ باقی رہے تابعین تو ان میں سے تین حضرات کے اقوال ہم تک پہنچے ہیں۔ ایک تو ابراہیم نخعی ہیں، اگرچہ جو سند ان تک پہنچتی ہے وہ نہایت ضعیف ہے۔ دوسرے حمّاد اور تیسرے حسن بصری۔ دو سے وضو کی روایت کی گئی ہے اور تیسرے سے وجوب غسل کی۔ چنانچہ ہم نے بسند خود از سعید بن منصور از سوید بن سعید حدثانی از مغیرہ اور ہشیم از بعض اصحاب ابراہیم روایت کیا کہ ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ مجنون جب ہوش میں آئے تو وضو کرے۔ اسی طرح بطریق عبدالرزاق از معمر از حماد بن ابی سلیمان منقول ہے کہ مجنون جب ہوش میں آئے تو اس طرح وضو کرے جس طرح نماز کے لیے کیا جاتا ہے اور بطریق عبدالرزاق از ہشام بن حسان از حسن بصری نقل کیا گیا ہے کہ پاگل آدمی جب ہوش میں آئے تو غسل کرے۔ بتائیے پھر اجماع کہاں گیا؟

اگر مخالفین کہیں کہ ہم جنون کو نیند پر قیاس کرتے ہیں (کہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح بے ہوشی سے) تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ قیاس باطل ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ سقوط غسل کا اعتراف کر کے اس ضمن میں ہمارے ہمنوا بن گئے۔ لہٰذا سقوط وضو کو بھی سقوط غسل پر قیاس کر لینا چاہیے۔ اس طرح وضو اور غسل دونوں ساقط ہو گئے۔ گویا یہ ایسا قیاس ہے جو ان کے قیاس کے معارض ہے حقیقت یہ ہے کہ نیند، بے ہوشی، جنون اور نشے سے جداگانہ چیز ہے لہٰذا ان کو نیند پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے مخالفین اس ضمن ہمارے ہمنوا ہیں کہ مجنون کا احرام، اُس کے روزے اور دیگر عقود باطل نہیں ہوتے پھر وضو کا بلا دلیل باطل ہونا کس نص سے ثابت ہے۔ حالانکہ یہ صحیح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں نماز کے لیے باہر جانا چاہا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جب ہوش میں آئے تو غسل کیا۔ حضرت عائشہ نے وضو کا ذکر نہیں کیا۔ آپ نے غسل اس لیے فرمایا تھا تاکہ باہر جانے کی طاقت حاصل ہوجائے۔

۱۵۸۔ نیند ناقضِ وضو ہے

نیند بذاتِ خود حدث اور ناقضِ وضو ہے۔ خواہ نیند کم ہو یا زیادہ، بیٹھ کر سوئے یا کھڑا ہو کر۔ نماز کی حالت میں ہو یا اس کے بغیر، رکوع کی حالت میں ہو یا سجدہ میں، تکیہ لگائے ہو یا لیٹا ہوا۔ اس کے پاس بیٹھنے والوں کو اُس کے بے وضو ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۱۹۵۔ [ہم نے بطریق یونس بن عبداللہ و عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن عبدالاعلیٰ از خالد بن الحارث از شعبہ و احمد بن شعیب از احمد بن سلیمان از یحییٰ بن آدم از سفیان ثوری، و زہیر بن معاویہ و مالک بن مغول، و سفیان بن عیینہ، و احمد بن شعیب از قتیبہ از سفیان بن عیینہ اور ان سب نے یعنی شعبہ و ثوری و ابن عیینہ و زہیر و ابن مغول از عاصم روایت کیا کہ] زر بن حبیش روایت کرتے ہیں کہ میں نے صفوان بن عسال سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا جب ہم سفر میں ہوتے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ہم موزوں پر مسح کریں، اور بول و براز سے فارغ ہونے کے بعد تین دن تک ان کو نہ اتاریں[1]۔ صرف

---

[1] یہ روایت ترمذی کتاب الدعوات و کتاب الزہد اور ابن ماجہ کتاب الطہارۃ و کتاب الفتن میں بھی ہے۔ البتہ یہاں ابن حزم نے سنن نسائی سے مختلف سندوں کو اکٹھا بیان کر دیا ہے۔ یہ تمام اسناد کتاب الطہارۃ نسائی میں موجود ہیں۔ محمد بن عبدالاعلیٰ والی روایت "باب الوضوء من الغائط والبول" میں اور احمد بن سلیمان از یحییٰ بن آدم والی روایت "باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر" و نیز قتیبہ والی روایت بھی "باب التوقیت الخ" میں موجود ہے۔ محلّٰی کے نسخوں میں احمد بن سلیمان از یحییٰ بن آدم والی روایت سے احمد بن سلیمان کا لفظ کاتب کی غلطی سے محذوف ہوگیا ہے ہم نے سنن نسائی سے اس کی تصحیح کر دی۔ ابوالاشبال پاکستانی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنابت کی حالت میں اُتاریں۔ شعبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب ہم سفر کی حالت میں ہوتے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تین دن تک موزے نہ اُتاریں۔ نیند یا بول و براز سے فارغ ہو کر آئیں تب بھی اُتارنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ غسل جنابت کے وقت اُتار لیا کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند کا ذکر بطریق عموم کیا اور قلیل و کثیر کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اسی طرح تمام حالات حتّٰی کہ بول و براز تک کو مساوی رکھا۔ حضرت ابوہریرہؓ، ابو رافعؓ، عُروہ بن زبیر، عطاء، حسن بصری، سعید بن المسیّب، عکرمہ، زہری، مزنی اور بکثرت اہل علم اسی کے قائل ہیں۔

امام اوزاعی کا قول ہے کہ نیند کیسی بھی ہو ناقض وضو نہیں ہے اور متعدد صحابہ و تابعین کا صحیح موقف بھی یہی ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر، مکحول اور عبیدہ سلمانی وغیرہ۔ اب ہم اسناد کے ساتھ ان کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے مخالفین اس سے آگاہ نہیں ہیں۔ بعض لوگوں نے بنا بر جہالت و جسارت اس کے خلاف اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

۱۹۶۔ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عون اللہ از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبدالسلام خشنی از محمد بن بشار از یحییٰ بن سعید قطان از شعبہ از قتادہ بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور کے صحابہ نماز کا انتظار کرتے ہوئے لیٹ جاتے۔ اُن میں سے بعض سو بھی جاتے، پھر اُٹھ کر نماز پڑھنے لگتے۔

(یہ روایت بعد میں آرہی ہے حوالہ وہاں دیکھیے)

۱۹۷۔ [دوسری حدیث ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحییٰ بن حبیب حارثی از خالد بن حارث از شعبہ از قتادہ بیان کرتے ہیں کہ] حضرت انس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ سو جایا کرتے تھے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ شعبہؒ نے کہا میں نے قتادہ سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ حدیث انس سے سُنی ہے۔ کہنے لگے جی ہاں۔ اللہ کی قسم میں نے سنی ہے۔ (مسلم، ترمذی کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

"اگر ایسے اجماع کو قطعی اجماع کہا جا سکتا جہاں اس بات کا یقین نہ ہو کہ آیا کسی نے اس مسئلہ کی مخالفت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے یا نہیں، تو ایسے اجماع کو یقینی اجماع کہنا بجا اور درست ہوتا۔ نہ کہ اس قسم کا اجماع جس کے بارے میں بعض بے دین آدمی لاپرواہی سے جھوٹ مُوٹ اجماع کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں"۔

داؤد بن علی کا موقف یہ ہے کہ صرف لیٹ کر سونے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ یہ قول حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے، مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ البتہ بروایتِ صحیحہ حضرت ابن عمرؓ ابراہیم نخعی، عطاء، لیث، سُفیان ثوری اور حسن بن حیّ سے یہ قول منقول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ امام ابوحنیفہ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ ناقضِ وضو صرف وہ نیند ہے جو لیٹ کر، تکیہ لگا کر یا ایک سرین یا ایک ران کے بل ہو۔ جو نیند سجدہ یا قیام یا بیٹھ کر یا رکوع کی حالت میں ہو ــــ قطع نظر اس سے کہ طویل ہو یا مختصر ــــ ناقضِ وضو نہیں ہے۔ ابو یوسف کہتے ہیں اگر سجدہ کی حالت میں نادانستہ طور پر سو جائے تو اس کا وضو باقی ہے اور اگر دانستہ ہو تو اس کا وضو جاتا رہا بعض علماء کے نزدیک ناقضِ وضو و نماز ہونے کے اعتبار سے اس نیند میں جو دانستہ ہو اور اس میں جو آدمی پر غالب آجائے کوئی فرق نہیں۔ متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں۔ البتہ بعض لوگوں نے اس کو حمّاد بن ابی سلیمان اور الحکم سے نقل کیا ہے۔ مگر ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں نے کیا بات کہی۔

امام مالکؒ و احمد بن حنبلؒ امام مالکؒ اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں جو شخص بیٹھ کر تھوڑا سا سو جائے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح سواری کی حالت میں تھوڑا سا سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ سجدہ کی حالت میں سونے سے بھی یہی بات اُن سے منقول ہے۔ اس کے سوا کوئی حالت بھی ہو تھوڑی یا زیادہ نیند ناقضِ وضو ہے۔ امام زُہری اور رَبیعہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس سے بھی یہ قول منقول ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

امام شافعیؒ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ہر قسم کی نیند قلیل ہو یا کثیر ناقضِ وضو ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص سیدھا بیٹھ کر سو جائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ اس کی نیند طویل ہو یا مختصر۔ نیند کے بارے میں یہ تقسیم بطریقِ صحیح متقدمین میں سے کسی سے منقول نہیں۔ البتہ بعض اہلِ علم نے یہ قول طاؤس اور ابن سیرین سے نقل کیا ہے۔ مگر ہمیں اس کی صحت کے بارے میں پورا وثوق نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جو اہلِ علم نیند کو ناقضِ وضو تصور نہیں کرتے وہ اس بات سے احتجاج کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تھے اور پھر وضو کا اعادہ کیے بغیر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس دلیل سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ فرمایا "میری آنکھیں سو جاتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی حالت اس ضمن میں دوسرے لوگوں سے مختلف ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ دوسرے لوگوں کا دل جو سو جاتا ہے تو اسی قسم کی نیند ناقضِ وضو ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کا قول ساقط الاعتبار ہوا۔ وللہ الحمد۔

جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ صرف وہی نیند ناقضِ وضو ہے جو لیٹ کر ہو وہ اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "وضو صرف اس شخص پر لازم ہے جو لیٹ کر سوئے اس لیے کہ لیٹنے سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔" اور دوسری وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ کسی صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ! اندریں حالت کیا مجھ پر وضو لازم ہے؟ فرمایا "نہیں اِلّا یہ کہ تم لیٹ جاؤ۔" اور تیسری وہ حدیث جس کے الفاظ ہیں۔ "جو شخص اپنا پہلو زمین پر رکھے وہ وضو کرلے۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ان تمام احادیث سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ باری باری اب ان پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

پہلی حدیث: پہلی حدیث کو عبد السلام بن حرب ابو خالد الدالانی سے وہ قتادہ سے وہ ابو العالیہ سے اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ اور عبد السلام ضعیف اور ناقابلِ احتجاج راوی ہے۔ عبد اللہ بن مبارک اور دیگر محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے۔ مزید براں ابو خالد الدالانی ثقہ راوی نہیں ہے۔ ہم نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں۔ اور یہ حدیث ان میں شامل نہیں ہے، لہٰذا ان کا احتجاج ساقط ہوا۔ وللہ الحمد۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۰۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۴۔ ۲۰۵ و دیگر کتب حدیث۔

[2] اس حدیث کو احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ دیکھیے ابوداؤد ج ۱ ص ۸۰۔ ۸۱۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۶۔ ۱۷ (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری حدیث: باقی رہی دوسری حدیث تو اُس کی نقل و روایت ناروا ہے! اس لیے کہ وہ بحر بن کنیز السقّاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دارقطنی ۵۸۔ البیہقی ج ۱ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ یہ جملہ محدثین اس حدیث کو بطریق عبدالسلام بن حرب از ابو خالد روایت کرتے ہیں۔ بیہقی فرماتے ہیں: "اس حدیث کو بایں طور روایت کرنے میں یزید بن عبدالرحمٰن ابو خالد الدالانی منفرد ہے" دارقطنی کہتے ہیں: "ابو خالد قتادہ سے روایت کرنے میں منفرد ہے اور اس کی روایت صحیح نہیں ہے" ابو داؤد فرماتے ہیں "یہ حدیث منکر ہے۔ اس کو صرف ابو خالد قتادہ سے روایت کرتا ہے۔ اس حدیث کے ابتدائی حصّہ کو راویوں کی ایک جماعت نے ابن عباس سے نقل کیا ہے مگر یہ الفاظ نقل نہیں کیے۔ علاوہ ازیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (عام لوگوں کی طرح نہ تھے) بلکہ آپ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے آپ سے روایت کیا ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا"

شعبہ کہتے ہیں قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف چار احادیث سنی ہیں جو یہ ہیں۔ (۱) وہ حدیث جس میں حضرت یونس کا ذکر ہے۔ (۲) نماز کے بارے میں ابن عمرؓ سے منقول حدیث (۳) وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں (۴) حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث چند پسندیدہ اشخاص نے سنائی جن میں سے حضرت عمرؓ بھی ہیں۔ اور وہ میرے نزدیک پسندیدہ ترین شخص ہیں۔ ابو داؤد فرماتے ہیں میں نے یزید الدالانی سے روایت کردہ حدیث امام احمد کو سنائی تو اُنھوں نے اظہار حیرت کرتے ہوئے مجھے ڈانٹا اور فرمایا یزید الدالانی کو کیا ہو گیا ہے کہ قتادہ کی طرف بے سروپا باتیں منسوب کرتا ہے۔ امام احمد نے اس حدیث کو کچھ اہمیت نہ دی" ابو داؤد کا بیان ختم ہوا)

امام ترمذی فرماتے ہیں:-

"ابن عباسؓ کی اس روایت کو سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے اُنھوں نے ابن عباسؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے اس کی سند میں ابو العالیہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کو مرفوع کہا"

ہمارے خیال میں یہ حدیث حسن الاسناد ہے۔ اس لیے کہ عبدالسلام بن حرب ثقہ راوی ہے۔ مسلم نے اس کی مرویات کو قبول کیا ہے۔ علاوہ ازیں یزید ایسا ضعیف راوی نہیں کہ اس کی مرویات کو پرے پھینک دیا جائے۔ ابن معین، نسائی اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں "اس کی مرویات قبول کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں" ابو حاتم نے اس کو صدوق (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی روایت کردہ ہے اور وہ محدثین کے نزدیک ۔۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور ثقہ قرار دیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں "ائمہ حدیث اس کے حفظ و اتقان کی شہادت دیتے ہیں"۔ البتہ ابن سعد، ابن حبّان اور ابن عبدالبر اس کو ضعیف ٹھہراتے ہیں۔ دیکھیے التہذیب۔

زیلعی نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۵ پر ترمذی کی کتاب العلل سے نقل کرتے ہیں:۔

"میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا "یہ کچھ بھی نہیں" اس کو سعید بن ابی عروبہ نے بطریق قتادہ از ابن عباسؓ موقوفاً روایت کیا ہے۔ انھوں نے اس کی سند میں ابوالعالیہ کا ذکر نہیں کیا۔ ابوخالد کا سماع قتادہ سے ثابت نہیں۔ ابوخالد اگرچہ صادق القول راوی ہے مگر وہم کا خوگر ہے"۔

زیلعی مزید فرماتے ہیں:۔

"امام بخاری نے ملاقات کے علاوہ شاگرد کے اُستاد سے سماع کے بارے میں جو شرط لگائی ہے یہ اس کے عین مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرویات کے قبول کرنے کے بارے میں امام بخاری کی شرط معروف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک شاگرد کی استاد کے ساتھ صرف ملاقات کافی نہیں بلکہ اپنے شیخ سے اس کے سماع کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ محدثین نے امام بخاری کی اس شرط کی مخالفت کی ہے۔ ان کے نزدیک جب راوی ثقہ ہو تو شاگرد و اُستاد کا معاصر ہونا ہی کافی ہے۔ چونکہ متقدمین روایتِ حدیث میں شدید احتیاط کے خوگر ہیں اس لیے جب وہ دیکھتے ہیں کہ ایک راوی نے سند میں اضافہ کر دیا ہے یا متنِ حدیث میں کوئی لفظ بڑھا دیا ہے تو وہ ایسے راوی کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں بعض اوقات اس کی وجہ سے راوی کو مجروح بھی قرار دے دیا جاتا ہے حالانکہ وہ جرح سے پاک ہوتا ہے۔ بنا بریں ان سطور کے قاری پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس حدیث کے راوی ابوخالد کو کس لیے خطاء و تدلیس کا ہدف ٹھہرایا گیا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ثقہ راوی جب سند میں کسی راوی کا اضافہ کرتا ہے یا متنِ حدیث میں کوئی زائد لفظ لاتا ہے تو یہ اس کے حفظ و اتقان کی قوی ترین دلیل ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو بات اسے معلوم ہے دوسرا اسے نہیں جانتے یا یہ کہ دوسرے راوی جس بات کو بھول گئے ہیں وہ اسے یاد ہے۔ ثقہ راوی کے اضافہ کو اس وقت مسترد کیا جاتا ہے جب وہ اپنے سے ثقہ تر راوی کی مخالفت کرتا ہو۔ اور سب سے بڑھ کر مخالفت وہ تصور کی (باقی بر صفحہ آیندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالاتفاق ضعیف راوی ہے[1]۔ لہٰذا ان کا احتجاج ساقط ہوا۔

تیسری حدیث۔ تیسری حدیث کا راوی معاویہ بن یحییٰ ضعیف ہے اور منکر احادیث روایت کرنے کا عادی ہے۔ لہٰذا ان کا استدلال ساقط ہوا۔ وباللہ التوفیق۔

اس نظریہ کے حاملین یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس کا مضمون ہے۔

"جب بندہ سوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر کا اظہار فرماتا ہے"۔

یہ حدیث[2] "لاشی" ہے۔ اس لیے کہ مرسل ہے حسن نے اپنے شیخ کا نام نہیں بتایا۔ بشرطِ صحت اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس مسلک کے حامل دو صحیح حدیثیں اور بھی پیش کرتے ہیں۔ ایک بطریق عطاء از ابن عباسؓ منقول ہے، اور دوسری بروایت ابن جریج از نافع از عبداللہ بن عمرؓ۔ دونوں احادیث کا مضمون یہ ہے کہ رسول اکرم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جاتی ہے جس میں جمع و تطبیق کا امکان نہ ہو۔ اس قاعدہ کو ہمیشہ حرزِ جاں بنا لیجیے اس لیے کہ عللِ حدیث پر گفتگو کرتے وقت یہ بڑا مفید ثابت ہوگا"۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کی تصانیف سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس قاعدہ پر عمل کرتے ہیں۔ مگر یہاں انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی ہے جس کی وجہ ظاہر نہیں۔ والعلم عند اللہ (ابن حزم نے نظرانداز نہیں کیا بلکہ اسی قاعدے کے لحاظ سے اس روایت کو قابل وثوق نہیں سمجھا۔ سعید بن ابو عروبہ اور عبدالسلام بن حرب دونوں کا مقابلہ کر لیجیے معلوم ہو جائے گا۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

[1] اس حدیث کو بیہقی (ج ا ص ۱۲۰) نے حذیفہؓ سے روایت کیا ہے۔ بیہقی فرماتے ہیں اس حدیث کو بحر بن کنیز السقاء میمون الخیاط سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ اور بحر ضعیف راوی ہے اس کی مرویات کے ساتھ احتجاج درست نہیں۔

[2] یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی۔ معاویہ بن یحییٰ سے اگر ابو مطیع طرابلسی مراد ہے تو وہ ضعیف نہیں بلکہ ثقہ راوی ہے۔ اور اگر اس سے ابو روح الصدفی مراد ہے تو وہ نہایت ضعیف راوی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے (عشاء) کی نماز میں اس قدر تاخیر کی کہ لوگ سو کر پھر جاگے۔ پھر سو گئے اور پھر بیدار ہوئے۔ اندریں اثنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کی یا رسول اللہ! نماز ادا فرمائیے۔ چنانچہ حضورؐ نے نماز ادا کی۔ صحابہؓ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ لوگوں نے وضو کیا تھا۔[1]

ابن حزم کہتے ہیں دوسری حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ نماز (عشاء) کی تکبیر کہی گئی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے۔ حتّٰی کہ صحابہ کرام سو گئے، پھر آپ تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔[2]

تیسری حدیث بطریق عُروہ از عائشہ صدیقہؓ مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء کی ادائیگی میں تاخیر کی۔ حتّٰی کہ حضرت عمرؓ نے پکارا کہ عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔ یہ سُن کر آپؐ تشریف لائے۔[3]

امام ابن حزم فرماتے ہیں جو لوگ نیند اور سونے والے کے حالات میں تفریق کرتے ہیں ان کے لیے مذکورہ صدر احادیث میں کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ ان احادیث میں سونے والے یا نیند کی کیفیت کا ذکر نہیں کیا گیا کہ آیا وہ بیٹھ کر سوئے یا لیٹ کر یا تکیہ لگائے ہوئے یا پہلو کے بل یا ٹیک لگا کر۔ ان احادیث سے صرف وہ شخص احتجاج کر سکتا ہے جو نیند کے بعد مطلقاً وضو کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ بایں ہمہ یہ احادیث ان کے لیے اس لیے حجت نہیں کہ ان میں یہ بات مذکور نہیں کہ آیا آنحضورؐ کو اس بات کا علم تھا کہ وہ سو گئے ہیں اور اس کے باوجود آپؐ نے ان کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ اس قسم کی احادیث صرف اسی صورت میں حُجّت ہو سکتی ہیں جب کہ آپ کو کسی بات کا علم ہوا ہو اور آپؐ نے اس سے منع نہ کیا ہو۔ یا آپ نے کسی بات کا حکم دیا ہو یا آپ نے وہ کام بنفسِ نفیس انجام دیا ہو۔ اندریں صورت یہ احادیث کیونکر حجت ہو سکتی

---

[1] عبداللہ بن عمرؓ سے مروی حدیث کو بخاری، مسلم اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (شرح ابو داؤد ج ا ص ۷۹)

[2] اس حدیث کو بخاری، مسلم اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ ابو داؤد نے اس کو بطریق ثابت البنانی از انس بھی روایت کیا ہے (شرح ابو داؤد ج ا ص ۷۹، نیز ج ا ص ۲۱۴)

[3] اس کو بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے (نیل الاوطار ج ا ص ۲۱۱-۲۱۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں جب کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ دینِ اسلام اُن دِنوں صرف مدینہ میں تھا۔

بنابریں اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ رسولِ کریمؐ کو اس بات کا علم تھا (کہ صحابہ نماز سے پہلے سو گئے ہیں) تو صفوان کی روایت کردہ حدیث اس کی ناسخ ہوگی۔ اس لیے کہ صفوان متاخر الاسلام ہیں۔[1]

خلاصہ یہ کہ سابق الذکر احادیث میں سے کوئی بھی اُن کے لیے حجّت نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

ائمہ اربعہ ابو حنیفہ، شافعی، مالک اور احمد رحمہم اللہ میں سے ہر ایک نے جو موقف بھی اختیار کیا ہے اس کی کوئی دلیل و بُرہان کتاب و سنتِ صحیحہ و سقیمہ، اقوال و افعالِ صحابہ، رائے و قیاس، غرض کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ ان کے یہ مذاہب و مسالک باہم مختلف و متصادم ہیں۔ ان کے مقلدین میں سے کوئی شخص جو موقف بھی اختیار کرے گا اس کا مخالف اسی قسم کا دوسرا مسلک اختیار کر سکتا ہے۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انھوں نے جن افعالِ صحابہ سے بھی استناد کیا ہے وہ ایک رسوا کُن مغالطہ سے زیادہ نہیں۔ اس لیے کہ اُن روایات میں یہ بات مذکور نہیں کہ صحابہؓ اس طرح سوئے تھے جس طرح سونے سے اُن کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا ہمارے قول کے سوا دیگر جُملہ اقوال ہباءً منثوراً ثابت ہوئے۔ والحمد للہ ربّ العالمین۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں جہاں تک اس ضمن میں عقلی دلائل کا تعلّق ہے نیند دو حال سے خالی نہیں۔ اس کے سوا تیسری کوئی حالت نہیں۔ (۱) نیند ناقضِ وضو ہے۔ (۲) نیند ناقضِ وضو نہیں۔

---

[1] ہمیں نہیں معلوم کہ ابن حزم نے حضرت صفوان کے متاخر الاسلام ہونے کا دعویٰ کس دلیل کی بنا پر کیا ہے؟ اس لیے کہ ان کے ترجمہ و تعارف میں یہ بات کہیں نہیں ملتی۔ امام احمد نے مسند (ج ۴ ص ۲۳۹) میں عبدالصمد بن عبدالوارث سے اور ابنِ سعد نے طبقات (ج ۶ ص ۱۷) میں زِر بن حُبَیش سے نقل کیا ہے کہ میں نے صفوان بن عسال المرادی سے دریافت کیا کیا تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ کہنے لگے جی ہاں! اور میں نے بارہ غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شرکت کی۔ یہ اسناد نہایت صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوان قدیم الاسلام تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصورتِ ثانی جب ناقضِ وضو نہیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ نیند کم ہو یا زیادہ۔ حالانکہ یہ بات ان کے قول کے خلاف ہے۔ بصورتِ اوّل جب نیند ناقضِ وضو ہے تو خواہ کم ہو یا زیادہ ہر حالت میں اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نیند کے مختلف احوال میں تفریق مبنی بر خطاء و تحکم بلا دلیل ہے۔

اگر معترض کہے کہ نیند سے آدمی بے وضو نہیں ہوتا البتہ بے وضو ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں کہ اس سے تمھارا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بے وضو ہونے کا خدشہ جس طرح گہری اور طویل نیند میں ہوتا ہے اسی طرح ہلکی نیند میں بھی ہے۔ جس طرح لیٹ کر آدمی بے وضو ہو سکتا ہے اسی طرح بیٹھنے کی حالت میں بھی اس کا امکان ہے۔ بعض اوقات بیداری کی حالت میں بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حدث (بے وضو ہونا) کوئی طویل عمل نہیں بلکہ ایک لمحہ میں وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ آدمی لیٹ کر لمبی نیند سوئے اور بے وضو نہ ہو۔ بخلاف ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی بیٹھ کر تھوڑی دیر سوئے اور اس کا وضو ٹوٹ جائے۔ لہٰذا یہ اعتراض عبث محض ہے مزید براں بے وضو ہونے کا خدشہ ناقضِ وضو نہیں بلکہ وضو تب ٹوٹتا ہے جب اس کے ٹوٹ جانے کا یقین ہو۔ وباللہ التوفیق اور جب معاملہ ہماری ذکر کردہ دو حالتوں میں مضمر ہے تو تھوڑی نیند ہو یا زیادہ ہر حال میں امکان ہے کہ وضو جاتا رہے۔ یہ کیفیت مسلسل جاری ہے اور اگر خوفِ حدث نہیں ہے تو تھوڑی یا زیادہ نیند نقضِ وضو نہیں لہٰذا وہ سارے اقوال بلاشک و شبہ باطل ہوئے جو انھوں نے ذکر کیے تھے۔

اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس ضمن میں چند احادیث صحیحہ و غیر صحیحہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم بعونہ تعالیٰ ان کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں۔

ان احادیث میں سے حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتے وقت اونگھنے لگے تو چاہیے کہ سو جائے حتیٰ کہ نیند جاتی رہے۔ اس لیے کہ جب کوئی شخص اونگھنے کی حالت میں نماز ادا کرے تو بسا اوقات وہ دعائے مغفرت کرنے کے بجائے اپنے آپ کو گالیاں دینے لگتا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو بددعا دینے لگ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز کی حالت میں اونگھنے لگے تو چاہیے کہ وہ سو جائے تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ہمارے لیے حجت ہیں۔ اس لیے کہ ان میں مذکور ہے کہ اونگھنے والے کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یا کیا پڑھ رہا ہے؟ اس قسم کے جملہ احوال میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ جب اونگھنے والے کو پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو ذاہب العقل شخص تو بلاشبہ کچھ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عقل کے رخصت ہو جانے سے طہارت باطل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان کے لیے لازم ہوگا کہ وہ نیند کو بھی اسی طرح تصوّر کریں۔

ایک اور حدیث کو حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "دونوں آنکھیں دُبر کے تسمے ہیں۔ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو تسمے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں" ایک اور حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آنکھیں دُبر کے تسمے ہیں لہٰذا جو شخص سو جائے وہ وضُو کرے"۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں اگر حضرت علیؓ و معاویہؓ کی روایت کردہ دونوں احادیث صحیح ہوتیں تو ہمارے حق میں بہت بڑی دلیل کی حیثیت رکھتی تھیں۔ کیونکہ دونوں احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ نیند بلاتخصیص کسی قسم کی بھی ہو ناقضِ وضو ہے۔ قلیل و کثیر نیند میں کوئی فرق نہیں۔ مگر معاذ اللہ کہ ہم محض اپنے موقف کو تقویت دینے کے لیے ایسی احادیث سے استناد کریں جو قابلِ احتجاج ہی نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں آثار ساقط الاعتبار ہیں اور لائقِ احتجاج نہیں ہیں۔

حضرت معاویہؓ کی روایت کردہ حدیث کو بقیہؔ، ابوبکر بن ابی مریم سے اور وہ عُطیہ بن قیس سے روایت کرتے ہیں۔ بقیہؔ ضعیف راوی ہے۔ ابوبکر کاذب اور عُطیہؔ مجہُول ہے۔ حضرت علیؓ سے منقول حدیث بقیۃ الوضین

---

[1] حضرت معاویہؓ کی روایت کردہ حدیث کو امام احمد، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حضرت علیؓ سے منقول حدیث کو احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار جلد۱ ص ۲۴۱-۲۴۲)

[2] بقیہ بن ولید ضعیف نہیں ہے۔ البتہ بعض احادیث کے روایت کرنے میں سوءِ حفظ کی بنا پر اس سے (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن عطار سے روایت کرتا ہے[1]۔ یہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ و باللہ التوفیق:

۱۵۹۔ مذی اور بول و براز ناقضِ وضو ہیں

مذی، پیشاب اور پاخانہ خواہ دُبر یا ذکر کے سوراخ سے خارج ہوں یا مثانہ اور پیٹ کے زخم یا منہ اور جسم کے کسی اور حصہ سے ناقضِ وضو ہیں۔

جہاں تک مذی کا تعلق ہے ہم قبل ازیں باب تطہیر المذی میں حضور کا یہ ارشادِ گرامی نقل کر چکے ہیں کہ "جو شخص مذی کو پائے وہ اس طرح وضو کرے جیسے نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ بول و براز کے ناقضِ وضو ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ہم نے جو بات کہی ہے کہ بول و براز کہیں سے بھی خارج ہو ناقضِ وضو ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریقِ عموم ان دونوں کے خروج سے وضو کا حکم دیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خطا سرزد ہوئی ہے۔ جب سماع کی تصریح کرے تو وہ ثقہ راوی ہوتا ہے۔ ابوبکر بن ابی مریم سے ابن عبداللہ بن ابی مریم مراد ہے جو بڑے عبادت گزار اور بہترین شامی راویوں میں سے تھے۔ البتہ ان کا حافظہ خراب تھا۔ اور وہ کثیر الوہم تھے۔ اس لیے ان کی مرویات متروک ہیں۔ مگر کسی محدث نے ان کو متہم بالکذب قرار نہیں دیا جہاں تک عطیہ بن قیس کا تعلق ہے وہ مجہول راوی نہیں ہے۔ ممکن ہے ابنِ حزم اس کو نہ جانتے ہوں اور ان کے نہ جاننے سے اس کی شان میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ ابن سعد کہتے ہیں "عطیہ معروف راوی ہے اور اس نے متعدد احادیث روایت کی ہیں"۔ ابو حاتم نے اس کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن حبّان اس کو ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں مسلم نے اپنی صحیح میں اس کی روایات کو قبول کیا ہے۔ ۱۲۱ھ میں بعمر ۱۰۴ سال وفات پائی۔

[1] الوضین کو امام احمد، ابن معین اور دُحیم نے ثقہ راوی قرار دیا ہے۔ ابوداؤد اس کو صالح الحدیث قرار دیتے ہیں۔ بعض محدثین نے اس کو اس لیے ضعیف کہا ہے کہ وہ قدریہ میں سے تھا۔ حالانکہ اس بنا پر کسی راوی کو ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ السّاجی کہتے ہیں اس نے صرف ایک منکر حدیث روایت کی ہے اور وہ حضرت علیؓ سے منقول روایت ہے۔ السّاجی کا قول ہے کہ ابوداؤد نے مذکورہ حدیث کو السنن میں شامل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۸۱، ۸۲) اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہونے کی بنا پر حسن کے درجہ کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ نہیں فرمایا کہ دونوں اپنی اصلی جگہ سے نکلیں تو وضو ضروری ہے۔ حضورؐ نے ہم سے جس زبان میں خطاب کیا ہے اس میں ان دونوں لفظوں (بول و براز) کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ کسی جگہ سے خارج ہوں۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب و تلامذہ اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

جن لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر بول و براز اپنی اصلی جگہ کے بجائے کسی اور راستہ سے خارج ہوں تو وہ ناقضِ وضو نہیں ہیں، ان کے پاس کتاب و سنّت، اجماع و قیاس یا اقوال صحابہ میں سے کوئی دلیل بھی موجود نہیں۔ بخلاف ازیں قرآن عزیز ہمارے موقف کا مؤید ہے۔ قرآن میں فرمایا۔

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً (المائدۃ ۶)

(یا کوئی تم میں سے بیت الخلا ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمھیں پانی نہ مل سکا ہو)

حالانکہ بول و براز بعض اوقات دوسرے راستوں سے بھی خارج ہوتا ہے۔ وضو اور تیمم کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے کسی راستہ یا کسی حالت کی تخصیص نہیں فرمائی۔ وباللہ التوفیق۔

۱۶۰۔ دُبر سے ہوا کا خروج ناقضِ وضو ہے

ہوا جو بطورِ خاص دُبر سے خارج ہو ناقضِ وضو ہے خواہ آواز کے ساتھ خارج ہو یا بلا آواز۔ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ گوز مارنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ کا اطلاق اسی ہوا پر کیا جاتا ہے جب دُبر سے خارج ہو ورنہ دوسری ہوا کو ڈکار یا چھینک کہا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۶۱۔ جو شخص بول و براز وغیرہ سے مغلوب ہو

جس شخص پر ان میں سے کسی چیز کا غلبہ ہو جائے تو وضو کرے۔ ہر فرضی یا نفلی نماز کے لیے وضو لازم ہے۔ بعد ازاں اگر حالتِ نماز میں یا وضو اور نماز کے درمیان ان میں سے کوئی چیز خارج ہو تو وضو ضروری نہیں ہے۔ صرف وہ وضو اس کے لیے کافی ہو گا جو نماز کے اوقات سے قریب تر ہو۔ ایسے شخص کے لیے جس پر ان میں سے کسی چیز کا غلبہ ہو لازم ہے کہ جو بول و براز یا مذی اس سے خارج ہو اس کو حسبِ استطاعت دھو ڈالے۔ بشرطیکہ دھونا اس کے لیے ممکن ہو اور باعثِ حرج نہ ہو اور اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا دھونا تنگی و تکلیف کا موجب ہو تو اسے دھونا ضروری نہیں۔

اس کی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو آغازِ کتاب میں ہم نے قیاس کا ابطال کرتے ہوئے تحریر کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جب میں تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو تا بحدِ امکان اس کی تعمیل کیجیے"۔ نیز مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ:۔

۱۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج - ۷۸)

(تم پر دین کے معاملہ میں تنگی نہیں کی)

۲۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۵۸)

(اللہ تمھاری آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا)

ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ہر شخص نماز کا مامور ہے اور نماز کی ادائیگی کے لیے بے وضو ہونے کی بنا پر اسے وضو کی ضرورت ہے۔ اور مذکورہ صدر جملہ امور نقضِ وضو کے موجبات ہیں لہٰذا اُس پر واجب ہے کہ استطاعتِ بشری کی حد تک جب تک اسے تنگی و تکلیف کا احساس نہ ہو اس حکم کی تعمیل کرے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شخص وضو اور نماز پر قادر ہے اور ایسا کرنے میں اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ شخص لازماً وضو اور نماز کی پابندی کرے۔ بخلاف جو چیز نماز کی حالت میں یا وضو اور نماز کے درمیان اس سے خارج ہوتی ہے وہ اس کے روکنے پر قادر نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس سے ساقط ہے۔ اور جو چیز اس حالت میں اس سے خارج ہوتی ہے اس کا دھونا بھی اس کے لیے حرج و مشقت کا باعث ہے لہٰذا وہ بھی غیر ضروری ہے۔ ابنِ حزم کہتے ہیں سفیان ثوری اور اصحابِ ظاہر کا زاویۂ نگاہ یہی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں ایسے لوگ جو بول و براز کو روکنے پر قادر نہ ہوں ہر نماز کے لیے وضو کریں۔ اُن کا یہ وضو دوسری نماز کے وقت تک باقی رہے گا۔ جب نماز کا وقت آجائے تو وضو کر کے نماز ادا کریں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں اس حالت میں وضو ضروری نہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں ایسا شخص ہر فرضی نماز کے لیے وضو کرے۔ پھر اس وضو کے ساتھ جو نوافل چاہے ادا کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم فرماتے ہیں ائمہ ثلاثہ نے یہ بات مستحاضہ پر قیاس کرتے ہوئے کہی ہے۔ یوں تو قیاس کی ہر قسم باطل ہے تاہم اگر قیاس حق بھی ہوتا تو اس مسئلہ میں جو قیاس کیا گیا ہے وہ لازماً باطل ہوتا۔ اس لیے کہ مستحاضہ کے بارے میں جو بات شرعاً ثابت ہے وہ اس طرح نہیں جیسے ان ائمہ نے کہی ہے۔ بخلاف ازیں صحیح بات وہ ہے جو ہم باب المستحاضہ میں بیان کریں گے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر فرضی نماز کے لیے غسل واجب ہے۔ یا یہ کہ ظہر و عصر کو جمع کر کے ایک غسل کر لیا جائے۔ پھر مغرب و عشا کے لیے ایک غُسل، اور نماز فجر کے لیے ایک غُسل۔ اس میں شبہ نہیں کہ کسی نماز کے وقت کا شروع ہو جانا نقضِ وضو کا باعث نہیں۔ اور جب یہ بات درست ہے تو جو طہارت قبل ازیں کسی شخص کو حاصل ہو چکی ہے (محض دخولِ وقت سے) بلا نصّ شرعی کیسے زائل ہو جائے گی؟ امام مالکؒ نے جو وضو کو ساقط قرار دیا ہے مبنی بر خطا ہے۔ اس لیے کہ وضو اجماع اور نصوصِ ثابتہ کی بنا پر واجب ہے۔

اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے ان روایات سے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جو حضرت عمرؓ اور سعید المسیب سے مذی کے بارے میں منقول ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں منبر پر ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ میری ران پر مذی ٹپک رہی ہے مگر میں اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتا۔ سعید بن المسیب بھی حالت نماز میں اپنی یہی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں حضرات اس مرض کے مریض تھے۔

امام ابن حزم کہتے ہیں یہ دروغ بے فروغ سے زیادہ نہیں۔ ہمیں نہیں معلوم ان لوگوں کی زبان سے یہ بات کیونکر صادر ہوئی؟ اس لیے کہ نہ تو اس اثر سے اور نہ کسی اور نص سے اس کا اثبات ہوتا ہے ایسی جسارت سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور سعید بن المسیب خروجِ مذی سے وجوبِ وضو کے قائل نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ اس مسئلہ میں سنتِ رسول سے آگاہ نہ تھے جب آپ کو وہ حدیث مل گئی تو آپ وجوبِ وضو کے قائل ہو گئے۔

وہ حدیث حسب ذیل ہے:۔

۱۹۸- [ہم سے احمد بن محمد بن جسور از محمد بن ابو دلیم از ابن وضاح از ابوبکر بن ابو شیبہ از محمد بن بشر عبدی از سعد بن کدام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از مصعب بن شیبہ از ابو حبیب بن یعلی بیان کیا کہ] حضرت عبداللہؓ بن عباس اور حضرت عمرؓ حضرت اُبیؓ کے یہاں آئے۔ اُبیؓ اُن سے ملے اور کہا میں نے محسوس کیا کہ میرے جسم کو مذی لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی شرمگاہ کو دھویا اور وضو کیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر دریافت کیا۔ کیا یہ کافی ہے؟ اُبیؓ نے کہا۔ "جی ہاں"!

حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا آپ نے یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے؟ کہا جی ہاں[1]!

۱۹۹۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن اعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر وسفیان بن عیینہ از زید بن اسلم از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم میں سے کسی شخص کی شرمگاہ سے موتی جیسی (چمکدار) چیز خارج ہوتی ہے۔ جب تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز پائے تو اپنی شرمگاہ کو دھو کر وضو کرے۔ (مصنف عبدالرزاق، وموطا امام مالک)

۲۰۰۔ [اور بسند سابقہ تا عبدالرزاق از سفیان از زید بن اسلم از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عمر بن الخطاب نے مذی کے بارے میں فرمایا کہ وہ شخص اپنی شرمگاہ کو دھو کر ایسا وضو کرے جیسے نماز کے لیے کیا جاتا ہے (مصنف عبدالرزاق) یہ ہیں وہ آثار جو حضرت عمرؓ سے ثابت ہیں۔

امام شافعیؒ کا قول بھی مبنی بر خطا ہے۔ اس لیے کہ یہ بات محالات میں سے ہے کہ ایک شخص باوضو اور پاک ہو کر نفل ادا کرے۔ لیکن اگر وہ اسی وضو کے ساتھ فرائض ادا کرنے لگے تو اسے ناپاک تصوّر کیا جائے۔ یہ ایسا قول ہے جو کتاب وسنت، اجماع وقیاس اور اقوال صحابہ سے ہرگز ثابت نہیں۔ اصول میں بھی اس کی کوئی نظیر وتمثیل موجود نہیں۔ حالانکہ شافعیہ اصحاب فکر واستدلال ہونے کے مدّعی ہیں۔ یہ ہے اُن کی فکر ونظر کا سانچہ اور پیمانہ!

سابقہ بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ، مالک وشافعی کے قول کی کوئی دلیل کتاب وسنتِ صحیحہ یا سقیمہ یا اجماع وقیاس اور اقوالِ صحابہ میں موجود نہیں۔

---

[1] بحوالہ ابن ماجہ ج ا ص ۲۹ از ابو بکر بن ابی شیبہ بسندِ خود۔ ابن ماجہ کے شارح علامہ سندھی فرماتے ہیں الزوائد کے مصنف تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیث زوائد میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۶۲۔ مندرجہ صدر اُمور ناقضِ وضو ہیں

مذکورہ صدر امور ناقضِ وضو ہیں۔ خواہ اُن کا صدور عمداً ہو یا نِسیاناً یا مغلوب ہونے کی بنا پر۔ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ ماسوا اس اختلاف کے جو ہم نے بیان کیا۔ جو مسائل دلائل سے ثابت ہیں ہم نے اُن کا تذکرہ کر دیا ہے۔

۱۶۳۔ شرمگاہ کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

اگر کوئی شخص اپنے عُضوِ تناسل کو دانستہ چھوئے ــــــ خواہ اپنی ہتھیلی سے، یا ہاتھ کی بیرونی جانب سے، یا کلائی کے ساتھ ــــــ تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ البتہ ران یا پنڈلی یا اپنے پاؤں کے ساتھ چُھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر عورت اپنی فرج کو دانستہ چھوئے تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ البتہ بھول کر چُھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے عُضوِ تناسل کو چُھوئے ــــــ خواہ وہ شخص چھوٹا ہو یا بڑا، زندہ ہو یا مردہ ــــــ خواہ اپنے جسم کے کسی حصّہ کے ساتھ اسے دانستہ چُھوئے، خواہ وہ شخص اس کا قریبی رشتہ دار ہو یا نہ ہو، ان حالات میں اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر عورت کسی دوسری عورت کی فرج کو دانستہ چھوئے تو اس کا حکم بالکل یہی ہے۔ اس میں لذّت حاصل کرنے یا نہ کرنے کا سوال نہیں۔ اگر درمیان میں پتلا یا موٹا کپڑا حائل ہو، خواہ لذّت حاصل ہو یا نہ ہو، ہاتھ کے ساتھ چُھوا جائے یا کسی اور عضو کے ساتھ، دانستہ ہو یا نادانستہ، ان تمام صورتوں وضو نہیں ٹوٹتا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کسی کے مجبور کرنے سے یا بُھول کر کسی کے عُضوِ تناسل کو چُھوئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۲۰۱۔ [ہم سے حمام بن احمد از ابن مفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر از زہری بیان کیا کہ] عُروہؓ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے اور مروان کے درمیان وضو کے مسئلہ میں بحث چھڑ گئی۔ مروان نے کہا مجھے بُسرہ بنت صفوان نے بتایا کہ اُنھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا کہ آپ شرمگاہ کو چُھونے سے وضو کا حکم دے رہے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابنِ ماجہ کتاب الطہارۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اگر کہا جائے کہ اس حدیث کو زُہری بواسطہ عبداللہ بن ابی بکر ابن عمرو بن حزم عُروہؓ سے روایت کرتے ہیں (نہ کہ زُہری از عُروہ بلاواسطہ) ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ آپ کا ارشاد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سر آنکھوں پر۔ عبداللہ ثقہ راوی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ زہری نے بلا واسطہ عُروہ سے سُنا اور اس کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا ہے۔ گویا اس حدیث کو زُہری نے عُروہ سے بلا واسطہ بھی سُنا اور عبداللہ کے واسطے سے بھی سنا۔ اس طرح حدیث کو مزید تائید و تقویت حاصل ہو گئی۔

ابنِ حزم فرماتے ہیں عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف بغاوت سے قبل سے مروان میں کوئی عیب نہیں پایا جاتا۔ ظاہر ہے کہ عروہ بن زبیر کی ملاقات مروان کے ساتھ اپنے بھائی کے خلاف خروج کرنے سے پہلے ہوگی نہ کہ بعد از بغاوت۔ یہ ایسی بات ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ بُسرہ رضی اللہ عنہا ان مشہور صحابیات میں سے ہیں جو ہجرتِ مدینہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مُشرف تھیں۔ ان کا حسب و نسب بُسرہ بنت صفوان بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ ہے۔ اس طرح یہ وَرقہ بن نوفل کی بھتیجی ہوئیں[1]۔ ان کے والد اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔

اس حدیث کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے جو مذکورہ بالا تمام صورتوں پر مشتمل ہے۔ اگر آدمی کی پنڈلی، پاؤں اور اُس کی ران اس کے عضوِ تناسل سے چھُو جائے تو یہ ناقضِ وضو نہیں۔ اس لیے کہ بلا تنازع و خلاف آدمی کو حکم دیا گیا ہے کہ موٹی قمیص یا تہبند اور قمیص پہن کر نماز ادا کرے۔ اندریں صورت اس امر کا احتمال ہے کہ اس کا آلۂ تناسل حالتِ نماز میں اس کی پنڈلی، پاؤں یا ران سے چھُو جائے۔ بنا بریں منصوص علیہ اجماع کی بنا پر یہ صورتیں اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں۔

مندرجہ ذیل اصحاب آلۂ تناسل کے چھونے کو ناقضِ وضو قرار دیتے ہیں۔

---

[1] مروان بن حکم بُسرہ کی پوتی عائشہ بنت معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص کے خاوند تھے۔ عائشہ کے بطن سے عبدالملک بن مروان پیدا ہوا۔ دیکھیے طبقات ابنِ سعد۔ حاکم نے المستدرک ج ۱ ص ۱۳۸ میں مالک سے نقل کیا ہے کہ بُسرہ عبدالملک بن مروان کی نانی تھیں۔ مُصعب بن عبداللہ زبیری سے منقول ہے کہ بُسرہ معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص کی بیوی تھیں۔ اس طرح مروان بُسرہ کی بیٹی عائشہ کا خاوند ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، عطاء، عروہ، سعید بن المسیب، جابر بن زید، اَبان بن عثمان، ابن جُریج، اوزاعی، لیث، شافعی، داؤد، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ و دیگر محدثین رضی اللہ عنہم البتہ اوزاعی اور امام شافعی کہتے ہیں شرمگاہ کو چھونے سے تب وضو ٹوٹے گا جب کہ ہاتھ کی اندرونی جانب سے چھوا جائے نہ کہ ظاہری اور بیرونی طرف سے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں ران اور پنڈلی کے ساتھ شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کلائی کے ساتھ چھونا ناقضِ وضو ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

"عضو تناسل کو ہتھیلی کے اندرونی حصہ سے چھونا ناقضِ وضو ہے۔ البتہ ہاتھ کی بیرونی جانب اور کلائی کے ساتھ چھونا ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس حالت میں نماز پڑھ لے اور دوبارہ وضو نہ کرے اور نماز کا وقت باقی ہو تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نہیں"۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ:۔

"مسِ ذکر کسی حالت میں بھی ناقضِ وضو نہیں"۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر کوئی شخص اپنی دُبر کو ہاتھ لگائے یا کوئی عورت اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو اس کا وضو ٹوٹ گیا"۔

امام مالکؒ کا موقف یہ ہے کہ:۔

"دُبر یا فرج کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اِلّا یہ کہ عورت اپنی انگلی فرج میں ڈالے۔ بعض مالکیہ کہتے ہیں اگر کوئی شخص اپنے ذکر کو چھو کر لذت حاصل کرے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے"۔

امام مالکؒ، شافعی اور اوزاعی کا یہ قول بلا دلیل ہے کہ ہتھیلی کے ساتھ عضوِ تناسل کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اقوالِ صحابہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ بعض آثار میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ "جو شخص اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک پہنچائے وہ وضو کرے"۔[1]

---

[1] اس اثر کو المنتقیٰ میں بروایت ابوہریرہؓ مسند احمد کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ جس (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حزم فرماتے ہیں یہ اثر صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اس کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ "افضاء بالید" ہاتھ کی ہتھیلی اور پشت دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ہتھیلی کے ساتھ بھی چھوا جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ اثر میں افضاء کا لفظ ہے اور افضاء کے معنی پورے جسم کے ساتھ چھونے کے ہیں نہ کہ صرف ہتھیلی سے۔

قرآن کریم میں فرمایا:۔

وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ" (النساء۔۲۱) (حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو)

امام مالک مس ذکر کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وقت باقی ہو تو وہ شخص نماز کا اعادہ کرلے۔ ظاہر ہے کہ یہ متناقض بات ہے۔ اس لیے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ اس کا وضو ٹوٹا ہوگا یا نہیں۔ اگر ٹوٹ گیا ہے تو اس کے لیے نماز کا اعادہ بہرحال ضروری ہے۔ اور اگر نہیں ٹوٹا تو فرضی نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ ادا کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ نے اپنی شرمگاہ کو چھونے کے سلسلے میں مرد و عورت کے مابین جو تفریق کی ہے وہ بلا دلیل ہونے کی بنا پر ساقط الاعتبار ہے۔

امام شافعی کا یہ قول درست نہیں کہ دُبر کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے کہ دُبر کو عربی میں "فرج" نہیں کہا جاتا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ ہم دُبر کو آلۂ تناسل پر قیاس کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شخص نے اپنے ہاتھ کو اپنے آلۂ تناسل تک پہنچایا اور اس کے درمیان پردہ حائل نہیں تو وضو اس پر واجب ہوگیا" المنتقیٰ کے شارح شوکانی (نیل الاوطار ج ا ص ۲۵۱) نے اس کو صحیح ابن حبّان کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن حبّان کہتے ہیں کہ "یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کے راوی عدول ہیں۔ شوکانی نے اس کو حاکم، ابن عبد البرؒ اور طبرانی فی الصغیر کی جانب بھی منسوب کیا ہے۔ میں نے المستدرک میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نہیں پایا۔ اس میں یہ الفاظ ہیں "جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرلے"۔ حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (المستدرک ج ا ص ۱۳۸) وہ اس حدیث کو بُسرہ سے بدیں الفاظ نقل کرتے ہیں "جو شخص اپنے ذکر کو چھوئے تو وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے"۔ (ج ا ص ۱۳۶) البیہقی (ج ا ص ۱۳۲) اس حدیث کو بروایت ابوہریرہ نقل کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ امام احمد بن حنبل کی روایت کے مانند ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائلینِ قیاس کے نزدیک قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب دو حکموں کے درمیان علتِ جامعہ موجود ہو۔ اور ظاہر ہے کہ مسِ ذکر اور مسِ دُبر کے مابین ایسی کوئی علت موجود نہیں۔ اگر امام شافعی کہیں کہ ذکر اور دُبر دونوں نجاست کے مخرج ہیں (لہٰذا علتِ جامعہ موجود ہے) تو ہم جواباً کہیں گے کہ ذکر کا مخرجِ نجاست ہونا وضو ٹوٹ جانے کی علت نہیں۔ مزید براں امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں کہ نجاست کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو پھر نجاست کے مخرج کو چھونے سے کیوں کر وضو ٹوٹ جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

باقی رہے امام ابوحنیفہؒ کے وابستگانِ دامن تو انھوں نے طلق بن علی کی روایت کردہ اس حدیث سے[1] احتجاج کیا ہے جس میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس آدمی کے بارے میں پوچھا جو وضو کرنے کے بعد اپنے عضوِ تناسل کو چھو لے۔ حضورؐ نے فرمایا "وہ تو آپ کے جسم کا ایک حصہ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں"۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

"یہ صحیح حدیث ہے مگر متعدد وجوہ کی بناء پر اس حدیث سے اُن کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

وجہِ اوّل:۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشادِ گرامی اس وقت سے متعلق ہے جب آپ نے شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم نہیں دیا تھا۔ جب آپ نے وضو کا حکم دے دیا تو یہ منسوخ ٹھہرا۔ اور یہ بات کسی طرح روا نہیں کہ یقینی ناسخ کو ترک کر کے اس بات پر عمل کیا جائے جو یقیناً منسوخ ہے۔

وجہِ ثانی:۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشادِ گرامی اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ یہ وضو کا حکم دینے سے پہلے فرمایا تھا۔ اس لیے کہ اگر وضو کا حکم دینے کے بعد فرماتے تو یوں نہ کہتے بلکہ فرما دیتے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ہنوز کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا "شرمگاہ بھی دوسرے اعضاء کی مانند ہے"۔

---

[1] اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ مزید براں عمرو بن علی الفلاس، طحاوی، ابنِ حبان اور طبرانی نے اس کو صحیح ٹھہرایا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ابن حزم فرماتے ہیں بعض اہلِ علم وضو سے ہاتھ دھونا مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ اس لیے باطل ہے کہ اس تاویلِ فاسد کا ارتکاب کرنے والوں یا کسی اور نے آج تک یہ بات نہیں کہی کہ شرمگاہ کو چھونے سے ہاتھ کا دھونا واجب یا مستحب ہے۔ ان سے کہا جائے گا اگر تمھاری بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو تم اولین شخص ہو جس نے حضورؐ کے حکم کی تاویل کر کے اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ حدیثِ رسول کے ساتھ مذاق اور استخفاف والی بات ہے۔

مزید براں لفظ وضو کا اطلاق شرعًا اس وضو پر کیا جاتا ہے جو نماز ادا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس لفظ کو دوسرے معنی میں استعمال کرنے کو حضورؐ نے بُرا مانا تھا۔ جیسا کہ ہم نے بطریق سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار از سعید بن الحویرث روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ بیت الخلاء سے آئے تو کھانا پیش کیا گیا۔ کسی نے کہا کیا آپ وضو نہیں کریں گے؟ فرمایا میں نماز ادا نہیں کر رہا تاکہ وضو کروں۔ کیوں نہیں ہم نے بطریق مالک از عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم روایت کیا ہے کہ عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مروان نے اُن سے کہا مجھے بُسرۃؓ بنت صفوان نے بتایا کہ انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا "جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر کو چھوئے تو ایسے وضو کرے جیسے نماز کے لیے کیا جاتا ہے"۔[1]

امام مالکؒ کے علاوہ دیگر ثقہ راویوں نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے

۲۰۲۔ [جیسا کہ ہم سے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن مسعود از احمد بن سعید بن حزم از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن احمد

---

[1] مؤطا امام مالک بروایت یحییٰ بن یحییٰ میں وضوء للصلوٰۃ کے الفاظ موجود نہیں (موطا ص ۴۲) ممکن ہے مؤطا کے کسی اور نسخے میں یہ الفاظ موجود ہوں۔ بیہقی (ج ۱ ص ۱۲۸) نے اس حدیث کو اس اضافہ کے ساتھ بروایت یحییٰ بن بکیر از مالک روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ابنِ بکیر کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از ابوصالح الحکم بن موسیٰ از شعیب بن اسحاق از ہشام بن عروہ از پدر خود از مروان بن حکم بیان کیا کہ) بسرہؓ بنت صفوان جو حضورؐ کی صحبت سے مشرف ہو چکی تھیں فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر کو چھوئے تو وضو کیے بغیر نماز ادا نہ کرے۔" جب عُروہ نے اس کو تسلیم نہ کیا اور بُسرہ سے پوچھا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی۔[1]

امام ابن حزم فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں ابوصالح اور شُعیب دو ثقہ راوی ہیں۔ لہٰذا مروان کی بنا پر اس حدیث کو معلول نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ نیز یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ بُسرہؓ مشہور صحابیہ ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس حدیث کے مخالفین شریعتِ اسلامیہ کی خلاف ورزی اور انکارِ حدیث کی بنا پر بذاتِ خود اپنی مذمت کرتے اور اپنے آپ کو مجرم گردانتے۔ اس پر طرّہ یہ کہ انکارِ حدیث کی ان کے یہاں کوئی معقول وجہ بھی نہیں۔ یہ لوگ محض[2]

---

[1] حدیث کے یہ الفاظ کہ "وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے" زوائد مسند عبداللہ بن احمد میں نہیں ہیں۔ ممکن ہے کسی اور کتاب میں ہوں۔ اس حدیث کو حاکم نے المستدرک (ج ۱ ص ۱۳۷) میں بطریق محمد بن ابراہیم بوشنجی از حکم بن موسیٰ بدیں الفاظ روایت کیا ہے کہ "جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرلے۔" میرے خیال میں یہ کتابت کی غلطی ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کو سنن کبریٰ (ج ۱ ص ۱۲۹-۱۳۰) میں اسی سند کے ساتھ ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص اپنے ذکر کو چھوئے تو وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے۔" بیہقی نے اس حدیث کو از حکم از ابن مدینی از ابوالاسود از ہشام بن عروہ از پدر خود بروایت مروان از بُسرہؓ انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے مگر اس کی سند کا کچھ حصہ ساقط ہو گیا ہے۔ جب بیہقی کے ساتھ تقابل کیا گیا تو یہ حقیقت معلوم ہوئی۔ مزید براں بیہقی نے اس حدیث کو بطریق دارقُطنی از عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز از حکم بھی روایت کیا ہے۔ نیز حاکم اس حدیث کو بروایت عَنبسہ بن عبدالواحد از ہشام ذکر کرتے ہیں۔ یہ متعدد طُرق اس امر کی بیّن دلیل ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بالکل صحیح اور کسی شک و شبہ سے بالا ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] معلوم نہیں یہ چاروں حضرات کون بزرگ ہیں؟ یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی کون سی روایات سے مخالفین نے احتجاج کیا ہے جن کی تردید یہاں ابن حزم کر رہے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ سطور نہایت مبہم ہیں۔ والعلم عند اللہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابونصر بن مالک، عمیر، عالیہ زوجہ ابو اسحاق اور بنو کنانہ کے ایک شیخ کی مرویات کی بنا پر مذکورہ صدر حدیث کی پیروی نہیں کرتے۔ حالانکہ لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

بعض اہل علم کا قول ہے کہ مس ذکر ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اکثر لوگوں کو سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہ اس سے ناآشنا نہ ہوتے۔

ابن حزم فرماتے ہیں یہ بڑی احمقانہ بات ہے۔ دیکھیے دخول بلا انزال ایک ایسا مسئلہ ہے جو اکثر لوگوں کو پیش آتا ہے۔ اس کے باوجود اکثر صحابہ کو معلوم نہ تھا کہ اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ نکسیر پھوٹنے سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو فرض ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عام چیز ہے۔ مگر جمہور اہل علم اس سے آگاہ نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ منہ بھر کر قے آنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور تھوڑی قے آنے سے نہیں ٹوٹتا۔ یہ ایک عام سا مسئلہ ہے مگر امام ابوحنیفہ سے پہلے اولادِ آدم میں سے کسی کو بھی اس کی خبر نہ تھی۔ احناف کے یہاں ایسے لاتعداد مسائل پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے مغالطات کی بنا پر احادیث رسول کو وہی شخص ترک کرنے کی جسارت کر سکتا ہے جو رسوائے زمانہ ہو چکا ہو۔

جب چھونے میں کپڑا حائل ہو تو اس کو چھونے کا نام نہیں دیا جاتا۔ اس مسئلہ میں لذت کا تذکرہ بے کار ہے۔ کیونکہ اس ضمن میں نہ تو کوئی نص وارد ہوئی ہے اور نہ ہی اس پر اجماع قائم ہوا ہے۔ یہ دعویٰ جھوٹے ظن کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ باقی رہا بھول کر عضو تناسل کو چھونا تو اس کے بارے میں یہ آیت وارد ہوئی ہے۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب: ۵)

(اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی ہو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں مگر جو دلی ارادہ سے کرو (اس پر مواخذہ ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ ہم نے بطریق وکیع از خصیف از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا ذکر کو دانستہ ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھول کر چھونے نہیں ٹوٹتا۔[1]

۱۶۴۔ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

اونٹ کا گوشت خواہ کچا کھایا جائے یا پکا ہوا یا بھُونا ہوا، جب کہ کھانے والے کو معلوم ہو کہ یہ اونٹ یا اونٹنی کا گوشت ہے ناقضِ وضو ہے۔ اونٹ کی چربی یا کوئی اور چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، محض اُس کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر عربی زبان میں اونٹ کے پیٹ، سر یا پاؤں پر گوشت کا اطلاق کیا جاتا ہو تو اُن سب کے کھانے سے وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ اونٹ کے گوشت کے سوا دوسری کوئی چیز ایسی نہیں جو آگ پر پکائی گئی ہو اور اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جائے۔ حضرت ابو موسٰی اشعری اور جابر بن سُمرہ رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ فقہاء میں سے ابو خلیثمہ، زُہیر بن حرب، یحییٰ بن یحییٰ، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہُویہ رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل تھے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:۔

۲۰۳۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابو کامل از ابو عوانہ و مسلم از قاسم از عبیداللہ بن موسٰی از شیبان، اور ابو عوانہ و شیبان از عثمان بن عبداللہ و اشعث از جعفر بن ابو ثور بیان کیا کہ] حضرت جابر بن سُمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آیا میں بکری کا گوشت کھا کر وضو کیا کروں؟ فرمایا "اگر چاہو تو کر لو ورنہ نہیں"۔ اس نے مزید عرض کی کیا میں اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کیا کروں؟ فرمایا "ہاں! اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کر لیا کرو"۔

(مسلم و ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

---

[1] یہ اثر مجھے دیگر روایات میں کہیں نہیں ملا۔ اس کی اسناد وکیع تک بھی معروف نہیں ہے۔ اس کی سند میں خُصَیف ہے جس سے ابن عبدالرحمٰن الجزری مراد ہے۔ امام احمد بن حنبل اور دیگر محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ ثقہ راوی ہے مگر حدیث بیان کرنے میں اکثر غلطی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی ثقہ راوی اس سے روایت کرے تو اس کی روایت کے قبول کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ (اور یہاں وکیع جیسا شخص روایت کر رہا ہے جو ثقہ ہے۔)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۰۴- [ونیز ہم سے یحییٰ بن عبدالرحمن از احمد بن سعید بن حزم از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن احمد از پدر خود از عبدالرزاق از سفیان ثوری از اعمش از عبداللہ رازی از عبدالرحمن بن ابولیلی بیان کیا کہ] براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کیا کریں؟ فرمایا "ہاں!"

ابن حزم کہتے ہیں اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن عبداللہ رازی جس کی کنیت ابوجعفر ہے ثقہ راوی ہے۔ یہ مقام رَے کے قاضی تھے۔ مزید فرماتے ہیں سابقہ فصل میں ہم ان لوگوں کی تردید کر چکے ہیں جو کسی حدیث کو رد کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ اس میں عموم بلوی پایا جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ وضو سے غسل ید مراد لیتے ہیں ہم اُن کے قول کا ابطال بھی کر چکے ہیں۔ لہٰذا اب اعادہ کی حاجت نہیں۔

جو شخص اس حدیث کو ہدفِ اعتراض بناتا ہے اور ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر نماز سے باہر قہقہہ لگایا جائے تو وہ ناقض وضو نہیں ہے۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ اس حدیث کو موردِ طعن بنانے کے بجائے اپنے اس موقف کو ترک کر دے۔ یہ بات اس کے لیے اولیٰ و احسن ہے۔

جہاں تک آگ کی پکی ہوئی چیز کو کھانے سے وضو کے ٹوٹ جانے کا تعلق ہے۔ اس ضمن میں متعدد احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ ان کو روایت کرنے والوں میں ام المؤمنین حضرت عائشہ و اُمِّ حبیبہ، ابوایوب انصاری، ابوطلحہ، ابوہریرہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی شامل ہیں۔ ان تمام حضرات کا

لہ مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۲ میں یہ حدیث اسی سند کے ساتھ مذکور ہے اور خاصی طویل ہے۔ امام احمد کے بیٹے عبداللہ یہ حدیث روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں عبداللہ بن عبداللہ مقام رَے کے قاضی تھے۔ ان کی دادی حضرت علیؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔ عبداللہ کہتے ہیں میرے والد امام احمد نے فرمایا عبداللہ بن عبداللہ سے آدم اور سعید بن مسروق نے حدیثیں روایت کی ہیں وہ ثقہ راوی تھے؛ اس حدیث کو امام احمد نے بروایت ابومعاویہ از اعمش بھی نقل کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸ (ونیز یہ روایت ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقف یہی ہے۔ ان کے علاوہ حضرت ابن عمر، ابو موسیٰ اشعری، انس بن مالک، ابو مسعود رضی اللہ عنہم تابعین کی ایک جماعت، جمیع اہل مدینہ نیز سعید بن المسیب، ابو میسرہ، ابو مجلز، یحییٰ بن یعمر، زہری، نقباءِ انصار کے چھ بیٹے، حسن بصری، عروہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز، معمر، ابو قلابہ اور دیگر اہلِ علم بھی اسی کے قائل ہیں۔ اگر یہ حکم منسوخ نہ ہو چکا ہوتا تو اس پر عمل پیرا ہونا واجب ہوتا۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۲۰۵۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از عمرو بن منصور از علی بن عیاش از شعیب بن ابو حمزہ از محمد بن منکدر روایت کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا ضروری نہیں۔[1] لہٰذا ثابت ہوا کہ اس ضمن میں وارد شدہ تمام احادیث منسوخ ہیں۔ وللہ الحمد۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اہلِ علم کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث اُس طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس کو

۲۰۶۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد از ابراہیم بن الحسن خثعمی از حجاج از ابن جریج از محمد بن منکدر بیان کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت[2] پیش کیا گیا۔ آپ نے تناول فرمایا اور پھر پانی منگوا کر وضو کیا۔ پھر ظہر کی نماز ادا کی، پھر بچا ہوا کھانا منگوا کر کھایا، اس کے بعد نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ طویل حدیث سے مختصر کی گئی ہے مبنی بر ظن و تخمین ہے، اور ظن اکذب الحدیث ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں مستقل احادیث ہیں۔[3]

---

[1] ابوداؤد و نسائی کتاب الطہارۃ۔

[2] بحوالہ ابوداؤد ج ۱ ص ۷۵۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت پیش کیا۔

[3] یہ بات محدث ابوداؤد نے کہی ہے کہ پہلی حدیث اس سے اخذ کی گئی ہے اور وہ اس حدیث کا اختصار ہے مگر یہ دعویٰ بلا دلیل و برہان ہے۔ لہٰذا ابن حزم کی یہ بات صحیح ہے کہ دونوں جداگانہ حدیثیں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ابن حزم کہتے ہیں جو اہلِ علم آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کے ٹوٹ جانے کے قائل نہیں، اُنھوں نے جن احادیث سے بھی استدلال کیا ہے وہ اُن کے مفیدِ مطلب نہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ حضورؐ نے بکری کے کندھے کا گوشت کھایا اور وضو نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث میں اندریں حالت وضو کو واجب ٹھہرایا گیا ہے ان میں ایک زائد حکم سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ لوگ پہلے سے اس امر پر عمل پیرا چلے آرہے تھے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حدیث نے وارد ہو کر ایک نئے حکم سے آگاہ کیا کہ اس حالت میں وضو لازم ہے۔ اگر شُعیب بن ابی حمزہ کی سابق الذکر حدیث نہ ہوتی تو آگ کی پختہ چیز کھانے سے ترکِ وضو کسی شخص کے لیے جائز نہ ہوتا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں اگر سوال کیا جائے کہ جب آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے تو تمھارے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانا کیوں کر ناقضِ وضو ہے؟ آخر اس تخصیص کی کیا دلیل ہے؟ ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ اونٹ کے گوشت کے سلسلہ میں جو وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں آگ سے پکے ہوئے یا نہ پکے ہوئے کا کوئی سوال نہیں۔ یہ حکم صرف اونٹ کے گوشت کے بارے میں بطورِ خاص وارد ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا حکم ان احادیث سے مستثنیٰ ہے جن میں آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کا حکم دیا، اور پھر اس حکم کو منسوخ فرمایا۔ وباللہ التوفیق۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر کوئی شخص بھول کر اونٹ کا گوشت کھالے، یا اسے معلوم نہ ہو کہ یہ اونٹ کا گوشت ہے تو اس ضمن میں ہم نے وہ آیت ذکر کر دی ہے جس میں فرمایا کہ اگر تم غلطی سے کھالو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ لہٰذا جو شخص غیر ارادی طور پر کوئی کام کرے تو اس کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی ایسی نص وارد ہو جس میں بھولنے والے کے لیے بھی اس کی تعمیل کو واجب ٹھہرایا گیا ہو تو اندریں صورت اس کی تعمیل کی جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

۱۶۵۔ مرد کا عورت کو چھونا اور عورت کا مرد کو، ناقضِ وضو ہے

اگر مرد عورت کو یا عورت مرد کو چھوئے تو اُن کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ کسی عضو کے ساتھ چھوئیں۔ بشرطیکہ یہ دانستہ ہو اور دونوں کے درمیان کپڑا یا کوئی اور چیز

www.KitaboSunnat.com

حائل نہ ہو۔ قطع نظر اس سے کہ عورت اس کی ماں ہو یا بیٹی یا عورت اپنے بیٹے یا باپ کو چھوئے۔ اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں اور نہ ہی حصولِ لذّت کا کوئی تصوّر پایا جاتا ہے۔ اگر عورت کو کپڑے سمیت حصولِ لذّت کے لیے چھوئے تو اُس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ امام شافعیؒ اور اصحاب ظاہر اسی کے قائل ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدہ: ۶)

(یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں کو باہم چھو کر آئے ہو اور تمھیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو)

ابن حزم فرماتے ہیں مُلامسہ (چھونے) کا فعل دو فاعلوں سے صادر ہوتا ہے۔ ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا کہ اس آیت کے مخاطب مرد اور عورتیں ہیں۔ آیت کا آغاز و انجام تمام اہلِ ایمان کو شامل کیے ہوئے ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حکم مردوں کے لیے لازم ہے جب وہ عورتوں کو مس کریں اور عورتوں کو لازم ہے جب وہ مردوں کو چھوئیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی عورت کی تخصیص کی ہے اور نہ لذّت کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اپنی جانب سے یہ تخصیص ناروا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر بھی اسی کے قائل ہیں۔

اہلِ علم کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ اس آیت میں چھونے سے جماع مراد ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں تخصیص کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ یہ امر باطل اور محال ہے کہ اللہ تعالیٰ چھونے سے ایک خاص قسم کا چھونا (جماع) مراد لیتے ہوں مگر اس کو کھول کر بیان نہ کریں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جو لوگ "مُلامسہ" سے جماع مراد لیتے ہیں اُن کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "بوسہ لیتے مگر اس سے وضو نہیں کیا کرتے تھے"۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا راوی ابو رَوق ضعیف ہے۔ دوسری سند میں عُروہ المزنی مجہول راوی ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے اس حدیث کو بطریق اعمش بھی روایت کیا ہے۔ اَعمش نے اُس کو چند رفقاء سے نقل کیا ہے جن کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسماء انھوں نے ذکر نہیں کیے۔ وہ اس کو عُروہ المُزنی سے روایت کرتے ہیں جو کہ مجہول راوی ہے۔

ه یہ حدیث تین طُرق سے مروی ہے۔

۱۔ بطریق ابوروق از ابراہیم التیمی از عائشہ۔ دیکھیے ابو داؤد ج ۱ ص ۶۹۔ نسائی ج ۱ ص ۳۹۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ اس لیے کہ ابراہیم نے حضرت عائشہؓ سے کچھ نہیں سنا جیسا کہ امام بخاری اور ابوداؤد نے کہا ہے۔ ابوروق کا نام عطیہ بن حارث ہمدانی کوفی ہے۔ وہ ثقہ راوی ہے اور ابن حزم کے سوا کسی نے اس کو ضعیف قرار نہیں دیا۔

۲۔ دوسرا طریق بروایت عبدالرحمٰن بن مغراء از اعمش از اصحاب اُو از عروہ المزنی از عائشہ ہے (ابوداؤد ج ۱ ص ۷۰) یہ سند ضعیف ہے اس لیے کہ اصحابِ اعمش مجہول ہیں اور عُروہ کا بھی یہی حال ہے۔ عبدالرحمٰن بن مَغراء ثقہ راوی ہے مگر جو احادیث وہ اعمش سے روایت کرتا ہے ان کو تسلیم نہیں کیا جاتا، کیونکہ ثقہ راوی ان کی تائید نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ صدر حدیث بھی انہی احادیث میں شامل ہیں جن کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصحابِ اعمش میں سے جو ثقہ راوی ہیں مثلاً وکیع، علی بن ہاشم اور ابویحیٰی الحمّانی وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری سند بطریق وکیع از اعمش از حبیب بن ابی ثابت از عُروہ از عائشہ منقول ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے ایک کا بوسہ لیا، پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہ کیا۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے کہا "وہ آپ ہی ہوں گی"۔ یہ سُن کر آپ ہنس پڑیں۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۷۰۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۹۔ ابن ماجہ ج ۱ ص ۹۳۔ بیہقی ج ۱ ص ۱۲۵-۱۲۶)

ابوداؤد کہتے ہیں سفیان ثوری سے منقول ہے کہ حبیب نے جب بھی ہمیں حدیث سُنائی عُروہ المُزنی سے روایت کی۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ حبیب نے عروہ بن زبیر سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں حمزہ الزیات نے بطریق حبیب از عُروہ بن زُبیر از عائشہ ایک صحیح حدیث روایت کی ہے۔ گویا ابوداؤد نے سفیان ثوری کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے کہ حبیب بن ابی ثابت نے عُروہ بن زُبیر سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ اس سے بھی واضح تر یہ بات ہے کہ ابن ماجہ کی روایت میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ عُروہ سے عُروہ بن زبیر مراد ہے۔

شارح ابوداؤد فرماتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید براں اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس میں اس واقعہ پر روشنی ڈالی گئی جو نزولِ آیت سے قبل وقوع پذیر ہوا تھا۔ جب آیت کریمہ نازل ہوئی تو وہ ایک زائد حکم پر مشتمل تھی جسے نہ تو ترک کیا جا سکتا ہے نہ اس کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔

ہمارے مخالفین دو حدیثیں اور پیش کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بدیں الفاظ منقول ہے کہ میں نے رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹٹولا تو ان کو بستر پر نہ پایا۔ چنانچہ میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کی اندرونی جانب لگا۔ اس وقت آپ سجدہ کی حالت میں تھے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "مزید براں اعمش اس میں متفرد نہیں بلکہ ابو اویس نے عُروہ بن زبیر کو کہہ کر اس کی تائید کی ہے۔ پھر لُطف یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت بھی اس میں تنہا نہیں بلکہ ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کر کے اس کی حمایت کی ہے۔ اور یہ بات حتمی طور پر معلوم ہے کہ عُروہ سے اس سند میں عروہ بن زُبیر ہی مراد ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ محفوظ عُروہ بن زبیر کا نام ہے۔ بعض راویوں نے صرف عُروہ کہہ دیا اور بعض نے نسب ذکر کر کے عُروہ بن زبیر کہا۔ اور یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ ثقہ راوی جو اضافہ روایت میں کرتا ہے اسے قبول کیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مغراء نے غلطی سے عروہ المزنی کہہ دیا۔

اس حدیث کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو البزار نے اپنے مسند میں نقل کیا ہے۔ پھر ابن الترکمانی نے "الجوہر النقی" ج ۱ ص ۱۲۵ میں اس کو البزار سے بطریق عبدالکریم الجزری از عائشہ نقل کیا ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "حضور اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے اور وضو نہیں کیا کرتے تھے۔" اس حدیث کی سند جید ہے عبدالحق سے منقول ہے کہ "میرے نزدیک اس حدیث کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں" عبدالحق نے اس حدیث کے دو طرق اور بتائے جو اس کے مؤید ہیں۔

[1] نسائی (ج ۱ ص ۳۸) میں ایک روایت حضرت عائشہؓ ہی سے منقول ہے جو اس سے صریح تر ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپ کے سامنے جنازہ کی طرح پڑی (باقی بر صفحہ آیندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں :۔

" یہ احادیث ہمارے مخالفین کے حق میں اس لیے حجت نہیں کہ وضو اس شخص پر لازم آتا ہے جو چھونے کا قصد کرتا ہے نہ کہ اس شخص پر جس کو چھوا جائے۔ جب کہ وہ کسی کو چھونے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس میں جو بات مذکور ہے وہ یہ ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں تھے۔ حالانکہ سجدہ ایک نیکی کا کام ہے جو نماز کے بغیر بھی انجام دیا جاسکتا ہے۔ اگر بالفرض والمحال اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے ـــــ حالانکہ اس بات کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ـــــ تو حدیث میں یہ بات کہیں مذکور نہیں کہ آپؐ کا وضو نہیں ٹوٹا، اور نہ یہ کہ آپ نے کوئی اور نماز تجدیدِ وضو کے بغیر ادا کی۔ اور جب یہ باتیں حدیث میں مذکور نہیں تو ہمارے مخالفین اس سے بالکل احتجاج نہیں کر سکتے۔ مزید براں اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ نیز یہ کہ آپ نے اس نماز کو مزید لمبا کر دیا، یا بلا تجدیدِ وضو کوئی اور نماز پڑھی ـــــ حالانکہ ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ـــــ تو یہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہوگا۔ اور یہ ایسی حالت ہے جس کا منسوخ ہونا کسی شک وشبہ سے بالا ہے۔ اور یہ بڑی غلط بات ہوگی کہ جو حکم یقینی طور پر منسوخ ہو چکا ہے اسے معمول بنایا جائے اور ناسخ کو نظرانداز کر دیا جائے لہٰذا مخالفین کا استدلال مذکورہ حدیث کے ساتھ باطل ٹھہرا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہوتی تھی۔ جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو مجھے اپنے پاؤں کے ساتھ چھوتے۔ حافظ ابن حجر التلخیص میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اس قسم کی اور بھی بکثرت احادیث ہیں۔ یہ کہنا کہ مس کرتے وقت درمیان میں کپڑا حائل تھا شدید تکلف ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ کی تفسیر کے مطابق آیت میں ملامسہ سے جماع مراد ہے۔ جو شخص تعصب کی عینک اتار کر آیت کے سیاق وسباق پر نظر کرے گا اس پر یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری حدیث بطریق ابو قتادہؓ منقول ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمامہ بنت ابی العاص کو ـــــ جو کہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں ـــــ اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا جب سجدے کو جاتے تو اسے زمین پر رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اُسے اٹھا لیتے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں یہ حدیث بھی ہمارے مخالفین کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ امامہ کے ہاتھ یا پاؤں حضور کے جسم کے ساتھ چھوئے تھے۔ اس بات کا احتمال ہے کہ امامہ نے چادر اوڑھ رکھی ہو یا دستانے اور جرابیں پہنی ہوئی ہوں۔ یا اس قدر بڑا کپڑا اوڑھ رکھا ہو جس نے اُن کے ہاتھوں اور پاؤں کو ڈھانپ رکھا ہو۔ بلکہ آدمیوں کی موجودگی میں ان باتوں کا قوی احتمال موجود ہے۔ اور جب حدیث میں ان باتوں میں سے کوئی بات بھی مذکور نہیں تو کسی شخص کو اس پر اضافہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اضافہ کرنے والا یقیناً کاذب ہوگا۔ اور جب مخالفین کی مظنونانہ باتیں حدیث میں مذکور نہیں، بخلاف ازیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کا امکان موجود ہے تو ان کا استدلال اس حدیث کے ساتھ باطل ٹھہرا۔ اس لیے کہ جب کسی آیت کا حکم یقینی طور پر واجب ہو تو اسے جھوٹے ظنّ کی بنا پر ترک کرنا روا نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم : ۲۸)

(اور ظنّ یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا)

مزید براں سابق الذکر دونوں احادیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کون سی حدیث نزولِ آیت کے بعد کی ہے۔ حالانکہ مذکورہ آیت تاخیر سے نازل ہوئی تھی۔ بنا بریں اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمامہ کے ہاتھوں اور پاؤں کو نماز میں چھوا تھا تو لازماً یہ واقعہ آیت کے نزول سے پہلے کا ہوگا۔ بہرکیف ہمیں اس امر کا کامل یقین ہے کہ یہ حدیث ـــــ بشرطیکہ اس کی صحت ان کے حسبِ منشا ثابت ہو جائے ـــــ بلاشک و شبہ منسوخ ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا منسوخ ہونا یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہو اس کی جانب رجوع کرنا اور ناسخ کو نظر انداز کرنا بالکل ناروا ہے۔ سابقہ بیانات اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ مخالفین کا استدلال ان احادیث کے ساتھ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کا مصداق ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ ایک موہومہ چیز کی بنا پر کتاب وسنت کے یقینی دلائل کو نظر انداز کرنے کی جسارت کرتے ہیں[1]۔

امام ابو حنیفہؒ:۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں، بوسہ لینے یا چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ لذّت کے ساتھ ہو یا بلا لذت۔ اسی طرح اپنے ہاتھ کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کو پکڑنا بھی ناقض وضو نہیں ہے۔ وضو صرف اس بات سے ٹوٹتا ہے کہ عورت کے جسم کے ساتھ اپنا جسم لگایا جائے اور درمیان میں کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو۔ نیز یہ کہ شہوت کے ساتھ اس طرح کیا جائے۔

امام مالکؒ:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں مرد کے عورت کو چھونے یا عورت کے مرد کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بشرطیکہ بلا شہوت ہو، خواہ کپڑا درمیان میں حائل ہو یا نہ ہو۔ اگر لذت کے ساتھ چھوا جائے تو لذت حاصل کرنے والے کے لیے وضو لازم ہے۔ خواہ کپڑا درمیان میں ہو یا نہ ہو، نیز یہ کہ شہوت کے ساتھ ہو یا بلا شہوت۔ اس معاملہ میں بوسہ لینا بھی چھونے کی مانند ہے۔ امام احمد بن حنبل کا قول بھی یہی ہے۔

امام شافعیؒ:۔ امام شافعی اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔ مگر ان سے منقول ہے کہ عورت کے بالوں کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے قول میں کھلا ہوا تناقض پایا جاتا ہے۔ جس طرح علماء کی ایک جماعت آیت ملامسہ کی تاویل کر کے اس سے جماع مراد لیتی ہے وہ ایسا بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ مباشرت مع شہوت کی صورت میں وہ وجوب وضو کے قائل ہیں۔ اُن کے کلام میں پائے جانے والے تناقض کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک بوسہ اگر شہوت کے ساتھ لیا جائے تو ناقض وضو نہیں ہے۔ لیکن اگر مباشرت مع شہوت ہو تو وہ ناقض وضو ہے۔ یہ ایسی تفریق ہے جو کتاب وسنّت، اجماع وقیاس اور اقوال صحابہ سے ثابت نہیں۔ بلکہ وہ ان سب کے خلاف ہے۔ اُن کے یہاں تناقض پایا جاتا ہے

---

[1] امام ابن حزم نے یہاں تکلف سے کام لیا ہے۔ ان کا یہ موقف صحیح نہیں۔ لفظ "مُلامسہ" ہی پر غور کرتے تو نہ دھوکا نہ کھاتے۔ بہر حال بیان کا سہو ہے۔ اللھم اغفرلہ وارفع درجتہ۔ آمین۔ ابو الاشبال پاکستانی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اُن کے نزدیک قُبلہ (بوسہ) ولمس مع شہوت اور قُبلہ ولمس بلا شہوت ناقضِ وضو نہ ہونے کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ قبلہ ولمس مع شہوت کو طلاق کے سلسلے میں رجوع قرار دیتے ہیں۔ مگر قُبلہ ولمس بلا شہوت کو رجوع نہیں ٹھہراتے۔ یہ بات جیسا کہ آپ خود سمجھتے ہیں نہ کتاب و سنت کی پیروی پر مبنی ہے، نہ ہی رائے صائب وقیاسِ صحیح کا اتباع ہے اور نہ ہی اقوالِ صحابہ کی اطاعت۔ وباللہ التوفیق۔

امام مالک نے اپنے فتویٰ میں جو شہوت و لذّت کو ملحوظ رکھا ہے قطعاً بے دلیل و برہان ہے۔ کتاب و سنت، اجماع وقیاس اور اقوالِ صحابہ میں اس کی کوئی نظیر سرے سے موجود ہی نہیں۔ اسی طرح امام شافعی نے بال اور دیگر اعضاء کے مابین جو تفریق کی ہے کتاب و سنت، اجماع وقیاس اور اقوال صحابہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ان سب کے خلاف ہے۔ یہ اقوال ثلاثہ جو ہم نے پیش کیے ہیں ان ائمہ سے پہلے کسی نے نہیں کہے۔ وباللہ التوفیق۔

اگر کہا جائے کہ تم نے امام نخعی وشعبی سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کا بوسہ لے یا اسے چھوئے تو اس پر وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حمّاد کہتے ہیں کہ خاوند و بیوی میں سے جو کوئی دوسرے کا بوسہ لے جب کہ دوسرا اسے نہ چاہتا ہو تو نہ چاہنے والے پر وضو واجب نہیں ہے۔ الّا یہ کہ اسے لذّت کا احساس ہو۔ (اندریں صورت اس پر بھی وضو لازم ہوگا) اور دونوں میں سے جو کوئی اس کا قصد کرے اس پر وضو واجب ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ شعبی، نخعی اور حمّاد سے منقول ہے کہ جو شخص قصداً بیوی کا بوسہ لے اس پر وضو بہر حال واجب ہے۔ جب صورتِ مسئلہ یہ ہے تو لذّت اس قول میں شامل ہے۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے مگر امام مالکؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ امام مالکؒ لمس کو اس صورت میں ناقضِ وضو تصوّر کرتے ہیں جب شہوت کے ساتھ ہو۔ دوسری جانب شہوت کو اس وقت تک ناقضِ وضو نہیں ٹھہراتے جب تک اس کے ساتھ لمس نہ پایا جائے۔ گویا دونوں باتوں میں سے ایک جُداگانہ ہونے کی صورت میں ناقضِ وضو نہیں ہے اب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سوال یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں (لمس اور شہوت) مل کر کیسے ناقضِ وضو بن جاتی ہیں؟

۱۶۶۔ دخول بلا انزال ناقضِ وضو ہے

عضوِ تناسل کے فرج میں داخل کرنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے انزال ہو یا نہ ہو۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۲۰۷۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبداللہ بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوکریب از ابومعاویہ از ہشام بن عروہ از پدر خود از ابوایوب انصاری بیان کیا کہ] حضرت اُبّی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور بلا انزال فارغ ہو جائے۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جو نجاست اس کو عورت سے لگی ہو اس کو دھو ڈالے اور وضو کر کے نماز پڑھے۔ (بخاری، مسلم کتاب الطہارۃ)

۲۰۸۔ [ونیز ہم نے از شعبہ از حکم از ابوصالح ذکوان روایت کیا کہ] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس غسل کے ساتھ وضو لازم ہے۔ ہم آگے چل کر اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے[1]۔ (بخاری، مسلم، ابنِ ماجہ کتاب الطہارۃ)

۱۶۷۔ جنازہ اٹھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔

جنازہ اٹھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے خواہ کسی طرح بھی اٹھایا جائے۔

---

[1] اس میں شبہ نہیں کہ ابنِ حزم رحمہ اللہ نے ظواہر نصوص سے استدلال کرنے میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا ہے حتیٰ کہ وہ نصوص اپنے ان معانی اصلیہ پر باقی نہیں رہیں جو دیگر توضیحی روایات سے واضح ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں کئی مرتبہ گزر ا۔ ابن حزم نے یہاں بھی حسبِ معمول مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ سابق الذکر اُبّی بن کعب اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی دونوں احادیث اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں کہ غسل صرف انزال کی صورت میں واجب ہوتا ہے نیز یہ کہ جماع بلا انزال میں غسل واجب نہیں ہوتا (درانحالیکہ یہ حدیث منسوخ بھی ہے۔ جیسا کہ علمِ حدیث کا ہر ماہر اس سے آگاہ و آشنا ہے۔ ان دونوں احادیث سے یہ بات بالکل ثابت نہیں ہوتی کہ عورت کو چھونے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دلیل ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث ہے جس کو

۲۰۹- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عبداللہ بن محمد بن عثمان اسدی از احمد بن خالد از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از محمد بن عمرو از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے۔[1]

۲۱۰- [ابو محمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کو بطریق سفیان بن عیینہ از سہیل بن ابی صالح از پدر خود از اسحاق مولیٰ زائدہ بھی روایت کیا ہے کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں الخ (ابوداؤد کتاب الجنائز) اسحاق مولیٰ زائدہ ثقہ راوی ہیں۔ تابعی اہلِ مدینہ سے ہیں۔ احمد بن صالح کوفی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور وہ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۱۱- [و نیز سابقہ تا حماد بن سلمہ از ایوب سختیانی] از محمد بن سیرین منقول ہے کہ میں عبداللہ بن عتبہ[2] بن مسعود کے ساتھ ایک جنازہ میں شامل تھا۔ جب ہم مسجد میں پہنچے تو عبداللہ وضو کرنے کے لیے گھر چلے گئے۔ پھر مسجد میں آئے اور مجھ سے دریافت کیا کیا تم نے وضو نہیں کیا؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگے حضرت عمرؓ بن خطاب اور دیگر خلفاء کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی کی نماز جنازہ پڑھ لیتے اور پھر فرضی نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو وضو کرتے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص مسجد میں سوتا تو پانی کا برتن منگوا کر اس سے وضو کر لیا کرتا تھا۔

ابن حزم فرماتے ہیں صحابہ کرام جنازہ اٹھانے کے بعد اسی لیے وضو کیا کرتے تھے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ صحابہؓ کے بارے میں یہی گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ سنّت کی پیروی کرتے ہوں گے۔ اور سنّت

---

[1] اس حدیث کو امام احمد، بیہقی اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۷-۲۹۸)

[2] یہ عبداللہ بن مسعود کے بھتیجے تھے۔ عہدِ رسالت میں پیدا ہوئے۔ ان کا حضورؐ سے روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔ البتہ انھوں نے اپنے چچا حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، عمار، ابوہریرہ اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں ۷۴ھ میں وفات پائی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پیروی ہی کافی ہے۔ ہم قبل ازیں اس سے دو باب پہلے امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی رحمہم اللہ کے ایسے اقوال کا تذکرہ کر چکے ہیں جو اُن سے پہلے کسی نے نہیں کہے۔ مثلاً (امام ابوحنیفہ کا) یہ قول کہ اگر قے منہ بھر کر آئے تو ناقضِ وضو ہے ورنہ نہیں۔ اور بیحو قسم کے دیگر اقوال جن کی کوئی نظیر کتاب و سنت، اجماع، قیاس اور اقوالِ سلف میں موجود نہیں۔

۱۶۸۔ استحاضہ کا خون ناقضِ وضو ہے۔

استحاضہ کے خون کا ظہور یا حیض بند ہونے کے بعد فرج سے جو عرق سیال بہتا ہو وہ ناقضِ وضو ہے۔ اس خون کے ظہور کے بعد جو نماز بھی آئے اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔ قطعِ نظر اس سے کہ استحاضہ کا خون متمیز ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو اور ایامِ حیض جانے پہچانے ہوں یا نہ ہوں۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۲۱۲۔ [ہم نے از یونس بن عبداللہ از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از یحییٰ بن حبیب بن عربی از حماد بن زید از ہشام بن عروہ از پدر خود روایت کیا کہ] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابو حُبیش استحاضہ میں مبتلا ہوئیں تو انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! میں استحاضہ میں مبتلا ہوتی ہوں اور پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ فرمایا یہ رگ کا خون ہے اور حیض نہیں، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دیا کرو۔ اور جب چلا جائے تو خون کے نشانات دھو کر وضو کر لیا کرو اور نماز ادا کرو۔ اس لیے کہ یہ رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۱۳۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن مثنیٰ از محمد بن ابو عدی بذریعہ کتاب از محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص از ابن شہاب از عروہ بن زبیر بیان کیا کہ] فاطمہ بنت ابو حُبیش بیان کرتی ہیں کہ وہ استحاضہ میں مبتلا تھیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا حیض کا خون سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے۔ جب ایسا ہو تو نماز سے رک جایا کرو اور جب دوسرا خون ہو تو وضو کر لیا کرو۔ اس لیے کہ وہ رگ کا خون ہے۔ (ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)

ابن حزم فرماتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دیا کہ حیض کے بعد فرج سے جو خون بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خارج ہونا نقضِ وضو ہے۔ آپ نے کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی۔ وضو کا حکم اس لیے دیا کہ وہ رگ کا خون ہے۔

جس عورت کو خونِ حیض کے بعد عرصہ تک استحاضہ کا خون آتا رہے۔ مندرجہ ذیل اہلِ علم کے نزدیک اس عورت کو ہر نماز کے لیے وضو کرنا چاہیے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم و فقہاء مدینہ، عُروہ بن زبیر، سعید بن المسیّب، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، محمد بن علی بن حسین، عطاء بن ابی رَباح، حسن بصری اور یہی قول ہے سفیان ثوری، ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، ابو عبید و دیگر اہلِ علم کا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر نماز کے لیے غسل اور وضو کرے۔

۴۲۱۔ [ہم نے اسے بطریق وکیع انا اسماعیل بن ابی خالد از شعبی انا امرأۃ مسروق از عائشہ روایت کیا ہے (ابو داؤد کتاب الطہارۃ) و نیز بطریق عدی بن ثابت از پدرِ خود از] حضرت علیؓ بن ابی طالب منقول ہے کہ متحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کرے۔ و نیز از شعبہ از عمار بن ابی عمار روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے۔
اسی طرح قتادہ حسن بصری اور سعید بن المسیب سے نقل کرتے ہیں کہ متحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کرے۔
عبدالرزاق، ابن جُریج سے وہ ہشام بن عُروہ سے اس عورت کے بارے میں نقل کرتے ہیں جس کو عرصہ تک خون آتا رہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کیا کرے۔ شُعبہ حکم بن عُتیبہ سے وہ محمد بن علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں کہ متحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کیا کرے۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اس عورت کے بارے میں جس کو عرصہ تک خون جاری رہے فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت شروع ہو تو وضو کر لیا کرے۔ اس وضو کی بنا پر وہ دوسری نماز کا وقت شروع ہونے تک پاک رہے گی۔ جب دوسری نماز کا وقت شروع ہوگا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور اس نماز کے لیے اس کو پھر وضو کرنا ہوگا۔ محمد بن حسن، ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام ابو حنیفہؒ سے کہ ایسی عورت اگر طلوعِ آفتاب کے بعد نماز کے لیے وضو کرے تو نمازِ ظہر کا وقت ختم ہونے تک وہ پاک رہے گی۔
قاضی ابو یوسف اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے تو امام ابو حنیفہ سے یہ روایت کی ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی عورت نماز ظہر کا وقت شروع ہونے تک پاک رہے گی۔ مگر بعض اصحاب ابی حنیفہ پر محمد بن حسن کی روایت غالب آچکی ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں محمد بن حسن کی روایت درست نہیں۔ بخلاف ازیں ابو یوسف کا قول ابو حنیفہ کے اقوال سے قریب تر ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں ایسی عورت پر وضو واجب نہیں البتہ استحباباً وہ وضو کر سکتی ہے۔ جب تک کسی اور طریقہ سے اُس کا وضو نہ ٹوٹے اسے پاک تصوّر کیا جائے گا۔

امام احمد اور شافعی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مستحاضہ عورت کو ہر نماز کے لیے وضو کرنا چاہیے۔ یہ اس پر فرض ہے۔ وہ اس وضو کے ساتھ فرائض سے قبل یا بعد جتنے نوافل چاہے ادا کر سکتی ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں امام مالک کا موقف اس لیے مبنی بر خطاء ہے کہ وہ اس ضمن میں وارد شدہ حدیث کے خلاف ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ جب منقطع حدیث مالکیہ کے نظریات سے ہم آہنگ ہو تو وہ اس کے قبول کرنے میں باک نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اس باب میں جو منقطع روایت ہے وہ ان کی قبول کردہ جملہ روایات سے احسن ہے۔

۲۱۵۔ [جیسا کہ ہم نے بطریق موسیٰ بن معاویہ و ابن ابی شیبہ از وکیع از اعمش از حبیب بن ابی ثابت از عروہ روایت کیا ہے] اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت حبیش نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے استحاضہ آتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی، تو کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ فرمایا "نہیں، یہ حیض نہیں بلکہ رگ کا خون ہے۔ ایّامِ حیض میں نماز سے احتراز کیا کرو۔ پھر ہر نماز کے لیے غسل اور وضو کر کے اسے ادا کر لیا کرو۔ صف پر خون کے قطرے ہی کیوں نہ ٹپکتے ہوں"[1]۔

---

[1] فاطمہ کی روایت کردہ حدیث کو دارقطنی (ص ۸۰) بیہقی ج ۱ ص ۳۴۴ اور ابو داؤد (ج ۱ ص ۱۲) نے مختصراً روایت کیا ہے (و نیز امام نسائی نے کتاب الطہارۃ باب ۱۲۱ میں بھی ذکر کیا ہے۔ ابن حزم نے اس روایت کو ان لوگوں کی پیروی میں منقطع ٹھہرایا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ حبیب بن ابی ثابت نے عُروہ بن زُبیر سے نہیں سُنا۔ ہم قبل ازیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر معترض کہے کہ وضو کا حکم بنا بر استحباب دیا گیا ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ جہاں کہیں بھی تم نے طہارت کو واجب قرار دیا ہے ہم اس کو استحباب پر محمول کریں گے۔ اس لیے کہ دونوں یکساں ہیں اور ان میں کوئی فرق و امتیاز موجود نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ قول تمام شرعی احکام کو باطل قرار دینے کا موجب ہے۔ مزید براں یہ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ "جو لوگ اس کے (یعنی رسولؐ کے) احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں انھیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا دردناک عذاب ان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔" (النور: ۶۳)

ہمارے علم کی حد تک اس کی کوئی دلیل کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اقوال صحابہ میں موجود نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول اس لیے فاسد ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف ہے جس سے انھوں نے احتجاج کیا ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ وہ عقل و قیاس سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔ ہمیں کسی طہارت کے بارے میں معلوم نہیں کہ نماز کا وقت ہوتے ہوئے قائم ہو اور جونہی وقت گزرے ختم ہو جائے۔ بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ جو شخص سفر یا حضر میں مسح کرتا ہے تو معین وقت گزر جانے کے بعد ان کی طہارت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہم مستحاضہ کو بھی اس پر قیاس کرتے ہیں۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ اس پر نقد و جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قیاس کی ہر قسم باطل ہے۔ بالفرض اگر قیاس حق بھی ہوتا تو یہ قیاس (جو یہاں کیا گیا ہے) لازماً باطل ٹھہرتا۔ اس لیے کہ یہ قیاس الفاسد علی الفاسد ہے۔ یہ غلط ہے کہ مسح کنندہ کی طہارت وقتِ معین کے گزرنے سے ختم ہو جاتی ہے۔ بخلاف ازیں وہ حسب سابق پاک ہے۔ اور جب تک اس کا وضو کسی اور وجہ سے نہیں ٹوٹتا وہ اس کے ساتھ نماز ادا کرتا رہے گا۔ سنّت نے آکر اسے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے مسح کو آگے جاری نہ رکھے نہ یہ کہ اس کی طہارت ختم ہو گئی ہے۔ مسح کنندہ کے بارے میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے اگر وہ صحیح بھی ہوتا ——— حالانکہ وہ صحیح نہیں ——— تو ان کا یہ قیاس باطل ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بوسہ سے عدم وضو سے متعلق حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے اس موقف کی غلطی واضح کر چکے ہیں۔ (دیکھیے مسئلہ نمبر ۱۶۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وجہِ بطلان یہ ہے کہ انھوں نے سفر و حضر میں نماز کے وقت کے گزر جانے کو، مسح کے سلسلے میں حالتِ حضر میں ایک شب و روز اور حالتِ سفر میں تین شب و روز گزرنے پر قیاس کیا ہے۔ یہ قیاس نہایت گھٹیا قسم کا ہے۔ حالتِ مسح پر قیاس کرنے کی صحیح صورت یہ تھی کہ حضر میں مستحاضہ کا وضو ایک شب و روز تک باقی رہتا اور سفر میں تین شب و روز۔ اگر وہ ایسا کرتے تو علماءِ سلف میں سے ان کو بعض ایسے قائل مل جاتے۔ مثلاً سعید بن المسیب، سالم بن عبداللہ اور قاسم بن محمد رحمہم اللہ۔ ان کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک مستحاضہ عورت آج کی ظہر کے وقت غسل کرے تو کل کی ظہر تک باقی رہے گا۔ جہاں تک اُن کے اس قول کا تعلق ہے سلف میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ اُن کے اس قول کی کتاب و سنت، عقل و قیاس اور اقوالِ صحابہ میں کوئی دلیل موجود نہیں۔

باقی رہا وہ مسئلہ جس کو امام ابوحنیفہ سے نقل کرنے والوں (محمد بن حسن اور قاضی ابو یوسف) نے اختلاف کیا ہے تو اس ضمن میں ابو یوسف کا قول (حنفیہ) کے اصول و قواعد سے قریب تر ہے۔ اس لیے کہ طلوعِ آفتاب کے بعد والا وقت فرضی نماز کا وقت نہیں ہے جو ظہر کے وقت تک باقی رہے۔ بلکہ وہ نوافل کا وقت ہے لہٰذا جو عورت طلوعِ آفتاب کے بعد نماز کے لیے وضو کرے گی وہ اس طرح ہوگا جیسے کوئی عورت عصر کی نماز ادا کرنے کے لیے ظہر کے وقت وضو کرے۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک یہ وضو کافی نہیں ہے۔

جہاں تک امام شافعی اور احمد کے قول کا تعلق ہے وہ مبنی بر خطا اور محال و ممتنع کے قبیل سے ہے اور دینِ اسلام میں اس کی کوئی نص و دلیل موجود نہیں۔ یہ کہ ایک ہی شخص اگر نوافل ادا کرے تو اسے پاک تصور کیا جائے۔ اور اگر فرائض ادا کرنا چاہے تو اُسے بعینہٖ اسی وقت میں بے وضو ٹھہرایا جائے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں کوئی ابہام و اخفاء نہیں پایا جاتا۔ اندریں مسئلہ صرف دو صورتیں ممکن ہیں (۱) وہ شخص طاہر ہوگا (۲) بے وضو ہوگا۔ پاک ہونے کی صورت میں وہ جس قدر فرائض و نوافل چاہے ادا کرے۔ اور اگر بے وضو ہے تو اسے نوافل ہوں یا فرائض ادا کرنے کی اجازت نہیں۔

مالکیہ کا قول اس سے بھی قبیح تر ہے اور وہ یہ کہ جو شخص فرضی نماز ادا کرنے کے لیے تیمم کرے وہ فرض ادا کرنے کے بعد جو نوافل چاہے ادا کرے۔ مگر اس تیمم کے ساتھ وہ فرض ادا کرنے سے قبل نوافل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح وہ دو فرضی نمازیں بھی اس تیمم کے ساتھ ادا کرنے کا مجاز نہیں۔ یہ ہیں ان کی عقل و فکر کے سانچے اور پیمانے! جہاں تک آثار و اقوال کے ساتھ استخراج و استناد کا تعلق ہے آثار بھی موجود ہیں اور اُن کے اقوال بھی (دونوں کے مابین کوئی ربط و تعلق سرے سے موجود ہی نہیں)

ابن حزم کہتے ہیں یہ سب لوگ اس صحابی کے خلاف غوغا مچا رہے ہیں جن کا صحابہ میں ایک بھی مخالف نہیں۔ جمیع احناف و شوافع اور مالکیہ اس مسئلہ میں حضرت عائشہ و علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم کی مخالفت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے علم کی حد تک صحابہ رضوان اللہ علیہم میں ان کا ایک بھی مخالف نہیں ہے۔ مالکیہ نے اس مسئلہ میں فقہاء مدینہ سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس طرح اُن کے اقوال ایک بے دلیل و برہان بات کا منبع و سرچشمہ بن کر رہ گئے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۶۹۔ مندرجہ ذیل اُمور ناقضِ وضو نہیں ہیں

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن امور کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں ان کے سوا کوئی چیز بھی ناقضِ وضو نہیں ہے۔ خواہ وہ نکسیر ہو، یا جسم کے کسی حصّہ سے بہنے والا خون ہو۔ ایسا خون خواہ حلق سے نکلے یا دانتوں سے، یا ذکر کے سوراخ سے۔ علیٰ ہذا القیاس پچھنے لگوانا، فصد، قے قلیل ہو یا کثیر، جی کا متلانا پیپ کا خارج ہونا، وہ پانی یا خون جو حاملہ عورت کی شرمگاہ سے بہتا ہو۔ اسی طرح کسی مسلم کو ایذا دینے، اس پر ستم ڈھانے، صلیب یا بُت کو چھونے، مُرتد ہونے، انتشارِ ذکر سے خواہ لذّت کے ساتھ ہو یا بلا لذّت اُن گناہوں سے جن کا تذکرہ، ہم نے نہیں کیا، وضو نہیں ٹوٹتا۔ علاوہ ازیں جو چیز دُبر سے خارج ہو مگر اس پر پاخانہ نہ لگا ہو، خواہ وہ کیڑا ہو پتھر ہو یا کپڑے ہوں ناقضِ وضو نہیں ہیں۔ حُقنہ کروانے، قُبل و دُبر میں کسی دوا کے ڈالنے، چوپائے کی قُبل و دُبر چھونے، وضو کے بعد بالوں کو مونڈنے اور ناخن اُتارنے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ علیٰ ھذا القیاس۔ عورت کی شرمگاہ سے اگر سفید رنگ کا دھاگا خارج ہو، یا زرد اور میلا سا پانی یا گوشت کے غسالہ جیسا پانی خارج ہو، یا سُرخ رنگ کا خون نکلے اور اس سے پہلے حیض نہ آیا ہو، تو اُن سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نماز میں ہنسی یا مذکورہ اشیاء کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ناقضِ وضو نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ابنِ حزم فرماتے ہیں مندرجہ صدر امور و اشیاء اس لیے ناقضِ وضو نہیں ہیں کہ کتاب و سنت اور اجماع سے ان کا ناقضِ وضو ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جن و انس پر جس شریعت کی پیروی لازم ہے وہ وہی ہے جو کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہو اس کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ شریعت وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب ٹھہرایا ہے اور جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے مندرجہ بالا مسائل میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اور اختلاف کنندگان حاضر اور موجود ہیں اور اختلاف باقی ہے، ہم اس کا تذکرہ کریں گے مگر جو اختلافی اقوال نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں اور جن کا معمولی سا نشان موجود ہے ہم اس کو قلم انداز کریں گے وباللہ التوفیق:۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

احناف کا نقطۂ خیال: امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ بہنے والے خون، پیپ یا پانی سے، خواہ وہ جسم کے کسی حصّہ سے خارج ہو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر خون وغیرہ بہتا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ الّا یہ کہ ناک یا کان سے خون وغیرہ جاری ہو۔ اگر ناک یا کان سے بہنے والی چیز خون یا پیپ ہو اور بہہ کر ناک کے اس حصّہ تک پہنچے جہاں سے ناک کو پانی دیا جاتا ہے، یا کان کے اس اندرونی حصّہ تک پہنچے جس کو غسل کے وقت دھویا جاتا ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر ان مقامات تک نہ پہنچے تو وضو نہیں ٹوٹے گا اگر ناک سے بلغم یا پانی خارج ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ علیٰ ھذا القیاس، کان سے پانی کا بہنا ناقضِ وضو نہیں۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر پیٹ یا مسوڑھوں سے خون بہہ کر منہ کی طرف آئے اور وہ تھوک پر غالب ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگرچہ اس سے سارا منہ پُر نہ ہو۔ اور اگر خون تھوک پر غالب نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر تھوک اور خون دونوں مساوی ہوں تو وضو کرنا مستحسن امر ہے۔ اگر زخم سے خون نکلے، وہ ظاہر ہو مگر بہنے نہ پائے تو وہ ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اگر جاری ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر زخم سے کیڑا یا گوشت برآمد ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر دُبر سے کیڑا نکل آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر زخم پر پٹی باندھی جائے تو دیکھا جائے اگر پٹی اتارنے سے خون بہنے لگے تو وضو واجب ہوگا۔ اور اگر پٹی اتارنے سے خون نہ بہے تو وضو واجب نہیں ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں قے اور متلی اور ہر وہ چیز جو پیٹ سے نکل کر منہ تک آئے اور منہ اس سے بھر جائے تو ناقضِ وضو ہے ورنہ نہیں۔ مُنہ بھرنے کی تحدید بعض اہلِ علم نے لقمہ سے کی ہے ـــــ حالانکہ لقمہ چھوٹا بڑا ہوتا ہے ـــــ بعض کہتے ہیں منہ بھرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے روکا نہ جائے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں البتّہ بلغم اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ اگر منہ بھر کر بھی آئے تو ناقض وضو نہیں۔ ابویوسف فرماتے ہیں بلغم اگر منہ بھر کر آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ محمد بن حسن ان مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے ہمنوا ہیں۔ البتّہ خُون کے بارے میں ان کا موقف امام صاحب سے مختلف ہے۔ فرماتے ہیں اگر خون مسوڑھوں سے منہ سے یا جسم کے کسی حصہ سے نکلے تو امام ابوحنیفہ کی طرح ان کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر پیٹ سے نکلے تو اس صورت میں ناقضِ وضو ہے جب اُس سے مُنہ بھر جائے۔ زُفر ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ کے ہم خیال ہیں۔ البتہ جی متلانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قلیل ہو یا کثیر وہ ناقضِ وضو ہے۔

امام ابن حزم کا نقد و تبصرہ | امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسے اقوال صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سُن کر قبول کیے جا سکتے ہیں کسی اور سے نہیں۔ اس لیے کہ آپ ہی نے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہم تک پہنچائے۔ اگر کوئی دوسرا شخص ایسی بات کہے تو اسے جنون و حماقت پر محمول کیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک دیوانہ آدمی اُول فُول بکنے کا عادی ہوتا ہے۔ یہ ایسے اقوال ہیں جو امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی سے نہیں کہے۔ عقلِ انسانی اور نصوص و قیاس سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ کیا جو شخص ایسے لایعنی تصورات پیش کرتا ہے اسے یہ حق حاصل ہے کہ کھڑے پانی میں بول کرنے والے کے بارے فرمانِ رسولؐ کی پیروی کرنے والے پر زبانِ طعن دراز کرے؟ اور اس چوہے کے بارے میں جو گھی میں گر کر مر جائے۔ حدیثِ رسول کا اتباع کرنے والے کا مذاق اڑائے؟ یہ ایسی حیران کُن بات ہے کہ اس سے زیادہ محیّر العقول بات کا کوئی امکان نہیں۔

ابن حزم فرماتے ہیں بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر ملمع سازی کی کوشش کی ہے جس کو عبدالرزاق از ابن جریج اور وہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "قے سے وضو لازم ہو جاتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اور اگر جی متلائے تو وضو کر لیا جائے۔ جب نماز کی حالت میں کسی کو نکسیر آئے، یا قے اس پر غالب آجائے، یا جی متلانے لگے، یا مذی (کپڑے یا جسم کو) لگ جائے تو جا کر وضو کرے۔ پھر آکر باقی ماندہ نماز ادا کرے اور نئے سرے سے نماز کا آغاز نہ کرے۔

دوسری حدیث بطریق اسماعیل بن عیاش اور وہ ابن جریج سے اور وہ اپنے باپ اور ابن ابی ملیکہ دونوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قے آئے یا جی متلانے لگے تو وضو کر لے اور باقی ماندہ نماز کو مکمل کرے۔ بشرطیکہ درمیان میں گفتگو نہ کی ہو۔"

ابن حزم فرماتے ہیں یہ دونوں آثار ساقط الاعتبار ہیں۔ اس لیے کہ ابن جریج کے والد صحابی نہ تھے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔ دوسرے اثر کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے جو ضعیف راوی ہے خصوصاً جب کہ وہ حجازی راویوں سے روایت کرتا ہو۔ بالفرض اگر ان دونوں آثار کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو یہ احناف کے خلاف حجت ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں میں سے کسی اثر سے بھی منہ بھر کر قے آنے اور نہ آنے کے درمیان تفریق واضح نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر آبلہ سے (خون یا پیپ) خارج ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جو چیز ناک سے خارج ہو کر بہنے لگے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ان آثار میں پیٹ، جسم، مسوڑھوں اور زخم سے نکلنے والے خون پر بھی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ ان میں محض نکسیر، قے اور متلی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ احناف نے نہ تو ان دونوں احادیث پر اکتفا کیا جیسا کہ بزعم خویش انھوں نے قہقہہ سے وجوب وضو اور نیند کے ساتھ وضو پر مشتمل احادیث پر کیا ہے اور نہ اُن پر دیگر امور کو قیاس کیا۔ بخلاف ازیں انھوں نے خلط ملط سے کام لے کر خالص ہوا پرستی کا ثبوت دیا ہے۔ لہٰذا یہ احادیث بشرطِ صحت ان کے خلاف حجت ہیں اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ اس کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔

اُحناف حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جس کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم نے بطریق اوزاعی از یعیش بن ولید از پدرِ خود از معدان بن ابی طلحہ از ابو درداء روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کر کے وضو کیا۔ پھر میں ثوبان سے ملا اور اس حدیث کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا تم نے سچ کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی ڈالا تھا۔" دوسری حدیث جس کو ہم نے بطریق عبدالرزاق از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر از خالد بن معدان بن ابی طلحہ روایت کیا حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کر کے روزہ افطار کیا اور پانی منگوا کر وضو کیا۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ابن حزم کہتے ہیں پہلی حدیث کو یعیش بن ولید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں راوی مشہور نہیں ہیں۔ دوسری حدیث مدلّس ہے۔ اس کی سند میں یحییٰ کا سماع یعیش سے ثابت نہیں۔

بشرطِ ثبوت صحت بھی یہ دونوں احادیث ان کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ ان میں یہ بات مذکور نہیں کہ جو شخص قے کرے وہ وضو کر لیا کرے، نہ ہی اس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ آپ نے قے کی بنا پر وضو کیا تھا۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ نے ذکرِ الٰہی کے لیے تیمم کیا تھا مگر حنفیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں منہ بھر کر یا نہ بھر کر قے آنے کا تذکرہ بھی موجود نہیں۔ غرض یہ کہ قے کے ماسوا کوئی بات مذکور ہی نہیں۔ بایں طور احناف نہ تو ان ہر دو احادیث کے مشتملات پر اکتفاء کرتے ہیں اور نہ ہی ان پہ دیگر امور کو قیاس کرتے ہیں۔

حنفیہ اس ضمن میں ایک تیسری حدیث جو حضرت فاطمہ بنت ابی حُبَیش کی روایت کردہ ہے اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ جس میں حضورؐ نے فرمایا یہ رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ آپ نے اس حالت میں وضو کو واجب ٹھہرایا۔ حنفیہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ خون بہنے سے وضو واجب ٹھہرتا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ قیاس ہے اور قیاس باطل ہوتا ہے۔ بالفرض قیاس حق بھی ہوتا تو اس مسئلہ میں قیاس کرنا عین باطل ٹھہرتا۔ اس لیے کہ جب حنفیہ اس خونِ رگ کو جو فرج سے خارج ہوتا ہے خونِ حیض پر قیاس نہیں کرتے، حالانکہ یہ دونوں فرج سے نکلنے والے خون ہیں۔ اور یوں تصور کرتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے دونوں کے حکم کو الگ الگ کر رکھا ہے تو یہ باطل ہوگا کہ جو خون فرج کے بجائے کسی اور جگہ سے نکلتا ہے اس کو فرج سے نکلنے والے خون پر قیاس کیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس سے بھی باطل تر بات پیپ کو خون پر قیاس کرنا ہے۔ حنفیہ اس ضمن میں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ حسن بصری اور ابو مجلز کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ خون اور پیپ کو یکساں نہیں سمجھتے بلکہ اُن میں تفریق کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ناک صاف کرنے سے جو بلغم خارج ہو اس کو خون اور پیپ پر قیاس کرنا اور جو پانی ناک اور کان سے بہتا ہو اس کو ناک سے نکلنے والے بلغم پر قیاس نہ کرنا حد درجہ باطل اور فاسد ہے۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ خون رگ جو فرج سے خارج ہو، قلیل یا کثیر اس کو ناقضِ وضو قرار دینا اور قے جس کو اس پر قیاس کیا گیا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس وقت ناقضِ وضو ہے جب مُنہ بھر کر آئے بڑی حیران کن بات ہے۔ پھر اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ احناف اس کپڑے کو جو زخم سے نکلے اس کپڑے پر قیاس نہیں کرتے جو دُبر سے خارج ہو۔ یہ حد درجہ کی مغالطہ انگیزی نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر احناف کہیں کہ ہم ان تمام امور کو پاخانے پر قیاس کرتے ہیں۔ اس لیے کہ نجس ہونے میں یہ برابر کے شریک ہیں۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہوا دُبر سے خارج ہوتی ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ وہ نجاست نہیں ہے۔ پھر تم نے چھینک اور ڈکار کو اس پر قیاس کیوں نہ کر لیا، اس لیے کہ وہ بھی پیٹ سے خارج ہونے والی ہوا ہے؟ آخر ان کے مابین کیا فرق پایا جاتا ہے؟ پھر تم نے خود ہی اپنے قیاس کو باطل ٹھہرایا اور کہا کہ بول و براز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قلیل ہو یا کثیر۔ بخلاف ازیں تمہارے نزدیک پیپ، قے، خون اور پانی سے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا جب تک قے منہ بھر کر نہ آئے، خون بہنے نہ لگے اور پانی کو غلبہ حاصل نہ ہو۔ یہ واضح قسم کا مغالطہ ہے۔ تم نے خود ہی اپنے قیاس کو ترک کر دیا۔

اگر احناف کہیں کہ نکسیر اور بہنے والے خون کا ناقضِ وضو ہونا متعدد اہلِ علم سے منقول ہے مثلاً عطاء، ابراہیم، مجاہد، قتادہ، ابنِ سیرین، عُروہ بن زُبیر، سعید بن المسیّب اور حسن بصری رحمہم اللہ۔ نیز نکسیر کا ناقضِ وضو ہونا زُہری، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے۔ اور جناب عطاء مثلی، قے اور پیپ کو ناقضِ وضو قرار دیتے ہیں۔ اور قتادہؒ کے نزدیک پیپ آنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحکم بن عتیبہ متلی کو اور عبداللہ بن عمرؓ قے کو ناقضِ وضو قرار دیتے ہیں۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے تمہارا ارشاد بجا ہے۔ مگر اُن حضرات میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ قے تب ناقضِ وضو ہے جب مُنہ بھر کر آئے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی شخص کا قول حُجت نہیں ہے۔ مگر اس ضمن میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ بعض اکابر نے ان کی مخالفت بھی کی ہے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے اپنی انگلی ناک میں داخل کی تو اس میں خُون لگا تھا پھر اس کو اپنی انگلی کے ساتھ مل لیا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں ثابت ہوا کہ ان کے مُنہ پر پھنسی نکلی ہوئی تھی۔ انھوں نے اسے دبایا تو اُس میں سے خُون نکلا۔ انھوں نے اسے اپنی انگلیوں کے ساتھ مل لیا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ اور طاؤس نکسیر آنے پر وضو کے قائل نہ تھے اور عطاء نکسیر آنے پر وضو کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔ نیز مجاہد اور حسن بصری متلی کی صورت میں وضو کے قائل نہ تھے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب مَنی ذکر سے بلا لذت خارج ہو تو امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب و تلامذہ کے نزدیک غُسل واجب نہیں۔ حالانکہ یہ وہی مَنی ہے جس کے خارج ہونے پر اللہ اور اس کے رسولؐ نے غُسل کو واجب قرار دیا ہے۔ پھر پیپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب مُنہ سے نکلے تو وضو واجب ہے جس طرح فرج سے خون نکلنے کی صورت میں وضو واجب ہوتا ہے۔

مزید حیرت کی بات تو یہ ہے کہ احناف کو معلوم ہے کہ حضورؐ نے دانت کے ساتھ ذبح کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ وہ ہڈی ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے ہڈی کے ساتھ ذبح کرنے کو ناجائز قرار دیا۔ پھر مستحاضہ کے بارے میں حضورؐ کا یہ قول دیکھا کہ یہ رگ کا خُون ہے اس لیے غُسل کی ضرورت نہیں بلکہ وضو کافی ہے۔ پھر اُنھوں نے نکسیر، پیپ اور مسوڑھوں کے خُون کو مستحاضہ کے خُون پر قیاس کر لیا۔ یہ ہے ان کے علم کا معیار جو انھیں قیاس کے بارے میں حاصل ہے! اور یہ ہے اُن کا اتباعِ اقوال و آثار اور علمائے سلف کی تقلید کے بارے میں مقدار و معیار!

شوافع کا نقطۂ نظر اور اس پر نقد امام شافعی نے مخرج کو نقضِ وضو کی علّت قرار دیا ہے جب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نقض وضو کی علت خارج ہے (یعنی وہ چیز جو مخرج سے نکلتی ہے) ان دونوں ائمہ کی بیان کردہ علل ایک دوسرے کی ضد اور اس کے معارض ہیں۔ یہ دونوں ہی مبنی بر خطا اور دلیل و برہان سے عاری ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرۃ: ۱۱۱)

(کہہ دیجیے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ)

امام ابن حزم کا مزید دونوں پر نقد: امام ابن حزم فرماتے ہیں احناف و شوافع دونوں سے کہا جائے گا کہ دونوں مخارج (قُبل و دُبر) سے جو کچھ خارج ہوتا ہے اس کا حکم بھی مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً بعض چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے حیض، منی اور نفاس کا خون اور بعض سے وضو واجب ہوتا ہے جیسے بول و براز، گوز اور مذی۔ بعض سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا مثلاً سفید دھاگے جیسی رطوبت جو حیض کے بعد خارج ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم پوچھتے ہیں کہ یہ حق تمھیں کس نے دیا کہ جیسے چاہو قیاس کرلو؟ چنانچہ موجبات وضو پر قیاس کرکے بعض جگہ تم نے وضو کو واجب ٹھہرایا۔ ایسا کیوں نہ کیا کہ موجباتِ غسل پر قیاس کرکے تم اس جگہ غسل کو واجب قرار دے دیتے؛ یا جہاں کچھ بھی واجب نہیں ہوتا ان پر قیاس کرکے تم کہہ دیتے کہ یہاں کچھ بھی واجب نہیں۔ (نہ غسل اور نہ ہی وضو) یہ تو عین ہوا پرستی اور تحکم بالظن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا اور اس کے بارے میں کہا کہ ظن حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔ مزید براں تمھارا یہ قیاس فاسد اور باہمدگر معارض ہے۔

مالک کا نقطۂ خیال اور اُس پر نقد: مالکیہ نے یہاں نہ تو قیاس سے کام لیا ہے اور نہ خارج و مخرج اور نجاست کو علت ٹھہرایا ہے اور اگر وہ اس مسئلہ میں تعلیل سے کام لیتے جیسے انھوں نے لمس بالشہوت کے مسئلہ میں، یا کھڑے پانی میں پیشاب کے بارے میں، یا چوہے کے گھی میں گر پڑنے کے مسئلہ میں علت مقرر کی ہے تو اُن کا یہ موقف بعید از قیاس نہ ہوتا۔ مگر انھوں نے اس مسئلہ میں قیاس کو ترک کردیا ہے۔ مالکیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ حدیث مُرسل کو قبول کرتے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ میں بکثرت مراسیل روایت کی ہیں مگر اُنھوں نے کسی سے بھی احتجاج نہیں کیا۔ یہ کھلا ہوا تناقض ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عظیم احسانات کے شکر گزار ہیں۔

ایذاءِ مسلم کے ناقض وضو ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ فرماتی ہیں" تم پاکیزہ کھانا کھا کر تو وضو کرتے ہو لیکن اپنے مسلم بھائی کو بُرا بھلا کہہ کر وضو نہیں کرتے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" کسی کو بُری بات کہہ کر وضو کرنا میرے نزدیک پاکیزہ کھانا کھا کر وضو کرنے سے بہتر ہے"۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ وضو دو طرح سے ٹوٹتا ہے۔ ایک تو مجامعت سے اور دوسرا بدزبانی سے۔ اور بدزبانی والا حدث (بے وضو ہونا) دونوں میں شدید تر ہے"

اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں" میں ایک ہی وضو سے ظہر، عصر اور مغرب کی نماز پڑھ لیا کرتا ہوں اِلّا یہ کہ میرا وضو ٹوٹ جائے یا میں کسی سے بدکلامی کروں۔ وضو دو باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے (۱) بے وضو ہونے کے بعد (۲) کسی مسلم کو ایذا دینے پر۔

عُبیدہ سلمانی کہتے ہیں وضو حدث سے واجب ہوتا ہے یا مُسلم کو ایذا دینے سے۔ نیز ہم نے بطریق داؤد بن محبر از شعبہ از قتادہ روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے وضو ہونے اور مُسلم کو ایذا دینے پر وضو کیا کرتے تھے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں داؤد بن المحبّر راوی ہے جو جھوٹا تھا اور حدیثیں وضع کیا کرتا تھا جن حضرات کا تذکرہ ہم قبل ازیں نکسیر، قے اور متلی سے وضو ٹوٹ جانے کے سلسلے میں کر چکے ہیں ان کی تقلید کرنے اور ایسے ضعیف آثار سے احتجاج کرنے میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اسی طرح ایذاءِ مُسلم سے وجوب وضو کے قائلین کی تقلید بھی اسی سے ملتی جلتی چیز ہے۔ بلکہ یہ حنفیہ کے اصول کے مطابق مؤکد تر ہے۔ اس لیے کہ وہ مسائلِ صحابہ کے مابین متنازع فیہا ہیں۔ جب کہ یہاں حضرت عائشہؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کا صحابہ میں کوئی مخالف نہیں ہے۔ جب ایسی بات ان کے نظریات سے ہم آہنگ ہو تو وہ اس کو اخذ کرنے کے عادی ہیں۔ جہاں تک ہمارے موقف کا تعلق ہے ہم کتاب و سنت کے سوا دوسری کسی چیز سے احتجاج نہیں کرتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلیب اور بُت کے چھونے کے ناقضِ وضو ہونے کے سلسلہ میں ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرزاق از سفیان بن عیینہ از عمار دہنی از ابو عمر شیبانی روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے المُستَورِد العجلی سے توبہ کا مطالبہ کیا۔ المُستَورِد کے گلے میں صلیب تھی۔ حضرت علیؓ نے اُس کو چھُوا۔ جب حضرت علیؓ نے نماز کا آغاز کرنا چاہا تو ایک شخص کو امام بنا کر (وضو کرنے) چلے گئے۔ پھر لوگوں کو بتایا کہ میں نے بے وضو ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ میں نے اس نجس چیز (صلیب) کو چھُوا تھا۔ اس لیے چاہا کہ پھر وضو کر لوں۔ اسی طرح ہم نے بطریق یعلی بن عُبید از صالح بن حیان روایت کیا ہے کہ ابنِ بُرَیدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بُرَیدہ نے ایک بُت کو چھُوا تھا، آپ نے اُنھیں وضو کرنے کا حکم دیا۔

ابنِ حزم کہتے ہیں اس حدیث کی سند میں صالح بن حیان راوی ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہے۔ جو شخص صحابہ کی مخالفت کو بہت بڑا گناہ تصوّر کرتا اور آثارِ ضعیفہ سے اخذ و احتجاج کا قائل ہے، جیسے آثار ہم قبل ازیں پیش کر چکے ہیں۔ اُسے چاہیے کہ حضرت علیؓ سے منقول اس اثر کو اپنا معمول بہ بنائے۔ اس لیے کہ جن آثار پر وہ عمل کرتے ہیں یہ اُن سے کہیں بہتر ہے۔ خصوصاً جب کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی اس ضمن میں حضرت علیؓ کی مخالفت نہیں کی۔ یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جن میں اُنھوں نے تناقض سے کام لیا ہے۔

جہاں تک ہمارے موقف کا تعلّق ہے ہمارے نزدیک تو صرف اللہ کی کتاب یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجّت ہے۔ والحمد للہ حضرت علیؓ کے اس اثر کا یہ پہلو خصوصی طور پر قابلِ غور ہے کہ آپ نے صلیب کو چھونے کی وجہ سے لوگوں کی امامت ترک کر دی۔ (اور وضو کرنے کے لیے چلے گئے) اگر صلیب کو چھونے سے وضو کو واجب تصوّر نہ کرتے تو ہرگز نماز کو منقطع کر کے وضو کرنے کے لیے تشریف نہ لے جاتے۔

اگر مخالفین کہیں کہ شاید صلیب وغیرہ کے چھُونے سے وضو کرنا مستحب ہوگا۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ علمائے سلف کی تقلید کرتے ہوئے تم نے جو نکسیر وغیرہ کے آنے سے وضو کو واجب قرار

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا ہے یہ بھی مبنی بر استحباب ہو گا۔ اور یہی حال مذی کا بھی ہے۔ دراصل یہ سب بے کار باتیں ہیں جو محض ہٹ دھرمی اور مخالفت حقائق کی بنا پر کہی جا رہی ہیں۔

جہاں تک ارتداد کے ناقضِ وضو ہونے کا تعلق ہے فرض کیجیے ایک مسلم وضو اور غسلِ جنابت کرتا ہے یا عورت حیض سے پاک ہو کر غسل کرتی ہے۔ پھر دونوں مرتد ہو کر از سرِ نو اسلام قبول کرتے ہیں۔ اس دوران میں ان کا وضو نہیں ٹوٹتا تو بتائیے وہ بے وضو کیونکر ٹھہریں گے؟ حالانکہ کتاب و سنّت اور اجماع و قیاس سے ارتداد کا ناقضِ وضو ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ ہمارے مخالفین اس مسئلے میں ہمارے ہمنوا ہیں کہ ارتداد غسلِ جنابت، غسلِ حیض، سابقہ قید اور آزادی نیز آدمی کی عزّت و حرمت کو باطل نہیں کرتا۔ پھر یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ ارتداد ناقضِ وضو ہے؟ وہ خود اصحابِ قیاس ہیں۔ انھوں نے وضو کو غسل پر کیوں نہ قیاس کر لیا؟ کہ جس طرح ارتداد سے غسل باطل نہیں ہوتا اسی طرح وضو بھی نہیں ٹوٹتا) اگر وہ ایسا کرتے تو یہ صحیح تر قیاس ہوتا۔ بشرطیکہ قیاس کی کوئی قسم صحیح ہو۔

اگر مخالفین یہ آیت کریمہ پیش کریں کہ

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الزمر: ۶۵)

(اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا)

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جس کی موت کفر پر واقع ہو جائے۔ نہ کہ اس شخص کے متعلق جو کہ مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام کو قبول کرے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (البقرہ: ۲۱۷)

(اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور کفر کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال ضائع ہو گئے)۔

آیت کریمہ "وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" ہمارے قول کی قطعی شہادت ہے۔ اس لیے کہ پوری اُمّتِ اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ جو شخص مرتد ہو کر پھر اسلام قبول کرے اور اُس کی موت اسلام پر واقع ہو تو ایسا شخص

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

"خاسرین" میں سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ فلاح وسعادت کے ساتھ ہمکنار ہونے والوں میں سے ہے۔ خسارہ پانے والا وہ ہے جو کفر کی حالت میں مرجائے۔ والحمد للہ۔

جہاں تک اس خون کا تعلق ہے جو حاملہ عورت کی شرمگاہ سے خارج ہوتا ہے اہلِ علم اس کے بارے میں مختلف الخیال ہیں۔ ہم نے بطریق اُمِّ علقمہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حاملہ عورت کو حیض آتا ہے۔ امام زہری کا ایک قول یہی ہے۔ علاوہ ازیں عکرمہ، قتادہ، بکر بن عبداللہ المزنی، ربیعہ، مالک، لیث اور شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ ہم نے سعید بن المسیب، حسن اور حمّاد بن ابی سلیمان سے روایت کی ہے کہ یہ حیض کا خون نہیں بلکہ استحاضہ ہوتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں جس حاملہ کو خون آتا ہو وہ نماز نہ پڑھے۔ البتہ اگر خون زیادہ مدت تک جاری رہے تو پھر غسل کر کے نماز پڑھ لیا کرے۔ انھوں نے زیادہ مدّت کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ امام مالک مزید فرماتے ہیں کہ حمل کے آغاز و انجام میں فرق ہوتا ہے۔ اس میں اجتہاد کیا جاسکتا ہے مگر اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ ہم نے بطریق عطاء اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حاملہ کو خون آئے۔ تاہم وہ وضو کر کے نماز ادا کر لیا کرے۔ عطاء، حکم بن عُتیبہ، نخعی، شعبی، سلیمان بن یسار، نافع مولیٰ ابن عمر زہری کا ایک قول، سفیان ثوری، اوزاعی، ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، ابوثور، ابوعُبید، داؤد اور اُن کے اصحاب سب اسی کے قائل ہیں۔

امام ابن حزمؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کو طلاق دینے سے منع کیا مگر حاملہ اور غیر حاملہ کو طلاق دینے کی اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ غیر حاملہ اور حاملہ کے درمیان فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ ہمارے مخالفین اس ضمن میں متحد الخیال ہیں کہ حیض کا رونما ہونا حمل نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر حاملہ کو حیض آسکتا ہے تو حیض کو عدمِ حمل کی دلیل نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ یہ بات بڑی واضح ہے۔ والحمد للہ۔

جب حیض اور استحاضہ دونوں مفقود ہوں تو غسل و وضو کا وجوب بے معنی ہے۔ اس لیے کہ اس وجوب کی کوئی دلیل نص و اجماع کی صورت میں موجود نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس نفاس کے خون سے اس لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غُسل واجب ہوتا ہے کہ دراصل وہ حیض کا خون ہے۔ جیسا ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ والحمد لِلّٰہِ رب العلمین۔

ذبح کرنے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ قتل اگرچہ گناہ کا موجب ہے مگر ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اس لیے کہ کتاب وسنّت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اگر عورت کو کپڑے سمیت چھوا جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے کہ چھونے والا کپڑے کو چھوتا ہے عورت کو نہیں۔ مندرجہ ذیل امور بھی ناقضِ وضو نہیں ہیں۔

۱۔ مرد کا عورت کو چھونا، جب کہ شرمگاہ کو نہ چھوا جائے۔

۲۔ عورت کا عورت کو چھونا بلا شرمگاہ کو چھونے کے۔

۳۔ انتشارِ ذکر اور عورت کی یاد کا ذہن میں آنا۔

۴۔ حالتِ نماز میں پیٹ میں گڑگڑاہٹ کا ہونا۔

۵۔ بغل کو چھونا اور اس کے بال اکھاڑنا۔

۶۔ خُصیتین اور رانوں کی جڑ کو چھونا۔

۷۔ بالوں اور ناخنوں کو تراشنا۔

اس لیے کہ کسی نص یا اجماع سے ان امور کا ناقضِ وضو ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

متعدد اہلِ علم نے مذکورہ صدر امور میں سے بعض بلکہ اکثر بلکہ تمام ہی میں وضو کو واجب ٹھہرایا ہے۔ مثلاً ابراہیم نخعی نے پیٹ کی گڑگڑاہٹ کی صورت میں وضو کو واجب قرار دیا ہے۔ بعض متاخرین نے انتشار، عورت کی یادآوری اور کپڑے سمیت اس کو چھونے سے وضو کو واجب ٹھہرایا ہے۔ بغل کو چھونے سے حضرت عمرؓ اور مجاہد کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک بغل کے بال اکھاڑنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ مجاہد کے نزدیک ناک صاف کرنا ناقضِ وضو ہے۔ حضرت علیؓ، مجاہد اور عمر بن ذر کے والد ذر سے مروی ہے کہ بال اور ناخنوں کو تراشنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔ اگر دُبر سے کیڑا یا پتھر خارج ہو تو امام شافعی کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر امام مالک اور ہمارے اصحاب کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ "جو شخص اپنے خصیتین یا بُن ران کو چھوئے تو وہ وضو کرے۔" مگر یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ مُرسل ہے۔

جہاں تک خون میں زردی، مٹیالے پن اور سُرخی کا تعلق ہے اس کا تذکرہ اِن شاء اللہ حیض کے بیان میں کیا جائے گا۔ اجمالاً اس قدر بتا یا جاتا ہے کہ نہ حیض ہے نہ استحاضہ لہٰذا اس سے وضو کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کتاب وسُنّت اور اجماع سے اس کا اثبات نہیں ہوتا۔

جہاں تک نماز میں ہنسی کا تعلق ہے اس سے وضو کے واجب ہوتے ہیں ہم نے ایک اثر واہیات سند سے نقل کیا ہے جو مُرسل ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ یہ اثر بطریق ابو العالیہ، ابراہیم نخعی، ابن سیرین زُہری اور بروایت حسن از مُعبد بن صُبیح و مَعبد الجُہنی مرسلاً منقول ہے۔ یہی اثر بطریق انس و ابو موسٰی و ابو ہُریرہ و عمران بن حُصین و جابر و ابو الملیح رضی اللہ عنہم مرفوعاً نقل کیا گیا ہے۔ نماز میں ہنسی کے ناقضِ وضو ہونے کے بارے میں ہم نے ابو موسٰی اشعری، ابراہیم نخعی، شعبی، سُفیان ثوری، اوزاعی، حسن بن حیّ، عبید اللہ بن حسن، ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب سے بھی روایت کی ہے۔

حضرت انسؓ سے منقول حدیث بطریق احمد بن عبد اللہ بن زیادہ تستری از عبد الرحمٰن بن عمرو، ابو حیلہ روایت کی گئی ہے۔ اس کی سند میں ابو حیلہ مجہول راوی ہے۔ ابو موسٰی کی روایت کردہ حدیث میں محمد بن نُعیم نامی راوی مجہول ہے۔ ابو ہُریرہؓ کی روایت میں عبد الکریم بن ابی المخارق غیر ثقہ راوی ہے۔ عمران بن حُصین کی روایت کردہ حدیث میں اسماعیل بن عیاش اور عبد الوہاب بن نجدہ دو ضعیف راوی ہیں۔ حضرت جابرؓ سے منقول حدیث میں ابو سفیان ضعیف راوی ہے۔ ابو الملیح کی روایت میں حسن بن دینار جھوٹا راوی ہے۔

واضح رہے کہ حجّت صرف قرآن کریم یا صحیح اور مرفوع حدیث ہے۔ دِگر ہیچ۔

مالکیہ اور شافعیہ چونکہ بکثرت احادیث کے متواتر ہونے کے مدعی ہیں ___ چنانچہ وہ حدیث معاذ "اَجتھد رائی" کو بھی متواتر قرار دیتے ہیں ___ اس کی حدّ یہ ہے کہ وہ سعید بن المسیب اور طاؤس کی مراسیل کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ جن احادیث کے متواتر ہونے کا دعوٰی انھوں نے کیا ہے۔ ان آثار میں ان سے زیادہ تواتر پایا جاتا ہے۔ اس لیے چاہیے تھا کہ وہ ان اقوال وآثار کو معمول بہا بناتے۔ علاوہ ازیں جن مراسیل پر وہ عمل پیرا ہیں مثلاً وہ حدیث جس میں گوشت اور حیوان کو حیوان کے عوض فروخت کیا گیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اُن کے مقابلہ میں ان آثار کو مرسلاً روایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب بکثرت احادیث صحیحہ کو ترک کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اس لیے انھیں چاہیے تھا کہ وہ اس خبر فاسد کو بھی ترک کر دیتے۔ اور اجماعی مسئلے پر قیاس کرتے کہ جب نماز کے باہر ہنسی سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اسی طرح حالتِ نماز میں بھی ہنسی کو ناقض وضو نہیں ہونا چاہیے۔ حنفیہ نے جن احادیث صحیحہ کو ترک کیا ہے اُن میں سے ایک تو وہ حدیث ہے جو اس بکری سے متعلق ہے جس کا دودھ تھن میں روکا گیا ہو۔ (آپؐ نے فرمایا اگر کوئی شخص ایسی بکری خریدلے تو اسے واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی فروخت کنندہ کو دے دے) دوسری حدیث اس عورت کے بارے میں ہے جو زندہ بوڑھے کی طرف سے حج کرے۔ (مگر حنفیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے) اسی طرح اور بھی بہت سی سنّتِ ثابتہ کو انھوں نے بر بنائے قیاس ترک کر دیا ہے۔

مگر احناف نہ تو قیاس پر عمل پیرا ہیں اور نہ احادیث نبویہ کی پیروی کرتے ہیں۔ مُرسل اور متواتر احادیث کو وہ قبول تو کرتے ہیں مگر اس کا التزام نہیں کرتے۔ اِلّا یہ کہ وہ احادیث ان کے افکار و آراء اور تقلید سے یک رنگ و ہم آہنگ ہوں۔ جب وہ احادیث ان کے تقلیدی نظریات سے متصادم ہوں تو ان کو پرے پھینک دینے میں وہ سبقت کرنے والوں میں سے ہیں۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

ان مخالفین سے کہا جائے گا کہ تم نے کس کتاب و سنت یا قیاس سے یہ بات معلوم کی کہ وضو کو توڑ دینے والے بعض امور شدید تر ہوتے ہیں؟ اس لیے قلیل ہوں یا کثیر وہ ہر حال میں ناقض وضو ہوتے ہیں بخلاف ازیں بعض نواقض خفیف قسم کے ہوتے ہیں اور وہ مقررہ حد کے اندر ہی ناقض وضو ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان سب کے بارے میں ایک ہی نص وارد ہوئی ہے اور وہ یہ حدیث ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص بے وضو ہو جائے اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی جب تک وضو نہ کرلے۔"

اصحابِ خرد و دانش پر یہ بات مخفی نہیں کہ ہر ناقض وضو ناقض ہوتا ہے۔ اور جب وہ ناقض وضو ہے تو وہ قلیل ہو یا کثیر بہرکیف ناقض ہے۔ اور جو چیز ناقض وضو نہ ہو وہ قلیل ہو یا کثیر کسی حالت میں بھی طہارت کو زائل نہیں کر سکتی۔ وباللہ التوفیق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ وہ امور جن سے سارے جسم کا دھونا واجب ہو جاتا ہے

۱۷۰۔ مباشرت حشفہ یا اس آلۂ تناسل سے حشفہ کے بقدر جس کا حشفہ نہ ہو، عورت کے اندام نہانی میں داخل کرنے سے غُسل واجب ہو جاتا ہے۔ اندام نہانی سے مراد مقامِ ولادت ہے۔ مباشرت کے لیے شرط ہے کہ وہ عمداً ہو خواہ حرام طریقے سے ہو یا حلال سے، انزال ہو یا نہ ہو، اسی طرح اگر عورت بھی مباشرت میں عمداً حصّہ لے رہی ہے تو اُس پر بھی غُسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ اسے انزال ہو یا نہ ہو۔ مرد و عورت میں سے اگر کوئی ایک مجنون ہو، نشہ، نیند یا بے ہوشی کی کیفیت میں ہو یا اُسے مجبور کیا گیا ہو تو اس پر جنون سے افاقہ یا نیند سے بیداری کے بعد وضو فرض ہوتا ہے غُسل نہیں۔ ہاں اگر انزال ہو گیا ہو تو پھر غُسل واجب ہو گا۔ دونوں میں سے اگر کوئی ایک نابالغ ہو تو اس پر وضو یا غُسل کچھ بھی واجب نہیں۔ بلوغت کے بعد مستقبل میں وضو اور غُسل واجب ہو گا۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے

۲۱۶۔ [جیسے ہم سے احمد بن محمد طلمنکی از محمد بن احمد بن مفرج از محمد بن ایوب الصموت از احمد بن عمرو البزار از محمد بن مثنیٰ از محمد بن عبداللہ انصاری از ہشام بن حسان از حمید بن ہلال از ابو بردہ بن موسیٰ اشعری از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا التقی الختانان وجب الغسل (جب ختنہ کے دو مقام مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے) (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ)

۲۱۷۔ [و نیز ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبد الملک بن ایمن از احمد بن زہیر بن حرب از مسلم بن ابراہیم از شعبہ و ہشام دستوائی از قتادہ از حسن بصری از ابو رافع بیان کیا کہ] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اذا قعد بین شعبہا الاربع و الزق الختان بالختان فقد وجب الغسل۔

(جب عورت کے چار اعضاء[1] کے درمیان بیٹھ جائے اور ختنہ کے مقام کو ختنہ کے مقام کے ساتھ لگا دے تو غُسل واجب ہو جاتا ہے) (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۱۸۔ [نیز احمد بن زہیر از عفان بن مسلم از ہمام بن یحییٰ و ابان بن یزید عطار از قتادہ از حسن از ابو رافع روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا قعد بین شعبہا الاربع و اجہد نفسہ فقد وجب علیہ الغسل انزل اولم ینزل۔

(جب عورت کے چار اعضاء (ہاتھ، پاؤں) کے درمیان بیٹھ جائے اور کوشش کرے تو اس پر غُسل واجب ہو جاتا ہے۔ خواہ انزال ہو یا نہ ہو) (حوالہ اوپر گزر چکا)

اس حدیث میں ان احادیث کی نسبت جن میں اسقاطِ غُسل کا ذکر ہے، یہ زیادتی ہے کہ انزال ہو یا نہ ہو اور یہ بات جو دیگر احادیث کی نسبت زائد ذکر ہوئی ہے یہ بھی شریعت کا حصہ ہے لہٰذا اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔

ہم نے جو یہ کہا تھا کہ اندامِ نہانی سے مراد مقامِ ولادت ہے تو یہ اس لیے کہ ختنہ کا مقام یہی ہے، قطع نظر اس سے کہ ختنہ ہوا ہو یا نہ، کیونکہ "اجہد نفسہ" (کوشش کرنے) کا تقاضا یہی ہے کہ مختون و غیر مختون برابر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی حلال سے تخصیص بھی ذکر نہیں فرمائی۔

دیگر احوال کے بجائے ہم نے جو قصد و ارادہ کا ذکر کیا تو یہ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا قعد ثم اجہد" (جب بیٹھے اور کوشش کرے) تو ان الفاظ کا اطلاق صرف اسی انسان پر ہو

---

[1] چار اعضاء سے مراد دونوں ہاتھ اور پاؤں یا دونوں پاؤں یا ران یا دونوں پنڈلیاں اور ران ہیں۔ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ مترجم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے جو اپنے اختیار اور قصد و ارادہ سے اس فعل کو سرانجام دے رہا ہو۔ جو شخص مغلوب، سویا ہوا یا بے ہوش ہو اس کے لیے ہم قعدؔ کا لفظ استعمال نہیں کر سکتے لہٰذا ان پر غسل واجب نہیں ہوگا۔[1]

ہم نے جو یہ کہا کہ مجنون پر غسل واجب نہیں ہے تو یہ اس لیے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ تین انسان مرفوع القلم ہیں۔ ان میں سے ایک مجنون ہے حتّٰی کہ اُس کا جنون ختم ہو جائے اور دوسرا بچہ ہے حتّٰی کہ وہ بالغ ہو جائے اور جب یہ جنون، بے ہوشی، نیند اور بچپن وغیرہ کے احوال ختم ہو جائیں تو پھر ان کے لیے صرف وضو لازم ہوگا کیونکہ ان احوال کے خاتمہ کے بعد ان پر پہلا فرض نماز عائد ہوگا اور نماز کے لیے وضو فرض ہے، ان پر غسل تو صرف اس وقت فرض ہوگا جب ان احوال کے خاتمہ کے بعد جنبی ہوں گے اور اس وقت چونکہ یہ جنبی نہیں ہیں لہٰذا ان پر غسل بھی واجب نہیں ہے۔[2] وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کہا جائے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ "جب ختنہ کے دو مقام مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے" کے باعث غسل کو واجب قرار کیوں نہیں دیتے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ حکم عام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم خاص ہے کہ:۔

اذا قحطت او اکسلت فلا غسل علیك

(جب انزال نہ ہو یا سُست پڑ جاؤ تو پھر تم پر غسل نہیں ہے)۔

لہٰذا ضروری ہے کہ اقل کو اعم سے مستثنٰی قرار دیا جائے اور اس کے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہیں تاکہ دونوں حدیثوں کے مطابق عمل کیا جا سکے۔ پھر حدیثِ ابوہریرہ میں اکسال والی حدیث کی نسبت ایک زائد

---

[1] علامہ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ابنِ حزم کی یہ بات محلِّ نظر ہے اس لیے کہ اگر ہم اس حدیث پر عمل کریں تو حدیث اذا التقی الختانان کا جواب کیا ہوگا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے التقاء ختانین کو موجب غسل قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں مُکرِہ یا نائم کی کوئی تخصیص نہیں کی۔ میرے خیال میں ابنِ حزم نے اس مسئلہ میں اجماعِ امت کو توڑ دیا ہے (احمد شاکر) (بشرطیکہ اجماع کا وجود ہو۔ البتہ جمہور سلف و خلف کے خلاف کہنا شاید صحیح ہو) (ابوالاشبال)

[2] یہاں بھی علامہ ذہبی کا ایک مختصر حاشیہ ہے جس کا مفادیہ ہے کہ مجنون پر غسل ہے۔ (اللھم اغفرلھم)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم بیان ہوا ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنا بھی واجب ہے۔

ہر وہ مقام جس میں ختنہ نہ ہوا ور نہ ممکن ہو اس میں آلۂ تناسل داخل کرنے سے غُسل کے واجب ہونے کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں، سنّت میں بھی کچھ ذکر نہیں۔ درج ذیل حضرات صحابہ کرامؓ کی رائے ہے کہ دخول کے بعد اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔ عُثمانؓ بن عفّان، علی بن ابی طالب، زُبیر بن عوّام، طلحہ بن عُبید اللہ، سعد بن ابی وقّاص، ابن مسعود، رافع بن خدیج، ابو سعید خُدری، اُبیّ بن کعب، ابو ایوب انصاری، ابن عباس، نُعمان بن بشیر، زید بن ثابت، اور جمہور انصار رضی اللہ عنہم علاوہ ازیں عطاء بن ابی رباح، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، ہشام بن عُروہ، اعمش اور بعض اہلِ ظاہر کی رائے بھی یہی ہے۔ البتہ ام المومنین حضرت عائشہ، ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمانؓ، علی، ابنِ مسعود، ابنِ عباس، ابنِ عمر اور مہاجرین رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی غسل واجب ہے۔ ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور بعض اصحاب ظاہر کی بھی یہی رائے ہے۔

۱۷۱۔ وجوبِ غُسل یہ سب لوگ جن کا ہم نے ذکر کیا، جب جنبی ہو جائیں تو ان کے لیے سر اور سارے بدن کا دھونا واجب ہو جاتا ہے۔ بے ہوش اور مجنون کے لیے غسل اس وقت واجب ہوگا جب انھیں افاقہ ہو جائے، سوئے ہوئے پر اس وقت جب وہ بیدار ہو، نشہ والے پر اس وقت جب اس کا نشہ ختم ہو۔ کافر پر اس وقت جب وہ مسلمان ہو، جنابت کے ساتھ ہی غُسل اور بلوغت واجب ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشادِ باری ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (المائدہ ۵: ۶)

(اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو)

اگر کافر اسلام سے قبل، مجنون افاقہ سے پہلے، بے ہوش اور نشہ میں مبتلا درست ہونے سے پہلے غسل کرے تو یہ غسلِ جنابت سے کفایت نہ کرے گا بلکہ انھیں دوبارہ غُسل کرنا پڑے گا کیونکہ یہ خروجِ جنابت کے باعث جنبی ہوتے ہیں اور اس جنابت کے باعث ان پر غسل واجب ہوا ہے اور فرض مامور صرف اسی وقت ادا ہوتا ہے جب اس کی ادائیگی کی نیت کی جائے۔ ارشاد باری ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینۃ: ۵)

(اور اُن کو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں)

اسی طرح بے وضو ان احوال میں اگر وضو کرلیں تو ان کا وضو درست نہ ہوگا اور ان احوال کے ازالہ کے بعد انھیں دوبارہ وضو کرنا ہوگا اور اس کا سبب یہی ہے جو ہم ابھی ابھی ذکر کرچکے ہیں۔

۱۷۲۔ جنابت کیا ہے؟ جنابت وہ پانی ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ آدمی کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے جس کی بُو کھجور کے گابھے کی سی ہوتی ہے۔ عورت کا پانی باریک اور پیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ عقیم و عاقر کا پانی بھی موجب غسل ہے، خصّی کا پانی موجب غُسل نہیں اور وہ شخص جس کا آلۂ تناسل کٹا ہوا ہو اور خُصیے دونوں یا ایک سالم ہوں تو اس کا پانی بھی موجب غُسل ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۲۱۹۔ [جیسے ہم نے از عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از عباس بن ولید از یزید بن زریع از ابن ابی عروبہ از قتادہ از انس روایت کیا] کہ اُمّ سُلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عورت جب آدمی کی طرح خواب میں دیکھے تو پھر کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ عورت جب خواب میں دیکھے تو غسل کرے۔ آپ سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ ایسا ہوتا بھی ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اولاد کی ماں کے ساتھ مشابہت بھی نہ ہو آدمی کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زرد۔ تو ان میں سے جس کے پانی کو غلبہ اور سبقت حاصل ہو جائے، بچے کی مشابہت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

یہی وہ پانی ہے جس کے خروج سے غُسل واجب ہوجاتا ہے، عقیم و عاقر اور سالم خصیہ والا جس کا ذکر مقطوع ہو، ان کے پانی کا خروج بھی موجب غُسل ہے۔ ذکر کے مقطوع اور خُصیہ کے سالم ہونے کی صورت میں بھی اولاد ہوسکتی ہے۔ خصی کا پانی پیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کے پانی کے خروج سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غُسل واجب ہونے کے سلسلے میں چونکہ کوئی نص نہیں ہے لہٰذا اس پر غسل واجب نہیں۔ اگر کسی عورت کی شرمگاہ کے کنارے کٹے ہوئے ہوں خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ اور منی اس کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے اور وہ حاملہ ہو جائے تو اس پر غُسل واجب ہو گا کیونکہ اسے بھی یقینی طور پر انزال ہوا ہے۔

۱۷۳۔ منی کا خروج مُوجبِ غُسل ہے

جنابتِ مذکورہ کا خروج خواہ کسی ضرب سے ہو یا علّت سے، بغیر لذّت کے ہو یا غیر شعوری طور پر یا ہاتھ سے ہر حال میں موجبِ غُسل ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدہ ۶:۵)

(اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جب بھی پانی کا خروج ہو غسل واجب ہو جاتا ہے" اور یہ عموم ان سب کے لیے ہے جن سے جنابت خارج ہو، اللہ عزّ وجل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کسی بھی حالت کو چونکہ مستثنیٰ قرار نہیں دیا ہے لہٰذا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ نص کے بغیر محض اپنی رائے سے نص کو مخصوص کر دے۔ امام شافعیؒ اور داؤدؒ ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی علّت کے باعث منی کا خروج ہو جائے یا بقول امام ابوحنیفہؒ کسی نے اپنے سرین پر مارا اور منی نکل آئی تو وضو کرنا ہو گا غُسل نہیں۔ یہ قول قرآن مجید اور سننِ ثابتہ کے خلاف ہے۔ قیاس کے بھی مخالف ہے۔ سلف میں سے بھی صرف سعید بن جبیرؒ اس بات کے قائل ہیں کہ غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب منی شہوت سے خارج ہو۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

اس قول کے خلافِ قیاس ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بول و براز اور ہوا کا خروج موجب وضو ہے اور اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ خروج کیسے ہو، اسی طرح حیض خواہ کیسے خارج ہو موجبِ غُسل ہے، اسی طرح ہم یہ کہیں گے کہ منی بھی خواہ کیسے خارج ہو موجبِ غُسل ہے تخصیص کرنے والوں نے نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن سے کوئی دلیل لی ہے، نہ سنّت کے مطابق عمل کیا ہے اور نہ قیاس ہی کو عمل میں لائے ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ انھوں نے دلیل یہ دی ہے کہ بول و براز کے خروج سے جسم پر کوئی خاص حالت طاری نہیں ہوتی لیکن منی کا جب شہوت سے خروج ہو تو اس کے نتیجے میں شہوت فرو ہو جاتی ہے اور جسم پر اثر مرتب ہوتا ہے لہٰذا منی کے خروج اور بول و براز کے خروج میں فرق ہے لیکن یہ مغالطہ ہے کیونکہ بوقتِ حاجت بول و براز اور ہوا کا خروج منی کے خروج کی نسبت زیادہ لذت بخش ہے۔ اسی طرح بول و براز اور ہوا کا نہ خارج ہونا منی کے عدم خروج کی نسبت زیادہ ضرر رساں ہے لہٰذا ان سب کا حکم ایک ہوا۔ وباللہ التوفیق۔

جُنبی کو اگر غسل سے ایذا پہنچتی ہو تو وہ تیمّم کرلے کیونکہ اُسے غُسل کرنے کی قُدرت نہیں ہے لہٰذا نصِ قرآنی کے مطابق اسے حکم یہ ہے کہ تیمّم کرلے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۷۴۔ غُسل کے بعد رطوبت کا خروج

اگر کسی عورت سے مباشرت کی گئی اور اُس نے غسل کرلیا لیکن غسل کرنے کے بعد اس کی شرمگاہ سے آدمی کا پانی نکل آیا تو اُسے نہ وضو کرنا پڑے گا اور نہ غُسل کیونکہ غُسل تو اُس کے اپنے انزال سے واجب ہوتا ہے کسی دوسرے کے انزال سے نہیں، اسی طرح وضو اس کے اپنے حَدَث سے واجب ہوگا غیر کے حدث سے نہیں۔ اور اس کی شرمگاہ سے آدمی کے پانی کا خروج نہ تو اس کا انزال ہے اور نہ حدث۔ لہٰذا نہ غسل واجب ہوگا اور نہ وضو، البتّہ حسنؒ بصری سے روایت ہے کہ عورت اس صورت میں غُسل کرلے۔ اسی طرح قتادہؒ، اَوزاعیؒ، احمد اور اسحاق فرماتے ہیں کہ وضو کرلے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول حُجّت نہیں[۱]۔

۱۷۵۔ انزال نہ ہو تو عورت پر غسل نہیں

اگر کسی عورت کے اندامِ نہانی میں مرد کا پانی داخل ہو گیا تو جب تک اُسے انزال نہ ہو اس پر غسل واجب نہ

---

[۱] وجوبِ غسل پر تو کوئی دلیل نہیں لیکن وجوبِ وضو پر یہ دلیل ہے کہ اس پانی کے ساتھ عورت کا پانی بھی ممزوج ہوگا لہٰذا بہتر یہ ہے کہ وضو کرلیا جائے۔ احمد شاکر۔ (یہ بھی ظن وتخمین ہے۔ اور اعمال شرعیہ کی بنیاد یقین پر ہے۔ ابوالاشبال)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگا۔ عطاء، زہری اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس پر غسل واجب ہے لیکن غسل کا وجوب تو قرآنی نص یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ ثابتہ سے ثابت ہوگا۔

۱۷۶۔ غسل کے بعد منی کا خروج

اگر کسی مرد و عورت نے مباشرت کی لیکن انھیں انزال نہ ہوا، پیشاب کیا یا نہ کیا مگر غسل کرلیا پھر غسل کے بعد دونوں یا کسی ایک کے مخصوص مقام سے بقیہ یا سارا پانی نکل آیا تو اس صورت میں غسل واجب ہوگا اور غسل کے بغیر چارہ کار نہیں۔ اگر اس سے قبل وہ نماز پڑھ چکے ہوں تو وہ نماز ہوجائے گی مگر غسل ضروری ہے۔ اگر پہلے غسل کے درمیان ہی پانی نکل آیا تو پھر از سرِ نو غسل شروع کرنا پڑے گا اور ایسا کرنا ضروری ہے۔ اس کی دلیل ارشادِ باری (وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا) ہی ہے اور "جنب" وہ ہے جس سے جنابت ظاہر ہو اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ جب پانی نکلے تو غسل کرلے اور اس عموم کی رائے کے ساتھ تخصیص جائز نہیں!

ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، مالک و شافعی رحمہم اللہ کی رائے:۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس سے منی خارج ہوتی ہے اگر اس نے پہلے پیشاب کرلیا تھا تو غسل واجب ہے اور اگر پیشاب نہیں کیا تھا تو پھر غسل واجب نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں پیشاب کیا یا نہ کیا اس پر غسل واجب ہے، شافعی کا قول ہمارے قول کی مانند ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

جو حضرات اس صورت میں غسل ضروری نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس نے پہلے غسل کرلیا ہے اور غسل اس لیے ہوتا ہے کہ جسم سے جنابت کو دُور کردیا جائے خواہ وہ ظاہر نہ ہوا لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ غسل تو صرف ظہورِ جنابت سے ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اذا رأت الماء" (عورت پر غسل ہے جب وہ پانی دیکھے) اگر کوئی آدمی خیالات سے لذّت یاب ہو رہا ہو حتّٰی کہ اسے یقین ہوجائے کہ منی مثانے میں آگئی ہے لیکن جب تک باہر نہ نکلے اس پر غسل واجب نہ ہوگا کیونکہ وہ ابھی تک جنبی نہیں ہوا، جو شخص اس انسان پر وجوب غسل کا دعویٰ کرے تو اُسے قرآن و سنت سے کوئی دلیل پیش کرنی چاہیے؛

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علیؓ، ابنِ عباسؓ اور عطاؒ سے بھی امام مالکؒ کے قول کی مانند مروی ہے تو ہم عرض کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے سوا کسی کا قول حجّت نہیں۔ حضرت علیؓ، ابنِ عباس اور ابنِ زبیر سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لیے غسل واجب ہے لیکن مالکؒ اور ابوحنیفہؒ اس کے قائل نہیں ہیں اور یہ بات سراسر باطل ہے کہ علیؓ اور ابنِ عباس ایک مسئلہ میں تو حجت ہوں اور دوسرے مسئلہ میں حجت نہ ہوں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۷۷۔ غسل کے لیے نیت ضروری ہے

جس نے عورت کے فرج میں اپنے آلۂ تناسل کو داخل کیا اور وہ جنبی ہوگیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غسل کے وقت دونوں (یعنی ایلاج اور جنابت) کی نیت کرلے، وضو بھی فرض ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں البتہ اعضاء کا غسل میں دُھل جانا بھی وضو کے بدلے کفایت کرسکتا ہے لیکن وضو اور غسل کے لیے نیت ضروری ہے اور اسی طرح یہ بات بھی نیت میں شامل ہونی چاہیے کہ یہ غسل ایلاج (عورت کی اندامِ نہانی میں دخول) اور جنابت کے باعث ہے گویا یہاں تین چیزیں ہیں۔ (۱) ایلاج (۲) جنابت اور (۳) غسل۔ اور تینوں امور کی نیت ضروری ہے۔ تینوں میں سے اگر بعض کی نیت کرلی اور بعض کی نہ کی تو جن کی نیت کرلی وہ امور درست ہوں گے اور جن کی نیت نہ کی انھیں دوبارہ سرانجام دینا ہوگا۔ اگر کوئی شخص احتلام کے باعث یا حالتِ بیداری میں دخول کے بغیر جنبی ہوا تو اس کے لیے صرف غسلِ جنابت کی ایک ہی نیت فرض ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط دخول کے باعث بھی غُسل فرض قرار دیا ہے خواہ انزال نہ ہو اور اسی طرح فقط انزال کے باعث بھی غسل ضروری قرار دیا ہے خواہ دخول نہ ہو، دخول کے باعث وضو بھی فرض قرار دیا ہے۔ یہ گویا مختلف اعمال ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى۔

(اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی) (بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

لہٰذا ہر اس کام کی ادائیگی کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے قصد و ارادہ ضروری ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ ایک عمل سب سے کفایت کر سکتا ہے کیونکہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب امور کے لیے ایک غسل ہی فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا نص سے ثابت ہوا کہ ایک غسل کافی ہے اسی طرح یہ بھی نص سے ثابت ہے کہ مختلف امور کے لیے مختلف نیتیں واجب ہیں۔ یہ نص سے ثابت نہیں کہ بعض امور کی نیت تمام سے کفایت کر سکتی ہے لہٰذا ایک نیت کافی نہ ہو گی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۷۸۔ جمعہ کے دن غُسل

بروز جمعہ ہر بالغ مرد و عورت پر غُسل فرض اور لازم ہے، اسی طرح خُوشبو اور مسواک بھی ضروری و لازم ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے

۲۲۰۔ [جیسے ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی از ابواسحاق ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابن مدینی از حرمی بن عمارہ از شعبہ از ابوبکر بن منکدر بیان کیا کہ] عمرو بن سلیم کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کے بارہ میں شہادت دیتا ہوں، حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ جمعہ کے دن ہر بالغ شخص پر غُسل واجب ہے نیز یہ کہ مسواک کرے اور خوشبو لگائے۔ عُمرو بن سُلیم کہتے ہیں کہ غُسل کے بارے میں تو شہادت دیتا ہوں کہ واجب ہے لیکن مسواک اور خُوشبو کے بارے میں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ واجب ہیں یا نہیں لیکن حدیث میں اسی طرح ہے۔ (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلاۃ، وابوداؤد کتاب الطہارۃ)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

وجوبِ غُسل کے بارے میں ہمیں حضرت عمر بن خطابؓ، ابنِ عمرؓ، ابنِ عباسؓ اور ابوہریرہؓ کے طُرق سے روایات پہنچی ہیں جو سب کی سب حد درجہ صحیح ہیں لہٰذا یہ خبر متواتر ہوئی جو کہ موجبِ علم ہے۔

وجوبِ غُسل بروز جمعہ کے قائلین میں سے حضرت عمر بن خطابؓ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں جمعہ کے دن فرضیتِ غسل کا مسئلہ بیان کیا تو کسی صحابی نے بھی آپ سے اختلاف نہ کیا۔ نیز ابوہریرہؓ، ابنِ عباسؓ ابوسعید خدریؓ، سعید بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمرو بن سلیمؒ، عطاؒ، کعبؓ اور مسیّب بن رافع بھی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ــــ جبکہ حضرت عثمانؓ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذرا تاخیر سے پہنچے تھے۔ آپ نے تاخیر کا سبب دریافت فرمایا تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ جونہی میں نے اذانؓ سُنی تو وضو کیا اور گھر سے نکل آیا ـــــ وَاللہ! آپ وضو کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ فرض ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غُسل کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم و مالک)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے لیے ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ سات دنوں کے بعد ایک دن غسل ضرور کرے، ہر چیز کو دھوئے، گھر میں ہو تو خوشبو بھی استعمال کرے۔ جمعہ کے دن غسل اسی طرح واجب ہے جیسے غسلِ جنابت واجب ہے۔

حدیث مذکور کا لفظ اول بطریق عبدالرزاق از ابن جُریج از عمرو بن دینار از طاؤس از حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳ : ۱۹۶) اور بلفظ ثانی بطریق مالک بن انسؒ از سعید مقبریؒ از حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں کوئی مسلمان جمعہ کے دن کا غُسل ترک نہیں کر سکتا۔ ابن مسعودؓ نے ایک بات کے ضمن میں فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں تو اس سے زیادہ احمق ثابت ہوں گا جو جمعہ کے دن غسل نہیں کرتا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں :-

حضرت ابن مسعودؓ فرض کے علاوہ اور کسی چیز کے تارک کو احمق قرار نہیں دے سکتے کیونکہ آپ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے کلمات ارشاد فرمائے تھے" اگر سچے ہیں تو کامیاب، اگر سچے ہیں تو جنت میں داخل ہوں گے"۔ اور وہ کامیاب انسان جسے جنت کی ضمانت دی گئی ہو احمق نہیں ہو سکتا۔ عمار بن یاسرؓ نے بھی ایک بات کے ضمن میں فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں تو اس شخص جیسا ہوں گا

لہ یہاں اذان اوّل" سے صرف اذان مراد ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانے تک ایک ہی اذان خطبہ کے وقت دی جاتی تھی اسے اذان اوّل سے صحابہ و تابعین تعبیر کرتے تھے اور اقامت کو اذان ثانی سے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک اذان کا اضافہ حسب ضرورت ہوا ۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو جمعہ کے دن غسل نہ کرے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن ہر بالغ شخص پر غسل واجب قرار دیا ہے۔ ابن عمرؓ سے جمعہ کے دن غسل کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بالغ شخص پر فرض قرار دیا ہے کہ وہ سات دنوں میں ایک بار اپنے سر اور بدن کو دھوئے اور وہ جمعہ کا دن ہونا چاہیے۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر گھر والوں کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی استعمال کرے اور جب آپ سے جمعہ کے روز غسل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہاں غسل کرو۔ خوشبو کا حکم بطریق حماد بن سلمہ از جعفر بن ابی وُحشیّہ از مجاہد از حضرت ابنِ عباسؓ مروی ہے، غسل کا حکم بطریق ابنِ جریج از عطاء از حضرت ابن عباس منقول ہے اور بطریق عبدالرزاق از سفیان ثوری ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا جمعہ کے دن غسل واجب ہے! اور بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان بن عیینہ از ابراہیم بن میسرہ از طاؤس روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال واجب قرار دیتے تھے۔ نیز بطریق یحییٰ بن ابی کثیر از ابو سلمہ روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہر مسلمان کو تین باتوں کا التزام کرنا چاہیے۔ (۱) غسل (۲) مسواک اور (۳) اگر میسر ہو تو خوشبو کا استعمال۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

الغرض ہمارے خیال میں کسی بھی صحابی سے صحیح سند سے ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے جمعہ کے دن کے غسل کی فرضیت کو ساقط قرار دیا ہو۔

متاخرین میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ غسل واجب نہیں ہے۔ انھوں نے دلیل کے طور پر حضرت عمرؓ و عثمانؓ کی مذکورہ حدیث پیش کی ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ لوگ جمعہ کے لیے اپنے گھروں اور کام کاج کی جگہوں سے کام کاج کے کپڑوں ہی میں آجاتے تھے جو غبار آلود ہوتے تھے اور اُن سے بُو آتی تھی، انہی میں سے ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا جب کہ آپ میرے گھر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے اسے دیکھ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کر فرمایا "اے کاش! کہ تم اس دن غسل کیا کرو۔" حضرت عائشہ ہی سے ان الفاظ سے بھی یہ روایت مروی ہے کہ لوگ محنت و مشقت کا کام کرتے تھے اور ان کے پاس اچھا لباس نہ تھا اس لیے ان سے بُو آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم جمعہ کے دن غسل کرو تو کیا خوب ہو۔" غسل کی عدمِ فرضیت کے قائلین نے حضرت حسن بصریؒ کی اس مرسل حدیث کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن غسل نہیں فرمایا کرتے تھے البتہ صحابہ کرامؓ غسل کیا کرتے تھے۔ نیز انھوں نے ابن عباسؓ کے طریق سے مروی اس حدیث کو بھی پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جمعہ کے دن غسل فرمالیا کرتے تھے اور کبھی نہیں فرمایا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری حدیث یوں بھی مروی ہے کہ آپ نے غسل کے سلسلے میں اختیار دیا تھا، جو غسل نہ کرے تو یہ واجب نہیں ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ غسل کیسے شروع ہوا، لوگ محنت و مشقت کے کام کرتے تھے، موٹا اونی لباس پہنتے، پشت پر بوجھ اٹھاتے اور اس وقت مسجد نبوی تنگ تھی، چھت بالکل قریب تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے مسجد میں جب جلوہ افروز ہوئے تو سخت گرمی کا دن تھا۔ لوگ اونی لباس میں پسینہ سے شرابور تھے جس کے باعث ناگوار سی بُو پیدا ہو رہی تھی جو ایک دوسرے کے لیے اذیت کا باعث تھی۔ آپؐ نے اس بُو کو محسوس کیا تو فرمایا "لوگو! جب یہ دن ہو تو غسل کیا کرو اور جس قدر میسر ہو عمدہ سے عمدہ تیل اور خوشبو استعمال کیا کرو۔" ابن عباس فرماتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت کر دی اور صحابہ کرام صوف کے علاوہ دیگر اچھا لباس پہننے لگے، کام کاج سے بھی فراغت ہوگئی، مسجد کو وسیع کر لیا تو وہ بُو بھی ختم ہوگئی جو ایک دوسرے کے لیے اذیت و ناگواری کا سبب تھی۔

غسل کی عدمِ فرضیت کے قائلین نے حضرت سمرہؓ کی روایت بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ۔

(جو شخص جمعہ کے دن وضو کرلے تو بہت خوب اور اگر غسل کرلے تو غسل بہت افضل ہے)

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نص حضرت انس، حسن، جابر، عبدالرحمٰن بن سمرہ اور ابوہریرہؓ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بھی روایت کرتے ہیں۔ نیز یزید بن عبداللہ ابوالعلاء سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

یہ سب دلائل جو ان حضرات نے پیش کیے ہیں ان کی دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ ان آثار میں کوئی خیر و برکت نہیں۔ البتہ عائشہؓ و عمرؓ کی احادیث صحیح ہیں لیکن یہ بھی اُن کے لیے دلیل نہیں بن سکتیں جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حسن اور یزید بن عبداللہ کی احادیث مرسل ہیں، حسن کی کتنی ہی مرسل روایات ہیں جسے انھوں نے حجت نہیں سمجھا۔ مثلاً نماز میں ہنسی سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں ان کی مرسل روایت کو مالکی و شافعی تسلیم نہیں کرتے، ان کی مرسل روایت ان الارض لا تنجس (زمین ناپاک نہیں ہوتی) کو حنفی تسلیم نہیں کرتے، اسی طرح یزید بن عبداللہ کی مراسیل کو بھی یہ لوگ حجت نہیں سمجھتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے کہ مرسل کو حجت قرار دیں لیکن پھر عمل نہ کریں یا حجت نہ سمجھیں لیکن پھر اسے بطورِ دلیل پیش کریں یعنی وہ ایسی بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ (کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ)

حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی جو دو حدیثیں ہیں ان میں سے ایک تو محمد بن مُعاویہ نَیسابُوری کے طریق سے ہے اور وہ وضع احادیث و کذب میں معروف ہے اور دوسری بطریق عمرو بن ابی عمرو از عکرمہ ہے اور ہمیں اسی طریق عمرو بن ابی عمرو از عکرمہ از ابنِ عباس یہ روایت پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ اَتٰی بَھِیْمَۃً فَاقْتُلُوْہُ وَاقْتُلُوْھَا مَعَہٗ

(جو شخص کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اسے قتل کر دو اور اس جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کر دو)

اگر عمرو کی خبر حجت ہے تو اس حدیث کے مطابق عمل کرو اور اگر حجت نہیں ہے تو پھر سنن ثابتہ کی تردید کے سلسلے میں عمرو کے ساتھ احتجاج بھی درست نہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک عمروؔ ضعیف ہے۔ ہم اسے اپنی

ؔ عمرو بن ابی عمرو ثقہ راوی ہے اس کی توثیق ابوزرعہ اور عجلی نے کی ہے اسی طرح احمد اور ابوحاتم: (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تائید میں بطورِ حجّت پیش نہیں کرتے! ورنہ اسے اپنے خلاف حجّت کے لیے تسلیم کرنے کو تیار ہیں، حق بات یہی ہے اور اس کی خلاف ورزی درست نہیں۔ اگر ہم اسے ایک مقام میں حجت سمجھتے تو پھر اس کی ہر خبر کو حجت تسلیم کرتے۔

اگر یہ کہیں کہ جانور اور اس کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کے قتل کے سلسلے میں ابن عباس سے صحیح سند کے ساتھ عمرو کی روایت کے خلاف ثابت ہے تو ہم کہیں گے کہ ابنِ عباس سے صحیح سند کے ساتھ عمرو کی روایت کے خلاف اسقاطِ غسل جمعہ کے خلاف ثابت ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں، پھر مزید یہ کہ اگر عمرو کی یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ان کی حجّت نہیں بن سکتی بلکہ ان کے خلاف یہ ہماری دلیل ہوگی کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے وہ وجوبِ غسل کا حکم ہے، وجوبِ غسل کے اسقاط کے سلسلے میں ان کی جس قدر تعلیقات ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔ یہ ابن عباسؓ کا کلام اور ظن ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کا قول حجّت نہیں!

حدیث سمرہ کے راوی حسن ہیں حالانکہ حسن کا سمرہ سے سماع صرف اور صرف حدیث عقیقہ میں ثابت ہے اور کسی حدیث کے لیے ثابت نہیں ہے اگر یہ لوگ اس کے ساتھ احتجاج کے سلسلے میں اصرار کریں تو ہم کہیں گے کہ ہمیں بطریق حسن از سمرہ روایت پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَهُ جَدَعْنَاهُ۔

(جس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا ہم اسے قتل کر دیں گے اور جس نے اس کی ناک کاٹی ہم اس کی ناک کاٹ دیں گے)

حنفی، مالکی اور شافعی اس حدیث کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح اسی سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لا بأس به سے اس کی توثیق کرتے ہیں صرف حدیث بہیمہ کو لوگوں نے اس کی روایت میں منکر قرار دیا ہے۔ بخاری و مسلم نے اس سے روایتیں لی ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں اس کی حدیث صحیح سے کم درجہ پر ہے یعنی حسن۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عھدۃ الرقیق اربع (یعنی غلام کے عہد چار ہیں)

یہ لوگ اس حدیث کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ یہ بات انتہائی باطل اور مستحق عار ہے کہ دین میں اس روایت کو تو قابلِ حجت سمجھتے ہیں جو ان کی تقلید کے موافق ہو اور اسے قابلِ حجت نہیں سمجھتے جو تقلید کے مخالف ہو، جس دین میں یہ روش اختیار کی جائے وہ باقی نہیں رہتا کیونکہ یہ خواہش نفس کی اتباع ہے۔

حدیث انسؓ کا راوی یزید رقاشی ہے اور وہ[1] ضعیف ہے۔ امام شعبہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے یزید رقاشی سے روایت کرنے کے بجائے ڈکیتی اور زنا زیادہ محبوب ہے انھوں نے خود یزید کی کئی روایات کو ترک کر دیا ہے اور اس کے ضعیف ہونے کے سبب انھیں قابلِ احتجاج نہیں سمجھا۔ حدیث انس کا دوسرا راوی ضحاک بن حمزہ بھی ہے اور وہ ہالک ہے۔ وہ حجاج بن ارطاۃ سے روایت کرتا ہے اور وہ ساقط ہے، اور وہ ابراہیم بن مہاجر سے روایت کرتا ہے جو کہ ضعیف ہے۔

پھر جب ہم نے حدیثِ جابرؓ کا جائزہ لیا تو اسے بھی ساقط پایا کیونکہ وہ مختلف طرق سے مروی ہے اس کی ایک سند میں تو ایک راوی مجہول ہے، اس کے نام کا ہی پتہ نہیں کہ وہ کون ہے دوسری سند میں ابوسفیان جابر سے روایت کرتا ہے اور وہ ضعیف ہے اور محمد بن الصّلت مجہول ہے اور تیسری سند حسن عن جابرؓ ہے اور حسن کا جابر سے سماع ثابت نہیں۔

عبدالرحمٰن بن سُمرہ کی حدیث سلم بن سلیمان ابوہشام بصری کی سند کے ساتھ مروی ہے جو کہ قوی نہیں ہے

حدیث ابوہریرہؓ کی سند میں ابوبکر ہذلی سخت ضعیف ہے۔

تو گویا یہ سب آثار ساقط الاعتبار ہیں پھر اگر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو بھی جائیں تو ان میں اس بات کی نص اور دلیل نہیں ہے کہ غسلِ جمعہ واجب نہیں ہے بلکہ ان میں ذکر یہ ہے کہ وضو ایک اچھا عمل ہے لیکن غسل

---

[1] یزید بذاتِ خود زاہد، شب بیدار اور خوف الٰہی سے رونے والا شخص ہے لیکن زہد و عبادت نے ان کو حفظ حدیث سے باز رکھا اور وہ سیئ الحفظ بھی ہیں۔ لہٰذا بقول ابنِ حبان ان سے روایت حدیث حلال نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

افضل ہے اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ط (آل عمران ، ۱۱۰)

(اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا)

تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان اور تقویٰ فرض نہیں ہے ؛ حاشا للہ ہرگز نہیں! پھر اگر یہ احادیث اس بارے میں نص بھی ہوں کہ غسلِ جمعہ فرض نہیں ہے تو پھر بھی حجت نہ ہوں گی بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان

غُسْلُ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔

(جمعہ کے دن ہر بالغ اور ہر مسلمان کے لیے غسل کرنا فرض ہے۔)

سے قبل کے حالات کے مطابق ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایک ثابت شدہ شریعت ہے اور اس میں ایک حکم زائد بھی ہے اور بغیر کسی شک کے یقینی طور پر پہلی حالت کے لیے ناسخ ہے اور یہ جائز نہیں کہ جو حکم یقینی طور پر ناسخ ہوا سے ترک کر دیا جائے اور منسوخ کو اخذ کر لیا جائے۔

حدیث عائشہؓ جس میں یہ ذکر ہے کہ لوگ محنت مزدوری کرتے تھے اور غبار آلود کپڑوں ہی میں گرد و نواح کے علاقوں سے جمعہ پڑھنے آ جایا کرتے تھے۔ پسینہ کے باعث جب ناگواری کا احساس ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے کاش! کہ تم اس دن غسل کیا کرو" یا آپ نے یہ فرمایا کہ "تم غسل کیوں نہیں کرتے"! یہ خبر صحیح ہے لیکن ان کے لیے بالکل حجّت نہیں بن سکتی کیونکہ یقینی طور پر یہ حدیث اس دور سے تعلّق رکھتی ہے جب آپ نے ابھی تک منبر پر جلوہ افروز ہو کر یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ جمعہ کے دن غسل واجب ہے اور نہ ابھی تک یہ خبر دی تھی کہ جمعہ کے دن کا غسل، خوشبو اور مسواک ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے اور نہ آپ نے ابھی تک یہ خبر دی تھی کہ اللہ کی طرف سے ہر مسلمان پر فرض ہے یا پھر ان کا تعلّق جو کچھ ہم نے ذکر کیا ان سب کے بعد سے ہے۔ تیسری تو کوئی صورت ہو نہیں سکتی اور اگر حضرت عائشہؓ کی حدیث حضرت عمرؓ، ان کے صاحبزادے، ابوہریرہ، ابن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ اور جابرؓ کی روایات سے پہلے ہے، تو کوئی بھی عقلمند اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ حکم متاخّر کے مطابق ہوتا ہے اور اگر حدیثِ عائشہؓ کا تعلّق ان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب امور یعنی جمعہ کے دن وجوبِ غُسل، مسواک، خوشبُو اور حقوق اللہ میں سے ہونا وغیرہ کے بعد کے حالات سے ہے تو اس میں سابقہ وجوب کے نسخ کی کوئی دلیل و نص نہیں ہے اور نہ حقوقِ الٰہی کے ساقط ہونے کی کوئی دلیل ہے بلکہ ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اس مامور اور واجب غسل کو ترک کرتے ہیں یعنی یہ گویا یقینی امر کی مزید تاکید ہے اسقاط نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے منع فرمایا جب لوگ نہ رُکے تو آپ نے بھی ان کی سزا کے طور پر وصال شروع فرمادیا تھا تو کیا کسی کی یہ عقل تسلیم کرتی ہے کہ اس سے وصال کی ممانعت منسوخ ہوگئی؟

ہر وہ بات جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ہر مسلمان پر واجب اور ہر بالغ کے لیے اللہ کا حق ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ اُسے منسوخ یا مندوب قرار دیں الا یہ کہ کوئی نص جلی مل جائے اور اس میں قطعی طور پر یہ وضاحت ہو کہ یہ نص بعد میں وارد ہوئی ہے اور اس میں یہ وضاحت بھی ہو کہ یہ مندوب اور یہ منسوخ ہے۔ ناقابلِ یقین اور جھوٹے اوہام و ظنون کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر نسخ کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

یہ صحیح طور پر ثابت نہیں ہوسکتا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کا تعلق وجوبِ غسل کے بعد کے زمانہ سے ہے لیکن یہ روایت ہی اس بات پر بیّن دلیل ہے کہ اس کا تعلق وجوب سے قبل کے زمانہ سے ہے کیونکہ اس میں یہ ذکر موجود ہے کہ لوگ اپنے کام کاج خود کرتے تھے۔ تنگی تُرشی اور قلّتِ مال کا دور تھا اور بلاشک وشبہ یہ ہجرت کے ابتدائی دور کے حالات ہیں اور پھر وجوبِ غسل کے راوی ابوہریرہؓ اور ابنِ عباسؓ دونوں اسلام اور صحبت کے اعتبار سے متاخر ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فتح خیبر کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے معاشی احوال درست ہوگئے تھے۔ تنگی تُرشی کا دور ختم ہوچکا تھا۔ ابنِ عباسؓ کا تعلق فتح مکّہ کے بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف ڈھائی سال پہلے سے ہے لہٰذا سب اشکال ختم ہوگئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

حدیث عمرؓ کی بابت ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر عمرؓ و عثمانؓ اور اس وقت موجود دیگر صحابہ کرامؓ کے نزدیک غُسل جمعہ واجب ہوتا تو حضرت عثمانؓ کیوں ترک کرتے اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ حضرت عثمانؓ کو کیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ترکِ غسل کی اجازت دیتے تو یہ واقعہ گویا اس بات پر دلالت کناں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک غسلِ جمعہ فرض نہ تھا۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

ہمیں نہیں معلوم کہ یہ بات ان کی زبانوں پر کیسے آگئی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس روایت میں اس پر نہ کوئی نص ہے اور نہ دلیل بلکہ نص اور دلیل ان کے خلاف ہے اور وہ اس طرح کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس دن کے آغاز میں غسل نہ کیا تھا؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے انھیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ واپس جاؤ اور غسل کر کے آؤ۔

اگر یہ کہیں کہ تمھارے پاس کیا دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دن کے آغاز میں غسل کیا تھا؟ اور اس کی کیا دلیل کہ حضرت عمرؓ نے انھیں رجوع اور غسل کا حکم دیا تھا؟ ہم عرض کریں گے کہ یہ تسلیم کہ ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لیکن اس کے خلاف تمھارے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تو پھر تمھارا دعویٰ کیسے درست اور تمھاری کہانت کیسے سچی ہوئی اور تمھیں بغیر علم کے ایک بات کہہ دینا کیسے گوارا ہوا اور تمھیں تمھارے غیر کی نسبت کس نے بہتر قرار دیا؟ جب تمھارا دعویٰ بھی سچا ہو سکتا ہے اور ہمارا بھی، تو پھر حق بات یہ ہے کہ یہ خبر نہ تمھارے حق میں دلیل بن سکتی ہے اور نہ تمھارے خلاف اور اسی طرح نہ ہماری دلیل بن سکتی ہے اور نہ ہمارے خلاف اور یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہیں لیکن ہم نے اپنے موقف کی تائید میں جو کچھ کہا ہے دلیل سے کہا ہے۔

باقی رہے حضرت عثمانؓ تو آپ کے بارے میں

۲۲۱- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوکریب و ابن راہویہ از وکیع از مسعر از جامع بن شداد بیان کیا کہ] عمران بن ابان کہتے ہیں کہ میں آپ کے لیے پانی کا انتظام کرتا اور آپ بلا ناغہ ہر روز غسل فرمایا کرتے تھے (مسلم کتاب الطہارت) صحیح ترین سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ روزانہ غسل فرمایا کرتے تھے لہٰذا یقیناً آپ نے جمعہ کے دن بھی غسل فرمایا ہوگا۔ اگر یہ روایت نہ بھی ہوتی تو پھر بھی ضروری تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم کی مخالفت کا گمان نہ کیا جاتا بلکہ قطعی طور پر اطاعتِ رسول کا فیصلہ کیا جاتا جیسا کہ ہم قطعی طور پر آپ کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ آپ نے اس دن صبح کی نماز پڑھی اور بلاشک وشبہ دیگر دینی لوازم بھی پورے کیے خواہ ان امور کا کسی روایت میں ذکر ہو یا نہ ہو۔

حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل بلاشک وشبہ ہماری ایک مضبوط دلیل ہے اور وہ اس طرح کہ جمعہ کے لیے آنے سے پہلے حضرت عثمانؓ کے غسل نہ کرنے کو حضرت عمرؓ نے اچھا نہ سمجھا حتیٰ کہ آپ کو خطبہ منقطع کر کے پوچھنا پڑا۔ اگر حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ کرامؓ غسلِ جمعہ کی فرضیت کے قائل نہ ہوتے تو آپ خطبہ منقطع نہ فرماتے۔ حضرت عمرؓ نے حلف اٹھاتے ہوئے فرمایا:

واللہ ما ھو بالوضوء۔ واللہ! وضو نہیں۔

اگر آپ کے نزدیک غسل فرض نہ تھا تو پھر آپ کی قسم سچی نہ ہوتی۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ بلاشک ترکِ غسل پر انکار ہے اور یہ اعلان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن غُسل کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ قطعاً جائز نہیں کہ حضرات صحابہ کرام میں سے کسی کے بارے میں ہم یہ گمان کریں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے تھے کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (النور: ۶۳)

(تو جو لوگ ان کے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)۔

تو صحیح بات یہ ہے کہ یہ خبر ہماری دلیل بنی اور اس سے مسئلہ زیرِ بحث کے سلسلے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ثابت ہوا کیونکہ کسی بھی دوسرے صحابی نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ غسل تو ان پر واجب نہ تھا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور غسل کے معاملے کو عظیم سمجھا تو حضرت عثمانؓ نے درج ذیل جوابات میں سے کوئی ایک جواب یقینی طور پر دیا ہوگا۔

۱۔ میں نے بازار کی طرف نکلنے سے پہلے ہی غسل کر لیا تھا۔

۲۔ میں عذر کی وجہ سے غسل نہ کر سکا۔

۳۔ میں بھول گیا تھا، اب گھر جاتا ہوں اور غسل کر کے واپس آتا ہوں۔ آپ کا گھر مسجد کے دروازے کے قریب تھا اور اب تک مشہور ہے۔

۴۔ میں غسل کر لوں گا کیونکہ غسل جمعہ کے دن کے لیے ہے جمعہ کی نماز کے لیے نہیں ہے۔

یہ چار جوابات ہیں اور ہمارے قول کے موافق ہیں۔ یا یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ یہ تو ایک مندوب امر ہے کوئی فرض تو نہیں۔ یہ جواب ہمارے مخالفین کے قول کے مطابق ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ ان پانچ ممکن جوابات میں سے انھوں نے ایک ہی کو کیوں لے لیا ہے اور باقی کو کیوں نہیں لیا حالانکہ یہ سب ممکن ہیں مگر حدیث میں ان میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے، انھوں نے جس جواب کو لیا ہے اس کے بجائے دیگر کا زیادہ امکان ہے کہ ان میں سے آپ نے کوئی جواب دیا ہو کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے خطاب کے موافق ہیں اور انھوں نے جس جواب کو لیا ہے یہ محض کہانت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور صحابہ کرامؓ کے اجماع کے مخالف ہے پھر ان کا یہ باطل دعویٰ صحیح بھی نہیں کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے جو اس وقت موجود تھے، امر غسل کو مندوب سمجھا بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرات غسل کو فرض سمجھتے تھے جیسا کہ حدیث کی نص سے ثابت ہے، ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ، سعدؓ اور ابوسعیدؓ اور ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ کے انتقال کے عرصہ بعد بھی قطعی طور پر وجوب غسل کے قائل تھے لہٰذا اجماع کے ساتھ ان کے جھوٹے دعووں کے خلاف صحیح امر ثابت ہوگیا۔ جب کسی بات میں تنازع ہو تو بعض کے اقوال بعض کی نسبت کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے بلکہ اس وقت سنّتِ رسول کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے اور سنّتِ رسول سے ثابت ہے کہ جمعہ کے روز غسل، مسواک اور خوشبو واجب ہے، اگر یہ دعویٰ کریں کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوہریرہؓ، سعدؓ، ابوسعیدؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ نے اجماع کی مخالفت کی ہے تو پھر اُن کے لیے ضلالت کافی ہے!

اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ نے یہ کہا ہو کہ جمعہ کے دن غسل مندوب ہے ـــــ اللہ کی پناہ کہ ان سے یہ منقول ہو ـــــ تو انھوں نے اس باطل اور کہانت آمیز بات میں حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے خلاف بات کو اہمیت کیوں دی حالانکہ انھوں نے ان دونوں بزرگوں کے خلاف اس امر کو اہمیت نہیں دی جس کا اسی حدیث میں تذکرہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ چھوڑ کر حضرت عثمانؓ سے گفتگو شروع کر دی اور حضرت عثمانؓ نے خطبہ شروع ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ کی بات کا جواب دیا..... اور یہ لوگ اس کے جواز کے قائل نہیں!

اسی طرح یہ حدیث بھی بطریق مالک از ہشام بن عروہ ثابت ہے، جو وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سجدہ والی آیت تلاوت کی تو منبر سے نیچے اُتر کر سجدہ کیا اور صحابہ کرام نے بھی سجدہ کیا، پھر آپ نے دوسرے جمعہ کو بھی اسی آیت کی تلاوت کی تو صحابہ کرام سجدہ کے لیے تیار ہو گئے مگر آپ نے فرمایا، اطمینان وسکون سے تشریف رکھو، اللہ تعالیٰ نے اس سجدہ کو ہم پر فرض قرار نہیں دیا الّا یہ کہ ہم خود چاہیں!

مالکی کہتے ہیں کہ ہمارا اس کے مطابق عمل نہیں اور احناف سجدۂ تلاوت کو واجب کہتے ہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

کیا اس سے زیادہ تعجب انگیز بلکہ باطل کوئی اور بات ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ گفتگو تو ان کے نزدیک حجّت ہے حالانکہ اس میں غُسلِ جمعہ کی فرضیت کے اسقاط کا کوئی ذکر تک نہیں لیکن پھر حضرت عمرؓ کے عمل اور حضراتِ صحابہ کرام کی موجودگی میں اس ارشاد کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ سجدہ کی آیت کی تلاوت کے موقع پر سجدہ فرض نہیں اور نہ اس بات کی کوئی پرواہ کرتے ہیں کہ آپ سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد منبر سے سجدہ کے لیے نیچے اُترے! کیا اس سے زیادہ کوئی باعثِ تعجب بات ہو سکتی ہے، یہ تلاعب تو مذاق ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کتنے ہی مسائل ہیں جن میں انھوں نے ان حضرات کی (یعنی اپنے اپنے امام ومقلّد) کی آراء کی تقلید کے باعث جن کے تمام اقوال کی درستگی کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، حضرت عمرؓ وعثمانؓ کی مخالفت کی ہے مثلاً حضرت عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اورکئی دیگر صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ انزال نہ ہو تو محض دخول سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جنبی کو پانی نہ ملے تو اس کے لیے تیمّم اور نماز جائز نہیں خواہ مہینہ بھر ایسا ہی رہے۔

اسی طرح روایت ہے کہ حضرت عمرؓ وعثمانؓ نے غارہ[۱] کی اولاد کے بارے میں فیصلہ یہ فرمایا کہ یہ اپنے آقا کی غلام ہوگی اور اس طرح کی مثالیں بکثرت موجود ہیں جن میں ان لوگوں نے حضرت عمرؓ وعثمانؓ کی مخالفت کی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غسلِ جمعہ کو فرض قرار دینے سے مصیبت بڑھ جائے گی اور پھر اگر فرض ہوتا تو علماء سے مخفی نہ رہتا تو ہم عرض کریں گے کہ جی ہاں! بالکل مخفی نہیں۔ سب صحابہ کرامؓ فرضیتِ غسلِ جمعہ کا علم رکھتے تھے اور اس کے قائل بھی تھے۔

البتہ حنفیوں نے ہر اس خون کے باعث جو سوڑھوں یا جسم کے کسی حصہ سے خارج ہو نیز قے وغیرہ کی وجہ سے وضو کو واجب قرار دیا ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس سے مصیبت بڑھ جاتی ہے، و نیز حنفیہ کے علاوہ اور کوئی اس کا قائل نہیں لیکن انھوں نے اپنے خلاف حجّت نہیں سمجھا۔

مالکی غسل میں جسم کو اچھی طرح ملنا اور وضو جلدی جلدی کرنا واجب قرار دیتے ہیں اور اس کے بغیر

---

[۱] غارہ وہ عورت ہے جس کے بارے میں خاوند دھوکا کھا گیا ہو یعنی اس نے اسے آزاد سمجھا ہو پھر بعد میں معلوم ہوا ہو کہ یہ تو لونڈی ہے۔ ابن حزم نے آپ کا اس مسئلہ میں یہاں جو مسلک ذکر کیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو ابنِ اثیرؒ نے "النہایہ" میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ دھوکا دینے والے کو جرمانہ کیا جائے گا اور اولاد آزاد ہوگی (شاید اس بارے میں دو متضاد قول مروی ہیں۔ واللہ اعلم)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طہارت اور نماز کو باطل قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ امر بھی مصیبت کا باعث ہے اور مالکیہ کے سوا کوئی بھی اس کا قائل نہیں لیکن انھوں نے اس مسئلہ کو اپنے خلاف حجت نہیں سمجھا۔

شافعیہ کے نزدیک دُبر کو ہاتھ لگانے اور بیٹی اور ماں کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ یہ امر بھی مصیبت کا باعث ہے۔ شافعیہ کے علاوہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں لیکن یہ اس مسئلے کو اپنے خلاف حجت نہیں سمجھتے۔ حجت اس وقت سمجھتے ہیں جب ان کی خواہشات اور تقلید کی مخالفت ہوتی ہو۔

ہم دین میں اس جیسے طرزِ عمل سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس بات سے بھی اللہ کی پناہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی چیز کے بارے میں فرمائیں کہ یہ ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے اور ہر بالغ مسلمان کے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق ہے لیکن ہم کہیں کہ یہ واجب نہیں اور نہ حق ہے حالانکہ یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ اس سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین علی عظیم نعمتہ۔

۱۷۹۔ غسلِ جمعہ کا وقت

جمعہ کا غسل جمعہ کے دن کے لیے ہے، جمعہ کی نماز کے لیے نہیں، اگر جمعہ اور عصر کی نماز پڑھ لی اور پھر غسل کیا تو بھی کافی ہے[1]۔ غسل مذکور کا وقت جمعہ کے دن کی طلوعِ فجر سے لے کر سورج غروب ہونے سے اتنی دیر پہلے تک ہے کہ غروب سے پہلے پہلے غُسل ہو سکے البتہ سب سے افضل وقت جمعہ کے لیے جانے سے متّصل پہلے کا وقت ہے جیسا کہ دوسرے لوگوں کے لیے غسل جمعہ لازمی ہے ایسے ہی حیض و نفاس والی عورتوں کے لیے بھی لازمی ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے

۲۲۲۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد انا ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری انا ابوالیمان حکیم بن نافع از شعیب بن ابوحمزہ از زہری بیان کیا کہ] طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابنِ عباسؓ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن جنبی نہ بھی ہو تو غسل کرو اور خوشبو لگاؤ۔ انھوں نے کہا کہ غسل

---

[1] المحلّٰی کے مطبوعہ نسخہ میں ہے "اور غسل نہ کیا تو کافی ہے" اس کے محقق نے حاشیہ میں وضاحت کر دی ہے کہ یہ عبارت غلط ہے صحیح یہ ہے کہ "پھر غسل کیا تو کافی ہے" کیونکہ مصنف کا مسلک اور تسلسل عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں تو آپ کا حکم ہے لیکن خوشبو کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔ (بخاری ونسائی کتاب الصلاۃ)

دوسری دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے

۲۲۳۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن حاتم از بہز از وہیب بن خالد از عبداللہ بن طاؤس از پدرِ خود از ابوہریرہؓ بیان کیا] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَقٌّ اللّٰہِ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّغْتَسِلَ فِی کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ یَغْسِلُ رَأْسَہٗ وَجَسَدَہٗ۔

(اللہ تعالٰی کا ہر مسلمان کے ذمے یہ حق ہے کہ وہ سات دنوں کے بعد اپنے سر اور جسم کو دھوئے) (بخاری کتاب الصلاۃ والانبیاء۔ مسلم ونسائی کتاب الصلاۃ)

۲۲۴۔ [ہم سے احمد بن محمد طلمنکی از محمد بن احمد بن مفرج از محمد بن ایوب صموت از احمد بن عمرو البزار از یحیٰی بن حبیب بن عربی از روح بن عبادہ از شعبہ از عمرو بن دینار از طاؤس بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ سات دن بعد ہر مسلمان پر غسل کرنا فرض ہے اور وہ جمعہ کا دن ہونا چاہیے۔

جابرؓ اور براءؓ سے بھی ہم نے اس حدیث کو مسند روایت کیا ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ غسل، جمعہ کے دن کے لیے ہے، جمعہ کی نماز کے لیے نہیں! نافع سے ابنِ عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ جمعہ کے دن طلوعِ فجر کے بعد غسل کیا کرتے تھے اور اسی کو غسلِ جمعہ کے طور پر کافی سمجھتے تھے اور بطریق شعبہ از منصور بن معتمر از مجاہد روایت ہے کہ جب کوئی شخص طلوعِ فجر کے بعد غسل کرے تو کافی ہوگا۔

حضرت حسن اور ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح منقول ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ غسل جمعہ کے دن کے لیے ہے لہٰذا دن کے جس حصہ میں بھی غسل کرے جائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے بطریق شعبہ از حکم از نافع روایت کیا کہ ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِذَا رَاحَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْجُمُعَۃِ فَلْیَغْتَسِلْ۔

(جب کوئی جمعہ کے لیے روانہ ہو تو اسے غسل کرکے جانا چاہیے) (نسائی کتاب الصلاۃ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز ہم نے بطریق لیث از نافع روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْتِيَ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔

(جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کو آنے کا ارادہ کرے تو غسل کر کے آئے) (مسلم کتاب الصلاۃ)

اور بطریق لیث از زہری از عبداللہ از عبداللہ بن عمرؓ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سر منبر فرمایا کہ

مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔

(جو شخص جمعہ کے لیے آئے، غسل کر کے آئے۔) (مسلم، ترمذی، نسائی کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

ہم عرض کریں گے کہ یہ سب صحیح آثار ہیں لیکن ہم نے جو کچھ کہا اس کے مخالف نہیں۔ آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ "جو شخص جمعہ کے لیے آئے، غسل کر کے آئے" تو اسی نص پر ہمارے قول کی بنیاد ہے اس میں جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم ہے، خواہ کسی وقت کرے، وقت کا تعین نہیں ہے۔ اس حدیث میں کچھ حصہ بیان کیا گیا ہے جو بعض دیگر روایات میں بھی ہے کیونکہ اس میں ہر اس انسان کے لیے غسل کو واجب قرار دیا گیا ہے جو جمعہ کے لیے آئے، جو جمعہ کے لیے نہ آئے اس سے غسل کے اسقاط کا ذکر نہیں ہے، بعض دوسری احادیث جو ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعیدؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہیں ان میں ذکر ہے کہ یہ غسل ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ گویا ان احادیث میں حدیث ابن عمرؓ کی نسبت ایک زائد حکم بیان کیا گیا ہے، جس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ "جو شخص جمعہ کے لیے آنے کا ارادہ کرے، تو وہ غسل کرے"۔ یہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ انسان کبھی کبھی جمعہ کے لیے آنے کا دن کے ابتدائی حصہ ہی میں ارادہ کر لیتا ہے اور اس حدیث یا کسی دوسری میں یہ پابندی عائد نہیں کی گئی کہ جمعہ کے لیے دن کے ابتدائی حصہ میں نہ آئے اور نہ پابندی ہے کہ وہ ارادہ کے ساتھ ہی آجائے بلکہ ارادے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ www.KitaboSunnat.com

مسجد میں جمعہ کے لیے آنے کے درمیان کئی گھنٹوں کا وقفہ بھی جائز ہے اور اس حدیث میں کوئی ایسی نص یا دلیل نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ جمعہ کے لیے جاتے وقت ہی غسل کرنا چاہیے۔

باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "جب کوئی جمعہ کے لیے روانہ ہو تو غسل کرے"۔ تو اس سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ غسل روانگی کے بعد ہونا چاہیے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ:۔

فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ (النساء: ۱۰۳)

(پھر جب خوف جاتا رہے تو نماز پڑھو)

یا روانگی کے ساتھ ہی غسل ہونا چاہیے جیسا کہ فرمان ربانی ہے:۔

إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق: ۱)

(جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو، تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو)۔

یا روانگی سے پہلے غسل ہونا چاہیے جیسا کہ اس ارشادِ باری (میں "اذا" پیشگی کے مفہوم میں ہے)

إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً (المجادلہ: ۱۲)

(جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہو تو بات کہنے سے پہلے صدقہ دے دیا کرو)

جب یہ سب کچھ ممکن ہے اور اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں جس سے ثابت ہو کہ غسل روانگی کے ساتھ ہی واجب ہے تو ہماری بات درست ہوئی۔ والحمد للہ۔

علاوہ ازیں جب ہم حدیث ابن عمرؓ کے الفاظ کے مقتضیٰ کی تحقیق کرتے ہیں، تو یہ بھی ہمارے قول پر دلالت کناں ہیں اور وہ اس طرح کہ ایک روایت میں " اذا راح احدکم الی الجمعۃ فلیغتسل" ہے تو دوسری روایت میں ہے " اذا اراد احدکم ان یاتی الی الجمعۃ فلیغتسل" اسی طرح تیسری روایت میں ہے "من جاء منکم الجمعۃ فلیغتسل" ان روایتوں کا مفہوم یہ ہوا کہ جو شخص جمعہ کے لیے جانے والوں میں سے ہو، یا جمعہ کے لیے جا رہا ہو، یا جمعہ پڑھنے کے لیے جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر غسل واجب ہے۔" گویا ان احادیث میں جمعہ کے غسل کے وقت کا تعین نہیں ہے تو گویا اس حدیث کے الفاظ ہمارے قول کے مطابق ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے مخالفین کا یہ اصول طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی، اس حدیث کے معنی و مفہوم کو زیادہ بہتر جانتا ہے تو ابن عمرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کے بارے میں روایت ہے کہ آپ جمعہ کے دن طلوعِ فجر کے بعد ہی غسل فرما لیا کرتے تھے۔

اقوال ائمہ اور ابن حزم کا نقد مالک و اوزاعی کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن کا غسل روانگی کے ساتھ ہی ہونا ضروری ہے مگر امام اوزاعی نے اتنا فرق کیا ہے کہ اگر طلوعِ فجر سے پہلے غسل کر لیا تو وہی کفایت کر جائے گا۔ لیکن امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر غسل کے بعد پیشاب کر لیا یا وضو ٹوٹ گیا تو غسل نہیں ٹوٹے گا صرف وضو کرنا پڑے گا۔ اگر غسل کرنے کے بعد کچھ کھا لیا یا سو گیا تو غسل ٹوٹ جائے گا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: یہ اقوال عجیب و غریب ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ، لیثؒ، سفیانؒ، عبدالعزیز بن ابی سلمہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور داؤدؒ ظاہری کا قول ہمارے قول کی مانند ہے۔

طاؤس، زہریؒ، قتادہؒ اور یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کا غسل کرنے کے بعد بے وضو ہو جائے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ دوبارہ غسل کر لے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: امام مالکؒ کا قول ایسا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین میں سے کسی اور سے اس کے مطابق منقول نہیں، قرآن، سنت، قیاس اور کسی صحابی کا قول بھی اس کی تائید نہیں کرتا۔ حالانکہ اکثر ہمارے مخالفین ہم پر بطور طعن اسی قسم کی روایتیں جن کے بارے میں کسی صحابی کے اختلاف کا ان کو علم نہیں ہوتا فرماتے ہیں کہ تم نے فلاں صحابی کی مخالفت کی لیکن یہاں اس مسئلہ میں ابن عمر کا مخالف کوئی ایک صحابی بھی نہیں اس کے باوجود انھوں نے مخالفت کی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ آپ سے پہلے یہ کس نے کہا ہے کہ غسل جمعہ کے دن کے لیے ہے، جمعہ کی نماز کے لیے نہیں ہے؟ تو ہم عرض کریں گے کہ اس مسئلہ میں جن جن حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں، ان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، اور ابویوسفؒ اور کئی دیگر ائمہ سے بطورِ نص بھی منقول ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات جمعہ کے دن ہر وقت غسل مباح قرار دیتے ہیں، سارا دن ترک غسل کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بھی جائز سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس شخص کی تردید بھی کرتے ہیں جو غسل کے لیے انہی اوقات کا قائل ہے، جن اوقات میں یہ جائز قرار دیتے ہیں۔ و باللہ تعالی التوفیق۔

۱۸۰۔ غسل میّت

ہر مسلمان میّت کو غسل دینا فرضِ عین ہے، اگر غسل کے بغیر کوئی مسلمان دفن کیا گیا تو جب تک قبر میں اس کے جسم کے کچھ بھی حصّے کے پائے جانے کا امکان ہے اسے قبر سے باہر نکال کر غسل دیا جائے گا۔ ہاں وہ مسلمان جسے مشرکوں نے میدانِ کارزار میں شہید کر دیا ہو، اسے غسل دینا ضروری نہیں۔ اس کی دلیل ام عطیّہ کی آنے والی روایت ہے۔

۲۲۵۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از اسماعیل بن ابی اویس از مالک از ایوب سختیانی از محمد بن سیرین بیان کیا کہ] حضرت اُمّ عطیّہ انصاریہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے انتقال کے بعد گھر میں عورتوں کے پاس تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا:۔

اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ۔

(تین یا پانچ بار غسل دو اگر ضرورت محسوس کرو تو اس سے زیادہ مرتبہ بھی غسل دے سکتی ہو)

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الجنائز)

آپ نے تین بار غسل دینے کا حکم دیا، جس بات کا آپ حکم دیں، وہ فرض ہوتی ہے اور وتر سے زیادہ کے بارے میں آپ نے اختیار دے دیا ہے۔

شہید کے مسائل جنائز کے ابواب میں ذکر کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ عزوجل۔

۱۸۱۔ میّت کو غسل دینے والا بھی غسل کرے

جو شخص میّت کو غسل دے، خواہ پانی ڈالے یا اس کے جسم کو ملے، اس پر بھی غسل کرنا فرض ہے، اس کی دلیل

۲۲۶۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابن الاعرابی از ابوداؤد از احمد بن صالح از ابن فدیک از ابن ابی ذئب از قاسم بن عباس از عمرو بن عمیر بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کی ہے کہ

مَنْ غَسَلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے اور جو میت کو اٹھائے، وہ وضو کرے) (ابوداؤد کتاب الجنائز)

۲۲۷- [ابوداؤد نے از حامد بن یحییٰ از سفیان بن عیینہ از سہیل بن ابوصالح از پدر خود از اسحاق مولیٰ زائدہ روایت کیا حضرت ابوہریرہ سے اوپر والی حدیث کے ہم معنی (ابوداؤد کتاب الجنائز)

۲۲۸- [و نیز ہم سے عبداللہ بن ربیع از عبداللہ بن محمد اسدی از احمد بن خالد از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از محمد بن عمرو از ابوسلمہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

مَنْ غَسَلَ مَيِّتاً فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهَا فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(جس نے کسی میت کو غسل دیا، وہ خود بھی غسل کرے اور جس نے کسی میت کو اٹھایا وضو کرے)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

اس حدیث میں لفظ حَمَلَهَا سے مراد جنازہ کو کندھا دینا ہے۔

اور یہی قول حضرت علیؓ بن ابی طالب اور دیگر کئی صحابہؓ سے مروی ہے۔ ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از ہشام دستوائی از حماد بن ابی سلیمان از ابراہیم نخعی از حضرت علی روایت کیا کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے چاہیے کہ وہ غسل کرلے، اور بطریق وکیع از سعید بن عبدالعزیز تنوخی از مکحول روایت ہے کہ ایک آدمی کا باپ فوت ہوگیا تھا، اس نے حضرت حذیفہؓ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے باپ کو غسل دو اور جب فارغ ہو جاؤ، تو پھر خود بھی غسل کرو۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص میّت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے۔ اور بطریق حماد بن سلمہ از حماد بن ابی سلیمان مروی ہے کہ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے رفقاء غسل میّت کے بعد خود بھی غسل کیا کرتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امام ابن حزم فرماتے ہیں :۔

امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور داؤدؒ ظاہری فرماتے ہیں کہ غسلِ میّت سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ ہمارے رفقاء نے اس مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ :۔

انما الماء من الماء (پانی پانی سے ہے)

لیکن یہ حدیث ان کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ غسلِ میّت دینے والے کو غسل کا حکم اور دخول کے بعد اگرچہ انزال نہ ہو تو غسل کا حکم "الماء من الماء" کے علاوہ دو زائد شرعی حکم ہیں اور یہ دونوں حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیغمبر کی زبانی وارد ہیں لہٰذا ان کے مطابق عمل پیرا ہونا فرض ہے۔

ہمارے علاوہ دیگر حضرات نے اس مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو ہم نے از ابن وہب از ایک ثقہ راوی مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لاتنجسوا من موتاکم

(اپنے اموات کی وجہ سے اپنے تئیں ناپاک نہ سمجھو گویا اسے آپ نے مکروہ سمجھا)

اہلِ علم میں سے کئی شخصیتوں مثلاً حضرت سعیدؒ، جابرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ غسلِ میّت سے غسل فرض نہیں ہوتا۔ ان کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ہم نے بطریق مالک از عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غسل دیا، جب آپ غسل سے فارغ ہوئیں تو آپ نے موجودہ مہاجرین صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ میں نے روزہ رکھا ہے اور آج سردی بھی بہت سخت ہے، تو کیا مجھ پر غسل واجب ہے؛ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا "نہیں"

ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ ابنِ مسعودؓ اور آپ کے اصحاب غسلِ میّت سے غسل نہیں کرتے تھے، و نیز ہم نے بطریق شعبہ از یزید رشک از معاذۃ عدویہ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا کہ مُردوں کو غسل دینے والا غسل کرے یا نہ کرے؟ آپ نے فرمایا "نہ کرے"۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی قابلِ حجت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث جو اس مضمون میں پیش کی گئی ہے، وہ اسنادی حیثیت سے حد درجہ ساقط الاعتبار ہے۔ ابن وہب نے اس راوی کا نام نہیں لیا، جس سے انھوں نے یہ حدیث بیان کی ہے اور ابن وہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مسافت بہت بعید ہے، پھر اگر سب راویوں کا نقل کرنا صحیح بھی ہو تو اس حدیث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ ذکر ہے کہ ہم اپنے اموات کی وجہ سے اپنے آپ کو ناپاک نہ سمجھیں۔ اور ہمارا قول بھی یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ کہ ہم کسی مسلمان میت کی وجہ سے اپنے آپ کو ناپاک سمجھیں، یا یہ کہ مسلمان ناپاک ہو، مسلمان تو زندگی اور موت ہر حال میں پاک ہے، دراصل غسل میّت کے بعد غسل، میت کے ناپاک ہونے کے باعث نہیں ہے بلکہ یہ غسل ایسے ہی ہے جیسے ہمارے اور ان کے نزدیک غسل میت ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو بھی غسل دیا گیا حالانکہ آپ موت و حیات میں ساری اولادِ آدم سے زیادہ پاک تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جب وفات پاتے، تو انھیں بھی غسل دیا جاتا حالانکہ ان کی زندگی بھی پاک تھی اور موت بھی پاک، اسی طرح غُسل جمعہ بھی واجب ہے حالانکہ یہاں بھی کسی نجاست کا ازالہ مقصود نہیں ہوتا گویا اس حدیث سے ان کا استدلال باطل ہوا۔

حدیث اسماء کی بابت ہم یہ عرض کریں گے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے دن تک عبداللہ بن ابی بکر تو کیا، ان کے والد بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ (گویا یہ حدیث منقطع ہے قابلِ حجّت نہیں)۔

پھر (یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ) انھوں نے جو کچھ حضرات صحابہ کرام سے ذکر کیا ہے، اگر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو بھی جائے، تو بہت سے دیگر صحابہ کرام مثلاً حضرت علیؓ، حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے اور جب تنازعہ وقوع پذیر ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض قرار دیا ہے کہ اختلاف ختم کرنے کے لیے ہم اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی طرف رجوع کریں اور ہم صحیح سند کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ سنّت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ غسلِ میّت سے غسل واجب ہے' اور کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ جمہور صحابہ کرامؓ سے ہمارے مخالفین نے اختلاف کیا ہے، ہم نے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب سپردِ قلم کی ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعجب تو یہ ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہؓ کے قول کو بھی بطورِ حجّت پیش کیا ہے۔ لیکن آپ جو آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو کے وجوب کی قائل ہیں، اس کی ان لوگوں نے مخالفت کی ہے۔

ان حضرات نے حضرت علی بن ابی طالبؓ، ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کی اس مسئلے میں بھی مخالفت کی ہے کہ مُستحاضہ کے لیے ہر نماز یا دو نمازوں کے لیے جمع کر کے غسل واجب ہے۔ حضرت عائشہؓ جو مُستحاضہ کے لیے ہر روز ظہر کی نماز کے وقت غسل کو واجب قرار دیتی ہیں، کی بھی مخالفت کی ہے حالانکہ کسی سے ان صحابہ کرامؓ کی مخالفت منقول نہیں ہے۔ اس قسم کی مثالیں بکثرت ہیں۔

۱۸۲۔ ضروری نہیں کہ غسل اپنے ہاتھ سے ہو

اگر کسی نے غسل کرنے والے پر پانی ڈال دیا ہو اور غسل کرنے والے نے غسل کی نیّت کر لی تو یہ غُسل درست ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ غُسل سے مراد یہ ہے کہ جسم پر پانی بہا دیا جائے۔ اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ فرض کی ادائیگی ہے، تو اس صورت میں جب آدمی غسل کی نیت کرے تو فرضِ غسل کی ادائیگی ہو جائے گی۔ نیز اس مسئلے میں کوئی نص منقول ہے اور نہ اجماع کہ غُسل اپنے ہاتھ سے ہی کرے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

۱۸۳۔ مدتِ حیض میں خون کی رکاوٹ

مدتِ حیض ونفاس میں خون کا اِنقطاع بھی سارے جسم اور سر کے غسل کو واجب قرار دے دیتا ہے۔ اس پر یقینی طور پر اجماع ہے، جو اس کی مخالفت کرے، اس نے گویا نصوصِ ثابتہ کا انکار کیا ہے وباللہ تعالیٰ نتأیـد!

بتحقیق ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا اور خونِ نفاس وہ ہوتا ہے جو بچے کی ولادت کے بعد خارج ہوتا ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، وہ خون جو ولادت سے پہلے خارج ہو، نفاس نہیں ہے، اس کے نفاس ہونے کے بارے میں نص ہے اور نہ اجماع۔ حیض اور نفاس کی مدت کے بارے میں ہم ابوابِ حیض میں بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۸۴۔ حیض ونفاس والی عورت کا حج

حج کے سلسلے میں حیض ونفاس میں مبتلا عورتوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احکام ایک جیسے ہیں، ان میں سے جو بھی حج کا ارادہ کرے وہ غسل کر کے احرام باندھ لے۔ جیسا کہ

۲۲۹- [ہم نے از عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ہناد و زہیر و عثمان از عبدۃ از عبیداللہ بن عمر از عبدالرحمٰن بن قاسم از پدر خود روایت کیا کہ] ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اسماء بنت عمیسؓ، محمد بن ابی بکر صدیقؓ کو جنم دینے کے باعث درخت کے قریب نفاس میں مبتلا ہوئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ اُسماء غسل کر کے حج کے ارکان کی ادائیگی شروع کر دے۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الحج)

حدیث صحیح میں ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کو جنم دینے کے باعث جب حضرت اُسماء بنت عمیسؓ کو درخت کے قریب نفاس شروع ہو گیا اور اسی طرح جب ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے ایام شروع ہو گئے، تو اُن میں سے ہر ایک کو آپ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اَنُفِسْتِ؟ کیا تمھارا نفاس (حیض) شروع ہو گیا ہے؟ تو ہر ایک نے اثبات میں جواب دیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حیض کے لیے نفاس کا لفظ بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں، دونوں کا حکم بھی ایک ہے اور کوئی فرق نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو جو سیاہ رنگ کا خون دیکھے، ترکِ نماز کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ یہ حیض ہے اور وہ عورت حائضہ ہے اور کوئی دوسرا خون ہو تو وہ حیض نہیں اور نہ وہ عورت اس خون کی وجہ سے حائضہ ہے، آپ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ حیض ایک ایسی چیز ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم پر فرض قرار دیا ہے۔ ہر وہ سیاہ رنگ کا خون جو عورت کے اندام نہانی یعنی بچہ پیدا ہونے کی جگہ سے خارج ہو، وہ حیض ہے، ہاں اگر کوئی ایسی نص وارد ہو تو پھر اسے حیض نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً حاملہ کو حیض نہیں آتا، یا جس کے خون میں تمیز نہ کی جا سکے یا جس کا خون منقطع ہی نہ ہو اسے بھی حیض قرار نہیں دیا جائے گا۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

۱۸۵- عمرہ کرنے والی حائضہ عورت

وہ عورت جس نے عمرہ شروع کر رکھا ہو اور پھر اسے حیض آ جائے تو اس پر فرض ہے کہ غسل کر کے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انداز سے عمرہ کی ادائیگی کرے، جس کی تفصیل ہم کتاب الحج میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۳۰۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قتیبہ از لیث بن سعد از ابوالزبیر بیان کیا کہ] حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا حتیٰ کہ جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو آپ کے ایام شروع ہو گئے۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کے پاس آئے تو آپ نے کہا میرے ایام شروع ہو گئے ہیں، لوگ حلال ہو گئے ہیں اور میں نہیں ہوئی، نہ طواف کر سکی ہوں اور لوگ حج کے لیے جا رہے ہیں؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بنات آدم پر فرض قرار دے دیا ہے، غسل کر کے حج کے احکام ادا کرو؛ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الحج)

۱۸۶۔ عورت اگر خون میں تمیز نہ کر سکے

عورت کو اگر سیاہ خون کے متصل ہی کچھ ایسا خون شروع ہو جائے، جسے عورت تمیز نہ کر سکے اور نہ وہ اپنے ایام کو جانتی ہو تو اگر وہ چاہے تو اس پر فرض اور نفل نماز کے لیے غسل فرض ہے اور اگر وہ چاہے تو ظہر کے آخری وقت میں غسل کرے اور وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے، بقدر بچے ہوئے وقت قبل دخول وقت عصر پھر عصر کے وقت ہونے پر وضو کر کے عصر کی نماز پڑھ لے۔ پھر غروب شفق کے وقت غسل اور وضو کر کے مغرب کی نماز پڑھے۔ غسل و وضو کے بعد جو وقت اس کو مل جائے پھر وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھ لے۔ پھر فجر کی نماز کے لیے غسل اور وضو کرے اور اگر چاہے تو ہر فرض نماز کے وقت نفل بھی پڑھ سکتی ہے۔ فرض سے پہلے یا بعد جب بھی نفل پڑھے وضو کر کے پڑھے تو اس کے لیے روا ہے۔ اس کے دلائل حیض پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۸۷۔ اور کسی بات کے باعث غسل واجب نہیں

جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے علاوہ اور کسی بات کے باعث غسل واجب نہیں، کیونکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے علاوہ اور کسی چیز کے بارے میں کوئی صحیح حدیث منقول نہیں۔ کافر کی نعش دفن کرنے کے سلسلے میں وجوبِ غسل کا ایک حدیث میں ذکر آیا ہے لیکن اس میں "ناجیہ بن کعب" مجہول راوی ہے۔ اور شریعت کا ماخذ اللہ تعالیٰ کا کلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی چوپایہ کی شرمگاہ میں دخول کر دیا اور انزال نہ ہوا، تو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ اگر کسی نے دُبر میں دخول کیا اور انزال نہ ہوا تو غسل فرض نہیں ہے۔

اگر کسی نے شرمگاہ میں دخول پر اسے قیاس کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ تو معصیت کا کام ہے تو اسے قتل، ترکِ نماز اور دیگر معاصی پر قیاس کرنا زیادہ بہتر ہوگا اور اس بات پر اجماع ہے کہ ان میں سے کسی بھی معصیت کی وجہ سے غسل واجب نہیں اور پھر قیاس تو سب کا سب باطل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۔ غسلِ واجب کا طریقہ

۱۸۸۔ غسلِ جنابت اگر غسلِ جنابت جماع کی وجہ سے ہو تو اس کا مختار طریقہ۔ فرض نہیں۔ یہ ہے کہ غسل کا آغاز شرم گاہ کے دھونے سے کرے، شرم گاہ کو دھونے کے بعد ہاتھ کو دیوار یا زمین پر رگڑ کر دھوئے، پھر کلی کرے، ناک میں پانی ڈالے اور پھر ناک صاف کرے اور یہ سب کچھ تین تین بار کرے۔ اگر نیند سے بیدار ہو کر غسل کر رہا ہو تو فرض ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو تین بار دھوئے اور اگر سو کر نہیں اُٹھا ہو تو ہاتھوں کو تین بار دھونا ضروری نہیں۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو پانی کے برتن میں ڈالے اور اس کے بعد بالوں کی جڑوں کو اس حد تک تر کرے کہ یقین ہو جائے کہ جلد تر ہو گئی ہے، پھر اپنے ہاتھ سے سر پر تین بار پانی ڈالے اور یہ بھی فرض ہے کہ غسل کرتے ہوئے دائیں اطراف و جوانب سے آغاز کرے۔

گویا غسل کے سلسلے میں فرض عین یہ ہوا کہ اگر نیند سے بیداری کے بعد غسل کر رہا ہے تو برتن میں ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو تین بار دھوئے۔ اگر نیند سے بیدار نہیں ہوا تو پھر ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا فرض نہیں۔ اگر جماع کے بعد غسل کر رہا ہے تو پہلے اپنی شرمگاہ کو دھوئے، پھر اپنے سر پر اور سر کے بعد سارے جسم پر پانی بہائے۔ جسم پر اس حد تک پانی بہائے کہ یقین ہو جائے کہ پانی سر کی جلد، تمام بالوں کی جڑوں اور سارے جسم تک پہنچ گیا ہے۔

اس کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (المائدہ: ۶)

(اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو جیسے ہی طہارت حاصل کرلے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرض کی ادائیگی ہو جائیگی۔

۲۳۱۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد انا ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از مسدد از یحییٰ قطان از عوف بن ابی جمیلہ از ابو رجاء بیان کیا کہ] عمران بن حُصینؓ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک طویل حدیث بیان کی، اسی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو جسے جنابت لاحق ہوئی تھی، پانی کا ایک برتن دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور اس پانی کو اپنے جسم پر ڈال لو۔ (البخاری، مسلم کتاب الطہارۃ و نیز بخاری کتاب المناقب)

ہم نے جو کچھ ذکر کیا، مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی تائید میں وہ حدیث پیش کریں جو ہم نے

۲۳۲۔ (بسند سابقہ بطریق امام بخاریؒ از حمیدی از سفیان از اعمش از سالم بن ابی الجعد از کریب از ابن عباسؓ روایت کیا ہے کہ) حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غُسلِ جنابت فرمایا، پہلے دستِ مبارک سے مقامِ مخصوص کو دھویا، پھر دیوار کے ساتھ رگڑ کر ہاتھ دھویا۔ پھر نماز کے وضو کی مانند وضو کیا۔ اور جب غسل سے فارغ ہوئے تو پھر پاؤں دھوئے۔ (البخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۳۳۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف انا احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ انا احمد بن محمد انا احمد بن علی از مسلم از علی بن حجر از عیسیٰ بن یونس انا اعمش از سالم بن ابی الجعد از کریب بیان کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے میری خالہ حضرت میمونہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غُسلِ جنابت کے لیے پانی رکھا، آپ نے پہلے دو یا تین بار ہتھیلیوں کو دھویا، پھر ہاتھ کو برتن میں ڈالا، پھر آپ نے اپنے مقامِ خاص پہ پانی ڈالا اور اسے بائیں ہاتھ سے دھویا، پھر بائیں ہاتھ کو اچھی طرح زمین پر رگڑا، پھر نماز کے وضو کی مانند وضو کیا۔ پھر سر پر تین بار لپیں بھر کر پانی ڈالا، پھر سارے جسم کو دھویا، پھر اس جگہ سے الگ ہو کر اپنے پاؤں دھوئے، پھر میں نے تولیہ پیش کیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔ (حوالہ پہلی حدیث میں گزر چکا)۔

ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امّ سلمہؓ سے فرمایا کہ تمھیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پہ پانی ڈالو اور پھر سارے جسم پر پانی بہاؤ اور اس طرح تم پاک ہو جاؤ گی۔

سر سے پہلے شرمگاہ اور وضو کے اعضاء کو دھونا فرض ہے، اگر جاری پانی میں غوطہ لگا کر غُسل کیا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ضروری ہے کہ باقی جسم سے پہلے سر کو دھونے کی نیّت کرے۔ دیگر واجب غسلوں میں یہ ضروری نہیں، کیونکہ اس سلسلے میں کوئی نص نہیں۔ ہاں اگر صحیح طور پر ثابت ہو جائے تو غسل حیض میں یہ بھی ضروری ہوگا مگر اس سلسلے میں جو حدیث ہے، وہ ابراہیم بن مہاجر کے طریق سے ہے جو کہ ضعیف ہے۔ و نیز ہم نے بطریق عبد بن حمید از عبد الرزاق" اسے روایت کیا ہے۔ لیکن عبد الرزاق سے حیض کا ذکر اصلاً محفوظ نہیں ہے۔ ہاں اگر صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت ہو جائے تو ہم بھی یہی کہیں گے اور ہمارے لیے ہرگز ہرگز اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی۔

(دائیں طرف سے غسل شروع کرنے کے سلسلے میں)

۲۳۴- [ہم سے عبد الرحمٰن بن عبد اللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از حفص بن عمر از شعبہ از اشعث بن سلیم از پدرِ خود از مسروق بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں میں جوتا پہننے بالوں میں کنگھی کرنے، غسل فرمانے اور دیگر سب امور میں دائیں طرف سے آغاز کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ، کتاب الاطعمہ، کتاب اللباس۔ مسلم کتاب الطہارۃ۔ ابوداؤد کتاب اللباس۔ ترمذی آخر کتاب الصلاۃ۔ نسائی کتاب الطہارۃ و کتاب الزینۃ۔ ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۱۸۹۔ جسم کو ملنا ضروری نہیں

غسل کرنے والے پر یہ فرض نہیں کہ وہ جسم کو مل کر دھوئے، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، احمد بن حنبلؒ، داؤد ظاہریؒ، ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ البتہ امام مالکؒ غسل میں ملنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۲۳۵- [ہم نے عبد اللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبد الوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم از ابوبکر بن ابی شیبہ و اسحاق بن ابراہیم و عمرو ناقد و ابن ابی عمر از ابن عیینہ از ایوب از سعید مقبری از عبد اللہ بن رافع بیان کیا کہ] حضرت اُمّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں اپنے سر کی چوٹیوں کو خوب مضبوطی سے باندھتی ہوں، تو کیا غسل جنابت کے لیے انھیں کھولوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تمھیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پہ تین بار پانی ڈالو، پھر سارے جسم پر پانی بہاؤ۔ بس اس طرح تم پاک ہو جاؤ گی۔ (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے سلسلے میں جس قدر احادیث ہیں، ان سب میں غسل کا یہی طریقہ مذکور ہے اور ملنے وغیرہ کا ذکر نہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ آپ نے غسل جنابت کے بارے میں فرمایا کہ نماز کے وضو کی مانند وضو کرو، تین بار سر پر پانی ڈالو اور پھر سارے جسم کو دھو ڈالو۔ شعبیؒ، نخعیؒ اور حسنؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی جنبی پانی میں غوطہ لگا کر غسل کر لے تو اس کا یہ غسل جائز ہوگا۔

جو حضرات "تدلّک" یعنی ملنے کو فرض قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جب مل کر نہائے، تو غسل پورا ہو جاتا ہے، اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب مل کر نہ نہائے تو پھر غسل ہوگا یا نہیں؛ درست بات یہی ہے کہ زوالِ جنابت اسی طریق سے ہوگا جس پر اجماع ہے۔ ان حضرات نے اسی بارے میں ایک حدیث بھی ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عائشہؓ کو غسل جنابت کی تعلیم دی تو فرمایا "عائشہؓ! اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوؤ، کلی کرو، ناک میں پانی ڈالو، ناک صاف کرو، چہرہ دھوؤ، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوؤ۔ پھر اپنے سر پر پانی ڈالو، پھر سارے جسم پر پانی ڈالو، پھر آپ نے حکم دیا کہ جسم کو ملیں اور جہاں تک پانی نہیں پہنچا، ہاتھ سے پہنچائیں، پھر فرمایا "عائشہ! جو پانی بچ گیا ہے، اسے سر پر ڈال لو، پھر سارے جسم کو خوب ملو"

ان حضرات نے ایک دوسری حدیث کو بھی بطورِ دلیل پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ تَحْتَ کُلِّ شَعْرَۃٍ جَنَابَۃٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَر

(ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا بال دھوؤ اور جسم کو خوب صاف کرو)

ایک تیسری حدیث میں ہے:۔

خَلِّلْ اُصُوْلَ الشَّعْرِ وَاَنْقِ الْبَشَر

(بال کی جڑوں کو تر کرو اور جسم کو صاف کرو)

ایک چوتھی حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے غسلِ جنابت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ "پانی لے کر اچھی طرح طہارت حاصل کرو۔ پھر سر پر پانی ڈال کر ملو تاکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر سر پر خوب پانی ڈالو۔

بعضوں نے کہا ہے کہ ہم غسلِ جنابت کو غسلِ نجاست پر قیاس کرتے ہیں، جیسے غسلِ نجاست میں نجاست کا ازالہ ضروری ہوتا ہے۔ ایسے ہی غسلِ جنابت میں بھی ضروری ہے کہ مل کر جنابت کو دور کیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ "فاطھروا" مبالغہ پر دلالت کرتا ہے (اس لیے غسل خوب مل کر کرنا چاہیے)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

یہ سب توہمات اور باطل باتیں ہیں۔ انھوں نے جو یہ کہا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جب غسل خوب مل کر کیا جائے تو صحیح ہوگا اور اس کے بغیر پورا نہ ہوگا تو یہ ایک فاسد قول ہے۔ اس کی رعایت دین میں واجب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف اس اجماع کے اتباع کا حکم دیا ہے جس کا وجوب، تحریم یا تحلیل بطریق اجماع صحیح طور پر ثابت ہو، حق بات یہی ہے۔

انھوں نے جو عمل ذکر کیا ہے یہ تو اتباع اجماع نہیں بلکہ اتباعِ اختلاف کا وجوب ہے۔ اور یہ باطل ہے کیونکہ "تدلک" کے وجوب پر اتفاق نہیں ہے اور نہ اس سلسلہ میں کوئی نص ہے اور وہ عمل جس کے بارے میں کوئی نص ہو اور نہ اجماع، اسے قبول کرنا باطل ہے، پھر سب سے پہلے انھوں نے ہی اس اصل کو توڑا ہے اور اگر یہ اس اصول کی اتباع کو برقرار رکھیں تو ان کے مذہب کا نوے فی صد باطل ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں ان سے پہلی بات تو یہ کہی جائے گی کہ مثلاً اگر غسل کرنے والے نے کلی نہ کی یا ناک میں پانی نہ ڈالا، تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا غسل نہ ہوگا اور نہ اس غسل کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہوگا، تو ان سے کہا جائے گا کہ ثابت کرو کہ غسل میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے؟ اور اجماع سے ثابت ہے کہ غسل کرنے والا ان دونوں افعال کو بجالائے تو اس کا غسل صحیح ہوگا اور اگر اس نے یہ دونوں کام نہ کیے تو اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا لہٰذا ہم پر جنابت کا ازالہ بطورِ اجماع واجب ہوا۔

اسی طرح اگر کسی نے ایسے کنویں کے پانی سے غسل کر لیا، جس میں بکری نے پیشاب کیا ہو اور پانی میں پیشاب کا اثر ظاہر نہ ہو، یا وضو ٹوٹ گیا ہو ایسے ہی ان کے بے شمار مسائل ہیں جو اس ضمن میں آتے ہیں بلکہ ان کا کوئی مسئلہ بھی اس الزام سے محفوظ نہیں۔ اس لیے یہی بات کافی ہے کہ یہ کہا جائے کہ تمھارا یہ حکم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی فاسد ہے، اسے قرآن وسنت نے واجب قرار نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رفع اختلاف کے لیے ہمیں صرف کتاب وسنت کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے اور "تدلک" کا حکم چونکہ مختلف فیہ ہے لہٰذا اس میں اجماع کا کوئی لحاظ نہیں۔

حدیثِ عائشہ ساقط الاعتبار ہے کیونکہ وہ بطریق "عکرمہ بن عمار از عُبَیدُ اللہ بن عُبَید بن عُمَیر" از عائشہ ہے اور عکرمہ ساقط ہے[1]۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح مکہ کے بعد حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح کے بارے میں ایک موضوع حدیث مروی ہے، پھر یہ حدیث مرسل بھی ہے کیونکہ عبداللہ بن عُبَید بن عُمَیر کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات ثابت نہیں، پھر انھوں نے امام ابنِ زُبیر کے بارے میں ابنِ عمر کی جو روایت ذکر کی ہے اس نے انھیں اور ساقط قرار دے دیا ہے گویا یہ حدیث بالکل ساقط الاعتبار ہے۔

پھر اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اُن کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس میں جیسے ملنے کا ذکر ہے، ایسے ہی کلی، ناک میں پانی ڈالنے اور ناک صاف کرنے کا حکم بھی ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں لیکن یہ حضرات اُن میں سے کسی کو بھی فرض قرار نہیں دیتے۔

امام ابوحنیفہؒ ان سب کی فرضیت کے قائل ہیں لیکن آپ ملنے کو فرض قرار نہیں دیتے!

پھر انھوں نے اگر اس خبر کو حجت مانا ہے، تو اپنی ہی دلیل کی مخالفت کر کے اسے ساقط قرار دے دیا ہے اور اس کی نافرمانی کی ہے، جس کی نافرمانی کے جائز نہ ہونے کا یہ خود اقرار کر چکے ہیں۔ فریقین میں سے یہ کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ جو اس کے موافق ہو اسے تو فرض پر محمول کریں لیکن جو مخالف ہو اسے مندوب قرار دیں، دونوں فریقوں کے لیے اصول ایک ہی ہونا چاہیے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں بیان کردہ سب امور صحیح ہوں گے اور اگر صحیح ثابت ہی نہ ہو تو پھر سب متروک ہوں گے۔

وہ خبر جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "ہر بال کے نیچے جنابت ہے" یہ حارث بن وجیہ کی روایت ہے۔

---

[1] عکرمہ ساقط بھی نہیں اور موضوع روایت بھی نہیں بیان کرتا۔ احمد شاکر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وہ ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی ان کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں تو بالوں کے دھونے اور جسم کے صاف کرنے کا ذکر ہے اور یہ صحیح ہے اور اس کی قطعاً کوئی دلیل نہیں کہ یہ "تدلک" کے بغیر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے بغیر ہی مکمل ہے۔

وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ "بالوں کی جڑوں کو تر کرو اور جسم کو صاف کرو" اس کی سند اس طرح ہے یحییٰ بن عَنْبَسہ از حمید از انس اور یحییٰ جھوٹی حدیثیں بیان کرنے میں مشہور ہے لہٰذا یہ بھی ساقط ہوئی اور اگر یہ روایت صحیح ثابت بھی ہو جائے تو اس میں وجوب تخلیل کا ذکر ہے، "تدلک" کا ذکر نہیں اور یہ ان کے قول کے خلاف ہے کیونکہ ان کا اس امر میں اختلاف نہیں کہ اگر کسی نے اپنے سر پہ پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں سے مل لیا اور بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچایا تو اُن کے نزدیک یہ غسل درست ہوگا لہٰذا ان کا اس حدیث سے استدلال ساقط ہوا۔ وللّٰہ الحمد۔

اس طرح وہ حدیث جس میں آپ نے عورت کو غسل کا طریقہ تعلیم فرمایا اس کی سند اس طرح ہے ابراہیم بن مہاجر از صفیہ از عائشہ، اور یہ ابراہیم بن مہاجر ضعیف ہے۔ پھر اگر یہ صحیح بھی ثابت ہو جائے تو یہ ان کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے کیونکہ اس میں تو صرف سر کے بالوں کی جڑوں کو مُلنے کا ذکر ہے اور یہ اُن کے قول کے خلاف ہے پس یہ سب روایات جسے انھوں نے بطورِ دلیل پیش کیا ہے، ساقط الاعتبار ہیں۔

ان کا یہ قول کہ غسلِ جنابت کو غسلِ نجاست پر قیاس کر لیتے ہیں، تو قیاس تو سب کا سب باطل ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ قیاس عین باطل ہے کیونکہ نجاست کا حکم مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً

- کبھی تو نجاست کا پانی کے بغیر صرف تین ڈھیلوں سے ازالہ ہو جاتا ہے۔
- کبھی مَلنے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف پانی ڈالنے سے ہو جاتا ہے۔
- کبھی اُسے زائل کرنا اور دھونا ضروری ہوتا ہے۔

تو کیا وجہ ہے کہ غسلِ جنابت کو غسلِ نجاست کی بعض صورتوں پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ اصحاب قیاس ہی کے اصول کے مطابق فاسد ہے کیونکہ نجاست تو بظاہر نظر آرہی ہوتی ہے، جس کا ازالہ ضروری ہوتا ہے لیکن جنبی کے بدن پر بظاہر کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی، جس کا ازالہ ضروری ہو لہٰذا ان کا قول بالکل فاسد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

پھر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ پانی ڈالنے کے بعد جب نظر آنے والی نجاست دُور ہو جائے تو پھر مَل کر دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ پانی ڈالنا ہی کافی ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ انھوں نے غسلِ جنابت کو غسلِ نجاست کی اس صورت پر قیاس کیوں نہیں کیا حالانکہ یہ صورت زیادہ مشابہ ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

انھوں نے ایک دلیل جو یہ پیش کی تھی کہ فَاطَّهَّرُوا "مبالغے پر دال ہے، تو نا قابلِ تسلیم بدحواسی ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ کس شریعت یا لغت میں انھوں نے یہ دیکھا ہے کہ یہ مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (المائدہ ۶:) (بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے)

اور ہمارا اور ان کا اتفاق ہے کہ تیمم میں مبالغہ نہیں بلکہ خفیف سا مسح ہوتا ہے، تو ان کے سب دلائل نا قابلِ تسلیم ثابت ہوئے اور واضح ہو گیا کہ غسل میں مَلنے کی قید بے معنی ہے۔ سلف اور صحابہؓ میں سے بھی کسی سے یہ قول منقول نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۹۰۔ ڈاڑھی کا خلال ضروری نہیں

وضو اور غسل میں ڈاڑھی کا خلال ضروری نہیں ہے۔ امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور داؤد ظاہری کا قول بھی یہی ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے

۲۳۶۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن مثنیٰ از یحییٰ بن سعید قطان از سفیان ثوری از زید بن اسلم از عطاء بن یسار بیان کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تمھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں بتاؤں؟ پھر آپ نے وضو کرتے ہوئے ایک ایک بار اعضاء کو دھویا۔ (بخاری، ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں،

جب چہرے کو ایک بار دھویا جائے، تو بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچنا ممکن نہیں ہوتا، یہ تو صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ چہرے کو بار بار اور مَل مَل کر دھوئیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ (المائدہ ۶:۵) (اپنے چہروں کو دھوؤ)

چہرہ وہ ہے، جو سامنے سے ظاہر نظر آئے، باطن کو چہرہ نہیں کہتے۔

کچھ حضرات خلال کے وجوب کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، تو فرمایا کہ خلال کرو۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے اور بواسطہ ابن جریج حضرت عطاء سے روایت ہے کہ ڈاڑھی کے بالوں کی جڑوں کو دھوؤ۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے عرض کیا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ میں چہرہ دھوتے ہوئے ہر بال کی جڑ کو تر کروں؟ انھوں نے فرمایا "جی ہاں"! ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے یہ بھی پوچھا کہ ڈاڑھی کے ساتھ مونچھوں اور ابرؤوں کو بھی دھوؤں؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔

ابن سابط، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور حضرت سعید بن جُبیر بھی وضو اور غسل میں ڈاڑھی کا خلال واجب سمجھتے ہیں۔

کچھ دیگر حضرات ہیں جنھوں نے خود خلال تو کیا لیکن اس کا حکم نہیں دیا جیسا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے وضو کیا، تو ڈاڑھی کا خلال کیا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں بھی اسی طرح روایت ہے، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، ابوالدرداءؓ اور علیؓ بن ابی طالب سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ نیز ابوالبختری، ابومیسرہ، ابن سیرین، حسن بصری، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اور عبدالرزاق وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

ڈاڑھی کے خلال کے وجوب کے قائلین نے حضرت انسؓ کی اس روایت کو پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے، تو ایک چلو پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے ڈال لیتے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے ایسے ہی حکم دیا ہے"۔

حضرت انسؓ ہی کی ایک دوسری روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے پاس جبریل امین آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھوڑی دھونے کا حکم دیا ہے۔ آپؐ وضو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے وقت ڈاڑھی کا خلال کیا کریں"۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت ڈاڑھی کا خلال کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے ایسے ہی حکم دیا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

لیکن ان روایات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ اگر صحیح ہوتیں تو ہمارا بھی وہی قول ہوتا، حدیث انس، ولید بن زَوران کے طریق سے ہے اور وہ مجہول ہے، دوسری سند میں عمر بن ذُؤیب ہے اور وہ بھی مجہول راوی ہے، تیسری سند میں مُقاتل بن سلیمان ہے جو مُتَّہم بالکذب ہے، چوتھی سند میں ہَیثم بن جَمّاز ہے اور وہ بھی ضعیف ہے اور یزید رَقاشی لاشئی ہے جس سے روایت کرتا ہے، گویا یہ سب روایات ساقط الاعتبار ہیں۔

پھر ہم نے حدیث ابن عباسؓ پر غور کیا تو اسے بطریق نافع مولیٰ یوسف مروی پایا اور وہ ضعیف، منکر الحدیث ہے، اسی طرح دیگر طرق میں بھی مجہول اور غیر معروف راوی ہیں۔ اور وہ روایت جو ابن وہب کے طریق سے ہے، اس میں اس راوی کا نام نہیں لیا گیا، جو ابن وہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہے۔ پس یہ سب روایات ساقط ہوگئیں۔

وہ حضرات جنھوں نے خلال کو مُستحب سمجھا ہے، انھوں نے حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کی اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی میں خلال کیا کرتے تھے۔

یہ روایت حضرت عمّار بن یاسرؓ، حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ، حسنؓ، ابو ایوبؓ، انسؓ، ام سلمہؓ، جابرؓ اور عمرو بن حارثؓ سے بھی منقول ہے لیکن امام ابن حزم فرماتے ہیں ان میں بھی کوئی روایت ثابت نہیں۔ حدیث عثمان اسرائیل کے طریق سے ہے اور وہ قوی نہیں، اسرائیل عامر بن شقیق سے روایت کرتا ہے اور وہ قوت نقل میں مشہور نہیں[1]

---

[1] حافظ ابن حجر نے ان کی روایت تخلیل لحیہ والی کی تصحیح کی ہے اور اپنی کتاب "العلل الکبیر" میں امام بخاری (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور حدیثِ عمار، حسّان بن بلال مُزنی کے طریق سے ہے اور وہ مجہول ہے[1]، نیز اس کی عمّار سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔ حدیثِ عائشہؓ کی سند میں بھی ایک مجہول راوی ہے، معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔ شعبہ اس کا نام عمرو بن ابی وہب بتلاتے ہیں لیکن اُمیّہ بن خالد، اس کا نام عمران بن ابی وُہیب بتاتے ہیں۔

ابن ابی اوفیٰ سے مروی روایت ابوالورقاء فائد بن عبدالرحمٰن عطار کے طریق سے ہے اور وہ ضعیف ہے، امام احمد، یحییٰؒ اور بخاریؒ نے اسے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ ابوایّوب کی روایت بسند واصل بن سائب ہے اور وہ بھی ضعیف ہے اور یہ ابوایّوب، مشہور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ نہیں جیسا کہ امام ابن مَعین نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ حدیثِ انسؓ بسند ایوب بن عبداللہ مروی ہے اور مجہول راوی ہے[2]۔

حدیثِ اُمِ سلمہؓ بسند خالد بن الیاس مدینی ہے جو کہ ابوجہم بن حُذیفہ عدوی کی اولاد سے ہے اور وہ ساقط منکر الحدیث ہے۔ یہ خالد بن الیاس وہ نہیں جس سے شعبہ روایت کرتے ہیں کیونکہ وہ تو بصری اور ثقہ ہیں۔ حدیثِ جابر، اَصرم بن غیاث کے طریق سے ہے اور وہ بالکل ساقط اور ناقابلِ حُجّت ہے[3]۔ اور حسن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا عثمانؓ کی روایت تخلیلِ لحیہ کے بارے میں تمام مروی روایات سے زیادہ صحیح ہے۔ ترمذی نے امام بخاری سے مزید پوچھا کہ لوگ اس حدیث پر کلام کرتے ہیں تو امام نے جواباً فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ و نیز ابن خزیمہ، ابنِ حبان اور حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1] اس میں دو علتیں ہیں۔ ایک حسان کا مجہول ہونا اور دوسرے عمّار سے عدم لقاء (ایک کا جواب ابنِ حجر کے کلام سے واضح ہوتا ہے) حافظ ابن حجرؒ نے ابن حزمؒ کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ابن مدینی نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن مدینی کا انھیں ثقہ قرار دینا کافی ہے۔ (یہ تو صرف حسان کی توثیق ہوئی لیکن ہنوز عدم لقاء باقی ہے۔ لہٰذا یہ روایت قابلِ حجت نہیں بلکہ منقطع از قسم مردود ہے)۔

[2] ایوب بن عبداللہ الملاح ہے اس کا ترجمہ لسان المیزانؒ میں ہے۔

[3] اس کا بھی ترجمہ لسان المیزانؒ میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عمرو بن حارث کی روایات مرسل ہیں لہٰذا اس باب کی سب روایات ناقابلِ استدلال ہیں۔

جو حضرات حدیثِ معاذ "اجتہد رأیی" کے ساتھ حجت پکڑتے ہیں اور اسے دین کی بنیاد قرار دیتے ہیں نیز نبیذ کے ساتھ وضو، نماز میں قہقہہ سے وضو اور گوشت کی جانور کے ساتھ بیع جیسی احادیث کو بطور حجت پیش کرتے ہوئے ظہور اور تواتر کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان جیسی روایات سے حجت پکڑیں کیونکہ یہ تو ان کی نسبت زیادہ ظاہر ہیں اور زیادہ تواتر کے ساتھ ثابت ہیں لیکن ان لوگوں کے پیشِ نظر صرف انھیں مسائل کی نصرت وحمایت ہوتی ہے، جو وقتی طور پر ان کے سامنے ہوں اور بس!

خلال کو ضروری سمجھنے والوں نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ ڈاڑھی اُگنے سے پہلے بلا اختلاف چہرے کو دھونا ضروری ہے لیکن ڈاڑھی کے اُگنے کے بعد کچھ لوگوں نے اسے ساقط قرار دے دیا اور بعض نے چہرہ دھونے کے حکم کو بدستور باقی رکھا لیکن جس بات کے وجوب پر پہلے ہم متفق تھے، اب اس کا سقوط اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی دوسری نص یا اجماع پیش کریں!

امام ابن حزم فرماتے ہیں :

یہ بات درست ہے اور پہلا اتفاق بنص صریح ساقط ہوا ہے کیونکہ چہرے کا دھونا اسی وقت تک ضروری تھا، جب تک وہ چہرہ تھا، جب چہرہ ڈاڑھی کے بالوں میں چھپ گیا تو جتنا حصہ چھپ گیا، اس پر چہرہ کے لفظ کا اطلاق بھی نہیں ہوتا بلکہ اسے ڈاڑھی کہتے ہیں، جب پہلا نام باقی نہ رہا تو پہلا حکم بھی باقی نہ رہا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۹۱۔ عورت کے لیے خلال ضروری نہیں

عورت کے لیے ضروری نہیں کہ وہ غسلِ جنابت میں اپنی چوٹیوں اور پیشانی کے بالوں کا خلال کرے جیسا کہ اس سے پہلے ہم بابِ تدلُّک میں ذکر کر آئے ہیں اور ہمارے موجودہ مخالفین کا قول بھی یہی ہے۔

۱۹۲۔ وہ غسل جن میں عورت کے لیے بالوں کا کھولنا ضروری ہے

عورت کے لیے غسلِ حیض، غسلِ جمعہ، غُسلِ میت سے غسل اور غسلِ نفاس میں اپنی چوٹیوں کا کھولنا ضروری ہے۔ اس کی دلیل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۳۷- [ہم سے یونس بن عبداللہ از ابو عیسیٰ از احمد بن خالد از محمد بن وضاح از ابن ابی شیبہ از وکیع از ہشام بن عروہ از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ حیض کے بارے میں آپ کو یہ حکم دیا کہ اپنے سر کے بالوں کو کھولو اور غسل کرو۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:-

دراصل غسل میں یہ ضروری ہے کہ سب بالوں کو دھویا جائے اور پانی کو یقینی طور پر جلد تک پہنچایا جائے، مسح میں یہ ضروری نہیں ہوتا لہٰذا یہ حکم صرف اسی صورت میں ساقط ہوگا، جس کے بارے میں نص ہوگی اور یہ نص چونکہ غسلِ جنابت کے بارے میں موجود ہے لہٰذا غسلِ جنابت میں عورت کے لیے سر کے سارے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں۔ اس بات پر اجماع ہے کہ نفاس کا غسل حیض کے غسل ہی کی مانند ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ

۲۳۸- [تم سے عبداللہ بن یوسف از احمد از عبدالوہاب از ابنِ محمد از ابن علی از مسلم از عبد بن حمید از عبدالرزاق از سفیان ثوری از ایوب بن موسیٰ از سعید المقبری از عبداللہ بن رافع بیان کیا کہ] ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے سر کی چوٹیوں کو بہت مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا انھیں حیض و جنابت کے لیے کھولوں؟ آپ نے فرمایا "نہیں" (مسلم کتاب الطہارۃ)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:-

ہم عرض کریں گے کہ آپ کے اس ارشاد کا تعلق صرف غسلِ جنابت سے ہے اور کسی غسل سے نہیں۔ کیونکہ غسلِ حیض میں بالوں کو کھولنے کے لیے نص وارد ہے، اگر یہ نص نہ ہوتی تو پھر اس کے مطابق عمل واجب تھا۔ اب حدیثِ عائشہؓ نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ غسلِ حیض کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ اپنے سر کے بالوں کو کھولو اور غسل کرو۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق عمل واجب ہوا۔

ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ ہشام بن عُروہ نے حضرت عائشہؓ سے جو حدیث بیان کی ہے اس میں یہ وارد ہے کہ غسلِ حیض میں سر کے بالوں کو کھولنا چاہیے یہ ایک مزید حکم شرعاً ثابت ہے اور حدیثِ اُمّ سلمہؓ کی نسبت اس حدیث میں یہ امر زائد وارد ہے جسے ترک کرنا جائز نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

غسلِ حیض وجنابت میں سر کے بالوں کے نہ کھولنے کے سلسلے میں ایک روایت ہم نے از عبدالملک بن حبیب از عبداللہ بن عبدالحکم از ابن لہیعہ از ابوالزبیر روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کے بارے میں جو غسلِ حیض یا جنابت کرنے والی ہے فرمایا کہ وہ اپنے بالوں کو نہ کھولے" مگر یہ ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس کی سند میں صرف ابنِ لہیعہ ہی نہیں جو بجائے خود سقوط کے لیے کافی ہے، بلکہ عبدالملک بن حبیب[1] بھی ہے جو حد درجہ ناقابلِ اعتبار ہے، پھر مزید یہ کہ ابوزبیر نے "حدثنا" کا لفظ استعمال نہیں کیا اور جب وہ جابر سے روایت کرتے ہوئے تحدیث کی صراحت نہ کرے، تو وہ مدلس ہوتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم غسلِ حیض کو غسلِ جنابت پر قیاس کرتے ہیں، تو ہم عرض کریں گے تو قیاس تو سب باطل ہے، اگر قیاس درست بھی ہوتا تو اس کی یہ صورت تو بالکل ہی باطل ہے کیونکہ اصل میں یہ یقین کر لینا مقصود ہے کہ پانی سب بالوں تک پہنچ گیا ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ جو چیز اپنی اصل سے نکل جائے، اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس سلسلے میں اکثر کا قول یہی ہے کہ اس کے ساتھ قیاس کو اخذ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ انھوں نے حدیثِ مُصَرّاۃ[2]" اور "خبرِ آبق" وغیرہ کے سلسلے میں کیا ہے۔

---

[1] عبدالملک بن حبیب اندلسی ہے اس کی کنیت ابو مروان اور نسبت سلمی ہے۔ اس کا ترجمہ "تہذیب التہذیب" میں ہے یہاں ابن حزم نے اس پر کچھ زیادتی سے کام لیا ہے۔

[2] مُصَرّاۃ سے مراد وہ بکری یا اونٹنی یا دودھ دینے والا کوئی بھی جانور ہے، جسے کئی روز تک نہ دوہا گیا ہو تاکہ دودھ تھنوں میں جمع ہو جائے اور خریدنے والے کے سامنے یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ یہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور اگر کوئی ایسا جانور خرید لے تو اسے اختیار دیا گیا ہے کہ اگر چاہے تو اسے رکھ لے اور اگر نہ چاہے تو اسے واپس کر دے اور ساتھ ہی ایک صاع کھجور دے دے (بخاری، مسلم) صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ اسے تین دن تک اختیار ہے لیکن حنفیہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا ہے اور کئی عذر پیش کیے ہیں۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ نے چوٹیوں کے کھولنے کا انکار کیا ہے جیسا کہ تم سے

۲۳۹۔ [عبداللہ بن یوسف از احمد از عبدالوہاب از ابن محمد از ابن علی از مسلم از یحییٰ بن یحییٰ از ابن علیہ از ایوب سختیانی از ابوالزبیر بیان کیا کہ] عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص عورتوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ بوقتِ غسل اپنے سروں کو کھول لیا کریں، تو آپ نے فرمایا ابنِ عمرو پر تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو غسل کے لیے سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں، یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنے سر ہی منڈا ڈالیں، میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور میں بجز اس کے کچھ نہ کرتی تھی کہ اپنے سر پر تین بار پانی ڈال لیتی تھی! (مسلم، نسائی، ابنِ ماجہ کتاب الطہارۃ)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

یہ حدیث ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی اور اس کے کئی اسباب ہیں۔ مثلاً

۱۔ حضرت عائشہؓ کی اس سے مراد فقط غسلِ جنابت ہے، غسلِ حیض وغیرہ نہیں۔ اور ہمارا بھی یہی قول ہے اس کی وجہ یہ کہ حدیث کے آخری الفاظ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرتی تھی" اور یہ بلاشبہ حیض کے علاوہ صرف جنابت کے لیے ہے۔

۲۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ کی مراد غسلِ حیض ہے، تو پھر بھی یہ ہمارے خلاف دلیل نہیں بن سکے گی کیونکہ ہمیں آپ کی روایت قبول کرنے کا حکم ہے، آپ کی رائے قبول کرنے کا حکم نہیں یعنی ہم پر فرض اور لازم آپ کی روایت کو قبول کرنا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی مخالفت کی ہے اور آپ صحابی ہیں اور جب کسی مسئلے میں اختلاف رونما ہو جائے تو پھر کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا فرض ہے۔ فریقین میں سے کسی ایک کے قول کو لے لینا اور دوسرے کے قول کو ترک کر دینا فرض نہیں ہے اور سنت سے اس مسئلے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱) اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ پر الزام لگایا کہ وہ فقیہ نہیں تھے (۲) کبھی کہہ دیا کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور (۳) کبھی کہہ دیا کہ یہ حدیث منسوخ ہے لیکن یہ سب بارد حیلے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں۔ مترجم غلام احمد حریری۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابت جو ثابت ہے، وہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۱۹۳۔ غسل اور غوطہ

جس شخص پر غسل واجب ہو، خواہ کوئی غسل ہو اور وہ جاری پانی میں غوطہ لگا لے تو اس کا غسل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ نیت کرے، اسی طرح اگر پرنالے کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے جسم پر پانی بہا لے اور نیت غسل کی ہو تو پھر بھی غسل درست ہوگا بشرطیکہ پانی سے سارا جسم تر ہو جائے۔ یہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ غسل میں جسم کو ہاتھوں سے ملنا ضروری نہیں، تو ان صورتوں میں چونکہ وہ طہارت اور غسل مامور بہ طریقہ پر کر لیتا ہے لہٰذا اس کی یہ طہارت و غسل صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ، احمدؒ، داؤد ظاہری اور کئی دیگر ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

۱۹۴۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل

جس شخص پر غسل واجب تھا، اگر اس نے ٹھہرے ہوئے پانی میں غوطہ لگا لیا اور غسل کی نیت کر لی، تو اس طرح غسل حیض و نفاس و غسل جمعہ اور غسلِ میت سے غسل تو ہو جائے گا لیکن غسلِ جنابت درست نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص جنبی تھا اور اس نے ٹھہرے ہوئے پانی میں مذکورہ غسلوں میں سے کسی ایک کی نیت کر کے غوطہ لگا دیا اور غسلِ جنابت کی نیت نہ کی، یا اس کی بھی نیت کر لی تو کوئی غسل بھی نہ ہوگا نہ غسلِ جنابت اور نہ کوئی اور غسل!

ان سب صورتوں میں غسل کرنے سے پانی طاہر ہی رہے گا، خواہ کم ہو یا زیادہ، یہ پانی اس کے لیے بھی اور دیگر لوگوں کے لیے بھی ہر حال میں مُطَہِّر ہوگا جبکہ وہ اس میں سے لے کر استعمال کرے۔

ان سب مذکورہ صورتوں میں حکم ایک ہی ہے خواہ پانی کم ہو، وضو و غسل کے برتن میں ہو یا کنوئیں میں یا

۱؎ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ ابن حزم نے اس مسئلے میں بے جا تاویل سے کام لیا ہے اور وہ تاویل بیان کی ہے جو کسی منصف کو قابلِ قبول نہیں اور اس حدیث کو غسلِ جنابت کے ساتھ مختص کرنا بلا دلیل ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ ابنِ حزم کا یہ فرمانا کہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ ان کی یعنی حضرت عائشہؓ کی رائے ہے لہٰذا قابلِ قبول نہیں۔ حالانکہ جب رسول اللہ کے ساتھ یہ غسل واقع ہوا تو پھر آپ کا اقرار ہی اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کئی مربع میل تک ٹھہرا ہوا تالاب ہو، سب صورتوں میں حکم یکساں ہے۔ اس کی دلیل

۲۴۰- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد از ابن عیسیٰ از ابن محمد از ابن علی از مسلم از ابوالطاہر و ہارون از ابن وہب از عمرو بن الحارث از بکیر الاشج از ابوالسائب بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ،

لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَھُوَ جُنُبٌ۔

(تم میں سے کوئی شخص حالتِ جنابت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔)

حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ پھر کیسے غسل کرے، تو آپ نے فرمایا کہ پانی لے کر الگ ہو کر غسل کرلے۔

(مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۴۱- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد از مسدد از یحییٰ القطان از محمد بن عجلان از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا یَغْتَسِلُ فِیْہِ مِنَ الْجَنَابَۃِ۔

(کھڑے ہوئے پانی میں کوئی شخص پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں غسل جنابت کرے) (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۴۲- [ہم سے احمد بن جسور از محمد بن ابی دیلم از ابن وضاح از ابوبکر بن ابوشیبہ از علی بن ہاشم از ابن ابی لیلیٰ از ابوالزبیر بیان کیا کہ] حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم اس بات کو مُستحب سمجھتے تھے کہ تالاب سے پانی لے کر الگ ہو کر غسل کریں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو چونکہ کھڑے ہوئے پانی میں غسل کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ابوسائب نے ابوہریرہ سے روایت کیا، تو اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص بھی کھڑے ہوئے پانی میں غُسلِ جنابت کرے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا بشرطیکہ اسے اس ممانعت کا علم ہو اور اگر حالتِ جنابت میں کسی دوسرے غسل کی نیت کرلے تو وہ بھی درست نہ ہوگا کیونکہ اس نے فی الجملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث ابنِ عجلان کی نسبت زیادہ عمومیت کی حامل ہے، اگر حدیثِ ابنِ عجلان کے سوا اور کوئی حدیث نہ ہوتی تو پھر جنبی کے لیے کھڑے پانی میں غسلِ جنابت کے علاوہ دیگر غسل جائز ہوتے لیکن اس حدیث کا عموم اور عادل راوی کی زیادتی ایسے امور ہیں، جن کی مخالفت جائز نہیں!

جو حضرات کھڑے پانی میں غسلِ جنابت کے جواز کے قائل نہیں، ان میں امام ابو حنیفہؒ بھی ہیں مگر آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب پانی کا تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ اگر ایک کنارے کو حرکت دی جائے تو دوسرے کنارے کا پانی بھی حرکت کرنے لگے، تو پھر اس میں کوئی غسل اور کوئی وضو بھی جائز نہ ہوگا. نیز آپ کے نزدیک کھڑے پانی میں غسل کرنے سے پانی خراب ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں تو صرف غسلِ جنابت کی ممانعت تھی مگر آپ نے جو اس ممانعت کو عموم پر رکھتے ہوئے، ہر غسل کو ناجائز قرار دیا ہے نیز پانی پر نجاست کا حکم لگایا ہے، یہ خطا ہے البتہ آپ کا جتنا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہے وہ درست ہے، حسن بن حیؒ کا قول بھی ایسے ہی ہے مگر انھوں نے یہ تخصیص کی ہے کہ پانی کُرّ[1] سے کم ہو مگر آپ کی یہ تخصیص خطا ہے. امام شافعیؒ کا قول بھی اسی طرح ہے مگر آپ نے اس حکم کو پانچ سو رطل سے کم پانی کے ساتھ مخصوص کیا ہے، آپ کی طرف سے یہ تخصیص خطا ہے، نیز آپ نے یہ حکم ہر قسم کے غسل کے لیے عام قرار دیا ہے لہٰذا آپ کی طرف سے یہ امر زائد بھی مبنی بر خطا ہے، آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا یہ بات درست ہے۔

امام مالکؒ نے کھڑے پانی میں غسلِ جنابت کو مکروہ سمجھا ہے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کے غسل کو جائز قرار دیا ہے، یہ آپ کی خطا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔

(جس شخص نے کوئی کام ہماری سنت کے خلاف کیا، وہ مردود ہے) (صحیح مسلم)

یہ امر ویسے بھی محال ہے کہ وہ غسل جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اس کے

---

[1] کُرّ ایک عراقی پیمانہ ہے، اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوض درست ہو جس کا آپ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امر کو تسلیم نہیں فرماتا کہ معصیت اطاعت کے قائم مقام ہو اور فرض کے بجائے حرام کفایت کر سکے۔

ہمارا قول وہی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کا قول ہے، ہمارے علم میں حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی اس قول کے مخالف نہیں ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

اگر کسی جنبی نے کھڑے پانی میں اپنے جسم کا کچھ حصّہ بھی دھویا خواہ ایک ہی بال تو غسل درست نہ ہوگا۔ کیونکہ غسل کا کچھ حصہ بھی غسل ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے علاوہ کسی دوسرے کو کھڑے پانی میں غسل سے منع نہیں فرمایا لہٰذا ممانعت صرف جنبی ہی کے لیے ہے، کسی دوسرے کے لیے نہیں، خواہ غسل واجب ہو یا غیر واجب۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى (النجم: ۳-۴)

(اور (وہ رسول) خواہش نفس سے بات نہیں کرتے۔ یہ (قرآن) تو حکم الٰہی ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا (مریم: ۶۴)

(اور تمھارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے)

۱۹۵۔ مختلف غسل

جو آدمی یا عورت جمعہ کے دن جنبی ہو، تو اس کے لیے دو غسل ضروری ہیں۔ ایک تو غسلِ جنابت کی نیت سے ضروری ہے اور دوسرا غسل، غسلِ جمعہ کی نیّت سے ضروری ہے۔ اس طرح کیے بغیر چارہ کار نہیں۔

اگر جمعہ کے دن کسی میت کو ایسے شخص نے غسل دے دیا، جس پر مذکورہ بالا دو غسل واجب تھے، تو اس پر تیسرا غسل بھی واجب ہو جائے گا، اس کی بھی باقاعدہ نیت کر کے ادائیگی ضروری ہے۔

ایک عورت سے صحبت کی گئی اور بعد از صحبت اسے حیض شروع ہو گیا، تو اس صورت میں اسے اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو غسلِ جنابت کر لے اور اگر چاہے تو ایامِ حیض کے خاتمہ تک غسلِ جنابت مؤخر بھی کر سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاتمۂ حیض کے بعد اس عورت پر دو غسل واجب ہوں گے۔ ایک غسل نیتِ جنابت سے اور دوسرا نیتِ حیض سے کرے اور اتفاق سے اگر غسل کا دن جمعہ کا دن ہو اور اس کے کسی میّت کو غسل بھی دیا ہو تو پھر عورت پر چار بار غسل کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔

اگر ایک غسل کرتے وقت کوئی شخص مذکورہ غسلوں میں سے دو کی نیّت کر لے، تو ان میں سے کوئی ایک بھی درست نہ ہوگا بلکہ دونوں کا دوبارہ لوٹانا فرض ہوگا۔ اسی طرح اگر دو سے زیادہ کی نیت کر لے تو وہ بھی نہیں ہوں گے۔

اگر ایک شخص پر متعدد غسل فرض ہیں اور وہ ایک ایک عضو کو دو دو یا تین تین یا چار بار دھولیتا ہے اور ہر دفعہ دھوتے وقت ایک مخصوص غسل کی نیت کر لیتا ہے تو اس صورت میں تو سب غسل ہو جائیں گے وگرنہ نہیں!

اگر مذکورہ شخصوں میں سے کسی نے وضو کا ارادہ کیا تو اسے ہر غسل کے لیے الگ الگ وضو کرنا پڑے گا اور ہر بار یہ نیت بھی کرنا پڑے گی کہ وہ یہ وضو کس غسل کے لیے کر رہا ہے۔ ہاں غسلِ جنابت کے وقت اگر اس نے اعضاء دھوتے وقت وضو اور غسل کی نیت کر لی تو یہ جائز ہوگا۔ اگر صرف غسل کی نیت کی تو وضو نہ ہوگا اور اگر اعضاء دھوتے وقت صرف وضو کی نیت کی تو غسل نہ ہوگا۔ وضو کی بابت ہم نے جو لکھا ہے، اس کے لیے اس ترتیب کو ملحوظِ خاطر رکھنا پڑے گا جو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مذکورہ باتوں کے دلائل ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینة : ۵)

(اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى۔

(اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے، جس کی اس نے نیت کی) (البخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جب یقینی طور پر یہ بات درست ہوئی کہ ایک شخص پر مذکورہ غسلوں میں سے سب غسل فرض ہیں، تو پھر یہ بات یقینی طور پر باطل ہے کہ عمل واحد دو یا زیادہ سے کفایت کر سکے۔ کیونکہ اگر اس نے نیت ایک عمل کی کی ہے تو اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی شہادت یہ ہے کہ اس کا صرف وہی عمل درست ہو گا جس کے لیے اس نے نیت کی۔ جس کی اس نے نیت ہی نہیں کی وہ درست نہیں ہو گا اور اگر اس نے دو یا زیادہ غسلوں کی نیت کر لی تو گویا اس نے حکم شریعت کی مخالفت کی ہے کیونکہ مذکورہ اسباب کے باعث ہر سبب کے لیے اسے غسل مکمل کا حکم ہے اور اس نے اسے انجام نہیں دیا اور غسل تقسیم بھی نہیں ہو سکتا لہٰذا ایک غسل کے ساتھ زیادہ کی نیت کرنے سے اس کا سارا عمل باطل ہو جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردٌ۔

(جو شخص ہمارے امر کے خلاف کوئی عمل کرے، وہ مردود ہے) (صحیح مسلم)

البتہ غسل جنابت اور وضو دونوں ایک ہی نیت سے درست ہیں کیونکہ اس سلسلے میں نص وارد ہے۔

۲۴۳۔ [جیسا کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یوسف از مالک از ہشام بن عروہ از پدر خود بیان کیا کہ] ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرتے تو پہلے ہاتھ دھوتے، پھر نماز کے وضو کی مانند وضو کرتے، پھر انگلیوں کو پانی میں داخل کرتے اور بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر ہاتھ کے ساتھ تین چلو پانی سر پہ ڈالتے اور پھر سارے جسم پر پانی بہاتے۔ اسی طرح ابو معاویہ، حماد بن زید، سفیان بن عیینہ اور دوسروں نے بھی از ہشام از عروہ از عائشہ روایت کیا ہے۔ (بخاری مسلم، ترمذی، نسائی کتاب الطہارۃ)

۲۴۴۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد از عبدالوہاب از ابن محمد از ابن علی از مسلم۔ از علی بن حجر از عیسیٰ بن یونس از اعمش از سالم بن ابی الجعد از کریب از ابن عباس بیان کیا کہ] ام المومنین حضرت میمونہؓ سے ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے لیے پانی رکھا، تو آپ نے ہاتھ کی ہتھیلیوں کو دو یا تین بار دھویا، پھر برتن میں پانی لینے کے لیے ہاتھ ڈالا اور پھر اپنے مقام خاص پر پانی بہایا اور اسے بائیں ہاتھ سے دھویا۔ پھر بائیں ہاتھ کو زمین پر خوب رگڑا، پھر نماز کے وضو کی مانند وضو کیا، پھر تین چلّو بھر کے پانی سر پر ڈالا۔ پھر سارے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدن کو دھویا، پھر اس جگہ سے الگ ہو کر پاؤں کو دھویا، پھر میں نے رومال پیش کیا مگر آپؐ نے واپس کر دیا۔
(بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت میں وضو کے اعضاء کو دوبارہ نہیں دھویا اور ہم اللہ کو گواہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے کسی بھی ایسے عمل کی نیت کو ضائع نہیں کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض قرار دیا ہوا ور یہ مذکورہ امر چونکہ صرف غسلِ جنابت کے بارے میں ثابت ہے لہٰذا اس کا حکم خاص ہوگا اور باقی غسلوں کا جو حکم ہے وہ اسی طرح ہوں گے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنابت اور حیض کے لیے ایک ہی غسل کافی ہے۔ بعض اصحاب مالکؒ کہتے ہیں کہ جمعہ و جنابت کے لیے ایک غسل کافی ہے جبکہ بعض یہ کہتے ہیں اگر صرف جنابت کی نیت کی تو جمعہ کے غسل سے کفایت نہیں کرے گا اور اگر غسلِ جمعہ کی نیت کی تو یہ غسلِ جنابت سے بھی کفایت کر جائے گا۔

ابن حزم اس پر نقد کرتے ہیں:۔

لیکن یہ بات حد درجہ فاسد ہے اس لیے کہ غسلِ جمعہ تو ان کے نزدیک نفل ہے، تو نفل فرض سے کیسے کفایت کر سکے گا؟ یا فرض کی نیت، نفل سے کیونکر کفایت کر سکے گی؟ یہ تو عجیب بات ہے جو ان حضرات نے کہی ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

انھوں نے اس سلسلے میں دلیل یہ دی ہے کہ ایک وضو یا ایک ہی تیمم ان تمام امور سے کفایت کر سکتا ہے جو نواقض وضو یا تیمم ہیں، اسی طرح ایک ہی غسل بہت سی جنابتوں کے لیے کافی ہے، ایک غسل کئی ایام کے حیض کے لیے کافی ہے اور ایک طواف عمرہ و حج کے لیے کافی ہے تو اسی طرح ہر موجب غسل چیز کے لیے ایک ہی غسل کافی ہونا چاہیے!

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ قیاس ہے اور قیاس سب کا سب باطل ہے، قیاس اگر درست بھی ہو تو اس کی یہ صورت بالکل ہی باطل ہے کیونکہ اگر قیاس درست بھی ہو تو یہ صحیح نہیں کہ وہ دو غسل جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان سے ایک ہی کفایت کر سکے جیسا کہ انھوں نے وضو پر قیاس کیا بلکہ جس پر دو غسل واجب ہیں اس کا حسب ذیل امور پر قیاس بہتر ہوگا۔ مثلاً جس شخص پر ماہ رمضان کے دو دن کے روزے فرض باقی ہوں، یا دو ظہار کے باعث دو گردنوں کا آزاد کرنا ہو، یا دو قسموں کے باعث دو کفارے ہوں، یا دو حج تمتع کے باعث دو قربانیاں ہوں یا دو دنوں کی دو ظہر کی نمازیں باقی ہوں، یا دو مختلف دس دس دراہم میں سے اس کے ذمہ دو درہموں کی ادائیگی ہو تو وہ صرف ایک روزہ رکھ لے، ایک گردن آزاد کرے ایک کفارہ ادا کر دے، ایک قربانی دے دے، ایک نماز پڑھ لے اور ایک درہم ادا کر دے اور اسی طرح کے شرعی امور کا کوئی بھی قائل نہیں کہ اس طرح یہ فرائض ادا ہو گئے، تو معلوم ہوا کہ ان کا یہ قیاس فاسد باطل ہے۔

پھر ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت کے ساتھ ان سے عرض کریں گے کہ وضو کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بے وضو انسان کی نماز، اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں فرماتا، جب تک وہ وضو نہ کر لے۔" (ان شاء اللہ۔ آئندہ ہم اس حدیث کو اسناد کے ساتھ باب الحدیث فی الصلاۃ میں ذکر کریں گے) تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو حدث کے باعث ہے اور حدث میں ہر قسم کا حدث داخل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (المائدۃ ۶) (اور اگر تم جنبی ہو تو طہارت کر لو)

اور اس میں ہر قسم کی جنابت داخل ہے اور یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیند، بول و براز یا لمسِ نساء وغیرہ تمام نواقض وضو کے لیے ایک ہی وضو فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ ایک ہی غسل کے ساتھ تمام ازواج مطہرات کے پاس جایا کرتے تھے جیسا کہ

۲۴۵۔ [ہم نے از احمد بن جسور از ابن ابی دلیم از ابن وضاح از ابن ابی شیبہ از ہشیم از حمید روایت کیا کہ] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انّ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم کَانَ یَطُوفُ علی نِسَائِهِ فِی لَیلَةٍ بِغُسلٍ وَاحِدٍ۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں ایک غسل کے ساتھ سب ہی عورتوں کے پاس جایا کرتے تھے) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۴۷)

رہی بات حج قران میں حج اور عمرہ دونوں کے لیے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی تو یہ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

طواف واحد یکفیك لِحَجّك وعُمرَتك۔

(حج اور عمرہ کے لیے ایک ہی طواف کافی ہے)۔

ونیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ روزِ قیامت تک عمرہ، حج میں داخل ہو چکا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ باعثِ تعجب ہے کہ آپ کے نزدیک حیض، جنابت اور تبرّد سے ایک ہی غسل کفایت کر سکتا ہے لیکن حجِ قران میں آپ کے نزدیک حج وعمرہ کے لیے ایک طواف وسعی کافی نہیں حالانکہ یہ حقائق کے بالکل برعکس اور سنن کے ابطال کے مترادف ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

ہمارے قول کی تائید سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے؛ چنانچہ ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از حبیب وثوری وعبداللہ بن المبارک وعبدالاعلی وبشر بن منصور از عمرو بن ہرم روایت پہنچی کہ جابر بن زید جن کی کنیت ابوالشعثاء ہے، سے پوچھا گیا کہ جس عورت سے مجامعت کی گئی ہو اور پھر اسے حیض شروع ہو جائے تو آپ نے فرمایا اس پر غسلِ جنابت فرض ہے۔ اور بطریق سفیان از لیث از طاؤس۔ وبطریق سفیان از مغیرہ از نخعی۔ و بطریق سفیان از ہشام از حسن یعنی طاؤس، ابراہیم نخعیؒ اور حسن سب کا قول وہی ہے یعنی جو عورت جنابت کے بعد حائضہ ہو جائے، اس پر غسل فرض ہے۔ وبطریق ابن المبارک از حجاج میمون بن مہران اور عمرو بن شعیبؒ سے منقول ہے جو عورت جنابت کے بعد حائضہ ہو جائے تو وہ جنابت کا غسل کرے۔ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے یہی مسئلہ حکم بن عتیبہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا وہ دو مرتبہ غسل کرے۔ اور بطریق عبدالاعلی از معمر از زہری، وبطریق عبدالاعلی از یونس بن عبید از حسن وبطریق عبدالاعلی از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ؛ ان سبھی حضرات یعنی زہری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن اور قتادہ نے اس عورت کے متعلق جو جنابت کے بعد حائضہ ہو جائے فرمایا کہ وہ جنابت کا غسل کرے۔ نیز بشر بن منصور از ابن جریج از عطاء بن ابی رباح منقول ہے کہ جو عورت مجامعت کے بعد حائضہ ہو جائے تو اس پر غسل جنابت واجب ہے اگر وہ غسل جنابت کو طہر تک موخر کرے تو طہر کے وقت دو غسل کرے گی۔ پس یہ حضرات جابر بن زید، حسن، قتادہؒ، ابراہیم نخعیؒ، حکم، طاؤس، عطاء، عمرو بن شعیب، زہریؒ اور میمون بن مہران (سب کا قول ہے کہ اگر جنابت کے بعد عورت حائضہ ہو جائے تو اس پر غسل ہے) اور امام داؤد ظاہری اور ہمارے اصحاب کا مسلک بھی یہی ہے۔

۱۹۶۔ غسل میں تولیہ وغیرہ کا استعمال

غسل کرنے والے کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس کپڑے کے علاوہ جسے اس نے پہنا ہو کسی اور کپڑے وغیرہ سے اپنا جسم پونچھے۔ اگر کوئی کپڑا وغیرہ استعمال کرلے تو کوئی حرج نہیں، بالخصوص وضو میں تو یہ بالکل مکروہ نہیں۔

۲۴۶۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن مفرج از ابن سکن از فربری از بخاری از موسیٰ از ابوعوانہ از اعمش از سالم بن ابی الجعد از کریب از ابن عباس بیان کیا کہ] ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا اور پردے کا انتظام کیا ــــ پھر آپ نے آپ کے غسل کا طریقہ بیان کیا ــــ آپ نے سر دھویا اور پھر سارے جسم پر پانی بہایا، پھر اس جگہ سے الگ ہو کر پاؤں دھوئے، پھر میں نے آپ کو ایک کپڑا پیش کیا لیکن آپ نے اپنے ہاتھ سے ہی جسم کو پونچھ لیا اور کپڑا نہ لیا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۴۷۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد از ہشام ابو مروان و محمد بن مثنیٰ از ولید بن مسلم از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از محمد بن عبدالرحمٰن بیان کیا کہ] حضرت قیس بن سعدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت

؎ غسل اور وضو کے بعد تولیے کے استعمال کی ممانعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ آپ نے غسل کے بعد جو تولیے کو واپس کر دیا تو اس سے کسی کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ نے اسے مکروہ سمجھا تھا۔ اگر کسی نے ایسا سمجھا ہے تو اس پر حق واضح نہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے عدمِ ضرورت کے باعث واپس کیا، اس لیے نہیں کہ یہ شرعاً مکروہ تھا۔ احمد شاکر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے پھر آپ نے مفصل حدیث ذکر کی اور اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے حضرت سعدؓ کے کہنے پر غسل کا پانی رکھا گیا، آپؐ نے غسل کیا، پھر آپ کو زعفران اور ورس (ایک قسم کی گھاس) لگا ہوا تولیہ پیش کیا گیا تو آپ نے اسے استعمال کیا۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

اس حدیث اور اس سے قبل والی حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ اس بعد والی روایت میں ہے کہ "اشتمل فیھا" یعنی آپؐ نے اسے لپیٹ لیا، گویا یہ آپؐ کے لباس کا حصہ ہوا، نیز بعض سلف سے یہ قول منقول ہے جیسا کہ ہم کو بطریق عبد الرزاق از ابن جریج یہ روایت پہنچی کہ حضرت عطا سے پوچھا گیا کہ کیا آدمی رومال کے ٹکڑے سے پانی کو پونچھ سکتا ہے؟ آپ نے اس کی رخصت دینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ ایک نئی چیز ہے۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اگر تولیے کے استعمال سے مقصود پانی کی ٹھنڈک ختم کرنا ہو؟ تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اس سے منع نہیں فرمایا لہٰذا مباح ہے۔

۱۹۷۔ غسل کا آغاز کہاں سے کرے؟

مذکورہ غسلوں میں آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے پاؤں یا دیگر اعضا میں سے جس سے آغاز کرلے مگر جمعہ اور جنابت کے غسلوں میں ضروری ہے کہ سب سے پہلے سر اور پھر بدن کو دھوئے۔ اگر یہ غسل پانی میں غوطہ لگا کر کر رہا ہو تو بھی پہلے سر اور پھر جسم پر پانی بہانے کی نیت کرلینا چاہیے۔

اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے، جسے ہم قبل ازیں بسند بیان کر چکے ہیں کہ "ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ سات دنوں میں ایک دن غسل کرلے اور اپنے سر اور بدن کو دھوئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ "وہاں سے آغاز کرو، جہاں سے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے"؛ چنانچہ ہم ترتیب وضو کے باب میں بسند ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باقی جسم کے بجائے سر کے دھونے سے غسل کا آغاز کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (النجم: ۳-۴)

(اور وہ (رسول) اپنی مرضی سے (دین کی) بات نہیں کرتا۔ یہ (قرآن) تو حکم الٰہی ہے جو ان کی طرف)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیجا جاتا ہے۔)

تو اس سے ثابت ہوا کہ غسل کے آغاز کے سلسلے میں آپ کا جو فرمان ہے، یہ بھی وحی الٰہی کے باعث ہے اور جہاں سے آپ نے غسل کا آغاز کیا، منشاءِ الٰہی بھی وہاں سے ہی غسل کے آغاز کا تھا۔

۱۹۸۔ نیند سے بیداری کے بعد وضو کا طریقہ

اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضو کر رہا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنے ہاتھوں کو تین بار دھوئے جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں، پھر تین بار ناک میں پانی ڈال کر اسے جھاڑ لے تاکہ اپنے نتھنوں سے شیطان کو دُور بھگا دے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نیند اور وضو کے مابین فاصلہ تھوڑا ہو یا زیادہ! اگر اس نے یہ سب کچھ کر لیا تو اسے نیند کے علاوہ کسی اور امر حادِث کے باعث اس وضو کو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر اپنے ہاتھ کو برتن میں داخل کیے بغیر ہی ہاتھوں پر تین بار پانی ڈال لیا تو پھر بھی اس کے لیے ہاتھوں کو تین بار دھونا فرض ہے بشرطیکہ وہ نیند سے بیدار ہوا ہو، پھر اسے تین بار کلی کرنے کا اختیار ہے، خواہ کرے یا نہ کرے کیونکہ وضو میں کلی کرنا فرض نہیں ہے، اگر اسے ترک کر دے تو اس کا وضو تام اور اس کی نماز مکمل ہوگی خواہ کلی کرنا قصد و ارادہ سے ترک کرے یا بھول کر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

پھر نماز کے لیے وضو کی نیت کرے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اور ناک میں پانی ڈالے اور اسے سانس کے ذریعے اوپر کھینچے اور یہ ضروری ہے، اس کے بغیر چارۂ کار نہیں، پھر انگلیوں کے ساتھ ناک کو جھاڑ لے، ایک بار ایسا کرنا ضروری ہے، اگر دو یا تین بار کر لے تو بہت ہی بہتر ہے۔ یہ دونوں کام فرض ہیں ان کے بغیر وضو درست ہے اور نہ نماز، خواہ عمداً ترک کرے یا بھول کر، پھر چہرے کو پیشانی کے بالائی حصے پر بالوں کے اُگنے کی جگہ سے لے کر کانوں کی جڑوں تک اور ٹھوڑی کے خاتمہ تک دھوئے، دو یا تین بار دھونا مُستحَب ہے، ایک بار دھونا بھی کافی ہے، ٹھوڑی کے نیچے کے داڑھی کے بالوں کو دھونا نیز داڑھی کا خلال کرنا ضروری نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر اپنے دونوں بازوؤں کو ناخنوں کے کٹنے کے مقام سے لے کر کہنیوں کے آغاز تک دھوئے۔ اگر ساری کہنیوں کو بھی دھولے تو بہتر ہے، تین بار یا دو بار دھوئے تو بہتر ہے اور اگر صرف ایک ہی بار دھوئے تو پھر بھی کافی ہے۔

انگوٹھی کو اپنی جگہ سے حرکت دے کر اس کے نیچے تک پانی پہنچانے کا اس قدر اہتمام کرنا چاہیے کہ یقینی طور پر پانی پہنچ جائے۔

پھر اپنے سر کا مسح کرے، مسح جیسا بھی کرے جائز ہو گا۔ ہمارے نزدیک یہ امر زیادہ پسندیدہ ہے کہ سارے سر کا دونوں ہاتھوں سے مسح کرے۔ اگر ایک ہاتھ یا ایک انگلی سے بھی مسح کرے تو یہ بھی جائز ہو گا۔ اگر سر کے کچھ حصہ خواہ وہ تھوڑا ہی ہو، کا مسح کرلے تو یہ بھی جائز ہو گا۔ ہمارے نزدیک تین یا دو بار مسح کرنا مُستَحَب ہے۔ اگر ایک بار پر اکتفا کرے تو جائز ہو گا۔ مرد یا عورت کے لیے ان بالوں کا مَس کرنا ضروری نہیں ہے، جو پیشانی یا گردن پر لٹک رہے ہوں۔ کانوں کا مَسح کرنا بھی مُستَحَب ہے، اگر چاہے تو سر کے مسح والے پانی کے ساتھ ہی مسح کرلے اور اگر چاہے، تو نیا پانی لے لے، لیکن ہر عضو کے لیے نیا پانی لینا مُستَحَب ہے۔

پھر پاؤں کو ناخنوں کے کٹنے کے مقام سے لے کر ٹخنوں کے اس آخری حصہ تک جو پنڈلیوں سے ملتا ہے، دھوئے، تین بار یا دو بار دھولے تو زیادہ بہتر ہے، ورنہ ایک بار ہی کافی ہے۔

وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا مُستَحَب ہے اور اگر نہ پڑھے، تو وضو مکمل ہو گا۔ کُلی کے بارے میں ہم نے جو یہ کہا تھا کہ یہ فرض نہیں ہے، تو یہ اس لیے کہ اس سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم منقول نہیں ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کُلی کرنا ثابت ہے اور یہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال ہم پر فرض نہیں ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حکم کی اطاعت کا حکم دیا ہے، ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ آپ کے افعال جیسے افعال کریں! چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(النور: ۶۳)

(جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب : ۲۱)

(تم کو رسولؐ اللہ کی پیروی کرنی) بہتر ہے۔

ناک میں پانی ڈالنے اور ناک صاف کرنے کے سلسلے میں

۲۴۸- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از نسائی از محمد بن منصور از ابن عیینہ از ابوالزناد از اعرج بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے، تو اسے چاہیے کہ ناک میں پانی ڈالے اور پھر اسے صاف کرے (مسلم، نسائی کتاب الطہارۃ) یہ حدیث ہم کو بطریق ہمام بن منبہ از ابوہریرہ مسند بھی پہنچی ہے (مسلم کتاب الطہارۃ) و نیز بطریق حضرت سلمہ بن قیسؓ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں :۔

امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناک میں پانی ڈالنا اور ناک صاف کرنا وضو اور غسل جنابت میں فرض ہیں، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ غسل جنابت میں تو فرض ہیں لیکن وضو میں فرض نہیں ہیں۔ امام احمدؒ اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ یہ وضو میں فرض ہیں لیکن غسل جنابت میں فرض نہیں ہیں اور کلی، وضو اور غسل جنابت کسی میں بھی فرض نہیں ہے اور حق مسلک بھی یہی ہے[ل]۔

سلف کی ایک جماعت سے اس کا حکم بھی منقول ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب وضو کرو تو ناک جھاڑ کر نتھنوں کی میل کچیل کو صاف کرو۔

ل امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس فرمان (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) سے ابن حزم نے استدلال کیا ہے اور یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے افعال ہمارے لیے متاکد ہیں و نیز ابوداؤد کی ایک مسند بسند حسن روایت میں ہے کہ "اذا توضأت فتمضمض" یعنی جب تو وضو کرے تو کلی کیا کر۔ (عون المعبود ۱ : ۵۵ حدیث نمبر ۱۴۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شعبہ نے بیان کیا کہ حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ جو شخص کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے، وہ دوبارہ وضو کرے۔ شعبہ ہی کا بیان ہے۔ حکم بن عتیبہؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے اور نماز پڑھ لے، تو مجھے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ وکیع نے سفیان ثوری سے روایت کیا کہ مجاہد فرماتے ہیں کہ ناک میں پانی ڈالنا نصف وضو ہے۔ عبدالرزاق از سفیان مروی ہے کہ حماد بن ابی سلیمانؒ اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے، تو وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ و نیز عبدالرزاق از معمر روایت ہے کہ زہری بھی وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بھول جانے پر دوبارہ نماز کے اعادہ کے قائل ہیں۔ ابن ابی شیبہ از ابو خالد احمد از ہشام بیان کیا کہ حضرت حسن کلی، ناک میں پانی ڈالنے، ناک صاف کرنے، چہرہ اور ہاتھ پاؤں دھونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دو دو بار جائز ہے اور اگر تین تین بار دھولے تو افضل ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

کچھ لوگوں نے خواہ مخواہ مشاجرہ کیا کہ ناک میں پانی ڈالنے اور ناک صاف کرنے کا حکم قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس وقت تک کسی کی نماز مکمل نہیں، جب تک وہ اس طرح وضو نہ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ آیت و حدیث ان کی حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)

(جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی)

ہر وہ بات جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے گویا اس کا اللہ تعالیٰ ہی نے حکم دیا ہے۔

چہرے کے بارے میں ہم نے جو کہا ہے، اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ داڑھی کے اُگنے سے پہلے سارے چہرے کا دھونا فرض ہے، جب داڑھی نکل آئے تو اتنے حصے کا دھونا فرض نہیں ہے جسے داڑھی نے چھپا رکھا ہو۔ ہاں جتنے حصے پر چہرے کا لفظ صادق آتا ہے، اس میں سے کسی کا دھونا ساقط نہیں اور یہ جائز نہیں کہ رائے کے ساتھ اَمرد[1] کو سج اور الحٰی کے درمیان کوئی فرق کیا جا سکے۔

---

[1] اَمرد کے معنی وہ نابالغ جس کے ابھی تک داڑھی نہ اُگی ہو اور کوسج وہ بالغ جس کے داڑھی نہ اُگی ہو اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ٹھوڑی سے نیچے جو ڈاڑھی کے بال لٹک رہے ہوں نیز پیشانی اور گردن کے پچھلے حصہ پر جو بال ہوں، ان کا دھونا فرض نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں چہرے کے دھونے اور سر کے مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر انسان کو معلوم ہے کہ انسان کا سر گردن میں نہیں ہے، اسی طرح پیشانی چہرے کا حصّہ ہے جسے دھونے کا حکم ہے، اس کا سر سے کوئی تعلق نہیں جس کے مسح کرنے کا حکم ہے، اور چہرہ، گردن اور سینے میں نہیں ہے لہٰذا ان میں سے کسی ایسے عضو کو دھونا جسے قرآن و حدیث نے فرض نہ کیا ہو ان کا دھونا واجب نہیں۔

ہاتھوں، انگوٹھی کے نیچے کے حصہ اور کہنیوں کے دھونے کے بارے میں ہم نے جو کہا ہے تو یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ (المائدہ ۶:) (اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو)

اگر کسی شخص نے اس عضوِ بدن میں سے بال برابر جگہ بھی چھوڑ دی، جس کے دھونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو اس نے گویا اس طرح وضو نہ کیا، جس طرح امرِ الٰہی ہے اور جس نے حسبِ ارشادِ الٰہی وضو نہ کیا، اس کا وضو درست ہے اور نہ نماز۔ لہٰذا الیقینی طور پر ہاتھ کی انگلیوں کی اس جگہ پر پانی پہنچانا بھی واجب ہے، جو انگوٹھی کے نیچے ہے۔

کہنیوں کے دھونے کے حکم کے سلسلے میں لفظ "الیٰ" استعمال ہوا ہے اور "الیٰ" لغتِ عرب میں جس میں قرآن نازل ہوا ہے، دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) غایت کے معنی میں اور (۲) معیّت کے معنی میں۔ معیّت کے معنی میں استعمال کی مثال یہ ہے:۔

وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ (النساء ۲:)

(اور نہ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ)

یہاں لفظ "الیٰ" بمعنی "مع" استعمال ہوا ہے۔

جب "الیٰ" کا لفظ ان دونوں معنوں کے لیے مساوی طور پر صحیح استعمال ہو سکتا ہو تو پھر کسی ایک معنی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اَلْحیٰ کے معنی داڑھی والے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ کَوسَج الالحی کا معرب ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے استعمال کو محدود کر دینا جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ تخصیص بغیر دلیل کے ہوگی لہٰذا ہاتھوں کا کہنیوں کے آغاز تک دھونا تو ایک معنی کے اعتبار سے واجب ہوا اور ساتھ ہی اگر کہنیوں کو بھی دھو لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

مسحِ رأس کے بارے میں ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی توضیح:۔

مسحِ رأس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں وضو میں سارے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تین انگلیوں کے بقدر سر کا مسح فرض ہے۔ فرضیت کی تحدید کے سلسلے میں آپ رُبع رأس کے قائل ہیں۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دو یا ایک انگلی کے ساتھ مسح کیا تو یہ جائز نہ ہوگا اگر تین انگلیوں کے ساتھ کر لیا تو پھر جائز ہوگا۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ سر کے کچھ حصّہ خواہ ایک ہی بال ہو، کا مسح کر لیا تو جائز ہوگا۔ ایک انگلی یا انگلی کے کچھ حصّہ کے ساتھ مسح کیا تو پھر بھی جائز ہوگا۔

شوافع کے نزدیک اگر دو بالوں کا مسح کر لیا یا ایک انگلی یا انگلی کے بھی کچھ حصّہ کے ساتھ مسح کیا تو جائز ہوگا لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک تین بار سارے سر کا مسح زیادہ محبوب ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ عورت اگر صرف سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کرے تو جائز ہوگا۔ امام اوزاعیؒ ولیثؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصّہ یا کچھ حصّے کا مسح کر لیا تو جائز ہوگا۔

امام داؤدؒ ظاہری فرماتے ہیں کہ جس پر مسح کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہو، خواہ ایک انگلی یا انگلی کے کم و بیش حصّے کے ساتھ مسح کرے تو جائز ہوگا لیکن آپ کے نزدیک پورے سر کا تین بار مسح کرنا زیادہ محبوب ہے اور صحیح مسلک بھی یہی ہے۔

سر کے کچھ حصے پر مسح میں اکتفا کرنا اس لیے جائز ہے کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ (المائدہ ۵: ۶) (اور سر کا مسح کر لیا کرو)

اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ لغتِ قرآن میں مسح اور غُسل میں فرق ہے۔ غُسل استیعاب کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقاضا کرتا ہے لیکن مسح کا یہ تقاضا نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے

۲۴۹۔ [ہم سے حمام از عباس از ابن ایمن واز عبداللہ بن احمد از پدرِ خود از یحیٰ قطان از سلیمان تیمی از بکر بن عبداللہ مزنی از حسن بصری از حمزہ بن مغیرہ بیان کیا کہ] حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پیشانی پر مسح کیا۔ نیز موزوں اور عمامہ پر بھی مسح کیا۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۵۰۔ [ہم سے عبداللہ از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از مسدد از معتمر از سلیمان از بکر از حسن از ابن المغیرہ بیان کیا کہ] حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موزوں، پیشانی اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے۔ بکر مزنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے براہ راست ابن المغیرہ سے بھی سنی ہے۔ (حوالہ اوپر گزر چکا ہے)

سلف میں سے ایک جماعت اس بات کی قائل ہے؛ چنانچہ ہم کو از معمر از ایوب سختیانی از نافع روایت پہنچی کہ حضرت ابنِ عمر وضو کے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لیتے اور ایک بار اپنی پیشانی کے اوپر والے بالوں پر مسح کر لیتے۔ یہ روایت ہم کو بطریق عبیداللہ بن عمر از نافع از ابنِ عمر بھی پہنچی ہے ونیز بطریق حماد بن سلمہ از ہشام بن عروہ حضرت فاطمہ بنت منذر بن زبیر کے بارے میں روایت ہے کہ آپ دوپٹے کے نیچے سے سر کے دائیں طرف دائیں ہاتھ سے اور بائیں طرف بائیں ہاتھ سے مسح کیا کرتی تھیں۔ اس فاطمہ نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا زمانہ پایا ہے۔ نیز ان سے روایت بھی کی ہے۔ اور بطریق وکیع از ابو ہاشم روایت ہے کہ امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وضو کرتے وقت سر کے ابتدائی حصے اور کنپٹیوں کو پانی لگا دیا تو وضو درست ہوگا ونیز بطریق وکیع از اسماعیل ازرق روایت ہے کہ شعبی کہتے ہیں کہ اگر سر کے ایک ہی جانب مسح کر لیا تو جائز ہوگا۔ اسی طرح عطا، صفیہ بنت ابی عُبید، عکرمہ، حسن، ابوالعالیہ اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور ان کے علاوہ بھی کئی حضرات سے منقول ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

اس سلسلے میں ہم نے ابن عمرؓ سے جو روایت ذکر کی ہے، حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی اس کے مخالف نہیں ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ اور دیگر ائمہ سے جو لوگ پورے سر کے مسح کے بارے میں روایات ذکر کرتے ہیں، تو یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے خلاف کوئی دلیل نہیں کیونکہ ہم پورے سر کے مسح کے منکر نہیں بلکہ اسے مُستحب سمجھتے ہیں، ہمارا مطالبہ ان سے صرف یہ ہے کہ آپ کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ اسلاف میں سے کسی نے سر کے کچھ حصے پر مسح کے اکتفاء کا انکار کیا ہو؟ لیکن ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں :۔

اس مسئلہ میں ہمارے مخالفین تناقض کا شکار ہیں۔ وہ موزوں پر مسح کے سلسلے میں یہ کہتے ہیں کہ چند لکیریں کھینچ لی جائیں سارے موزوں کا مسح ضروری نہیں تو سوال یہ ہے کہ موزوں اور سر کے مسح میں فرق کیا ہے؟ اور دوسری بات ان سے یہ کہی جائے گی کہ اگر تمھارے نزدیک مسح عموم کا تقاضا کرتا ہے تو پھر یہ اور غسل برابر ہوئے اور ان میں فرق کیا ہوا؟ اور اگر یہ دونوں عموم کا تقاضا کرتے ہیں تو کیا بات ہے کہ تم وضو میں پاؤں کے مسح کا انکار اور ان کے دھونے پر اصرار کرتے ہو؟ تمھارا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ غسل جنابت میں پورے سر پر پانی ڈالنا ضروری ہے لیکن وضو میں یہ ضروری نہیں۔ گویا تم نے اقرار کر لیا کہ مسح اور غسل میں فرق ہے حالانکہ بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ مسح عموم کا تقاضا نہیں کرتا، تو گویا تم نے اپنے ہی قول کو ترک کر دیا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ جو شخص وضو کرتے ہوئے سر کے مسح میں ایک بال کو چھوڑ دے اس کے بارے میں تم کیا کہو گے؟ ان کا اس بارے میں یہ قول ہے کہ وضو جائز ہو گا۔ گویا انھوں نے اس قول کو چھوڑ دیا جس کے وہ دعویدار تھے۔ اگر یہ کہیں کہ ہم اغلب کا لحاظ کریں گے، تو پھر ہم ان سے پوچھیں گے کہ اگر کوئی دو یا تین بالوں کو چھوڑ دے۔ ہم ان سے اس وقت تک پوچھتے رہیں گے۔ جب تک کہ یہ کوئی حد بندی نہیں کر دیتے کہ کتنے بالوں کے ترک سے مسح نہ ہو گا۔ اگر یہ واقعی کوئی حد بندی کر دیں تو ان کی یہ حد بندی باطل اور بلا دلیل ہو گی اور اگر حد بندی نہ کریں تو پھر یہ مجبور ہوں گے کہ ہمارے قول کو اختیار کریں اور وہی حق ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے، تو جس نے ایسا کیا اس نے گویا وضو کیا اور جس نے نہ کیا تو اس کے بارے میں اتفاق نہیں ہے کہ اس نے وضو کیا ہے۔ تو ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ اگر تمھاری یہ دلیل درست ہے تو کیا پھر تم ناک میں پانی ڈالنے اور وضو میں ترتیب کو اور ان کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ان کے مذہب میں اسی قبیل کے متروک ہیں تو کیا ان کو بھی اسی دلیل سے واجب قرار دے سکتے ہو؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر وہ یہ کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشانی اور عمامہ پر مسح کرنا عموم پر دلالت کرتا ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ عجیب بات ہے کیونکہ جو کوئی ایسا کرے تو تم اس کے فعل کو جائز قرار نہیں دیتے، تو جو امر تمھارے نزدیک جائز ہی نہیں اسے تم بطور دلیل کیسے پیش کر سکتے ہو؟ پھر تمھارے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ ایک ہی فعل ہے، بظاہر اخبار سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ فعل ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے جو ایک چوتھائی سر یا تین انگلیوں کی مقدار کی تخصیص کی ہے، تو یہ قول بھی فاسد ہے کیونکہ دلیل کے بغیر ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ تین انگلیوں کی مقدار پیشانی کی مقدار جتنی ہے، تو ہم کہیں گے کہ اس کی کیا دلیل ہے اور پھر انگلیاں مختلف ہوتی ہیں، پھر چوتھائی سر کی تحدید، کسر و مساحت کی محتاج ہے اور یہ باطل ہے، اسی طرح ایک یا دو انگلیوں کے ساتھ مسح کی ممانعت کا قول بھی باطل ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہماری مراد ہاتھ کے اکثر حصے سے ہے، تو ہم کہیں گے کہ تم ہاتھ کے ساتھ مسح کو فرض ہی قرار نہیں دیتے بلکہ یہ کہتے ہو کہ اگر کوئی پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا اور اس کے پانی نے چوتھائی سر کی مقدار کو چھو لیا، تو جائز ہو گا، پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ ان کا یہ قول باطل ہے۔

ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ ہاتھ کے اکثر حصے کے بارے میں تمھارے پاس کیا دلیل ہے، حالانکہ اس سلسلے میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ پیشانی کی مقدار کے تعین کے سلسلے میں بھی ان سے پوچھا جائے گا، اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے حدیث کی اتباع کے باعث یہ کہا ہے تو ہم پوچھیں گے کہ تم نے پیشانی کو سر کے آخری حصے تک کیسے پہنچا دیا۔ پھر پیشانی کو غیر پیشانی کی طرف اور مقدار کو غیر مقدار کی طرف بڑھانے میں کیا فرق ہے؟

امام شافعیؒ کا قول بھی بلا دلیل ہے کیونکہ بال کے مسح کے سلسلے میں کوئی نص نہیں ہے لہٰذا ان کا قول حسب مراعات عدد شعر ہو گا۔ اور قرآن مجید میں سر کے مسح کا ذکر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ مسح میں اس بات کی رعایت رکھی جائے کہ اسے مسح رأس کہا جا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث مروی ہم نے قبل ازیں ذکر کی ہے، وہ قرآن مجید ہی کے بعض حکم کے مطابق ہے، آیت شریفہ، گویا اس خبر کی نسبت عام ہے حدیث میں اس آیت کے استعمال کی ممانعت نہیں ہے اور صرف پیشانی پر اکتفا کے سلسلے میں کوئی دلیل نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۹۹۔ کانوں کا مسح فرض نہیں ہے

کانوں کا مسح فرض نہیں ہے اور نہ یہ سر کے ساتھ مسح میں شامل ہیں، اس بارے میں جتنے آثار ہیں سب کمزور ہیں، ان کا ضُعف ہم کسی دوسری جگہ ذکر کر چکے ہیں۔

اس بارے میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ سر کے بالوں اور کانوں کے درمیان جو سفید سی جگہ ہے وضو کے سلسلے میں اس کا حکم سر جیسا نہیں ہے اور یہ محال ہے کہ کسی زندہ انسان کے سر کے اجزاء کے مابین کوئی ایسا عضو حائل ہو، جو سر میں سے نہیں ہے اور یہ بھی محال ہے کہ کسی زندہ انسان کے سر کا کچھ حصہ باقی سر سے جُدا ہو۔

اور اگر کان بھی مسح میں سر کے ساتھ ہوتے، تو پھر حج میں کانوں کے بالوں کی حجامت بھی واجب ہوتی حالانکہ یہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ ہم قبل ازیں بدلائل ذکر کر چکے ہیں کہ سر کے مسح میں اگر کچھ حصّے پر اکتفا کر لیا تو یہ صحیح ہوگا، اگر اس سلسلے میں کانوں کا حکم سر جیسا ہوتا، تو پھر یہ جائز ہونا چاہیے تھا کہ صرف کانوں کا مسح، سر کے مسح سے کفایت کرتا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

پھر ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ اگر مسح کے سلسلے میں کانوں کا حکم سر جیسا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ان کے مسح کے لیے تم نیا پانی لیتے ہو حالانکہ وہ بھی سر ہی کا حصّہ ہیں؟ کیا اس کے علاوہ اور بھی کوئی عضو ایسا ہے کہ اس کے بعض حصّہ کے مسح کے لیے تم دوبارہ نیا پانی لیتے ہو۔ پھر اگر کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو جائے کہ مسح کے سلسلے میں کانوں اور سر کا حکم ایک ہی ہے، تو اس سے ہمارے اقوال میں سے کسی کی کوئی تردید نہیں ہوتی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۰۰۔ پاؤں پر مسح

پاؤں کے مسح کے بارے میں ہم نے جو کہا تھا، تو یہ اس لیے کہ قرآن مجید میں پاؤں کے مسح کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ (المائدہ ۶)

(اور تم مسح کرو اپنے سروں کا اور اپنے پاؤں کا)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اَرْجُلَ" کے لام کو خواہ فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے یا کسرہ کے ساتھ، یہ ہر حال میں "رؤس" پر عطف ہے کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ کے مابین کوئی نیا قضیہ حائل نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ قرآن مجید میں پاؤں کے مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے ایک جماعت پاؤں کے مسح کی قائل ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابن عباسؓ، حسن، عکرمہ، شعبی اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے حضرات، امام طبریؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اس سلسلے میں کئی آثار بھی منقول ہیں؛ چنانچہ ایک اثر بطریق ہمام از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از علی بن یحییٰ از پدرِ خود بیان کیا کہ حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اس وقت تک تم میں سے کسی کی نماز درست نہیں، جب تک کہ وہ اس طرح اچھے طریقے سے وضو نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، پھر اپنے چہرے کو دھوئے، پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور پھر سر کا اور پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلاۃ وابن ماجہ کتاب الطہارۃ۔ اور یہ حدیث مسیء الصلاۃ کے ساتھ مشہور ہے)

اور بطریق ابن راہویہ از عیسیٰ بن یونس از اعمش از عبد خیر مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں پاؤں کے نیچے کے حصے کا مسح زیادہ ضروری خیال کرتا تھا تاآنکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پاؤں کے اوپر کے حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا (ابوداؤد کتاب الطہارۃ وایضاً سنن کبریٰ، نسائی کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم نے دونوں پاؤں کے دھونے کو اس لیے ذکر کیا تھا کہ

۲۵۱- [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم از فربری از بخاری از مسدد از ابوعوانہ از ابوبشر از یوسف بن ماہک بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پیچھے رہ گئے تھے، جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے، تو عصر کا وقت قریب تھا اور ہم نے وضو کرنا شروع کر دیا تھا اور پاؤں پر مسح کر رہے تھے کہ آپ نے بآواز بلند فرمایا۔

ویل للأعقاب من النار (لوگو! ایڑیوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے یہ دو یا تین بار ارشاد فرمایا (بخاری کتاب العلم وکتاب الطہارۃ و مسلم ایضا کتاب الطہارۃ)

۲۵۲۔ [ہمیں سالم بن احمد از عبداللہ سنتجانی از عمر سجستانی از ابن عیسیٰ جلودی انا ابراہیم از مسلم از ابن راہویہ از جریر از منصور از ہلال انا ابو یحییٰ اعرج لکھا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں مکہ سے مدینہ کی طرف سفر کر رہے تھے حتیٰ کہ راستہ میں جب پانی کے پاس پہنچے تو عصر کی نماز کے لیے لوگوں نے جلد جلد وضو کر لیا، جب ہم ان عجلت میں وضو کرنے والوں کے پاس پہنچے تو ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں کیونکہ انھیں پانی نہ لگا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو ارشاد فرمایا، لوگو! ایڑیوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور وضو اچھی طرح کرو" (مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کے بارے میں وضو کی تکمیل کا حکم دیا اور ایڑیوں کو خشک چھوڑنے پر جہنم کی آگ کی وعید سنائی۔

اس حدیث میں آیت قرآنی اور سابقہ احادیث کی نسبت ایک امر زائد بیان ہوا ہے، جو ان احادیث اور آیت قرآنی کے حکم کے لیے ناسخ ہے اور اس امر زائد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔

جو لوگ قرآن مجید کے لیے احادیث کے ترک کے قائل ہیں، وہ شاید اس آیت کے باعث، اس حدیث کو ترک کر دیں اور اسی طرح جو لوگ قیاس کے باعث احادیث صحیحہ کے ترک کے قائل ہیں، وہ بھی شاید اس حدیث کو ترک کر دیں کیونکہ تیمم میں پاؤں کا حکم ساقط ہے جیسا کہ سر کا حکم ساقط ہے، تو گویا انھیں اس پر محمول کرنا، جس کے سقوط سے ان کا حکم ساقط ہو جائے یا جس کے ثبوت سے ان کا حکم ثابت ہو جائے، زیادہ بہتر ہے۔ نیز پاؤں چونکہ سر کے ساتھ مذکور ہیں لہٰذا انھیں اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے، جس کے ساتھ مذکور ہیں بہ نسبت اس کے، جس کے ساتھ مذکور نہیں ہیں۔ سر بھی ایک طرف ہے اور پاؤں بھی ایک طرف لہٰذا طرف پر طرف کا قیاس، طرف کے وسط پر قیاس کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ یہ لوگ موزوں پر مسح کے قائل ہیں تو مسح کو مسح کے عوض لانا، مسح کو غسل کے عوض لانے سے زیادہ بہتر ہے۔

و نیز جب پاؤں کو ڈھانپنے والے کپڑے پر مسح جائز ہے اور چہرے اور ہاتھوں کو ڈھانپنے والے کپڑے پر مسح جائز نہیں ہے، تو اصحاب قیاس کے اصول کے مطابق ثابت ہوا کہ پاؤں کا معاملہ چہرہ اور ہاتھوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی نسبت خفیف ہے اور جب یہ بات درست ہے، تو پھر مسح ہی درست ہوا ۔ اگر قیاس درست ہے، تو روئے زمین پر یہ قیاس کی سب سے صحیح ترین صورت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تیمم میں جسم کا حکم ساقط ہے لہٰذا یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا حکم مسح ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ تم سچ کہتے ہو لیکن قیاس سے تمھارا یہ قول باطل قرار پاتا ہے اور اس کا فساد و بطلان ظاہر کرتا ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق!

اسی طرح وہ سب مسائل جن میں تم نے قیاس کے ذریعے جمع کی کوشش کی ہے کہ ان میں کچھ صفات مشترک ہیں، تو ان میں کچھ صفات ایسی بھی تو ہیں، جو افتراق کا باعث ہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ پاؤں کا حکم ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے "الی الکعبین" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ہاتھوں کا حکم ذکر کرتے ہوئے "الی المرافق" کا لفظ استعمال کیا ہے، تو اس یکساں اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں اور ہاتھوں کا حکم ایک ہے!

ان سے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ کہنیوں اور ٹخنوں کا ذکر وجوب غسل کی دلیل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چہرے کا حکم ذکر کرتے ہوئے کوئی حد بندی نہیں کی جب کہ چہرے کا حکم غسل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے حکم کو بیان کرتے ہوئے دھونے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ انھیں دھونے کا حکم تھا، تو جب پاؤں کے حکم کے سلسلے میں دھونے کا ذکر نہیں کیا، تو اس کا حکم وہ قرار نہیں دیا جاسکتا جو مذکور ہی نہیں مگر یہ کہ کوئی دوسری نص اسے واجب قرار دے دے!

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔ کہ احکام کے لیے نصوص کا ہونا ضروری ہے، دعاوی اور اوہام وظنون سے احکام ثابت نہیں ہوتے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

۲۰۱۔ سر پر پہنے ہوئے لباس پر مسح	سر پر جو بھی کپڑا پہنا ہو عمامہ ہو یا دوپٹہ، ٹوپی ہو یا خود وغیرہ سب پر مسح کرنا جائز ہے، مرد اور عورت دونوں کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکساں حکم ہے۔ مسح کسی علّت کے باعث ہو یا بغیر علّت کے، اس کی دلیل ایک تو وہ حدیث مُغیرہ ہے، جسے ہم ابھی (رقم ۲۴۹ و ۲۵۰) ذکر کر آئے ہیں اور دوسری دلیل

۲۵۳۔ [ہم سے یحییٰ بن عبدالرحمٰن از احمد بن سعید از محمد بن عبدالملک از عبداللہ بن احمد از حکم بن موسٰی از بشر بن اسماعیل از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابو سلمہ بیان کیا کہ] حضرت عمرو بن اُمیہ ضُمری سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں اور عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

نیز ہم نے بطریق بخاری از عبدان از عبداللہ بن داؤد از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابو سلمہ از جعفر از پدر خود عمرو بن امیہ ضمری روایت کیا۔ (بخاری، نسائی کتاب الطہارۃ) اس سند سے پہلی روایت کو مزید تقویت ہوتی ہے اس لیے کہ ابو سلمہ نے عمرو سے براہِ راست بھی روایت کیا اور بواسطہ جعفر بھی۔ جیسا کہ بکر بن عبداللہ مزنی نے حدیث مغیرہ کو حمزہ بن مغیرہ سے بھی روایت کیا بغیر واسطہ اور بواسطہ حسن بصری بھی۔

۲۵۴۔ [نیز ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد از عبدالوہاب از ابن محمد از ابن علی از مسلم از ابوبکر و ابو کریب از معاویہ؛ و نیز مسلم از ابن راہویہ از عیسٰی؛ پھر معاویہ و عیسٰی از اعمش از حکم از عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی از کعب بن عجرۃ بیان کیا کہ] حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں اور سر پر اوڑھے ہوئے کپڑے پر مسح کیا (مسلم، ترمذی نسائی ابن ماجہ کتاب الطہارۃ) ابوادریس خولانی کے واسطے سے آپ سے ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ اور موزوں پر مسح کیا۔ نیز بطریق ایوب سختیانی از ابو قلابہ از سلمان بھی مروی ہے اور بطریق مخلد بن حسین از ہشام بن حسان از حمید بن ہلال از عبداللہ بن صامت مروی ہے کہ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے موزوں اور سر اوڑھے ہوئے کپڑے پر مسح کیا۔

حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت عمرو بن امیہ، حضرت کعب بن عُجرہؓ اور حضرت ابوذرؓ یہ چھ حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معمول کو ایسی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جن کا کوئی مُعارض ہے اور نہ جن میں کوئی طعن ہے۔ نیز جمہور صحابہ کرامؓ و تابعین کا بھی یہی مسلک ہے۔ جیسا کہ ہم نے بطریق ابن ابی شیبہ از عبداللہ بن نمیر و اسماعیل بن علیہ از محمد بن اسحاق

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

از یزید بن ابی حبیب از ابوالخیر مرثد بن عبداللہ روایت کیا کہ عبدالرحمن بن عُسَیلہ صنابحی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو وضو کرتے وقت سر پر اوڑھے ہوئے کپڑے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

نیز بطریق ابن مہدی از سفیان ثوری از عمران بن مسلم از سوید بن غفلہ روایت ہے کہ نُباتہ جعفی نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے عمامہ پر مسح کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو عمامہ پر مسح کر لو اور اگر نہ چاہو تو نہ کرو۔

اور بطریق ابن مہدی از ابو جعفر عبداللہ بن عبداللہ رازی روایت ہے کہ زید بن اسلم سے منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ جس شخص کو عمامہ پر مسح طہارت نہ بخشے، اللہ اسے طاہر نہ کرے۔ اسی طرح بطریق حماد بن سلمہ از ثابت بنانی و عبیداللہ بن ابی بکر بن انس مروی ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ جرابوں، موزوں اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے۔

یہ سب روایات حد درجہ صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں کہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ اپنے دوپٹے پر مسح فرمایا کرتی تھیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے ایک آدمی سے کہا کہ آپ موزے اور سر پر اوڑھے ہوئے کپڑے اور پیشانی پر مسح کر لیا کریں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے وضو کیا تو موزوں اور ٹوپی پر مسح کیا۔ حضرت ابو اُمامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ آپ جرابوں، موزوں اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے موزوں پر مسح کی بابت پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا ہاں مسح کر سکتے ہو نیز جوتوں اور سر پر اوڑھے ہوئے کپڑے پر بھی مسح کر سکتے ہو۔

امام سفیان ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے نیز ہم نے بطریق عبدالرزاق روایت کیا کہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ٹوپی اور عمامہ کا حکم ایک ہی ہے یعنی دونوں پر مسح جائز ہے۔ امام اوزاعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ اور ثور و داؤد بن علی وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہو جائے تو میرا بھی وہی قول ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں یہ خبر صحیح ہے لہٰذا ان کا بھی یہی قول ہے۔ وللہ الحمد۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ عمامہ، دوپٹے اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر مسح جائز نہیں ہے۔ یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے تا آنکہ اوپر مذکورہ روایتیں صحیح ثابت ہوں۔

ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر امام ابن حزم کا نقد و تبصرہ

امام ابن حزم فرماتے ہیں ہمارے علم میں مانعین کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں۔ اگر یہ حضرات کہیں کہ قرآن مجید میں صرف سر کے مسح کا ذکر ہے، تو ہم کہیں گے کہ پاؤں کے مسح کا بھی ذکر ہے۔ تم نے موزوں پر تو مسح جائز قرار دیا حالانکہ وہ عمامہ پر مسح کی نسبت کوئی زیادہ ثابت نہیں ہے۔ صحابہ کرام میں سے موزوں پر مسح کی ممانعت کے قائل، عمامہ پر مسح کی ممانعت کے قائل حضرات کی نسبت زیادہ ہیں کیونکہ عمامہ پر مسح کی ممانعت تو صرف حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے اور موزوں پر مسح کی ممانعت حضرت عائشہؓ، ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

تم نے پاؤں پر مسح کو باطل قرار دیا حالانکہ یہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور اس کے بطلان کی بنیاد تم نے ایک ایسی خبر پر رکھی جس کے بارے میں ہمارے اور تمہارے مخالف کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے اور تم نے اس بارے میں تسامح سے کام لیا ہے کیونکہ یہ خبر منعِ مسح پر دلالت کناں نہیں ہے۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور اُن کے بعد آنے والے حضرات میں سے ایک گروہ پاؤں پر مسح کا قائل ہے اور تم پٹیوں پر بھی مسح کے قائل ہو حالانکہ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اثر صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے۔ اور یہ تخلیط ہے یعنی حق و باطل کی آمیزش۔

بعض نے کہا ہے کہ حدیث مغیرہ بن شعبہؓ میں ہے کہ آپ نے اپنی پیشانی اور عمامہ پر مسح کیا، تو جو پیشانی پر مسح کو جائز خیال نہیں کرتا، اس نے اس حدیث کے ساتھ احتجاج کے باعث گویا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی مخالفت کی ہے ورنہ وہ مکمل طور پر اس حدیث کے احکام کا نافرمان ہے۔

اور جو لوگ سر کے کچھ حصہ پر مسح کے جواز کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط پیشانی پر مسح کو جائز قرار دیا ہے اور عمامہ پر مسح تو ایک زائد امر ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں :-

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دراصل ان لوگوں کا مقصود یہ ہے کہ حدیث مُغیرہ میں جو کچھ مذکور ہے اسے وضو کا ایک ہی عمل قرار دیں حالانکہ یہ کذب اور سراسر باطل جُرأت ہے، کیونکہ یہ تو دو مختلف عملوں کے بارے میں خبر ہے، اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی اس حدیث کا تقاضا بھی ہے اور پھر حضرت مُغیرہؓ کے علاوہ صحابہ کرام میں سے ایک جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حدیث عَمرو بن اُمیّہ کے روایت کرنے میں اوزاعیؒ سے خطا ہوئی ہے، کیونکہ اس روایت کو یحییٰ بن ابی کثیر سے ان کے علاوہ شیبان و حرب بن شداد و بکر بن مفرد ابان بن عطا اور علی بن مبارک نے روایت کیا ہے اور انھوں نے عمامہ پر مسح کا تذکرہ نہیں کیا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم ان سے کہیں گے کہ پھر کیا ہوا؟ حدیث کا ہر عالم یہ جانتا ہے کہ اوزاعی ان سب کی نسبت زیادہ حافظ حدیث تھے۔ آپ ان سب پر حُجت ہیں، یہ آپ پر حجت نہیں ہیں نیز اوزاعی ثقہ ہیں اور ثقہ راوی کی زیادتی کو رد کرنا حلال نہیں۔ پھر اگر تمھاری اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو تمھارے اور ان کے مابین کیا فرق ہوگا جو ہر اس روایت کے بارے میں یہ کہہ دیں، جس سے تم استدلال کرتے ہو کہ اس کے راوی سے خطا ہوئی ہے کیونکہ فلاں فلاں راوی نے اس روایت کو ذکر نہیں کیا ہے؟

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ عمامہ پر مسح جائز نہیں کیونکہ دستانوں پر بھی جائز نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ قیاس ہے اور قیاس سب کا سب باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت صحیح بھی ہو تو یہ بالکل باطل ہے کیونکہ ہم معارضہ پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ اگر تمھارے نزدیک یہ قیاس صحیح ہے تو پھر اس کے ساتھ موزوں پر مسح کو بھی باطل قرار دو کیونکہ سر کی نسبت پاؤں، ہاتھوں سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں تو کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ جس طرح دستانوں پر مسح جائز نہیں، ایسے ہی موزوں پر بھی جائز نہیں کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے؟ اگر وہ جواب میں یہ کہیں کہ موزوں پر مسح تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ آپ سے عمامہ پر مسح کرنا بھی ثابت ہے!

ایک دوسرا مُعارضہ پیش کرتے ہوئے ہم ان سے یہ بھی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں سر اور پاؤں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حکم کو اکٹھا بیان کیا ہے اور تم موزوں پر مسح کے جواز کے قائل ہو لہٰذا عمامہ پر مسح بھی جائز قرار دو کیونکہ ان دونوں کا حکم بھی یکساں ہے؛ چنانچہ تیمم میں بھی یہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں اور اس لیے بھی کہ تمھارے نزدیک پاؤں کے دھونے کے عوض مسح کرنا جائز ہے لہٰذا سر پر مسح کے بجائے، عمامہ پر مسح تو بالاولیٰ جائز ہونا چاہیے کیونکہ سر اور پاؤں یہ دونوں جسم کے طرف میں واقع ہیں۔

اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ اعضاءِ وضو میں سے ہر ایک کا بدل مسح ہے اسی لیے چہرے اور ہاتھ کو دھونے کے بجائے مٹی سے مسح کیا جا سکتا ہے، پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کیا جا سکتا ہے لہٰذا سر کے مسح کے بجائے، عمامہ پر مسح بھی جائز ہے تاکہ وضو کے تمام اعضاء کے احکام ایک جیسے ہو جائیں!

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:۔

یہ سب کچھ ہم نے ان کے فاسد قیاس کے معارضہ کے پیشِ نظر ذکر کیا ہے کیونکہ انھوں نے جن جن احکام میں قیاس کیا ہے، مخالفین کے پاس مخالفت میں اسی طرح کے بلکہ اس سے بھی زیادہ وجوہِ قیاس موجود ہیں لہٰذا ہر اس انسان کے لیے قیاس کا بطلان ظاہر ہو گیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ اور سر پر اوڑھے ہوئے کپڑے پر اس لیے مسح کیا کہ آپؐ کے سر میں کوئی تکلیف تھی۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:

یہ کلام کذب سے مبرّا نہیں اور اس جیسے کلام کرنے والے کے لیے کون اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کر سکتا ہے؟ کیونکہ اس شخص نے عمداً جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے اور ایسی بات کہی ہے، جس کے بارے میں نہ کوئی نص موجود ہے اور نہ کوئی دلیل؟ جس شخص کی یہ خصلت ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر جھوٹ باندھنے والے کو دنیا ہی میں سزا سنا دی ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے!

پھر ہم ان سے یہ بھی کہیں گے کہ مسح علی الخفین یعنی موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں بھی یہی کہو کہ آپ نے کسی تکلیف کی وجہ سے موزوں پر مسح کیا تھا؟ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں اور پھر اگر کوئی شخص یہ مؤخر الذکر بات کہتا ہے، تو اس کا عذر زیادہ قابلِ قبول ہے کیونکہ ابن عباسؓ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے روایت ہے کہ آپ نے موزوں پر مسح کے سلسلے میں فرمایا کہ اگر تم سخت سردی یا طویل سفر میں ایسا کرو (تو درست ہے) لیکن صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی یہ مروی نہیں ہے کہ انھوں نے عمامہ یا سر پر پہنے ہوئے کپڑے پر مسح کے بارے میں یہ بات کہی ہو۔

اس ساری بحث سے ان لوگوں کا قول باطل ہوگیا، جو عمامہ یا دوپٹہ وغیرہ پر مسح کے جواز کے قائل نہیں کیونکہ سنن ثابتہ سے اس قول کے خلاف صحیح امر (مسح کرنا) واضح ہوگیا ہے۔ نیز ابوبکر، عمر، علی، انس، ام سلمہ، ابوموسیٰ اشعری، ابوامامہ اور کئی دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے اس کے خلاف منقول ہے یعنی مسح کا جواز مروی ہے اور اگر کوئی شخص صحیح طور پر اہل قیاس میں سے ہے تو درست قیاس بھی اس قول کو باطل قرار دے رہا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ اور دوپٹہ کے علاوہ اور کسی چیز پر مسح کرنا ثابت نہیں ہے لہٰذا قرآن مجید میں جو سر کے مسح کا حکم آیا ہے، اس کا ترک بغیر کسی نص کے جائز نہیں اور قیاس باطل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ایسا نہیں کہ اسے عموم پر محمول کیا جا سکے!

ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ عمامہ اور دوپٹہ کے علاوہ اور کسی چیز پر مسح نہ کرے بلکہ آپ نے مسح فرما کر یہ تعلیم فرما دی کہ سر پر پانی لگانا فرض نہیں ہے اور جب صورت یہ ہے، تو پھر سر پر جو بھی کپڑا پہن لے، اس پر مسح جائز ہوگا۔

پھر ہم یہ بھی کہیں گے کہ اگر کوئی راوی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیلے رنگ کے عمامہ پر مسح کیا جو کہ کتان کا بنا ہوا تھا اور اسے تین بل دیے ہوئے تھے، تو کیا اس عمامہ پر مسح جائز ہوگا جو سرخ رنگ کا ہو، روئی سے بنا ہوا ہو اور اسے دس بل دیے ہوئے ہوں؟

اسی طرح اگر کوئی راوی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سیاہ رنگ کے موزوں پر مسح کیا، تو کیا سفید رنگ کے موزوں پر مسح جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر یہ لوگ قولِ راوی ہی کا التزام کریں، تو ایک نئے دین کو ایجاد کر بیٹھیں گے اور اگر قولِ راوی کی رعایت نہ کریں، تو پھر ہمارے قول کی طرف رجوع کر لیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۰۲۔ سر پر پہنے ہوئے کپڑے اور طہارت

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں وہ لباس جن کا ذکر ہم نے کیا ہے کہ سر پر پہننے کی حالت میں مسح کیا جا سکتا ہے، وہ طہارت کی حالت میں پہنی گئی ہوں یا بغیر طہارت ہر حال میں ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

ابو ثورؒ کہتے ہیں کہ عمامہ اور دوپٹے پر مسح صرف اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے، جب انھیں حالتِ طہارت میں پہنا ہو، ان کا قیاس موزوں پر ہے لیکن ہمارے احبابِ ظواہر کا قول ہمارے قول کی مانند ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

قیاس باطل ہے اور عمامہ و دوپٹہ اور موزوں پر مسح کے مابین کوئی علتِ جامعہ نہیں ہے۔ لباس کی طہارت کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف موزوں کے بارے میں نص ثابت ہے، عمامہ اور دوپٹہ کے بارے میں چونکہ نص نہیں ہے لہٰذا ضروری نہیں کہ حالتِ طہارت ہی میں پہنے ہوں، تو مسح ہوگا اگر یہ ضروری ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرما دیتے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل:۴۴)

(آپ پر ضروری ہے کہ) جو احکام (اللہ نے آپ کے توسط سے) لوگوں کے لیے نازل کیے گئے ہیں آپ ان کو عملاً و قولاً ان کے لیے واضح فرما دیں۔

نیز فرمایا:۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مریم:۶۴) (اور تمھارا پروردگار بھولنے والا نہیں)

اگر عمامہ اور دوپٹہ کے لیے بھی حالتِ طہارت میں پہننے کی شرط ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما دیتے، جیسا کہ آپ نے موزوں کے سلسلے میں بیان فرما دیا اور جو شخص عمامہ و دوپٹہ اور موزوں کے مابین مساوات کا مدعی ہے، تو اس کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے لہٰذا اس کا مدعی مکلف ہے کہ وہ اپنے اس دعوے کی صحت پر دلیل پیش کرے۔

پس ہم اس سے دریافت کریں گے کہ موزوں کے سلسلے میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نص ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے انھیں حالتِ طہارت میں پہنا ہے، تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ عمامہ و دوپٹہ کے لیے بھی یہی حکم ہے؟ اس سلسلے میں ان کے پاس بجز اس کے اور کوئی دلیل نہیں کہ یہ ان کی رائے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کا فیصلہ ہے، اور رائے کے فیصلے میں کوئی وزن نہیں ہوتا لہٰذا کوئی دلیل پیش کرو، اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرۃ: ۱۱۱)

(اے پیغمبر ان سے) کہہ دو اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو)

۲۰۳۔ سر کے ملبوسات پر مسح کے لیے مدّت مقرر نہیں

سر پر پہنے ہوئے ملبوسات پر ہمیشہ مسح کیا جا سکتا ہے، اس سلسلے میں وقت کی کوئی تحدید نہیں لیکن حضرت عمرؓ فاروق سے اس سلسلے میں بھی موزوں پر مسح کی طرح مدّت کا تعیّن منقول ہے، ابو ثور کا مسلک بھی یہی ہے

ہمارے اصحاب کا قول بھی وہی ہے جو ہم نے کہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کا قول دین میں حجّت نہیں اور قیاس تو بالکل باطل ہے، اس لیے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ سفر و حضر میں موزوں پر مسح کے لیے مدت مقرر کی گئی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ عمامہ پر مسح کے لیے بھی مدّت مقرر ہو، تو یہ دعویٰ بالکل بلا دلیل و غیر صحیح ہے جس کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم نے موزوں جیسے منصوص اور موقت عمامہ پر مسح کا جو حکم دیا ہے اس کی کون سی دلیل ہے اسے بیان کرو۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ صرف دعویٰ ہی ہے دلیل کا وجود نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ اور خمار میں بلا تحدید وقت مسح کیا ہے اور موزوں پر مسح کا وقت معیّن کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں یہی زیب دیتا ہے کہ صرف وہی کہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور جو آپ نے نہیں فرمایا، وہ بالکل نہ کہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (البقرۃ: ۲۲۹)

(یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، اُن سے باہر نہ جاؤ)

۲۰۴۔ سر پر مسح صرف وضو میں ہے غسل میں نہیں

سر پر پہنے ہوئے کپڑوں کے نیچے بالوں پر خضاب یا کوئی دوا لگی ہو تو بھی اس پر مسح جائز ہے بغیر کسی تفریق کے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ اگر کسی نے عمداً کوئی لباس سر پر پہن لیا کہ اس پر مسح کرے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو بھی اس پر مسح جائز ہے۔ اور یہ مسح صرف وضو کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن ہر فرض غسل کے لیے اس کا اُتارنا ضروری ہے اور سر کو دھوئے بغیر چارۂ کار نہیں کیونکہ غسل میں مسح جائز نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وضو میں) نے عمامہ اور خمار پر مسح کیا اور ہمارے لیے کسی حال کو مخصوص نہیں کیا لہٰذا ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اسے کسی مخصوص حالت پر موقوف کریں۔ اور جب مسح جائز ہے تو پھر جائز عمل کو کرنا جائز ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وضوء میں (عمامہ وخمار پر) مسح کیا لہٰذا جائز نہیں کہ ہم اس کے ساتھ کسی ایسے فعل کا اضافہ کریں جس کو آپ نے نہیں کیا۔ اسی طرح سنن ثابتہ میں زیادتی جائز نہیں اور نہ کسی حدیث کے مقتضا کے اندر کمی کرنا جائز ہے اور ہمارے مخالفین بھی موزوں پر مسح کے بارے میں یہی کہتے ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۰۵۔ وضو اور غسل میں احتیاط

اگر کسی شخص نے وضو یا فرض غسل میں عمداً یا بھول کر ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی، تو اس وضو یا غسل کے ساتھ نماز نہ ہوگی تاآنکہ وضو اور غسل کو مکمل نہ کرلے کیونکہ اس نے نماز مامور بہ طہارت کے ساتھ نہیں پڑھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد۔

(جس نے ہمارے امر کے خلاف کوئی کام کیا، وہ مردود ہے۔ (مسلم شریف)

۲۰۶۔ وضو میں ترتیب ضروری ہے

اگر کسی شخص نے وضو الٹا کیا یا قرآن مجید میں مذکور ترتیب کے برعکس کسی عضو کو دوسرے کی نسبت عمداً یا بھول کر پہلے دھو لیا، تو اس کی نماز بالکل نہیں ہوگی کیونکہ وضو میں فرض ہے کہ چہرہ، ہاتھ، سر اور پاؤں کی ترتیب کو ملحوظ رکھے۔ ہاتھ اور پاؤں میں یہ بھی ضروری ہے کہ دائیں کو بائیں سے پہلے دھوئے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے۔ اگر کسی نے وضو کے بعد یا اوپر مذکورہ اعضا میں سے کسی عضو کے دھونے کے بعد ناک میں پانی ڈالا اور صاف کیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر ان مذکورہ باتوں کی خلاف ورزی کسی نے کر لی تو اس کے لیے لازم ہو گا کہ دوبارہ وضو وہاں سے شروع کرے جہاں سے اس نے اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ ترتیب کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ دوبارہ سارے وضو کو از سرِ نو کرے۔ امام شافعیؒ، ابوثور، احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اگر کسی جُنبی شخص نے جاری پانی میں غسل اور وضو دونوں کی نیت کر کے غوطہ لگا دیا، تو نہ اس کا وضو ہو گا اور نہ غسل، لہٰذا اس کے لیے ضروری ہو گا کہ ان امور کو ان کی ترتیب کے مطابق دوبارہ سرانجام دے۔ امام اسحاق کا قول بھی یہی ہے۔

اس کی دلیل

۲۵۴- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از نسائی از ابراہیم بلخی از حاتم بن اسماعیل نے بیان کیا کہ] کہ جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت جابر بن عبداللہؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بارے میں بتائیے، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیلات کے ضمن میں ذکر کیا کہ آپ دروازے سے نکل کر جب کوہِ صفا کے قریب پہنچے تو فرمایا:۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرۃ: ۱۵۸)

(بے شک (کوہِ) صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں)

اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ وہیں سے شروع کرو، جہاں سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی عموم پر مشتمل ہے، اس میں سے کسی چیز کی تخصیص نہیں کی جا سکتی یہی وجہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں جو اپنے وضو اور غسل کے اعضا کو اکٹھا پانی میں ڈبو دیتا ہے اور نیّت بھی دونوں امور کی کر لیتا ہے، ہم نے یہ کہا ہے کہ نہ اس کا وضو درست ہے اور نہ غسل کیونکہ اس نے وضو اس طرح نہیں کیا جیسا کرنے کا اُسے حکم تھا اور نہ اس سے فریضۂ غسل اس انداز سے ادا کیا ہے، جیسا اسے مستقل طور پر ادا کرنا چاہیے تھا بلکہ اس نے وضو اور غسل کو غلط ملط کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق، ان کی ادائیگی نہیں کی لہٰذا ان دونوں میں سے کوئی بھی درست نہ ہوگا۔

ناک میں پانی ڈالنے اور ناک صاف کرنے کے لیے چونکہ کسی تقدیم و تاخیر کا ذکر نہیں ہے لہٰذا انھیں وضو کے دوران، وضو کے بعد، نماز سے پہلے یا وضو سے بھی پہلے، جیسے بھی انجام دے لے، ان کی ادائیگی درست قرار پائے گی۔[1]

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو، اذان، طواف، سعی اور اقامت کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر جائز ہے۔

امام مالکؒ کا مسلک:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وضو کی ترتیب میں تقدیم اور تاخیر جائز ہے لیکن طواف، سعی، اذان اور اقامت میں یہ جائز نہیں!

امام ابن حزم کا نقد و تبصرہ:

ان مذکورہ امور میں سے کسی کی ترتیب میں بھی تقدیم و تاخیر جائز نہیں اور جس امر کو اس کی ترتیب کے برعکس انجام دیا گیا وہ جائز نہ ہوگا۔

دلائل کا تجزیہ: امام مالکؒ کے قول کا تناقض ظاہر ہے کہ آپ نے ایسی اشیاء کے مابین فرق کر دیا ہے جن میں کوئی فرق نہ تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول تو ایک دم ہی خطا پر مبنی ہے، یہ حضرات بزعم خود اصحاب قیاس ہیں لیکن نہ معلوم کہ انھوں نے اس متفق علیہ امر پر قیاس کیوں نہ کیا، کہ نماز میں تقدیم و تاخیر جائز نہیں؛ حالانکہ بعض اوقات نماز میں تقدیم و تاخیر جائز ہونے پر اجماع ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص امام کو سجدہ یا تشہد کی حالت میں پائے، تو اس کے لیے بھی نماز کو اسی حالت سے شروع کرنا ہوتا ہے، حالانکہ یہ نماز کا آخری حصہ ہے۔ اس

---

[1] تقدیم و تاخیر کے سلسلے میں مصنف نے یہ جو فرمایا ہے، یہ اس کے خلاف ہے جو اس مسئلہ کے آغاز میں فرما چکے ہیں۔ صحیح اور حق بات وہی ہے جو اس مسئلہ کے آغاز میں مصنف نے بیان کیا ہے۔ ملخصاً من حاشیہ احمد شاکر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلے میں انھوں نے قیاس کو توڑ دیا ہے۔

اگرچہ حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ابن عباسؓ سے وضو میں تقدیم و تاخیر کا جواز منقول ہے۔ لیکن قرآن مجید کے مقابلے میں کسی کا قول حجت نہیں سوائے اس ذاتِ اقدس یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنھیں یہ حکم ملا ہے کہ آپ قرآن مجید کی توضیح و تشریح فرمائیں۔ اس مسئلے میں شافعیہ نے اختلاف کیا ہے اور صحابین کے قول کو چھوڑ دیا ہے، جن کا صحابہ کرامؓ سے کوئی بھی مخالف نہیں۔

مالکیوں پر حد درجہ تعجب ہے کہ انھوں نے وضو میں تو تقدیم و تاخیر کو جائز قرار دیا حالانکہ اس سلسلے میں نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نص ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ لیکن رمی جمار حلق، نحر، ذبح اور طواف وغیرہ مسائل حج میں تقدیم و تاخیر کو جائز قرار نہیں دیا حالانکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیم و تاخیر منقول ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب الحج میں تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے۔ لیکن مالکیہ کا کہنا ہے کہ طواف کو رمی سے مقدم کرنا جائز نہیں اور نہ حلق کو رمی سے مقدم کرنا جائز ہے۔

(وضو کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی)

۲۵۵- [ہم سے احمد بن قاسم از پدر خود از قاسم بن اصبغ از ابن وضاح از احمد بن واقد از زہیر بن معاویہ از اعمش از ابوصالح بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی تم وضو کرو یا کپڑا پہنو، تو دائیں طرف سے شروع کرو۔ (ابوداؤد کتاب اللباس۔ ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

ناک میں پانی ڈالنے اور ناک صاف کرنے کو (جو چہرہ دھونے سے مقدم) واجب قرار دیا گیا ہے تو اس کی دلیل رفاعہ بن رافعؓ کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک کسی کی نماز درست نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ اس طرح اچھے طریقے سے وضو نہ کرلے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے۔ پھر چہرہ دھوئے، پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور پھر سر کا اور پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلاۃ۔ ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

تو اس حدیث میں چہرہ دھونے کا عطف اچھی طرح وضو کرنے پر ہے اور اس سے مراد ناک میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانی ڈالنا اور ناک صاف کرنا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم بھی فرض ہے[1] (اور ترتیب بھی فرض ہے)

۲۰۷۔ وضو اور غسل میں متابعت ضروری نہیں

جس نے متفرق اوقات میں وضو یا غسل کیا، تو جائز ہوگا خواہ درمیانی مدت قلیل ہو یا کثیر بشرطیکہ وضو کے اثناء میں کوئی ناقض وضو اور غسل کی درمیانی مدت میں کوئی ناقض غسل عمل پیدا نہ ہوا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنابت اور حیض سے غسل اور احداث سے وضو کا حکم تو دیا لیکن مُتابعت کی شرط نہیں لگائی، تو آدمی خواہ وضو و غسل کے اعضا کو فوراً ایک دوسرے کے بعد دھوئے یا وقفے وقفے سے، دونوں طرح جائز ہوگا کیونکہ اس پر غسل و وضو کا فعل واقع ہوا کیونکہ اس نے اپنا چہرہ اور اپنے ہاتھوں کو دھویا اور سر کا مسح بھی کیا اور اپنے پاؤں بھی دھوئے۔ (اس کی مزید دلیل حضرت عائشہؓ کی مندرجہ ذیل حدیث ہے)

۲۵۶۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عبداللہ بن محمد از احمد بن خالد از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از عطاء بن سائب از ابوسلمہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو سب سے پہلے دونوں ہاتھوں کو تین تین بار دھوتے، پھر دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پر پانی ڈال کر مقام مخصوص کو خوب دھو کر صاف کرتے، پھر ہاتھوں کو بہت اچھی طرح دھوتے، پھر تین بار کلی کرتے، پھر تین بار ناک میں پانی ڈالتے، پھر تین بار چہرہ دھوتے، پھر تین بار ہاتھوں کو دھوتے پھر تین بار سر پر پانی ڈالتے، پھر سارے بدن کو دھوتے اور پھر غسل کی جگہ سے باہر آکر دونوں پاؤں کو دھوتے۔ (نسائی کتاب الطہارۃ)

---

[1] مصنف اس سے پہلے یہ فرما چکے ہیں کہ ناک میں پانی ڈالنے اور ناک صاف کرنے کی تقدیم واجب نہیں ہے اور یہاں واجب فرما رہے ہیں، یہ اس کے مخالف ہے۔ احمد شاکر۔ (اس سے قبل جو جواز تقدیم و تاخیر کا بیان ہے۔ غالباً ناسخ کی غلطی سے ہے ورنہ اوّل سے آخر تک مصنف کا مسلک ترتیب کو قائم رکھنا ہی ضروری و واجب ہے۔ ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو اور غسل اور ان دونوں کی تکمیل کے درمیان اتنا وقفہ جائز رکھا کہ آپ غسل خانہ سے باہر تشریف لاکر اپنا پاؤں دھوتے تو پھر مدت کی تعیین بغیر نص و برہان ہے۔ پھر سلف کا قول بھی یہی ہے (کہ اس طرح کی تفریق جائز ہے) جیساکہ ہم نے بطریق مالک از نافع روایت کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے بازار میں پیشاب کیا، پھر وضو کیا، چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا، پھر جب آپ مسجد میں آئے تو آپ کو ایک میت کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کہا گیا، تو آپ نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور پھر نماز پڑھائی۔

نیز ہم نے بطریق سفیان ثوری از مغیرہ روایت کیا کہ ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ سلف کا معمول یہ تھا کہ غسلِ جنابت کے وقت پہلے سر کو بیری کے پتّوں سے دھوتے، پھر کچھ دیر ٹھہر کر سارے جسم کو دھوتے۔ ابراہیم تابعی ہیں۔ آپ نے کبار تابعین اور صغار صحابہ کرامؓ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت سے مباشرت کے باعث آدمی پر غسل واجب ہوا اور وہ سر دھو کر کچھ دیر بیٹھا رہے اور پھر سارے بدن کو دھوئے خواہ دوبارہ سر کو نہ بھی دھوئے، تو اس کا غسل درست ہوگا۔

نیز بطریق عبدالرزاق از ابن جریج مروی ہے کہ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی جنبی شخص نے اپنے سر کو بیری کے پتوں یا خطمی وغیرہ کے ساتھ دھویا پھر بیٹھا رہا حتّٰی کہ وہ خشک ہوگیا، تو سر کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ وہی کافی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ اور حسن بن حیؒ نیز سعید بن مسیّبؒ اور طاؤسؒ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے اگر مدّت دراز ہوگئی ہو تو وضو از سرِ نو کرلے اور اگر مدّت دراز نہ ہوئی ہو تو اسی وضو پر بنا کرتے ہوئے تکمیل کرلے۔ قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

بعض نے یہ پابندی لگائی ہے کہ اگر اعضاء خشک نہ ہوئے ہوں تو انہی پر بنا کرلے، خشک ہو گئے ہوں تو از سرِ نو کرلے۔ بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر پانی کی تلاش میں ہو تو پھر اسی پر بنا کرے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر تلاش ترک کر دی ہو تو پھر از سرِ نو وضو کرے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

امام مالکؒ کا اس مسئلہ میں مدت کی کمی بیشی کے باعث فرق کرنا تکلف ہے کیونکہ ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں، جس کے ساتھ کمی بیشی کا تعین کر سکیں۔ مالکیہ کے پاس بھی اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں، صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ہر وہ قول اور دعویٰ جو بلا دلیل ہو، باطل ہے کیونکہ شریعت کسی کے قول پر مبنی نہیں، شریعت تو صرف وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی واجب قرار دیا ہے۔

پانی کے خشک ہونے یا نہ ہونے کی قید جن لوگوں نے لگائی ہے وہ بھی بالکل غلط ہے کیونکہ یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے، اور ہم نے قبل ازیں جو حدیث اور اثر ذکر کیا ہے وہ بھی اسے باطل قرار دیتا ہے، نیز اگر اس اصول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو پھر) گرم علاقوں میں اور موسم گرما میں کوئی شخص اپنا وضو مکمل نہیں کر پاتا جب تک اس کا چہرہ خشک ہو جاتا ہے تو پھر اس کا وضو ہی صحیح نہ ہو گا۔ نیز جس نے پانی تلاش اور عدم تلاش کی جو قید لگائی ہے وہ بھی بے دلیل غیر صحیح قول ہے۔

امام مالکؒ پر تعجب ہے کہ آپ اجزاء نماز کے مابین تو تفریق کے قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ نماز میں اگر کسی کی ناک سے خون آنے لگے اور وہ عملی طور پر کچھ دیر حالتِ نماز میں نہ رہے اور خون بند ہونے کے بعد نماز وہیں سے شروع کرے جہاں اس نے چھوڑی تھی، تو یہ جائز ہو گا۔ لیکن وضو میں تفریق سے منع فرماتے تھے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:

ان حضرات کا استدلال اگر اس حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جسے ہم نے بطریق بقیۃ از بحیر از خالد روایت کیا ہے کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے پاؤں میں تھوڑی سی خشک جگہ ہے، جسے پانی نہیں پہنچا، تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو اور نماز دہرائے (ابو داؤد کتاب الطہارۃ) تو یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی بقیۃ ہے جو قوی نہیں اور نیز اس سند میں ایک مجہول راوی بھی ہے[1]۔

---

[1] اس حدیث کو امام ابوداؤد نے "سنن" ج ا ص ۶۸ میں بطریق حیوۃ بن شریح از بقیۃ روایت کیا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز ہم نے بطریق خالد حذاء از ابوقلابہ از عمر بن خطاب؛ اور بطریق ابوسفیان از جابر بھی روایت کیا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کے پاؤں میں ناخن برابر جگہ خشک تھی، آپ نے اسے وضو اور نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں کیونکہ ابوقلابہ نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا اور ابوسفیان ضعیف ہے۔

اس سے زیادہ بہتر اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے

۲۵۷- [ہم نے بطریق قاسم از بکر بن مضر از حرملہ از ابن وہب از جریر از قتادہ روایت کیا کہ] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت انسؓ کو دیکھا کہ انھوں نے ناخن برابر جگہ چھوڑ دی ہے کہ وضو کرتے ہوئے اسے پانی نہیں پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جاؤ! اور وضو اچھی طرح کرو"۔

نیز بطریق ابن وہب از ابن لہیعہ از ابوالزبیر از جابر از حضرت عمرؓ یہ روایت اسی طرح مروی ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ اور یہ حدیث مسلم کتاب الطہارۃ میں بھی ہے لیکن وہاں ابن لہیعہ کے بدلے معقل بن عبید اللہ ہیں۔ ونیز بیہقی ۱/۷۰ میں بھی ہے)

صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے بھی حضرت عمرؓ کے اس فعل کے خلاف ثابت نہیں ہے لیکن انھوں نے یہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بقیہ ثقہ ہیں، آپ پر تدلیس کا عیب ہے لیکن جب آپ تحدیث کی صراحت کر دیں، تو پھر آپ کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۱۱ میں نقل کیا ہے کہ "مستدرک" میں بقیہ کی تحدیث کی صراحت ہے لیکن میں نے اس حدیث کو مستدرک میں نہیں پایا۔ صحابی کی بابت نہ معلوم ہونا کہ وہ کون ہیں، یہ باعث ضرر نہیں۔ اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کیا یہ سند جید ہے؟ انھوں نے فرمایا "ہاں"۔ میں نے عرض کیا کہ جب کوئی تابعی کہے کہ مجھے اصحاب رسول میں سے کسی نے یہ حدیث بیان کی تو کیا وہ صحیح ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا "ہاں" اس حدیث کو ابوداؤدؒ ج ۱ ص ۶۷، بیہقیؒ نے جلد ۱ ص ۷۰ میں بیان کیا ہے۔ امام شوکانیؒ نے اس کی نسبت احمد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور دارقطنی کی طرف کی ہے، ان سب حضرات نے حضرت انسؓ کی حدیث ذکر کی ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ جاؤ اچھی طرح وضو کرو، یہ حدیث دونوں طریق سے صحیح ہے اور ہر ایک طریق دوسرے کے لیے شاہد اور باعث تقویت ہے۔ اور آگے مؤلف نے انس کی روایت بیان کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ایسے صحابی کی مخالفت کی ہے کہ صحابہ کرام میں سے جس کا کوئی مخالف نہیں اور ہر اہل علم یقین کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ مورد اوقات، نواقض وضو میں سے نہیں ہیں۔

امام مالکؒ یہاں تضاد کا شکار ہو گئے ہیں، آپ کے نزدیک اگر کوئی شخص وضو کرتے ہوئے کسی عضو کو دھونا بھول گیا اور اگر وہ پھر دھولے، تو اس کا یہ عضو دھونا ہی کافی ہوگا، اسی طرح آپ کے نزدیک اگر کسی نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا اور سارا دن اسی طرح رہا، پھر جب اس نے موزے اتارے، تو اس کے صرف پاؤں کا وضو ٹوٹا لہٰذا اسے صرف پاؤں دھونے پڑیں گے، یہ وضو کی تبعیض ہے جو کہ ممنوع ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۰۸۔ وضو اور غسل میں زیادہ پانی استعمال کرنا مکروہ ہے

وضو اور غسل میں زیادہ پانی استعمال کرنا مکروہ ہے، اور اعضاء وضو میں سے کسی کو تین بار سے زیادہ دھونا، یا تین سے زیادہ دفعہ سر کا مسح کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سے زیادہ دفعہ ثابت نہیں ہے۔

ہم نے بطریق سفیان ثوری از ابو اسحاق روایت کیا کہ ابو حیہ بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے وضو کرتے ہوئے اعضا کو تین تین بار دھویا اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی کتاب الطہارۃ) اور بطریق ابن المبارک از اوزاعی از مطلب بن عبداللہ روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے وضو کے اعضاء کو تین تین بار دھویا اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا (نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ) اور حضرت عثمانؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔[1] (بخاری، مسلم ابو داؤد، نسائی کتاب الطہارۃ) اور ان آثار میں سر کی دیگر اعضاء کی نسبت کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

۲۵۸۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن معاویہ از نسائی از محمد بن منصور از سفیان از عمرو بن یحییٰ از پدر خود بیان کیا کہ]

---

[1] ابو داؤد نے تخریج کے بعد فرمایا کہ عثمان کی تمام صحیح حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک ہی بار ہے۔ کیونکہ راویوں نے ہر عضو کا تو تین تین بار ذکر کیا لیکن سر کے لیے صرف یہ کہا کہ سر کا مسح کیا عدد ذکر نہیں کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن زید ـــــ جنھیں خواب میں اذان بتائی گئی تھی[1] ـــــ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنا چہرہ تین بار دھویا اور اپنے ہاتھوں کو دو بار دھویا اور سر کا مسح بھی دو بار کیا (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ) حضرت انسؓ سے بھی سر کے مسح کو دو بار اور تین بار کرنے کی روایت ہے۔

اور بطریق عبدالرزاق از ابن جریج مروی ہے کہ حضرت عطاء سے روایت ہے کہ میں اکثر و بیشتر اپنے سر کا تین بار مسح کرتا ہوں اور ایک ہی ہتھیلی سے مسح کرتا ہوں، کم و بیش سے نہیں اور بطریق حماد بن سلمہ مروی ہے کہ جریر بن حازمؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابن سیرین کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنے سر کا دو بار مسح کیا، ایک بار تو ہاتھوں کی تری کے ساتھ اور دوسری دفعہ نیا پانی لے کر! اور بطریق ابو عبید از ہیثم از عوام مروی ہے کہ ابراہیم تیمیؒ بھی اپنے سر کا تین بار مسح کیا کرتے تھے، امام شافعیؒ اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے البتہ سارے ائمہ کرامؒ نے پانی زیادہ استعمال کرنے کی مذمت کی ہے۔

۲۵۹- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد از عبدالوہاب از ابن محمد از ابن علی از مسلم از محمد بن نافع از شبابہ از لیث بن سعد از یزید بن ابی حبیب از عراک بن مالک بیان کیا کہ] حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر ـــــ جو مُنذر بن زُبیر کے حبالۂ عقد میں تھیں ـــــ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے انھیں بتایا کہ آپ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے، جس میں قریباً تین مُد کے بقدر پانی ہوتا تھا۔ (مسلم کتاب الطہارۃ)

۲۶۰- [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد از ابن بشار از ابن جعفر از حبیب انصاری بیان کیا کہ]

---

[1] یہ غلط ہے حافظ مزی نے تحفۃ الاشراف میں اس پر تنبیہ کر دی ہے۔ دراصل یہ عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب سے مروی ہے امام بیہقی نے اس روایت کو سنن ۱: ۶۳ پر روایت کیا ہے اور فرمایا کہ سفیان نے مالک، وہب، سلیمان بن بلال اور خالد واسطی وغیرہ کے خلاف تکرار مسح کا ذکر کیا ہے جبکہ ان سبھوں نے عمرو سے روایت کیا اور تکرار مسح کا ذکر نہیں کیا۔ نیز خود سفیان کی روایت ترمذی وغیرہ میں بغیر تکرار مسح مذکور ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عباد بن تمیم اپنی دادی حضرت ام عمارہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک برتن میں مُد کے دو ثلث کے بقدر پانی لایا گیا جس سے آپ نے وضو کیا۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ)

۲۶۱- [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد از عبدالوہاب از ابن محمد از ابن علی از مسلم از محمد بن سلمہ از ابن وہب از عیاض فہری از مخرمہ از کریب بیان کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوئے، تو آپ نے پانی کے مشکیزے کا قصد کیا، پھر آپ نے مسواک کی اور بہت اچھی طرح وضو کیا، لیکن پانی تھوڑا ہی استعمال کیا۔ پھر ابن عباس نے پوری حدیث بیان کی، جس میں صلاۃ تہجد کا قصہ ہے۔ (بخاری، کتاب الطہارۃ و کتاب الصلاۃ و کتاب التفسیر، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلاۃ، ترمذی کتاب الشمائل)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

بہت سے آثار و روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد پانی کے ساتھ وضو اور ایک صاع پانی کے ساتھ غسل کیا کرتے تھے، کبھی ایک مکوک[1] پانی سے وضو اور پانچ مکوک سے غسل کیا کرتے، اور کبھی ایسے برتن سے وضو کرتے جس میں ۱/۲ ۱ مد پانی ہوتا۔ یہ سب احادیث صحیح ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲۰۹- پٹیوں وغیرہ پر مسح ضروری نہیں

جس کے ہاتھوں، انگلیوں یا پاؤں وغیرہ پر پٹیاں بندھی ہوئی ہوں یا کسی ضرورت کے باعث دوا وغیرہ لگی ہو تو ان پر مسح کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس جگہ کے دھونے کا حکم ساقط ہے، اگر وضو کرنے کے بعد پٹی یا دوا وغیرہ اتر گئی، تو اس جگہ کو پانی لگانا ضروری نہیں۔ اس کا وضو قائم ہے، جب تک وہ محدث نہ ہو جائے، اس کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: ۲۸۶)

(اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جب میں تمھیں کوئی حکم دوں، تو تم اپنی طاقت کے مطابق اس کی اطاعت

---

[1] پینے کا پیالہ، ۱/۴ صاع کا ایک پیمانہ (مترجم)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرو۔" پس قرآن و سنت کی روشنی میں ہر وہ حکم ساقط ہوگیا، جس کی ادائیگی سے انسان عاجز ہو اور اس کا بدل بھی نہ ہو۔ جب یہ امر مسلم ہے کہ شریعت کتاب و سنت سے ثابت ہوتی ہے تو کتاب و سنت میں تو ایسا کوئی حکم نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ وضو میں پٹیوں اور دواؤں وغیرہ پر غسل کے بدل مسح کر لیا جائے لہٰذا یہ قول ساقط ہوگیا۔

کہ اگر کوئی یہ کہے کہ بطریق زید از پدر خود از جدّ خود مروی ہے کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! کیا پٹیوں پر مسح کروں؟" آپ نے فرمایا ہاں مسح کرو۔

تو ہم کہیں گے، اس حدیث کی روایت ہی جائز نہیں الّا یہ کہ اس کا سقوط بیان ہو کیونکہ اس میں ابوخالد عمرو بن خالد واسطی منفرد ہے اور اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہے[1]۔ (لہٰذا اس خبر سے استدلال درست نہیں)

اگر کہا جائے کہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ عصائب (پگڑیوں) اور موزوں پر مسح کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ روایت اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں اور صحیح بھی ہو تو پھر بھی

---

[1] یہ ابوخالد وضاع ہے، وکیع فرماتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور احادیث وضع کیا کرتا تھا جب اس کے بارے میں لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا تو واسط کی طرف چلا گیا، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ زید بن علی اور اپنے آباؤ اجداد سے موضوع اور جھوٹی حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ کذاب، غیر ثقہ اور غیر مأمون ہے۔

اس کی روایت کردہ احادیث وہی ہیں، جو "مسند زید" یا المجموع الفقہی کے نام سے معروف ہیں۔ یہ مسند اٹلی کے شہر میلانو سے ۱۹۱۹ء اور مصر سے ۱۳۴۰ھ میں طبع ہوئی۔

قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ازہر کے فاضل علماء جو ہمارے اساتذہ میں سے ہیں انھوں نے اس مسند پر تقریظیں لکھیں اور اس امر کا قطعاً کوئی اہتمام نہ کیا کہ اس پر تتبع کریں اور اس میں جو جھوٹی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اس کا خیال بھی نہیں کیا اور اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ ان جھوٹی روایات پر ان بزرگوں نے جو مہر تصدیق ثبت کی ہے اور ان اکاذیب کی مدح و تحسین کی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ در اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہوگا کہ وہ عامۃ الناس جو صحیح و سقیم میں تمیز نہیں کر سکتے، وہ ان مہروں اور تصدیقوں کے باعث ان اکاذیب کو بھی قابل اعتماد جانیں گے!

وَلِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ احمد شاکر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابلِ حجت نہیں کیونکہ عصائب کے معنی (یہاں) عمائم کے ہیں۔ فرزدق کا شعر ہے ؎

ورکب کأن الریح تطلب عندھم لھا ترۃ من جذبھا بالعصائب

(یہاں اس شعر میں عصائب سے مراد عمائم یعنی پگڑیاں ہیں) اور تساخین سے مراد موزے ہیں۔

جن لوگوں نے پٹیوں پر مسح واجب قرار دیا ہے، انھوں نے موزوں کے مسح پر قیاس کیا ہے اور قیاس باطل ہے، اگر قیاس صحیح بھی ہوتا، تو یہ قیاس بالکل باطل ہے کیونکہ موزوں پر مسح کے لیے مدت مقرر ہے لیکن پٹیوں پر مسح کے لیے وقت کا تعین نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قائل کا یہ کہنا کہ جب موزوں پر مسح جائز ہے، تو پٹیوں پر واجب ہوا، تو یہ دعویٰ بلادلیل ہے اور یہ اس کا من گھڑت قضیہ ہے پھر یہ بطور وضع بھی فاسد ہے، کیونکہ اباحت پر وجوب کو قیاس کر لیا گیا ہے اور یہ قیاس درست نہیں ہے۔

ہمارے قول کی مانند اسلاف میں سے بھی بعض سے منقول ہے؛ چنانچہ ہم نے بطریق ابن المبارک از سفیان ثوری از عبدالملک بن ابجر روایت کیا کہ امام شعبی نے زخم کے بارے میں فرمایا کہ اس کے ارد گرد کو دھولو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ تم نے روایت ذکر کی ہے کہ کسی جانور نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پاؤں کی انگلی چبا ڈالی، تو آپ اس پر مسح کیا کرتے تھے۔ (بیہقی ۱: ۲۲۸)

تو ہم کہیں گے یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اپنا ذاتی فعل ہے، وجوب مسح کے پیش نظر آپ ایسا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ یہ اسی طرح کا فعل ہے جیسا کہ وہ وضو و غسل میں اپنی آنکھوں کے اندر پانی داخل کیا کرتے تھے، حالانکہ تم اس کے قائل نہیں، اس کی فرضیت تو دُور کی بات ہے۔

اسی طرح ابن عمرؓ حاملہ کی خرید و فروخت اور اس کے پیٹ میں موجود بچے کا استثناء جائز سمجھتے تھے حالانکہ تم اسے حرام کہتے ہو، جب تمھارا جی چاہتا ہے تو ایک شخص کے اقوال و افعال کو بطور حُجت پیش کرتے ہو اور جب تمھارا جی نہیں چاہتا تو تم انھیں ناقابلِ حُجت سمجھتے ہو، یہ طرزِ عمل تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اور یہ دین میں بہت ہی بڑی عجیب بات ہے۔

مذکورہ باتوں سے ثابت ہوا کہ وضو جب مکمل ہو کہ اس کے ساتھ نماز پڑھی جا سکے۔ تو وہ صرف حدث سے ٹوٹتا ہے یا پھر کسی ایسی جلی نص سے جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہو، پٹی یا دوا غیرہ کا اثر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانا ناقض وضو نہیں کیونکہ اس سلسلے میں کوئی نص ثابت نہیں ہے کہ اس کے بعد وضو واجب ہوتا ہے۔ اور شریعت صرف وہی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی فرض قرار دی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ پٹیوں پر مسح کے قائل ہیں، جبکہ امام داؤد ظاہریؒ اور ہمارے اصحاب اسے ضروری خیال نہیں کرتے۔ وباللہ تعالی التوفیق!

۲۱۰۔ مقامِ مخصوص کو ہاتھ لگانا

کسی ناگزیر ضرورت کے علاوہ آدمی کے لیے دائیں ہاتھ سے آلۂ تناسل کو چھونا جائز نہیں، کپڑے کے ساتھ دائیں ہاتھ سے چھونے میں کوئی حرج نہیں، بائیں ہاتھ سے چھونا مباح ہے، باقی تمام اعضاء دائیں بائیں دونوں ہاتھوں سے چھو سکتا ہے۔ آدمی علاج معالجے یا ختنہ وغیرہ کے لیے چھوٹے بچے کے آلۂ تناسل کو دائیں بائیں دونوں ہاتھوں سے پکڑ سکتا ہے۔ عورت کے لیے اپنے اندام نہانی یا اپنے خاوند یا لونڈی کے لیے اپنے مالک کے آلۂ تناسل کو دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے چھونا جائز ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ امور کی نہی پر شریعت میں کوئی نص نہیں ہے اور جس چیز کی حرمت کے بارے میں کوئی نص نہ ہو، وہ مباح ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (الانعام: ۱۲۰)

(جو چیزیں اس نے حرام ٹھہرادی ہیں، وہ ایک ایک کرکے بیان کردی ہیں مگر اس صورت میں کہ (اس کا کرنا) تمھارے لیے ناگزیر ہو جائے)۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "اسلام میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے، جس نے کسی ایسی چیز کی بابت سوال کیا جو پہلے حرام نہ تھی لیکن اس کے سوال کرنے کے باعث حرام قرار دے دی گئی۔

اور آپ کا یہ فرمان کہ جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں، تم بھی مجھے چھوڑ دو، جب کسی بات کا حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ اور جب کسی چیز سے روک دوں، تو ترک جاؤ" اور جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

گویا مذکورہ ارشادِ باری اس امر پر نص ہے کہ ہر حرام چیز کا باقاعدہ نام لے کر تفصیلی حکم بیان کردیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے، گویا جس حرام چیز کا نام نہیں لیا گیا یا اس کی کوئی تفصیل مذکور نہیں، تو وہ حرام بھی نہیں، مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

ہم نے جو یہ کہا کہ آدمی کے لیے دائیں ہاتھ کے ساتھ اپنے آلۂ تناسل کو پکڑنا جائز نہیں تو یہ اس لیے کہ

۲۶۲۔[ہم سے عبداللہ از احمد از عبداللہ از ابن محمد از ابن علی از مسلم از ابن ابی عمر ثقفی از ایوب سختیانی، و نیز ہم سے حماد از ابن اصبغ از محمد بن عبدالملک از احمد برتی از ابونعیم از ثوری از معمر؛ اور معمر و ایوب دونوں از یحییٰ بن ابی کثیر از عبداللہ بن ابی قتادہ بیان کیا کہ] حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ

نَهٰی رسولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اَنْ یَمَسَّ الرَّجُلُ ذَکَرَهٗ بِیَمِیْنِهٖ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص دائیں ہاتھ سے اپنا آلۂ تناسل چھوئے۔

یہ الفاظ معمر والی روایت میں ہیں۔ اور ایوب والی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

نَهٰی رسولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم أَن یَّتَنَفَّسَ فِی الْاِنَاءِ وأن یَّمَسَّ ذَکَرَهٗ بِیَمِیْنِهٖ واَنْ یَّسْتَطِیْبَ بِیَمِیْنِهٖ۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے، دائیں ہاتھ سے آلۂ تناسل پکڑنے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے)(بخاری کتاب الطهارة و کتاب الاشربه، مسلم، ابوداؤد، ترمذی نسائی، ابن ماجہ کتاب الطهارة) اور اسی حدیث سے پیشاب کا داہنے ہاتھ سے دھونا یا پونچھنا حرام ہوا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں اسی حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرنے والے صرف پیشاب و پاخانہ کے وقت داہنے ہاتھ سے اعضاء تناسل کے چھونے کی ممانعت پر اقتصار کرتے ہیں لیکن معمر اور ایوب کی روایتوں میں جمیع اوقات کی ممانعت وارد ہے) میں یہ امر زائد مذکور ہے۔ اور ثقہ رُواۃ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، جسے رد کرنا جائز نہیں بالخصوص جب کہ ایوب اور معمر دیگر راویوں کی نسبت زیادہ قوی حافظے کے مالک ہیں۔ کیونکہ دوسروں نے بعض حصہ کی روایت کی ہے۔ انھوں نے تمام کی اور یہ سب حق ہے اور ہر ایک کا قبول کرنا فرض ہے۔ اس میں سے کسی شے کا رد کرنا جائز نہیں جسے ثقات نے روایت کیا ہو۔ لہٰذا جس نے ایوب و معمر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی روایت پر عمل کیا تو گویا اس کے دیگر راویوں ہمام، ہشام دستوائی، اوزاعی اور ابو اسماعیل کی روایات پر بھی عمل کر لیا لیکن جس نے ان لوگوں کی روایتوں پر عمل کیا اور ایوب و معمر کی روایت کی مخالفت کی تو اس نے نافرمانی کی۔

ہمارے قول کی مانند بعض سلف سے بھی مروی ہے جیسا کہ ہم نے بطریق وکیع از صلت بن دینار از عقبہ بن صہبان روایت کیا کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس کے بعد سے دائیں ہاتھ سے اپنے آلۂ تناسل کو نہیں چھوا۔

نیز بطریق وکیع خالد بن دینار سے روایت ہے کہ میں نے ابو العالیہ سے سُنا فرماتے تھے کہ میں نے ساٹھ ستر برس سے دائیں ہاتھ سے اپنا ذکر نہیں چھوا۔

حضرت مسلم بن یسارؒ جو کہ خیار تابعین میں سے تھے ان سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے دائیں ہاتھ سے اپنا ذکر نہیں پکڑوں گا کیونکہ مجھے امید ہے کہ اس ہاتھ میں اپنا نامۂ اعمال پکڑوں گا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۱۱۔ شک پڑ جائے تو کیا کرے؟ جس شخص نے وضو اور غسل کیا اور پھر اسے شک پڑ گیا کہ شاید بے وضو ہو گیا ہے یا اس سے کسی ایسے امر کا صدور ہوا ہے جس سے غُسل واجب ہو جاتا ہو، تو اس کی حالتِ طہارت برقرار ہے، محض شک کی بنیاد پر نہ اس پر وضو فرض ہے اور نہ غُسل۔

اگر اس نے شک کو بنیاد بناتے ہوئے غسل اور وضو کر لیا اور پھر اسے یقین ہو گیا کہ واقعی اس کا وضو ٹوٹ گیا تھا یا اس پر غسل واجب ہو گیا تھا، تو اس کے لیے وہ غسل و وضو کفایت نہ کریں گے بلکہ اسے دوبارہ نیا وضو اور نیا غسل کرنا پڑے گا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو حدث کے بارے میں یقین تھا لیکن پھر وضو اور غسل کے بارے میں شک پیدا ہو گیا، تو اس کے لیے صرف اسی امر کو سرانجام دینا ضروری ہو گا، جس کے بارے میں اسے شک ہوا ہو، اگر وہ شک کو دور نہ کرے اور اسی حالت میں نماز ادا کر لے اور پھر اسے یقین ہو جائے کہ اس کا وضو تو برقرار تھا یا یہ کہ اس پر غسل فرض نہ تھا، تو اس کی حالتِ شک میں ادا کی ہوئی نماز بالکل جائز نہ ہو گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم : ۲۸)

(وہ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے۔

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ

(ظن سے بچو کیونکہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے)

۲۶۳۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن اعرابی از ابوداؤد از موسیٰ بن اسماعیل از حماد از سہیل بن ابی صالح از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اپنی دُبر میں حرکت محسوس ہو لیکن اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا وضو ٹوٹا ہے یا نہیں، تو وہ اس وقت تک نماز نہ چھوڑے، جب تک وہ آواز نہ سُن لے یا اسے بدبُو محسوس نہ ہو۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ)

امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں وضو کرے اور آپ کے بعض مقلدین نے اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر کسی کو شک ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے تو اسے شک کو لغو قرار دے کر یقین پر بُنیاد رکھنی چاہیے"!

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

امام مالکؒ کا یہ موقف دو اعتبار سے غلط ہے:۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان حضرات نے اس مسئلہ میں وارد مخصوص خبر کو ترک کر کے اس کی مخالفت کی ہے اور اس خبر سے استدلال کیا ہے جو اس سے متعلق نہیں اور اس امر کو حدث قرار دیا ہے، جو نماز کے علاوہ تو وضو کو واجب کرتا ہے لیکن نماز میں وضو کو واجب نہیں کرتا اور یہ تناقض ہے، یہ حضرات امام ابوحنیفہؒ پر خاص طور پر نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے پر اسی قسم کے تناقض کا انکار کرتے ہیں (لیکن خود اسی تناقض کا شکار ہیں)۔

اس موقف کے غلط ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسی خبر کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس موقف کے غلط ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسی خبر کو بطور دلیل پیش کیا ہے، جو ان کے خلاف حجت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شک پر حکم نہیں لگایا بلکہ اسے یقین پر باقی رکھا ہے اور اگر یہ جائز ہوتا کہ معاملہ ایسے ہی ہو جیسا کہ انھوں نے گمان کیا ہے، تو یہ بھی تناقض کا موجب ہے کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ مثلاً اگر کسی کو یہ شک گزرا کہ شاید اس نے طلاق دی ہے یا نہیں؟ لیکن اس نے صحتِ نکاح کا یقین کر لیا تو طلاق لازم نہ ہوگی اور اسی طرح اگر کسی نے صحتِ ملکیت کا یقین کر لیا مگر اسے شک گزرا کہ شاید اس نے غلام کو آزاد کیا ہے یا نہیں تو اُسے آزاد کرنا لازم نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی کی حیات کے بارے میں یقین ہو مگر اس کی موت کے بارے میں شک ہو تو وہ حیات ہی ہوگا اور اسی طرح دوسرے اشیاء کے بارے میں بھی۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

اب جب کہ مسئلہ کی صورتِ حال یہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو اگر وہ وضو کرلے اور حدث کے بارے میں اسے شک ہو اور پھر اُسے یقین بھی ہو جائے کہ وہ واقعی بے وضو تھا، تو حالتِ شک میں کیا ہوا وضو درست نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اوپر واجب وضو نہیں کیا بلکہ ایسا وضو کیا جس کا اسے حکم نہیں تھا اور وہ وضو کا حکم اللہ نے نہیں دیا تھا اس وضو کے قائم مقام نہیں ہوگا جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۱۲۔ پاؤں میں پہنے ہوئے جائز لباس پر مسح

ہر وہ لباس جس کا پاؤں میں پہننا جائز ہو اور وہ ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو اس پر مسح سنت ہے، خواہ وہ موزے ہوں، چمڑے کے یا بالوں کے، لکڑی کے یا خلفاء[1] کے، یا جرابیں ہوں کتان کی بنی ہوئی، یا اُون کی یا روئی کی یا بالوں کی، ان پر چمڑا ہو یا نہ ہو، خواہ موزوں پر موزے پہنے ہوئے ہوں

---

[1] خلفاء ایک قسم کی بوٹی جس کے اطراف کھجور کی شاخ کے مانند تیز ہوتے ہیں اور وہ پانی کے بہاؤ کی جگہ اُگتی ہے، قدیم زمانہ میں شاید اس قسم کی بوٹی وغیرہ کے بھی موزے بنائے جاتے ہوں گے۔ مترجم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا جرابوں پر جرابیں پہنی ہوئی ہوں یا اس سے بھی زیادہ پہنی ہوئی ہوں سب صورتوں میں مسح جائز ہے، اسی طرح اگر عورت ریشم کی بنی ہوئی جرابیں پہن لے تو ان پر بھی مسح جائز ہے۔

ان مذکورہ بالا ہر قسم کی جرابوں اور موزوں وغیرہ پر مقیم کے لیے ایک دن اور رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتوں تک مسح جائز ہے بشرطیکہ انھیں وضو کر کے پہنا ہو تو مدت مذکورہ میں وضو کرتے ہوئے اس پر مسح کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ جب مسح کی مدت مقررہ ختم ہو جائے یا عدم طہارت پر پہنا ہو تو مسح جائز نہ ہوگا بلکہ پاؤں سے اسے نکال کر وضو کرنا ضروری ہوگا اور اگر مسح کی مدت کے دوران غسل واجب ہو جائے، تو پھر غسل کے لیے ان کا اتارنا بھی فرض ہے۔ پھر تجدید وضو یا غسل کے بعد سابق ذکر طریقہ پر ہمیشہ مسح کرتا رہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسے

۲۶۴۔ [ہم سے عبداللہ از احمد از عبدالوہاب از ابن محمد از ابن علی از مسلم از ابن نمیر از پدر خود از ابن ابی زائدہ از شعبی از عروہ ابن مغیرہ بیان کیا کہ] حضرت مغیرہ نے بیان کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پھر انھوں نے آپ کے وضو کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: تو میں جھکا تاکہ آپ کے پاؤں سے موزوں کو اتار دوں، تو آپ نے فرمایا انھیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے انھیں حالتِ طہارت میں پہنا ہے، پھر آپ نے ان پر مسح کیا۔ (بخاری کتاب الطہارۃ، کتاب المغازی، کتاب اللباس۔ مسلم کتاب الطہارۃ و کتاب الصلاۃ۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۶۵۔ [ہم سے احمد طلمنکی از ابن مفرج از ابراہیم از محمد بن علی از سعید بن منصور از ابوالاحوص از اعمش از وائل بیان کیا کہ] حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں چل رہا تھا، چلتے چلتے آپ کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب[1] کیا، پھر آپ نے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پیشاب کیا کرتے تھے لیکن ایک مرتبہ آپ نے خلاف عادت کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ محدثین نے اس بارے میں مختلف باتیں بیان کی ہیں جس کی تفصیل تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی جزء اوّل صفحہ ۲۲ سے ۲۴ تک موجود ہے۔ جس کا لُبّ لباب یہ ہے کہ آپ نے کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا۔ اور اس سے بہرحال جواز ثابت ہوتا ہے۔ مترجم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ (بخاری کتاب الطہارۃ و کتاب المظالم، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)۔

۲۶۶۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن معاویہ از نسائی از ابن راہویہ؛ و نیز ہم سے یحییٰ از احمد بن حزم از محمد بن عبدالملک از عبداللہ بن احمد بن حنبل از پدرِ خود؛ پھر احمد و اسحاق دونوں نے از وکیع از ثوری از عبدالرحمٰن بن ثروان از ہذیل بن شرحبیل بیان کیا کہ] حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔ یہ الفاظ احمد کے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائیؒ[1]، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۶۷۔ [ہم سے یونس بن عبداللہ از محمد بن معاویہ از نسائی از ہناد بن سری از ابو معاویہ از اعمش از حکم بن عتیبہ از قاسم بن مخیمرہ بیان کیا کہ] حضرت شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ موزوں پر مسح کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا علی بن ابی طالب کے پاس جاؤ، وہ اس مسئلہ کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، چنانچہ پھر میں آپ کے پاس گیا اور آپ سے مسح کی بابت پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیا کرتے تھے کہ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن اور رات مسح کرے۔ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

---

[1] یہ حدیث سنن نسائی کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔ البتہ بعض مطبوعہ نسخوں کے حاشیہ پر یہ حدیث موجود ہے اور ساتھ ہی یہ مذکور ہے کہ یہ ابن الاحمر کی روایت ہے۔ امام ابن حزم ہمیشہ ابن الاحمر ہی کی روایت بیان کرتے ہیں اور ابن الاحمر وہی محمد بن معاویہ ہیں جو ابن حزم کے شیخ الشیخ ہیں۔ اس حدیث کو امام نسائی کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام نسائی اور ابوداؤد نے عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ کی متابعت کرتے ہوئے معلول کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت مغیرہ سے "مسح علی الخفین" کے الفاظ سے معروف ہے۔ اور اسی وجہ سے بعضوں نے عبدالرحمان بن ثروان ابوقیس کے بارے میں بھی کلام کیا ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ وہ ثقہ ثبت ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ "المسح علی الخفین" "المسح علی الجوربین" کے مخالف نہیں کیونکہ دونوں دو مختلف حدیثیں ہیں اور دونوں دو مختلف واقعات اور حالات پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ واضح بات ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔ احمد شاکر۔ (سنن کبریٰ نسائی کی پہلی جلد چھپ چکی ہے۔ اس میں کتاب الطہارۃ باب رقم ۸۶ میں یہ روایت موجود ہے۔ ابوالاشبال پاکستانی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۶۸ - [نیز ہم نے اس حدیث کو اسی طرح بطریق مسلم از اسحاق بن راہویہ از عبدالرزاق از سفیان ثوری از عمرو بن قیس ملائی اور سفیان جب بھی عمر کا ذکر کرتے ان کی تعریف کرتے؛ نیز ابن راہویہ از زکریا بن عدی از عبیداللہ بن عمرو الرقی از زید بن ابی انیسہ؛ پھر زید و عمرو دونوں از حکم بن عتیبہ قبل والی اعمش از حکم والی روایت کی طرح سنداً و متناً بیان کیا] (حوالہ اوپر گذر چکا)

۲۶۹ - [ہم سے ہشام بن سعید خیر از عبدالجبار مقری از حسن بن حسین تجیبی از جعفر بن محمد اصبہانی از یونس بن حبیب از طیالسی از حماد ابن سلمہ و حماد بن زید و ہمام بن یحییٰ و شعبہ بن حجاج از عاصم بن ابی نجود از زر بن حبیش بیان کیا کہ] زر حضرت صفوان بن عسال کے پاس گئے اور عرض کیا کہ موزوں پر مسح کے سلسلے میں مجھے کچھ شبہ سا ہے؛ تو کیا آپ نے اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سُنا ہے؛ انھوں نے فرمایا (جی ہاں) ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تین دن اور رات تک ان پر مسح کریں جب بول و براز اور نیند کے باعث وضو کر رہے ہوں، ہاں اگر حالتِ جنابت ہو تو پھر مسح درست نہیں۔ (غسل کے لیے اُتارنا ضروری ہے) (مسند ابو داؤد طیالسی رقم ۱۱۶۶۔ ترمذی کتاب الزہد و کتاب الدعوات۔ نسائی کتاب الطہارۃ۔ ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

www.KitaboSunnat.com

ہم نے اس حدیث کو بطریق معمر و ثوری و ابن عیینہ از عاصم از زر از صفوان از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روایت کیا ہے گویا یہ نقل تواتر، موجب علم ہے۔ حدیث مغیرہ میں ہے کہ مسح وہ انسان کرے جس نے موزے حالتِ طہارت میں پہنے ہوں، حدیث حذیفہؓ سے معلوم ہوا کہ مسح حضر میں بھی کیا جا سکتا ہے، ہُزیل کے واسطہ سے حضرت مغیرہ سے جو روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسح جرابوں پر بھی جائز ہے۔ حدیثِ علیؓ میں عمومِ مسح کا ذکر ہے یعنی مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات ہر اس چیز پر مسح کر سکتا ہے جسے اس نے پاؤں میں پہنا ہو۔ حدیث صفوانؓ میں یہ مذکور ہے (کہ اس مدت میں) جنابت کے علاوہ نہ اتارے۔

مذکورہ دُو مدّتوں میں سے جب کوئی ایک ختم ہو جائے، تو مسح کرنے والا مسح کے ساتھ اس وقت تک نماز پڑھ سکتا ہے، جب تک اس کا وضو نہ ٹوٹے اور پھر دوبارہ مسح اس وقت تک جائز نہ ہو گا جب تک انھیں اتار کر وضو نہ کرلے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو صرف تین دن اور مقیم کو صرف ایک دن رات

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسح کا حکم فرمایا اور آپ نے اسی مدت میں مسح سے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ مدتِ مقررہ ختم ہونے کے بعد اسی وضو و مسح سے نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا، منع صرف مسح سے کیا ہے، اس حدیث سے یہی ثابت ہے۔

سلف میں سے ایک جماعت جرابوں پر مسح کی قائل ہے جیسا کہ ہم نے بطریق ثوری از زبرقان عبدی روایت کیا کہ کعب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ ابن طالب کو دیکھا کہ آپ نے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا، نیز بطریق ثوری از یحییٰ از ابو جلاس روایت کیا کہ ابن عمرؓ اپنے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا کرتے تھے اور بطریق ثوری از اعمش از اسماعیل از پدرِ خود روایت ہے کہ انھوں نے حضرت براء کو جرابوں اور جوتوں پر مسح کرتے دیکھا اور بطریق ثوری از اعمش از ابراہیم از ہمام مروی ہے کہ حضرت ابو مسعود بدری اپنے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا کرتے تھے[1] اور بطریق ثوری از اعمش مروی ہے کہ سعید بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ آپ بیت الخلا میں گئے، پھر باہر تشریف لائے، آپ نے سر پر ایک ایسی سفید ٹوپی پہن رکھی تھی، جس میں بٹن لگے ہوئے تھے، آپ نے ٹوپی اور سیاہ عربی صوف کی بنی ہوئی جرابوں پر مسح کیا اور پھر نماز پڑھی اور بطریق ضحاک از ثوری از عاصم احول روایت ہے انھوں نے فرمایا میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو جرابوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا اور بطریق حماد بن سلمہ ثابت بُنانی اور عبداللہ بن ابو بکر بن انس بن مالکؓ دونوں سے روایت ہے کہ انس بن مالک جرابوں، موزوں اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے[2]

اور بطریق حماد بن سلمہ از ابو غالب مروی ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ جرابوں، موزوں اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے اور بطریق وکیع از ابو جناب از پدرِ خود از خلاس بن عمرو از حضرت ابن عمرؓ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک بار پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا اور لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائی[3]

---

[1] مذکورہ آثارِ صحابہ سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۸۵ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۸۸ وغیرہ میں مختلف اسناد و الفاظ کے ساتھ مروی ہیں۔ ابوالاشبال پاکستانی۔

[2] یہ اثر سنن بیہقی اور کتاب الکنی والاسماء للدولابی ج ۱ ص ۱۸۱، اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۸۸ میں دیگر اسناد سے مروی ہے۔

[3] ابوامامہ باہلی اور عمر بن الخطاب سے مروی آثار مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۱۸۸ میں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بطریق وکیع از مہدی ابن میمون از واصل احدب از ابو وائل مروی ہے کہ حضرت ابو مسعود نے بالوں سے بنی ہوئی جرابوں پر مسح کیا اور بطریق وکیع مروی ہے کہ یحییٰ بکاء نے فرمایا کہ میں نے ابن عمرؓ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جرابوں پر مسح اسی طرح جائز ہے جس طرح موزوں پر جائز ہے اور قتادہ، سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ مسح میں جرابیں، موزوں کے قائم مقام ہیں اور بطریق عبدالرزاق مروی ہے کہ ابن جریج نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطا سے پوچھا، "کیا ہم جرابوں پر مسح کر سکتے ہیں؟" تو انھوں نے فرمایا "ہاں! تم ان پر اسی طرح مسح کر سکتے ہو جس طرح موزوں پر۔"

اور بطریق شعبہ از حکم بن عتیبہ مروی ہے کہ ابراہیم نخعیؒ جرابوں پر مسح میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور بطریق ابو نعیم فضل بن دکین مروی ہے کہ حضرت اعمش سے پوچھا گیا کہ اگر کسی نے رات بھر جرابوں کو پہنے رکھا ہو، کیا وہ بھی مسح کر سکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں کر سکتا ہے اور بطریق قتادہ مروی ہے کہ حضرت حسن اور خلاس بن عمرو جرابوں کو مسح میں موزوں کے قائم مقام سمجھتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سہل بن سعدؓ اور عمرو بن حُریث سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

اور بطریق حضرت سعید بن جبیرؒ اور نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے عمر، علی، عبداللہ بن عمرو، ابو مسعود، براء بن عازب، انس بن مالک، ابو امامہ، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سہل بن سعد اور عمرو بن حُریث رضی اللہ عنہم اجمعین اور دوسرے صحابہ جو جوازِ مسح خفین کے قائل ہیں ان کا اس مسئلے میں کوئی بھی صحابی مخالف نہیں ہے۔

تابعین کرام میں سے سعید بن مسیبؒ، عطاؒ، ابراہیم نخعیؒ، اعمش، خلاس بن عمرو، سعید بن جبیر اور نافع مولیٰ ابن عمر سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ علاوہ ازیں سفیان ثوریؒ، حسن بن حی، ابو یوسف، محمد بن حسن، ابو ثور، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور داؤد بن علی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا موقف یہی ہے[1]

مسح کے عدمِ جواز کے قائلین: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جرابوں پر مسح نہ کرے؛ امام مالکؒ بھی فرماتے ہیں

---

[1] ان آثار کے لیے سنن بیہقی مُصنّف عبدالرزاق مُصنّف ابن ابی شیبہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جرابوں پر مسح نہیں کرنا چاہیے، ہاں اگر جلد پھٹی ہوئی ہو تو پھر مسح کر سکتا ہے۔ پھر آپ نے اس سے بھی رجوع فرما لیا تھا کہ بالکل مسح نہ کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جرابیں اگر چمڑے سے بنی ہوں، تو پھر مسح جائز ہے ورنہ نہیں!

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

چمڑے کی شرط بالکل غلط اور بے معنی ہے کیونکہ نہ قرآن میں وارد ہے اور نہ سنت میں، نہ قیاس کا تقاضا ہے اور نہ کسی صحابی کا قول ہے۔ جرابوں پر مسح کی ممانعت کی بات بھی غلط ہے کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ اور آثار کے خلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر احادیث ہم نے قبل ازیں ذکر کی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی یہ تخصیص مذکور نہیں ہے کہ مسح صرف موزوں پر ہو سکتا ہے اور کسی چیز پر نہیں۔

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ سب کا معاملہ باعث تعجب ہے کہ یہ حضرات اس وقت تو صحابی کی مخالفت پر بہت طعن تشنیع کرتے ہیں، جب ان کا قول ان کی تقلید کے موافق ہو لیکن (غور فرمائیے کہ) اس مسئلہ میں ان حضرات نے گیارہ صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی ہے، جبکہ کسی دوسرے صحابی سے ان صحابہ کی مخالفت بھی منقول نہیں اور پھر ان میں حضرت عمرؓ، آپ کے صاحبزادے، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ شامل ہیں۔ جو صحابہ کرامؓ مسح کے جواز کے قائل نہیں، انھوں نے ان کی بھی مخالفت کی ہے، گویا انھوں نے ہر اس صحابی کی مخالفت کی ہے، جن سے اس مسئلے کے بارے میں کچھ بھی منقول ہے۔ صرف صحابہ کرامؓ ہی کی نہیں بلکہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ کی مخالفت کی ہے۔ والقیاس بلا معنی وباللہ تعالی التوفیق۔

مسح کی مدّت: صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات مسح کے سلسلے میں وقت کے تعین کے قائل ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ہم نے بطریق شعبہ وابن مبارک از عاصم احول روایت کیا کہ ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ میں اس وقت موجود تھا، جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مسح کی بابت اختلاف ہوا، حضرت سعدؓ نے مسح کر لیا تھا لیکن حضرت ابن عمرؓ نے مسح نہیں کیا تھا، انھوں نے اس سلسلے میں حضرت عمرؓ بن خطاب سے پوچھا اور اس وقت میں بھی وہاں حاضر تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک دن رات تک مسح کرو یعنی آج جس وقت سے شروع کیا ہے، کل اسی وقت تک!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شُعبہ، عمران بن مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سُوید بن غفلہ سے سنا کہ ہمیں نُباتہ جعفی نے حضرت عمرؓ کے پاس موزوں پر مسح کا مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا، اور جب انھوں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مقیم تین دن ورات اور مسافر ایک دن ورات موزوں اور عمامہ پر مسح کر سکتا ہے۔

(حضرت عمرؓ سے مسح کے سلسلے میں) یہ جو دو روایتیں ذکر کی گئی ہیں، ان کی سندیں اس قدر بلند پایہ ہیں کہ صحت و جلالت کے اعتبار سے ان کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اور مزید ہم نے اسے بطریق سعید بن مسیّب اور زُبید بن صلت حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

اور بطریق سفیان ثوری از سلمہ بن کہیل از ابراہیم تیمی از حارث بن سوید مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مسح مسافر کے لیے تین دن ورات اور مقیم کے لیے ایک دن ورات ہے۔ و نیز بطریق شقیق بن سلمہ ہم نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے اور یہ سند بھی صحیح ہے۔ اور بطریق وکیع از شعبہ از حکم از قاسم بن مخیمرہ مروی ہے کہ شُریح بن ہانی حارثی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے مسح کی بابت پوچھا، تو آپ نے فرمایا مسافر تین دن ورات اور مقیم ایک دن ورات مسح کرے۔

شُعبہ، قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ بن سلمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے موزوں پر مسح کی بابت پوچھا، تو انھوں نے فرمایا کہ مسافر کے لیے تین دن ورات اور مقیم کے لیے ایک دن ورات اور یہ سند بھی حد درجہ صحیح ہے اور امام شعبی عروہ بن مغیرہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ مسافر کے لیے تین دن ورات اور مقیم کے لیے ایک دن ورات مسح سنت ہے۔

اور بطریق حماد بن سلمہ از سعید بن قطن صحابیٔ رسول حضرت ابو زید انصاری سے روایت ہے کہ مسافر تین دن رات اور مقیم ایک دن ورات مسح کرے۔ عبدالرزاق ابن جریج سے اور وہ ابان سے اور وہ عمر بن شریح سے روایت کرتے ہیں کہ شریک قاضی فرمایا کرتے تھے کہ مقیم دن سے لے کر رات تک اور مسافر تین دن تک مسح کر سکتا ہے۔ عبدالرزاق از محمد بن راشد از سلیمان بن موسیٰ مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اہل مُصیصہ کو خط لکھا کہ ہر تین دن بعد موزے اتار لیا کرو۔

عبدالرزاق سے مروی ہے کہ یحییٰ بن رُبیعہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے موزوں پر مسح

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بابت پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ مسافر تین دن اور مقیم ایک دن مسح کرے، امام شعبیؒ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور یہی قول امام سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، حسن بن حیؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، داؤد بن علیؒ اور ان کے تمام اصحاب کا ہے۔ نیز اسحاق بن راہویہ اور جملہ اصحاب حدیث کا یہی قول ہے۔

اشہب نے امام مالکؒ سے بھی یہی قول روایت کیا ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالکؒ سے مختلف روایتیں ہیں لیکن اظہر روایت یہی ہے کہ آپ کے نزدیک مقیم کے لیے مسح کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح آپ سے مقیم کے لیے مسح کی اجازت بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپ مسافر و مقیم کے لیے وقت کے تعین کے قائل ہی نہیں یعنی آپ کے نزدیک مسافر و مقیم اس وقت تک مسح کر سکتے ہیں، جب تک ان پر حالتِ جنابت طاری نہ ہو۔

اس مسئلہ میں آپ کے مقلدین نے ایسی ایسی ساقط الاعتبار روایات سے استدلال کیا ہے، جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، ان میں سب سے بلند پایہ روایت خزیمہ بن ثابت کے طریق سے ہے، جسے کافر مختار کے علمبردار ابوعبداللہ جَدَلی نے روایت کیا ہے اور اس کی روایت پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاتا۔[1] (یہ روایت ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ میں موجود ہے)۔

بالفرض اگر روایت صحیح بھی ہو تو پھر بھی ان کے لیے حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں یہ صراحت تو نہیں

---

[1] ابوعبداللہ جَدَلی، جیم کے فتحہ اور دال مہملہ کے ساتھ ہے، اس کا نام عبد بن عبد اور بقول بعض عبدالرحمٰن بن عبد ہے۔ ثقہ ہے، احمدؒ، ابن معینؒ اور عجلیؒ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے جبکہ ابن سعدؒ نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ "تہذیب" میں لکھتے ہیں کہ ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہؒ کو اپنی بیعت کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کیا تو انھوں نے شعب میں انھیں محصور کر دیا اور ایک مدت تک انھیں اور ان کے ساتھیوں کو ڈرایا۔ جب مختار بن ابی عُبید کو یہ خبر پہنچی اور وہ ان دنوں کوفہ کا حاکم تھا، تو اس نے ابوعبداللہ جدلی کی معیت میں مکہ مکرمہ کی طرف ایک لشکر بھیجا، جس نے محمد بن حنفیہ کو قید خانہ سے باہر نکال دیا، محمد نے انھیں حرم شریف میں لڑائی سے منع کر دیا، ابوعبداللہ جدلی اور ابوالطفیل چونکہ اس لشکر میں موجود تھے لہٰذا ان پر تنقید کی گئی ہے لیکن امید ہے کہ یہ بات ان کے لیے باعثِ قدح نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ حدیث ابوداؤد ج ۱ ص ۶۰، ترمذی ج ۱ ص ۲۱، اور ابنِ ماجہ میں بھی موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ کے لیے مسح کی اجازت دی ہے بلکہ ان کا استدلال اس حدیث کے آخر میں راوی کے اس قول سے ہے کہ اگر سائل کچھ مزید ایام کے لیے مطالبہ کرتا، تو آپ زیادہ کے لیے اجازت دے دیتے حالانکہ یہ تو سراسر ظن اور غیب کی بات ہے کہ عام لوگوں سے متعلق بھی اس قسم کی گفتگو سے کوئی قطعی فیصلہ کرنا حلال نہیں، تو دین کے بارے میں کیسے جائز ہوگا؟ ہاں اتنی بات قطعی ہے کہ سائل نے چونکہ اس کے بعد کچھ مزید مدت کے لیے سوال ہی نہیں کیا لہٰذا آپ نے کچھ مزید فرمایا بھی نہیں لہٰذا اگر یہ مذکورہ روایت صحیح بھی ہو تو یہ ہماری دلیل بن سکتی ہے، ہمارے مخالفین کی نہیں، یہ روایت ان کے قول کو باطل ٹھہراتی اور سفر میں تین دن و رات اور حضر میں ایک دن و رات کی مدت مقرر کرتی ہے۔

دوسری روایت انس کے طریق سے ہے جسے اسد بن موسیٰ نے حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے لیکن اسد منکر الحدیث ہے[1] اور پھر حماد بن سلمہ کے ثقہ اصحاب میں سے اور کسی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا ہے۔

تیسری روایت بھی حضرت انسؓ کے طریق سے ہے، جو کہ منقطع ہے، اس میں الفاظ یہ ہیں کہ "جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اس نے موزے پہن رکھے ہوں تو انھیں میں نماز پڑھ لے اور جب تک انھیں نہ اتارے،

---

[1] ہرگز نہیں بلکہ اسد ثقہ ہے، نسائی، عجلیؒ اور بزار وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابن دقیق العیدؒ "الامام" میں فرماتے ہیں جیسا کہ زیلعیؒ نے "نصب الرایۃ" ج ۱ ص ۹۳-۹۴ میں ذکر کیا ہے۔ ابن حزمؒ نے شاید "تاریخ الغرباء" میں ابن یونس کا یہ قول دیکھا ہوگا کہ اسد بن موسیٰ نے کچھ منکر احادیث بیان کی ہیں، وہ تو ثقہ تھے شاید آفت کسی دوسرے راوی کی طرف سے ہو، اگر ابن حزمؒ کا ماخذ واقعی یہی قول ہے، تو ان کی یہ بات ٹھیک نہیں کیونکہ جس شخص کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ منکر الحدیث ہے، اس کی مانند نہیں ہو سکتا جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہو کہ اس نے کچھ منکر روایات بھی روایت کی ہیں کیونکہ کسی راوی کا منکر الحدیث ہونا اس کی مرویات کو متروک قرار دینا ہے لیکن اس کے برعکس دوسری عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی اس خطا کا صدور رہا ہے۔ پھر زیلعیؒ نے لکھا ہے کہ ابن یونس نے ان کے ثقہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے لیکن ثقہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ خود وہ اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑتے۔ اس حدیث کو بیہقی نے ج ۱ ص ۲۷۹-۲۸۰ میں ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انھیں میں نماز پڑھتا رہے ہاں البتہ جنابت کے (غسل کے) لیے انھیں اتارنا پڑے گا۔ (بیہقی ج ۱ ص ۲۷۹)

اگر یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو پھر وہ احادیث، جن میں وقت کا تعین کیا گیا ہے، ان میں چونکہ ان احادیث کی نسبت ایک امر زائد بیان ہوا ہے اور اس قسم کی زیادتی کو ترک کرنا حلال نہیں۔

چوتھی روایت اُبی بن عمارہ کے طریق سے ہے، اس میں ایک تو یحییٰ بن ایوب کوفی ہے اور دوسرے مجہول راوی ہیں۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، ومستدرک جلد ۱ ص ۱۷۰-۱۷۱۔ بیہقی ج ۱ ص ۲۷۸، ۲۷۹۔ احمد شاکر نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف و مضطرب ہے)۔

پانچویں روایت ہے جس میں محمد بن اسحاق کے بھائی عمر بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے عطاء بن یسار کی کتاب میں ان کے ساتھ یہ پڑھا کہ میں نے موزوں پر مسح کے بارے میں ام المومنین حضرت میمونہؓ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہر وقت انسان موزوں پر مسح کرے اور اسے اتارے ہی نہیں تو آپ نے فرمایا "ہاں"۔ (سنن دارقطنی ص ۷۳)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

یہ حدیث بھی ان کے لیے حجت نہیں بن سکتی کیونکہ عطاء بن یسار نے عمر بن اسحاق سے یہ ذکر نہیں کیا کہ حضرت میمونہؓ سے خود عطاء ہی نے سوال کیا تھا یا کسی اور نے، سائل شاید کوئی اور ہو[1] اور (یہ معلوم ہے کہ) دین کے بارے میں شک کے ساتھ کوئی قطعی بات کہنا جائز نہیں! پھر اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو ان کے لیے حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں فقط یہ مذکور ہے کہ مسح ہر وقت جائز ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مسح ہر وقت جائز ہے۔ جب تمام شرائط کو پورا کیا جائے یعنی وضو مکمل کیا جائے، موزوں کو بحالت طہارت پہنا جائے، مقررہ وقت کو پورا کیا جائے اور غسل جنابت کے لیے انھیں اتارا جائے۔ لیکن اس مذکورہ روایت میں ان میں سے کچھ بھی ذکر نہیں ہوا لہٰذا اس سے استدلال باطل ٹھہرا۔

---

[1] یہ احتمال کہ سائل کوئی اور ہو بعید از احتمال ہے۔ سیاق کلام اس احتمال کو قبول نہیں کرتا۔ دارقطنی نے بطریق احمد بن حنبل اسے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اس سلسلے میں) ان حضرات نے کچھ آثار صحابہؓ کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔

۱۔ بطریق اسد بن موسیٰ از حماد بن سلمہ از محمد بن زیاد مروی ہے کہ زبید بن صلت نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اس نے موزے پہن رکھے ہوں، تو اسے چاہیے کہ ان پر مسح کرکے ان میں اس وقت تک نماز پڑھتا رہے، جب تک جنابت کی وجہ سے انھیں اتارنا نہ پڑے۔

اس روایت میں اسد بن موسیٰ، حماد سے روایت کرنے میں منفرد ہے اور اسد، منکر الحدیث ہے، اس کی روایت کے ساتھ استدلال درست نہیں۔ اور یہ غیر یقینی خبر ہے۔

صحیح خبر وہ ہے جسے ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از حماد بن سلمہ اور محمد بن زیاد روایت کیا ہے کہ محمد بن زیاد نے کہا کہ میں نے زُبَید بن الصَّلت سے سنا، انھوں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اپنے پاؤں کو بحالت طہارت موزوں میں داخل کرے تو اگر چاہے تو ان پر مسح کرتا رہے اور انھیں حالت جنابت کے بغیر نہ اتارے۔ (بیہقی ج۱ ص ۲۷۹)

اس میں "مَالَمْ یَخْلَعْھُمَا (جب تک انھیں نہ اتارے مسح کرتا رہے) کے الفاظ نہیں ہیں جیسا کہ اسد کی روایت میں ہیں۔ اور حضرت عمرؓ سے مدت مسح ثابت ہے، وہ نُبَاتَہ جُعْفی اور ابو عثمان نہدی جو کہ اوثق تابعین میں سے ہیں ان سے مروی ہے اور مذکورہ روایت کی نسبت اس میں ایک امر زائد ہے۔

۲۔ بطریق حماد بن سلمہ ہے وہ عبیداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ موزوں پر مسح کے سلسلے میں وقت کی تعیین کے قائل نہ تھے۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے کیونکہ عبیداللہ بن عمر نے تو کسی ایسے شخص کو بھی نہیں پایا (دیکھا) جس نے حضرت عمر فاروق کو پایا ہو، تو حضرت عمرؓ کو کیسے پاتے (دیکھتے)

۳۔ بطریق کُثَیر بن شِنْظِیر ہے وہ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] کُثَیر کے کاف پر فتحہ ہے اور شِنْظِیر شین معجمہ کے کسرہ، نون کے سکون اور ظاء معجمہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یمنی نسخے میں یہ نام "شطیر" طاء مہملہ اور حذف نون کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے اور یہ غلط ہے اور مصری نسخہ میں نقطوں کے (باقی برصفحہ آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سفر کیا تو وہ بغیر کسی عذر اور وقت کی تعیین کے موزوں پر مسح کیا کرتے تھے" لیکن یہ کثیر بہت ہی ضعیف راوی ہے!

۴۔ بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از عبداللہ بن مبارک از سعید بن یزید از یزید بن ابی حبیب از عُلَیّ بن رباح مروی ہے کہ عُقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ عَمرو بن عاص اور شُرَحْبیل بن حَسَنَہ نے ان کو بطور ڈاکیہ ابوبکر صدیقؓ کے پاس یناق کا سر دے کر بھیجا۔ پھر پوری حدیث بیان کی، اس میں یہ بات بھی ہے کہ ۔۔ پھر انھوں نے عُقبہ کی طرف توجہ مبذول کی اور پوچھا کتنی مدت سے تم نے اپنے موزوں کو نہیں اتارا؛ عقبہ نے (جواباً) کہا: "جمعہ سے جمعہ تک" تو آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا۔

اس حدیث کو عبدالرحمٰن نے بار دیگر (اس طرح) روایت کیا: یزید بن ابی حبیب اور ابوالخیر از عقبہ۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: یہ ایک ایسی روایت ہے کہ حدیث سے ناواقف حضرات کے غلطی میں مبتلا ہونے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ یہ روایت معلول ہے اسے نہ تو یزید بن ابی حبیب نے عُلَیّ بن رَباح سے سُنا ہے اور نہ ابوالخیر سے بلکہ انھوں نے اسے عبداللہ بن حکم بَلَوی سے اور انھوں نے عُلَیّ بن رباح سے سُنا ہے اور یہ عبداللہ بن حکم مجہول ہے۔

اسی طرح یہ روایت ابن وہب سے، وہ عَمرو بن حارث اور لیث بن سعد سے وہ دونوں یزید بن ابی حبیب سے، وہ عبداللہ بن حکم سے، انھوں نے عُلَیّ بن رَباح لخمی سے سنا وہ خبر دیتے تھے کہ عقبہ بن عامر جہنی نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بغیر ہے لہٰذا واضح نہیں ہو سکا کہ مصری نسخہ کے مطابق اس نام کا صحیح تلفظ کیا ہوگا۔ یہ کثیر ثقہ ہے اگرچہ اس میں کچھ ضعف بھی ہے لیکن اس کے صدق کا احتمال ہے۔ بخاری و مسلم نے ان کی روایت کو لیا ہے۔

لہ محلّی میں "برآس ساں" چھپا ہے اور محقق علامہ شاکرؒ نے حتی المقدور کوشش کے باوجود اس لفظ کی صحت و تلفظ اور اس اسم کا پتہ نہیں لگا سکے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ لیکن مجھے اس اسم کا پتہ اور صحیح تلفظ کا علم بفضلِ الٰہی ہو گیا۔ یہ لفظ اس طرح ہے "برأس یناق" یعنی یناق کا سر، یناق شام کے بطریق کا نام ہے۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۹ ص ۱۳۲ میں یہ واقعہ اخیر حصہ کے حذف کے ساتھ موجود ہے۔ ابوالاشبال پاکستانی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا کہ میں فتح شام کے موقعہ پر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور میں نے موزوں پر موزے پہن رکھے تھے جو کہ بڑے مضبوط تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کتنے عرصے سے تم نے انھیں نہیں اتارا۔ میں نے عرض کیا جمعہ کے دن پہنا تھا اور جمعہ کے روز ہی اتاروں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم درست کرتے ہو! (بیہقی ۱: ۲۸۰، الطحاوی ۱: ۴۸، الدار قطنی ۲۷ مختصراً)

ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے زید بن حباب سے سنا، وہ حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں ذکر کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں موزے پہنوں درآنحالیکہ میرے پاؤں پاک ہوں اور میں باوضو ہوں، تو مجھے اس وقت تک موزے نہ اتارنے میں کوئی حرج محسوس نہ ہوگا، جب تک میں عراق نہ پہنچ جاؤں"

امام ابن حزم فرماتے ہیں،

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے لہٰذا بالکل ساقط ہو گئی کیونکہ زید بن حُباب نے تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کرنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا، تو حضرت عمرؓ سے ان کا براہِ راست روایت کرنا کیسے درست ہوگا[1]

یہ روایت معاویہ بن صالح کے طریق سے بھی مروی ہے۔ معاویہ، عیاض قرشی سے اور وہ یزید بن ابی حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ عقبہ نے کہا ...... لیکن یہ سند پہلی کی نسبت زیادہ ساقط الاعتبار اور زیادہ خبیث ہے کیونکہ یزید نے عقبہ کو نہیں پایا۔ مزید برآں معاویہ بن صالح بھی قوی نہیں ہے، گویا اس باب میں جتنی روایتیں آئی ہیں وہ سب باطل ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں سے عبداللہ بن عمر کے علاوہ کسی سے بھی وقت کی تعیین کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔ صرف عبداللہ بن عمرؓ سے ثابت ہے؛ جیسا کہ ہم نے بطریق ہشام بن حسان از عبید اللہ بن عمر روایت کیا کہ نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ آپ موزوں پر مسح کے سلسلے میں وقت کی کسی تعیین کے قائل نہ تھے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: یہ روایت قابلِ حجت نہیں کیونکہ ابن عمرؓ کو مسح کا علم نہ تھا بلکہ انھوں نے

---

[1] کیونکہ زید بن حباب تو امام مالک، ثوری وغیرہ سے روایت کرنے والوں میں ہے۔ ۲۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس کا انکار کیا، حتیٰ کہ سعدؓ نے آپ کو کوفہ میں اور آپ کے والد محترم نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کو مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ سمجھایا۔ لہٰذا مسح کے بارے میں دوسروں کے مقابلہ میں آپ لاعلم تھے لیکن جب آپ کو علم ہو گیا تو آپ سے بھی توقیت مروی ہے؛ چنانچہ بطریق حماد بن زید از محمد بن عبید اللہ عرزمی مروی ہے کہ حضرت نافع راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہاں ہیں موزوں پر مسح کی بابت سوال کرنے والے؟ مسافر کے لیے تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن رات ہے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عقبہؓ سے مذکورہ روایتیں اگر صحیح ثابت ہو جائیں درآنحالیکہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے ان کی مخالفت کی ہے، تو تنازع کی صورت میں واجب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ صحیح طور پر ثابت شدہ امر ہے کہ آپ کے ارشاد میں وقت کی تعیین موجود ہے اور اس کے برعکس کچھ ثابت نہیں، حضرت عمرؓ سے بھی وقت کی تعیین ہی ثابت ہے؛

امام ابن حزم فرماتے ہیں؛ مذکورہ دونوں مدتیں جب ختم ہو جائیں، تو ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ انسان موزوں کو اتار دے اور پاؤں کو دھوئے، اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

مزید امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نماز کے آخر میں اگر کوئی انسان بقدرِ تشہد بیٹھ لے، پھر جان بوجھ کر یا بھول کر پیشاب یا ہوا خارج کرنے سے بے وضو ہو جائے یا جان بوجھ کر یا بھول کر کلام کرے تو اس کی نماز مکمل ہو گی کیونکہ نماز کے آخر میں السلام علیکم کہنا فرض نہیں ہے۔

(لیکن دوسری طرف امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ) اگر کوئی انسان تشہد کے بقدر نماز کے آخر میں بیٹھا اور پھر اس کے مسح کی مدت ختم ہو گئی، تو اس کی نماز اور طہارت دونوں باطل ہیں جب تک سلام نہ پھیرے (یعنی دوبارہ وضو کر کے پھر بنا کرے اور سلام پھیرے) ان دونوں باتوں میں اس قدر تناقض اور خطا ہے کہ اس کی تردید کی بھی ضرورت نہیں۔ والحمد للہ علی السلامۃ۔

• (ایسی صورت سے متعلق) امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ وضو از سرِ نو کرے۔ ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، ابن ابی لیلیٰؒ اور داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک نماز پڑھتا رہے، جب تک اس کی طہارت کسی ایسے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امر کے باعث ختم نہ ہو، جو ناقض وضو ہو۔

یہی وہ حق قول ہے کہ جس کے بغیر اور کوئی قول جائز نہیں کیونکہ کسی بھی روایت میں یہ مذکور نہیں کہ مدّتِ مسح کے ختم ہونے کے ساتھ اعضاء وضو یا وضو کے بعض اعضاء کی طہارت ختم ہو جاتی ہے، آپ نے منع اس سے فرمایا ہے کہ مسافر تین دن اور مقیم ایک دن رات سے زیادہ مسح کرے۔

جس شخص نے اس کے علاوہ کوئی اور بات کہی تو اس نے حدیث میں وہ زیادتی کر دی، جو اس میں شامل نہیں ہے اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کر دی، جو آپ نے ارشاد نہیں فرمائی، اگر کسی شخص نے توہم کے باعث ایسا کیا تو وہ گنہگار نہیں اور اگر کسی نے قیام حجت کے بعد جان بوجھ کر ایسا کیا تو اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ طہارت فقط حدث سے ٹوٹتی ہے، یہ شخص چونکہ حالتِ طہارت میں ہے، جب تک بے وضو نہ ہو طاہر ہے اور طاہر اس وقت تک نماز پڑھ سکتا ہے جب تک اس کی حالتِ طہارت برقرار رہے یا کوئی ایسی نص جلی مل جائے جس سے یہ ثابت ہو کہ بے وضو ہونے کے بغیر ہی اس کی طہارت ختم ہوگئی ہے اور یہ شخص بے وضو نہیں ہوا بلکہ اس کی تو صرف مدّتِ مسح ختم ہوئی ہے اور اس صورت سے متعلق ایسی کوئی نص نہیں کہ اس کے بعض اعضاءِ وضو یا سب اعضاء کی طہارت ختم ہوگئی ہے بلکہ یہ شخص طاہر ہے، جب تک بے وضو نہ ہو، نماز پڑھ سکتا ہے۔ جب بے وضو ہو جائے تو پھر اپنے موزوں کو یا جو کچھ اس نے پاؤں میں پہن رکھا ہو، اتار دے اور وضو کرے اور پھر مسح کی ایک نئی مدّت شروع ہو جائے گی اور ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جس شخص نے یہ کہا ہے کہ مذکورہ صورت میں صرف پاؤں کی طہارت ختم ہو گی، یہ ایک فاسد قول ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، نہ قرآن سے نہ حدیث سے، نہ اجماع سے، نہ کسی صحابی کے قول سے، نہ قیاس سے اور نہ صحیح رائے سے۔ دین میں حدث کی کوئی ایسی صورت نہیں جو طہارت کی تکمیل اور پھر اس طہارت کے ساتھ نماز کے جائز ہونے کے باوجود، بعض اعضاء کی طہارت کے لیے موجب نقض ہو جبکہ بعض دیگر اعضاء کی طہارت بدستور برقرار رہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ سے جو تفریق و تقسیم منقول ہے، یہ آپ سے پہلے کسی بھی انسان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے منقول نہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے تائید کے طلب گار ہیں۔

۲۱۳۔ مدتِ مسح کی ابتداء و انتہاء مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات گزارنے کے بعد پھر مسح کا آغاز حدث کے بعد سے کرے، خواہ اس نے عمداً یا سہواً وضو اور مسح کیا ہو یا وضو اور مسح نہ کیا ہو، ان دو مذکورہ مدتوں کا قلیل یا کثیر حصہ گزرنے کے بعد اگر وہ بے وضو ہوا ہے تو اسے مدتوں کے باقی عرصہ میں مسح کرنا چاہیے۔ اگر دونوں مدتوں میں، مدت ختم ہونے سے ایک لمحہ پہلے اس نے مسح کر کے نماز شروع کر دی، تو وہ اس مسح کے ساتھ اس وقت تک نماز پڑھ سکتا ہے، جب تک بے وضو نہ ہو۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ان دو وقتوں کے بعد مسح کا آغاز اس وقت سے کرے جب وہ بے وضو ہو اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب مسح کرے تو اسی وقت سے مسح کی ابتداء کرے۔

اور امام شعبی سے مروی ہے کہ مقیم مسح کے ساتھ پانچ نمازیں پڑھے، پانچ سے زیادہ کے لیے مسح نہ کرے اور اگر مسافر ہے تو پندرہ نمازیں مسح سے ادا کرے، پندرہ سے زیادہ کے لیے مسح نہ کرے۔ اسحاق بن راہویہ، سلیمان بن داؤد ہاشمیؒ اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابنِ حزم کا تجزیہ وتنقید:۔

جب کہ (ائمہ کرام و فقہاء عظام کا اس مسئلہ میں) اختلاف ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم ان اقوال پر غور کریں اور ہم ان اقوال کو کتاب وسنت کی طرف لوٹا دیں کیونکہ اللہ نے ہم پر یہی فرض قرار دیا ہے کہ بوقت اختلاف کتاب وسنت کی طرف رجوع کریں: چنانچہ ہم نے جب ایسا کیا (یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا) تو ہم نے دیکھا کہ جس نے یہ کہا کہ بے وضو ہونے کے وقت سے مدتِ مسح کا آغاز کرے؟ اس کا یہ قول بالکل فاسد ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ـــــ جو ان سب کا ماخذ ہے یا جسے ماخذ بنانے میں یا جسے اختیار کرنے کا انھیں حکم ہے ـــــ یہ ہے کہ مسح کی مدت مذکورہ دونوں مدتوں میں سے (حسب حال) ایک ہے، جس کا یہ خود بھی اقرار کرتے ہیں اور یہ تو محال اور باطل ہے کہ وضو میں حدث کی حالت میں مسح جائز ہو اس

www.KitaboSunnat.com

کے نہ یہ خود اور نہ دوسرے حضرات قائل ہیں۔

پھر یہ بھی مشاہدہ کی بات ہے کہ حدث کی کئی صورتیں گھڑی دو گھڑی بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک طوالت اختیار کر لیتی ہیں مثلاً براز وغیرہ اور کئی صورتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ قلیل مدت کو شامل ہوتی ہیں جیسے بول وغیرہ لہٰذا یہ قول بلا شک وشبہ یقینی طور پر ساقط ہوگیا، علاوہ ازیں نص کے بھی خلاف ہے لہٰذا یہ قطعاً ان کی دلیل نہیں بن سکتی۔

پھر ہم نے ان لوگوں کے قول پر غور کیا جن لوگوں نے مسح کی مدت مقیم کے لیے پانچ نمازیں اور مسافر کے لیے پندرہ نمازیں قرار دی ہے تو ہم نے دیکھا کہ ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں بجز اس کے کہ ایک دن میں پانچ اور تین دن رات میں کل نمازیں پندرہ ہوتی ہیں اور یہ اس کا مفہوم ہے جو صحیح نہیں اس لیے کہ اگر کسی آدمی نے زوال کے بعد ظہر کے آخری وقت میں مسح کیا، تو وہ صبح کی نماز تک مسح کر سکتا ہے، پھر وہ ضحٰی کی نماز یا ظہر تک کوئی اور نماز مسح کر کے نہیں پڑھ سکتا اور اسی طرح کسی نے صبح کی نماز کے لیے اس کے آخر وقت میں مسح کیا، تو وہ عشاء کی نماز تک مسح کر سکتا ہے پھر وہ وتر، تہجد یا صبح کی سنتیں مسح کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا حالانکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے مقیم کو ایک دن ورات کی وسیع مدّت میں مسح کی اجازت دی ہے اور ان حضرات نے ایک دن اور کچھ حصّہ رات یا ایک رات اور کچھ حصہ دن کے علاوہ سے منع فرما دیا اور یہ واضح ترین خطاء ہے۔

اور یہ بھی لازم ہوا کہ اگر کوئی شخص وضو کے بعد موزے پہن کر سو گیا اور جب بیدار ہوا تو اس پر پانچ نمازیں فرض تھیں لہٰذا وہ موزوں پر مسح کرے، وضو کرتے وقت۔ پھر جب وہ پانچ نمازیں پوری کر لے تو اس کے بعد اس کے لیے جائز نہیں کہ بقیّہ دن اور رات کے جو حصے ہیں ان میں مسح کرے اور یہ بات خلاف حدیث ہے لہٰذا بسبب مخالفت حدیث یہ قول ساقط ہے کیونکہ برہان ودلیل سے خالی ہے۔

پھر ہم نے امام احمد کے قول پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس سے یہ لازم آیا کہ اگر کوئی انسان فاسق تھا، اس نے وضو کر کے حالتِ طہارت میں موزے پہن لیے، پھر مہینہ بھر اس نے عمداً کوئی نماز نہ پڑھی۔ پھر اس نے توبہ کر لی تو اس کے لیے توبہ کے وقت سے اگر مقیم ہے تو دن رات اور اگر مسافر ہے تو تین دن رات مسح

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی نے اگر دن کو مسح کیا اور پھر کئی دن تک عمداً تارک صلوٰۃ رہا (اور پھر پڑھنی شروع کیں) تو ایک دن ورات بحالتِ اقامت مسح کر سکتا ہے، اسی طرح تین دن ورات بحالتِ سفر۔ اس طرح ایک سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک مدتِ مسح کو دراز کیا جا سکتا ہے اور یہ نص حدیث کے خلاف ہے لہٰذا یہ قول بھی ساقط ہوا اور اب صرف ہمارا قول باقی رہ گیا۔

پس جب ہم اپنے قول کا جائزہ لیتے ہیں، تو اسے حضرت عمر بن خطابؓ کے صحیح قول کے موافق پاتے ہیں۔ نیز اس باب میں جو حدیث وارد ہے اس کے مطابق بھی ہے لہٰذا یہی قول واجب الاتباع ہوا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن رات مسح کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا اگر چاہے تو مسح کرے اور اگر چاہے تو پاؤں پر پہنی ہوئی چیزوں کو اتار دے (یعنی پاؤں بھی دھولے) ان دو میں سے کسی ایک کو ضرور اختیار کرنا پڑے گا۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی چیز کافی نہیں ہوگی بحالت دیگر وہ گناہگار ہوگا اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار نہ کرے تو فاسق بھی ہوگا اور اگر مسح کرلے تو اسے اختیار ہے اور مسح کرنا ہی اچھا ہے، اگر مسح نہ کرے، تو اللہ کا نافرمان اور خطاکار ہوگا۔ اگر بھول گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی مدت گزر گئی یا کچھ باقی رہی تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر جان بوجھ کر یا بھول کر مقیم نے دن و رات اور مسافر نے تین دن ورات گزار دیے اور مسح نہ کیا یعنی وہ مدت ختم ہوگئی جس کا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تعیّن کیا ہے، تو اس کے لیے اب مسح جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ مدت ختم ہوگئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسح کا حکم دیا ہے۔

اگر کسی شخص پر تیمّم فرض تھا اور اسے پانی میسر نہ آیا اور اس نے تیمّم کر کے موزے پہن لیے، تو وہ مسح کر سکتا ہے خواہ پانی بھی اسے میسر آجائے کیونکہ تیمّم طہارتِ تامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (المائدہ ۶)

(اور (اللہ) چاہتا ہے کہ وہ تمھیں پاک کرے)

جس کے لیے تیمّم کے ساتھ نماز جائز ہے تو وہ بلاشک طاہر ہے اور جب طاہر ہے تو اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاؤں بھی طاہر ہیں اور اس نے حالتِ طہارت میں پاؤں موزوں میں داخل کیے تھے، تو اس کے لیے مسافر کی مدت مذکورہ میں مسح کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص تیمّم کے بعد موزے پہنے اور اس کے بعد محدث ہونے سے لے کر تین دن کے بعد پانی پائے تو اس کے لیے مسح جائز نہیں ہوگا کیونکہ تین دن کی مدت پوری ہوگئی۔ اس کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ بارش کے نزول کے سبب یا کسی ایسے آدمی کی موجودگی کے باعث جس کے پاس پانی ہو، مسح کر لیتا، اسی طرح اگر مدّت مذکورہ میں سے کچھ گزرنے کے بعد اس نے پانی پایا، تو اس کے لیے صرف باقی مدّت میں مسح کرنا جائز ہوگا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

جس وقت بول و براز سے فراغت حاصل کر لے، تو وضو اور مسح جائز ہے۔ اگر استنجاء پہلے نہ بھی کرے، تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ استنجاء وضو کے بعد بھی جائز ہے۔ وضو سے پہلے فرض نہیں کیونکہ قرآن و سنت میں ایسا کوئی حکم نہیں جس سے ثابت ہو کہ استنجاء وضو سے پہلے ہی فرض مؤکد ہے۔ ہمیں حکم صرف یہ ہے کہ نجاست کا ازالہ نماز سے پہلے کیا جائے خواہ وہ وضو سے پہلے ہو یا بعد، کیونکہ مُخرجَین کے کنارو پر بول و براز کا لگا رہنا باعثِ حَدث نہیں۔ باعثِ حَدث بول و براز کا مُخرجَین سے نکلنا ہے، ان کا جلد پر لگے ہونا جلد کی ناپاکی کا سبب ہے، جسے نماز میں دخول سے پہلے دھونا فرض ہے۔ پس اسی وقت وہ شمار ہوگا، اور وضو نماز کے وقت اور اس سے قبل ہر دو حالت میں جائز ہے۔ لہٰذا اس وضو کے ساتھ اسی وقت فوت شدہ نماز اور دخولِ مسجد کی دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔ اگر مقیم ہے اور دن کو اس نے وضو کیا ہے، تو اگلے دن کے اس وقت تک، اور اگر رات ہے، تو اگلی رات کے اس وقت تک مسح کر سکتا ہے۔ اگر مدتِ مذکورہ گزر گئی اور اس نے ابھی ایک ہی پاؤں پر مسح کیا تھا اور دوسرے پر بالکل نہیں کیا تھا۔ تو اس کا مسح باطل ہوگا، کیونکہ اس کا مسح جائز وقت پر نہیں ہوا بلکہ ممنوعہ وقت میں پورا ہوا۔ اور موزے اتار کر پاؤں کو دھونا فرض ہوگا، اسی طرح اگر مسافر ہے تو اس کے لیے چوتھے دن یا رات کے اس وقت تک جس میں حدث کے بعد وضو کر کے موزے پہنے تھے، مسح جائز ہوگا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۱۴- مذکورہ صدر مسائل مردوں اور عورتوں و نیز سفر جائز و ناجائز سب کے لیے یکساں ہیں

مذکورہ سب مسائل مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہیں اور سب سفروں کا بھی ایک ہی حکم ہے یعنی سفر خواہ اطاعت کے لیے ہو یا معصیت کے لیے ایک جیسا حکم رکھتا ہے، اسی طرح وہ سفر جو نہ اطاعت کے لیے ہو اور نہ معصیت کے لیے یا کم ہو یا زیادہ، ان سب کا حکم ایک جیسا ہی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی عام ہے اور اس کا حکم بھی، اگر آپ کسی سفر کی تخصیص کسی سفر یا معصیت کا طاعت سے مخصوص کرنا چاہتے تو اسے بیان فرما دیتے کیونکہ آپ کے لیے کوئی امر مانع نہ تھا اور پھر یہ بھی کہ وہ ذاتِ اقدس جس نے رزق، صحت اور سربلندی گنہگار اور اپنی رحمت کے امیدوار کو یکساں طور پر عنایت فرما رکھی ہے، وہ دین کی وسعت و کشادگی بھی سب کے لیے یکساں رکھتا ہے۔

ان مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی ہمارے قول کے مانند ہے۔

جن لوگوں نے سفر معصیت اور سفر اطاعت میں فرق کیا ہے، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ حدیث کے اعتبار سے اور نہ نظر و فکر کے لحاظ سے!

خبر کے اعتبار سے تو اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

(تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے وہ ان پر ظاہر کر دو)

اگر یہاں فی الواقع کوئی فرق ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور بیان فرما دیتے اور ہم کسی ایسی بات کا علم حاصل کرنے کے مکلّف ہی نہیں، جس کی ہمیں خبر نہیں دی گئی اور جس کی ہمیں خبر نہیں دی گئی، اس کے مطابق عمل کو بھی لازم قرار نہیں دیا گیا اور یہی وہ امر ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں۔ وللہ الحمد۔

نظر و فکر کے لحاظ سے (عدمِ تفریق) اس لیے ہے کہ کبھی کسی مقیم کی اقامت، سفر معصیت سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھ کر معصیت، ظلم اور اسلام دشمنی کا سبب ہو سکتی ہے۔ اس بات کا امکان بھی ہوتا ہے کہ مسافر سفر معصیت میں بعض اعمالِ اطاعت سرانجام دے لے مثلاً وضو جس میں مذکورہ مسح ـــ جس سے انھوں نے روکا ہے ـــ عملِ اطاعت ہے اور پاؤں کا دھونا ـــ جس کا انھوں نے حکم دیا ہے ـــ یہ بھی عملِ اطاعت ہے۔ پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ان حضرات نے مقیم عاصی کے لیے حالتِ اقامت میں مسح کی اجازت دی ہے لہٰذا (سفر معصیت و اطاعت کی تفریق والا) قول ایک دم ہی فاسد ہے۔

اگر یہ حضرات یہ کہیں کہ مسح تو رخصت اور رحمت ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ گنہگار کو بعض اعمالِ اطاعت بجالاتے ہوئے اللہ کی رحمت سے صرف جاہل اور بے علم ہی محروم کر سکتا ہے۔ اس کا قائل اس کا علم نہیں رکھتا۔ ہر وہ سفر جس میں نماز قصر کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہو اس میں مسح سفر بھی کیا جا سکتا ہے اور جس سفر میں نماز قصر کے ساتھ نہ پڑھی جا سکتی ہو، وہ سفر نہیں بلکہ حضر و اقامت ہے، اس میں مسح کی مدّت بھی وہی ہوگی، جو مقیم کے لیے ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

۲۱۵۔ ایک پاؤں دھونے کے بعد موزے میں داخل کرنا

اگر کسی شخص نے وضو کیا اور ایک پاؤں دھونے کے بعد اس میں موزہ پہن لیا اور پھر دوسرا پاؤں دھویا اور اس میں موزہ پہن لیا اور پھر بے وضو ہو گیا تو اس کے لیے مسح کرنا جائز ہوگا جیسا کہ دونوں پاؤں دھونے کے بعد موزے پہن کر ان پر مسح کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، داؤد ظاہریؒ اور ان دونوں کے اصحاب کا یہی مسلک ہے۔ و نیز یہی قول یحییٰ بن آدم، ابو ثور اور مُزنی کا ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ اس طرح موزے پہنے ہوں، تو مسح نہیں کر سکتا لیکن اگر پہلے پہنے ہوئے موزے کو اتار کر دوبارہ فوراً پہن لے، تو پھر مسح کر سکتا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

ان دونوں فریق کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ:۔

دَعْهُمَا فَاِنِّی اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ

(انھیں چھوڑ دیجیے کیونکہ میں نے پاؤں کو بحالتِ طہارت موزوں میں داخل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب دونوں اقوال کی دلیل ایک ہے تو ضروری ہوا کہ نظر و فکر کے بعد یہ جائزہ لیا جائے کہ وہ کونسا قول ہے جو اس ارشادِ نبوی سے زیادہ قریب تر ہے۔ پس جس شخص نے ایک پاؤں دھویا اور موزہ پہن لیا اس نے ابھی تک ایک موزہ ہی پہنا ہے، اور دوسرا پاؤں موزے میں داخل نہیں کیا ہے بلکہ ایک ہی داخل کیا ہے۔ جب وہ دوسرا پاؤں دھوکر دوسرا موزہ بھی پہن لے گا، تو وہ اس امر کا مستحق ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس نے دونوں پاؤں میں بحالتِ طہارت موزے پہن لیے ہیں۔ اس سے قبل وہ اس وصف کا مستحق نہیں تھا لہٰذا اب اس کے لیے جائز ہے کہ ان پر مسح کرے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ ہوتا، جس کی طرف مالکؒ اور شافعیؒ گئے ہیں تو آپ مذکورہ الفاظ نہ فرماتے بلکہ یہ ارشاد فرماتے کہ انھیں چھوڑ و کیونکہ میں نے ان دونوں کو دھونے کے بعد اکٹھا موزوں میں داخل کیا ہے، تو جب آپ نے یہ نہیں فرمایا تو پھر ہر اس انسان کے لیے بعد حدث مسح جائز ہے، جس نے بحالتِ طہارت موزے پہنے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ موزے اتار کر فوراً پہن لینے سے وہ کون سی طہارت پیدا ہو جاتی ہے جو پہلے نہ تھی اور کس شرعی حکم پر عمل ہوا جو پہلے رہ گیا تھا۔ اگر کوئی ایسی کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ بالکل بے دلیل ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۱۶ پھٹے ہوئے موزوں پر مسح جائز ہے

اگر موزوں میں یا جو کچھ پاؤں میں پہنا ہو، کوئی سوراخ ہو، چھوٹا ہو یا بڑا، طول کی طرف ہو یا عرض کی طرف اور اس سے پاؤں ظاہر ہو رہا ہو خواہ تھوڑا یا بہت، یا دونوں میں ہو، تو یہ سب صورتیں یکساں ہیں اور ان تمام صورتوں میں اس وقت تک ان پر مسح جائز ہے، جب تک وہ پاؤں کے ساتھ لگے رہیں۔ امام سفیان ثوریؒ، داؤد ظاہریؒ، ابوثورؒ، اسحاق بن راہویہ اور یزید بن ہارونؒ[1] کا بھی یہی قول ہے۔

مختلف ائمہ کے مسالک :۔

---

[1] یزید بن ہارون واسطی مراد ہیں، جن کی کنیت ابو خالد ہے۔ مشہور حفاظ و اعلام میں سے ایک ہیں۔ ۲۰۶ھ میں مامون کے دورِ خلافت میں انتقال ہوا۔ مصری نسخہ میں یہ نام زید بن ہرون ہے جو کہ غلط ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہر ایک موزے میں عرض کی طرف اتنا سوراخ ہو کہ اس سے دو انگلیاں ظاہر ہوں یا کم یا دو انگلیوں کے بقدر سوراخ ہو یا اس سے کم تو ان پر مسح جائز ہوگا اور اگر ایک موزے میں سوراخ ہو، دوسرے میں نہ ہو اور وہ بھی تین انگلیوں کے بقدر یا تین انگلیاں ظاہر ہوں، یا اس سے زیادہ، تو ان پر مسح جائز نہ ہوگا۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر موزے میں طول کے رخ اتنا سوراخ ہو کہ اگر اسے کھولا جائے، تو تین سے زیادہ انگلیاں ظاہر ہو جائیں تو مسح جائز ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر سوراخ چھوٹا ہو کہ اس سے پاؤں ظاہر نہ ہوتا ہو تو مسح جائز ہے اور اگر سوراخ نمایاں اور بڑا ہو تو مسح جائز نہیں خواہ سوراخ ایک موزے میں ہو یا دونوں میں ہو۔

امام حسن بن حیؒ، شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر سوراخ کے باعث پاؤں کا کچھ حصہ ننگا ہو تو مسح جائز نہ ہوگا اور اگر موزوں کے سوراخ کے باعث پاؤں کا کوئی، یا کچھ حصہ ننگا نہ ہو تو مسح جائز ہوگا۔ حسن بن حیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ موزے میں سوراخ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا لیکن اگر موزے کے نیچے جراب پہنی ہوئی ہو جس نے پاؤں کو چھپا رکھا ہو تو مسح جائز ہے۔

اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر موزے میں سوراخ کے باعث پاؤں ننگا ہوتا ہو تو موزوں پر مسح کرلے اور کھلا ہوا حصہ ایک پاؤں یا دونوں کا دھولے اور پھر نماز پڑھے اور اس صورت میں اگر سوراخ کی جگہ دھونے کے بغیر ہی نماز پڑھ لی تو اسے نماز دوہرانا پڑے گی۔

امام ابن حزم کا نقد و تبصرہ :۔

اس مسئلہ میں چونکہ اختلاف ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ہر ایک گروہ کے دلائل کا تجزیہ کریں؛ چنانچہ امام مالکؒ کا قول بے معنی ہے کیونکہ آپ نے ایک حالت میں مسح کی ممانعت کی ہے اور دوسری حالت میں مسح کو جائز قرار دیا ہے لیکن اپنے مقلدین، آپ کے قول کی معرفت کا ارادہ کرنے والوں اور فتویٰ طلب کرنے والوں کے لیے آپ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کس حالت میں مسح جائز اور کس میں حرام ہے۔ گویا آپ نے سائل کو کوئی قطعی فتویٰ نہیں دیا بلکہ اسے حیران و سرگردان کر دیا ہے اور مزید برآں یہ کہ یہ ایسا قول ہے جس کی صحت کی کوئی دلیل نہیں اور دعویٰ بلا برہان ہے لہٰذا یہ قول ساقط ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہؒ کا قول بلا دلیل اور محض تحکم ہے۔ آپ نے جو فرق بیان کیا ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اس قسم کی بات ہر شخص کہہ سکتا ہے لیکن دین میں اس طرح کی بات بالکل حلال نہیں! چھوٹے اور بڑے کی انگلیوں کے مابین بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ اے کاش! معلوم ہو کہ آپ کے پیش نظر کس قسم کی انگلیاں ہیں! یہ قول فاسد ہے، آپ سے پہلے کسی نے یہ نہیں کہا لہٰذا یقینی طور پر یہ قول بھی ساقط ہوا۔

حسن بن حیؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر پاؤں ننگے ہوں تو انھیں دھونا فرض ہے اور اگر مستور ہوں، تو ان پر مسح کرنا فرض ہے تو جب پاؤں ننگے ہوں خواہ تھوڑی سی مقدار میں تو گویا ایسی چیز ننگی ہے، جس کا دھونا فرض ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی پاؤں کا دھونا بھی فرض ہو اور اس پر مسح کرنا بھی فرض ہو، اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی دلیل بھی نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

ان ائمہ کرام نے جو کچھ فرمایا صحیح ہے بجز اس کے کہ جب پاؤں میں سے کچھ حصہ ظاہر ہو جائے تو گویا ایسی چیز ظاہر ہوئی ہے جسے دھونا فرض ہے۔ یہ قول صحیح نہیں اور اس پر ان کی موافقت نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کی تائید میں قرآن و سنت اور اجماع اُمت سے کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلے میں حق بات وہی ہے جس کا سنت میں ذکر ہے اور سنت قرآن مجید کی توضیح و تشریح کی حیثیت رکھتی ہے۔ سنت میں یہ ہے کہ جب پاؤں پر کوئی چیز نہ پہنی ہوئی ہو تو ان کا حکم یہ ہے کہ انھیں دھویا جائے اور جب ان پر کوئی چیز پہنی ہوئی ہو تو پھر حکم یہ ہے کہ ان پر مسح کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مریم: ۶۴)

(اور تمھارا پروردگار بھولنے والا نہیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا۔ جب آپ نے موزے اور پاؤں میں پہنے ہوئے لباس اور جرابوں پر مسح کا حکم دیا کہ موزے، جرابیں وغیرہ کم و زیادہ پھٹے ہوئے اور سوراخ والے اور سرخ، سیاہ، سفید نئے پرانے سب ہوتے ہیں۔ پھر بھی آپ نے ان میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی (تو معلوم ہوا کہ سب کا حکم ایک ہے) اگر حکم مختلف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی بابت آپ کی طرف ضرور وحی نازل فرماتا اور آنحضرت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا بیان کرنا فرض تھا۔ جب آپ نے نہیں بیان کیا تو معلوم ہوا کہ ان سب صورتوں میں حکم صرف یہ ہے کہ مسح کیا جائے اور مسح کا معنی اس لغت میں، جس میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ سارے پاؤں پر ہی مسح کیا جائے۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے بھی اسی طرح روایت ہے کہ جب تک موزے کو موزا کہا جا سکتا ہو، اس پر مسح کرتے رہو اور پھر یہ کہ مہاجرین وانصار کے موزے پھٹے ہوئے ہی تو ہوتے تھے۔

امام اوزاعیؒ کے قول کا تجزیہ ہم اس کے بعد والے مسئلہ میں کریں گے اور ہم اللہ تعالیٰ ہی سے اس کی تائید چاہتے ہیں۔

۲۱۷۔ ٹخنے سے نیچے مقطوعہ موزے پر مسح

اگر موزے ٹخنوں سے نیچے کٹے ہوں تو بھی ان پر مسح جائز ہے، اوزاعی کا بھی یہی قول ہے، آپ سے روایت ہے کہ ٹخنوں سے نیچے کٹے ہوئے موزوں پر مُحرم مسح کرے گا، امام اوزاعی کے علاوہ دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ موزوں پر مسح صرف اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب وہ ٹخنوں سے اوپر ہوں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

صحیح اسانید سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کا حکم دیا ہے اور آپ نے جرابوں پر بھی مسح کیا ہے، اگر اس سلسلے میں کوئی حد مقرر ہوتی تو آپ اسے یقیناً بیان فرما دیتے اور مہمل نہ چھوڑتے، تو ثابت ہوا کہ وہ ہر چیز جسے موزا یا جراب کہا جا سکے، یا جسے پاؤں پر پہنا جا سکے، اس پر مسح جائز ہے۔

ہم ان حضرات کے قول کا باطل ہونا ذکر کر چکے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مسح صرف اسی چیز پر جائز ہے جو تمام پاؤں اور ٹخنوں کو چھپا لے؛ چنانچہ اسی دلیل سے ان کا یہ قول بھی جو اس مسئلے میں ہے باطل ہوا۔ خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کا قول جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر موزے سے دو انگلیوں کے بقدر جگہ ننگی ہو تو مسح جائز ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر قدم کے دونوں ٹخنوں میں سے موزے کے اوپر اگر دو انگلیوں کے بقدر جگہ ننگی ہے تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں!

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسی طرح مالکیوں پر لازم آتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ اگر موزے کے اوپر ٹخنوں میں سے ظاہر ہونے والا حصہ تھوڑا ہے تو مسح جائز ہے اور اگر ظاہر ہونے والا حصّہ بہت ہی نمایاں ہے، تو مسح جائز نہیں! لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں قولوں کی بنیاد کس چیز پر ہے کیونکہ اس سلسلے میں نہ کوئی نص ہے، نہ قیاس اور نہ اتباع۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

امام اوزاعیؒ کا قول جنھوں نے ایک ہی پاؤں میں دھونے اور مسح کرنے کے تمام احکام جاری کردیے ہیں، اس کی صحت پر بھی کوئی دلیل نہیں۔ نہ نص سے، نہ اجماع سے، نہ قیاس اور نہ کسی صحابی کے قول سے۔ پاؤں پر کوئی چیز پہنی ہوئی ہو تو اس کا حکم سنن ثابتہ سے صرف مسح ہے۔ لہٰذا مسح کے ساتھ دھونے کی زیادتی کا حکم بے معنی یعنی لغو ہے۔

۲۱۸۔ بحالتِ طہارت موزے پہننے کے بعد اگر اتار دے؟

اگر کسی شخص نے موزے اور جرابیں وغیرہ بحالتِ طہارت پہن لیے اور پھر اُن میں سے ایک کو پاؤں سے اُتار دیا اور وہ بے وضو ہے، تو اسے دوسری جراب بھی اتار کر پاؤں کو دھونا پڑے گا۔

مُعافی بن عمرانؒ اور محمد بن یوسف فریابی نے سفیان ثوریؒ سے روایت کی ہے کہ (اس صورت مذکورہ) میں وہ ننگے پاؤں کو دھولے اور دوسرے پر مسح کرے جبکہ فضل بن دُکین نے آپ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ دوسرے پاؤں سے بھی موزے کو اتارے اور دونوں پاؤں کو دھوئے۔ ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:۔

ان اقوال کے جائزہ کے سلسلے میں جب ہم نصوص کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پاؤں پر مسح فرمایا تھا کیونکہ آپ نے انھیں بحالتِ طہارت موزوں میں داخل کیا تھا اور جب پاؤں ننگے ہوں تو پھر آپ کا ارشاد یہ ہے کہ انھیں دھویا جائے۔ پس یہ دو نص ہیں، ان دونوں سے باہر نکلنا جائز نہیں لہٰذا جو شخص ایک پاؤں کو دھوتا اور دوسرے پر مسح کرتا ہے تو وہ ایسے امر کا ارتکاب کرتا ہے جس کا قرآن وسنت میں کوئی تذکرہ نہیں اور نہ ان دونوں کے الفاظ سے اس پر کوئی دلیل ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین میں تو صرف وہی بات جائز ہے جو کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ایک پاؤں کو دھو لیا جائے اور دوسرے پر مسح کر لیا جائے یا دونوں کو دھونا چاہیے یا دونوں پر مسح کرنا چاہیے دونوں حالتیں یکساں ہیں ابتدا ہو یا مسح کے بعد، دونوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۲۷۰- [ہم سے یونس بن عبداللہ از ابوعیسیٰ از احمد بن خالد از ابن وضاح از ابن ابی شیبہ از عبداللہ اودی از ابن عجلان از سعید مقبری بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا لَبِسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنَى، وَإِذَا خَلَعَهُ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُسْرَى. وَلَا يَمْشِي فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَلَا خُفٍّ وَاحِدَةٍ، لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيَمْشِ فِيهِمَا جَمِيعًا۔

(جب تم میں سے کوئی پہنے تو دائیں طرف سے آغاز کرے اور جب اتارے تو پھر بائیں طرف سے آغاز کرے، کوئی ایک جوتے میں نہ چلے اور نہ ایک موزے میں، یا دونوں کو اتارے یا دونوں کو پہن کر چلے۔

(ابن ابی شیبہ فی المصنف۔ وابن ماجہ فی اللباس مختصراً)

(اس حدیث سے معلوم ہوا کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (موزوں اور جوتوں کے سلسلے میں) یہ فرض قرار دیا ہے کہ یا دونوں کو پہنا جائے یا دونوں کو اتار دیا جائے۔ اگر کسی نے ایک کو اتارا اور دوسرے کو باقی رکھا تو اس نے اس کو باقی رکھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور جب ایک موزہ نہ اتارنے سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر مسح کرنا حلال نہیں ہوگا جس کا اتارنا فرض ہے اور اگر پاؤں میں کسی تکلیف کے باعث ایسا کرنا پڑا ہے، تو پھر اس پر فرض نہ غسل ہے اور نہ مسح کیونکہ اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو چکا ہے۔

ہمارے بعض موافقین نے دلیل یہ دی ہے کہ جب ابتداءِ وضو میں کسی نے یہ جائز نہیں رکھا کہ ایک پاؤں کو دھویا جائے اور دوسرے پر مسح کر لیا جائے تو ایک موزہ اتارنے کے بعد بھی یہ جائز نہ ہوگا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

یہ کلام بالکل فاسد ہے کیونکہ ابتداء وضو میں تو پاؤں غیر طاہر ہوتے ہیں (لہٰذا اس پر مسح جائز نہیں) لیکن جب طہارت کے بعد انہیں موزوں میں داخل کرنے کے بعد جب اسی پر مسح جائز ہوا تو دونوں امر یکساں نہیں ہوئے۔ گویا ان دونوں صورتوں کے مابین نمایاں فرق ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۱۹۔ مسح کے بعد موزوں کو اتارنا

مذکورہ احکام و مسائل کے مطابق اگر کسی نے پاؤں پر پہنی ہوئی چیزوں پر مسح کیا اور پھر اس نے ان موزوں وغیرہ کو اتار دیا تو یہ امر اس کے لیے کچھ نقصان دہ نہیں ہے، اس پر وضو یا پاؤں دھونے کا اعادہ نہیں ہے بلکہ یہ حالتِ طہارت ہی میں ہے جیسا کہ پہلے بھی تھا، نماز بھی ادا کر سکتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے عمامہ اور دوپٹہ وغیرہ پر مسح کیا اور پھر انھیں اتار دیا تو اس پر بھی نہ وضو کا اعادہ فرض ہے اور نہ سر کا مسح بلکہ وہ پہلے کی طرح بحالتِ طہارت ہے اور نماز بھی ادا کر سکتا ہے۔

اگر کسی نے ڈبل موزے پہنے ہوں اور پھر اوپر والوں کو اتار دے تو کوئی حرج نہیں، وہ مسح دوہرائے بغیر نماز پڑھ سکتا ہے، اسی طرح اگر کسی نے وضو و غسل کے بعد بال کٹوائے یا منڈوائے یا ناخن ترشوائے، ان تمام صورتوں میں وہ باوضو و طاہر ہے ان جگہوں پر دوبارہ مسح کیے بغیر ہی نماز ادا کر سکتا ہے۔ یہ سلف میں سے ایک جماعت کا قول ہے جیسا کہ عبدالرزاقؒ نے سفیان ثوریؒ، اس نے ہشام بن حسان سے روایت کیا ہے۔

نیز سفیان ثوریؒ نے فُضَیل بن عمروؒ[1] سے اور اُنھوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ آپ بے وضو ہونے کے بعد چمڑے کے بنے ہوئے موزوں پر مسح کرتے، پھر انھیں اتار دیتے اور جب نماز کا ارادہ کرتے تو انھیں پہن کر نماز پڑھ لیتے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے وضو کیا اور پھر اپنے موزوں پر مسح کیا اور پھر پاؤں کو پنڈلی تک موزے سے نکال لیا، خواہ ایک پاؤں کو نکالا یا دونوں کو، تو اس کا مسح باطل ہو جائے گا، اس کے لیے ضروری ہو گا کہ اپنے پاؤں کو بالکل باہر نکال لے اور انھیں دھوئے اور اسی طرح اگر کوئی بالکل اپنے پاؤں کو موزوں سے باہر نکال لے، تو اس کا مسح بھی باطل ہو گا۔

---

[1] فُضَیل تصغیر کے ساتھ ہے، مراد فُضَیل بن عمرو فقیمی ہیں، جو کہ ثقہ ہیں۔ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ مصری نسخہ میں یہ نام فضل بن عمر اور یمنی میں فضل بن عمرو ہے جو کہ دونوں ہی غلط ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص نصف پاؤں سے زیادہ حصے کو باہر نکال لے، تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کسی نے موزوں پر جرابیں پہنی ہوں اور ان پر مسح کیا ہو پھر وہ جرابوں میں سے ایک کو اتارے تو اس صورت میں وہ دونوں پر مسح کرے کیونکہ مسح کا جب کچھ حصہ ٹوٹ جاتا ہے، تو سارا مسح ہی ٹوٹ جاتا ہے، نیز وضو کرنے کے بعد اگر کوئی اپنے بال کو توڑ لے، مونچھ کتر والے یا ناخن کٹوا لے، تو وہ بدستور حالتِ طہارت میں ہے، اس کے لیے ان میں سے کسی چیز کے لیے پانی کا استعمال ضروری نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے موزوں پر مسح کیا، پھر ان میں سے ایک کو اتار دیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے کو بھی اتار دے اور پاؤں کو دھوئے، اسی طرح اگر دونوں کو اکٹھا اتار دے یا ایک کو نکالے یا پھر دونوں کو قدم کی جگہ سے لے کر پنڈلی تک موزوں سے باہر نکال دے تو اس کو لازم ہے کہ دونوں پاؤں نکال لے اور انھیں دھوئے، اگر فوری طور پر پاؤں نہ دھو سکے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وضو از سر نو کرے۔ وضو کرنے کے بعد اگر اس نے کوئی بال توڑ لیا یا ناخن کاٹ لیا تو اس کے لیے پانی وغیرہ کا استعمال ان چیزوں کے لیے ضروری نہیں۔ امام مالکؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے دونوں یا ایک ایڑی کو پاؤں کی جگہ سے نکال کر پنڈلی تک برہنہ کر لیا، تو اُس کے لیے پاؤں کو باہر نکالنا ضروری نہیں کیونکہ وہ حالتِ طہارت میں ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے ایک موزہ اتار دیا اس کے لیے دوسرے کو اتارنا اور پاؤں کا دھونا ضروری ہے، اسی طرح اگر دونوں کو اتار دے تو پھر بھی پاؤں کو دھونا پڑے گا۔ اگر کسی نے اپنے دونوں پاؤں کو ان کی جگہ سے نکال لیا لیکن پاؤں کو یا پاؤں کے کسی حصّہ کو موزے کی پنڈلی کی جگہ سے نہ نکالا، تو وہ بدستور حالتِ طہارت میں ہے۔ اس پر کوئی شے واجب نہیں تاوقتیکہ وہ کسی ایسے حصّہ کو تمام موزے سے نہ نکالے جس کا دھونا واجب ہے (اگر وہ کسی ایسے حصّے کو برہنہ کرے جس کا دھونا واجب ہے) تو اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں موزوں کو اتار دے اور پاؤں کو دھوئے۔ اگر کسی نے وضو کرنے کے بعد بال توڑ لیا یا ناخن کاٹ لیا، تو وہ بدستور حالتِ طہارت میں ہے اور اس کے لیے پانی کا استعمال ضروری نہیں۔ (یعنی اس کا وضو قائم ہے)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اگر موزے اتار دے، یا بال توڑ ڈالے یا ناخن کاٹ لے تو موزے اتارنے کی صورت میں از سر نو وضو کرنا ضروری ہوگا، سر پر مسح نہیں کرنا پڑے گا لیکن بال کے ٹوٹنے یا ناخن کے کٹنے کی جگہ پر پانی لگانا پڑے گا، عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ اسی طرح اوزاعی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی نے عمامہ پر مسح کیا اور پھر اسے اتار دیا تو وہ پھر سے پانی کے ساتھ سر کا مسح کرے

امام ابن حزم کا نقد وتبصرہ بر اقوالِ ائمہ:۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا یہ قول کہ اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اگر نصف سے زیادہ قدم موزے سے باہر نکلا تو پھر اس کے لیے پاؤں کو دھونا ضروری ہوگا اور نصف یا نصف سے کم نکلا تو پھر پاؤں کا دھونا ضروری نہیں ہوگا۔ یہ صریحاً دین میں تحکم ہے۔ نیز ایسی شریعت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ نہ قرآن وسنت نے اس کو واجب کیا۔ نہ قیاس کا تقاضا ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے اور نہ رائے کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ حضرات کبھی تو نصف سے زیادہ کو کثیر کہتے ہیں، کبھی ثلث، کبھی ربع، کبھی مربع بالشت اور کبھی بقدر درہم سے اکثر کو کثیر کہتے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ مغالطہ آرائیاں ہیں۔

امام مالکؒ نے جو یہ فرق کیا ہے کہ اگر ایڑی پنڈلی کی جگہ تک ظاہر ہو تو مسح نہیں ٹوٹے گا اور اگر تمام پاؤں پنڈلی تک ظاہر ہوگیا تو مسح ٹوٹ جائے گا، یہ بھی محض تحکم ہے اور ایسی بات کہنا ہی جائز نہیں۔ نہ قرآن نے اسے واجب قرار دیا ہے اور نہ صحیح وسقیم سنت میں اس کا تذکرہ ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے اور نہ قیاس ورائے کا تقاضا! کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ وضو میں ایڑی کو باقی رکھا جائے تو وضو نہیں ہوتا۔ اور ایسا کرنے والا غیر طاہر ہے۔ اگر مسح ایڑی کے موضعِ قدم تک ظاہر ہونے سے ٹوٹتا ہے، تو ایڑی کے پنڈلی تک نمایاں ہونے کے باعث بھی ضرور ٹوٹنا چاہیے اور اگر مسح ایڑی کے پنڈلی تک نمایاں ہونے کے باعث نہیں ٹوٹتا تو پاؤں کے پنڈلی تک نمایاں ہونے کے باعث بھی نہیں ٹوٹنا چاہیے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔

ان سب حضرات نے جو یہ فرق کیا ہے کہ اگر موزوں پر مسح کیا جائے اور پھر انھیں اتار دیا جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا اور وضو مکمل کرنا ضروری ہوگا لیکن اگر اس نے وضو کرنے کے بعد کوئی بال توڑ لیا یا ناخن کاٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا تو اس سے بال یا ناخن کی جگہ کا دھونا یا سر کا مسح ضروری نہیں، تو یہ تفریق فاسد ہے اور واضح تناقض بھی ہے، اس کے برعکس اگر کوئی انسان بال کاٹنے کے باعث سر کا مسح اور ناخن کاٹنے کے سبب ناخنوں کو پانی لگانا واجب قرار دے لیکن موزے آتارنے والے کے لیے مسح ضروری قرار نہ دے (حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں) تو ان دو قولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

اس مسئلہ سے متعلق ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے الّا یہ کہ بعضوں نے کہا ہے کہ وضو میں مسح رأس اور غسل قدمین سے مقصود سر اور انگلیاں ہیں، بال اور ناخن نہیں لہٰذا جب بال ٹوٹ جائے یا ناخن کاٹ دیا جائے تو وضو بدستور برقرار رہتا ہے لیکن مسح تو موزوں پر کیا جاتا ہے پاؤں پر نہیں، جب موزے اتار دیے جائیں تو پاؤں (بغیر دھوئے و مسح کیے) باقی رہیں گے اور اگر کوئی اس حالت میں نماز پڑھ لے تو اس نے گویا بے وضو نماز ادا کی ہے کیونکہ اس کے پاؤں نہ تو دھوئے ہوئے تھے اور نہ مسح شدہ تھے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ باطل اور باطل تحکم ہے اور اگر اس کے برعکس ان سے یہ کہا جائے کہ مسح رأس اور غسل اظفار (ناخن) سے مقصود بال اور ناخن ہی ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر بالوں یا ناخنوں پر مہندی لگی ہوئی ہو تو وضو جائز نہ ہوگا اور موزوں کے مسح سے مقصود موزے نہیں بلکہ پاؤں ہیں کیونکہ اگر پاؤں نہ ہوتے تو موزوں پر مسح جائز نہ ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ درست بات یہ ہے کہ جب پاؤں ننگے ہوں تو ان کا حکم یہ ہے کہ انھیں دھویا جائے اور اگر موزے پہنے ہوئے ہوں تو پھر پاؤں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ تو ان دونوں باتوں میں کیا فرق ہوگا۔

پھر ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ بالفرض اگر تمھارے قول کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مسح سے مقصود موزے اور وضو میں مسح سے مقصود سر ہے اور ہاتھوں کے دھونے سے مقصود انگلیاں ہیں، ناخن نہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اور اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ موزے اتارنے سے مسح دوہرایا جائے گا لیکن بال کاٹنے سے مسح دوبارہ نہیں کرنا پڑے گا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امام ابن حزم فرماتے ہیں: (ہمارے بیان سے) اس قول کا فساد ظاہر ہو گیا۔ پھر ان سبھوں کا یہ کہنا کہ اس صورت میں وہ نماز ایسی حالت میں ادا کرے گا کہ اس نے نہ پاؤں دھوئے ہوئے ہوں گے اور نہ ان پر مسح کیا ہو گا، یہ بھی باطل ہے بلکہ وہ نماز ایسی حالت میں ادا کرے گا کہ اس نے اپنے پاؤں پر پہنے ہوئے موزوں پر مسح کیا ہو گا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

یہ قول بھی باطل ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اسی طرح ان کا یہ قول کہ صرف اپنے پاؤں کو دھوئے بھی یقینی طور پر باطل ہے۔ کیونکہ ان کے اقرار کے باعث اس کا وضو مکمل اور اس کے لیے نماز جائز ہے پھر تم اب اسے صرف پاؤں دھونے کا حکم دے رہے ہو حالانکہ صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، تیسری کوئی نہیں۔ یا تو یہ کہ اس کا وضو جو پہلے مکمل تھا، اب باطل ہو چکا ہے یا باطل نہیں ہوا، اگر باطل نہیں ہوا تو یہ ہمارا قول ہے اور اگر باطل ہو گیا ہے تو اسے از سرِ نو وضو کرنا ہو گا ورنہ یہ باطل اور محال قول ہے، جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ پہلے تو اس کا وضو مکمل تھا مگر اب وضو کا کچھ حصّہ ٹوٹ گیا ہے اور کچھ باقی ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے جسے نہ تو نص نے واجب قرار دیا ہے، نہ قیاس نے اور نہ صحیح رائے نے لہٰذا یہ سب اقوال باطل ہوئے۔ اب صرف ہمارا اور اوزاعیؒ کا قول باقی رہ گیا ہے۔

ان دونوں اقوال کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں، تو نص قرآن و سنت کی روشنی میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے وضو کیا اور عمامہ اور موزوں پر مسح کر لیا تو اس کا وضو مکمل ہے، حَدَث ختم ہو گیا اور اس کے لیے نماز پڑھنا جائز ہے۔ ہمارے مخالفین کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جس نے سر اور موزوں کا مسح کیا پھر اس نے جب موزوں اور عمامہ کو اتار دیا، سر کو منڈوا لیا، یا سر کے بالوں اور ناخنوں کو کٹوا لیا تو بقول بعض اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔

جب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا، ناخنوں کو ترشوانا اور موزوں اور عمامہ کا اتارنا حَدَث نہیں ہے اور طہارت فقط اَحْدَاث سے ٹوٹتی ہے یا پھر کوئی ایسی نص وارد ہو جس سے معلوم ہو کہ اب طہارت ٹوٹ گئی ہے، یہاں نہ کوئی حدث تھا اور نہ کوئی ایسی نص جس سے معلوم ہو کہ طہارت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹوٹ گئی ہے یا طہارت کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہے پس یہ قول بھی باطل ہوا۔

اور صحیح قول یہی ہے کہ اس کی طہارت برقرار ہے، جب تک وضو نہ ٹوٹے وہ نماز پڑھ سکتا ہے، اسے نہ سر کے مسح کی ضرورت ہے اور نہ پاؤں دھونے یا وضو کے دہرانے کی، ان امور کے باعث جو دوبارہ وضو کرنا واجب قرار دیتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چلنے پھرنے، گفتگو کرنے یا قمیص اتارنے سے وضو واجب قرار دے اور ان دو صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۲۰۔ حالتِ طہارت میں موزے پہننا بہت بہتر ہے

جس نے حالتِ طہارت میں موزے پہنے تاکہ ان پر مسح کرے یا پاؤں پر کوئی خضاب یا دوا وغیرہ لگائی پھر موزے پہن لیے تاکہ مسح کر سکے یا سر پر کوئی دوا یا خضاب وغیرہ لگایا پھر عمامہ اور دوپٹہ وغیرہ پہن لیا تاکہ مسح کرے تو یہ بہت بہتر ہے کیونکہ ان سب صورتوں میں مطلقاً مسح کرنے کے لیے نص وارد ہے اور شریعت نے ان میں سے کسی صورت میں بھی مسح سے منع نہیں کیا۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ (مریم: ۶۴) (اور تمھارا پروردگار بھولنے والا نہیں)

بعض متقدمین کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جس نے وضو کر کے موزے پہن لیے تاکہ رات کو بھی پہنے رکھے اور ان پر مسح کرے، تو اس کے لیے مسح جائز نہ ہوگا اور ان کا یہ قول صحیح نہیں بلکہ دعویٰ بلا دلیل و بے برہان ہے اور سنت کو بلا دلیل تخصیص کرنا ہے اور ہر وہ قول باطل ہے جس کی صحت نص سے ثابت نہ ہو۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۲۱۔ حضر میں مسح کرنے کے بعد سفر یا سفر میں مسح کے بعد اقامت

جس شخص نے حضر میں مسح شروع کیا اور پھر دن رات کی مدت پوری ہونے سے پہلے یا بعد سفر شروع کر دیا تو وہ مسح کو جاری رکھے اور سفر و حضر کی کل مدتِ مسح تین دن و رات ہوں گی، اس مدّت کے بعد پھر اس کے لیے مسح جائز نہ ہوگا۔

اگر سفر میں مسح شروع کیا، پھر اقامت اختیار کر لی یا اپنی جگہ واپس آگیا اور سفر میں دو دن اور رات یا اس سے کم مدت مسح کر چکا تو وہ اب ایک دن رات کے مسح کا آغاز کرے، پھر مسح جائز نہ ہوگا۔ اگر حالتِ سفر میں تین

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دن ورات سے کم اور دو دن رات سے زیادہ مسح کر چکا ہے تو تیسرے دن رات کے باقی حصے میں مسح کر سکتا ہے، اس کے بعد مسح جائز نہ ہوگا۔ اور اگر حالتِ سفر میں تین دن ورات کی پوری مدت میں مسح کر چکا ہے، تو پھر اس کے لیے ضروری ہوگا کہ موزوں کو اتار لے اور اب جب تک پاؤں کو دوبارہ دھو نہ لے، مسح حلال نہ ہوگا۔

اس کی دلیل وہ ارشاد نبوی ہے، جو ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن ورات، اور مقیم کے لیے ایک دن ورات کی مدت برائے مسح متعین فرمائی ہے، تو یقینی طور پر یہ بات درست قرار پائی کہ آپ نے کسی کو مسافر ہو یا مقیم تین دن رات سے زیادہ عرصہ مسح کرنے کی اجازت عنایت نہیں فرمائی، آپ نے ابتداءِ مسح سے منع کیا ہے، مسح متقدم کے ساتھ نماز سے منع نہیں کیا، پس ہمارا قول درست ثابت ہوا۔

اگر کسی نے حضر میں ایک دن رات مسح کیا، پھر سفر شروع کر دیا اور پھر سفر میں ایک دن رات مکمل کرنے سے پہلے یا بعد واپس لوٹ آیا، تو اب اس کے لیے مسح بالکل جائز نہیں ہوگا کیونکہ اگر وہ مسح کرے تو گویا وہ حالتِ حضر میں ایک دن رات سے زیادہ مدت کے لیے مسح کرنا چاہتا ہے اور یہ بالکل حلال نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس مقیم آدمی نے مسح شروع کیا اور دن ورات کی مدت کی تکمیل سے قبل ہی سفر شروع کر دیا تو وہ تین دن ورات تک مسح کر سکتا ہے۔ مدتِ مسح کا آغاز حالتِ اقامت میں بے وضو ہونے کی مدت سے ہوگا۔ اگر اس نے حضر میں دن ورات کی مدت کی تکمیل کر لی اور پھر سفر شروع کیا تو اس کے لیے مسح جائز نہ ہوگا بلکہ پاؤں کو دھونا ضروری ہوگا۔

نیز فرمایا اگر سفر میں ایک دن رات یا اس سے زیادہ مدت تک مسح کیا اور پھر مسافر واپس آگیا یا اس نے اقامت اختیار کر لی تو اس کے لیے مسح جائز نہ ہوگا بلکہ ضروری ہوگا کہ ایک دفعہ پاؤں کو دھوئے۔ اگر بحالتِ سفر اس نے دن ورات سے کم مدت مسح کیا ہے اور پھر واپس آگیا یا اقامت اختیار کر لی، تو اس کے لیے صرف اسی دن ورات کے باقی حصے میں مسح جائز ہوگا، اسے یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ دن رات کے مسح کی مدت کا از سرِ نو آغاز کرے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بحالتِ حضر مسح کا آغاز کرنے کے بعد سفر شروع کیا اور وہ ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دن رات کی مدت پوری کر چکا ہے، تو اس کے لیے موزوں کا اتارنا ضروری ہے۔ اور اگر اس نے یہ مدت پوری نہیں کی تو بقیہ مدت پوری کرنے کے بعد موزوں کو اتار دے۔ اسی طرح اگر اس نے بحالتِ سفر مسح کا آغاز کیا تھا اور پھر وہ واپس آگیا تو دونوں کا حکم ایک ہی ہے، اگر اس نے ایک دن و رات سے کم مدت تک مسح کیا ہے اور پھر وہ سفر سے واپس آگیا یا مقیم ہو گیا تو پھر بھی اس کے لیے ضروری ہے کہ موزوں کو اتار دے۔ اگر اس نے دن اور رات سے کم مدت میں بحالتِ سفر مسح کیا ہے، تو فقط اسی دن رات کا باقی حصہ وہ مسح کر سکتا ہے۔

ہمارے اصحاب کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول تو ایسے ہی ہے جیسا کہ ہمارا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر حالتِ سفر میں تین دن و رات سے کم مسح کیا یا تین دن و رات تک مسح کیا، اس سے زیادہ نہیں اور پھر واپس آگیا، تو وہ ایک دن رات کی مدت کے لیے مسح کی ابتداء کرے اور اگر اس نے اس مدت سے زیادہ مسح نہیں کیا تھا حتیٰ کہ سفر شروع کر دیا تو وہ تین دن رات کی مدت کے لیے مسح کا آغاز کرے۔ ان حضرات نے اس سلسلہ کی حدیث کے ظاہر لفظ سے استدلال کیا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں، اس کے ظاہر الفاظ ہی ہمارے قول کی صحت کے موجب ہیں کیونکہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مقیم اور (۲) مسافر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو تین دن و رات مسح کی اجازت دی ہے اور مقیم کو تین دن و رات کے کچھ حصے میں مسح کی اجازت دی ہے۔ الغرض مقیم یا مسافر کسی کو بھی تین دن و رات سے زیادہ عرصہ کے لیے مسح کی اجازت نہیں دی۔

جس شخص نے کوئی ایسا سفر اختیار کیا، جس میں نمازِ قصر پڑھی جا سکتی ہو، تو وہ مسافروں جیسا مسح کرے یعنی تین دن و رات، اور اگر اس نے ایسا سفر کیا جس میں نمازِ قصر جائز نہیں، تو اسے مقیم جیسا مسح کرنا ہوگا کیونکہ یہ حالتِ سفر بھی حضر جیسی ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۲۲۔ مسح صرف اوپر ہے

موزوں پر یا آدمی نے جو کچھ پاؤں پر پہنا ہو، اس کے صرف اوپر کے حصے پر مسح کرنا چاہیے۔ پاؤں کے نیچے کے حصے پر مسح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس امر کی ضرورت ہے کہ اوپر کے حصے کا بالاستیعاب مسح کیا جائے بلکہ ایک یا ایک سے زیادہ انگلی کے ساتھ اوپر کے حصے پر جتنا بھی مسح کر لیا، جائز ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دلیل یہ حدیث ہے،

۲۰۱۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سُلیم از ابن الاعرابی از ابو داؤد از محمد بن علاء از حفص بن غیاث از اعمش از ابو اسحاق از عبد خیر بیان کیا کہ] حضرت علیؓ نے فرمایا،

لَوْكَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ الْخُفَّيْنِ۔

(اگر دین رائے سے ہوتا تو پاؤں کے اوپر کے حصہ پر مسح کرنے کی نسبت نیچے مسح کرنا زیادہ بہتر ہوتا لیکن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کے حصے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا) (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ، نسائی کتاب الطہارۃ فی الکبریٰ)

امام ابو حنیفہ، سفیان ثوریؒ اور داؤد ظاہریؒ کا یہی قول ہے۔ علیؓ بن ابی طالب کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور قیس بن سعد کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ ہمیں [بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری از ابو اسحاق سَبیعی از یزید بن علاء] روایت پہنچی ہے کہ یزید بن ابو العلاء کہتے ہیں کہ میں نے قیس بن سعد کو دیکھا کہ انھوں نے پیشاب کیا اور پھر قیام کی جگہ پر آ کر وضو کیا اور موزوں کے اوپر کے حصے پر مسح کیا حتیٰ کہ میں نے موزوں پر آپ کی انگلیوں کے نشانات دیکھے۔

نیز ہم نے معمر از ایوب سختیانیؒ روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؒ کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کرنے کے بعد وضو کیا اور اپنے موزوں کے اوپر کے حصّہ پر ایک ہی بار مسح کیا، میں نے موزوں پر آپ کی انگلیوں کے نشانات دیکھے۔

ابن جُریج سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاءؒ سے پوچھا کیا میں موزوں کے نیچے کے حصے پر بھی مسح کروں؟ انھوں نے فرمایا نہیں، مسح صرف اوپر ہی کرنا چاہیے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

مسح کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ پورے موزوں پر مسح کیا جائے، بس جب آپ مسح کے نام سے تعبیر کر سکیں اتنا کرنے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ موزوں پر تین انگلیوں سے کم کے ساتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسح جائز نہ ہوگا۔

امام سفیان ثوریؒ، زفرؒ، شافعیؒ اور داؤد ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک انگلی سے بھی مسح کر لیا، تو جائز ہوگا۔ زفر کہتے ہیں بشرطیکہ اس نے موزوں کے اکثر حصہ پر مسح کیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں، یہ تین انگلیوں یا اکثر حصہ کی قید والی بات فاسد ہے اور دین میں ایجاد بدعت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔

بعض نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اگر تین انگلیوں کے ساتھ مسح کیا تو جائز ہے اور اگر تین انگلیوں سے کم کے ساتھ مسح کیا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

(اس اصول کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو) یہ ان کے مذاہب کے اکثر حصے کو منہدم قرار دے دیتا ہے کیونکہ ان سے کہا جائے گا کہ فوری طور پر وضو کرنے، ناک میں پانی ڈالنے، ناک صاف کرنے اور نبیذ کے ساتھ وضو کرنے اور ان کے علاوہ دوسرے مختلف فیہ مسائل میں بھی اسی اصول کو تسلیم کرو۔ جب کوئی نص موجود ہو جو بعض علماء کے قول کی صحت کی شہادت دے رہی ہو، تو پھر اجماع کی رعایت جائز نہیں! یہاں چونکہ تین یا تین سے کم انگلیوں کی تحدید کے سلسلے میں کوئی نص موجود نہیں ہے (وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا) بلکہ یہ تو بغیر کسی نص کے محض دعووں کے ساتھ مختلف فیہ مسائل میں کسی ایک بات کو فرض کر دینا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔

بطور معارضہ ان سے کہا جائے گا کہ ایک انگلی کے ساتھ وجوب مسح پر اتفاق ہو چکا ہے؟ البتہ اختلاف ایک انگلی سے زائد کے ساتھ وجوب مسح کے بارے میں ہے پس مختلف فیہ واجب نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب تو صرف متفق علیہ ہی ہو سکتا ہے اور یہی طریق استدلال نص کی عدم موجودگی میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں موزوں کے ظاہری و باطنی حصے پر مسح کرنا مُستحب ہے، اگر باطنی حصہ کے بجائے صرف ظاہری پر اکتفا کرے تو مسح جائز ہوگا اور اگر ظاہری کے بجائے صرف باطنی حصہ پر مسح کرے تو جائز نہ ہوگا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ کی یہ تفریق بے معنی ہے کیونکہ جب نیچے کے حصے پر مسح کرنا فرض ہی نہیں اور نہ اس کے استحباب کی کوئی دلیل ہے، تو پھر اس تفریق کے کیا معنی؟

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ظاہری و باطنی دونوں حصوں پر مسح کرنا چاہیے۔

ابن قاسم امام مالک کے شاگرد کہتے ہیں کہ اگر ظاہری حصے پر مسح کر لیا اور باطنی پر نہ کیا تو اگر وقت کے اندر ہے یعنی نماز کا وقت باقی ہے تو مسح کو دوبارہ کر کے نماز پڑھے لیکن اگر باطنی حصے پر مسح کر لیا اور ظاہری پر نہ کیا تو مسح کا اعادہ ضروری ہے وقت کے اندر ہو یا باہر۔

موزوں کے ظاہری و باطنی حصوں پر مسح کرنے کے سلسلے میں ہمیں از ابن جُرَیج از نافع از حضرت ابن عمرؓ روایت پہنچی ہے اور معمر از زہری بھی۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں :-

انھوں نے جو یہ کہا تھا کہ باطنی حصے پر مسح نہ کرنے کی وجہ سے کسی وقت کرلے، یہ بات انہی حضرات کے اصول کے مطابق بے معنی ہے کیونکہ اگر اس نے فریضۂ طہارت و نماز ادا کر لیا ہے، تو اسے دوہرانا، کوئی معنی نہیں رکھتا اور اگر اس صورت میں اس کا فریضہ ادا ہی نہیں تو اسے دوبارہ اعادہ مسح کے ساتھ اعادۂ نماز بھی ضرور کرنا چاہیے۔

جو حضرات ظاہر کے ساتھ ساتھ باطنی حصّہ پر بھی مسح کے قائل ہیں، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جسے ہم نے بطریق [ولید بن مسلم از ثور بن یزید از رجاء بن حَیوہ از کاتب مغیرہ بن شعبہؓ از] حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت کیا ہے کہ :-

اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح اعلیٰ الخفین واسفلھا۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے بالائی اور زیریں حصّہ پر مسح فرمایا)

ایک اور حدیث بطریق (ابن وہب از سلیمان بن یزید الکعبی از عبداللہ بن عامر الاسلمی از ابن شہابؒ از) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ مروی ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے بالائی اور زیریں حصے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور حدیث بطریق ابن وہب، وہ ایک غیر معلوم شخص سے اور وہ بھی ایک غیر معلوم آدمی سے جو اُعیُن کا تھا اس کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ اپنے بزرگوں سے بیان کرتا تھا کہ حضرت اَبُو اُمامہ باہلیؓ اور حضرت عُبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر اور نیچے کے حصے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

یہ سب دلائل کچھ وزن نہیں رکھتے۔ حدیث ابی اُمامہ وعبادہ بالکل ساقط ہے کہ اس کا ساقط الاعتبار ہونا کسی بھی عقلمند سے مخفی نہیں کیونکہ ابن وہب نے جس سے روایت کی ہے اس کا نام نہیں لیا، وہ جس سے روایت کرتا ہے اسے یہ جانتے نہیں اور نہ ان کو پہچانتے ہیں، جس سے وہ روایت کرتا ہے اور یہ طرزِ عمل بالکل ناشائستہ اعتماد ہے!

حضرت مغیرہؓ کے حوالہ سے جو دو حدیثیں پیش کی گئی ہیں، ان میں سے ایک کو ابن شہاب، مغیرہؓ سے براہِ راست روایت کرتے ہیں، حالانکہ ابن شہاب کی ولادت مغیرہؓ کی وفات کے عرصہ دراز کے بعد ہوئی ہے اور دوسری روایت مُدَلَّس ہے۔ اس میں ولید بن مسلم نے دو جگہ غلطی کی ہے۔

اس حدیث کو ہم نے اس طرح روایت کیا ہے [حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبد الملک بن ایمن از عبد اللہ بن احمد بن حنبل از امام احمد از عبد الرحمٰن بن مہدی از عبد اللہ بن مبارک، از ثور بن یزید وہ کہتے ہیں کہ مجھے رجا بن حیوہ کی طرف سے بیان کیا گیا اور وہ کاتب مغیرہؓ سے بیان کرتے تھے کہ] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپر اور نیچے مسح کیا۔

اس سند کو ملاحظہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ثور نے رجا بن حیوہ سے نہیں سُنا لہٰذا یہ روایت مُرسَل ہوئی اسی لیے کہ اس میں حضرت مغیرہ کا انھوں نے ذکر نہیں کیا اور تیسری علت اس میں یہ ہے کہ انھوں نے کاتب مغیرہ کا نام نہیں لیا، لہٰذا اس سلسلے میں پیش کی گئی سب روایات ساقط الاعتبار ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۲۳۔ بغیر وضو پہنے ہوئے موزے اور شدتِ خوف مانع مسح ہو تو کیا کرے؟

اگر کسی نے حالتِ غیر طہارت میں پاؤں پر کوئی ایسی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیز پہن لی جس پر مسح جائز ہے پھر جب اس نے بربنائے حدث وضو کا ارادہ کر کے وضو شروع کر دیا اور اب صرف پاؤں باقی رہ گئے تھے کہ اچانک اسے ایسا شدید خوف طاری ہو گیا کہ اس کے لیے موزے اتارنا اور پاؤں دھونا ممکن ہی نہ رہا تو وہ اٹھ کھڑا ہو، ان پر مسح نہ کرے اور نماز پڑھے، اس کی یہ نماز کامل ادا ہوئی لیکن ادائیگی نماز کے بعد اسے پانی مل جائے اور موزوں کا اتارنا بھی ممکن ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

ایک قوم کا کہنا ہے کہ اس پر فرض ہے کہ موزوں کو اتار کر پاؤں کو دھوئے اور جو نماز پڑھ چکا ہے اسے نہ دوہرائے۔ اگر سلام پھیرنے سے پہلے ہی اس کے لیے پاؤں وغیرہ دھونا ممکن ہو تو پھر اس کی نماز باطل ہوگی اور فرض ہوگا کہ اپنے پاؤں سے موزے وغیرہ اتارے، پاؤں دھوئے اور نماز از سرِ نو شروع کرے۔

کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا وضو مکمل ہے اور جب تک اس کا وضو بوجہ حدث نہ ٹوٹے وہ نماز پڑھ سکتا ہے صرف پانی کا موجود ہونا ناقضِ وضو نہیں اور یہی قول صحیح ترین ہے۔

اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جسے ہم سند کے ساتھ اپنی اس کتاب میں قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ:۔[1]

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔

(جب میں تمھیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجا لاؤ)

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: ۲۸۶)

(اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)

تو یہ شخص جب اپنے پاؤں دھونے سے عاجز تھا، تو انھیں دھونے کا حکم بھی ساقط ہو گیا، اس کے لیے صرف یہی حکم تھا جس کے کرنے کی اسے قدرت تھی، گویا اس حالت میں اس قدر وضو کرنے کا اسے حکم الٰہی تھا

---

[1] مسئلہ ۱۰۰، ۱۰۶ ملاحظہ فرمائیے!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور جب اس نے حکم الٰہی کے مطابق وضو کیا تو اس کی نماز بھی درست ہوئی۔

لیکن جس شخص نے یہ کہا کہ جب اسے پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے، تو اس پر فرض ہوگا کہ وضو مکمل کرے البتہ اس نے جو نماز پڑھی ہے وہ مکمل ہوگی اور اگر اسے دوران نماز ہی پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے تو اس پر فرض ہوگا کہ باقی نماز مکمل وضو کے ساتھ ادا کرے۔ نماز کے اعمال کے مابین تفریق درست نہیں لہٰذا یہ قول غیر صحیح اور دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ نص قرآن وسنت کی دلیل سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ اس نے حسب ارشادِ الٰہی وضو کیا لہٰذا اس کی طہارت مکمل۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس طہارت سے نماز پڑھے اور یہ باطل ہے کہ حدث کے بغیر اس پر حدث کا حکم لگایا جائے، ہاں اگر کسی نص سے یہ حکم ثابت ہو جائے تو پھر اسے تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہ ہوگا لیکن ایسی کوئی نص نہیں ہے جو اس کے لیے وضو دوبارہ کرنے اور پاؤں دھونے کو لازم قرار دے کیونکہ اسے پہلے ہی طہارتِ تامہ نصیب ہے۔ وہ اس طہارت سے دوبارہ حادث ہونے تک نماز پڑھ سکتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت کو ہم تیمم پر قیاس کر لیتے ہیں، تو ہم عرض کریں گے کہ قیاس کی سب صورتیں باطل ہیں اور پھر جب کوئی بعض اعضاء کے تیمم سے عاجز ہو تو پھر کیا کرو گے؟ لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور محض دعویٰ سے کسی چیز کا حصول ایک باطل ارادہ ہے۔ قیاس کی اگر صورت حق بھی ہو تو یہ بالکل باطل ہے کیونکہ یہ اس مسئلہ میں ہمارے موافق ہیں کہ جو شخص بعض اعضاء کے تیمم سے عاجز ہو وہ اس کی طرح ہے جس کے پاؤں وغیرہ ہی نہ ہوں، اس کے لیے تیمم جائز نہیں، اس کے لیے حکم صرف یہ ہے کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھوئے اور صرف سر کا مسح کرے، اس کا اس طرح وضو مکمل اور نماز جائز ہوگی، جب اس کے لیے تیمم کی ضرورت ہی نہیں تو بھی جائز نہیں کہ اسے تیمم کے حکم میں رکھا جائے، یہ بات ان کے قیاس سے زیادہ صحیح ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

www.KitaboSunnat.com

المحلی مترجم جلد اوّل تمام ہوئی۔ جلد ثانی کا آغاز کتاب التیمم سے ہوگا۔
والحمد للہ علی ذٰلک

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔۔۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
04532

www.KitaboSunnat.com

المحلّٰی

اردو

تالیف

امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

جلد دوم

دار الدعوۃ السلفیۃ

شیش محل روڈ ۵ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام ابنِ حزم اندلسی

المحلّٰی ۱ اردو

یوسفی

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

ناشر

دار الدعوة السلفية

شیش محل روڈ

لاہور ، پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (بخاری)

دو ہزار سے زائد احکام و مسائل زندگی پر مشتمل فقہ الحدیث کی بلند پایہ کتاب

المحلّٰی اردو

تالیف

حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید المعروف بہ امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ

المتوفی : ٤٥٦ ھ

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی ، فیصل آباد

نظر ثانی

مولانا ابو الاشبال صغیر احمد شاغف بہاری (جدہ)

جلد دوم

دار الدعوۃ السلفیہ ۔ شیش محل روڈ ۔ لاہور ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلسلۂ مطبوعات

(۳۴)

زیر اہتمام (حافظ) احمد شاکر

ناشر المجلس العلمی السلفی
شعبہ تالیف دار الدعوۃ السلفیہ لاہور

مطبع طفیل آرٹ پرنٹرز۔ لاہور

طبع اول شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
مارچ ۱۹۹۰ء

فون نمبر ۵۴۴۰۶
۶۷۸۹۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

المحلّی (اردو) جلد دوم

کتاب التیمم

۲۲۴۔ تیمم کون کرے ۔۔۔ ۱
۲۲۵۔ تمام سفروں کے لیے یکساں حکم ہے ۔۔۔ ۲
۲۲۶۔ بیماری کیا ہے؟ ۔۔۔ ״
۲۲۷۔ تندرست آدمی بھی مسح کر سکتا ہے ۔۔۔ ۶
۲۲۸۔ سفر اور تیمم ۔۔۔ ۸
۲۲۹۔ پانی قریب ہو لیکن اس کا حصول دشوار ہو ۔۔۔ ۹
۲۳۰۔ جب جائز طریقے سے پانی کا حصول ممکن ہو تو تیمم جائز نہیں ۔۔۔ ״
۲۳۱۔ کنوئیں پر موجودگی کے باوجود اگر کوئی عذر ہو تو تیمم جائز ہے ۔۔۔ ״
۲۳۲۔ پانی سامان سفر کے ساتھ ہو اور وہ بھول گیا ہو ۔۔۔ ۱۰
۲۳۳۔ ہر ناپاکی جس سے وضو ٹوٹ جائے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے ۔۔۔ ״
۲۳۴۔ پانی پانے سے بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے ۔۔۔ ۱۶
۲۳۵۔ مریض کے لیے یہ حکم نہیں ۔۔۔ ״
۲۳۶۔ تیمم کے ساتھ جتنی نمازیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں ۔۔۔ ۲۲
۲۳۷۔ تیمم ہر وقت جائز ہے ۔۔۔ ״
۲۳۸۔ پانی بھول جانے کی صورت میں تیمم درست ہے ۔۔۔ ״

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۳۹۔ کشتی پر سوار اور تیمّم ۲۲
۲۴۰۔ پانی کے استعمال سے خطرہ ہو تو تیمّم جائز ہے ۲۳
۲۴۱۔ پانی خرید کر وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ؍؍
۲۴۲۔ پانی صرف پینے کے لائق ہو تو تیمّم کرے ۲۶
۲۴۳۔ پانی سے صرف وضوء ہو سکتا ہو تو غسل جنابت کے عوض تیمّم کرلے ۲۷
۲۴۴۔ جب تھوڑا سا پانی بچ جائے تو کیا کرے۔ ؍؍
۲۴۵۔ جنابت میں دو تیمّم کیے جائیں ۲۸
۲۴۶۔ جب مٹی اور پانی کچھ بھی نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے ۲۹
۲۴۷۔ حالتِ سفر اور پانی کی عدم موجودگی و نیز بیماری میں مباشرت جائز ہے ۳۳
۲۴۸۔ تیمّم کرنے والا وضو کرنے والوں کا امام بن سکتا ہے ۳۵
۲۴۹۔ جُنبی، حائضہ کس طرح تیمّم کریں ۳۶
۲۵۰۔ تیمّم کس طرح کرے ۳۹
۲۵۱۔ غسلِ میّت کے لیے پانی نہ ہو تو اُسے بھی تیمّم کرایا جائے ۵۲
۲۵۲۔ مٹی کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ تیمّم جائز نہیں ؍؍
۲۵۳۔ پہلے ہاتھوں پر تیمّم کیا جائے یا چہرے پر؟ ۵۵

کتابُ الحَیض والاستحاضہ

۲۵۴۔ حیض کیا ہے؟ ۵۷
۲۵۵۔ حیض ختم ہونے کے بعد غسل فرض ہے ۶۷
۲۵۶۔ حیض کے بعد وطی کس وقت جائز ہے ؍؍
۔ حنفیہ کی رائے ۷۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۵۷۔ حائضہ کے لیے نماز روزہ کی قضا — ۷۲

۲۵۸۔ جس نماز کے اوّل یا آخر وقت حیض جاری ہو اُس کا حکم — ۷۳

۲۵۹۔ جب نماز کے آخر وقت میں عورت پاک ہو اور اُس نماز کا پڑھنا اس کے لیے ممکن نہ ہو — 〃

۲۶۰۔ حیض میں جماع کے علاوہ باقی سب جائز ہے — ۷۴

۲۶۱۔ نفاس کا حکم — ۸۱

۲۶۲۔ حیض و نفاس کے ایام میں شادی — ۸۲

۲۶۳۔ حائضہ سے وطی گناہ ہے — ۸۴

۲۶۴۔ حاملہ عورت اور خُون — ۸۷

۲۶۵۔ معمر عورت اور سیاہ خُون — ۸۸

۲۶۶۔ حیض کی مدّت — ۸۹

۲۶۷۔ کم یا زیادہ مدّت طُہر کی کوئی حد نہیں — ۹۸

۲۶۸۔ نفاس کی مدّت — ۱۰۲

۲۶۹۔ جب بچّیاں پہلی مرتبہ سیاہ رنگ کا خُون دیکھیں اُس کا حکم — ۱۰۶

فطرت

۲۷۰۔ وہ اُمور جو مُستحب ہیں — ۱۱۸

۲۷۱۔ وہ برتن جن کا استعمال جائز نہیں — ۱۲۳

۲۷۲۔ وہ برتن جن کا استعمال جائز ہے — ۱۲۴

۲۷۳۔ بعض اعضاء کی طہارت سے معذوری — ۱۲۵

۲۷۴۔ مشکوک پانی کا حکم — ۱۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)

۲۷۵ - نماز کی قسمیں ۱۲۷

۲۷۶ - نابالغ پر نماز فرض نہیں ۱۳۳

۲۷۷ - کن حالات میں فرض نماز ساقط ہو جاتی ہے ۱۳۴

۲۷۸ - اِن لوگوں پر نماز فرض ہے ۱۳۶

۲۷۹ - جو شخص عمداً نماز ترک کر دے ″

۲۸۰ - ترکِ نماز کے باعث توبہ و استغفار ۱۴۸

پانچ فرض نمازیں

۲۸۱ - فرض نمازوں کی رکعات ۱۵۲

نفل نماز کی اقسام

۲۸۲ - وہ نوافل جن کی بہت تاکید ہے ۱۵۳

فصل

مغرب سے پہلے دو رکعتیں

۲۸۳ - مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں اختلاف ۱۵۶

۲۸۴ - ایک دفعہ پڑھی ہوئی نماز کو دوہرانا ۱۶۲

۲۸۵ - عصر کے بعد دو رکعتیں ۱۶۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۔عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے دلائل	۱۷۷
۲۸۶۔ قضا کی ادائیگی میں دانستہ تاخیر جائز نہیں	۱۸۴
۔ حنفی، مالکی اور شافعی مسلک	۱۸۵
۲۸۷۔ شبِ جمعہ کو زیادہ عبادت کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں	۲۱۴
۲۸۸۔ افضل ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے	//
۲۸۹۔ نفلی نماز گھر میں افضل ہوتی ہے	۲۱۵
۲۹۰۔ ایک رکعت وتر جائز ہے۔ تہجد کے تیرہ ۱۳ طریقے	۲۲۵-۲۲۰
۲۹۱۔ وتر رات کے آخری حصہ میں افضل ہے	۲۲۶
۲۹۲۔ وتر میں قراءت	۲۲۸
۲۹۳۔ نمازِ وتر بلا عذر بیٹھ کر اور سواری پر جائز ہے	۲۲۹
۲۹۴۔ ہر مہینہ میں ایک دفعہ قرآن ختم کرنا مستحب ہے	۲۳۰
۲۹۵۔ نوافل کی قراءت جہراً و سراً جائز ہے	۲۳۳
۲۹۶۔ ایک رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا جائز ہے	//
۲۹۷۔ بلا عذر کعبہ رُخ لیٹ کر نفلی نماز جائز ہے	۲۳۴
۲۹۸۔ اشارہ سے رکوع و سجدہ	۲۳۵
۲۹۹۔ فرضی نماز بلا عذر بیٹھ کر جائز نہیں	۲۳۶
۳۰۰۔ سواری پر فرض پڑھنا جائز نہیں	۲۵۰
۳۰۱۔ کن افعال کا نماز میں انجام دینا جائز ہے	۲۵۱
۔ مسلکِ احناف،	//
۔ مالکیہ اور شافعیہ	۲۵۲
۔ اَدعیہ مسنونہ اور نماز میں منکرات کا ازالہ	۲۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز کی حالت میں چل کر دروازہ کھولنا جائز ہے ۲۷۲

۳۰۲۔ حالتِ نماز میں بیع و شرا اور نکاح وطلاق کا حکم ۲۷۶

۳۰۳۔ حالتِ نماز میں وساوس و تخیلات 〃

۳۰۴۔ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو ۲۷۸

۳۰۵۔ وتر کی قضا کا مسئلہ ۲۷۹

۳۰۶۔ عشاء سے پہلے وتر جائز نہیں ۲۸۲

۳۰۷۔ فجر کی سُنتوں کا وقت ۲۸۲

۳۰۸۔ فجر کی اقامت کے بعد سُنتیں پڑھنا جائز نہیں اور اسی طرح ہر نماز کی اقامت کے بعد ۲۸۳

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ ۲۸۳

احناف و موالک اور عبداللہ بن مسعودؓ میں اختلاف ۲۸۴

۳۰۹۔ نمازِ فجر قضا ہو تو پہلے سُنتیں پڑھی جائیں ۲۹۳

۳۱۰۔ نمازِ فجر سے قبل و بعد کلام مباح ہے 〃

۳۱۱۔ جو شخص یہ سمجھ کر نماز شروع کرے کہ جماعت ہو چکی ہے ۲۹۴

۳۱۲۔ مقتدی امام سے پہلے سلام نہیں پھیر سکتا بجز عذر کے ۲۹۵

۳۱۳۔ تکبیر شروع ہوتے ہی فرض نماز باطل ہو جائے گی ۲۹۶

بابُ الاذان

۳۱۴۔ قبل از وقت اذان جائز نہیں ۲۹۷

۳۱۵۔ فرضی نماز باجماعت اذان و اقامت کے بغیر درست نہیں ۳۰۲

۳۱۶۔ منفرد کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں ۳۰۵

۳۱۷۔ عورتوں کے لیے نماز باجماعت میں شرکت فرض نہیں 〃

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۱۸۔ اگر عورت نماز با جماعت میں شرکت کرے تو بہتر ہے	۳۰۵
۳۱۹۔ عورت کی امامت	״
۳۲۰۔ عورتوں کے لیے اذان واقامت ضروری نہیں	۳۰۸
۳۲۱۔ عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنا جائز نہیں	״
۳۲۲۔ نوافل کے لیے اذان واقامت نہ کہی جائے	۳۲۰
۳۲۳۔ مُسلم اور عاقل و بالغ شخص اذان واقامت کہے	۳۲۱
۳۲۴۔ دو یا دو سے زیادہ آدمی اکٹھے اذان نہ دیں	۳۲۳
۳۲۵۔ اذان واقامت بیٹھے، سواری کی حالت میں اور بلا وضو جائز ہے	۳۲۴
۳۲۶۔ اذان واقامت کہتے وقت سلام کا جواب دینا فرض ہے	۳۲۵
۳۲۷۔ اذان کی اُجرت جائز نہیں	۳۲۷
۳۲۸۔ اذان سُن کر مسجد سے چلے جانا جائز نہیں	۳۲۹
۳۲۹۔ مؤذن کے علاوہ دوسرا آدمی اقامت کہہ سکتا ہے	۳۳۰
۳۳۰۔ اذان سُننے والا اس کے کلمات کو دُہرائے	״
۳۳۱۔ طریقِ اذان	۳۳۲
اہلِ مکہ واہلِ مدینہ کی اذان اور اہلِ کوفہ کی اذان	״
اقامت اور حنفیہ، مالکیہ	۳۳۴
۳۳۲۔ اذان واقامت کی تقدیم وتاخیر جائز نہیں	۳۴۳
۳۳۳۔ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ کا اضافہ	۳۴۴
۳۳۴۔ تکبیر اور نماز کے درمیان کلام جائز ہے	۳۴۵
اوقاتُ الصّلوٰۃ	۳۴۶
۳۳۵۔ نمازوں کے اوقات	״

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالکیہ اور شافعیہ ۳۴۸
۳۳۶- نمازوں کو اوّل وقت ادا کرنا افضل ہے ۳۶۴
حنفیہ کا مسلک ۳۷۰
مالکیہ ۳۷۲

فصل

۳۳۷- نمازوں کے اوقات کی کمی بیشی ۳۷۴
۳۳۸- فجر و شفق //
۳۳۹- اس شخص کی نماز کا حکم جس کو وقت میں شک ہو ۳۷۸
۳۴۰- جو بے وقت نماز پڑھے ۳۷۹
۳۴۱- فجر کی سنّتوں کے بعد لیٹنا //
۳۴۲- نماز فجر کا فوت ہونا ۳۸۳
۳۴۳- نماز کے شرائط اور اُس کا طریقہ ۳۸۵
۳۴۴- نماز شروع کرنے کے بعد نجاست کا معلوم ہونا ۳۸۶
- اَحناف کا موقف ۳۹۱
۳۴۵- محبوس (قیدی) کی نماز ۳۹۳
۳۴۶- سترِ عورت (پردہ پوشی) فرض ہے //
۳۴۷- معذور شخص کا حکم ۳۹۴
۳۴۸- نماز کے کسی مؤخر رکن کو مقدّم کرنا جائز نہیں //
۳۴۹- ستر کے حدُود ۳۹۵
- ستر کے بارے میں اَحناف کا مَوقف ۴۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- امام ابوحنیفہؒ کے اقوال پر ابن حزمؒ کا تبصرہ ۴۱۱
۳۵۰- برہنہ حالت میں نماز باجماعت ۴۱۲
۳۵۱- استقبالِ قبلہ کی اہمیت ۴۱۵
۳۵۲- کعبہ کی تحقیق و تصدیق ؍؍
۳۵۳- غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھنے کا مسئلہ ۴۱۶
۳۵۴- نماز کی نیت فرض ہے ۴۱۹
۳۵۵- نماز میں نیت کی تبدیلی ۴۲۰
۳۵۶- تکبیر تحریمہ فرض ہے ۴۲۱
۳۵۷- تکبیر تحریمہ کے الفاظ ۴۲۲
۳۵۸- تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین ۴۲۳
۳۵۹- امام و مقتدی ہر ایک پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ۴۲۵
۳۶۰- مقتدی امام کے پیچھے صرف سورۃ الفاتحہ پڑھے ۴۲۶
- احناف کا موقف ۴۲۸
۳۶۱- بعد میں آنے والا مقتدی سورۃ الفاتحہ مکمل کر کے رکوع کرے ۴۳۵
۳۶۲- رکوع میں شامل ہونے سے رکعت نہیں ہوتی ۴۳۵
۳۶۳- تعوّذ ہر رکعت میں فرض ہے ۴۴۱
۳۶۴- جو شخص تعوّذ یا فاتحہ کو بھول جائے ۴۴۴
۳۶۵- جس کو سورۃ الفاتحہ یاد نہ ہو ۴۴۵
۳۶۶- بسم اللہ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا ۴۴۶
۳۶۷- نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کا شرعی حکم ۴۴۸
- احناف کا موقف ۴۴۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۶۸۔ قرآنی سورۃ سے پہلے تعوّذ ضروری نہیں ۴۴۹

۳۶۹۔ فرائض نماز کا بیان //

۔ رکوع و سجود میں پیٹھ سیدھی کرنا فرض ہے ۴۵۲

۔ سات اعضاء پر سجدہ کرنا فرض ہے //

۔ سُنّت کے مطابق نماز پڑھنا فرض ہے ۴۵۳

۔ عظیم جسارت //

۔ رکوع و سجود میں تسبیحات فرض ہیں ۴۵۵

۔ تکبیرات، رفعِ یدین، تسمیع و تحمید فرض ہیں ۴۵۶

۔ نماز میں آمین کہنا ۴۵۸

۳۷۰۔ جو شخص رکوع اور سجدے کے لیے جُھک نہ سکتا ہو ۴۶۴

۳۷۱۔ مٹی اور کیچڑ پر سجدہ کرنا ۴۶۵

۳۷۲۔ تَشَہُّد کا طریقہ //

۔ تَشَہُّد ۴۶۶

۳۷۳۔ تشہّد کے بعد مسنون دُعاء ۴۶۸

۳۷۴۔ تَشَہُّد کے آخر میں درود شریف پڑھنا مُستحب ہے ۴۷۰

۳۷۵۔ نماز میں تطبیق منسوخ ہے ۴۷۲

۳۷۶۔ سلام پھیرنا فرض ہے ۴۷۳

۔ حنفیہ کے اقوال پر ابن حزمؒ کا تبصرہ ۴۷۶

۔ مالکیہ کا موقف ۴۷۷ - ۴۸۰

تمّت

اورینٹ پریس لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

"المحلیٰ" کے اُردو ترجمہ کی جلد اوّل، جو ۵۳۲ صفحات پر مُشتمل تھی، فروری ۱۹۸۵ء میں اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ اُس وقت استاذِ محترم اور ادارہ دارالدعوۃ السلفیہ کے بانی حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف نوّر اللہ مرقدہٗ کا علمی اور بابرکت وجُود ہمارے اندر موجُود تھا۔

ان کی علمی شخصیّت نہ صرف عالمی طور پر تمام سلفی حلقوں میں نہایت عزّت واحترام اور قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی بلکہ علمی منصُوبوں اور قدیم کتابوں کی تحقیق واشاعت کے لئے سب سے پہلے ان ہی کی طرف نظر اُٹھتی تھی۔

بنابریں جب سعودی عرب میں مُقیم مولانا صغیر احمد شاغف بہاری حفظہ اللہ (رابطۂ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ) اور اُن کے رُفقائے گرامی کے ذہن میں "المحلّٰی" ابن حزمؒ کے اُردو ترجمہ واشاعت کا منصُوبہ آیا تو اس کو اس کے معیار کے مطابق شائع کرنے کے لئے اُسی "دیوانہ علم وعمل" کے نام قرعۂ فال نکلا جسے دُنیا مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ چنانچہ انہی کی زیرِ نگرانی اور سرپرستی میں اس اہم علمی منصوبے کا آغاز ہوا اور جلد اوّل بھی ان کی زندگی میں شائع ہوگئی۔

اب اس دوسری جلد کی اشاعت کے وقت قدرتی طور پر بانیٔ ادارہ کی عدم موجودگی اور ان کی علمی رہنمائی وسرپرستی سے محرومی کا احساس بھی اگرچہ شدّت سے ہو رہا ہے تاہم اس احساس سے ایک گونہ مسرّت واطمینان بھی نہاں خانۂ قلب میں پایا جاتا ہے کہ ان کے چھوڑے ہوئے علمی کاموں کی تکمیل کی توفیق اربابِ ادارہ اور اُس کے رُفقاء کے حصّے میں آرہی ہے اور وہ الحمدللہ اُسی شاہراہِ علم پر گامزن ہیں جس کے سنگ ہائے میل حضرت مولانا مرحوم نصب فرما گئے تھے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء عن جمیع المسلمین۔

بہر حال اب یہ جلد دوم، جو ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہدیۂ ناظرین ہے۔ پہلی جلد کے بعد دُوسری جلد کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اشاعت میں یقیناً غیر معمولی تاخیر ہوگئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے شائقینِ علم کو زحمتِ انتظار برداشت کرنی پڑی ہے۔ تاہم اس کے کچھ اسباب و وجوہ تھے جس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ انشاءاللہ آئندہ کے لئے ہماری خواہش اور اس کے ساتھ کوشش یہی ہے کہ بقیہ جلدوں کی اشاعت جلد از جلد عمل میں لائی جائے۔ وبیداللہ التوفیق۔

قارئین کرام بھی دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم یہ علمی منصوبہ کم از کم وقت میں پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں جس کے لئے اُردو دانوں کا ایک بہت بڑا علمی حلقہ چشم براہ ہے۔

مُؤلّفِ کتاب امام ابن حزمؒ کے فقہی مقام و مرتبہ کے بارے میں مختصراً جلد اوّل کے دیباچے میں وضاحت کی جاچکی ہے (جسے حسبِ ضرورت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے) مُترجم کی شخصیت بھی ہمارے مُلک کے علمی حلقوں میں معروف! ور ان کی ترجمہ شدہ کتابیں مقبول ہیں۔ ترجمے پر نظرِ ثانی خود مولانا ابوالاشبال صغیر احمد شاغف بہاری حفظہ اللہ (مقیم مکہ مکرمہ) نے فرمائی ہے جو اس منصوبے کے اصل رُوحِ رواں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبۂ خدمتِ دین میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں مولانا شاغف بہاری دام ظلہٗ نے ساتھ ہی "المحلّٰی" کی تمام احادیث کی تخریج بھی کر دی ہے، جس سے کتاب کی علمی افادیت و اہمیت میں کئی گُنا اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کی یہ تخریج کتاب کے متن میں ہی ہر حدیث کے آخر میں بریکٹ (قوسین ( )) کی صورت میں درج ہے۔ مزید برآں احادیث کی نمبرنگ بھی کر دی ہے جس سے "المحلّٰی" کی احادیث کی مجموعی تعداد معلوم کی جا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے بلاشبہ یہ اُردو ایڈیشن اصل عربی ایڈیشن سے بھی فائق تر ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور انہیں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

خیال رہے "المحلّٰی" (عربی) کے ابتدائی ۶ اجزاء مصر کے یگانہ محقّق و مُحدّث اور بے مثل فاضل احمد محمد شاکرؒ کی تحقیق اور حواشی کے ساتھ طبع شدہ ہیں۔ بنا بریں اُردو ایڈیشن کے یہ حواشی بھی احمد محمد شاکر مصری مرحوم ہی کے ہیں، تاہم حسبِ ضرورت و اقتضاء جہاں کہیں مزید حواشی دیئے گئے ہیں، وہاں حاشیہ نگار کے نام کی صراحت کر دی گئی ہے۔ یہ اضافی حواشی بھی بجز چند مقامات کے مولانا شاغف بہاری ہی کی تحقیق و کاوش کا نتیجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ جو حواشی بغیر کسی نام کی صراحت کے ہیں وہ مصری فاضل احمد محمد شاکر مرحوم کے ہیں۔ رَحِمَهُ اللهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً۔

بہر حال جلد اوّل کے بعد اب "المحلّٰی" اردو کی جلد دوم ہدیۂ ناظرین ہے اللہ تعالیٰ بقیہ جلدوں کی تکمیل و اشاعت کی بھی بلد از جلد توفیق عطا فرمائے۔ ع ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

(حافظ) صلاح الدین یوسف رفیق المجلس العلمی السلفی

دار الدعوۃ السلفیہ لاہور

جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ ——— جنوری ۱۹۹۰ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب التیمم

تیمم کا بیان

۲۲۴۔ تیمم کون کرے تیمم وہ مریض کرے جسے پانی نہ ملے یا وضو اور غسل میں پانی کا استعمال اُس کے لیے مشقت و تکلیف[1] کا باعث ہو۔ یا وہ مُسافر تیمم کر سکتا ہے جو وضو اور غسل میں پانی استعمال تو کر سکتا ہے لیکن اس کے پاس پانی موجود نہیں۔

اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ ۶)	"اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوتے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اُس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پُوری کرے تاکہ تم شُکر کرو۔"

ہم نے جو کچھ عرض کیا، اس کی نص یہ آیت ہے، اب رہی مُشقّت و تکلیف کے باعث وضو کے اِسقاط کی دلیل، اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ (البقرہ - ۱۸۵)	"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔"

[1] مشقت اور تکلیف ترجمہ ہے مُشقۃ اور حرج کا یعنی یہ دو چیزیں ہیں، انہیں ایک چیز نہ سمجھا جائے۔ مصحح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پس مشقت اور تکلیف دونوں ساقطِ وضو ہیں خواہ تکلیف میں پانی کے استعمال سے اضافہ ہوتا ہو یا نہ ہو اور اگر مریض کے پانی استعمال کرنے سے تکلیف بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو یہ بھی مشقت اور تکلیف ہے (یعنی اس صورت میں بھی تیمم کر لینا چاہیے)۔

عطاء اور حسن کہتے ہیں کہ مریض جب تک پانی پاتا رہے، بالکل تیمم نہ کرے کیونکہ اسے صرف غسل اور وضو ہی کفایت کرے گا، مجدور[1] اور غیر مجدور دونوں برابر ہیں۔

۲۲۵۔ تمام سفروں کے لیے یکساں حکم ہے

یہ احکام جو بیان ہوتے سب سفروں کے لیے یکساں ہیں، سفر خواہ قریب کا ہو یا بعید کا، اطاعت کا ہو یا معصیت کا یا مباح ہو، ہمارے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ بعض علماء نے ایک قول نقل کیا ہے جسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور وہ یہ کہ تیمم صرف اسی سفر میں جائز ہے جس میں نماز قصر کرنا جائز ہو۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

قصرِ نماز کی حد اور افطارِ صوم سے لازم آتا تھا کہ بعض سفروں میں تیمم جائز ہو اور بعض میں جائز نہ ہو بعض مسافتوں میں جائز ہو اور بعض میں ناجائز، اور اسی طرح سفرِ طاعت و معصیت کا بھی تیمم کے لیے لحاظ کرنا پڑے گا لیکن ان مسائل کے سلسلہ میں ان حضرات کے ہاں بے پناہ تضاد پایا جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات یہاں اجماع کا دعویٰ کریں تو ان کے لیے یہ لازم ہے کہ سفر، قصر، فطر اور مسح کی مختلف فیہ صورتوں کو تیمم میں سفر کی متفق علیہ صورتوں پر قیاس کریں (کیونکہ بزعمِ خویش یہ اصحابِ قیاس ہیں)، اگر یہ قیاس نہ کریں تو پھر تارکِ قیاس ہوں گے اور یہاں انہوں نے قرآن و سُنن کی مخالفت کی ہے وباللہ تعالیٰ التوفیق!

۲۲۶۔ بیماری کیا ہے؟

مرض یا بیماری ہر وہ حالت ہے جو انسان کو قوت اور تصرف سے دور کر دے، قرآن مجید کی زبان میں مرض اسی حالت کا نام ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۲۲۷۔ تندرست آدمی بھی مسح کر سکتا ہے

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ: حضر میں تندرست آدمی بھی اُس وقت مسح کر سکتا ہے، جب اسے نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی نہ مل سکتا ہو، خواہ وہ کنوئیں کے کنارے کھڑا ہو اور ڈول اس کے ہاتھ میں ہو یا وہ نہر اور

---

[1] مجدور سے مراد چیچک زدہ یا خسرہ زدہ ہے۔ مصحح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چشمے وغیرہ کے کنارے کھڑا ہوا ور اسے یقین ہو کہ اس کا وضو یا غسل سورج طلوع ہونے سے پہلے مکمل نہ ہوسکے گا۔ قیدی اور خوف زدہ انسان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ۲۷۲: ہم سے از عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ از محمد بن فضیل، از ابومالک الاشجعی از ربعی بن حراش نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فُضّلنا علی الناس بثلاث۔ فذکر فیہا وجُعلت لنا الارض مسجداً وجعلت تربتہا لنا طہوراً اذا لم نجد الماء۔ (مسلم، کتاب الصلوٰۃ)	"دیگر اُمتوں کی نسبت ہمیں تین اُمور کے باعث فضیلت حاصل ہے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: "زمین ہمارے لیے مسجد بنادی گئی ہے اور اس کی مٹی کو ہمارے لیے پاک بنا دیا گیا ہے، جب ہم پانی نہ پائیں"

۲۷۳۔ اور بسند سابقہ تا مسلم، پھر (از قتیبہ بن سعید از اسماعیل بن جعفر از علاء بن عبدالرحمٰن اور وہ اپنے باپ سے اور وہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فُضّلتُ علی الانبیاء بستٍ: اُعطیتُ جوامع الکلم، ونُصرتُ بالرعب، واُحلّت لی الغنائم وجُعلت لی الارضُ طہوراً ومسجداً واُرسلتُ الی النّاس کافّۃً وخُتِم بی النّبیّون۔ (مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ترمذی کتاب السیر، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)	"مجھے دیگر انبیاء کی نسبت چھ باتوں میں ترجیح دی گئی ہے مجھے جامع کلمات دیے گئے ہیں، رُعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، غنیمتوں کا مال میرے لیے حلال قرار دیا گیا ہے، زمین کو میرے لیے پاک اور مسجد بنا دیا گیا ہے، مجھے سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے"۔

آپؐ کا یہ ارشاد عام ہے جو شہری اور دیہاتی سب کے لیے یکساں ہے۔ اگر کہا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	"مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا۔ (النساء آیت ۴۳) پاس نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کرلو، ہاں اگر بحالت سفر رستے چلے جا رہے ہو (اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کرسکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے وضو آدمی کی اُس وقت تک نماز قبول نہیں، جب تک کہ وُہ وضو نہ کرے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جُنبی کو نماز کے اُس وقت تک قریب جانے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ وہ غسل یا وضو نہ کرے، ہاں مسافر کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

ہم عرض کریں گے جی ہاں، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد بھی درست جو تم نے ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْهُ۔ (المائدہ-۶) "اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں کو چھو کر آتے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو"

اس آیت میں ایک زائد حکم بیان ہُوا ہے جو اس آیت میں نہیں ہے جو تم نے ذکر کی ہے، بلکہ اس میں تو جُنبی کو غسل کیے بغیر نماز کے قریب جانے کو مباح قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ مسافر بھی نہ ہو، لیکن جب مریض ہو اور پانی نہ پائے یا پانی کے استعمال میں حرج ہو، اس آیت میں اُس حدیث کی نسبت بھی ایک زائد حکم بیان ہُوا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "بے وضو آدمی کی اس وقت تک نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وہ وضو نہ کرلے"۔

پھر وہ دو حدیثیں بھی آتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ ان میں مذکورہ دو آیتوں اور اس حدیث مذکور کی نسبت امر زائد بھی ہے اور عموم بھی! اور وہ یہ کہ صحیح سالم اور مقیم آدمی بھی جب پانی نہ پائے تو بھی تیمم کر سکتا ہے۔ کلام الٰہی اور کلام رسول اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے ہم پہ یہ فرض قرار دیا ہے کہ ہم بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر اس پر عمل پیرا ہوں کیونکہ یہ سب کلام من جانب اللہ ہیں۔

ہمارے قول ہی کی طرح مالکؒ، سفیان اور لیث کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقیم تیمم نہ کرے، ہاں اگر پانی نہ پائے اور وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور جب پانی پائے تو ضروری ہے کہ نماز کو دُہرا لے۔

زفرؒ کہتے ہیں کہ تندرست آدمی حضر میں بالکل تیمم نہ کرے، خواہ وقت ختم ہی کیوں نہ ہو جائے، اسے صبر کرنا چاہیے، جب پانی پائے تو وضو کر کے نماز پڑھے، اگرچہ وقت ہو چکا ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا قول بالکل فاسد ہے کیونکہ ان کا تیمم اور نماز کا حکم دینا یا تو ایسی نماز کا حکم ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض قرار دیا ہے یا جسے فرض قرار نہیں دیا، کیونکہ تیسری تو کوئی قسم نہیں۔ اگر ان دونوں اماموں کے مقلد یہ کہیں کہ انہوں نے اس نماز کا حکم دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض قرار دیا ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ پھر انہوں نے بعد از وقت اسے دُہرانے کا حکم کیوں دیا ہے جبکہ وہ ایک بار اس فریضہ کی ادائیگی کر چکا ہے؛ اور اگر وہ یہ کہیں کہ انہوں نے ایسی نماز کا حکم دیا تھا جو فرض نہ تھی تو گویا انہوں نے اقرار کر لیا کہ انہوں نے اسے ایک ایسے امر کے بجا لانے کا حکم دیا جو اُس کے لیے فرض نہ تھا۔ لہٰذا یہ قول غلط ہے۔ اسی طرح زفرؒ کا قول بھی غلط ہے، کیونکہ انہوں نے فرض کی ادائیگی کو اس وقت ساقط قرار دے دیا، جس وقت اللہ تعالیٰ نے ادائیگی کو فرض قرار دیا تھا اور اسے اس وقت ادا کرنے کا حکم دیا ہے، جس وقت تک تاخیر کرنا حرام ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: نماز وہ فریضہ ہے جو وقتِ محدود کے ساتھ معلّق ہے۔ اور اس سلسلہ میں تاکید اتنی شدید ہے کہ کسی مسلمان کو اس سے جاہل نہیں رہنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " إذا أمرتكم بامر فأتوا منه ما استطعتم " "جب میں تمہیں کوئی حکم دُوں تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ!"

یہ انسان جس نے نماز کے وقت کو پا لیا ہے تو اُسے حکم ہے کہ وضو کرے، اگر جُنبی ہے تو غُسل کرے اور نماز پڑھے، اگر یہ وضو اور غسل سے عاجز ہے تو یہ دونوں حکم اس سے ساقط ہو جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نص بیان فرمائی ہے کہ جب پانی نہ پاتے تو زمین اس کے لیے پاک ہے، اور جب یہ پانی کے حصول پر قادر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں، تو وضو اور غُسل کا حکم بھی اُس کے لیے باقی نہیں لیکن یہ چونکہ نماز پڑھنے پر قادر ہے لہٰذا یہ فریضہ بھی باقی رہے گا اور یہ بالکل ایک واضح بات ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

۲۲۸۔ سفر اور تیمم سفر جس میں تیمم کیا جاتا ہے وہ وہی سفر ہے جسے اہلِ عرب سفر کہتے ہیں خواہ اس میں نماز قصر کی جا سکتی ہو یا نہ کی جا سکتی ہو، اور جو اس سے کم ہو جس پر سفر کا اطلاق نہ ہو سکے، یعنی فقط گھروں سے باہر نکلنا وغیرہ، اسے سفر نہیں بلکہ حضر کے حکم میں سمجھا جاتا ہے۔

وہ مسافر جو ایسے سفر میں ہے جو فی الواقع سفر ہے اور وہ مریض جسے تیمم کا حق حاصل ہے، ان کے لیے افضل یہ ہے کہ اوّل وقت میں تیمم کریں خواہ انہیں پانی کی امید ہو، یا یقین ہو کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پانی مل جائے گا، یا مریض کو امید ہو کہ اُسے صحت حاصل ہو جائے گی، ان سب صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔

مُقیم اور صحیح سالم یا جو مقیم کے حکم میں ہو، اس کے لیے تیمم اُس وقت تک حلال نہیں جب تک اُسے یہ یقین نہ ہو کہ پانی ملنے سے پہلے وقت ختم ہو جائے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نص اس مسافر کے بارے میں وارد ہے جس کے پاس پانی نہ ہو، نیز اُس مریض کے بارے میں وارد ہے جسے پانی کا استعمال مُضر ہو۔ اور نماز کی طرف سبقت کرنا زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (آلِ عمران-۱۳۳)　　"اور اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف لپکو۔"

مقیم آدمی کے بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ جب تک وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے پانی ملنے کی اُمید ہو، اس کے لیے تیمم حلال نہیں۔ جب وقت ختم ہونے کا یقین ہو تو پھر اُس کے لیے تیمم کے مُباح ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، اگر نص نہ ہوتی تو اُس کے لیے تیمم حلال ہی نہ ہوتا۔

امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ مسافر نماز کے آخر وقت میں تیمم کرلے۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اسے پانی ملنے کی اُمید ہو اور اگر کوئی اُمید ہی نہ ہو تو پھر پہلے وقت ہی میں تیمم کرلے۔

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مسافر تیمم کو آخر وقت تک مؤخر کردے، شاید اسے پانی مل جائے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی قول ہے اور اسی طرح کی علیؓ اور عطاء سے بھی روایت ہے۔

امام مالکؒ نے ایک مرتبہ تو یہ فرمایا ہے کہ تعجیل و تاخیر نہ کرے بلکہ اوسط وقت میں نماز پڑھ لے، اور دوسری مرتبہ یہ فرمایا ہے کہ اگر وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے پانی ملنے کا یقین ہو تو وہ تیمم کو آخر وقت تک مؤخر کر دے، اگر پانی مل جائے تو وضو کر لے ورنہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، اگر وقت ختم ہونے سے پہلے اسے پانی ملنے کی طمع ہو تو تیمّم کو اوسط وقت تک مؤخر کر دے، اگر پانی مل جائے تو وضو کر لے ورنہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، اگر وقت ختم ہونے سے پہلے اسے پانی ملنے کی طمع ہو تو تیمّم کو اوسط وقت تک مؤخر کر دے، اوسط وقت تک نہ ملے تو پھر تیمّم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر اسے یقین ہو کہ پانی وقت ختم ہونے سے پہلے نہیں مل سکے گا تو وہ اوّل وقت ہی تیمّم کر کے نماز پڑھ لے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ سب صورتیں یکساں ہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: تیمّم کو مؤخر کرنا کہ شاید اسے پانی مل جائے، یہ بے معنی بات ہے کیونکہ ایسی کوئی نص ہے اور نہ اجماع کہ وضو کرنے والے کا عمل، تیمّم کرنے والے کی نسبت افضل ہے اور نہ اس بات کی کوئی دلیل کہ وضو کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز، تیمّم کر کے پڑھنے والے کی نسبت افضل ہے۔ کیونکہ وضو اور تیمّم دونوں طہارت تامہ اور دونوں کے ساتھ ادا کی گئی نماز مکمل ہے اور ہر ایک فرض اپنے وقت پر ہے لہٰذا پانی ملنے کی امید کے سہارے نماز کو مؤخر کرنا، افضل الاعمال کی طرف سبقت کرنے کی فضیلت کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمرؓ وغیرہ سے بھی اس کی مثل ثابت ہے!

۲۷۴- (ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از یحییٰ بن بُکیر از لیث از جعفر بن ربیعہ از الاعرج بیان کیا)۔ اعرج کہتے ہیں کہ میں نے عُمیر مولیٰ ابن عباسؓ سے سنا فرماتے تھے کہ میں اور عبداللہ بن یسار مولیٰ امّ المؤمنین میمونہ دونوں مل کر ابوجُہیم بن حارث بن صمۃ انصاری کے پاس گئے تو انہوں نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لاتے، راستہ میں آپ کو ایک آدمی ملا، جس نے آپ کو سلام کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ ایک دیوار کے پاس تشریف لے آتے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح یعنی تیمّم کیا اور پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الطہارۃ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ہم نے سفیان ثوریؒ سے، وہ یحییٰ بن سعید انصاری سے اور وہ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے تیمم کر کے عصر کی نماز پڑھی جبکہ آپ مدینہ منورہ سے ایک یا دو میل کے فاصلہ پر تھے۔ مدینہ منورہ میں جب تشریف لائے تو سورج ابھی تک بلند ہی تھا لیکن آپ نے نماز کو دُہرایا نہیں"۔

(بخاری، کتاب الطہارۃ تعلیقاً، مُصنّف عبد الرزاق، سُنن بیہقی، سُنن دارقطنی کتاب الطہارۃ)

اور بطریق امام مالکؒ، نافع سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ مقامِ جُرف سے آتے اور مقامِ مربد (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے) پہنچے، تو پانی نہ پایا اور مٹی کے ساتھ تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور پھر اُس نماز کو نہ دُہرایا۔ (موطا امام مالکؒ، مُصنّف عبد الرزاق کتاب الطہارۃ، فتح الباری طبع مصری ج ۱ ص ۳۷۴)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام داؤد ظاہری اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ اور محمد بن حسن کہتے ہیں کہ اگر مسافر کو ایک میل سے کم مسافت پر پانی مل سکتا ہو تو وہ تلاش کرے، خواہ وقت نکل ہی جائے اور اگر ایک میل کی مسافت پر پانی ہو تو پھر اس کی تلاش لازمی نہیں، تیمم کرلے، نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص اپنے شہر سے باہر نکل آئے اور اس کا ارادہ سفر کا نہ ہو اور اتنی دُور باہر نکل آئے کہ لوگوں کی آوازوں کو نہ سُن سکتا ہو تو وہ تیمم کرلے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان اور ان جیسے دیگر اقوال سے (جو بے بنیاد ہیں) سلامت رہنے پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔

۲۲۹۔ پانی قریب ہو لیکن اس کا حُصول دُشوار ہو

جس شخص سے پانی قریب ہو مگر اسے خدشہ ہو کہ اگر پانی کی طرف گیا تو سامان ضائع ہو جائے گا یا دوست و احباب بچھڑ جائیں گے یا اس کے اور پانی کے مابین دشمن حائل ہو جائے گا یا آگ یا کسی اور چیز کا ڈر ہو جس کے باعث پانی کے حصول میں مشقت ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ تیمم کرلے۔

اس کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ (المائدہ - ۶)

"اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے تیمم کرو"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح وہ تمام حضرات جو پانی کے استعمال پر قادر ہیں لیکن وہ پانی نہ پا سکیں تو پھر تیمم کریں۔

۲۳۰۔جب جائز طریقے سے پانی کا حصول ممکن ہو تو تیمم جائز نہیں

جب کسی جائز طریقے سے پانی حاصل کرے تو پھر تیمم جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کا عذر ختم ہو گیا اور اس پر فرض یہ ہے کہ جائز حق جو اسے اللہ کی طرف سے یا کسی بندے کی طرف سے اسے حاصل ہوا سے استعمال کرنے سے نہ روکے، اگر اس سے روکا تو گناہگار ہوگا جس سے پانی طلب کیا جائے اُسے بھی تعاون کرنا چاہیے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ۔۲)

"اور دیکھو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم دیا ہے کہ "ہر حق دار کے حق کو ادا کیا جائے"۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۳۱۔کنوئیں پر موجودگی کے باوجود اگر کوئی عذر ہو تو تیمم جائز ہے

اگر کوئی شخص دورانِ سفر کسی کنوئیں کے پاس ہو یا کسی کنوئیں کو دیکھ رہا ہو جسے وہ پہچانتا ہے لیکن اسے خدشہ ہے کہ (اگر وہ کنوئیں سے پانی لے کر وضو میں مشغول ہوا تو) رفقاء و احباب بچھڑ جائیں گے، یا جماعت فوت ہو جائے گی یا وقت ختم ہو جائے گا تو وہ تیمم کرلے۔ تیمم اس سے کفایت کرے گا، لیکن آئندہ اسے وضو کرنا پڑیگا کیونکہ اس شخص کے پاس پانی تو موجود ہے لیکن استعمال کے سلسلہ میں معذور ہے (لہٰذا عذر ختم ہوتے ہی جوازِ تیمم کی رخصت ختم ہو گئی) کیونکہ یہ اُس انسان کی طرح نہیں ہے جسے پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہ ہو لیکن پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ تیمم کرتا ہو۔

۲۳۲۔پانی سامانِ سفر کے ساتھ ہو اور وہ بھول گیا ہو

جس شخص کے ساز و سامان میں پانی ہو مگر وہ بھول گیا ہو یا اس کے قریب ہی کوئی کنواں یا چشمہ موجود ہو لیکن اسے علم نہ ہو تو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے، اس کی نماز درست ہوگی، کیونکہ یہ دونوں صورتیں پانی نہ ملنے کی طرح ہیں اور جو شخص پانی نہ پائے وہ بنصِ کلامِ الٰہی تیمم کرسکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ اور داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نماز کے وقت کے اندر اندر پانی مل جاتے تو یہ نماز کو دُہرا لے اور اگر وقت خارج ہو جاتے تو پھر نہ دُہراتے۔

امام ابویوسفؒ اور شافعی فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اسے نماز دُہرانا ہوگی۔

امام ابویوسفؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کنواں اس سے ایک تیر کے فاصلہ پر ہو اور اسے علم نہ ہو تو تیمّم جائز ہوگا۔ اور اگر وہ کنوئیں کے کنارے پر ہو یا کنوئیں کے قریب ہو اور اسے علم نہ ہو تو تیمّم جائز نہ ہوگا۔

امام ابنِ حزم نے ان اقوال پر نقد نہیں کیا۔ کیونکہ ان افعال کا فساد کالعیاں ہے۔

۲۲۳۔ہر ناپاکی جس سے وضو ٹوٹ جاتے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے

ہر وہ حَدَث جس سے وضو ٹوٹ جاتے، اُس سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں اہلِ اسلام میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں (گویا یہ متفق علیہ واجماعی مسئلہ ہے)۔

۲۲۴۔پانی پانے سے بھی تیمّم ٹوٹ جاتا ہے

پانی پانے سے بھی تیمّم ٹوٹ جاتا ہے، خواہ وہ نماز میں پاتے یا نماز پڑھنے کے بعد پاتے یا نماز پڑھنے سے پہلے پاتے کیونکہ وہ نماز جسے وہ تیمّم سے پڑھ رہا تھا، طہارت ٹوٹنے کے باعث ٹوٹ جاتے گی، لہٰذا وہ وضو یا غُسل کر کے از سرِ نو نماز پڑھے۔ تیمّم کے ساتھ جو نمازیں پڑھ چکا ہو، ان کی قضا ضروری نہیں۔

اگر سلام پھیرنے کے فوراً بعد پانی پالے، تو اس مسئلہ میں تین مقامات پر اختلاف ہے۔ ایک تو قدیم اختلاف یہ ہے کہ تیمّم کرنے والا جب پانی کو پالے تو اس پر اُس وقت تک وضو یا غُسل فرض نہیں ہے جب تک اُس سے کسی موجبِ وضو و غسل امر کا صُدور نہ ہو۔

ہم سے یہ روایت بیان کی ہے ابن جُریج نے عبدالحمید بن جُبیر بن شیبہ سے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ جب تم سفر میں جُنبی ہو جاؤ تو مسح کر لو اور جب پانی پاؤ اور نہا چاہو تو بے شک غسل نہ کرو۔ عبدالحمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مُسیّب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اسے کیا معلوم؟ جب پانی پالو تو غُسل کرو۔ چنانچہ جمہور متاخرین بھی یہی کہتے ہیں کہ پانی پا لینے کی صورت میں وضو اور غسل کرنا چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو حضرات وضو اور غسل کی تجدید کے قائل نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ تیمّم ایک صحیح طہارت ہے تو اسے صرف وہ اُمور توڑ سکتے ہیں جو طہارت کو توڑتے ہیں، پانی کا پالینا چونکہ حدث نہیں لہٰذا پانی کا پالینا طہارتِ تیمّم کے لیے ناقص نہیں ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول صحیح تھا اگر ہمیں یہ روایت نہ پہنچی ہوتی۔ (یعنی ذیل کی حدیث)

۲۷۵۔ ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے ابراہیم بن احمد سے، انہوں نے فربری سے، انہوں نے بخاری سے، انہوں نے مسدد سے، انہوں نے یحیٰی بن سعید قطّان سے، انہوں نے عوف یعنی ابن ابی جمیلہ سے، انہوں نے ابو رجاء عُطارِدی سے، انہوں نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، پھر انہوں نے پُوری حدیث بیان کی، اس حدیث میں انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، جب آپ نے نماز سے فراغت کے بعد اپنا چہرہ مقتدیوں کی طرف پھیرا تو آپ نے ایک شخص کو الگ تھلگ دیکھا جس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے فرمایا اے فلاں شخص! تمہیں کس چیز نے جماعت سے نماز پڑھنے سے باز رکھا؟ اس نے عرض کیا کہ مَیں جُنبی ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے لیے مٹی ہی کافی تھی ـــــ پھر آپ نے اس حدیث میں اس پانی کا ذکر بھی کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے معجزے کے طور پر ظاہر فرما دیا تھا اور آخر میں یہ ذکر بھی کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے پانی کا ایک برتن دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور اسے اپنے جسم پہ ڈال لو۔ (بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب المناقب، مُسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الطہارۃ)۔

۲۷۶۔ ایک دوسری روایت (جسے ہم سے حمام نے عباس بن اصبغ سے، انہوں نے محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، انہوں نے ابراہیم بن اسحاق نیشاپوری سے بغداد میں، انہوں نے محمد بن عبداللہ بن نُمیر سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اسماعیل بن مُسلم[1] سے، انہوں نے ابو رجاء عُطارِدی سے اور انہوں نے حضرت عمران بن

---

[1] مصری نسخہ میں ہے کہ محمد بن عبداللہ بن نُمیر نے اسماعیل بن مُسلم سے روایت کیا یعنی اُس سند میں ابن نُمیر کے والد کا ذکر رہ گیا ہے اور یہ خطا ہے اور اسماعیل بن مُسلم اپنے حافظے کے اعتبار سے ضعیف ہے، صدوق تھے لیکن غلطی بہت کرتے تھے۔ ابن معین فرماتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حصین سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جبکہ رفقاء میں ایک جنبی شخص بھی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر ہمیں پانی مل گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ غسل کرے لیکن نماز نہ دُہرائے۔

ہم قبل ازیں حضرت حُذیفہؓ سے مروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ذکر کر چکے ہیں کہ "ساری زمین ہمارے لیے مسجد اور اس کی مٹی جب تک ہمیں پانی میسر نہ آئے، پاک بنا دی گئی ہے"۔

ان احادیث سے ثابت ہُوا کہ مٹی کے ساتھ طہارت اس وقت ہے جب پانی نہ ملے یعنی جب پانی مل جائے تو پھر مٹی کے ساتھ طہارت جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی کو رخصت دے دی گئی ہو تو الگ بات ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر ان دو صورتوں میں سے کسی ایک کو قبول کر لینا اور دوسری کو چھوڑ دینا جائز نہیں بلکہ دونوں پر عمل کرنا فرض ہے اور یہ بات صحیح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جُنبی آدمی کو پہلے پاک مٹی کے ساتھ تیمم اور نماز کا حکم دیا، پھر جب پانی مل گیا تو اسے صرف غُسل کا حکم دیا (یعنی پھر نماز دُہرانے کا حکم نہیں دیا)، پس ہماری بات درست ثابت ہوئی ——— وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ تیمم کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد اگر پانی مل جائے تو کیا نماز دُہرائے یا نہ دُہرائے؟

سعید بن مُسیّب، عطاء، طاؤس، شعبی، حسن اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اگر وقت کے اندر یعنی نماز کا وقت ابھی باقی ہو اور پانی مل جائے تو نماز دُہرا لے۔ یہ روایتیں ہمیں بطریقِ مختلف پہنچی ہیں، مثلاً بطریقِ معمر، از سعید بن عبدالرحمٰن جُمحی از حضرت ابوسلمہؒ اور بطریقِ حماد بن سلمہ از یونس از حضرت حسنؒ، اور بطریقِ حجاج بن منہال، از سفیان ثوریؒ از عبدالحمید بن جُبیر بن شیبہ از حضرت سعید بن مُسیّب اور بطریقِ وکیع از زکریا بن ابی زائدہ از شعبی اور بطریقِ سفیان ثوری از لیث بن ابی سُلیم از عطاء۔ اور بطریقِ حسن بن صالح از علاء بن مُسیّب از طاؤس۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسافر، مریض اور خائف وسطِ وقت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لیں۔ اگر تیمم کر کے نماز پڑھنے کے بعد ان کو پانی مل جائے تو مسافر نماز نہ دُہرائے لیکن مریض اور خائف دُہرا لیں۔

ہیں کہ "یہ کچھ نہیں ہے"۔ (بخاری، مسلم اور نسائی کی روایت اُوپر گذر چکی لہٰذا اس روایت کو شواہد کے لیے پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں)۔
(ع۔ش)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا مریض وخائف اور مُسافر کے مابین تفریق کرنا، یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مریض و مُسافر کو جو پانی نہ پائیں ایک ہی آیت میں تیمم اور نماز کا حکم دیا گیا ہے اور دونوں کے مابین کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔

مریض وخائف جنہیں رفع حرج وعُسر کے باعث تیمّم کی اجازت دی گئی ہے، ان کا حکم بھی ایسا ہی ہے، ان میں سے کسی کے لیے کوئی فرق نہیں ہے، نہ قرآن میں کوئی فرق مذکور ہے اور نہ کسی صحیح یا سقیم سُنّت میں، نہ اجماع میں اور نہ کسی صحابی کے قول میں اور نہ قیاس وراۓ ہی سے فرق کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ امام مالکؒ سے پہلے کسی سے بھی یہ قول منقول نہیں، لہٰذا یہ بالکل ساقط ہُوا اور اب ان لوگوں کا قول باقی رہ گیا کہ سب دُہرائیں یا ان کا یہ قول کہ کوئی بھی نہ دُہراۓ۔ جب ہم ان اقوال کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بنصِ قرآن تیمم پر مامور ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھ چکے ہیں، تو ان دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہو گی، یا تو وہ حسبِ حکم الٰہی نماز ادا کر چکے ہیں یا نہیں؛ اگر وہ یہ کہیں کہ وہ حسبِ حکمِ الٰہی نمازیں نہیں ادا کر سکے تو ہم عرض کریں گے پھر تو انہیں گویا ابتدا ہی سے تیمم اور نماز سے منع کیا گیا ہے لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور اگر کوئی قائل ہو تو وہ خطا کار اور قرآن وسُنن واجماع کا مخالف ہو گا۔ یہ صورت تو یقینی طور پر ساقط ہو گئی اور اب صرف دوسری صورت باقی رہی اور وہ یہ کہ انہوں نے حسبِ حکمِ الٰہی نماز ادا کی ہے، تو جب حسبِ حکمِ الٰہی نماز ادا کی ہے تو پھر ایک دن میں ایک نماز کا دوبار پڑھنا حلال نہیں کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسا کہ درجِ ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

۲۷۷۔ ہم سے عبداللہ بن ربیع نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن اسحاق سے، انہوں نے ابن الاعرابی سے، انہوں نے ابوداؤد سے، انہوں نے ابو کامل سے، انہوں نے یزید ابن زریع سے، انہوں نے حسین معلّم سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے سلیمان بن یسار مولیٰ میمونہ سے)، ابن یسار نے کہا کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس گیا جبکہ وہ مقام بلاط میں نمازیں پڑھ رہے تھے، تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ "تم ایک دن میں کسی نماز کو دوبار نہ پڑھو" (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔ اس حدیث سے اعادہ کا حکم بالکل ساقط ہو گیا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختلاف کی تیسری صورت جس میں لوگ مختلف ہیں، یہ ہے کہ جب دورانِ نماز ہی پانی دیکھ لے تو امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابو ثورؒ اور داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اگر دورانِ نماز ہی پانی دیکھ لے تو نماز جاری رکھے اور اسے دُہراتے بھی نہیں کیونکہ اس سے اس کی طہارت ٹوٹے گی نہیں۔ اگر نماز کے بعد پانی دیکھے تو وضو اور غسل کرے نئی نماز وضو و غُسل کے بغیر نہ ہو گی۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ دورانِ نماز پانی دیکھے یا بعد از نماز، نماز یقیناً ٹوٹ جائے گی لہٰذا اسے وضو یا غسل کر کے از سرِ نو نماز پڑھنا ہو گی۔ ہاں اگر اس نے نماز کے بعد پانی دیکھا ہے تو یہ پڑھی ہوئی نماز درست ہو گی البتہ بعد میں پڑھنے والی نماز کے لیے پانی کے ساتھ طہارت ضروری ہو گی۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب اس مسئلہ میں اختلاف ہے، تو ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں، جن حضرات نے دورانِ نماز یا نماز کے بعد پانی ملنے کے مابین فرق کیا ہے اگر وہ یہ کہیں کہ وہ حسبِ فرمانِ باری تعالیٰ نماز میں داخل ہو گیا تھا، لہٰذا نماز توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی نص یا اجماع سے دلیل ہو۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم میں ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی دلیل بھی نہیں ہے لیکن اس دلیل کا ان کے موقف سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اگر وہ حسبِ ارشادِ باری تعالیٰ نماز میں داخل ہو چکا تھا تو پانی کے لیے دو میں سے ایک حکم ضروری ہے، ایک تو یہ کہ پانی یا تو ناقضِ طہارت ہو گا اور اسے دوبارہ مُحدِث یا جنبی کے حکم میں کر دے گا یا یہ کہ پانی ناقضِ طہارت بھی نہیں ہو گا اور اسے مُحدِث یا جنبی کے حکم میں بھی نہیں کرے گا۔

اگر یہ حضرات کہیں کہ پانی کا دستیاب ہونا نہ تو نقضِ طہارت کا سبب ہے اور نہ اسے مُحدِث یا جنبی کے حکم میں کرے گا، تو ابو سُلیمان اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی جواب ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ تم تو اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ اس کے باوجود اس پر غُسل فرض ہو گا یا وضو اور اس میں تمہارے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے، اگر یہ کہیں کہ جی ہاں یہ بات درست ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ پانی ملنے کی صورت میں خواہ وہ نماز میں ہو یا نماز میں نہ ہو، اسے ہمارے اور تمہارے مذہب کی نص کے مطابق حکم یہ ہے کہ وہ پانی استعمال کرے۔ اگر یہ کہیں کہ دورانِ نماز، مصروفیت کے باعث اسے یہ حکم نہیں ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ فرق بلا دلیل ہے اور دعویٰ بلا بُرہان ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ جب اسے نماز و غیرِ نماز میں پانی کے استعمال کا حکم ہے تو اسے نماز جاری رکھنے کا حکم دینا اور پانی کے عدمِ استعمال پر برقرار رکھنا خطا ہے کیونکہ تمہارے اصُول کے مطابق اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی لہٰذا تمہارے اصُول کے مطابق لازم ہے کہ وہ پانی استعمال کرے اور سابقہ پڑھی ہُوئی نماز پر ہی بنا کرے جیسا کہ تم مُحدِث کے بارے میں کہتے ہو اور ان دو صورتوں میں کوئی فرق نہیں لیکن یہ حضرات اس کے قائل نہیں پس یہ قول بھی ساقط ہو گیا۔

مالکیوں اور شافعیوں نے جو یہ جواب دیا ہے کہ پانی کا وجود طہارت کے لیے ناقض ہے اور غیرِ نماز میں تیمّم کرنے والے کو جُنبی یا مُحدِث کے حکم میں کر دیتا ہے لیکن نماز میں طہارت کے نقض کا سبب نہیں ہے!

امام ابن حزم فرماتے ہیں یہ قول بالکل فاسد اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔قرآن و سُنّت، قیاس اور رائے سے اس قول کی صحت کی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ ایک چیز نماز سے باہر تو حدث ہو لیکن نماز میں حدث نہ ہو، یہ محض دعویٰ ہے اور دعویٰ اس وقت تک باطل ہوتا ہے جب تک قرآن و سُنّت کی کسی دلیل کی اسے تائید حاصل نہ ہو خصوصاً یہ قول کہ نمازی جب نماز کے دوران پانی پاتے تو اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی لیکن جب سلام پھیر دے تو اس پانی کے سبب جسے اس نے دورانِ نماز پایا تھا، اس کی طہارت ٹوٹ جائے گی اور نماز کے بعد وہ طہارت قائم نہیں رہے گی۔یہ یک طرفہ قول ہے، جب عدم ناقض نہیں تو وجود بھی ناقض نہیں۔حالانکہ انہوں نے بعینہٖ ایسی ہی ایک صورت میں امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی ہے یعنی امام صاحب کے اس قول کی کہ قہقہہ دوران نماز وضُو کے لیے ناقض ہے لیکن نماز کے باہر ناقضِ وضو نہیں ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب اس قول کا فاسد ہونا بھی ظاہر ہو گیا تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہی قابلِ عمل رہ گیا جسے ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ "جب تک پانی نہ ملے مٹی پاک کرتی ہے" تو اس سے معلوم ہُوا کہ پانی کی موجودگی میں مٹی سے طہارت صحیح نہیں، ہاں اس مریض وغیرہ کے لیے صحیح ہے جس کے لیے پانی کے استعمال میں کوئی حرج ہو لہٰذا پانی کی موجودگی میں طہارتِ تیمّم باطل ہو گئی۔خواہ آدمی نماز میں ہو یا غیر نماز کی حالت میں، پس سفیان اور ان کے ہم نوا حضرات کا قول صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے یہاں دو مقام پر تناقض باتیں کی ہیں۔ایک تو یہ کہ آپ اس مغلوب انسان کے لیے جو بے وضو ہو جاتے، وضو کرنا اور نماز کو جاری رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ مغلوب چونکہ بے وضو ہُوا تھا لہٰذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کے اصول کے مطابق ضروری تھا کہ آپ اسے وضو کرنے اور نماز جاری رکھنے کا حکم دیتے۔

اور دوسرے یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلام پھیرنا فرض نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک جو شخص نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھ جائے اس کی نماز مکمل ہو جاتی ہے، خواہ وہ عمداً یا بھول کر بے وضو ہو جائے، اس کی نماز درست ہوگی اور اسے دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن یہاں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھ گیا، پھر اس نے سلام پھیرنے سے پہلے ہی پانی پالیا تو اس کی یہ نماز اور طہارت باطل ہو جائیں گی لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ طہارت کر کے دوبارہ ضرور نماز پڑھے۔ یہ بہت قبیح اور نصوص، قیاس اور درست راستے سے از حد بعید تناقض ہے، ہمیں امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی سے اس قسم کی تفریق کا علم نہیں ہے۔

۲۳۵۔ مریض کے لیے یہ حکم نہیں

وہ مریض جسے پانی کی موجودگی میں بھی تیمّم کی اجازت ہے، اس کا حکم اس کے برعکس ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی اس کے صحت یاب ہونے سے اس کی طہارت نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی دلیل وہی حدیث ہے، جس کی ہم نے اتباع کی ہے، یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص پانی پالے تو پانی کے پانے سے اس کی طہارت ختم ہو جائے گی، تو معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے پانی کی موجودگی میں تیمّم اور نماز کا حکم دیا ہے تو اس کے لیے پانی کا وجود ناقضِ طہارت نہیں ہے بلکہ اس کی طہارت بدستور صحیح رہے گی، اس سے معلوم ہوا کہ صحت حدث نہیں ہے کیونکہ اس کے حدث ہونے کا نہ قرآن میں ذکر ہے اور نہ سنّت میں! (حدث کا مطلب بے طہارت ہونا ہے)

اگر یہ کہیں کہ ہم مریض کو مسافر پر قیاس کرتے ہیں، تو ہم عرض کریں گے کہ قیاس سارے کا سارا باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت صحیح بھی ہوتی تو یہ عین باطل ہے، کیونکہ یہ تو قیاس بالضّد ہے اور قیاس کی یہ صورت اصحاب قیاس کے نزدیک باطل ہے، یہ قیاس تو پانی پانے والے کا نہ پانے والے پر ہے، مریض کا تندرست پر قیاس ہے اور اس امر میں تو ان کے ہاں بھی اختلاف نہیں کہ نماز وغیرہ میں ان دونوں کے احکام ایک دوسرے سے مختلف ہیں ــــ وباللہ التوفیق۔

۲۳۶۔ تیمُّم کے ساتھ جتنی نمازیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں

تیمّم کرنے والا تیمّم کے ساتھ فرض اور نوافل وغیرہ جس قدر چاہے اس وقت تک پڑھ سکتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب تک اس کا تیمم حدث یا پانی کی موجودگی کے سبب نہ ٹوٹے۔ مریض کی تیمم کے ساتھ حاصل کردہ طہارت صرف اُس حدث کے ساتھ ٹوٹے گی جو ناقض طہارت ہو! امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری، لیث بن سعد اور داؤد ظاہری یہی فرماتے ہیں۔

اسی طرح ہمیں حماد بن سلمہ از یونس بن عُبید از حسنؒ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تک حدث لاحق نہ ہو وضو کی طرح ایک تیمم سے سب نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ معمر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے زُہری کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تیمم پانی کے قائم مقام ہے، جب تک حدث لاحق نہ ہو، اس سے نمازیں پڑھ سکتا ہے، قتادہ، سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک تیمم کے ساتھ جس قدر چاہو نمازیں پڑھ سکتے ہو، کیونکہ وہ پانی کے قائم مقام ہے۔ یزید بن ہارون اور محمد بن علیؒ[1] بن حسین وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک تیمم کے ساتھ دو فرض نمازیں نہیں پڑھ سکتا بلکہ اُسے ہر نماز کے لیے تیمم کرنا پڑیگا اگر کسی نے تیمم کر کے صبح کی دو سُنتیں پڑھیں، تو صبح کے فرض پڑھنے کے لیے اُسے دوبارہ تیمم کرنا پڑے گا۔ اگر کسی نے تیمم کر کے فرض پڑھ لیے تو اس کے بعد اسی تیمم سے نوافل بھی پڑھ سکتا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے لیے تیمم کرنا ضروری ہے البتہ ہر نماز سے قبل و بعد نوافل پڑھ سکتا ہے شریک کہتے ہیں کہ ہر نماز کے لیے تیمم کرے، شریک کے قول کی مانند ابراہیم نخعی، شعبی، ربیعہ، قتادہ اور یحییٰ بن سعید انصاری سے بھی منقول ہے۔ لیث بن سعد، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

ابو ثور کہتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے وقت تیمم کرے مگر ایک ہی تیمم کے ساتھ سب فوت شدہ فرض نمازوں کی بھی ادائیگی کر سکتا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے قول کی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے نہ قرآن سے، نہ صحیح یا سقیم سُنت سے اور نہ قیاس سے کوئی دلیل اس کی تائید میں ہے۔ تیمم، طہارت ہے یا نہیں ہے اگر طہارت ہے،

---

[1] یہاں محمد بن علی بن حسین سے مراد ابوجعفر باقر محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب ہیں، جو تابعین اور فقہاء اہلِ مدینہ میں سے تھے ۱۱۴ھ یا ۱۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہُوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اس طہارت کے ساتھ اس وقت تک نمازیں پڑھ سکتا ہے جب تک قرآن و سُنت اس کے نقض کو واجب قرار نہیں دے دیتے اور اگر تیمّم طہارت ہی نہیں ہے، تو اس سے کوئی نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ تیمُّم طہارت تو ہے لیکن طہارتِ تامّہ نہیں ہے، صرف نماز پڑھنے کے لیے ایک طریقہ ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ قول بلا دلیل ہے اور جو قول بلا دلیل ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن اس قول کی تکذیب کرتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ط مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ۔ (المائدہ - ۶)

"پاک مٹی لو اور اس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔ اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پُوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔"

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر پر نص ہے کہ تیمّم طہارت ہے اور تیسری وجہ اس قول کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ اس قول میں تضاد ہے کیونکہ انہوں نے یہ کہا کہ تیمّم طہارتِ تامّہ نہیں بلکہ صرف نماز کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس قول کا پہلا حصہ آخری حصے کے متضاد ہے کیونکہ نماز پڑھنے کا طریق طہارت کے سوا اور کچھ نہیں اور اس قول کے بموجب تیمم طہارت ہے بھی اور نہیں بھی! چوتھی وجہ یہ ہے کہ بالفرض اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ نماز کو مباح قرار دینے کا ایک ذریعہ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ اس سے صرف ایک ہی نماز پڑھی جا سکتی ہے، دو نہیں پڑھی جا سکتیں، یہ کہاں سے ثابت ہُوا کہ اس ذریعہ کو اپنا کر ایک نماز پڑھنا تو مباح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن دوسری کو پڑھنا مباح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس نے پانی طلب کر لیا تو اس سے تیمّم کرنے والے کی طہارت ٹوٹ جائے گی اور پھر اس کے لیے فرض ہے کہ ہر نماز کے لیے پانی طلب کرے۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ بات بھی بالکل باطل ہے۔ پہلی وجہ تو یہ کہ تمہاری یہ بات کہ "پانی کا طلب کرنا ناقضِ تیمّم ہے" یہ ایک جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ ہے، اور دوسری وجہ یہ کہ تمہارا یہ کہنا کہ "پھر اس کے لیے فرض ہو گا کہ ہر نماز کے لیے پانی طلب کرے"، یہ بھی باطل ہے۔ کونسا پانی طلب کرے حالانکہ وہ پہلے طلب کر چکا ہے اور اسے یقین ہو چکا ہے کہ اسے پانی نہیں ملے گا! پھر اگر یہ بات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درست ہے تو وہ مریض جس کے پاس پانی موجود ہے اور کونسا پانی طلب کرے، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ قول بالکل فاسد ہے خصوصاً امام مالکؒ کا یہ قول کہ تیمم کے ساتھ فرض پڑھنے کے بعد تو طہارت باقی رہتی ہے اور اس کے ساتھ نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن تیمم کے ساتھ نوافل پڑھنے کے بعد طہارت باقی نہیں رہتی لہٰذا فرض نہیں پڑھ سکتا نیز فرض کے بعد بھی فرض نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح پانی طلب کرنے کے سلسلہ میں ان کے قول کے مطابق اسے فرائض اور نوافل دونوں کے لیے پانی طلب کرنا ضروری ہوگا کیونکہ نوافل کے لیے بھی طہارت ایسے ہی واجب ہے جیسے فرائض کے لیے۔ اُمت میں سے کسی نے ان میں کوئی فرق بیان نہیں کیا اگرچہ ان کے احکام الگ الگ ہیں، ان کے شیخ، جن کی انہوں نے تقلید کی ہے یعنی امام مالکؒ، مؤطا میں فرماتے ہیں:

> "وضو کرنے والا تیمم کرنے والے کی نسبت زیادہ پاک نہیں ہے کیونکہ جس نے تیمم کیا اس نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کیا ہے[1]۔"

امام شافعیؒ کا قول بھی بالکل ہی برخطا ہے کیونکہ آپ نے فرض نمازوں کے لیے تو تیمم کی تجدید کو واجب قرار دیا ہے لیکن نوافل کے لیے تجدید تیمم کو واجب قرار نہیں دیا، یہ قول بھی ان تمام تفصیلات کے باعث غلط ہے جو ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔

ابو ثورؒ کا قول بھی غلط ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اگر نماز کا وقت باقی ہے، جس کے لیے تیمم کیا تھا تو طہارت صحیح ہے اور اگر وقت ختم ہو گیا تو طہارت ٹوٹ جائے گی۔ ہمیں قرآن و سُنت کی روشنی میں یہ کہیں معلوم نہیں ہوا کہ خروج وقت میں بھی حدث ہے۔ شریعت نے مُستحاضہ کو ہر نماز کے لیے یا دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی صورت میں دو نمازوں کے لیے ایک غسل کا حکم دیا ہے۔ قیاس باطل ہے، قیاس کی اگر کوئی صورت حق بھی ہے تو یہ یقیناً باطل ہے۔

---

[1] مؤطا ص ۱۹ میں امام مالکؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ "جس شخص نے نماز کا ارادہ کیا لیکن پانی نہ پایا اور حسب امر الٰہی تیمم کر لیا تو اس نے اطاعتِ الٰہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس شخص نے پانی کو پالیا وہ اس سے زیادہ طاہر نہیں اور نہ اس کی نماز زیادہ مکمل ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے امرِ الٰہی کی اطاعت کی ہے۔ نماز میں داخل ہونے سے پہلے جو پانی پالے اس کو حکمِ الٰہی یہ ہے کہ وضو کرے اور جو نہ پائے اسے حکم یہ ہے کہ تیمم کرلے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ تیمم کرنے والے اور مُستحاضہ کے مابین قیاس کی نہ کوئی مشابہت ہے اور نہ کوئی علتِ جامعہ، لہٰذا یہ قیاس بہر حال باطل ثابت ہُوا اور معلوم ہُوا کہ یہ سب اقوال محض دعوے ہیں جو دلائل کے بغیر ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر یہ کہیں کہ ہمارے اس قول کی مانند ہی ابن عباسؓ، علیؓ، ابن عمرؓ اور عمروؓ بن عاص کا قول ہے تو ہم عرض کریں گے کہ ابنِ عباسؓ کی روایت بالکل ساقط الاعتبار ہے کیونکہ ایک تو یہ حسن بن عمارہ کی سند سے ہے جو کہ ھَالِکٌ (ہلاک کرنے والا) ہے اور پھر وہ ایک ایسے راوی سے روایت کرتا ہے جس کا نام ذکر نہیں کرتا (یعنی مجہول راوی سے روایت کرتا ہے) عمروؓ بن عاص کی روایت بطریقِ قتادہ از عمروؓ بن عاص ہے، حالانکہ قتادہ کی ولادت ہی حضرت عمروؓ بن عاص کی وفات کے بعد ہوئی ہے۔ حضرت علیؓ و ابن عمرؓ کی روایت بھی اس سلسلہ میں صحیح نہیں، اگر صحیح ثابت ہو بھی جاتے تو حجت نہ ہوگی، کیونکہ حُجّت صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے۔

امام مالکؒ، شافعی اور ابو ثورؒ نے جو تقسیم کی ہے تو یہ تقسیم بھی مذکورہ سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں گویا ان تمام مسائل میں ان ائمہ کرام نے مذکورہ صحابۂ کرام کی مخالفت کی ہے۔

نیز ہمارے قول کی مانند حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، پس ثابت ہُوا کہ ہمارا قول صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ جب یہ ہے کہ:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ .... إِلٰى قَوْلِهٖ ـــــ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ (المائدہ۔۶)

"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو مُنہ اور کُہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو" (اس فرمانِ الٰہی تک) "تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو"

گویا اللہ تعالیٰ نے نماز کا ارادہ کرنے والے ہر شخص پر وضو واجب قرار دیا ہے لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک وضو کے ساتھ بہت سی نمازیں پڑھی ہیں لہٰذا وضو اس آیت کے حکم سے خارج ہو گیا اور تیمم باقی رہ گیا جو ہر نماز کا ارادہ کرنے والے کے لیے واجب ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں، خصوصاً مالکیوں اور شافعیوں کی بات جو کہ فرض کے بعد نفل پڑھنے والے کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ نیا تیمم کرنے اور پانی طلب کرنے کے بغیر ہی پڑھ سکتا ہے لہٰذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس باب میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس کا تعلق ان دو سے نہیں ہے۔

اب ہمارے قول اور شریک کے قول کے مطابق کہنے والوں کا تجزیہ باقی رہ گیا، تو ہم بتوفیقِ الٰہی عرض کریں گے کہ جو کچھ تم نے ذکر کیا اس آیت نے اس میں سے کسی چیز کو بھی واجب قرار نہیں دیا، اگر آیت سے ہر نماز کے لیے تیمم کا وجوب ثابت ہوتا ہو تو پھر یہ بھی ثابت ہونا چاہیے کہ غسلِ جنابت ہر نماز کے لیے واجب ہے کیونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وضو، تیمّم اور غسل کے وجوب کا حکم دیا ہے، وہ صرف جُنبیوں اور مُحدِثوں کے لیے ہے اور آیت کا آخری حصہ پہلے کی وضاحت کرتا ہے۔ آخری حصہ یہ ہے کہ:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ (المائدہ۔۶)

"اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں کو چھو کر آئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے تیمم کر لو۔"

اُمت کے دو افراد بھی اس بارے میں اختلاف نہیں کر سکتے کہ یہاں کچھ عبارت محذوف ہے جس پر عطف دلالت کرتا ہے اور آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم مریض ہو یا حالتِ سفر میں ہو اور حدث لاحق ہو جائے یا کوئی بول و براز سے فراغت حاصل کر کے آیا ہو ——————

اس تشریح سے ان کی وہ ساری باتیں باطل ہو گئیں جس سے وہ دھوکہ دہی کا کام لے رہے تھے۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ ہر نماز کے ارادہ کے وقت تجدیدِ طہارت کا حکم نصِ آیت سے ثابت ہے، تو یہ صرف اُس کے لیے ہے جسے وضو کا حکم ہے، نہ اُس کے لیے جسے تیمّم کا حکم ہے تو یہ اس آیت سے بظاہر زیادہ حق ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم صرف اُسے دیا ہے جو مُحدِث ہو، ہر نماز پڑھنے والے کو یہ حکم نہیں دیا اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے بچنے کا ان کے پاس کوئی طریقہ نہیں، لہٰذا اس آیت سے ہر نماز کے لیے تجدیدِ تیمّم کے وجوب کا استدلال باطل ہُوا اور آیت سے صرف ہمارا قول ہی درست ثابت ہُوا۔ نیز معلوم ہُوا کہ تیمم صرف حدث کے باعث ہے اور طہارتِ صحیحہ ہے۔ جب یہ سب اُمور اس آیت سے ثابت ہو گئے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ نمازی ایک تیمّم کے ساتھ دن رات میں جس قدر چاہے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ دن رات سے زیادہ کی بھی پڑھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ مُحدِث یا جُنبی نہ ہو یا جب تک پانی نہ پالے۔ یہ ساری باتیں اسی آیت سے ثابت ہوتی ہیں ــــ والحمد للہ رب العٰلمین۔

۲۳۷۔ تیمّم ہر وقت جائز ہے

تیمّم بروقت اور قبل از وقت یعنی جب بھی کوئی نفل یا فرض نماز پڑھنا چاہے، جائز ہے۔ بالکل وضو کی مانند ہی ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں نفل اور فرض ہر قسم کی نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادۂ نماز کے وقت وُضو، غُسل اور تیمّم کا حکم دیتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم فرض نماز تیمّم سے پڑھ لو تو پھر نفل نہ پڑھو۔ پس ہر وہ انسان جو نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے فرض ہے کہ طہارت حاصل کرے، اگر جُنبی ہے تو غسل کرے، اگر بے وضو ہے تو وضو یا تیمّم کرے۔ جب صورتِ حال یہ ہے کہ وضو و تیمّم وغیرہ کا حکم نماز کے ارادہ کے وقت ہے تو پھر طہارت اور نماز کے مابین کچھ وقفہ ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر ممکن ہی نہیں (اور اس وقفہ کی چونکہ شریعت میں کوئی حد متعیّن نہیں کی گئی لہٰذا) اگر کوئی حد بندی کرتا ہے، تو اس کا یہ فعل باطل ہوگا، کیونکہ حد بندی کے سلسلہ میں قرآن وسُنت، اجماعِ اُمت، قیاس اور قولِ صحابی سے کوئی دلیل ثابت نہیں ہے لہٰذا اس وقفہ کی کمی بیشی وضو اور تیمّم کے ساتھ حاصل کی گئی طہارت کے لیے ناقص نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں اتنا بیان ہی کافی ہے ــــ والحمد للہ ربّ العٰلمین۔

۲۳۸۔ پانی بھول جانے کی صورت میں تیمّم درست ہے

جس شخص کے مال اسباب میں پانی تو تھا لیکن وہ یہ بھول گیا کہ کہاں رکھا ہوا ہے اور اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز مکمل ہوگی کیونکہ پانی بھولنے والا ایسے ہی ہے گویا اس کے پاس پانی موجود ہی نہیں۔ ــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۳۹۔ کشتی پر سوار اور تیمّم

جو شخص سمندر میں جہاز پر سفر کر رہا ہو اور اگر اسے سمندر سے پانی لے کر اس سے طہارت کرنے کی قدرت ہے تو اس کے بغیر اس کی طہارت نہیں ہوگی اور اگر سمندر سے پانی حاصل کرنے کی قدرت نہ ہو تو تیمّم کرنا جائز ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ سمندر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے پانی سے وضو جائز نہیں جو اس کے علاوہ اور کوئی پانی نہ پائے وہ تیمم کرے لیکن حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ سمندر کے پانی سے وضو جائز ہے اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا (المائدہ-۶)

"اگر تمہیں پانی نہ مل سکے تو تیمم کر لو۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جب ہم پانی نہ پائیں تو زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاک بنا دیا گیا ہے" یعنی قرآن وسنت میں مطلق پانی کا ذکر ہے لہٰذا اگر وہ سمندر سے پانی لینے پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو پھر اس کے ذمہ تیمم کرنا ہی فرض ہوگا۔

۲۴۰- پانی کے استعمال سے خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے

اسی طرح جو شخص سفر میں ہو یا حضر میں تندرست ہو یا بیمار اور اس کے پاس صرف ایسا پانی ہو جس کے استعمال سے موت کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا اور اگر وہ اسے گرم کرنا شروع کر دے تو خدشہ ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو اس صورت میں وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے کیونکہ اس کے پاس ایسا پانی نہیں ہے جس سے طہارت پر اسے قدرت نصیب ہو۔

۲۴۱- پانی خرید کر وضو اور غسل کرنا جائز نہیں

جس شخص کے پاس پانی نہ ہو وہ وضو اور غسل کے لیے پانی خرید کر استعمال نہ کرے، قیمت خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اگر اس نے پانی خرید کر استعمال کیا تو اس کا وضو وغسل جائز نہ ہوگا، بلکہ اس پر اس وقت تیمم فرض ہے۔ اگر پانی کا مالک قیمت کے بغیر دینے پر آمادہ نہ ہو تو قیمت ادا کر کے پینے کے لیے پانی خرید لے۔ وضو کے لیے پانی کا مطالبہ کرے، اگر وہ دے دے تو وضو کر لے۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں!

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۲۷۸- چنانچہ بطریق امام مسلم ہمیں یہ روایت پہنچی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عثمان نوفلی نے یہ حدیث بیان کی، ان سے ابو عاصم ضحاک بن مخلد نے، ان سے ابن جُریج نے، ان سے زیاد بن سعد نے، ان سے ہلال بن اُسامہ نے بیان کیا کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فالتو پانی بیچا نہ جائے، کہ اس کی وجہ سے گھاس بھی بیچی جائے"[1]

۲۷۹- ہم سے حمام نے بیان کیا، ان سے عیسیٰ بن اصبع نے، ان سے محمد بن عبدالملک بن ایمن نے، ان سے احمد بن زہیر بن حرب نے، ان سے ان کے باپ نے، ان سے سفیان بن عیینہ نے، سفیان نے عمرو بن دینار سے روایت کیا کہ انہیں ابوالمنہال نے خبر دی کہ) ایاس بن عبد[2] نے ایک شخص سے کہا کہ پانی نہ بیچو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی بیچنے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، کتاب البیوع۔ ابن ماجہ کتاب الاحکام)

(نیز بطریق ابن ابی شیبہ روایت ہے کہ ان سے سفیان بن عیینہ نے ان سے عمرو بن دینار نے، ان سے ابوالمنہال نے بیان کیا کہ حضرت ایاس بن عبد مزنی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو پانی بیچتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ پانی نہ بیچو کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی بیچنے سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے[3]۔

(اور بطریق ابن ابی شیبہ ہی مروی ہے کہ ان سے یزید بن ہارون نے، ان سے ابواسحاق نے، ان سے محمد بن عبدالرحمن نے، ان سے ان کی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمن نے بیان کیا کہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ نقع البئر یعنی ہم کنوئیں کے بچے ہوئے پانی سے روکیں[4] (نقع البئر کی

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱ص ۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲- ونیز مسلم نے اسے بطریق ابن شہاب، از ابن المسیب و ابی سلمہ از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے ص ۱۱۱، بخاری نے ج ۵ ص ۲۱ مع فتح الباری، ترمذی ج ۱ ص ۲۴۰، ابن ماجہ ج ۲ ص ۴۹، یحییٰ بن آدم فی الخراج ۳۱۶ بطریق ابن الزناد، از اعرج از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔

[2] یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی طرف اضافت کے بغیر "عبد" ہے۔ ان کی یہ روایت سنن اربعہ کے علاوہ مسند احمد ۲: ۱۷، ۴۱۷ و ۱۲۸:۴، دارمی ۲: ۱۸۲، ابن جارود ص ۲۸۴، حاکم ۴: ۴۴ و ۶۱ میں موجود ہے۔ ترمذی، حاکم اور ابن ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

[3] اسے یحییٰ بن آدم نے کتاب الخراج حدیث ۳۲۸ میں سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے۔

[4] یہاں حدیث میں لفظ "نقع البئر" ہے۔ نقع نون کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی اس پانی کے ہیں جو کنوئیں سے کھینچنے سے پہلے ہی جمع ہوتا ہے۔ اصل نسخہ میں "نفع" کا لفظ ہے، جو غلط ہے، اس حدیث کو یحییٰ بن آدم نے کتاب الخراج ۳۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر فضل الماء کے ساتھ خود حدیث ہی کے الفاظ ہیں) (مالک: ۳۱۱، محمد: ۳۵۹، ابن ماجہ ۲: ۴۹، حاکم ۲: ۶۱)۔

و نیز بطریق حضرت جابرؓ، ہمیں یہ روایت مسند ابھی پہنچی ہے۔ یہ چار صحابہؓ کرام سے مروی ہے لہٰذا یہ نقل متواتر ہے اور اس کی مخالفت حلال نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم نے پانی بیچنے کی ممانعت کے مسئلہ کو اپنی اس کتاب "المحلّٰی" کے "کتاب البیوع" میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ والحمدللہ!

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے، تو اس کی بیع حرام ہوئی، جب بیع حرام ہوئی تو بذریعہ بیع اس کا حصول باطل ہوا اور جب وہ باطل ذریعے سے حاصل ہوا تو وہ اس کا مالک نہ ہوا اور جب وہ اس کا مالک نہیں تو اس کے لیے اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ - (البقرہ: ۱۸۸)

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ"

اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ دماءکم و اموالکم علیکم حرامٌ۔

"تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں"

جب غصب یا بیع حرام کے علاوہ پانی کے حصول کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اس کے پاس پانی موجود ہی نہیں ہے۔ اور جب پانی موجود ہی نہ ہو تو پھر اس کے ذمّہ تیمّم فرض ہے۔

یں ابراہیم بن ابی یحیی، از صالح بن کیسان، از ابی الرجال یعنی محمد بن عبدالرحمٰن سے بھی ذکر کیا ہے۔ ابراہیم بن ابی یحیی ضعیف ہے۔ اور بھی کئی لوگوں نے ایسی ہی اسانید کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جن میں مقال ہے اور یہاں "المحلّٰی" میں جو سند مذکور ہے یہ صحیح سند ہے جو دیگر اسانید کی تقویت اور صحتِ حدیث کی تائید کرتی ہے۔

لہ مسلم ج ا ص ۶۰۰، احمد ج ۳ ص ۳۲۸۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پینے کے لیے پانی کا خریدنا چونکہ اضطراری صورت کے باعث ہے لہٰذا جائز ہے۔ ہاں بیچنے والے کے لیے اس کی قیمت لینا حرام ہے کیونکہ وہ ناحق قیمت وصول کرتا ہے۔ زائد پانی سے منع کرنا اس کے لیے حرام تھا۔

پانی بطور ہبہ طلب کرنے کے سلسلہ میں نہ تو کوئی حکم ہے اور نہ ممانعت، لہٰذا مباح ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَدَعُوهُ، (اوکما قال علیہ السلام) "جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں، تم بھی مجھے چھوڑ دو، جب کسی چیز کا حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ اور جب کسی چیز سے منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو" تو جب کوئی ہبہ کے ذریعہ مالک بنے تو وہ گویا برحق مالک بنا ہے لہٰذا اس کا طہارت میں استعمال واجب ہوگا۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

پانی خرید کر وضو و غسل کرنے میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام اوزاعی، شافعی اور اسحاق کہتے ہیں کہ قیمت کے ساتھ وضو کے لیے پانی خرید سکتا ہے، ہاں اگر بیچنے والا اصل سے زیادہ قیمت طلب کرے تو پھر نہ خریدے اور تیمم کرلے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ قیمت کے ساتھ نہ خریدے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دراہم کم ہوں اور پانی گراں قیمت پر ملتا ہو تو پھر تیمم کرلے اور اگر اموالِ کثیر کا مالک ہو اور وہ بھی قیمت میں مبالغہ نہ کریں تو خریدلے۔

امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ پانی خرید کر وضو کرنا چاہیے خواہ بطور قیمت اسے اپنا مال ہی کیوں نہ دینا پڑے

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر قیمت کے مالک کی حیثیت پانی کے پانے والے جیسی ہے تو اس کے لیے حکم وہ ہوگا جو حسن بصریؒ نے فرمایا ورنہ ہمارا قول درست ہوگا۔

قیمت کی گرانی و ارزانی کے اعتبار سے جو تقسیم کی گئی ہے تو اس قول کی صحت پر کوئی دلیل نہیں، ہر وہ چیز جس کی ضرورت ہو خواہ وہ کسی بھی قیمت پر ملے اسے گراں نہیں سمجھا جاتا ۔۔۔۔۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۴۲۔ پانی صرف پینے کے لائق ہو تو تیمم کرلے

جس کے پاس پانی اس قدر کم ہو کہ اس سے صرف پینے کی ضرورت ہی پوری ہو سکتی ہے، تو اس پر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرض یہ ہے کہ تیمم کرے کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النسآء، آیت ۲۹) "اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔"

۲۴۳۔پانی سے صرف وضو ہو سکتا ہو تو غسلِ جنابت کے عوض تیمم کرلے

جس آدمی کے پاس پانی کم ہو کہ اس سے صرف وضو ہو سکتا ہو اور وہ جُنبی ہو تو غسلِ جنابت کے عوض تیمم کرے اور اس پانی سے وضو کرلے، اس کے علاوہ کوئی صورت جائز نہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وضو اور تیمم میں سے مقدم کس کو کرے اور موخر کسے، کیونکہ یہ دو الگ الگ فرض ہیں، ان میں سے کوئی ایک، دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا، چونکہ وہ ان دونوں میں سے ایک (وضو) کو بوجہ کمال پانی سے ادا کرنے پر قادر ہے لہٰذا اس کے علاوہ اس کی ادائیگی نہیں ہو سکتی اور دوسرے کو اسے تیمّم کے ذریعہ ادا کرنا پڑے گا جیسا کہ اسے حکم الٰہی ہے۔

۲۴۴۔جب تھوڑا سا پانی بچ جائے تو کیا کرے

اگر اس کے پاس تھوڑا سا پانی بچ جائے جس سے صرف چند اعضاء کا دھونا ممکن ہو، سارے اعضاء کا دھونا ممکن نہ ہو تو جتنے اعضاء کا دھونا اس کے لیے ممکن ہے، انہیں دھوئے اور پھر تیمم کرلے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، جن اعضاء کو چاہے دھوئے اور تیمم کرلے[۱]۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ طرزِ عمل غلط ہے۔ کیونکہ وہ سارے اعضاء کو دھونے پر قادر ہے لیکن عدمِ وجودِ پانی کی وجہ سے بعض اعضاء نہیں دھو سکتا لہٰذا بعض اعضاء کا دھونا اس کے لیے کافی ہے اور لیکن وہ اس طہارت پر قادر نہیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے پانی سے کرنے کا دیا ہے۔ اور جس شخص کے لیے یہ صورت درپیش ہو اس پر تیمم فرض ہے کیونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے پاک مٹی کو پانی کے قائم مقام

[۱] مصری نسخہ کے حاشیہ پر ہے کہ یہ امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک ہے، آپ نے یہاں جو یہ فرمایا ہے کہ جن اعضاء کو چاہے دھولے، یہ جنبی کے بارے میں ہے حالانکہ اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ اعضاء وضو کو پہلے دھوئے، محدث اپنے چہرہ کو پہلے دھوئے، پھر ہاتھوں کو یعنی اس ترتیب کے مطابق جو آپ کے نزدیک واجب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر دیا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ" یہ انسان چونکہ وضو و غسل کے بعض اعضاء کے دھونے کی طاقت رکھتا ہے، باقی کے دھونے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر فرض ہے کہ پہلے جن اعضاء کو دھونا فرض ہے انہیں دھولے، پہلے چونکہ اعضاء وضو کو دھونا فرض ہے لہٰذا اسے پہلے وضو کرنا چاہیے اور پھر اعضاء غسل میں سے جن کو دھو سکتا ہو دھولے، جب پانی ختم ہو جائے تو باقی اعضاء کے لیے تیمّم کرے کیونکہ ان کی طہارت کے لیے اس کے پاس پانی نہیں ہے لہٰذا حسب فرمان الٰہی پانی کے عوض پاک مٹی استعمال کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی کے بعض اعضاء نہ ہوں یا زخم یا ٹوٹے ہوئے ہونے کے باعث ان تک پانی پہنچانے کی قدرت ہی نہ رکھتا ہو تو ان کا حکم ساقط ہو گا خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، باقی کا غسل ہی کفایت کر جائے گا کیونکہ اس کے پاس پانی تو ہے لیکن وہ اعضاء پاک کرنے سے عاجز ہے، پانی کی موجودگی کے باعث وہ اہل تیمّم میں سے بھی نہیں لہٰذا جن اعضاء کے دھونے کی اسے قدرت نہیں، ان سے حکم ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ-۲۸۶) "اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

۲۴۵- جنابت میں دو تیمّم کیے جائیں

جو شخص جنبی ہو جائے اور اس کے پاس پانی نہ ہو تو اس کے لیے دو تیمّم کرنا ضروری ہے، ایک کے ساتھ تطہیر جنابت اور دوسرے کے ساتھ وضو کی نیت کرے، ان میں سے جس کو چاہے، پہلے کر لے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ دو عمل ہیں جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ کوئی ایک عمل دو فرضوں سے کفایت نہیں کر سکتا، اِلّا یہ کہ کوئی نص آجائے نص اس سلسلہ میں تو ہے کہ وضو کے اعضاء کا دھونا، وضو اور غسل جنابت سے کفایت کر سکتا ہے لہٰذا ہم نے اسے قبول کر لیا، لیکن تیمّم کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہے کہ ایک ہی تیمّم غسل جنابت اور وضو دونوں کے لیے کافی ہے (لہٰذا وضو اور جنابت کے لیے دو بار تیمّم کرنا پڑے گا)[1]

[1] مصری نسخہ پر یہاں یہ حاشیہ درج ہے کہ شیخ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث عمار اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح اگر کوئی عورت جنبی ہو، پھر اسے حیض بھی آجائے اور پھر جمعہ کے دن مدتِ حیض ختم ہو جائے اور وہ مسافر ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو تو اسے یقیناً چار دفعہ تیمم کرنا پڑے گا (۱) حیض کے لیے (۲) جنابت کے لیے (۳) وضو کے لیے، اور (۴) جمعہ کے لیے۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں اور اگر اس نے کسی میت کو غسل دیا تھا تو پھر اسے پانچواں تیمم بھی کرنا پڑے گا۔ اس کی دلیل اور وجوہ واسباب ہم غسل کے مسائل میں ذکر کر آئے ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۴۶ جب مٹی اور پانی کچھ بھی نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے

جو شخص سفر یا حضر میں قیدی ہو اور اس کے پاس مٹی ہو اور نہ پانی، یا اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا ہو اور نماز کا وقت آجائے، تو وہ اسی طرح ہی نماز پڑھ لے، اس کی نماز مکمل ہو گی اور اسے دہرانے کی بھی ضرورت نہیں، خواہ پانی اسی وقت اسے مل جائے یا بعد از وقت۔

اس کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (التغابن: ۱۶) "حسبِ استطاعت اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

ونیز:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرۃ: ۲۸۶) "اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

وضو اور جنابت کے لیے ایک ہی تیمم کافی ہے کیونکہ ان کا بیان ہے کہ میں جنبی ہو گیا تھا اور میرے پاس پانی نہ تھا تو میں جانور کی طرح زمین پر لوٹ لیا۔ پھر جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا بس تمہیں اس قدر کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں سے یوں کرتے، پھر آپ نے زمین پر اپنے ہاتھ کو مارا اور بائیں ہاتھ کو دائیں پر پھیرا اور پھر دونوں میں پھونک ماری پھر ان کے ساتھ چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ بخاری اور مسلم نے اس کو روایت کیا۔ وجہ استدلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "بس تمہیں اسی قدر کافی تھا" اور یہ صیغۂ حصر ہے (ابن حزم نے عدمِ علم کا اظہار کیا ہے، لہٰذا وجود نص کے بعد ابن حزم کا یہی مسلک ہوگا بشرطیکہ واضح طریقے سے ثبوت بہم پہنچ جائے)۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ۔"

نیز یہ بھی فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (الانعام: ۱۲۰)

"جو چیزیں اُس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں، وہ ایک ایک کرکے بیان کر دی ہیں، مگر اس صورت میں کہ تم ناچار ہو جاؤ۔"

ان نصوص کی روشنی میں ثابت ہُوا کہ ہم صرف انہی احکامِ شرعیہ کے مکلّف ہیں، جن کی ہمیں استطاعت ہے اور جن احکام کے بجالانے کی ہمیں استطاعت ہی نہیں، وہ ہم سے ساقط ہیں اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ نماز کے لیے وضو یا تیمم کا ترک کرنا حرام ہے۔ ہاں اضطراری کیفیت ہو تو پھر الگ بات ہے جیسے کہ یہ شخص جس کے پاس نہ مٹی ہے اور نہ پانی، ترکِ طہارت کے سلسلہ میں مُضطر ہے تو اس سے یہ حکم ساقط ہو جائے گا، لہٰذا اس کا ترکِ تطہر حرام نہیں ہوگا نماز کی ادائیگی اور ایمان پر چونکہ اسے قدرت حاصل ہے لہٰذا فریضہ نماز اس سے ساقط نہیں ہوگا، اور جب وہ ایسے ہی نماز پڑھ لے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو اس نے گویا فرمانِ باری کے مطابق ہی نماز ادا کی ہے اور جو حسبِ فرمانِ باری تعالیٰ نماز ادا کرے تو اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں رہتا اور ہم قبل ازیں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ نماز اوّل وقت پر پڑھنا ہی افضل ہے (لہٰذا اسے پانی یا مٹی ملنے کی امید پر نماز کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے!)

امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ جس شخص کی یہ صورتِ حال ہو، اسے اس وقت تک اسے نماز ہی نہیں پڑھنا چاہیے، جب تک اسے پانی نہیں مل جاتا۔ امام ابوحنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیمم کر سکتا ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لے اور جب اسے پانی میسر آئے، تو نماز کو دُہرانا اس کے لیے ضروری ہوگا اور اگر خدشہ ہو کہ ٹھنڈے پانی سے وضو کیا تو سردی کے باعث موت واقع ہو جائے گی، تو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے، نماز ہو جائے گی۔ امام ابویوسفؒ، محمد بن حسنؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اسی حالت میں مٹی و پانی کے بغیر نماز پڑھ لے، جب پانی میسر آئے تو نماز دُہرائے، اگر شہر میں مٹی مل جائے تو تیمم کرکے پڑھ لے اور جب پانی ملے تو نماز کو دُہرانا ضروری ہوگا۔

امام زُفر فرماتے ہیں کہ جو شخص شہر میں مقید ہو اور اسے پانی یا مٹی میسر نہ ہو تو وہ نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُسے پانی میسر آجائے لیکن تیمم سے ہرگز نہ پڑھے، جب پانی ملے تو وضو کرے اور فوت شدہ ساری نمازوں کو پڑھے۔ ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ نہ نماز پڑھے اور نہ دُہرائے۔ اور ابو ثورؒ کہتے ہیں اسی حال میں وہ پڑھ لے جس حال میں وہ ہے اور نہ دُہرائے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول میں تناقض ظاہر ہے کیونکہ آپ شہر میں مریض یا موت سے ڈرنے والے کے علاوہ اور کسی کے لیے تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے جیسا کہ اس کے لیے بھی وضو اور تیمم کے بغیر نماز جائز نہیں سمجھتے یعنی دونوں میں آپ نے کوئی فرق نہیں کیا، اور پھر دونوں کے مابین یہ فرق کیا ہے۔ حالانکہ آپ کے نزدیک دونوں کی نمازیں جائز نہیں۔ ایک کو تو آپ نے حکم دیا کہ وہ ایسی نماز پڑھ لے جو جائز نہیں اور دوسرے کو آپ نے یہ حکم دیا کہ وہ نماز ہی نہ پڑھے، حالانکہ یہ غلطی ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں۔ لہٰذا امام صاحب کا یہ قول بالکل ساقط ہو گیا جو کسی سے مخفی نہیں اور پھر آپ کے پاس کوئی دلیل بھی تو نہیں جس کا سہارا لے سکیں!

امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا قول بھی مبنی بر خطا ہے کیونکہ انہوں نے ایسی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو ان کے نزدیک درست نہیں، جب یہ نماز درست ہی نہیں، تو اس کے پڑھنے کا فائدہ؟

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (سورۃ محمد: ۳۳) "اور اپنے عملوں کو ضائع نہ ہونے دو۔"

امام زُفرؒ کا قول بھی درست نہیں کیونکہ انہوں نے اُس وقت نماز نہ پڑھنے کے لیے کہا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور انہوں نے اس وقت نماز پڑھنے کے لیے کہا ہے، جس وقت تک نماز کو مؤخر کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بروقت نماز کی ادائیگی کے لیے نہایت شدت سے تاکید فرمائی ہے جیسا کہ حسبِ ذیل آیہ سے ثابت ہوتا ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبہ: ۵)

"اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے اس وقت تک راہ کشادہ کرنے کا حکم نہیں دیا جب تک وہ کفر سے تائب ہو کر فریضہ نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے لگ جائیں، لہٰذا جس حکم کی تاخیر میں اللہ تعالیٰ نے کوئی گنجائش نہیں رکھی، اُسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مؤخر کرنا جائز نہیں۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ زُفر اور ہر اُس شخص کا قول جو نماز مؤخر کرنے کا حکم دیتا ہے فاسد ہے

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ بالکل نماز نہ پڑھے، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ "بے وضو کی اُس وقت تک نماز قبول نہیں جب تک وہ وضو کرلے"

نیز آپؐ نے فرمایا:

لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلٰوۃً بِغَیْرِ طُھُوْرٍ "طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی نماز قبول نہیں فرماتا"

ان احادیث کے پیشِ نظر ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ہم اس کام کے کرنے کا حکم ہی نہیں دیتے جسے اللہ تعالےٰ قبول نہیں فرماتا، اس وقت چونکہ وہ وضو و طہارت کے بغیر ہے لہٰذا نماز نہ پڑھے اور بعد میں بھی نہ پڑھے کیونکہ اسے مؤخر کرنا بھی حرام ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول صحیح ترین قول ہوتا، اگر ہمیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ پہنچا ہوتا کہ آپ نے ہم سے ان تمام احکام کی ادائیگی ساقط قرار دے دی ہے، جن کی تعمیل کی ہم استطاعت ہی نہیں رکھتے، ہم پر صرف انہی اوامر و احکام کی بجا آوری فرض ہے، جن کی ہمیں قدرت ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: ۱۶) "جہاں تک ہو سکے، اللہ سے ڈرو"

تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مذکورہ فرمودات اس شخص کے لیے ہیں جسے وضو و طہارت کی قدرت ہو یعنی جس کے پاس مٹی یا پانی ہو، آپ کے ان ارشادات کا تعلق اس شخص سے نہیں ہے جو وضو اور تیمم پہ قدرت ہی نہیں رکھتا، چنانچہ نصوصِ قرآن و سُنّت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جن اُمور کے بجالانے کی ہمیں استطاعت ہی نہیں وہ ہم سے ساقط ہیں۔ ہمیں صرف ان کے بجالانے کا حکم ہے، جن کی ہمیں طاقت ہے۔ یہ انسان چونکہ اسی طرح نماز پڑھنے کی قدرت رکھتا تھا لہٰذا اسے ایسے ہی پڑھنا چاہیے، اس پر قضا بھی نہیں ہوگی — وباللہ تعالیٰ التوفیق وہ قضا کیوں دے حالانکہ یہ نص بھی موجود ہے۔

۲۸۰ [جیسا کہ ہم سے عبداللہ بن ربیع نے، ان سے ابن سلیم نے، ان سے ابن الاعرابی نے، ان سے ابوداؤد نے، اُن سے نُفیلی نے، اُن سے ابومعاویہ نے، ان سے ہشام بن عُروہ نے، ان سے ان کے باپ نے بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسید بن حضیر اور کچھ لوگوں کو اُس ہار کی تلاش میں بھیجا، جو حضرت عائشہؓ سے گم ہو گیا تھا، چنانچہ اسی تلاش کے دوران نماز کا وقت ہو گیا، تو انہوں نے وضو کے بغیر ہی نماز پڑھ لی، اور پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تیمم نازل فرما دی (ابوداؤد۔ نسائی، کتاب الطہارۃ)۔

۲۸۱۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری، از زکریا بن یحییٰ از عبداللہ بن نمیر از ہشام بن عروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اسماءؓ سے ایک ہار مستعار لیا، جو سفر میں کہیں کھو گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا جس نے اسے تلاش کر لیا، ادھر نماز کا وقت ہو گیا اور پانی موجود نہ تھا لہٰذا انہوں نے بلا وضو ہی نماز پڑھ لی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس امر کی شکایت کی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تیمم نازل فرما دی (بخاری، کتاب الطہارۃ)

• پس ثابت ہوا کہ حضرت اُسیدؓ اور دوسرے چند صحابہ کرام کا فعل اللہ تعالیٰ کے حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے عین مطابق تھا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۴۷۔ حالتِ سفر اور پانی کی عدم موجودگی نیز بیماری میں مباشرت جائز ہے

جو شخص سفر میں ہو، پانی پاس نہ ہو یا بیمار ہو اور پانی کا استعمال نقصان دہ ہو اس کے باوجود وہ اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے اور مباشرت بھی کر سکتا ہے حضرت ابن عباسؓ، جابر بن زیدؒ، حسن بصریؒ، سعید بن مسیبؒ، قتادہ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق، داؤد اور جمہور اصحابِ حدیث کا یہی قول ہے۔

حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عوفؓ اور ابن عمرؓ سے ممانعت منقول ہے عطاء کہتے ہیں کہ اگر پانی تک پہنچنے کے لیے تین راتوں یا اس سے کچھ کم کی مسافت ہو تو مباشرت نہ کرے اور اگر چار راتوں کی مسافت ہو تو مباشرت کر لے زہریؒ کہتے ہیں کہ اگر مسافر ہو تو مباشرت نہ کرے اور اگر ہمیشہ ہی سفر میں رہتا ہو (خانہ بدوشوں کی طرح) تو مباشرت کر لے، خواہ پانی پاس نہ ہو۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر مسافر ہو اور باوضو ہو تو نہ مباشرت کرے اور نہ بوس و کنار، اگر زخمی ہو اور زخم کا حکم تیمم ہو تو پھر مباشرت بھی کر سکتا ہے اور بوس و کنار بھی، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زخم کے باعث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاملہ طول پکڑ جاتے، امام مالکؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر (عورت حائضہ ہو، اس کے ایام ختم ہو گئے ہوں اور وہ) تیمم کر کے نماز پڑھ رہی ہو تو ان حالات میں اس کا خاوند اس سے مباشرت نہ کرے۔ (یعنی وہ طاہر ہوا اور اس نے تیمم کیا ہو غسل نہ کر سکی ہو تو اس کا خاوند مباشرت نہ کرے)!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ عطاء کی تقسیم بلا وجہ ہے کیونکہ اس حد بندی کا قرآن و سنت سے تعین ثابت نہیں ہے زہریؒ کی تقسیم بھی اسی طرح بلا وجہ ہے، امام مالکؒ کے قول کی حیثیت بھی یہی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی تفریق ہے جسے قرآن مجید، سنت رسول (صحیح وسقیم) اجماع، قول صحابی، قیاس اور احتیاط کسی چیز نے واجب قرار نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا نام طُہر رکھا ہے اور اس کے ساتھ نماز کو جائز قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آدمی کو فریضہ زوجیت کی ادائیگی کی طرف رغبت دلائی ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی پر اجر و ثواب بھی ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کی کوئی تخصیص نہیں کی کہ جس کا حکم غسل اور وضو کا ہو، تیمم کا حکم اس سے مختلف ہے۔

امام ابن حزم مزید فرماتے ہیں:

تعجب ہے کہ امام مالکؒ جنابت، وضو اور حیض کے لیے ایک ہی تیمم کافی سمجھتے ہیں اور پھر جس ناپاک یا حیض والی عورت نے تیمم کے ساتھ طہارت حاصل کی ہو اس سے مباشرت کو بھی روکتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ دو الگ الگ عمل ہیں اور جب دو الگ الگ عمل ہیں، تو پھر ان سے ایک ہی تیمم کیونکر کفایت کر سکے گا؟

جو حضرات اس صورت میں مباشرت سے روکتے ہیں، ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو عورتوں کو ہمارے لیے کھیتی اور لباس بنایا ہے اور بیویوں اور باندیوں سے مباشرت کا ہمیں حکم دیا ہے، حتیٰ کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم اُٹھانے والے کے لیے واجب قرار دیا ہے کہ وہ مدت مقررہ کے اندر اپنی بیوی کے پاس جاتے یا پھر اسے طلاق دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے مباشرت کرنے والے کو غسل اور مُحدث کو وضو کا حکم دیا ہے، جب پانی موجود ہو اور اگر پانی موجود نہ ہو تو پھر انہیں تیمم کا حکم دیا ہے، ان میں سے کسی عمل کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ کوئی ایک دوسرے کی نسبت زیادہ باعث طہارت و اتمام نماز ہے، تو معلوم ہوا کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے لہٰذا کوئی معنی نہیں کہ جسے تیمم کا حکم ہو اسے وطی سے روکا جائے، جیسا کہ اسے نہیں روکا جا سکتا جس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے غسل کا حکم ہو کیونکہ نص کے اعتبار سے دونوں ایک ہی ہیں، یہ نہیں کہ ان میں سے ایک اصل اور دوسرا فرع ہے بلکہ قرآن مجید میں دونوں کو یکساں بیان کیا گیا ہے ـــ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۴۸۔ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کا امام بن سکتا ہے یہ جائز ہے کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کا امام بنے، اور وضو کرنے والا تیمم کرنے والوں کا، اور مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کا، اور پاؤں دھونے والا مسح کرنے والوں کا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے فرض کو ادا کیا ہے، کوئی دوسرے کی نسبت زیادہ طہارت کا حامل نہیں ہے اور نہ کسی ایک کی دوسرے کی نسبت نماز زیادہ مکمل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے، تو جو سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو وہ نماز پڑھائے" اس کے علاوہ آپ نے اور کوئی تخصیص نہیں فرمائی اگر اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی واجب ہوتی تو آپ اسے بھی یقیناً بیان فرما دیتے اور اسے مہمل نہ چھوڑتے۔ حاشا اللہ عن ذٰلک۔

اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، زفرؒ، سفیانؒ، شافعیؒ، داؤد ظاہریؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور ابوثورؒ کا ہے۔ و نیز حضرت ابن عباسؓ، عمار بن یاسرؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے یہی مروی ہے، اور یہی قول سعید بن مسیبؒ، حسنؒ، عطاءؒ، زہریؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ کا بھی ہے۔

مانعین حضرت علیؓ بن ابی طالب سے اس کی ممانعت مروی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کو اور مقید آزاد لوگوں کو نماز نہ پڑھائے۔ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ جنابت کے باعث تیمم کرنے والا صرف اپنے جیسے لوگوں کی امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے، یحییٰ بن سعید انصاریؒ کا بھی یہی قول ہے، محمد بن حسنؒ اور حسن بن حیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص امام نہ بنے، امام مالکؒ اور عبید اللہ بن حسن[1] نے مکروہ سمجھا ہے، ہاں اگر نماز پڑھا دے تو وہ ہو جائے گی۔ اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ایسا شخص حاکم ہے تو وہ پڑھا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

---

[1] عُبَیدُ اللہ۔ تصغیر کے ساتھ ـــ بن حسن عنبریؒ قاضی اور فقیہ تھے، بصرہ میں منصب قضا پر فائز رہے، علم و فقہ کے اعتبار سے بصرہ کی سرکردہ شخصیتوں میں سے تھے، ۱۰۵ھ میں ولادت اور ذوالقعدہ ۱۶۸ھ میں وفات ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس کی ممانعت یا کراہت کی قرآن و سنّتِ رسول اور اجماع و قیاس سے کوئی دلیل نہیں، اسی طرح جن حضرات نے تقسیم کی ہے یعنی اگر یہ صورت ہو تو پڑھا سکتا ہے اور وہ ہو تو نہیں پڑھا سکتا، یہ تقسیم بھی بلا دلیل ہے۔

۲۴۹۔ جُنبی، حائضہ کس طرح تیمّم کریں؟

جُنبی، حائضہ اور ہر وہ شخص جس پر غُسل واجب ہو وہ اُسی طرح تیمّم کرے جیسے مُحدِث کرتا ہے یعنی تیمّم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حضرت عُمر بن خطّاب اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جُنبی شخص تیمّم نہ کرے، جب پانی ملے تو غُسل ہی کرے۔ اَسْوَد اور ابراہیم سے بھی یہی قول مروی ہے جیسا کہ

۲۸۲۔ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات نے بیان کیا، اُن سے احمد بن عبدالبصیر نے، ان سے قاسم بن اصبغ نے، اُن سے محمد بن عبدالسلام خشنی نے، ان سے محمد بن بشار نے، ان سے محمد بن جعفر نے، ان سے شعبہ نے از واصل اَحدَب اور حکم بن عُتَیبہ] واصل نے کہا کہ مَیں نے ابو وائل سے سُنا، وہ کہتے تھے کہ حضرت عُمر بن خطّاب اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ـــــ جو دونوں ہی مجھ سے بہتر ہیں ـــــ فرماتے تھے کہ "اگر جُنبی پانی نہ پاتے، تو وہ نماز نہ پڑھے" لیکن اگر مجھے پانی نہ ملے تو مَیں تیمّم کر کے نماز پڑھ لُوں گا۔

حَکَم کہتے ہیں کہ مَیں نے ابراہیم نخعیؒ سے پوچھا کہ جب آپ حالتِ جنابت میں ہوں اور پانی نہ ملے تو؟ اُنہوں نے فرمایا کہ مَیں نماز نہیں پڑھوں گا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ابو اسحاق سے پوچھا کیا یہ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ "اگر مجھے حالتِ جنابت میں ایک ماہ تک پانی نہ ملے، تو مَیں نماز نہیں پڑھوں گا"؟ انہوں نے کہا جی ہاں بلکہ اَسْوَد نے بھی یہی کہا ہے۔

ان دونوں کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ یہ فرماتے ہیں کہ جُنبی تیمّم کرلے۔

۲۸۳ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از مسدد از یحییٰ بن سعید قطان از عوف ابن ابی جمیلہ از ابو رجاء عُطارِدی بیان کیا کہ] حضرت عمران بن حُصینؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے، پھر انہوں نے حدیث بیان کی، اس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز پڑھائی، جب آپ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز سے فراغت کے بعد صحابہ کرام کی طرف رُخ پھیرا تو آپؐ نے ایک شخص کو الگ تھلگ دیکھا جس نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کیا میں حالتِ جنابت میں ہوں اور پانی موجود نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا "مٹی کو لازم پکڑو۔ وہ تمہارے لیے کافی ہے" یعنی مٹی سے تیمم کر لو۔ (بخاری ونسائی، کتاب الطہارۃ)

جن حضرات نے ابن مسعودؓ کے قول کو اپنایا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدہ: آیت ۶)

"اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو۔"

یعنی جنبی کو صرف غسل ہی کا حکم دیا ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرموداتِ باری تعالیٰ کی توضیح وتشریح فرمائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا منصب یہ بیان فرمایا ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

"تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

"جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔"

اور یہ بھی فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۳-۴)

"اور (رسول دین میں) کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں کرتا وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وحی الٰہی ہے۔"

اور آپؐ نے یہ وضاحت فرما دی ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں جُنبی کے لیے تیمم کا حکم ہے۔

اگر یہ حضرات اس حدیث کا تذکرہ کریں جسے

۲۸۴ ———— [ہم نے بطریق محمد بن سعید بن نبات، از احمد بن عون اللہ، از قاسم بن اصبغ، از محمد بن عبدالسلام خشنی، از محمد بن بشار، از محمد بن ابی عدی، از شعبہ از مخارق بن عبداللہ روایت کیا کہ] حضرت طارق بن شہابؓ[1] سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے

[1] طارق بن شہاب کے بارے میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کا شرف حاصل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض کیا یا رسُول اللہ! مَیں جُنبی تھا لہٰذا مَیں نے نماز نہیں پڑھی، آپؐ نے فرمایا "بہت اچھا" پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے عرض کیا مَیں جُنبی تھا لہٰذا مَیں نے تیمّم کر کے نماز پڑھی ہے، آپؐ نے فرمایا "بہت اچھا"۔

ہم عرض کریں گے کہ یہ خبر صحیح ہے، مُخارِق ثقہ اور تابعی ہیں اور طارق صحابی ہیں اور صحیح بات یہی ہے کہ آپ کو شرفِ صحبت نصیب ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ اب اس خبر سے متعلق ہم یہ عرض کریں گے کہ جس شخص نے نماز نہیں پڑھی تھی، اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس وقت اس تیمّم کا حکم ہے اور شرعی احکام کے مطابق اسی وقت عمل کرنا لازم ہوتا ہے جب ان کا علم ہو جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

لِأُنذِرَكُم بِهِۦ وَمَنۢ بَلَغَ (الانعام: ۱۹)

"اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے گا، آگاہ کر دُوں"!

اور جس نے تیمّم کیا اسے معلوم تھا کہ اس حالت میں اس پر تیمّم کرنا ہی فرض ہے لہٰذا اسے اس کی خلاف ورزی کرنا جائز ہی نہیں تھا۔ جُنبی جب پانی نہ پاتے تو اُس وقت اس پر یا تو تیمّم فرض ہو گا یا نہیں ہو گا، اگر فرض ہو گا تو اسے فرض نہ سمجھنے والے خطا کار ہوں گے اور اگر فرض نہیں ہو گا، تو وہ خطا کار ہو گا جس نے تیمّم کیا تھا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان مذکورہ صورتوں میں تیمّم کرنا ہی فرض ہے جیسا کہ ہم حدیثِ عمران بن حُصینؓ کی روشنی میں قبل ازیں ذکر کر آتے ہیں لہٰذا ہماری بات دُرست ہوتی کہ ان صحابۂ کرامؓ میں سے ایک کو علم نہ تھا لہٰذا اس نے

---

۱ لیکن سماع کا نہیں، تہذیب، ج ۵، ص ۴۔ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور خلافتِ صدیقؓ میں جہاد میں حصّہ لیا۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۴۲ مُسند الطیالسی، ص ۱۸۰۔ الاستیعاب، ص ۲۲۰ باسناد صحیح۔ امام ابن حزمؒ نے جو یہ فرمایا کہ یہ صحابی ہیں اور ان کا شرفِ صحبت صحیح ہے، کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے طیالسیؒ نے ص ۱۸۱ میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں شعبہ نے مُخارِق سے بیان کیا، وہ کہتے تھے کہ مَیں نے طارق بن شہاب سے سُنا، فرماتے تھے کہ وفد بجیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا تو آپؐ نے فرمایا "ابدأ بالاحسین" اور ہمارے لیے دعا فرمائی۔" اس انداز میں کسی واقعہ کی حکایت وہ بیان کر سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور جس نے گفتگو سُنی ہو، جیسا کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور راجح بھی یہی ہے۔ طارق کو صحابی ماننے کی صورت میں مُخارِق تابعی ہوں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کیا اور دوسرے کو چونکہ یہ حکم معلوم تھا لہٰذا وہ اسے بجالائے۔

حائضہ عورت اور ہر وہ شخص جس پر غسل واجب ہو تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذکر کر آئے ہیں کہ "زمین کو ہمارے لیے مسجد اور جب تک پانی نہ پائیں اس کی مٹی کو طہور بنا دیا گیا ہے" لہٰذا ہر وہ شخص جسے طہارت کا حکم ہو، جب پانی نہ پائے تو مٹی کا استعمال اسے کافی ہے جیسا کہ اس خبر کے نص کے عموم سے ثابت ہوا۔

۲۵۰۔ تیمّم کس طرح کرے؟

تیمّم جنابت کے لیے ہو یا حیض کے لیے، کسی بھی فرض غسل کے لیے ہو یا وضو کے لیے، الغرض ہر طرح کے تیمّم کا طریقہ ایک ہی ہے ہر قسم کے لیے سب سے پہلے واجب یہ ہے کہ وہ اس بات کی نیت کرے کہ وہ کس مقصد کے لیے تیمّم کر رہا ہے، طہارت نماز کے لیے، جنابت یا اندام نہانی میں آلہ تناسل کے دخول کے بعد حیض سے طہارت کے لیے، نفاس کے باعث، جمعہ کے دن کے لیے، یا غسل میت کی وجہ سے، پھر اس نیت کے ساتھ ہی اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارے، پھر ان میں پھونک مارے اور اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کے باہر کے حصہ اور پہونچوں پر مسح کرے (صرف ایک بار ہی کافی ہے)۔ سارے چہرہ اور ساری ہتھیلیوں پر ہاتھوں کا مسح ضروری نہیں ہے۔ تیمّم میں بازوؤں، سر، پاؤں اور جسم کے کسی دوسرے حصہ پر مسح کرنا بھی ضروری نہیں۔

وجوبِ نیت کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہ[1] فرماتے ہیں کہ وضو اور غسلِ جنابت بغیر نیت کے درست ہے لیکن ان دونوں کے لیے تیمّم بغیر نیت کے درست نہیں۔ حسن بن حی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ نیت کے بغیر درست ہے۔

ہم نے جو یہ کہا تھا کہ جنابت، حیض، نفاس اور دیگر سب امور کے لیے تیمّم کی صورت ایسی ہی ہوگی جیسی کہ رفع حدث کے لیے ہوتی ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ غسل اور تیمّم پر گفتگو کرنے والے ائمہ وفقہاء میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

تیمّم میں سر، پاؤں اور دیگر تمام جسم کے مسح کے سقوط پر یقینی طور پر اجماع ہے، ہاں حضرت عمار بن یاسرؓ

---

[1] مصری نسخہ میں امام ابوحنیفہؒ کے بجائے ابو یوسف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے آنحضرت صلّی اللہ و سلّم کی حیاتِ طیّبہ میں جو عمل کیا تھا، اس سے آپؐ نے منع فرما دیا تھا۔

تیمُّم کے سارے مسائل مُختَلف فیہ ہیں: مثلاً کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تیمّم کے لیے ہاتھوں کا زمین پر دو بار مارنا ضروری ہے۔ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سارے چہرے اور ہاتھوں پر تیمُّم کے لیے مسح کرنا چاہیے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہاتھوں کا بغلوں تک اور بعض دیگر کہتے ہیں کہ کہنیوں تک مسح کرنا چاہیے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تیمّم کے لیے دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں اور بازوؤں کی کہنیوں تک کے لیے، ان کا اِستدلال درجِ ذیل احادیث سے ہے:

۱۔ بطریق حضرت ابو اُمامہ باہلی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تیمّم کے لیے دو ضرب ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں کے لیے!

۲۔ بطریق حضرت عمّار بن یاسرؓ، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "کہنیوں تک" یعنی ضربِ ثانی سے کہنیوں تک مسح کرو۔

۳۔ بطریق حضرت ابنِ عمرؓ ایک حدیث ہے کہ ایک شخص نے ایک گلی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو سلام کیا تو آپؐ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا، پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہاتھوں کو دیوار پر مارا اور ان کے ساتھ اپنے چہرہ پر مسح کیا، پھر دوبارہ ہاتھوں کو دیوار پر مارا اور اپنے بازوؤں کا مسح کیا، پھر آپ نے اس آدمی کے سلام کا جواب دیا اور آپؐ نے فرمایا سلام کا جواب دینے سے مجھے یہ امر مانع تھا کہ میں طہارت سے نہیں تھا۔

۴۔ حدیثِ اَسلَع سے بھی ان کا اِستدلال ہے، اسلع خاندانِ بنی اَعرج بن کعب کے ایک فرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ مَیں حالتِ جنابت میں ہُوں، آپؐ نے سکوت فرماتے رکھا اور کچھ جواب نہ دیا، حتّٰی کہ جبریلؑ آپؐ کے پاس مٹّی لے آئے (آپؐ نے وہ مجھے دیتے ہُوئے فرمایا) اسلع کھڑے ہو جاؤ، اور یہ لے کر چلے جاؤ، پھر آپؐ نے مجھے تیمّم کا طریقہ سکھایا تو آپؐ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ایک کے ساتھ دوسرے کو رگڑا، پھر دونوں میں پھُونک ماری اور پھر اپنے دونوں بازوؤں کے ظاہر و باطن پر مسح کیا۔

۵۔ حدیثِ ابی ذرؓ سے بھی انہوں نے اِستدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دونوں ہاتھوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

کو زمین پر رکھا اور ان میں پھونک ماری، پھر اپنے چہرے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا (لیکن اس حدیث میں ایک ہی ضرب کا ذکر ہے)۔

۶۔ حدیثِ ابنِ عمرؓ سے بھی ان کا استدلال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کے بارے میں فرمایا کہ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب ہاتھوں یعنی کہنیوں تک کے لیے ہے۔

۷۔ واقدی سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک ہے"۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب، جابرؓ بن عبداللہ اور ابن عمرؓ کے فتاویٰ اور افعال سے ثابت ہے کہ تیمّم کے لیے دو ضرب ہیں۔ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ نیز ان کا استدلال اس سے بھی ہے کہ تیمّم وضو کا بدل ہے جب وضو میں چہرہ اور ہاتھوں کے لیے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے، تو تیمّم میں بھی ایسے ہی واجب ہے اور جب وضو میں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا فرض ہے، تو تیمّم میں بھی جو وضو کا بدل ہے کہنیوں تک ہونا چاہیے۔

یہ تمام دلائل جن سے انہوں نے اپنے مسلک کے اثبات کی کوشش کی ہے وہ سب ناقابلِ حجت ہیں۔ کیونکہ یہ ساری روایتیں ساقط الاعتبار ہیں ان میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں۔

حدیثِ ابی اُمامہ ہم تک بطریق ابنِ وہب، از محمد بن عمرو یافعی[۲]، از شخصے، از جعفر بن زبیر، از قاسم بن عبدالرحمٰن[۱] از ابی اُمامہ پہنچی ہے، پس اس میں دو علّتیں ہیں، ایک تو یہ کہ قاسم ضعیف ہے اور دوسری یہ کہ محمد بن عمرو نے اُس شخص کا نام نہیں لیا جس نے اسے جعفر بن زبیر سے بیان کیا ہے بعض لوگوں نے تدلیس سے کام لیتے ہوئے "محمد بن عمرو از جعفر" ذکر کر دیا ہے حالانکہ محمد نے جعفر بن زبیر[۳] کو نہیں پایا لہٰذا یہ روایت بالکل ساقط ہو گئی۔

---

[۱] مصری نسخہ میں قاسم بن عبداللہ ہے، جو خطا ہے کیونکہ یہ قاسم بن عبدالرحمٰن شامی دمشقی ہے، ثقہ ہے، ان کی صرف اُن احادیث کا محدثین نے انکار کیا ہے، جو ان سے ضعیف راویوں نے روایت کی ہیں مثلاً جعفر بن زبیر وغیرہ، ابن حزم کا مطلقاً انہیں ضعیف قرار دینا مناسب نہیں

[۲] بلکہ ضعفِ حدیث اسی جعفر بن زبیر دمشقی کی طرف سے ہے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ یہ قاسم وغیرہ سے موضوع چیزیں روایت

www.KitaboSunnat.com

حدیثِ عمار ہم نے بطریق آبان بن یزید عطّار از قتادہ از یکے مُحدّث از شعبی از عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ، از عمار روایت کیا ہے، قتادہ نے اُس شخص کا نام نہیں لیا جس نے ان سے بیان کیا ہے۔ نیز عمار سے جو اخبار ثابتہ ہیں، وہ سب کی سب اس کے خلاف ہیں، لہٰذا یہ خبر بھی ساقط ہوتی۔

حدیثِ ابنِ عمرؓ ہم تک بطریق محمد بن ابراہیم موصلی، از محمد بن ثابت عبدیؒ، از نافع از ابنِ عمرؓ پہنچی ہے۔ اس سند میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہے، اس کی حدیث کو بطورِ حُجّت پیش نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ ان کے خلاف حُجّت ہو گی کیونکہ اس میں حضر میں تندرست آدمی کے لیے تیمّم کرنے، سلام کا جواب دینے کے لیے تیمّم کرنے اور بغیر طہارت میں سلام کا جواب نہ دینے کا ذکر ہے اور یہ حضرات ان میں سے کسی کے بھی قائل نہیں۔

یہ بُری بات ہے کہ آدمی ایسی چیز سے استدلال کرے جسے نہ وہ خود حُجّت سمجھتا ہو اور نہ اس کا مدِّمقابل، اور اُس کا ایسی چیز سے استدلال جس کا وہ خود پہلا مخالف ہے، بڑی عجیب بات ہے، یعنی اگر یہ خبر کہنیوں تک تیمّم کرنے کے سلسلہ میں حُجّت ہے تو پھر طہارت کے بغیر سلام کا جواب نہ دینے کے لیے بھی حُجّت ہے، سلام کا جواب دینے کے لیے شہر کی دیواروں پر تیمّم کرنے کے سلسلہ میں بھی حُجّت ہے، اور اگر ان مسائل میں حُجّت نہیں تو جو یہ استدلال کرتے ہیں، اس کے لیے بھی حُجّت نہیں۔

اگر یہ کہیں کہ آپ نے یہ استحباب کے پیشِ نظر ایسا کیا تھا، تو ہم کہیں گے کہ دو بار تیمّم کرنے اور کہنیوں تک تیمّم کرنے کو بھی استحباب پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس یہ خبر بھی ساقط ہو گئی۔

کرتا ہے، قاسم از ابی اُمامہ اس نے ایک موضوع نسخہ بھی روایت کیا ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ اُس نے چار سو جھوٹی حدیثیں وضع کرکے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسُوب کی ہیں۔

لہ محمد بن ثابت عبدی کی روایت کو ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۲۹ اور بیہقی نے ج ۱، ص ۲۰۶ میں روایت کیا ہے، اس پر کلام کے لیے ان دونوں کتابوں اور نصب الرایہ ج ۱ ص ۹، کو ملاحظہ فرمایئے اور یہ حدیث ابنِ عمرؓ سے مرفوعاً اس سے زیادہ صحیح طُرق سے بھی مروی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیثِ اسلع بھی حد درجہ ساقط ہے کیونکہ یہ ہمیں بطریق یحییٰ بن عبدالحمید حمانی، از عُلَیلَہ[1] ربیع پہنچی ہے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ اَسلع[2] سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سب جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کچھ حیثیت نہیں رکھتے اور بالکل ناقابلِ حجّت ہیں۔

حدیثِ ابی ذر بطریق ابن جُریج، از عطاء از شخصے از ابوذر مروی ہے۔ اور یہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس شخص کا جس نے ابوذر سے بیان کیا نہ ہمیں علم ہے کہ وہ کون ہے اور نہ آپ کو علم ہے، پس یہ خبر بھی ساقط ہوئی۔

ابن عمرؓ کی دوسری حدیث بطریق شبابہ بن سوار، از سلیمان بن داؤد حرانی[3]، از سالم و نافع از ابن عمر ہے ــــ سلیمان بن داؤد حرانی ضعیف اور ناقابلِ حجّت ہے۔

حدیثِ واقدی اس قدر ساقط ہے کہ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ واقدی کذب میں مشہور ہے اور پھر یہ روایت مرسل بھی ہے لہٰذا سب آثار ساقط الاعتبار ثابت ہوئے۔

اگر ان حضرات کا حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ اور جابرؓ کے اقوال سے استدلال کرنا درست ہے، تو پھر حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کا یہ قول بھی ثابت ہے کہ جنبی تیمم نہ کرے، خواہ وہ مہینہ بھر پانی نہ پائے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ،

---

[1] عُلَیلَہ۔ عینِ مہملہ پر ضمہ اور دونوں لاموں پر فتح اور دونوں کے درمیان یا ہے، یہ ربیع کا لقب ہے، ربیع ضعیف ہے ثقہ نہیں۔ اس کے باپ کا نام بدر ہے۔

[2] اَسلع کی شخصیت اور اس کی صحبت محلِ نظر ہے کیونکہ اس سے صرف اسی کمزور طریق ہی سے روایت کی گئی ہے۔ اس کی حدیث کو بیہقی نے ج ۱ ص ۲۰۸ میں اور طبرانی نے روایت کیا ہے، ابن حجر نے الاصابہ ج ۱ ص ۲۴-۲۵ میں اس روایت کو طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے، اس حدیث اور اسلع پر کلام کے سلسلہ میں بھی الاصابہ کا مذکورہ مقام ملاحظہ فرمائیے۔

[3] حرانی، را کے ساتھ ہے۔ مصری نسخہ میں دونوں جگہوں پر حدانی ہے جو خطا ہے۔ ہم نے مستدرک، لسان المیزان، ج ۳، ص ۹۰، اور المشتبہ، ص ۶۱ سے تصحیح کی ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے ج ۱، ص ۱۸۰ میں روایت کیا ہے۔ اسے شواہد میں حاکم نے پیش کیا ہے، یعنی بطورِ حجت پیش نہیں کیا اور اس میں سلیمان بن ابی داؤد الحرانی ہے نصب الرایہ، ج ۱ ص ۹ میں بھی ایسے ہی ہے لیکن یہاں جو ہے بھی درست ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمرؓ، ابن مسعودؓ، اُمّ سلمہؓ اور کئی دیگر صحابہ کرام کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ عمامہ پر مسح کے قائل تھے لیکن ان حضرات نے اس قول کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، آخر کیا بات ہے کہ جہاں یہ چاہیں تو ان حضرات کا قول حُجّت ہے اور جہاں یہ نہ چاہیں ان کا قول حُجّت نہیں ہے۔ یہ طرزِ عمل تو آخرت میں باعثِ نار اور دُنیا میں باعثِ عار ہے اور پھر اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ، آپ کے صاحبزادےؓ اور حضرت جابرؓ کی حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابنِ مسعود، عمّار اور ابنِ عباسؓ نے مخالفت کی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ان کا اِستدلال بھی ساقط ہُوا۔

ان کا یہ قول کہ تیمّم وضو کا بدل ہے، تو ہم ان سے عرض کریں گے کہ بدل ہے تو پھر کیا ہُوا؟ اور یہ کہاں سے ثابت ہُوا کہ بدل کا مبدل منہ کی صفت کے مطابق ہونا ضروری ہے؟ اور اگر اسے درست مان بھی لیا جائے تو سب سے پہلے آپ ہی اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور وہ اس طرح کہ سر کا مسح اور پاؤں کا دھونا وضو میں فرض ہے لیکن تیمم میں آپ نے اسے ساقط قرار دے دیا، غسلِ جنابت میں سارے جسم کو دھونا فرض ہوتا ہے لیکن آپ نے سارے جسم کو ساقط کر دیا۔ اسی طرح آپ حضرات نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ وُضو کرتے وقت اعضا تک پانی پہنچایا جاتے لیکن تیمّم کرتے ہُوتے چہرے یا ہاتھوں تک مٹّی کا پہنچانا واجب قرار نہیں دیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے وضو اور غُسل میں نیت کو ساقط قرار دیا ہے لیکن تیمّم میں واجب، تو یہاں بھی بدل اور مبدل منہ میں مناسبت نہ رہی، پھر یہ تو بتاؤ کہ قرآن وسُنّتِ رسولؐ یا اجماع میں تم نے یہ کہاں دیکھا ہے کہ بدل، مبدل منہ کی صفت کے مطابق ہوتا ہے؟ یہ تو محض فاسد اور کاذب دعویٰ کے سوا کچھ نہیں!

ہم تو دیکھتے ہیں کہ ظہار[1]، قسم، قتلِ خطاء اور رمضان میں روزے دار کے دن کو عمداً جماع کرنے کا کفّارہ، ایک گردن آزاد کرنا تھا لیکن پھر اس کے عوض وبدل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے کفّارۂ قسم میں تین روزے اور قتل، جماع اور ظہار میں مسلسل دو ماہ کے روزے مقرر کر دیتے اور پھر اس کے بدل کے طور پر ظہار و جماع میں تو مِسکینوں کو کھانا کھلانا مقرر کر دیا، لیکن کفّارۂ قتل میں یہ بدل (کھانا کھلانا) نہیں رکھا۔ (تو ان مثالوں سے معلوم

[1] کسی شخص کا اپنی بیوی کو ماں، بہن کہہ دینا۔ (مُترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہُوا کہ بدل اور مبدل منہ کے لیے ایک ہی صفت کا ہونا ضروری نہیں)۔

اگر یہ کہیں کہ ہم تیمم کو وضو پر قیاس کر لیتے ہیں تو ہم عرض کریں گے کہ قیاس سب کا سب باطل ہے اور اگر قیاس کی کوئی صورت حق بھی ہو تو یہ بالکل باطل ہے۔ ہاتھوں کے جس حصہ پر تیمم کیا جاتا ہے، اسے تم نے ہاتھوں کے اس حصہ پر قیاس کیوں نہ کر لیا جسے چوری کے جُرم میں کاٹا جاتا ہے؛ جیسا کہ تم نے نکاح میں آزاد عورت کے فرج کو حلال قرار دینے کے لیے یہ ترک کر دیا کہ اسے اس رقم پر قیاس کرتے جس کے ذریعہ بیع کے ساتھ لونڈی کے فرج کو حلال قرار دیا جاتا ہے بلکہ اسے تم نے اس رقم پر قیاس کر لیا جسے چُرانے کے باعث چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

خصوصاً نص اور اجماع کی روشنی میں تم خود وضو اور تیمم میں یہ فرق کر چکے ہو کہ تیمم میں سر کا مسح اور پاؤں کا دھونا ساقط ہیں جبکہ وضو میں ساقط نہیں ہیں۔ اس طرح سارے جسم کا تیمم ساقط ہے لیکن غسل جنابت میں سارے جسم کا دھونا فرض ہے؛ ان حضرات سے یہ بھی کہا جاتے گا کہ تیمم میں اللہ تعالیٰ نے سر اور پاؤں کے ذکر سے جو سکوت فرمایا ہے، اسے تو تم نے اس بات کی دلیل بنایا کہ یہ تیمم میں ساقط ہیں لیکن وضو میں اس سکوت کو تم نے دلیل نہیں بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو سکوت فرمایا ہے اور تیمم کے سلسلے میں کہنیوں کا ذکر نہیں کیا تو کہنیوں تک تحدید کی کیا ضرورت ہے۔ اس سکوت کو بھی تم نے اس بات کی دلیل کیوں نہ بنا لیا کہ کہنیاں بھی تیمم میں ساقط ہیں، تم اسے وضو پر کیوں قیاس کرتے ہو؛ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے کفارۂ ظہار میں ادا کی جانے والی گردن کے دین سے سکوت کو اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ اس کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں، انہوں نے اسے کفارۂ قتل کے سلسلہ میں آزاد کی جانے والی گردن کے دین پر قیاس نہیں کیا۔ جب تم وضو کے لیے تیمم کو وضو پر قیاس کرتے ہو تو جنابت کے لیے تیمم کو جنابت پر قیاس کیوں نہیں کرتے اور سارے جسم کے تیمم کو ضروری کیوں نہیں سمجھتے۔ امید ہے کہ ہمارے پیش کردہ ان اعتراضات سے یہ ہرگز خلاصی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ وَبِاللّٰہِ تعالیٰ التوفیق!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربیں ہیں۔ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب صرف ہتھیلیوں کے لیے اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے (جسے ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[بطریق حرمی بن عمارہ، از حریش بن خریت ــــ جو زبیر بن خریت کے بھائی ہیں ــــ از عبداللہ بن ابی ملیکہ روایت کیا ہے کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آیت تیمم (المائدہ: ۶) نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ہاتھ مارا اور اس کے ساتھ اپنے چہرے کا مسح کیا۔ پھر دوسری مرتبہ زمین پر ہاتھ مارا اور اس کے ساتھ اپنی ہتھیلیوں کا مسح کیا۔[۱]

اور دوسری حدیث وہ ہے [جسے ہم سے بطریق شبابہ بن سوار، از سلیمان بن داؤد حرانی، از سالم و نافع بیان کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کے سلسلے میں فرمایا کہ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہتھیلیوں کے لیے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی پیش کردہ یہ دو روایتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں کیونکہ ایک تو بطریق حریش بن خریت ہے جو ضعیف ہے اور دوسری روایت کی سند میں سلیمان بن داؤد حرانی ضعیف ہے۔

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک ہے، ان میں حضرت حسن بصریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، نیز سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن حیؒ، شافعیؒ اور ابو ثورؒ شامل ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف کوئی حکم ثابت ہو جائے، تو ہم بھی اس کے قائل ہو جائیں گے۔ شعبیؒ سے اس ضمن میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ تیمم کہنیوں تک ہو۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہاتھ کی کلائیوں تک تیمم کرے تو حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اسے اسی وقت نماز دُہرانا ہوگی!

---

[۱] زیلعی نے اس روایت کو "نصب الرایہ" ج ۱ ص ۹۰ میں "مسند بزار" کی طرف منسوب کیا ہے۔ الفاظ یہ نہیں لیکن معنی اس کے مطابق ہے۔ نیز بزار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت اس کے علاوہ کسی اور طریق سے بھی مروی ہو۔ حریش بصرہ کا رہنے والا اور زبیر بن خریت کا بھائی ہے۔ ابن عدی نے اس حدیث کو "کامل" میں بیان کیا ہے اور امام بخاریؒ سے سنداً بیان کیا ہے کہ حریش بن خریت فیہ نظر۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ میں اس کے حال کو نہیں جانتا لہٰذا اس کی حدیث کا اعتبار نہیں کرتا۔ اور "تہذیب" میں بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ یہ صالح ہوگا اور یحییٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "لیس بہ بأس" یعنی اس میں کوئی حرج نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تیمم کندھوں تک ہونا چاہیے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو [ہم نے بطریق عباس بن عبدالعظیم از عبداللہ بن محمد بن اسماء بن عُبید، از عم خود جویریہ بن اسماء، از مالک بن انس، از زُہری، از عُبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، از پدرِ خود روایت کیا کہ] حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیمم کیا تو اپنے چہروں کا مسح کیا اور ہاتھوں کا کندھوں تک مسح کیا۔

مذکورہ حدیث [ہم نے بطریق یعقوب بن ابراہیم بن سعد، از پدرِ خود از صالح بن کیسان از زہری از عُبیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ بن مسعود، از ابن عباسؓ بھی روایت کیا کہ] حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے آیت تیمم کا ذکر کیا اور فرمایا کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوئے، اُنہوں نے زمین پر اپنے ہاتھ مارے، پھر ہاتھوں کو اُٹھا لیا اور ہاتھوں میں مٹی نہیں پکڑی، پس چہروں کا مسح کیا اور ہاتھوں کا کندھوں تک، اور ہاتھوں کی اندرونی طرف سے بغلوں تک مسح کیا۔

اس حدیث کو ہم نے بطریق سُفیان بن عُیَینہ، از زُہری، از عُبَیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ، از پدرِ خود، از عمار بھی روایت کیا ہے۔ اور اسی سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عمار اور زُہری کا مسلک بھی یہی ہے۔ نیز بطریق سلیمان بن حرب الواشحی، از حماد بن زید از ایوب سختیانی مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مَیں نے زُہری سے سُنا فرماتے تھے کہ تیمم کندھوں تک ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے لیکن اس نص میں یہ بیان مذکور نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا تاکہ معلوم ہو سکے کہ تیمم کا حکم اور فرض یہی ہے یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معلوم کر کے اس طرح تیمم کرنے کو برقرار رکھا، تاکہ معلوم ہو کہ یہ مندوب و مستحب طریقہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کا عمل حُجت نہیں۔ اس انسان پر تو بہت ہی تعجب ہے جو حضرت عمرؓ کا صحابۂ کرام کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ سے جمعہ کے لیے آنے کے مُتّصل ہی غُسل نہ کرنے پر باز پُرس کو وُجوبِ غُسل کے اِبطال کے لیے حُجت سمجھتا ہے حالانکہ یہ خبر وجوبِ غُسل کی مؤکد اور ترک کی مُنکر تھی، لیکن پھر مسلمانوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کندھوں تک تیمم کو وجوب کے لیے حُجت نہیں سمجھتا۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ جب یہ آثار حُجت نہیں اور لوگوں کا اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے جیسا کہ ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذکر کر چکے ہیں تو ہم پر قرآن اور سنّتِ رسول کی طرف رجوع واجب ہو گیا کیونکہ اختلاف اور تنازع کو دُور کرنے کے لیے ہمیں یہی حکم ہے، چنانچہ جب ہم کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں یہ ارشاد باری تعالیٰ ملتا ہے:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۔ (المائدہ: ۶)

"پاک مٹی لو اور اس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (تیمم) کر لو۔"

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے علاوہ اور کسی اعضاء کا ذکر نہیں کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوتا کہ ہم کہنیوں تک اور سر اور پاؤں کا بھی مسح کریں، تو اسے بھی یقیناً فرما دیتا جیسا کہ وضو میں بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا کہ ہم تیمم جنابت میں سارے جسم کا مسح کریں، تو وہ اس کی بھی وضاحت فرما دیتا، جیسا کہ اُس نے غُسل کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تیمم میں چہرہ اور ہاتھوں کے سوا کسی اور اعضاء کا ذکر ہی نہیں کیا، تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں بازوؤں، سر، پاؤں اور سارے جسم کا اضافہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا اور کسی اعضاء کا تیمم میں مسح لازم قرار نہیں دیا۔ ہتھیلیاں وہ کم سے کم حصّہ ہے جس پر ہاتھوں کا اطلاق ہوتا ہے سُنّتِ ثابتہ سے ــــ جھوٹی گھڑی ہوئی روایتوں سے نہیں ــــ بھی یہی ثابت ہے کہ تیمّم میں مسح صرف ہتھیلیوں کا ہے جیسا کہ: ۲۸۴ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری از بخاری، از محمد بن کثیر، از شعبہ از حکم بن عتیبہ از ذر بن عبداللہ مرہبی از سعید بن عبدالرحمٰن بن اُبزیٰ از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت عمّار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے کہا کہ میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو لیا تھا۔ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تمہیں چہرہ اور ہتھیلیوں پر تیمّم کرنا ہی کافی تھا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)۔

۲۸۵ [ہم سے عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجاج، از یحییٰ بن یحییٰ و ابوبکر بن ابی شیبہ و محمد بن عبداللہ بن نُمیر، یہ سب از ابو معاویہ، از اعمش بیان کیا کہ] حضرت شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا......

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کیا آپ نے عمارؓ کی بات سُنی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا تھا تو میں وہاں جُنبی ہو گیا، پانی بھی موجود نہیں تھا، تو میں زمین میں اس طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوٹ پوٹ ہُوا، جس طرح جانور لیٹتا ہے، پھر جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا تو میں نے اس کا ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا تمہیں اسی قدر کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح کر لیتے، پھر آپؐ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک بار مارا، پھر بائیں کے ساتھ دائیں کا مسح کیا نیز ہتھیلیوں کی باہر کی جانب اور چہرے پر مسح کیا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)

۲۸۶- [اسی سند کے ساتھ امام مسلم تک اور پھر از عبداللہ بن ہاشم عبدی، از یحییٰ بن سعید قطان، از شعبہ، از حکم، از ذربن عبداللہ از سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ، از پدر خود بیان کیا کہ] ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ مَیں حالتِ جنابت میں ہوں لیکن مجھے پانی نہیں ملا، آپ نے فرمایا "نماز نہ پڑھو!" یہ سُن کر حضرت عمارؓ نے کہا: امیرالمومنین! کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ ایک سریہ میں تھے، ہم دونوں جنبی ہو گئے تھے اور ہمیں پانی نہیں ملا تھا، آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی لیکن میں نے زمین میں لوٹ کر نماز پڑھ لی تھی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا) عمارؓ! تمہیں اسی قدر کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارتے، پھر ان میں پھونک مار لیتے، پھر اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں پر مسح کر لیتے —— پھر باقی حدیث بیان کی (حوالہ حدیث نمبر ۲۸۴ میں گزر چکا)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قیاس کا ابطال ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضرت عمارؓ نے قیاس کیا کہ تیمم جنابت سے جو سکوت اختیار کیا گیا ہے، تو اس کا حکم بھی غُسلِ جنابت کی طرح ہے کیونکہ یہ غُسل کا بدل ہے .... لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باطل قرار دیتے ہوئے حضرت عمارؓ کو یہ تعلیم فرمائی کہ ہر چیز کے لیے فقط منصُوص حکم ہی کو دیکھنا چاہیے، اسی حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہُوا کہ صحابی سے بھی بھول چوک ہو سکتی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ یہی نص حکمِ تیمم کی بھی ہے۔

۲۸۷- [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از یحییٰ بن بکیر، از لیث بن سعد، از جعفر بن ربیعہ، از عبدالرحمٰن اعرج بیان کیا کہ] انہوں نے فرمایا کہ مَیں نے عُمیر مولیٰ ابن عباسؓ سے سُنا کہ مَیں اور عبداللہ بن یسار مولیٰ میمونہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوجُہیم بن حارث بن صمہ انصاریؓ کے پاس گئے۔ ابوجُہیم نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بئر جمل کی طرف سے آتے، راہ میں ایک شخص نے آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے سلام کا جواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں دیا حتی کہ آپؐ نے ایک دیوار کی طرف توجہ فرمائی اور اس سے آپؐ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا اور پھر سلام کا جواب دیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے، محمد بن ثابت کی حدیث ثابت نہیں ہے[1]۔ اور حضر میں سلام کا جواب دینے کے لیے تیمم کرنا ایک مستحب امر ہے۔ سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے جیسا کہ بطریق عطاء بن سائب از ابو البختری حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ تیمم میں ایک ضرب چہرہ کے لیے دوسرا کلائی تک ہاتھوں کے لیے ہے۔

نیز بطریق احمد بن حنبلؒ، از یحییٰ بن سعید قطان، از شعبہ، از حصین بن عبدالرحمٰن، از ابو مالک اشجعی روایت ہے کہ میں نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے سنا کہ تیمم میں چہرہ اور ہاتھوں کے لیے ایک ہی ضرب ہے۔

[اور بطریق محمد بن ابی عدی، از شعبہ، از حصین بن عبدالرحمٰن، از ابی مالک] روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تیمم اس طرح ہوتا ہے اور چہرہ اور ہاتھوں کے لیے ایک ہی ضرب لگائی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا اور موجود صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔

و نیز بطریق احمد بن حنبل، از مسکین بن بکیر، از اوزاعی از عطاء، روایت ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ دونوں فرمایا کرتے تھے کہ تیمم ہتھیلیوں اور چہرے کے لیے ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ عطاؒ اور مکحول بھی یہی کہتے تھے، شعبی، قتادہ، سعید مسیبؒ اور عروہ بن زبیرؓ سے بھی یہی ثابت ہے۔ اور اوزاعی، احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ اور داؤد ظاہری بھی یہی فرماتے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جو حضرات چہرہ اور ہاتھوں کے تیمم میں استیعاب کے وجوب کے قائل ہیں ان کی دلیل کیا ہے ہمیں معلوم نہیں البتہ وہ وضو کے استیعاب پر قیاس کرتے ہیں، لیکن قیاس باطل ہے اور اگر قیاس کی کوئی صورت حق بھی ہو تو یہ بالکل باطل ہے کیونکہ ہمارے اور ان کے نزدیک وضو میں پاؤں کو دھونے کا حکم ہے لیکن جب اس کے عوض موزوں پر مسح مشروع قرار دیا گیا ہے، تو ان کے نزدیک بھی مسح علی الخفین کا استیعاب ساقط ہے۔ لہٰذا اگر انہیں قیاس کے معنی معلوم ہیں تو ان کے نزدیک بھی مسح علی الخفین

[1] یعنی حدیث ابن عمرؓ، جو محمد بن ثابت العبدی کے طریق سے گزر چکی ہے۔ ۶۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا استیعاب ساقط ہے۔ لہٰذا اگر انہیں قیاس کے معنی معلوم ہیں تو انہیں تیمم میں عدمِ استیعاب کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ چہرہ اور ہاتھ دونوں وضو میں دھوئے جاتے ہیں لیکن تیمم میں اس کے عوض مسح ہے۔ لہٰذا مسح علی الخفین میں جس طرح استیعاب نہیں اسی طرح تیمم میں بھی استیعاب نہیں خصوصاً اصحابِ قیاس کا یہ اصول ہے کہ مشبّہ بالشیئ، اس شئے سے قوی نہیں ہوتا جس کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام باتوں کی کوئی حیثیت نہیں، ہم نے انہیں صرف اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ انہیں ان کا تناقض اور ان کے اصولوں کا فساد دکھا سکیں اور ان کے اصولوں کو انہی کے اصولوں کی روشنی میں پاش پاش کر دیں، چنانچہ ہم ہر گروہ، فریق اور جماعت کے اقوال کی تردید انہی کے اقوال کے ساتھ کیا کرتے ہیں کیونکہ ان کے اصول خود ہی ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور یہ اپنے اصولوں کو صحیح سمجھتے ہیں، ہمارا یہ اُسلوبِ نگارش اس لیے نہیں کہ ہم ان اصولوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا اصول تو یہاں صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (الشعراء: ۱۹۵) "وحی جلی وخفی دونوں) فصیح عربی زبان میں ہیں"

نیز فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم: ۴)

"اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کی زبان میں احکام الٰہی کھول کھول کر بیان کر دے"

اور عربی زبان میں مسح استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا لہٰذا اس پر رُک جانا چاہیے اور پھر قرآن، سُنت، اجماع، قولِ صحابی، حتیٰ کہ قیاس سے بھی تیمم میں استیعاب ثابت نہیں، لہٰذا یہ قول باطل ہوا کہ تیمم میں بھی استیعاب ہونا چاہیے۔ اس مسئلہ میں ہمارے قول کے مطابق جن لوگوں کا قول ہے ان میں ابو ایوب سلیمان[1] بن داؤد ہاشمی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں اور ہمارا قول یہ ہے کہ مسح لغوی ہے قیاسی نہیں۔

---

[1] یہ سلیمان بن داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو امام شافعیؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ و امام احمد بن حنبلؒ کے اُستاذ ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے دو آدمیوں احمد بن حنبلؒ اور سلیمان بن داؤد ہاشمی سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اختیار دیا جاتے کہ کسی شخص کو منتخب کر کے اُمت کا خلیفہ بنا دو تو میری نگاہِ انتخاب سلیمان بن داؤد پر پڑے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ میں مسح کا لفظ چار مقامات میں استعمال ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور کہیں نہیں (۱) مسحِ رأس (۲) تیمم میں چہرہ اور ہاتھوں کا مسح (۳) موزے، عمامہ اور دوپٹے وغیرہ پر مسح اور (۴) طواف میں حجرِ اسود کا مسح۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے مخالفین نے اس بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں کیا کہ موزوں کا مسح اور حجرِ اسود کا مسح استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا۔ عمامہ اور دوپٹے پر مسح کے جواز کے قائلین حضرات بھی یہی کہتے ہیں لیکن تیمم میں اس اصول کو چھوڑ گئے اور بغیر کسی دلیل کے محض تحکماً استیعاب کو واجب قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح سر کے مسح کے بارے میں یہ اضطراب کا شکار ہیں۔ امام ابوحنیفہ و امام شافعیؒ نے استیعاب یعنی پورے سر کا مسح واجب قرار نہیں دیا، امام مالکؒ نے واجب قرار دینے کا ارادہ تو کیا مگر ایسا کر نہیں سکے۔

معلوم نہیں کہ تیمم میں استیعاب کی تخصیص کس دلیل کے باعث کی ہے حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہ قرآن میں مذکور ہے، نہ سُنّتِ صحیحہ وسقیمہ میں، نہ لغت میں، نہ اجماع میں، نہ کسی صحابی کے قول میں اور نہ قیاس ہی کا یہ تقاضا ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

۲۵۱۔ غُسلِ میت کے لیے پانی نہ ہو تو اُسے بھی تیمم کرایا جائے

اگر غُسلِ میت کے لیے پانی میسّر نہ آئے تو اسے بھی ایسے ہی تیمم کرایا جاتے جیسا کہ زندہ انسان تیمم کرتا ہے کیونکہ میّت کو غُسل دینا فرض ہے اور ہم یہ فرمانِ نبویؐ قبل ازیں ذکر کر آتے ہیں کہ جب ہم پانی نہ پائیں تو مٹی ہی طہور ہے اور اس ارشاد میں عموم ہے جو کہ ہر واجب طہور کے لیے ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر غُسل طہور ہے۔

۲۵۲۔ مٹی کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ تیمم جائز نہیں

زمین کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ تیمم جائز نہیں۔ پھر زمین کی دو قسمیں ہیں (۱) مٹی اور (۲) غیر مٹی۔ مٹی کے ساتھ تیمم جائز ہے خواہ وہ زمین ہی پر پڑی ہو یا اسے زمین سے حاصل کر کے کسی برتن، کپڑے، یا کسی انسان وحیوان کے ہاتھ میں رکھ دیا گیا ہو، یا ان مذکورہ چیزوں میں سے مٹی کے غبار کو جھاڑ کر اس قدر جمع کر لیا گیا ہو کہ اس پر ہتھیلی رکھی جا سکتی ہو یا وہ مٹی جو کچی اینٹ یا بلاک کے بنانے وغیرہ کے لیے ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مٹی کے علاوہ جو چیزیں ہیں مثلاً کنکریاں، پتھر، ریت، چھوٹی باریک کنکریاں، زمین پر پھیلا ہوا پہاڑ ــــ سُرمہ، زرنیخ، چُونا ــــ سونا، توتیا، گندھک، نیل، یا نمک وغیرہ اگر ابھی تک زمین ہی میں ہوں اور زمین سے الگ نہ کی گئی ہوں تو ان سب اشیاء کے ساتھ تیمم جائز ہے اور اگر ان اشیاء کو برتن یا کسی کپڑے وغیرہ میں ڈال دیا گیا ہو تو پھر ان کے ساتھ تیمم جائز نہیں۔ پختہ اینٹ کے ساتھ تیمم جائز نہیں، اینٹ کے ساتھ تیمم صرف اُس وقت تک جائز ہے جب تک اس پر مٹی کے نام کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ اسی طرح گیلی مٹی یا کیچڑ وغیرہ کے ساتھ بھی تیمم جائز نہیں، ہاں جب خشک ہو کر مٹی ہو جائے تو پھر تیمم جائز ہے۔

وہ نمک جسے پانی سے حاصل کیا گیا ہو ــــ خواہ ابھی تک اپنی جگہ پر ہو یا نہ ہو ــــ برف، کاغذ، گھاس پھوس، لکڑی اور ہر اُس چیز کے ساتھ تیمم جائز نہیں جو تیمم کرنے والے اور زمین کے مابین حائل ہو، اس کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۔ (المائدہ : ۶)

"تو پاک مٹی لو اور اُس سے اپنے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (تیمم) کر لیا کرو"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "جب تک ہم پانی نہ پائیں، زمین کو ہمارے لیے طہور بنا دیا گیا ہے"، آپ نے یہ بھی فرمایا ہے "میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا گیا ہے"، ان احادیث کو ہم قبل ازیں اَسناد کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں!

ان مذکورہ دلائل سے ثابت ہُوا کہ تیمم صرف اسی چیز کے ساتھ ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول نے نص بیان فرمائی ہے اور وہ ہے "صعید" (مٹی)، لغتِ قرآن میں صعید کے معنی مٹی ہیں، نیز اسے "تراب" بھی کہا جاتا ہے۔ مٹی خواہ زمین سے لی گئی ہو، کپڑے میں رکھی گئی ہو، برتن میں ڈالی ہُوئی ہو، کسی انسان کے چہرے پر پڑی ہوتی، یا گھوڑوں کی قطاروں سے لی گئی ہو، یا اینٹ کی صورت میں ہو یا بالوں اور اُون وغیرہ سے جھاڑ کر حاصل کی گئی ہو تو یہ سب مٹی ہی کی صورتیں ہیں، ان صورتوں میں مٹی کا نام اس سے ساقط نہیں ہو سکتا لہٰذا ہر حال میں اس سے تیمم جائز ہے۔ پختہ اینٹ اور کیچڑ پر "صعید"، "تراب" اور "اَرض" ان تینوں لفظوں کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا پختہ اینٹ کے ساتھ تیمم جائز نہیں لیکن جب پختہ اینٹ کو چُورا کر دیا جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا کیچڑ وغیرہ خشک ہو جائے تو پھر اس پر مٹی کا اطلاق ہونے لگتا ہے اس لیے اس سے تیمم جائز ہے۔ پتھر، ریت یا معدن کی مذکورہ اقسام جب تک زمین میں رہیں، ان پر چونکہ مٹی کے نام کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا ان پر تیمم جائز ہے لیکن جب ان اشیاء کو مٹی سے الگ کر کے صاف کر لیا جائے تو پھر انہیں مٹی نہیں کہا جاتا لہٰذا ان کے ساتھ تیمم جائز نہیں ہے۔ پانی سے حاصل کردہ نمک، برف، گھاس پھوس اور کاغذ وغیرہ کو چونکہ مٹی نہیں کہا جاتا لہٰذا ان اشیاء سے بھی تیمم جائز نہیں۔ لیکن یہ تفریق بلا دلیل ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ برف اور اولوں وغیرہ کے ساتھ بھی تیمم کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی نص یا اجماع نہیں۔ اگر کہا جائے کہ جو چیز بھی تمہارے اور زمین کے مابین حائل ہو وہ مٹی ہی ہے؟ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تمہارے اور زمین کے مابین مقتول، بھیڑ بکریاں، کپڑے یا لکڑیاں وغیرہ حائل ہوں تو کیا انہیں بھی مٹی سمجھو گے اور ان سے تیمم کرو گے؟ حالانکہ یہ حضرات اس کے قائل نہیں ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان کا یہ قول کہ جو کچھ تمہارے اور زمین کے مابین حائل ہو وہ مٹی ہے ایک فاسد قول ہے جسے نہ قرآن صحیح قرار دیتا ہے، نہ سُنّت، نہ لُغت اور نہ اجماع، نہ صحابی کا قول اور نہ قیاس۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ برف، کیچڑ اور نمک وغیرہ کے ساتھ نہ وضو کیا جا سکتا ہے اور نہ تیمم، کیونکہ انہیں پانی یا مٹی نہیں کہا جا سکتا، جب نمک اور اولے پگھل کر پانی بن جائیں تو ان کے ساتھ وضو جائز ہو گا کیونکہ اب یہ پانی ہیں۔ جب کیچڑ خشک ہو کر مٹی بن جائے تو اُس کے ساتھ تیمم جائز ہے کیونکہ اب یہ کیچڑ نہیں بلکہ مٹی ہے۔

امام شافعیؒ اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ صرف مٹی کے ساتھ ہی تیمم جائز ہے، کسی اور چیز کے ساتھ جائز نہیں، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "جُعِلَتْ تربتُهَا لنا طهورٌ" کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے "بالصّعید" سے بیان فرمایا ہے۔ و نیز حضورؐ کا یہ ارشاد "جُعِلت لی الارض مسجدًا و طھورًا" کا بھی وہی مفہوم ہے یعنی صرف مٹی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ غلط اور بلا دلیل ہے اور جو دعویٰ بلا دلیل ہو وہ سراسر باطل ہوتا ہے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ (البقرہ: ۱۱۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ) اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو"۔

ہر وہ ارشاد جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول نے فرمایا ہو، صرف وہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تیمّم "صعیداً طیباً (پاک مٹی) سے کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین مسجد اور اس کی مٹی پاک ہے۔ یہ سب ارشاد برحق ہیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ کہا انہی ارشادات کی روشنی میں کہا، ان میں سے کسی چیز کا ترک جائز نہیں۔ تراب، ارض اور صعید یہ سب پاک ہیں۔ یہ آیت اور حدیث جابرؓ جو عموم ارض پر مشتمل ہے اور اس میں بہ نسبت حدیث حذیفہؓ جس میں صرف مٹی ہی پر اکتفا کرنے کا ذکر ہے (ان سب کو جمع کرنے کے بعد) چونکہ اس حدیث میں ایک زائد امر بیان ہوا ہے اور امر زائد کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے آیت اور حدیث حذیفہؓ کی مخالفت لازم نہیں آتی لہٰذا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لیکن اگر حدیث حذیفہؓ پر عمل کیا جائے تو آیت اور حدیث جابرؓ کی مخالفت لازم آتی ہے لہٰذا یہ جائز نہیں۔ وباللہ التوفیق

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر طرح کی مٹی، تراب، کیچڑ، زرنیخ، چونا، سُرمہ، نیز ہر وہ مٹی جسے تکیہ، بستر، گندم یا جو وغیرہ سے جھاڑا گیا ہو، کے ساتھ تیمّم جائز ہے۔ اسی طرح سفیان ثوری بھی فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے کپڑے، زین، عرق گیر، یا درخت وغیرہ پر مٹی پڑی ہو تو اس کے ساتھ تیمّم جائز ہے اور ہمارا بھی یہی قول ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۵۳۔ پہلے ہاتھوں پر تیمّم کیا جائے یا چہرہ پر؟

اعمش کہتے ہیں کہ چہرہ کے بجائے ہاتھوں پر پہلے تیمّم کیا جائے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کے بجائے چہرہ پر پہلے تیمّم کرنا فرض ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے جس پر بھی پہلے تیمّم کرے جائز ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہمارا بھی یہی قول ہے کیونکہ ہمیں بطریق امام بخاری یہ روایت پہنچی ہے:

[کہ ان سے محمد بن سلام، از ابو معاویہ، از اعمش، از شقیق، از ابو موسیٰ اشعری روایت بیان کیا] کہ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تیمّم کا طریقہ سکھایا اور وہ اس طرح کہ آپ نے اپنی ہتھیلی کو زمین پر ایک ضرب ماری، پھر اس پر پھونک ماری، پھر آپ نے بائیں ہتھیلی کی پشت پر مسح کیا، یا ہتھیلی کے ساتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کیا، پھر چہرے پر مسح کیا" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ ان میں سے ہر ایک صورت جائز ہے اور یہ ایک حکم زائد ہے جسے قبول کرنا ضروری ہے لیکن وضو میں تقدیم و تاخیر جائز نہیں بلکہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق

جو شخص قرآن کے ظاہر کے مطابق عمل کرتا ہوا تیمم میں چہرہ کا مسح پہلے کرے تو اس کا عمل بھی ٹھیک ہے اور اسی طرح جو حدیثِ عمارؓ کے مطابق عمل کرتا ہوا چہرہ سے پہلے ہاتھوں کا مسح کرلے، اس کا عمل بھی ٹھیک ہے لیکن اس کے بعد بطورِ استدراک جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی پر نظر ڈالتے ہیں کہ:

اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهٖ۔

"جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے، وہاں سے تم بھی ابتدا کرو"

تو واجب معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں چہرہ کا مسح پہلے کیا جائے اور ہاتھوں پر مسح چہرے کے بعد کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الحیض والاستحاضہ

۲۵۴۔ حیض کیا ہے؟ حیض ۔ سیاہ رنگ کا گاڑھا اور بدبُودار خون ہے، جو عورت کے اندامِ نہانی سے نکلتا ہے اور جب یہ خون نکلے تو عورت کے لیے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور بیت اللہ کا طواف کرنا حلال نہیں ہے اور جب تک پاک نہ ہو، اس کے خاوند یا آقا کے لیے وطی جائز نہیں ہے۔ جب عورت سُرخ، یا گوشت کے پانی جیسا، یا پیلا یا گدلا یا سفید خون یا خشک دیکھے تو وہ طاہر ہو چکی ہے لہٰذا اس پر فرض ہے کہ سارے سر اور جسم کو پانی کے ساتھ دھوئے۔ اگر پانی نہ پائے تو تیمم کر کے نماز پڑھے، روزہ رکھے، بیت اللہ کا طواف کرے اور اس کا خاوند یا آقا اس سے مباشرت کرے حیض سے پہلے اور بعد کی حالت طُہر کہلاتی ہے۔ ان ایام میں اوپر مذکورہ باتوں کو حیض میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی ایامِ طُہر میں اگر سُرخ، زرد وغیرہ خُون نظر آئے تو اس کا اعتبار نہیں)۔

حالتِ حیض میں عورت کے لیے جو نماز، روزہ، طواف اور وطی فی الفرج کی ممانعت ہے، اس پر یقینی اور قطعی اجماع ہے، اہلِ اسلام میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں۔ البتہ قومِ ازارقہ نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے لیکن وہ اس قابل نہیں کہ انہیں اہلِ اسلام میں شمار کیا جائے۔

حیض کیا ہے اس کی وضاحت اس حدیث میں ہے:

۲۸۸ [ہم سے یونس بن عبداللہ بن مغیث، از احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم، از احمد بن خالد، از محمد بن عبدالسلام خشنی، از محمد بن بشار، از یحییٰ بن سعید قطان، از ہشام بن عروہ، از عُروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حُبَیش، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ مجھے استحاضہ ہے اور مَیں طاہر نہیں رہ سکتی؛ تو کیا مَیں نماز چھوڑ دوں؟ آنحضرت صلی اللہ نے فرمایا یہ حیض نہیں ہے، یہ تو ایک رگ ہے (جس سے خون آتا ہے) لیکن جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو۔

اسی طرح یہ روایت ہم تک بطریقِ حماد بن زید، سُفیان ثوری، سُفیان بن عُیَینَہ، ابن جُرَیج، معمر، زہیر بن معاویہ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو معاویہ، عبداللہ بن نمیر، وکیع بن جراح، جریر، عبدالعزیز بن محمد دَراوَردی اور ابُو یوسف پہنچی ہے، یہ سب حضرات ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ نیز یہ روایت بطریق مالک ولیث، و حماد بن سَلمہ و عَمرو بن حارث اور سعید بن عبدالرحمٰن جُمَحی بھی پہنچی ہے اور یہ سب حضرات بھی ہشام بن عُروہ سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو خون کو دھو ڈالو اور نماز پڑھ لو بعض روایات میں ہے کہ وضو بھی کرو۔

۲۸۹ [ہم سے یُونس بن عبداللہ از ابوبکر بن احمد بن خالد، وہ اپنے باپ سے وہ علی بن عبدالعزیز سے، وہ ابُو عُبَید قاسم بن سلام سے، وہ محمد بن کثیر سے، وہ اوزاعی سے، وہ زہری سے، وہ عُروہ سے بیان کرتے ہیں کہ] حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ اُمِ حبیبہ بنت جَحش کو استحاضہ کا خُون آنے لگا، تو انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس کا ذکر کیا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک رگ ہے، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دو۔

۲۹۰ [ہم سے ابو سعید جعفری از ابوبکر اُدفُوی[1] مُقری از احمد بن محمد بن اسماعیل از حسن بن غُلَیب، از یحییٰ بن عبداللہ از لیث از یزید بن ابی حبیب از بُکیر بن عبداللہ بن اَشج از مُنذر بن مُغیرہ بیان کیا کہ] حضرت عُروَہ بن زبیر رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ بنت حُبَیش نے انہیں خبر دی کہ انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں خُون آنے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا، یہ ایک رگ (کے باعث) ہے جب تمہارے مقررہ ایام ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو، لیکن جب ایامِ ماہواری گزر جائیں تو پھر پاک صاف ہو کر اگلے ایام شروع ہونے تک نماز پڑھتی رہو۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایامِ ماہواری کے آغاز کے ساتھ نماز سے اجتناب اور خاتمہ پر غُسل کا حکم دیا ہے۔ آپؐ نے قریش اور عرب کی عورتوں کو مخاطب فرمایا جو جانتی تھیں کہ "حیض" کا مفہوم شرعاً و لُغۃً کیا ہے۔ لہٰذا ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ شریعت اور لُغت میں حیض کسے کہتے ہیں؟ اس کی تشریح درج ذیل حدیث میں ہے:

---

[1] ابُوبکر کا نام محمد بن علی بن احمد بن محمد ہے اُدفُوی نسبت ہے اُدفُ شہر کی طرف، یہ ایک خوبصورت شہر ہے جو اسوان کے قریب واقع تھا۔ علامہ جزری نے الغایۃ میں ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور ان کی وفات کی تاریخ ۳۸۸ھ لکھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۹۱ [ہم سے حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ، از پدر خود احمد بن حنبلؒ از محمد بن ابی عدی از محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص از زہریؒ، از عروہ بیان کیا کہ] حضرت فاطمہ بنت حبیش سے روایت ہے کہ انہیں استحاضہ آنے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہے، جب وہ ہو تو نماز سے رک جاؤ اور جب کسی دوسرے رنگ کا ہو تو وضو کر کے نماز پڑھو کیونکہ یہ ایک رگ کے باعث ہوتا ہے[1]

۲۹۲ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از قتیبہ از یزید بن زریع از خالد حذاء از عکرمہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات میں سے ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف بیٹھیں، انہیں سرخ اور پیلا خون آتا تھا، ان کے نیچے برتن رکھا ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھ رہی ہوتی تھیں (بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب الصوم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصوم)

۲۹۳ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن سلمہ مرادی از عبداللہ بن وہب، از عمرو بن حارث، از ابن شہاب، از عروہ بن زبیر و عمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اُم حبیبہ بنت جحشؓ، جو آنحضرتؐ کی سالی تھیں اور وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حبالہ عقد میں تھیں، سات سال تک استحاضہ میں مبتلا رہیں۔ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا حیض نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک رگ کے باعث ہے لہٰذا غسل کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہؓ، اپنی بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کے حجرہ میں ٹب میں غسل کیا کرتی تھیں، حتیٰ کہ ٹب کے پانی پر خون کی سرخی نمودار ہو جاتی تھی (مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الطہارۃ)

ان مذکورہ روایات سے ہمارے قول کی صحت معلوم ہو گئی کہ حیض صرف سیاہ رنگ کا خون ہوتا ہے،

---

[1] یہ حدیث اس سند کے ساتھ مسند احمد بن حنبلؒ میں نہیں ہے بلکہ مسند میں حدیث فاطمہ دیگر دو سندوں کے ساتھ ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے مسند ج ۶ ص ۴۲۰، ۴۶۳، ۴۶۴۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سُرخ، پیلا اور مٹیالا خون ایک رگ (کے باعث ہوتا) ہے جو حیض نہیں ہے اور ان میں سے کسی قسم کے باعث نماز ترک نہیں کی جا سکتی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو اس عورت کے لیے ہے جسے ہمیشہ خون آتا ہو؟

تو ہم عرض کریں گے کہ اگر کچھ عرصہ خون آتا رہا ہوا اور پھر بند ہو گیا ہو تو پھر آپ کیا فرمائیں گے؟ کیا اس کے لیے یہ حکم ہے یا نہیں؟ چنانچہ سب کا اتفاق ہے کہ اس کے لیے یہی حکم ہے۔ ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ اگر یہ حکم نہیں ہے تو اس مدت کا تعین کر دو، جس میں خون کے ساتھ پیلے اور مٹیالے رنگ کی آمیزش ہو تو اس کے لیے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ حکم ہے اور اگر وہ مدّت نہ ہو تو پھر یہ حکم نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک جماعت نے تو یہ کہا ہے کہ اس کے لیے مدّت اس کے معمول کے ماہواری کے ایّام ہیں۔ ایک دوسرے فریق نے یہ کہا ہے کہ یہ مدّت اس کے معمول کے ایّام سے زیادہ ہے۔ معمول کے ایّام کا اندازہ اس سے لگاتے ہیں کہ اگر وہ خون بھی خارج کرتی ہو تو معمول کے ایّام تصور ہوں گے وگرنہ نہیں!

مَیں عرض کروں گا کہ ہم نے تمہارے یہ دونوں دعوے سُن لیے اور دلیل کے بغیر دعویٰ مردُود اور ساقط الاعتبار ہوتا ہے لہٰذا دلیل پیش کرو (فَهَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ)۔

بعض نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "اپنے ماہواری کے ایّام کی تعداد کے مطابق نماز چھوڑ دو"۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ حکم اس عورت کے لیے ہے جو خُون میں تمیز نہ کر سکتی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو عورت تمیز کر سکتی ہو اس کے لیے آپؐ کا فرمان یہ ہے کہ "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہوتا ہے۔ جب کسی دوسرے رنگ کا آئے تو نماز پڑھ لو اور جب حیض ہو تو پھر نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو اور خُون کو دھو کر نماز پڑھو"۔ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ "باب المستحاضۃ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے خلاصی پانے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ اگر یہ اس سے استدلال کریں جو ان کے قول کے مطابق مروی ہو جیسا کہ ہمارے پاس بطریق علقمہ بن ابی علقمہ، ان کی ماں سے یہ روایت پہنچی ہے کہ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس صندوقچی میں روئی کا ٹکڑا بھیجتیں جس میں زردی کے نشان ہوتے تھے اور آپ سے پُوچھتیں کہ جب یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورت ہو تو نماز کا کیا حکم ہے ؟ حضرت عائشہؓ فرمائیں کہ اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک بالکل سفیدی نہ دیکھ لو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ان حضرات کو صحابہ کرام میں سے کسی سے اس روایت کے علاوہ اور کوئی دلیل ملی ہو، اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے میں اُمِ علقمہ کی مخالفت کی گئی ہے۔ اُمّ المومنینؓ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرامؓ سے روایتِ اُمِ علقمہ کے خلاف مروی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے جو روایت ہے وہ اس طرح ہے:

۲۹۳ [ہم سے احمد بن عمر بن انس از عبد بن احمد ہروی ابوذر از احمد بن عبدان الحافظ نیشاپوریں از محمد بن سہل بن عبداللہ مقری بصری، از محمد بن اسماعیل بخاری صاحب صحیح از علی بن ابراہیم از محمد بن ابی الشمالؒ عطاردی بصری بیان کیا کہ] حضرت اُمِ طلحہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے حیض کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حیض کا خون سیاہ اور شدید سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔

۲۹۴۔[ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از ابن وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع، از ابوبکر ہذلی، از معاذہ عدویہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم زرد اور مٹیالے رنگ کے خون کو حیض شمار نہیں کرتے تھے۔

۲۹۵ [ہم نے بطریق احمد بن حنبل از اسماعیل بن علیہ از خالد حذاء از انس بن سیرین] روایت ہے کہ انس بن مالکؓ کے خاندان کی ایک عورت کو استحاضہ شروع ہوا تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے پوچھوں۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا وہ نماز نہ پڑھے جب تک وہ شدید سرخ رنگ کا خون دیکھے اور جب حالتِ طُہر دیکھے ـــــ خواہ دن بھر میں کچھ لمحات کے لیے ـــــ تو غسل کرکے نماز پڑھ لے۔

لہ مصری نسخہ میں "السماک" ہے جو کہ غلط ہے، اس ابن ابی الشمال کا ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی، ان کے اس اثر کو عُقیلی نے "الضعفاء" میں محمد بن مثنی کے طریق سے روایت کیا ہے۔ لسان المیزان، ج ۵، ص ۱۹۹، ۲۰۰ میں بھی اسے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حیض کا خون سُرخ رنگ کا بحرانی خون ہوتا ہے "مصباح" میں ہے کہ جو خالص اور شدید سُرخ رنگ کا خون ہو اسے بُحرانی کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ بُحرانی خون بحرِ رحم یعنی عمق کی طرف منسوب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اتصال خون کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ آپ نے صورت حال سن کر فتویٰ یہ دیا کہ شدید سرخ رنگ کے علاوہ جو خون ہے وہ حیض نہیں بلکہ طُہر ہے، اس کی موجودگی میں نماز پڑھ سکتی ہے اگرچہ دن میں چند لمحات ہی طُہر کے ہوں، نماز صرف اسی وقت ترک کرے جب خون شدید سرخ رنگ کا ہو۔ اس حدیث کی سند بہت عظیم الشّان ہے۔

۲۹۶ [ہم نے بطریق بخاری از قُتَیبَہ، از اسماعیل بن عُلَیَّہ از ایوب سختیانی، از محمد بن سیرین روایت کیا کہ] حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم زردی یا مٹیالا پن کو کوئی اہمیّت نہیں دیتے تھے۔ حضرت امّ عَطِیَّہ ان انصاری عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، اور انہیں زمانہ قدیم سے شرفِ صُحبت حاصل تھا۔

یہ سب کچھ ہم ازواجِ مُطہّرات رضی اللہ عنہن اور فاطمہ بنت ابی حُبَیش و امّ حبیبہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کی روایات سے ذکر کر چکے ہیں اور یہ سب کچھ نہایت عالی اور صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر عورت طُہر کے بعد گوشت کے پانی، یا نکسیر کے خون کے قطرہ کی مانند کوئی چیز دیکھے تو یہ شیطانی حرکات میں سے ایک حرکت ہے، اس صورت میں اسے پانی کے چھینٹے مار کر وضو کر لینا چاہیے اور نماز پڑھنی چاہیے اور اگر خون بالکل تازہ ہو اور اس کی تازگی میں کوئی شک نہ ہو تو پھر اُسے نماز چھوڑ دینی چاہیے۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ عورت جب "مُتَرِّیَۃ"[1] یعنی زرد یا مٹیالا رنگ کا خون دیکھے تو وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ آپ سے پُوچھا گیا کہ آپ اسے از خود فرما رہے ہیں یا آپ نے اسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] عربی محلّٰی میں یہ لفظ "البریۃ" چھپا ہے اور محلّٰی کے محقق احمد شاکر مرحوم نے اس کی صحت ومفہوم وغیرہ سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔ حدیث ثوبان تو مجھے بھی کسی حدیث کی موجودہ کتب میں نہ ملی لیکن یہی روایت دوسرے صحابہ کرام و تابعین سے کتبِ حدیث مثلاً: ابن ابی شیبہ، مُصنّف عبد الرزاق، سُنن کبریٰ بیہقی، سُنَن دارقطنی، اور سُنن دارمی ان ساری کتابوں کے اندر ابواب الطہارۃ میں موجود ہے اور وہاں یہ لفظ "متریّۃ" ہے جس کا معنی دارمی وغیرہ میں "الکدرۃ والصفرۃ" (مٹیالا اور زرد) مرقوم ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سُنا ہے؟ یہ سُن کر آپ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور آپ نے فرمایا جی ہاں میں نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اُمّ عَلقمہ کی روایت کی نسبت زیادہ قوی اور بہتر ہے۔ اُمّ عَلقمہ کی روایت کے موافق عَمرہ سے ان کی رائے مروی ہے اور ربیعہ و یحییٰ بن سعید سے بھی اس کی موافقت مروی ہے لیکن تابعین میں سے حضرت سعید بن مُسَیّبؒ وغیرہ جو ان سب کی نسبت جلیل القدر شخص ہیں، ان سب کی مخالفت ثابت ہے، چنانچہ بطریقِ قتادہ آپ سے روایت ہے کہ جو عورت پیلے یا مٹیالے رنگ کا خون دیکھے وہ غسل کرکے نماز پڑھے۔

و نیز بطریقِ سُفیان ثوری، قعقاع سے روایت ہے کہ ہم نے ابراہیم نخعی سے پوچھا کہ اُس عورت کے لیے کیا حکم ہے جو زرد رنگ کا خون دیکھے؟ آپ نے فرمایا کہ وضو کرکے نماز پڑھے۔ مکحول سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

اگر یہ حضرات حضرت ابن عباسؓ سے مروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ذکر کریں کہ اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرے تو اگر خون تازہ ہو تو وہ ایک دینار صدقہ کرے اور اگر خون میں زردی کی آمیزش ہو تو پھر نصف دینار صدقہ کرے۔

تو ہم عرض کریں گے کہ یہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو اس کے بعض حصے کی انہوں نے خود مخالفت کی ہے اور یہ بات سراسر باطل ہے کہ ایک ہی حدیث کا کچھ حصہ حجت ہو اور کچھ حجت نہ ہو۔ نیز یہ حجت ہو ہی نہیں سکتی، یہ تو باطل روایت ہے، صحیح نہیں، کیونکہ اس حدیث کا راوی عبدالکریم بن ابی المخارق ہے جو ثقہ نہیں ہے، ایوب سختیانیؒ، احمد بن حنبلؒ اور ان دونوں کے علاوہ محدثین نے اس پر جرح کی ہے۔

اگر یہ حضرات اعتراض کریں کہ ابن ابی عدی کی حدیث میں اضطراب ہے کبھی تو انہوں نے اس حدیث کو اپنے حفظ پر انحصار کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے "از زہری از عروہ از حضرت عائشہؓ" اور کبھی انہوں نے اسے اپنی کتاب سے اس طرح بیان کیا ہے "از زہری از عروہ، از فاطمہ بنتِ ابی حُبَیش"، اور یہ کلام محمد بن ابی عدی کے علاوہ اور کسی نے بیان نہیں کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو ہم عرض کریں گے کہ یہ سب کچھ اس خبر کی تقویت کا باعث ہے اور یہ اضطراب نہیں ہے کیونکہ عُروہ نے حضرت فاطمہؓ و حضرت عائشہؓ دونوں سے اسے روایت کیا ہے اور دونوں کو انہوں نے پایا ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کی خالہ اور آپ کی ماں کی بہن ہیں۔ اور فاطمہ بنت ابی حُبَیش بن مُطّلب، بن اسد آپ کی چچازاد بہن ہیں، کیونکہ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عُروہ بن زُبیر بن عوام بن خُویلد بن اسد اور محمد بن ابی عدی ثقہ، حافظ اور مامون ہیں۔ یہ اعتراض تو صرف معتزلہ ہی کر سکتے ہیں جو خبرِ واحد کی حُجّیت کے قائل نہیں ہیں تاکہ بہت سی سُنن کو باطل قرار دے سکیں۔ پس ان کے سب دلائل ساقط ہو گئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

اور ہم نے جو کہا ہے وہی ہمارے جمہور اصحاب کا قول ہے:

امام ابوحنیفہؒ، سُفیان ثوریؒ، اَوزاعی، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ایام حیض میں پیلے اور مٹیالے رنگ کا خون حیض ہوگا، لیکن ایامِ حیض کے علاوہ دیگر ایام میں یہ حیض نہیں ہوگا۔

لَیث بن سعد فرماتے ہیں کہ ایامِ حیض کے علاوہ دیگر ایام میں خون اور پیلے و مٹیالے رنگ کا خون حیض شمار نہیں ہوگا لیکن ایامِ حیض میں یہ سب کچھ حیض شمار ہوگا۔

امام مالکؒ اور عُبَیداللہ بن حسنؒ[1] فرماتے ہیں کہ پیلے اور مٹیالے رنگ کا خُون حیض ہے، خواہ ایامِ حیض میں ہو یا غیر ایامِ حیض میں!

امام ابُویوسفؒ اور محمدؒ فرماتے ہیں کہ خُون اور پیلے رنگ کا خُون ایامِ حیض میں تو حیض ہی ہے۔ ایامِ حیض میں حیض کی آمد سے قبل مٹیالے رنگ کا خون حیض نہیں ہے البتہ حیض کے بعد یہ حیض ہی سمجھا جائے گا اور ان میں سے کوئی بھی غیر ایام میں حیض شمار نہیں ہوگا۔

ایامِ حیض کے علاوہ دیگر دنوں میں خُون کے بارے میں ان ائمہ و فقہاء کرام میں عظیم اضطراب پایا جاتا ہے، حالانکہ غیر دنوں میں ان میں سے کچھ بھی حیض شمار نہیں ہوتا۔

---

[1] عبیداللہ بن حسن عَنبَری، بصرہ کے قاضی، فقیہ اور ثقہ ہیں، انہی کا قول ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد درست ہے۔ آپ کی اس غلطی پر گرفت کی گئی اور بقولِ بعض آپ نے اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ ۱۰۰ھ میں ولادت اور ۱۶۸ھ میں وفات ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت جب ایامِ حیض سے تین یا تین سے بھی زیادہ دن پہلے خون دیکھے جو ایامِ حیض میں منقطع ہو یا ایامِ حیض کے بعد متصل تین دن سے کم رہے تو ان میں سے کوئی بھی حیض نہیں ہوگا اور اس کے باعث عورت نماز، روزہ اور مباشرت ترک نہیں کرے گی۔ اگر دو بار ایسا متسلسل ہی ہو تو پھر یہ حیض متصل ہی سمجھا جائے گا۔

امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے معمول کے ایام سے دو دن یا اس سے کم مدّت پہلے خون دیکھے جو ایام میں تین یا تین سے زیادہ دن تک متصل رہے تو یہ سب حیض ہوگا بشرطیکہ دس دنوں سے زیادہ تجاوز نہ کرے۔

نیز امام صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ایامِ حیض سے تین یا تین سے زیادہ دن پہلے خون دیکھ لے اور ایامِ حیض کے متصل بھی تین یا تین دن سے زیادہ ایام تک خون دیکھتی رہے تو کبھی تو آپ اسے حیض قرار دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ معمول سے پہلے کے دنوں کا خون تو حیض نہیں ہے البتہ ایام کے درمیان کا خون حیض ہے۔ اور یہ سب مغالطہ آرائیاں ہیں اس سے بچنا ہی چاہیے۔

ابو ثور اور ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ غیر ایامِ حیض میں پیلے اور مٹیالے رنگ کا خون حیض نہیں ہے ایامِ حیض میں خون سے پہلے اگر یہ برآمد ہو تو پھر بھی یہ حیض نہیں ہے، البتہ خون کے متصل بعد ہو تو اسے حیض سمجھا جائے گا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ حیض ہے تو ترکِ نماز و روزہ جائز نہیں کیونکہ ان کا وجوب یقینی ہے۔ اور نہ وطی سے منع کی جائے گی کیونکہ اس کی حلّت بھی یقینی ہے۔ جتنی کہ حیض کے بارے میں یقین ہو جائے تو نماز، روزہ اور وطی حرام ہونگے کیونکہ یقینی حلّت کو کوئی یقینی حرمت ہی ساقط کر سکتی ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیان صحیح نہیں بلکہ اس میں غلطی کی آمیزش ہے۔ ان کے پیش کردہ یہ دونوں مقدمے تو درست ہیں مگر یقین صرف نص ہی سے ثابت ہو سکتا ہے اور نص سے صحیح طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سیاہ خون کے علاوہ دوسرا کوئی خون، خواہ وہ کسی رنگ کا ہو حیض نہیں ہے اور نماز، روزے، اور مباشرت سے مانع بھی نہیں ہے پس ان کی پیش کردہ دلیل، ان کے خلاف ثابت ہوئی۔ اگر یہ نص موجود نہ بھی ہوتی تو پھر بھی ان کی بات درست نہ تھی، کیونکہ نماز اور روزہ ایسے فرائض ہیں کہ ان کی فرضیت یقینی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وطی بھی ایسا حق ہے کہ بیوی یا لونڈی کے سلسلہ میں اس کی اباحت یقینی ہے اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ حیض ان سب کو حرام قرار دیتی ہے، لہٰذا جس حیض کے ساتھ آپ نماز، روزہ اور وطی کو حرام قرار دے رہے ہیں اس کی اس پوزیشن کے بارے میں کوئی نص وارد ہونی چاہیے یا یقینی اجماع ہونا چاہیے مختلف فیہ دعویٰ سے بات نہیں بنتی جب اصولی طور پر یہ بات درست ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نہ نص سے ثابت ہے نہ اجماع سے اور نہ لغت سے کہ سیاہ رنگ کے خون کے علاوہ اور کوئی خون بھی حیض ہے۔ ہاں یقینی نص، اجماع اور لغت سے یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ سیاہ رنگ کا خون ہی حیض ہے لہٰذا جس کے بارے میں نص یا اجماع نہ ہو اسے حیض سے تعبیر کرنا جائز نہیں۔

پہلے قول والے حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تو درست کہ سیاہ خون ہی حیض ہے لیکن جب سرخی بھی سیاہی کا جزء ہے تو سرخ خون کو بھی حیض ہی ہونا چاہیے! اسی طرح زرد رنگ کا خون سرخ رنگ کے خون کا جزء ہے...... .... لہٰذا زرد رنگ کے خون کو بھی حیض ہونا چاہیے نیز مٹیالے رنگ کا خون زرد رنگ کے خون کا جزء ہے یعنی جب خون کی یہ تمام قسمیں بعض حالات میں حیض ہیں، تو انہیں تمام حالات میں ہی حیض ہونا چاہیے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قیاس ہے اور قیاس سب کا سب باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت حق ہو بھی تو یہ بالکل باطل ہے، معارضہ کے طور پر ہم یہ بھی کہیں گے کہ بالکل سفیدی جب طہارت ہے اور اجماع ہے کہ حیض نہیں ہے تو مٹیالے رنگ کا خون جو غیر شفاف سفیدی کا حامل ہوتا ہے اسے بھی حیض نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح پیلے رنگ کا خون جو مٹیالے رنگ کے خون ہی کی ایک قسم ہے، اسے بھی حیض قرار نہیں دینا چاہیے۔ اسی طرح سرخ رنگ کا خون، پیلے رنگ کے خون کی ایک قسم ہے لہٰذا سرخ رنگ کے خون کو بھی حیض نہیں ہونا چاہیے اور خون کی یہ قسمیں جب کہ بعض احوال بلکہ اکثر میں حیض نہیں ہیں، تو کسی حال میں اسے حیض نہیں ہونا چاہیے!

یہ بات ان کے قیاس کی نسبت زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ سرخ، پیلے یا مٹیالے رنگ کا خون کسی حالت یا کسی وقت میں حیض ہو سکتا ہے اور نہ اس بارے میں قطعاً کوئی نص ہے، نہ اجماع ہے، نہ ایسا قیاس ہے جو غیر معارض ہو، نہ کسی صحابی کا کوئی غیر معارض قول ہے اور ان سب حضرات نے اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ جب ایام معلوم کے علاوہ غیر ایام حیض میں ان میں سے کسی رنگ کا خون نظر آئے تو وہ حیض نہیں ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پس ان کا قیاس باطل ہُوا اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہی حق ہے۔ اگر قیاس کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کے علاوہ کوئی دوسرا قیاس صحیح نہیں۔

اسی طرح ان حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ سُرخی سیاہی کا، زردی سُرخی کا اور مٹیالا پن پیلے کا جزء ہے، اس سے بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے مقابلہ میں ہم نے خود دعویٰ پیش کر دیا ہے لہٰذا ان کے یہ سب اقوال باطل قرار پائے۔ نص اور اجماع کی روشنی میں صرف ہمارا قول ہی درست ثابت ہُوا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

۲۵۵ حیض ختم ہونے کے بعد غُسل فرض ہے

جب حیض ختم ہو جائے تو عورت کے لیے اُس وقت تک نماز اور کعبہ کا طواف جائز نہیں جب تک وہ اپنے سر اور سارے بدن کو پانی سے دھو نہ لے (یعنی غُسل نہ کرلے) اگر پانی موجود نہیں یا عورت بیمار ہے اور پانی کا استعمال تکلیف دِہ ہے تو پھر اُسے تیمم کرنا ہوگا۔ اگر عورت نے روزے کی نیت سے صبح کی اور اُس نے غسل نہیں کیا تو وہ صبح کی نماز سے پہلے غسل یا اگر اہلِ تیمم میں سے ہے تو تیمم کرلے۔ اس صورت میں اس کا روزہ صحیح ہوگا۔

ان سب مسائل پر اجماع ہے کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے:

واذا ادبرت الحیضۃ فتطھری۔

"جب حیض ختم ہو جائے تو غسل کرلو"

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ ۔ (البقرہ: ۲۲۲)

"جب پاک ہو جائیں، تو ان کے پاس جاؤ"

اور یہ بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جب ہمارے پاس پانی نہ ہو تو زمین ہی ہمارے لیے پاک ہے" لہٰذا جب حائضہ عورت کے پاس پانی موجود نہ ہو تو پھر اس کے لیے تیمّم کرنا واجب ہے۔ غُسل اور تیمّم کو مذکورہ مقدار سے زیادہ مؤخر کرنے میں اختلاف ہے، جسے ہم "کتاب الصیام" میں بیان کریں گے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

۲۵۶ حیض کے بعد وطی کس وقت جائز ہے

حیض کے خاتمہ کے بعد عورت کے خاوند یا آقا کا اس سے وطی کرنا اُس وقت تک حلال نہیں جب تک یہ اپنے سر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سارے بدن کو دھو نہ لے (یعنی غسل نہ کرلے) یا اگر اہلِ تیمم میں سے ہے تو جب تک تیمم نہ کرے یا اگر یہ نہ کر سکے تو وضو یا تیمم کرلے اور اگر وضو بھی نہ کر سکے تو پانی سے اپنی شرمگاہ کو ضرور دھولے۔ ان چار صورتوں میں سے کسی ایک کے بعد اس سے وطی حلال ہے۔

اس کی دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے :۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۔ (البقرہ : ۲۲۲)

"اور آپ سے وہ لوگ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ وہ تو نجاست ہے لہٰذا ایامِ حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے، ان کے پاس جاؤ۔"

"حَتّٰی یَطْهُرْنَ" کے معنی یہ ہیں کہ یہاں تک کہ انہیں طہارت حاصل ہو جائے اور خاتمہ حیض کا نام طہارت ہے اور "فَاِذَا تَطَهَّرْنَ" ان کے فعل کی صفت ہے اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا اسے شریعت اور لغت میں "تطہیر" "طُهور" اور "طُہر" کہا جاتا ہے لہٰذا ان مذکورہ چار صورتوں میں سے عورت کسی ایک صورت کو انجام دے لے، اس کی حالت طہارت کی ہوگی! چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا (التوبہ : ۱۰۸)

"اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔"

نص اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ اس آیت میں "اَنْ یَتَطَهَّرُوْا" سے مراد فرج اور دُبر کا پانی سے دھونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنابت و حدث سے تیمم بھی طہارت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :۔

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدہ : ۶)

"اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو۔"

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ" اللہ وضو کے بغیر نماز قبول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں فرماتا" (توان دلائل سے معلوم ہُوا کہ) جو شخص فرمان باری فَاِذَا تَطَهَّرْنَ (جب وہ پاک ہو جائیں) کو صرف غسل کے معنی میں محدود کرتا ہے اور اس سے وضو تیمّم اور استنجاء مراد نہیں لیتا تو اس کی یہ بات بغیر علم کے ہے اور اس نے کلام الٰہی جن معانی پہ وارد ہو سکتا ہے، ان میں سے بغیر کسی دلیل کے بعض کی تخصیص کر دی ہے۔

ہم ان سے یہ بھی عرض کریں گے کہ آپ نے شفق کے بارے میں یہی طرز عمل کیوں اختیار نہیں کیا، کیوں آپ نے فرمایا ہے کہ جس چیز پہ بھی شفق کا اطلاق ہو سکے، اس کے غروب ہونے کے ساتھ عشاء کا وقت ہو جائے گا، کبھی تو لفظ کو تم اس کے تمام مقتضیات پر محمول کرتے ہو اور کبھی محض دعویٰ و ہوس کی بنیاد پر اس کے تقاضوں میں سے بعض پر اسے محمول کر لیتے ہو!

اگر کوئی یہ کہے کہ ایام ماہواری کے آغاز ہی سے عورت سے مباشرت حرام ہو جاتی ہے اور اس پر اجماع ہے لہٰذا اس کے حلال ہونے کی صورت بھی ایسی ہونی چاہیے جس پر اجماع ہو۔

ہم عرض کریں گے کہ یہ بات بالکل باطل اور جھوٹا دعویٰ ہے، اسے نہ کسی نص نے واجب قرار دیا ہے اور نہ اجماع نے بلکہ بات در اصل یہ ہے کہ جب کوئی چیز بالاجماع حرام ہو اور پھر اسے حلال قرار دینے کے سلسلہ میں کوئی نص آ جائے تو وہ مباح ہو گی اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس کے مباح ہونے پر اجماع ہے یا اختلاف ہے۔

اگر تمہارے اس قاعدہ کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو تمہارے اکثر اقوال باطل قرار پائیں گے مثلاً تم نے مُحدث اور جُنبی کے لیے بالاجماع نماز کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا ان کے لیے نماز کو حلال قرار دینے کی صورت میں بھی اِجماع ہونا چاہیے۔ تم جُنبی کے لیے تیمّم سے نماز جائز قرار نہیں دیتے ہو خواہ وہ مہینہ بھر پانی نہ پائے حالانکہ اس مسئلہ پر اجماع نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن خطابؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم اور اسود تیمم سے نماز کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح جو شخص وضو کرتے ہُوئے ناک میں پانی نہ ڈالے، اس کی نماز کو انہوں نے باطل قرار دیا ہے کیونکہ اس کی صحت پر اجماع نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص عورت کے بچے ہُوئے پانی سے وضو کرے یا آگ کی پکی ہُوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہ کرے، تو اس کی نماز کو بھی انہوں نے باطل قرار دیا ہے روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر شرعی احکام و مسائل میں سے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ ہی سراسر فاسد ہے۔ اور اس پر جو قول متفرع ہے وہ بھی فاسد ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جو حضرات ہمارے ہمنوا ہیں، ان میں سے عطاء، طاؤس اور مجاہد مشہور ہیں اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

حنفیہ کی رائے

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر عورت کا معمول دس ایام ہیں تو دس ایام کے خاتمہ کے بعد عورت سے وطی حلال ہے، خواہ اس نے غسل کیا ہو یا نہ کیا ہو، ایک نماز کا وقت گزر گیا ہو یا نہ گزرا ہو، اس نے وضو کیا ہو یا نہ کیا ہو، تیمم کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اپنی شرم گاہ کو دھویا ہو یا نہ دھویا ہو، اور اگر اس کے ایام حیض دس دنوں سے کم ہوں تو غسل کیے بغیر اس سے وطی حلال نہیں یا طہارت کے بعد قریبی نماز کا وقت گزر گیا ہو اور اگر ایک ہی نماز کا وقت گزرا ہے، جس کے وقت پر یا اس سے پہلے یہ پاک ہوئی ہے اور اس نے غسل نہیں کیا تو اس سے وطی جائز ہے خواہ اس نے غسل، تیمم، وضو، اور استنجا میں سے کوئی کام بھی نہ کیا ہو، اور اگر عورت اہل کتاب میں سے ہو تو وہ جونہی پاک ہو اس سے ہر حال میں وطی حلال ہے۔

ان جیسے اقوال سے سلامت رہنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں، حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے اس مسئلہ میں کوئی روایت ذکر نہیں کی گئی۔ تابعین میں سے بھی کسی سے اس کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں کہ سالم بن عبداللہؒ، سلیمان بن یسارؒ، زہریؒ اور ربیعہ فرماتے ہیں کہ جب تک عورت غسل نہ کرے، اس سے وطی منع ہے لیکن ان حضرات کے اقوال جبکہ وہ ان اقوال میں منفرد ہوں یعنی کسی سے ان کی مخالفت بھی ثابت نہ ہو پھر بھی حجت ہیں لیکن یہاں تو ان اقوال میں ان ہی جیسے دوسرے اشخاص نے ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

کتنے ہی ایسے مسائل ہیں، جن میں انہوں نے بے شمار حضرات صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہ کی تھی۔ اس سے قبل ہم اس کی بہت سی مثالیں ذکر کر چکے ہیں اور آئندہ بھی ذکر کریں گے۔ انہی میں سے یہ روایت بھی ہے۔

ا حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، انسؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور نافع بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ قبرستان میں نماز جائز نہیں اور نہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ حضرات صحابہ کرام میں سے کسی نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت بھی نہیں کی لیکن ان حضرات نے محض اپنی آراء سے ان حضرات صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ حضرت ابوبکرؓ، ثابت بن قیسؓ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ران کا پردہ نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی لیکن ان حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے۔ اس طرح کی مثالیں بہت ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی منشا "فَاِذَا تَطَهَّرْنَ" کے تقاضوں میں سے بعض سے ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر اس کی وضاحت فرما دیتے۔ جب آپ نے اس کی کوئی تخصیص نہیں بیان فرمائی اور ہمارے لیے اس کا سمجھنا قرآن پر موقوف قرار دیا ہے۔ تو ہمیں قطعی طور پر یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے بعض تقاضوں کا ارادہ نہیں کیا جبکہ بعض دیگر کو چھوڑ دیا گیا۔

اگر یہ کہیں کہ ہمارے قول میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہے تو ہم عرض کریں گے کہ حاشا للہ ہرگز نہیں بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ جب وطی کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے تو اسے حرام قرار نہ دیا جاتے۔ اگر یہ حضرات یہ اعتراض کریں کہ جب تک اس کے لیے نماز پڑھنا حلال قرار نہیں پاتا، اس وقت تک وطی بھی حلال نہیں ہوگی، ہم عرض کریں گے کہ یہ دعویٰ حسب ذیل وجوہ و اسباب کے باعث باطل ہے۔

اول: اس دعویٰ کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔

دوم: کئی ایسی حالتیں ہیں، جن میں عورت سے وطی تو جائز ہے مگر عورت کے لیے ان حالتوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں، مثلاً جنابت اور حدث کی حالتیں۔

سوم: ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ آپ نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ عورت سے اس وقت تک صحبت جائز نہیں جب تک اس کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ان حضرات کے نزدیک روزہ فقط رؤیت طہارت ہی سے جائز ہو جاتا ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ان کے دعوے کے مقابلہ میں ہے۔

اگر بعض حضرات یہ کہیں کہ تحریم تو معمولی اشیاء کے ساتھ ہو سکتی ہے لیکن تحلیل کے لیے اشیاء کا غیر معمولی ہونا ضروری ہے مثلاً جن عورتوں سے باپ دادا نے نکاح کیا ہو، ان کی حرمت محض ان کے نکاح کرنے سے ہی ثابت ہو جاتی ہے لیکن وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں، اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ نکاح کر کے مباشرت نہ کر لے۔

ہم عرض کریں گے کہ بات ایسی نہیں جیسے آپ نے کہی بلکہ اس قاعدہ کے فاسد و باطل ہونے کے ساتھ ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے خود اس کی مخالفت بھی کی ہے۔ آپ نے ان غیر معمولی اشیاء کو ترک کر دیا ہے، جنہیں مخالفین نے پیش کیا ہے۔ اسے کہتے ہیں جانب داری!

حضرت حسن بصریؒ تو اس کے قائل ہیں کہ وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں، پہلے خاوند کے لیے اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے اور پھر نکاح کے بعد مباشرت و انزال بھی ہو۔ جبکہ سعید بن مُسیّبؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت فقط نکاح ہی سے حلال ہو جاتی ہے، خواہ مباشرت و دخول نہ بھی ہُوا ہو۔

پھر ان حضرات سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تمہارے اس قاعدے کے خلاف ہم یہ پاتے ہیں کہ تحلیل کا پہلو بہت معمولی اشیاء سے ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی اجنبی عورت کی شرم گاہ کے استعمال میں جہنم رسید ہونے کی وعید، رجم کے ذریعہ اس کی جان کی بربادی اور کوڑوں وغیرہ کی سزا تھی لیکن یہی عورت محض دو یا تین کلموں کے ذریعہ اس کے لیے حلال ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی شخص سے یُوں کہے کہ "اپنی بچّی میرے نکاح میں دے دو" اور وہ جواب میں یہ کہے کہ "مَیں نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا" یا اس طرح کہ "عورت رضامندی کا اور ولی اجازت کا اظہار کر دے" یا کسی لونڈی کا آقا کسی شخص سے مخاطب ہوتے ہُوئے یہ کہہ دے کہ "یہ مَیں نے تمہیں ہبہ کر دی ہے" لیکن تحریم کے لیے اشیاء کا غیر معمولی ہونا ضروری ہے۔ مثلاً تین طلاقیں، یا عدّت کی مدّت کا ختم ہونا، اسی طرح ہم پاتے ہیں کہ ربیبہ (منکوحہ کی لڑکی جو اس کے پہلے خاوند سے ہو) کی حُرمت کے لیے نکاح اور دخول دونوں ضروری ہیں ورنہ صرف عقد سے ہی حُرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ان مثالوں سے معلوم ہُوا کہ ان حضرات نے جو کچھ کہا تھا یہ محض خلطِ مبحث اور ایک باطل قول ہے۔ حق بات یہ ہے کہ تحریم بھی اسی چیز سے ثابت ہوتی ہے جس سے تحلیل کا ثبوت ہوتا ہے محض اشیاء کا معمولی و غیر معمولی ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ تحریم و تحلیل کی بُنیاد صرف کتاب و سُنت ہے اور کچھ نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۵۷۔ حائضہ کے لیے نماز و روزہ کی قضا

جس نماز کے وقت میں حائضہ کو کچھ طہارت حاصل ہو جائے، اس کی قضا دے نیز ایّامِ حیض میں جو روزے رہ گئے ہوں، ان کی بھی قضا ضروری ہے۔ یہ متفق علیہ نص ہے جس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۵۸۔ جس نماز کے اوّل یا آخر وقت حیض جاری ہو اُس کا حکم

جب کسی عورت کو نماز کے اوّل یا آخر وقت میں حیض شروع ہوا اور وہ یہ نماز نہ پڑھ سکی ہو تو اُس سے یہ ساقط ہو جائے گی اور اس کا اعادہ بھی ضروری نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، اَوزاعیؒ اور ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے نیز محمد بن سیرین اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی۔ امام نخعی، شعبی، قتادہ اور اسحاق فرماتے ہیں کہ قضا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اسے نماز پڑھنا ممکن تھی تو پھر قضا ضروری ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے وقت مقررہ رکھا ہے جس کا اوّل و آخر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت ہے کہ آپؐ نے نماز اوّل وقت بھی پڑھی ہے اور آخر وقت بھی، تو معلوم ہُوا کہ جو شخص نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرتا ہے وہ گناہگار نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصیت کا کوئی کام نہیں کرتے تھے تو یہ عورت بھی نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنے کے باعث گناہگار نہیں اور جب اسے تاخیر کرنے کی اجازت ہے اور اس نے اس سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حیض آگیا اور حیض نے اس سے اس فریضہ کو ساقط کر دیا۔

اگر نماز اوّل وقت پڑھنا ہی واجب ہوتی تو اوّل وقت کے بعد پڑھنے والے کی نماز قضا ہوتی، ادا نہ ہوتی اور تاخیر کے باعث فاسق قرار پاتا لیکن یہ بات غلط ہے اور اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں!

۲۵۹۔ جب نماز کے آخر وقت میں عورت پاک ہو اور اُس نماز کا پڑھنا اس کے لیے ممکن نہ ہو

جب کوئی عورت کسی نماز کے بالکل آخر وقت میں پاک ہو اور وضو و غُسل کرتے کرتے وقت ختم ہو جائے تو یہ نماز اس کے ذمہ فرض نہ ہوگی اور نہ اس کی قضا ضروری ہے، اَوزاعیؒ اور ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے یہ نماز پڑھنا ہوگی!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بغیر نماز پڑھنا مشروع قرار نہیں دیا اور نمازوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اوقات مقرر کیے ہیں لہٰذا جس وقت گزرنے سے پہلے اس کے لیے طہارت ممکن ہی نہ ہوئی تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اس نماز کی مکلف ہی نہیں جس کو ادا کرنا اس کے لیے اس کے وقت پر حلال نہیں ہے لہٰذا اس کی ادائیگی اس کے ذمہ بعد میں فرض نہ ہوگی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۶۰۔ حیض میں جماع کے علاوہ باقی سب جائز ہے

آدمی اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ جماع کے علاوہ تلذذ کے لیے باقی سب کچھ کر سکتا ہے۔ حائضہ عورت کا شوہر حالتِ حیض میں اپنی بیوی کی شرم گاہ کے کناروں سے بھی بغیر دخول لطف اندوزی کر سکتا ہے، مگر دُبر میں دخول ہر وقت حرام ہے

اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ آپ اپنی بیوی کے بستر سے ایامِ حیض میں علیحدگی اختیار کر لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب، سعید بن مُسَیّب اور عطاء، امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ازار سے اوپر یعنی ناف سے لے کر اوپر تک عورت کے بدن کے ساتھ تلذذ کر سکتا ہے، ناف کے نیچے کے حصہ کا استعمال جائز نہیں مگر حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت صحیح نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذہب کو اختیار کرنے والے حضرات کی دلیل حسبِ ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ۔

(البقرۃ-۲۲۲)

"اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ نجاست ہے لہٰذا ایامِ حیض میں تم عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں تم ان سے مقاربت نہ کرو۔۔۔"

اور یہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے [جسے ہم نے بطریق ابی داؤد، از سعید بن عبد الجبار، از عبد العزیز الدَّراوردی، از ابوالیمان، از اُمّ ذرہ روایت کیا ہے کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایامِ حیض میں میں بستر کے بجائے چٹائی پر آ جاتی اور پاک ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ جاتی (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابوالیمان کثیر بن الیمان الرحال کے واسطہ سے ہے جو کہ مشہور نہیں ہے (بلکہ مستور ہے)، نیز اُمِّ ذرہ[1] مجہول ہے لہٰذا یہ ساقط الاعتبار ہو گئی۔

---

[1] اگر ابن حزم کو ان دو راویوں کا علم نہیں ہو سکا تو دوسروں کو ہو گیا ہے ابوالیمان کا ابن حبان نے "ثقات" میں ذکر کیا ہے، اُمِّ ذرہ حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ لونڈی ہیں۔ ابن المُنکدر، ابوالیمان اور عائشہؓ بنت سعد نے آپ سے روایت کی ہے لہٰذا آپ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت حضرت ابن عباسؓ کے عمل کو واجب قرار دینے والی ہے ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی صحیح بیان آجاتے تو وہیں رُک جانا پڑے گا۔ لہٰذا آیت کے معاملہ کو ہم نے مؤخر کر دیا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ و شافعیؒ کے مذہب اختیار کرنے والوں کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ [ہم نے ابن وہب، از مخرمہ بن بکیر، از پدر خود، از کُریب مولیٰ ابن عباسؓ روایت کیا کہ] اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایام کی حالت میں میرے ساتھ لیٹ جایا کرتے تھے میرے اور آپؐ کے مابین کپڑا ہوتا تھا۔ (مسلم، کتاب الطہارۃ)

۲۔ [ہم نے بطریق لیث بن سعد، از زُہری، از حبیب مولیٰ عُروہ از ندبہ مولیٰ میمونہؓ روایت کیا کہ] حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں سے حائضہ کے ساتھ اپنے بدن کو لگا لیا کرتے تھے جب اس کے نصف رانوں تک کپڑا باندھا ہوتا تھا یا کپڑا گھٹنوں تک ہوتا اور اس نے ازار باندھا ہوتا۔ (ابوداود، نسائی کتاب الطہارۃ)

۳۔ [ہم نے بطریق ابو خلیفہ، از مُسدّد، از ابوعوانہ، از عمر بن ابی سلمہ، از ابوسلمہ روایت کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایام کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سویا کرتی تھیں اور آپ دونوں کے مابین کپڑا ہوتا تھا۔ (مُسند احمد ۶: ۷۸)۔

۴۔ [ہم نے بطریق ابواسحاق، از عاصم بن عمرو بجلی روایت کیا کہ] کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا (کہ انسان کے لیے اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟) تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ آدمی کے لیے حائضہ عورت کا کتنا حصہ حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا ازار سے اوپر کا حصہ اور جب تک وہ پاک

جہالت مرتفع ہوگئی۔ ابن حبان نے ان کا ذکر بھی 'ثقات' میں کیا ہے عجلی کہتے ہیں کہ یہ تابعیہ ہیں لہٰذا مجہول نہ رہیں۔ احمد شاکر (ابن حجرؒ نے ابوالیمان کو مستور کہا ہے اور راشد زرہ کو مقبول۔ اور یہ کم سے کم وصف ہے جسے ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ اور ابن حجرؒ نے خود ہی تقریب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ مستور اُسے کہیں گے جس کی توثیق ثابت نہ ہو اگرچہ اس سے ایک سے زیادہ آدمیوں نے روایت بھی کیا ہو۔ اور جس راوی کو مقبول کہیں گے اس کی روایت بشرط متابعت قبول کی جاتی ہے گی۔ ابن حبان نے ان دونوں کو اپنی کتاب ثقات میں داخل کر کے تساہل برتا ہے اور یہ اہل علم پر واضح ہے پھر یہ روایت صحیح ترین روایات کے مخالف ہے اس لیے بھی قابل قبول نہیں (ابوالاشبال پاکستانی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہو جاتی ازار کے نیچے مت جھانکو۔ (مصنف عبدالرزاق، ۱: ۳۲۲)

نیز یہ روایت بطریق ابو اسحاق از عمیر مولیٰ عمرؓ بھی اسی طرح مروی ہے۔ (بیہقی ۱: ۳۱۲)

نیز بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از مالک بن مغول، از عاصم بن عمرو از حضرت عمرؓ بھی اسی طرح مروی ہے۔

نیز بطریق مُسَدَّد، از ابو الاحوص، از طارق بن عبدالرحمٰن از عاصم بن عمرو بھی مروی ہے (سُنن سعید بن منصور، ۲: ۸۷ مطولاً، ابن ابی شیبہ ۴: ۲۵۶)

[ہم نے بطریق ہارون بن محمد بن بکار، از مروان بن محمد از ہیثم بن حمید، از علاء بن حارث روایت کیا کہ] حضرت حرام بن حکیم سے روایت ہے کہ ان کے چچا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جب میری بیوی کے ایام ماہواری ہوں تو پھر میرے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا، ازار سے اُوپر جو کچھ ہے وہ حلال ہے (ابو داؤد کتاب الطہارۃ)

[ہم نے بطریق ہشام بن عبدالملک الیزنی از بقیہ بن ولید از سعید بن عبداللہ اغطش، از عبدالرحمٰن بن عائذ ازدی بن قرط امیر حمص روایت کیا کہ] حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر بیوی کے ایام ماہواری ہوں تو پھر خاوند کے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا ازار سے اُوپر جو کچھ ہے وہ حلال ہے لیکن اس سے بھی بچنا زیادہ بہتر ہے۔ (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ)

[ہم نے بطریق عبدالرحیم بن سلیمان، از محمد بن کُریب، از کُریب روایت کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا ایام ماہواری میں خاوند کے لیے عورت کا کیا کچھ جائز ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم نے سنا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو ایسے ہی ہے واللہ اعلم ––– ازار سے اوپر جو کچھ ہے وہ حلال ہے۔

[ہم نے بطریق محمد بن جہم از محمد بن فرج از یونس بن محمد، از عبداللہ بن عمر، از ابی النضر از ابی سلمہؓ روایت کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدمی کے لیے اس کی حائضہ بیوی سے کیا کچھ حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا "جو کچھ ازار سے اُوپر ہے"۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب ہم ان آثار کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ حضرت میمونہؓ سے جو دو روایتیں مروی ہیں ان میں سے ایک مخرمہ بن بکیر سے مروی ہے، جو وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ نیز ابن معین فرماتے ہیں کہ مخرمہ ضعیف ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اس کی حدیث کوئی شئ نہیں۔[۱]

حضرت میمونہؓ سے مروی دوسری حدیث بطریق ندبہ ہے اور یہ مجہول اور غیر معروف ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو لیث سے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ندبة (نون اور دال پر زبر کے ساتھ) ہے مگر اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے ان کا تلفظ نُدْبَة (نون پر پیش اور دال پر سکون کے ساتھ) بتاتے ہیں۔

یونس کہتے ہیں کہ بُدَيَّة (با پر پیش دال پر زبر اور یا پر تشدید کے ساتھ) ہے اور یہ سب زہری سے روایت کرنے والے ہیں۔ پس حضرت میمونہؓ سے مروی دونوں روایتیں ساقط ہو گئیں!

حضرت عائشہؓ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک بطریق عمر بن ابی سلمہ ہے اور شعبہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور کسی نے بھی ان کی توثیق نہیں کی[۲] لہذا یہ روایت بھی ساقط ہوئی۔ دوسری روایت بطریق عبداللہ بن عمرؓ ہے اور یہ عمری صغیر ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے البتہ اس کا بھائی عبیداللہ ثقہ ہے۔ پس حضرت عائشہؓ سے مروی دونوں روایتیں بھی ساقط ہو گئیں۔

حدیث عمرؓ منقطع ہے کیونکہ ابو اسحاق کا عُمَیر مولیٰ عمرؓ سے سماع یعنی حدیث سننا اور روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق زہیر بن حرب از عبداللہ بن جعفر مخرمی[۳] از عبیداللہ بن عمرو جزری، از زید بن ابی انیسہ از ابو اسحاق از عاصم بن عمرو از عمیر مولیٰ عمر جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند بھی ساقط ہے کیونکہ عاصم بن عمرو کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت نہیں بلکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ انہوں نے اسے

[۱] یہ درست کہ مخرمہ نے اپنے باپ سے حدیث کی سماعت نہیں کی بقول بعض انہوں نے اپنے باپ سے ایک حدیث یعنی حدیث وتر روایت کی ہے اور یہ درست نہیں کہ وہ ضعیف ہے کیونکہ امام مالک، امام احمد، ابن مدینی اور ابن سعد کے علاوہ کئی دیگر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔

[۲] یہ بات علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ امام ابن معین سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ کی ایک حدیث کو صحیح کہا ہے ابن حنبل کہتے ہیں صالح، ثقہ ہیں ان شاء اللہ ابن عدی فرماتے ہیں حسن الحدیث لاباس بہ۔ ابن عدی کا قول شاید سب سے زیادہ مبنی بر عدل و انصاف ہے

[۳] مخرمی میم پر زبر اور خا پر سکون اور را غیر مشدد کے ساتھ ہے۔ میرا خیال ہے کہ امام ابن حزم کا یہاں مخرمی کا ذکر کرنا خطا ہے کیونکہ یہ مخرمی تو ۱۷۰ھ میں فوت ہو گیا تھا اور عبیداللہ بن عمرو جزری ۱۸۰ھ میں فوت ہوا ہے لہذا یہ بات بعید ہے کہ مخرمی ان سے روایت کرے پھر کسی نے یہ ذکر بھی نہیں کیا کہ مخرمی نے اس سے روایت کی ہے بظاہر درست یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ بن جعفر الرقی ہے، اور وہ عبیداللہ بن عمرو سے روایت کرنے میں معروف ہے۔ رقی کی وفات ۲۲۰ھ میں ہوئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمرؓ سے منقطع ذکر کیا ہے۔

اس روایت کو ہم نے اس طرح بھی روایت کیا ہے: زہیر بن معاویہ از ابو اسحاق از عاصم بن عمرو شامی۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ایک ہے جو حضرت عمرؓ کے پاس آئے تھے۔ پھر پوری حدیث بیان کی (طحاوی ۲: ۴۷)۔ نیز ہم نے اسے بطریق شعبہ از عاصم بن عمرو بجلی روایت کیا اور وہ ان لوگوں میں سے ایک شخص سے جنہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تھا، روایت کیا۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ گویا عاصم نے اسے ایک مجہول راوی سے اور پھر اس نے دو مجہول راویوں سے روایت کیا ہے، لہٰذا یہ روایت بھی بالکل ساقط ہو گئی۔

حرام بن حکیم کی جو اپنے چچا سے روایت ہے، یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ حرام بن حکیم[۱] ضعیف ہے اور یہ وہی راوی ہے جس سے مذی کے باعث خصیتین دھونے کی روایت مروی ہے۔ نیز اس روایت کو حرام سے مروان بن محمد نے بھی روایت کیا ہے اور وہ بھی ضعیف ہے[۲]۔

حدیث معاذؓ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ بقیہ سے مروی ہے اور وہ قوی نہیں اور وہ سعید اغطش سے روایت کرتا ہے جو مجہول ہے اور پھر اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس سے بچنا زیادہ بہتر ہے حالانکہ یہ حضرات اس کے قائل نہیں۔

حدیث ابن عباسؓ کی سند بھی محقق نہیں[۳] پس یہ سب روایات ساقط الاعتبار ثابت ہوئیں، ان میں سے کوئی

---

[۱] مصری نسخہ میں یہاں دونوں جگہ حزام ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۹۳ میں بھی اسی طرح ہے جو تصحیف ہے۔ ابن سعد میں حرام بن معاویہ بھی ہے امام بخاریؒ نے حرام بن حکیم اور حرام بن معاویہ کے مابین فرق کیا ہے۔ خطیبؒ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں امام بخاریؒ سے وہم ہوا ہے کیونکہ یہ ایک ہی آدمی ہے معاویہ بن صالح یعنی اس کے باپ کے نام میں اختلاف ہے۔ حرام کی عجلی، دحیم اور ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ ابن حجرؒ نے "تہذیب" میں لکھا ہے کہ ابن حزمؒ نے "المحلی" میں بغیر دلیل کے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

[۲] مروان بن محمد اسدی طاطری ثقہ ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابو محمد بن حزم نے انہیں ضعیف قرار دینے میں غلطی کی ہے کیونکہ سلف میں سے ابن قانع کے علاوہ کسی نے انہیں ضعیف قرار نہیں دیا اور ابن قانع کا قول قناعت بخش نہیں ہے۔

[۳] یہ سند ضعیف بھی ہے کیونکہ اس سند میں محمد بن کریب ہے، جسے امام احمد اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی ایسی نہیں جس سے استدلال جائز ہو۔

پھر جب ہم اپنے قول کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ سے جو صحیح روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں :۔

۲۹۷۔ ہم نے بطریق عبداللہ بن شداد حضرت میمونہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایام ماہواری میں ازواج مطہرات کے ساتھ جب وہ حیض میں ہوتیں، ازار کے اوپر مباشرت کرتے تھے۔ (بخاری مسلم، ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)

۲۹۸۔ ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن اسود و ابراہیم نخعی از اسود حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جوش حیض کے زمانہ میں حکم دیتے کہ ازار باندھ لو، اور پھر آپ ان سے مباشرت کرتے تھے لیکن تم میں سے کون ہے جو اپنی حاجت نفس پر اس طرح قابو پا سکے جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر قابو رکھتے تھے۔ یعنی باوجود خواہش نفس حرام سمجھتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الطہارت)۔

۲۹۹۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از عمرو بن منصور، از ہشام بن عبدالملک الطیالسی، از یحییٰ بن سعید القطان از جابر بن صبح از خلاس بن عمرو بیان کیا کہ] وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ایام ماہواری میں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی کپڑے میں لیٹتے، اگر آپ کو میری طرف سے کوئی چیز لگ جاتی تو اسے دھو ڈالتے یعنی اسی حصہ کو اس سے زیادہ نہیں اور اسی میں نماز بھی پڑھ لیتے اور پھر آکر میرے ساتھ لیٹ جاتے (ابوداؤد کتاب الطہارۃ و کتاب النکاح اور نسائی کتاب الطہارہ و کتاب الصلاۃ)

۳۰۰۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمۃ از ایوب از عکرمہ بیان کیا کہ] ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حائضہ بیوی سے کچھ ارادہ کرتے (یعنی مباشرت کا) تو اس کے مقام خاص پر کوئی کپڑا وغیرہ ڈال دیتے۔ (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ؛ سنن بیہقی ۱:۳۱۴)۔

۳۰۱ [ہم سے عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب، از عبدالرحمٰن بن مہدی، از حماد بن سلمہ، از ثابت بنانی بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ یہودی حائضہ عورتوں کے ساتھ نہ کھانا کھاتے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ مل جل کر رہتے۔ صحابہ کرامؓ نے اس بارے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:-

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ الخ (البقرہ: ۲۲۲)

"اور آپ سے وہ لوگ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے وہ نجاست ہے سو ایامِ حیض میں تم عورتوں سے کنارہ کش رہو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان ایام میں عورتوں کے ساتھ جماع کے علاوہ تم سب کچھ کر سکتے ہو! (مسلم کتاب الطہارہ، ابوداؤد کتاب الطہارہ و کتاب النکاح، ترمذی کتاب التفسیر، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

اس حدیث کا تعلق اس آیت کے نزول کے فوراً بعد سے ہے گویا آیت میں بیان کردہ حکمِ الٰہی کا یہ بیان ہے لہٰذا اس سے تجاوز جائز نہیں۔ لغت میں محیض کے معنی جائے حیض کے ہیں اور اس سے مراد شرم گاہ ہے یہی فصیح و معروف ہے اور اسی کے مطابق یہ آیت، حدیث مذکور کے موافق ہوگی اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان ایام میں عورتوں کی جائے حیض سے الگ رہو۔ حضرات صحابہ کرامؓ سے جو کچھ منقول ہے اس میں سے صحیح یہی ہے۔

چنانچہ ہم نے اسے روایت کیا بطریق ایوب سختیانی، از ابو معشر، از ابراہیم نخعی کہ حضرت مسروق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ جب میری بیوی کے ایامِ ماہواری ہوں، تو میرے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا "اندامِ نہانی کے سوا سب کچھ"! (دارمی نے سند اور متن میں کچھ اختلاف کے ساتھ کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے)۔

حضرت علی بن ابی طلحہؒ[1] حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے "فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ" کے بارہ میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اندامِ نہانی میں وطی سے بچو۔ (تفسیر طبری ۲: ۲۲۵)

حضرت اُمِ سلمہؓ، مسروق، حسن، عطاء، ابراہیم نخعی اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔ سفیان ثوری، محمد بن حسن اور امام شافعیؒ کا بھی صحیح قول یہی ہے۔ امام داؤد اور دیگر اصحابِ حدیث کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ کچھ زبان درازی کی پروا نہ کرنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیثِ انس منسوخ ہے اور

ـــــــــــــــــــــــــ

[1] "تہذیب" میں علی بن طلحہ کے ترجمہ میں ہے کہ انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے لیکن آپ سے سماع ثابت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیثِ عمرؓ — جو کہ صحیح نہیں — حضرت عمرؓ سے مروی غیر صحیح روایت کو قرار دیا ہے کیونکہ حدیث انسؓ حدیث عمرؓ کے مخالف ہونے کے ساتھ نزول آیت کے متصل تھی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: یہ سراسر جھوٹ اور بے علمی کی بات ہے اگر حدیث عمرؓ صحیح بھی ہو تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ نزول آیت کے بعد کی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے کی ہو جب یہ دونوں باتیں ممکن ہیں تو پھر حتمی طور پر ایک ہی پر منحصر کرنا جائز نہیں اور ایک غیر صحیح حدیث کی بنا پر محض جھوٹے گمان کی وجہ سے اس یقین کا ترک کرنا جائز نہیں جو قرآن سے ثابت ہے اور جسے نزولِ آیت کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اس پر بس نہیں بلکہ دو اور حدیثیں جو صحیح اور ثابت ہیں جنہیں ہم نے روایت کیا ہے:

۳۰۱۔ اوّل بطریق اعمش، از ثابت بن عُبَید، از قاسم بن محمد از حضرت عائشہؓ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے چٹائی لا دو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں حالتِ حیض میں ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ "ماہواری تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے"۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الطہارۃ)

۳۰۲۔ دوم بطریق یحییٰ بن سعید قطان، از یزید بن کیسان از ابوحازم از حضرت ابوہریرۃؓ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، آپؐ نے فرمایا عائشہؓ! مجھے یہ کپڑا پکڑا دینا تو حضرت عائشہؓ نے کہا میں حالتِ حیض میں ہوں، آپؐ نے فرمایا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (مسلم، نسائی کتاب الطہارۃ)

یہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ صرف مقامِ حیض سے اجتناب ہے اور بس! و باللہ التوفیق

۲۶۱۔ نفاس کا حکم

جو کام حیض میں ممنوع ہیں، وہی نفاس میں بھی ممنوع ہیں، اس مسئلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں، ہاں البتہ نفاس والی عورت بیت اللہ شریف کا طواف کر سکتی ہے کیونکہ طواف سے ممانعت حالتِ حیض کے بارے میں وارد ہے، نفاس کے بارے میں نہیں ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بھول ہو گئی ہو۔ "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا"

پھر استدراک سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاس بھی صحیح طور پر حیض ہی ہے لہٰذا اس کے لیے بھی ہر وہ حکم ہوگا، جو حیض کے لیے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا:

أَنَفِسْتِ؟ "کیا تمہیں حیض شروع ہو گیا ہے"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا جی ہاں! یعنی آپ نے اس حدیث میں حیض کے لیے نفاس کا لفظ استعمال فرمایا اور اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ حیض کی طرح نفاس سے فراغت کے بعد بھی غسل واجب ہے۔

۲۶۲-حیض ونفاس کے ایام میں شادی حیض ونفاس کے ایام میں عورتوں کی شادی کی جا سکتی ہے اور وہ مسجد میں داخل ہو سکتی ہیں، جُنبی بھی شادی کر سکتا ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی ممانعت وارد نہیں! نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "مومن نجس نہیں ہوتا"۔ اہل صُفّہ جو ایک کثیر جماعت پر مشتمل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مسجد میں شب باشی کرتے اور بلاشک وشبہ انہیں احتلام بھی ہوتا تھا لیکن انہیں کبھی بھی مسجد میں سونے سے منع نہیں کیا گیا۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جُنبی اور حائضہ مسجد میں داخل نہ ہوں، ہاں اگر راستہ عبور کر رہے ہوں تو پھر داخل ہو سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا۔ (النساء: ۴۲)

"اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ تاوقتیکہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو۔ اور حالتِ جنابت میں بھی نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو۔ البتہ راہ سے گزرتے ہوئے اگر درمیان میں مسجد آجائے تو گزر سکتے ہو۔"

ان حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ زید بن اسلم یا کسی اور نے کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اوقاتِ نماز میں تم مسجد کے قریب نہ جاؤ۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ زید کا قول حجت نہیں، اگر یہ صحیح ہے کہ زید نے یہ کہا ہے، تو یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ ارادہ اوقاتِ نماز میں مسجدوں کے قریب جانے سے منع کرنے کا ہو لیکن فرمایہ دے کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ (تم نماز کے قریب نہ جاؤ)۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابن عباسؓ اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ آیت کا تعلق نفسِ نماز ہی سے ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حائضہ وجُنبی بالکل مسجد سے نہ گزریں۔ امام ابوحنیفہؒ اور سُفیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی اضطراری حالت کے باعث انہیں گزرنا ہی پڑے تو تیمم کر کے گزریں۔ اس سلسلہ میں ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ہم نے بطریق اَفلَت بن خلیفہ، از جَسرہ بنت دِجاجہ از حضرت عائشہؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے ہٹا دو کیونکہ میں حائضہ اور جُنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)

۲۔ ہم نے بطریق (عبدالملک بن حمید) ابن ابی غَنِیّہ، از ابوالخطاب ہَجَری، از محدوج ذہلی، از جَسرہ بنت دِجاجہ، از حضرت ام سلمہؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ارشاد فرمایا کہ یہ مسجد جُنبی وحائضہ کے لیے حلال نہیں۔ ہاں نبیؐ، ازواج مطہرات، علیؓ اور فاطمہؓ کے لیے حلال ہے۔

۳۔ ہم نے بطریق عبدالوہاب، از عطاء خفاف، از ابن ابی غَنِیّہ، از اسماعیل، از جَسرہ بنت دِجاجہ از حضرت ام سلمہؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مسجد ہر جُنبی آدمی اور ہر حائضہ عورت کے لیے حرام ہے مگر محمدؐ، ازواج مطہراتؓ، علیؓ اور فاطمہؓ کے لیے حلال ہے۔

۴۔ ہم نے بطریق محمد بن حسن بن زبالہ، از سفیان بن حمزہ، از کثیر بن زید از مُطّلب بن عبداللہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کے علاوہ اور کسی جُنبی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ مسجد میں بیٹھے یا مسجد سے گزرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب دلائل باطل ہیں۔ حدیث ۱ میں اَفلَت غیر مشہور ہے، ثقہ بھی نہیں ۲ میں محدوج ساقط ہے، یہ جَسرہ سے مُعضَل روایات بیان کرتا ہے اور ابوالخطاب ہجری "مجہول" ہے۔ ۳ میں عطاء خفاف کا نام عطاء بن مسلم ہے، یہ مُنکَر الحدیث ہے اور اسماعیل مجہول ہے۔ ۴ میں محمد بن حسن مذکور بالکذب ہے اور کثیر بن زید[1] بھی

---

[1] کثیر بن زید، اسلمی وسہمی ہے کسی نے ان پر کذب کے ساتھ جرح نہیں کی البتہ مختلف فیہ ضرور ہے بعض ائمہ نے اس کی توثیق اور بعض نے تضعیف کی ہے۔ ابن حجرؒ "تہذیب" میں فرماتے ہیں کہ ابن حزمؒ، کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف کے بارے میں اختلاط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بالکل ساقط ہو گئی۔

۴۳۰۔[ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عُبَید بن اسماعیل از ابو اُسامہ از ہشام بن عُروہ، از پدرِ خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عرب خاندان کی ایک سیاہ رنگ کی لونڈی تھی جسے انہوں نے آزاد کر دیا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئی اس کے لیے مسجد میں ایک خیمہ یا ایک چھوٹا جھونپڑا بنا دیا گیا تھا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ عورت مسجدِ نبوی میں سکونت پذیر تھی حیض عورتوں کی عادت ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد میں رہنے سے منع نہیں فرمایا اور جس سے آپ نے منع نہ فرمایا ہو وہ فعل مُباح ہوتا ہے۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی قبل ازیں ذکر کر آتے ہیں کہ میرے لیے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حائضہ و جُنُبی کے لیے تمام زمین مباح ہے، زمین ساری مسجد ہے تو یہ جائز نہیں کہ بعض مسجدوں سے ان کو روک دیا جائے اور بعض سے نہ روکا جائے۔

اگر حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کو بتا دیتے، جب آپ کے ایام ماہواری تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صرف طوافِ بیت اللہ سے منع فرمایا اور یہ یقینی طور پر باطل ہے کہ آپ کے لیے اگر مسجد میں داخل ہونا حلال نہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیوں نہ فرمایا۔ صرف طواف ہی سے کیوں منع فرمایا۔ مُزنی، داؤد اور کئی دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۶۳۔ حائضہ سے وطی گناہ ہے

جس شخص نے حائضہ عورت سے وطی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی لہٰذا اس پر فرض ہے کہ توبہ و استغفار کرے البتہ کفّارہ کوئی نہیں۔

کا شکار ہو گئے ہیں "صلح" کے بارے میں بطریق کثیر بن عبداللہ سے روایت ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی سند اس طرح ہے: کثیر بن زید از پدرِ خود از جدِ خود "الصلح جائز بین المسلمین" ..... الحدیث پھر انہوں نے لکھا ہے کثیر بن عبداللہ بن زید بن عمرو ساقط ہے اور اس کے سقوط پر اتفاق ہے اس سے روایت حلال نہیں ... خطیب نے ابن حزمؒ کا تعاقب کیا ہے، پھر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابن حجرؒ نے ان دونوں کو ایک ہی سمجھا ہے حالانکہ کثیر بن زید کے بارے میں اس میں سے کچھ بھی نہیں کہا گیا جو ابن حزمؒ نے کہا ہے البتہ یہ کثیر بن عبداللہ کے بارہ میں کہا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر خون کی حالت میں جماع کیا ہے تو ایک دینار اور اگر انقطاع خون کی حالت میں کیا ہے تو نصف دینار صدقہ کرے۔ آپ سے یہ روایت بھی ہے کہ جس نے حائضہ سے وطی کی وہ ایک گردن آزاد کرے۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حائضہ سے وطی کرنے والا ایک دینار صدقہ کرے۔ قتادہ سے روایت ہے کہ اگر اس کے پاس موجود ہے، دینار نہیں تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اوزاعی اور محمد بن حسنؒ ایک دینار صدقہ کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک دینار صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو نصف دینار۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک گردن آزاد کرے، اگر نہ طاقت رکھتا ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

جن حضرات نے دینار یا نصف دینار صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ بطریق مقسم، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ ایک یا نصف دینار صدقہ کرے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر خون خالص اور تازہ ہو تو ایک دینار اور اگر پیلے رنگ کا ہو تو نصف دینار صدقہ کرے (ابوداؤد کتاب الطہارۃ و کتاب النکاح، نسائی ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۔ بطریق شریک از خُصَیف، از عکرمہ از حضرت ابن عباسؓ روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا جو شخص حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے وطی کرے تو وہ نصف دینار صدقہ کرے (نسائی: کتاب عشرۃ النساء، کبریٰ)۔

۳۔ بطریق اوزاعی، از یزید بن ابی مالک از عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حالتِ حیض میں وطی کرنے والے کو حکم دیا کہ دینار کے دو خمس صدقہ کرے۔ (ابوداؤد، بیہقی کتاب الطہارۃ)

۴۔ بطریق عبدالملک بن حبیب از اصبغ بن فرج، از سبیعی، از زید بن عبدالحمید، از پدر خود از حضرت عمرؓ بن خطاب روایت ہے کہ انہوں نے اپنی لونڈی سے وطی کی تو معلوم ہوا کہ وہ حائضہ ہے پھر انہوں نے آکر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ نصف دینار صدقہ کرو۔ (دارمی نے کتاب الطہارۃ میں کچھ اختلافِ سند و متن کے ساتھ روایت کیا ہے)

۵۔ بطریق عبدالملک بن حبیب، از مکفوف، از ایوب بن خوط، از قتادہ از حضرت ابن عباسؓ روایت ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک یا نصف دینار صدقہ کرے۔

۶۔بطریق موسیٰ بن ایوب، از ولید بن مسلم، از ابن جابر، از علی بن بذیمہ، از سعید بن جُبیر از حضرت ابن عباسؓ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تھا جس نے حائضہ عورت سے مباشرت کرلی تھی (سُنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء۔ کبریٰ)۔

۷۔بطریق محمود بن خالد، از ولید بن مسلم از عبدالرحمٰن بن یزید سُلمی از علی بن بذیمہ از سعید بن جُبیر از حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی روایت کے مانند مروی ہے (حوالہ پہلی روایت میں گذرچکا)
جن حضرات نے اس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا، یا دو ماہ لگاتار روزے رکھنا، یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا بتایا ہے انہوں نے ماہ رمضان میں دن کے وقت بحالتِ روزہ وطی کرنے پر قیاس کیا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، ۱۔حدیث مِقسَم ہے اور راس میں مقسم قوی نہیں لہٰذا اس کے ساتھ احتجاج درست نہیں، ۲۔حدیث عکرمہ کو شریک نے خصیف سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ ۳۔حدیثِ اَوزاعی مرسل ہے، ۴ و ۵۔عبدالملک بن حبیب کی دونوں حدیثیں ناقابلِ احتجاج ہیں، اگر اس کے علاوہ اور کوئی ضعیف راوی نہ بھی ہوتا تو صرف اسی کے باعث ہی روایت ساقط ہے۔لیکن ان دونوں روایتوں میں سے ایک روایت سَبِیعی سے ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟ علاوہ ازیں یہ روایت مُرسل بھی ہے۔ دوسری روایت مکفوف سے ہے، اس کے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟ اور وہ ایوب بن خوط سے روایت کرتا ہے اور یہ ایوب بھی ساقط ہے۔

۶ و ۷۔ولید بن مسلم کی دونوں حدیثیں بطریق موسیٰ بن ایوب اور عبدالرحمٰن بن یزید مروی ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں لہٰذا اس باب کے تمام آثار ساقط الاعتبار ہوگئے۔

حالتِ حیض میں وطی کرنے والے کو حالتِ روزہ میں وطی کرنے والے پر قیاس کرنا بھی باطل ہے۔جن حضرات کی عادت بے سروپا آثار۔مثلاً حرام سے مروی حدیث اِستظہار، نبیذ سے وضوء کی حدیثیں، احادیث الجعل فی الانف، قہقہہ سے وضو کی حدیث، جسرہ بنت دجاجہ وغیرہ کی حدیثیں کہ حائضہ اور جنبی مسجد میں داخل نہ ہوں، اور اسی طرح بے سروپا وہ روایتیں کہ حائضہ اور جُنبی قرآن نہ پڑھیں۔۔۔ قبول کرنے والوں پر یقیناً لازم تھا کہ وہ ان آثار سے استدلال کرتے، کیونکہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آثار اپنی علتوں کے باوجود اپنی دُم بریدہ روایتوں سے جن کو یہاں ان حضرات نے قبول کیا ہے بہر کیف بہتر ہیں لیکن ان حضرات کی اضطرابی کیفیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات مُرسل مُسند، قوی اور ضعیف روایات سے استدلال اسی وقت کرتے ہیں جب ان کی تقلید کے موافق ہوں یعنی صحت وسقم کا اعتبار نہیں بلکہ تقلیدی مزعومات کی پاسداری مقصود ہے۔

جو رمضان میں کھانے کو رمضان میں مباشرت پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ کو واجب قرار دیتے ہیں انہیں چاہیے تھا کہ حیض میں مباشرت کرنے والے کو، رمضان میں بوقتِ دن مباشرت کرنے والے پر قیاس کرتے کیونکہ ان دونوں نے حلال فرج میں وطی کی ہے جو اس عارضی صفت کے باعث حرام ہُوا تھا، ان کے فاسد قیاسات کے بجائے یہ قیاس زیادہ صحیح ہے کیونکہ وطی کرنے والے کا وطی کرنے والے پر قیاس، کھانے والے کے وطی کرنے والے پر قیاس کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح تیل کا گھی پر قیاس، براز کرنے والے کا پیشاب کرنے والے پر، خنزیر کا کُتے پر، مسلمان بیوی کی شرم گاہ کا ملعون چور کے ہاتھ پر قیاس، یہ سب باطل قیاس ہیں۔ اس سے ہر ذی شعور پر واضح ہو جائے گا کہ یہ نہ نصوص کے مطابق عمل کرتے ہیں اور نہ قیاس کے موافق بلکہ یہ سراسر مقلد ہیں یا متحیّر! وباللہ تعالیٰ التوفیق!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہماری پوزیشن یہ ہے کہ اگر ان آثار میں سے کوئی صحیح ہو تو ہم ان کے مطابق عمل پیرا ہونے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے تو جب حالتِ حیض میں وطی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے کچھ واجب قرار نہیں دیا تو اس کے لیے وہ حرام نہیں ہُوا بلکہ معصیت میں واقع ہُوا پس اللہ نے جتنا لازم قرار دیا ہے اس سے زیادہ اس پر لازم قرار دینا جائز نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے لازم ہوگا کہ اس معصیت کے کام سے توبہ کرے نیز استغفار اور تعزیر واجب ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بُرائی کا کام دیکھے تو اُسے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش کرے۔ ہم اس حدیث کو قبل ازیں بالاسناد ذکر کر چکے ہیں۔ تعزیر کی مقدار کیا ہو؟ یہ ہم اپنے مقام پر ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ عزّوجل۔

۲۶۴۔ حاملہ عورت اور خون ہر وہ خون جسے حاملہ عورت دیکھے بچے کی ولادت سے قبل تک نہ وہ حیض ہے اور نہ نفاس اور حاملہ کے خون کے باعث کوئی چیز بھی ممنوع نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ مسئلہ کہ حاملہ کا خون حیض نہیں، نیز اس کی دلیل بھی ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔

یہ خونِ نفاس بھی نہیں کیونکہ اس نے ابھی تک حمل وضع ہی نہیں کیا، اور وہ حائض بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے اس کی وجہ سے اس کے واجبات جو ثابت شدہ ہیں جیسے نماز، روزے اور جوازِ جماع، یہ جھوٹے دعووں سے ساقط نہیں ہوں گے بلکہ ان کے سقوط کے لیے نص چاہیے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۶۵۔ معمّر خاتون اور سیاہ خون

اگر کوئی معمّر خاتون سیاہ رنگ کا خون دیکھے، تو یہ خونِ حیض سمجھا جائے گا لہٰذا اس صورت میں اس خاتون کو نماز، روزہ، طواف اور وطی کی ممانعت ہو گی۔ اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جسے ہم قبل ازیں اسناد کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ آپ نے فرمایا "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہوتا ہے، اور جب کوئی عورت اسے دیکھے تو نماز ترک کر دے" نیز حیض کی بابت آپ کا یہ ارشاد کہ "یہ ایک ایسی شے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم کے لیے فرض قرار دے دیا ہے" یہ خون سیاہ رنگ کا جو بناتِ آدم سے برآمد ہو اس کے لیے کوئی نص یا اجماع نہیں ہے کہ یہ حیض نہیں ہے، جیسا کہ حاملہ کی بابت نص آ گئی ہے۔ اگر منکرین حسب ذیل ارشاد باری ذکر کریں۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ۔ (الطلاق: ۴)

"اور تمہاری (مطلّقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تم کو (ان کی عدّت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدّت تین مہینے ہے"

تو ہم عرض کریں گے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ناامیدی کی بابت خبر دی ہے، یہ خبر نہیں دی کہ ان کی ناامیدی سے حیض بالکل منقطع ہو جاتا ہے، اور پھر یہ کہ حیض سے ناامیدی اس بات کو مستلزم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں حیض پیدا کر ہی نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی بھی نہیں کی اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا۔ (النور: ۶۰)

"اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ نکاح سے مایوس ہیں لیکن اس سلسلہ میں کوئی ممانعت نہیں ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ نکاح کر ہی نہیں سکتیں، اور اس مسئلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں یعنی حیض سے مایوس اور نکاح کی امید نہ رکھنے والی عورتوں کے بارہ میں جو کلام الٰہی وارد ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں صورتوں میں یہ مطلب نہیں کہ وہ اب نکاح نہیں کر سکتیں یا انہیں اب حیض آ ہی نہیں سکتا۔ معمر خاتون کے سلسلہ میں جو قول ہمارا ہے امام شافعیؒ کا بھی وہی قول ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۶۶۔ حیض کی مدت

حیض کی کم از کم مدت یہ ہے کہ ایک دفعہ آ جائے پس جب بھی کوئی عورت اپنے اندام نہانی میں سیاہ رنگ کا خون دیکھے تو فوراً نماز اور روزے سے رک جائے، اس حالت میں اس کے خاوند اور آقا کے لیے وظیفہ زوجیت ادا کرنا بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اگر خون سیاہ رنگ کے بعد عورت سرخ رنگ، یا گوشت کے پانی جیسا، یا پیلا، مٹیالا یا سفید خون دیکھے یا مقام کو بالکل خشک دیکھے تو وہ پاک ہو گئی ہے لہٰذا غسل کرے یا اگر اہل تیمم میں سے ہے تو تیمم کرے اور نماز پڑھے، اور روزہ رکھے، وظیفہ زوجیت ادا کرے اور یہی اس کا ہمیشہ کے لیے دستور ہو گا۔ جب بھی سیاہ رنگ کا خون دیکھے تو ان امور سے رک جائے کیونکہ یہ حیض ہے اور جب بھی سیاہ رنگ کے علاوہ اور کسی قسم کا خون دیکھے تو یہ حیض نہیں بلکہ طہر سمجھا جائے گا، طلاق کی عدت میں بھی اسی اصول کو پیش نظر رکھے، اگر حیض کا خون طوالت اختیار کر جائے تو سترہ دن تک وہ حیض ہی ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو جائے خواہ خون کم ہو یا زیادہ تو وہ حیض نہیں ہے۔ اس کا حکم ہم ان شاء اللہ بعد میں ذکر کریں گے!

اس کی دلیل وہ نص ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہے اور جسے ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہے"؛ اس کے علاوہ جو خون ہو وہ حیض نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات کی تعیین نہیں فرمائی بلکہ واجب یہ قرار دیا ہے کہ جب بھی عورت اسے دیکھے تو نماز، روزہ اور وظیفہ زوجیت کی ادائیگی سے رک جائے اور جب یہ ختم ہو جائے تو پھر یہ سب کچھ بدستور جائز ہو گا لہٰذا جب تک حیض برقرار رہے، وقت کی تعیین نہیں کی جائے گی۔ البتہ کسی نص یا اجماع سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حیض نہیں ہے لیکن سترہ دن سے کم کے سلسلہ میں چونکہ نہ کوئی نص ہے اور نہ اجماع لہٰذا جس بات پر اجماع ہو جائے کہ یہ حیض نہیں ہے اسے اختیار کیا جائے گا اور حیض کے احکام سے اعراض کر لیا جائے گا۔

اور جس مسئلہ میں اختلاف ہو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا اور آپؐ نے سیاہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رنگ کے خون پر حیض کا حکم لگایا ہے پس وہ حیض ہی ہے اور ان اُمورِ مذکورہ سے مانع!

لیکن اس بارے میں کوئی نص یا اجماع نہیں ہے کہ بعض طُہر جس کے باعث نماز و روزہ کی ادائیگی مُباح ہو جاتی ہے، عدت میں طُہر شمار نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی فرق کرتا ہے تو وہ یقینی طور پر خطا کار ہے اور اس بات کا قائل ایسی بات کر رہا ہے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی ذکر ہے اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں، نہ قیاس سے ثابت ہے اور نہ اجماع سے! بلکہ قرآن وحدیث تو صرف اسی بات کو واجب قرار دیتے ہیں جو ہم نے کہی ہے کہ حالتِ حیض میں عورت نماز و روزے سے رُک جائے، جب حیض ختم ہو جائے تو ان کی ادائیگی شروع کر دے جب حیض ختم ہو جائے تو وہ حالتِ طُہر ہو گی، دو حیضوں کے درمیان کی مدت طُہر ہے، اس کا شمار عدت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رکھیں"

تو جو شخص "ایامِ قرء" کی حد بندی کرتا ہے تو اس کی یہ بات سراسر باطل اور علم کے بغیر ہے، اس سلسلہ میں نہ کوئی نص ہے اور نہ اجماع! اس مسئلہ میں تین اعتبار سے ائمہ وفقہاء کے مابین اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اوّل: حیض کی کم از کم مدت۔

دوم: حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت

سوم: اس اعتبار سے عدت اور نماز و روزہ میں فرق۔

حیض کی کم از کم مدت کے بارے میں ایک گروہ کا کہنا ہے، وہ ایک ہی بار حیض کا آجانا ہے جس کے باعث عورت کو نماز و روزہ اور وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی ترک کرنا پڑے گی۔ عدت میں اس کی کم از کم مدت تین دن ہے۔ امام مالکؒ کا یہی قول ہے۔ امام مالکؒ سے یہ بھی روایت ہے، عدت میں کم از کم مدت پانچ دن ہے۔

ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ نماز، روزہ، مباشرت اور عدت کے سلسلہ میں کم از کم مدتِ حیض یہ ہے کہ صرف ایک دفعہ حیض آجائے۔ اوزاعیؒ، داؤد اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک یہی ہے

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن رات ہے، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے دو قولوں میں سے زیادہ مشہور یہی قول ہے۔ عطاء کا بھی یہی قول ہے۔

ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ کم از کم مدتِ حیض تین دن ہے، اگر تین دن سے پہلے خون منقطع ہو جائے تو یہ استحاضہ ہے حیض نہیں ہے۔ لہٰذا نماز، روزہ ترک نہ کرے، امام ابو حنیفہؒ، ان کے اصحاب اور سفیان کا یہی قول ہے۔

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ حیض کی مدت چھ یا سات دن ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول یہ بھی ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے نماز، روزہ، حرمتِ وطی اور عدت کے مابین فرق کیا ہے، ان کا قول بالکل غلط ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں، نہ قرآن سے، نہ حدیث صحیح و ضعیف سے، نہ اجماع سے، نہ کسی صحابی کے قول سے، نہ قیاس سے، نہ احتیاط سے اور نہ ہی رائے کی روشنی میں اس کی کوئی معقول وجہ نظر آتی ہے لہٰذا اس قول کو ترک کرنا واجب ہے۔

جن حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حیض کی کم از کم مدت چھ یا سات دن ہے۔ ہمارے نزدیک ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں بجز اس کے کہ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی عادت یہی ہے۔

ان حضرات نے ایک حدیث بھی ذکر کی ہے جسے ہم نے بطریق ابن جریج، از عبداللہ بن محمد، از ابراہیم بن محمد بن طلحہ روایت کیا وہ اپنے چچا عمران بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ماہواری شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چھ یا سات دن مدت مقرر کی (ترمذی کتاب الطہارۃ، مصنف عبدالرزاق ۱: ۲۹۹)

نیز بطریق حارث بن ابی اُسامہ، از زکریا بن عدی، از عبداللہ بن عمرو الرقی، از عبداللہ بن محمد بن عقیل، از ابراہیم بن محمد بن طلحہ از عم خود از مادر خود روایت کیا کہ حضرت حمنہ بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیض کے چھ یا سات دن گزارو — جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے — پھر غسل کرو اور جب پاک صاف ہو جاؤ تو چوبیس یا تئیس دن نمازیں پڑھو اور اتنے دن ہی روزے رکھو اور ہر ماہ ایسے ہی کرو جیسا کہ عورتوں کا حیض و طہر کے سلسلہ میں معمول ہے[1]

[1] دیکھیں صفحہ آئندہ پر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو عُبَید نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اسے اس عورت پر محمول کیا ہے، جسے نیا نیا حیض آنے لگا ہو!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔ ایک تو اس لیے صحیح نہیں کہ ابن جُریج نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے سماع نہیں کیا۔ اسی طرح یہ حدیث ہمیں حمام نے از ابن عباس بن اصبغ، از ابن ایمن از عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ از امام احمد بن حنبلؒ بیان کی ہے۔ ابن جُریج کہتے ہیں مجھے ابن عقیل سے یہ حدیث پہنچی ہے حالانکہ ان کا سماع ثابت نہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں ابن جُریج نے اسے نعمان بن راشد سے روایت کیا ہے اور نعمان کا ضعیف ہونا مشہور ہے۔ شریک اور زہیر بن محمد نے بھی اسے روایت کیا ہے اور یہ دونوں بھی ضعیف راوی ہیں۔ عمرو بن ثابت سے بھی یہ مروی ہے اور وہ بھی ضعیف ہے۔ عمر بن طلحہ ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ طلحہ کے کسی بیٹے کا نام عمر نہیں!

دوسری روایت اس لیے صحیح نہیں کہ یہ بطریق حارث بن ابی اُسامہ ہے اور حارث متروک ہے، لہٰذا یہ روایت بالکل ہُوئی[2]

انہوں نے جو یہ کہا کہ حیض کے سلسلہ میں عورتوں کا معمول یہی ہے، تو یہ بھی کوئی حُجت نہیں کیونکہ اس معمول

---

[1] حاشیہ صفحہ سابق:۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے ج ۱ ص ۱۱۶ اور ترمذی نے ج ۱، ص ۲۷ میں بطریق زہیر بن محمد از ابن عقیل روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے ج ۱ ص ۱۱۲ میں بطریق شریک از ابن عقیل روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے عبیداللہ بن عمرو رقی، ابن جُریج اور شریک نے از عبداللہ بن محمد بن عقیل، از ابراہیم بن محمد بن طلحہ، اور وہ اپنے چچا عمران سے اور وہ اپنی ماں حمنہ سے۔ مگر ابن جریج نے عمر بن طلحہ کہا اور صحیح عمران بن طلحہ ہے۔ میں نے محمد — یعنی امام بخاریؒ — سے اس حدیث کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[2] یمنی نسخہ کے حاشیہ پر درج ہے کہ شیخ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول مُصنف کی قلت معرفت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ حارث کے روایت کرنے کے باعث اس حدیث کو ساقط قرار دے رہے ہیں، حارث کے سوا گویا اور کسی نے اسے روایت ہی نہیں کیا حالانکہ ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ترمذی اور ابوداؤد نے اسے تخریج کیا ہے اور اس سے قبل ہم نے اسے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی رعایت کا قرآن و سنّت اور اجماع سے وجوب ثابت نہیں اور پھر عورتیں تو کئی ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں حیض بالکل ہی نہیں آتا لہٰذا اس کے لیے حیض کا حکم ہی نہیں ہوگا اور بعض کو اس مدت سے زیادہ آتا ہے اور بعض کو کم، لہٰذا یہ یہ قول بھی ساقط ہوگیا۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حیض کی کم از کم مدت پانچ دن ہے، یہ قول بھی بلا دلیل ہے اور جو قول بلا دلیل ہو وہ ساقط ہوتا ہے۔

جن حضرات نے کم از کم مدت تین دن قرار دی ہے ان کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اُن ایام کے بقدر نماز چھوڑے رکھو جتنے دن تمہیں حیض آتا تھا، پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اسے ہم نے بطریق ابی اُسامہ، از ہشام بن عروہ از عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ حضرت فاطمہ بنت ابی حُبَیش سے فرمائے تھے۔ (بیہقی ۱: ۳۲۴)

ہم نے بطریق سُہیل بن ابی صالح، از زہری، از عروہ بن زبیر روایت کیا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حُبَیش سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اسماءؓ کو یا حضرت اسماءؓ نے انہیں حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا جائے، آپ نے فرمایا اتنے دن بیٹھی رہو جتنے دن تم بیٹھا کرتی ہو پھر غسل کر لو (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ کم سے کم مدت جس پر "ایام" کا اطلاق ہو سکتا ہے، تین دن ہے (ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے بھی ہے)۔

[ہم نے بطریق جعفر بن محمد بن بریق، از عبدالرحمٰن بن نافع درخت، از اسد بن سعید بلخی، از محمد بن حسن صدفی، از عبادہ بن نسی، عبدالرحمٰن بن غنم روایت کیا کہ] حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین سے کم اور دس سے زیادہ دن حیض نہیں ہوتا۔ (العلل المتناہیہ ۱: ۳۸۳)

انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ہم نے اسے بطریق جلد بن ایوب، از معاویہ بن قرہ از حضرت اَنَس بن مالکؓ روایت کیا (عبدالرزاق، ج ۱ ص ۲۹۹ و بیہقی ج ۱، ص ۳۲۲، دارقطنی ج ۱ ص ۲۰۹)

ہم نے بطریق ابوعقیل از بہیہ حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہی فتویٰ دیا[1]۔ اور حضرت حسن کا بھی یہی قول ہے۔

[1] یہ اثر اس سند کے ساتھ مجھے نہیں ملا (احمد محمد شاکر) ۶۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ بطریق حضرت عائشہؓ، فاطمہؓ اور اسماءؓ جو صحیح روایت اس سلسلہ میں ہے، یہ اُن کے لیے حُجت نہیں بن سکتی، کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ امر اسے دیا تھا جس کا کوئی معمول ہو، اور یہ ایک ایسی نص ہے جس سے اِعراض ممکن نہیں، جس کے ایّام کا کوئی معمول ہی نہ ہو، آپ کے اس حکم کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک جمِ غفیر جیسے: یحییٰ بن سعید قطان، زہیر بن معاویہ، حماد بن زید، سفیان ثوری، ابن عُیَینہ، ابومعاویہ، جریر، عبداللہ بن نُمیر، ابنِ جریج، دَراوَردی اور وکیع بن جرّاح یہ سب ہشام بن عُروہ سے روایت کرتے ہیں، ہشام اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب چلا جائے تو غسل کرکے نماز پڑھو"۔

نیز اس حدیث کو امام مالکؒ، لیث بن سعد، سعید بن عبدالرحمٰن، حماد بن سلمہ اور عمرو بن حارث نے ہشام بن عُروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض کے ایام گزر جائیں تو خون دھو کر نماز پڑھنی شروع کر دو"۔

اسی طرح اَوزاعی نے زُہری سے اور انہوں نے عُروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا۔ اور منذر بن مغیرہ نے حضرت عُروہ سے روایت کیا، اور ان سب کے الفاظ یہ ہیں: "جب حیض آجائے" یا "جب قرؤ آجائے" یا "جب سیاہ خون آجائے"، یعنی انہوں نے ایّام کا ذکر نہیں کیا۔

۳۰۵ [ہم سے عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن رمح و قتیبہ از لیث بن سعد، از یزید بن ابی حبیب، از جعفر بن ربیعہ، از عراک بن مالک، از عروہ بن زبیر بیان کیا کہ] :-

اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ امّ حبیبہؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے خون کے بارے میں پوچھا؛ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَیں نے ان کے ٹب کو بھرا ہُوا دیکھا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اتنی مدّت ٹھہری رہو جتنی مدت تم حیض کے باعث ٹھہری رہتی تھیں، پھر غسل کرکے نماز شروع کر دو۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)

یہ اُس عورت کے لیے حکم ہے جس کے حیض کی کم از کم مدّت تین دن یا ایک دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اور یہ سارے فتاوے حق ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی چھوڑنا حلال نہیں اور نہ کسی چیز کو اس کے ظاہر سے پھیر دینا درست ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نہ کسی کے لیے یہ کہنا حلال ہے کہ ہم نے جو کچھ ذکر کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد بھی وہی ہے یعنی آپ نے تین ہی دن کا ارادہ کیا تھا، اگر کوئی یہ کہتا ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے ان کا استدلال ساقط ہو گیا۔

حدیث معاذؓ بھی حد درجہ ساقط ہے کیونکہ یہ بطریق محمد بن حسن صدفی ہے اور وہ مجہول ہے[1]۔ گویا بلاشک وشبہ یہ روایت موضوع ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں ایام کا اطلاق تین پر ہوتا ہے، اس سے کم پر نہیں ہوتا۔ لیکن اس آیت

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۔ (النساء : ۱۱)

"اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے"

کے بارے میں کہتے ہیں کہ إِخْوَةٌ سے مراد صرف دو بھائی ہیں تو انہوں نے یہاں اس حدیث میں لفظ ایام سے دو دن مراد کیوں نہیں لیا؟ حضرت انسؓ و حضرت عائشہؓ کے اقوال سے بھی ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ انسؓ کا قول بطریق جلد بن ایوب مروی ہے اور وہ ضعیف ہے اور عائشہؓ کا قول بطریق ابو عقیل مروی ہے اور وہ قوی نہیں، پھر اگر حضرت انسؓ اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے اقوال صحیح ثابت بھی ہوں تو حجت نہیں کیونکہ دیگر صحابہ کرامؓ سے ان دونوں کی مخالفت میں اقوال منقول ہیں جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان کے ناقابل حجت ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ فتویٰ اسے دیا تھا جس کے ایام کا باقاعدہ معمول ہو لہٰذا یہ قول بھی ساقط ہوا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن رات ہے، ان کے پاس بھی نصوص کی روشنی میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی اس سلسلہ میں اجماع کا مدعی ہے تو وہ خطا کار ہے کیونکہ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایک ایسی عورت کو جانتے ہیں جو بوقت صبح حالت حیض میں ہوتی ہے تو شام کو حالت طہارت میں (بیہقی ۱: ۳۲۰،

---

[1] احمد شاکر نے حاشیہ میں فرمایا: اس کی اس حدیث کی کوئی اصلیت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دارقطنی ۱: ۲۰۹)۔

امام مالکؒ وشافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ خون دیکھنے سے یہ واجب ہوتا ہے کہ نماز و روزہ اور وطی ترک کر دی جاتے اور یہی احکام حیض ہیں، لہٰذا یہ قول بھی ساقط ہو گیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ جو عورت ایامِ حیض میں خون دیکھے، اس کی بابت تم کیا فتویٰ دو گے؛ اس بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ یہ عورت حائضہ ہے اور نماز و روزہ اسے ترک کر دینا چاہیے، پھر ہم یہ بھی پوچھیں گے کہ اگر حیض کے بعد طُہر کو دیکھ لے؛ تو سب کہیں گے کہ غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے۔ پس اس جواب سے ان کے اقوال کا فساد ظاہر ہو گیا۔

انہیں چاہیے تھا کہ جب عورت اپنے ایامِ حیض میں خون دیکھ لے تو یہ فتویٰ دیتے کہ عورت نہ روزہ چھوڑے، نہ نماز ترک کرے اور نہ وظیفہ زوجیت کو ممنوع قرار دیا جائے حتیٰ کہ ایک دن رات گزر جائے یعنی جو کم از کم مدتِ حیض ایک دن اور رات قرار دیتے ہیں انہیں ایک دن و رات اور جو کم از کم تین دن اور رات مدت قرار دیتے ہیں انہیں تین دن اور رات بعد یہ فتویٰ دینا چاہیے لیکن جب یہ حضرات اس کے قائل نہیں اور نہ اہلِ اسلام میں سے کوئی اس کا قائل ہے تو اس سے ان کے اقوال کا فاسد ہونا ظاہر ہوا اور ہمارے قول کی صحت پر اجماع ہونا ثابت ہو گیا۔ والحمدللہ۔

نیز صحیح آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے" یعنی (ان جیسے ارشادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) وقت کی کوئی حد بندی وارد نہیں ہے اور ہمارا بھی یہی قول ہے۔

ہم اس سے قبل اصح اسناد کے ساتھ یہ ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ جب عورت خاص شدید سُرخ رنگ کا خُون دیکھے تو نماز ترک کر دے اور جب طہارت دیکھے، خواہ لمحہ بھر ہی کے لیے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے۔

حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پندرہ دن ہے، اس سے ایک دن بھی زیادہ نہیں اور سعید بن جُبیرؒ نے تیرہ۱۳ دن فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ نے دس۱۰ دن فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ان اخبار سے ہے جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "ایام" کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لفظ دس پر صادق آتا ہے اور بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ ایامِ حیض اس سے کم بھی ہوتے ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ "ایام" کا اطلاق دس سے زائد پر نہیں ہوتا، یہ جھوٹ ہے۔ نہ تو لغت اس کی موافقت کرتا ہے اور نہ شریعت۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرۃ: ۱۸۴)

"دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کرے۔"

بغیر کسی قسم کے اختلاف کے اس آیت میں جو "ایام" کا لفظ آیا ہے، اس کا اطلاق تیس تک ہو سکتا ہے۔ اور حدیثِ معاذؓ کا باطل ہونا ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کسی نے نہیں کہا کہ ایامِ حیض دس دن سے کم ہوتے ہیں۔ یہ بھی کذب ہے کیونکہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ بعض حضرات کے بقول ایامِ حیض چھ یا سات دن ہوتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت پانچ دن ہے پس معلوم ہوا کہ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور جو اس طرح کا دعویٰ ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ اسی طرح جن حضرات نے ایامِ حیض کی تیرہ دن مدت مقرر کی ہے، ان کا قول بھی بلا دلیل ہے۔ مدتِ حیض پندرہ دن قرار دینے والوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ بھی باطل ہے کیونکہ بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی روایت ہے کہ ثقہ راوی نے اسے خبر دی کہ ایک عورت کو سترہ دن حیض آیا کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے زیادہ سے زیادہ جو مدت سُنی ہے وہ سترہ ایام ہے۔ آلِ ماجشون کی عورتوں کی بابت روایت ہے کہ انہیں سترہ دن حیض آتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صحیح ہے کہ حیض کا خون سیاہ رنگ کا ہوتا ہے، جب عورت اسے دیکھے تو نماز نہ پڑھے لہٰذا اسی فرمان کے آگے سرِ اطاعت خم کرنا واجب ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جب تک عورت خون دیکھتی رہے وہ حائضہ ہے، اس پر احکامِ حیض کا اطلاق ہو گا جب تک کہ نص یا اجماع نہ آجائے کہ سیاہ رنگ کا خون حیض نہیں اور نص سے یہ ثابت ہے کہ کبھی سیاہ رنگ کا خون آتا ہے لیکن وہ حیض نہیں ہے۔ حیض کی اکثر مدت کے بارے میں چونکہ کوئی حد بندی نہیں کی گئی ہے لہٰذا اس بارے میں جو زیادہ سے زیادہ کہا گیا ہے، ہمیں اس کی رعایت کرنی پڑے گی، اور زیادہ سے زیادہ جو مدت بتائی گئی ہے، وہ سترہ دن ہے لہٰذا ہم بھی یہی کہیں گے اور اس مدت میں سیاہ رنگ کا خون دیکھنے کے باعث ترکِ نماز کو واجب قرار دیں گے۔ اس بات پر یقینی اجماع ہے کہ سترہ دن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ جو خون ہو وہ حیض نہیں ہے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر حیض پندرہ دن سے زیادہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ مدتِ حیض مدتِ طُہر سے بڑھ جائے گی اور یہ محال ہے؟

ہم عرض کریں گے کہ یہ کہاں سے ثابت ہُوا کہ یہ محال ہے، اور اگر کسی کو پندرہ دن سے زیادہ خون آئے تو کونسا امر مانع ہے کہ اسے حیض تسلیم نہ کیا جائے۔ ہمیں تو قرآن، سُنت، اِجماع، قیاس اور کسی صحابی کے قول سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۶۷۔ کم یا زیادہ مدّت طُہر کی کوئی حد نہیں

کم یا زیادہ مدّتِ طُہر کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی حیض کے بعد عورت بقیہ ساری عمر طُہر کی حالت میں رہے۔ اس میں کسی کو اختلاف بھی نہیں اور اس کا مشاہدہ بھی ہے۔ اور ایک گھنٹہ اور اس سے کچھ زیادہ کا بھی مشاھدہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حالتِ طُہر پندرہ دن سے کم نہیں ہوتی۔ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ حالتِ طہارت اُنیس دن سے کم نہیں ہوتی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دو حیضوں کے درمیان تین دن، چار دن، پانچ دن طُہر نہیں ہوتے۔ یہ سب ایک ہی حیض میں شمار ہے۔

امام شافعیؒ کا ایک قول تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کی مانند ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حالتِ طُہر کی کم سے کم مدّت کی کوئی حد مقرر نہیں۔

ہمارے اصحاب اور حضرت ابنِ عباسؓ کا قول بھی یہی ہے، جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں، صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ابن عباسؓ کا مخالف نہیں ہے

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حالتِ طُہر پندرہ دن سے کم نہیں ہوتی، ان کے پاس بالکل کوئی دلیل نہیں ہے جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حالتِ طُہر اُنیس دن سے کم نہیں ہوتی، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حائضہ کے لیے عدت تین حیض قرار دی ہے اور جسے حیض نہ آتا ہو اس کے لیے تین ماہ تو معلوم ہُوا کہ ہر حیض و طُہر کے مقابلہ میں ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماہ ہے، گویا حیض وطُہر ایک ماہ سے کم عرصہ میں نہیں ہو سکتے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ ایک ایسا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا یعنی یہ اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں فرمایا کہ میں نے حیض وطہر کے مقابلہ میں ایک ماہ رکھا ہے بلکہ کسی دو مسلمانوں کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ باطل ہے کیونکہ ہمارا اور ان کا قطعاً اختلاف نہیں کہ کئی عورتوں کو دو ماہ بعد اور کئی کو تین ماہ بعد حیض آتا ہے، اس قسم کی عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تین حیض کا (عدت میں) انتظار کرے لہٰذا اس قول کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا بلکہ عدت تو وضعِ حمل کی صورت میں لمحہ بھر میں ختم ہو سکتی ہے لہٰذا ان کے تمام ظنونِ کاذبہ باطل ٹھہرے، جنہیں انہوں نے شرعیت کا درجہ دے رکھا تھا۔

امام مالکؒ کا قول بھی بالکل غلط ہے کیونکہ آپ نے دو حیضوں کے مابین پانچ دنوں کو طُہر قرار نہیں دیا، جبکہ یہ جائز قرار دیا ہے کہ ان دنوں میں عورت نماز و روزہ اور وظیفہ زوجیت کی ادائیگی کر سکتی ہے تو جو عورت یہ امور سرانجام دے سکے وہ حالتِ طہارت میں کیوں نہیں شمار ہو گی۔ اور پھر امام صاحب ایک دن یا اس سے کم کو حیض شمار کیوں نہیں کرتے حالانکہ اگر کسی کو اتنے عرصہ میں خون آجاتے تو آپ رمضان کے روزے کے افطار اور ترکِ نماز کا حکم دیتے ہیں، یہ ایسے اقوال ہیں کہ انہیں فاسد ظاہر کرنا بھی تکلف ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے بھی کوئی ان کا قائل نہیں تھا۔

اگر یہ حضرات کہیں کہ تمہارے قول کے مطابق تو عدت ایک یا دو دن میں ختم ہو سکتی ہے؛ تو ہم عرض کریں گے کہ اس سے کیا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول سے کہیں ممانعت ثابت ہے؛ تم بزعمِ خود اصحابِ قیاس ہو اور ہم تمہارے سامنے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ عدت تو ایک لمحہ سے بھی کم وقت میں ختم ہو سکتی ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ اگر یہ کہیں کہ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ عورت حاملہ ہو، ہم عرض کریں گے کہ عدت برأتِ حمل ہی کے لیے نہیں ہوتی اور اس کے کئی دلائل ہیں:

اوّل: یہ کہ تمہاری طرف سے ایک جھوٹا دعویٰ ہے جس کی نص یا اجماع سے تائید نہیں ہوتی۔

دوم: ہمارے اور تمہارے نزدیک سو برس کی بڑھیا کو بھی عدت گزارنا پڑتی ہے حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ اتنی معمر خاتون حاملہ نہیں ہوتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوم: جو عورت اس قدر چھوٹی عمر کی ہو کہ حاملہ ہو ہی نہ سکتی ہو اسے بھی عدّت پُورا کرنا پڑتی ہے۔

چہارم: بانجھ عورت کو بھی عدّت پُوری کرنا پڑتی ہے۔

پنجم: خصی مرد کی عورت کو بھی عدّت گزارنا پڑتی ہے۔

ششم: عاقر یعنی جو حاملہ نہیں ہوتی اس عورت کو بھی عدّت کے دن گزارنا ضروری ہے۔

ہفتم: جس شخص نے کسی عورت سے صرف ایک مرتبہ وطی کی اور پھر وہ ہند[1] وغیرہ کی طرف کہیں غائب ہو گیا اور بیس سال تک وہاں رہا پھر اس نے عورت کو طلاق دی، ہمیں اور ان سب کو یقین ہے کہ وہ عورت حاملہ نہیں لیکن اسے بھی عدّت پُورا کرنا ہوگی!

ہشتم: اگر عدّت حمل کے باعث ہوتی، تو ایک حیض ہی برأت کے لیے کافی تھا۔

نہم: نفاس کے فوراً بعد جس عورت کو طلاق دے دی جائے اس کے لیے بھی عدّت لازمی ہے حالانکہ اسے حمل نہیں ہے۔

دہم: مالکی حضرات ان کے بالکل برعکس ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت یہ کہے کہ اس کی عدّت تین ماہ سے کم مدت میں ختم ہوگئی ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر یہ کہے کہ تین ماہ میں ختم ہوتی ہے تو پھر اس کی تصدیق کی جائیگی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ساٹھ دن سے کم کے بارے میں عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی، ساٹھ دن کے بارے میں تصدیق کی جائے گی۔ امام محمد بن حسن رح کہتے ہیں چوّن دنوں کے بارے میں تصدیق کی جائے گی اس سے کم کے بارے میں نہیں کی جائے گی۔ امام مالک چالیس دن، امام ابویوسف اُنتالیس، امام شافعی تینتیس دنوں کے بارے میں یہ فرماتے ہیں اس سے کم نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ ساری عمارت جسے انہوں نے اپنے اصولوں پر تعمیر کیا ہے، ناقابل تسلیم ہے اور پھر حمل کے وجود کا بھی کوئی شائبہ نہیں گویا انہوں نے خود ہی اپنی علّت کو باطل اور دلیل کو کاذب قرار دیا ہے حمل نہ

---

[1] ہند سے مراد ملک ہندوستان ہے۔ چونکہ اندلس سے ہند بعید ترین ملک ہے اس لیے یہ مثال دی ہے جیسا کہ ہند و پاک میں کہا جاتا ہے کہ فلاں سات سمندر پار چلا گیا یعنی بہت دُور چلا گیا۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے کا یقین صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ گزر جائے۔ حمل کے سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر یہ عورت کی بات کو سچ مانتے ہیں خواہ وہ سارے لوگوں سے زیادہ فاسق اور کاذب ہو!

ہم تو عورت کی تصدیق صرف اسی وقت کریں گے جب چار قابلِ اعتماد، عادل اور عالم عورتیں اس بات کی شہادت دے دیں۔ حمل کے سلسلہ میں احتیاط کا یہی تقاضا ہے، بخصوصاً جب کہ ان میں سے اکثر لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ حاملہ کو حیض بھی آسکتا ہے لہٰذا اس شخص کا قول باطل ہوا جو یہ کہتا ہے کہ رحم کی حمل سے براءت کے لیے عدت کو مقرر کیا گیا ہے۔

ہم نے بطریق ہُشَیم، از اسماعیل بن ابی خالد، از شعبی روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی اور وہ عورت ایک ماہ یا پینتیس راتوں میں تین بار حائضہ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شُریح سے فرمایا کہ اس کی بابت فیصلہ کرو۔ قاضی شُریح رحمہ اللہ نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر یہ عورت اپنے خاندان کی صادق اور عادل عورتوں کی یہ شہادت پیش کر دے کہ واقعی اس نے وہ خون دیکھا ہے جس کی موجودگی میں نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ اور وہ حیض ہی ہے جس کے بعد ہر مرتبہ اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی۔ تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، اور اگر خاندان کی صادق و عادل عورتیں شہادت نہ دیں تو پھر اس عورت کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ آپ کا فیصلہ درست ہے[1]

[1] اس اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح" میں تعلیقاً ذکر کیا ہے الفاظ یہ ہیں ویذکر عن علی وشریح ان جاءت ... الخ۔ ابن حجر رحمہ اللہ ج ۱، ص ۳۶۰ میں فرماتے ہیں کہ دارمی نے اس اثر کو موصولاً ذکر کیا ہے، رُواۃ بھی سب ثقہ ہیں لیکن جزم کے ساتھ اس لیے نہیں کہا کہ شعبی کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کے بارے میں تردّد ہے لہٰذا یہ نہیں کہا کہ انہوں نے شریح سے سنا ہے تاکہ موصول ہو جائے پھر انہوں نے اسے بطریق دارمی روایت کیا ہے، عینی نے ج ۲ ص ۳۰۷ میں بھی اسی طرح کہا ہے اور بعینہٖ "المحلیٰ" سے نقل کیا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ یہ اثر مسند دارمی میں اس طرح ہے کہ "اخبرنا یعلی ـ ھو ابن عبید ـ ثنا اسمٰعیل ـ ھو ابن ابی خالد ـ عن عامر ـ ھو الشعبی ـ قال جاءت امرأۃ الیٰ علی تخاصم زوجھا طلقھا فقالت قد حضت فی شھر ثلاث حیض فقال علی لشریح اقض بینھما، قال یا امیر المومنین وانت ھٰھنا! قال اقض بینھما؛ قال یا امیر المومنین وانت ھٰھنا قال اقض بینھما؛ قال ان جاءت من بطانۃ اھلھا ممن یرضی دینہ وامانتہ یزعم انھا حاضت ثلاث حیض تطھر عند کل قرء وتصلی جاز لھا والا فلا فقال علی قالون، وقالون بلسان الروم احسنت"!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے بھی حضرت علی بن ابی طالبؓ اور ابن عباسؓ کے قول کے خلاف منقول نہیں ہے، ہمارا قول بھی یہی ہے۔ حیض و نفاس کے تمام مسائل یکساں ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۶۸۔ نفاس کی مدّت

نفاس کی کم از کم مدت کوئی نہیں، زیادہ سے زیادہ مدّت سات دن ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ اگر نفاس کا خون یکبارگی خارج ہو جائے اور پھر منقطع ہو جائے اور دوبارہ شروع نہ ہو تو وہ نماز، روزہ اور وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی کر سکتی ہے! امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر چالیس دنوں کے اندر خون آجائے تو وہ خونِ نفاس ہو گا۔ محمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ اگر پندرہ دن کے بعد آئے تو وہ خونِ نفاس نہیں ہو گا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ دنوں کی یہ حد بندیاں چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی طرف سے نہیں ہیں لہٰذا یہ باطل ہیں۔

نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟ امام مالکؒ نے ایک مرتبہ تو یہ فرمایا کہ ساٹھ دن ہے لیکن دوسری دفعہ اس سے رجُوع کر کے فرمایا کہ عورتیں اس مسئلہ کو زیادہ بہتر جانتی ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ مدّت چالیس دن قرار دیتے ہیں۔

جن حضرات نے ساٹھ دن مدّت بتائی ہے، ہمیں ان کی کوئی دلیل معلوم نہیں، جن حضرات نے چالیس دن مدّت بتائی ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ روایات ذکر کی ہیں، ۱۔حضرت ام سلمہؓ سے بطریق مُسّہ اَزدیہ روایت ہے لیکن مُسّہ مجہول[1] ہے۔ ۲۔حضرت عمرؓ سے بطریق جابر جعفر مروی ہے اور وہ کذّاب ہے۔ ۳۔عائذ بن عمرو سے روایت

---

[1] اُمِ سلمہ کی حدیث بطریق مُسّہ ابوداؤد نے ج ۱ ص ۱۲۳ میں روایت کی ہے نیز ملاحظہ فرمائیے ترمذی، ج ۱ ص ۳۰، ابنِ ماجہ ج ۱ ص ۱۱۵، بیہقی، ج ۱ ص ۳۴۱۔ جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے (عن علی بن عبد الاعلی عن ابی سھل عن مُسّة الازدیة عن ام سلمة قالت کانت النفساء تجلس علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعین یوما) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ علی بن عبدالاعلیٰ اور ابو سہل ثقہ ہیں۔ آپ کو بھی یہ روایت بطریق ابی سہل ہی معلوم تھی۔ امام حاکم نے بھی اسے مستدرک ج ۱ ص ۱۷۵ میں روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے البتہ حافظ ابن حجرؒ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ان کی بیوی نے بیس دنوں کے بعد ہی طُہر دیکھ لیا تو اُس نے غسل کر لیا اور اُن کے لحاف میں داخل ہو گئی۔ انہوں نے اُسے لات ماری اور کہا کہ چالیس دن گزرنے دو اور میرے دین میں کمی نہ پیدا کرو[1]۔ یہ حضرات اس کے قائل نہیں ہیں اور اس سے زیادہ بُرا کون شخص ہو سکتا ہے جو اس دلیل سے استدلال کرے جس کو وہ خود حجت نہیں سمجھتا۔ درآنحالیکہ یہ روایت بطریق جلد بن ایوب مروی ہے اور وہ قوی راوی نہیں ہے ۔۴۔ بطریق حسن از عثمان بن ابی العاص اسی طرح مروی ہے[2]۔ ۵۔ بطریق جابر، از خیثمہ از حضرت انس بن مالکؓ بھی اسی طرح روایت ہے (عبدالرزاق ۱:۲۱۲) ۶۔ بطریق وکیع از ابی عوانہ، از جعفر بن ایاس، از یوسف بن ماھک از ابن عباس روایت ہے کہ نفاس والی عورت قریباً چالیس دن تک انتظار کرے (بیہقی ۱: ۳۴۱، دارمی ۱: ۱۸۵)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کا قول حجت نہیں ہے۔ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ اور آئندہ بھی ذکر کریں گے کہ انہوں نے صحابیؓ یا صحابہ کرام کی ایسے ایسے مسائل میں مخالفت کی ہے جن میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی تھی۔ مثلاً ابھی قریب ہی یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ کم از کم مدت طُہر کے مسئلہ میں انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی مخالفت کی ہے حالانکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے آپ کی مخالفت منقول نہیں ہے۔ مالکیوں اور شافعیوں کو چاہیے تھا کہ ان روایات کے مطابق عمل پیرا ہوتے، جو یہاں ہم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے ذکر کی ہیں۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز و روزہ کو یقینی طور پر فرض قرار دیا ہے نیز اس کے خاوند کو اس کے ساتھ

مُسّہ مجہول الحال ہے "تہذیب" میں حافظ نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔ امام دارقطنیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ "لا یقوم بھا حجۃ" جبکہ ابن قطان فرماتے ہیں "لا نعرف" [1] دارقطنی ص ۸۲ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ معاویہ بن قرہ سے جلد بن ایوب کے سوا اور کسی نے اسے روایت نہیں کیا اور وہ ضعیف ہے۔

[2] حاکم نے مستدرک ۱: ۱۷۶ میں مرفوعاً اور بیہقی نے ۱: ۳۴۱ میں موقوفاً روایت کیا ہے۔ حاکم نے فرمایا کہ حسن کا سماع عثمان بن ابی العاص سے نہیں ہے اس لیے اس کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے اور حاکم کی موافقت امام ذہبیؒ نے بھی کی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مباشرت کی اجازت دی ہے، ان اُمور سے یہ صرف خونِ حیض کے باعث ہی رُک سکے گی اور کوئی چیز ان اُمور سے مانع نہیں ہے۔ اور خونِ نفاس بھی خونِ حیض ہی ہے۔

۳۰۶۔ [ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر از جابر بیان کیا کہ] ضحاک بن مزاحم سے روایت ہے کہ ولادت کے بعد عورت سات یا چودہ راتیں انتظار کرے اور پھر غسل کر کے نماز پڑھ لے۔ جابر کہتے ہیں کہ شعبیؒ نے کہا ہے کہ اتنا عرصہ انتظار کرے جتنا کوئی عورت زیادہ سے زیادہ انتظار کر سکتی ہے (عبدالرزاق ۳۱۲)

۳۰۷۔ [سند سابقہ کے ساتھ از عبدالرزاق، از معمر و ابن جریج، معمر از قتادہ اور ابن جریج از عطاء، یہ روایت کرتے ہیں کہ] جب بچے کو جنم دے، تو وہ اپنے گھر کی دیگر عورتوں کی طرح انتظار کرے۔ عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے (عبدالرزاق ۱: ۳۱۲)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اوزاعیؒ نے اہلِ دمشق سے نقل کیا ہے کہ اگر عورت نے بچے کو جنم دیا ہو تو وہ تیس راتیں انتظار کرے اور اگر بچی کو جنم دیا ہو تو چالیس راتیں انتظار کرے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ شعبیؒ، عطاءؒ، قتادہؒ، مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور شافعیؒ نے اس مسئلہ میں اجماع کی مخالفت کی ہے اور کچھ حدود کی شرط عائد کر دی ہے جن پر قرآن، سُنّت اور اجماع دلالت نہیں کرتے مگر ہم تو اس مسئلہ میں صرف وہی کہیں گے جس پر اجماع ہے، اور وہ یہ کہ یہ ایک ایسا خون ہے جو ان تمام اُمور سے مانع ہے جن سے حیض مانع ہے۔

۳۰۸۔ [ہم سے حمام، از یحییٰ بن مالک بن عائذ، از ابوالحسن عبیداللہ بن ابی غسّان، از ابویحییٰ زکریا بن یحییٰ ساجی، از ابوسعید اشجؒ، از عبدالرحمٰن بن محمد محاربی، از سلام بن سلیمان مدائنی، از حمید بیان کیا کہ] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ سلام بن سُلیمان ضعیف اور منکر الحدیث ہے[1]۔

مرسل صحیح نہیں ہوتا اور نہ حُجت، پھر حسن کے مراسیل تو دوسروں سے زیادہ ضعیف ہوتے ہیں۔

[1] اس حدیث کو ابن ماجہ نے ج ۱ ص ۱۱۶، ۱۱۷ میں روایت کیا ہے "بطریق محاربی از سلام بن سُلیم یا سلم۔ ابوالحسن کو شک ہے جبکہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ابُوالاحوص از حُمید از انس ہے" یہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔ حافظ ہیثمیؒ نے اس گمان پر اعتماد کرتے ہوئے "زوائد" میں کہا ہے کہ "اس حدیث کی سند صحیح اور رجال ثقہ ہیں"۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نفاس کی کم از کم مدت پچیس[۲۵] دن ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کم از کم مدت گیارہ دن ہے لیکن یہ دونوں مدتیں اللہ کی مقرر کردہ نہیں ہیں۔ ان حضرات پہ بہت تعجب ہے جو از خود اس قسم کی حد بندی مقرر کر لیتے ہیں اور پھر انہیں بُرا محسوس نہیں ہوتا بلکہ ان لوگوں کو یہ بُرا کہتے ہیں جو فقط ان اُمور کی پابندی کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور جن پر مسلمانوں کا پختہ اجماع ہو چکا ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار پھر اپنی بات دُہراتے ہیں کہ نفاس کے خُون کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ خونِ حیض ہے اس کی مدت اور حکم سب حیض کی طرح ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے گفتگو فرماتے ہوئے نفاس کے لفظ کو حیض کے معنی میں استعمال کیا تھا کیونکہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ نیز آپؐ نے سیاہ رنگ کے خون کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ جب آئے تو نماز سے اجتناب کر لیا جائے۔

بہت ہی ضعیف ہے۔ ابو الاحوص سلام بن سلیم حنفی تو ثقہ اور حافظ ہے لیکن اس نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا بلکہ یہ روایت تو سلام بن سلیمان مدائنی کی ہے جسے ابن سلیم یا ابن سلم کہا جاتا ہے اور وہ جیسا کہ ابن حزمؒ نے فرمایا منکر الحدیث ہے اور ابن خراش نے اسے کذاب کہا ہے۔ اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس نے ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کی ہیں گویا عمداً ایسا کیا ہے۔ ابن حزمؒ نے یہاں سند میں جو نام کی تصریح کر دی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام ہی ہے ابو الاحوص نہیں، جو ثقہ ہے۔ بیہقی نے سُنن میں یُوں کہا ہے کہ اسی طرح سلام طویل نے حمید سے اور اس نے انسؓ سے روایت کیا۔ حافظ نے تہذیب میں فرمایا ہے کہ ابن عدی نے ان سے کئی حدیثیں بیان کی ہیں لیکن ان کی متابعت نہیں ملتی اور ان کی وہ روایت بھی بیان کی ہے جسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے یعنی نفساء کے وقت کے سلسلہ میں حدیثِ انس، ابن عدی نے اس کے علاوہ اس سلسلہ میں اور کوئی روایت ذکر نہیں کی۔ ابن حبان نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہی راوی ہے جس نے نفاس کے وقت کی تعیین کے سلسلہ میں حدیثِ انسؓ ذکر کی ہے۔ علامہ زیلعیؒ نے بھی "نصب الرایۃ" ج ۱ ص ۱۰۷ میں اسی روایت کو باعثِ علت قرار دیا ہے۔ بیہقی نے اسے ج ۱ ص ۳۴۳ میں بطریق زید عمی، از ابی ایاس از حضرت انس روایت کیا ہے۔ زید عمی بہت ضعیف ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ حضرت انسؓ سے بہت سی بے اصل اور موضوع روایات روایت کرتا ہے جس سے دل میں یہ بات آتی ہے کہ یہ قصد و ارادہ سے ایسا کرتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ حضرات چونکہ قیاس کی بنیاد پر بات کرتے ہیں، نفاس کو حیض پر قیاس کرنے کی وجہ ہی سے انہوں نے مباشرت اور صوم وصلوٰۃ کی ادائیگی سے منع کیا ہے اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ نفاس کی مدّت کو بھی حیض کی مدت پر قیاس کر لیتے (لیکن چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا لہٰذا معلوم ہُوا کہ یہ قیاس کا اصول غلط ہے) وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۶۹۔ جب بچیاں پہلی مرتبہ سیاہ رنگ کا خُون دیکھیں اُس کا حکم

جب لڑکی پہلی مرتبہ سیاہ رنگ کا خون دیکھے تو یہ حیض ہو گا جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس خُون کے جاری ہونے کے ساتھ ہی وہ نماز و روزہ چھوڑ دے گی۔ نیز اس حالت میں اس کا شوہر یا لونڈی ہو تو اس کا مالک وطی نہیں کرے گا۔ اگر خون کی رنگت بدل جائے یا سترہ دن یا اس سے بھی کم مدت میں بالکل منقطع ہو جائے تو یہ صحیح طُہر ہو گا لہٰذا وہ غسل کر کے نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور اس کا شوہر اس سے ہمبستر بھی ہو گا۔ اگر سترہ دن تک سیاہ رنگ کا خون ہی جاری رہے تو یہ حیض ہو گا، اگر سترہ دن کے بعد بھی سیاہ رنگ کا خون جاری رہے تو غسل کر کے ان سب مذکورہ اُمور کو سرانجام دے کیونکہ اُس کی حالت طہارت کی سی ہو گی اور وہ سترہ دن کے بعد حائضہ کے حکم میں نہ ہو گی۔ ہاں اگر خون منقطع ہو جائے یا رنگ بدلنے لگ جائے تو جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بھی ذکر کیا، جب سیاہ رنگ کا خون ہو تو حائضہ ہو گی اور جب خون کا رنگ بدل جائے، یا خون منقطع ہو جائے یا سترہ دن سے زیادہ عرصہ ہو جائے تو پھر یہ عورت پاک ہو گی!

اگر عورت حائضہ ہے اور پھر طاہر ہو گئی مگر خون کا سلسلہ جاری ہے تو وہ اسی طرح کرے کہ جب اس کے معمول کے ایام یا وقت آئے خواہ مہینے میں کئی بار، یا ایک بار یا کئی مہینوں بلکہ سال میں ایک بار آئے تو وہ ان تمام اُمور سے رُک جائے جن سے حائضہ رُک جاتی ہے، جب یہ معمول کے ایام یا وقت گزر جائے تو وہ غسل کرے اس کی حالت طہارت کی ہو گی اور وہ سب امور سرانجام دے سکے گی، جب تک خون کا رنگ نہ بدلے، یا خون منقطع نہ ہو وہ اسی طرح کرتی رہے اور اگر ایّام کا کوئی باقاعدہ معمول نہ ہو تو وہ آخری ایام پر انحصار کرے گی اور اگر اسے وقت حیض کی پہچان ہی نہ ہو تو اس کے لیے فرض ہو گا کہ ہر نماز کے لیے غسل اور وضو کرے یا غُسل و وضو کے ذریعہ ظہر آخری وقت میں پڑھ لے اور عصر پہلے وقت میں، پھر غُسل و وضو کے ساتھ مغرب آخری وقت میں اور عشاء اول وقت میں پڑھ لے، فجر کی نماز کے لیے الگ غسل اور وضو کرے، اور اگر چاہے تو ظہر کے اول وقت میں غسل کر کے ظہر و عصر، اور مغرب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اول وقت میں غسل کرکے مغرب وعشاء کی نماز پڑھ لے اور ہر نماز کو وقت پر پڑھنا ہی ضروری ہے (اپنی اپنی صورت میں) اور اسے ہر فرض ونفل نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔ اور اگر کوئی عورت اس سے عاجز و قاصر ہو تو وہ تیمم کرلے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے۔

اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے جو ہم اپنی اس کتاب میں مسائل حیض کے آغاز میں بسند ذکر کر آتے ہیں کہ "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف و مشہور خون ہوتا ہے پس جب یہ ہو تو عورت نماز سے رُک جائے اور اگر کسی دوسرے رنگ کا خون ہو تو پھر وضو کرکے نماز پڑھے"

نیز آپ کا یہ فرمان کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب ختم ہو جائے تو غسل کرکے نماز پڑھے"

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں "جب حیض ختم ہو جائے تو خون کو دھو کر وضو کرلے" اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب معمول کے ایام کے بقدر عرصہ گزر جائے تو اپنے آپ سے خون کو دھو دو اور وضو کرکے نماز پڑھو"

یہ روایت ہم تک بطریق حماد بن زید و حماد بن سلمہ، از ہشام بن عُروہ، از پدر خود از ام المومنین، حضرت عائشہؓ اسی طرح پہنچی ہے (مسلم نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی کتاب الطہارۃ) گویا ان روایات کی روشنی میں یہ واجب ہو جاتا ہے کہ خون کے رنگ بدلنے کا لحاظ رکھا جائے۔

اور وہ روایت جسے ۳۰۹ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از احمد بن ابی رجاء، از ابواُسامہ بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن عُروہ بن زُبیر سے سُنا، وہ فرماتے تھے کہ مجھے میرے باپ نے خبر دی کہ] حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حُبیش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے استحاضہ کی شکایت ہے اور میں پاک نہیں رہ سکتی، تو کیا میں نماز چھوڑ دُوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں یہ تو ایک رگ ہے، اپنے معمول کے ایامِ حیض میں نماز چھوڑ دو اور پھر غسل کرکے نماز شروع کر دو (بخاری کتاب الطہارۃ)۔

۳۱۰ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن رمح و قُتیبہ از لیث بن سعد، از یزید بن ابی حبیب، از جعفر بن ربیعہ، از عراک بن مالک، از عُروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے خُون کی بابت پوچھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کے ٹب کو خون سے بھرا ہُوا دیکھا ـــ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اپنے معمول کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایامِ حیض کے بقدر (صوم وصلوٰۃ کی ادائیگی سے) رُکے رہو اور پھر غسل کرکے نماز شروع کردو (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہُوا کہ جب خون طوالت اختیار کر جائے تو پھر معمول کے ایامِ حیض کی رعایت کرنا فرض ہوگا۔

وہ عورت جس کے حیض کا ابھی آغاز ہی ہُوا ہو اور اس کا خون سیاہی کے بجائے اور کوئی رنگت اختیار نہ کرتا ہو اور پہلے سے اس کے حیض کی مقدار معیّن نہ ہو تو ہمیں یقین ہے کہ اس پر نماز و روزہ واجب ہے اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ سیاہ رنگ کے خون کا کچھ حصّہ حیض ہے اور کچھ حیض نہیں ہے لیکن کوئی شخص اپنی رائے سے خون کے کچھ حصّہ کو حیض اور کچھ کو غیر حیض قرار نہیں دے سکتا اگر کوئی ایسا کرے گا، تو اس نے گویا بغیر اذنِ الٰہی شریعت سازی کی یا بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسی بات کو منسوب کر دیا جو اللہ کی طرف سے نہیں، لہٰذا اس صورتِ حال میں عورت کے لیے نماز اور روزہ کا ترک جائز نہیں ہوگا کیونکہ ان کی فرضیت یقینی ہے جبکہ خون کے کچھ حصّہ کا حیض ہونا ظنی ہے۔یعنی ہو سکتا ہے کہ یہ حیض نہ ہو اور ظن تو سب سے جھوٹی بات ہے۔اور ہم نے یہ جو کچھ کہا ہے امام مالکؒ اور داؤد ظاہری بھی یہی کہتے ہیں۔

اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اس قسم کی عورت (جسے حیض کا آغاز ہی ایسا ہُوا ہے کہ لگاتار جاری ہے) اپنے آپ کے لیے اپنی ماں، خالہ یا پھوپھی کے ایام کی تعداد کو معیار قرار دے لے، ان کی تعداد سے جو ایام زائد ہوں گے وہ استحاضہ قرار دیئے جائیں گے۔اگر ماں، خالہ یا پھوپھی کے ایام کے معمول کا اسے علم نہ ہو تو پھر ہر ماہ سات دن حیض شمار کرے اور باقی ایام کو استحاضہ پر محمول کرے اور روزہ رکھے (نماز پڑھے) سُفیان ثوری اور عطاء بھی یہی کہتے ہیں کہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ایام کو معیار قرار دے لے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر ماہ ایک دن رات کو حیض سمجھے اور باقی ایام کو استحاضہ شمار کرکے نماز، روزہ کی ادائیگی کرتی رہے۔امام احمد بن حنبلؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت ہر ماہ میں سے دس دن حیض کے سمجھے اور باقی ایام کو استحاضہ پر محمول کرے اور نماز و روزہ کی ادائیگی کرتی رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان سب سے کہا جائے گا کہ آپ حضرات نے یہ قطعی فیصلہ کہاں سے کر لیا کہ وہ ہر مہینے ضروری طور پر کچھ ایام کو حیض کے ایام سمجھے کیونکہ اس بات کا بھی تو امکان ہے کہ اسے حیض بالکل ہی نہ آتا ہو۔ آپ حضرات نے محض ظن کے ساتھ نماز و روزہ جیسے یقینی فرائض کو ترک کیوں کر دیا پھر کسی کے لیے یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ وہ کم از کم مدتِ حیض پر اکتفا کرے تاکہ نماز یقینی صورتِ حال میں ترک کرے کیوں کہ دوسرا شخص یہ کہہ دے گا کہ اسے زیادہ سے زیادہ مدتِ حیض کا لحاظ رکھنا پڑے گا تاکہ حالتِ حیض میں نماز و روزہ اور وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی نہ کر پائے لیکن یہ دونوں قول ہی فاسد ہیں کیونکہ ان کی بنیاد ظن پر ہے اور دین میں ظن کی بنیاد پر کوئی حکم لگانا جائز نہیں۔ ہمیں یقین ہے اور ذرہ بھر شک نہیں کہ اس عورت کو پہلے کبھی حیض نہیں آیا، نماز اور روزہ اس پر فرض ہیں۔ اس کے خاوند کے لیے اس کے ساتھ وطی جائز ہے لیکن یہ ہمیں نہیں معلوم اور نہ ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ خون حیض ہے لہٰذا یقین اور لازمی فرائض کا محض ظنِ کاذب کی بنیاد پر ترک کر دینا حلال نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

ایسی عورت کے لیے ہر نماز کے وقت وضو کرنے کی دلیل ہم اپنی اسی کتاب میں وضو اور موجباتِ وضو کے مسائل کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں۔

ہر دو نمازوں یا ہر نماز کے لیے غسل کرنے کی دلیل یہ ہے:۔

۳۱۱۔ [ہم سے حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبد الملک بن ایمن از علّان[1] از محمد بن بشار از وہب بن جریر بن حازم از ہشام دستوائی، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوفؓ بیان کیا کہ] حضرت اُمِ حبیبہؓ بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ انہیں خون آتا تھا اور انہوں نے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے حکم دیا کہ ہر نماز کے لیے غسل کر لیا کرے۔

۳۱۲۔ [سند سابقہ کے ساتھ ابن ایمن تک پھر از احمد بن محمد برتی قاضی از ابو معمر از عبد الوارث بن سعید از تنوری، از حسین معلم، از یحییٰ بن ابی کثیر بیان کیا کہ] ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے زینب بنت

[1] علّان، محدثین میں سے ایک جماعت کا لقب ہے غالباً یہاں جو شخصیت مراد ہے وہ ہے علی بن عبد الرحمٰن بن مغیرہ مخزومی مصری جو طحاوی کے شیخ ہیں۔ ۱۰ر شعبان ۲۷۲ھ میں مصر میں فوت ہوئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابی سلمہ مخزومی نے خبر دی کہ ایک عورت کو خون آتا تھا، جو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے حبالۂ عقد میں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ہر نماز غسل کرکے پڑھا کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پروردہ ہے، اس نے آپ کی گود میں تربیت پائی اور شرفِ صحبت حاصل کیا ہے[1]۔

۳۱۳۔[سندِ سابقہ کے ساتھ ابن ایمن تک پھر از عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ، از پدر خود از محمد بن سلمہ، از محمد بن اسحاق، از زہری، از عروہ بن زبیر بیان کیا کہ] حضرت امّ حبیبہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہیں استحاضہ شروع ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کریں۔

۳۱۴[ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن سلیم از ابن الاعرابی از ابوداؤد از ہناد بن السری، از عبدہ بن سلیمان از محمد بن اسحاق، از زہری، از عروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ امّ حبیبہ بنت جحشؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں استحاضہ کی تکلیف شروع ہوئی تو آپؐ نے انہیں ہر نماز کے لیے غسل کرنے کا حکم دیا۔

۳۱۵۔[ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک خولانی از محمد بن بکر از ابوداؤد از وہب بن بقیہ از خالد بن اسمٰعیل از سہیل بن ابی صالح از زہری، از عروہ بن زبیر بیان کیا کہ] حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو استحاضہ شروع ہو گیا ہے تو آپؐ

---

[1] زینبؓ کی اس حدیث کو ابوداؤد نے ج ۱ ص ۱۰۸ اور بیہقی نے ج ۱ ص ۳۵۱ میں بطریق ابی معمر عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج از عبدالوارث اسی سند والفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے نیز بیہقی نے بطریق اوزاعیؒ، از یحییٰ بن ابی کثیر از ابوسلمہ عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ روایت کیا ہے کہ زینب بنت امّ سلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معتکف تھیں اور انہیں خون آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرو۔ اس کی سند صحیح ہے لیکن شاید اوزاعی یا آپ سے روایت کرنے والے راوی سے خطا ہو گئی ہے کیونکہ زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چھوٹی عمر کی تھیں اور بالغ نہ تھیں لہٰذا ان کے سماع کے بارہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ حبشہ میں ان کی ولادت ہوئی بعض نے کہا ہے کہ مدینہ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ بہرحال اس روایت میں کچھ نہ کچھ خطا ضرور ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا کہ انہیں چاہیے کہ ظہر و عصر کے لیے ایک غسل کریں، مغرب و عشاء کے لیے ایک غسل کریں اور فجر کے لیے ایک غسل کریں اور ان اوقات کے مابین وضو کرلیا کریں۔ (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)

یہ آثار، جنہیں چار صحابیات (۱) اُم المومنین حضرت عائشہؓ (۲) حضرت زینب بنت اُمّ سلمہؓ (۳) حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور (۴) حضرت اُمّ حبیبہؓ بنت جحشؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، عمدہ درجہ صحیح ہیں۔ حضرت عائشہ و اُمّ حبیبہؓ سے انہیں حضرت عروہؓ اور حضرت ابوسلمہؓ نے روایت کیا ہے، ابوسلمہ نے حضرت زینب بنتِ اُمّ سلمہؓ سے روایت کیا ہے، جبکہ عروہ نے حضرت اسماءؓ سے روایت کیا ہے یعنی یہ نقلِ متواتر موجبِ علم ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے:

ہم نے بطریق لیث بن سعد، از ابنِ شہاب، از عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ اُمّ حبیبہؓ کو استحاضہ شروع ہوا تو آپ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔ یعنی حضرت اُمّ حبیبہؓ کا تو یہ عمل تھا اور حضرت عائشہؓ بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تردید نہیں فرماتیں (اشارۃً امام مسلم نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از معمر، از ایوب سختیانی حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت کا خط آیا، آپ نے اسے مجھے پڑھنے کے لیے دیا، تو اس میں لکھا تھا کہ مجھے استحاضہ کے باعث بے پناہ تکلیف ہے، عرصہ دراز سے میں نماز کو چھوڑے ہوئے ہوں حضرت علیؓ بن ابی طالب سے جب اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فتویٰ یہ دیا کہ میں ہر نماز کے لیے غسل کیا کروں۔ خط کا مضمون سُن کر حضرت ابن عباسؓ فرمانے لگے، اللہ کی قسم حضرت علیؓ نے جو فتویٰ دیا ہے، مجھے بھی اس کے علاوہ اور کوئی حل نظر نہیں آتا، البتہ ظہر و عصر کے لیے ایک غسل اور مغرب و عشاء کے لیے ایک غسل، اور فجر کے لیے ایک مستقل غسل کرنا پڑے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کوفہ تو بہت سرد علاقہ ہے اور یہ بار بار غسل اس عورت پر بہت گراں گزرے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے اس سے بھی زیادہ تکلیف میں مبتلا کرسکتا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱: ۳۰۵)

یہ روایت درج ذیل طُرق سے بھی مروی ہے:

(۱) سفیان ثوری، از اشعث بن ابی الشعثاء، از سعید بن جبیرؓ از ابن عباسؓ (مصنف عبدالرزاق ۱: ۳۰۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) ابن جُریج از عمرو بن دینار از سعید بن جُبیر از ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

(۳) شعبہ وحماد بن سلمہ، از حماد بن ابی سلیمان، از سعید بن جُبیر، از ابنِ عباس رضی اللہ عنہ۔

ہم سے یونس بن عبداللہ از ابو بکر بن احمد بن خالد، از پدرِ خود از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال، از ابن جُریج[1] از ابو زُبیر بیان کیا کہ حضرت سعید بن جُبیر سے روایت ہے کہ ایک مستحاضہ عورت نے حضرت ابن زُبیر کی طرف لکھا کہ مجھے ہر نماز کے لیے غُسل کرنے کا فتویٰ دیا گیا ہے، تو اس کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بھی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔ پھر اس عورت نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مسئلہ پُوچھا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔

(مُصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۱۲۶ وعبدالرزاق ۱: ۳۰۸ مختصراً)

بطریق ابی مجلز، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مُستحاضہ کی بابت یہ فتویٰ منقول ہے کہ اسے ہر نماز کے لیے غسل کرنا چاہیے۔ عِکرمہ اور مُجاہد نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ مجاہد نے آپ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ظہر کی نماز کو مؤخر اور عصر کی نماز کو مقدم کر کے پڑھ لے اور دونوں کے لیے ایک غُسل کرے۔ اِسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کر کے ایک ہی غُسل سے پڑھ لے اور فجر کو ایک غسل سے پڑھ لے۔

ہم نے بطریق ابنِ جُریج، عطاء سے روایت کیا کہ مُستحاضہ ایامِ حیض میں انتظار کرے اور جب یہ ایام ختم ہو جائیں تو پھر ظہر وعصر ایک غُسل سے پڑھے۔ ظہر کو تھوڑا سا مؤخر اور عصر کو تھوڑا سا مقدم کر کے پڑھ لے اسی طرح مغرب وعشاء بھی ایک غُسل سے پڑھ لے۔ صبح کے لیے ایک الگ غُسل کرے۔

(مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۳۰۴ ومُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۱۲۷)

ہم نے بطریقِ سفیان ثوری، از منصور بن معتمر از ابراہیم نخعی بھی عطاء کے قول کی مانند روایت کیا ہے۔

(مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۳۰۷ ومُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۱۲۷)

نیز ہم نے بطریقِ مُعاذ بن ہشام دستوائی، از پدرِ خود، از قتادہ از سعید بن مُسیّب روایت کیا کہ مُستحاضہ غُسل کرے اور نماز پڑھے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، علی بن ابی طالب، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، اور ابن زُبیر رضی اللہ عنہ

[1] امام ذہبی نے فرمایا کہ حجاج بن منہال نے ابن جریج سے نہ سُنا ہے اور نہ ان کو پایا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی ہے۔ البتہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مستحاضہ ہر روز ظہر کی نماز کے لیے غسل کرے۔ اس کو ہم نے اسی طرح بطریق معمر، از ہشام بن عروہ روایت کیا اور وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے وضاحت کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مستحاضہ ہر روز ظہر کی نماز کے لیے غسل کرے۔

تابعین میں سے عطاء، سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح روایت ہے اور ان سب روایات کی اسانید حد درجہ صحیح ہیں۔ حنفیوں، مالکیوں اور شافعیوں پر تعجب ہے کہ جب کسی صحابی کا قول ان کی خواہش و تقلید کے موافق ہو تو اس کی مخالفت پر طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں اور جب ان کی تقلید کے موافق نہ ہو تو ثابت شدہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رد کر دیتے ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات سنت سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ جو عورت خون میں تمیز کر سکتی ہے اس کے لیے خون سیاہ رنگ حیض اور باقی طہر ہوگا یعنی اس کا معاملہ تو واضح ہے اور یہ بھی سنت سے ثابت ہے کہ جو عورت خون میں تمیز نہ کر سکتی ہو وہ اپنے معمول کے ایام کی مدت کی رعایت کر کے اسے حیض سمجھے اور باقی مدت کو طہر سمجھ لے۔ اور ہم پر یہی واجب ہے کہ ہم اسی کی پابندی کریں۔

اور وہ عورت جس کے ایام مختلف ہوں یعنی بدلتے رہتے ہوں اور ان کا کوئی خاص معمول نہ ہو، وہ اتصال خون سے پہلے کے آخری حیض کو بنیاد بنائے کیونکہ آخری حیض سے پہلے کے تمام واقعات یقینی طور پر باطل ہو گئے ہیں لیکن وہ عورت جو خون میں تمیز نہ کر سکتی ہو اور نہ اس کے ایام کا کوئی معمول ہو اور وہ عورت جسے ہر نماز یا دو نمازوں کے لیے غسل کا حکم ہے یعنی ان عورتوں کے تین احکام و صفات ہیں، ان میں سے دو کے لیے تو حکم منصوص ہیں، تیسرا حکم گویا تیسری صفت کے پیش نظر ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا قول ہے کہ عورت تبدیلی خون کے حکم کو غلبہ دے اور معمول کی رعایت نہ کرے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایام کے حکم کو غلبہ دے اور تبدیلی خون کی رعایت نہ کرے۔ لیکن یہ دونوں عمل خطا ہیں کیونکہ ان کے عمل سے ترک سنت لازم آتا ہے جو جائز نہیں۔

امام شافعیؒ، ابن حنبلؒ، ابو عبیدؒ اور داؤد ظاہری نے دونوں حکموں کو لیا ہے مگر امام احمد بن حنبل اور ابو عبید نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایّام کے غلبہ کا لحاظ رکھا ہے اور تبدیلیٔ خون کا لحاظ صرف اس عورت کے لیے رکھا ہے جو اپنے ایام کو نہ پہچانتی ہو اور جو اپنے ایّام کو پہچانتی ہو اُس کے لیے ایّام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، خواہ خُون میں تبدیلی آتی رہتی ہو! امام شافعیؒ و داؤدؒ نے تبدیلیٔ خُون کے حکم کا اعتبار کیا ہے، خواہ عورت اپنے ایّام کو پہچانتی ہو یا نہ پہچانتی ہو، ان دونوں اماموں نے وقتِ حیض کی رعایت کا حکم صرف اس عورت پر لگایا ہے جس کے خون میں کوئی تبدیلیٔ رنگت نہ آتی ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اب یہ بات باقی رہ گئی کہ ان میں سے کونسا عمل حق ہے؟ تو ہمیں صحیح نص کی روشنی میں یہ بات معلوم ہُوئی ہے کہ حیض صرف سیاہ رنگ کا خون ہے، اس کے علاوہ اور کسی رنگ کا خون حیض نہیں ہوتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "حیض سیاہ رنگ کا معروف خون ہے"، تو صحیح بات یہ ہے کہ جس کے خون کا رنگ بدل گیا ہو وہ مکمل حالتِ طہارت میں ہے۔ اِستحاضہ کے حکم سے اس کا کوئی تعلّق نہیں۔ اسی طرح خون سُرخ رنگ کا ہو یا بالکل سفید ہو ان دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی یقینی امر ہے کہ معمول کے ایّام سے قبل جب خون کا رنگ بدل جائے تو یہ بالکل صحیح طہارت ہے!

اب صرف اس سیاہ رنگ کے خُون کے بارے میں اشکال باقی رہ گیا جو متصل ہو۔ اس سلسلہ میں نص یہ ہے کہ جو عورت اپنے وقت کو پہچانتی ہو وہ تو وقت کا لحاظ رکھے اور جو عورت اپنے وقت کو بھُول گئی ہو وہ ہر نماز کے لیے یا دو نمازوں کے لیے ایک غسُل کرے۔ وباللہ التوفیق!

جو حضرات ان اخبار کو ترک کرتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے پاس قیاس، قولِ صحابی، قرآن اور سُنّت سے کیا دلیل ہے؟

امام مالکؒ کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت جس کا خون متصل ہو اگر اس کا حیض بارہ دن یا اس سے کم ہو تو وہ تین دن مزید انتظار کرے، اگر حیض تیرہ دن ہے تو دو دن انتظار کرے اور اگر چودہ دن ہے تو ایک دن انتظار کرے اور اگر پندرہ دن حیض ہے تو پھر مزید کچھ انتظار نہ کرے لیکن یہ ایک ایسا قول ہے جس کی نہ قرآن تائید کرتا ہے اور نہ صحیح یا سقیم سُنّت، نہ قولِ صحابی اور نہ قیاس، اور نہ معقول رائے یا احتیاط! بلکہ اس قول سے بلا وجہ فرض نماز و روزہ کا ترک لازم آتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ کے بعض مقلدین نے اس باطل روایت سے استدلال کیا ہے جو ہم نے بطریق ابراہیم بن حمزہ، از دراوردی از حرام بن عثمان، از عبدالرحمٰن و محمد پسران جابر روایت کیا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اسماء بنت مُرشد حارثیہؓ[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، میں بھی اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے خلافِ معمول کچھ اور طرح کا حیض آنے لگا ہے، طُہر کے تین یا چار دن بعد پھر خون آجاتا ہے، جس کے باعث میرے لیے نماز پڑھنا ممکن نہیں رہتا؛ آپ نے فرمایا جب یہ صورتِ حال ہو تو تین دن تک رُکے رہو اور پھر چوتھے دن غسل کرکے نماز شروع کر دو، الا یہ کہ تم دفعۃً سیاہ رنگ کا خون دیکھو۔[2]

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ احتجاج نہایت قبیح ہے کیونکہ یہ خبر باطل ہے۔ حرام بن عثمان منفرد ہے اور وہ غیر ثقہ ہے۔ خود امام مالکؒ نے بھی اسے غیر ثقہ کہا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے جابر جعفی پر جرح کی ہے اور فرمایا کہ مَیں نے جابر سے زیادہ جھوٹا شخص کوئی نہیں دیکھا۔ اسی طرح امام مالکؒ نے حرام بن عثمان اور صالح مولی التوأمہ پر جرح کی ہے لیکن تعجب ہے اُن مالکیوں اور حنفیوں پر، اس کے باوجود حرام اور صالح کی روایات سے اس وقت استدلال میں قطعاً کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور امام مالکؒ کی جرح کی بھی تکذیب کر دیتے ہیں، جب انہیں

---

[1] مُرشد، شین کے ساتھ ہے۔ "الاصابۃ" میں اس نام کو ثا کے ساتھ مرثد لکھا گیا ہے جو طباعت کی غلطی ہے اس اسماء سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے جو صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" ص ۷۲۶ میں ابن اثیرؒ نے "اسد الغابۃ" ج ۵ ص ۳۹۶ میں ابن حجرؒ نے "اصابۃ" ج ۸ ص ۱۱ میں، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴۵ میں ذکر کیا ہے کہ اس کے باپ کا نام مرشدہ ہے اس نے ضحاک بن خلیفہ سے شادی کی اور ثابت وابا جبیرہ وغیرہ کو جنم دیا۔ یہ مشرف بہ اسلام ہوئی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پر بیعت بھی کی۔

[2] اس روایت کو بیہقی نے مختصر لیکن ابن اثیرؒ نے مطول و معلق ذکر کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے "الاصابۃ" میں اسے احکام اسماعیل بن اسحاق قاضی اور ابن مندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، حرام بن عثمان منفرد ہے۔ امام شافعیؒ و ابن معینؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حرام سے روایت کرنا حرام ہے۔ ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے یحییٰ بن سعید سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے حرام بن عثمان سے پوچھا کہ کیا عبدالرحمٰن بن جابر، محمد بن جابر اور ابو عتیق ایک ہی ہیں، کہنے لگا اگر آپ چاہیں تو میں انہیں دس بنا دیتا ہوں، اس سے معلوم ہُوا کہ یہ شخص انتہائی کذاب تھا۔ غیر معروف اسماء میں ردّ و بدل کرنے سے قطعاً حیا محسوس نہیں کرتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ معلوم ہو جاتے کہ ان کی روایات، ان کی تقلید کے لیے حجت ہیں۔ اسی طرح اگر جابر جعفی کی کسی روایت سے تنخیول کی تقلید کی تائید ہوتی ہو تو وہ امام ابو حنیفہؒ کی جرح کو جھٹلاتے ہوئے اس سے استدلال کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں فرماتے۔ بحمداللہ ہمارا معاملہ ان کے شیوخ کے ساتھ ان کی نسبت بہتر ہے، ہم امام مالکؒ کی جرح کی تردید نہیں کرتے بلکہ اسے تسلیم کرتے ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: مزید برآں یہ کہ اگر یہ خبر صحیح بھی ہو تو پھر بھی ان کے لیے حجت نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی شے نہیں جو امام مالکؒ کے قول کے مطابق ہو یا ان کی اس تقسیم کے موافق ہو بلکہ یہ تو امام مالکؒ کے قول کے مخالف ہے اور اس سے نماز کا وجوب ثابت ہوتا ہے اِلّا یہ کہ عورت خون دیکھے پس معلوم ہوا کہ اس روایت سے ان کا استدلال کرنا باطل ہے۔

ان میں سے بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اسے ہم "حدیثِ مُصَرَّاۃ"[1] پر قیاس کر لیتے ہیں یا اس مدت پر قیاس کر لیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود کے لیے مقرر فرمائی تھی[2] لیکن یہ ایک ایسا قول ہے جو علم کے بجائے دین کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخِذْلَانِ۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ مُستحاضہ نماز، روزہ کی ادائیگی تو کرے لیکن اس کا خاوند اُس کے ساتھ مباشرت نہ کرے (دارمی، کتاب الطہارۃ)۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ اس کی یہ حالت یا تو حیض ہو گی یا غیر حیض، یعنی طہارت کی ہو گی۔ اور اگر اس کی حالتِ نفاس بھی نہیں ہے تو پھر تیسری اور کوئی حالت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر اُس کی حالتِ حیض ہے تو نماز و روزہ کی ادائیگی حلال نہیں، اگر حالتِ حیض و نفاس

---

[1] مُصَرَّاۃ، اس بکری، اُونٹنی یا کسی بھی دُودھ والے جانور کو کہتے ہیں، جسے فروخت کرنے سے کئی دن پہلے نہ دوہا گیا ہو تاکہ خریدنے والے کو یہ دھوکا دیا جا سکے کہ یہ جانور بہت دُودھ دیتا ہے، ایسا کرنے سے آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے۔ (مترجم)

[2] مدتِ قومِ ثمود سے مُراد یہ ہے کہ جب قومِ ثمود نے اُونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا تھا: تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ (اپنے گھروں میں تین دن اور فائدے اٹھا لو۔ یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا)۔ ہُود، آیت ۶۵۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں تو پھر خاوند کے لیے وظیفہ زوجیت کی ادائیگی حلال ہے بشرطیکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک صائم، معتکف یا مُحرِم نہ ہو یا خاوند نے عورت سے ظہار نہ کر رکھا ہو، پس یہ قول بھی باطل قرار پایا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فطرت

۲۷۰۔ وہ اُمور جو مُستحب ہیں

(۱) مسواک کرنا مُستحب ہے، اگر ممکن ہو ہر نماز کے لیے مسواک کرنا افضل ہے (۲) بغل کے بالوں کی صفائی (۳) ختنہ (۴) زیر ناف بالوں کی صفائی (۵) ناخنوں کا کاٹنا بھی مُستحب ہے۔ البتہ مونچھوں کا کاٹنا فرض ہے۔ عورت کے لیے چہرے کے بالوں کا اکھیڑنا حلال نہیں ہے (۶) جُنبی آدمی کے لیے یہ مُستحب ہے کہ اگر وہ کھانے، پینے یا سونے کا ارادہ کرے تو وضو کرلے۔ یاد رہے کہ ان اُمور کے لیے وضو کرنا فرض نہیں ہے، ہاں اگر ایک دفعہ کے بعد دوبارہ مباشرت کرنا چاہے تو پھر وضو کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے اپنی دو بیویوں یا دو سے زیادہ بیویوں، یا لونڈیوں اور بیویوں سے مباشرت کی اور ہر دو کے مابین غسل کرلیا تو بہتر ہے اور اگر سب کے ساتھ مباشرت کے بعد آخر میں غُسل کیا تو پھر بھی درست ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ہم نے۔ ۳۱۶ [از عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ از سُفیان بن عُیینہ، از زہری، از سعید بن مُسیّب روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْفطرۃُ خمس۔ اوخمس من الفطرۃ۔ الختان والاستحداد وتقلیم الاظفار ونتف الابط وقص الشارب ۔ (بخاری، کتاب اللباس، ابوداؤد، کتاب الترجّل، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ)

"فطرت پانچ اُمور ہیں یا پانچ امور کا تعلق فطرت سے ہے (۱) ختنہ کرنا (۲) زیر ناف بالوں کی صفائی کرنا (۳) ناخنوں کا کٹوانا (۴) بغل کے بالوں کی صفائی کرنا۔ اور (۵) مونچھوں کو چھوٹا کرنا۔

۳۱۷ [بسندِ سابقہ ہم نے از قُتیبہ بن سعید و عمرو الناقد، از سُفیان بن عُیینہ از ابی الزّناد، از اعرج روایت کیا کہ]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لولا أن اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل صلوٰة (مسلم، ابوداؤد، کتاب الطہارہ، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

"اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اُمت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیتا۔"

آپ نے چونکہ حکم نہیں دیا لہٰذا ہر نماز کے لیے مسواک کرنا فرض نہیں ہے!

۳۱۸ [بسند سابقہ ہم نے از یحییٰ بن یحییٰ وقتیبہ، از جعفر بن سُلیمان ضبعی، از ابی عمران جونی روایت کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ:

وُقِّتَ لنا فی قص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة الا نترك اكثر من اربعين ليلة (مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، ابوداؤد کتاب الترجل، ترمذی کتاب الاستیذان)

"ہمارے لیے وقت مقرر فرمایا گیا کہ ہم چالیس دن سے قبل قبل مونچھ کاٹ لیں، ناخن تراش لیں، بغل کے بال اکھیڑ لیں اور زیر ناف کو صاف کر لیں۔ اور چالیس دن سے زیادہ انہیں نہ چھوڑا جائے۔"

مُونچھ تراشنے اور داڑھی بڑھانے کی فرضیت پر یہ روایت دال ہے:

۳۱۹ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از سہل بن عثمان از یزید بن زریع از عمر بن محمد از نافع بیان کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خالفوا المشركين احفوا الشوارب واعفوا اللحى۔ (بخاری کتاب اللباس، مسلم کتاب الطہارۃ)

۳۲۰ [ہم سے یونس بن عبداللہ از احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم از احمد بن خالد بن محمد بن عبدالسلام خشنی، از محمد بن بشار از یحییٰ بن سعید قطان بیان کیا کہ] محمد بن عجلان کہتے ہیں کہ مجھ سے عثمان بن عُبید اللہ بن رافعؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ

ؒ عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع (یہ عثمان ابو رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے ہیں اس روایت کو ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" ج ۳ ق ۲ ص ۱۵۶ میں مختصراً بیان کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ ج ۳ ق ۲ ص ۲۲۲ سے ۲۲۵ مختلف سندوں سے بیان کیا ہے اور انہی دونوں کتابوں میں ان کا ترجمہ بھی ہے) ونیز اس اثر کو امام بیہقیؒ نے ج ۱ ص ۱۵۱ میں بطریق فریابی از سفیان، از محمد بن عجلان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلّی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کو دیکھا کہ وہ مونچھوں کو اس قدر کاٹا کرتے تھے کویا انہیں مونڈھا گیا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ کن کن حضرات کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا کہ جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدریؓ، سلمہ بن اکوعؓ، انس بن مالک اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم کو۔

۲۲۱ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع، از شعبہ از حکم بن عتیبہ، از ابراہیم نخعی، از اسود بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں جب سونے یا کچھ کھانے پینے کا ارادہ فرماتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کر لیتے (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۲۲ [ہم سے یونس بن عبداللہ از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از سوید بن نصر از عبداللہ ابن مبارک از یونس بن یزید، از زہری از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ کرتے تو وضو کر لیتے اور اگر کھانے پینے کا ارادہ فرماتے تو ہاتھ دھو لیتے اور پھر کھا پی لیتے (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

اگر کہا جائے کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے رات کو جنابت پہنچتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا وضو اور استنجا کر کے سو رہو۔

از عبیداللہ بن ابی رافع روایت کیا ہے کہ میں نے ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، ابن عمرؓ، رافع بن خدیج، ابو اُسید انصاری، ابن الاکوع اور ابو رافع کو دیکھا کہ وہ مونچھوں کو اس قدر خوب کاٹتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا گویا انہوں نے مونڈ ڈالی ہیں بیہقی فرماتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو اسی طرح پایا ہے۔ امام بیہقی کے علاوہ دیگر ائمہ نے فرمایا ہے از عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع اور بعض نے کہا ہے کہ ابو رافع نہیں بلکہ ابن رافع ہے (تاریخ کبیر امام بخاری میں بھی رافع و ابو رافع دونوں واقع ہیں) میرا خیال ہے کہ ابو رافع کا نام غالباً رافع ہے، اور اسی طرح جن لوگوں نے عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع کہا ہے وہ صحیح ہے۔ صرف عبیداللہ بن ابی رافع غالباً سہو ہے اگرچہ ابن ابی شیبہ نے بھی مصنف ۸: ۵۶۵ میں بھی کہا ہے یعنی عبیداللہ بن ابی رافع لیکن امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے "عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع" کہا ہے اور ابن حزم نے بھی ان دونوں کی متابعت کی ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم عرض کریں گے کہ: ۲۲۳ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از ابن وضاح از موسیٰ بن معاذ از وکیع، از سفیان ثوری، از ابی اسحاق، از اسود بن یزید بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں اسی طرح پانی کے استعمال کے بغیر ہی سو جاتے تھے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ) اور ترمذی وابوداؤد دونوں نے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

۲۲۴ [ہم سے یونس بن عبداللہ از ابوعیسیٰ بن ابی عیسیٰ از احمد بن خالد از محمد بن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ از ابوالاحوص سلام بن سلیم حنفی از ابواسحاق، از اسود بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے واپس تشریف لاتے، تو جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دیتا، نماز ادا فرماتے، پھر بستر یا اہلیہ کی طرف توجہ فرماتے، اگر بیوی کی طرف حاجت ہوتی تو اُسے پورا فرماتے اور پھر اسی طرح پانی کے استعمال کے بغیر سو جاتے، جب اذان سنتے تو بیدار ہو جاتے، حالتِ جنابت ہوتی تو غسل فرماتے، حالتِ جنابت نہ ہوتی تو وضو کر کے دو رکعت نماز ادا فرماتے اور مسجد تشریف لے جاتے (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ مختصراً)

اس حدیث میں عموم ہے یعنی اس میں وضو و غسل دونوں کا ذکر ہے، جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ سفیان سے اس حدیث میں خطا ہوتی ہے، وہ خود خطاکار ہے اور اس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں

اگر کہا جائے کہ زہیر بن معاویہ نے اس کی مخالفت کی ہے؟ تو ہم عرض کریں گے کہ سفیان، زہیر کی نسبت زیادہ حافظ ہے، اگر زیادہ حافظ نہ بھی ہوتا تو بعض راویوں کا بعض سے اختلاف کرنا کسی ایک راوی کی خطا کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ ثقہ راوی کی اس کی تمام مرویات میں تصدیق کی جاتی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

حضرت عائشہؓ کا یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ کے عمل پر دلالت کرتا ہے۔ مباشرت کرنے والے کے لیے وضو کے بغیر سو جانے کے جواز کے جو حضرات قائل ہیں ان میں سے سعید بن مسیبؒ، ربیعہؒ، یزید بن ہارونؒ، شافعیؒ اور ابو ثورؒ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

۲۲۵ [ہم سے احمد بن محمد جسور از وہب بن مسرۃ از ابن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ از یزید بن ہارون وہشیم وحفص بن غیاث بیان کیا] یزید فرماتے ہیں کہ: حماد بن سلمہ نے از عبدالرحمٰن بن ابی رافع اور وہ اپنی پھوپھی سلمیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات سب عورتوں کے پاس گئے اور ان میں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر ایک کے پاس غُسل فرمایا۔[۱]

ہُشَیم کہتے ہیں کہ حمید طویل نے از حضرت انس بن مالکؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات، ایک ہی غُسل کے ساتھ سب عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔[۲]

اور حفص بن غیاث نے از عاصم، از ابی المتوکل از حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے اور پھر دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو دونوں کے مابین وضو کرے۔[۳]

---

[۱] حدیث ابو رافعؓ مسند احمد (ج ۶ ص ۸) میں از عفان (دج ۶ ص ۹ و ۱۰ میں) از عبد الرحمٰن و ابو کامل (دج ۶ ص ۳۹۱ میں) از یزید بن ہارون از حماد بن سلمہ ہے، ابو داؤد نے ج ۱ ص ۸۹ میں اسے از موسیٰ بن اسماعیل از حماد روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے ج ۱ ص ۱۰۷ میں بطریق عبد الصمد از حماد روایت کیا ہے۔ منذریؒ نے اس حدیث کو نسائی کی طرف اور شوکانیؒ نے ترمذی و نسائی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مجھے یہ روایت ترمذی و نسائی میں نہیں ملی واحمد شاکر، ترمذی کی طرف نسبت تو سہو ہے البتہ نسائی نے عشرۃ النساء باب ۲۰ میں روایت کیا ہے اور یہ روایت سُننِ کبریٰ میں ہے صغریٰ میں نہیں (مترجم) و نیز بیہقی نے اسے ج ۱ ص ۲۰۳ و ۲۰۴ میں روایت کیا ہے۔

[۲] حدیث انسؓ کو مسلم نے ج ۱ ص ۹۸، ابو داؤد نے ج ۱ ص ۸۷، ترمذی نے ج ۱ ص ۳۰، نسائی نے ج ۱ ص ۵۱، ۵۲، ابن ماجہ نے ج ۱ ص ۱۰۶، اور بیہقی نے ج ۱ ص ۲۰۴ میں مختلف اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ بخاریؒ نے ج ۱ ص ۴۳ میں ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن رات کے ایک ہی وقت میں سب ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کی تعداد گیارہ تھی۔ مَیں نے حضرت انسؓ کی خدمت میں عرض کیا، کیا آپ کو اس کی طاقت تھی؟ حضرت انسؓ نے فرمایا ہم بیان کیا کرتے تھے کہ آپ کو تیس آدمیوں کی طاقت بخشی گئی تھی۔ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ایک ہی غُسل کے ساتھ سب کے پاس جایا کرتے تھے لیکن سیاق سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ ابن ابی شیبہ ۱: ۴۲ میں روایت بالتصریح ہے۔

[۳] حدیث ابو سعید کو ابو داؤد نے ج ۱ ص ۸۸ میں از عمرو بن عون از حفص بن غیاث روایت کیا ہے، مسلم نے اسے ج ۱ ص ۹۶، ترمذی نے ج ۱ ص ۳۰، نسائی نے ج ۱ ص ۵۱ اور ابن ماجہ نے ج ۱ ص ۱۰۶ میں روایت کیا ہے۔ منتقیٰ میں اسے احمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے (مسند ج ۳ ص ۲۸) شوکانی نے اسے ابن خزیمہ (ج ۱ ص ۱۰۹)، ابن حبان اور حاکم کی طرف منسوب کیا ہے، انہوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۷۱- وہ برتن جن کا استعمال جائز نہیں

کسی بھی آدمی یا عورت کے لیے کسی ایسے برتن میں وضو و غسل کرنا یا کھانا پینا حلال نہیں جو کسی انسان کی ہڈی سے بنایا گیا ہو۔

ہم اس کتاب میں قبل ازیں مُردار کے چمڑے کی بحث میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ مومن و کافر کو دفن کرنا واجب ہے اور مُثلہ کرنا حرام ہے۔ اُس برتن کا استعمال بھی جائز نہیں جو خنزیر کی ہڈی سے بنایا گیا ہو۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں کہ خنزیر سارے کا سارا نجس ہے۔ اُس برتن کا بھی استعمال جائز نہیں جو کسی ایسے مُردہ جانور کی کھال سے بنا ہو جسے دباغت نہ دیا گیا ہو، یا چاندی اور سونے کا برتن ہو۔

۳۲۶ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن ابی شیبہ از ولید بن شجاع از علی بن مسہر از عبیداللہ بن عمر از نافع مولیٰ ابن عمر، از زید بن عبداللہ بن عمر از عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق بیان کیا کہ] اُمّ المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے (بخاری، مسلم، ابن ماجہ کتاب الاشربہ)

۳۲۷ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از ابن وضاح از موسیٰ بن مُعاویہ از وکیع از شعبہ از حکم بن عُیَیْنَہ از عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی بیان کیا کہ] حضرت حُذَیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حریر و دیباج کے پہننے اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ ان (کفار) کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں[1]۔ (بخاری کتاب الاطعمہ و کتاب الاشربہ و کتاب اللباس، مسلم کتاب الاطعمہ)

یہ زائد الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ "دونوں دفعہ کے مابین غُسل کرنا زیادہ نشاط بخش ہے۔" شوکانیؒ نے اس روایت کو بیہقی و ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کی روایت میں ہے کہ "نماز کی مانند وضو کرتے" بیہقی میں یہ الفاظ نہیں ہیں، ملاحظہ فرمائیے ج ۱، ص ۲۰۴ بیہقی کی حدیثِ عائشہؓ میں ہے کہ "جب آپ حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ کرتے، تو نماز کی مانند وضو کرتے" لیکن یہ اور وہ الگ الگ روایات ہیں۔

[1] اصحابِ صحاحِ ستہ نے اس حدیث کو مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے، معنی سب کا ایک ہے۔ امام ابن مندہؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی صحت پر اجماع ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو داؤد، ترمذی کتاب الاشربہ، نسائی کتاب الزینہ، ابن ماجہ کتاب الاطعمہ و کتاب اللباس)

کسی ایسے برتن کا استعمال بھی جائز نہیں، جسے ناحق کسی سے لے لیا ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ"۔ تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق خون بہانا اور ناحق مال چھیننا حرام ہے)۔

۲۷۲۔ وہ برتن جن کا استعمال جائز ہے

اوپر جن برتنوں کا ذکر ہوا، ان کے علاوہ تانبا، پیتل، رانگا (قلعی)، قزویر، شیشہ، زمرد اور یاقوت وغیرہ کے ہر قسم کے برتنوں کا استعمال جائز ہے یعنی ان میں مرد اور عورتیں کھا پی بھی سکتے ہیں اور وضو و غسل بھی کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ: ۲۹)

"وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں، تمہارے لیے پیدا کیں"۔

نیز فرمایا:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (الانعام: ۱۱۹)

"اور اُس نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے، تمہارے لیے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے"۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دَعُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ ... الحدیث" جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں، تم مجھے چھوڑے رہو، تم سے پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت اور انبیاء کرام سے اختلاف نے ہلاک کیا تھا لہٰذا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ اور جب کسی بات سے منع کر دوں، تو اس سے اجتناب کرو"۔

پس ہر وہ چیز جس کے بارے میں شریعت میں سکوت اختیار کیا گیا ہے یعنی تحریم یا امر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، اس کا استعمال مباح ہے۔

وہ برتن جسے سونے کی پالش کی گئی ہو یا سونے کا پیوند وغیرہ لگا یا گیا ہو، عورتوں کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، مردوں کے لیے جائز نہیں۔ عورتوں کے لیے بھی جواز اس لیے ہے کہ ان برتنوں کو سونے کا نہیں کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جا سکتا۔ اور آپ کا فرمان ہے کہ ریشم اور سونا میری اُمت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام ہے[1] لیکن وہ برتن جیسے چاندی کی پالش کی گئی ہو چاندی کی تار یا چاندی کا پیوند لگا یا گیا ہو اس کا مردوں عورتوں سب کے لیے استعمال جائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ برتن چاندی کا نہیں کہلا سکتا۔ وباللہ تعالیٰ نتأید، وھو حسبنا و نعم الوکیل!

۲۷۳۔ بعض اعضاء کی طہارت سے معذوری

جو شخص اپنے بعض اعضاء کی طہارت سے عاجز ہو یعنی ہاتھ پاؤں یا ان کا بعض حصہ کٹا ہو تو ان کا حکم ساقط ہو جائے گا اور صرف باقی صحیح سلامت اعضاء کا دھونا ہی فرض ہو گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اذا امرتکم بامر فاتوا منہ ما استطعتم "جب میں تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ"

اگر جسم میں کوئی زخم ہو تو اس کے دھونے کا حکم ساقط ہو جائے گا البتہ باقی جسم یا اعضاء کے دھونے کا حکم باقی رہے گا جیسا کہ ہم نے[2] ذکر کیا، اگر کسی انسان کے ایک یا دونوں ہاتھوں، یا دونوں پاؤں یا چہرہ یا جسم کے دیگر بعض حصوں پر پھوڑے پھنسیاں ہوں اور یہ صورتِ حال کسی مرض کی شکل اختیار کر گئی اور پانی کے استعمال میں حرج ہو تو تیمم کرے کیونکہ مریض کے لیے یہی حکم ہے۔ اگر پانی کے استعمال میں مشقت نہ ہو تو پانی میں ڈبو دے یا اس پر پانی بہا لے۔ یہی کافی ہو گا اور اگر اس کی یہ صورتِ حال باقاعدہ مرض نہ ہو تو جس قدر اعضاء کا دھونا ممکن ہو انہیں دھولے۔ جن اعضاء کے دھونے میں حرج ہو، ان کے دھونے کا حکم ساقط ہو جائے گا، خواہ اعضاء قلیل ہوں یا کثیر، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

یہ جائز نہیں کہ وضو کرتے ہوئے بعض اعضاء کا تیمم کر لیا جائے اور بعض کو دھو لیا جائے اور نہ غسل میں ایسا جائز ہے کیونکہ اس سلسلہ میں نہ کوئی نص ہے اور نہ اجماع، ہاں اس سلسلہ میں صرف ایک صورت ایسی ہے جسے ہم قبل ازیں بھی ذکر کر آئے ہیں[3] اور وہ صورت یہ ہے کہ پانی اس قدر کم ہو کہ اس سے سارے اعضاء کا

---

[1] جب اسے سونا نہیں کہا جا سکتا اور اس بارے میں کتاب و سنت سے کوئی حرمت کی دلیل نہیں تو پھر یہ تفریق کہ عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام ہے کس بنیاد پر۔ اگر حلال ہے تو دونوں کے لیے اور حرام ہے تو دونوں کے لیے (ابو الاشبال پاکستانی)

[3] ملاحظہ فرمایئے اس کتاب کا مسئلہ ۲۴۴ ۶۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وضو یا غسل نہ ہو سکتا ہو۔ وباللہ التوفیق!

۲۷۴۔ مشکوک پانی کا حکم جس شخص کے پاس پانی تو موجود ہو لیکن اسے شک ہو کہ شاید اس میں کتّے نے منہ ڈالا ہے یا نہیں؟ عورت کا بچا ہوا ہے یا نہیں؟ تو بلاشبہ وہ اس سے وضو اور غسل کر سکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ پہلے سے حالتِ طہارت میں ہے اور اس کے ساتھ طہارت جائز ہے لیکن پھر اسے شک ہوا کہ شاید یہ حرام ہے یا نہیں؟ لیکن حق اور یقین کو ظن کے ساتھ ساقط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم : ۲۸)۔ "ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا"

اگر شک کی صورت یہ ہو کہ شاید یہ پانی ہے یا بعض نباتات کا نچوڑ؟ اس صورت میں اس کے ساتھ وضو یا غسل جائز نہیں کیونکہ اس کی بابت اسے کبھی بھی یقین نہیں رہا کہ اس کے ساتھ طہارت جائز ہے۔ وضو اور غسل فرض ہیں اور فرض کی ادائیگی شک کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی کے سامنے دو یا دو سے زیادہ برتن ہوں اور ان میں سے ایک میں تو یقینی طور پر پاک پانی ہو اور باقی سب میں کتّے نے منہ ڈالا ہو یا ایک میں کتّے نے منہ ڈالا ہو اور باقی سب پاک ہوں لیکن وہ یہ تمیز نہ کر سکتا ہو کہ کتّے نے کس برتن میں منہ ڈالا ہے اور کس میں نہیں ڈالا تو جائز ہے کہ جس سے چاہے وضو کرے بشرطیکہ اُسے کسی برتن کے بارے میں یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ غیر طاہر ہے اور اس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر برتن کا پانی انفرادی طور پر دراصل پاک تھا۔ اگر اسے یقین ہو جائے کہ جس پانی کے ساتھ اس نے طہارت حاصل کی ہے، وہ پاک نہیں تھا یعنی اس نے حرام پانی کے ساتھ وضو یا غسل کیا ہے تو اس پر فرض ہو گا کہ دوبارہ طہارت حاصل کرے۔

اگر ان مختلف برتنوں میں ایک ایسا ہو جس میں پانی کے بجائے کوئی عرق وغیرہ ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کس برتن میں ہے، تو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی وضو کرنا حلال نہیں کیونکہ اگر وہ وضو کرے تو اسے یہ یقین نہیں ہو گا کہ اس نے پانی کے ساتھ وضو کیا ہے اور یقین ظن سے نہیں ختم ہوتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق و ھو حسبنا ونعم الوکیل!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وصلی اللہ علی محمد وآلہ وسلم

کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)

۲۷۵۔ نماز کی قسمیں

نماز کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض اور (۲) نفل

فرض نماز وہ ہے، جسے عمداً ترک کرنے سے اللہ عزوجل کی نافرمانی لازم آتی ہو یعنی نماز پنجگانہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر، ان میں سے اگر کوئی نماز بھول جائے یا کسی کی ادائیگی سے قبل سو جائے، تو اس کی ادائیگی اصل نماز کی ادائیگی کے مانند ہی ہے۔

فرض نماز کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جو ہر مسلمان عاقل، بالغ، مرد، عورت، آزاد اور غلام سب پر متعین طور پر فرض ہے یعنی فرض عین اس فرض سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔

(۲) فرض کی دوسری قسم فرض کفایہ ہے، یہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو ادائیگی کے لیے حاضر ہو جائے، جب بعض مسلمان اس فرض کو ادا کر لیں تو باقی سب پر سے فریضہ ساقط ہو جائے گا جیسے نمازِ جنازہ۔

نفل نماز سے مراد وہ نماز ہے، جسے اگر کوئی عمداً ترک کر دے، تو اس سے اللہ عزوجل کی نافرمانی لازم نہ آئے مثلاً وتر، صبح کی سُنتیں، عیدین کی نماز، نمازِ استسقاء، نمازِ کسوف، نماز چاشت، وہ نوافل جن کی فرض نماز سے پہلے یا بعد ادائیگی کی جاتی ہے، نمازِ تراویح، تہجد اور وہ سب نوافل وغیرہ جنہیں آدمی ادا کرتا ہے۔ یہ نمازیں فرض تو نہیں البتہ ان کا ترک ناپسندیدہ ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عقلی طور پر سوچا جائے، تو نماز کی مذکورہ دو قسمیں ہی ہو سکتی ہیں، یعنی جب آدمی کسی چیز کو ترک کر دے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آئے گی یا اس کے ترک سے نافرمانی لازم نہیں آئے گی۔ درمیانی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرض، واجب، حتم، لازم اور مکتوب، ان سب الفاظ کا معنیٰ ایک ہے۔ اسی طرح تطوّع اور نفل کا معنیٰ ایک ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ایک تیسری قسم "واجب" بھی ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: یہ خطاء ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور ایک غیر مفہوم قول ہے کیونکہ اس کا قائل اپنی مراد کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ اس سے کیا مراد ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ان میں سے بعض کی بعض دیگر کی نسبت زیادہ تاکید ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ بعض نوافل کی بھی بعض دیگر کی نسبت زیادہ تاکید ہے لیکن اس کے باوجود وہ نفل ہی ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ یہ واجب کیا چیز ہے؛ فرض ہے یا نفل؛ اس کا تارک گناہگار ہوگا یا نہیں؛ کیونکہ ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت نہیں اگر اس کا تارک گناہگار ہے تو یہ فرض ہوگا اور اگر گناہگار نہیں ہے تو فرض نہیں ہوگا بلکہ نفل ہوگی۔

۲۲۸ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از قتیبہ بن سعید از مالک بن اَنس از ابوسُہیل بن مالک[1] بیان کیا کہ] مالک بن ابی عامر اصبحی سے روایت ہے کہ انہوں نے طلحہ بن عُبیداللہ سے سُنا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے اسلام کے بارہ میں سوال کیا؛ آپؐ نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ آپ نفل پڑھیں ــــ پھر باقی حدیث ذکر کی ہے ــــ جب وہ آدمی واپس لوٹا تو وہ کہتا جا رہا تھا کہ اللہ کی قسم مَیں اس سے کچھ کم کروں گا نہ زیادہ۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہوگیا۔ (بخاری کتاب الایمان وکتاب الصوم وکتاب الشہادات، وترک الحیل مسلم کتاب الایمان ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ وکتاب الایمان والنذور، نسائی کتاب الصلاۃ وکتاب الصوم)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت شدہ یہ نص صریح ہے جو ہمارے قول کی دلیل ہے کہ نمازیں صرف دو ہی قسم کی ہیں۔ ایک فرض اور دوسری نفل، یعنی فرض نمازیں صرف پنجگانہ ہی ہیں اور ان کے علاوہ ساری نفل ہیں۔ اور یہ وہ نص ہے جس سے اختلاف کرنے کی گنجائش کسی شخص کے لیے نہیں ہے۔

---

[1] ابوسُہیل کا نام نافع بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہے، آپ امام مالکؒ بن اَنس کے چچا ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نذر کا پورا کرنا اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ:۱) "اپنے اقراروں کو پورا کرو"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ "جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے، اسے اطاعت کرنی چاہیے"

اُمّت میں سے کسی کا بھی اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں، جو شخص اس سے اختلاف کرے وہ کافر ہے۔

نمازِ جنازہ کے فرضِ کفایہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ "تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھو!"

اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جب کچھ لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں، تو باقی لوگوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ باقی نمازوں کے نفل ہونے کے بارے میں ہمارے سب مخالفین کا بھی اجماع ہے، ہاں وتر کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ واجب ہے بعض متقدمین سے بھی مروی ہے کہ یہ فرض ہے۔

جن لوگوں نے کہا ہے کہ وتر فرض ہے، ان کے خلاف دلیل وہ روایت ہے،

۳۲۹ (جسے ہم نے بسندِ سابقہ یعنی حدیث ۳۲۸ والی سند مسلم تک پھر از حرملہ بن یحییٰ از ابن وہب از یونس بن یزید از ابن شہاب روایت کیا کہ) حضرت انس بن مالکؓ نے حدیثِ اسراء ذکر کی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے میری اُمّت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف تخفیف کے لیے رجوع کرنے کا ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ جب میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اللہ نے فرمایا کہ یہ پانچ ہیں اور ان کا ثواب پچاس کے برابر ہے (مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ)۔ (بخاری، کتاب الانبیاء،

______ مسلم کتاب الایمان، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

یہ اللہ عزوجل کی طرف سے خبر ہے کہ اس حکم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ پانچ نمازوں میں تبدیلی کا اب کوئی امکان نہیں، اس نص کے باعث اس حکم میں نص کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا لہٰذا اس شخص کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قول باطل ہو گیا جو کہتا ہے کہ وتر اور رات کی تہجد فرض ہے اور حسن بصری سے بھی یہی قول مروی ہے۔ علاوہ ازیں

۲۴۰۔ [ہم سے یونس بن عبداللہ از ابو عیسیٰ بن ابی عیسیٰ از احمد بن خالد از ابن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ از حسین بن علی جعفی از زائدہ، از عبدالملک بن عمیر، از محمد بن منتشر، از حمید بن عبدالرحمٰن بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک آدمی نے عرض کیا کہ فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا وہ نماز جو رات کی تنہائیوں میں ادا کی جاتے۔ اس نے پھر عرض کیا رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے اس مہینہ کے روزے، جسے لوگ محرم کہتے ہیں (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصوم، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ و کتاب الصوم)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ نمازِ تہجد فرض نہیں ہے اور وتر بھی نمازِ تہجد کا حصہ ہے لہٰذا یہ بھی فرض نہیں۔ ان دو روایتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے، جو آپ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا تھا کہ "عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ بنو کہ پہلے وہ رات کو قیام کیا کرتا تھا لیکن پھر اس نے قیامِ لیل ترک کر دیا" (بخاری کتاب التہجد)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ فرمایا کہ "عبداللہ بہت اچھے آدمی ہیں، کاش رات کو نماز پڑھیں"!

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جو بطریقِ احمد بن حنبل، از یحیٰی بن سعید قطان، از عبداللہ بن عمر از نافع از ابن عمرؓ مروی ہے کہ وتر کو رات کی نماز کے آخر میں پڑھو (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، اور بخاری میں بھی یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں از یحیٰی از عبیداللہ از نافع از ابن عمرؓ مرفوعاً ہے)۔

نیز آپؐ کا یہ فرمان کہ "صبح سے پہلے پہلے وتر پڑھ لو" اور "اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو"

یہ سب ارشادات ندب پر دال ہیں لہٰذا اس سے ہٹ کر اور کچھ کہنا جائز نہیں!

لیکن یہ حدیث کہ جب کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کے کنارہ پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک لگاتا ہے کہ سوتے رہو ابھی رات بہت لمبی ہے ..... اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب آدمی نماز پڑھ لے تو گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ بھرا از نشاط اور خوش و خرم ہو جاتا ہے، ورنہ خبیث النفس اور سست ہو جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ صبح تک سویا رہا اور نماز کے لیے بیدار نہیں ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ "شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا"

یہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صبح کی نماز کے لیے بیدار ہونا فرض ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور ایک دلیل دوسری دلیل کے مخالف نہیں ہوتی کیونکہ جو دلیل اللہ کی طرف سے ہوتی ہے وہ مختلف فیہ نہیں ہوتی اور نہ ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہے۔

نیز ہم نے از شعبہ، از ابو اسحاق سبیعی، از عاصم بن ضمرہ از حضرت علی بن ابی طالبؓ روایت کیا کہ "وتر حتمی نہیں ہے بلکہ سنت ہے" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

و نیز از سفیان ثوری، از ابو اسحاق، از عاصم، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وتر فرض نہیں ہے، اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے (حوالہ پہلی روایت میں گزر چکا)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے اس شخص کی تکذیب مروی ہے، جو یہ کہتا ہے کہ وتر واجب ہے (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)۔

اور ہم نے از حجاج بن منہال روایت کیا کہ جریر بن حازم نے فرمایا: میں نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے سوال کیا: کیا ابن عمرؓ اپنی سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا جی ہاں اور کیا وتر کو دیگر نوافل کی نسبت کوئی فضیلت حاصل ہے؟ (مختصر قیام اللیل ص ۱۹۷)

نیز ہم نے بطریق ایوب سختیانی از سعید بن جبیر روایت کیا کہ ان سے پوچھا گیا کہ جو شخص صبح تک وتر نہ پڑھ سکے؟ فرمایا وہ کسی دوسرے دن پڑھ لے (مصنف عبد الرزاق ۳: ۹)

و نیز بطریق حضرت قتادہ ہم نے روایت کیا کہ سعید بن مسیّب سے ایک آدمی نے وتر کی بابت سوال کیا تو حضرت سعید نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز پڑھی ہے اگر تم چھوڑ دو تو کوئی حرج نہیں، آپؐ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے، اگر تم چھوڑ دو تو کوئی حرج نہیں، آپ نے دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد پڑھی ہیں، اگر تم نہ پڑھو تو کوئی حرج نہیں (عبد الرزاق ۳: ۳، بیہقی ۲: ۴۶۸)

ابن جریج سے روایت ہے کہ انہوں نے عطاء سے پوچھا "کیا وتر، صبح کی دو رکعتیں یا فرض نمازوں سے آگے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیچے کچھ اور واجب ہے ؛ انہوں نے فرمایا نہیں (عبد الرزاق ۳ : ۳)۔ امام شافعیؒ، داؤد ظاہری اور جمہور متقدمین و متاخرین کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا اگر یہ قول ہے کہ وتر فرض ہے، تو ہم اس قول کا بطلان پہلے ذکر کر آئے ہیں اور اگر آپ کا قول یہ ہے کہ وتر واجب ہے یعنی نہ فرض اور نہ نفل، تو یہ بھی ایک فاسد قول ہے اور اس مسئلہ کے آغاز میں ہم اسے باطل ثابت کر چکے ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وتر فرض تو نہیں ہے البتہ جو ترک کر دے اسے ادب سکھایا جائے گا نیز ترکِ وتر اس کی شہادت کو مجروح کر دیتا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بیّن خطاء ہے کیونکہ ترکِ وتر سے یا معصیتِ الٰہی لازم آتی ہے یا نہیں آتی اگر معصیت لازم آتی ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ فرض کے ترک کے علاوہ اور کسی چیز کے ترک سے معصیت لازم نہیں آسکتی ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وتر فرض ہے حالانکہ امام مالکؒ اس کے قائل نہیں اور اگر کوئی کہے کہ ترکِ وتر سے معصیت لازم نہیں آتی تو یہ سراسر باطل ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے یا اس کی شہادت کو مجروح قرار دیا جائے۔ جو معصیتِ الٰہی کا مرتکب نہ ہو وہ محسن ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ط (التوبہ : ۹۱)　　نیکو کاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ نوافل میں سے وتر کی از حد تاکید آتی ہے، اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہیں، وتر کے بعد نمازِ چاشت اور تحیّۃ المسجد کی دو رکعت کی بہت زیادہ تاکید ہے، علاوہ ازیں جو باجماعت نماز پڑھ چکا ہو اور پھر وہ جماعت کو پائے تو اس جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور نمازِ کسوف اور جمعہ کے بعد چار رکعتوں کی بھی بہت تاکید ہے کیونکہ ان نمازوں کے پڑھنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور جن کا آپؐ نے حکم دیا ہو ان کی تاکید ان کی نسبت زیادہ ہوتی ہے، جن کا آپؐ نے حکم نہ دیا ہو۔

۱۔ ہم نے بطریق مالک، از عامر بن زبیر از عمرو بن سُلیم زُرقی حضرت ابو قتادہ سُلمیؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا مالک کتاب الصلوٰۃ)

۲۔ و نیز از عبد الوارث بن سعید تنوری، از ابو التیاح[1] از ابو عثمان نہدی، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

[1] یہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ مجھے میرے دوست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں ہر مہینے تین روزے رکھا کروں، اشراق کی دو رکعت پڑھا کروں اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں۔ (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ، و نیز بخاری کتاب الصوم)

۳۔ ہم نے از شعبہ، از ابو نعامہ، از عبداللہ بن صامت حضرت ابو ذرؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز بروقت پڑھا کرو، پھر اگر باجماعت نماز مل جاتے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو کیونکہ یہ بہتر زیادتی ہے (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

۴۔ ہم نے از سفیان بن عیینہ، از سہل بن ابی صالح، از پدر او از حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ (بیہقی ۳: ۲۳۹ کچھ اختلاف کے ساتھ)۔

۵۔ بطریق حضرت حسن ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ سورج اور چاند کو کسی کی موت کے باعث گرہن نہیں لگتا، جب تم ان دونوں کو گرہن لگا ہوا دیکھو تو نماز پڑھو حتیٰ کہ گرہن ختم ہو جاتے (بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب اللباس نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۲۳۱ [ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از ابن ایمن از ابن وضاح از حامد بن یحییٰ از سفیان بن عیینہ از سہیل بن ابی صالح از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بعد چار رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ (یہ روایت کچھ اختلاف کے ساتھ صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہے)

ان کے علاوہ دیگر نوافل کے بارے میں کوئی حکم نہیں آیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و ترغیب سے ثابت ہیں۔ ہم نے جو ان کے ترک کو مکروہ سمجھا ہے تو اس لیے کہ یہ نیکی کے کام ہیں اور فرمان الٰہی ہے:

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ (الحج: ۷۷) "اور نیک کام کرو"

۲۷۶۔ نابالغ پر نماز فرض نہیں

نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر نماز فرض نہیں۔ البتہ یہ بات مستحب ہے کہ جب شعور کو پہنچیں تو انہیں نماز سکھا دی جائے ان پر نماز فرض نہ ہونے کی

(حاشیہ صفحہ سابق) ۱؎ ابو التیاح کا نام یزید بن حمید ہے اور ابو عثمان نہدی کا نام عبدالرحمٰن بن مل ہے یمنی نسخہ میں ابو التیاح اور ابو عثمان الهزلی ہے جو کہ خطا محض ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلیل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمان ہے کہ "تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، ان میں آپ نے بچّے کا بھی ذکر کیا حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے" یہ حدیث پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ اور نماز سکھانے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابن عباسؓ کو بلوغت سے قبل نماز کے بعض احکام سکھائے اور انہیں نماز کے لیے امام مقرر کیا۔ مُستحب یہ ہے کہ سات سال کے بچّے کو نماز کی مشق کرائی جائے اور جب بچّہ دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا باقاعدہ ادب سکھایا جائے۔ اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

۳۳۲ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن الاعرابی از ابو داؤد از محمد بن عیسٰی از ابراہیم بن سعد از عبدالملک بن ربیع بن سَبرہ، از پدرِ خود، از جدِ خود بیان کیا کہ] آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بچّہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو (نہ پڑھنے کے باعث) مارو۔ (ابو داؤد، ترمذی کتابُ الصّلوٰۃ)

۲۷۷۔ کن حالات میں فرض نماز ساقط ہو جاتی ہے؟

مجنون، بے ہوش اور حیض و نفاس والی عورت پر نماز فرض نہیں ہے۔ ان کے ذمّہ قضا بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر مجنون و بے ہوش کو اس وقت افاقہ ہو، نیز حیض و نفاس والی عورت اُس وقت پاک ہو کہ طہارت کے بعد ابھی تک نماز کا وقت ہو تو اُس نماز کو پڑھنا ان کے لیے فرض ہوگا۔ اس کی دلیل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہ فرمان ہے کہ "تین شخص مرفوع القلم ہیں" ان میں آپ نے مجنون کو بھی شمار کیا حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے۔ حیض و نفاس والی عورت کو بھی ان ایّام کی نمازوں کی قضا نہیں دینا پڑتی، اس پر یقینی طور پر اجماعِ اُمّت ہے۔

بے ہوش کے بارے میں حضرت عمّار بن یاسرؓ، عطاء، مجاہد، ابراہیم، حماد بن ابی سُلیمان اور قتادہ سے روایت ہے کہ بے ہوش آدمی قضا نہ دے (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۶۸ و ۲۶۹)، سفیان فرماتے ہیں کہ اگر غروبِ آفتاب کے وقت ہوش میں آئے تو صرف ظہر اور عصر کی قضا دے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر پانچ نمازیں بے ہوشی میں

لہ ابو داؤد ج ۱ ص ۱۸۵، ترمذی، ج ۱ ص ۸۳۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے، ابو داؤد نے اس کے ہم معنی عبداللہ بن عمروؓ بن عاص سے بھی روایت ذکر کی ہے۔ اس روایت کی سند میں راوی سَبرہ، ابن معبد جُہنی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کے باپ کا نام عوسجہ ہے۔ آپ صحابی ہیں، غزوۂ خندق میں حاضر ہوئے اور حضرت مُعاویہؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گزریں تو ان کی قضا دے اور اگر پانچ سے زیادہ گزریں تو پھر ان کی قضا نہ دے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول حد درجہ فاسد ہے کیونکہ آپ نے جو فرمایا ہے اس کی تائید میں کوئی نص یا قیاس ذکر نہیں کیا۔ آپ کے قول کے مطابق اگر کوئی چھ نمازوں میں بے ہوش رہا تو اس کے ذمہ قضا نہیں لیکن اگر کوئی پانچ نمازوں میں بے ہوش رہا تو اس کے ذمہ قضا ہے یعنی آپ نے نہ تو بے ہوش کو بے ہوش پر قیاس کیا کہ قضا کو ساقط قرار دے دیتے اور نہ بے ہوش کو سونے والے پر قیاس کیا کہ قضا کا وجوب باقی رکھتے۔

حضرت ابن عمرؓ سے حضرت عمارؓ کے قول کے خلاف مروی ہے حضرت عمارؓ سے جو روایت ہے وہ بھی یہ کہ وہ چار نمازوں میں بے ہوش رہے، تو آپ نے ان کی قضا دی۔

جیسا کہ از عبدالرزاق از ابن جُریج از نافع روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو ایک بار اس قدر شدت کی تکلیف تھی کہ آپ بے ہوش ہو گئے حتیٰ کہ آپ نے نماز ترک کر دی اور جب ہوش میں آئے تو آپ نے اس متروکہ نماز کو نہ پڑھا (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۷۸)۔ عبداللہ بن عمرؓ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر ایک دن رات بے ہوش رہے اور اس عرصہ میں فوت شدہ نمازوں کی آپ نے قضا نہ دی (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۷۹ مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۷۰)۔

ابن جُریج، ابن طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے باپ سے کہ مریض جب بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئے تو نمازوں کی قضا نہ دے۔ معمر کہتے ہیں کہ میں نے امام زہریؒ سے بے ہوش کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ قضا نہ دے (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۷۹)

حماد بن سلمہ، یونس بن عُبَید کے حوالہ سے حضرت حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بے ہوش کی بابت فرمایا کہ جس نماز کے وقت اسے ہوش آیا ہو، اس کی قضا نہ دے۔

حماد کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن بہدلہ سے پوچھا کہ آپ نے بے ہوشی کے دور کی نمازوں کو پڑھا انہوں نے فرمایا نہیں انہیں نہیں پڑھا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ بے ہوش چونکہ عقل و فہم سے عاری ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے حکم مرفوع ہو جاتا ہے یعنی جب دوسرے لوگوں پر نماز کی ادائیگی فرض ہوتی ہے، ان مذکورہ لوگوں پر فرض نہیں ہوتی لہٰذا اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر وقت میں ادائیگی جائز نہیں ہوتی کیونکہ اصل وقت میں اسے حکم ہی نہ تھا اور جس نماز کا من جانب اللہ حکم نہ ہو وہ فرض نہیں ہوتی۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

۲۷۸۔ اِن لوگوں پر نماز فرض ہے

اگر کوئی شخص حالتِ سُکر (نشہ) میں ہو حتی کہ نماز کا وقت ختم ہو جائے، یا نیند یا نسیان کے باعث نماز کا وقت ختم ہو جائے تو ان لوگوں پر نماز کی ادائیگی بہر حال فرض ہے نشہ کی بابت فرمانِ الٰہی ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النّسآء: ۴۳)

"جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو مُنہ سے کہو سمجھنے نہ لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ"

یعنی نشہ والے کے لیے اللہ تعالی نے اس وقت تک نماز پڑھنا جائز قرار نہیں دیا حتی کہ اسے یہ معلوم ہونے لگ جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

۳۲۳ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شعیب از قُتیبہ بن سعید از حماد بن زید از ثابت بُنانی از عبداللہ بن رباح بیان کیا کہ] حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ فاذا نسی احدکم صلوٰۃً اونام عنہا فلیصلّہا اذا ذکرھا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

"کوتاہی وہ نہیں جو حالتِ نیند میں سرزد ہو بلکہ کوتاہی وہ ہے جو عالمِ بیداری میں ہو لہٰذا جب تم میں سے کوئی کسی نماز کو بھول جائے یا ادائیگی سے قبل سو جائے تو وہ اس وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے"

یہ روایت بطریقِ انسؓ بھی مسنداً مروی ہے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ) اور اس پر یقینی اجماع ہے!

۲۷۹۔ جو شخص عمداً نماز ترک کر دے

جس شخص نے عمداً کوئی نماز ترک کر دی حتی کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا تو یہ اس کی قضا پر کبھی بھی قادر نہیں ہو سکتا، اسے دیگر نیک اعمال اور نوافل بکثرت ادا کرنے چاہییں تاکہ روزِ قیامت اس کی میزان وزنی ہو، نیز اسے توبہ و استغفار بکثرت کرنی چاہیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عمداً کسی نماز کو ترک کر دیا حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو گیا تو وہ اگلی نمازوں کے قبل اس کی قضا کرے۔ امام مالکؒ و ابوحنیفہؒ زیادہ نمازوں کی بابت بھی یہی کہتے ہیں یعنی وہ اگلی نماز کے وقت اس سے پہلے پہلے پڑھ لے خواہ متروکہ نمازیں پانچ ہوں یا ان سے کم اور خواہ ان کی ادائیگی میں مصروفیت کے باعث حاضر نماز کا وقت ختم ہو یا ختم نہ ہو اور اگر متروکہ نمازیں پانچ سے زیادہ ہوں تو پہلے حاضر نماز کو پڑھے۔

ہمارے قول کے صحیح ہونے کی دلیل درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۴-۵)

"تو ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔"

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم: ۵۹)

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑ دیا گویا اسے کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے، سو عنقریب ان کو گمراہی کی سزا ملے گی۔"

ہمارا استدلال ان آیات سے یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کی خروجِ وقت کے بعد نماز درست ہوتی تو اس کے لیے یہ تباہی و بربادی کی نوید کیوں ہوتی اور وہ جہنم رسید کیوں ہوتا کیونکہ ویل وغیّ اُس شخص کے لیے نہیں ہیں جو نماز کی آخر وقت میں ادائیگی کرتا ہے کیونکہ وہ تو بہرصورت ادائیگی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہر فرض نماز کے لیے وقت مقرر کیا ہے جس کا باقاعدہ آغاز اور اختتام ہے۔ اس متعیّن وقت میں اگر ادائیگی نہ کی جائے تو پھر کسی دوسرے وقت میں اس کی ادائیگی باطل ہوتی ہے یعنی جو شخص قبل از وقت پڑھے یا بعد از وقت دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں نے بے وقت پڑھی ہے، ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ رہے بلکہ ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حدودِ الٰہی کی خلاف ورزی میں یہ دونوں یکساں ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق : ۱)

"جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

علاوہ ازیں قضا ایک شرعی فریضہ ہے اور شریعت صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی مقرر کی ہے تو جو شخص قصداً نماز ترک کرنے والے پر قضا کو فرض قرار دیتا ہے، ہم اس سے پوچھیں گے کہ یہ بتاؤ کہ جس نماز کے ادا کرنے کا آپ اسے حکم دے رہے ہیں کیا یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا یا کوئی اور ہے؟ اگر یہ کہیں کہ یہ وہی ہے تو ہم عرض کریں گے کہ قصداً نماز ترک کرنے والا گویا عاصی نہیں ہے کیونکہ اس نے امر الٰہی کو سرانجام دیا ہے اور پھر تمہارے قول کے بموجب تو اس شخص پر کوئی گناہ یا ملامت نہیں ہے جو نماز کو قصداً اس حد تک ترک کیے رکھتا ہے حتیٰ کہ وقت ختم ہو جاتا ہے حالانکہ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہیں۔

اگر یہ کہیں کہ یہ وہ نماز نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو ہم عرض کریں گے کہ آپ سچ کہتے ہیں اور آپ کا یہ اعتراف ہی کافی ہے کیونکہ اس طرح آپ نے اعتراف کر لیا کہ اسے ایسے حکم کا پابند کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے۔ پھر ہم ان سے یہ بھی پوچھیں گے کہ وقت کے بعد نماز کو قصداً ترک کرنا اطاعت ہے یا معصیت؟ اگر یہ کہیں کہ اطاعت ہے تو ہم عرض کریں گے کہ اس سے تو تمام اہلِ اسلام کے اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے نیز قرآن اور سُننِ ثابتہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ اطاعت نہیں بلکہ معصیت ہے تو ہم عرض کرینگے کہ یہ بالکل سچ ہے لہٰذا یہ باطل ہے کہ معصیت کا کوئی کام کسی امرِ اطاعت کا قائم مقام ہو سکے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی زبانی تمام اوقاتِ نماز کی حد بندی کر دی ہے ہر نماز کا ایک اوّل وقت رکھا ہے کہ اس سے پہلے اس نماز کو ادا نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح ہر نماز کا ایک آخر وقت ہے کہ اس کے بعد اسے ادا نہیں کیا جا سکتا اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اُمت میں سے کسی فرد کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر بعد از وقت بھی نماز کی ادائیگی درست ہوتی تو وقت کی آخری حد مقرر کرنے کے کیا معنی؟ یعنی وقت کی آخری حد مقرر کر دینا گویا ایک لغو کلام ہُوا اور اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف کسی لغو کلام کو منسوب کیا جاتے۔

ہر عمل کو ایک محدود وقت کے ساتھ معلق کیا گیا ہے، جسے غیر وقت میں سرانجام دینا صحیح نہیں۔ اگر غیر وقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں صحیح ہو تو پھر وقتِ مقررہ گویا وقت ہی نہیں ہے اور یہ ایک بیّن امر ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے بعد از وقت نماز کو جائز قرار کیوں دیا حالانکہ قبل از وقت ادائیگی کو آپ جائز قرار نہیں دیتے؟ اگر یہ حضرات اجماع کا دعویٰ کریں تو یہ غلط ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ قبل از وقت نماز کے جواز کے قائل ہیں۔ حنفی، شافعی اور مالکی قبل از وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اہلِ ارتداد سے جو جہاد کیا تو یہ اس لیے کہ آپ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے میں اس کے خلاف جہاد کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے یہاں ان حضرات نے زکوٰۃ اور نماز کے حکم کے درمیان فرق کیا ہے۔ یاللعجب! اگر یہ حضرات نص یا نظر کے اعتبار سے فرق کا دعویٰ کریں تو اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

اگر یہ حضرات اعتراض کریں کہ تم لوگ بھولنے والے، سونے والے اور نشہ والے کو ہمیشہ اجازت دیتے ہو کہ وہ نمازوں کی قضا دے سکتے ہیں، تو یہ تمہارے وقت کے تعیّن کے سلسلہ میں قول کے خلاف ہے؟

ہم عرض کریں گے کہ بھولنے والے، سونے والے اور نشہ والے کے لیے نماز کا وقت ہمیشہ دراز رہتا ہے اور ختم ہوتا ہی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ جس وقت تک چاہیں نماز کو مؤخر کرکے پڑھ لیں۔ تاخیر کے باعث گناہگار نہیں ہوں گے۔

تمام احکامِ الٰہی تین قسموں میں منقسم ہیں، چوتھی کوئی قسم نہیں (۱) پہلی قسم اُن احکام کی ہے جو وقت کے ساتھ معلق نہیں ہیں۔ انہیں جب بھی ادا کر دیا جائے جائز ہے مثلاً جہاد، عمرہ، نفلی صدقہ، دعا وغیرہ۔ اگرچہ انہیں جب بھی ادا کیا جائے جائز ہے لیکن جلد ادائیگی کرنا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا ...... (آلِ عمران: ۱۳۳)

"اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض (آسمان اور زمین کے برابر ہے)"

(۲) دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کے اوّل وقت کی تو حد بندی کی گئی ہے لیکن آخر وقت کی کوئی حد مقرر نہیں جیسا کہ زکوٰۃ، اس کی قبل از وقت ادائیگی جائز نہیں، وجوب کے بعد یہ فریضہ ساقط نہیں ہو سکتا۔ اس کے آخری وقت کی اگرچہ کوئی حد مقرر نہیں ہے، تاہم ادائیگی میں جلدی کرنا مذکورہ دلیل کے باعث افضل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۳) تیسری قسم ان احکام کی ہے، جن کے لیے وقت کے اوّل و آخر کی حد مقرر کر دی گئی ہے، ان احکام کی ادائیگی نہ قبل از وقت جائز ہے اور نہ بعد از وقت۔ اوّل، اوسط اور آخر وقت میں سے ہر وقت جائز ہے، مثلاً نماز، حج اور رمضان کے روزے۔

ہم اپنے مخالفین سے عرض کریں گے کہ آپ نے اس بارے میں تو ہمارے ساتھ اتفاق فرمایا کہ فریضۂ حج کی ادائیگی مقررہ وقت کے علاوہ اور کسی وقت درست نہیں، روزہ بھی دن کے علاوہ اور کسی وقت جائز نہیں لیکن نماز کے بارے میں آپ نے یہ کیسے جائز قرار دے دیا کہ یہ وقت کے بعد بھی جائز ہے حالانکہ ان میں سے ہر حکم کے لیے وقت مقرر ہے جس کا باقاعدہ آغاز و اختتام ہے۔

اگر یہ حضرات کہیں کہ عمداً نماز مؤخر کرنے والے کو ہم بھولنے والے پر قیاس کر لیتے ہیں، تو ہم عرض کریں گے کہ قیاس سب کا سب باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت حق بھی ہو تو یہ جو تم نے پیش کی ہے یہ بالکل باطل ہے کیونکہ اصحابِ قیاس کے نزدیک قیاس یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی نظیر پر محمول کر لیا جائے۔ کسی چیز کو اس کی ضد پر محمول کرنے کو قیاس نہیں کہتے، اہلِ قیاس میں سے کسی کو بھی اس بات سے اختلاف نہیں ہو سکتا بلکہ جو حضرات قیاس کے قائل نہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کا اس کی ضد پر قیاس کرنا جائز نہیں گویا اس بات پر اجماع ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قصد و ارادہ، نسیان کی ضد ہے معصیت، اطاعت کی ضد ہے بلکہ اسے حج پر قیاس کرنا زیادہ بہتر تھا بشرطیکہ قیاس حق ہو۔ حنفی اور مالکی وجوبِ کفّارہ کے سلسلہ میں قصد و ارادہ سے جھوٹی قسم کھانے والے کو اس شخص پر قیاس نہیں کرتے جو قصد و ارادہ سے جھوٹی قسم نہ کھانے والا ہو، بلکہ قصداً جھوٹ بولنے والے سے یہ کفّارہ کو ساقط قرار دے دیتے ہیں اور غیر ارادی طور پر جھوٹی قسم کھانے والے پر کفّارہ واجب قرار دیتے ہیں، اسی طرح یہ حضرات قصد و ارادہ سے قتل کرنے والے کو وجوبِ کفّارہ کے سلسلہ میں غلطی سے قتل کرنے والے پر قیاس نہیں کرتے بلکہ قصد و ارادہ سے قتل کرنے والے سے کفّارہ کو ساقط قرار دے دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات مُرتد کے لیے نمازوں کی قضا کے قائل نہیں پس یہ ایک تناقض ہے جو مخفی نہیں اور دعویٰ بے دلیل ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق!

قصد و ارادہ سے نماز کو اس حد تک ترک کروانے کے لیے (حتیٰ کہ وقت ہی ختم ہو جاتے) اگر قضا واجب ہوتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان فرما دیتے کبھی نہ بھولتے اور اس کے بیان کو ترک کر کے ہمیں کبھی مشکل میں مبتلا نہ کرتے (وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا)۔ پس ہر وہ حکم جو قرآن و سنت سے ثابت نہیں وہ باطل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "من فاتتہ صلوٰۃ العصر فکانما وتر اھلہ ومالہ" یعنی جس کی نمازِ عصر فوت ہو گئی تو گویا اس کا اہل و مال تباہ ہو گیا" تو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز فوت ہو جاتے، اس کے دوبارہ حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اور اگر دوبارہ حصول کی کوئی سبیل ہو تو وہ فوت شدہ نہیں ہے، جیسا کہ بھولی ہوئی نماز فوت نہیں ہوتی۔ اس بات پر پوری اُمت کا قولاً اور حکماً اجماع ہے کہ جب نماز کا وقت ختم ہو جائے تو وہ فوت ہو جاتی ہے۔ اگر اس کی قضا یا ادائیگی ممکن ہوتی تو اسے فوت شدہ قرار دینا کذب و باطل ہوتا تو یقینی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ فوت شدہ نماز کی قضا ممکن ہی نہیں ہے۔

ہمارے اس قول کے مطابق جن حضرات کا قول ہے، ان میں سے حضرت عمر بن خطابؓ، آپ کے صاحبزادے عبداللہ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن مسعودؓ، قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ، بُدیل عُقیلیؒ، محمد بن سیرینؒ، مطرف بن عبداللہ اور عمر بن عبدالعزیزؒ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

ہم نے بطریقِ شعبہ از یعلیٰ بن عطاء، عبداللہ بن خراش[1] سے روایت کیا کہ حضرت ابنِ عمرؓ نے ایک شخص کو ایک صحیفہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا پڑھنے والے! جو شخص بر وقت نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی لہٰذا پہلے نماز پڑھ لو پھر جو جی چاہے پڑھنا (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم فی ضمن مجموعۃ الحدیث ص۵۰۶)

ابراہیم بن منذر حزامی اپنے چچا ضحاک بن عثمان[2] سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے

---

[1] غالباً یہاں عبداللہ بن خراش سے مراد الکعبی ہیں یعنی عبداللہ بن خراش الکعبی ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (ج ۲، ق ۲ ص ۴۶) میں ان کا مختصر ترجمہ دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ کعبی حضرت ابوہریرہؓ اور کعب احبار سے روایت کرتے ہیں۔

[2] ضحاک بن عثمان نامی شخص دو ہیں ایک تو ضحاک بن عثمان بن عبداللہ بن خالد بن حزام بن خویلد بن اسد، یہاں یہ مراد نہیں کیونکہ یہ قدیم ہیں اور ابراہیم کے چچا ہیں بلکہ ان کے دادا کے چچا ہیں یہاں جو مراد ہیں وہ پہلے ضحاک کا پوتا ہے یعنی ضحاک بن عثمان بن ضحاک،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقام جابیہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ خبردار نماز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ نے شرط یہ لگائی ہے کہ اس وقتِ مقررہ کے علاوہ اور کسی وقت نماز درست نہیں۔

بطریقِ محمد بن مثنیٰ از عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابونضرہ، از سالم بن جبعد از حضرت سلیمان صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے کہ نماز ایک میزان و ترازو ہے، جس نے پورا تولا، اسے پورا اجر و ثواب ملے گا اور جس نے کمی کی تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کمی کرنے والوں کے بارے میں کیا کہا گیا ہے (عبدالرزاق ۲: ۳۷۳ والدولابی ۲: ۱۴۱)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ جس نے نماز کو وقت سے مؤخر کر دیا اس نے کمی کی ہے۔

بطریقِ وکیع، از سفیان ثوری، از عاصم بن ابی النجود، از مصعب بن سعد بن ابی وقاصؓ از حضرت سعدؓ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمانِ باری تعالیٰ:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۔ (الماعون: ۵)

"جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں"

کے بارے میں فرمایا کہ اس میں "سہو" سے مراد وقت کی عدمِ پابندی ہے (مصنف ابن ابی شیبہؒ ۱: ۳۱۶ و کشف الاستار ۱: ۱۹۸)[1]۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک بعد از وقت نماز جائز ہوتی تو اس کے لیے تباہی و بربادی کی نوید نہ ہوتی!

اور بسند سابق یعنی[2] . . . از وکیع از مسعودی از قاسم بن عبدالرحمٰن و حسن بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت

اصحابِ مالکؒ میں سے ہیں ابراہیم بن منذر کے حقیقی چچا نہیں بلکہ کلالہ کے چچا ہیں کیونکہ ابراہیم یعنی بن منذر بن عبداللہ بن منذر بن مغیرہ بن عبداللہ بن خالد بن حزام بن خویلد ضحاک ثانی یعنی جو پوتا ہے اس سے روایت کرنے میں معروف ہیں بہرحال یہ اثر منقطع ہے کیونکہ ضحاک اوّل ۱۵۳ھ میں اور ضحاک ثانی ۱۸۰ھ میں فوت ہوا، ان میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کو نہیں پایا۔

[1] طبری نے ج ۳ ص ۲۰۱ میں اسے بطریق وکیع ذکر کیا ہے اور اسے مصعب بن سعد کا کلام قرار دیا ہے نیز کئی دیگر طرق سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ :

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ (المعارج : ۲۳)

"جو نماز کا التزام رکھتے اور بلا ناغہ پڑھتے ہیں"

اور

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (المومنون : ۹)

"اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں"

سے کیا مُراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ان آیات سے مراد اوقاتِ نماز کی پابندی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا خیال تو یہ تھا کہ شاید ان آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نماز ترک نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا: نہیں یہ مراد نہیں کیونکہ ترکِ صلوٰۃ سے تو کفر لازم آتا ہے۔ (طبرانی کبیر ۹ : ۲۱۴، سیوطی تفسیر درمنثور ۵ : ۵، طبری ۱۶ : ۷۴، مجمع الزوائد ۷ : ۱۲۹)۔

بطریقِ محمد بن مثنیٰ از عبد الاعلیٰ از سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ روایت ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ نماز کے لیے وقت اسی طرح مقرر ہے لہٰذا بروقت نماز پڑھا کرو۔ (مصنف عبدالرزاق ۱ : ۵۳۵،

بطریقِ محمد بن مثنیٰ از عبدالرحمٰن بن مہدی از حماد بن زید از یحییٰ بن عتیق روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے سُنا کہ نماز کے لیے وقت و حد مقرر ہے، جو شخص قبل از وقت نماز پڑھتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے جو بعد از وقت پڑھتا ہے۔

بطریقِ سحنون، از ابنِ قاسم روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے مجھے خبر دی کہ بنو امیہ جب نمازوں

حضرت مصعب عن ابیہ کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے۔

ؔ (صفحہ سابق) محلّٰی مطبوعہ و مخطوطہ دونوں میں خلل ہے غالباً اس سے قبل کی کچھ عبارتیں چھوٹ گئی ہیں۔

ؔ اس مقام پر محلّٰی کے قلمی نسخوں میں شدید اختلاف واقع ہے جیسا کہ احمد شاکر نے حاشیہ میں واضح کیا ہے: قاسم سے مراد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود ہیں جو مسعودی کبیر ہیں اور ان سے راوی وکیع کے اُستاد یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود مسعودی ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو بہت تاخیر سے پڑھنے لگے تو قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ گھر نماز پڑھ لیا کرتے تھے پھر مسجد میں آکر ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں جب آپ سے گفتگو کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ دو دفعہ نماز پڑھنا، نہ پڑھنے کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے (مدوّنہ امام مالکؒ ج ۱ ص ۸۷)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ واضح ہے کہ پہلی نماز آپ جو پڑھتے تھے وہ فرض اور دوسری نفل ہوتی تھی لہٰذا یہ دونوں نمازیں صحیح ہیں کیونکہ بعد از وقت تو کوئی نماز، نماز ہی نہیں بلکہ کچھ بھی نہیں۔

اسد بن موسیٰ، مروان بن معاویہ فزاری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں پر یہ عیب لگاتے ہوئے فرمایا:

أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم: ۵۹)

"جنہوں نے نماز کو کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے، سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی"

اس آیت میں ان کا نماز کو ضائع کرنا سے اسے ترک کر دینا مراد نہیں ہے کیونکہ اگر وہ ترک کر دیتے تو کافر ہو جاتے بلکہ وہ نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے تھے[۱]

بطریق عبدالرزاق از معمر از بُدَیل عقیلی روایت ہے کہ بندہ جب ہر وقت نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز اوپر چڑھتی ہے اور اس سے آسمان میں نور پھیل جاتا ہے اور کہتی ہے کہ تُو نے میری حفاظت کی، اللہ تیری حفاظت کرے۔ جب بغیر وقت کے پڑھے تو اسے لپیٹ دیا جاتا ہے جیسا کہ پُرانے کپڑے کو لپیٹا جاتا ہے اور اسے اس کے مُنہ پر مارا جاتا ہے۔ تعجّب کی بات ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا جو یہ قول ہے کہ جو بروقت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نماز کامل نہیں۔ کچھ دوسرے لوگوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد:

"جو شخص رکوع و سجود میں اپنی پُشت سیدھی نہ کرے، اس کی نماز نہیں" (مُسند امام احمد ۴: ۲۳، ابن ماجہ

---

[۱] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اسی کے ہم معنی قول سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ لابن الجوزی ص ۸۶ اور تفسیر طبری ج ۱۶ ص ۷۴ میں موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الصلوٰۃ، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۳۶۹، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ پہلی روایت علی بن شیبان سے مروی ہے اور دوسری روایت ابومسعود انصاری سے مروی ہے)

نیز یہ حدیث کہ

"جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابوعوانہ ابن ابی شیبہ، ابن جارود، دارقطنی، امام شافعی کتاب الام طبرانی فی الصغیر ص ۴۲ - احمد ۵: ۳۱۴، ۳۲۱، ۳۲۲) سے بھی یہی مراد لیا ہے کہ اس کی نماز کامل نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ جو تم نے دعویٰ کیا ہے تو کیوں؟ اگر یہ کہیں کہ کلام عرب میں یہ طرز کلام مروج ہے، ہم عرض کریں گے کہ کلام عرب میں جو رواج ہے وہ یہ کہ "لا" بالکل نفی کے لیے ہے، ہاں اگر کوئی نص یا حسی ضرورت درپیش ہو تو الگ بات ہے۔

پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جو تم نے کہا ہے، یہ درست ہے تو پھر بھی یہ ہماری دلیل ہے اور ہمارے قول کے مطابق ہے کیونکہ ہر نماز جو غیر کامل اور نا تمام ہو وہ ساری کی ساری باطل ہے اور اس میں ہمارا یا تمہارا کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اگر یہ کہیں کہ اس کا تعلق نقص فرائض سے ہے، ہم عرض کریں گے کہ وقت بھی فرائض نماز سے ہے اور اس پر ہمارا، تمہارا اور ہر مسلمان کا اجماع ہے پس یہ نماز ہے جس میں اس نے ایک فرض جان بوجھ کر ترک کر دیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ ذکر کیا حضرات صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس کے مخالف نہیں اور یہ حضرات صحابی کی مخالفت پر صرف اس وقت طعن تشنیع کرتے ہیں جب ان کی خواہشات کے موافق ہو۔

حضرت عمرؓ، معاذؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اور ابوہریرۃؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کا یہی موقف تھا کہ جو شخص قصد و ارادہ سے ایک بھی فرض نماز چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو جائے، وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔

اور یہ لوگ یعنی حنفی اور مالکی مرتد کی اس نماز کی قضا کے قائل نہیں جس کا وقت ختم ہو گیا ہو، یہ صحابہ کرام بھی اس شخص کے لیے قضا کے قائل نہیں، جو اپنے قصد و ارادہ سے نماز ترک کر دے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ بھی نماز کے مخاطب ہیں، نماز کو مؤخر کرنے کے سلسلہ میں ان کا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عذر بھی قابلِ قبول نہیں خواہ جہاد و قتال ہو یا خوف یا شدّتِ مرض ہو یا سفر درپیش ہو کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ (النساء: ۱۰۲)

"اور (اے پیغمبرؐ) جب تم اُن (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی رہے۔"

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا۔ (البقرہ: ۲۳۹)

"اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو)"

اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قطعاً اجازت نہیں دی کہ نماز کو اس قدر مؤخر کر دیا جائے حتیٰ کہ وقت ہی ختم ہو جائے حتیٰ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میدانِ جنگ میں بھی نماز کو مؤخر نہیں کیا بلکہ آپ نے مجاہدین کے دو گروہ بنا دیئے تھے، نماز وقت پر ہی ادا فرمائی خواہ اس سلسلہ میں غیر قبلہ ہی کی طرف رُخ کرنا پڑا جیسا کہ ہم ان شاء اللہ "صلوٰۃ الخوف" کے باب میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انتہائی مجبور و لاچار مریض کے لیے بھی وقت سے مؤخر کر کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہاں یہ اجازت دے دی ہے کہ اگر مریض کھڑے ہونے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھ کر پڑھنے سے عاجز ہو تو لیٹ کر پڑھ لے، پانی کے استعمال سے عاجز ہو تو تیمم کر کے پڑھ لے، اگر مٹی نہ ملے تو بغیر تیمم ہی کے پڑھ لے، تو جن حضرات نے یہ اجازت دی ہے کہ قصد و ارادہ سے نماز ترک کرنے والا بعد از وقت پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی، معلوم نہیں انہوں نے یہ اجازت کہاں سے لی ہے؟ حالانکہ قرآن، سُنّت (صحیح ہو یا سقیم) صحابی کے قول اور قیاس سے تو ایسی اجازت معلوم نہیں ہوتی۔

بعض حضرات نے تو اس قدر جسارت کی ہے کہ یہاں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جنگِ خندق کے دن ظہر و عصر کی نمازیں بعد از غروبِ آفتاب پڑھنے کا ذکر کر دیا ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قصد و ارادہ سے ان نمازوں کو ترک کیا تھا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ایسا کہنا صریحاً کفر ہے کیونکہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرات اس بارے میں ہمارے ساتھ متفق ہیں اور اُمت میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں کہ جو شخص قصداً ارادہ سے نماز کو اس حد تک ترک کر دے کہ وقت ہی ختم ہو جائے، وہ فاسق ہو جاتا ہے، اس کی شہادت ناقابل قبول اور وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ایسی بات کہتا ہے تو وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کافر، مشرک اور مرتد ہے، اس کا مال بھی مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور خون بھی! مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔

بعض نے ارشاد باری تعالیٰ:

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿طٰہٰ: ۱۴﴾ "اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان

خمس صلوات کتبھن اللہ تعالیٰ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، دارمی، مالک، احمد)

"پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دی ہیں"

کو یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے نماز کا وجوب ثابت ہوتا ہے لہٰذا اس کا سقوط نص یا اجماع کی دلیل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کا ایک باقاعدہ وقت مقرر فرمایا ہے جس کا آغاز بھی ہے اختتام بھی کہ نہ آغاز وقت سے پہلے نماز کی ادائیگی درست ہے اور نہ اختتام کے بعد! لہٰذا جو شخص اس آیت و خبر کے عموم سے استدلال کرتا ہے، اسے چاہیے کہ قبل از وقت یا بعد از وقت نماز پڑھ لیا کرے حالانکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے مقرر کرنے کے خلاف ہے۔

بعض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جو حضرت انسؓ کے طریق سے مروی ہے کہ فتح تُستر[1] کی

---

[1] تُستر خوزستان کا سب سے بڑا شہر ہے، یہ لفظ شوشتر کی تعریب ہے، اس کے معنی اَطیب و احسن کے ہیں جیسا کہ یاقوت نے کہا سنہ ۱۶ھ یا ۱۷ھ میں یہ شہر فتح ہُوا، حضرت انسؓ کا یہ اثر فتح الباری ج ۲، ص ۳۶۲) میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صبح لڑائی بڑی شدت اختیار کر گئی تھی لہٰذا مجاہدین طلوعِ آفتاب کے بعد ہی نماز پڑھ سکے (بخاری کتاب صلوٰۃ الخوف فی باب الصلوٰۃ عند مناہضۃ الحصون۔ فتح الباری ۲: ۳۶۱ و ۳۶۲، البدایہ والنہایہ ۷: ۸۶)۔

لیکن یہ خبر صحیح نہیں کیونکہ اسے مکحول نے روایت کیا ہے اور انہوں نے حضرت انسؓ کو نہیں پایا[1]، پھر اگر اس خبر کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ انہوں نے یہ پہچانتے ہوئے نماز کو ترک کیا کہ وقت ختم ہو رہا ہے بلکہ وہ بلاشک وشبہ بھول گئے تھے کیونکہ عام مسلمانوں کے بارہ میں بھی اچھا ظن رکھنا چاہیئے صحابہ کرام کی شان تو عام مسلمانوں سے بہت ہی بلند ہے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ کو نماز یاد ہوتی، تو وہ صلوٰۃِ خوف پڑھ لیتے جیسا کہ حکم الٰہی ہے یا پیادہ اور سوار ہو کر پڑھ لیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لازم قرار دیا ہے اس کے علاوہ اور کچھ کہنا جائز نہیں! وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۸۰۔ ترکِ نماز کے باعث توبہ و استغفار

ہم نے جو یہ کہا کہ جو شخص قصد و ارادہ سے نماز کو اس حد تک ترک کر دے کہ وقت ہی ختم ہو جائے، وہ استغفار کرے اور بکثرت نوافل پڑھے، تو یہ اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ۔ (مریم: ۵۹-۶۰)

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے (یعنی وقت سے بے وقت کر کے پڑھا) سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کیے تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔"

---

[1] ابن حزم کی یہ بات مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ ابن ابی حاتم نے "مراسیل" ص ۷۷ میں لکھا ہے "حدثنا ابی قال سألت ابا مسهر هل سمع مكحول من احد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال ما صح عندنا الا انس بن مالك" اسی طرح ابن حجرؒ نے تہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۰ میں امام ترمذیؒ سے نقل کیا ہے کہ مکحول نے واثلہ، انس اور ابو ہند داری سے سنا ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ مکحول نے ان کے علاوہ اور کسی صحابی سے نہیں سنا۔ (بخاری کی صنیع سے بھی مکحول کا سماع ثابت ہوتا ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ - (آل عمران:۱۳۵)

"اور وہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں"

یہ بھی فرمانِ الٰہی ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال:۷-۸)

"تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا"

نیز یہ بھی فرمانِ الٰہی ہے:-

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا - (الانبیاء:۴۷)

"اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے، تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی"

اُمّت کا اس بات پر اجماع ہے اور سب نصوص بھی اسی طرح وارد ہیں کہ نفل بھی نیکی کا جزء ہے اور فرض بھی جزء، اگرچہ ان کی جزئیت کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا ضروری ہے کہ نوافل کے کثیر اجزاء مل کر فرض کے برابر ہو جائیں یا اس سے بھی بڑھ جائیں! اور یہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ:

لَا يُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ (آل عمران:) "اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا"

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہود:۱۱۴)

"کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں"

مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (الزلزال)

"جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے، اس کا مرجع ہاویہ ہے"

۲۴۳ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از ابوداؤد از یعقوب بن ابراہیم از اسماعیل بن علیہ از یونس از حسن بیان کیا کہ] انس بن حکیم ضبیؒ کی ابوہریرہؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ روزِ قیامت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمائے گا حالانکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ میرے بندے کی نماز دیکھو، اس نے اسے پُوری طرح ادا کیا ہے یا کوئی کمی رہنے دی ہے؟ اگر نماز مکمل ہو گی تو اسے مکمّل لکھا جائے گا اور اگر نماز میں کوئی کمی رہی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو کیا میرے بندے کے نامہ اعمال میں نوافل بھی ہیں؟ اگر نوافل ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کے فرائض کی کمی کو نوافل سے تکمیل کردو، پھر اسی حساب سے اعمال کا مؤاخذہ ہو گا۔[لہ] (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۳۵ [امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمہ از داؤد بن ابی ہند، از زرارہ بن ابی اوفیٰ بیان کیا کہ] حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا (پھر پوری حدیث بیان کی اسی طرح جس طرح پہلی روایت گزر چکی ہے) اس میں یہ بھی فرمایا کہ پھر زکوٰۃ کے بارے میں اسی طرح سوال وجواب ہو گا، پھر دیگر اعمال کا اسی طرح مؤاخذہ کیا جائے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۳۶ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زُہیر بن حرب اور محمد بن مثنیٰ دونوں از یحییٰ بن سعید قطّان از عبیداللہ ابن عمر از نافع بیان کیا کہ] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا باجماعت نماز ادا کرنا تنہا پڑھنے کی نسبت ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے (مسلم، ابن ماجہ کتابُ الصلوٰۃ)

۳۳۷ [ہم نے بسند سابقہ از مسلم از اسحاق بن ابراہیم از مغیرہ بن سلمہ مخزومی از عبدالواحد بن زیاد از عثمان بن حکیم روایت

لہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو منذری رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "المنتقیٰ" میں احمد، ترمذی اور نسائی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نسائی میں یہ روایت مختلف سندوں کے ساتھ مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیے ج ا ص ۸۱، ۸۲ حاکم نے اسے "مستدرک" ج ا ص ۲۶۲ میں روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ انس بن حکیم ضبّی کا ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، جبکہ ابن قطان اور ابن مدینی نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔ حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ کو منذری نے ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ حاکم نے بھی اسے ج ا ص ۲۶۲، ۲۶۳ میں روایت کیا ہے اور اسے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا کہا عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف لاتے اور تنہا بیٹھ گئے تو میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا، انہوں نے فرمایا اے برادرزادے! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی، اس نے گویا نصف رات کے برابر قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز بھی باجماعت ادا کر لی اس نے گویا ساری رات قیام کیا (مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

ان احادیث کی روشنی میں نفل اور فرض کے اجر و ثواب کی مقدار معلوم ہوتی تو اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے ادائیگی فرض میں کوتاہی ہو جائے اُسے نفل سے پُورا کر دیا جائے گا لیکن اس شخص کے لیے جس نے توبہ و استغفار کو اپنایا اور کوتاہی کی تلافی کی کوشش کی لیکن جو شخص قصد و ارادہ کے ساتھ فرائض کو ترک کرتا ہے اور صرف نوافل ہی پر اکتفا کرتا رہے تاکہ اس سے فرائض کی کمی کو پورا کر سکے تو وہ نوافل کی ادائیگی میں بھی گناہگار ہوگا کیونکہ اس نے نوافل کا غلط استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوافل کے پڑھنے کا حکم اس لیے نہیں دیا تاکہ فرائض کو دانستہ ترک کر دیا جائے بلکہ انہیں تو زیادہ خیر و برکت کے حصول کا ایک ذریعہ بنایا ہے، ہاں فرائض میں جو کوتاہی رہ جاتے وہ بھی ان سے پوری کی جائے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ فرائض کو دانستہ ترک کرے صرف نوافل ہی پڑھے جائیں اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے یہ نوافل بھی مقبول نہ ہوں گے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے:

من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردٌّ (مسلم)

"جس نے ہمارے امر کے خلاف کوئی عمل کیا تو وہ مردود ہے"

اگر کوئی یہاں اس روایت کو ذکر کرے کہ جو شخص فرض ادا نہیں کرتا، اس کا نفل بھی مقبول نہیں جیسا کہ کسی تاجر کا جب تک رأس المال محفوظ نہ ہو اس کا نفع درست نہیں ہو سکتا ـــــ تو یہ روایت باطل اور غیر صحیح ہے کیونکہ اسے موسیٰ بن عبیدہ ربذیؒ[1] نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے اور عبدالملک بن حبیب اندلسی، از مکفوف[2] از ایوب بن خوط روایت کیا ہے اور یہ تینوں راوی اس قدر ضعیف ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک

---

[1] موسیٰ ثقہ ہے لیکن حافظے کے اعتبار سے ضعیف بھی قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ یہ راوی لا شئ ہے۔

[2] مکفوف کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے لسان ج ۶ ص ۱۰۴ میں کیا ہے اور حائضہ کے ساتھ مباشرت کے مسئلہ میں اس پر مؤلف کی جرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی اگر کسی سند میں ہو تو ضعف کے لیے کافی ہے لیکن اس میں تو تینوں ہیں اور پھر یہ روایت مُرسل بھی ہے علاوہ ازیں اس کی ایک سند اس طرح بھی ہے "عبدالملک بن حبیب، از مطرف، از مالک بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ...... اس میں ایک تو عبدالملک ساقط الاعتبار ہے[1] اور دوسری بات یہ کہ یہ سند منقطع ہے، اگر روایت صحیح ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ اس شخص سے متعلق ہے جو فرائض دانستہ ترک کر کے صرف نوافل پر اکتفا کرتا رہے تاکہ فرائض میں کوتاہی کی تلافی ہو سکے، اپنے اس فعل پر اصرار کرتا رہے اور اس پر کسی ندامت یا توبہ کا اظہار نہ کرے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

پانچ فرض نمازیں

۲۸۱۔ فرض نمازوں کی رکعات

ہر بالغ، عاقل، آزاد، غلام، مرد اور عورت پر جو پانچ نمازیں فرض ہیں، وہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح ہیں۔ صبح کے فرض صرف دو رکعتیں ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فرض ہیں خواہ کوئی تندرست ہو یا بیمار، مسافر ہو یا مقیم، خائف ہو یا امن والا!

مغرب کی ہمیشہ تین رکعتیں فرض ہیں، صبح کی طرح ان میں بھی کوئی تبدیلی نہیں۔ ظہر، عصر اور عشاء میں سے

نقل کی ہے کہ یہ "مکفوف غیر معروف ہے"، پھر حافظ نے لکھا ہے کہ یہ "اصل میزان" میں گزر چکا ہے کہ قاسم بن عبداللہ مکفوف اور اس سے پہلے کا راوی اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، جو ایوب بن خوط سے روایت کرتا ہے۔ فاللہ اعلم

[1] ہم کئی دفعہ یہ ذکر کر چکے ہیں کہ مؤلف عبدالملک بن حبیب پر بلاوجہ جرح کرتے ہیں، عبدالملک عالم جلیل ہیں، ہاں حدیث میں خطا کر جاتے ہیں کیونکہ حدیث ان کا فن نہ تھا۔ (احمد شاکر) (جب حدیث کی روایت میں غلطی کر جاتے ہیں تو ابن حزمؒ کی جرح ان پر بلاوجہ کیسے ہوئی؟ ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر ایک کی مقیم پر خواہ مریض ہو یا تندرست ہو، خائف ہو یا امن میں، چار چار رکعات فرض ہیں۔

ان امور پر قطعی او یقینی اجماع ہے۔ قدیم یا جدید کسی دور میں بھی اُمت کے کسی فرد کو بھی اس سے اختلاف نہیں رہا۔

وہ مسافر جو حالتِ امن میں ہو۔ اس پر ان میں سے ہر نماز کی صرف دو دو رکعتیں فرض ہیں لیکن وہ مسافر جو حالتِ خوف میں ہو، وہ اگر چاہے تو دو دو رکعتیں پڑھ لے اور اگر چاہے تو ایک ایک رکعت کر کے پڑھ لے۔

اس سلسلہ میں اختلاف موجود ہے کہ سفر کی نوعیت کیا ہو؛ زمانہ اور مسافت کے اعتبار سے سفر کی مقدار کیا ہو؛ حالتِ سفر میں قصر کرنا فرض ہے یا اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے قصر کر لو اور اگر چاہو تو پوری پڑھ لو؛ کیا سفر کی حالتِ خوف میں ایک ہی رکعت کفایت کر سکتی ہے یا نہیں؛

ان سب مسائل پر ہم ان شاء اللہ ان کے ابواب میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے اور دلائل کے ساتھ بتائیں گے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؛ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وبہ تعالیٰ نستعین وبہ نتأید!

نفل نماز کی اقسام

۲۸۲۔ وہ نوافل جن کی بہت تاکید ہے

ہم اپنی اس کتاب کے کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں یہ ذکر کر آتے ہیں کہ نوافل میں سب سے زیادہ موکّد وہ ہیں؛ جن کی ادائیگی کا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے اور پھر ان کے مخصوص نام رکھے ہیں، ان کے علاوہ وہ نوافل ہیں جن کا آپ نے حکم تو نہیں دیا لیکن مندوب ہیں مثلاً فجرِ ثانی کے بعد اور نمازِ صبح سے قبل دو رکعتیں، نمازِ عیدین، نمازِ استسقاء، قیامِ رمضان، زوال کے بعد اور ظہر سے قبل چار رکعتیں، ظہر کے بعد چار رکعتیں، عصر سے پہلے چار رکعتیں —— یہ چار اگر چاہے تو اکٹھی بھی پڑھ سکتا ہے اور اگر چاہے تو دو دو کر کے بھی پڑھ سکتا ہے —— عصر کے بعد دو رکعتیں، غروبِ آفتاب کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں، عشا کی نماز سے پہلے دو رکعتیں، سفر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے واپسی کے بعد مسجد میں دو رکعتیں، وضو کے بعد نوافل اور پھر دن رات کے مختلف اوقات ہیں جو نوافل کوئی پڑھ سکے!

۳۲۸ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از یحییٰ بن سعید قطان از ابن جریج از عطاء، از عبید بن عمیر بیان کیا کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر شدت کے ساتھ صبح سے پہلے کی دو رکعتوں کو ادا فرمایا کرتے تھے، دیگر نوافل کو نہیں! (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۲۹ [بسند سابقہ از مسلم از محمد بن عبید غبری از ابوعوانہ از قتادہ از زرارہ بن اوفیٰ، از سعد بن ہشام بن عامر] اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صبح کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (مسلم، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء بھی پڑھی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عزوجل نماز استسقاء کے باب میں ذکر کریں گے نیز آپ نے قیام رمضان کی بھی رغبت دلائی ہے، اسے بھی ہم ان شاء اللہ قیام رمضان کے باب میں ذکر کریں گے۔

۳۳۰ [بسند سابقہ از مسلم از یحییٰ نیشاپوری از ہشیم از خالد حذاء] عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں چار رکعت قبل از ظہر ادا فرماتے، پھر لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرماتے، پھر گھر تشریف لاکر دو رکعتیں پڑھتے، پھر لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے اور گھر تشریف لاکر دو رکعت پڑھتے، پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

۳۳۱ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از حفص بن عمر حوضی از شعبہ از ابی اسحاق، از عاصم بن ضمرہ بیان کیا کہ] حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

۳۳۲ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از اسماعیل بن مسعود از یزید بن زریع از شعبہ از ابواسحاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیان کیا کہ] عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپؐ ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے، عصر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور دو کے مابین ملائکہ مقربین، انبیاء کرام اور ان کے متبع مومنوں اور مسلمانوں پر سلام بھیجا کرتے تھے۔ (ترمذی، نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۴۲ [بسند سابقہ از احمد بن شعیب از محمد بن مثنیٰ از محمد بن عبد الرحمٰن از حصین بن عبد الرحمٰن، از ابی اسحاق روایت ہے کہ] عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ اور ظہر کے بعد بھی چار رکعات ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے (حوالہ پہلی روایت میں گزر چکا)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر عمل حسن اور مباح ہے کیونکہ ان روایات کے سب راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔

۳۴۳ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبد الملک از محمد بن بکر از ابوداؤد، از عبداللہ بن محمد نفیلی از اسماعیل بن علیہ از سعید جُریری از عبداللہ بن بُریدہ بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مُغفّل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہے، ہر دو اذانوں کے مابین نماز پڑھ سکتا ہے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس عموم میں عشاء کی اذان واقامت، مغرب کی اذان واقامت اور صبح کی اذان واقامت داخل ہے۔

۳۴۴ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنیٰ از ضحاک ابوعاصم از ابن جریج از ابن شہاب از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک، از پدر خود عبداللہ و عم خود عبیداللہ بن کعب بن مالک از پدر خود] کعب بن مالک روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب دن کو چاشت کے وقت واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرما کر مسجد ہی میں تشریف فرما ہو جاتے۔ (بخاری، ابوداؤد، کتاب الجہاد، مسلم کتاب الصلوٰۃ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۴۵ [بسند سابقہ از مسلم از عبد بن حُمَید از عبدالرزاق از معمر از زہری، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ رمضان کے بارے میں رغبت دلایا کرتے تھے، ہاں یہ حکم نہیں دیا کرتے تھے کہ انہیں ضرور ادا کیا جائے۔ (مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، نسائی، ترمذی کتاب الصوم)

۳۴۶ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی از ابراہیم بن احمد بلخی از فربری از بخاری از اسحاق بن نصر از ابواُسامہ، از ابوحیان تیمی، از ابوزرعہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم نے سب سے اچھا کام کون سا کیا ہے، مَیں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سُنی۔ حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک میرا سب سے اچھا عمل یہ ہے کہ مَیں نے دن یا رات کے جس لمحہ میں بھی وضو کیا تو اس کے بعد جس قدر توفیق ہو سکی نفل نماز ضرور پڑھی (بخاری کتاب الصلوٰۃ، مُسلم کتاب الفضائل، نسائی کتاب المناقب کبریٰ)

فصل

مغرب سے پہلے دو رکعتیں

۲۸۳۔ مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں اختلاف

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:۔ کچھ حضرات نے غروبِ آفتاب کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے نفل پڑھنے سے منع کیا ہے، ان میں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان حضرات کے پاس اس روایت کے علاوہ اور کیا دلیل ہے؟ وہ روایت یہ ہے:۔

۳۴۷ [ہم سے احمد بن محمد بن عبداللہ الطلمنکی از محمد بن احمد بن مُفرّج از صموت از بزار از عبدالواحد بن غیاث از حیان بن عُبیداللہ از عبداللہ بن بُریدہ بیان کیا کہ] حضرت بُریدہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب کے علاوہ ہر دو اذانوں (اذان و اقامت) کے مابین نماز ہے[1]

---

[1] دیکھیں صفحہ آئندہ پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حیان بن عبیداللہ "الا المغرب" کے ذکر کرنے میں منفرد ہے اور وہ خود مجہول ہے۔[ا] صحیح وہ ہے جسے جریری نے عبیداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے اور جسے ہم ابھی ابھی ذکر کر آئے ہیں۔

لہ (حاشیہ صفحہ سابق) اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے، زیلعیؒ نے نصب الرایہ، ج ا ص ۲۸۷ میں بزار ہی کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔ دارقطنیؒ نے ص ۹۸ و ۹۹ میں اسے عبدالغفار بن داؤد اور عبدالواحد بن غیاث از حیان روایت کیا ہے۔ اور بیہقیؒ نے ج ا ص ۴۷۴ میں اسے بطریق عبداللہ بن صالح از حیان روایت کیا ہے (کشف الاستار ج ا ص ۳۳۴ و مجمع الزوائد ۲: ۲۳۱)۔

لہ حیان مجہول نہیں بلکہ معروف ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ان کا پورا نام حیان بن عبیداللہ بن حیان ابو زہیر ہے، روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ یہ سچے آدمی ہیں۔ بزار اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں جیسا کہ زیلعیؒ نے ذکر کیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ ابن بریدہ سے حیان بن عبیداللہ کے علاوہ اور بھی کسی نے روایت کیا ہو اور وہ اہل بصرہ میں سے مشہور آدمی ہیں، لا بأس بہ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن حزمؒ نے جو اسے مجہول قرار دیا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہے۔ ہاں یہ حدیث ضرور ضعیف ہے کیونکہ حیان نے اس میں بہت ہی خطا کی ہے۔ اسی وجہ سے اس اور دیگر احادیث میں خطا کرنے کے باعث حیان کے بارے میں امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ "لیس بالقوی"۔ امام بیہقیؒ نے سنن ج ا ص ۴۷۴ میں سند اس طرح ذکر کی ہے: ہم سے ابو عبداللہ حافظ از محمد بن اسماعیل، ابوبکر محمد بن اسحاق یعنی ابن خزیمہ۔ اس حدیث کے بعد لکھا ہے کہ حیان بن عبیداللہ نے اس سند میں غلطی کی ہے کیونکہ کہمس بن حسن، سعید بن ایاس جریری اور عبدالمؤمن العتکی نے اس خبر کو از ابن بریدہ، از عبداللہ بن مغفل روایت کیا ہے اپنے باپ سے نہیں یعنی یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے طریق مجرّہ اختیار کیا ہے یعنی اس شیخ نے جب ابن بریدہ از پدر خود کی روایات دیکھیں تو گمان کر لیا کہ شاید یہ روایت بھی انہوں نے اپنے باپ کے واسطہ سے ذکر کی ہے اور جب انہوں نے عام لوگوں کو دیکھا کہ وہ قبل از مغرب نماز نہیں پڑھتے تو وہم کر لیا کہ قبل از مغرب نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور حدیث میں بھی ان الفاظ کا اضافہ کر دیا۔ اس حدیث میں خطا ہونے پر یہ بات بھی دال ہے کہ ابن مبارک کہمس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن بریدہ، مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اگر ابن بریدہ نے اپنے باپ کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہوتا جسے حیان بن عبیداللہ نے "ما خلا صلوٰۃ المغرب" کے الفاظ کی صورت میں آپ کی طرف منسوب کیا ہے، تو وہ کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ کرتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم نخعیؒ سے انہوں نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے (بیہقی ۲ : ۴۷۶) لیکن یہ دلیل کوئی شئے نہیں کیونکہ یہ روایت منقطع ہے۔ ابراہیم نخعیؒ نے ان مذکورہ صحابہ کرام میں سے کسی کو نہیں دیکھا بلکہ ان کی تو ولادت ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے کئی سال بعد ہوئی[1] پھر یہ کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو پھر بھی حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان مذکورہ صحابہ کرام نے اس سے منع کیا ہے یا اسے مکروہ سمجھا ہے اور اس بارے میں ہم ان کے مخالف نہیں ہو سکتے کہ سب نوافل کا ترک مباح ہے۔ بشرطیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کے باعث ترک نہ کیا جا رہا ہو کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا پھر اگر یہ بھی صحیح ثابت ہو جائے کہ ان صحابہ کرامؓ نے ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے منع کیا ہے ـــــ اور اللہ کی پناہ کہ ایسا ثابت ہو ـــــ تو ان کا یہ منع کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ دو رکعت پڑھنے والے صحابہ کرامؓ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا۔

ان حضرات نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کی عمامہ پر مسح کے سلسلہ میں مخالفت کی ہے حالانکہ ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بطور دلیل موجود تھی، تو انہوں نے جب چاہا صحابہ کرامؓ کی مخالفت کر دی اور جب چاہا ان کی مخالفت کو بہت اہمیت دے دی۔ یہ ان کا معمول ہے لہٰذا اس طرز عمل پر تعجب نہیں کرنا چاہیے لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ دین کے ساتھ مذاق ہے۔ متاخر مقلدین ایسا ہی کرتے ہیں۔

ان حضرات نے حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ و بیہقی ۲ : ۴۷۶)

یہ دلیل بھی کوئی شئی نہیں کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ یہ ابوشعیب یا شعیب کے واسطہ سے ہے اور ان کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟ اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے ان دو رکعتوں سے منع کیا ہے اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ نوافل کو ترک کیا جا سکتا ہے، ناحق مخالفت نہیں

---

[1] یمنی نسخہ میں ہے کہ دو سال بعد ولادت ہوئی لیکن یہ غلط ہے کیونکہ ابراہیم کی ولادت ۵۰ھ میں ہوئی جیسا کہ ابن حبان نے ذکر کیا ہے۔ ان کا یہ اثر امام محمد بن حسن نے "کتاب الآثار" میں از ابوحنیفہ، از حماد بن ابی سلیمان از ابراہیم روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جا سکتی! اگر یہ بھی صحیح ثابت ہو جائے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان دو رکعتوں سے منع کیا ہے تو آپ کی یہ ممانعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ دو رکعتیں پڑھنے والے صحابہ کرامؓ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

ان لوگوں پر تعجب ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کو تو حجت نہیں سمجھتے کہ "میں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں اور ان میں سے کسی نے قنوت نہیں کیا" حالانکہ یہ روایت صحیح ہے لیکن انہوں نے اسے حجت اس لیے تسلیم نہیں کیا کہ یہ ان کی تقلید کے مخالف تھی اور یہ روایت جو صحیح بھی نہ تھی اس لیے حجت تسلیم کر لی کہ یہ ان کی تقلید کے موافق تھی۔ وھذا عجیب جدًا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ مغرب سے قبل دو رکعت نفل پڑھنے کے سلسلہ میں ہمارے دلائل حسب ذیل ہیں:

۳۴۸ [ہم سے عبدالرحمن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یزید مقری از سعید بن ابی ایوب بیان کیا کہ] یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ میں نے مرثد بن عبداللہ یزنی ابو الخیر سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں عقبہ بن عامر جہنی کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ آپ ابو تمیم کے اس طرز عمل کے باعث تعجب نہ کریں گے کہ وہ مغرب کی نماز سے پہلے بھی دو رکعت پڑھتے ہیں؟ عقبہؓ نے جواب دیا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا اب ایسا کرنے سے کیا امر مانع ہے؟ انہوں نے فرمایا "مصروفیت" (بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۴۹ [بسند سابقہ از بخاری از محمد بن بشار از محمد بن جعفر غندر روایت ہے کہ] شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عامر انصاری سے سنا آپ حضرت انس بن مالکؓ کے حوالے سے ذکر کرتے تھے کہ مؤذن جب اذان کہتا تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ حضرات ستونوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تو یہ حضرات ان رکعتوں کو مغرب سے پہلے پڑھ رہے ہوتے تھے (بخاری، نسائی، کتاب الصلوٰۃ)

۳۵۰ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابو کریب و ابوبکر بن ابی شیبہ از ابن فضیل، از مختار بن فلفل بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غروب آفتاب کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ میں نے آپ سے پوچھا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان دو رکعتوں کو پڑھا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا آپ ہمیں پڑھتے ہوئے دیکھتے، نہ حکم دیتے اور نہ منع فرماتے (مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی بات کا اقرار فرماتے جو حق اور حسن ہوتی، جب بھی کوئی مکروہ بات دیکھتے تو اس پر کراہت کا اظہار فرماتے، جب بھی کوئی غلط بات دیکھتے تو اس سے منع فرمادیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

"تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ بطریق عبدالوارث بن سعید از عبدالعزیز بن صہیب حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم مدینہ منورہ میں تھے، جب مؤذن مغرب کی اذان کہتا تو ہم فوراً ستونوں کے پیچھے ہو کر دو رکعتیں پڑھتے حتیٰ کہ اگر کوئی اجنبی آدمی مسجد میں داخل ہوتا تو وہ سمجھتا کہ شاید نماز (فرض) پڑھی جاچکی ہے کیونکہ صحابہ کرام بڑی کثرت سے ان دو رکعتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ و بیہقی ۲: ۴۷۵)

گویا اس حدیث میں عموم ہے کہ صحابہ کرامؓ کا یہ معمول تھا۔

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی و عبدالرزاق از سفیان ثوری، از عاصم بن بہدلہ، حضرت زر بن حبیش سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور اُبی بن کعبؓ کو دیکھا کہ وہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۵۶)

بطریق حماد بن زید از عاصم از زر از عبدالرحمٰن و اُبیؓ بھی اسی طرح روایت ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ یہ دونوں حضرات ان دو رکعتوں کو ترک نہیں کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل، ص ۴۷)

بطریق معمر از زہری حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از شعبہ، از یزید بن خمیر، از خالد بن معدان از رغبانؒ مولیٰ حبیب بن مسلمہ

لہ سنن بیہقی میں یہ نام زغبان چھپا ہے جو غلط ہے صحیح رغبان ہے یعنی "ر" کے ساتھ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان کا ترجمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ مغرب سے پہلے دو رکعتوں کو اسی قدر اہتمام سے ادا فرمایا کرتے تھے جس قدر اہتمام سے فرائض کی ادائیگی کیا کرتے تھے۔ (بیہقی ۲: ۴۷۶ والبخاری فی التاریخ، ج ا، ق ۲ ص ۳۳۹)

بطریق وکیع از سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ از حضرت سعید بن مسیب روایت ہے کہ میں نے سعد بن مالک یعنی سعد بن ابی وقاص کے علاوہ اور کسی فقیہ کو مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا (ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۷)۔

بطریق حجاج بن منہال، از حماد بن سلمہ از داؤد وراق از جعفر بن ابی وحشیہ روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل، ص ۴۷ بسند دیگر)

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از شعبہ، از سلیمان بن عبدالرحمٰن[1] از حضرت راشد بن یسار روایت ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے بیعت رضوان کرنے والے پانچ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے (بیہقی ۲: ۴۷۶ وقیام اللیل مروزی ص ۴۷)

بطریق محمد بن جعفر، از شعبہ از حکم بن عتیبہ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے ساتھ نماز پڑھی، وہ مغرب سے پہلے بھی دو رکعت پڑھا کرتے تھے (مختصر قیام اللیل ص ۴۸)

بطریق وکیع از یزید بن ابراہیم روایت ہے کہ میں نے سنا کہ حضرت حسن بصریؒ سے مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رضائے الٰہی کے طلبگار کے لیے یہ دو بہت ہی حسین و جمیل ہیں (مختصر قیام اللیل، ص ۴۸)

امام شافعیؒ اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

بیان کیا ہے۔ اور بخاری نے یہ اثر بھی ذکر کیا ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح قاموس ج ۱ ص ۲۷۴ میں ذکر کیا ہے کہ ابن رغبان مولیٰ حبیب بن مسلمہ فہری اہل شام سے تعلق رکھتے ہیں، بغداد کی مسجد میں امام و خطیب تھے۔ اس میں ابن کی زیادتی صحیح نہیں بلکہ خطا ہے اور اس اثر کی سند حسن ہے۔

[1] سلیمان بن عبدالرحمٰن کے بارے میں نہیں معلوم کہ کون ہیں؟ میرا خیال ہے کہ یہ سلیمان بن عبدالرحمٰن بن عیسیٰ ہیں، جن کا تہذیب ج ۴ ص ۲۰۸ میں تذکرہ ہے، ان کے شیخ راشد بن یسار کے بارے میں بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ کون ہے اور نہ مجھے ان کے حالات معلوم ہو سکے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۸۴-ایک دفعہ پڑھی ہوئی نماز کو دوہرانا

جس شخص نے ایک دفعہ کسی نماز کو پڑھ لیا ہو اور پھر اس نے دیکھا کہ باجماعت اسی نماز کو ادا کیا جا رہا ہے، تو اس کے لیے دوبارہ باجماعت پڑھ لینا مُستحب ہے اور اسے ترک کرنا مکروہ ہے۔ ہر نماز کے بارہ میں یہی حکم ہے۔ خواہ قبل ازیں اس نے اس نماز کو کسی عذر کے باعث تنہا پڑھا تھا یا باجماعت، جب بھی وہ اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا ہوتا ہُوا دیکھے تو شریک ہو جائے، خواہ اُسے کئی بار پڑھنی پڑے۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ اسے دوبارہ بالکل نہ پڑھے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف ظُہر اور عشاء کی دوبارہ پڑھ سکتا ہے اور کوئی نہیں، خواہ انہیں اس نے قبل ازیں باجماعت پڑھا ہو یا تنہا! جو نماز اس نے پہلے پڑھی ہے، وہی اس کی اصل نماز ہے (یعنی فرض)، مگر جمعہ کی نماز، اگر اس نے گھر تنہا پڑھی ہے، تو نماز ہو جائے گی لہٰذا اسے گھر نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد جامع مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن اگر وہ مسجد میں چلا گیا اور امام صاحب نے ابھی تک نمازِ جمعہ سے سلام نہیں پھیرا تو اس نے گھر جو نماز پڑھی تھی، وہ باطل ہو جائے گی اور جو وہ امام کے ساتھ پڑھے گا وہی فرض کی ادائیگی ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ صرف مسجد کی طرف نکلنے ہی سے گھر میں پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں ہوگی بلکہ جب وہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے گا تو پھر وہ نماز باطل ہوگی، جو اس نے گھر پڑھی تھی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نمازِ فرض تنہا گھر میں پڑھی اور پھر اس نے اسی نماز کو باجماعت ادا ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اسے باجماعت ادا کرے، مغرب کے علاوہ سب نمازوں کو اسی طرح دُہرایا جا سکتا ہے۔ ان دونوں نمازوں میں سے کون سی فرض شمار ہوگی، یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر ایک دفعہ باجماعت پڑھ لی ہو تو پھر اس نماز کو دُہرانے کی ضرورت نہیں!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے نماز دُہرانے سے منع کیا ہے، ان کی دلیل حسبِ ذیل روایت ہے:

ہم نے بطریق ابوداؤد از ابوکامل یزید بن زُریع از حسین معلّم از عمرو بن شُعیب[۱] از حضرت سُلیمان بن یسار

[۱] منذری نے اس حدیث کو نسائی (کتاب الصلوٰۃ) کی طرف منسوب کیا ہے اور اسے عمرو بن شُعیب کے باعث معلول قرار دیا ہے لیکن عمرو ثقہ اور حُجت ہے۔ سُلیمان بن یسار مولیٰ میمونہ فقہاءِ سبعہ میں سے ایک ہیں اور یہ اسناد صحیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے پاس مقام بلاطؔ میں گیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے عرض کیا آپ ان کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے فرمایا میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ ایک دن میں ایک نماز کو دو بار مت پڑھو (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ خبر صحیح ہے اور اس کے خلاف عمل حلال نہیں، اور یہ ان کے لیے دلیل نہیں بن سکتی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم یہ کہیں کہ وہ یہ نیت کر کے نماز پڑھے کہ یہ وہی ہے جو پہلے پڑھ چکا ہے یعنی ایک ہی دن میں وہ دو مرتبہ نماز ظہر دو مرتبہ نماز عصر، دو مرتبہ نماز مغرب دو مرتبہ نماز عشاء پڑھے۔ یہ کفر ہے۔ کسی کو بھی یہ کہنا حلال نہیں ہے ہاں نفل نماز پڑھ سکتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نص منقول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ صبح اور عصر کے بعد چونکہ نوافل جائز نہیں لہٰذا ان نمازوں کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں، آپ نے اس سلسلہ میں واردشدہ اخبار کو احادیث امر پر غالب کر دیا ہے لیکن ہم نے احادیث امر کو غالب کیا ہے۔ ہم اس مسئلہ اور اس کے بعد والے مسئلہ پر گفتگو مکمل کرنے کے بعد یہ ذکر کریں گے کہ ان دو عملوں میں سے کون سا صحیح ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

امام مالکؒ نے جو فرمایا ہے کہ مغرب کی نماز کو نہ دوہرایا جائے تو اس کی آپ نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ مغرب کی نماز دن کا وتر ہے، اگر کوئی دوبارہ پڑھ لے تو اس سے مغرب کی نماز شفع ہو جائے گی اور وتر باطل ہو جائے گا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ ان میں سے ایک نفل ہے اور دوسری فرض اور اس پر ہمارا اور ان کا اجماع ہے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ نفل، فرض کو شفع نہیں بنا سکتا۔

انہوں نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ تین رکعت نفل نہیں ہوتے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے" لیکن یہ ان کی حجّت نہیں بن سکتی کیونکہ جس

لہ بلاط، مدینہ میں ایک مشہور جگہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذاتِ اقدس نے یہ خبر دی ہے کہ دن رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ جب نماز باجماعت ادا کی جا رہی ہو تو جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے اور اس سلسلہ میں کسی نماز کی تخصیص نہیں کی، اسی ذاتِ اقدس نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ وتر کو ایک یا تین رکعت کے ساتھ نفل بنا لیا جائے (یعنی وتر بھی از قسم نفل ہی ہے)۔

اس خبر سے حجت پکڑنے پر تعجب ہے کہ یہ کیسے بھول گئے کہ یہ خود کہہ چکے ہیں کہ ظہر، عصر اور عشاء کو باجماعت ادا کر لینا چاہیے گویا انہوں نے ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنے کی اجازت دے دی جو صریحًا تناقض ہے، حق بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب ارشاداتِ گرامی برحق ہیں، بعض کو بعض کے ساتھ رد نہ کیا جائے بلکہ سب ارشادات پر ایسے ہی عمل کیا جائے جیسا کہ ان کا تقاضا ہے۔

انہوں نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مغرب کی نماز کا وقت تنگ ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ جب وہ مغرب کی نماز باجماعت ادا ہوتے دیکھے گا تو وہ یقینی طور پر مغرب کے وقت ہی میں پڑھی جا رہی ہوگی اور جو نماز وقت کے اندر ادا کی جا رہی ہو اس کے بارے تنگیٔ وقت کا عذر باطل ہے۔ لہٰذا انہوں نے اور حنفیوں نے مغرب کی تخصیص کے سلسلہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں، یہ سب باطل ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

مالکیوں نے جو یہ تخصیص کی ہے کہ جس نے تنہا نماز پڑھی ہو وہ پڑھ لے، یہ تخصیص غلط ہے کیونکہ اس سلسلہ میں قرآن، سنت، قولِ صحابی، قیاس اور رائے سے کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اگر منفرد طور پر نماز پڑھنے والے کے لیے فضیلت ہے تو باجماعت پڑھنے والے کے لیے زیادہ افضلیت ہے، کیونکہ باجماعت نماز ادا کرنا بہر حال افضل ہے اور قطعاً کوئی فرق نہیں کہ اس نے پہلے بھی نماز باجماعت ادا کی ہے یا نہیں؟

انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کی فرض نماز کون سی ہے؟ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس بارے میں ان کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر وہ اس جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے جسے ادا کیا جا رہا ہو بشرطیکہ سنتِ رسول سے اعراض مقصود نہ ہو تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا تو بلاشک پھر یہ نفل ہی ہوگی کیونکہ یہ نفل ہی کی صفت ہے کہ اسے جو چاہے پڑھے اور جو نہ چاہے نہ پڑھے (یعنی اس کی پہلی نماز ہی فرض ہوگی)۔

علاوہ ازیں جب وہ باجماعت نماز ادا کرے اور قبل ازیں بھی وہ اسے ادا کر چکا ہو اور دونوں کے بارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہی فرض کی نیت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان اور اجماع کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا کیونکہ اس نے دن میں دو مرتبہ ایک ہی فرض نماز کو ادا کیا ہے یا اگر وہ دونوں مرتبہ ہی کوئی نیت بھی نہ کرے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے بالکل نماز پڑھی ہی نہیں۔ بلنیرنیت پڑھی ہوئی کوئی نماز بھی مقبول نہیں ہوگی اور وہ اس طرح گناہگار و نافرمان بھی ہوگا لہٰذا اس کے لیے یہ نیت کرنا ضروری ہوگا کہ ان میں سے نفل کون سی نماز ہے اور فرض کون سی، اس سلسلہ میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار ہی نہیں!

امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ دوسری نماز فرض ہوگی۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ اگر اس نے پہلے کسی عذر کے باعث اکیلے نماز پڑھی ہے یا پہلے باجماعت پڑھی ہے تو بلاشک یہ پہلی مرتبہ پڑھی ہوئی نماز ہی فرض تصور ہوگی کیونکہ اسے اس نے بہ نیتِ فرض ادا کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی۔

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی"

(بخاری بدء الوحی، کتاب الایمان، کتاب النکاح، کتاب المناقب، کتاب العتق، کتاب الحیل۔ مسلم کتاب الجہاد۔ ابوداؤد کتاب الطلاق۔ ترمذی کتاب الجہاد۔ نسائی کتاب الطہارۃ، وکتاب الایمان والنذور وکتاب الطلاق وابن ماجہ کتاب الزھد)۔

اگر اس نے پہلے بلا کسی عذر کے نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہے تو پہلی نماز باطل ہوگی اور دوسری فرض ہوگی، اس صورت میں اسے دوبارہ باجماعت نماز پڑھنا ضروری بھی ہوگا۔ آئندہ ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے کہ باجماعت نماز ادا کرنا فرض ہے۔ اور جمعہ وغیر جمعہ سب اس سلسلہ میں برابر ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کا بغیر عذر کے گھر جمعہ پڑھنے کے سلسلہ میں جو قول ہے، وہ کئی وجوہ کے باعث باطل ہے۔ اوّل تو اس لیے کہ انہوں نے جمعہ و غیر جمعہ میں بغیر دلیل کے تفریق کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جمعہ و غیر جمعہ میں فرق کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ اگر اس نے بغیر عذر کے گھر جمعہ پڑھ لیا تو جائز ہوگا، یہ غلط ہے اور تیسری وجہ یہ کہ جس نماز کو پہلے جائز بتایا گیا اسے بعد میں محض مسجد کی طرف نکلنے یا امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ شریک ہونے کے باعث باطل قرار دے دیا گیا۔ یہ سب آرا۔ فاسدہ ہیں اور دین میں بغیر علم کے اقوال کے مترادف ہیں ! جب یہ سب اقوال باطل ثابت ہوئے تو اب ہم اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح ارشادات ذکر کرتے ہیں :-

۳۵۱ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوالربیع زہرانی و ابو کامل جحدری از حماد بن زید از ابی عمران جونی از عبداللہ بن صامت بیان کیا کہ]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تم پر ایسے اُمراء مسلط ہو جائیں گے جو نمازیں تاخیر سے پڑھیں گے یا فوت کر کے پڑھیں گے تو آپ کیا کریں گے ؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اس صورت حال میں آپ کا ارشاد کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا نماز بروقت پڑھ لو اور پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز کو پاؤ تو پڑھ لو یہ تمہارے لیے نفل ہو گی (مسلم ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

۳۵۲ [بسند سابقہ از مسلم زہیر بن حرب از اسماعیل بن ابراہیم بن علیہ از ایوب سختیانی، از ابوالعالیہ البراء روایت ہے کہ] ابن زیاد نے نماز کو مؤخر کر دیا، اسی اثناء میں عبداللہ بن صامت آ گئے، میں نے ان کے پاس ابن زیاد کی اس حرکت کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ جیسے آپ مجھ سے اس بارے میں پوچھ رہے ہیں اسی طرح میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جیسے آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں، اسی طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے میرے ران پر مارا اور فرمایا کہ نماز بروقت پڑھ لیا کرو اور اگر ان کے ساتھ نماز پاؤ تو پڑھ لو اور یہ نہ کہو کہ میں پہلے پڑھ چکا ہوں لہٰذا اب نہیں پڑھوں گا (مسلم، نسائی، کتاب الصّلوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام ہے اور ہر نماز کے لیے ہے اور ہر شخص کے لیے خواہ وہ پہلے باجماعت پڑھ چکا ہو یا تنہا، ان اُمور میں سے کسی کی تخصیص جائز نہیں بلکہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

سلف میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے جیسا کہ ہم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے یہی

لہ ابوالعالیہ کا نام زیاد بن فیروز ہے بعض نے اس کے علاوہ اور نام بھی بتایا ہے بصری، تابعی اور ثقہ ہیں شوال ۹۰ھ میں وفات پائی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فتویٰ دیا تھا۔ اسی بطریق حماد بن سلمہ، از حمید، از انس بن مالکؓ روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت نعمان بن مُقرِنؓ نے آپس میں ملاقات کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے پاس نمازِ فجر پڑھ کر گئے، جب ان کے پاس پہنچے تو وہ نمازِ فجر پڑھ رہے تھے لیکن انہوں نے دوبارہ ان کے ساتھ پھر پڑھ لی (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۷۷)

بسندِ سابقہ یعنی بطریق حماد بن سلمہ، از ثابت بُنانی و حمید از حضرت انسؓ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ فجر کی نماز مربد میں پڑھ کر جب جامع مسجد میں آئے تو دیکھا کہ حضرت مُغیرہ بن شعبہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ مرد اور عورتیں شریکِ نماز ہیں، ہم نے بھی ان کے ساتھ دوبار نماز پڑھ لی۔

نمازِ فجر کے بارے میں صحابۂ کرام کا یہ عمل امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مخالف ہے، وہ پہلے بھی باجماعت پڑھ چکے تھے، اس سے امام مالکؒ کے قول کی مخالفت ہو رہی ہے، صحابۂ کرامؓ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے تخصیص کی ہو کہ صرف وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے جس نے پہلے انفرادی طور پر نماز پڑھی ہو۔

بطریقِ عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از جابر[1]، از سعد بن عُبَیْد از صلہ بن زُفَر عَبْسی روایت ہے کہ میں حضرت حُذَیفہ کے ساتھ باہر نکلا، آپ کا گزر مسجد کے پاس سے ہوا تو آپ نے وہاں ظُہر کی نماز پڑھی حالانکہ قبل ازیں آپ اسے پڑھ چکے تھے، پھر بوقتِ عصر مسجد کے پاس سے گزرے تو ان کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ آپ قبل ازیں نمازِ عصر پڑھ چکے تھے، پھر آپ مسجد کے پاس سے گزرے تو آپ نے مغرب کی نماز بھی ان کے ساتھ ادا کی حالانکہ آپ قبل ازیں نماز مغرب پڑھ چکے تھے، آپ نے دوبارہ پڑھی جانے والی نمازِ مغرب کو ایک اور رکعت پڑھ کر شفع بنا لیا تھا۔ (مُصنّف ابن ابی شَیْبہ ۲: ۲۷۶ میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ روایت موجود ہے)

حضرت قَتادہ فرماتے ہیں کہ عصر بھی جماعت کے ساتھ لوٹائی جا سکتی ہے۔ حضرت سعید بن مُسَیّب فرماتے

---

[1] ، [2] دونوں جگہ جابر سے مراد جابر بن یزید جعفی ہے جسے مؤلف نے بہت ہی ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ کئی بار گزر رہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں قوم کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرو کیونکہ تنہا پڑھنے کی نسبت باجماعت نماز کی ادائیگی ستائیس درجے زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے۔

از سفیان از جابر از حضرت شعبیؒ روایت ہے کہ اگر سب نمازیں دوہرائی جائیں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۷۸)

ابن جُریج، عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں گھر میں فرض نماز پڑھ لوں اور پھر اسے لوگوں کے ساتھ باجماعت پالوں تو دوبارہ پڑھ لیتا ہوں، گھر میں پڑھی ہوئی نماز کو نفل سمجھتا ہوں اور باجماعت پڑھی ہوئی نماز کو فرض، خواہ ایک ہی رکعت پاؤں! ابن جُریج کہتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ جب آدمی مغرب کی نماز گھر پڑھ لے اور پھر لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھے تو کیا کرے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس صورت میں گھر میں پڑھی ہوئی نماز کو میں ایک رکعت کے ساتھ شفع بنا لیتا ہوں، پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جاتا ہوں اور جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کو فرض تصور کر لیتا ہوں۔

از وکیع از عمر بن حسان روایت ہے کہ میں ابراہیم نخعیؒ اور عبدالرحمٰن بن اسودؒ نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر ہم لوگوں کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ نماز میں مصروف ہیں، تو ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، جب امام نے سلام پھیرا تو ابراہیم نے کھڑے ہو کر ایک رکعت کے ساتھ نماز کو شفع بنا لیا ــــــ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۷۶)۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے نماز کو شفع نہیں بنایا تھا کیونکہ دونوں طرح ہی جائز ہے شفع بنانا بھی اور نہ بنانا بھی کیونکہ یہ نفل ہے اور کسی چیز کے سلسلہ میں ممانعت وارد نہیں ہے!

حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہمیں عثمان بتّی نے ابوالضحیٰ سے خبر دی کہ حضرت مسروق نے مغرب کی نماز پڑھی اور پھر کچھ لوگوں کو نماز باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کے ساتھ شریک ہو گئے، پھر ایک رکعت کے ساتھ مغرب کو شفع بنا لیا۔

وکیع، حضرت ربیع بن صبیح سے روایت کرتے ہیں کہ فجر اور عصر کے علاوہ ہر نماز دوہرائی جا سکتی ہے۔ ہاں اگر مسجد میں بیٹھے ہوتے اذان ہو جائے تو پھر نماز کے بجائے فرار ہونا زیادہ قبیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حضرات وہ روایت ذکر کریں جو بطریق عبدالرزاق، از ابن جریج از حضرت نافع مروی ہے کہ ابن عمرؓ نے فرمایا اگر آپ نے اپنے اہل وعیال میں نماز پڑھی ہو اور پھر مسجد میں امام کے ساتھ باجماعت پالیں تو امام کے ساتھ بھی پڑھ لیں البتہ صبح اور مغرب کی نماز نہ پڑھیں کیونکہ یہ نمازیں ایک دن میں دوبار نہیں پڑھی جاسکتیں۔

تو یہ ان کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ انہوں نے اس کی مخالفت کی ہے، امام ابوحنیفہؒ نے عصر کی نماز کا اضافہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے بھی دوبارہ نہیں پڑھا جاسکتا، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز کو نہیں دوہرایا جاسکتا، جو شخص حق اور دلیل کے خلاف چلتا ہے، اس نے گویا مدِمقابل کے موقف کو مضبوط کرکے اپنی پوزیشن کو کمزور کرلیا ہے۔ وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۸۵۔ عصر کے بعد دو رکعتیں

امام مالکؒ اور ابوحنیفہؒ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع کیا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو شخص نماز ظہر کے فرائض سے پہلے یا بعد کی دو سنتیں نہ پڑھ سکا ہو وہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔ اگر عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرے تو اس شخص پر لازم ہے کہ اس وقت ہمیشہ اُن کو ادا کرتا رہے اور ہرگز ترک نہ کرے۔ امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں نہ میں یہ دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور نہ ہی پڑھنے والے پر نقد وجرح کرتا ہوں۔ ابوسلیمان ان کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔

۳۵۴۔ [حافظ ابن حزمؒ بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن الحجاج، از قتیبہ، از اسماعیل بن جعفر، از محمد بن ابی حرملہ، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اُن دو رکعتوں کے بارے میں دریافت کیا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا آپؐ یہ دو رکعتیں عصر سے پہلے پڑھا کرتے تھے پھر کسی مشغولیت، یا بھول جانے کی وجہ سے آپؐ نے یہ دو رکعتیں عصر کے بعد ادا کیں اور پھر اس کو معمول بنالیا۔ آپؐ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی نماز ادا کرتے تو اس التزام کو قائم رکھتے۔ (مسلم ونسائی، کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اس سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ اُن کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ دو رکعتیں وہی شخص ادا کرسکتا ہے جو بھول جائے یا مشغول رہنے کی وجہ سے ان کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادا نہ کر سکا ہو۔ اگر نماز ادا کرنا اس وقت میں پسندیدہ فعل نہ ہوتا تو آپ ایسے وقت میں ان کو ادا نہ فرماتے۔

امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو ہم نے بطریق ابوداؤد، از عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، از عم خود یعقوب بن ابراہیم بن سعد، از پدر خود، از محمد بن اسحاق، از محمد بن عمرو بن عطاء از ذکوان مولیٰ عائشہؓ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے اور دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے۔ جس طرح آپ کئی دن کا مسلسل روزہ رکھتے مگر دوسروں کو اس سے منع کیا کرتے تھے (ابوداؤد ج ۱ ص ۹ کتاب الصلوٰۃ)

نیز وہ اس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق البزار، از یوسف بن موسیٰ، از جریر بن عبدالحمید، از عطاء بن السائب، از سعید بن جبیر، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم نے عصر کے بعد دو رکعتیں اس لیے ادا کی تھیں کہ ظہر کے بعد مال آیا تھا جس کی تقسیم میں مشغول رہنے کی وجہ سے آپ ظہر کے بعد والی دو رکعتیں پڑھ نہ سکے تھے چنانچہ وہ آپ نے عصر کے بعد ادا کیں۔ اس کے بعد آپؐ نے اس فعل کا اعادہ نہ کیا۔

وہ اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق ابن ایمن، از قاسم بن یونس، از ابو صالح عبداللہ بن صالح، از لیث، از خالد بن یزید[1]، از سعید بن ابی ہلال، از عبداللہ بن بابی[2] مولیٰ عائشہؓ[3]، از موسیٰ بن طلحہ روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب حج کے لیے آتے تو ہم اُن سے ملے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اُن دو رکعتوں کے بارے میں دریافت کیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے کہا یہ بات مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتائی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حضورؐ نے یہ دو رکعتیں آپ کے یہاں ادا کی تھیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں البتہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتایا تھا کہ آپؐ نے یہ دو رکعتیں اُن کے یہاں ادا کی تھیں۔ پھر حضرت معاویہؓ نے مسور کو یہ بات دریافت کرنے کے لیے ام سلمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد میرے یہاں تشریف لائے

[1] خالد بن یزید الجمحی المصری کی کنیت ابو عبدالرحیم ہے۔ یہ ثقہ راوی تھے ۱۳۹ھ میں وفات پائی۔

[2] بعض اہل علم کے نزدیک ان کا نام عبداللہ بن باباہ یا ابن بابیہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تین مختلف اشخاص کے نام ہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ یہ ایک ہی شخص کا نام ہے۔ اس کے والد کے نام میں اختلاف ہے ابن المدینی اور بخاری کا قول یہی ہے۔

[3] یہاں ان کو مولیٰ عائشہؓ کہا گیا ہے جب کہ التہذیب میں مولیٰ آل حُجیر بن ابی اہاب یا مولی العلیٰ بن اُمیہ قرار دیا گیا ہے واللہ اعلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دو رکعتیں ادا کیں۔ مَیں نے عرض کی یارسُول اللہ! آج مَیں نے آپ کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ قبل ازیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ایک جھگڑنے والے نے مجھے ان کی ادائیگی سے روک دیا۔ یہ دو رکعتیں ہیں جن کو میں عصر سے پہلے پڑھا کرتا تھا۔ مَیں نے چاہا کہ اب ان کو ادا کر لوں۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَیں نے قبل ازیں آپؐ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد۔ (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۳)

نیز وہ اس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابو اسحاق السّبیعی، از عاصم بن حمزہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام فرض نمازوں کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے ماسوا فجر اور عصر کے[1]۔ (ابو داؤد، نسائی، بیہقی کتاب الصلوٰۃ)

نیز اُس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کو بعض لوگوں نے بطریق حماد بن سلمہ، از الازرق بن قیس، از ذکوان حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ کر میرے گھر میں داخل ہوئے اور دو رکعتیں ادا کیں۔ مَیں نے عرض کی یارسُول اللہ! آپؐ نے یہ ایسی نماز پڑھی ہے کہ پہلے کبھی نہ پڑھی تھی۔ فرمایا میرے یہاں مال آیا تھا جس کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے مَیں ظہر کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکا جو مَیں فرضوں کے بعد پڑھا کرتا تھا۔ وہ مَیں نے اب ادا کر لی ہیں۔ مَیں نے عرض کی کیا ہم بھی اُن کی قضا پڑھ لیا کریں جب پڑھی نہ جا سکی ہوں؟ فرمایا "نہیں" (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۴)

وہ اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جو بطریق ابو اُسامہ، از ولید بن کثیر، از محمد بن عمرو بن عطاء، از عبدالرحمٰن بن ابی سفیان[2] منقول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیج کر عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آپؐ نے دو رکعتیں میرے یہاں نہیں پڑھی تھیں، البتہ اُمّ سلمہؓ نے بتایا تھا کہ آپؐ نے دو رکعتیں اُن کے یہاں ادا کی تھیں۔ پھر معاویہؓ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کی طرف ایک شخص کو

---

[1] اس حدیث کو ابو داؤد نے بطریق محمد بن کثیر از ثوری روایت کیا ہے (ابو داؤد، ج ۱، ص ۴۹۲) نیز بیہقی نے بطریق حسین بن حفص از ثوری (ج ۲، ص ۴۵۹)

[2] محلّی کے ایک نسخہ میں عبدالرحمٰن بن سفیان ہے۔ مگر متن میں مذکور نام قابلِ ترجیح ہے۔ مصری نسخہ میں بھی اُسی طرح مذکور ہے۔ دونوں نسخوں میں اس سے آگے بالاتفاق عبدالرحمٰن بن ابی سفیان مذکور ہے۔ مجھے اِس عبدالرحمٰن کا تعارف اسماء الرّجال کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ (الجرح والتعدیل ۵: ۲۴۲) میں اور تاریخ کبیر ۵: ۲۹۲ میں امام بخاری نے ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھیجا۔ انہوں نے کہا آپؐ نے یہ دو رکعتیں میرے گھر میں ادا کی تھیں۔ اس سے قبل یا بعد میں نے آپؐ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ دو رکعتیں وہ ہیں جو میں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا۔ میرے پاس زکوٰۃ کے اونٹ آتے تو میں انہیں ادا کرنا بھول گیا حتیٰ کہ عصر کی نماز پڑھ لی۔ پھر مجھے یاد آیا تو میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ میں انہیں مسجد میں ادا کروں اور لوگ مجھے دیکھیں۔ اس لیے میں نے یہ دو رکعتیں آپ کے یہاں ادا کیں۔

امام مالکؒ اور ابوحنیفہؒ وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کے بعد ہم وہ احادیث ذکر کریں گے ——— وباللہ التوفیق

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی امام مالکؒ اور ابوحنیفہؒ کے لیے حُجّت نہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے :۔

ذکوان نے حضرت عائشہؓ سے جو روایت کی ہے وہ تو اس لیے حُجّت نہیں کہ اُس میں ان دو رکعتوں سے منع نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ عصر کے بعد کوئی نماز بھی نہ پڑھی جائے۔ اور یہ صحیح ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہوئی تو واجب ٹھہرا کہ حضورؐ کے عمل اور نہی دونوں پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ ہم عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ جو نماز آپؐ نے عصر کے بعد پڑھی ہے وہ پڑھ لی جائے۔ گویا اقل اکثر سے مستثنیٰ ہے۔ اس طرح ہمارا عمل دونوں حدیثوں پر ہو جائے گا اور ہم کسی کی مخالفت کے بھی مرتکب نہیں ہوں گے۔

جو شخص دو رکعتیں عصر کے بعد نہیں پڑھتا جو حضورؐ نے پڑھی تھیں اور ان کو ادا کرنے سے اس لیے منع کرتا ہے کہ حضورؐ نے عصر کے بعد نماز ادا کرنے سے منع کیا تھا، اور دوسرا وہ شخص جو عصر کے بعد نماز پڑھنے سے حضورؐ کی نہی پر اس لیے عمل پیرا نہیں ہوتا کہ آپؐ نے عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کی تھیں بالکل یکساں ہیں اور ان کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ اگر حضرت اُم سلمہؓ یہ فرماتیں کہ آپؐ ان کو ادا کرنے سے منع کیا کرتے تھے تو اس سے معلوم ہوتا کہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کا جواز آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر حدیث کے الفاظ میں اضافہ اور جھوٹ کی آمیزش نہیں کی جا سکتی۔ اور جس نے ایسا کیا اُس نے اپنا گھر جہنم میں بنا لیا۔ لہٰذا اُن کا احتجاج اس حدیث کے ساتھ باطل ٹھہرا۔

باقی رہی حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث تو وہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر معلول ہے :۔

(۱) جریر بن عبدالحمید نے عطاء سے اس وقت سُنا تھا جب عطاء کا حافظہ خراب ہو گیا اور اُس کی عقل جاتی رہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ یہ بات محدثین کے نزدیک معروف ہے[1]۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ابن عباسؓ کی روایت صحیح ہوتی اور ہم اس کو ابن عباسؓ کی زبانی سنتے تو بھی یہ حجت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ ابنِ عباسؓ نے صرف وہ بات بتائی ہے جس کا اُن کو علم تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات بیان کی جس کا ابنِ عباسؓ کو علم نہ تھا۔ اور وہ یہ کہ حضورؐ تا حیات یہ دو رکعتیں ادا کرتے رہے۔ اور یہ زائد علم ہے جسے ترک کرنا روا نہیں۔

جو شخص پورے وثوق سے کہے کہ مجھے فلاں بات کا علم ہے۔ اُس کی بات اُس شخص کی نسبت احسن ہے جو کہے کہ مجھے علم نہیں۔ اور یہ دونوں ہی سچے ہیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر ابنِ عباسؓ کا یہ قول صحیح ہوتا اور کسی صحابی سے اس کی مخالفت منقول نہ ہوتی تاہم یہ قول حجت نہ ہوتا، اس لیے کہ جس کام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک مرتبہ انجام دیں وہ دائمی طور پر حق اور حجت ہوتا ہے۔ جب تک حضورؐ اس کام سے منع نہ کریں۔ جو شخص یہ بات کہے کہ رسولِ کریمؐ کا فعل اُس وقت تک حجت نہیں ہوتا جب تک آپ اُس کو بار بار نہ کریں تو وہ شخص کافر اور مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ کم عقل بھی ہے اس لیے کہ یہ بات اُس وقت بھی کہی جا سکتی ہے جب کہ آپؐ نے یہ کام دو تین مرتبہ یا ہزار مرتبہ انجام دیا ہو۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ کوئی صاحبِ عقل و دانش اور مسلم ایسی بات کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

موجبِ حیرت تو یہ امر ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابی جب کوئی حدیث روایت کر کے خود ہی اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ اُس حدیث کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ اور بسندِ صحیح حضرت ابن عباسؓ سے عصر کے بعد نماز پڑھنے کی روایت منقول ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے پھر ابن عباسؓ کی مخالفت کی وجہ سے اُنہوں نے اس حدیث کو معلول کیوں نہ قرار دیا۔ مگر انہیں تناقض و تضاد کی چنداں پروا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث کلیۃً ساقط الاحتجاج

---

[1] التہذیب میں عطاء پر تنقید کرتے ہوئے امام احمد سے منقول ہے کہ "جس نے عطاء سے پہلے سُنا تھا اُس کا سماع صحیح ہے۔ اور جس نے بعد میں سُنا وہ معتبر نہیں۔ سفیان اور شعبہ نے عطاء سے اوائل عمر میں سُنا تھا۔ بخلاف ازیں جریر اور خالد نے بعد ازاں سُنا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں عطاء بن السائب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ لہٰذا جریر اور اُس کے رفقاء کا سماع احادیثِ صحیحہ پر مشتمل نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹھہری ——— وباللہ التوفیق

جہاں تک موسیٰ بن طلحہ کی روایت کا تعلق ہے وہ بوجوہ حجت نہیں ہے:۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔کیونکہ اس کی سند میں ابوصالح[1] کاتب لیث ضعیف راوی ہے نیز سعید بن ابی ہلال بھی ضعیف[2] ہے۔علاوہ ازیں اس میں موسیٰ بن طلحہ نے حضرت امّ سلمہؓ و عائشہ رضی اللہ عنہما سے سماع کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں دو رکعت پڑھنے کی ممانعت مذکور نہیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ہمارے لیے حجت ہوتی۔کیوں کہ اس میں مذکور ہے کہ آپؐ نے نماز عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کی تھیں۔اگر ان کا پڑھنا ناروا یا مکروہ ہوتا تو آپ دو رکعتیں نہ پڑھتے۔اور آپ کا فعل حق اور ہدایت ہے۔خواہ ایک دفعہ کیا ہو یا ہزار مرتبہ۔جو شخص کہے کہ آپ کا فعل ضلالت ہے وہ کافر ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت اُمّ سلمہؓ سے اس کے خلاف منقول ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔کیوں کہ اس روایت میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضورؐ نے یہ دو رکعتیں میرے یہاں ادا نہیں کیں۔حالانکہ ائمہ حدیث نے بتواتر نقل کیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ

---

[1] عبد اللہ بن صالح ابو صالح کاتب لیث بن سعد ثقہ راوی ہے۔مگر بعض احادیث کے روایت کرنے میں اس سے غلطی صادر ہوئی ہے۔لہٰذا اس پر یہ گرفت کی گئی ہے۔وہ اپنے شیخ سے بعض روایات نقل کرنے میں منفرد ہے جو کسی اور نے نقل نہیں کیں۔اس لیے بعض نے اُن سے انکار کیا ہے حالانکہ یہ انکار درست نہیں۔یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں لیث جب بھی ہمارے پاس آتے ابو صالح اُن کے ہمراہ ہوتا تھا۔یہ تمام سفروں میں لیث کے ہم رکاب ہوتا تھا (التہذیب) اس لیے کچھ بعید نہیں کہ اسے وہ بات معلوم ہو جو دوسروں کو معلوم نہ ہو۔حافظ ابن حجرؒ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابو صالح سے روایت کیا ہے۔

[2] سعید ثقہ راوی ہے۔ابن سعد، العجلی، ابن خزیمہ، دارقطنی، خطیب، بیہقی، ابن عبد البر اور دیگر محدثین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔امام احمدؒ کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ احادیث میں کس چیز کی آمیزش کر دیتا ہے۔توثیق کرنے والوں کے اقوال کی موجودگی میں یہ الفاظ تضعیف کے لیے کافی نہیں ہیں۔ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ابن حزم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ممکن ہے ابن حزمؒ نے یہ بات امام احمدؒ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کہی ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وسلم دو رکعتیں ہمیشہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ادا فرماتے رہے۔ مثلاً عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، مسروق، اسود بن یزید، طاؤس، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، ایمن اور دیگر راویانِ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ۔

بعینہٖ یہی بات حضرت اُمِّ سلمہؓ کی روایت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن ابی سفیان نقل کیا ہے۔ عبدالرحمٰن[1] مجہول راوی ہے۔ مزید براں اس نے ذکر نہیں کیا کہ یہ حدیث اس نے حضرت اُمِّ سلمہؓ سے سُنی ہے۔ یہ حدیث چونکہ کذب پر مشتمل ہے لہٰذا اس کے موضوع ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور کذب اُس قول میں پایا جاتا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: آپؐ نے دو رکعتیں میرے یہاں نہیں پڑھی تھیں۔ ہم قبل ازیں اُن لوگوں کا ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے اس قول کی تردید کی ہے۔

مزید برآں اس حدیث میں ایسے الفاظ بھی ہیں جو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ہرگز صادر نہیں ہو سکتے یعنی یہ الفاظ کہ "میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں مسجد میں دو رکعتیں ادا کروں جب کہ لوگ دیکھ رہے ہوں اس لیے میں نے یہ رکعتیں آپ کے یہاں ادا کیں"

اس کی وجہ یہ ہے کہ دو رکعتوں کا ادا کرنا یا تو مکروہ ہوگا یا حرام یا مُباح۔ مکروہ یا حرام ہونے کی صورت میں جو شخص رسُولِ کریمؐ کی جانب اس بات کو منسوب کرے کہ آپ چھُپ کر محرمات کا ارتکاب کرتے تھے وہ کافر ہے۔ اس لیے کہ اُس نے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاسق ٹھہرایا۔ حالانکہ آپؐ کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ ہر بات لوگوں کو بتا دیں۔ قرآن میں فرمایا:

وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْھٰکُمْ عَنْہُ۔ (ہود: ۸۸) "میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اُس کو کرنے لگوں"

یہ بات محال اور ممتنع ہے کہ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکروہ نماز پڑھنے کی زحمت فرمائیں جس میں اجر و ثواب کی کوئی امید نہ ہو۔ یہی وہ تکلف ہے جس کے بارے میں آپؐ کو یہ بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ۔ (ص: ۸۶) "اور میں تکلّف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"

---

[1] یہ عبدالرحمٰن بن ابی سفیان بن حویطب ہے جس کا ترجمہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ کبیر ۵: ۲۹۳، اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل ۵: ۲۴۲ میں کیا ہے۔ (ابوالاشبال)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور پناہ بخدا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی اور اختیار سے ایسا کام انجام دیں۔ ماسوا اُس کام کے جس سے تقربِ الٰہی حاصل ہوتا ہو۔ اور گاہے اللہ تعالیٰ ایسی بات کو آپ کے ذہن سے فراموش کر دیتا ہے جس میں ہمارے لیے حصولِ تقرب کا کوئی سامان نہ ہو۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا تعلق ہے وہ ہرگز حجت نہیں۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ نے اُس حدیث میں وہی بات بتائی ہے جس کا آپ کو علم تھا۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے حضورؐ کو دو رکعتیں پڑھتا نہیں دیکھا۔ اور آپ یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں۔ مگر اس سے دو رکعتوں کی ممانعت یا کراہت مستفاد نہیں ہوتی۔ جس طرح حضورؐ نے رمضان کے سوا کبھی پورے ماہ کے روزے نہیں رکھے تھے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ پورے ماہ کے نفلی روزے مکروہ ہیں۔ مزید برآں حضرت علیؓ کے علاوہ دوسرے راویوں نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے یہ دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق بتا دیا۔ لہٰذا یہ سب لوگ سچے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ صحابی جب کوئی حدیث روایت کر کے اُس کی خلاف ورزی کرے تو یہ حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔ پھر یہاں وہ یہ بات کیوں نہیں کہتے؟

باقی رہی حماد بن سلمہ کی روایت کردہ حدیث جو انہوں نے بطریقِ ازرق بن قیس، از ذکوان از اُمِّ سلمہ نقل کی ہے تو وہ منکر روایت ہے۔ اس لیے کہ یہ روایت حماد بن سلمہ کی کتب میں مذکور نہیں۔ مزید برآں یہ حدیث منقطع بھی ہے ذکوان نے اس کو حضرت اُمِّ سلمہؓ سے نہیں سنا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوالولید طیالسی نے اس کو بطریقِ حماد بن سلمہ، از ازرق بن قیس، از ذکوان، از عائشہؓ از اُمِّ سلمہؓ روایت کیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے گھر میں عصر کے بعد دو رکعت نماز ادا کی تھی۔ مَیں نے عرض کی یہ دو رکعتیں کیسی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا مَیں یہ دو رکعتیں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا۔ میرے پاس باہر سے مال آیا تھا اُس کی تقسیم میں مشغول رہنے کی وجہ سے مَیں نے یہ اب ادا کی ہیں۔

یہ متصل روایت ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ "کیا ہم بھی ان کی قضا کیا کریں؟ فرمایا نہیں"۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس اضافے کو ذکوان نے اُمِّ سلمہ سے نہیں سنا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ الفاظ اُس نے کس سے اخذ کیے؟ لہٰذا یہ ساقط الاعتبار ہیں[1]۔ بشرطِ صحت بھی یہ الفاظ اس لیے حجت نہیں کہ ان میں اُن رکعتوں کو ادا کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔

[1] البتہ مؤلف نے ذکوان کی جو روایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے وہی معروف ہے۔ اور ذکوان کی روایت اُمِّ سلمہؓ سے منکر ہے۔ بیہقی ج ۲ ص ۴۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ صرف قضا سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ کے کلام کو اس بات پر محمول نہیں کرنا چاہیے جو آپ نے نہیں فرمائی۔ اس لیے کہ ایسا کرنے والا دین میں دجل و تلبیس کا مرتکب ہوتا ہے۔

جس حدیث میں عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ہم اس کو اس مسئلہ کے بعد مع نقد و تبصرہ ذکر کریں گے ———— بِحَوْلِ اللہِ وَقُوَّتِہٖ۔

امام شافعیؒ نے حدیث نبوی "جب آپ کوئی نماز ادا کرتے تو اُس کی پابندی کرتے" سے جو استدلال کیا ہے وہ ان کے لیے حجت نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ جو شخص عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا نہ بھولا ہو وہ یہ دو رکعتیں نہیں پڑھ سکتا۔ اس حدیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنا مباح ہے۔ اس لیے کہ اگر نماز جائز نہ ہوتی تو آپ قضا یا ادا کسی صورت میں بھی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکتے تھے۔ آپ کے ادا کرنے میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ کام جائز اور پسندیدہ ہے۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو صرف وہی شخص ادا کرے جو بھول جانے کی وجہ سے ان کو ادا نہ کر سکا ہو۔ پس اُن کا احتجاج ساقط ہوا۔

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں جب مخالفین کے پیش کردہ دلائل کا بُطلان واضح ہو چکا تو اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جو عصر کے بعد دو رکعتوں کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔

عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے دلائل

۳۵۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن الحجاج، از زُہیر بن حرب و محمد بن عبداللہ بن نُمیر روایت کیا ہے۔ زُہیر جریر سے روایت کرتے ہیں، اور ابن نُمیر اپنے والد سے۔ پھر دونوں مل کر ہشام بن عُروہ سے، وہ اپنے والد] اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے یہاں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا کبھی ترک نہ کیا۔ (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۵۵۔ نیز بدین سند [تا مسلم، از علی بن حُجر، از علی بن مُسہر، از ابو اسحاق شیبانی، از عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید، از پدر خود] حضرت

ت نے ذکوان کی حضرت عائشہؓ سے روایت بطریق عبدالملک بن ابراہیم، از حماد، از الازرق، از ذکوان نقل کی ہے۔ اس میں قضا سے متعلق اضافہ مذکور نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں دو نمازوں کے ادا کرنے کو خفیہ یا علانیہ کبھی ترک نہیں کیا یعنی نماز فجر کے پہلے دو رکعتیں اور عصر کے بعد دو رکعتیں۔ (بخاری، مسلم، نسائی، کتاب الصلوٰۃ)

۲۵۶- بدیں سند [تا مسلم- از حسن الحلوانی، از عبدالرزاق، از معمر، از ابن طاؤس، از پدرِ خود] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی ترک نہ کیں۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

۲۵۷- ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی، از ابراہیم بن احمد بلخی، از الفربری، از بخاری، از ابو نُعیم الفضل بن دُکین، از عبدالواحد بن ایمن، از پدرِ خود] اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ مجھے اُس ذات کی قسم جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئی (وفات دی) حضورؐ نے نماز عصر کے بعد دو رکعت ادا کرنا کبھی ترک نہ کیا حتٰی کہ وفات پائی۔ فرماتی ہیں، آپؐ نے اس وقت وفات پائی جب نماز ادا کرنا آپ پر گراں گزرتا تھا۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

دو رکعتوں کے بارے میں اس حدیث میں بہت تاکید پائی جاتی ہے۔ دو رکعتوں پر مشتمل حدیث کو اُمّ المومنین اُمِّ سلمہ و میمونہ، تمیم داری، عمر بن الخطاب، زید بن خالد الجہنی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ احادیث متواتر کے درجہ پر فائز ہیں اور ان سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

۲۵۸- ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از ابن ایمن، از احمد بن محمد البرتی القاضی، از ابو معمر یعنی عبداللہ بن عمرو الرقی، از عبدالوارث بن سعید، از حنظلہ یعنی ابن ابی سفیان الجُمحی، از عبداللہ بن الحارث بن نوفل] روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی۔ آپؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ کیسی نماز ہے؟ لوگوں نے کہا عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ ابن زبیرؓ لوگوں کے ساتھ آئے تو حضرت معاویہؓ نے کہا یہ کیسا فتویٰ ہے جو آپ دے رہے ہیں کہ عصر کے بعد نماز پڑھا کرو؟ ابن زبیرؓ نے کہا کہ مجھے رسول اکرمؐ کی اہلیہ نے بتایا تھا کہ آپؐ نے عصر کے بعد نماز پڑھی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے کہا یہ حدیث میمونہ بنتِ حارث نے بیان کی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت میمونہؓ کی طرف دو آدمیوں کو بھیجا۔ انہوں نے کہا میں نے تو یہ حدیث بیان کی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر کو تیار کر رہے تھے اور اسی میں مشغول رہے حتٰی کہ عصر کا وقت ہو گیا چنانچہ آپ نے عصر کی نماز ادا کی۔ پھر لوٹ کر وہ نماز پڑھی جو عصر سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ فرماتی ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ جب نماز پڑھتے یا کوئی کام کرتے تو اُس کی پابندی فرماتے۔ یہ سُن کر ابن زبیرؓ نے کہا کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی؟ بخدا ہم ضرور یہ نماز پڑھا کریں گے۔ (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۳ مختصراً)

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں ابن زبیرؓ کی دلیل کو غلبہ حاصل ہو گیا لہٰذا اُس پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔

• ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہمارے مخالفین کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ عصر کے بعد نماز پڑھنے والے کو پیٹا کرتے تھے اور ابن عباسؓ بھی آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دین میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول حجت نہیں، خواہ حضرت عمرؓ ہوں یا کوئی اور۔ بلکہ حضورؐ کا قول حضرت عمرؓ اور دوسروں پر حجت ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ کی کئی جماعتوں نے اس ضمن میں حضرت عمرؓ کی مخالفت کی ہے۔

۳۵۹۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از محمد بن احمد بن مُفرج، از عبداللہ بن جعفر بن الوردؒ[1]، از یحییٰ بن ایوب بن بادی العلاف، از یحییٰ بن بکیر، از لیث بن سعد، از ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل یعنی یتیم[2] عروہ بن زبیر، از عروہ، از تمیم داری] روایت کیا ہے۔ یہ مجھے بتایا گیا کہ تمیم داری نے نماز عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کیں۔ اندریں اثنا حضرت عمرؓ تشریف لاتے اور ان کو دُرّے سے مارنے لگے۔ تمیم نے اُن کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو آپ بیٹھ گئے۔ تمیم نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ نے مجھے کیوں مارا؟ حضرت عمرؓ نے کہا اس لیے کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں اور مَیں نے اس سے منع کر رکھا ہے۔ تمیم نے کہا مَیں نے یہ رکعتیں اُس ہستی کی ہمراہی میں ادا کی تھیں جو آپ سے بہتر تھی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے گروہ صحابہ! میرا مقصد آپ کو ان دو رکعتوں سے روکنا نہیں مجھے یہ اندیشہ دامنگیر ہے کہ تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں جو عصر و مغرب کے مابین نماز پڑھنے لگیں۔ حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جس میں حضورؐ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ مگر یہ لوگ اُسی طرح نماز پڑھتے چلے جائیں جس طرح ظہر اور عصر کے درمیان پڑھتے ہیں۔ پھر کہیں کہ ہم نے فلاں فلاں شخص کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۲)

۳۶۰۔ ہم نے بطریق [حمام، از ابن مُفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج روایت کیا ہے،

---

[1] المحلّٰی کے ایک نسخہ میں الوراد ہے مگر وہ صحیح نہیں، عبداللہ کا ترجمہ دیکھیے (التہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۵ و ۲۲۹) بادی بروزن وادی۔

[2] ان کو یتیم عروہ اس لیے کہا گیا کہ ان کے والد نے اس کی تربیت عروہ کے سپرد کی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن جریج کہتے ہیں میں نے ابو سعید الاعمیٰ[1] سے سُنا وہ السائب مولیٰ الفارسیین سے روایت کرتے ہیں۔ وہ زید بن خالد الجہنی سے] کہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے عہدِ خلافت میں عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو دُرّے سے مارنے لگے۔ انہوں نے نماز کو جاری رکھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو زید بن خالد نے کہا۔ اے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم میں یہ دو رکعتیں ہرگز ترک نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر اُن کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا اے زید بن خالد! اگر مجھے یہ خدشہ دامنگیر نہ ہوتا کہ لوگ ان کو رات تک نماز کو جاری رکھنے کا ذریعہ بنا لیں گے تو میں ان کی وجہ سے لوگوں کو نہ مارتا۔ (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۳) مُصنّف عبد الرزاق ۲: ۴۳۱)۔

یہ نصِّ جلی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عصر کے بعد آفتاب کے زرد پڑنے اور غروبِ آفتاب کے قریب ہونے تک نوافل ادا کرنے کو جائز تصور کرتے تھے۔

ہم نے بسندِ صحیح از شعبہ، از ابو جمرہ نصر بن عمران الضبعی روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر پیٹا کرتے تھے پھر ابن عباسؓ نے کہا اگر تم چاہو تو عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک نماز پڑھ سکتے ہو (مُصنّف عبد الرزاق ۲: ۴۳۳)۔

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں ہمارے مخالفین اُس صحابی کے بارے میں جو حدیث کو روایت کر کے اُس کی مخالفت کرے کہتے ہیں کہ اگر انہیں اُس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوتا تو اُس کی مخالفت نہ کرتے۔ لازماً انہیں یہاں بھی وہی بات کہنی چاہیے کہ اگر ابن عباسؓ کے پاس حضرت عمرؓ کے فعل سے مضبوط تر علم نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کے موقف کی مخالفت نہ کرتے۔

اسی قسم کی ایک روایت بطریق شعبہ، از ابو شعیب، از طاؤس بھی منقول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں انہوں نے یُوں کیوں نہ کہہ دیا کہ اگر عبد اللہ بن عمرؓ ایسا زائد علم نہ رکھتے ہوتے جو اُن کے والد کے فعل سے پختہ تر تھا تو ہرگز اپنے والد کی مخالفت نہ کرتے؟ ہم نے عبد الرزاق سے روایت کیا ہے۔ وہ ابن جریج سے وہ

---

[1] مجھے اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ ابو سعید اور اس کا شیخ السائب کون لوگ ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عطاء بن ابی رباح سے نقل کرتے ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ و اُمّ سلمہؓ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۳۰)

اسی طرح ہم نے حماد بن سلمہ اور ہشام بن عُروہ سے روایت کیا ہے، حماد عطاء ابن السائب سے وہ سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ عصر کے بعد کھڑی ہو کر دو رکعت پڑھا کرتی تھیں۔ اور اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ بیٹھ کر چار رکعت ادا کیا کرتی تھیں۔ جب حضرت میمونہؓ سے اس ضمن میں سوال کیا گیا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں فرمایا وہ نوجوان ہیں اور میں بوڑھی ہوں۔ اس لیے میں (بیٹھ کر) ان کی دو رکعت کے عوض چار رکعت پڑھ لیتی ہوں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس سے اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہیں جو اُمّ سلمہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اُن سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بھی یہ رکعتیں پڑھ لیا کریں؟ فرمایا "نہیں"۔

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زُبیرؓ اور عبداللہ بن زُبیر عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۳)

ہم نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔ وہ معمر سے وہ ہشام بن عُروہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم مسجدِ حرام میں عبداللہ بن زُبیرؓ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ہم اُن کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور ان کے ساتھ نماز پڑھتے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۳۴)

و نیز عبدالرزاق معمر سے وہ زُہری سے وہ سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ "المُنکدر" نے عصر کے بعد نوافل ادا کیے تو حضرت عمرؓ نے انہیں پیٹا۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۲۸)

ابن حزمؒ فرماتے ہیں: المنکدر اور السائب دونوں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔

و نیز عبدالرزاق معمر سے وہ ابن طاؤس سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو نفل پڑھنا ترک کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے وفات پائی تو پھر پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو ایوبؓ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا حضرت عمرؓ ان کی وجہ سے لوگوں کو پیٹا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۳۳)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ عصر کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز پڑھنے کی اجازت دیا کرتے تھے۔ ہم نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کیا ہے وہ شعبہ و سُفیان دونوں سے وہ ابواسحاق السّبیعی سے وہ عاصم بن ضمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک سفر میں عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اپنے خیمہ میں داخل ہو کر دو رکعتیں ادا کیں۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۴)

نیز محمد بن جعفر سے وہ شعبہ سے وہ ابواسحاق سبیعی سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے ابوجُحیفہ سے عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا "یہ دو رکعتیں اگر فائدہ نہیں دیں گی تو نقصان بھی نہیں پہنچائیں گی"۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۳)

و نیز یحییٰ بن سعید القطان شعبہ سے روایت کرتے ہیں، وہ یزید بن خُمیر سے وہ عبداللہ بن یزید سے وہ جبیر بن نُفیر سے، کہا، حضرت عمرؓ نے عُمیر بن سعد کو خط لکھ کر انہیں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے سے منع کیا۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا "میں تو ان کو کبھی ترک نہیں کروں گا، جو غصّے سے پھٹنا چاہے پھٹ جائے۔

و نیز حمّاد بن زید، انس بن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "میں حضرت انسؓ بن مالک کے ساتھ ان کی اراضی کی طرف گیا جو بَذق نامی جگہ میں پندرہ میل کے فاصلہ پر تھی۔ اسی دوران عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت انسؓ نے کشتی پر ایک گدیلہ تھا اُس پر بیٹھ کر ہمیں نماز پڑھاتی۔ پھر سلام پھیر دیا، پھر دو رکعتیں اور پڑھائیں۔

و نیز یزید بن ہارون سے روایت ہے۔ وہ عمّار بن ابی مُعاویہ الدھنی سے، وہ ابوشعبہ التیمی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز کے بعد طواف کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، (البیہقی ۲: ۴۶۳)

و نیز عبدالرحمٰن بن مہدی، سُفیان ثوری سے وہ قیس بن مسلم سے وہ طارق بن شہاب سے وہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مؤذّن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے صرف غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۶)

و نیز عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں، وہ ابواسحاق سبیعی سے، وہ ابوالاحوص سے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "ایک زمانہ آئے گا جس میں خطیب زیادہ اور علماء کم ہوں گے۔ طویل خطبہ دیا کریں گے اور نماز تاخیر سے ادا کریں گے۔ حتیٰ کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا جائے گا" موت سے ہم گھٹنے کا وقت آگیا" میں نے عرض کی اس کا کیا مطلب؟ کہنے لگے جب آفتاب بہت ہی زرد پڑ جاتا ہے تم میں سے کوئی شخص جب یہ زمانہ پائے تو وقت پر نماز ادا کر لیا کرے۔ بعد ازاں ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرے۔ جو نماز اس نے تنہا پڑھی ہے اسے فرض قرار دے، اور جو اُن کے ساتھ پڑھی ہے اس کو نفل تصور کرے۔

(مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۴۲)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، ام المؤمنین عائشہؓ، اُم سلمہؓ، میمونہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابہ جو موجود تھے، نیز تمیم الداریؓ، المنکدرؓ، زید بن خالد الجہنیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو ایوب انصاریؓ، ابو جحیفہ، ابو الدرداءؓ، انسؓ، حسن بن علیؓ، بلالؓ، طارق بن شہابؓ، ابن مسعودؓ، نعمان بن بشیرؓ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر موجود ہیں۔ اب بتائیے باقی کون رہا جو ان میں شامل نہیں ہے؟

ان کے خلاف صحابہ سے کوئی روایت منقول نہیں۔ البتہ ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب صحابی کسی ضمن میں کہے کہ یہ آنحضورؐ کا خاصہ ہے، جب کہ دیگر صحابہ اسے عام قرار دیں تو اسے عام ہی تصور کیا جائے گا حتیٰ کہ حضورؐ کی خصوصیت کسی نص صحیح سے ثابت ہو جائے ظاہر ہے کہ وہ موجود نہیں۔ دوسری روایت حضرت معاویہؓ سے منقول ہے جس میں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے سے منع تو نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ مذکور ہے کہ لوگ عہد رسالت میں عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک اور ضعیف روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرسلاً منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

----- کہ جس بات کو حضرت عمرؓ ناپسند کرتے تھے میں بھی اسے ناپسندیدہ تصور کرتا ہوں حالانکہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی اباحت منقول ہے۔ ابو بکرؓ کے نزدیک آفتاب پر زردی چھا جانے کے بعد ہر قسم کی نماز ممنوع ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بکثرت تابعین جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا عصر کے بعد دو رکعتوں کو جائز کہتے ہیں۔ ان میں سے ہشام بن عروہ اور انس بن سیرین کے نام قابل ذکر ہیں۔ عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں وہ عبداللہ بن طاؤس سے کہ میرے والد عصر کے بعد دو رکعتوں کو ترک نہیں کیا کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۳۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حماد بن سلمہ یعلی بن عطاء سے روایت کرتے ہیں۔ وہ یزید بن طلق سے کہ عبدالرحمٰن بن بیلمانی عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ عبدالرزاق ابن جُریج سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابراہیم بن مَیسرہ سے کہ طاؤس نے اُن کی موجودگی میں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کیں پھر ابراہیم سے دریافت کیا کیا تم عصر کے بعد نماز پڑھتے ہو؟ میں نے کہا "جی ہاں!" کہنے لگے" اللہ کی قسم تم بہت اچھا کرتے ہو"۔ (عبدالرزاق ۲: ۴۳۳)

یحییٰ بن سعید القطان شعبہ سے روایت کرتے ہیں، وہ اَشعث بن ابی الشعثاء سے (جن کا نام اَشعث بن سلیم ہے) وہ کہتے ہیں میں اپنے والد، عمرو بن میمون، اَسود، مسروق اور ابو وائل کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوا۔ یہ سب لوگ ظہر و عصر کے بعد دو دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۲)

محمد بن جعفر غُندر شعبہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابو اسحاق سَبیعی سے کہ میں نے قاضی شُریح کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا (مُصنّف ابن ابی شیبہ نے دوسری سند سے ۲: ۳۵ میں روایت کیا ہے)

محمد بن المثنیٰ، معاذ بن معاذ العنبری سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے قتادہ سے سُن کر بتایا کہ سعید بن المسیّب عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

محمد بن المثنیٰ ابو عاصم النبیل سے روایت کرتے ہیں وہ عمر بن سعید سے، کہ میں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر کو عصر کے بعد طواف کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے دیکھا۔ حسن سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

یہ دیکھیے ہشام بن عروہ، انس بن سیرین، طاؤس، عبدالرحمٰن بن بَیلمانی، ابراہیم بن مَیسرہ، ابو الشعثاء اور ان کا بیٹا اَشعث، عمرو بن میمون، مسروق، اَسود، ابو وائل، قاضی شُریح، سعید بن المُسیّب، قاسم بن محمد اور دیگر اہلِ علم مثلاً عبداللہ بن ابو ھُذیل، ابو بُردہ بن ابو موسیٰ، عبدالرحمٰن بن اَسود، احنف بن قیس، ابو خیثمہ اور ابو ایوب ہاشمی سب اسی کے قائل ہیں۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے۔

۲۸۹۔ قضا کی ادائیگی میں دانستہ تاخیر جائز نہیں

جو فرضی نماز بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے رہ گئی ہو اُس میں دانستہ تاخیر جائز نہیں۔ جب آفتاب زرد پڑ جائے تو دانستہ نفل ادا کرنا جائز نہیں۔ غروبِ آفتاب کے بعد ادا کیے جائیں جب آفتاب دوپہر کے وقت ٹھیک سر پر ہو اُس وقت نماز جائز نہیں حتیٰ کہ آفتاب ڈھل جائے۔ نماز فجر سے سلام پھیرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد نماز جائز نہیں حتیٰ کہ آفتاب صاف اور سفید پڑ جائے۔ البتہ بھول جانے یا سو جانے سے جو نماز رہ گئی ہو وہ ان اوقات میں ادا کی جاسکتی ہے خواہ وہ فرض ہو یا نفل۔ ان اوقات (سہ گانہ) میں نمازِ جنازہ، استسقاء، صلوٰۃ الکسوف اور تحیۃ المسجد ادا کرنا جائز ہے۔ جو شخص ان اوقات میں سے کسی وقت میں نماز کے لیے وضو کرے تو اس کے ساتھ نوافل ادا کر سکتا ہے۔ البتہ یہ بات جائز نہیں کہ کوئی شخص دانستہ یاد ہونے کے باوجود ان نمازوں کو ترک کر دے حتیٰ کہ یہ اوقات شروع ہو جائیں۔ جو شخص ایسا کرے اس کی یہ نماز اس کے لیے کافی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں ارادۃً نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

طلوعِ فجر کے بعد اگر کسی شخص نے نمازِ فجر ادا نہ کی ہو تو وہ حسبِ منشا نوافل ادا کر سکتا ہے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے بعد اور نمازِ مغرب کی ادائیگی سے قبل بھی نوافل جائز ہیں۔ ہم جو کچھ قبل ازیں بیان کر چکے ہیں داؤد (ظاہری) اس سے متفق ہیں۔ البتہ وہ کہتے ہیں کہ نمازِ عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب کی ابتدا تک نوافل ادا کرنا جائز ہے۔ اس ضمن میں جو نہی وارد ہوئی تھی منسوخ ہو چکی ہے۔

حنفی مسلک

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں:

"تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں کسی طرح بھی نہ تو فوت شدہ فرائض ادا کیے جا سکتے ہیں نہ غیر فوت شدہ اور نہ ہی نوافل۔

وہ اوقاتِ ثلاثہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) آفتاب کی ٹکیہ نمودار ہونے سے اس کے سفید اور صاف ہونے تک۔

(۲) آفتاب کے سر پر آنے سے لے کر زوال تک بجز روزِ جمعہ کے۔ اس لیے کہ جو شخص اس وقت جامع مسجد میں آئے تو وہ نماز ادا کر سکتا ہے۔

(۳) آفتاب کے مائل الی الغروب ہونے سے لے کر پوری طرح غروب ہونے تک۔ البتہ اُس روز کی عصر اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ وہ غروبِ آفتاب کے وقت، غروب سے پہلے اور اس کے بعد ادا کی جا سکتی ہے۔ ان اوقات میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔ البتہ اگر ادا کرے تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔

تین اوقات ایسے ہیں جن میں ہر قسم کے فرائض، نمازِ جنازہ اور سجدہ ہائے تلاوت ادا کیے جا سکتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگران میں نوافل، طواف کے بعد کی دو رکعتیں اور وہ نماز جس کی نذر مانی گئی ہو ادا کرنا جائز نہیں۔ وہ تین اوقات یہ ہیں:-

۱۔ طلوعِ فجرِ ثانی سے لے کر نمازِ فجر ادا کرنے تک۔ البتہ نمازِ فجر کی دو سنتیں ادا کرنا جائز ہے۔

۲۔ نمازِ عصر کے بعد سے لے کر، آفتاب کے مائل الی الغروب ہونے تک۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفتاب کے زرد پڑ جانے پر سجدہ ہائے تلاوت اور نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔

۳۔ غروبِ آفتاب سے لے کر نمازِ مغرب ادا کرنے تک۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چوتھا مکروہ وقت وہ ہے جب کوئی شخص جمعہ کے روز مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو شخص صبح کی نماز کا آغاز کرے، جب وہ نماز کا تھوڑا یا بہت حصہ ادا کرلے تو آفتاب نمودار ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اور اگر کوئی شخص تشہد کے لیے اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر تشہد میں بیٹھا جاتا ہے، اس کے بعد آفتاب کی ٹکیہ نمودار ہونے لگے، اور ابھی اس نے سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ اور اگر اس حالت میں کھلکھلا کر ہنس پڑے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر بقدرِ تشہد بیٹھنے اور سلام پھیرنے سے قبل وہ دانستہ یا نادانستہ اپنا وضو توڑ دے، یا دانستہ و نادانستہ گفتگو کرنے لگ جائے تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔ اس حالت میں قہقہہ لگانے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

قاضی ابویوسفؒ اور محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر طلوعِ آفتاب سے پہلے بقدرِ تشہد بیٹھ چکا ہو تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔ اگر کسی شخص نے عصر کی نماز شروع کی، اور اس کا کچھ حصہ ادا کیا، خواہ وہ تکبیر ہی کیوں نہ ہو، یا زیادہ حصہ ادا کیا اور آفتاب یا اس کا کچھ حصہ ڈوب گیا تو نماز کو جاری رکھے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں اگر کسی شخص نے نمازِ فجر کی سنتیں اپنے گھر میں ادا کیں اور پھر مسجد میں آیا تو بیٹھ جائے اور رکعتیں دوبارہ ادا نہ کرے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب کے بعد مسجد میں آیا تو کھڑا ہو کر اقامت کا انتظار کرے، نہ بیٹھے اور نہ نماز پڑھے۔ ابویوسفؒ کہتے ہیں بیٹھ جائے مگر نماز نہ پڑھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالکیہ امام مالکؒ کہتے ہیں ان تمام اوقات میں بھولے ہوئے یا چھوٹے ہوئے تمام فرائض ادا کر سکتا ہے۔ نمازِ فجر کے بعد اس وقت تک نوافل ادا نہ کیے جائیں جب تک آفتاب نمودار ہو کر صاف اور سفید نہ ہو جائے۔ اسی طرح نمازِ عصر کے بعد آفتاب غروب ہونے تک کوئی نماز ادا نہ کی جائے۔ غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب ادا کرنے سے پہلے بھی کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔ اس وقت جو شخص مسجد میں داخل ہو وہ بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے۔ طلوعِ فجر کے بعد صرف نمازِ فجر کی دو سنتیں پڑھی جائیں، دیگر نوافل نہ پڑھے جائیں۔ البتہ اگر کسی شخص پر نیند کا غلبہ ہو گیا ہو اور وہ نمازِ تہجد رات کو ادا نہ کر سکا ہو تو وہ طلوعِ فجر کے بعد اور نمازِ فجر سے پہلے اسے ادا کر سکتا ہے۔ جو شخص فجر کی سنتیں اپنے گھر میں ادا کر کے مسجد میں آتے تو اگر چاہے دو رکعت پڑھ لے اگر چاہے بیٹھا رہے اور نماز نہ پڑھے۔ امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر وہ سنتیں پڑھ چکا ہو تو بیٹھا رہے اور دوبارہ نہ پڑھے۔

دوپہر کے وقت جب آفتاب سر پر ہو امام مالکؒ کے نزدیک نوافل ادا کرنا جائز ہے اور مکروہ نہیں آپ کے نزدیک نمازِ فجر کے بعد اچھی طرح روشنی ہونے سے پہلے نمازِ جنازہ جائز ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک نمازِ عصر کے بعد آفتاب زرد ہونے سے پہلے نمازِ جنازہ جائز ہے۔ سجدہ ہائے تلاوت کے بارے میں اُن سے دو قول مروی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد جب تک آفتاب اچھی طرح روشن نہ ہو سجدہ جائز نہیں۔ اسی طرح عصر کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد آفتاب کے روشن ہونے سے پہلے اور نمازِ عصر کے بعد آفتاب زرد پڑنے سے پہلے سجدۂ تلاوت جائز ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں جو شخص ان آیات کی تلاوت اوقاتِ ممنوعہ میں کرے اُسے چاہیے کہ آیتِ سجدہ کو چھوڑ کر اگلی پچھلی آیتوں کو باہم ملا دے۔

شافعیہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ان اوقات میں فوت شدہ فرائض ادا کیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح تمام مامور بہا نوافل بھی ادا کرنا درست ہے۔ ممنوع بات یہ ہے کہ ان اوقات میں نوافل کا آغاز نہ کیا جائے۔ البتہ یوم الجمعہ اور مکہ مکرمہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے کہ جمعہ کے روز اور مکہ میں ان تمام اوقات میں نوافل کا ادا کرنا جائز ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم ان مسالک پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؒ نے اس ضمن میں جو تقسیم کی ہے وہ فاسد اور متناقض دعاوی پر مبنی ہے۔ کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اقوالِ صحابہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔"

علیٰ ہذا القیاس امام مالکؒ کے اقوال بھی دلیل و برہان سے عاری ہیں خصوصاً آپ کا یہ قول کہ آیتِ سجدہ کو تلاوت کے وقت ساقط کر دیا جائے۔ یہ نظمِ قرآن کو بگاڑنے والی بات ہے۔ یہ ایسا قول ہے جو علماءِ سلف میں کسی سے منقول نہیں۔ اسی طرح دوپہر کے وقت کو جب آفتاب سر پہ ہوتا ہے اوقاتِ ممنوعہ سے خارج کرنا بھی احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے۔ حالانکہ ان احادیث کا کوئی معارض نہیں۔

امام شافعیؒ نے مکہ مکرمہ اور دیگر دیار و بلاد اور یوم الجمعہ اور دیگر ایام کے مابین جو تفریق کی ہے وہ دو ضعیف آثار پر مبنی ہے جن کو ہم نے روایت کیا ہے۔ ایک قول میں ہے کہ ان اوقات میں نماز ممنوع ہے بجز مکہ کے، اور دوسرے میں ہے کہ یوم الجمعہ نماز کے لیے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں آثار ساقط الاحتجاج ہیں، ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی ان کو روایت نہیں کیا۔ لہٰذا ایسے آثار کو نظر انداز کر کے احادیثِ صحیحہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ کوشش یہ کی جائے کہ یا تو جملہ احادیث کو معمول بہا بنایا جائے یا ایک حکم کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے دلائل کو جانچا پرکھا جائے۔ جیسا کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے۔[1]

---

[1] مکہ کی تخصیص پر مشتمل حدیث کو بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۱) نے بطریق شافعی از عبداللہ بن المؤمّل از حمید مولیٰ عفراء از قیس بن سعد از مجاہد از ابوذر روایت کیا ہے۔ دوسری روایت بطریق ابراہیم بن طہمان از حمید از عبداللہ المؤمل منقول ہے جو ضعیف ہے۔ ابن طہمان کی متابعت سے اس حدیث کو تقویت حاصل ہوتی ہے بیہقی نے اس حدیث کو اس کے راوی حمید الاعرج کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ ثقہ راوی نہیں ہے۔ ابن الترکمانی نے بیہقی پر یہ گرفت کی ہے کہ حمید کو منکر الحدیث ، اور وضاع قرار دینا سخت غلطی ہے۔ اس لیے کہ وہ حمید الاعرج کوفہ کا قصہ گو ہے جس کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں جو حمید ہے وہ ابن قیس الاعرج المکی ابوصفوان مولیٰ عفراء ہے جو کہ ثقہ راوی ہے۔ بخاری و مسلم نے اس سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حدیث میں جو علت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مرسل ہے۔ اس لیے کہ مجاہد کا سماع ابوذر سے ثابت نہیں جیسا کہ بیہقی نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۶۱- ابنِ حزمؒ کہتے ہیں، ہم نے [ہمام سے روایت کیا، وہ عباس بن اصبغ سے، وہ محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، وہ عبداللہ بن احمد بن حنبل سے، وہ اپنے والد سے وہ عفان بن مسلم سے وہ ہمام بن یحییٰ سے، وہ قتادہ سے وہ ابوالعالیہ سے، وہ] حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ چند پسندیدہ آدمیوں نے میرے پاس شہادت دی جن میں پسندیدہ تر حضرت عمرؓ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دو نمازوں کے بعد کوئی نماز نہیں۔ ایک تو نماز فجر کے بعد حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو اور دوسرے عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو۔" (مسند امام احمد ۱: ۳۹)

ہم نے اس حدیث کو متعدد طُرق سے روایت کیا ہے۔ چونکہ یہ سند صحیح ہے اس لیے ایک سند پر اکتفا کیا۔ اس کی جملہ اسانید صحیح ہیں (بخاری، مُسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی سب نے اس کو کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے)

۳۶۲- [ہم نے روایت کی، عبداللہ بن یوسف سے، وہ احمد بن فتح سے وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے وہ مسلم بن الحجاج سے وہ یحییٰ بن یحییٰ سے وہ عبداللہ بن وہب سے وہ موسیٰ بن علی بن رباح سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ] میں نے حضرت عُقبہ بن عامر الجُہنی کو یہ کہتے سُنا کہ تین اوقات ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز پڑھنے اور اپنے مُردوں کو دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (۱) جب کہ آفتاب نمودار ہو حتیٰ کہ بلند ہو جائے (۲) دوپہر کے وقت جب کہ سورج سر پر ہو جب تک ڈھل نہ جائے (۳) جب آفتاب مائل الی الغروب ہو حتیٰ کہ ڈوب جائے۔ (مُسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الجنائز اور نسائی کتاب الصلوٰۃ و کتاب الجنائز اور بیہقی ۲: ۴۵۴)

کہا ہے کہ ابن الترکمانی نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے۔ اُس میں یہ الفاظ ہیں کہ ابوذر سے نقل ہو کر ہم تک یہ بات پہنچی۔ اس سے معلوم ہُوا کہ یہ حدیث مُرسل ہے۔

باقی رہا دوسرا اثر جس میں مذکور ہے کہ یوم الجمعہ نماز کے لیے مخصوص ہے تو میں نے اس کو مرفوع نہیں پایا۔ بلکہ یہ حسن کا قول ہے جس کو بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی نے اس موضوع سے متعلق کچھ اور احادیث نقل کی ہیں جو سب کی سب ضعیف ہیں صرف پہلا قول صحیح ہے مگر اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے یہ اوقات الصُنابحی اور دیگر رُواۃ و رجال سے بھی نقل کیے ہیں۔

۳۶۳۔ [ہم نے اس حدیث کو روایت کیا عبداللہ بن ربیع سے، وہ عمر بن عبدالملک الخولانی سے، وہ محمد بن بکر سے، وہ ابوداؤد سجستانی سے، وہ ربیع بن نافع سے جس کی کنیت ابوتوبہ ہے، وہ محمد بن مُہاجر سے، وہ عبّاس بن سالم سے، وہ ابوسلام سے، وہ ابواُمامہ باہلی سے، وہ عمرو بن عَبسہ السُّلَمی سے] وہ کہتے ہیں مَیں نے عرض کی یا رسُول اللہ! رات کے کس حصّے میں دُعا قبول کی جاتی ہے؟ فرمایا "رات کا آخری نصف"۔ جتنی نماز چاہو پڑھو۔ اس نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتیٰ کہ صبح کی نماز ادا کرکے فارغ ہو جاؤ۔ پھر نماز سے رُک جاؤ حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو کر ایک یا دو نیزے کے برابر بلند ہو جائے۔ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور کفّار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر جتنی نماز چاہو پڑھو وہ نماز مقبول ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتیٰ کہ نیزے کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ اس وقت جہنم کو گرم کیا جاتا ہے اور اس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جب آفتاب ڈھل جائے تو جتنی نماز چاہو پڑھو۔ وہ نماز مقبول ہوگی اور اس کو لینے کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتیٰ کہ عصر کی نماز پڑھ کر رُک جاؤ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور کفّار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ پھر طویل حدیث ذکر کی (ابوداؤد، کتابُ الصّلوٰۃ اور ترمذی کتاب الدعوات)۔

ہم نے متعدد طُرُق سے بطریق مالک از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از عبداللہ الصنابحی، روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے۔ جب آفتاب بلند ہوتا ہے تو سینگ الگ ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب برسرِ ہوتا ہے تو سینگ پھر اس کے قریب آ جاتا ہے جب آفتاب ڈھلتا ہے تو سینگ جُدا ہو جاتا ہے جب آفتاب ڈوبنے کو ہوتا ہے تو سینگ اس کے قریب آ جاتا ہے اور جب ڈوب جاتا ہے تو سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا"۔ (زرقانی شرح موطا مالک ۲: ۵۰، والتمہید ۴: ۱، نسائی، ابن ماجہ الصّلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں حیرت ہے کہ مالکیہ اس حدیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کے شیخ سے مروی ہے، ان آثار و احادیث کو اہلِ علم کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ وہ ان کی بنا پر ان اوقات میں نماز کو بالکل جائز تصوّر نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم نے بطریقِ محمد بن جعفر از شعبہ از عاصم بن سلیمان الاحول از بکر بن عبداللہ المزنی روایت کی ہے کہ ابوبکرہؓ اپنے ایک باغ میں تھے۔ سو جانے کی وجہ سے وہ عصر کی نماز ادا نہ کر سکے۔ جب بیدار ہوئے تو سُورج زرد پڑ چکا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب سورج غروب ہو گیا تو انہوں نے عصر کی نماز ادا کی۔

مزید برآں ہم نے بطریق عبد الرزاق از معمر و سفیان ثوری از ایوب سختیانی از محمد بن سیرین، روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ ان کے یہاں ایک باغ میں آتے اور سو جانے کی وجہ سے نمازِ عصر ادا نہ کرسکے۔ پھر انہوں نے وضو کیا اور جب سورج غروب ہو گیا تو نمازِ عصر ادا کی (مصنف عبد الرزاق ۲: ۳۰۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۶۶)

ہم نے اسی سند کے ساتھ سفیان ثوری سے روایت کی ہے وہ سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کعب بن عجرہ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سوتے رہے اور نمازِ فجر ادا نہ کرسکے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تو کعب بن عجرہ نے مجھے آواز دے کر بٹھا لیا۔ جب سورج بلند ہو کر روشن ہو گیا تو مجھے کہنے لگے اٹھ کر نماز ادا کرو۔

(مصنف عبد الرزاق ۲: ۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۶۶)

ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ از عبد الرحمٰن بن مہدی و ابو عامر عقدی از سفیان ثوری از زید بن جبیر از ابو البختری[۱] روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دوپہر کو نماز پڑھنے والے کو پیٹا کرتے تھے۔

ابو البختری حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے رفیق تھے۔

بعض اہلِ علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ان اوقات میں فوت شدہ نمازیں ادا کرنا جائز ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نمازِ فجر ادا کر رہا ہو اور آفتاب طلوع ہو جائے تو وہ اسے جاری رکھے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے وقت نماز ادا کر رہا ہو تو نماز کو منقطع نہ کرے۔ ان کے نزدیک ان اوقات میں ایسی نفلی نماز ادا کی جاسکتی ہے شرعاً

---

[۱] ابو البختری کا اسم گرامی سعید بن فیروز ہے۔ یہ تابعی تھے اور بعض صحابہ سے انہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ بکثرت صحابہ سے انہوں نے مرسلاً روایت کی ہے۔ دیکھیے طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۴۔ ابن حجر التہذیب میں لکھتے ہیں "انہوں نے حضرت عمرؓ، علی، حذیفہ، سلمان اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کی ہے" ابن معین کہتے ہیں "انہوں نے حضرت علیؓ سے کچھ نہیں سنا۔ ابن المدینی، ابو زرعہ اور شعبہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۷، ۲۸) شاید ابن حزم نے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے ان کی بعض روایتوں کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ ان کے رفقاء میں سے ہیں۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس کا حکم دیا گیا ہو۔

انہوں نے اس حدیث سے احتجاج کیا ہے جو یہ ہیں

۳۶۴۔ [عبداللہ بن ربیع نے سنائی۔ انہوں نے محمد بن معاویہ سے، انہوں نے احمد بن شُعَیب سے، انہوں نے حُمَید بن مسعدہ سے، انہوں نے یزید بن زُریع سے، انہوں نے حجاج اَحول سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے] اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو نماز پڑھے بغیر سو جاتے یا اُس سے غفلت کرے۔ فرمایا اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اسے یاد آجاتے تو ادا کرلے (نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اور اسی سند کے ساتھ احمد بن شُعَیب تک [وہ قُتَیبہ بن سعید سے وہ حماد بن زید سے وہ ثابت البنانی سے وہ عبداللہ بن رَباح سے، وہ] ابو قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نیند کی حالت میں کوئی کوتاہی نہیں۔ کوتاہی صرف بیداری کی حالت میں ہے تم میں سے کوئی شخص جب نماز کو بھول جاتے یا سو جانے کی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو جب یاد آتے اسے ادا کرلے" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

حضورؐ کا یہ حکم عام ہے۔ اس میں فرضی یا نفلی سب نمازیں شامل ہیں۔ قبل ازیں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الکسوف، دو رکعت تحیۃ المسجد، نماز جنازہ اور دیگر نفلی نمازوں کا حکم دیا تھا۔

سلف کی ایک جماعت اسی پر گام زن ہے۔ جیسا کہ ہم نے بطریق (عبدالرزاق از مَعمر از قتادہ) روایت کیا ہے کہ مِسور بن مخرمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے یہاں آتے اور ان کو حدیثیں سنانے لگے ابن عباسؓ سو گئے اور مِسور چپکے سے چلے گئے۔ ابن عباسؓ جب بیدار ہوتے تو صبح ہو چکی تھی۔ اپنے غلام سے کہنے لگے بتاتیے کیا میں سُورج نکلنے سے پیشتر نماز عشاء کے چار فرض، تین وتر، صبح کی دو سُنتیں اور ایک رکعت پڑھ سکتا ہوں؟ اُس نے کہا جی ہاں! چنانچہ آپ نے یہ نماز ادا کی۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۱ : ۵۸۵)

اسی سند کے ساتھ عبدالرزاق ابن جُریج سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عطاء بن ابی رَباح سے وہ عطاء بن یَحنّس سے کہ انہوں نے ابوہریرہؓ کو فرماتے سُنا" اگر تمہیں نماز فجر کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت ادا کرنے میں عُجلت سے کام لیجیے۔ اگر تم طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لو تو دوسری کی تکمیل میں جلدی مت کرو" (مُصنّف عبدالرزاق ۱ : ۵۸۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی سند کے عبدالرزاق تک - وہ معمر سے روایت کرتے ہیں - وہ زہری سے اور وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے - وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی - آپ نے سورۃ البقرہ شروع کی اور اسے دو رکعتوں میں مکمل کیا۔ جب ابوبکرؓ فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کہا تمہارے سلام پھیرنے سے پہلے آفتاب طلوع ہونے والا تھا۔ کہنے لگے "اگر آفتاب طلوع ہو بھی جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا" (بیہقی ۱ : ۳۷۹)

اسی سند کے ساتھ معمر نے عاصم بن سلیمان سے اُس نے ابوعثمان النہدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی - جب فارغ ہوئے تو ہر شخص کو اس بات کا احساس ہوا کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے - ان سے کہا گیا آپ ایسے وقت میں فارغ ہوئے ہیں جب آفتاب طلوع ہونے والا ہے - فرمایا اگر سورج طلوع ہو بھی جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا - (بیہقی ۱ : ۳۷۹)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں، یہ صحیح السند نص جلی ہے اس مسئلہ میں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب و رفقاء نمازِ فجر میں طلوعِ آفتاب کو نماز کا قاطع تصور نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا تھا کہ انہوں نے جمعہ کے روز غسل کیوں نہیں کیا - حیرت ہے کہ حنفیہ اس کو جمعہ کے روز سقوطِ غسل کی دلیل ٹھہراتے ہیں - حالانکہ حضرت عمرؓ کا اعتراض جمعہ کے روز وجوبِ غسل کی دلیل ہے - پھر حیرت بالائے حیرت اس بات پر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے نمازِ فجر کی حالت میں طلوعِ آفتاب کو جو نماز کا قاطع تصور نہیں کیا حنفیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے - بلکہ اس ضمن میں صحابہ سے جو کچھ بھی مروی ہے وہ اس کو حجت نہیں گردانتے - صحابہ میں مجوزین بھی ہیں اور مانعین بھی - ابوبکرہؓ نے نمازِ عصر کو جو غروبِ آفتاب تک مؤخر کیا تھا وہ اس کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں - ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ بعض صحابہ نمازِ عصر کے بعد نفل ادا کرنے کو جائز تصور کرتے ہیں - اور بعض جماعت کے ساتھ اعادہ کا حکم دیتے اور سورج کے زرد پڑنے تک نماز کی اجازت دیتے ہیں - لہٰذا ہم ان مسائل کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتا -

ہم نے بطریق سفیان ثوری از مغیرہ بن مقسم از ابراہیم نخعی اس نماز کے بارے میں روایت کیا ہے جو بھول گئی ہو فرمایا جب یاد آئے تو ادا کرلے، خواہ وہ وقت مکروہ ہی کیوں نہ ہو عطاء، طاؤس اور دیگر اہلِ علم سے بھی اسی طرح منقول ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۶۵ میں اس سے ملتی ہوئی روایت ہے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید قطان شعبہ سے روایت کی ہے۔ وہ موسیٰ بن عُقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے سُنا کہ ان کے والد (عبداللہ بن عمرؓ) نمازِ عصر اور فجر کے بعد طواف کیا کرتے تھے پھر طلوعِ آفتاب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ مُوسیٰ بن عُقبہ کہتے ہیں نافع اس کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ مَیں نے ان کو سالم کی یہ حدیث سنائی تو نافع نے کہا "سالم میرے پیش رَو اور مجھ سے بڑے عالم ہیں"۔ (مُصنّف عبدالرزاق، ج ۵ ص ۶۲ و ۶۳ میں یہی روایت قدرے اختلاف سے موجود ہے)۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ نافع نے اس کو تسلیم کر لیا تھا۔ نیز یہ کہ موسیٰ بن عُقبہ کا موقف بھی یہی ہے۔

ابنِ حزمؒ مزید کہتے ہیں ان اہلِ علم نے امر پر مبنی احادیث کو نہی کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے۔ وہ کہتے ہیں ان اوقات میں نماز سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ضروری نماز ہو جس کا حکم تمہیں دیا گیا ہو تو اس کو ان اوقات میں یا ان کے علاوہ ادا کر لو۔ دیگر علماء کہتے ہیں ان نمازوں کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ جن اوقات میں نماز سے منع کیا گیا ہے ان میں نماز ادا نہ کیا کرو۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں جب دونوں طرح عمل کرنے کا امکان موجود ہے تو ایک عمل دوسرے سے افضل نہ ہوگا۔ اِلّا یہ کہ اُس کی کوئی دلیل موجود ہو۔ جب ہم نے تلاش کیا تو یہ دلیل ملی۔

۲۶۵۔ [ہمیں عبداللہ بن یوسف نے بتایا۔ اُس نے احمد بن فتح سے اُس نے عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، اُس نے احمد بن محمد سے اس نے احمد بن علی سے، اُس نے مسلم بن حجاج سے، اس نے یحییٰ بن یحییٰ سے، اُس نے مالک سے، اُس نے زید بن اسلم سے، اُس نے عطاء بن یسار سے اور بُسر بن سعید اور عبدالرحمٰن اعرج سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کی ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نمازِ فجر کی ایک رکعت طلوعِ آفتاب سے پہلے ادا کی اُس نے فجر کی نماز ادا کر لی۔ اور جس نے نمازِ عصر کی ایک رکعت غروبِ آفتاب سے پہلے ادا کر لی اُس نے عصر کو پالیا"۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، اور ابنِ ماجہ نے اسے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے)

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ان اوقات میں نمازوں کی قضا فرض ہے۔ نیز یہ کہ یہ بات نہی سے مستثنیٰ ہے۔

اگر معترض کہے پھر تم یہ بات کیونکر کہتے ہو کہ جو شخص غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت سے کم پائے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت سے کم پاتے تو دونوں کو جاری رکھے اور ان کو مکمل کرلے؛ ہم کہتے ہیں کہ اوقات الصلوٰۃ کے باب میں ہم اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ نمازِ فجر کا وقت اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک آفتاب کی کرن نمودار نہ ہو۔ اور نمازِ عصر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک آفتاب غروب نہ ہو (احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے ان نمازوں کے آغاز کا وقت بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور انجام کا بھی۔

جب ہم نے اس حدیث پر غور کیا تو معلوم ہُوا کہ طلوعِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر کا کچھ حصّہ باقی رہتا ہے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ عصر کا کچھ حصّہ باقی رہتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس حدیث میں ان دونوں نمازوں کے آغاز کا وقت بتانا ہے۔ گویا اس حدیث سے اُس حدیث کے مضمون میں اضافہ ہوتا ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے نمازِ فجر کو پالیا" (یہ حدیث ابھی اُوپر گزری ہے) اور اضافے کا قبول کرنا واجب ہے۔ لہٰذا یہ بات نکھر کر سامنے آئی کہ اس حدیث میں امر نہی کے مقابلے میں راجح ہے۔

۳۶۶۔ دیگر اہلِ علم اس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے [عبداللہ بن ربیع سے، وہ محمد بن اسحاق سے، وہ ابن الاعرابی سے، وہ محمد بن اسماعیل صائغ سے، وہ عبداللہ بن یزید سے، وہ اسود بن شیبان سے، وہ خالد بن سُمَیر[له]

له حافظ ابن حجر خالد بن سُمَیر کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں: "ابن جریر طبری، ابن عبدالبرّ اور بیہقی نے اس سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں "کنا فی جیش الامراء یعنی موتة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحضرها" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ موتہ میں حاضر نہ تھے"۔

ابوداؤد نے بھی یہ جملہ اس حدیث میں روایت کیا ہے (ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۶۸-۱۶۹) طبری میں غزوۂ موتہ کا واقعہ بطریق خالد مذکور ہے۔ اس میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ حضورؐ اس میں موجود تھے (طبری، ج ۳ ص ۱۰۹) نیز مُسند احمد ج ۵، ص ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱۔ اس میں بھی آپؐ کی موجودگی کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ خالد کو اس حدیث میں وہم ہُوا ہے۔ راجح بات یہ ہے کہ خالد نے ایک ہی روایت میں دو واقعات بیان کیے ہیں۔ ایک موتہ کا واقعہ اور دوسرا نیند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے، کہ عبداللہ بن رباح ہمارے یہاں مدینہ سے تشریف لاتے] انصارِ مدینہ ان کو فقیہ کہتے تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں رسُولِ کریمؐ کے شہسوار ابوقتادہؓ انصاری نے بتایا کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمراء کا ایک لشکر بھیجا۔ آفتاب طلوع ہُوا تو ہم گھبرا کر نماز کے لیے بیدار ہوتے۔ حضورؐ نے فرمایا "ذرا ٹھہر یئے حتیٰ کہ آفتاب اُونچا چڑھ آیا۔ آپؐ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے فجر کی دو سُنّتیں ادا کرے۔ چنانچہ پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آپؐ نے اذان کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا اللہ کا شکر ہے کسی دنیوی

کی وجہ سے نماز میں تاخیر کا قصہ۔ جب راویوں نے اُن کے بیان کرنے میں اختصار سے کام لیا تو دونوں مِل جُل گئے۔ اور ایسے معلوم ہُوا گویا سو جانے کا واقعہ غزوۂ موتہ میں پیش آیا۔ حالانکہ صحیح تربات یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر سے واپسی کے وقت پیش آیا۔ چنانچہ ابوداؤد کے الفاظ اس کے مؤید ہیں۔ باقی ماندہ حدیث ابوداؤد میں یُوں ہے کہ "ہماری رُوحیں خدا کے قبضہ میں تھیں۔ اُس نے جب چاہا اُنہیں رہا کر دیا۔ تم میں سے جو شخص کل کو فجر کی نماز صحیح وقت پر پائے تو وہ اُس کے ساتھ ویسی ہی ایک نماز اور ادا کرے۔ (سُنَن بیہقی، ج ۲ ص ۲۱۶-۲۱۷) اِس آخری جملے میں اس کی علت بیان کی گئی ہے۔ حضرت عِمران بن حُصَین کی صحیح روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ نے نماز سے فارغ ہو کر عرض کی یارسُول اللہ! کیا کل ہم صحیح وقت پر اس کی قضا نہ دیں؟ فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں زائد عبادت سے منع نہیں کرتا۔ اور اس نماز کو بھی تم سے قبول کرے گا" جیسا کہ اگلی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم اس پر روشنی ڈالیں گے۔

اس واقعہ کو چودہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ بکثرت صحابہؓ نے اس کو ابوقتادہؓ سے روایت کیا ہے مگر کل کو نماز ادا کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو راوی اس جملہ کو روایت کرنے میں منفرد ہے اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ پھر مجھے سُنن نسائی (ج ا، ص ۱۰۱) میں یہ حدیث بطریق ثابت البنانی از عبداللہ بن رباح از ابوقتادہ ملی۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ جب طلوعِ آفتاب تک سوئے رہنے کی وجہ سے نماز فجر ادا نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا "کل اس نماز کو وقت پر ادا کرنا" صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں "جو شخص ایسا کرے تو جب بیدار ہو نماز پڑھ لے۔ کل کو اسے اصلی وقت پر ادا کرے"۔ (صحیح مسلم، ج ا ص ۱۸۹-۱۹۰) سُنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں "کل کو وقت پر ادا کرے" یعنی آپؐ نے حکم دیا کہ کل کو یہ نماز صحیح وقت پر ادا کریں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ خالد بن سُمیر نے یہ الفاظ سنے تو اس کا یہ مطلب سمجھا کہ کل کو اصلی نماز کے ساتھ اس نماز کا اعادہ کیا جائے۔ لہٰذا اُس نے حدیث کا جو مفہوم سمجھا تھا اس کے مطابق اسے روایت کیا۔ یہ احتمال اقرب الی القیاس ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشغلہ نے ہم کو نماز سے نہیں روکا (تا آخر)

۳۶۷-(ہم کو احمد بن محمد بن الجسور نے حدیث سنائی۔ انہوں نے وہب بن میسرہ سے انہوں نے ابن وضاح سے، انہوں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے، انہوں نے ابواُسامہ سے، انہوں نے ہشام بن حسّان سے، انہوں نے عمران بن حصین سے روایت کی) کہا ہم نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کا سفر کیا۔ پھر رات کے آخری حصّہ میں پڑاؤ کیا۔ جب ہم جاگے تو آفتاب طلوع ہوچکا تھا۔ ہم گھبرا کر وضو کرنے کے لیے دوڑے۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آگے کوچ کیجیے" چنانچہ ہم آگے چل پڑے جب آفتاب بلند ہُوا تو ہم اُترے اور روزمرّہ کی ضروریات سے فارغ ہُوئے۔ پھر ہم نے وضو کیا، پھر آپؐ نے بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان کہی اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر بلالؓ نے تکبیر کہی اور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی (تا آخر)

لہ آگے چل کر ابنِ حزمؒ نے اس حدیث کو بطریق ابی داؤد مختصراً روایت کیا ہے۔ بیہقی (ج ۲ ص ۲۱۷) نے اس حدیث کو بطریق مکی بن ابراہیم از ہشام روایت کیا ہے۔ دارقطنی (ص ۱۴۸) نے اس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ ایک بطریق روح بن عبادہ اور دوسرے بطریق ہشام۔ تیسرے بروایتِ اعمش از اسماعیل از حسن۔ ابن حزمؒ نے اس کو الاحکام (ج ۷، ص ۱۰۸) میں بطریق ابن المدینی از عبدالاعلیٰ از ہشام روایت کیا ہے۔ سب کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ "ہم نے عرض کی یارسُول اللہ! کیا ہم کل کو بروقت نماز ادا نہ کریں؟ فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں زائد عبادت سے منع نہیں کرتا اور اس نماز کو بھی قبول کرے گا" یہ "الاحکام" کے الفاظ ہیں ابن حزمؒ نے وہاں اس حدیث کو اس لیے ضعیف قرار دیا ہے کہ حسن کے عمران سے سماع میں اختلاف واقع ہُوا ہے۔ البزار نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حسن کا سماع عمران سے ثابت ہے۔ حاکم نے بھی المستدرک (ج ۱ ص ۲۷۴) میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو مختصراً روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم نے بیان کیا کہ حسن کا سماع عمران سے ثابت ہے۔ الذہبیؒ نے بھی اپنے مختصر میں اس کی موافقت کی ہے۔ اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابن حزمؒ آگے چل کر بذاتِ خود یونس کی روایت از حسن بن عمران سے استشہاد کرتے اور اس کو دیگر روایات کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ اندریں صورت ہمیں ابنِ حزمؒ سے اسی طرح کہنا چاہیے جس طرح وہ اپنے مخالفین سے کہتے ہیں کہ وہ صرف اس بات کو دیکھتے ہیں کہ آیا اس حدیث سے مسئلہ زیرِ بحث کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ اُن کی اس بحث سے دوسرے مسئلہ میں تناقض پیدا ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۶۸- [ہمیں حمام نے حدیث سنائی - انہوں نے عباس بن اصبغ سے انہوں نے محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، انہوں نے ابن وضاح سے، انہوں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے انہوں نے ہشیم سے، انہوں نے حصین سے، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے والد ابوقتادہؓ سے] روایت کی کہ ہم نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات سفر کیا۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ! اگر آپ رات کے آخری حصہ میں پڑاؤ کریں تو کیا ہی اچھا ہو؟ فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ تم سو جاؤ اور نمازِ فجر ادا نہ کر سکو۔ ہمیں نماز کے لیے کون جگائے گا؟ بلالؓ نے عرض کی یارسول اللہ! میں آپ کو بیدار کروں گا۔ چنانچہ لوگوں نے پڑاؤ کیا۔ بلال ہودج کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گئے۔ جب رسولِ کریم بیدار ہوئے تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "بلال تم کہاں رہے؟ عرض کی یارسول اللہ! مجھے اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، مجھ پر آج تک نیند نے ایسا غلبہ نہیں کیا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا، تمہاری رُوحوں پر قبضہ کر لیا" پھر آپؐ نے انہیں حکم دیا اور وہ اپنی حاجاتِ ضروریہ کے لیے (اِدھر اُدھر) چلے گئے۔ پھر وضو کیا، اس دوران سورج اوپر چڑھ آیا۔ پھر آپؐ نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری باب المواقیت ج ۱ ص ۸۷۔ کتاب التوحید، ج ۲، ص ۲۳۹۔ اس کو بیہقیؒ نے مختصراً روایت کیا ہے (ج ۱، ص ۴۰۳، ۴۰۴، نیز ج ۲، ص ۲۱۶)

۳۶۹- [ہمیں عبداللہ بن ربیع نے حدیث سنائی، انہوں نے محمد بن معاویہ سے، انہوں نے احمد بن شعیب سے، انہوں نے علی بن حجر سے، انہوں نے اسماعیل بن جعفر سے، انہوں نے علاء بن عبدالرحمٰن سے] کہ وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے یہاں بصرہ گئے۔ ان کا گھر مسجد کے قریب تھا۔ اُس وقت وہ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ جب ہم ان کے یہاں گئے تو انہوں نے پوچھا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ ہم ابھی ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے ہیں۔ حضرت انسؓ نے کہا "عصر پڑھ لیجیے"۔ ہم نے اُٹھ کر نماز ادا کی۔ جب ہم فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ "یہ منافقوں کی نماز ہے کہ بیٹھ کر عصر کا انتظار کرتا رہے۔ اور جب آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو تو اٹھ کر چار ٹھونگے مارے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرے۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور مؤطا کتاب الصلوٰۃ)

۳۷۰- ہم نے اس حدیث کو [بطریق مالک از علاء بن عبدالرحمٰن از انسؓ] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ یہ منافقوں کی نماز ہے۔ ان میں سے ایک شخص بیٹھا رہتا ہے۔ جب سُورج زرد پڑ جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان یا ان کے اوپر ہوتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگے مار لیتا ہے اور اُن میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔[1]

ہم قبل ازیں عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعُود کا قول ذکر کر چکے ہیں کہ ایسے اہلِ علم معرضِ ظہور میں آئیں گے جو خطبے کو طوالت دیں گے اور نماز دیر سے پڑھا کریں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا "مُردوں کی طرح دَم گھٹنے لگا ہے" عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا گیا اس کا کیا مطلب؟ فرمایا جب آفتاب زرد پڑ جائے تم میں سے جو شخص اپنی زندگی میں ایسا موقع پائے تو فرضی نماز کو اُس کے وقت پر ادا کرے، پھر اُن کے ساتھ نماز پڑھے۔ جو نماز اُس نے تنہا پڑھی ہے اُس کو فرض تصوّر کرے اور جو ان کے ساتھ ادا کی اُس کو نفل سمجھے۔

اور وہ حدیث بھی جس کو ہم نے بروایتِ ابوذرؓ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "کیا کیفیت ہوگی تمہاری اُس وقت جب تم پر ایسے اُمراء مسلّط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کیا کریں گے؟ مَیں نے عرض کی آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا "نماز کو اُس کے وقت پر پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد اگر اُن کے ساتھ نماز (باجماعت) پاؤ تو ادا کر لو۔ وہ (دوسری نماز) تمہارے لیے نفلی نماز کی مانند ہوگی"

ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ مذکورہ اوقات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ عیدین اور ایّام تشریق میں روزہ رکھنے سے منع کیا۔ جو شخص سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکا

---

[1] اس حدیث میں اسی طرح وارد ہوا ہے۔ دوسری احادیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع اور غروب ہوتا ہے بعض شارحینِ حدیث نے اس کو ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔ جو لوگ اُن احادیث کی تکذیب کے عادی ہیں جو اُن کی ہوائے نفس سے ہم آہنگ نہ ہوں انہوں نے ان احادیث کو ہدفِ طعن بنایا ہے۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ آفتاب جب ایک قوم کے اوپر چمکتا ہے تو دوسری قوم سے اُس وقت غائب ہوتا ہے۔ اُن احادیث میں تمثیلی طور پر فرمایا کہ شیطان آفتاب پرستوں کو اس بات کی ترغیب دلاتا ہے کہ ان اوقات ثلاثہ میں اس کو سجدہ کریں۔ بایں طور جب وہ آفتاب کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں تو گویا اُس شیطان کو سجدہ کرتے ہیں جو انہیں اس بات کی ترغیب دلاتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو اس کو قضا کا حکم دیا۔ جس نماز کی نذر مانی ہو اور جن نوافل کا تم نے تذکرہ کیا ہے اُن کو ادا کرنے کا حکم دیا۔ حائضہ، مریض، مسافر کو اور نذر و کفارات میں روزوں کی قضاء کا حکم ہے۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان اس ضمن میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ممنوعہ ایام میں یہ روزے ہرگز نہ رکھے جائیں۔ تم نے نہی کو امر کے مقابلے میں غالب ٹھہرایا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جن اوقات میں حضورؐ نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے اُس کو بھی اس مسئلہ پر قیاس کیا جائے یعنی ایک طرف تو آپؐ نے ان نمازوں کو ادا کرنے کا حکم دیا اور دوسری جانب ان اوقات میں نماز ادا کرنے سے منع کیا۔ ورنہ تم سے کہا جائے گا کہ تم نے دو امر اور دو نہی کے مابین تفریق کیوں کی؟ مثلاً روزے کے معاملہ میں تم نے نہی کو امر کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ اور نماز کے سلسلہ میں امر کو نہی کے مقابلے میں غالب ٹھہرایا۔ یہ ناروا قسم کا تحکم نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارے مخالفین کہتے ہیں اس امر کا احتمال ہے کہ رسولِ کریمؐ کی یہ حدیث کہ جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے نمازِ فجر کو پالیا۔ اور جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کو پالیا، اوقاتِ ممنوعہ میں نماز کی ممانعت سے پہلے کی ہوگی۔

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ ہیں ہمارے مخالفین کے تمام اعتراضات! ان کے سوا انہوں نے دوسرا کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مخالفین سے ہماری مراد احناف نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کا دامن دلیل و برہان سے بالکل عاری ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث ایسی نہیں جس کی انہوں نے خلاف ورزی نہ کی ہو، اور اپنی آراءِ فاسدہ کو ان میں گھسیڑا نہ ہو۔ ہماری مراد ان سے وہ متقدمین ہیں جنہوں نے ہر قسم کی نہی کو راجح ٹھہرایا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اسی طرح مالکیہ بھی مذکورہ آثار میں سے کسی سے بھی احتجاج نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ وہ ہر اثر کی خلاف ورزی کر چکے اور اُس میں تحکم کا ثبوت دے چکے ہیں۔ بلا دلیل و برہان انہوں نے بعض آثار کو فرض اور بعض کو نفل پر محمول کیا ہے۔ ہماری مراد اس سے وہ متقدمین ہیں جنہوں نے امر کو نہی کے مقابلہ میں غالب قرار دیا ہے۔ یہ کلام فقط ان دو فرقوں تک محدود ہے۔ ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ ان آثار میں سے وہ کسی کے ساتھ بھی احتجاج نہیں کر سکتے۔

باقی رہیں ابو قتادہ اور عمران بن حُصین کی روایت کردہ دونوں احادیث تو ان میں وہ اضافہ ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیگر روایات میں موجود نہیں، جیسا کہ:

۳۷۱ [ہمیں عبداللہ بن ربیع نے بتایا، انہوں نے محمد بن اسحاق سے سُنا، انہوں نے ابن الاعرابی سے، انہوں نے محمد بن اسماعیل صائغ سے، انہوں نے سلیمان بن حرب سے، انہوں نے حماد بن زید سے، انہوں نے ثابت البنانی سے، انہوں نے عبداللہ بن رباح سے، انہوں نے ابوقتادہ سے سنا] پھر طویل حدیث ذکر کی اور اُس میں یہ الفاظ ہیں کہ رسُولِ اکرمؐ سواری کے ایک طرف جھک گئے اور مَیں بھی آپؐ کے ساتھ جھک گیا۔ آپؐ نے فرمایا "دیکھو" میں نے عرض کی یہ ایک سوار ہے، یہ دو سوار ہو گئے، یہ تین سوار ہیں۔ حتیٰ کہ ہم سات آدمی ہو گئے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نمازِ فجر کا خیال رکھنا" اُن کے کانوں پر پردہ پڑ گیا اور آفتاب کی تپش محسوس کر کے بیدار ہوئے۔ تھوڑی دیر چلتے رہے، پھر اُتر کر وضو کیا۔ بلالؓ نے اذان کہی۔ انہوں نے دو سنتیں ادا کیں۔ پھر فجر کی نماز پڑھی اور سوار ہو گئے صحابہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "ہم سے نماز کے معاملہ میں بہت کوتاہی ہوئی" یہ سُن کر رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نیند کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں، کوتاہی تو بیداری میں ہوتی ہے۔ جو شخص نیند کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے، یا بھول جائے تو جب یاد آئے نماز پڑھ لے" اور باقی ماندہ حدیث ذکر کی۔[1]

۳۷۲ [عبداللہ بن ربیع نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے عمر بن عبدالملک سے، انہوں نے محمد بن بکر سے، انہوں نے ابوداؤد سے، انہوں نے وہب بن بقیہ سے، انہوں نے خالد سے، انہوں نے یونس بن عُبید سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے] عمران بن حُصین سے روایت کیا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ آپ صحابہ سمیت سو گئے اور نمازِ فجر ادا نہ کر سکے۔ جب آفتاب کی تمازت محسوس کی تو جاگے۔ تھوڑی دُور چلے یہاں تک کہ سورج خاصا بلند ہو گیا۔ پھر مؤذن کو حکم دیا، اس نے اذان دی اور آپؐ نے فجر کی دو سنتیں ادا کیں۔ پھر تکبیر کہی اور نمازِ فجر ادا کی۔[2]

---

[1] دیکھیے ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۶۷-۱۶۸، بروایت موسیٰ بن اسماعیل از حماد مختصراً۔ جیسے یہاں ہے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "جب یاد آئے تو نماز پڑھ لے اور کل کو وقت پر نماز ادا کرے" اس کو مُسند احمد (ج ۵، ص ۲۹۸) میں بطریق یزید بن ہارون از حماد بن سلمہ از ثابت مطولاً روایت کیا ہے۔ مسلم نے بھی اس حدیث کو پُوری طوالت کے ساتھ (ج ۱، ص ۱۸۹-۱۹۰) میں بطریق سُلیمان بن مُغیرہ از ثابت روایت کیا ہے۔ نیز بیہقی (ج ۲، ص ۲۱۶) [2] دیکھیے ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۶۹-۱۷۰، نیز دار قطنی ص ۱۴۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونس اس حدیث کو حسن اور ثابت البنانی سے، وہ عبداللہ بن رباح سے روایت کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ حسن اور ثابت دونوں خالد بن سُمیر اور ہشام بن حسّان سے بڑھ کر حافظ ہیں۔یہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سُورج کی گرمی سے بیدار ہُوتے تھے۔حِس اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کی گرمی سے آدمی اس وقت بیدار ہوتا ہے جب آفتاب اچھی طرح سفید اور بلند ہو جاتے، اس سے پہلے نہیں۔عبداللہ بن ابی قتادہ کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ حضورؐ نے صحابہ کو انتظار کا حکم دیا تھا۔بخلاف ازیں آپ نے قضائے حاجت کے لیے منتشر ہو جانے کا حکم دیا تھا۔اس کے بعد وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آپ نے اس روز نماز مؤخّر کیوں کی؟ اگر اس حدیث میں تمازتِ آفتاب کا ذکر نہ بھی ہوتا تو اس میں اس امر کی کوئی دلیل نہ تھی کہ آپ نے نماز کو اس لیے مؤخر کیا تھا کہ آفتاب اس روز صاف اور روشن نہ تھا۔اس لیے کہ یہ بات کسی حدیث میں مذکور نہیں۔نہ یہ کہ آپ نے فرمایا ٹھہرو، حتیٰ کہ آفتاب صاف اور بلند ہو جائے۔یہ محض بعض راویوں کا ظن ہے۔اور اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آتا۔

علاوہ ازیں ابوقتادہ اور عمران نے ہرگز یہ بات نہیں کہی کہ نماز کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آفتاب ہنوز سفید اور بلند نہیں ہُوا تھا۔یہ بات بلا دلیل و بُرہان اور مبنی بر ظن ہے کہ حضورؐ نے سُورج کے صاف اور روشن نہ ہونے کی وجہ سے نماز مؤخر کی تھی۔اور یہ دونوں باتیں بنصِّ قرآن حرام ہیں اور رسُولِ کریمؐ پر افترا پردازی کی ذیل میں آتی ہیں۔لہٰذا یہ سخت گناہ کی موجب ہیں۔

بنابریں تاخیرِ نماز کا سبب معلوم کرنا واجب ٹھہرا۔اس ضمن میں جب ہم نے جستجو سے کام لیا تو ہمیں یہ حدیث ملی جس کو:

۵۔بطریق عبدالوہّاب بن عبدالمجید از یونس۔اس کو بیہقی ج ۱ ص ۴۰۴ نے بطریق عبدالوہّاب بن عطار از یونس روایت کیا ہے۔یہ حدیث بسندِ دیگر ابھی گزری ہے اور ہم نے اس پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۷۲۔ [عبداللہ بن یوسف نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے احمد بن فتح سے، انہوں نے عبدالوہاب بن عیسٰی سے، انہوں نے احمد بن محمد سے، انہوں نے احمد بن علی سے، انہوں نے مسلم بن حجاج سے، انہوں نے محمد بن حاتم سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید القطان سے، انہوں نے یزید بن کیسان سے، انہوں نے ابوحازم سلمان اشجعی سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رات کے پچھلے پہر پڑاؤ کیا جب ہم بیدار ہوئے تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص اپنی سواری کا سر پکڑ لے۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں شیطان نے آلیا ہے۔ ہم نے تعمیلِ ارشاد کی۔ پھر آپؐ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر تکبیر کہی گئی اور آپؐ نے نمازِ فجر پڑھائی۔ (مسلم و نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۷۴۔ [ہم کو عبداللہ بن ربیع نے حدیث سنائی۔ انہوں نے عمر بن عبدالملک سے، انہوں نے محمد بن بکر سے، انہوں نے ابوداؤد بجستانی سے، انہوں نے موسیٰ بن اسماعیل سے، انہوں نے ابان بن یزید العطار سے، انہوں نے معمر سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے سعید بن المسیّب سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس جگہ تم غفلت کا شکار رہے ہو اس کو تبدیل کر لو"۔ آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان و اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی[1]

ابن حزمؒ کہتے ہیں بفضلہٖ تعالیٰ اس طرح جملہ اشکالات مرتفع ہوئے۔ مزید برآں یہ بات یقینی طور پر واضح ہوئی کہ حضورؐ نے نماز کو اس لیے مؤخر کیا تھا تاکہ اس جگہ سے نقلِ مکانی کر جائیں جہاں ان کو غفلت نے آلیا تھا اور وہاں شیطان آموجود ہوا تھا۔ تاخیرِ نماز کی وجہ یہ نہ تھی کہ آفتاب ابھی بلند نہ ہوا تھا۔

[1] ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۶۶ - ۱۶۷، عقبہ کہتے ہیں اس حدیث کو مالک، سفیان بن عیینہ، اوزاعی اور عبدالرزاق نے معمر اور ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی اس حدیث میں اذان کا ذکر نہیں کیا۔ مزید برآں کسی نے بھی اس حدیث کو مرفوعاً روایت نہیں کیا۔ البتہ اوزاعی اور ابان اس کو معمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لیے کہ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔ مزید برآں اس کی حمایت و تائید ہشام اور یونس کی حسن از عمران والی روایت اور ابوقتادہ کی روایات سے ہوتی ہے۔ ان سب روایات میں اذان کا ذکر موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ آفتاب اس وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے۔ لہٰذا تاخیرِ صلوٰۃ کی علت موجود ہے۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ سنگِ مرمر کو ناخنوں سے چھیلنے والی بات ہے۔ حضورؐ نے کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ نماز کو مؤخر کرنے کی وجہ اس کا شیطان کے سینگوں کے درمیان ہونا ہے۔ بخلاف ازیں آپؐ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ "یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں شیطان نے آلیا ہے"۔ ہر دانشمند آدمی جانتا ہے کہ شیطان کا کسی قوم کے گھر میں حاضر ہونا اور ہے، اور آفتاب کا شیطان کے سینگوں کے درمیان ہونا بالکل دوسری بات ہے۔ لہٰذا اس بات کے قائل کا دروغ بے فروغ واضح ہو گیا ـــــ وَ بِاللّٰہِ التوفیق

اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر تاخیرِ صلوٰۃ کی وجہ یہ ہوتی کہ آفتاب ہنوز اچھی طرح روشن نہیں ہوا تھا ـــــ حالانکہ یہ بات ہرگز درست نہیں ـــــ تو نماز ادا کرنے کے بعد حضورؐ نے جو فرمایا تھا کہ "سونے کی وجہ سے جو شخص نماز ادا نہ کر سکا یا نماز ادا کرنا بھول گیا تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے"۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ جب اسے یاد آئے تو نماز ادا کرے۔ حضورؐ کے یہ الفاظ ناسخ ہوں گے۔ اور نماز کو مؤخر کرنے کے سلسلے میں آپؐ کا فعل منسوخ ہوگا۔ کیوں کہ یہ ارشادِ مبارک بعد کا ہے اور تاخیر کا فعل اس سے پہلے کا ہے۔

اگر کہا جائے کہ پھر تم نے حضورؐ کے اس قول کو صحابہ کی نقلِ مکانی کا ناسخ کیوں نہ قرار دیا؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ جب اسے یاد آئے زمانۂ ادائگی کی جانب اشارہ ہے۔ اس میں مکانِ ادا کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کے حکم میں اختلاف نہیں ہوگا۔ اصلی و حقیقی وضاحت یہی ہے ـــــ وللّٰہِ الحمد۔

باقی رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث کہ "یہ منافقین کی نماز ہے"، تو یہ بالکل مخالفین کے لیے حجت نہیں ہے۔ اس کے چند وجوہ ہیں:

ا پہلی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فقط نماز کو مؤخر کرنے ہی کی مذمت نہیں کی بلکہ تاخیر کی مذمت کے ساتھ ساتھ اس بات کی مذمت بھی فرمائی کہ وہ شخص چار ٹھونگے مارتا ہے اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ اور یہ بات بلاشبہ مذموم ہے خواہ نماز کو مؤخر کرے یا نہ کرے۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح قرآنِ کریم میں فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء-۱۴۲)

"اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔"

مزید براں حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اس نے فجر کی نماز کو پالیا۔ اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے نمازِ عصر کو پالیا۔" یہ بات باطل اور محال ہے کہ نماز کو پالینے والا اس کی وجہ سے گنہگار اور منافقوں جیسی نماز پڑھنے والا ہو۔ اور اس میں دو آدمی بھی مختلف الرائے نہیں ہیں کہ جس شخص نے نماز کو اس کے وقت پر پالیا، اس نے اپنے فرض کو ادا کیا۔ ایسا شخص گنہگار نہیں ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے ایک افضل بات کو ترک کر دیا۔

۲۷۵۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث کو [عبداللہ بن یوسف نے روایت کیا۔ انہوں نے احمد بن فتح سے، انہوں نے عبدالوہاب بن عیسیٰ سے انہوں نے احمد بن محمد سے انہوں نے احمد بن علی سے انہوں نے مسلم بن حجاج سے، انہوں نے زہیر بن حرب سے، انہوں نے مروان بن معاویہ الفزاری سے، انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے، انہوں نے قیس بن ابی حازم سے، وہ کہتے ہیں میں نے جریر بن عبداللہ کو یہ کہتے سنا کہ] ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے فرمایا "تم (روزِ قیامت) اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں بھیڑ نہیں ہوگی۔ اگر ممکن ہو کہ عصر اور فجر کی نماز ضائع نہ ہو تو اُسے ضائع نہ ہونے دو۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والتفسیر والتوحید، مسلم کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد کتاب السنۃ، ترمذی صفۃ الجنۃ، نسائی کتاب الصلوٰۃ والتفسیر والنعوت فی الکبریٰ، ابن ماجہ کتاب السنۃ)

۲۷۶۔ [اسی سند کے ساتھ امام مسلم تک۔ انہوں نے ابوکریب و اسحاق بن ابراہیم و ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کی، وہ وکیع سے، وہ اسماعیل بن ابی خالد اور مسعر بن کدام سے، ان دونوں نے ابوبکر بن عمارہ بن رُوَیبہ سے سنا، انہوں نے اپنے والد سے] کہا میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "جس نے فجر اور عصر کی نماز ادا کی وہ ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔" حدیث میں یہی الفاظ ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی فی الصلوٰۃ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب صورتِ حال یہ ہے تو حدیث کا مفہوم یہ ہُوا کہ جو شخص ایسی نماز کو مؤخر کرے جس کی تاخیر اُس وقت تک روا نہیں۔ یہ عصر کے علاوہ بلا شبہ دوسری نمازوں کے بارے میں وارد ہُوا ہے۔ بلکہ نمازِ ظہر کے بارے میں جس کو اُس وقت تک مؤخر کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کوتاہی نو بیداری میں ہے"۔ یعنی غفلت اور کوتاہی اس امر میں ہے کہ آدمی جاگتا ہو اور اس کے باوجود ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک ملتوی کرے۔

اگر معترضین کہیں کہ حضرت اَنسؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "وہ بیٹھ کر عصر کے وقت کا انتظار کرتا رہے" تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے۔ جب کوئی ظہر کو عصر تک ملتوی کرے اور عصر کا منتظر رہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ لہٰذا اُن کا استدلال باطل ٹھہرا ـــــ والحمد للہ رب العٰلمین۔

باقی رہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث تو یہ معترضین کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ اس لیے کہ یقیناً اس سے جمعہ کی نماز مراد ہے جس کو اس وقت تک مؤخر کیا جاتے۔ حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں کہ "خطبہ کو طول دینگے اور نماز کو مؤخر کریں گے"۔ مزید برآں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث میں آفتاب کے زرد پڑ جانے کے وقت نوافل کی اجازت دی ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ابنِ مسعودؓ اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت کردہ حدیث بھی ہمارے موقف سے ہم آہنگ ہے۔ اس لیے کہ اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز کو اس کے اصلی وقت سے مؤخر کریں گے"۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نمازِ عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ اور نمازِ فجر کا وقت طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے۔ لہٰذا جملہ احادیث و آثار کے ساتھ ہمارے مخالفین کا احتجاج باطل ٹھہرا ـــــ وللہ الحمد

ہمارے مخالفین کا یہ کہنا کہ غالباً حضورؐ کا ارشادِ مبارک کہ "جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے نمازِ فجر کو پالیا"۔ اوقاتِ ممنوعہ میں نماز کی ممانعت کا حکم وارد ہونے سے پہلے کا ہے، مبنی بر خطا ہے۔ اس لیے کہ یہ ظن و تخمین کی بات ہے۔ مزید برآں یہ بات دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد "جس نے ایک رکعت پائی" ممانعت کی احادیث کے بعد کا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث "جس نے ایک رکعت پائی" حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے۔ اور ابوہریرہؓ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو صحبت کا شرف دیر سے حاصل ہُوا۔ ممانعت کی احادیث کو حضرت عمر بن الخطاب اور عمرو بن عبسہ نے روایت کیا ہے اور یہ دونوں قدیم الاسلام ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دونوں احادیث میں سے ایک کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے حدیث میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ خصوصاً جب کہ ان میں جمع و تطبیق کا امکان ہو اور دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہو۔ ایسی صورت میں دونوں پر عمل واجب ہے جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں ــــ وباللہ التوفیق

ہمارے مخالفین کا یہ کہنا کہ ہم نے اجماعاً عیدین اور ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی حدیث کو ان احادیث کے مقابلہ میں راجح قرار دیا ہے جن میں قضائے رمضان اور نذر و کفارات کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہم پر واجب ہے کہ ہم اوقاتِ ممنوعہ میں نماز کی ممانعت پر مشتمل احادیث کو ان احادیث پر ترجیح دیں جن میں بھولی ہوئی نماز، نیند کی وجہ سے قضا شدہ، نذر اور دیگر نوافل کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے مخالفین کا یہ قول اس لیے درست نہیں کہ یہ قیاس پر مبنی ہے اور ہر قسم کا قیاس باطل ہے۔

غالباً یہ الزام ان مالکیہ و شافعیہ پر بھی قائم کیا جا سکتا ہے جو قیاس کے قائل ہیں۔ مگر وہ بھی اس قیاس میں حنفیہ کے خلاف ہیں۔ مالکیہ و شافعیہ احناف سے کہتے ہیں تم اولین شخص ہو جس نے اس قیاس کو توڑا۔ اس لیے کہ تم ممنوع وقت میں آج کی نمازِ عصر ادا کرنے کو جائز تصور کرتے ہو۔ مگر نمازِ فجر کو ممنوع وقت میں ادا کرنے کے قائل نہیں ہو۔ پھر دو قدم اور آگے بڑھ کر تم نے اس قیاس کی دھجیاں اُڑا دیں۔ وہ اس طرح کہ ممنوع وقت کے ایک حصہ میں تمہارے نزدیک قضا شدہ فرضی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح تم ممنوع وقت میں سجدہ ہائے تلاوت، اور نمازِ جنازہ کو جائز سمجھتے ہو۔ مگر جس نماز کی نذر مانی گئی ہو اس کو جائز تصور نہیں کرتے۔ پھر یہ کہ اوقاتِ ممنوعہ کا ایک حصہ ایسا ہے جس میں تمہارے نزدیک کوئی نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح تم ممنوع وقت کے ایک حصہ کو پورے وقت پر قیاس نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ قیاس نماز کے حکم کو روزہ پر قیاس کرنے سے اولیٰ و احسن تھا۔

جہاں تک ہمارے مخالفین کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ تم نے دو امر اور دو نہی کے مابین تفریق کیوں کی؟ بتوفیقِ ربانی ہم نے یہ تفریق اس لیے کی ہے کہ نصوصِ شرعیہ سے امر پر مشتمل احادیث کا احادیثِ نہی پر راجح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امر پر مشتمل احادیث متاخر ہونے کی بنا پر متقدم احادیث کی ناسخ ہیں۔ یہ بات نماز سے متعلق احادیث کے بارے میں ہے۔ جن احادیث میں روزے کا حکم دیا گیا ہے ان کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس سے احادیثِ امر کا نہی پر مشتمل احادیث پر راجح ہونا ثابت ہوتا ہو۔ بخلاف ازیں اس بات پر یقینی اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جن احادیث میں عیدین کے روزہ سے منع کیا گیا ہے وہ ان احادیث کے مقابلہ میں راجح ہیں، جن میں قضا و نذر اور کفّارے کے روزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید برآں رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایّامِ تشریق کے بارے میں یہ ارشاد کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں ان ایّام میں اکل و شرب کا موجب ہے۔ اس لیے کسی نصِ جلی کے بغیر ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں برخلاف نماز کے۔ اِس طرح مخالفین کے تمام دلائل باطل ٹھہرے ——— وباللہ التوفیق۔

جہاں تک نمازِ عصر کے بعد زردیٔ آفتاب تک آغازِ نوافل کے جواز کا تعلق ہے اس کا اثبات اِس حدیث سے ہوتا ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔ اُس حدیث سے طلوعِ فجر کے بعد اور نمازِ فجر کی ادائیگی سے قبل نوافل کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس حدیث کو

۲۷۷۔ [عبداللہ بن ربیع محمد بن معاویہ سے، وہ احمد بن شُعَیب سے، وہ عمرو بن علی سے وہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے، وہ شُعبہ اور سُفیان ثوری سے، یہ دونوں منصور بن مُعتمر سے وہ ہلال ابن یساف سے، وہ وَہب بن اَجدع سے، وہ] حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "نمازِ عصر کے بعد کوئی اور نماز نہ پڑھا کرو اِلّا یہ کہ آفتاب بلند ہو" (ابوداؤد، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

اس کی سند میں وَہب بن اَجدع ثقہ اور مشہور تابعی ہیں۔ دیگر راوی بھی ثقہ اور جرح و نقد سے بالا ہیں یہ ایک عادل راوی کا اضافہ ہے جسے ترک کرنا روا نہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ طلوعِ فجر سے لے کر نمازِ فجر تک نوافل جائز ہیں تو اس کی دلیل عمرو بن عَبَسہ کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جس کو ہم اس مسئلہ کے آغاز میں ذکر کر چکے ہیں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "جتنی چاہو نماز پڑھو، یہ نماز مقبول ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتیٰ کہ نمازِ فجر ادا کر لو۔ پھر طلوعِ آفتاب تک نماز سے رُک جاؤ" اس کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۲۷۸۔ [عبداللہ بن یوسف نے روایت کیا ہے۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسٰی سے، وہ احمد بن محمد سے وہ احمد بن علی سے، وہ مُسلم بن حجاج سے، وہ ابوطاہر سے، وہ احمد بن عمرو السرح سے، وہ ابن وہب سے، وہ یونس ابن یزید سے، وہ ابن شہاب سے، وہ سائب بن یزید اور عبداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ بن مسعود سے، وہ عبدالرحمٰن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن عبدالقاری سے ، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص اپنے وظیفہ یا کسی اور چیز سے سو جاتے اور اسے نماز فجر و ظہر کے درمیان پڑھ لے تو گویا اُس نے اُسے رات کو پڑھ لیا " (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث کہ " طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی نماز جائز نہیں" ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے - یہ جھوٹی روایت ہے جس کو صرف بطریق عبدالرحمن[1] ابن زیاد بن انعم روایت کیا گیا ہے عبدالرحمن ضعیف راوی ہے - یا بطریق ابوبکر بن محمد منقول ہے اور وہ مجہول راوی ہے پتہ نہیں کون ہے - اور یہ ابوبکر بن محمد بن

---

[1] عبدالرحمن افریقیہ میں قاضی تھے - ۱۵۶ھ میں وفات پائی - اُس وقت ان کی عمر سو سال سے زیادہ تھی - یہ ضعیف راوی نہیں جیسا کہ ابن حزمؒ نے کہا ہے بلکہ وہ ثقہ اور عادل راوی ہے - اس کی چند مرویات کو ہدف نقد و جرح بنایا گیا ہے - اور اس سے اکثر راوی خالی نہیں ہیں - امام ابوداؤد کہتے ہیں میں نے احمد بن صالح سے دریافت کیا آیا افریقی کی روایت کردہ احادیث سے احتجاج کیا جا سکتا ہے ؟ انہوں نے کہا جی ہاں ! میں نے کہا " وہ صحیح الکتاب ہے ؟ کہا ہاں ! ترمذی کہتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ بخاری افریقی کی توثیق کرتے اور کہتے ہیں " وہ مقارب الحدیث " ہے - احمد بن صالح کہتے ہیں " جو شخص افریقی پر نقد و جرح کرے اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی ، اس لیے کہ وہ ثقہ راوی ہے "

ابوالعرب قیروانی کہتے ہیں " ابن انعم افریقی جلیل القدر تابعین میں سے تھے - وہ بڑے عادل قاضی تھے - ان کی چند مرویات پر جرح کی گئی ہے " اس کو سحنون نے ثقہ قرار دیا ہے - ابوبکر بن ابی داؤد کہتے ہیں " محدثین نے افریقی پر اس لیے جرح کی اور اسے ضعیف قرار دیا ہے کہ اس نے مسلم بن یسار سے حدیثیں روایت کی ہیں - جب افریقی سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے مسلم بن یسار کو کہاں دیکھا ہے ؟ تو کہنے لگے افریقیہ میں - لوگوں نے کہا " وہ تو افریقیہ کبھی نہیں گئے " ان کا مطلب یہ تھا کہ مسلم بن یسار بصری کوفہ نہیں گئے - انہیں معلوم نہ تھا کہ ایک اور شخص کا نام بھی مسلم بن یسار تھا - اس کو ابوعثمان الطنبذی کہتے تھے - افریقی مرد صالح تھا - ان اقوال کو ہم نے " التہذیب " سے نقل کیا ہے - البتہ ابوبکر بن ابی داؤد کا تبصرہ ہم نے نیل الاوطار ، ج ۲ ، ص ۱۴۱ سے اخذ کیا ہے " احمد محمد شاکر (حافظ ابن حجر نے تقریب میں جو کم سے کم وصف ان کا بیان کیا ہے . وہ ہے " ضعیف فی حفظہ " البتہ اس کے بعد یہ بھی کہا کہ " کان رجلاً صالحاً " اس اعتبار سے بھی ان کی منفرد روایت مقبول نہیں) - (ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حزم نہیں ہے اس کی تیسری سند بطریق ابوہارون العبدی ہے وہ بھی ضعیف راوی ہے یا بطریق یسار مولی ابن عمر جو مجہول اور مدلّس ہے یسار اس کو کعب بن مرۃ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ایسے مجہول راویوں سے، جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔[1]

---

[1] اس حدیث کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں۔ ابن حجرؒ نے لسان المیزان (ج ۴ ص ۲۰۱) میں ابن حزم کا تعارف کرواتے ہوئے راویوں کے نقد و جرح میں ان کی چند غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ابن حزم نے حدیث نبوی "لا صلوٰۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتی الفجر" کو ضعیف اور مکذوب قرار دیا ہے۔ ابن حزم نے اس حدیث کے طُرق میں سے یسار مولی ابن عمر از کعب بن مُرّہ کے طریق پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یسار مجہول اور مُدلّس راوی ہے۔ اور کعب کے بارے میں معلوم نہیں کون ہے۔ القطب کہتے ہیں یسار کو ابوزرعہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے بھی اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام شوکانی نیل الاوطار (ج ۳، ص ۱۱۱) میں کہتے ہیں کہ ابن حزم نے اس ضمن میں نہایت زیادتی کا ثبوت دیا ہے۔ شوکانی نے ابن حزم کا تبصرہ نقل کیا ہے۔

یسار سے روایت کردہ حدیث کے لیے ملاحظہ فرمائیے ابوداؤد، ج ۱ ص ۴۹۴۔ دارقطنی ص ۱۶۱۔ بیہقی (ج ۲ ص ۴۶۵) بطریق وُہیب از قُدامہ بن موسیٰ، از ایوب بن الحُصین، از ابوعلقمہ مولی ابن عباس، از یسار مولی ابن عمر از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵) نے اس کو بطریق سُلیمان بن بلال، از قُدامہ از ایوب) روایت کیا ہے۔ نیز دیکھیے ترمذی (ج ۱، ص ۸۵)، قیام اللیل (ص ۷۹) از محمد بن نصر المروزی۔ نیز بیہقی، ج ۲، ص ۴۶۵ بطریق الدراوردی از قدامہ بدیں اسناد۔ البتہ انہوں نے قُدامہ کے شیخ کا نام محمد بن الحُصین ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ اس سے ملتے جلتے ہیں۔

بیہقی میں یہ روایت بطریق سلیمان بن بلال طویل تر ہے۔ یسار کہتے ہیں "میں فجر کے بعد نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا اور بہت طویل نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے کنکر مارا اور کہا اے یسار! تم نے کتنی رکعتیں ادا کیں؟ میں نے کہا "معلوم نہیں"۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا "اللہ تجھے فہم عطا نہ کرے! رسول اکرمؐ ایک روز تشریف لائے اور ہم یہ نماز ادا کر رہے تھے آپ سخت ناراض ہوتے اور فرمایا "جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک یہ بات پہنچا دے کہ طلوعِ فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے سوا اور کوئی نماز نہیں"۔ مَروزی اور دارقطنی کی روایت میں بھی یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے یسار کو نماز پڑھتے دیکھا تو انہیں یہ حدیث سنائی۔ معلوم نہیں ابن حزم کس طرح یسار کو مُدلّس کہہ کر اس حدیث کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تضعیف کر رہے ہیں۔ حالانکہ کسی محدث نے بھی یسار کو مدلس قرار نہیں دیا۔ اور بالفرض یسار اگر مدلس ہوتا بھی تو اس میں شبہ نہیں کہ اس نے یہ واقعہ ابن عمرؓ سے سنا ہے۔ لہٰذا تدلیس کا خدشہ باقی نہ رہا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ صرف محمد بن الحُصَین متنازع فیہ ہے۔ دارقطنی اس کو مجہول کہتے ہیں۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ اس کے نام کا اختلاف کہ آیا محمد ہے یا ایوب اس میں چنداں مؤثر نہیں۔ ابو حاتم نے محمد کے نام کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: "اس کے باپ کا نام حُصَین اور کنیت ابو ایوب ہے۔ اس امر کا احتمال ہے کہ جس نے اس کا نام ایوب بتایا اس نے اس کو اس کے باپ کی کنیت سے موسوم کر دیا۔ یہ بات بڑی قرینِ عقل و قیاس ہے۔ ان اسانید میں بلاشبہ ضعف کا احتمال موجود ہے، مگر متعدد طُرق سے مروی ہونے کی بنا پر اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی حدیث دو طُرق سے منقول ہو اور دونوں طُرق ضعیف ہوں، ضُعف کی وجہ سُوءِ حفظ یا اخطاء فی الروایۃ ہو تو ایک روایت دوسری روایت کی تائید و تقویت کی موجب ہوتی ہے لیکن جب ضعف کی وجہ راوی کی عدمِ ثقاہت اور تہمت فی العدالۃ ہو تو دوسری روایت سے تقویت حاصل ہونے کے بجائے اس کے ضعف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

جہاں تک عبدالرحمٰن بن اَنعُم اِفریقی کی سند کا تعلق ہے المروزی نے قیام اللیل ص ۷۹ میں اس کو بطریق عیسیٰ بن یونس روایت کیا ہے۔ دارقطنی (ص ۱۶۱) اور بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵-۴۶۶) نے اس کو بروایتِ سفیان ثوری نقل کیا ہے نیز بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵) میں اس کو بطریق (ابنِ وہب از افریقی، از عبداللہ بن یزید ابو عبدالرحمٰن الحبلی، از عبداللہ بن عمرو بن العاص) روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "طلوعِ فجر کے بعد دو رکعتوں کے سوا اور کوئی نماز نہیں"۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اس لیے کہ افریقی کا ثقہ راوی ہونا راجح ہے خصوصاً جب کہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث اس کی مؤید بھی ہے۔

ابوبکر بن محمد کے طریق کو حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص ص ۷۱ میں طبرانی سے نقل کر کے بروایت (عبدالرزاق، از ابوبکر بن محمد از موسیٰ بن عُقبہ، از نافع، از ابن عمرؓ) بیان کیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں: "اس کی سند قابلِ غور ہے"۔ زیلعی نے اس کو نصب الرایۃ (ج ۱ ص ۲۵۶) میں طبرانی کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ افریقی کی روایت سے ہم آہنگ ہیں۔ جس ابوبکر کا ذکر اس اسناد میں کیا گیا ہے ابن حجر مختصر نصب الرایہ میں کہتے ہیں کہ اس کا نام "ابن ابی سبرۃ" ہے۔ میں بھی اسی کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس لیے کہ ابن ابی سبرہ موسیٰ بن عقبہ اور شیوخ عبدالرزاق سے روایت کرنے میں معروف ہے۔ اُس کا پورا نسب "ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ" ہے بعض اس کو دادا کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں ہے۔ جہاں تک ابو ہارون العبدی اور کعب بن مُرّہ کے طُرق کا تعلق ہے تلاش بسیار کے باوجود مجھے ان کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔ واللہ اعلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمائے سلف کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے جس طرح ہم نے بطریق وکیع از افلح بن حُمید از قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ روایت کیا ہے کہ ہم اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں نمازِ فجر سے قبل حاضر ہُوا کرتے تھے۔ جب ہم ایک روز اُن کے یہاں آئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔ ہم نے کہا یہ کون سی نماز ہے، فرمانے لگیں "سو جانے کی وجہ سے میرا مقرّرہ وظیفہ رہ گیا تھا، مَیں اسے ترک نہیں کر سکتی۔"

ہم نے بطریق عبدالرزاق از سفیان ثوری و مُعتمر بن سُلیمان التیمی، از لَیث از مُجاہد روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گزر دو آدمیوں پر ہُوا جو طلوعِ فجر کے بعد گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "ارے بھائی! یا تو نماز پڑھو یا خاموش رہو۔" (مصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۶۱)

نیز عبدالرزاق سُفیان بن عُیَینَہ سے، وہ ابن ابی نَجیح سے روایت کرتے ہیں کہ طاؤس نے مجاہد سے کہا "کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب فجر طلوع ہو جائے تو جس قدر نماز چاہو ادا کرو۔" (مُصنَّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۵۳)

نیز عبدالرزاق المُعتمر بن سُلَیمان التَّیمی سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے، وہ حسن بصری سے، انہوں نے کہا کہ "طلوعِ فجر کے بعد جس قدر نماز چاہو ادا کرو۔" (مصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۵۳)

نیز بطریق شُعبہ از ہِشام بن عُروہ اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ظہورِ فجر کے بعد دو رکعت سے زیادہ نماز ادا کرنے میں کچھ مضایقہ نہیں سمجھتے تھے۔ ہم نے یہ بات عطاء بن ابی رَباح اور دیگر راویوں سے بھی نقل کی ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہمارے مخالفین عُقبہ بن عامر الجُہَنی کی روایت سے احتجاج کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ "ہم ان (اوقات) میں مسلمانوں کے مُردوں کو دفن کریں۔ اور وہ اوقات یہ ہیں (۱) جب آفتاب چمکتا ہُوا نمودار ہو حتیٰ کہ اونچا چڑھ آئے۔ (۲) جب آفتاب سر پہ ہو، یہاں تک ڈھل جائے (۳) جب سُورج مائل الی الغروب ہو حتیٰ کہ ڈوب جائے۔" (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ)

کوئی حدیث اس نہی کی معارض نہیں، مگر ہمارے مخالفین پھر بھی اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان اوقات میں بلاکراہت مُردے دفن کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں مگر نوافل یا فرائض ادا کرنے کو حرام ٹھہراتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ بکثرت نصوص اس نہی کی معارض ہیں۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں ان اوقات میں مُردوں کی تدفین ہرگز جائز نہیں البتہ نمازِ جنازہ ان اوقات میں جائز ہے۔ اس لیے کہ اس کے حکم میں عموم پایا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

۲۷۹۔ [ہمام بن احمد اس کو عباس بن اصبغ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، وہ محمد بن اسماعیل ترمذی سے، وہ سفیان بن عُیینہ سے، وہ کہتے ہیں میں نے عُبیداللہ بن عمرؓ کو کئی مرتبہ یہ کہتے سُنا کہ میں نے نافع سے سُنا، وہ کہتے ہیں میں نے] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سُنا کہ "میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ شب و روز کی کسی گھڑی میں نماز پڑھے بلکہ میں تو اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے اپنے ساتھیوں کو کرتے دیکھا ہے۔ حالانکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت قصداً نماز نہ پڑھا کرو"[1]

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین اوقات میں قصداً نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان اوقات میں نوافل جن کا حکم دیا گیا ہو یا جو مستحب کے درجہ میں ہوں پڑھے جا سکتے ہیں۔ حضرات صحابہ کا موقف یہی تھا۔ اس لیے کہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں تو اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے صحابہ کو کرتے دیکھا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نمازِ فجر کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے پیشتر طواف کرتے اور اس کے بعد (دو رکعت نفل) ادا فرماتے۔

ہمارے اصحاب میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ نمازِ عصر کے بعد حضورؐ کے دو رکعتیں پڑھنے کی بنا پر عصر کے بعد نماز پڑھنے کی نہی منسوخ ہو چکی ہے۔ یہ بات اس صورت میں صحیح ہوتی جب وَہب بن اَجدع کی روایت کردہ وہ حدیث موجود

---

[1] مؤطا امام مالک (ص ۷۰) میں بروایت (مالک از نافع از عبداللہ بن عمرؓ منقول ہے کہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز کا قصد نہ کیا کرے" بخاری و مسلم نے اس کو بطریقِ مالک روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بطریقِ (حماد از ایوب از نافع از ابنِ عمرؓ منقول ہے کہ) فرماتے تھے "میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح میں نے اپنے رفقاء کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ میں کسی کو شب و روز کے کسی حصے میں نماز پڑھنے سے نہیں روکتا بجز اس کے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کا قصد نہ کیا جائے" (العینی، ج ۵، ص ۸۳۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۴۱-۴۲)۔ مؤلف نے جس سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے وہ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہوتی جس میں مذکور ہے کہ عصر کے بعد جب تک آفتاب بلند رہے نماز پڑھنا جائز ہے۔ لہٰذا نسخ اس ضمن میں باطل ٹھہرا اور یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ نہی اس ضمن میں وارد ہوتی ہے کہ جب آفتاب زرد پڑ جائے یا غروب ہونے کے لیے جھک جائے تو اُس وقت نماز کا قصد نہ کیا جائے ــــ و باللہ التوفیق ــــ

اس کی دلیل:

۳۸۰۔ وہ حدیث ہے جس کو (عبداللہ بن ربیع نے روایت کیا، وہ محمد بن معاویہ سے، وہ احمد بن شعیب سے، وہ محمد بن منصور سے، وہ سفیان بن عیینہ سے، وہ کہتے ہیں مَیں نے ابوالزبیر سے سُنا، وہ کہتے ہیں مَیں نے عبداللہ بن باباہ سے سُنا، وہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بنی عبد مناف! جو شخص اس گھر کا کسی وقت بھی طواف کرے یا اُس میں نماز ادا کرے اس کو مت روکو۔ خواہ دن کے وقت ہو یا رات کے وقت" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے کتاب الحج اور نیز نسائی اور ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے نیل ج ۳ ص ۱۵، بیہقی ج ۲ ص ۳۱۵)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جبیر بن مطعم اس حدیث کے راوی متاخر الاسلام ہیں۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ اوقاتِ مذکورہ میں نماز کی ممانعت اس سے قبل وارد ہوتی تھی۔ لہٰذا یہ تمام باتیں نہی سے مستثنیٰ ہیں ــــ و باللہ التوفیق

۲۸۷۔ شبِ جمعہ کو زیادہ عبادت کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں

شبِ جمعہ کو زائد عبادت کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں اس کی دلیل:

۳۸۱۔ وہ حدیث ہے جس کو (عبداللہ بن یوسف روایت کرتے ہیں۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ ابوکریب سے، وہ حسین الجعفی سے، وہ زائدہ سے، وہ ہشام سے، وہ ابن سیرین سے، وہ ابوہریرہؓ سے) وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "شبِ جمعہ کو دیگر راتوں میں سے قیام کے لیے مخصوص نہ کرو"۔ ۔ تا آخر (مسلم و نسائی کتاب الصیام)

۲۸۸۔ افضل ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے

افضل ترین عمل وہ ہے جو رسولِ کریمؐ نے کیا ہو اور جسے ہمیشہ کیا جاتے، اگرچہ معمولی ہو۔ اس پر اضافہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرنے سے یہ ہمیں عزیز تر ہے۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب۔۲۱)

"بے شک تمہارے لیے رسولِ کریمؐ کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے۔"

اور نبی کریمؐ افضل کام کو چھوڑنے والے نہ تھے۔اس کی دلیل :

۳۸۲۔ وہ حدیث ہے جس کو [عبداللہ بن یوسف احمد بن فتح سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے۔ وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ محمد بن المثنّٰی سے، وہ عبدالوہاب ثقفی سے۔ وہ عُبَیداللہ بن عمرؓ سے، وہ سعید بن ابی سعید المقبری سے، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے وہ] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! وہی اعمال اختیار کرو جو تم انجام دے سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس وقت تک بیزار نہیں ہوتا جب تک تم بیزار نہ ہو جاؤ۔ بلاشبہ سب سے افضل کام اللہ کے نزدیک وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔ خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہو" (بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب اللباس، مسلم، ابوداؤد ونسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۲۸۹۔ نفلی نماز گھر میں افضل ہوتی ہے

نفلی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔ نوافل کا گھر میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے بہتر ہے۔ البتہ جو نوافل مسجد میں باجماعت پڑھے جائیں، وہ (گھر میں ادا کرنے سے) افضل ہیں۔[۱]

---

[۱] محلّٰی کے یمنی نسخہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے، ابن حزمؒ کہتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں نفل ادا کرنے والے کے لیے جماعت افضل ہے۔ تمام اہلِ علم اس بات سے آگاہ ہیں کہ حضورؐ زیادہ تر نوافل گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر ابن حزمؒ کے اصول کے مطابق آپؐ افضل کو ترک کرنے والے کیسے نہ ہوتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ نماز باجماعت پچیس۲۵ درجہ کے ثواب کی حامل اس وقت ہوتی ہے جب فرضی ہو نہ کہ نفلی۔ یہ بڑی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی دلیل وہ حدیث جس کہ :

۳۸۳- [عبداللہ بن ربیع نے عمر بن عبدالملک سے روایت کیا، انہوں نے محمد بن بکر سے، انہوں نے ابوداؤد سے، انہوں نے مُسدد سے، انہوں نے ابومعاویہ سے، انہوں نے اَعمش سے، انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "آدمی کی نماز باجماعت اُس کی گھر اور بازار کی نماز سے پچیس[۲۵] درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے" زنا آخرہ۔ (بخاری، مُسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

حضورؐ کے یہ الفاظ عام ہیں۔ ان میں فرضی اور نفلی تمام نمازیں شامل ہیں۔

ہم نے بطریق مالک از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ان کی دادی مُلیکہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کھانے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے کھانا تناوُل فرمایا، پھر کہا اٹھو تا کہ نماز پڑھیں۔ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہُوئے۔ مَیں نے اور یتیم نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بڑھیا ہمارے پیچھے تھیں۔ آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں اور ہماری طرف متوجہ ہُوئے۔ (بخاری، مُسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منبر پر کھڑے ہو کر مسجد میں لوگوں کو نفلی نماز کی امامت کروائی تھی۔ اسی طرح عِتبان بن مالک کے گھر میں بھی آپ نے نفلی نماز کی امامت کروائی تھی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں نمازِ عصر کے بعد لوگوں کو دو رکعتیں باجماعت پڑھائی تھیں۔ اسی طرح حضرت انسؓ نے بھی۔

۳۸۴- [بدیں سند تا ابوداؤد۔ از احمد بن صالح از ابن وہب، از سلیمان بن بلال، از ابراہیم بن ابی النضر از والدِ خود از بُسر بن سعید] از حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "آدمی کی نماز اُس کے گھر میں افضل ہے بجز فرضی نماز کے[۵]"

معقول تنقید ہے اور حق ہے۔ (آپ نے مسجد میں اور گھر میں بھی نفلی نمازیں جماعت سے پڑھی ہیں لیکن تنداعی نہیں۔ اس کی وجہ اُمت پر شفقت تھی لیکن قول سے جماعت کی فضیلت واضح فرما دی جیسا کہ ابنِ حزم نے آگے بیان کیا ہے)۔

[۵] یہ حدیث مجھے اس سند اور ان الفاظ کے ساتھ ابوداؤد میں نہیں ملی۔ البتہ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۴۲ میں بطریق عبداللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری از منصور بن المعتمر و نعمان بن قیس روایت کی ہے۔ منصور نے بروایت مجاہد کہا کہ مجھے ابو معمر نے یہ حدیث سنائی "جب فرض نماز پڑھ لو تو اپنے گھر کو لوٹ جاؤ"۔ اور نعمان بن قیس نے کہا "میں نے عبیدہ سلمانی کو محلہ کی مسجد میں کبھی نفل پڑھتے نہیں دیکھا" (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۶۸ مختصراً)

ہم نے بطریق ابن المثنّٰی ابو عاصم ضحاک بن مخلد سے روایت کی۔ وہ سفیان ثوری سے، وہ منصور سے، وہ ہلال بن یساف سے، وہ ضمرہ بن حبیب سے، وہ حضورؐ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ:

"آدمی کی نفلی نماز اس کے گھر میں لوگوں کے سامنے پڑھے گئے نوافل سے اسی طرح فضیلت رکھتی ہے، جیسے نماز باجماعت انفرادی نماز سے افضل ہوتی ہے[۱]"

بن سعید از ابو النضر مروی ہے۔ نسائی (ج ۱، ص ۲۳۷) میں بطریق موسیٰ بن عقبہ از ابو النضر۔ صحیح مسلم (ج ۱، ص ۲۱۶) میں مذکورہ دونوں سندوں کے ساتھ منقول ہے۔ مسلم اور ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں کہ "آدمی کی نماز گھر میں سب سے افضل ہے بجز فرضی نماز کے"۔ یہاں جو روایت مذکور ہے اس کو شوکانی نے ابو داؤد کی دونوں میں سے ایک روایت کی طرف منسوب کیا ہے، پھر عراقی سے اس کی سند کا صحیح ہونا نقل کیا ہے (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۹۵) مروزی نے اس حدیث کو "قیام رمضان" ص ۹۵ پر نقل کیا ہے۔ پھر میں نے اس حدیث کو ابو داؤد، ج ۱، ص ۴۰۳ میں تلاش کر لیا، بالکل اسی طرح جس طرح ابن حزم نے روایت کیا ہے، صرف اس فرق کے ساتھ کہ ابو داؤد میں "فی مسجدی ھذا" کے الفاظ ہیں (یہ روایت بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الاعتصام اور کتاب الادب و نیز مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ کسی میں مطول اور کسی میں مختصر ہے)۔

[۱] یہاں اس حدیث کو موقوفاً روایت کیا گیا ہے۔ منذری نے "الترغیب" ج ۱، ص ۱۵۹ میں اس حدیث کو "عن رجلٍ من اصحاب رسول اللہ" کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں غالباً اس صحابی نے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ (ج ۳، ص ۲۵۵) میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ اس کو صہیب بن نعمان صحابی سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ وہ اس کو طبرانی اور المعمری کی "فی الیوم واللیلۃ" کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح شوکانی (نیل ج ۳، ص ۹۴) نے بروایت صحابی مذکور اس کو الطبرانی فی الکبیر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور ابن اثیر نے اسد الغابہ (ج ۳، ص ۳۳) میں بطریق طبرانی از المعمری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب "

www.KitaboSunnat.com

بدیں سند تا ابن المثنیٰ از عبدالرحمٰن بن مہدی از اسرائیل از عمران بن مُسلم فرماتے ہیں کہ سُوید بن غفلہ مسجد میں نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے۔

ہم نے بطریق وکیع از سفیان ثوری از نُسیر بن ذُعلوق روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے کبھی ربیع بن خُثیم کو محلّہ کی مسجد میں نوافل ادا کرتے نہیں دیکھا۔ (مُصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۷۱)

ہم نے بطریق ربیع از اَعمش از ابراہیم نخعی روایت کی ہے کہ حضرت حُذیفہ بن یمان سے مسجد میں فرض نماز کے بعد نوافل پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ (قیام اللیل للمروَزی، طبع جدید، ص ۷۶ مختصراً)

حماد بن سلمہ، محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں اور وہ عباس بن سعد سے، کہا میں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں لوگ نمازِ مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھروں میں جا کر پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل للمروَزی، طبع جدید، ص ۷۶، مختصراً)۔

از ایوب الوزان از محمد بن مصعب القرقسانی از قیس بن ربیع از منصور از ہلال بن یَساف از صہیب بن النعمان مرفوعًا روایت کیا ہے پس اصل مرجع اس حدیث کا منصور از ہلال بن یَساف ہُوا۔ لہٰذا سفیان ثوری از منصور والی سند جس کو مؤلفؒ نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ راجح ہے بہ نسبت روایتِ قیس، کیونکہ قیس باعتبارِ حفظ ضعیف ہے۔ یعقوب بن ابی شَیبہ نے فرمایا کہ قیس ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک صدوق ہے اور اس کی کتاب صالح ہے لیکن وہ حافظہ کا بہت ہی ردّی ہے اس لیے وہ مضطرب الحدیث ہے اور کثیر الخطاء اور ضعیف ہے اور قیس سے روایت کرنے والا محمد بن مصعب ہے جو اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ یحیٰی بن معین نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ کچھ بھی نہیں اور نہ ہی وہ اصحاب الحدیث میں سے ہے بلکہ وہ مغفل راوی ہے۔ اور سفیان ثوری تو امام و حافظِ کبیر ہے۔ اس لیے مَیں کہتا ہوں کہ محمد بن مصعب اور اس کے شیخ قیس نے جس صحابی کا نام صہیب النعمان بتایا اس کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ یہ ان دونوں استاذ و شاگرد کی خطاء ہے اگر اس نام کے کسی صحابی کا وجود ہوتا تو یقیناً صحابہ پر کتاب لکھنے والے ان کا ذکر کرتے، اور ایسا نہیں ہے بلکہ کسی نے ذکر نہیں کیا، لہٰذا اس کا وہم ہونا یقینی ثابت ہُوا (بتعلیقات مُصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۷۰ پر بھی ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نوافل خواہ نمازِ جمعہ کے بعد ہوں یا دیگر نمازوں کے، سب کا حکم برابر ہے۔ یہ تمام نوافل مسجد میں جائز ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ نوافل مسجد میں افضل ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ سب نوافل مسجد میں افضل ہیں سوا ان نوافل کے جو نمازِ جمعہ کے بعد پڑھے جاتے ہیں (کہ وہ گھر میں افضل ہیں) اس لیے کہ نمازِ جُمعہ کے بعد مسجد میں نوافل ادا کرنا مکروہ ہے۔ مالکیہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں مبادا اہلِ بدعت اس کو بطور دلیل پیش کریں جو امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو کچھ اہمیت نہیں دیتے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حد درجہ کی فاسد بات ہے۔ اس لیے کہ بدعتی لوگ تمام مساجد میں اور تمام نمازوں کے اوقات میں اس طرح کر سکتے ہیں۔ مزید براں وہ یوں بھی کر سکتے ہیں کہ گھروں کو چلے جائیں اور وہاں جا کر ان کو ادا کریں۔ ہم نے بطریق ابوداؤد از ابراہیم بن حسن، از حجاج بن محمد از ابن جُریج از عطاء روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ اس جگہ سے تھوڑا سا الگ ہو جاتے جہاں جمعہ کی نماز ادا کی تھی اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر تھوڑا سا اور سرک جاتے اور چار رکعتیں پڑھتے۔ مَیں نے کئی مرتبہ آپ کو اس طرح کرتے دیکھا۔ (ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ روایت کی ہے۔ وہ المعتمر بن سلیمان التیمی سے وہ عطاء بن السائب سے، وہ ابو عبدالرحمٰن السُّلَمی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں سکھایا کرتے تھے کہ ہم نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ ہم چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے ہمیں جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم چھ رکعتیں پڑھنے لگے۔ (مُصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۲۴۷)

ہم نے بطریق حمام از عباس بن اَصبغ روایت کی ہے۔ وہ محمد بن عبدالملک بن اَیمن سے، وہ محمد بن اسماعیل ترمذی سے، وہ حُمیدی سے، وہ سفیان بن عُیینہ سے، وہ عمرو بن دینار سے، وہ زُہری سے، وہ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے[1]۔

---

[1] ترمذی نے اس حدیث کو بروایت ابن ابی عمرؒ از سفیان روایت کیا ہے۔ نیز صحیح مُسلم، ج ۱، ص ۲۴۰ بروایت ابن ابی شیبہ و زُہیر و ابن نُمیر از سُفیان۔ نیز ابوداؤد ج ۱، ص ۴۴۳ بطریق مَعمر از زُہری۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۳۲ بروایت نافع از ابن عمرؓ (للنذیریؒ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۹۰- ایک رکعت وتر جائز ہے۔ تہجّد کے تیرہ۱۳ طریقے

وتر رات کے آخری حصّہ میں پڑھنا افضل ہے۔ اور ایک ہی رکعت وتر کفایت کرتا ہے۔ وتر اور نماز تہجّد تیرہ۱۳ طریقے سے ادا کی جا سکتی ہے جس طرح بھی ادا کر لے کافی ہے۔

تہجّد کا پہلا طریقہ: پسندیدہ ترین اور افضل طریقہ یہ ہے کہ بارہ رکعتیں پڑھیں۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیریں۔ پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے

۳۸۵- [عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا۔ انہوں نے عمر بن عبدالملک سے، انہوں نے ابن الاعرابی سے، انہوں نے ابوداؤد سے، انہوں نے قعنبی سے، انہوں نے مالک بن اَنس سے، انہوں نے ہشام بن عُروہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ جب نماز فجر کی اذان سُنتے تو ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے۔ (بخاری، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ و نیز نسائی کتاب الصّلوٰۃ فی الکبری باب ۶۰۲)

دُوسرا طریقہ: تہجّد کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے۔ پھر پانچ رکعتیں ملا کر پڑھے اور صرف پانچویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے۔ اس کی دلیل

۳۸۶- وہ حدیث ہے جس کو ہم نے [عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا انہوں نے محمد بن معاویہ سے، انہوں نے احمد بن شُعیب سے، انہوں نے اسحاق بن ابراہیم سے، انہوں نے عبدہ بن سلیمان سے، انہوں نے ہشام بن عُروہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ان میں پانچ رکعتیں وتر تھیں۔ پانچوں رکعتوں میں سے صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے پھر سلام پھیرتے۔ (مسلم، ابنِ ماجہ کتابُ الصلوٰۃ و نیز نسائی کتابُ الصّلوٰۃ فی الکبریٰ باب ۶۰۵)

تیسرا طریقہ: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دس رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے پھر ایک رکعت وتر ادا کرے۔ اس کی دلیل

اس کو نسائی اور ابن ماجہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ابوداؤد کے آخر میں "فی بیتہ" کا اضافہ ہے۔ (نسائی نے اسے سُنن کبریٰ میں روایت کیا ہے۔ دیکھو باب ۴۰۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۸۷۔ وہ حدیث ہے جس کو ہم نے [عبداللہ بن یوسف سے روایت کیا ہے۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ حرملہ بن یحییٰ سے، وہ ابن وہب سے، وہ عمرو بن حارث سے، وہ ابن شہاب سے، وہ عروہ بن زبیر سے، وہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ـــ جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں ـــ نمازِ فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھتے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

چوتھا طریقہ: چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ اس کی دلیل:

۳۸۸۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق مسلم از محمد بن عباد از سفیان بن عیینہ از زہری از سالم بن عبداللہ بن عمرؓ از والدِ خود] روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ تہجد کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا دو دو رکعتیں ادا کرو، جب طلوعِ فجر کا خوف ہو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔ (مسلم، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ ونیز نسائی کتاب الصلوٰۃ فی الکبریٰ باب ۵۸۵)

پانچواں طریقہ: تہجد کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھے۔ صرف آٹھویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے تشہد پڑھ کر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ پھر نویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے اور سلام پھیر دے۔ اس کی دلیل:

۳۸۹۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق مسلم از محمد بن المثنیٰ، از محمد بن ابی عدی، از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ، از زرارہ بن اوفیٰ روایت کیا ہے کہ سعد بن ہشام بن عامر] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وتروں کے بارے میں سوال کیا۔ ابنِ عباسؓ نے کہا کیا میں تجھے ایسی ہستی کا پتہ نہ دُوں جس کو رسولِ کریمؐ کے وتروں کے بارے میں سب سے زیادہ علم ہے؟ اُس نے کہا کون؟ کہا، عائشہ صدیقہؓ۔ سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حضورؐ کے وتروں کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا "حضورؐ نو ۹ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ صرف آٹھویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے، اللہ کی حمد و ثنا کرتے اور اسے پکارتے۔ پھر اُونچی آواز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے سلام پھیرتے جسے ہم بھی سُن لیتے۔ پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں ادا کرتے۔ جب آپؐ عمر رسیدہ ہو گئے اور جسم بھاری ہو گیا تو سات وتر پڑھنے لگے۔ دونوں رکعتوں میں اسی طرح کرتے جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الصلوٰۃ۔ ابن حزمؒ نے اس جگہ اس حدیث کو مختصراً حسبِ ضرورت بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں بہت طویل مروی ہے)۔ اس کی دوسری دلیل:

۳۹۰۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا ہے۔ وہ محمد بن معاویہ سے، وہ احمد بن شعیب سے، وہ عثمان بن عبداللہ سے، وہ عبیداللہ بن محمد سے، وہ حماد بن ابوحرہ سے، وہ حسن سے، وہ سعد بن ہشام سے، وہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعت وتر پڑھتے۔ آٹھویں رکعت پر تشہد کے لیے بیٹھتے۔ پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت ادا کرتے۔ (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

چھٹا طریقہ: چھٹا طریقہ یہ ہے کہ چھ رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے۔ ساتویں رکعت وتر کی پڑھے۔ اس کی دلیل:

۳۹۱۔ حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب صبح ہونے کا ڈر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔" (مسند احمد، مؤطا مالکؒ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

ساتواں طریقہ: ساتواں طریقہ یہ ہے کہ سات رکعتیں پڑھے۔ صرف چھٹی رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے۔ پھر سلام پھیرے بغیر اُٹھ کھڑا ہو اور ساتویں رکعت ادا کرے۔ پھر بیٹھ کر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کی دلیل

۳۹۲۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا ہے۔ وہ محمد بن معاویہ سے۔ وہ احمد بن شُعَیب سے، وہ زکریا بن یحییٰ سے، وہ اسحاق سے، وہ مُعاذ بن ہشام دستوائی سے، وہ اپنے والد سے، وہ قتادہ سے، وہ زُرارہ بن اَوفیٰ سے، وہ سعد بن ہشام بن عامر سے، وہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمر رسیدہ اور کمزور ہو گئے تو سات رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ صرف چھٹی رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے۔ پھر سلام پھیرے بغیر اُٹھ کھڑے ہوتے اور ساتویں رکعت ادا کرتے۔ پھر سلام پھیرتے (تا آخر) (حوالہ حدیث نمبر ۳۹۰ میں گزر چکا)۔

آٹھواں طریقہ: آٹھواں طریقہ یہ ہے کہ سات رکعتیں پڑھے۔ صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخری رکعت میں تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کی دلیل:

۲۹۳۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بسندِ مذکور تا احمد بن شعیب روایت کیا ہے۔ وہ اسماعیل بن مسعود الجحدری سے، وہ خالد بن حارث سے، وہ سعید بن ابی عروبہ سے، وہ قتادہ سے، وہ زرارہ بن اوفیٰ سے، وہ سعد بن ہشام بن عامر سے] روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب حضورؐ عمر رسیدہ اور بھاری ہو گئے تو سات رکعت پڑھا کرتے تھے صرف آخری رکعت میں تشہد پر بیٹھتے۔ پھر سلام پھیرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھتے۔ (حوالہ حدیث ۲۹۰ میں گزر چکا)

__نواں طریقہ:__ نواں طریقہ یہ ہے کہ چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر دو رکعت میں تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ اس کی دلیل

۲۹۴۔ حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب صبح کا ڈر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔ (حوالہ حدیث نمبر ۲۹۱ میں گزر چکا)۔

__دسواں طریقہ:__۔ دسواں طریقہ یہ ہے کہ پانچ رکعتیں ملا کر پڑھے۔ صرف پانچویں رکعت میں بیٹھے اور تشہدؐ کرے۔ اس کی دلیل:

۲۹۵۔ وہ حدیث ہے جو [ہم نے بسندِ مذکور تا احمد بن شعیب روایت کی ہے۔ وہ اسحاق بن منصور سے، وہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے، وہ سفیان ثوری سے، وہ ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے، وہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ وتر پڑھا کرتے تھے۔ صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے۔ (نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۲)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں بعض علمائے سلف کا موقف یہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق از ابن جریج از عطاء روایت کیا ہے کہ انہوں نے عروہ بن زبیر کو پانچ یا سات وتر پڑھتے دیکھا۔ دو رکعت کے بعد آپ تشہد کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳: ۲۶)

نیز بطریق حماد بن سلمہ از ہشام بن عروہ۔ انہوں نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ پانچ وتر پڑھا کرتے تھے۔ صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق از معتمر بن سلیمان التیمی از لیث از عطا از ابن عباسؓ روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا وتر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نمازِ مغرب کی مانند ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ وتر میں صرف تیسری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳ : ۲۷)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ عبداللہ بن عباسؓ کا اپنا قول ہے۔ اس کو انہوں نے رسولِ کریمؐ سے روایت نہیں کیا ہم اس پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ دین میں حجت صرف رسولِ کریمؐ کا قول و عمل یا اقرار ہے۔

گیارھواں طریقہ: گیارھواں طریقہ یہ ہے کہ تین رکعتیں ادا کرے۔ دوسری رکعت کے آخر میں بیٹھ کر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کے بعد ایک رکعت پڑھے، اس کے آخر میں تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کی دلیل:

۳۹۶۔ حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب صبح ہو جانے کا اندیشہ دامنگیر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو"۔ امام مالکؒ کا قول بھی یہی ہے۔ (حوالہ حدیث ۳۹۰ میں گزر چکا)

بعض اہلِ علم نے اس ضمن میں ایک اثر بطریق اَوزاعی از مُطلب بن عبداللہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے وتر کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیر کر فصل کرے۔ اس شخص نے کہا مجھے خطرہ ہے کہ ایک رکعت دُم کٹی نہ بن جائے۔ ابنِ عمرؓ نے کہا "اگر تم سُنّتِ رسولؐ چاہتے ہو تو سُنّت یہی ہے[1]"۔

بارھواں طریقہ: بارھواں طریقہ یہ ہے کہ تین رکعتیں پڑھے۔ دوسری رکعت میں بیٹھے، پھر سلام کے بغیر اُٹھ کھڑا ہو اور تیسری رکعت ادا کرے۔ تیسری رکعت میں بیٹھے، تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ یہ تین رکعتیں نمازِ مغرب کی طرح پڑھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس کی دلیل

۳۹۷۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا۔ انہوں نے محمد بن معاویہ سے، انہوں نے احمد

---

[1] اس حدیث کو طحاوی نے معانی الآثار (ج ۱ ص ۱۶۵) میں بطریق سُلیمان بن شعیب از بشر بن بکر از اَوزاعی، از مُطلب بن عبداللہ مخزومی روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابنِ عمرؓ سے سوال کیا (تا آخر) پھر اسی اثر کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں المروزی نے (ص ۱۱۹) پر المطلب سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "مطلب کے ابنِ عمرؓ سے سماع میں اختلاف ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہو کہ اسی نے ابنِ عمرؓ سے دریافت کیا تھا تو اس اثر کو صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ میرے نزدیک یہی بات راجح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن شعیب سے، انہوں نے اسماعیل بن مسعود سے، انہوں نے بشر بن مفضّل سے، انہوں نے سعید بن ابی عروبہ سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے زُرارہ بن اَوفیٰ سے، انہوں نے سعد بن ہشام بن عامر سے، کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرا کرتے تھے[1]۔ (حوالہ حدیث ۲۸۹ میں گزر گیا)

تیرھواں طریقہ:- تیرھواں طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک رکعت وتر پڑھے۔ امام شافعیؒ، ابوسلیمان اور دیگر اہلِ علم کا موقف یہی ہے۔ اس کی دلیل:

۲۹۸- وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے حمام بن احمد سے روایت کیا ہے۔ وہ عباس بن اَصبغ سے، وہ محمد بن عبدالملک بن اَیمن سے، وہ بکر بن حماد سے، وہ مسدد سے، وہ یحییٰ بن سعید القطان سے، وہ شعبہ سے، وہ قتادہ سے، وہ ابو مجلز سے، وہ کہتے ہیں کہ] میں نے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو دونوں نے کہا، ہم نے رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ "وتر رات کے آخری حصّہ میں ایک رکعت ہوتی ہے"[2]

ہم نے سعدؓ بن ابی وقاص و عبداللہؓ بن عباس و معاویہؓ اور دیگر صحابہ سے بھی وتر کی ایک رکعت روایت کی ہے۔ اس پر کسی چیز کا اضافہ نہ کیا جائے۔ امیر المومنین حضرت عثمان، حُذَیفہ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (ان آثار کے لیے قیام اللیل مصنّف عبدالرزاق وغیرہ کی طرف مراجعت لازم ہے)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں یہی اخبار و آثار ہمارے نزدیک صحیح تھے۔ اگر کوئی اور بات ہمارے نزدیک صحیح ہوتی تو ہم اس کو بھی نقل کر دیتے ——— وباللہ التوفیق

دُم کٹی نماز: رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی صحیح حدیث "البُتَیْراء"[3] (دُم کٹی نماز) سے ممانعت کے بارے

---

[1] یہ وہی روایت ہے جسے مصنف نے پانچواں طریقہ بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے صرف اختصار و تطویل کا فرق ہے پھر اس میں دو رکعت پر بیٹھ کر تشہد پڑھنے کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ فافہم وتدبّر (ابوالاشبال پاکستانی)

[2] صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۰۸-۲۰۹- قیام اللیل مروزی ص ۱۱۸ ——— طحاوی، ج ۱، ص ۱۶۳، یہ تمام محدثین بطریق حمام بن یحییٰ از قتادہ روایت کرتے ہیں۔ شعبہ کی روایت کردہ حدیث کو مسلم و طحاوی نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ مگر ان میں وہ حدیث صرف ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے۔ اس میں ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا گیا[3]۔ بُتَیراء کے لفظ پر مشتمل حدیث ضعیف ہے (نصب الرایہ ج ۱، ص ۲۷۸۔ لسان المیزان، ج ۳، ص ۱۵۲)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں روایت نہیں کی گئی ضعیف ہونے کے باوجود اس حدیث میں بتایا نہیں گیا کہ دُم کٹی نماز سے کیا مُراد ہے۔ ہم نے بطریق عبدالرزاق از سفیان بن عُیینہ، از اعمش، از سعید بن جُبیر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "وتر کی تین رکعتیں دُم کٹی نماز ہے" (مُصنّف عبدالرزاق ۳ : ۲۳)

جس شخص نے جھوٹی حدیث سے احتجاج کرکے (ایک رکعت وتر کو) دُم کٹی نماز کہا تھا، اس حدیث سے اُس کے خلاف حُجت قائم ہوگئی۔ اگر کہا جائے کہ حدیث صحیح میں وارد ہُوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "مغرب کی نماز دن کا وتر ہے۔ لہٰذا رات کی نماز وتر پڑھا کرو" (مُصنّف عبدالرزاق ۳ : ۲۸ عن ابن عمر)

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ رات کے وتر دن کے وتر کی مانند تین ہیں۔ جو شخص کہتا ہے کہ آپؐ یہی بات بتانا چاہتے تھے وہ جھوٹ بولتا ہے اگر تم اس کو قطعی بات تصور کرتے ہو تو یہ کذب کا ارتکاب ہے۔ مزید براں تم نے خود ہی اپنی بات کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے کہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں جہراً پڑھا جائے اور تیسری میں سراً۔ جس طرح مغرب کی نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ وتر کی طرح نماز مغرب میں بھی دعائے قنوت پڑھی جائے۔ یا یُوں کہ جس طرح مغرب میں دعائے قنوت نہیں پڑھی جاتی اسی طرح وتر میں بھی نہ پڑھی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیاس کیسا بھی کیوں نہ ہو باطل ہوتا ہے ——— وباللہ التوفیق

۲۹۱۔ وِتر رات کے آخری حصّہ میں افضل ہے

رات کے آخری حصّہ میں وتر پڑھنا افضل ہے۔ اگر رات کے پہلے حصّہ میں پڑھ لے تو بھی اچھا ہے۔ وتر کے بعد کوئی اور نماز پڑھنا جائز ہے۔ اندریں صورت دوسرے وتر کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ وتر کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر اس کو جوڑا نہ بنایا جائے۔ اس کی دلیل:

۳۹۹۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از محمد بن بکر، از ابوداؤد، از ابن ابی خلف، از ابوزکریا، از حماد بن سلمہ، از ثابت بنانی، از عبداللہ بن ابی رباح، از] ابوقتادہؓ روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کیا آپ وتر کب پڑھتے ہیں؟ کہا رات کے آغاز میں۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا آپ وتر کب پڑھتے ہیں؟ کہا "رات کے آخری حصہ میں" یہ سُن کر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا "آپ نے احتیاط سے کام لیا" اور حضرت عمرؓ سے کہا آپ نے طاقت سے فائدہ اٹھایا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۴۳، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے ابوداؤد اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کی دوسری دلیل

۴۰۰۔ وہ حدیث ہے جس کو (ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از ہشام بن عمار، از یحییٰ بن حمزہ قاضی دمشق، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف) اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشا کے بعد آٹھ رکعتیں پڑھتے، پھر وتر پڑھتے اور اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیا کرتے تھے۔ ان دو رکعتوں میں آپ بیٹھ کر قراءت کرتے جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور پھر رکوع کرتے۔ پھر اس کے بعد فجر کی دو سُنتیں ادا فرماتے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ، لیکن یہ روایت نسائی کبریٰ باب ۶۰۵ میں ہے)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ "وتر کو رات[1] کی آخری نماز بناؤ"، نیز "صبح ہونے سے پہلے[2] وتر پڑھ لیا کرو" ندب و استحباب پر محمول ہے۔ اس لیے کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ وتر فرض نہیں۔ حضوؐر کا معمول یہ تھا کہ وتر کے بعد دو رکعتیں ادا کرتے۔ اور اس کے بعد فجر کی دو سُنتیں پڑھتے۔ علاوہ ازیں آپؐ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وتر پڑھ کر سویا کریں[3]۔ یہ طرزِ عمل درست نہیں کہ آپؐ کے کسی قول پر عمل کیا جائے اور کسی کو چھوڑ دیا جائے۔ یہاں نسخ والا معاملہ نہیں بلکہ دونوں عمل مباح ہیں ـــــ وباللہ التوفیق

۴۰۱۔ جیسا کہ (ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک، از محمد بن بکر، از ابوداؤد، از مسدد، از ملازم بن عمرو، از عبداللہ بن بدر، از قیس بن طلق روایت کیا ہے) کہا طلق بن علی رمضان میں ہمارے یہاں آئے اور شام کو ہمارے ساتھ روزہ افطار کیا۔ پھر اس رات ہمارے ساتھ قیام کیا اور وتر پڑھے۔ پھر اپنی مسجد کو چلے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب وتر باقی رہ گئے تو امامت کے لیے ایک آدمی کو آگے بڑھایا اور کہا اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھائیے۔ مَیں نے رسُول اکرم صلی اللہ

---

[1] ابوداؤد، ج ۱، ص ۵۴۰۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

[2] ابوداؤد، ج ۱، ص ۵۳۹۔ ترمذی، ج ۱، ص ۹۳۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

[3] بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، دارمی کتاب الصلوٰۃ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ "ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا جائز نہیں"[1]

حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ جب وتر پڑھنے کے بعد اور نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو ایک رکعت مزید پڑھ کر وتر کو جوڑا بنا لیا کرتے تھے (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۱۲۸)۔ مگر دین میں حجت صرف رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل ہے۔

۲۹۲۔ وتر میں قراءت

وتر میں سُورۃ الفاتحہ کے علاوہ جو پڑھ سکے پڑھے۔ اگر وتر کی تین رکعتوں میں سے سُورۃ الفاتحہ کے علاوہ پہلی میں سُورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سُورۃ الکافرون اور تیسری میں سُورۃ الاخلاص پڑھے تو بہتر ہے۔ اور اگر سُورۃ الفاتحہ پر اکتفاء کرے تو بھی اچھا ہے۔ اگر وتر کی ایک رکعت میں سُورۃ الفاتحہ کے علاوہ سورۃ النساء کی ایک سو آیات پڑھ لے تب بھی اچھا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) "قرآن میں سے جو آسان ہو وہ پڑھ لیا کرو"

۴۰۲۔ جیسا کہ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع، از عبداللہ بن محمد بن عثمان، از احمد بن خالد، از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال، از حماد بن سلمہ، از عاصم الاحول، از ابی مجلز از] حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کی ہے کہ وہ مکہ و مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے عشاء کی نماز دو رکعت پڑھی۔ پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت وتر ادا کی اور اس میں سورۃ النساء کی ایک سو آیات تلاوت کیں۔ پھر فرمایا میں نے اس بات میں کوتاہی نہیں کی کہ جہاں حضورؐ نے قدم رکھے تھے وہاں قدم رکھوں اور جو کچھ آپؐ نے پڑھا تھا وہی تلاوت کروں[2]۔

---

[1] ابوداؤد، ۱۴۳۹ اور نسائی، ج ۱ ص ۲۴۷، بروایت حماد بن السری از ملازم بن عمرو پوری روایت نقل کی ہے۔ ترمذی نے صرف مرفوع حدیث کو روایت کیا ہے (ترمذی، ج ۱ ص ۹۴)۔ انہوں نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے بھی صرف مرفوع حدیث روایت کی ہے (ص ۱۴۷، حدیث نمبر ۱۰۹۵) بروایت ایوب بن عتبہ از قیس بن طلق۔ المروزی (ص ۱۲۸) نے اس کو بروایت محمد بن یحییٰ از طیالسی نقل کیا ہے۔

[2] ابوداؤد طیالسی (ص ۶۹ حدیث نمبر ۵۱۲) بروایت ثابت ابی زید از عاصم الاحول۔ امام احمدؒ نے اس کو مُسند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۰۳۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از حسین بن عیسیٰ، از ابو اُسامہ، از زکریا بن ابی زائدہ، از ابو اسحاق السَّبیعی، از سعید بن جُبَیر] از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں سُورۃ الاعلیٰ، دوسری میں الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص تلاوت فرماتے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ)

۲۹۳۔ نماز وتر بلا عذر بیٹھ کر اور سواری پر جائز ہے

نماز وتر کھڑے ہو کر، بلا عذر بیٹھ کر اور سواری پر جائز ہے۔ اس کی دلیل:

۴۰۴۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی، از ابراہیم بن احمد، از الفربری، از بخاری، از اسماعیل بن اُوَیس، از مالک از ابوبکر بن عُمر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب از] سعید بن یسار روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مکہ کے راستہ پر گامزن تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں فجر طلوع نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں سواری سے اُترا اور وتر ادا کیے، پھر اُن کے ساتھ مل گیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا تم کہاں تھے؟ میں نے کہا مجھے صبح ہو جانے کا خدشہ دامنگیر تھا، اس لیے میں نے سواری سے اُتر کر وتر ادا کیے۔ ابنِ عُمرؓ کہنے لگے کیا رسولِ اکرمؐ کی ذات میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ موجود نہیں؟ میں نے عرض کی، واللہ کیوں نہیں؟ کہنے لگے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر وتر ادا کیا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ)

جَریر بن حازم کہتے ہیں میں نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے پوچھا کیا ابن عمرؓ اپنی سواری پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے؟ کہنے لگے جی ہاں! اور کیا وتر میں ایسی کوئی خصوصیت پائی جاتی ہے جو دیگر نوافل میں موجود نہیں۔ (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۲۵۳)

سفیان ثوری ثُوَیر بن ابی فاختہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے والد سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی

(ج ۱، ص ۴۱۹) میں بروایت عبدالصمد از ثابت از عاصم روایت کیا ہے۔ یہ صحیح اسانید ہیں۔ اس کو نسائی (ج ۱، ص ۲۵۱) نے بروایت ابراہیم بن یعقوب از ابوالنعمان از حماد بن سلمہ از عاصم نقل کیا ہے۔ مروزی نے اس کو قیام اللیل (ص ۱۲۷) میں ذکر کیا ہے۔ المقریزی نے جب اس کا اختصار لکھا تو اس کی سند کو حذف کر دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سواری پر وتر پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۳۰۲)

ابن جُریج سے منقول ہے کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا، کیا ایک آدمی بیٹھ کر وتر پڑھ سکتا ہے؟ کہا ہاں!

(قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۲۵۲)

وکیع سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن ابی السفر سے، وہ شعبی سے، کہ وتر کی قضا نہیں دی جاتی۔ مگر اسے ترک نہیں کرنا چاہیے۔ وتر نفل ہوتے ہیں بلکہ افضل ترین نوافل۔ (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۳۱۰)

حماد بن سلمہ، قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ سعید بن المُسیّب سے کہ وتر اور چاشت کی نماز نفل ہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ نوافل کو اگر کوئی بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ [ہم نے بطریق مالک از ابن شہاب، از سائب بن یزید، از مطلب بن ابی وداعہ السہمی از] اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ میں نے کبھی رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ البتہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے بیٹھ کر نوافل ادا کیا کرتے تھے ——— وباللہ التوفیق ——— (مسلم، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۲۹۴۔ ہر مہینہ میں ایک دفعہ قرآن ختم کرنا مستحب ہے

ہر ماہ میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا مُستحب ہے۔ اگر کم مُدت میں ختم کرے تو اچھا ہے۔ پانچ روز سے کم مدت میں قرآن ختم کرنا مکروہ ہے۔ اگر کرنا ہی ہو تو تین روز میں ختم کرے۔ اس سے کم مدت میں قرآن ختم کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک شب و روز میں ایک تہائی سے زیادہ قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی دلیل

۴۰۵۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف روایت کیا ہے۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسٰی سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ قاسم بن زکریا سے، وہ عبیداللہ بن موسیٰ سے، وہ شیبان سے، وہ یحیی بن ابی کثیر سے، وہ محمد بن عبدالرحمٰن مولیٰ بنی زُہرہ سے، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے، وہ] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک ماہ میں قرآن ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کی مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے۔ فرمایا تو بیس دنوں میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے پھر عرض کی مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا تو سات دنوں میں ختم کر لیا کرو۔ اس سے آگے نہ بڑھو۔" (بخاری فضائل القرآن، مسلم، الصوم، ابوداؤد الصلوٰۃ)

دوسری دلیل:-

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۰۶- [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع روایت کی ہے۔ وہ عمر بن عبدالملک سے، وہ محمد بن بکر سے، وہ ابوداؤد سے، وہ محمد بن المثنّٰی سے، وہ عبدالصمد بن عبدالوارث سے، وہ ہمام بن یحییٰ سے، وہ قتادہ سے، وہ یزید بن عبداللہ ابن الشخیر سے، وہ] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں کتنی مدت میں قرآن ختم کیا کروں؟ فرمایا "ایک ماہ میں" (تا آخر) اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسُولِ اکرمؐ نے ان سے کہا "سات دن میں قرآن ختم کر لیا کرو"۔ عرض کی "مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے"۔ یہ سُن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے تین شب و روز سے کم مدت میں قرآن ختم کیا اُس نے قرآن کو سمجھا نہیں"۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ، اور ترمذی کتاب القرارت، نسائی فضائل القرآن فی الکبریٰ، باب ۴۸)

اگر کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ ایک رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ (قیام اللّیل للمروزی، طبع جدید، ص ۲۶۳)،

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے ہیں (قیام اللّیل للمروزی طبع جدید، ص ۱۲۸) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (النسآء: ۵۹)	"اگر کسی بات میں تمہارے درمیان نزاع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسُول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو"

اور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت وہ ہے جو ہم بیان کر چکے۔

ہم نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کی ہے۔ وہ شعبہ وسفیان سے، دونوں علی بن بذیمہ سے، وہ ابوعُبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ سے، وہ اپنے والد سے، اُنہوں نے کہا "جس نے تین دن سے کم مدت میں قرآن پڑھا گویا وہ شعر پڑھ رہا ہے (یعنی اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا)۔ (مصنف عبدالرزاق، ج ۲ ص ۳۵۲)

ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی روایت کی۔ وہ عبدالعزیز بن عبدالصمد العمی سے، وہ حُصَین بن عبدالرحمٰن سے، وہ ہلال بن یَساف سے روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جُبیر ایک رکعت میں قرآن ختم کیا کرتے تھے مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔

اگر ہمارے مخالفین وہ حدیث ذکر کریں جس کو ہم نے بطریق ہشام دستوائی، از عطاء بن سائب روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ اپنے والد سے، وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسُولِ کریمؐ سے پوچھا "میں قرآن کیسے پڑھا کروں؟ فرمایا" ایک شب و روز میں ختم کیا کرو، اس پر اضافہ مت کرو۔"

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ عطاء کی یہ روایت مضطرب اور معلول ہے۔ عطاء کا حافظہ عمر کے آخری حصہ میں خراب ہو گیا تھا۔

ہم نے اسی حدیث کو بطریق حمّاد بن سلمہ، از عطاء بن سائب، از والد او، از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے کہا "ایک ماہ میں قرآن ختم کیجیے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ حضورؐ اس مدت کو گھٹاتے رہے اور میں مزید کی کا مطالبہ کرتا رہا۔ عطاء کہتے ہیں ہم نے اپنے والد سے روایت کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے ان سے سات دن روایت کیے اور بعض نے پانچ دن۔ (ابو داؤد کتاب الصّلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث کی سند میں عطاء خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے والد سے روایت کرنے والوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور جو کچھ ان کے والد نے کہا تھا اس کا انہیں پُورا یقین نہیں ہے۔

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ داؤد علیہ السلام ایک گھنٹہ میں قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ حضرت داؤدؑ کا قرآن زبُور تھا نہ کہ یہ قرآن۔ ان کی شریعت بھی ہماری شریعت سے الگ تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام بطورِ خاص اپنی قوم کی طرف نبی مبعوث ہو کر آتے تھے نہ کہ ہماری طرف۔ ہماری جانب حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث کیا گیا ہے۔ یہ بات رسُولِ کریمؐ سے ثابت ہے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا۔ "ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔" (المائدہ: ۴۸)

جہاں تک رات کے قیام کا تعلق ہے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضورؐ نے صبح تک پوری رات کا قیام کبھی نہیں کیا۔ اس کی دلیل:

۴۰۷۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجّاج، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از سُفیان بن عُیینہ، از عمرو بن دینار، از عمرو بن اوس، از] حضرت عبداللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی ہے۔ آپ نصف شب تک سوتے پھر اٹھ کھڑے ہوتے۔ رات کے آخری حصہ میں پھر سو جاتے، پھر اُٹھ کھڑے ہوتے نصف کے بعد تہائی رات تک قیام کرتے" (بخاری کتاب الصلوٰۃ واحادیث الانبیاء، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصوم)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب یہ نماز اللہ کو بہت پیاری ہوتی، تو جو نماز اس سے زیادہ ہوگی وہ بلاشبہ اس سے کم درجہ کی حامل ہوگی اور جب اس سے کم درجہ ہوتی تو وہ ایک ایسے کا رعمل ہے جو اجر و ثواب سے عاری اور محض تکلف پر مبنی ہے اور ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت سلمان، معاذ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ساری رات قیام سے منع کیا ہے۔

۲۹۵۔ نوافل کی قراءت جہراً و سراً جائز ہے

نوافل کی نماز رات کے وقت ہو یا دن کے وقت اس میں جہراً و سراً قراءت مردوں اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اس لیے کہ اس کی ممانعت یا اس کا وجوب کتاب و سنت میں مذکور نہیں۔ اگر کہا جائے کہ عورتوں کو سراً پڑھنا چاہیے۔ ہم کہیں گے کس لیے؟ جب یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ لوگوں کے لیے حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کی گفتگو سننا مباح ہے۔ باقی عورتوں کی گفتگو سننے کی کراہت کسی نص سے ثابت نہیں ہوتی۔ وباللہ التوفیق۔

۲۹۶۔ ایک رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا جائز ہے

ایک ہی رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا، فرائض ہوں یا نوافل، جائز ہے۔ اسی طرح فرائض یا نوافل کی ایک رکعت میں امام اور منفرد سورت کا ایک جزو پڑھ سکتے ہیں۔

اس کی دلیل قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" (المزمل۔۲۰) (قرآن میں سے جو آسان ہو وہ

لہ الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہماری مائیں ہیں، جب کہ دوسری عورتوں کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ ذہبی کا یہ تعاقب درست نہیں۔ اس لیے کہ ازواجِ مطہرات تعظیم و تکریم اور حرمتِ نکاح کے اعتبار سے اُمت کی مائیں ہیں اس لیے ایک آدمی اپنی والدہ یا لونڈی کے جن اعضاء کو دیکھ سکتا ہے ازواجِ مطہرات کے بارے میں اس کی بھی اجازت نہیں جیسا کہ ابن حزمؒ نے کہا ہے اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے جیسا کہ فقہاء کرام کا دعویٰ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھ لیا کرو۔

قبل ازیں ہم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کر چکے ہیں کہ وہ نمازِ فجر کی دو رکعتوں میں صحابہ کی موجودگی میں سورۃ البقرہ اور آلِ عمران پڑھا کرتے تھے۔

۲۹۷۔ بلا عذر کعبہ رُخ لیٹ کر نفلی نماز جائز ہے

بلا عذر کعبہ رُخ لیٹ کر اور سواری کی حالت میں، خواہ وہ کعبہ کی طرف جا رہی ہو یا کسی اور طرف نفلی نماز جائز ہے۔

ان تمام حالات میں سفر و حضر برابر ہیں۔ اس کی دلیل:

۴۰۸۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از اسحاق بن منصور، از روح بن عُبادہ، از حُسین المعلّم، از عبداللہ بن بُریدہ، از عمران بن حُصین روایت کیا ہے] انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "اگر کھڑا ہو کر پڑھے تو افضل ہے۔ جو بیٹھ کر پڑھے اُسے کھڑا ہونے والے سے نصف اجر ملے گا۔ اور جو لیٹ کر پڑھے اسے بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا" (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس اباحت سے صرف وہ شخص مستثنیٰ ہے جو کھڑا ہونے یا بیٹھنے پر قادر ہو، اور فرض پڑھ رہا ہو۔ اس کی دلیل:

۴۰۹۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق مالک، از ابوالنضر مولیٰ عمر بن عبیداللہ، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ بیٹھنے کی حالت میں قراءت کرتے، جب قراءت میں سے تیس یا چالیس آیات باقی رہتیں تو کھڑے ہو کر پڑھنے لگتے۔ پھر رکوع کو جاتے، پھر سجدہ کرتے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے۔ (مؤطا مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجاج، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از مُعاذ بن مُعاذ العنبری، از عبداللہ بن شقیق عُقیلی روایت کیا] وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے رسولِ کریم کی رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا "آپ دیر تک رات کو کھڑے ہو کر پڑھتے، اور دیر تک بیٹھ کر پڑھتے جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو رکوع بھی کھڑے ہو کر کرتے۔ اور جب بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع بھی بیٹھ کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے۔ (مُسلم، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب طریقے سُنّت اور مُباح ہیں۔ رسُولِ کریمؐ نے ان سب پر عمل کیا ہے چنانچہ

۴۱۱۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از امام بخاری، از ابونُعیم فضل بن دُکین، از شَیبان بن فرّوخ، از یحییٰ بن ابی کثیر، از محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان روایت کی ہے کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ نے بیان کیا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری کی حالت میں نوافل پڑھا کرتے تھے اور سواری کا رُخ قبلہ کی طرف نہ ہوتا تھا (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۴۵، کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۲۔ [بدین سند تا امام بخاری، از مُعاذ بن فُضالہ، از ہشام دستوائی، از یحییٰ بن ابی کثیر، از محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان مروی ہے کہ] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری جانبِ مشرق رواں ہوتی اور آپ اس پر نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب فرض پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اُتر کر قبلہ رُخ ہو جاتے (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ ہر سوار کے لیے عام ہے۔ وہ کسی سواری پر ہو، اور حالت کیسی بھی ہو، سفر کی یا حضر کی۔ اس مسئلہ میں جس قدر احادیث وارد ہوتی ہیں ان سب کی نسبت اس میں زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ قاضی ابو یوسف اور دیگر حنفیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پیدل کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں کہ وہ چلتے ہوئے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ چونکہ قیاس باطل ہے لہٰذا جو شخص سوار نہیں اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہم نے بطریق وکیع، از سفیان ثوری، از منصور بن مُعتمر، ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ صحابہ و تابعین سواری کی حالت میں نفلی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ خواہ سواری کسی طرف جا رہی ہو۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۳۰۳۔ قدرے اختلاف مروی ہے)۔

یہ بات انہوں نے صحابہ و تابعین کے بارے میں کہی ہے خواہ وہ سفر میں ہوتے یا حضر میں۔ وباللہ التوفیق

۲۹۸۔ اشارے سے رکوع وسجود

سواری کی حالت میں رکوع اور سجدہ اشارے سے کیا جائے گا جیسا کہ

۴۱۳۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از امام بخاری، از موسیٰ بن اسماعیل، از عبدالعزیز بن مسلم، از عبداللہ بن دینار روایت کیا ہے کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ حالتِ سفر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سوار ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے، خواہ سواری کسی طرف بھی جا رہی ہوتی، اشارہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ کہا کرتے تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۵۴، کتاب الصلوٰۃ)

۲۹۹۔ فرضی نماز بلا عذر بیٹھ کر جائز نہیں

جہاں تک فرض نماز کا تعلق ہے وہ صرف کھڑے ہو کر درست ہے۔ اِلّا یہ کہ بیماری، یا ظالم دشمن یا کسی حیوان یا کسی اور چیز کا خوف ہو۔ یا قیام سے قاصر ہو مثلاً کشتی پر سوار ہو۔ جو شخص ایسے امام کی اقتداء کرے جو مرض یا معذور ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھاتے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ اگر امام قعود و قیام پر قادر نہ ہو اور لیٹ کر نماز پڑھاتا ہو تو مقتدی بھی لیٹ کر نماز پڑھیں۔ ان دونوں صورتوں میں اگر کوئی مذکر ہو جو لوگوں تک امام کی تکبیر کو پہنچاتا ہو تو اگر چاہے امام کے پہلو میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ اور اگر چاہے اس طرح نماز پڑھے جیسے امام پڑھ رہا ہے۔

خائف اور مریض کے لیے دلیل یہ آیات ہیں:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶)　　"اللہ تعالیٰ کسی کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اُس میں طاقت ہو۔"

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ: ۱۸۵)　　"اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تکلیف نہیں چاہتا۔"

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرہ: ۲۳۸)　　"اللہ کی عبادت کے لیے خاموش ہو کر کھڑے ہُوا کرو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیام کو واجب ٹھہرایا ہے، بجز اس شخص کے جس کو بنا بر نص مستثنیٰ کر دیا۔ خائف اور مریض کے بارے میں تو اہلِ علم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرض یا پاؤں کے درد کی وجہ سے بیٹھ کر بھی فرائض پڑھے ہیں (مسند احمد ۳: ۲۹۵)۔

جو امام کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو اس کی اقتداء کرنے والے کے بارے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور اُن کے اصحاب کہتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا مریض تندرستوں کا امام نہیں بن سکتا۔ البتہ ولید بن مسلم سے ایک روایت منقول ہے جو امام ابوحنیفہ اور شافعی کے مسلک سے ہم آہنگ ہے۔ امام ابوحنیفہ اور شافعی کہتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا مریض تندرستوں کا امام بن سکتا ہے۔ البتہ وہ امام کے پیچھے کھڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو کر نماز ادا کریں گے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر لیٹ کر تندرستوں کی امامت نہ کرے۔

ابو سلیمان اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا مریض تندرستوں کی امامت کر سکتا ہے اس کی اقتدا میں سب بیٹھ کر نماز ادا کریں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہمارا تعامل یہی ہے۔ البتہ مذکر جو لوگوں تک امام کی تکبیر پہنچاتا ہے، اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے یا بیٹھ کر۔ جب ہم نے اس ضمن میں دلیل و برہان کی تلاش کی تو یہ دلیل ملی۔

۴۱۴- [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از عبداللہ بن یوسف، از مالک، از ابن شہاب] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے"۔ (تا آخر ......

اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز ادا کرو"۔ (مؤطا امام مالکؒ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۵- مزید براں [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از قتیبہ بن سعید، از مغیرہ الحزامی، از ابوالزناد، از الاعرج] از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام کو اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اس سے اختلاف نہ کرو، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب وہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہو۔ جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ جب وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو تم سب بیٹھ کر نماز ادا کرو"[1]۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۱۹)

۴۱۶- [بدیں سند تا مسلم، از ابوبکر بن ابی شیبہ و ابوالربیع الزہرانی و ابو کریب محمد بن العلاء و محمد بن عبداللہ بن نمیر، حدیث کے الفاظ ابوبکر بن ابی شیبہ کے ہیں وہ عبدہ بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں اور ابوالربیع حماد بن زید سے۔ ابو کریب عبداللہ بن نمیر سے اور محمد بن عبداللہ اپنے والد سے، پھر عبدہ بن سلیمان و حماد بن زید اور عبداللہ بن نمیر سب ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے اور وہ] حضرت

---

[1] ابوداؤد نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ اس حدیث سے طویل تر ہیں (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۴-۲۲۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو چند صحابہ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آئے۔ اسی اثنا میں حضورؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو اُن صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز کا آغاز کیا۔ آپؐ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئے۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا" امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب اٹھ کھڑا ہو تو تم بھی اُٹھ کھڑے ہو۔ جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز ادا کرو" (مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۹)

[ہم نے بطریق لیث بن سعد، از ابو الزبیر، از] حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، تو آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم نے آپؐ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ حضرت ابو بکرؓ لوگوں کو آپ کی تکبیر سناتے تھے۔ آپ نے ہماری طرف جھانکا تو ہمیں کھڑا پایا۔ آپؐ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا" تم نے تو اہلِ فارس و روم کی طرح کیا ہے کہ ان کے بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ (ان کی خدمت میں) کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسا نہ کیا کرو، اپنے ائمہ کی پیروی کرو۔ اگر امام کھڑا ہو کر نماز پڑھاتے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو۔ اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھاتے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو" (مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کو قیس بن ابی حازم، ھمّام بن مُنَبّہ، ابو علقمہ اور ابو یونس نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ مزید براں ہم نے اس حدیث کو بطریق سالم بن عبد اللہ بن عمر، از والدِ خود نیز از عُبَید اللہ بن عبد اللہ بن عُتبہ از ابن عباسؓ وعائشہؓ، اور بطریقِ اَسود از حضرت عائشہؓ بھی نقل کیا ہے۔ بایں طور یہ حدیث متواتر کے درجہ کی حامل ہے۔ لہٰذا اس کو تسلیم کرنا واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ (یہ سارے طرق صحاح کتاب الصلوٰۃ میں موجود ہیں)۔

جب ہم نے مالکیہ کے اس موقف پر غور کیا کہ ان کے نزدیک کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا امام تندرستوں کا امام نہیں بن سکتا تو ہمیں اس کی کوئی اصل دستیاب نہیں ہوئی۔ بجز اس کے کہ مالکیہ یہ کہیں کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت ہے۔ اس کے اثبات میں وہ اس روایت سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق جابر الجُعفی از شعبی اور بطریق عبد الملک بن حبیب از شیخ اُو، از مجالد از شعبی نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میرے بعد تم میں سے کوئی شخص بیٹھ کر امامت نہ کرواتے" (مُصنّف عبد الرزاق ۲: ۴۶۳)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ روایت لاشئ ہے۔ اُن کا یہ قول کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت ہے باطل ہے۔ اس لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ حدیث کے الفاظ اس قول کی تردید کرتے ہیں۔ حضورؐ نے اس حدیث میں فرمایا کہ "امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اس سے اختلاف نہ کرو، جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ آپؐ کا یہ حکم آپؐ کے بعد ہر امام کے لیے ہے۔ لہٰذا کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

نیز آیت کریمہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" خصوصیت کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص کی تردید کرتی ہے۔ اِلّا یہ کہ وہ شخص اپنے دعوے کے اثبات میں نصِ صحیح یا اجماعِ قطعی کی دلیل پیش کرے۔

شعبی کی روایت کردہ حدیث اس لیے باطل ہے کہ اس کی سند میں جابر جُعفی ہے جو مشہور کذاب اور رجعتِ علیؓ کا عقیدہ رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں مُجالد ضعیف راوی ہے اور یہ حدیث مُرسل[1] ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ مالکیہ اہلِ کوفہ کی ان روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں جس کی تائید دیگر روایات سے نہ ہوتی ہو۔ اہلِ مدینہ کی روایت کردہ احادیث میں سابق الذکر حدیث سے زیادہ کوئی صحیح روایت موجود ہی نہیں۔ ہمارے علم کی حد تک اہلِ مدینہ کے یہاں صحیح ترین سند [سفیان ثوری از منصور، از ابراہیم از اسود و علقمہ و مسروق از عمر بن الخطابؓ، اُمّ المومنین عائشہ اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم ہے۔]

حیرت بالائے حیرت اس بات پر ہے کہ اہلِ مدینہ کی صحیح ترین روایت کے مقابلے میں مالکیہ اہلِ کوفہ کی ضعیف ترین روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اہلِ مدینہ کی صحیح ترین اسناد مثلاً [زہری از انس وہشام بن عروہ از والدِ او، از عائشہ نیز عبید اللہ بن عبد اللہ از عائشہ، نیز ابوالزناد، از الاعرج از ابوہریرہ، نیز سالم بن عبد اللہ بن عمر از والدِ خود۔ یہ سب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔] اس سے زیادہ حیران کُن بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے افعال آپؐ کے اقوال ہی کی طرح واجب التعمیل ہیں۔ بخلاف ازیں یہاں حضورؐ کے آخری فعل کو بھی قابلِ اعتناء تصور نہیں کرتے۔ بلاشبہ آخری نماز جو حضورؐ نے لوگوں کو پڑھائی وہ بیٹھ کر پڑھائی تھی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

اگر مالکیہ کہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے سے کم درجہ کی فضیلت رکھتا ہے، تو پھر وہ ایک تندرست آدمی

---

[1] شعبی کی روایت کردہ حدیث کو دارقطنی (۱۵۳/۱) نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کو صرف جابر جعفی نے شعبی سے روایت کیا ہے۔ جابر متروک الحدیث ہے لہٰذا یہ حدیث ناقابلِ احتجاج ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی امامت کیوں کر کرے گا؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے، کم تر درجہ اُس وقت ہوگا جب قیام پر قادر نہ ہو، یا قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھے۔ مگر جب بیٹھ کر نماز پڑھنا اُس پر فرض ہو تو درجہ کے کم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید براں اس امر میں شرعاً کوئی حرج نہیں کہ کہتر درجہ کا شخص مہتر کی امامت کرے۔ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ افضل ترین نماز رسولِ کریمؐ کی ہے۔ بایں ہمہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ کی اقتداء فرمائی، حالانکہ بلاشبہ ان کی نماز حضورؐ کی نماز سے کم درجہ کی حامل ہے۔ دیکھیے بعض اوقات مسافر امامت کرتا ہے جو صرف دو رکعت فرض پڑھتا ہے۔ مقیم لوگ اس کی اقتداء کرتے ہیں جن کے ذمہ چار رکعت فرض ہیں۔ پھر تم اس کی اجازت کیوں کر دیتے ہو، اور بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کو کھڑے ہونے والوں کی امامت کا حق نہیں دیتے؟ یہ محض تحکّم ہے جس کی کوئی دلیل شریعت میں موجود نہیں ——— وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

پھر ہم نے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی طرف رجوع کیا کہ وہ دونوں اس بات کے دعویدار ہیں کہ حضورؐ کا یہ قول کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کے پیچھے جبکہ امام کسی مرض یا عذر کی بنا پر پڑھا رہا ہو تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو، یہ حکم منسوخ ہے، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کس دلیل سے؟

اگر وہ یہ حدیث پیش کریں، جس کو

۴۱۸۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از احمد بن عبداللہ بن یونس، از زائدہ، از موسیٰ بن ابی عائشہ، از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ روایت کیا ہے] وہ کہتے ہیں میں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر حضورؐ کی بیماری کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے طویل واقعہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ان ایام میں نماز پڑھاتے رہے۔ پھر آپؐ نے بیماری میں قدرے افاقہ محسوس کیا تو دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نماز ظہر کے لیے نکلے۔ ان میں سے ایک حضرت عباسؓ تھے۔ ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپؐ نے پیچھے نہ ہٹنے کا اشارہ کیا۔ آپؐ نے ان دونوں سے کہا مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھلا دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر رسولِ کریمؐ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور لوگ ابوبکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے۔ حضورؐ بیٹھے ہوئے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ عُبید اللہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ حدیث عبداللہ بن عباسؓ کو سنائی تو انہوں نے اسے من وعن قبول کر لیا۔ (بخاری، مُسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۹۔ [بدین سندنا مُسلم، بروایت یحییٰ بن یحییٰ، از ابو معاویہ، از اعمش، از ابراہیم نخعی، از اسود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضورؐ کی بیماری شدت پکڑ گئی تو فرمایا ابو بکرؓ سے کہہ کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (تا آخر) اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ابو بکرؓ نے نماز کا آغاز کیا تو رسُولِ کریمؐ نے قدرے افاقہ محسوس کیا۔ چنانچہ دو آدمیوں کے سہارے سے باہر نکلے۔ آپؐ کے پاؤں زمین کے ساتھ گھسٹتے جا رہے تھے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ نے آپ کی آہٹ سُن کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ آپ نے ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا۔ آپؐ آکر ابو بکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسُولِ کریمؐ بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، ابو بکرؓ کھڑے تھے۔ ابو بکرؓ رسُولِ کریمؐ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابو بکرؓ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۴۲۰۔ [بدین سندنا مسلم، از منجاب بن حارث تمیمی، از علی ابن مُسہر، از اعمش، از ابراہیم، از اسود] از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ انہوں نے طویل حدیث ذکر کی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسُولِ کریمؐ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ابُو بکر اُن کو تکبیر سُنا رہے تھے۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۴)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ہم نے جب اس حدیث پر غور کیا تو ہمیں اُن کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ملی کہ جب معذور امام لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو اس کی اقتداء میں مقتدیوں کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم اب منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ لوگوں نے حضورؐ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی۔ اور ابُو بکرؓ لوگوں کو آپ کی تکبیر سُنا رہے تھے۔ آپ نے ایک یقینی حکم دیا ہے جو نقل متواتر سے ثابت ہے کہ لوگ بیٹھ کر نماز ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ ایک حتمی بات کو ظنِ کاذب کی بنا پر ترک نہیں کیا جا سکتا۔ بخلاف ازیں صحابہ کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے آپ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی ہو گی۔

مذکورہ حدیث کے الفاظ اس امر کے زندہ گواہ ہیں کہ صحابہ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ لوگ ابو بکرؓ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ اگر صحابہ بھی کھڑے ہوتے اور ابو بکرؓ بھی تو صرف پہلی صف کے لوگ آپؐ کی اقتدا کر سکتے تھے، دیگر صفوف نہیں۔ اس لیے کہ وہ آپ کو دیکھتے نہ تھے اور پہلی صف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے درمیان حاجب تھی۔ آپ کے زمانہ میں صفیں باہم مربوط و متصل ہُوا کرتی تھیں نہ کہ منتشر اور الگ الگ۔ حدیث کے یہ الفاظ کہ "لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے" اس امر کے شاہدِ عدل ہیں کہ نماز پڑھنے والے تمام صحابہ اُن کو دیکھ رہے تھے۔ اور اسی لیے وہ آپ کی نماز کی اقتدا کرنے کے قابل تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بیٹھے ہوتے ہوں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حدیث کے الفاظ کی تخصیص اور اس کو مجاز پر محمول اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب اس کے اثبات کے لیے نصِ جلی موجود ہو۔

علاوہ ازیں اگر حدیث میں اس کا ثبوت موجود بھی ہو ——— حالانکہ ہرگز موجود نہیں ——— کہ صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی تو اس سے اس کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور یہ مباح ہے۔ (یعنی معذور امام کی اقتداء میں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح نماز پڑھنا جائز ہے) جیسا کہ قبل ازیں ہم مذکر کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ وہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دونوں طرح نماز ادا کرنے کا مجاز ہے۔

نیز یہ کہ اگر چاہے صف میں کھڑا ہو اور اگر چاہے امام کے پہلو میں کھڑا ہو جائے۔[1]

---

[1] اکثر محدثین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مقتدی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے۔ صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۰۰ حضرت انسؓ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ابو عبداللہ نے کہا الحمیدی کہتے ہیں یہ حدیث کہ 'جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو' یہ حکم آپؐ نے پہلی بیماری میں دیا تھا۔ بعد ازاں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپؐ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپؐ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور آپؐ کے آخری حکم پر عمل کیا جاتا ہے۔"

ابن حبان نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ امام کی پیروی میں مقتدیوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے۔ چنانچہ زیلعی نصب الرایہ، ج ۲ ص ۴۹ پر رقمطراز ہیں:۔

"اس حدیث میں پوری وضاحت موجود ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنا لازم ہے۔ صحابہ میں سے حضرات جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ، اُسید بن حضیر، قیس بن فہد رضی اللہ عنہم کا فتویٰ یہی ہے۔ دیگر صحابہ سے اس کے خلاف کوئی متصل یا منقطع روایت موجود نہیں۔ گویا اس پر صحابہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ہمارے نزدیک جو اجماع حجت ہے وہ صحابہ ہی کا ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہ تابعین میں سے جابر بن زید نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ دیگر تابعین سے اس کے خلاف کوئی صحیح یا ضعیف روایت منقول نہیں۔ گویا اس پر تابعین کا اجماع بھی قائم ہو چکا ہے۔

اُمت میں اوّلین شخص جس نے پہلی مرتبہ اس کی مخالفت کی وہ مُغیرہ بن مقسم ہیں۔ پھر ان سے حماد بن ابی سُلیمان نے یہ مسلک اختیار کیا اور اُن سے امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب نے۔ سب سے عمدہ حدیث جس سے انہوں نے احتجاج کیا ہے، جابر جُعفی کی روایت کردہ ہے جس کو وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا "میرے بعد کوئی شخص بیٹھ کر امامت نہ کرے" اگر اس حدیث کی صحت ہو بھی جائے تو مُرسل ہے۔ اور مُرسل کا وجود و عدم ہمارے نزدیک مساوی ہے اس لیے کہ اگر ہم ثقہ تابعی کی مراسیل کو قبول کریں تو پھر تبع تابعین کی مُرسل روایات کو بھی قبول کرنا چاہیے۔ اور پھر اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر تبع تابعین کے اتباع کی مراسیل کو قبول کرنا بھی لازم ٹھہرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہو گا کہ جو شخص بھی "قال قال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہے اس کی روایت کردہ حدیث کو قبول کر لیا جائے ظاہر ہے کہ اس سے شریعت کا نقض و ابطال لازم آتا ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ایک طرف تو جابر جُعفی کو ضعیف اور کاذب قرار دیتے ہیں، لیکن جب چاروں طرف سے گھر جاتے ہیں تو اس کی مرویات سے احتجاج بھی کرتے ہیں" (ابنِ حبان کا بیان ختم ہوا)

جہاں تک مقتدیوں کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے منسوخ ہونے کا تعلق ہے اُن احادیث کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں جن میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ بڑے زوردار الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی اہلِ فارس و روم کے رویّہ کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کی موجودگی میں نسخ کا دعویٰ بعید از قیاس ہے۔ اِلّا یہ کہ ایسی نص صریح موجود ہو جس میں سابقہ طرزِ عمل کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا اور بتایا گیا ہو کہ عجمیوں کے فعل کے ساتھ مماثلت کی علت اب موجود نہیں رہی۔ مگر ایسی کوئی نص موجود نہیں۔

نسخ کی سب سے بڑی دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے مگر وہ بھی اس پر دلالت نہیں کرتی۔ مزید برآں احادیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ مقتدی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا واجب ہے۔ اس لیے کہ امام کو مقرر ہی اس مقصد کے لیے کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ نماز کے جملہ ارکان میں امام امام رہتا ہے اور مقتدی اس کی پیروی کرتا ہے۔ اور یہیں امام سے اختلاف نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ امام مقتدیوں کی ڈھال ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اختلاف کیا ہو گا کہ نماز کے ارکان میں بھی اس کی متابعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح مخالفین کے سب دلائل ھَبَاءً مَّنثُورًا ثابت ہوتے۔ اِس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کا تناقض کھل کر سامنے آیا کہ وہ ایک طرف تو مریض امام کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہوں، مگر ان کے یہاں اس بات کی اجازت نہیں کہ مریض امام لیٹ کر تندرستوں کی امامت کرے۔ حالانکہ دونوں صورتیں یکساں ہیں اور ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔

اس حدیث پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق ابوبکرؓ امام تھے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے:

۴۲۱۔ جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از علی بن حجر از اسماعیل، از حمید، از] حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ یہ آخری نماز تھی جو حضورؐ نے لوگوں کے ساتھ پڑھی۔ آپؐ نے کُلّی باندھ کر ایک ہی کپڑے میں ابوبکرؓ کے پیچھے یہ نماز ادا کی۔ (نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۲۲۔ [بدین سند تا احمد بن شعیب، از محمد بن المثنّیٰ، از بکر بن عیسیٰ، از شعبہ، از نعیم بن ابی ہند، از ابو وائل، از مسروق] از عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور رسولِ کریمؐ صف میں تھے۔

(ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۲۳۔ ہم نے [بطریق محمد بن سعید بن نبات، از احمد بن عون اللہ، از قاسم بن اصبغ، از محمد بن عبدالسلام الخشنی، از محمد

نہ کی جاتے۔ اسی لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے، مقتدیوں کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کو ائمہ کی اطاعت ٹھہرایا ہے جو ہمیشہ واجب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ گویا اللہ کی اطاعت ہے۔ ابوداؤد طیالسی (ص ۳۲۹، حدیث نمبر ۲۵۷۷) اور طحاوی (ج ۱، ص ۲۳۵) میں بطریق شعبہ از یعلی بن عطاء روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوعلقمہ کو حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کرتے سنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی" اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" (تا آخر) اس کی سند امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ بخاری و مسلم نے اس حدیث کا پہلا حصہ روایت کیا ہے۔ نسخ کی تردید کے سلسلہ میں یہ بڑی قوی روایت ہے ــــــ والحمد للہ علیٰ توفیقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن بشار، از بدل بن المحبر، از شعبہ، از موسیٰ بن ابی عائشہ، از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود] از عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور رسولِ کریمؐ ان کے پیچھے تھے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ احادیث ان کے لیے حجت نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بلاشبہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔ ایک نماز وہ ہے جس کا تذکرہ اسود نے حضرت عائشہؓ سے اور عبید اللہ نے حضرت عائشہ اور ابنِ عباسؓ سے روایت کرکے کیا ہے۔ صورت حال یہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے امام تھے۔ لوگ آپؐ کے پیچھے اور ابوبکرؓ دائیں جانب، آپؐ کے مقتدی کے طور پر کھڑے تھے اور لوگوں تک آپ کی تکبیر کو پہنچاتے تھے۔

دوسری نماز کے واقعہ کو مسروق اور عبید اللہ نے حضرت عائشہؓ سے اور حمید نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صف میں لوگوں کے درمیان تھے۔ اس طرح جملہ اشکالات رفع ہو جاتے ہیں[1]۔

یہ ایک ہی نماز کا واقعہ ہرگز نہیں تاکہ اس کو تعارض پر محمول کیا جائے۔ ہر روز پانچ نمازیں ہوتی ہیں۔ آپؐ بارہ روز بیمار رہے جن میں تقریباً ساٹھ نمازیں آتی ہیں۔

بعض لوگوں نے ایک نہایت ضعیف روایت کا سہارا لے کر اس حدیث پر اعتراض کیا ہے اس کو روایت کرنے میں ایک ضعیف راوی اسرائیل نامی منفرد ہے۔ وہ ابو اسحاق سے اور وہ ارقم بن شرحبیل سے روایت کرتا ہے۔ یہ ارقم چنداں معروف راوی نہیں ہے۔ اس روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ قراءت کرتے ہوئے جہاں پہنچے تھے اس کے آگے رسولِ کریمؐ نے پڑھا۔ حالانکہ تم اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ (یہ ایک طویل حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے

---

[1] زیلعی نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۴ میں صحیح ابن حبان سے نقل کرتے ہیں کہ

"یہ تمام احادیث صحیح اور تعارض سے عاری ہیں۔ رسولِ کریمؐ نے مرض الوفاۃ میں مسجد نبوی میں دو نمازیں پڑھی تھیں۔ ایک میں آپؐ امام تھے اور دوسری میں مقتدی۔ اس کی دلیل عبید اللہ بن عبد اللہ کی حدیث ہے جس کو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ دو آدمیوں یعنی حضرت عباسؓ و علیؓ کا سہارا لے کر گھر سے نکلے۔ اور مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے بریرہؓ اور ثوبیہؓ کا سہارا لیا تھا۔ یہ بات بڑی واضح بھی ہے اور دقیق بھی"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ "باب ما جاء فی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ" کے تحت روایت کیا ہے)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف روایت اُس حدیث کی معارض نہیں ہو سکتی جس کو ابراہیم نے اسود سے اور اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ نیز عبیداللہ بن عبداللہ نے اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو جاتے تو ہم اس پر عمل کریں گے۔ ہم اس حدیث کو اس بات پر محمول کریں گے کہ آپؐ نے سورۃ الفاتحہ پڑھی تھی جس کے بغیر نماز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ اس کا پڑھنا حدیث میں مذکور نہیں جس طرح طہارت ضروری ہے اگرچہ اس کا ذکر نہ بھی کیا گیا ہو۔ قبلہ رُخ ہونا اور تکبیر کہنا بھی ضروری ہے۔ خواہ اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ پھر آپؐ نے جہاں ابوبکرؓ ٹھہر گئے تھے وہاں سے قراءت کا آغاز کیا۔ یہ نہایت عمدہ بات ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ نماز ظہر کا واقعہ ہے، جس میں سرّاً پڑھا جاتا ہے۔ لہٰذا اسرائیل نے جو بات کہی اُس کا بطلان ثابت ہوا[1]۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں حضورؐ کی جس نماز کا تذکرہ کیا گیا ہے اگر اس کا تعلق مرضِ وفات کے ساتھ ثابت نہ بھی ہو تو اس کا تعلق اس واقعہ کے ساتھ ہو گا جب گھوڑے سے گر کر آپؐ کے پاؤں کو موچ آگئی تھی۔ اس موقع پر آپؐ نے مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو

---

[1] اسرائیل کی روایت کردہ حدیث کو دارقطنی (ص ۱۵۲) نے بطریق یحییٰ بن آدم از قیس بن الربیع، از عبداللہ بن ابی السفر، از عبداللہ بن ارقم بن شُرَحْبِیل روایت کیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ درست یُوں ہے "ارقم بن شُرَحْبِیل از ابن عباس از عباس بن عبدالمطلب"۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ابوبکرؓ نے جہاں تک سُورہ پڑھی تھی اس سے آگے رسُولِ کریمؐ نے پڑھا"۔ اس کی سند میں قیس بن ربیع ضعیف راوی ہے۔ البزّار نے اس کو بدیں سند روایت کیا ہے اور کہا "یہ کلام بدیں اسناد اسی طرح سے مروی ہے"۔ زَیلعی (ج ا ص ۲۴۹) نے البزّار سے یہ اقتباس نقل کیا ہے۔ زَیلعی نے اس پر تعاقب کیا ہے کہ ابن ماجہ نے اس کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے (ابن ماجہ، ج ا، ص ۱۹۳) بروایت علی بن محمد، از وکیع، از اسرائیل، از ابواسحاق، از ارقم بن شُرَحْبِیل مطوّلاً۔ اس کے آخر میں ہے کہ "ابوبکر جہاں تک پہنچے تھے اس کے آگے رسُولِ کریمؐ نے پڑھنا شروع کیا"۔ وکیع کہتے ہیں "سنّت بھی یہی ہے"۔

شارح ابن ماجہ نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا "ابواسحاق کا سماع ارقم بن شُرَحْبِیل سے ثابت نہیں۔ ابن حزمؒ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا چاہیے۔

اس حدیث کو ہم نے بطریق انس و ابوہریرہؓ و جابر و عائشہ و ابن عمر رضی اللہ عنہم روایت کیا ہے۔ کوئی دوسری حدیث اس کی معارض نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو کوئی اعتراض ہے ـــــ وللّٰہ الحمد

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جمہور علمائے سلف ہمارے ہمنوا ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریق وکیع از اسماعیل بن ابی خالد، از قیس بن ابی حازم، (از) ابوہریرہؓ روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا امام امین ہوتا ہے۔ اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھاتے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۶۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۲۶)۔

نیز بطریق حماد بن سلمہ، از یحییٰ بن سعید انصاری، از ابوالزبیر، کہا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں درد تھا۔ چنانچہ انہوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور ان کے رفقاء بھی بیٹھے ہوئے تھے[۱]۔

عبدالرزاق نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے۔ وہ ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُسید بن حضیر بیمار پڑ گئے۔ وہ اپنی قوم کو بیٹھ کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۶۲، مصنف

اس سند کو اسرائیل کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ بات نہایت غلط ہے، اس لیے کہ اسرائیل ثقہ راوی ہے بخاری و مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ اسرائیل کے دادا ابواسحاق سے جن لوگوں نے بھی روایت کی ہے یہ اُن میں سے ثقہ تر ہے۔ ابن مہدی کہتے ہیں اسرائیل ابواسحاق سے روایت کرنے میں شعبہ اور ثوری سے بھی ثقہ تر ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجرؒ التہذیب میں لکھتے ہیں:

"ابن حزمؒ نے علی الاطلاق اسرائیل کو ضعیف قرار دیا اور اس کی روایت کردہ حدیث کو رد کر دیا ہے۔ یہ کچھ بات نہیں ہے۔"

اُرقم ثقہ راوی ہے اور وہ شریف ترین لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی مرویات صحیح ہیں۔ بخاری نے اس کی جو تضعیف کی ہے وہ قابلِ اعتماد نہیں۔ اس لیے کہ بخاری بعض اوقات ایسی شرط عائد کر دیتے ہیں جس کو اکثر محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ احمد محمد شاکرؒ اس روایت پر ابن حزمؒ کا آخری کلام حرفِ آخر ہے) ـــــ (صغیر احمد شاغف بہاری پاکستانی)

[۱] حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (ج ۲، ص ۱۲۰) میں رقمطراز ہیں: "ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیمار ہو گئے۔ اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کا فتویٰ دیا تھا۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابنِ ابی شیبہ ۲ : ۳۲۶)

ابنِ عُیَیْنہ کہتے ہیں مَیں نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی۔ وہ قیس بن ابی حازم سے وہ قیس بن قہد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں اُن کا امام بیمار پڑ گیا۔ چنانچہ وہ بیٹھ کر ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔ ہم بھی بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔[1]

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں دیکھیے یہ ابوہریرہ، جابر، اُسید اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم عہدِ رسالت میں اور مسجدِ نبوی کے علاوہ دیگر مساجد میں بیٹھ کر نماز پڑھاتے ہیں اور صحابہ میں کوئی ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ ان سب کا موقف یہی ہے کہ مریض آدمی بیٹھ کر تندرستوں کو نماز پڑھاتے۔ کسی صحابی نے بھی ابوہریرہ یا دیگر صحابہ کی اس ضمن میں مخالفت نہیں کی کہ تندرست اشخاص مریض کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

ہم نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے تندرست لوگوں کو حکم دیا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز پڑھ لیا کریں۔ عبدالرزاق کہتے ہیں مَیں نے لوگوں کو اسی بات پر عامل پایا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ جایا کریں۔ اکثر لوگوں نے اسی کو سُنّت ٹھہرایا ہے۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۲ : ۴۶۳)

ہم نے عباس بن عبدالعظیم عنبری سے روایت کیا ہے کہ مَیں نے عفّان بن مسلم سے سُنا وہ کہتے تھے ایک روز ہم حماد بن زید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ نمازِ فجر پڑھ چکے تھے۔ وہ کہنے لگے آج ہم نے رسولِ کریمؐ کی سُنّتوں میں سے ایک سُنّت کو زندہ کیا ہے۔ ہم نے عرض کی اے ابو اسماعیل وہ کیا؟ وہ کہنے لگے ہمارا امام بیمار تھا، چنانچہ اس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو ہم نے بھی اُس کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ بیٹھ کر تندرستوں کو نماز پڑھائی جا سکتی ہے یہی مسلک ہے امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسف، اَوزاعی، شافعی، ابو ثور، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ، داؤد اور جمہور اہلِ حدیث کا۔

---

[1] ابن قہد کے اثر کو عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور شوکانی نے نیل الاوطار (ج ۳ ص ۱۶۱) پر نقل کیا ہے۔ العراقی کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ ابن حجر فتح الباری، ج ۲ ص ۱۱۹ پر لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے بعد بکثرت صحابہ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی مثلاً اُسید بن حُضیر، جابر، قیس بن قہد اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔ ان کی اسانید صحیح ہیں۔ ان کو عبدالرزاق، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی تابعی کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو تندرستوں کی امامت سے روکا ہو۔ البتہ مغیرہ[1] بن مقسم کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ مگر اس کو ممنوع اور ناروا نہیں کہتے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں زفر بن ہذیل کا قول ہے کہ جو مریض کھڑا ہونے یا بیٹھنے پر قادر نہیں، تندرستوں کو لیٹ کر نماز پڑھائے۔ مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ درست نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ مقتدی بھی لیٹ کر نماز پڑھیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے:

"امام کو اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس کی مخالفت نہ کیجیے۔"

یہ ایسا عموم ہے جس میں امام کے ساتھ کسی قسم کا اختلاف کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ "جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب رفع الیدین کرے[2] تو تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ جب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہو۔ جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ دیگر امور میں امام کی پیروی نہ کی جائے۔ لہٰذا جملہ احوال میں امام کی پیروی واجب ٹھہری بجز اُس حالت کے جو کسی نص یا اجماع کی بنا پر مخصوص ہو۔

جب مریض تندرست امام کی اقتدا کر رہا ہو تو امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا اور مریض بیٹھ کر یا لیٹ کر اس کی اقتدا کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی، حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا میں پڑھی۔ ابوبکرؓ کھڑے تھے جب کہ رسول کریمؐ اُن کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حالانکہ اس سے قبل آپؐ یہ حکم صادر کر چکے تھے کہ امام کی مخالفت نہ کی جائے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (البقرہ: ۲۸۶) "اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

نیز حضورؐ کا یہ ارشاد گرامی کہ "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اس کی تعمیل کیجیے۔"

وباللہ التوفیق۔

---

[1] مغیرہ تابعین میں سے نہ تھے جیسا کہ ابن حزم کے کلام سے سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ اتباع تابعین میں سے تھے ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔

[2] یہ معنی بھی ممکن ہے کہ جب قیام کرے تو تم بھی قیام کرو۔ مگر مندرجہ بالا مفہوم ان الفاظ سے قریب تر ہے (مترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۰۰۔ سواری پر فرض پڑھنا جائز نہیں

سواری کی حالت میں یا پیدل چلتے ہوئے فرض پڑھنا جائز نہیں البتہ خوف کی حالت میں اس کی اجازت ہے۔ کسی قسم کا بھی خوف ہو۔ مثلاً یہ کہ کسی حق کے طلب گار سے ڈرتا ہو یا ناحق ایذا دینے والے سے۔ یا آگ، سیلاب، ظالم حیوان، بارش، ساتھیوں کے گم ہو جانے یا منزلِ مقصود پر پہنچنے میں تاخیر سے خائف ہو یا کسی اور وجہ سے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔[1] (البقرہ: ۲۳۹)

"اگر ڈر ہو تو پیدل یا سواری کی حالت میں نماز پڑھ لیا کرو۔ جب اطمینان ہو جائے تو پوری پابندی سے نماز پڑھو"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف ڈرنے والے کو سواری یا پیدل چلنے کی حالت میں نماز کی اجازت دی ہے۔ اس میں خوف کی تخصیص نہیں کی۔ لہٰذا اپنی طرف سے اس کی تخصیص درست نہیں ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ مالکیہ صلوٰۃ الخوف کی اجازت صرف اُس شخص کو دیتے ہیں جو کسی ظالم سے ہراساں ہو۔ دوسری طرف ان کا قول ہے کہ رہزن، اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنے والے اور مسلمانوں کا خون بہانے والے اپنے اس سفر میں مُردار اور حرام اشیاء کھا سکتے ہیں۔ گویا اللہ نے جس چیز کو عام قرار دیا تھا انہوں نے بلا دلیل اس کی تخصیص کر دی۔ وہ اپنی دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ (المائدہ: ۳)

"جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو"

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔ (البقرہ۔ ۱۷۳)

"ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد سے باہر نہ نکل جائے اُس پر کچھ گناہ نہیں"

آیتِ کریمہ کے مضمون کے عین برخلاف مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ گناہ کا ارادہ کرنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا بھی اس اجازت سے مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ عظیم جسارت ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ گناہ کے سلسلہ میں سفر کرنے والے کو بھی قصرِ صلوٰۃ کی اجازت دیتے ہیں۔ اور یہ بھی اسی قسم کی جسارت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصحابِ قیاس میں سے ہیں۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو نصوص کی پیروی کرتے ہیں، اس کے سوا کسی چیز کی نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

---

[1] یہ اصل میں دو آیتیں ہیں جو گڈمڈ ہو گئی ہیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت اس طرح ہے فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الآیۃ دوسری آیت سورۃ النساء کی ہے فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ المحلی کے عربی متن میں معلوم نہیں یہ غلطی کیوں چلی آ رہی ہے؟ (ص۔ ی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۳۰۱۔ کن افعال کا نماز میں انجام دینا جائز ہے؟

مباحات میں سے جو کام آدمی نماز کی حالت میں انجام دے خواہ اس کا تعلق اپنے دفاع سے ہو یا کچھ اور، وہ جائز ہے اور اس کے ساتھ نماز باطل نہیں ہوتی۔ مثلاً ظالم کے خلاف نبرد آزمائی، پھیل جانے والی آگ کو بجھانا، کسی مسلم کو رہائی دلانا، دروازہ کھولنا وغیرہ جائز ہے۔ خواہ یہ عمل قلیل ہو یا کثیر۔

ہر کام جو آدمی دانستہ نماز کی حالت میں انجام دے حالانکہ وہ اس حالت میں مباح نہ ہو، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے ــــ خواہ قلیل ہو یا کثیر ــــ غیر مباحات میں سے جو کام آدمی نماز میں بھول کر کرے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس پر صرف سجدہ سہو آئے گا۔ یہ عمل خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

مسلک احناف

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں نماز کی حالت میں لڑائی جائز نہیں۔ اندریں صورت نماز چھوڑ دی جائے خواہ نماز کا وقت نکل جائے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ نمازیں قضا ہو جائیں تو لڑائی ختم ہونے کے بعد ان کی قضا دی جائے۔ نیز فرماتے ہیں کہ کلام خواہ دانستہ کیا جائے یا نادانستہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اگر وقت سے پہلے نماز میں عمداً سلام پھیر دیا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے بھول کر سلام پھیرنے سے نماز باطل نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے اور نمازی سبحان اللہ کہے یا ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرے تو یہ مکروہ ہے مگر اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگر کوئی شخص نمازی سے ہم کلام ہو اور نمازی سبحان اللہ کہے تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اگر نمازی چھینک مار کر الحمد للہ کہے اور اپنی زبان کو حرکت دے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ جو شخص کسی کے حق میں دعا کرے یا کسی کو بددعا دے اس کا نام لے تو اس کی نماز باطل ہوتی۔

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، اور اس حالت میں بول و براز کے غلبہ سے وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں اپنے دانتوں سے کھانے کا کوئی ریزہ نکالے اور دانستہ اسے نگل لے تو اس کی نماز درست ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بعض اصحاب نے اس کی تحدید چنے کے ایک دانے کے ساتھ کی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص سواری کی حالت میں نماز شروع کرے، پھر مامون ہونے کی بنا پر سواری سے اتر آئے تو اسی نماز کو جاری رکھے۔ اگر بلا سوار ہوئے نماز شروع کی، پھر خوف کی وجہ سے سوار ہو گیا تو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی نماز باطل ہوتی۔ حالتِ نماز میں پِسّو اور جُوں کو مارنے سے نماز باطل نہیں ہوگی۔ اگر نمازی کی حالت میں پیٹ میں نفخ پیدا ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اُن کے نزدیک جن اعمال کے دانستہ انجام دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اُن کو بھول کر کرنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

مالکیہ امام مالکؒ فرماتے ہیں سلام ہو یا کلام یا کوئی عمل اگر دانستہ ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ تحدید کی ہے کہ کثیر سے نماز باطل ہوتی ہے قلیل سے نہیں۔ اور بعض جگہ قلیل و کثیر دونوں کو مُبطلِ صلوٰۃ کہتے ہیں، اُن کے نزدیک بھول کر گفتگو کرنے یا کوئی کام کرنے یا سلام کہنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر بھول کر زیادہ گفتگو کرے تو نماز باطل ہو جائے گی نفخ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا نماز باطل ہو گی یا نہیں؛ اگر نمازی حالتِ نماز میں اپنے دانتوں میں پھنسا ہُوا کوئی دانہ دانستہ نگل لے تو اس کی نماز درست ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو نماز باطل ہُوتی۔ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو متنبہ کرنے کے لیے سُبحان اللہ کہنے سے ان کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی۔ نیز نمازی چھینک مار کر الحمدللہ کہے تو نماز نہیں ٹوٹتی مگر یہ مکروہ فعل ہے۔

جُوں یا پِسّو کو نماز میں قتل کرنا مکروہ ہے مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ خواہ یہ کام دانستہ کیا جائے۔ نمازی حالتِ نماز میں چڑیا کو پتھر مار سکتا ہے۔ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مُجاہد اشارے سے نماز پڑھے۔ اگر خوف کی وجہ سے سواری کی حالت میں نماز کا آغاز کرے، پھر امن ہو جانے کی وجہ سے اُتر آئے یا بلا سواری نماز کا آغاز کرے پھر خوف کی بنا پر سوار ہو جائے تو نماز کو جاری رکھے، اس کی نماز مکمل ہے۔

شافعیہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "اگر مجاہد حالتِ نماز میں لڑائی پر مجبور ہو جائے تو وہ حملہ کر سکتا اور نیزہ مار سکتا ہے اگر مسلسل حرب و ضرب کو جاری رکھے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر حالتِ سواری میں نماز کا آغاز کرے پھر امن کی وجہ سے اُتر آئے تو نماز کو جاری رکھے۔ البتہ اگر اپنے چہرے کو قبلے سے پھیر دے تو نماز باطل ٹھہرے گی۔ اگر بلا سواری نماز کا آغاز کرے پھر خوف کی وجہ سے سوار ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ جس کے دانتوں کے درمیان سے کھانے کا ریزہ برآمد ہو جو تھوک کی مانند ہو اور نمازی اس کو نگل لے اور اس کے سوا کچھ نہ کرے تو اس کی نماز مکمل ہے۔ اگر اسے چبایا تو اس کی نماز باطل ہوتی۔ سُبحان اللہ کہنے اور تالی بجانے سے نماز میں کچھ کمی نہیں آتی۔ اُن کے نزدیک نماز میں سانپ اور بچھّو کو مارنا مُباح ہے۔ معمولی کام جس کے بارے میں کوئی اثر موجود ہو نماز کا قاطع نہیں ہے۔ بھول کر زیادہ کام کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا چلنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابنِ حزمؒ مذکورہ صدر اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ جملہ اقوال متناقض اور بلا دلیل و برہان ہیں اور سب سے عجیب بات عملِ قلیل و کثیر کا بلا دلیل فرق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عملِ قلیل کیا ہوتا ہے اور کثیر کیا؟ ہم اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں جو چیز قلیل ہوتی ہے وہ اپنے سے کم چیز کے مقابلے میں کثیر ہوتی ہے۔ اسی طرح جس چیز کو ہم کثیر کہتے ہیں وہ اپنے سے زیادہ چیز کے مقابلے میں قلیل ہوتی ہے۔ قلیل و کثیر کے مابین فرق و امتیاز بالکل فاسد اور بلا دلیل و برہان ہے۔ کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اقوالِ صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

جن اشیاء کو نماز کی حالت میں مباح قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ جب کسی چیز کا احساس ہو تو اس کی طرف توجہ دی جائے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۴۲۴۔ ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از عبداللہ بن مسلمہ، از مالک، از ابی حازم بن دینار، از سہلؓ بن سعد) روایت کیا ہے۔ کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی مصالحت کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور پوچھا کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے؟ کہا ہاں! پھر اقامت کہی گئی اور ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے۔ جب آپؐ تشریف لائے تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ آکر صف میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ ابوبکرؓ نماز میں اِدھر اُدھر جھانکا نہیں کرتے تھے۔ جب لوگ کثرت سے تالیاں بجانے لگے تو ابوبکرؓ نے جھانکا تو دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ آپؐ نے ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ اٹھائے اور رسول کریمؐ کے اس حکم کا شکر ادا کرنے کے لیے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر ابوبکرؓ پیچھے ہٹے اور صف میں برابر کھڑے ہو گئے۔ رسول کریمؐ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا ابوبکرؓ! جب میں نے آپ کو ٹھہرنے کا حکم دیا تھا تو آپ ٹھہرے کیوں نہ رہے؟ ابوبکرؓ نے کہا "ابو قحافہ کے بیٹے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ رسول اللہ کے آگے ہو کر نماز پڑھائے۔" پھر رسول کریمؐ نے فرمایا یہ کیا بات تھی کہ میں نے تمہیں کثرت سے تالیاں پیٹتے دیکھا؟ جس کسی کو نماز میں ایسی چیز پیش آئے تو وہ سبحان اللہ کہے۔ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اس کی جانب توجہ مبذول کی جائے گی۔[1]

[1] حضرت سہل کی روایت کردہ حدیث کو بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۶۶) میں یہ الفاظ ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۲۵۔ [بدیں سند تا ابو داؤد، از عمرو بن عون، از حمّاد بن زید، از ابو حازم بن دینار، از سہل بن سعد (تا آخر)] اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "جب نماز میں ایسی صورتِ حال پیش آئے تو آدمی سُبْحَانَ اللّٰہ کہیں اور عورتیں تالیاں بجائیں"۔

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ نماز میں ہر حالت میں تسبیح اور حمد و ثنا کی اجازت ہے۔ اور اس سے اُن لوگوں کی تردید ہے جو اس سے روکتے ہیں۔ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اللہ کے اس احسان پر ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد و ثنا کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود اس کی نماز ٹوٹنے نہ پائی۔

اس حدیث میں مردوں کو تالیاں بجانے سے منع کیا گیا اور عورتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ اگر کوئی آدمی نماز میں دانستہ تالی بجائے اور آپؐ کی نہی سے آشنا بھی ہو تو اس کی نماز باطل ہوتی۔ اس لیے کہ اُس نے نماز میں وہ کام کیا جس سے اُسے روکا گیا تھا۔ اس لیے اُس نے اس طرح نماز نہیں پڑھی جیسے اُسے حکم دیا گیا تھا۔ اگر عورت سُبحان اللہ کہے تو اُسے منع نہ کیا جائے اس لیے کہ یہ اللہ کا ذکر ہے اور اچھا ہے۔ اور اگر تالی بجائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اگر بلا ضرورت ایسا کیا جائے تو درست نہیں، اس سے ہمیں روکا گیا ہے۔ جس شخص نے نماز میں ایسا کام کیا جو مباح نہ تھا، اُس نے اُس طرح نماز نہیں پڑھی جس طرح اُسے حکم دیا گیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ضرورت کی بنا پر نماز میں جھانکنے کی اجازت ہے۔ جو بلا ضرورت جھانکے اس کی نماز باطل ہوتی۔ اس لیے کہ اُس نے وہ کام کیا جس کی اُسے اجازت نہ تھی۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق

۴۲۶۔ [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شُعَیب، از سُوَید بن نصر، از عبداللہ بن مبارک، از یونس بن یزید، از زُہری، وہ کہتے ہیں مَیں نے ابوالاحوص کو سُنا وہ سعید بن المُسَیّب کی مجلس میں حدیث بیان کر رہا تھا اور سعید بھی بیٹھے تھے] کہ اُس نے ابوذرؓ کو یہ کہتے سُنا کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نماز میں بندے پر اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر جھانکتا نہیں۔ جب وہ اِدھر اُدھر مُنہ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ منہ موڑ لیتا ہے"۔ (ابوداود، ترمذی)

کہ سُبحان اللہ کہنا مردوں کا کام ہے اور تالی بجانا عورتوں کا۔ یہ الفاظ نسائی (ج ۲ ص ۱۲۷، ۷۶) میں بھی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نسائی، ابنِ ماجہ کتاب الصلوٰۃ، والحاکم فی المستدرک)

۴۲۷۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از عمرو بن علی، از عبدالرحمٰن بن مہدی، از زائدہ، از اشعث بن ابی الشعثاء، از والد او، از مسروق] روایت کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں جھانکنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا شیطان ایسے شخص کی نماز کو جھپٹ کر لے جاتا ہے (بخاری کتاب الصلوٰۃ و بدء الخلق، ونیز ابوداؤد و ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے مُنہ موڑ لے تو گویا اسے چھوڑ دیا اور اس کے عمل کو ناپسند فرمایا۔ اور جس کے عمل کو ناپسند کیا وہ بلاشبہ غیر مقبول ہو گا۔ ہمیں یقین ہے کہ جس التفات (جھانکنے) کو اللہ نے ناپسند کیا اور اس سے روکا ہے وہ اور ہے اور جس التفات کا حکم دیا ہے وہ دوسرا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ شیطان جس کی نماز کو جھپٹ لے گیا اس کی نماز ناقص ہوئی۔ اور جب ناقص ہوئی تو گویا اس نے ادا ہی نہیں کی۔

نیز ہم نے بطریق [وکیع، از مُعلّی بن عرفانؒ، از ابو وائل، از] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ اِدھر اُدھر دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اسی طرح [حماد بن سلمہ، خالد الحذاء سے، وہ ابوقلابہ سے،] وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ نماز میں اِدھر اُدھر جھانکے نہیں، یا بے وضو نہ ہو جائے۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲ : ۴۰)

علاوہ ازیں ہم نے بطریق [وکیع از سفیان ثوری، از آدم بن علی] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک قوم کو روزِ قیامت "ناقصین" کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نماز، وضوا ور التفات میں خامیاں

لہ مُعلّی بن عرفان ہی صحیح ہے ہم نے اس کو تاریخ الصغیر للبخاری (ص ۱۷۴)، میزان (ج ۳ ص ۱۸۶) لسان المیزان (ج ۶ : ۶۴) میں دیکھ کر درست کیا ہے۔ مُعلّی اسدی کوفی ہے۔ یہ ابو وائل کا بھتیجا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں "اس سے وکیع نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بواسطہ شقیق عبداللہ سے روایت کی ہے کہ وہ صفین میں موجود تھے۔ یہ بے اصل بات ہے۔ اس لیے کہ عبداللہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت اور صفین سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ ابن معین اور نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ الذہبی کہتے ہیں وہ غالی شیعہ تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں گی۔

نیز بطریق [وکیع، از سفیان ثوری، از حمید الاعرج از مجاہد] مروی ہے۔ انہوں نے کہا "جس شخص کی نماز میں چار باتیں نہ ہوں اس کی نماز کامل ہے (۱) اِدھر اُدھر جھانکنا (۲) بوقت ضرورت ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنا (۳) ضرورت کی بنا پر سر سے اشارہ کرنا (۴) اس کی بات سُننا جو حالتِ نماز میں اس کے پاس کسی دینی یا دنیوی غرض کی بنا پر آئے۔ یہ تمام کام نماز میں مباح ہیں۔

۴۲۸۔ [عبداللہ بن یوسف، احمد بن فتح سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ حرملہ بن یحییٰ سے، وہ عبداللہ بن وہب سے، وہ عمرو بن الحارث سے، وہ بکیر بن الاشج سے، وہ کریب مولیٰ ابن عباس سے] وہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے، وہ فرماتی ہیں میں نے رسولِ اکرمؐ کو سُنا کہ آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپؐ وہ سُنّتیں پڑھ رہے ہیں۔ میں نے آپؐ کی طرف لونڈی کو بھیج کر کہا کہ آپؐ کے پہلو میں کھڑی رہو اور کہو کہ ام سلمہ کہتی ہیں یا رسول اللہ! میں نے سُنا ہے کہ آپؐ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے ہیں۔ اب میں نے دیکھا ہے کہ آپؐ یہ سُنّتیں پڑھ رہے ہیں۔ اگر آپؐ اشارہ کریں تو پیچھے ہٹ جانا۔ لونڈی نے اسی طرح کیا اور وہ پیچھے ہٹ گئی۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا اے ابو اُمیہ کی بیٹی، تم نے عصر کے بعد والی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے (تا آخر)۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد فی الصلوٰۃ، و نیز بخاری فی المغازی ایضاً)

ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر نماز ادا کر رہے تھے اور مقتدی آپ کے پیچھے کھڑے تھے تو آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا حکم دیا اور کھڑا ہونے سے منع کیا۔ ہاتھ یا سر کے اشارے سے نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے:

۴۲۹۔ جس کو ہم نے بطریق [حمام بن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از معمر، از زہری] انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کیا کرتے تھے۔ یہ ان تمام حادثات کے بارے میں ہے جو رُونما ہوں[1]۔

[1] ابوداؤد، ج ۱، ص ۳۲۶ - بطریق عبدالرزاق۔ شوکانی (ج ۲، ص ۳۷۰) نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۳۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از قتیبہ، از لیث بن سعد، از ابوالزبیر] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے پایا تو آپ کو سلام کہا۔ آپ نے مجھے اشارہ کیا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے بلا کر فرمایا، تم نے مجھے سلام کہا جب کہ مَیں نماز پڑھ رہا تھا۔[1]

۴۳۱۔ ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از محمد بن اسماعیل ترمذی از الحُمیدی، از سُفیان بن عُیَینہ، از زید بن اسلم روایت کی ہے کہ] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی مسجد کی طرف تشریف لے گئے جو قُبا میں تھی تاکہ وہاں نماز پڑھیں۔ چند انصاری آئے جنہوں نے نماز کی حالت میں آپ کو سلام کہا۔ مَیں نے صُہیب سے دریافت کیا جو آپؐ کے ہمراہ تھے کہ حضورؐ اُن کو سلام کا جواب کیسے دیتے تھے؟ کہنے لگے "اشارہ فرماتے تھے"۔[2]

---

[1] ابن حزمؒ نے اس کو مختصراً پیش کیا ہے۔ اس کو (نسائی، ج ۱، ص ۱۷۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے اس کو ابوداؤد (ج ۱، ص ۳۴۸) نے بسند دیگر ابوالزبیر سے روایت کیا ہے۔ المنذری نے اس کو مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ (کتاب الصلوٰۃ) کی طرف منسوب کیا ہے۔

[2] نسائی (ج ۱، ص ۱۷۷) نے اس حدیث کو محمد بن منصور مکّی سے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۶۵) نے علی بن محمد طنافسی سے۔ دارمی (ص ۱۱۹) نے یحییٰ بن حسان سے۔ یہ سب سُفیان بن عُیَینہ سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ابوداؤد (ج ۱، ص ۳۴۸) اور ترمذی (ج ۱، ص ۷۴-۷۵) دونوں نے اس حدیث کو بروایت نافع از ابن عمرؓ نقل کیا ہے۔ البتہ ان دونوں میں مذکور ہے کہ ابن عمرؓ نے بلال سے پوچھا۔ ترمذی اور شوکانی (ج ۲، ص ۳۶۵) بیان کرتے ہیں کہ یہ دو واقعات ہیں۔ کوئی دلیل اس کی مؤیّد نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ چنانچہ المدوّنہ (ج ۱، ص ۱۰۰) پر بطریق ابن وہب از ہشام بن سعد از نافع از ابن عمرؓ مروی ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا کی طرف تشریف لے گئے۔ انصار کو پتہ چلا تو وہ سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ مَیں نے بلالؓ یا صہیبؓ سے دریافت کیا کہ رسولِ کریمؐ سلام کا جواب کیسے دیتے تھے جبکہ آپؐ نماز بھی ادا کر رہے تھے؟ وہ کہنے لگے ہاتھ کے اشارے سے۔ ترمذی اور ابوداؤد نے اس حدیث کو بطریق ہشام بن سعد از نافع روایت کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ شک ابن عمرؓ نے کیا ہے کہ بلالؓ سے پُوچھا یا صُہیبؓ سے۔ آگے چل کر بعض راوی بلالؓ کہتے اور بعض صُہیبؓ کا نام ذکر کرنے لگے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۳۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از قتیبہ، از لیث بن سعد، از بُکیر، از نابل صاحب العباء، از عبداللہ بن عمرؓ، از صہیبؓ] روایت کیا ہے کہ میرا گزر رسولِ اکرمؐ کے پاس سے ہوا جب کہ آپؐ نماز ادا کر رہے تھے مَیں نے آپؐ کو سلام کہا تو آپؐ نے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ غالباً آپؐ نے اس اشارہ سے منع کر دیا تھا۔ مگر یہ صاف جھوٹ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ نماز سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی اس سے روک دیتے۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق از معمر از ثابت بنانی از ابورافع رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ مَیں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا کہ وہ نماز کی حالت میں گواہ کی صفائی پیش کیا کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹)۔

جیسا کہ ہم نے بطریق حماد بن سلمہ از قتادہ از معاذۃ العدویہ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ اپنی خادمہ کو شوربہ تقسیم کرنے کا حکم دیتیں۔ آپ نماز پڑھ رہی ہوتیں اور خادمہ ان کے پاس سے گزرتیں تو اسے اشارہ کرتیں کہ اور شوربہ ڈالو۔ اسی طرح نماز کی حالت میں مسکین کو کچھ دینے کا اشارہ کرتیں۔ (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹ مختصراً)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از اعمش، از خیثمہ بن عبدالرحمٰن روایت کی ہے، انہوں نے کہا مَیں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جب وہ صف میں کچھ خرابی دیکھتے تو صف میں موجود پہلے آدمی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹)

وکیع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ عاصم الاحول سے، وہ معاذۃ عدویہ سے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز پڑھتے ہوئے چند خواتین کو کھانے کا اشارہ کیا۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از محمد بن ابی لیلیٰ، از حکم بن عتیبہ، از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کی ہے کہ مَیں اس امر کو دوسرے شخص کا احسان سمجھتا ہوں کہ نماز کی حالت میں مجھے سیدھا کر دے (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدیں سند تا عبدالرزاق، از ابن جُریج روایت کیا گیا ہے کہ میں نے عطاء سے کہا نماز پڑھتے وقت ایک آدمی میرے آگے سے گزرتا ہے، میں اسے تین مرتبہ سُبْحَانَ اللہ کہتا ہوں تو وہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ میں ہاتھ کے اشارے سے اس سے دریافت کرتا ہوں تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہتا ہے فلاں جگہ۔ اور میں اس وقت فرض پڑھ رہا ہوتا ہوں تو کیا میری نماز ٹوٹ گئی؟ عطاء نے کہا "نہیں" مگر میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ میں نے پوچھا کیا میں سجدۂ سہو کر لیا کروں؟ کہا "نہیں"۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۲۶۰)

ہم نے بروایت حماد بن سلمہ، از عاصم، از معاذہ عدویہ۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک قمیص اور اوڑھنی پہن کر نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ پھر آپ نے ایک چادر کی طرف اشارہ کیا تو میں نے وہ چادر اُن کو دے دی۔ گھر میں چند خواتین موجود تھیں۔ آپ نے ان کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھانا موجود ہے وہ کھائیں۔ نماز کی حالت میں یہ سب کچھ ہُوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۲۶ مختصراً)

ہم نے بطریق حماد بن سلمہ، از ثابت بنانی حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دو شخص حضور کے ایک صحابی کے پاس آتے اور وہ نماز میں مشغول ہوتے۔ وہ دونوں اُن سے "شہادۃ علی الشہادۃ" کا مطالبہ کرتے۔ وہ نماز کی حالت میں سنتے رہتے۔ جب دونوں گفتگو سے فارغ ہوتے تو وہ صحابی سر کے اشارہ سے کہتے کہ ٹھیک ہے۔

عبدالرزاق ابن جُریج سے روایت کرتے ہیں۔ وہ نافع سے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو سلام کہا جائے تو منہ سے کچھ نہ کہے۔ صرف اشارہ کر دے یہی سلام کا جواب ہے"۔ (مصنف ۲: ۳۳۶)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث میں آیا ہے[1] "لا غرار فی صلاۃٍ ولا تسلیمٍ"۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ

---

[1] اس حدیث کو امام احمد نے مُسند (ج ۲، ص ۴۶۱) پر بروایت عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابو مالک اشجعی، از ابو حازم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا "لا غرار فی صلاۃٍ ولا تسلیمٍ" ابو داؤد (ج ۱، ص ۳۴۶) نے اس کو احمد سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے المستدرک (ج ۱، ص ۲۶۴) اور بیہقی نے السنن (ج ۲، ص ۲۶۰) میں حاکم سے بطریق احمد نقل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دینے سے منع نہیں کیا گیا۔ ان الفاظ سے یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ دعویٰ بلا دلیل مردود ہے۔

۴۔ حاکم کہتے ہیں یہ حدیث مُسلم کے شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ ذہبی بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحتِ سند کے باوجود شیخین نے اس حدیث کو اس لیے روایت نہیں کیا کہ اس کا مرفوع ہونا بعض راویوں کے نزدیک مشکوک ہے۔ چنانچہ ابوداؤد (ج ۱ ص ۳۴۹) نے اس کو بطریق معاویہ بن ہشام، از سفیان، از ابومالک، از ابوحازم، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں ابن فُضَیل نے اس کو ابن مہدی کے الفاظ ہی کے مانند ذکر کیا ہے اور اس کو مرفوع نہیں ٹھہرایا۔ یہ علت اس حدیث کی صحت میں قادح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا مرفوع ہونا ایک اضافہ ہے جو ثقہ راوی سے قابلِ قبول ہے۔ پھر یہ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے ثقہ تر راوی اور کون ہو سکتا ہے؟ اس حدیث کے رفع میں معاویہ کا شک غیر مؤثر ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کو یقین حاصل ہو اس کو شک کا اظہار کرنے والے پر ترجیح دی جاتی ہے خصوصًا جب کہ اضافہ کرنے والے کا حافظہ قوی ہو اور وہ وہم کا مریض نہ ہو۔ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں "الصلوٰۃ" "ال" کی زیادتی کے ساتھ بھی آیا ہے لیکن یہ "ال" کی زیادتی کاتبوں کا سہو معلوم ہوتا ہے کیونکہ مُسند اور مستدرک و بیہقی میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

اس حدیث کے معنی ومفہوم میں شارحین کا اختلاف ہے، ابوداؤد نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "نماز کی حالت میں نہ تم کسی کو سلام کہو نہ سلام کا جواب دو" غرر کے معنی یہ ہیں کہ نماز میں شک پڑ جائے۔ یہ معنی اس روایت کے مطابق ٹھیک ہے جس میں "السلام" کا لفظ اَل کے ساتھ ہے۔ مگر مجھے اس کی مؤید روایت نہیں ملی۔ اگر "لا تسلیم" کے الفاظ ہوں تب بھی یہ معنیٰ درست ہے۔ مگر "تسلیمٍ" بالجر کے ساتھ یہ معنی درست نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اندریں صورت یہ "صلوٰۃ" کا معطوف ہو گا۔

لسان العرب میں ابوعُبَید سے نقل کیا ہے کہ غرار کے معنی نماز کے رکوع وسجدہ اور طہارت میں کمی کے ہیں۔ یعنی یہ کہ نماز کے ارکان کو صحیح طور سے ادا نہ کیا جائے جس طرح حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ قول کہ "نماز ایک پیمانہ ہے جو اسے پورا کرے گا اُسے پورا اجر دیا جائے گا۔ اور جو اس میں کمی کرے گا تو کمی کرنے والوں کا انجام تمہیں معلوم ہے۔" ابوعُبَید کہتے ہیں سلام میں غرار کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص السلام علیکم کہے اور دوسرا اس کے جواب میں صرف علیکم کہے اور وعلیکم السلام نہ کہے۔ یہ "التہذیب" سے ماخوذ ہے۔

ابن سیدہ کا قول ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس شخص کو گرمی سے تکلیف ہو تو وہ نماز میں پنکھے سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ: ۱۸۵) "اللہ تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا۔"

"سلام میں غرار یہ ہے کہ "سلام علیک" کہے۔ یا سلام کا جواب دیتے وقت صرف "وعلیک" کہے اور "وعلیکم" نہ کہے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ "نماز میں تھوڑا بھی نہ سویا جائے اور نمازی نہ دوسرے کو سلام کہے نہ اس کو دوسرا سلام کہے"۔ (لسان العرب کا بیان ختم ہوا)

ابن الترکمانی الجوہر النقی میں فرماتے ہیں:

"اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نماز میں سلام حرام ہے۔ تاکہ یہ حدیث اُن احادیث کی معارض ہو جن میں اشارہ کے ساتھ سلام کی اجازت دی گئی ہے تاکہ یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس ہو کہ راجح کون سی حدیث ہے اور مرجوح کون سی۔ دراصل غرار کے معنی نقصان کے ہیں نماز کا نقصان یہ ہے کہ اس کے ارکان کی تکمیل نہ کی جائے۔ اور سلام میں غرار یعنی نقصان یہ ہے کہ سلام کا جواب دینے والا وعلیکم السلام کے بجائے صرف وعلیک کہے۔"

ابوالاشبال (احمد شاکر) کہتے ہیں میں نے شارحین کا کلام نقل کرنے میں اس لیے طوالت سے کام لیا کہ میرے نزدیک کسی شارح نے اس حدیث کی شرح و توضیح کا حق ادا نہیں کیا۔ میرے نزدیک راجح یہ بات ہے کہ اس حدیث میں صلوٰۃ اور سلام میں نفی کی گئی ہے اس طرح راجح روایت وہ ہوگی جس میں تسلیم کا لفظ مجرور ہے۔ اس لیے کہ دوسری روایت میں "تسلیم" منصوب ہے۔ اگر اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تقدیم و تاخیر لازم آتی ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی "لا غرار ولا تسلیم فی صلوٰۃ"۔ حالانکہ یہ ظاہر کلام کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس کی جانب رجوع کسی ضرورت یا قرینہ کی بنا پر ہی کیا جا سکتا ہے۔

دوسری روایت جو معاویہ بن ہشام نے رفع حدیث کے بارے میں شک کے ساتھ ذکر کی ہے۔ ابوداؤد، حاکم اور بیہقی کے نزدیک اس کے الفاظ "لاغرار فی تسلیم ولا صلوٰۃٍ" ہیں۔ یہ روایت اس بات کی مؤید ہے کہ تسلیم صلوٰۃ پر معطوف ہے اور غرار تسلیم اور صلوٰۃ دونوں سے منفی کیا گیا ہے۔ اس سے ابن حزم کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث میں نماز کی حالت میں اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینے سے منع نہیں کیا گیا۔ — الحمد للہ رب العلمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ "اللہ نے دین کے معاملہ میں تم پر تنگی نہیں
(الحج - ۷۸) ڈالی"

اگر بلاضرورت پنکھا کرے تو اس کی نماز باطل ہوتی۔

ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ، از محمد بن ابی عدی، از اشعث بن عبدالملک حمرانی روایت کی ہے کہ حسن بصری نماز کی حالت میں پنکھا کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حسن بصری نماز میں پنکھا کرتے اور پسینہ پونچھ لیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۶۵، ومصنف عبدالرزاق ۲: ۲۷۷ مختصراً)۔

اسی طرح نماز میں ایذا دینے والی اور ایسی چیز کو دُور کرنا جائز ہے جو نماز کا حق ادا کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہو۔ اگر کپڑے کو دُور کرنے، یا جسم کو کھجلانے، پھنسی کو اکھاڑنے، یا تھوک کو چھُونے یا دوا لگانے، یا کسی کپڑے کو باندھنے کی ضرورت ہو اور اس کی وجہ سے جسم کو تکلیف ہوتی ہو تو اس کی اصلاح ضروری ہے تاکہ نماز میں یکسوئی حاصل ہو۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرزاق، از معمر الزہری، از سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، از والد خود، روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا "جب کوئی شخص دیکھے کہ اس کا کپڑا خون سے آلودہ ہے، اور وہ نماز ادا کر رہا ہو تو جا کر اسے دھوئے اور پھر نماز کو اسی جگہ سے شروع کرے جہاں سے چھوڑا تھا بشرطیکہ اس دوران گفتگو نہ کی ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۳۵۹)

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رکھی جائے کہ وہ شخص دانستہ کعبہ سے دوسری طرف نہ مڑ گیا ہو۔ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ نماز میں اُسی وقت حرکت کرتے تھے جب کپڑے کو ٹھیک کرنا ہوتا یا جسم کو کھجلانا ہوتا تھا۔

جو شخص اپنے کپڑے کو ڈھیلا چھوڑے حتیٰ کہ اس کے ٹخنوں سے چھُونے لگے تو اس کو اُوپر اٹھانا فرض ہے تاکہ وہ دانستہ کپڑے کو لٹکانے کا مرتکب نہ ہو کہ اس کی نماز ضائع ہو جائے۔

مسجد کی قبلہ رُخ دیوار میں اگر کھنگار یا بلغم وغیرہ لگا ہو تو اس کو دُور کر دیا جائے جیسا کہ

۴۲۳ - ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از قتیبہ بن سعید، از لیث بن سعد، از نافع] از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانب کھنگار دیکھا۔ آپ اُس وقت لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ نے اس کو رگڑ دیا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے رُوبرو ہوتا ہے۔ اس لیے نماز کی حالت میں اپنے سامنے ہرگز نہ تھوکے" (بخاری، مسلم، ابن ماجہ فی الصلوٰۃ)

نماز کی حالت میں سانپ، بچھو، کوّے، چیل، کاٹنے والے کُتے، چوہے، چھپکلی ـــــ چھوٹی ہو یا بڑی ـــــ کو قتل کرنا مباح ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۴۳۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحٰق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ از مسلم بن ابراہیم، از علی بن مبارک، از یحییٰ بن ابی کثیر از ضمضم بن جوس،] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو سیاہ چیزوں یعنی سانپ اور بچھو کو نماز کی حالت میں قتل کر دیا کرو" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ فی الصلوٰۃ)۔

نیز وہ حدیث جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از شیبان بن فروخ، از ابوعوانہ، از زید بن جبیر] روایت کیا ہے، کہا ایک شخص نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ احرام باندھنے والا کن جانوروں کو قتل کر سکتا ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا مجھے اُمہات المومنین میں سے ایک نے بتایا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاٹنے والے کُتے، چوہے، بچھو، چیل، کوّے اور سانپ کو نماز کی حالت میں مار دینے کا حکم دیا کرتے تھے"

(بخاری، مسلم کتاب الحج)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں تمام ازواج مطہرات قابلِ اعتماد، نہایت فاضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ تھیں۔ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان کا علم نہ ہو یا ان کو معلوم نہ ہو کہ اس حدیث کی روایت کرنے والی کون ہیں۔[1]

---

[1] وہ ام المومنین جنہوں نے عبداللہ بن عمرؓ کو یہ حدیث سنائی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم نے اپنی روایت میں اس کی تصریح کی ہے (مسلم، ج ۱، ص ۳۲۵) ۔ دوسری روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ ابن عمرؓ نے خود رسولِ کریمؐ سے سنا تھا۔ ممکن ہے حضرت عبداللہ نے پہلے خود رسُولِ کریمؐ سے سنا ہو۔ پھر بھول گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو یہ حدیث سنائی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص چھپکلی، پسُو، یا جوں کی وجہ سے تکلیف پا رہا ہو تو ان کا ازالہ ضروری ہے۔ اگر ان کے قتل کرنے میں نماز سے بے اعتنائی کا خطرہ ہو تو بھی ان کے قتل میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا تھا۔ ہم نے یہ حدیث بطریق حضرت ابوہریرہ، سعد بن ابی وقاص اور اُمِ شریک رضی اللہ عنہم روایت کی ہے۔ نماز میں جوئیں تلاش کرنا جائز نہیں۔ نہ یہ کہ پسُو اور جوں کو کپڑے میں باندھنے کی کوشش کرے۔ اس لیے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی نص سے اس کی اِباحت ثابت ہے۔ جن جانوروں کو نماز میں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اُن کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ نے فرمایا "نماز میں ایک خاص قسم کی مشغولیت ہوتی ہے"۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، مُسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ عن ابن مسعودؓ)

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے پاس کوئی مسکین آئے۔ اسے خطرہ ہو کہ اگر نماز میں مشغول رہا تو مسکین چلا جائے گا۔ اس صورت میں وہ نماز پڑھتے ہوئے اُسے صدقہ دے سکتا ہے۔ اور اگر خطرہ دامنگیر ہو کہ نماز میں مشغول رہنے سے اس کے جُوتے یا موزے بارش سے بھیگ جائیں گے، خراب یا چوری ہو جائیں گے تو وہ انہیں محفوظ جگہ پر رکھ سکتا ہے اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر نمازی کے پاس کسی شخص کی کوئی چیز ہو اور چیز کا مالک اس سے طلب کرنے آئے تو نمازی اسے اشارہ کر سکتا یا اس کے حوالے کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ امانت کی ادائیگی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ (النساء: ۵۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کو پہنچا دو۔"

یہ اُس وقت جائز ہے جب امانت یا اس کے مالک کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہو۔ اگر یہ بات نہ ہو تو نماز سے فارغ ہو کر یہ کام کرے۔ جو شخص اپنے دونوں پاؤں کو بچھائے یا ان کو باری باری تبدیل کرے تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ قیام ہی کی حالت ہے۔ جو شخص شدتِ مرض کی وجہ سے نماز میں رو پڑے اور وہ اس سے زیادہ شدت کو برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔

"اُس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔"

اگر بلاوجہ دانستہ ایسا کرے تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ کیونکہ کسی نص سے اس کی اباحت ثابت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو شخص نماز ادا کر رہا ہو اور اس کے منہ میں درہم، دینار، قیمتی موتی یا اُس کی آستین میں ریشم، سونا یا کوئی اور چیز ہو جس کی حفاظت ضروری ہو تو یہ جائز ہے۔

نمازی اور اُس کے سُترے کے آگے سے گزرنے والے کو ہٹانا، اور اگر نہ ہٹے تو اس سے لڑنا ہر نمازی پر حق اور واجب ہے۔ اتفاق سے اگر گزرنے والے کی موت واقع ہو جائے مگر نمازی نے دانستہ ایسا نہ کیا ہو تو اس کا خون ہدر ہے۔ نمازی پر کوئی دیت، قصاص یا کفارہ واجب نہیں۔

۴۳۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از شیبان بن فروخ، از سلیمان بن مُغیرہ، از حمید بن ہلال، از ابو صالح السمّان] روایت کیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابو سعید خدریؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ جمعہ کی نماز ادا کر رہے تھے اور آگے سترہ رکھا تھا۔ اسی اثنا میں بنی ابی مُعیط کا ایک نوجوان آیا اور ابو سعید خدریؓ کے آگے سے گزرنا چاہا۔ حضرت ابو سعیدؓ نے اس کے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا۔ نوجوان نے دیکھا اور ابو سعید کے آگے سے گزرے بغیر اسے کوئی راستہ نہ ملا۔ اُس نے دوبارہ آگے سے گزرنے کی کوشش کی۔ ابو سعیدؓ نے پہلے سے زیادہ زور سے دھکّا دیا۔ وہ بھونچکا ہو کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا اور ابو سعید کو بُرا بھلا کہا۔ جب لوگوں نے اس پر دباؤ ڈالا تو چلا گیا۔ وہ مَروان کے پاس گیا اور ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت ابو سعیدؓ بھی مَروان کے یہاں گئے۔ مَروان نے کہا اس بھتیجے کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا، جب کہ یہ آپ کی شکایت کر رہا ہے؟ ابو سعیدؓ کہنے لگے میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا، فرماتے تھے "تم میں سے کوئی شخص جب سُترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھ رہا ہو، اور کوئی شخص اُس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو اس کے سینے پر دو ہتھڑ مارے۔ اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو اُس سے لڑے، اس لیے کہ وہ شیطان ہے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد فی الصلوٰۃ، وبخاری بدء الخلق ایضاً)

اگر ہمارے مخالفین امام مالکؒ کا یہ قول پیش کریں کہ ایک آدمی حضرت عثمانؓ کے پاس ایک شخص کو لایا جس نے اُس کی ناک توڑ دی تھی۔ اُس شخص نے کہا، میں نماز پڑھ رہا تھا اور یہ میرے سامنے سے گزرا تھا۔ حالانکہ مجھے نمازی کے آگے سے گزرنے والے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی معلوم ہے۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے کہا "بھتیجے تم نے کس قدر تشدّد کا ثبوت دیا۔ اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز ضائع کی اور اُس کی ناک توڑ دی[1]۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ اثر صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اس کی صحّت ثابت ہو بھی جائے تو ہمارے مخالفین پر حجّت ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اس کو ناک توڑنے کا قصاص دلوایا تھا۔ اور اگر یہ بات مذکور بھی ہوتی تو دین میں حجّت صرف رسُولِ اکرمؐ کا قول ہے کسی اور کا نہیں۔ قبل ازیں ابوسعید خدریؓ کے لڑنے اور گزرنے والے کو مارنے کا واقعہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

نمازی چھوٹے بچے کو کندھے پر اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر ضرورت ہو تو اس کو اٹھا کر چل بھی سکتا ہے۔

۴۳۶۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن ابی عمر، از سفیان بن عیینہ، از عثمان بن ابی سلیمان و محمد بن عجلان، دونوں نے عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ سے سُنا، از عمرو بن سلیم الزّرقی، از ابو قتادہؓ انصاری] وہ کہتے ہیں ہمیں نے رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا، آپؐ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور اُمامہ بنت ابی العاص ـــــ جو رسُولِ کریمؐ کی بیٹی زینبؓ کی دختر تھیں ـــــ آپؐ کے کندھے پر سوار تھیں۔ جب رکوع کو جاتے تو اُسے اُتار دیتے، جب سجدہ سے اُٹھتے تو اُسے اُٹھا لیتے۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ و بخاری کتاب الادب ایضاً)۔

۴۳۷۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از یحییٰ بن خلف، از عبدالاعلیٰ، از محمد بن اسحاق، از سعید بن ابی سعید المقبری، از عمرو بن سلیم الزّرقی] از ابو قتادہ صاحبِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم، وہ کہتے ہیں ہم ظہر یا عصر کی نماز کے لیے رسُولِ کریمؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو نماز کے لیے بلایا تھا۔ آپؐ تشریف لاتے تو آپؐ کی دختر زادی اُمامہ بنت ابی العاص آپؐ کے کندھے پر سوار تھیں۔ رسُولِ کریمؐ جائے نماز پر کھڑے ہوگئے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ اُمامہ بدستور آپؐ کے کندھوں پر سوار رہیں۔ آپؐ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ جب آپؐ نے رکوع کا ارادہ کیا تو اُمامہ کو اُتار دیا۔ پھر رکوع و سجدہ کیا۔ جب سجدہ کر کے کھڑے ہوتے تو اُمامہ کو پھر کندھے پر بٹھا لیا۔ آپ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے رہے یہاں تک کہ نماز سے

---

[1] یہ روایت مجھے مؤطا امام مالک اور مدونہ میں نہیں ملی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فارغ ہوئے۔ (حوالہ پہلی حدیث میں گزر گیا)

امام شافعیؒ اور ابو سلیمان کا موقف بھی یہی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے مخالفین کی دروغ گوئی کا اظہار ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ نوافل ادا کر رہے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی کیا ہے اس میں حد درجہ خشوع پایا جاتا ہے اور اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے۔ اگرچہ خطا کار آدمی اس کو خشوع تصور کرتا رہے۔

رسولِ کریمؐ نے حضرت ابن مسعودؓ کو جو فرمایا تھا کہ "نماز میں ایک طرح کی مشغولیت ہوتی ہے" یہ اُمامہ کو اٹھانے کا واقعہ اس کے بعد کا ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے یہ بات عبداللہ بن مسعودؓ کو اس وقت فرمائی جب غزوۂ بدر سے پہلے ابن مسعودؓ سرزمینِ حبشہ سے آئے تھے۔ حضرت زینبؓ (بنتِ رسولؐ) اور اُن کی بیٹی (اُمامہ) غزوۂ بدر کے بعد مدینہ آئی تھیں۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

جس شخص کی پُشت پر بچہ سوار ہو اور وہ شخص نماز پڑھ رہا ہو، اس حالت میں وہ شخص اگر توقف کرے تو بہتر ہے۔ جب امام طویل سجدہ کرے اور مقتدی یہ معلوم کرنے کے لیے اپنا سر اُٹھائے کہ امام نے سجدہ سے اُٹھنے کی تکبیر کہی ہے یا نہیں، اس لیے کہ مقتدی کو امام کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مقتدی دیکھے کہ امام ابھی سجدہ سے نہیں اٹھا تو پھر سجدہ کرنے لگ جائے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لیے کہ مقتدی نے وہی کیا جو امام کی اِتباع کے سلسلہ میں اسے کہا گیا تھا۔

۴۳۸۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از ابو القاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن سلام الطرسوسی، از یزید بن ہارون، از جریر بن حازم، از محمد بن ابی یعقوب بصری، از عبداللہ بن شداد، از والدِ خود] روایت کیا، وہ کہتے ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب یا عشاء کی نماز میں تشریف لائے آپؐ نے حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو اٹھا رکھا تھا۔ اُسے نیچے رکھ دیا۔ پھر تکبیر کہی اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے دوران آپؐ نے ایک سجدے کو بہت لمبا کر دیا۔ مَیں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ بچہ آپؐ کی پیٹھ پر سوار تھا اور آپ سجدہ ریز تھے۔ مَیں پھر سجدے میں پڑ گیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے کہا یا رسُول اللہ! آپؐ نے اس نماز کے دوران ایک سجدے کو بہت لمبا کر دیا۔ حتیٰ کہ ہم نے سوچا کہ کوئی نئی بات ہوئی ہے یا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ لیکن ہُوا یہ کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار تھا مَیں نے اس بات کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناپسند کیا کہ اس کو عجلت پر مجبور کروں جب تک وہ اپنی ضرورت پوری نہ کرلے۔" (نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب رقم ۲۹۴)

اگر اس بات کا خدشہ ہو کہ نمازی حالتِ نماز میں سو گیا ہے تو اس کو بلانا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام کی) بائیں جانب کھڑا ہو تو اس کو دائیں جانب گھمانا نماز کی حالت میں جائز ہے۔

۴۳۹- اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن رافع، از ابن ابی فدیک، از ضحاک بن عثمان، از مخرمہ بن سلیمان، از کریب مولیٰ ابن عباس] از ابن عباس رضی اللہ عنہ وہ کہتے ہیں میں ایک رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں سو گیا۔ میں نے ان سے کہا جب رسولِ کریمؐ رات کو نماز کے لیے اٹھیں تو مجھے جگا دیں۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی دائیں جانب کر دیا۔ جب میں اونگھنے لگتا تو آپ میرے کان کی لو کو پکڑ کر جگا دیتے۔" (تا آخر)۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ والتفسیر، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ، ترمذی کتاب الشمائل لہٗ)

اَدعیہ مسنونہ

نمازی سجدہ کی حالت، قیام اور جلسہ میں جو دعا چاہے مانگے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اپنی دعا میں جس کا نام چاہے لے جس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عُصَیّہ، رِعل اور ذکوان پر بد دعا کی اور ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام کے لیے نام لے کر دعا مانگی تھی۔ نبی کریمؐ نے ایسی دعا مانگنے سے کبھی منع نہ کیا اور نہ آپ کو اس قسم کی دعا کرنے سے روکا گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"سجدہ کی حالت میں خلوص سے دعا کیجیے۔" یا اس قسم کے اور ارشادات۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "تم میں سے ایک شخص جو دعا چاہے پسند کرے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

آگے چل کر نماز کے اعمال کے بیان میں ہم ان دعاؤں کو مع سند بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ

نماز میں منکرات کا ازالہ

ہر بری چیز جس کو آدمی نماز کی حالت میں دیکھے اس کا ازالہ اس پر فرض ہے۔ اس کے ساتھ اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر حق ہے۔ اور حق کا فاعل محسن ہے۔ بشرطیکہ کوئی نص یا اجماع اس سے مانع نہ ہو جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا "نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ-۲) اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔"

چنانچہ مندرجہ ذیل اشیاء منکرات کی ذیل میں آتی ہیں:

۱۔ شعلہ زن آگ کو بجھانا،

۲۔ چھوٹے بچے، مجنون، اپاہج اور سوتے ہوئے آدمی کو آگ سے بچانا،

۳۔ کسی شخص کو سانپ، درندے، ظالم انسان یا سیلاب سے بچانا،

۴۔ جو شخص کسی نمازی یا مسلمان پر ظلم کرنا چاہے اس سے لڑنا،

۵۔ کافر قیدی یا ظالم کو باندھنا۔

یہ جملہ امور نماز میں مباح ہیں۔ اِلّا یہ کہ کوئی نص یا اجماع اس سے مانع ہو۔ جو شخص ان اشیاء میں تفریق کرے وہ غلطی پر ہے اور ایک بے دلیل کام کا مرتکب ہوتا ہے۔

۴۸۴۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [بخاری، از آدم، از شعبہ، از ازرق بن قیس] روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اہواز کے علاقہ میں خوارج سے لڑ رہے تھے۔ میں نہر کے کنارے پر تھا، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور سواری کی لگام اُس کے ہاتھ میں ہے۔ سواری کا جانور لگام کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اور وہ شخص اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ شعبہ کہتے ہیں وہ شخص ابو برزہ اسلمیؓ (صحابی) تھے۔ خوارج میں سے ایک شخص کہنے لگا "اے اللہ اس شخص کو سزا دے" جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو کہنے لگا میں نے تمہاری بات سُن لی ہے۔ میں چھ سات غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ میں آپ کا رفیق بھی رہا ہوں۔ اگر میں اپنی سواری سمیت سفر سے لوٹ آؤں تو یہ بات مجھے اس سے عزیز تر ہے کہ میں سواری کو کھلا چھوڑ دوں کہ وہ جدھر چاہے چرتی پھرے۔ یہ بات مجھ پر ناگوار گزرے گی[۱]

ہم نے بطریق [عبدالرزاق، از معمر از زہری، از ازرق بن قیس] روایت کی ہے کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اس

---

[۱] ابوداؤد طیالسی، ص ۱۲۵ حدیث نمبر ۹۲۷ بروایت شعبہ بیہقی، ج ۲، ص ۲۶۶ بطریق آدم از شعبہ۔ صحیح بخاری (ج ۳ ص ۱۴۲) کتاب الادب از ابوالنعمان از حماد بن زید از ازرق بن قیس۔ وایضاً کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۳۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات سے خائف تھے کہ مبادا شیر ان کی سواری کو نقصان پہنچائے چنانچہ نماز کی حالت میں سواری کی طرف چل کر گئے۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۲ : ۲۶۱)

بدیں سند تا مَعمر از قتادہ، کسی آدمی نے اُن سے دریافت کیا کہ مَیں نماز پڑھتا ہوں تو بعض اوقات بکری میرے گھر میں داخل ہو جاتی ہے۔ مَیں اپنا سر جُھکا کر چھڑی لے لیتا ہوں اور اس کے ساتھ اُسے مارتا ہوں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قتادہ نے کہا "اس میں کچھ مضایقہ نہیں ہے۔" (مُصنّف عبدالرزاق ۲ : ۲۶۲)

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از سلیمان التَّیمی، از حسن بصری، جُوں کے بارے میں روایت کیا ہے جس کو آدمی نماز میں مار ڈالے؟[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں، جس کو اپنے مال کا ڈر ہو یا اُس کے جُوتے یا موزے چوری ہو گئے ہوں تو وہ چور کا تعاقب کر کے اس سے اپنا سامان چھین سکتا ہے۔

ان جُملہ امور کی انجام دہی میں اگر مجبوراً قبلہ کی جانب پُشت کرنی پڑے یا قلیل و کثیر عمل کا مرتکب بھی ہو تو کچھ مضایقہ نہیں، بشرطیکہ اس دوران گفتگو نہ کی ہو۔ اگر کوئی شخص امام یا مقتدی ہو اور اسے امید ہو کہ یہ کام انجام دے کر نماز کا کچھ حصّہ پالے گا، یا یہ کہ لوگ اس کا انتظار کر لیں گے تو کام کو مکمل کر کے پھر سے نماز کو شروع کر دے۔ جیسا کہ حضوؐر نے کیا تھا۔ وہ واقعہ یُوں ہے کہ آپ نے بھُول کر حالتِ جنابت میں نماز کی تکبیر کہہ دی پھر آپ کو یاد آگیا اور آپ غسل کے لیے تشریف لے گئے اور پھر واپس آکر نماز کی تکمیل کی۔[2] ذوالیدَین[3] کے واقعہ میں بھی حضوؐر نے اسی طرح کیا تھا۔

---

[1] یہ قول نامکمل ہے۔ مجھے یہ کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ المغنی ابنِ قدامہ میں ہے کہ "اگر اسے قتل کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس لیے کہ حضرت انسؓ نماز کی حالت میں جُوں اور پسّو کو مار دیا کرتے تھے۔ حسن بصریؒ جُوں کو مار دیا کرتے تھے۔ اَوزاعی کہتے ہیں جُوں کو چھوڑ دینا مجھے عزیز تر ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز میں جُوں کو مار دیا کرتے تھے۔ (المغنی، ج ۱ ص ۶۶۷)

[2] سُنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ۹۴، عن ابی بکرہ و ابی ہُریرہؓ۔

[3] رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھُول کر نمازِ عصر چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھی۔ ایک صحابی نے جسے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے ذُوالیدَین کہا جاتا تھا آپؐ کو یاد دہانی کروائی تب آپؐ نے دو رکعت مزید پڑھائیں۔ (مترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر نماز کے کچھ حصّہ کو پالینے کی امید نہ ہو، یا یقین ہو کہ لوگ اس کا انتظار نہیں کریں گے تو اپنا کام مکمّل کرنے کے بعد اولین جگہ میں جہاں نماز جائز ہو ادا کرے۔ ایسے شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ نماز کی طرف رجوع کیے بغیر ایک قدم بھی اٹھائے۔ یا اس جگہ میں ذرا بھی توقف کرے جہاں نماز جائز نہیں ہے[1]۔

اگر اس نمازی کو کسی قریب جگہ دوسری جماعت مل جانے کی امید ہو تو اس میں شمولیت کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آخری نماز جو مسلمانوں نے رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ پڑھی تھی وہ دو اماموں کی اقتدا میں ادا کی گئی تھی حضرت ابوبکرؓ نے نماز کا آغاز کیا اور رسُولِ کریمؐ نے اس کی تکمیل کی۔ جو شخص رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایسی سُنّت سے اعراض کرے جس پر جمیع صحابہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہو اور ایسے امام کی تقلید کرے جس کی بات کا ہے ٹھیک ہوتی ہے اور گاہے غلط تو اس کے لیے اس میں کوئی بھلائی نہیں —— ونسأل العافیة والتوفیق لما یرضیه آمین

امام ابنِ حزمؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی عملِ کثیر و قلیل کے مابین تفریق کرتا ہے اُس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں۔ اُسے دو باتوں کا اختیار ہے تیسری کوئی بات نہیں ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہ عملِ کثیر کی حد مقرر کرے گا جس کا اسے اتنا ہی اختیار حاصل ہے جتنا دوسروں کو۔ اور یہ تحکّم بالباطل ہے۔ نیز یہ دین میں ایک نئی بات کا اجرا ہے جس کی اجازت اسے اللہ نے نہیں دی۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ اس کی حد مقرر نہ کرے اور دین کے نہایت اہم کاموں میں بدترین حیرت کا شکار ہو (کہ آیا یہ عمل قلیل ہے یا کثیر) اور یہ فیصلہ نہ کر پائے کہ آیا اس سے نماز باطل ہوتی ہے یا نہیں؟ —— وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا الْجَهْلِ۔

ہم اس شخص سے ایک ایک عمل کے بارے میں سوال کریں گے کہ آیا یہ نماز میں مباح ہے یا نہیں۔ ان دو

[1] اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد اس نمازی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی نماز کی تکمیل کرے۔ اگر اسے امید ہو کہ واپس آکر وہ نماز کا کچھ حصہ پالے گا تو اس کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر اس بات کی امید نہ ہو تو جہاں اس کا کام ختم ہوا ہے اسی جگہ نماز کو مکمل کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باتوں کے علاوہ تیسری کوئی بات نہیں۔ اگر وہ کہے کہ یہ کام نماز میں مباح ہے تو یہ عمل خواہ قلیل ہو یا کثیر مباح ہوگا جن اُمور کی اِباحت نص سے ثابت ہے اُن کے بارے میں ہمارا قول بھی یہی ہے۔ اور اگر کہے کہ یہ کام نماز میں مباح نہیں تو یہ کام قلیل ہو یا کثیر نماز میں غیر مباح ہوگا جن چیزوں کی اِباحت نص سے ثابت نہیں اُن کے بارے میں ہمارا قول بھی یہی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اس کام کی قلیل مقدار مباح ہے کثیر نہیں۔ تو ہم کہیں گے یہ جھوٹا دعویٰ محتاجِ دلیل ہے پہلے تو اس دعویٰ کی دلیل پیش کرو۔ پھر یہ بتاؤ کہ جس قدر قلیل مباح ہے اس کی اور جو کثیر ممنوع ہے اُس کی کیا کیا حدیں مقرر ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔

نماز کی حالت میں چل کر دروازہ کھولنا جائز ہے

اگر کوئی شخص دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرے تو نمازی چل کر دروازہ کھول سکتا ہے۔ اس سے نماز کو کچھ نقصان لاحق نہیں ہوگا۔

۴۴۱۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از احمد بن محمد، از ابو معمر، از عبدالوارث، از برد ابوالعلاء ابن سنان، از زہری، از عروہ روایت کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے اور میں دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرتی تو آکر دروازہ کھول دیا کرتے تھے، پھر نماز کی طرف لوٹ آتے۔ اور دروازہ قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔

۴۴۲۔ ابنِ ایمن نے کہا کہ ہم نے بطریق [ابوبکر بن حماد، از مسدد، از بشر بن المفضل، از برد ابن سنان، از زہری، از عروہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور دروازہ بند ہوتا۔ میں آکر دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرتی تو آپ چل کر دروازہ کھول دیتے، پھر نماز گاہ کی طرف لوٹ جاتے۔[1]

---

[1] ابوداؤد، ج ۱ ص ۳۴۶ ترمذی، ج ۱، ص ۱۱۱۔ نسائی ج ۱ ص ۱۸۰۔ نسائی میں ہے کہ یہ نفلی نماز کا واقعہ ہے نیز بیہقی ج ۲، ص ۲۶۶-۲۶۵ ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ اس لیے کہ برد بن سنان اس کے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ اس لیے کہ میں نے کسی اور راوی کی روایت سے اس حدیث کو نہیں پایا۔ برد ثقہ اور صدوق راوی ہے جن محدثین نے اس کو ہدفِ جرح بنایا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث کو یزید بن زُریع نے بطریق بُرد از زُہری روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ نماز کی حالت میں چلنا مباح ہے، آپؐ نے ایک قسم کے چلنے اور دوسری قسم کے چلنے میں کوئی تفریق نہیں کی۔

نماز کی حالت میں کنکریوں کو ایک مرتبہ چھُونا جائز ہے۔ البتہ ہم اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اگر دانستہ زیادہ مرتبہ چھُوئے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۴۴۳ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از مسدد، از سُفیان، از زُہری، ابوالاحوص سے] روایت کی ہے کہ انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو رسُولِ کریمؐ سے روایت کرتے سُنا ہے کہ تم میں سے کوئی جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھُوئے، اس لیے کہ اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلوٰۃ)

۴۴۴ - [بدیں سند تا ابوداؤد، از مسلم بن ابراہیم، از ہشام دستوائی، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابوسلمہ، از مُعَیقیب[1]] روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھتے وقت کنکریوں کو نہ چھُوا کرو۔ اگر نہایت ضروری ہو تو صرف ایک بار چھُو لیا کرو۔[2]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اگر ہمارے مخالفین قلیل وکثیر کے مابین تفریق کے بارے میں اس سے استدلال کریں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ حدیث کنکریوں کے بارے میں وارد ہوتی ہے کہ اُن کو برابر کرنا منع ہے، البتہ ایک دفعہ برابر کرنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں یہ بتاؤ کہ تم کس چیز کو اس حدیث پر قیاس کرو گے؟ آیا اُن اعمال کو جو نصوص کی بنا پر نماز میں مباح ہیں یا ان اعمال کو جو بنا بر نصوص نماز میں ممنوع ہیں۔ دونوں میں سے

ہے وہ کہتے ہیں کہ بُرد قدریہ میں سے تھا۔ حالانکہ اس کی بنا پر اس کی روایت کو ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

[1] مُعَیقیبؓ نامی صحابی سابقین اوّلین میں سے تھے۔ دونوں ہجرتوں سے مشرف ہوئے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ رسُولِ اکرمؐ کی انگوٹھی ان کے پاس تھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے ان کو بیت المال کا محافظ مقرر کیا تھا۔

[2] ابوداؤد میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ کنکریوں کو برابر کرنے کے لیے صرف ایک دفعہ چھُو لیا کرو۔ منذری نے اس حدیث کو صحاح ستہ (کتاب الصلوٰۃ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ حدیث ھٰذا اور اس سے پہلی حدیث ابوداؤد، ج ا ص ۲۵۶-۲۵۷ میں موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک بات نہایت ضروری ہے، اگر وہ کہیں کہ ہم ان اعمال کو قیاس کریں گے جو اجمالاً مُباح ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ قیاس کی ہر قسم باطل ہے۔ بالفرض اگر قیاس جائز بھی ہوتا تو قیاس کی یہ قسم لازماً باطل ہوتی۔

بُطلان کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہاں مباح چیز کو ممنوع پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور یہ بات قیاس کے ہر قائل کے نزدیک باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک چیز کو اس کی ضد پر قیاس کرنے والی بات ہے۔ حالانکہ قائلینِ قیاس کے نزدیک ایک چیز کو اُس کی نظیر پر قیاس کیا جاتا ہے، یا اُس چیز پر جو علّتِ حکم میں اس کی نظیر ہو۔

مزید براں ہم مخالفین سے کہیں گے کہ تم نماز میں دو تین قدم چلنے کی اجازت دیتے ہو۔ علاوہ ازیں کسی چیز پر ایک دو ضربیں لگانا بھی تمہارے نزدیک جائز ہے۔ نیز نماز کی حالت میں اگر کوئی شخص بے وضو ہو جاتے تو تمہارے نزدیک وہ برتن میں حوض سے پانی لے سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام صورتیں ایک مرتبہ سے زائد ہیں۔ لہٰذا تمہارا قیاس باطل ٹھہرا۔ بزعمِ خویش تم اس سے زیادہ کو حرام قرار دیتے ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو کہ اگر نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ کوئیں سے پانی لے سکتا ہے۔ پس واضح ہُوا کہ تم کسی ایک قیاس پر بھی قائم نہیں ہو۔

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ ہم نے اعمالِ ممنوعہ کو اس حدیث پر قیاس کیا ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ تمہارے نزدیک نماز کی حالت میں سُوئی میں ایک دفعہ دھاگہ ڈالنا جائز ہے۔ اسی طرح چقماق کے ساتھ ایک ضرب سے آگ جلانا، نوکر کو ایک تھپّڑ مارنا، جولاہے کی پھینکی ہوتی نلی کو ایک دفعہ واپس لانا، ایک ہی ضرب سے چمڑے کو چیرنا، ایک ہی جھٹکے سے ذبح کرنا، یہ سب کام نماز کی حالت میں جائز ہونے چاہییں۔ حالانکہ وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا اُن کے قول کا فساد واضح ہُوا ــــــ وباللہ التوفیق۔

ابنِ حزم کہتے ہیں اگر ہمارے مخالفین وہ حدیث پیش کریں جس کو ہم نے بطریق یعقوب بن عُتبہ بن اخنس از ابوغطفان از ابوہُریرہؓ روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "آدمی نماز کی حالت میں سُبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالیاں بجائیں۔ جو شخص نماز کی حالت میں ایسا اشارہ کرے جو سمجھا جا سکتا ہو تو وہ نماز کو لوٹائے"[1]

[1] دیکھیے حاشیہ اگلے صفحہ پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوداؤد کہتے ہیں یہ حدیث وہم پر مبنی ہے۔ اگر اس کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو اس کو ان احادیث میں شامل کر لیا جائے گا جو ثابت ہیں اور جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ مثلاً سلام کا جواب دینے کے لیے رسول کریم کا اشارہ کرنا یا نوکر کو اشارہ کرنا کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اور ہر ایسا اشارہ جس کی انسان کو ضرورت لاحق ہوتی ہو۔ پس ایسے اشارات نکل جائیں گے جن کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اور وہ اشارات اپنی حرمت پر باقی رہیں گے جن کی اباحت کسی نص سے ثابت نہیں۔ مثلاً کسی چیز کو فروخت کرنے یا نرخ طے کرنے کا اشارہ۔ یا یہ بات معلوم کرنے کے لیے اشارہ کہ اس نے کیا کام کیا یا کسی سے خبر دریافت کرنے کے لیے اور دیگر اشارات۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے بارے میں یہی موقف درست ہے۔ ہمارا قول بھی یہی ہے —— وللہ الحمد —— اس لیے کہ اشارات کی متعدد قسمیں ہیں۔ جس اشارے کا جواز نص سے ثابت ہو وہ مباح اور جس کا جواز ثابت نہ ہو وہ حرام ٹھہرے گا۔ یہ تو اس صورت میں تھا جب حدیث کی صحت ثابت ہوتی مگر ایسا نہیں ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے —— وباللہ التوفیق

(حاشیہ صفحہ سابق)

لہ ابوداؤد، ج ۱، ص ۳۵۶۔ دارقطنی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (ص ۱۹۵-۱۹۶)، طحاوی (ج ۱ ص ۲۶۲۔ بیہقی، ج ۲، ص ۲۶۲۔ شوکانی (ج ۲، ص ۳۷۷) نے اس کو البزار کی جانب منسوب کیا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں، ابن ابی داؤد نے ہم سے کہا ابوغطفان مجہول راوی ہے۔ حدیث کے آخر میں جو اضافہ ہے غالباً ابن اسحاق کا قول ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ آپ نماز کی حالت میں اشارہ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ انسؓ، جابرؓ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے۔ ابوبکر بن ابی داؤد کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ ابوغطفان مجہول ہے۔ بخلاف ازیں وہ معروف اور ثقہ راوی ہے۔ نسائی اور ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے۔

امام شوکانیؒ کہتے ہیں، "بفرض صحت اس حدیث میں جس اشارے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ اشارہ ہے جو بلا ضرورت ہو اور سلام کا جواب دینے کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ تاکہ مختلف احادیث میں جمع و تطبیق کی صورت پیدا ہو جائے"۔ امام شوکانی کی یہ بات قرین عدل و انصاف ہے اور ابن حزمؒ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۰۲۔ حالتِ نماز میں بیع و شرا اور نکاح و طلاق کا حکم

جو شخص نماز سے باہر نکلا اور اس کا خیال ہے کہ اس نے نماز کو مکمّل کر لیا ہے، پس اس دوران اس نے خرید و فروخت، ہبہ، طلاق، نکاح یا اور جو کام بھی کیا وہ باطل اور مردود ہے۔ اس لیے کہ وہ نماز کے حکم میں ہے جب اسے یاد آئے گا کہ اس کی نماز مکمل نہیں ہوئی تو وہ نماز کی طرف لوٹ جائے گا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ تمام افعال حالتِ نماز میں حرام ہیں، لہٰذا اندریں حالت اس سے جو افعال بھی صادر ہوئے وہ ناجائز اور ناروا ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا حکم ہم نے نہیں دیا وہ مردود ہے"۔ (مُسند احمد و مسلم عن عائشہؓ)۔

ظاہر ہے کہ یہ اعمال ایسے ہیں جن کا حکم حضورؐ نے نہیں دیا، لہٰذا یہ بلاشبہ ردّ کیے جانے کے لائق ہیں۔ اگر نمازی کو یاد آگیا کہ اُس نے نماز کو مکمّل نہیں کیا، اس کے بعد اس نے ان اعمال میں سے کوئی عمل انجام دیا تو وہ عمل اس کو لازم ہو گیا۔ اس لیے کہ یاد آجانے کی وجہ سے وہ نماز سے نکل گیا۔ اور جب نماز سے نکل گیا تو اب اس کی حالت ایسی ہے جس میں یہ افعال اس سے صادر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح وضو ٹوٹ جانے کے بعد اگر کوئی شخص ایسے اعمال انجام دے تو وہ اس کو لازم ہوں گے۔ اس لیے کہ وضو ٹوٹ جانے کی بنا پر وہ نماز سے نکل گیا اور یہ کام اس سے نماز کے باہر صادر ہوئے ——— وباللہ التوفیق

۳۰۳۔ حالتِ نماز میں وساوس و تخیّلات

جس شخص کے دل میں حالتِ نماز میں دُنیوی یا غیر دنیوی خیالات آتے ہیں وہ گناہ ہوں یا نہ ہوں، اس کی نماز مکمل ہے۔ جو شخص کبائر پر اصرار کرنے کی حالت میں نماز پڑھے اس کی نماز بھی مکمّل ہے۔

۴۴۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن مثنّٰی، از معاذ بن ہشام دستوائی، از والد خود، از یحیٰی بن ابی کثیر، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کیا، وہ] حضرت ابوہُریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہُوا بھاگ جاتا ہے اور ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اذان سنائی نہیں دیتی۔ جب اذان ختم ہوتی ہے تو پھر آجاتا ہے۔ جب تکبیر کہی جاتی ہے تو چلا جاتا ہے۔ جب تکبیر ختم ہوتی ہے تو پھر آموجود ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اور آدمی اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے فلاں فلاں بات یاد کر۔ ایسی باتیں جو اس شخص کو یاد تک نہیں ہوتیں، حتیٰ کہ اُس شخص کو معلوم نہیں ہوتا کہ اُس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی رکعتیں ادا کی ہیں تو بیٹھے بیٹھے سہو کے دو سجدے کرے" (یعنی تشہد و درود وغیرہ کے بعد سلام سے قبل، پھر سلام پھیرے) (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۴۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از مسلم بن ابراہیم، از ہشام دستوائی، از قتادہ، از زرارہ بن اوفیٰ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے ان گناہوں کو معاف کر دیا جن کا گزر صرف دل میں ہو، نہ تو وہ زبان پر آئیں اور نہ ان پر عمل کیا جائے" (بخاری کتاب الطلاق والعتق والنذور، مسلم کتاب الایمان، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطلاق)

قبل ازیں ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ "جس شخص نے کسی گناہ کا ارادہ کیا مگر ہنوز اس پر عمل نہ کیا تو وہ گناہ (اس کے اعمال نامہ میں) نہیں لکھا جائے گا" اس سے معلوم ہوا کہ ایسے خیالات نماز پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ نماز کو باطل وہ قول و عمل کرتا ہے جس کا ارادہ کیا جائے حالانکہ اس سے منع کیا گیا ہو۔ یا اس نیت ہی کو تبدیل کرنے کا قصد کیا جائے جس کا نماز میں حکم دیا گیا ہے اور جس کے بغیر نماز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ اس نماز کو اس کے نام اور اس کی ذات کے ساتھ ادا کرنے کی نیت ہے۔ جو شخص قصداً ایسی نیت نہ کرے اس نے نماز کو اس طریقہ سے ادا نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔

اس کی دلیل یہ اثر ہے جس کو ہم نے بطریق (وکیع از ہشام بن عُروہ از والد اُو روایت کیا ہے کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نماز کی حالت میں بحرین کے جزیہ کا حساب کرتا ہوں" (فتح الباری ۲: ۷۱)

اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں پر توبہ فرض کی ہے اور اس کے باوجود ان کو نماز کا حکم دیا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۳۲۔ المنذری نے اس حدیث کو باقی کتبِ صحاح ستہ کی جانب منسوب کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط (ھود - ۱۱۴)

"اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح و شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں"

ہمیں پورے وثوق کے ساتھ معلوم ہے کہ اس کے مخاطب گناہوں پر اصرار کرنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے کہ جو شخص توبہ کر لیتا ہے اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ قرآن عزیز میں فرمایا:

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا۔ (الانبیاء - ۴۷)

"اور ہم قیامت کے روز انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور کسی جان پر کوئی ستم نہیں ڈھایا جائے گا"

اور ان تمام باتوں پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، بجز ایک بدعتی قوم کے جو اجماع کی مخالف ہے۔ وہ کہتے ہیں کسی برے عمل سے توبہ قبول نہیں کی جاتی جب تک جملہ اعمالِ قبیحہ سے توبہ نہ کی جائے۔ اس کی بنا پر انہیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ جو شخص عمداً نماز، روزہ یا زکوٰۃ کا تارک ہو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ اور نہ ہی تارکِ توحید کی توبہ مقبول ہو، جب تک وہ شخص تمام دانستہ کردہ گناہوں سے تائب نہ ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور تمام اعمالِ صالحہ کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بات اسلام سے نکل جانے کو مستلزم ہے ——— ونعوذ باللہ من ھٰذا

۳۰۴۔ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو

جو شخص ہودج پر سوار ہو، یا ہاتھی پر، یا بالاخانہ اور بلند درخت کے اوپر ہو یا چھت پر، یا کنوئیں کے نشیب میں، یا منجمد نہر پر، یا خشک گھاس پر، یا اون پر، یا چمڑے اور لکڑی یا کسی اور چیز پر اور وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہو، تو اسے چاہیے کہ اسی جگہ کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ رکوع و سجدہ اور جلسہ کا حق ادا کرے اس لیے کہ نماز میں قیام، رکوع، سجدہ، جلسہ اور طمانیت و اعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ رو بقبلہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جب کسی نے ان تمام امور کا حق ادا کر دیا تو اس نے اس طرح نماز ادا کی جس طرح اسے حکم دیا گیا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو" (سنن نسائی ابواب المساجد)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے کوئی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہو۔

وَرطۂ حیرت میں ڈال دینے والی بات ہے کہ بعض لوگ ہودج میں سوار ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ اس سے منع کرنے کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ بخلاف ازیں وہ اونٹوں کے باڑے، حمام، قبرستان کے اندر اور قبرستان کی جانب نماز پڑھنے کو مباح قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان مقامات میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔

اگر ان مقامات میں قیام، رکوع، سجدہ اور قبلہ رُخ ہونا ممکن نہ ہو تو زمین پر اُتر کر نماز پڑھنا فرض ہے اگر کوئی ضرورت نزول سے مانع ہو، مثلاً جان یا مال کا خوف ہو تو جیسے ممکن ہو نماز ادا کرے۔ اس لیے کہ قرآنِ کریم میں فرمایا:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (البقرہ - ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔"

مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج-۷۸) "اس نے دین کے معاملہ میں تم کو تنگی میں نہیں ڈالا۔"

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ-۱۸۵) "اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تکلیف نہیں چاہتا۔"

۳۰۵۔ وتر کی قضا کا مسئلہ

جو شخص دانستہ وتر کی نماز کو ترک کر دے حتیٰ کہ صبح صادق طلوع ہو جائے تو وہ اس کی قضا نہیں دے سکتا۔ اگر بھول کر وتر رہ جائیں تو جب بھی یاد آئے اُن کی قضا دے خواہ کئی سالوں کے بعد کیوں نہ ہو۔

اس کی دلیل حضورؐ کی وہ حدیث ہے جس میں فرمایا کہ "وتر کی نماز ایک رکعت ہے جو رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔"

۷۴۴۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [حمام، از ابن المفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج، از سلیمان بن موسیٰ، از نافع] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب فجر طلوع ہو جاتے تو رات کی سب نمازیں وتر سمیت رخصت ہوئیں۔ لہٰذا صبح ہونے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" (مصنف عبدالرزاق، ۳: ۱۳) [1]

جیسا کہ ہم نے بطریق [احمد بن محمد طلمنکی، از ابن مفرج، از محمد بن ایوب، از احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار، از صالح بن معاذ از یحییٰ بن ابی بُکیر، از معاویہ بن قُرّہ، از الاغر المُزنی] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کو صبح نے آلیا اور اس نے وتر نہ پڑھے تو اس کے وتر نہیں ہوتے۔" (کشف الاستار عن زوائد البزار ا: ۳۵۶) [2]

---

[1] حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کے لیے دیکھیے ابوداؤد (ج ۱، ص ۵۳۹) ترمذی (ج ۱، ص ۹۳) المروزی فی الوتر ص ۱۳۸۔ حاکم (ج ۱، ص ۳۰۱) یہ سب بطریق ابن ابی زائدہ، از عبیداللہ بن عمرؓ، از نافع، از ابن عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" حاکم کے الفاظ یہ ہیں "صبح سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" ترمذی، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ مُسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں سابق الذکر الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (ج ۱، ص ۲۰۸) بیہقی (ج ۲، ص ۴۷۸) بطریق عبداللہ بن شقیق از ابن عمرؓ۔ عبدالرزاق کی روایت کردہ حدیث کو ترمذی نے اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے (ج ۱، ص ۹۴)۔ ترمذی کہتے ہیں سلیمان بن موسیٰ اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کرنے میں متفرد ہے۔ سلیمان بن موسیٰ الاموی اہلِ شام کا عظیم فقیہ اور ثقہ راوی ہے۔ اس حدیث کو بیہقی (ج ۲، ص ۴۷۸) نے بطریق (حجاج بن محمد، از ابن جُریج، از سلیمان بن مُوسیٰ، از نافع روایت کیا ہے کہ) حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے:

"جس نے رات کو نماز پڑھنی ہو تو اپنی نماز کے آخر میں وتر پڑھے اس لیے کہ رسولِ کریمؐ نے اس کا حکم دیا ہے۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو رات کی نماز رخصت ہوتی اور وتر بھی جاتے رہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے "وتر کی نماز قبل از فجر ہے۔"

جب اس واضح اور صریح تر روایت کو روایاتِ سابقہ کے ساتھ ملا کر دیکھا جاتے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں جو مرفوع حدیث ذکر کی گئی ہے دراصل وہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے دو مرفوع احادیث کو ملاحظہ کیا جن میں وتر کو رات کی آخری نماز بنانے کا حکم دیا گیا اور کہا گیا ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے وتر کو پڑھ لیا کرو۔ ان سے استنباط کر کے آپ نے یہ قول صادر فرمایا۔ لہٰذا جس نے ابن عمرؓ کے اس قول کو مرفوع حدیث قرار دیا، اس کو وہم ہُوا یا وہ بھول گیا۔ واللہ اعلم

[2] اس حدیث کی سند میں صالح بن معاذ ہے جس کا ترجمہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ اور یحییٰ بن ابی بکیر نے معاویہ بن قرّہ کا زمانہ نہیں پایا۔ کیونکہ یحییٰ کی وفات ۲۰۸ھ یا ۲۰۹ھ میں ہوئی اور معاویہ ۱۱۳ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اگر ابی بُکیر نہیں بلکہ ان کا نام یحییٰ بن ابی بکر ہے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو شخص بھول کر وتر نہ پڑھے وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہے۔ آپ نے فرمایا:

اس کا ترجمہ بھی مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ بہر کیف مجھے اس سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت میں شک ہے۔ میرا خیال ہے کہ یا تو ابن حزمؒ کی عبارت صحیح نہیں، یا البزار کی کتاب میں غلطی واقع ہوئی ہے (ہیثمی نے مجمع الزوائد ۲ : ۲۴۶ میں فرمایا کہ بزار نے روایت کیا ہے اور بزار کے شیخ صالح بن معاذ کو میں نہیں جانتا، لیکن بقیہ رجال ثقہ ہیں)۔

چنانچہ بیہقی (ج ۲، ص ۴۷۹) نے بطریق خالد بن ابی کریمہ، از معاویہ بن قرہ، از الاغرّ المزنی روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ! صبح ہو گئی اور میں وتر ادا نہ کر سکا۔ آپؐ نے فرمایا "وتر کی نماز تو رات کو پڑھی جاتی ہے" آپؐ نے تین یا چار مرتبہ یہ الفاظ دہرائے، پھر فرمایا "اٹھ کر وتر پڑھو"۔ اس کو شوکانی (ج ۳، ص ۵۷-۵۸) نے طبرانی کی المعجم الکبیر سے انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ احمد، ابو داؤد اور دیگر محدثین نے خالد کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن معین سے مختلف قسم کی روایات منقول ہیں بعض اوقات اس کو ثقہ قرار دیتے اور بعض دفعہ ضعیف کہتے۔ الاغرّ سے یہاں جو روایت منقول ہے البزار کی روایت سے مختلف ہے۔ البزار کی روایت بظاہر اس سے مختلف ہے۔

مجھے کوئی روایت ایسی نہیں ملی جو البزار کی مؤید ہو۔ مسلم (ج ۱، ص ۲۰۸) المروزی (ص ۱۲۸)، حاکم (ج ۱، ص ۳۰۱)، البیہقی، (ج ۲، ص ۴۷۸) نے اس حدیث کو بطریق یحییٰ بن ابی کثیر، از ابو نضرہ، از ابو سعید خدریؓ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو"۔ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (ج ۳، ص ۴۹) میں اس حدیث کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد کی طرف منسوب کیا ہے۔ بیہقی (ج ۲، ص ۴۷۸)، حاکم (ج ۱، ص ۳۰۱-۳۰۲) نے اس کو بطریق قتادہ، از ابو نضرہ، از ابو سعید مرفوعاً بدیں الفاظ روایت کیا ہے "جس کو صبح نے آلیا اور اُس نے وتر نہ پڑھے تو اُس کے وتر نہیں ہیں"۔

ابو داؤد طیالسی (ص ۲۹۲، حدیث نمبر ۲۱۹۲) نے اس کو بطریق ہشام از عمارہ از ابو سعید روایت کیا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت اس سے بہت ملتی ہے۔ اس تعلیل سے قتادہ کی روایت مجروح نہیں ہوتی۔ حاکم اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ میرے نزدیک ان روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ البزار کی روایت غلط ہے۔ اور صحیح حدیث ابو سعید کی ہے نہ کہ الاغرّ المزنی کی۔ ابو داؤد (ج ۱، ص ۵۲۸)، حاکم (ج ۱، ص ۳۰۲)، بیہقی (ج ۲، ص ۴۸۰) نے اس حدیث کو ابو سعید خدری سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا اسے بھول جائے تو جب صبح ہو یا اسے یاد آئے تو اس وقت پڑھ لے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"جو شخص کسی نماز کو بھول جائے یا اسے پڑھے بغیر سو جائے تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے"۔ (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث کے عموم میں تمام فرضی اور نفلی نمازیں داخل ہیں۔ فرائض کے حق میں آپؐ کا یہ حکم بھی فرض ہے۔ اور نوافل کے بارے میں نُدب و استحباب پر محمول ہے۔ اس لیے کہ نوافل کی ادائیگی فرض نہیں ہو سکتی۔

ان احادیث و آثار سے اس شخص کے قول کا ابطال ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ جو شخص دانستہ وتر چھوڑ دے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جائے تو وہ وتر ادا کرے۔ مزید براں اس شخص کے قول کا بطلان ثابت ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ اگر فجر کی نماز پڑھتے ہوئے یاد آ جائے کہ اُس نے وتر نہیں پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوئی، اِلّا یہ کہ نمازِ فجر کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ اندریں صورت فجر کو پہلے ادا کرلے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے جو خلافِ سُنّت ہونے کے علاوہ بلا دلیل بھی ہے۔ عقلاً و شرعاً اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس لیے کہ ایسا شخص نوافل کی وجہ سے اپنے فرائض کو ضائع کرتا ہے جن کا اِتمام شرعاً لازم ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

"وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد۔۳۳) "اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو"۔

۳۰۶۔ عشاء سے پہلے وتر جائز نہیں

جو شخص عشاء کی نماز سے پہلے وتر پڑھ لے تو وہ باطل یا بیکار ہے، اس لیے کہ اس نے وتر کو وقت سے پہلے ادا کیا۔ عبادات کو بروقت ادا کرنا ضروری ہے، نہ پہلے اور نہ وقت کے بعد ——— وباللہ التوفیق

۳۰۷۔ فجر کی سُنّتوں کا وقت

نمازِ فجر کی دو سُنّتوں کا وقت طلوعِ فجر سے شروع ہو کر فجر کی اقامت تک ہے۔ اس مسئلہ میں اُمّت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

۴۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ شوکانی (ج ۳، ص ۵۷) نے عراقی سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مروزی، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ضعف پایا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن حزمؒ کے موقف کی مؤید ہے کہ بھول جانے والا اور سو جانے والا وتر کی قضا دے اور حق بات بھی یہی ہے۔ اس سے تمام دلائل میں جمع و تطبیق ہو جاتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۰۸۔ فجر کی اقامت کے بعد سنّتیں پڑھنا جائز نہیں اور اسی طرح ہر نماز کی اقامت کے بعد۔

جو شخص نمازِ فجر کی اقامت سُنے اور اُسے معلوم ہو کہ اگر صبح کی سُنّتیں پڑھنے میں مشغول ہُوا تو نمازِ فجر کی پہلی تکبیر ضائع ہو جائے گی تو اُس کے لیے سُنّتیں پڑھنے میں مشغول ہونا جائز نہیں۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہُوا۔ اگر اُس نے سُنّتوں کا آغاز کیا اور اقامت شروع ہو گئی تو سُنّتیں بے کار ہو گئیں۔ ان سے سلام پھیرنے کا بھی کچھ فائدہ نہیں، خواہ صرف سلام پھیرنا باقی ہو۔ صرف تکبیر کہہ کر نمازِ فجر کے فرضوں کا آغاز کر دے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر چاہے سُنّتیں پڑھ لے اور اگر چاہے نہ پڑھے۔ جو شخص بھی نوافل کا آغاز کرے اور فرضی نماز کی تکبیر کہہ دی جائے تو وہ اسی طرح کرے۔

امام ابوحنیفہؒ:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص مسجد میں داخل ہو اور نمازِ فجر کی تکبیر ہو چکی ہو، اسے امید ہو کہ وہ نماز کی دوسری رکعت پالے گا اور پہلی فوت ہو جائے گی تو فجر کی سُنّتیں پڑھ لے، پھر جماعت میں شرکت کرے۔ اور اگر وہ سمجھتا ہو کہ اگر سُنّتیں پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو امام کے ساتھ ایک رکعت بھی نہ پا سکے گا تو اسے شروع ہی میں جماعت کے ساتھ شرکت کر لینی چاہیے۔ پھر اس کے بعد صبح کی سُنّتیں ادا نہ کرے۔

امام مالکؒ:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر مسجد میں داخل ہو چکا ہو اور تکبیر بھی کہی جا چکی ہو۔ یا وہ امام کو نماز میں مشغول پائے تو فجر کی سُنّتیں نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شریک ہو جائے۔ طلوعِ آفتاب کے بعد اگر چاہے تو سُنّتیں پڑھ لے۔ اگر مسجد سے باہر ہو اور اُسے تکبیر کا پتہ چلا یا معلوم ہُوا کہ امام نماز میں مشغول ہو چکا ہے، اور اسے امید ہو کہ وہ امام کے ساتھ ایک رکعت پالے گا تو مسجد سے باہر سُنّتیں پڑھ لے، پھر جماعت میں شرکت کرے۔ اور اگر ایک رکعت پانے کی امید نہ ہو تو شروع ہی سے جماعت میں شرکت کرے۔

امام شافعیؒ اور ابوسلیمان اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ان اقوال کی کوئی دلیل و حُجّت نہ تو قرآن میں ہے اور نہ سُنّتِ صحیحہ ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہے اور نہ سقیمہ میں اور نہ ہی اجماع سے اور نہ قیاس سے اور نہ کسی صحابی کے قول سے، گویا ان دونوں کے یہ اقوال بالکل بے بنیاد ہیں۔

اگر مخالفین یہ مغالطہ دیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو تکبیر کہی جا چکی تھی پھر بھی انہوں نے فجر کی دو سنتیں ادا کیں (شرح معانی الآثار، ۱: ۳۷۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز فجر کے لیے مسجد میں داخل ہوئے تو امام کو نماز میں مشغول پایا۔ آپ اُمّ المومنین حفصہؓ کے گھر میں داخل ہوئے اور دو سنتیں ادا کیں، پھر جماعت میں شرکت کی (شرح معانی الآثار، ۱: ۳۷۵)۔ ان آثار سے ظاہر ہے کہ ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک رکعت کو امام کے ساتھ پانے یا نہ پانے کا خیال نہیں کیا۔ علمائے سلف میں سے کسی سے بھی یہ بات منقول نہیں۔ جہاں تک حضرت ابن عمرؓ کا تعلق ہے وہ اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

اگر مخالفین کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اُس نے نماز کو پالیا" (مسلم و مسند احمد عن ابی ہریرہؓ)۔ ہم کہیں گے یہ ٹھیک ہے مگر یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کی نماز فوت ہوگئی ہو اور جب وہ مسجد میں آئے تو امام کو نماز میں مشغول پائے۔ بخلاف ازیں جو شخص اقامت کے وقت مسجد میں موجود ہو مگر جماعت میں شریک نہ ہو، یا تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور نوافل پڑھنے میں مشغول ہو جائے، تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ وہ شخص اللہ کا نافرمان اور نماز کے ساتھ کھیلنے والا ہے۔ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو کھیل کود میں مصروف ہونے اور جماعت کی موجودگی میں سُنّتیں پڑھنے میں کوئی فرق نہیں۔

احناف و موالک اور عبداللہ بن مسعودؓ میں اختلاف

اگر مخالفین اس ملمع سازی سے کام لیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس طرح کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ مالکیہ تو اُن کے اس فعل کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو اور امام نماز میں مشغول ہو تو سُنّتیں پڑھنا اس کے لیے جائز نہیں۔ لہٰذا وہ ابن مسعودؓ کے قول سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں ابن مسعودؓ کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں جو تقسیم کی ہے وہ ابن مسعودؓ سے منقول نہیں۔ مزید براں ابن مسعودؓ نماز میں تطبیق (رکوع کرتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پیوست کرنا) کے قائل ہیں جب کہ حنفیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن مسعودؓ کا خیال ہے کہ اُمّ ولد (وہ لونڈی جو صاحب اولاد ہو جاتے) اپنے آقا کی وفات کے بعد اپنے بچّے کے وراثت کے حصّے سے آزاد ہو گی۔ حالانکہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

حنفیہ نے دسیوں بلکہ سینکڑوں مسائل میں حضرت ابن مسعودؓ سے اختلاف کیا ہے۔ ان مسائل میں ابن مسعودؓ کا موقف سنّتِ نبوی سے بالکل ہم آہنگ ہے اور اس کی خلاف ورزی درست نہیں۔ صحابہ میں سے کسی سے بھی ان کی مخالفت منقول نہیں۔ جہاں تک فجر کی سُنّتوں کا تعلق ہے۔ صحابہ کا ایک گروہ ان کے خلاف ہے، جیساکہ آگے چل کر ہم اس پر روشنی ڈالیں گے ـــــ ان شاء اللہ

جب ہم نے احناف و موالک کے قول کو بلا دلیل پایا، اور اپنے موقف کی دلیل تلاش کی تو ہمیں یہ حدیث ملی، جس کو ہم نے بطریق

۴۴۸۔ [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از احمد بن حنبل، و مسلم بن ابراہیم و حسن بن علی حلوانی و محمد بن متوکل روایت کیا ہے۔ احمد نے اس کو بروایت محمد بن جعفر غُندر، از شعبہ، از ورقا نقل کیا ہے۔ جب کہ مسلم اس کو حمّاد بن سلمہ سے اور حسن یزید بن ہارون اور ابو عاصم سے روایت کرتے ہیں۔ یزید، حمّاد بن زید سے، وہ ایوب سختیانی سے نقل کرتے ہیں۔ ابو عاصم ابنِ جُریج سے اور محمد بطریق عبدالرزاق، از زکریا بن اسحاق نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ تمام راوی یعنی ورقا، حمّاد بن سلمہ، ایوب سختیانی، ابن جُریج، زکریا بن اسحاق، عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عطاء بن یسار سے اور وہ] حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب نماز کی اقامت کہی جائے تو فرض نماز کے سوا دوسری کوئی نماز جائز نہیں ہے" (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ۔ و نیز مُسند ۲: ۳۳۱، ۳۵۲، ۴۵۵، ۵۱۷، ۵۳۱)

۴۴۹۔ علاوہ ازیں ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجّاج، از قُتیبہ، از ابو عوانہ از سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ از حفص بن عاصم بن عمرؓ بن الخطاب، از ابن بُحینہ عبداللہ بن مالک] وہ بیان کرتے ہیں کہ نمازِ فجر کی اقامت کہی گئی تو حضورؐ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا۔ مؤذّن اس وقت تکبیر کہہ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "کیا تم فجر کی نماز چار رکعت پڑھتے ہو؟" (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، دارمی کتاب الصّلوٰۃ، و نیز بیہقی ۲: ۴۸۱)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۵۰۔ [بدیں سند تا مُسلم، از زُہیر بن حرب، از مروان بن معاویہ الفزاری، از عاصم الاحول، از عبداللہ بن سَرجِس] وہ کہتے ہیں ایک شخص مسجد میں داخل ہُوا اور رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ اس نے مسجد کے ایک کونے میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر رسُول کریمؐ کے ساتھ جماعت میں شامل ہو گیا جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا "اے شخص! تم نے دونوں نمازوں میں سے کس پر اعتماد کیا؟ آیا اس نماز پر جو تم نے تنہا پڑھی تھی، یا اس نماز پر جو تم نے باجماعت ہمارے ساتھ ادا کی؟ (مُسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ، بیہقی ۲: ۴۸۲، مُسند ۵: ۸۲)۔

۴۵۱۔ علاوہ ازیں ہم نے اس حدیث کو [بطریق حجاج بن منہال از حمّاد بن سلمہ و حمّاد بن زید، از عاصم الاحول، از عبداللہ بن سَرجِس مثلِ حدیثِ مذکور روایت کیا] اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اُس شخص نے دو رکعتیں لوگوں کی پچھلی طرف ادا کی تھیں [۱]۔

۴۵۲۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضّاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از صالح بن رستم یعنی ابو عامر الخزّاز، از ابن ابی مُلیکہ از] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ نماز کی تکبیر کہی گئی اور مَیں نے نمازِ فجر کی سُنّتیں نہیں پڑھی تھیں۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں مَیں اُن کو پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے میرا دامن کھینچا اور فرمایا کیا تم فجر کی چار رکعتیں پڑھنا چاہتے ہو؟ ابو عامر سے دریافت کیا گیا، آیا رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابنِ عباسؓ کا دامن کھینچا تھا [۲]؟ کہا ہاں!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ احادیث نقلِ متواتر کے ساتھ منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہیں۔ کسی شخص کو ان کی

---

[۱] حمّاد بن سلمہ کی روایت مجھے نہیں مل سکی حمّاد بن زید کی روایت ابوداؤد میں ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں بیہقی میں بطریق عبدالواحد بن زیاد از عاصم یہ الفاظ ہیں کہ "اس شخص نے صف تک پہنچنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں" یہ الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں جس پر یہ حدیث مشتمل ہے۔

[۲] اس حدیث کو بھی ابوداؤد طیالسی (ص ۳۵۸ حدیث نمبر ۲۷۳۶) نے ابو عامر الخزّاز سے روایت کیا ہے نیز بیہقی (ج ۲ ص ۴۸۲) بطریق طیالسی۔ حاکم (ج ۱ ص ۳۰۷) بطریق سعید بن منصور از وکیع بسندِ خود۔ نیز بطریق النضر بن شُمیل از ابو عامر اس حدیث کو علیٰ شرطِ مسلم صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی بھی حاکم کے ہمنوا ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری نے شرح ترمذی (ج ۱ ص ۳۲۳) میں اس حدیث کو البزّار، ابویعلیٰ اور صحیح ابن حبّان کی طرف منسوب کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاف ورزی کا حق نہیں پہنچتا۔ خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں میں بعض نے کہا کہ عمرو بن دینار سے روایت کرنے والوں میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سفیان بن عُیَینہ، حمّاد بن سلمہ اور حمّاد بن زید نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے نقل کر کے اس کو ابوہریرہؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے[1]۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس قول کے قائل پر لازم تھا کہ اوّل خوفِ الٰہی اختیار کرتا، پھر لوگوں سے حیا کرتے ہوئے ایسی رسوا کن بات کہنے سے احتراز کرتا۔ اس لیے کہ اس حدیث کو موقوف قرار دینے والے اقوالِ صحابہ کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ فرض کیجیے یہ حدیث مرفوع نہیں تو چاہیے تھا کہ ابوہریرہؓ اور ابن مسعودؓ کے دو اقوال میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی۔ علاوہ ازیں ہمارے مخالفین نے جو کچھ کہا ہے اُس سے اس حدیث کی قدر و قیمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس لیے کہ ابن جُریج، ایوب اور زکریا بن اسحاق کسی طرح بھی سُفیان بن عُیَینہ، حمّاد بن سلمہ اور حمّاد بن زید سے کم درجہ نہیں ہیں۔ جس راوی نے اس حدیث کو بطریق حمّاد بن سلمہ مرفوعاً روایت کیا ہے وہ اس راوی کی نسبت اَوثق و اَضبط ہے جس نے اس کو حمّاد بن سلمہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ اور پھر یہ کہ ایوب تنہا ان تمام راویوں پر بھاری ہے۔ مزید براں اس حدیث کا مرفوع اور موقوف ہونا دونوں باتیں بجائے خود درست ہیں۔ اس لیے کہ عمرو بن دینار نے اس کو بطریق عطاء، از ابوہریرہؓ از رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ اور بطریق عطاء از ابوہریرہؓ موقوفاً بھی بیان کیا کہ یہ ابوہریرہؓ کا فتویٰ ہے۔ اس لیے اس حدیث کو دونوں طرح روایت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث نہ بھی ہوتی تو ابن سرجس، ابن بُحَینہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی مرویات اس شخص کے لیے کافی ہیں جو اپنے آپ کا خیر خواہ ہو اور ان لوگوں کی تقلید کر کے خواہش نفس کی پیروی نہ کر رہا ہو جو اللہ کے عذاب کو روکنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ مزید برآں وہ کمزور سی باتوں کو لے کر باطل کی پُشت پناہی کا ارتکاب کرتا ہے۔

---

[1] موقوف روایت صحیح مسلم اور دیگر کتب میں موجود ہے۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ موقوف ہونے کی وجہ سے کسی صحیح یا مرفوع روایت کو معلول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ طحاوی نے معانی الآثار میں اس حدیث کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے مگر یہ طحاوی کی غلطی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۵۴۔ ہم نے صحیح ترین سند کے ساتھ [بطریق زہری از سعید بن المسیب و ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] روایت کیا ہے کہ وہ دونوں حضرت ابوہریرہؓ اور وہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "جب تم تکبیر سُنو تو سکون و اطمینان کے ساتھ نماز کی طرف چلو اور جلد بازی سے کام نہ لو۔ جو جماعت کے ساتھ پاؤ وہ پڑھ لو اور جو رہ جاتے وہ مکمل کرو" (مسلم، ابنِ ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

اِس حدیث سے معلوم ہُوا کہ امام کو جس حالت میں پاتے اُس کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ اس کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔ بعض لوگوں نے ابن سَرجِس اور ابن بُحَینہ کی روایت کردہ حدیث پر ایک مضحکہ خیز اعتراض کیا ہے کہ رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سُنتیں پڑھنے کو اس لیے بُرا مانا کہ وہ اجتماعِ عام میں ایسا کر رہے تھے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ سفید جھوٹ اور بدترین مظاہرہ ہے۔ اس لیے کہ حدیث کے اندر یہ بات موجود ہے کہ اُس نے سُنتیں لوگوں کے پیچھے مسجد کے کونے میں ادا کی تھیں جس طرح یہ لوگ اپنے مقلدین کو مسجد کے کونے میں سُنتیں پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اگر یہ بات حدیث میں نہ بھی مذکور ہوتی تو رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول سے اس بات کے قائل کا دروغِ بے فروغ الم نشرح ہو جاتا کہ "تم نے دونوں نمازوں میں سے کس کو معتبر سمجھا، آیا تنہا ادا کردہ نماز کو یا اُس نماز کو جو تو نے ہمارے ساتھ پڑھی؟" نیز آپؐ کا یہ ارشادِ گرامی کہ "کیا تم صبح کے چار فرض پڑھتے ہو؟" اس لیے کہ یہ بات باطل اور محال ہے کہ آپ اُسے یہ بات کہیں حالانکہ آپ کا مقصد صرف یہ بات کہنا تھا کہ تم نے لوگوں کے اجتماع میں سُنتیں کیوں پڑھیں؟ گویا آپؐ نے جس بات کو بُرا مانا تھا اُس سے تو خاموش رہے اور مُنہ سے وہ بات نکالی جو صحیح طور سے لوگوں تک نہ پہنچ سکی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسی لایعنی گفتگو سے پاک رکھا ہے جو کسی دانشمند کو زیب نہیں دیتی۔ البتہ اس بات کا قائل ہی ایسی بے مقصد گفتگو کر سکتا ہے۔

یہ بات جھوٹی اور محض قیاس آرائی پر مبنی ہے۔ اس کے قائل کے درمیان اور جو یہ کہے کہ شاید رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس لیے انکار کیا کہ وہ شخص بے وضو تھا یا اس نے ریشمی لباس پہن رکھا تھا' ان دونوں باتوں کے کہنے والے ایک جیسے نادان ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(دراصل بات یہ ہے کہ جو شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی معاملات میں دروغ گوئی کو کوئی اہمیت نہ دیتا ہو اس کے نزدیک ایسے ظنونِ فاسدہ ایک معمولی بات کی حیثیت رکھتے ہیں)۔

اگر کہا جائے کہ حضورؐ نے تو ایسی کوئی نہیں کہی۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ آپؐ نے تو لوگوں کے ساتھ اس کے اختلاط کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے صرف نمازِ فجر ادا کرتے وقت اُس شخص کی نماز پر اعتراض کیا تھا، دِگر ہیچ۔ مزید براں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی غلط کاری کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ (البقرۃ - ۶۱) "تم بہتر چیز کے عوض گھٹیا چیز کو اختیار کرتے ہو"

اس بات میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ فرائض نوافل سے بہتر ہیں۔ اس قول کے قائل اسے فرائض کے عوض جو کہ افضل ہیں، نوافل کو جو کہ ادنیٰ ہیں اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ سابق الذکر احادیث کی نافرمانی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔

جمہور علمائے سلف بھی اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از جابر، از حسن بن مسافر، از سوید بن غفلہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر کے بعد نماز پڑھنے پر لوگوں کو پیٹا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۳۶)

اسی طرح معمر، ایوب سختیانی سے، وہ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ابن عمرؓ نے کہا "کیا تم فجر کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ (مصنف عبدالرزاق، ۲: ۴۴۰)

ہم نے بطریق وکیع از فضیل بن غزوان، از نافع از ابن عمرؓ روایت کیا ہے کہ وہ لوگوں کے پاس آئے جب کہ وہ نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ ابن عمرؓ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ آپ جماعت کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب چاشت کا وقت ہوا تو اٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۵۵، ومؤطا امام مالکؒ ص ۴۵)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ "جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو فرضی نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز جائز نہیں" (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۳۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معمر، ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ نماز فجر کی تکبیر کے وقت ان کو ادا کیا جائے۔ کہا کرتے تھے کہ تم فرض نماز کے ہوتے ہوئے یہ نماز پڑھ رہے ہو۔ (عبدالرزاق ۲ : ۴۴۰)

بدیں سند تا معمر از عبداللہ بن طاؤس، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نمازِ فجر کی تکبیر کہی جاتی تھی اور انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو وہ امام کے ساتھ نماز پڑھتے۔ جب فارغ ہوتے تو صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۲ : ۴۴۲)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از منصور بن معتمر، ابراہیم نخعی سے اُس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو امام کو نماز پڑھتا ہوا پائے اور اس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں، کہا وہ فرض نماز سے آغاز کرے۔ (عبدالرزاق ۲ : ۴۳۸ باختلاف)

عبدالرزاق، ابن جریج سے، وہ عمرو بن دینار سے، وہ صفوان بن موہب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلم بن عقیل[۱] کو لوگوں سے یہ کہتے سنا جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور تکبیر کہی جا چکی تھی کہ "تم پر افسوس ہو جب تکبیر کہی جائے تو کوئی نماز جائز نہیں" (عبدالرزاق ۲ : ۴۳۶)

عبدالرزاق و عبدالرحمٰن بن مہدی دونوں سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ وہ منصور بن معتمر سے، وہ فضیل سے، وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "اقامت کے وقت نماز ختم کر دو" (عبدالرزاق ۲ : ۴۳۷ بھذا المعنیٰ)

حماد بن سلمہ ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ عروہ کا بھتیجا آیا۔ مؤذن اُس وقت اقامت کہہ رہا تھا جب کہ اُس نے فجر کی سنتیں پڑھنے کا ارادہ کیا۔ عروہ نے اس کو ڈانٹ دیا۔

مذکورہ صدر احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی کہ جو شخص فجر کی سنتوں کا یا وتر کا یا کسی اور نماز کا آغاز کرے۔

---

[۱] مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔ حافظ ابن حجرؒ نے التہذیب میں صفوان بن موہب کے ترجمہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اولادِ عقیل کا ذکر کرتے ہوئے ان کا تذکرہ کیا ہے (طبقات ابن سعد، ج ۴، ق ۱، ص ۲۹) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ سے کوفہ بیعت لینے کے لیے بھیجا تھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ یہ واقعہ تاریخ طبری، ج ۵ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندریں اثناء نمازِ فجر یا کسی اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو جو نماز وہ پڑھ رہا تھا ان نصوص کی بنا پر وہ باطل ہوئی۔

اگر کہا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اپنے اعمال کو ضائع نہ کیا کرو"۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ بات ٹھیک ہے مگر اس نماز کو اُس نے باطل نہیں کیا۔ اگر دانستہ وہ اسے ضائع کرتا تو گنہگار ٹھہرتا۔ بخلاف ازیں اس نماز کو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے باطل ٹھہرایا ہے۔ جس طرح بے وضو ہونے یا ایسی چیز کے گزرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے جن کا گزرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ ومثل ایں۔

فجر کی سنتوں کی قضا دینے کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا "جو شخص نماز پڑھے بغیر سو جائے یا اسے بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے نماز پڑھ لے" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ عن انس رضی اللہ عنہ)۔

اس حدیث کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ نیز اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو

۴۵۴۔ ہم نے بطریق (حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از ابن وضاح، از یحییٰ بن معین، از مروان بن معاویہ فزاری، از یزید بن کیسان، از ابو حازم روایت کیا ہے وہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتیں پڑھے بغیر سو گئے۔ پھر آپ نے طلوعِ آفتاب کے بعد سنتیں پڑھیں[1]"

مگر آپ نے ایسا نہیں کیا کہ فرضوں سے پہلے ان کو ادا کرنا شروع کر دیتے۔

۴۵۵۔ [بدیں سند تا ابن ایمن، از احمد بن محمد القاضی، از حسن بن ذکوان، از عطاء بن ابی رباح، از مردے از انصار] بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ اُس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے فجر کی دو سنتیں ادا نہیں کی تھیں، ان کو اب ادا کیا ہے۔

یہ سُن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ نہ کہا[2]۔

---

[1] صحیح مسلم (ج ۱، ص ۱۸۹) بیہقی (ج ۲، ص ۴۸۳-۴۸۴) - وصحیح ابن خزیمہ (۲: ۱۶۴)

[2] اس حدیث کو امام شوکانیؒ (نیل، ج ۳، ص ۳۱) نے ابن حزمؒ سے نقل کیا ہے۔ محدث عراقی نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے ترمذی (ج ۱، ص ۶۰) نے اس حدیث کو بطریق الدراوردی، از سعد بن سعید، از محمد بن ابراہیم، از قیس) روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو نماز کی تکبیر کہی گئی۔ چنانچہ مَیں نے آپ کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی۔ پھر آپؐ نے مڑ کر دیکھا تو مجھے نماز پڑھتے پایا۔ فرمایا "اے قیس! چھوڑو، کیا تم دو نمازیں اکٹھی ادا کر رہے ہو؟ مَیں نے عرض کی یا رسول اللہ! مَیں نے فجر کی سنتیں ادا نہیں کی تھیں۔ فرمایا "تب کوئی حرج نہیں" ابوداؤد (ج ۱، ص ۴۸۹)۔ ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۸۲) بیہقی (ج ۲، ص ۴۸۳۔ احمد (ج ۵، ص ۴۴۷)۔ حاکم (ج ۱، ص ۲۷۵)

یہ تمام محدثین بطریق ابن نُمَیر از سعد بن سعید روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قیس بن عمرو نے کہا رسولِ اکرمؐ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا" آخر میں ہے کہ "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے" امام ترمذی کہتے ہیں محمد بن ابراہیم کی روایت کو ہم صرف بطریق سعد بن سعید پہچانتے ہیں۔ سفیان بن عُیَینَہ کہتے ہیں عطاء بن ابی رباح نے سعد بن سعید سے یہ حدیث سُنی ہے۔ البتہ اس کو مُرسلاً روایت کیا جاتا ہے۔ مزید کہتے ہیں سعد بن سعید یحییٰ بن سعید انصاری کا بھائی ہے۔ اور قیس یحییٰ بن سعید کا دادا ہے۔ اس کو قیس بن عمرو اور ابن قَہد بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ محمد بن ابراہیم التیمی کا سماع قیس سے ثابت نہیں۔ ابوداؤد نے بھی اس کو مرسل ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔

حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو بطریق ربیع بن سُلیمان، از اسد بن موسیٰ، از لیث بن سعد، از یحییٰ بن سعید از والدِ خود، از جدِّ خود روایت کیا ہے۔ یہ اسناد نہایت صحیح ہے۔ شوکانی نے اس کو صحیح ابن خُزیمہ (۲: ۱۶۴) و صحیح ابن حبان (موارد الظمآن، ص ۱۶۴) کی طرف منسوب کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ (ج ۵، ص ۲۶۱) میں اس حدیث کو بطریق اسد بن موسیٰ حافظ ابن مَندہ کی جانب منسوب کیا ہے۔ ابن مَندہ کہتے ہیں "یہ حدیث غریب ہے۔ اسد اس کو موصولاً روایت کرنے میں متفرد ہے۔ اگر اس کا مُرسل ہونا ثابت ہو جائے تو دیگر اسانید کے لیے یہ تائید و تقویت کا موجب ہے۔ ان روایات سے واضح ہُوا کہ ابن حزم کی روایت از عطاء از مَردے از انصار مرسل ہے۔ اس لیے کہ عطاء نے اس کو کسی صحابی سے روایت نہیں کیا بلکہ سعد بن سعید سے نقل کیا ہے جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام احمدؒ (ج ۵، ص ۴۴۷) نے اس حدیث کو بطریق عبدالرزاق از ابن جُریج روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے عبداللہ بن سعید سے سُنا جو کہ یحییٰ بن سعید کے بھائی ہیں، وہ اس حدیث کو اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ اس سے دیگر روایات کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ مگر مجھے اس عبداللہ کا ترجمہ کہیں نہیں ملا۔ (مُسند میں عبداللہ غلط چھپا ہے۔ دراصل یہ عبد ربہ ابن سعید ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۴۲ میں ہے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے بطریق وکیع از فضیل بن مرزوق از عطیہ روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے فجر کی سنتیں اس وقت پڑھیں جب امام نماز سے فارغ ہو گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۵۴)

ابن جریج، عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ "جب تم فجر کی سنتوں کو قبل از صبح ادا کرنا بھول جاؤ تو صبح کے بعد پڑھ لیا کرو"۔ (عبدالرزاق ۲: ۴۴۱)

عبدالرزاق کہتے ہیں میں نے ابن جریج کو دیکھا کہ وہ صنعاء شہر کی مسجد میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد فجر کی دو سنتیں ادا کر رہے تھے۔ (عبدالرزاق ۲: ۴۴۲)

طاؤس اور دیگر اہلِ علم کا موقف بھی یہی ہے۔ اگر دانستہ نماز سے فراغت کے بعد سنتیں ادا نہ کرے تو ان کی قضا دینے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اس لیے کہ ان کا وقت جاتا رہا ہے ـــــ وباللہ التوفیق

۳۰۹۔ نمازِ فجر قضا ہو تو پہلے سنتیں پڑھی جائیں

جو صبح کی نماز پڑھے بغیر سو جاتے یا اسے بھول جاتے، حتی کہ آفتاب طلوع ہو جاتے تو اندریں صورت افضل یہ ہے کہ پہلے سنتیں ادا کرے پھر فرائض پڑھے۔ جیسا کہ ابو قتادہ کی حدیث کے مطابق رسولِ اکرمؐ نے کیا تھا ہم قبل ازیں یہ حدیث باب التطوع میں ذکر کر چکے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، داؤدؒ اور ان کے اصحاب کا موقف یہی ہے۔ امام مالکؒ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر ان کی کوئی دلیل ہمیں معلوم نہیں۔ بلکہ ان کا یہ موقف احادیثِ نبویہ کے خلاف ہے۔

۳۱۰۔ نمازِ فجر سے قبل و بعد کلام مباح ہے

نمازِ فجر سے قبل و بعد کلام مباح ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک بات چیت کرنا مکروہ ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ کتاب و سنت سے اس کی ممانعت ثابت نہیں اس لیے کہ یہ دونوں اوقات باقی اوقات کی مانند ہیں۔ ان میں اور دیگر اوقات میں کچھ فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف نماز پڑھتے اور خطبہ سنتے وقت گفتگو سے منع کیا ہے اور دیگر اوقات میں اس کی اجازت دی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنی ہی جان پر ستم ڈھاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۱۱۔ جو شخص یہ سمجھ کر نماز شروع کرے کہ جماعت ہو چکی ہے

جو شخص مسجد میں داخل ہوا اور یہ خیال کرے کہ جس فرضی نماز کا وقت ہے اہلِ مسجد وہ ادا کر چکے ہیں۔ یا وہ اُن لوگوں میں سے ہو جن پر جماعت کے ساتھ فرض ادا کرنا لازم نہیں۔ جونہی وہ نماز کا آغاز کرے تو جماعت کھڑی ہو جائے تو اُس شخص پر واجب ہے کہ جو تکبیر کہہ کر وہ نماز شروع کر چکا ہے اسی پر بنا کرے اور جماعت میں شریک ہو جائے۔ اور اگر وہ ایک رکعت یا اس سے زیادہ ادا کر چکا ہے تو بھی جماعت میں شامل ہو جائے۔ جب وہ اپنی نماز مکمل کرے تو بیٹھ کر امام کے سلام پھیرنے کا منتظر رہے جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی سلام پھیر دے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے نماز کا آغاز اس طرح کیا تھا جس طرح وہ مامور تھا۔ اور جس نے تعمیلِ امر کی اس نے بہت اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ۔　　"اچھا کام کرنے والوں پر گرفت کی کوئی راہ نہیں ہے"　　(التوبہ: ۹۱)

اسی صورتِ حال میں اس شخص نے امام کو پایا تو اس کی اقتداء اس پر فرض ٹھہری۔ اس لیے کہ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے "امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے" (بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

نیز اس لیے کہ آپؐ نے اُس شخص کو ہدفِ تنقید بنایا تھا جس نے اس وقت انفرادی طور پر نماز ادا کی تھی جب امام لوگوں کو نماز پڑھا رہا تھا۔ جب جماعت ہو رہی ہو اس وقت انفرادی طور پر نماز اسی صورت میں ادا کی جا سکتی ہے جس کی اجازت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ نمازی معذور ہو اور امام طویل قراءت کے ساتھ نماز پڑھائے۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ اور اس سے مقتدی کو کچھ ضرر لاحق نہیں ہوتا کہ اس نے امام سے پہلے تکبیر کہی، اس لیے کہ وہ تکبیر کہنے میں حق بجانب تھا۔ ہمارے مخالفین کے نزدیک یہ جائز ہے کہ ایک شخص تکبیر کہہ کر جماعت میں شریک ہو۔ پھر امام ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنائے جس نے اُس شخص کے بعد تکبیر کہی ہو۔ اُن کے نزدیک یہ مقتدی جس نے پہلے تکبیر کہی ہے اُس خلیفہ کی اقتدا کرے گا جس نے اپنے مقتدی کے بعد تکبیر کہی ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبد الرزاق، از سفیان ثوری، از مغیرہ بن مقسم و اعمش ہر دو از ابراہیم نخعیؒ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو کسی مسجد میں داخل ہوا، اُس نے خیال کیا کہ جماعت ہو چکی ہے چنانچہ اس نے ابھی دو فرض ادا کیے تھے کہ جماعت کھڑی ہو گئی۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ وہ شخص جماعت میں شامل ہو کر دو رکعت پڑھے اور سلام پھیر دے۔ پھر باقی ماندہ دو رکعتوں کو نفل تصور کرے۔ ابراہیم نخعی سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ کسی (صاحبِ علم) نے اس طرح کیا ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا، جو تم سے پہلے (صحابہ و تابعین) تھے وہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔" (عبدالرزاق ۲ : ۴۲۸)

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ صحابہ اور اکابر تابعین رحمہم اللہ کے اقوال ہیں۔ ہم نے تابعینِ کرام کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نفلی نماز کا آغاز کرے اور فرضی نماز کی جماعت کھڑی ہو جاتے تو وہ شخص جماعت میں شرکت کرے اور ادا کردہ نوافل کو فرائض کے ساتھ ملائے۔ جب نفلی نماز کے بارے میں ان کا یہ زاویۂ نگاہ ہے تو فرائض میں یہ بات ان کے نزدیک واجب تر ہے۔ چنانچہ نافع بن جُبیر بن مُطعم، حسن بصری، قتادہ اور دیگر تابعین اسی کے قائل ہیں۔ یہ اُن کا قیاس نہیں بلکہ یہ ایک ہی مسئلہ ہے اور سابق الذکر دلیل کا نتیجہ ہے۔

ہمارے نزدیک نوافل میں یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ فرضوں کی جماعت شروع ہونے سے نوافل خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں ——— وباللہ التوفیق

۳۱۲ ۔ مقتدی امام سے پہلے سلام نہیں پھیر سکتا بجز عُذر کے

مقتدی کے لیے جائز نہیں کہ امام سے پہلے سلام پھیرے۔ البتہ کسی عُذر کی بنا پر جائز ہے مثلاً یہ کہ مقتدی نے قضا شدہ نماز کو ادا کرنا شروع کیا ہو۔ یا نماز کو آخری وقت پر شروع کیا، اسی دوران اُس وقت کی فرض نماز کی جماعت شروع ہو گئی۔ اندریں صورت اپنی شروع کردہ نماز کی تکمیل کرتے ہوئے جماعت میں شریک ہو جائے جونہی اُس کی نماز پوری ہو سلام پھیر دے۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نماز میں امام کی اقتدا کرے جو نماز امام پڑھا رہا ہے جب امام سلام پھیر دے تو اُٹھ کر باقی ماندہ نماز ادا کرے۔

اس کی دلیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ "جب نماز کی تکبیر کہہ دی جائے تو فرض کے سوا دوسری نماز نہیں ہوتی۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃؓ)

ظاہر ہے کہ مقتدی نے جو نماز شروع کی تھی وہ فرض تھی، لہٰذا وہ اسے توڑ نہیں سکتا[1] اور امام کی مخالفت

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی اس کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ نے یہ کہہ کر اس سے منع فرمایا ہے کہ "دونوں نمازوں میں سے تم نے کس نماز پر اعتماد کیا" (مسلم، ابوداؤد عن عبداللہ بن سرجس)۔ گویا ایسا کرنے والے کو آپؐ نے ملامت کی تھی۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے "امام ڈھال ہے لہٰذا اس سے اختلاف نہ کیا کرو" (بخاری، مسلم، مسند احمد و عبدالرزاق عن ابی ہریرۃؓ) لہٰذا جب مقتدی اپنی نماز مکمل کرے تو اس پر فرض ہے کہ اس نماز میں امام کی اقتداء کرے جو کہ وہ پڑھا رہا ہے۔ اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ سلام پھیر دے۔

یا ایک مسافر شخص ہو جو ایسے امام کی نماز میں شرکت کرے جو مقیم ہو۔ اور اگر مقتدی بیٹھ کر امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے تو ایسے شخص سے خائف ہو جسے علم نہیں ہے تو وہ مقتدی سلام پھیر دے۔ کیونکہ اس کو ایسا کرنا ہی ضروری ہے۔ پھر امام کی اقتدا میں نماز ادا کرے جو کہ اس کی نفلی نماز ہو گی ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۱۳۔ تکبیر شروع ہوتے ہی فرض نماز باطل ہو جائے گی

اگر مقتدی ایسا شخص ہو جس پر جماعت میں شرکت کرنا فرض ہو۔ اور وہ نماز باجماعت کو پا لینے سے مایوس بھی نہ ہو۔ وہ شخص اس کے باوجود فرضی نماز شروع کر دے اور تکبیر ہو جائے تو جو نماز اس نے شروع کی باطل اور اس کے لیے ناکافی ہے۔ اس کے لیے جماعت میں شرکت کرنا لازم ہے۔ جو نماز اس نے شروع کی تھی اس سے سلام پھیرنا ضروری نہیں اس لیے کہ دراصل وہ نماز تھی ہی نہیں۔ اس کی دلیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ

"جس شخص نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل ردّ کیے جانے کے لائق ہے"

(بخاری، مسلم عن عائشہؓ)

اس شخص پر فرض تھا کہ جماعت میں شرکت کرتا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیلاً بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جب اس شخص نے ایسا نہیں کیا تو گویا اس نے وہ کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا۔ لہٰذا وہ عمل مردود ہے۔

لہ (حاشیہ صفحہ سابق) ابن حزم کا یہ استدلال مغالطہ پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کے الفاظ "المکتوبۃ" معرف باللام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ فرضی نماز مراد ہے جس کے لیے اس وقت تکبیر کہی گئی ہے (نہ کہ عام فرض نماز) مگر ابن حزم کا بیان کردہ مطلب اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب یہ لفظ معرف باللام نہ ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب الاذان

۳۱۴۔ قبل از وقت اذان جائز نہیں

کسی نماز کے لیے قبل از وقت اذان دینا جائز نہیں بجز نماز فجر کے۔ نماز فجر کے لیے صبح صادق طلوع ہونے سے صرف اتنا پہلے اذان کہی جا سکتی ہے کہ مؤذن اپنی اذان ختم کر کے منارہ یا بلندی سے نیچے اُترے اور دوسرا مؤذن اذان کہنے کے لیے منارہ پر چڑھ جائے، اور اس کے اذان شروع کرنے سے قبل صبح صادق طلوع ہو جائے۔ طلوعِ فجر کے بعد دوسری اذان ضروری ہے اور طلوعِ فجر سے پہلے کہی ہوئی اذان کافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ سحری کی اذان ہے، اذانِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ طلوعِ صبح صادق سے صرف اتنا پہلے اذان کہی جا سکتی ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اس سے زیادہ پہلے نہیں۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ، از عبد الرحمٰن بن مہدی، از عبد الرحمٰن بن محمد مُحاربی، از اسماعیل بن مسلم روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے حسن بصریؒ سے کہا اے ابو سعید! یہ بتائیے کہ طلوعِ فجر سے پہلے لوگوں کو جگانے کے لیے اذان دی جا سکتی ہے؟ وہ ناراض ہو کر بولے ایسے لوگ عجمی اور احمق ہیں، اگر خلافت فاروقی میں اس طرح کرتے تو حضرت عمرؓ اُن کو بُری طرح پیٹتے۔ جو شخص طلوعِ فجر سے پہلے اذان کہے تو اس مسجد والوں نے گویا صرف تکبیر کے ساتھ بلا اذان نماز ادا کی ہے[1]

---

[1] زیلعی نے نصب الرایہ، ج ۱ ص ۱۵۰ میں امام قاسم بن ثابت سرقسی کی غریب الحدیث سے ایک اثر بطریق ابو سفیان سعدی ئینی طریف بن شہاب از حسن اس کی مانند نقل کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حسن بصریؒ نے ایک مؤذن کو رات کے وقت اذان دیتے سنا تو کہا یہ عجمی لوگ مُرغوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ عہدِ رسالت میں اذان طلوعِ فجر کے بعد کہی جاتی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ ہم نے بدیں سند تا [محمد بن المثنیٰ، از عبد الرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از حسن بن عمرو، از فضیل، از ابراہیم نخعی] روایت کی ہے کہ وہ قبل از فجر اذان کہنے کو ناپسند کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۴)

ہم نے بطریق [وکیع، از شریک، از علی بن علی، از ابراہیم نخعی روایت کیا ہے کہ] علقمہ بن قیس نے ایک شخص کو رات کے وقت اذان دیتے سنا۔ انہوں نے کہا "اس شخص نے اصحابِ رسول کی ایک سنت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اگر اپنے بستر پر سو رہتا تو اس سے بہتر ہوتا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۴)

نیز ہم نے بطریق زبید الیامی، ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کے وقت (قبل از طلوعِ فجر) اذان کہتا تو اسے کہا جاتا "اللہ سے ڈر اور دوبارہ اذان کہو" (عبد الرزاق ۱: ۴۹۱)

امام ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ صحابہ و تابعین کرام کے اقوال و آثار ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے بطریق ابوداؤد، از ایوب بن منصور، از شعیب بن حرب، از عبد العزیز بن ابی رواد، از نافع مولی ابن عمرؓ، روایت کی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کے ایک مؤذن سے روایت کرتے ہیں جن کو مسروح کہا جاتا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ طلوعِ صبح سے پہلے اذان دے دی تو حضرت عمرؓ نے انہیں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ "بندہ سو گیا ہے"[1]

نیز بطریق عبد الرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابو اسحاق سبیعی، از اسود بن یزید، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت

جب اذان دی تو رات ابھی باقی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے پر انہوں نے (منارہ) پر چڑھ کر پکارا "بے شک بندہ سو گیا"۔ اس کی سند میں مؤلف نے جس اسماعیل بن مسلم کا ذکر کیا ہے میرے خیال میں اس سے مراد اسماعیل بن مسلم مکی ابو اسحاق بصری ہے۔ وہ فقیہ و مفتی ہونے کے باوجود ضعیف راوی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۲۲ میں یہ روایت قدرے اختلاف کے ساتھ موجود ہے)۔

[1] اس کی تفصیلی توضیح کے لیے دیکھیے نصب الرایہ، ج ۱، ص ۲۸۹۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۰۹-۲۱۰۔ ابن حزمؒ آگے چل کر اس روایت کو بطریق ابوداؤد مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ اس میں مذکور ہے کہ مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ (نیز یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۲۲ میں ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی: "آپ وتر کب پڑھتی ہیں؟ فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان۔ صبح ہونے سے پہلے لوگ اذان نہیں دیا کرتے تھے"۔[1]

نیز بطریق یحییٰ بن سعید القطان از عبید اللہ بن عمر از نافع مروی ہے کہ انہوں نے کہا "صحابہ کرام طلوعِ فجر سے پہلے اذان نہیں کہا کرتے تھے"۔

یہ اقوال ائمہ اہلِ مدینہ کے ہیں جن میں حضرت عمر بن الخطاب، ام المومنین عائشہ صدیقہ، نافع اور دیگر اکابر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ یہ بعد میں آنے والے لوگوں کی نسبت اتباع کے زیادہ لائق ہیں۔ (اس کے مقابلہ میں) ہم ایک قول ایسا دیکھتے ہیں جس کی اصل واساس کا کچھ پتہ نہیں۔ اس کے بارے میں تواتر کا دعویٰ اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ان ثقات کی مرویات سے اس بے بنیاد دعویٰ کا ابطال ہوتا ہے۔ اور بے دلیل دعویٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔

جس قول کا تذکرہ ہم نے کیا ہے امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری کا بھی وہی قول ہے۔ امام مالک، اوزاعی اور شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نمازِ فجر کی اذان (جب رات باقی ہو) کہی جا سکتی ہے۔ مگر دیگر نمازوں کی اذان اس وقت کہی جائے گی جب ان کا وقت شروع ہو جائے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ان علماء نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں مذکور ہے کہ بلال اس وقت اذان کہا کرتے تھے جب رات کا کچھ حصہ باقی ہوا کرتا تھا۔

یہ بات یوں تو درست ہے مگر یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ اذان نماز کے لیے نہ تھی (بلکہ اختتامِ سحری کے لیے تھی) نہ ہی نمازِ فجر سے پہلے زیادہ لمبی رات ہوا کرتی تھی۔ بلکہ دوسرا شخص طلوعِ فجر کے بعد نماز کے لیے اذان دیتا تھا۔

۴۵۶۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از

---

[1] زیلعی نصب الرایہ، ج ۱ ص ۱۴۹ میں فرماتے ہیں "حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "مؤذن اس وقت تک اذان نہیں کہتا تھا جب تک صبح صورع نہ ہو جاتی"۔ ابو الشیخ اصبہانی نے اس کو بطریق وکیع از سفیان از ابو اسحاق از اسود از حضرت عائشہؓ نقل کیا ہے (نیز مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۴ مختصراً، لیکن قیام اللیل للمروزی میں یہ روایت موجود ہے۔ دیکھو ص ۲۲۸ از طبع قدیم)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فربری، از بخاری، از احمد بن یونس، از زہیر بن معاویہ، از سلیمان التیمی، از ابو عثمان نہدی] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روک دے۔ اس لیے کہ جب وہ اذان کہتا ہے تو اُس وقت رات باقی ہوتی ہے۔ وہ اذان اس لیے کہی جاتی ہے کہ رات کو قیام کرنے والا لوٹ آئے اور سونے والا بیدار ہو جائے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والطلاق وخبر واحد، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصوم، نسائی کتاب الصلوٰۃ والصوم)

۴۵۷۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ہم نے [بطریق عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از یعقوب بن ابراہیم، از حفص، از عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، از قاسم بن محمد بن ابی بکر] از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بلال رضی اللہ عنہ اذان کہے تو تم (سحری کے وقت) کھا پی لیا کرو حتیٰ کہ عبداللہ بن ام مکتوم اذان کہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں کے درمیان صرف اتنا وقت ہوتا کہ ایک (مؤذن) اذان گاہ سے اُترتا تو دوسرا اس پر چڑھنے لگتا۔ (بخاری، مسلم کتاب الصلوٰۃ والصوم و نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۵۸۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق بن سلیم، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از موسیٰ بن اسماعیل، از حماد بن سلمہ، از ایوب سختیانی، از نافع] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے طلوعِ فجر سے قبل اذان کہہ دی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (اونچی آواز سے) پکارنے کا حکم دیا کہ "آگاہ رہو بندہ سو گیا ہے، آگاہ رہو بندہ سو گیا ہے۔" چنانچہ بلال نے تعمیلِ ارشاد کر دی۔ (ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۱)

۴۵۹۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری، از بخاری، از قتیبہ، از اسماعیل بن جعفر، از حُمید، از] انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم پر چڑھائی کرتے تو طلوعِ فجر سے پہلے نہ کرتے۔ اگر اس طرف سے اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ روک دیتے ورنہ حملہ آور ہوتے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الجہاد۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۶۱)

ابنِ حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے جو اذان کہی جاتی ہے وہ طلوعِ فجر سے قبل جائز نہیں۔ مزید برآں ہم نے اس حدیث کو بروایتِ اُم المومنین حضرت حفصہ و عائشہ رضی اللہ عنہا بھی روایت کیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث متواتر کے درجہ کی ہے اور اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق مالک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن حُوَیرث و سلمہ الجرمی رضی اللہ عنہ مرفوعًا بھی روایت کیا ہے۔

ہمارے مخالفین نے جن آثار سے استدلال کیا ہے، وہ اور اس کے علاوہ کسی قول و اثر سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے نمازِ فجر کے لیے اس اذان پر اکتفا فرمایا تھا بخلاف ازیں جملہ آثار سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ طلوعِ فجر کے بعد ایک اذان اور کہی جاتی تھی۔ یہ لوگ بزعمِ خویش اصحابِ قیاس ہیں۔ ان کے بعض اکابر یہ بات کہتے ہیں کہ قیاس خبرِ واحد سے اَولیٰ و افضل ہے۔ مگر یہاں انہوں نے نمازِ فجر کے لیے اذان کو دیگر نمازوں کی اذان پر قیاس نہیں کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے کسی صحیح یا سقیم حدیث سے استدلال نہیں کیا کہ یہی (قبل از وقت کہی گئی) اذان نمازِ فجر کے لیے کافی ہے اور دوسری اذان کی حاجت نہیں ہے۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن لوگوں کا یہ موقف ہے کہ نمازِ فجر کے لیے قبل از وقت اذان کہی جا سکتی ہے، ہم ان سے کہیں گے کہ بتائیے رات کا وہ کون سا حصہ ہے اور اس کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے جس میں نمازِ فجر کے لیے اذان کہنا جائز ہے؟ اگر وہ اس کی تحدید نہ کریں تو اس سے لازم آئے گا کہ غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر کے لیے اذان کہنا جائز اور کافی ہو۔ اس لیے کہ بلاشبہ وہ بھی رات ہی کا ایک حصہ ہے۔ حالانکہ وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ اوّلین وقت جس میں نمازِ فجر کے لیے اذان کہنا کافی ہے، رات کے نصفِ اوّل کے بعد یا آخری تہائی کے شروع کا وقت ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ دعویٰ محتاجِ دلیل ہے۔ ایسی باتوں پر بھروسہ کر کے دین کے بارے میں کوئی بات کہنا بالکل ناروا ہے۔ مزید براں ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ نمازِ عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حائضہ قبل از فجر پاک ہو جائے تو وہ مغرب اور عشاء کی نماز ادا کرے۔ اس طرح انہوں نے عشاء کے وقت میں فجر کی اذان کہنے کی اجازت دے دی۔ اب یہ کیوں کر ممکن ہے کہ عشاء کے پورے وقت کو چھوڑ کر اس کے ایک حصے کی تخصیص کی جائے۔ بلکہ مغرب کی نماز کا وقت بھی اس میں شامل ہے۔

---

[1] سلمہ سے سلمہ بن قیس بن نُفیع مراد ہے۔ یہ صحابی تھے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جس حدیث کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور آگے آ رہی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اگر وہ یہ کہیں کہ اذان کی اجازت صرف رات کے آخری حصے میں ہے تو ہم اُن سے پوچھیں گے کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ حالانکہ کسی حدیث میں اس کا تذکرہ موجود نہیں بجز اُس حدیث کے جس سے ہم نے احتجاج کیا ہے۔ یعنی وہ حدیث جس میں اِس اذان کے وقت کی تحدید و تعیین کی گئی ہے ۔۔۔۔ و باللہ التوفیق

۳۱۵۔ فرضی نماز باجماعت اذان و اقامت کے بغیر دُرست نہیں

فرضی نماز باجماعت خواہ دو آدمیوں پر مشتمل ہو یا زیادہ پر، اذان و اقامت کے بغیر درست نہیں۔ خواہ وقتی نماز ہو، یا نیند و نسیان کی بنا پر قضا شدہ، اور کسی وقت بھی ادا کی گئی ہو۔ اس میں سفر و حضر دونوں یکساں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نماز بلا اذان و اقامت پڑھی جائے تو وہ کافی نہ ہو گی بجز نمازِ ظہر و عصر کے عرفہ میں، اور مغرب وعشاء کے مزدلفہ میں۔ ان دونوں نمازوں کو جمع کیا جائے گا۔ ظہر و عصر کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت کہی جائے گی۔ اور مغرب وعشاء کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت۔ اس ضمن میں ایک اثر وارد ہُوا ہے۔ (جو حسبِ ذیل ہے)

۴۶۰۔ ہم نے بطریق [عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از محمد بن المثنّی، از عبد الوہاب ابن عبد المجید الثقفی، از ایوب سختیانی، از ابو قلابہ، از مالک بن حُویرث] روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے (تا آخر) اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور وہاں قیام کرو۔ ان کو دینی احکام سکھاؤ اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اُس طرح نماز پڑھا کرو۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے، اور جو تم میں سے بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔" (بخاری، کتاب الصلوٰۃ والجہاد والادب وخبر واحد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

۴۶۱۔ ہم نے صحیح ترین سند کے ساتھ بطریق [حماد بن زید، از ایوب سختیانی، از عمرو بن سلمہ الجرمی، از والدِ او] روایت کیا ہے کہ وہ اپنی قوم کا وفد لے کر رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو آپ نے فرمایا "فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھا کرو اور فلاں نماز فلاں وقت پر۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور جسے قرآن زیادہ آتا ہو وہ امامت کرے۔" (بخاری فی غزوۃ الفتح، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہُوا کہ اذان نماز کے لیے ضروری و واجب ہے اور یہ بھی ثابت ہُوا کہ نماز کے وقت پر اذان دی جائے۔ یہ عموم ہر نماز کے لیے ہے اور اسی حکم میں اقامت بھی داخل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۶۲ - اسی طرح ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از عبداللہ بن محمد النُّفیلی، از ابن علیہ یعنی اسماعیل، از الجُریری، از عبداللہ بن بُریدہ، از عبداللہ بن مغفل] روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر دو اذانوں کے درمیان ایک نماز ہے اُس شخص کے لیے جو چاہے" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

علاوہ ازیں حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اقامت ایک ایک بار کہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

۴۶۳ - ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از محمد بن یوسف فریابی، از سفیان ثوری، از خالد الحذاء، از ابو قلابہ، از مالک بن حُویرث] روایت کیا ہے کہ دو شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ سفر کا ارادہ رکھتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم دونوں گھر سے نکلو تو (نماز پڑھنے سے پہلے) پہلے اذان کہو، پھر تکبیر کہو، پھر جو تم میں سے بڑا ہو وہ امامت کرے" (حوالہ حدیث ۴۶۰ میں گزر چکا)

اگر کہا جائے کہ آپ کا یہ حکم تو حالتِ سفر میں دیا گیا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ نہیں بلکہ اُس وقت کے لیے جب یہ دونوں اپنے ضروری کاموں کے لیے نبی کریمؐ سے رخصت ہوں۔ یہ حکم تمام فرضی نمازوں کے لیے دیا گیا ہے، خواہ وہ وقتی نمازیں ہوں یا قضا شدہ۔

۴۶۴ - اُس حدیث کی روشنی میں اس مغالطہ اور وہم کا ازالہ ہو جاتا ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از عمرو بن علی، از یحییٰ بن سعید القطّان، از ابن ابی ذئب، از سعید بن ابی سعید المقبری، از عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری، از والدِ خود] روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق[1] کے موقع پر مشرکین کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے ہم ظہر کی نماز ادا نہ کر سکے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ ابھی تک حرب و پیکار سے متعلق آیات کا نزول نہیں ہوا تھا۔

---

[1] نسائی میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین نے ہمیں مشغول رکھا اور ہم غروبِ آفتاب تک ظہر کی نماز ادا نہ کر سکے۔ (نسائی، ج ۱، ص ۱۰۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس موقعہ پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ "اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے لڑائی میں کافی ہوا" (الاحزاب: ۲۵)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے ظہر کی اذان کہی۔ آپؐ نے ظہر کی نماز اصلی وقت پر ادا کی۔ پھر عصر کی اذان کہی اور بر وقت یہ نماز ادا کی[1]۔ پھر مغرب کی اذان کہی اور صحیح وقت پر یہ نماز پڑھی۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس واقعہ کے بارے میں جس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں اُن تمام کی نسبت اس روایت میں اضافہ پایا جاتا ہے۔ اور اضافہ کا قبول کرنا واجب ہوتا ہے۔

"ہم نے عبدالرزاق سے بطریق ابن جُریج روایت کی ہے کہ میں نے عطاء سے کہا میں نے ایک نماز پڑھی اور اقامت کہنا بھول گیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟" کہا تکبیر کہہ کر نماز کا اعادہ کرو۔" (عبدالرزاق ۱: ۵۱۱)

اسی طرح ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ، از ابن فُضَیل، از لیث بن ابی سلیم، از مجاہد روایت کی ہے۔ مجاہد نے کہا جب تم سفر میں اقامت کہنا بھول جاؤ تو نماز کا اعادہ کرو۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۸)

جن اہلِ علم نے اذان و اقامت کو فرض قرار دیا ہے اُن میں سے ابو سلیمان اور ان کے اصحاب بھی شامل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اذان و اقامت کو فرض نہ قرار دینے والوں کے پاس سرے سے کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ اگر اذان کے فرض ہونے کی اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہوتی کہ جہاں سے اذان کی آواز سنائی نہ دیتی، رسولِ کریمؐ ان کے خون و مال کو مباح اور ان کو قیدی بنانے کی اجازت دیتے، یہی دلیل کافی تھی۔ حضورؐ کے ساتھ جس قدر صحابہ تھے بلاشک و شبہ اس بات پر ان کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ یہ ایسا اجماع ہے جو قطعی و حتمی طور پر ثابت و صحیح ہے۔

---

[1] نسائی میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی۔ پھر حسبِ معمول آپؐ نے نمازِ ظہر کو وقت پر ادا کیا۔ پھر عصر کے لیے تکبیر کہی اور اس کو معمول کے مطابق اس کے وقت پر ادا کیا۔ یہاں جو عبارت ہے وہ موزوں تر ہے۔ نسائی نے اس کی تبویب یوں کی ہے "الاذان للفائت من الصلوات" (فوت شدہ نمازوں کے لیے اذان دینا) غالباً ابن حزمؒ نے نسائی کے کسی اور نسخہ سے یہ عبارت نقل کی ہے (ابن حزمؒ نے یہ روایت سُننِ کبریٰ سے نقل کی ہے۔ (احمد شاکر) ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کہ وہ جھوٹے دعوے جو ہر انسان ہر وقت کر سکتا ہے بشرطیکہ تقویٰ اور حیاء اس سے مانع نہ ہو — وباللہ التوفیق

۳۱۶۔ منفرد کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں

منفرد کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں۔ تاہم اگر اذان و اقامت کہے تو بہتر ہے۔ اس لیے کہ نص دو یا دو سے زیادہ اشخاص پر وجوبِ اذان کے سلسلہ میں وارد ہوتی ہے۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اگر اذان و اقامت کہہ لے تو بہتر ہے، اس لیے کہا ہے کہ یہ اللہ کا ذکر ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کوئی مومن جن اس کو سن کر نماز پر آمادہ ہو جائے۔ اذان و اقامت نماز کے وقت کے اندر ہی کہی جا سکتی ہے[1]

۳۱۷۔ عورتوں کے لیے نماز باجماعت میں شرکت فرض نہیں

خواتین کے لیے نماز باجماعت میں شرکت فرض نہیں۔ اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ عورت ایک یا زیادہ آدمیوں کی امام نہیں بن سکتی۔ اور یہ بات بھی متفق علیہ ہے۔ نص میں وارد ہوا ہے کہ عورت اگر مرد کے آگے سے گزرے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر متعلقہ باب میں اس کا تذکرہ کریں گے۔ مزید برآں آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام ڈھال ہوتا ہے (جیسا کہ گزرا) نیز آپؐ نے حکم دیا کہ عورت آدمی کے پیچھے کھڑی ہو۔ اگر مقتدی دو ہوں تو امام آگے کھڑا ہو اور اگر مقتدی ایک ہو تو امام اس کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہو۔ مناسب جگہ پر اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت یقیناً ایک یا زیادہ آدمیوں کی امام نہیں بن سکتی۔

۳۱۸۔ اگر عورت نماز باجماعت میں شرکت کرے تو بہتر ہے

اگر عورت مردوں کی نماز باجماعت میں شرکت کرے تو بہتر ہے۔ اس لیے کہ خواتین حضورؐ کی موجودگی میں نماز باجماعت میں شرکت کیا کرتی تھیں اور آپؐ کو یہ بات معلوم تھی۔

۳۱۹۔ عورت کی امامت

اگر عورتیں کسی عورت کی اقتداء میں باجماعت نماز پڑھیں تو اچھا ہے کیونکہ کسی نص سے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ نیز اس لیے کہ ایک عورت دوسری

---

[1] اکیلے کے لیے بھی اذان و اقامت مسنون ہے۔ دیکھو سنن نسائی باب الاذان لمن یصلی وحدہٗ، وباب الاقامۃ لمن یصلی وحدہٗ۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عورت کی نماز کو قطع نہیں کرتی۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "عورتوں کی سب سے افضل صف آخری ہے"[1]۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از میسرہ بن حبیب النہدی ابو خازم از ریطہ الحنفیہ، روایت کیا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی فرضی نماز کی امامت کی[2]۔

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از زیاد بن لاحق[3]، از تمیمہ بنت سلمہ از اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ انہوں نے عورتوں کو مغرب کی نماز امام بن کر پڑھائی۔ ان کے درمیان کھڑی ہوئیں اور بلند آواز سے پڑھا۔

نیز ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سُفیان ثوری، از عمار الدُّہنی، از حُجَیرہ بنت حُصَین روایت کیا ہے کہ اُمّ المومنین سَلمہ رضی اللہ عنہا نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں[4]۔

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۹۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۵۳ بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔

[2] دارقطنی، ص ۱۵۵ بطریق سفیان۔ شارح دارقطنی نے اس حدیث کی نسبت مُصنّف عبدالرزاق (۳: ۱۴۱) کی جانب کی ہے۔ امام نوَوی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] ایک نسخہ میں زیاد بن اَحوص ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں صحیح کونسا ہے۔ مجھے زیاد اور تمیمہ بنت سلمہ کا ترجمہ کہیں نہیں ملا تاکہ اس ضمن میں بحث وتمحیص سے کام لیا جاتے۔

[4] ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۶ از سفیان۔ دارقطنی (ص ۱۵۵) نے اس کو بطریق عبدالرحمٰن از سفیان روایت کیا ہے۔ شارح دارقطنی کہتے ہیں "اس کو ابن ابی شیبہ (۲: ۸۸) اور عبدالرزاق (۳: ۱۴۰) نے اپنے اپنے مُصنّف میں روایت کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کو مُسند میں روایت کیا ہے تینوں اصحاب کہتے ہیں کہ ہم نے سُفیان بن عُیَینہ سے روایت کی، انہوں نے عمار الدُّہنی سے (تا آخر) امام نوَوی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن سعد اور دارقطنی نے یہ نہیں بتایا کہ سُفیان سے سفیان ثوری مراد ہے یا سفیان بن عُیَینہ؟ یہ دونوں عمار الدُّہنی سے روایت کرتے ہیں۔ بظاہر سفیان بن عُیَینہ ہی مراد ہے۔ اس لیے کہ ابنِ سعد کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حجرؒ نے التلخیص (ص ۱۲۸) میں تصریح کی ہے کہ عبدالرزاق اور دارقطنی کی اسناد میں سُفیان بن عُیَینہ مراد ہوتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزمؒ نے اس کو سفیان ثوری سمجھ کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے (مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۱۴۰ میں عن الثوری ہے)۔ یہ بات اس کی موید ہے کہ مسند شافعی مطبوعہ برحاشیہ کتاب الاُم، ج ۶، ص ۸۲ پر مرقوم ہے "ہمیں ابنِ عُیَینہ نے بتایا"۔ (ہو سکتا ہے کہ اس کو ثوری ابن عُیَینہ دونوں نے روایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ، از ام الحسن بن ابی الحسن یعنی خیرہ (جو کہ ثقہ راویہ ہے) روایت کیا ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ماہِ رمضان میں ان کی امامت کیا کرتی تھیں۔ وہ عورتوں کے ساتھ ان کے درمیان کھڑا ہوتی تھیں[1]۔

عبدالرزاق از ابن جریج از یحییٰ بن سعید انصاری روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو نوافل پڑھایا کرتی تھیں۔ وہ صف میں ان کے درمیان کھڑی ہوا کرتی تھیں[2]۔ (عبدالرزاق ۳ : ۱۴۱)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از ابراہیم بن محمد، از داؤد بن حصین، از عکرمہ، از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ عورت نفلی نماز میں عورتوں کی امام بنے اور ان کے درمیان کھڑی ہو۔ (۳ : ۱۴۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنی ایک لونڈی کو رمضان کی راتوں میں عورتوں کی امامت کروانے کا حکم دیا کرتے تھے۔

ہم نے تابعین سے بطریق ابن جریج، از عطاء، از ابن مجاہد، از مجاہد، از سفیان ثوری، از ابراہیم نخعی و شعبی روایت کیا ہے نیز از وکیع، از ربیع، از حسن بصری بھی روایت کی ہے۔ ان سب تابعین کے نزدیک عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے۔ وہ اُن کے درمیان کھڑی ہوگی۔ عطاء، مجاہد اور حسن بصری کہتے ہیں کہ عورت فرضی اور نفلی دونوں قسم کی نمازیں پڑھا سکتی ہے۔ دیگر تابعین نے بھی اس سے منع نہیں کیا۔ قتادہ، اَوزاعی، سفیان ثوری، اسحاق، ابو ثور اور جمہور اصحاب الحدیث کا یہی موقف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ بن حنبل، داؤد اور ان کے اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔

کیا ہو، بلکہ حق بھی یہی ہے کیونکہ عبدالرزاق نے عن الثوری کہا اور ابن ابی شیبہ نے "حدثنا سفیان بن عیینۃ" کہا ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

[1] شارح دارقطنی (ص ۱۵۵) نے اس اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ سے بطریق علی بن مسہر، از سعید، از قتادہ روایت کیا ہے (مصنف ۲ : ۸۸)

[2] حاکم نے المستدرک، ج ۱، ص ۲۰۳ - ۲۰۴ میں بطریق لیث از عطاء - از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ اذان کہتیں، تکبیر کہتیں اور عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ وہ (امامت کے دوران) ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بخلاف ازیں سلیمان بن یسار اور مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ عورت عورتوں کو فرض یا نفلی نماز امام بن کر نہیں پڑھا سکتی۔ یہ ایسا قول ہے کہ اس کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ بات صحابہ کی ایک جماعت کے خلاف ہے جن کی مخالفت کرنے والا صحابہ میں اور کوئی معلوم نہیں۔ یہ لوگ بھی صحابہ کی ہمنوائی کا دم بھرتے ہیں بشرطیکہ ان کی تقلید سے ہم آہنگ ہو۔

مزید برآں عورت کی امامت حضورؐ کے اس ارشادِ گرامی میں شامل ہے کہ "جماعت کے ساتھ ادا کی ہوئی نماز تنہا آدمی کی نماز پر ستائیس ۲۷ درجہ فضیلت رکھتی ہے"۔

اگر معترض کہے کہ پھر تم نے عورت کی امامت کو فرض کیوں نہ قرار دیا؟ خصوصاً جبکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کروائے"۔ ہم کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو عورت کے لیے جائز ہوتا کہ وہ مردوں کی امامت کرے۔ حالانکہ یہ محالات میں سے ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کی مخاطب وہ عورتیں نہیں ہو سکتیں جن کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو۔ اس لیے کہ عربی زبان کے اعتبار سے یہ غلط ہے۔ (کیونکہ اس ارشاد میں مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے "اکبرکم" فرمایا گیا ہے) اور یہ امر ممنوع اور محال ہے کہ حضورؐ عربیّت کی غلطی کے مرتکب ہوں۔

۳۲۰۔ عورتوں کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں

عورتوں کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں اگر اذان و اقامت کہہ لیں تو افضل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے اذان کا حکم ان لوگوں کو دیا جن پر نماز باجماعت میں شرکت کرنا فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا "چاہیے کہ تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور جو بڑا ہو وہ امامت کرے"۔ (حوالہ گذر چکا) ظاہر ہے کہ عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں۔ تاہم چونکہ اذان و اقامت ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہیں، اس لیے اگر بروقت ان کو ادا کیا جائے تو یہ عمدہ فعل ہے۔ چنانچہ ہم نے بطریق ابن جُریج از عطاء نقل کیا ہے کہ عورت اپنے آپ کے لیے اقامت کہہ سکتی ہے۔ طاؤس کہتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اذان و اقامت کہا کرتی تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۲۳)

۳۲۱۔ عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنا جائز نہیں

عورت کے ولی اور لونڈی کے آقا کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کو مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت میں شرکت کرنے سے روکے۔ بشرطیکہ یہ بات معلوم ہو کہ ان کا مقصد صرف نماز میں شرکت کرنا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُن کے لیے جائز نہیں کہ خوشبو لگا کر یا اچھے کپڑے پہن کر مسجد کو جائیں۔ اگر ایسا کریں تو ان کو منع کیا جائے۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اُن کے لیے تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے

۴۶۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن عبداللہ بن نُمیر، از والدِ خود و عبداللہ بن ادریس، ہر دو از عبیداللہ بن عمرؓ، از نافع از عبداللہ بن عمرؓ] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔" (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۰)

۴۶۶۔ [بدیں سند تا مُسلم از حرملہ بن یحیٰی، از ابنِ وہب، از یونس بن یزید، از ابن شہاب، از سالم بن عبداللہ بن عمر از عبداللہ بن عمرؓ] وہ کہتے ہیں مَیں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ "اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو، جب وہ تم سے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں۔" یہ سُن کر اُن کے بیٹے بلال نے کہا واللہ ہم ان کو ضرور روکیں گے۔ عبداللہ بن عمرؓ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور اس کو بہت بُری گالی دی ایسی گالی دیتے مَیں نے انہیں کبھی نہیں سنا تھا۔ فرمانے لگے مَیں تجھے حضورؐ کی حدیث سُنا رہا ہوں اور تم کہتے ہو اللہ کی قسم ہم ضرور روکیں گے۔ (صحیح مُسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۳۰)

۴۶۷۔ [بدیں سند تا مسلم، از ابو کُریب، از ابو معاویہ، از اعمش، از مجاہد از ابن عمرؓ] کہتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں جانے سے مت روکو۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

۴۶۸۔ ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از محمد بن وضاح، از حامد بن یحییٰ البلخی، از سفیان بن عُیَینہ، از محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص، از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔ وہ اس حال میں (گھر سے) نکلیں جب مَیلی کُچیلی ہوں۔"

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث میں "التفلة" کے لفظ سے بدبُودار اور میلا کُچیلا ہونا مراد ہے۔[1]

[1] ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۲۲۔ شوکانی (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۶۰) نے اس حدیث کو مسند احمد کی طرف منسوب کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۶۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از یحییٰ بن سعید القطان، از محمد بن عجلان، از بکیر بن عبداللہ بن اشج، از بسر بن سعید، از زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے] وہ کہتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔" (مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الزینۃ)

۴۷۰۔ ہم نے بطریق [مالک از یحییٰ بن سعید، از عمرہ بنت عبدالرحمٰن] ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہوتے تو عورتیں چادریں لپیٹے گھروں کو لوٹ جاتیں۔ تاریکی کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۷۱۔ ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن جسور، از محمد بن عبداللہ بن ابی دلیم، از ابن وضاح، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از حسین بن علی جعفی، از زائدہ، از عبداللہ بن محمد بن عقیل] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمیوں کی سب سے بہتر صف اگلی اور بدترین صف پچھلی ہے۔ عورتوں کی بدترین صف اگلی اور سب سے افضل صف پچھلی ہے۔ اے گروہ خواتین! جب مرد سجدہ ریز ہوں تو نگاہیں نیچی کر لیا کرو اور تہبند کے تنگ ہونے کی وجہ سے ان کی شرم گاہوں کو دیکھا نہ کرو[۱]۔"

۴۷۲۔ ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از ابو معمر عبداللہ بن عمرو، از عبدالوارث بن سعید التنوری، از ایوب سختیانی، از نافع] از عبداللہ بن عمرؓ روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ہم یہ دروازہ عورتوں کے لیے چھوڑ دیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ تاحیات اس دروازے سے

---

[۱] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کو احمد نے مسند، ج ۳، ص ۲۹۳ میں بروایت عبدالصمد، از زائدہ، از عبداللہ بن محمد بن عقیل ذکر کیا ہے۔ یہ سند صحیح ہے۔ مجھے جابرؓ کی روایت کردہ حدیث محلّٰی اور مسند احمد کے سوا دوسری کسی کتاب میں نہیں ملی (ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ، باب ۹۱ میں بھی روایت کیا ہے)۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ (۱: ۲۷۹)، مسلم (ج ۱، ص ۱۲۹)، اور ابوداؤد (ج ۱، ص ۲۵۲) نے اس حدیث کو بروایت ابوہریرہؓ مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں دارمی، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(مسجد میں) داخل نہ ہوتے " (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۷)

۳۷۳۔ [بدیں سند تا ابی داؤد، از قتیبہ، از بکر بن مضر، از عمرو بن الحارث، از بکیر بن اشج، از نافع] انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ باب النساء کے راستہ (مسجد نبوی میں) داخل ہونے سے منع کیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۷)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر عورتوں کی نماز گھر میں افضل ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایسی مشقت اٹھانے کی اجازت نہ دیتے جو عبث ہوتی جس سے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچتا یا جس سے ان کے مرتبہ میں کمی واقع ہوتی۔ اس کو ہمدردی نہیں کہتے۔ حالانکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "ہمدردی کا دوسرا نام اسلام ہے" حضورؐ کا دامن اس سے پاک ہے۔ آپ اپنی امت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔ اندریں صورت آپ صحابہ پر اس بات کو فرض نہ ٹھہراتے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے مت روکیں۔ اور نہ ہی اس بات کا حکم دیتے کہ میلے کچیلے کپڑے زیب تن کرکے مسجد کو جایا کریں۔ اور کم از کم یہ بات ہے کہ اس امر کو استحباب پر مبنی قرار دیا جاتے۔

بخلاف ازیں امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ عورت کی نماز گھر میں افضل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کا نماز باجماعت کے لیے گھر سے نکلنا نیز جمعہ اور عیدین میں شرکت کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے البتہ بوڑھی عورتیں عشا اور فجر کی نماز باجماعت میں شرکت کر سکتی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ عیدین میں ان کا شرکت کرنا مکروہ نہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں ہم عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہیں روکتے۔ بوڑھی عورتیں عیدین کی نماز اور استسقاء میں شرکت کر سکتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جوان عورت کبھی کبھی مسجد میں جایا کرے۔ بوڑھی عورت مسجد میں جا سکتی ہے مگر زیادہ آمد و رفت سے احتراز کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جو لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کو ہم نے

۳۷۴۔ [بطریق سفیان، از یحییٰ بن سعید، از عمرہ] از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی ان حرکات کو دیکھ لیتے جو آپؐ کے بعد ان سے صادر ہوتی ہیں تو ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو مسجد میں جانے سے اُسی طرح روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ (بخاری، مسلم، ابو داود کتاب الصلوٰۃ)

۴۷۵۔ ہمارے مخالفین اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جس کو [عبد الحمید بن المنذر انصاری اپنی پھوپھی یا دادی اُمِ حُمید] سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری نماز تمہارے گھر میں اُس نماز سے افضل ہے جو تم میرے ساتھ ادا کرو"[1]

---

[1] ابن الاثیر نے اُسد الغابہ (ج ۵، ص ۵۸۷) میں بروایت ابن ابی عاصم، از ابو بکر بن ابی شیبہ، از زید بن الحُباب، از عبد الحمید بن المنذر بن ابی حُمید الساعدی، از والد اُو از جدّہٖ اُو اُمِ حُمید نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہمارے خاوند ہمیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہیں" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری نماز تمہارے گھروں میں تمہارے حجروں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور حُجرہ میں نماز پڑھنا تمہارے لیے حویلی میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور تمہارا حویلی میں نماز ادا کرنا نماز با جماعت سے افضل ہے"۔

حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ (ج ۸، ص ۲۲۶) میں اس حدیث کا ذکر کیا اور اسی سند کے ساتھ اس کو بقی بن مَخلد کی جانب منسوب کیا ہے اس میں "تقی" کا لفظ ہے مگر صحیح ترتیقی بالباء ہے۔ امام احمد نے مسند (ج ۶، ص ۳۷۱) میں اس حدیث کو بطریق ہارون، از عبد اللہ بن وہب، از داؤد بن قیس، از عبد اللہ بن سُوید انصاری روایت کیا ہے۔ عبد اللہ اپنی پھوپھی اُمِ حُمید سے روایت کرتے ہیں جو ابو حُمید الساعدی کی بیوی ہے، کہ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! میں آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے معلوم ہے کہ تم میری اقتدا میں نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہو، مگر تمہارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا حُجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور تمہارا حجرہ میں نماز ادا کرنا حویلی میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ اور تمہارا اپنی حویلی میں نماز ادا کرنا اپنی قوم کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے اور تمہارا اپنی قوم کی مسجد میں نماز ادا کرنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے"۔ راوی کہتا ہے کہ اُمِ حُمید کے کہنے سے گھر کے ایک دُور افتادہ اور تاریک کونے میں مسجد بنائی گئی اور وہ تاحیات اسی میں نماز ادا کرتی رہیں۔ (ابن خزیمہ نے اپنی صحیح جلد ۳، ص ۹۵ و موارد الظمآن، ص ۱۰۲ میں بھی اسی سند سے روایت کیا ہے)۔

ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب ج ۲، ص ۷۹۱ میں اس حدیث کو بطریق ہارون بن معروف، از ابن وہب روایت کیا ہے۔ وہاں "ابن وُہَیب" لکھا ہے جو غلط ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں اس حدیث کو بدیں سند ابن ابی خیثمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۷۶۔ ہمارے مخالفین اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن رجاء غدانی، از جریر بن حازم، از ابو زرعہ بن عمرو بن جریر] روایت کیا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز ادا کرنا اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے اجر و ثواب کے اعتبار سے افضل ہے۔ اور اپنے گھر میں نماز پڑھنا اپنی حویلی میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور اپنی حویلی میں نماز ادا کرنا اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اور اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھے جہاں باجماعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور جماعت والی مسجد میں نماز ادا کرنا اس بات سے افضل ہے کہ وہ روزِ عید نماز ادا کرنے کے لیے گھر سے نکلے۔" (ابو ہریرہؓ کی روایت کسی کتاب میں نہیں ملی البتہ حضرت عائشہؓ سے یہی روایت سنن بیہقی ۳، ص ۱۳۲

اسناد صحیح ہے۔ داؤد بن قیس ثقہ راوی اور حافظ حدیث ہے۔ عبداللہ بن سُوید انصاری صحابی ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سُوید دو آدمیوں کا نام ہے۔ ان میں سے ایک صحابی ہے اور دوسرا تابعی۔ یہاں جس کا ذکر آیا ہے وہ تابعی ہے۔ اس کی پھوپھی کا نام اُمّ حُمید ہے۔ بہرکیف وہ ثقہ راوی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ امام شوکانیؒ نے نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۶۱ میں حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔ حاکم نے المستدرک ج ۱ ص ۲۰۹ میں جو حدیث بطریق یزید بن ہارون، از عوام بن حوشب، از حبیب بن ابی ثابت، از ابن عمرؓ ذکر کی ہے وہ اس کی مؤید ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو۔ اور ان کے گھر ان کے لیے افضل ہیں۔" حاکم کہتے ہیں یہ حدیث بخاری و مسلم کے شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ بخاری و مسلم عوام بن حوشب کی مرویات سے استناد کرتے ہیں۔ حبیب کا سماع ابن عمرؓ سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم میں یہ اضافہ کہ "ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں" موجود نہیں۔ الذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ پھر حاکم نے اس حدیث کا ایک شاہد مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "عورتوں کی بہترین مسجد ان کا گھر ہے۔" یہ شاہد بطریق درّاج ابوالسمح از سائب از اُمّ سلمہ منقول ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے۔ (اس کی شاہد عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جو ابو داؤد کے حوالہ سے صاحب مشکوٰۃ نے باب الجماعۃ و فضلہا کی الفصل الثانی میں روایت کیا ہے وہ بھی ہے دیکھو مشکاۃ جلد ثانی ص ۳۳۴۔ حدیث ۱۰۶۳، مع تخریج البانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں مختصراً ہے)۔

ہمارے بعض مخالفین کہتے ہیں کہ نمازِ عید کے لیے گھر سے باہر جانے کا حکم عورتوں کو دشمن کو ڈرانے کے لیے دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان دیکھنے والوں کو زیادہ معلوم ہوں۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ بات سفید جھوٹ اور عظیم جسارت ہے جو بلا دلیل و علم کہی گئی ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے خود عورتوں کے گھروں سے نکلنے کی وجہ یہ بیان فرماتی ہے کہ نیکی کے کام اور مسلمانوں کی دعا میں شرکت کریں، اور حائضہ عورتیں جائے نماز سے الگ رہیں حیف ہے اس شخص پر جو رسولِ کریمؐ کی بات کو جھٹلا کر اپنی مرضی سے ایک جھوٹ بنا کر پیش کرتا ہے۔ مزید براں یہ قول دروغ بے فروغ ہونے کے علاوہ نہایت رکیک اور احمقانہ بھی ہے۔ اس لیے کہ آپ کے سامنے کوئی لشکر نہ تھا جسے ڈرانا دھمکانا مقصود تھا ظاہر ہے کہ آپ کے اعداء و خصوم منافقین اور یہودِ مدینہ تھے جن کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ عورتیں ہیں۔ پھر یہ مغالطہ کس قدر حیرت افزا ہے۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث چند وجوہ کی بنا پر قابلِ احتجاج نہیں :۔

ا پہلی بات یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وہ زمانہ نہیں پایا جس میں عورتوں سے غلط کاریاں سرزد ہوتیں۔ اس لیے آپؐ نے ان کو منع نہ فرمایا جب آپؐ نے منع نہیں کیا تو ان کو منع کرنا بدعت اور مبنی بر خطا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا :

یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ۔ (الاحزاب - ۳۰)	" اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی ظاہر بے حیائی کا ارتکاب کرے اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔

مگر ازواجِ مطہرات نے نہ کبھی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور نہ ہی انہیں دوگنا عذاب دیا گیا ۔۔۔ والحمد للہ

قرآن کریم میں فرمایا :

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (الاعراف - ۹۶)	" اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چونکہ وہ ایمان نہ لاتے اس لیے ان پر برکتوں کے دروازے نہ کھولے گئے۔ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ احمقانہ احتجاج اور کوئی نہیں کہ کوئی شخص اس آدمی کے قول سے احتجاج کرے جو کہتا ہو "اگر اس طرح کیا جاتا تو یوں ہوتا" یعنی یہ فرض کر لیا جاتے کہ اگر فلاں بات اس طرح ہوئی تو یوں ہو گا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آگے چل کر عورتیں کیا کریں گی۔ جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اس کے باوجود آپؐ پر عورتوں کو روکنے کا حکم بذریعہ وحی نازل نہ ہوا۔ اور نہ ہی اللہ نے یہ وحی نازل کی کہ لوگوں کو بتا دیجیے کہ جب عورتیں یوں کریں تو ان کو مسجد میں جانے سے روک دیا جائے اور جب اللہ نے اس طرح نہیں کیا تو ایسے قول کے ساتھ احتجاج عبث اور مبنی بر خطا ہے۔

۳۔ ہمیں نہیں معلوم کہ عورتوں نے اب کیا کیا جو عہدِ رسالت میں نہیں کرتی تھیں؟ آخر زنا سے بڑھ کر کیا چیز ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ عہدِ رسالت میں عورتوں نے اس کا ارتکاب کیا۔ اس جرم میں ان کو سنگسار کیا گیا اور کوڑے مارے گئے۔ تاہم آپؐ نے ان کو مسجد میں آنے سے نہ روکا۔ ظاہر ہے کہ مردوں کے لیے زنا اسی طرح حرام ہے جس طرح عورتوں کے لیے۔ دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ زنا کی بنا پر عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا جاتے اور مردوں کو اس کی اجازت دی جاتے۔ یہ ایسی علت ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہرگز پسند نہیں کیا۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جرم کا ظہور بلا شبہ بعض عورتوں سے ہو گا۔ اور یہ بات محال ہے کہ مجرم کی وجہ سے غیر مجرم کو بھی نیک کام کرنے سے روک دیا جاتے۔ اِلّا یہ کہ رسولِ کریمؐ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کوئی نص اُمت تک پہنچے تو لا محالہ اسے سنا جاتے گا اور اس کی اطاعت کی جاتے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (فاطر۔ ۱۸) "جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔"

۵۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ارتکابِ جرم مساجد سے روکنے کا موجب ہے تو بہتر یہ ہے کہ عورتوں کو بازار اور عام راستوں پر چلنے سے بھی روکا جاتے پس اس کی کیا وجہ ہے کہ (مفروضہ) ارتکابِ جرم کی بنا پر عورتوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مساجد سے تو روک دیا جائے مگر دیگر راستوں سے نہیں؟ خصوصاً جب کہ امام ابوحنیفہؒ نے عورت کو تنہا سفر کرنے کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ عورت جنگلوں اور صحراؤں میں اڑھائی شب و روز پر مشتمل سفر انجام دے سکتی ہے۔ اس کو وہ مکروہ نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس استدلال کی حیثیت ایک مغالطہ سے زیادہ نہیں ہے۔

۶۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بنا پر عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہیں روکا، اور نہ انہوں نے یہ بات کہی کہ عورتوں کے کرتوتوں کی بنا پر ان کو مسجد میں جانے سے روک دو۔ انہوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ اگر رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم زندہ رہتے تو ان کو منع کر دیتے۔ اور یہی ہماری دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر حضورؐ ان کو روک دیتے تو ہم بھی ان کو منع کرتے۔ جب آپؐ نے منع نہیں فرمایا تو ہم بھی نہیں روک سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے مخالفین نے سُنّتِ نبوی اور حضرت عائشہؓ کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا۔ نیز انہوں نے اپنے مقلدین کو اس وہم میں مبتلا کر کے جھوٹ بولا کہ حضرت عائشہؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔ حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا ــــــ نعوذ باللہ من الخذلان۔

باقی رہی عبدالحمید بن مُنذِر کی روایت کردہ حدیث، تو اس کی سند میں عبدالحمید مجہول راوی ہے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مجہول راوی کی روایت کی بنا پر ثقہ راویوں کی متواتر مرویّات کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری حدیث میں عبداللہ بن رجاء الغُدانی کثیر الخطاء راوی ہونے کی بنا پر حُجّت نہیں ہے۔ عمرو بن علی الفلّاس اور دیگر محدّثین نے اس پر یہی تنقید کی ہے۔

اگر بفرضِ محال عبدالحمید اور عبداللہ بن رجاء کی مرویّات کو ان کے ضعیف راوی ہونے کے باوجود صحیح تصور کر لیا جائے تو وہ سابقاً ذکر کردہ احادیث کے معارض ہوں گی۔ جن میں حضورؐ نے روزِ عید عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ پردہ دار اور حائضہ عورتوں کو بھی فرمایا کہ وہ نمازِ عید کا مشاہدہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا جس عورت کے پاس چادر نہ ہو وہ کسی سے چادر مستعار لے لے۔

۷۔ ہمارے مخالفین نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از محمد بن المثنیٰ، از عمرو بن عاصم الکلابی، از ہمام بن یحییٰ، از قتادہ، از مُوَرِّق العجلی، از ابوالاحوص، از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ] روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"عورت کی نماز اس کے گھر میں حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور اس کی نماز اس کی مسجد میں گھر کی نماز سے بہتر ہے"[1]

ابن حزم کہتے ہیں اس سے محلہ کی مسجد مراد ہے نہ کہ کچھ اور۔ اس لیے کہ اگر آپؐ کی مراد اس سے گھر کی مسجد ہوتی تو گویا آپؐ نے یوں فرمایا "عورت کی گھر میں نماز گھر میں پڑھی ہوئی نماز سے افضل ہے" اور حضورؐ کا دامن اس بات سے پاک ہے کہ محال بات کہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہوتی تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک حکم منسوخ ہے۔

یا تو آپؐ کا یہ فرمان کہ "عورت کی نماز اس کی مسجد میں گھر کی نماز سے افضل ہے" نیز حضورؐ کا عورتوں کو مسجد اور عید کے لیے جانے کی ترغیب دلانا منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں فرمایا کہ "عورت کی نماز اس کے گھر میں مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے" اور یا آپؐ کا یہ ارشاد منسوخ ہے کہ "عورت کی نماز اس کے گھر میں مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اس کا مسجد میں نماز ادا کرنا نماز عید کے لیے جانے سے افضل ہے" اور اس کا ناسخ حضورؐ کا یہ فرمان ہے کہ "عورت کی نماز اس کی مسجد میں اس کی گھر والی نماز سے افضل ہے" نیز آپ کا نماز عید کے لیے باہر جانے کی ترغیب دلانا وغیرہ۔

اس میں شبہ نہیں کہ دونوں میں سے ایک حکم ضرور منسوخ ہے۔ ظاہر ہے کہ حتمی طور پر کسی صحیح حدیث کو بلا دلیل منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب ہم نے اس معاملہ پر غور و فکر کیا تو دیکھا کہ مسجد اور عید گاہ کی طرف جانا نماز سے ایک زائد عمل ہے۔ ظاہر ہے کہ بوقت سحر، تاریکی، ازدحام، گرمی کی شدت اور بارش و سردی میں اس مقصد

---

[1] ابن حزم نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے "وصلوتها فی مسجدها" یہ الفاظ درست نہیں ہیں۔ ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۲۳ میں یہ الفاظ ہیں "صلوتها فی مخدعها" (عورت کی نماز اس کی کوٹھڑی میں)۔ شوکانی نے نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۶۱ میں اس حدیث کو ابو داؤد سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حاکم نے المستدرک (ج ۱، ص ۲۰۹) میں اس حدیث کو بطریق عمرو بن عاصم الکلابی روایت کیا، اور بخاری و مسلم کے شرائط کے مطابق اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ محدث الذہبی بھی ان کے ہم نوا ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے باہر نکلنا خاصا دشوار کام ہے۔ اگر اس زائد عمل کی فضیلت کو منسوخ تصور کیا جائے تو دو میں سے ایک صورت کا وجود ضروری ہے۔ تیسری کوئی صورت ممکن نہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عورت کی نماز مسجد یا عید گاہ میں اس کی گھر والی نماز کے مساوی ہو۔ اس طرح یہ زائد عمل بے کار، عبث اور بلا وجہ مشقت کا موجب ہوگا۔ حالانکہ ہمارے مخالفین اس کے قائل نہیں ہیں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد اور عید گاہ میں عورت کی نماز اس کی گھر والی نماز سے کم مرتبہ ہوگی۔ جیسا کہ ہمارے مخالفین کہتے ہیں۔

اس طرح یہ زائد عمل گناہ کا موجب اور اجر و ثواب کو گھٹانے والا ہوگا۔ اس لیے کہ وہی زائد عمل عبادت کے اجر و ثواب کو کم کرسکتا ہے جو حرام ہو، اس کے سوا دوسری کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ یہاں ایسی کوئی صورت موجود نہیں کہ چند مستحب اعمال کو چھوڑ دینے کی وجہ سے نماز کا مرتبہ کم ہوا جس شخص نے اعمالِ مستحبہ کو چھوڑا اگرچہ اس نے گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا، مگر اس نے چند نیک اعمال کو ضرور ترک کیا ہے۔

مگر جس شخص نے حالتِ نماز میں تکلیف کے ساتھ ایک عمل کو انجام دے کر اپنے اجر و ثواب کو ضائع کر لیا لامحالہ وہ حرام کام ہی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ مکروہ عمل کو انجام دینے سے نہ تو گناہ لازم آتا ہے اور نہ ہی احباطِ عمل کا خطرہ دامن گیر ہے۔ بلکہ اس میں اجر و ثواب اور گناہ دونوں معدوم ہوتے ہیں۔ گناہ محض حرام کے ارتکاب سے لازم آتا ہے۔

روئے زمین کے تمام اہلِ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا، حتیٰ کہ عازمِ فردوس ہوئے۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی عورتوں کو اس سے منع نہیں کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ عمل منسوخ نہیں۔ جب یہ بات درست ہے تو ثابت ہوا کہ یہ نیکی کا کام ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ اسے باقی نہ رہنے دیتے اور نہ اس بات کی اجازت دیتے کہ عورتیں بلا وجہ اس کا تکلف کر کے اپنے اجر و ثواب کو کم کریں۔ ظاہر ہے کہ اس تنگی اور تکلیف کو ہمدردی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ عمل ناسخ ہے اور دوسرا منسوخ۔ اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ ان دونوں حدیثوں کی صحت ثابت ہو جاتے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سُفیان ثوری، از ہشام بن عُروہ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو حکم دیا تھا کہ ماہِ رمضان میں مسجد کے پچھلے حصہ میں عورتوں کی امامت کریں[1]۔

(عبدالرزاق ۴ : ۱۵۱)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از معمر، از زہری روایت کیا ہے کہ عاتکہ بنتِ زید بن عمرو بن نُفیل حضرت عمرؓ کی بیوی تھیں۔ یہ مسجد میں نماز کے لیے جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ انہیں کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگیں، واللہ! میں اس وقت تک اس سے باز نہیں رہوں گی جب تک آپ مجھے اس سے روک نہیں دیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا" میں تجھے منع نہیں کروں گا" جس روز حضرت عمرؓ کو (مسجد میں) زخمی کیا گیا اس روز عاتکہ مسجد میں موجود تھیں[2]۔ (عبدالرزاق ۲ : ۱۴۸)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو اگر یہ بات معلوم ہوتی کہ مسجد میں جانے سے کچھ اجر نہیں ملتا بلکہ اس سے اجر و ثواب میں کمی آجاتی ہے اور اعمال برباد ہو جاتے ہیں تو لازماً اپنی بیوی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیتے۔ حضرت عمرؓ نے جو اپنی بیوی کو یہ بات کہی کہ" میں اسے پسند نہیں کرتا" تو مخالفین کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ نفسانی رُجحان و میلان میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ اگر اللہ کا خوف نہ ہو تو ہر مُسلم رمضان میں کھانے کو پسند کرتا ہے۔ اگر پیاس لگی ہو تو مشروبات سے پیاس بجھانے کا خواہاں ہوتا ہے۔ چھوٹی راتوں میں جب صبح کے وقت ٹھنڈک ہوتی ہے تو نماز کے لیے راتوں کو اٹھنا

---

[1] طبقات ابن سعد (ج ۵، ص ۱۶ - ۱۷) بروایت یزید بن ہارون، از سفیان، از ہشام بن عروہ از والدِ او۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مگر یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے وہ منقطع ہے۔

[2] یہ حدیث مُرسل ہے۔ اس لیے کہ زُہری نے حضرت عُمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ اس کو ابن سعد نے طبقات (ج ۸، ص ۱۹۵) میں اسی مفہوم کے ساتھ بطریق واقدی، از معمر، از زہری، از حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف روایت کیا ہے۔ یہ موصول روایت ہے۔ واقدی ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ (ج ۸، ص ۱۲۷) میں اس حدیث کو بروایت ابن مندہ، بطریق ابن ابی الزناد، از موسیٰ بن عقبہ، از سالم روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ آدمی جب خوبصورت عورت کو دیکھتا ہے تو اس سے مجامعت کرنے کا آرزو مند ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک ممنوع چیز سے محبت رکھتا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ اس سے اپنے دل کو ہٹانے پر قادر نہیں ہے۔ انسان کا اصل امتحان اس چیز سے رک جانے یا اس پر عمل پیرا ہونے میں ہے قرآن کریم میں فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ	"جنگ کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر ناگوار ہے
أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ	ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے
أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔	لیے بہتر ہو۔ اور ایک چیز کو تم پسند کرو حالانکہ
(البقرہ - ۲۱۶)	وہ تمہارے لیے بری ہو۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از محمد بن عمارہ، از عمرو ثقفی، از عرفجہ، روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قیام رمضان کا حکم دیا کرتے تھے۔ آپ آدمیوں کے لیے بھی امام مقرر کرتے اور عورتوں کے لیے بھی۔ چنانچہ آپ نے مجھے حکم دیا اور میں نے عورتوں کی امامت کی (عبدالرزاق ۴ : ۱۵۲)

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ جوان اور دوسری عورتوں کا حکم یکساں ہے ۔۔۔۔ وباللہ التوفیق

۳۲۲۔ نوافل کے لیے اذان و اقامت نہ کہی جائے

کسی نفلی نماز کے لیے اذان و اقامت نہ کہی جائے مثلاً عیدین کی نماز، استسقاء اور کسوف کی نماز اور دیگر نوافل۔ اگرچہ یہ نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کی جائیں۔ فرض کفایہ مثلاً نماز جنازہ کے لیے بھی اذان و اقامت کہنا جائز نہیں۔ لوگوں کو ان سے آگاہ کرنا مستحب ہے مثلاً پکارا جائے کہ "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ البتہ بنو امیہ نے عیدین کے لیے اذان و اقامت کی بدعت ایجاد کی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ان نمازوں کے لیے اذان و اقامت کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ ہم آگے چل کر اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے ۔۔۔۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اذان و اقامت میں نماز کی طرف آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف فرائض متعینہ میں واجب ہے۔ لہٰذا نوافل میں اذان و اقامت لازم نہیں۔ لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے کا مقصد نیکی کی ترغیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

و تنبیہ ہے اور رسولِ کریمؐ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ چنانچہ مناسب موقع پر ہم اس کا تذکرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

۳۲۳۔ مسلم اور عاقل و بالغ شخص اذان و اقامت کہے

اور اذان و اقامت صرف وہ شخص کہے جو مسلم ہونے کے علاوہ عاقل و بالغ بھی ہو اور ان کے الفاظ کو حسب استطاعت ادا کر سکے۔ جو اذان دیتے وقت نشہ وغیرہ کی وجہ سے ہوش و حواس سے محروم ہو وہ اذان نہ کہے۔ اگر بالغ شخص اذان کہہ چکا ہو تو اس کے بعد نابالغ اذان کہہ سکتا ہے۔ ایک فاسق آدمی کی اذان کفایت کرتی ہے مگر عدل ہمیں عزیز تر ہے۔ بلند آواز آدمی کی اذان افضل ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اذان دینے کے لیے مردوں کے ساتھ عورتوں کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ رسول کریمؐ کا ارشادِ گرامی ہے: "چاہیے کہ تم میں سے ایک آدمی اذان کہے اور جو عمر میں بڑا ہو یا قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو وہ امامت کرواتے"

(یہ سلمہ جرمی والی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو پہلے گزر چکی ہے)

اس حدیث میں آپؐ نے ان لوگوں کو اذان دینے کا حکم دیا جو نماز باجماعت کے پابند ہیں اور وہ صرف مرد ہیں نہ کہ عورتیں۔ جیسا کہ قبل ازیں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بچہ، پاگل اور نشہ میں مخمور شخص ان حالات میں شرعی احکام کے مکلف و مخاطب نہیں ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی بچہ، پاگل اور سویا ہوا" (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم عن عائشہؓ و علیؓ و عمرؓ)

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، اذان مامور بہ ہے۔ لہٰذا یہ اسی شخص سے کفایت کرتی ہے جو اس کا مخاطب ہو اور وہ مامور بہ کو ادائیگی کی نیت کے ساتھ ادا کرتا ہو۔ اور جو چیز فرض نہ ہو وہ فرض سے کفایت نہیں کرتی۔

اگر سوال کیا جائے کہ تم اس بات کو جائز سمجھتے ہو کہ ایک شخص ایک مسجد میں اذان دے، اور پھر اسی نماز کے لیے اذان دوسری مسجد میں بھی کہے۔ حالانکہ یہ اس کے لیے نفل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ یہ اذان اس کے لیے نفل کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں شبہ نہیں کہ وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کو اذان واقامت اور نماز باجماعت کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا وہ ان تمام حالات میں فرض کی ادائیگی کرنے والا ہے۔ جب (اذان کہہ کر) وہ فرض ادا کر چکا تو اذان ایک نیک کام ہے جس سے بچے کو بھی روکا نہیں جا سکتا۔ (لہٰذا اس کے دوبارہ کہنے میں کچھ مضایقہ نہیں) اس لیے کہ وہ نفلی عبادت اور ایک نیک کام کی حیثیت رکھتی ہے۔

کافر اس لیے اذان نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ اور ہم اس امر کے پابند ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص اذان کہے۔ جو شخص دانستہ اذان کے الفاظ صحیح طور پر ادا نہ کرے گویا اس نے اذان کہی ہی نہیں، اور نہ ہی اس نے وہ الفاظ ادا کیے جن کے ادا کرنے کا اسے حکم دیا گیا تھا بایں طور اس نے ہرگز اذان نہیں کہی۔

اگر کوئی شخص زبان میں لکنت یا عیب ہونے کی وجہ سے اذان کے اکثر الفاظ ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کی اذان کافی ہو گی۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔　　　"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا" (البقرہ: ۲۸۶)

یہ شخص اسی حد تک مکلف ہو گا جس کی اس میں قدرت پائی جاتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہاں کوئی صحیح اذان کہنے والا ہو یا نہ ہو۔ البتہ احسن یہ تھا کہ صحیح تلفظ پر قادر شخص اذان کہتا۔

جہاں تک فاسق کا تعلق ہے (اس کی اذان اس لیے کافی ہے کہ) وہ ہم میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ وہ مسلم ہے اور آپ کے اس حکم میں شامل ہے کہ "تم میں سے ایک شخص اذان کہے"۔ اور عادل شخص کے افضل ہونے میں کوئی نزاع نہیں پایا جاتا۔

جہاں تک آواز کے بلند ہونے کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کی دعوت دینا ہے اس لیے لوگوں تک آواز کو پہنچانا افضل ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ "ترجیع کے ساتھ اذان دو اور آواز بلند کرو"[1] ان الفاظ میں آواز بلند کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مؤذن عمداً آواز بلند

[1] ابو محذورہ کی روایت کردہ حدیث کے طرق واسانید مسئلہ ۳۲۱ میں آئیں گے جس سند میں یہ الفاظ مذکور ہیں اس کو ابوداؤد (ج ۱ ص ۱۹۳) نے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کرے تو اس کی اذان درست نہیں۔ اور اگر آواز بلند کرنے میں دشواری پیش آتی ہو تو آواز بلند کرنا لازم نہیں۔ اس لیے کہ قرآن میں فرمایا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ "اللہ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا" (البقرہ: ۲۸۶)

یہ حدیث ہم مع سند ذکر کر چکے ہیں کہ "جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے تاکہ اذان نہ سنے"۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی عن ابی ہریرہ)

پس شیطان کو بھگانے کی کوشش ایک مستحسن عمل ہے — وباللہ التوفیق۔

۴۷۸ — حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جو چیز بھی مؤذن کی اذان سنتی ہے۔ انسان ہو یا جن یا کوئی اور چیز، وہ روزِ قیامت اس کی شہادت دے گی۔

ہم نے اس حدیث کو بطریق [مالک، از عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعہ المازنی، از والدِ خود] از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ وبدء الخلق والمناقب، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ) — وباللہ التوفیق

۳۲۴۔ دو یا دو سے زیادہ آدمی اکٹھے اذان نہ دیں

دو یا دو سے زیادہ آدمی اکٹھے اذان کہیں تو جائز نہیں۔ اگر ایسا ہو تو مؤذن ابتدا کرنے والا ہو گا اور دوسرا گناہگار ہے جسے کچھ اجر نہیں ملے گا۔ اس کے گناہ دُور نہیں ہوں گے۔ اس کو روکنا ضروری ہے۔ اگر دونوں بیک وقت شروع ہوں تو جو زیادہ خوش الحان ہو وہ اذان دے۔ اگر لوگوں کی ایک جماعت یکے بعد دیگرے مغرب یا کسی اور نماز کی اذان کہے تو یہ جائز ہے۔ اگر ان کے یہاں باہم نزاع بپا ہو اور وہ تمام صحتِ تلفظ، آواز، علم و فضل اور نمازوں کے اوقات سے آگاہ ہونے میں مساوی ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جاتے قطع نظر اس سے کہ مسجد کے اطراف و جوانب بڑے ہوں یا چھوٹے۔

۴۷۹ ـ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن مفرج، از سعید بن السکن، از فربری، از بخاری، از عبداللہ بن یوسف، از مالک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔، از سُمی مولی ابی بکر بن عبدالرحمن، از ابوصالح] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان اور صفِ اوّل میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو پھر قرعہ اندازی کے سوا اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہ ہوتا، تو وہ قرعہ اندازی کرتے" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والشہادات، مسلم، ترمذی، نسائی الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اگر یہ بات جائز ہوتی کہ دو یا دو سے زیادہ آدمی بہ یک وقت اذان کہیں تو قرعہ اندازی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اور اگر پہلی صف اس شخص کے لیے مخصوص ہوتی جو جلدی کر کے وہاں پہنچ جاتے تو قرعہ اندازی کا کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ اس لیے کہ جلدی کر کے کوئی شخص بھی وہاں پہنچ سکتا ہے۔ قرعہ اندازی وہاں ہوتی ہے جہاں تنگی ہو اور بعض آدمیوں کی گنجائش ہو اور دوسروں کی نہ ہو۔ جب جنگِ قادسیہ میں مؤذن نے شہادت پائی تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے اذان کے بارے میں جھگڑنے والوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے فیصلہ کیا (فتح الباری ۲: ۷۹، بیہقی ۱: ۴۲۸)۔ اگر دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کی اذان بہ یک وقت جائز ہوتی تو اصحابِ رسولؐ اس امر کے زیادہ حقدار تھے کہ اذان کی فضیلت کو رائگاں نہ جانے دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور معلوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو مؤذن تھے۔

۳۲۵۔ اذان و اقامت بیٹھے، سواری کی حالت میں اور بلا وضو جائز ہے

اذان و اقامت بیٹھ کر، سوار ہو کر، بلا وضوء، حالتِ جنابت میں، اور غیر قبلہ کی جانب رُخ کر کے کفایت کرتی ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ اذان قبلہ رُو کھڑے ہو کر اور وضو کر کے کہی جائے۔ امام ابو حنیفہ، سفیان اور امام مالکؒ کا قول بطورِ خاص اذان کے بارے میں یہی ہے۔ ان تمام مسائل میں داؤد ظاہری اور دیگر اہلِ علم بھی اسی کے قائل ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ۱: ۴۶۶ میں ابراہیم نخعی سے مروی ہے، اور فتح الباری ۲: ۸۰، میں بھی)

ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی لوگوں کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔ (الانعام: ۱۱۹)

"اس نے ان چیزوں کی تفصیل بیان کر دی ہے جو تم پر حرام ہیں الا یہ کہ تم ان کے استعمال پر مجبور ہو جاؤ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی حرمت بیان نہیں کی گئی وہ ہمارے لیے مباح ہے۔ ہم نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ اذان واقامت باوضو، قبلہ رُخ کھڑے ہو کر کہی جاتے اس لیے کہ تمام اہلِ اسلام، قدیم ہوں یا جدید اس پر عمل کرتے چلے آتے ہیں۔

۳۲۶۔ اذان و اقامت کہتے وقت سلام کا جواب دینا فرض ہے

جو شخص اذان واقامت کہتے وقت چھینکے اس پر الحمدُ للہ کہنا فرض ہے

اگر کسی چھینکنے والے کو "الحمدُ للہ" کہتا سُنے تو اس کے جواب میں "یرحمك اللہ" کہنا بھی اذان واقامت کہتے وقت اس پر فرض ہے۔ اور اگر اذان واقامت کے دوران اسے سلام کہا جاتے تو اس کا جواب دینا بھی اُس پر فرض ہے۔ اسی طرح ہر قسم کا مباح کلام اذان واقامت کہتے وقت جائز ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا:۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء: ۸۶) "اور جب تمہیں سلام کیا جاتے تو اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو یا اسی کو واپس کر دیا کرو"

اس آیت میں سلام کا جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی حالت کی تخصیص نہیں کی۔

۴۸۰۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از موسیٰ بن اسماعیل، از عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ، از عبداللہ بن دینار، از ابوصالح] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی چھینکے تو وہ "الحمدُ للہ علیٰ کلِّ حالٍ" کہے۔ اور اس کا ساتھی "یرحمك اللہ" کہے پھر چھینکنے والا "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" کہے (بخاری ابوداؤد کتاب الادب، نسائی عمل الیوم واللیلۃ، باب ۸۰)۔

اس ضمن میں جو نصوص وارد ہوتی ہیں ان میں اذان واقامت کہتے کی حالت کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ مزید براں نفسِ اذان کے دوران کلام کی ممانعت کسی نص سے ثابت نہیں۔ ہمارے علم کی حد تک مانعین کے یہاں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اگر ہمارے مخالفین یہ کہیں کہ ہم اذان کو نماز پر قیاس کرتے ہیں (اس لیے گفتگو کی اجازت نہیں دیتے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ تم بلا وضو اذان کہنے کو جائز قرار دیتے ہو، تو پھر تمہارا نماز پر قیاس کہاں گیا؟

۴۸۱ - ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبد الرزاق، از سفیان ثوری، از عون بن ابی جحیفہ، از والد او] روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت بلالؓ کو اذان دیتے دیکھا وہ گھومتے تھے۔ اپنے منہ کو ادھر اُدھر پھیرتے۔ اس دوران ان کی دونوں انگلیاں اُن کے کانوں میں تھیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ قبہ میں تشریف فرما تھے۔[1]

۴۸۲ - ہم نے بطریق [وکیع، از محمد بن طلحہ، از جامع بن شداد، از موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید الخطمی] از سلیمان بن صُرد روایت کیا ہے جو رسولِ کریمؐ کے صحابی تھے۔ سلیمان لشکر میں اذان کہا کرتے تھے۔ اذان دیتے وقت وہ اپنے غلام سے ضرورت کی چیز طلب کر لیا کرتے تھے۔[2]

وکیع، ربیع بن صبیح سے اور وہ حسن بصری سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک اذان دیتے وقت ضروری بات کی اجازت ہے۔ (عبد الرزاق ۱: ۴۶۹، وابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۲)

اسی طرح وکیع، سفیان ثوری سے، وہ نُسیر بن ذُعلوق سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمرؓ کو اپنے اونٹ پر اذان دیتے دیکھا ہے۔ (عبد الرزاق ۱: ۴۷۰، ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۳)

---

[1] اس حدیث کو امام احمد نے مُسند (ج ۴، ص ۳۰۸) میں عبد الرزاق سے روایت کیا ہے۔ اس کو ترمذی (ج ۱، ص ۱۴۱) نے بطریق محمود بن غیلان از عبد الرزاق روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دارمی (ص ۱۴۱) نے اس کو بروایت محمد بن یوسف، از سفیان نیز بسند دیگر نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ثوری کی روایت صحیح تر ہے۔ اس حدیث پر نقد و تبصرہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: بیہقی، ج ۱، ۳۹۵-۳۹۶۔ نیل الاوطار، ج ۲، ص ۲۸ تا ۳۱۔ (عبد الرزاق ۱: ۴۶۷)۔

[2] بیہقی (ج ۱، ص ۳۹۸) نے اس حدیث کو بطریق عبد اللہ بن رجا، از محمد بن طلحہ روایت کیا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۲۷۔ اذان کی اُجرت جائز نہیں

اذان کی اُجرت لینا جائز نہیں۔ اگر اُجرت لیے بغیر اذان نہ کہے تو اس کی اذان جائز نہیں، اور نہ اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

البتہ اپنی خوشی سے اگر مؤذن کو کچھ دیا جائے تو جائز ہے۔ اسی طرح امام کو بھی اپنی خوشی سے دینا جائز ہے۔

۴۸۳۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن الجسور، از محمد بن عبداللہ بن ابی دلیم از ابن وضاح، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از حفص بن غیاث، از اشعث بن عبدالملک الحمرانی، از حسن، از عثمان بن ابی العاص] روایت کیا ہے کہ آخری عہد جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے لیا یہ تھا کہ "میں ایسا مؤذن مقرر کروں جو اپنی اذان کی اُجرت نہ لے"[1]

امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں اذان کی اُجرت لینے میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ بات خلافِ نص ہے۔

اس کی دلیل وہ اثر بھی ہے جس کو ہم نے بطریق وکیع، از ابوعمیس عتبہ بن عبداللہ مسعودی، از قاسم بن عبدالرحمن بن عبداللہ[2] بن مسعودؓ روایت کیا ہے کہ چار چیزیں ہیں جن کی اُجرت نہیں لی جاتی یعنی اذان۔ قراءتِ قرآن۔

---

[1] ترمذی ج ۱، ص ۴۴، بروایت عنبر از حسن۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ مسند احمد ج ۴، ص ۲۱، ۲۱۶۔ ابوداؤد ج ۱، ص ۲۰۹۔ نسائی ج ۱، ص ۱۰۹۔ حاکم، ج ۱، ص ۱۹۹۔ بیہقی ج ۱، ص ۴۲۹۔ یہ تمام محدثین بطریق سعید الجریری، از ابوالعلاء، از مطرف بن عبداللہ، از عثمان بن ابی العاص روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اپنی قوم کا امام مقرر کیجیے۔ فرمایا آپ اُن کے امام ہیں ضعیف ترین آدمی کا خیال رکھیے اور ایسا مؤذن مقرر کیجیے جو اپنی اذان کی اُجرت نہ لے۔ یہ اسناد نہایت صحیح ہے۔ اس حدیث کو مسلم (ج ۱، ص ۱۳۵) نے بھی مختصراً روایت کیا ہے۔ ابن سعد نے ج ۷، ق ۲، ص ۲۷ میں مطول روایت کیا ہے یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے، جیسا کہ حاکم نے کہا۔ ونیز ابن ماجہ نے اسے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے۔

[2] میرے خیال میں یہ غلط ہے اور صحیح از قاسم بن عبدالرحمن از عبداللہ بن مسعودؓ ہے۔ اس اثر کو شوکانی نے نیل الاوطار ج ۲، ص ۴۴ پر ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ شوکانی نے یہ بات ابن سیدالناس کی شرح الترمذی سے اخذ کی ہے۔ بہرحال یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقاسم[1] - قضا -

ہم نے بطریق عبد الرزاق، از جعفر بن سلیمان الضبعی، از یحییٰ البکاء روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا ابن عمرؓ ایک شخص کو کہہ رہے ہیں میں اللہ کے لیے تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔ پھر اپنے رفقاء سے کہا یہ اذان دیتے ہوئے گاتا ہے اور اس کی اُجرت لیتا ہے[2]۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ - (البقرة - ۱۸۸)

"اور اپنے مال آپس میں ناروا طریقے سے مت کھاؤ۔ مگر یہ کہ تجارت ہو جو تمہاری رضامندی سے انجام پائے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں"۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی عن جابرؓ)

اللہ تعالیٰ نے لین دین کے بغیر مال کا کھانا حرام ٹھہرایا۔ بایں طور ہر مال حرام ہے بجز اس مال کے جس کو کسی نص یا قطعی اجماع نے مباح ٹھہرایا ہو۔ لہٰذا اگر اذان کی اُجرت لینے کی نہی نہ بھی وارد ہوتی تو یہ اُجرت مذکورہ

اثر کسی طرح بھی حجت نہیں۔ خواہ یہ قاسم کا قول ہو یا عبداللہ بن مسعودؓ کا قاسم کا سماع اپنے دادا عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں جب قاسم ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں تو وہ مرسل ہوتی ہے۔

[1] محلی اور نیل الاوطار میں یہ لفظ "مقاسم" لکھا ہے ممکن ہے یہ لفظ مغانم ہو مگر یہ اثر مجھے دوسری کسی کتاب میں نہیں ملا۔ تاکہ میں ایک لفظ کو دوسرے پر ترجیح دوں۔

[2] طحاوی (ج ۲، ص ۲۷۰) بطریق حماد بن سلمہ از یحییٰ البکاء۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ایک شخص نے ابن عمرؓ سے کہا میں اللہ کے لیے تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ ابن عمرؓ نے کہا مگر میں اللہ کے لیے تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔ اس لیے کہ تم اذان کی اُجرت لیتے ہو"۔ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (ج ۲، ص ۴۴) میں اس کو ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ۱: ۴۸۱) میں یہ روایت مطول ہے۔ ابن حزمؒ نے حسب ضرورت مختصراً ذکر کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلائل کی بنا پر حرام ہوتی ــــــ وباللہ التوفیق۔

اس مسئلہ میں صحابہ میں سے کوئی بھی ابن عمرؓ کا مخالف نہ تھا۔ مقلدین کی حالت تو یہ ہے کہ جو بات ان کی تقلید سے ہم آہنگ ہو وہ اس کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ اگر نیکی کے جذبہ سے مؤذن کو کچھ دیا جائے تو وہ فضل و احسان ہے جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔ (البقرہ ۔ ۲۳۷) "اور آپس میں احسان کرنا مت بھولو"

۳۲۸۔ اذان سن کر مسجد سے چلے جانا جائز نہیں

جو شخص مسجد میں ہو اور اذان سنے اُسے مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ الایہ کہ وہ بے وضو ہو، یا اسے کوئی ضرورت درپیش ہو۔

۴۸۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع۔ از محمد بن معاویہ۔ از احمد بن شعیب۔ از احمد بن عثمان بن حکیم۔ از جعفر بن عوف۔ از ابو عمیس۔ از جامع بن شداد ابو صخرہ۔ از ابوالشعثاء] روایت کیا ہے۔ اذان دیئے جانے کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو ابوہریرہؓ نے کہا "اس شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے" (مسلم۔ ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ الصلوٰۃ)

۴۸۵۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمن بن عبداللہ بن خالد۔ از ابراہیم بن احمد۔ از الفربری۔ از بخاری۔ از اسحاق۔ از محمد بن یوسف۔ از اوزاعی۔ از زہری۔ از ابوسلمہ بن عبدالرحمن] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ تکبیر کہی گئی اور لوگوں نے اپنی صفیں برابر کر لیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (امامت کے لیے) آگے بڑھے اس وقت آپ حالتِ جنابت میں تھے۔ آپ نے فرمایا اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ آپ نے جا کر غسل کیا پھر نکلے تو سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (بخاری، مسلم، نسائی الصلوٰۃ۔ ابوداؤد الطہارۃ والصلوٰۃ)

قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔ (الانعام ۔ ۱۱۹)

"جن چیزوں کو تم پر حرام کیا ہے ان کی تفصیل بیان کر دی، بجز اس چیز کے جس کے لیے تم مجبور ہو جاؤ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۲۹۔ موذن کے علاوہ دوسرا آدمی اقامت کہہ سکتا ہے

موذن کے علاوہ دوسرا آدمی تکبیر کہے تو جائز ہے اس لیے کہ اس سے نہی کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ صرف یہ اثر روایت کیا گیا ہے کہ "وہی شخص اقامت کہے جس نے اذان کہی ہے"۔ یہ اثر بروایت عبدالرحمٰن بن زیاد بن اَنعُم منقول ہے اور وہ ضعیف راوی ہے[1]۔

۳۳۰۔ اذان سننے والا اس کے کلمات کو دہرائے

جو شخص اذان سنے وہ اسی طرح کہے جس طرح موذن کہتا ہے۔ آغازِ اذان سے لے کر آخر تک۔ خواہ فرضی نماز پڑھ رہا ہو یا نفل یا سرے سے نماز پڑھ ہی نہ رہا ہو۔ البتہ نماز پڑھتے ہوتے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح نہ کہے۔ جب نماز مکمل کرے تو یہ کلمات ادا کرے۔

۴۸۶۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن سلمہ مُرادی، از عبداللہ بن وہب، از حیوۃ و سعید بن ابی ایوب، از کعب بن علقمہ، از عبدالرحمٰن بن جُبَیر، از] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم موذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درُود بھیجو۔ اس لیے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درُود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ طلب کرو۔ یہ جنّت میں ایک جگہ کا نام ہے اور اللہ کے بندوں میں سے کسی بندے کے لائق ہے۔ اور مَیں امید کرتا ہُوں کہ مَیں ہی وہ بندہ ہوں۔ جو شخص میرے لیے وسیلہ طلب کرے گا وہ میری شفاعت کا سزاوار ہو گا"۔ (مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، ترمذی المناقب، نسائی الصلوٰۃ و عمل الیوم واللیلۃ)

---

[1] عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم ضعیف نہیں بلکہ ثقہ راوی ہے۔ ترمذی (ج ۱ ص ۴۲) نے امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس کی توثیق کرتے تھے۔ یہ طویل حدیث ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ احمد نے مسند میں اس کی وسعت کے باوجود اس حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ البتہ المزی نے اس حدیث کو بالتفصیل روایت کیا ہے۔ تہذیب التہذیب کے طابع نے اس حدیث کو اُس کے حاشیہ (ج ۳، ص ۲۵۹) پر نقل کیا ہے۔ اس کی سند پر نقد و تبصرہ کے لیے ملاحظہ کیجیے (نیل الاوطار، ج ۲، ص ۴۱)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۴۸۷۔ ہم نے اس حدیث کو بروایت مالک، از زہری، از عطاء بن یزید لیثی، از ابوسعید خدری بھی نقل کیا ہے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حالتِ نماز یا غیر نماز کی تخصیص نہیں فرمائی۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ نماز کی حالت میں "حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح" نہ کہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کلمات کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی دعوت دی گئی ہے۔ حالانکہ اذان وصلوٰۃ دونوں ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہیں۔ (لہٰذا یہ دعوت نماز میں موزوں نہیں)

۴۸۸۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوھّاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از ابوبکر بن شیبہ، از ابن علیہ یعنی اسماعیل بن ابراہیم، از حجاج الصوّاف، از یحیٰی بن ابی کثیر، از ہلال بن ابی میمونہ، از عطاء بن یسار، از معاویہ بن الحکم] روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا (تا آخر) اس حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس نماز میں لوگوں جیسی گفتگو جائز نہیں۔ نماز تو تسبیح و تکبیر اور قراءتِ قرآن کا نام ہے یا جیسے حضورؐ نے فرمایا" اگر اذان کا سُننے والا "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کے عوض لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کہے تو بہتر ہے" (مسلم کتاب الصلوٰۃ والطب، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ والایمان والنذور، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۸۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از مجاہد بن موسیٰ، از حجاج، از ابن جُریج، از عمرو بن یحیٰی، از عیسیٰ بن عمر، از عبداللہ بن علقمہ بن وقاص) از والدِ خود روایت کیا ہے کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ جب اُن کے موذّن نے اذان دی تو حضرت معاویہؓ بھی وہی کلمات دُہراتے گئے۔ جب موذّن نے حیّ علی الصلوٰۃ کہا تو انہوں نے لاحول ولا قوّۃ الا باللہ کہا۔ جب موذّن نے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہا تو پھر انہوں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا پھر کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے سُنا ہے[1]"

---

[1] صحیح بخاری (ج ۱، ص ۲۵۲) بخاری نے اس کی سند کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اسے مختصراً روایت کیا ہے۔ نیز بیہقی (ج ۱، ص ۴۰۹) نے اس حدیث کو بروایت عمر بن الخطاب مرفوعاً روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم (ج ۱، ص ۱۱۳)، ابوداؤد (ج ۱، ص ۲۰۷)، نسائی (ج ۱، ص ۱۰۹)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۳۱- طریقِ اذان

اہلِ مکّہ کی اذان: اذان کا طریق معروف ہے۔ اہلِ مکّہ کا طریقِ اذان ہمیں عزیز تر ہے۔ جو کہ یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار مرتبہ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ پھر آواز کو بلند کر کے (یعنی ترجیع کے ساتھ) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اہلِ مدینہ کی اذان: اہلِ مدینہ کی اذان بھی اسی طرح ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ اذان کے شروع میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ صرف دو مرتبہ کہے۔

اہلِ کُوفہ کی اذان: کوفہ والوں کی اذان اہلِ مکّہ کی طرح ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ وہ "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، صرف دو دو مرتبہ کہتے ہیں۔

اگر مؤذن اہلِ مکّہ یا اہلِ مدینہ کی طرح اذان کہے تو بہتر ہے۔ اگر صبح کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ کرے تو افضل ہے۔

ہم نے اہلِ مکّہ کی اذان کو اس لیے ترجیح دی ہے، کہ اس میں ذکرِ الٰہی کا اضافہ ہے جو اہلِ مدینہ و کوفہ کی اذان میں موجود نہیں۔ اہلِ مکّہ کی اذان میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیز اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے کلمات کو "ترجیع" کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ اس میں زائد نیکی ہے جس کو بنظرِ حقارت نہیں دیکھا جا سکتا کم از کم اس سے ساٹھ نیکیاں ملتی ہیں۔

۴۹۰- ہم نے اس حدیث کو متعدد طُرق سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک طریق یہ ہے کہ ہم نے بروایت (حمام، از عباس بن اَصبغ۔ از محمد بن عبد الملک بن ایمن، از محمد بن سلیمان المنقری البصری، از حفص بن عمر الحوضی، از ہمام بن یحییٰ، از عامر بن عبد الواحد الاحول۔ از مکحول شامی، از ابن مُحَیرِیز، از ابو محذورہ رضی اللہ عنہ) نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان کے اُنیس ۱۹ کلمات سکھائے اور اقامت کے سترہ ۱۷۔ پھر انہوں نے اذان کا ایک ایک حرف ذکر کیا۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۹۱۔ مزید برآں ہم نے بطریق [عبداللہ بن یحییٰ، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از ابراہیم بن الحسن و یوسف بن سعید، از حجاج، از ابن جریج، از عبدالعزیز بن عبدالملک بن ابی محذورہ، از ابن محیریز پروردہ ابو محذورہؓ] روایت کیا ہے کہ میں نے ابو محذورہؓ سے کہا میں ملک شام کی طرف جا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھ سے تمہاری اذان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ لہٰذا مجھے بتا دیجیے۔ ابو محذورہؓ نے بتایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھائی تھی۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا۔[1]

ایسے متعدد آثار نقل کیے گئے ہیں جن میں اذان اہل مدینہ و کوفہ کے الفاظ مذکور ہیں۔ مگر سابق الذکر آثار میں تربیع و ترجیع (چار چار دفعہ کلمات کہنا اور پست آواز سے کہہ کر پھر آواز بلند کرنا) کا اثبات ہوتا ہے جن میں ایک اضافہ پایا جاتا ہے۔ اور عادل راوی کے اضافہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس بات کا اختیار دیا گیا ہو کہ ان میں سے جونسی اذان چاہے اختیار کرے تو بھی اضافہ پر مشتمل حدیث پر عمل کرنا افضل ہے۔ اس لیے کہ اس میں زیادہ ذکر اور نیکی پائی جاتی ہے۔

۴۹۲۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از سفیان ثوری، از عمران بن مسلم، از سوید بن غفلہ] روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن کو کہلایا کہ تثویب (اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ) صرف فجر کی اذان میں کہی جائے۔ جب تم حیّ علی الفلاح پر پہنچو تو کہو: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ یہ حضرت بلالؓ کی اذان ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۰۸)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ سوید بن غفلہؒ اکابر تابعین میں سے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے چھ یا اس کے لگ بھگ راتوں کے بعد مدینہ آئے اور جو صحابہؓ اس وقت بقید حیات تھے ان سے ملے۔

۴۹۳۔ [بدیں سند تا وکیع از سفیان ثوری، از ابو جعفر مؤذن، از ابو سلیمان، از ابو محذورہؓ] روایت کیا ہے کہ کہ فجر کی اذان میں جب وہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچتے تو کہتے: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوۃُ

---

[1] نسائی ج ۱ ص ۱۰۳ مطولاً۔ ابن حزم نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے الام (ج ۱ ص ۷۳) میں اس کو بالتفصیل بروایت مسلم بن خالد از ابن جریج نقل کیا ہے۔ دارقطنی (۸۶) اور بیہقی (ج ۱ ص ۳۹۳) نے اس کو بروایت شافعیؒ ذکر کیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں حضرت بلالؓ نے رسُولِ کریمؐ کی وفات کے بعد صرف ایک مرتبہ اذان کہی تھی۔ اور یہ ملکِ شام میں ظہر یا عصر کی نماز کا واقعہ ہے۔ اس میں آپ نے اذان کے کلمات کو جوڑا جوڑا نہیں بنایا تھا۔[2]

اِقامت اِقامت کے کلمات مندرجۂ ذیل ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

۴۹۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری، از بخاری، از سلیمان بن حرب، از حمّاد بن زید، از سماک بن عطیہ، از ایوب سختیانی، از ابو قلابہ] از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ بلالؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ اذان کے کلمات جوڑا جوڑا اور تکبیر کے کلمات ایک ایک کہا کریں، ماسوا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے کہ اس کو دو مرتبہ کہا جاتے۔ (بخاری الصلٰوۃ والانبیاء، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلٰوۃ، بیہقی ۱: ۴۱۲ بطرق)

۴۹۵۔ ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از معمر، از ایوب سختیانی، از ابو قلابہ] از انس روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بلال تکبیر کے کلمات ایک ایک اور اذان کے جوڑا جوڑا کہتے۔ ماسوا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے، کہ یہ الفاظ دو مرتبہ کہتے۔ (عبدالرزاق ۱: ۴۶۴)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم یہ بات قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں اور اس پر تمام اہلِ علم متفق ہیں کہ حضرت بلالؓ نے رسُولِ کریمؐ کی وفات کے بعد صرف ایک مرتبہ ملکِ شام میں اذان کہی اور وہ بھی مکمل نہ کر پاتے۔ اس طرح یہ حدیث مرفوع

---

[1] بیہقیؒ نے اس کو بلا سند بطریق سفیان، از ابو جعفر، از ابو سلیمان، از ابو محذورہ روایت کیا ہے۔ (بیہقی، ج ۱، ص ۴۲۲)

[2] یہ بات صحیح تر ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالت کے بعد صرف ایک مرتبہ اذان کہی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے خلافتِ صدیقی میں اذان کہی تھی۔ (بیہقی ج ۱، ص ۴۱۹-۴۲۰) نصب الرایہ (ج ۱، ص ۲۶۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

او رصحیح الاسناد ٹھہری۔ اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ بلالؓ کو حکم دینے والے رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بذاتِ خود تھے نہ کہ کوئی اور شخص۔

حنفیہ: حنفیہ کہتے ہیں کہ اقامت دو دو کلمات پر مشتمل ہے۔ پھر اس کی توضیح میں اُن کے یہاں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ زُفر امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر چار مرتبہ اذان و اقامت کے شروع میں کہے۔ احناف آج تک اسی روایت پر عمل پیرا ہیں۔

ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اذان و اقامت کے شروع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر صرف دو مرتبہ کہا جائے۔ ابو یوسف کی روایت کے مطابق اذان کے بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے ہمارے علم کی حد تک اقامت کے شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی۔ اور اگر یہ کلمات اللہ کے ذکر پر مشتمل نہ ہوتے تو چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے سے تکبیر اور اس کے ساتھ پڑھی گئی نماز کا ابطال لازم آتا۔ اقامت میں یہ اضافہ اسی طرح ہے جیسے اُس میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے کلمات کو شامل کر لیا جائے۔ یا اس قسم کے دیگر کلمات شامل کیے جائیں جن کے ساتھ اقامت کا کچھ تعلق نہیں۔

مالکیہ: مالکیہ کہتے ہیں کہ اقامت کے الفاظ ایک ایک کلمہ پر مشتمل ہیں بجز اللہ اکبر، اللہ اکبر کے کہ ان کو دو مرتبہ کہا جائے "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" بھی صرف ایک مرتبہ کہا جائے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں مکہ، مدینہ اور کوفہ میں جو اذان کہی جاتی تھی سب لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے رسولِ کریمؐ پر اذان کا نزول ہُوا اُس وقت سے لے کر حضورؐ کے آخری صحابی انس بن مالک کی وفات تک، اہلِ اسلام پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں مسلمان اپنی مساجد میں کم از کم پانچ مرتبہ اذان نہ کہتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی

لہ اصل نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے "ابوداؤد نے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک بروایت معاذ بن جبلؓ اور دوسری بطریقِ ابن محیریز از ابومحذورہؓ۔ دونوں کے یہ الفاظ ہیں کہ اقامت میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہا جائے۔ مگر حضرت معاذؓ سے مروی حدیث کی سند میں عبداللہ بن زید مسعودی ہے اور دوسری روایت میں مکحول ہے۔ دیکھیے دونوں احادیث در ابوداؤد (ج ا ص ۱۹۱-۱۹۲-۱۹۷-۱۹۸)۔ (جب یہ حدیث صحیح ہی نہیں تو پھر اس سے استدلال کس طرح جائز ہوگا)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیز کو نہ تو فراموش کیا جا سکتا ہے نہ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عہد رسالت میں ان تمام طریقوں کے مطابق اذان کہی جاتی تھی۔ مکہ میں جو اذان کہی جاتی تھی رسولِ اکرمؐ ایام حج میں اسے سُنا کرتے تھے۔ پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم یہ اذان سُنتے رہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو باقی ماندہ صحابہ میں سے تھے مکہ میں نوسال مقیم رہے۔ اُن سے پیشتر مدینہ اور کوفہ میں بعض صحابہ بطور عامل کے سکونت گزین رہے۔ لہٰذا یہ بات باطل اور محال ہے جس کا اُن کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اہل مکہ نے اذان کو تبدیل کر دیا تھا۔ یہ خلفاء راشدین اس امر سے بخوبی آگاہ و آشنا تھے، وہ مسندِ خلافت پر متمکن بھی تھے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے اس ضمن میں کچھ بھی نہ کیا۔ یہ وہ بات ہے جس کا ایک مسلم تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بات مکہ میں ممکن ہے تو اس کا امکان مدینہ میں بھی ہے اور دونوں میں کوئی فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح کوفہ فتح ہوا اور صحابہ جوق در جوق اس میں بود و باش رکھنے لگے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کے عمال یکے بعد دیگرے اس میں سکونت گزیں ہوتے۔ مثلاً ابو موسیٰ اشعری، ابن مسعود، عمار، مغیرہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ جو صحابہ کوفہ سے باہر تھے وہ اپنے سفر کے دوران روز پانچ مرتبہ اذان کہتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے کوفہ کو آباد کیا اور اس میں اقامت گزیں ہوتے۔ یہ امر باطل اور محال ہے کہ ان اکابر صحابہؓ کے ہوتے ہوتے اذان کو تبدیل کر دیا گیا مگر حضرت عمرؓ و عثمانؓ کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔ یا ان میں سے کسی کو معلوم تھا مگر انہوں نے اسے جوں کا توں رہنے دیا۔

بعد ازاں حضرت علیؓ نے کوفہ کو اپنا مسکن بنایا اور تا حیات وہاں مقیم رہے۔ اس سے قبل اپنے عمال کو مکہ و مدینہ میں تعینات کیا۔ ان کے بعد حضرت حسن سریر آرائے خلافت ہوئے حتیٰ کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ یہ بات محال ہے کہ اذان کو تبدیل کر دیا جاتے اور حضرت علی و حسن رضی اللہ عنہما خاموش تماشائی بنے رہیں۔ اگر حضرت علیؓ اس مداہنت کا ارتکاب کر سکتے ہیں تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کیوں اس کے مرتکب نہیں ہو سکتے؛ ظاہر ہے کہ ان کا دامن اس سے پاک ہے۔ اور کوئی مسلم ان سب کے بارے میں یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر مخالفین کہیں کہ مکہ اور کوفہ کی اذان کو سب لوگوں نے نقل نہیں کیا۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ مدینہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی اذان کو بھی سب لوگوں نے نقل نہیں کیا۔ تو دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اگر وہ اس ضمن میں کسی محال بات کا دعویٰ کریں تو ان کے خلاف بھی ایسا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔

اگر کہیں کہ مکہ اور کوفہ والوں کی اذان تو چند آدمیوں سے منقول ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اہلِ مدینہ کی اذان کے ناقل صرف تین آدمی ہیں یعنی امام مالکؒ، ابن الماجشون، اور ابن ابی ذِئب۔ پھر ان لوگوں کے اصحاب و تلامذہ نے ان سے نقل کر کے اسے لوگوں تک پہنچایا۔

اگر مخالفین کہیں کہ اذان کے دو دو کلمات کہنے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ مَعمر نے ایوب سَختیانی سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابنِ عمرؓ سے اذان کے تین تین کلمات نقل کیے ہیں[1]۔ ابنِ جُریج نے نافع سے اور انہوں نے ابنِ عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ اقامت کے دو دو کلمات کہا کرتے تھے (عبدالرزاق ۱: ۴۶۳)

اس سے مالکیہ کا موقف یقینی طور پر باطل ٹھہرتا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اذان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کو سب لوگوں نے رسولِ کریمؐ سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا یقینی طور پر ثابت ہوا کہ اہلِ مکہ و مدینہ کی اذان کے دلائل تقریباً یکساں ہیں۔ اسی طرح اہلِ کوفہ کی اذان کا بھی یہی حال ہے۔ رسولِ کریمؐ سے منقول ہونے کے سلسلہ میں ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔

اگر مخالفین کہیں کہ اذان کو صحابہؓ نے نہیں بلکہ بعد میں آنے والوں نے تبدیل کیا ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اگر مکہ و کوفہ کے تابعین کے بارے میں اس بات کو درست تسلیم کیا جائے تو تابعین مدینہ کے بارے میں یہ بات جائز تر ہے۔ اس لیے کہ مدینہ کے تابعین میں کوئی بھی علقمہ، اسود، سُوید بن غفلہ، رحیل[2]، مسروق، نُباتہ، اور سلمان بن ربیعہ وغیرہم جیسا نہ تھا۔ یہ تمام تابعین حضرت عمرؓ کی زندگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مدینہ

---

[1] یہ نہایت غریب روایت ہے۔ بیہقی (ج ۱، ص ۴۲۴) نے اسی طرح کی ایک حدیث بطریق مالک از نافع از ابن عمر نقل کی ہے۔

[2] (رحیل سے مراد رحیل بن زہیر بن خیثمہ ہے یہ کوفی ہیں یہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اسی دن مدینہ منورہ تشریف لائے، اور ابوبکرؓ کے مہمان بنے ان سے احادیث مروی نہیں لیکن اجلہ تابعین سے ہیں۔ اور یہاں غالباً یہی مراد ہیں (الجرح والتعدیل ۲: ۵۱۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

کے تابعین میں سے کوئی بھی طاؤس، عطاء اور مجاہد سے بڑھ کر نہ تھا۔ اور اللہ کی پناہ کہ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ بدگمانی کی جائے کہ وہ ارکانِ دین کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔

اگر ہمارے مخالفین اذان کی تبدیلی کا الزام تبع تابعین پر عائد کریں تو جو بات سفیان ثوری و ابن جُریج کے بارے میں جائز ہے وہ امام مالکؒ کے بارے میں بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ امام مالکؒ کو علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے سلسلہ میں ان دونوں پر برتری حاصل نہیں، اللہ کی پناہ کہ ان میں سے کسی پر یہ الزام عائد کیا جائے۔

اگر ہمارے خصوم یہ کہیں کہ والیانِ ریاست نے اذان کو تبدیل کیا تو ہم کہیں گے کہ مکہ، مدینہ اور کوفہ کے وُلاۃ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے لے کر امام ابوحنیفہؒ، سفیان اور امام مالکؒ کے زمانہ تک ملک شام سے مقرر کیے جایا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد انبار اور بغداد سے ان کا تقرر عمل میں آتا تھا، لہٰذا جو الزام مکہ اور کوفہ کے والیانِ ریاست پر قائم کیا جاتا ہے وہ والیانِ مدینہ پر بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان بلاد و دیار کے والی گاہے صالح اشخاص ہوئے اور گاہے فاسق و فاجر مثلاً حجاجؒ[1]، حُبیش بن دُلجہ، طارق اور خالد قسری[2] وغیرہم۔ ان میں سے کوئی آدمی بھی یکسر خیر سے عاری نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے جو بات اہلِ مکہ و کوفہ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے وہ یکساں طور پر اہلِ مدینہ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

اقرب الی القیاس یہ امر ہے کہ مکہ میں اس تبدیلی کا امکان کم ہے۔ اس لیے کہ روئے زمین کے وفد ہر سال مکہ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات لوگوں سے مخفی نہیں رہ سکتی اور نہ کسی نے یہ بات کہی ہے ——— والحمدُ للہ

اگر ہمارے مخالفین روایات کی طرف رجوع کریں تو روایات باہم ملتی جلتی ہیں۔ سوا امام ابوحنیفہؒ کے قول کے جو اقامت کے بارے میں مشہور ہے اور جس کے اثبات میں کوئی روایت موجود نہیں۔

(بقیہ حواشی صفحہ سابق)

سلہ اس سے نُباتہ والبی مراد ہے جو حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مُعلّم تھا۔ ملاحظہ کیجیے ابن حبان و ابوحاتم۔

ٹلہ ان کو سلمان الخیل کہتے تھے۔ اس لیے کہ خلافت فاروقی کے زمانہ میں ان کے پاس بہت سے گھوڑے تھے ایک قول کے مطابق یہ صحابی تھے۔

---

[1] حجاج معروف آدمی تھا حُبیش بن دُلجہ اور طارق بن عمرو کے واقعات کے لیے ملاحظہ فرمائیے (طبری ج ۷، ص ۴، ۸، ۸۵، ۱۹۰، ۱۹۷)

[2] خالد قسری کے واقعات و اخبار کے لیے دیکھیے طبری، الاغانی اور التہذیب۔

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ زیرِ قلم کا مشہور پیمانوں یعنی مُد، صاع اور وسق کے ساتھ کچھ واسطہ نہیں۔ اس لیے کہ جو مُد اور قفیز مدینہ اور کوفہ میں رائج تھے وہ عام طور سے معروف تھے۔ چنانچہ مدینہ میں ہشام کا مُد معروف تھا، نیز وہ مُد رائج تھا جس کا تذکرہ امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ صاع ایک مُد اور دوسرے مُد کے ایک تہائی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اہلِ کوفہ کا حجاجی مُد اور حضرت عمرؓ کا صاع۔ اگر امیر یا کوئی اور حاکم اپنی ضرورت کے لیے کوئی نیا مُد یا صاع ایجاد کرلے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ جہاں تک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع، وسق اور مُد کا تعلق ہے وہ عام لوگوں سے منقول ہو کر عوام تک پہنچا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک ظہار کا کفارہ رائج الوقت مُدِ ہشام کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ مگر ان کے اصحاب نے اُس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ مثلاً اشہب، ابن وہب اور ابن القاسم میں سے ایک کہتا ہے کہ ہشام کا مُد ۱⅔ مد ہوتا ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ پونے دو مُد کا ہوتا ہے۔ دوسرے اہلِ علم کہتے ہیں کہ وہ دو مُد کا ہوتا ہے[1]۔

امام ابوحنیفہؒ کے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ابومحذورہ کی اذان متاخر ہے (لہٰذا وہی صحیح ہے) ہم کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے اور اس کی صحیح ترین سند ہمارے نقطۂ نظر سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ وللہ الحمد۔

اگر حنفیہ کہیں کہ ابومحذورہ کی روایت میں اقامت کے دو دو کلمات مذکور ہیں تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم کلمات کی دُوئی کے منکر نہیں ہیں مگر یہ حکم پہلے تھا جو بعد ازاں باقی نہ رہا۔ آخری حکم ایک ایک کلمہ پر مشتمل ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۴۹۶۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از اعمش، از عمرو بن مُرّہ، از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ) روایت کیا ہے کہ ہمیں اصحابِ رسولؐ نے بتایا کہ عبداللہ بن زید نے اذان سے متعلق خواب دیکھا۔ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کیا۔ فرمایا یہ اذان بلالؓ کو سکھا دو۔ چنانچہ بلال کھڑے ہوئے، اور اذان و اقامت کہی۔ دونوں کے دو دو کلمات

[1] مؤطا ص ۱۲۴۔ شرح الزرقانی (ج ۲، ص ۸۱، ۸۲ نیز ہماری شرح الخراج از یحییٰ بن آدم (نمبر ۴۷۱، ۴۸۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادا کیے۔[1]

ابن حزمؒ کہتے ہیں کوئی راویوں کی یہ اسناد نہایت صحیح ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اقامت میں دو دو کلمات کہنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ حکم آغاز اسلام میں تھا۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے ایک سو بیس[۱۲۰] صحابہ سے اخذ و استفادہ کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ اور بلالؓ کا زمانہ پایا تھا۔ لہٰذا یقینی طور پر ان کے قول کا بطلان واضح ہوا ۔۔۔ و للہ الحمد

لیکن سب سے افضل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم ہے جو آپ نے بلالؓ کو دیا تھا کہ تکبیر ایک ایک کلمہ کر کے کہیں ماسوا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے۔ لہٰذا جو بات صحیح بھی ہو اور زمانہ کے اعتبار سے متأخر بھی، اس پر عمل پیرا ہونا اس امر سے افضل ہے جو اس درجہ کا حامل نہ ہو۔

بعض متأخرین مالکیہ کہتے ہیں کہ "اِلَّا الاقامۃ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اکبر دو مرتبہ کہا جائے حسب معمول یہاں انہوں نے دروغ گوئی کا ارتکاب کیا ہے۔ اللہ اکبر کو اقامت کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ تو لغۃً روا ہے نہ شرعاً۔ مزید برآں دیگر احادیث میں اس بات کی صراحت بھی پائی جاتی ہے کہ اس سے "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" مراد ہے۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بلالؓ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم ان لوگوں نے دیا تھا جو رسول کریمؐ کے بعد تھے یہاں انہوں نے روافض کا شیوہ اختیار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے دین اسلام کو تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بات کہنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ کوئی مسلم اس کی جسارت نہیں کر سکتا۔

اگر حنفیہ کہیں کہ تم نے بطریق حیوٰۃ از اسود روایت کیا ہے کہ بلالؓ دوہری اقامت کہا کرتے تھے۔ ہم کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے۔ مگر حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ بلالؓ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم دیا گیا تھا حضرت انسؓ نے بلاشبہ حضرت بلالؓ کی اذان سنی تھی۔ مگر اسود نے ہرگز بلالؓ کو اذان دیتے اور تکبیر کہتے نہیں سنا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا

---

[1] بیہقی ج ۱، ص ۴۲۱۔ ابن حزم نے اس حدیث کو الاحکام (ج ۶، ص ۷۱) میں ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ ہم نے الاحکام کے حواشی میں اس حدیث کے طرق و اسانید پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور ابن الترکمانی نے ابن حزم سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے، جو اسی جگہ منقول ہے۔ فالحمد للہ علی التوفیق۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اَسود کے قول کے معنی یہ ہیں کہ بلالؓ "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ" کے الفاظ دو دفعہ ادا کرتے تھے۔ اس طرح اَسود کا قول حضرت انسؓ کی روایت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گا۔

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ رسُولِ کریمؐ نے ابومحذورہ کو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ ابومحذورہؓ نے پہلے آہستہ آواز کے ساتھ کہا تھا۔ (دوبارہ آپ نے بلند آواز کے ساتھ کہنے کا حکم دیا) اس لیے نہیں کہ یہ اذان کے اندر شامل ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ رسُولِ کریمؐ پر کھلی ہُوئی افترا پردازی ہے۔ اگر حضورؐ کو معلوم ہوتا کہ یہ ترجیع نفسِ اذان میں شامل نہیں تو ابومحذورہؓ کو اس سے آگاہ کر دیتے۔ اور یُوں نہ ہوتا کہ آغازِ اذان میں ان کو آہستہ کہنے کی اجازت دیتے ظاہر ہے کہ یہ ایک کلمہ نہیں بلکہ چار کلمات ہیں۔ ان میں سے دو چھ چھ کلمات پر مشتمل ہیں۔ اور دو پانچ پانچ کلمات کا مجموعہ ہیں۔ یہ سفید جھوٹ ہے جس کا قائل اپنے آپ کو جہنم کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے کہ رسولِ کریمؐ ابومحذورہؓ کو یہ تمام کلمات آہستہ کہنے کی اجازت دیں، جب کہ آواز کی یہ پستی اذان کے حکم میں شامل نہ ہو۔ اور جب ابومحذورہؓ کو اس کی غلطی پر قائم رہنے دیا تو یہ کہہ کر اس کی گمراہی میں اضافہ کیا کہ ان کلمات کو بلند آواز کے ساتھ دُہرائیں اور اسے یہ نہ بتایا کہ ان کلمات کی تکرار نفسِ اذان میں شامل نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ الفاظ ایک مسلم کی زبان پر کیسے جاری ہو سکتے ہیں، اور اس کا ضمیر اس پر کیوں کر مطمئن ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس ضمن میں مروی بہترین آثار کے اندر یہ صراحت موجود ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک لفظ کر کے یہ اذان ابومحذورہؓ کو سکھائی تھی۔ اور یہ انیس[19] کلمات پر مشتمل تھی۔ اس سے علانیہ ان لوگوں کی دروغ بافی کا پتہ چلتا ہے۔

بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ جو کلمات اذان میں دو دفعہ آتے ہیں، دوسری جگہ پر پہلی جگہ کی نسبت نصف ہیں مثلاً شروع اذان میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔ اور اذان کے آخر میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک مرتبہ کہا جاتا ہے۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کے الفاظ اذان میں متکرر ہوتے ہیں۔ اذان کے آخر میں اللہ اکبر دو دفعہ کہا جاتا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ اذان کے شروع میں یہ چار مرتبہ آئیں۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اگر یہ مغالطہ تمہارے نزدیک درست ہے تو اللہ اکبر اذان کے شروع میں چار مرتبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ بھی چار چار مرتبہ کہنا چاہیے نیز اذان کے اُنہی الفاظ کو دو دو دفعہ کہا جاتے جن کے دو مرتبہ کہنے پر اتفاق ہے۔ اور انہی کلمات کو ایک مرتبہ ادا کیا جائے جن کے ایک مرتبہ کہنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ اور وہ صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ہے۔ اس طرح اذان کے شروع میں تین کلمات چار چار مرتبہ ادا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد تین کلمات ایسے ہیں جن کو دو دو مرتبہ ادا کیا جاتا ہے پھر ساتواں کلمہ جو کہ مفرد ہے وہ ان سب کو وتر (طاق) بنا دے گا۔ یہ عبث گفتگو تمہاری بیہودہ گوئی سے بہتر ہے لہٰذا تمہیں اس کی پابندی کر لینی چاہیے۔

مالکیہ جب مستحاضہ کو مصراۃ پر قیاس کرتے ہیں، نماز میں پھونکنے کو "لَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ" پر، خاوند والی عورت کو اس کے مال کے بارے میں اس مریض پر قیاس کرتے ہیں جس کے مرجانے کا اندیشہ ہو، شادی شدہ عورت کی فرج کو چور کے ہاتھ پر، اور اس قسم کے دیگر قیاساتِ باردہ جن سے بڑھ کر کوئی چیز بھی ادنیٰ اور ضعیف تر نہیں ہو سکتی۔ ان کے مقابلہ میں یہ دونوں قیاس سلیم العقل آدمی کے نزدیک عقل و خرد سے قریب تر ہیں۔ لہٰذا اگر وہ اصحاب قیاس ہیں تو ان کو چاہیے کہ ان کی پابندی کریں، ورنہ ان قیاساتِ رکیکہ و سخیفہ کو خیرباد کہہ دیں۔ یہ بات دینی اعتبار سے بھی ان کے لیے مفید تر ہے اور قرینِ عقل و قیاس بھی ہے ــــــ وباللہ تعالی التوفیق

بعض مالکیہ کا قول ہے کہ چونکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اذان کے آخر میں صرف ایک مرتبہ کہا جاتا ہے لہٰذا پوری تکبیر اکہری ہونی چاہیے۔ بجز ان الفاظ کے جن کے دو مرتبہ کہنے پر اتفاق ہے مثلاً اللہ اکبر اللہ اکبر ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جس بات کا تم نے تذکرہ کیا ہے جب وہ اذان کے کلمات کو ایک مرتبہ ادا کرنے کی دلیل نہیں تو اقامت کے کلمات کو ایک مرتبہ کہنے کی دلیل بھی نہیں ہے۔ مزید براں جب ہمارا اور تمہارا اس بات پر اتفاق ہے کہ تکبیر کے الفاظ کو اقامت میں دُہرایا جاتا ہے تو واجب ہے کہ اقامت کے تمام کلمات کو دُہرایا جائے۔ ماسوا ان کلمات کے جن کو ایک مرتبہ ادا کرنے پر اتفاق ہے یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔ یا یہ کہ جب اذان میں اَللهُ اَكْبَرُ چار مرتبہ کہا جاتا ہے تو واجب ہے کہ تکبیر میں اس کو دو دفعہ ادا کیا جائے۔ اس طرح اذان میں جو کلمات چار مرتبہ کہے جاتے ہیں وہ تکبیر میں دو دفعہ کہے جائیں گے۔ اور آخری کلمہ کو صرف ایک مرتبہ ادا کیا جاتے گا۔ یہ سب کچھ مغالطہ دہی پر مبنی ہے۔ ہم نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ ایک دانشمند آدمی پر قیاس کا فساد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بطلان واضح ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابو اُمامہ بن سہل بن حُنیف سے منقول ہے کہ وہ اذان میں "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" کہا کرتے تھے۔ ہم یہ الفاظ اس لیے نہیں کہتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں۔ اور دین میں حجت صرف آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔ جو شخص اقوالِ صحابہ کو تسلیم کرتا ہے اسے چاہیے کہ اس مسئلہ میں ابن عمرؓ کے قول کو اختیار کرے۔ اس لیے کہ ایسی بات قیاس سے نہیں کہی جا سکتی۔ اور یہ قول ابن عمرؓ سے صحیح ترین سند کے ساتھ ثابت ہے۔[1]

حسن بن حی کہتے ہیں عشاء کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہا جائے۔ (اس طرح کے آثار دوسرے تابعین سے مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۰۹ میں ہے) ہم اس کے قائل نہیں، اس لیے کہ یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

۳۴۲۔ اذان و اقامت کی تقدیم و تاخیر جائز نہیں

اذان و اقامت کو اُلٹا ادا کرنا اور کلمات کی تقدیم و تاخیر روا نہیں۔ جس نے اس طرح کیا اس نے نہ اذان کہی اور نہ اقامت اور نہ ہی اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا کی۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں لوگوں کے مابین چار امور میں نزاع پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

وضو[1]۔ اذان[2]۔ اقامت[3]۔ بیت اللہ کا طواف[4]۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں اس میں اُلٹ پھیر جائز ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں اذان، اقامت اور طواف میں اُلٹ پھیر نا روا ہے۔ امام مالکؒ کا مشہور ترین قول یہ ہے کہ وضو میں اُلٹ پھیر اور عدمِ ترتیب جائز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ان میں سے کسی چیز میں بھی اُلٹ پھیر اور تقدیم و تاخیر جائز نہیں۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بیہقی (ج ۱، ص ۴۲۴، ۴۲۵) بروایتِ ابن عمرؓ و علی بن الحسین۔ بیہقی کہتے ہیں رسولِ کریمؐ نے حضرت بلالؓ اور ابو محذورہؓ کو جو اذان سکھائی تھی اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۵ میں بھی ابن عمرؓ سے حیّ علی خیر العمل کی روایت موجود ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے لوگوں کو اذان سکھائی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کو ذہن سے اختراع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضورؐ نے ان دونوں (بلالؓ و ابومحذورہؓ) کو باترتیب ایک ایک لفظ کر کے اذان سکھائی۔ آپ پہلے الفاظ ادا کرتے، پھر فرماتے کہ پڑھ کر سناؤ۔ آخری کلمات تک آپ نے اسی طرح کیا۔ جب صورت حال یہ ہے تو کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ تقدیم و تاخیر کر کے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرے۔

۳۴۳۔ اَلَاصَلُّوْا فِی الرِّحَالِ کا اضافہ

اگر شدید سردی یا زور کی بارش ہو تو واجب ہے کہ مؤذن حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے بعد کہے "اَلَاصَلُّوْا فِی الرِّحَال" (گھروں میں نماز ادا کیجیے) یہ حکم سفر و حضر دونوں میں یکساں ہے۔

۴۹۶۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از سفیان بن عُیَینہ، از ایوب سَختیانی، از نافع] از ابن عمرؓ روایت کیا ہے کہ انہوں نے ضَجْنان (مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے) کے مقام پر مکہ و مدینہ کے درمیان اذان کہی تو اس میں یہ الفاظ کہے "صَلُّوْا فِی الرِّحَال"۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سردی یا بارش اور آندھی والی رات میں اپنے مؤذن کو کہا کرتے تھے کہ یوں کہے "صَلُّوْا فِی الرِّحَال"۔ (مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ و بخاری من غیر ھذہ الطریق فی الصلوٰۃ، عبدالرزاق ۱: ۴۹۳، بیہقی ۱: ۳۹۸)

۴۹۷۔ نیز ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از ابن ایمن، از بکر بن حماد از مسدد، از حماد بن زید، از ایوب سختیانی و عاصم الاحول و عبدالحمید صاحب الزیادی، یہ تمام عبداللہ بن حارث] سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہم کو ایک بارش والے دن میں خطبہ دیا۔ جب مؤذن "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" تک پہنچا تو اسے "اَلصَّلٰوۃُ فِی الرِّحَال" (نماز گھروں میں پڑھی جاتی گی) کہنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے کہا تم نے اسے عجیب چیز خیال کیا ہے۔ یہ کام تو اس ہستی نے کیا تھا جو مجھ سے کہیں بہتر تھی۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

یہ واجب[1] ہے، ہمارے اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔

[1] اس پر نقد و تبصرہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فتح الباری (ج ۲، ص ۶۶، ۶۷) عینی طبع منیریہ (ج ۵ ص ۱۲۶، ۱۲۸) عون المعبود (ج ۱، ص ۴۰۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۳۴۔ تکبیر اور نماز کے درمیان کلام جائز ہے

تکبیر اور نماز کے درمیان کلام جائز ہے خواہ طویل ہو یا مختصر اس کے لیے تکبیر کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۴۹۸۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد ہمدانی، از ابو اسحاق بلخی، از الفربری، از بخاری، از ابو معمر عبداللہ بن عمرو، از عبدالوارث، از عبدالعزیز ابن صہیب] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نماز کی تکبیر کہی گئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونہ میں ایک شخص کے ساتھ سرگوشی کر رہے تھے۔ آپ نماز کے لیے کھڑے نہ ہوئے حتیٰ کہ لوگ سو گئے۔ (بخاری، ابوداؤد الصلوٰۃ، مسلم الطہارۃ)۔

ہم قبل ازیں وہ واقعہ ذکر کر چکے ہیں کہ نماز کے لیے تکبیر کہی جا چکی تھی۔ اندریں اثنا آپ کو یاد آیا کہ آپ جنبی ہیں چنانچہ آپ لوٹ گئے، غسل کیا، پھر واپس آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔

کسی دلیل سے اقامت کا اعادہ ثابت نہیں۔ ائمہ کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اقامت اور نماز کے درمیان اگر کوئی شخص بات چیت کرے یا بے وضو ہو جائے تو وضو کر لے۔ اس کے لیے اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔ جو لوگ عملِ قلیل و کثیر یا کلام کثیر و قلیل کے مابین تفریق کرتے ہیں ان کو مکلّف کیا جائے گا کہ اس کے اثبات کے لیے دلیل پیش کریں نیز یہ کہ قلیل و کثیر کی تحدید و تعیین کریں کہ قلیل کی حد کیا ہے؟ اور یہ ان کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں ــــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوقات الصلوٰۃ

۳۳۵۔ نمازوں کے اوقات

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

جب آفتاب ڈھلنا شروع ہو جائے تو نماز ظہر کا اوّل وقت شروع ہو جاتا ہے۔ قبل ازیں نماز ظہر کی ابتداء بالکل جائز نہیں ، نہ ہی وہ نماز کفایت کرتی ہے۔ پھر نماز ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک باقی رہتا ہے۔ اس میں وہ اصلی سایہ شمار نہ ہوگا جو زوالِ آفتاب کے وقت اس چیز کا تھا۔ البتہ اس سے جو زیادہ ہو گا وہ شمار ہو گا۔ جب اس وقت کوئی شخص نماز ظہر کی تکبیر کہے یا اس سے پہلے تو اس نے نماز ظہر کو پالیا۔

جب مذکور سایہ اس سے تھوڑا یا بہت بڑھ جائے تو نمازِ ظہر کا وقت ختم ہُوا۔ البتہ مسافر کو اجازت ہے۔ اب عصر کا اوّل وقت شروع ہُوا۔ جو قبل ازیں عصر کی نماز شروع کرے اس کی نماز جائز نہ ہو گی۔ ماسوا روزِ عرفہ کے میدانِ عرفات میں، پھر عصر کا وقت آفتاب کے مکمل غروب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک بلا عذر عصر کی نماز کو سُورج کے زرد ہونے تک متاخّر کرنا مکروہ ہے۔ جو شخص سورج کی ٹکیہ کے پُوری طرح غروب ہونے سے پہلے عصر کی تکبیر کہے اس نے عصر کو پالیا۔

جب سُورج کی ٹکیہ پوری طرح غروب ہو جائے تو نمازِ عصر شروع کرنے کا وقت ختم ہُوا ، اور نماز مغرب کا اوّل وقت شروع ہُوا۔ نمازِ مغرب کا آغاز ٹکیہ کے پُوری طرح غروب ہونے سے پہلے جائز نہیں ، یہ نماز کفایت نہیں کرتی۔ پھر شفق یعنی سُرخی کے غروب ہونے تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔ شفق کی آخری سُرخی غروب ہونے سے قبل جو شخص مغرب کی تکبیر کہے اس نے مغرب کو بلا کراہت پالیا۔

جب شفق کی پُوری سرخی غائب ہو جائے اس وقت نماز مغرب شروع کرنے کا وقت ختم ہوا۔ البتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسافر کو اجازت ہے۔ اسی طرح مزدلفہ میں یوم النحر کی رات بھی یہ جائز ہے۔ اس وقت نماز عشاء کا اول وقت شروع ہوا۔ جو شخص نماز عشاء کی تکبیر کہے اور اُفق پر قدرے سُرخی باقی ہو تو یہ جائز نہیں۔ پھر عشاء کا وقت اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب رات کا نصف اول ختم ہو کر نصف ثانی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جو شخص اس نماز کا آغاز اس وقت کرے جب رات کے نصف ثانی کا آغاز ہو اس نے بلا کراہت نماز عشاء کو پالیا۔ اس کے بعد نماز عشاء کو شروع کرنے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

صبح صادق کے طلوع ہونے سے نماز فجر کا اول وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اگر اس سے پہلے نماز فجر کی تکبیر کہے تو جائز نہیں۔ نماز فجر کا وقت اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب سُورج کی ٹکیہ طلوع ہونے کا آغاز ہو جس نے ٹکیہ طلوع ہونے سے پہلے نماز فجر کی تکبیر کہی اُس نے نماز فجر کو پالیا۔ مگر ہمارے نزدیک نماز فجر کی اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ سُورج کی ٹکیہ طلوع ہونے سے پہلے سلام نہ پھیر سکے۔ البتہ کسی عُذر کی صورت میں اس کی اجازت ہے ٹکیہ کے طلوع کے آغاز کے ساتھ ہی نماز فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

جب نمازوں کے مذکورہ اوقات گزر جائیں تو نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جو بچہ اس وقت بالغ ہو، یا حائضہ پاک ہو جائے، یا کافر مسلمان ہو جائے، وہ بھی ان اوقات میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ مذکورہ اوقات میں جو نماز پائیں وہ ادا کریں۔

جہاں تک مسافر کی نماز کا تعلق ہے اگر وہ پڑاؤ ڈالے ہوا اور سورج ڈھل جائے یا غروب ہو جائے تو وہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے نماز ظہر و مغرب کے بیان میں ذکر کیا، اس میں کوئی فرق نہیں۔ ہر نماز کو اس کے اصلی وقت پر پڑھا جائے، یہ نہایت ضروری ہے۔ اگر حالتِ سفر میں چلتے ہُوئے سُورج ڈھل جائے تو مسافر کو چاہیے کہ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرے جو ہم نے بیان کیا ہے پھر ظہر و عصر کو جمع کرے۔ اگر سفر میں چلتے چلتے سُورج غروب ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ نماز مغرب کو عشاء تک مؤخر کرے۔ پھر مغرب و عشاء کو جمع کرے۔

عرفہ کے مقام پر بروز عرفہ (۹ ذوالحجہ) نماز ظہر اصلی وقت پر پڑھی جائے۔ ظہر کی نماز سے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کے وقت میں عصر کی نماز ادا کی جائے۔ یوم النحر کی رات مغرب کی نماز مقام مزدلفہ میں ادا کی جائے۔ جس وقت بھی وہاں پہنچے۔ اگر عشاء کے وقت وہاں پہنچے تو پہلے مغرب کی نماز ادا کرے، اس کے بعد عشاء کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی نماز ادا کرے۔

جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سوتے رہنے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکے تو اس کا وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے گا۔ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ کسی نماز کو اس کے مذکورہ وقت سے موخر کرے۔ اگر ایسا کرے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔ اسی طرح نماز کو اس وقت سے مقدم کرنا بھی روا نہیں۔ اور اگر ایسا کرے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔

امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول یہ ہے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے۔ عشاء کا مستحب وقت رات کی ایک تہائی اور نصف شب سے لے کر طلوعِ فجر تک باقی رہتا ہے، اگرچہ عشاء کی تاخیر طلوعِ فجر تک ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ مسافر کے لیے ظہر کو عصر تک اور مغرب کو عشاء تک موخر کرنا جائز نہیں۔

مالکیہ: جس مریض کی عقل کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا جو مسافر کوچ کرنا چاہتا ہو اس کو امام مالکؒ اجازت اجازت دیتے ہیں کہ عصر کو ظہر تک مقدم کرے اور عشاء کو مغرب کے ساتھ ملائے۔ بارش اور تاریکی کی حالت میں امام مالکؒ کے نزدیک مغرب کو قدرے موخر کیا جائے اور عشاء کو مقدم کر کے مغرب کے ساتھ باجماعت پڑھ لیا جائے۔ ان دونوں کی درمیانی سنتیں نہ پڑھی جائیں۔ دشمن کے خوف کی بنا پر ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ اور دن کے وقت اگر بارش ہو رہی ہو تو ظہر و عصر کو جمع کرنا درست نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک ظہر و عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک ممتد ہو جاتا ہے بشرطیکہ ظہر کی نماز ادا کر لے اور غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پا لے۔ اسی طرح ان کے نزدیک مغرب و عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک ممتد ہو جاتا ہے بشرطیکہ طلوعِ فجر سے پہلے مغرب کی نماز ادا کرے اور عشاء کی ایک رکعت پا لے۔

شافعیہ: بارش کی وجہ سے امام شافعیؒ کے نزدیک ظہر و عصر کو وقتِ ظہر کے وسط میں اور مغرب و عشاء کو وقتِ مغرب کے وسط میں جمع کرنا جائز ہے۔ ان کے نزدیک ظہر و عصر کا وقت مشترک ہے اور غروبِ آفتاب تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح مغرب و عشاء کا وقت مشترک ہے اور طلوعِ فجر تک دراز ہے۔ حالانکہ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا قول ہے کہ مغرب اور عشاء کا ایک ہی وقت ہے۔ ان اقوال میں بظاہر تعارض پایا جاتا ہے اور یہ بلا دلیل و برہان ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۹۹ - ہم نے جو اوقاتِ صلوٰۃ بیان کیا ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ، از ابوخلیفہ الفضل بن الحُباب الجمحی، از ابوالولید طیالسی یعنی ہشام بن عبدالملک، از ہمام بن یحییٰ، از قتادہ، از ابوایوب المراغی،[1] از عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ] روایت کیا ہے کہ کسی آدمی نے حضورؐ سے ظہر کے وقت کے بارے میں سوال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ اور مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک ہے عشاء کا وقت نصف شب تک اور نمازِ فجر کا وقت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے" (مسلم، ابوداؤد، نسائی الصلوٰۃ، بیہقی ۱: ۳۶۴، ۳۶۵)۔

۵۰۰ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از محمد بن عبداللہ بن نُمیر، از والدِ خود، از بدر بن عثمان، از ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعری از والدِ خود] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ کے پاس ایک شخص آیا جو نمازوں کے اوقات دریافت کرتا تھا۔ آپؐ نے اس کو کچھ جواب نہ دیا۔ جب فجر طلوع ہوتی تو آپؐ نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔ لوگ ابھی ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ جب سُورج ڈھلا تو ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس وقت لوگ کہتے تھے کہ ابھی دوپہر ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتے تھے۔

جب عصر کی نماز پڑھائی تو سورج ابھی بلند تھا۔ جب آفتاب غروب ہو گیا تو مغرب کی نماز پڑھائی۔ جب شفق غروب ہو گئی تو عشاء کی نماز پڑھائی۔ دوسرے روز فجر کی نماز میں تاخیر کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ کہنے لگے آفتاب ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے۔ پھر ظہر کی نماز دیر سے پڑھائی، حتیٰ کہ وہ وقت ہو گیا جب گذشتہ روز آپ نے عصر کی نماز پڑھائی تھی۔ پھر عصر کی نماز اتنی دیر سے پڑھائی کہ لوگ کہنے لگے سورج پر سُرخی چھا گئی ہے۔ پھر مغرب کی نماز کو مؤخر کیا۔ حتیٰ کہ شفق قریب الغروب تھی۔ پھر عشاء کو مؤخر کیا کہ رات کی پہلی تہائی پُوری ہو گئی۔ جب صبح ہوئی تو سائل کو بلا کر کہا (صحیح وقت) ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے (مسلم، ابوداؤد، نسائی الصلوٰۃ،

[1] اس کا نام یحییٰ بن مالک اَزدی ہے۔ المراغ اَزد کے ایک قبیلے کا نام ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیہقی ۱: ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۱)

۵۰۱۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق (ابو داؤد، از مسدد، از عبداللہ بن داؤد الخُرَیبی، از بدر بن عثمان بسند خود) اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اگلے روز جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو ہم نے کہا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ ظہر کی نماز اس وقت ادا کی جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھی تھی۔ جب عصر کی نماز ادا کی تو آفتاب زرد ہو چکا تھا، یا یہ کہا کہ شام ہو چکی تھی۔ (عون المعبود ۱: ۱۵۴)

ہم نے بطریق (حمام، از عباس بن اَصبغ، از محمد بن عبد الملک بن ایمن، از احمد بن زہیر و محمد بن وضّاح، ابن زُہیر اپنے والد سے اور ابن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ و ابن نُمیر، زُہیر، ابوبکر اور ابن نُمیر کہتے ہیں ہم نے محمد بن فُضَیل سے روایت کیا۔ وہ اَعمش سے، وہ ابو صالح سے اور وہ ابو ہریرہ سے) روایت کرتے ہیں کہ نماز کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔ ظہر کا اوّل وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت اُس وقت ہوتا ہے جب عصر کا وقت شروع ہو جائے۔ عصر کا اوّل وقت اُس وقت ہوتا ہے جب اس کا وقت شروع ہو جائے۔ اور اس کا آخری وقت سورج کے زرد پڑ جانے تک ہوتا ہے۔ مغرب کا اوّل وقت اُس وقت ہوتا ہے جب سورج غروب ہو جائے۔ اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب شفق غروب ہو جائے۔ عشاء کا اوّل وقت غروبِ شفق سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کا آخری وقت نصف شب تک ہے۔ نماز فجر کا اوّل وقت وہ ہے جب فجر طلوع ہو اور اس کا آخری وقت طلوعِ آفتاب تک ہے۔ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ، بیہقی ۱: ۳۷۵، ۳۷۶)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جن اہلِ علم نے عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کردہ حدیث کو اس لیے معلول قرار دیا ہے کہ قتادہ گاہے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور گاہے موقوفاً ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات حدیث میں علت کی مُوجب نہیں بلکہ اس سے حدیث کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے کہ صحابی ایک حدیث کو کبھی رسولِ کریمؐ سے مرفوعاً روایت کرے اور کبھی اس کے مطابق فتویٰ صادر کرے۔ اس کو معلول قرار دینا مبنی بر جہالت اور قول بلا دلیل ہے۔ یہ محض ظن ہے جو تقلید کی بنا پر کیا گیا ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث میں یہ علت نکالی ہے کہ اس میں محمد بن فُضَیل سے غلطی سرزد ہوئی ہے، ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مجاہد کی موقوف روایت ہے۔ حالانکہ اگر ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث کو ایک شخص مرفوعاً روایت کرے اور دوسرا موقوفاً تو اس میں حدیث کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔[1]

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ احادیث صحیحہ ہیں جو جید اسانید کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کی گئی ہیں۔ لہٰذا ان میں جو اضافہ ہے اس کو قبول کرنا واجب ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جس وقت پہلے روز عصر کی نماز ادا کی تھی۔ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں جو کہتے ہیں کہ ظہر و عصر کا وقت مشترک ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے کہ "ظہر کا وقت عصر کا وقت شروع ہونے تک ہے" ان الفاظ میں آپ نے اشتراک کو باطل ٹھہرایا۔

۵۰۲۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از ابن الاعرابی، از محمد بن اسماعیل صائغ، از ابوالنضر ہاشم بن قاسم، از سلیمان بن مغیرہ، از ثابت بنانی، از عبداللہ بن رباح، از ابو قتادہؓ روایت کیا] وہ کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ ایک نماز کو مؤخر کیا جائے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی الصلوٰۃ)

چونکہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں لہٰذا ان کے مابین جمع و تطبیق ضروری ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے روز ظہر کی تکبیر آخری وقت میں کہی، اور اس طرح اسے عصر کے وقت میں ادا کیا۔ اور یہ اچھی بات ہے۔

جس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک ہے" یہ تمام احادیث سے زائد ہے۔ اور عادل راوی کا اضافہ واجب القبول ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ اس حدیث سے بھی زائد ہے جس کو ہم قبل ازیں مع سند ذکر کر چکے ہیں۔ اُس میں یہ الفاظ ہیں کہ "جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی اس نے

---

[1] اس حدیث میں اس علت کی نشاندہی امام بخاریؒ نے کی ہے۔ ترمذی کہتے ہیں "میں نے امام بخاری کو یہ کہتے سنا کہ اعمش کی مجاہد سے روایت اوقاتِ صلوٰۃ کے بارے میں محمد فضیل کی روایت کردہ حدیث سے صحیح تر ہے محمد بن فضیل کی روایت خطا پر مبنی ہے۔ یہ غلطی محمد بن فضیل سے سرزد ہوئی ہے۔ پھر مجاہد کی موقوف روایت ذکر کی ہے۔ مگر حق بات وہی ہے جو ابن حزمؒ نے کہی ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عصر کو پا لیا"۔

یہ حدیث ان آثار سے زائد ہے جن میں یہ الفاظ ہیں کہ "عصر کا وقت آفتاب کے زرد ہونے تک ہے"۔ اور عادل راوی کے اضافہ کو ترک کرنا روا نہیں ہے۔ یہ تمام احادیث ان احادیث سے زائد ہیں جن میں یہ الفاظ ہیں کہ "آپؐ نے مغرب کی نماز دوسرے روز اسی وقت ادا کی جس وقت پہلے روز پڑھی تھی"۔ ایک ہی وقت تھا جس میں کوئی تبدیلی نہ کی ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز کا ایک ہی وقت ہے۔ اس سے امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے قول کا ابطال ہوتا ہے کہ مغرب و عشاء کا وقت مشترک ہے۔ یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ بُطلان کی ایک وجہ یہ حدیث صحیح ہے جو آگے چل کر ہم ذکر کریں گے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز مغرب میں سُورۃ الاعراف، سُورۃ الطُّور، اور سُورۃ مرسلات تلاوت کیں۔ اگر وہ بات ہوتی جو ہمارے مخالفین کہتے ہیں تو آپ کی یہ نماز بے وقت پڑھی گئی ٹھہری ——— ونعوذ باللہ من ذالك

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مساجد مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض مسجدوں کے مینار نہیں ہوتے اور ان کا صحن تنگ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مؤذّن جلدی اذان دے کر نماز پڑھ لیتا ہے۔ بعض مساجد کے صحن کشادہ ہوتے ہیں جیسے بڑی مساجد اور ان کے مینار بلند ہوتے ہیں۔ موذن آہستہ اذان دے کر مینار سے اترتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو ائمہ مساجد اس سے پہلے اپنی نماز مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔ تمام شہروں میں اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ مالکیہ و شافعیہ کے قول کے مطابق ان لوگوں نے مغرب کی نماز وقت پر ادا نہیں کی۔

مزید براں ان سے دریافت کیا جائے گا کہ اس کا وقت تمہارے نزدیک کب ختم ہوتا ہے؟ وہ یقیناً اس کی حد مقرر نہیں کر سکیں گے۔ اور یہ امر باطل ہے کہ شریعت محدود ہو، مگر کسی کو اس کی حد معلوم نہ ہو۔ وحاشاللہ من ھٰذا۔ ان احادیث سے ان لوگوں کے قول کا اِبطال ہوتا ہے جو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے وقت کو مشترک قرار دیتے ہیں اور کوئی حدیث ان احادیث کی ہرگز معارض نہیں۔

عَرفہ اور مُزدلفہ کے بارے میں شرعی حکم ان دو مقامات میں اس دن اور اس رات کے اندر محدود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بلا خلاف و نزاع اس بات پر سب اہلِ علم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی امام عرفہ میں ظہر کی نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظہر کے وقت پڑھے، پھر عصر کی نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرے جس طرح کہ دوسری جگہوں اور دوسرے ایام میں کیا جاتا ہے تو وہ خطا کار اور گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے بعد اگر مغرب کی نماز مزدلفہ پہنچنے سے پہلے ادا کرلی تو بھی گناہگار ہوگا۔ اور بعض علماء کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

مندرجہ صدر بیان اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ہمارے مخالفین قیاس اور نصوص دونوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ نصوص کی خلاف ورزی تو آپ معلوم کر چکے۔ قیاس کا طریق یہ تھا ـــــ بشرطیکہ قیاس کو شرعاً حق تسلیم کیا جائے ـــــ کہ جو بات عرفہ و مزدلفہ میں اس دن اور اس رات میں جائز و لازم ہے وہ ان مقامات کے سوا دوسری جگہ میں بھی جائز و لازم ہو۔ مثلاً یہ کہ نمازِ عصر کو ہمیشہ ظہر کے وقت میں ادا کیا جائے اور مغرب کو ہمیشہ غروب شفق تک مؤخر کیا جائے۔ حالانکہ ان سب کے نزدیک یہ بات ممنوع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اشتراک اوقات کے بارے میں اپنے قول کو عرفہ کے دن اور مزدلفہ کی رات کے احکام پر قیاس نہیں کیا۔

۵۰۳ ۔ ہمارے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از ابوالطاہر احمد بن عمرو بن السرح، از ابن وہب، از جابر بن اسماعیل، از عُقیل، از ابن شہاب، از انس رضی اللہ عنہ وہ] رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب سفر میں عُجلت مقصود ہوتی تو آپ ظہر کو عصر تک ملتوی کر دیتے اور دونوں کو جمع کر کے پڑھتے۔ اور مغرب کو مؤخر کر کے جب شفق غروب ہوتی تو عشاء کے ساتھ جمع فرماتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ہم نے اس حدیث کو اسی طرح ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب سفر میں جلدی مطلوب ہوتی" (مسلم الصلوٰۃ، باب ۱۱۳)

یہ حدیث ان تمام اخبار و احادیث پر قاضی ہے جن میں آیا ہے کہ آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو سفر میں جمع کیا۔ کوئی حدیث ان کی مخالف نہیں ہے۔

جہاں تک غیر سفر کا تعلق ہے ایسی کوئی حدیث موجود نہیں جس میں عصر کو مقدم کر کے ظہر کے ساتھ جمع کرنے یا ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں ادا کرنے کا ذکر کیا گیا ہو۔ یا مغرب کو مؤخر کر کے شفق کے غروب ہونے کے بعد یا عشاء کو مقدم کر کے غروبِ شفق سے پہلے ادا کرنے کا تذکرہ پایا جاتا ہو۔ جب ایسی کوئی حدیث سرے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موجود ہی نہیں تو جو شخص جمع کی احادیث کو اس پر محمول کرتا ہے وہ دروغ گوئی اور مخالفتِ سُنّت کا ارتکاب کرتا ہے۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ہمیشہ بلا ضرورت و بلا عذر جمع کرنا جائز ہے۔ یہ بات خلافِ سُنّت بھی نہیں ہے جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کیا جائے جس طرح رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا۔ ظہر کا وقت ابھی باقی ہو تو نماز کا آغاز کیا جائے۔ جب سلام پھیرا جائے تو عصر کا وقت شروع ہو چکا ہو۔ پھر عصر کی اذان کہی جائے اور تکبیر کہہ کر بر وقت نماز ادا کی جائے۔ علیٰ ھٰذا القیاس مغرب کو اس کے آخری وقت تک ملتوی کیا جائے۔ ابھی وقت باقی ہو تو اس کا آغاز کیا جائے۔ اور جب سلام پھیرا جائے تو عشاء کا وقت شروع ہو چکا ہو۔ پھر عشاء کی اذان و اقامت کہہ کر بر وقت اس کو ادا کیا جائے۔

اس طریقہ سے تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ راست روی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے۔ وللہ الحمد۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ مدینہ میں جمع بین الصّلوٰتین پر حسن بن زیدؒ[1] کا عمل ہے تو ہمارا جواب یہ ہو گا کہ حسن بن زید کا عمل حجّت نہیں ہے۔ اس طرح کسی صحابی سے بھی اس طریقہ پر جمع بین الصلوٰتین ثابت نہیں جیسا کہ امام مالکؒ و شافعیؒ فرماتے ہیں۔ بلکہ لیث بن سعد وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں صحیح ترین حدیث وہ ہے جو ہم نے بطریق

۵۰۴۔ [مالک، از ابو الزُبیر، از سعید بن جُبیر، از ابن عباسؓ] روایت کی ہے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں ظہر و عصر، مغرب و عشاء کی نمازیں بلا خوف اور سفر کے جمع کر کے پڑھائیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ بارش کا واقعہ ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، مؤطا مالک کتاب الصّلوٰۃ)

۵۰۵۔ نیز وہ حدیث جس کو ہم نے بطریق [عثمان بن ابی شیبہ، از ابو معاویہ، از اعمش، از حبیب، از سعید بن جُبیر، از ابن عباسؓ] روایت کیا ہے کہ رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں مدینہ میں بلا خوف و بلا بارش جمع کر کے ادا کیں۔ ابنِ عباسؓ سے پوچھا گیا یہ کس لیے؟ کہنے لگے

---

[1] حسن بن زید سے مراد حسن بن زید بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب مراد ہیں۔ یہ امام مالکؒ کے شیخ ہیں، مدنی ہیں اور ۵ سال مدینہ کے والی رہے ہیں۔ ان کا واقعہ کس کتاب میں ہے مجھے نہیں ملا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاکہ آپ کی امت تنگی اور تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں مالکیہ اور شافعیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں ہمارے قول کے خلاف نہیں ہیں جمع کا جو طریقہ ہم نے ذکر کیا ہے یہ اس کے خلاف بھی نہیں۔ لہٰذا مخالفین کا احتجاج ان دونوں احادیث کے خلاف باطل ٹھہرا۔

اگر کوئی شخص وہ حدیث ذکر کرے جس کو مالک ابوالزبیر سے وہ ابوالطفیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے ان کو بتایا کہ صحابہ رسول کریمؐ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نکلے۔ رسول اکرمؐ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ نے نماز کو مؤخر کیا۔ پھر ظہر و عصر کو جمع کرکے ادا کیا۔ پھر اندر تشریف لے گئے، پھر باہر آئے اور مغرب و عشاء کو جمع کرکے ادا کیا۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ)

جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں اس حدیث میں بھی جمع بین الصلوٰتین کا وہ طریقہ مذکور نہیں جس پر وہ عمل پیرا ہیں اور جہاں تک حدیث کے ظاہری الفاظ اور مفہوم کا تعلق ہے وہ اس کو ہم سے زیادہ تسلیم کرنے والے نہیں ہیں[1]۔

۵۰۵۔ اس حدیث کو ہم نے بطریق [لیث بن سعد، از ہشام بن سعد، از ابوالزبیر، از ابوالطفیل، از حضرت معاذ بن جبلؓ] روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف فرما تھے جب کوچ کرنے سے پہلے آفتاب ڈھل جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کر لیتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کا آغاز کرتے تو ظہر کو عصر کی ادائیگی کے لیے اترنے تک ملتوی کرتے۔ اگر کوچ کرنے سے قبل سورج غروب ہو جاتا تو مغرب و عشاء کو جمع کرتے۔ اور اگر شفق غائب ہونے سے قبل کوچ کرتے تو مغرب کو عشاء کے لیے اُترنے تک ملتوی کرتے۔ پھر دونوں کو جمع فرماتے[2]۔

یہ حدیث بروایت ہشام بن سعد ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہے۔ اس لیے کہ وہ ضعیف راوی ہے۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ہمارے قول کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ آپ نے عصر یا عشاء کی نماز کو وقت سے پہلے ادا کیا تھا۔ جو شخص بھی اس حدیث کے الفاظ پر غور کرے گا اس کو واضح پائے گا۔ ہمارے مخالفین نے محض ظن کو معمول بہ بنایا ہے۔ اس لیے جس نے پھسلنا تھا وہ بلا تحقیق (راہِ مستقیم) سے پھسل گیا۔

بعینہٖ ہمارا یہی قول ہے اس حدیث کے بارے میں جس کو ہم نے بطریق

۵۰۶۔ [لیث، از یزید بن ابی حبیب، از ابوالطفیل، از معاذ بن جبلؓ] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

[1] اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ اُترے ہوئے تھے (پڑاؤ) کی حالت میں جمع کیا کرتے تھے۔ اس وقت حالتِ سفر میں نہیں تھے۔

[2] ابوداؤد (ج ۱، ص ۴۶۸) بطریق المفضل بن فضالہ ولیث دونوں از ہشام الخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وسلم غزوہ تبوک میں اس طرح کرتے کہ اگر آفتاب ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ جمع کر لیتے۔ اور جب آفتاب ڈھلنے کے بعد سفر کا آغاز کرتے تو ظہر و عصر دونوں کو جمع کرتے پھر سفر کو جاری کر دیتے۔ جب مغرب سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کرتے۔ اور جب مغرب کے بعد سفر کا آغاز کرتے تو عشاء کو مقدم کر کے مغرب کے ساتھ جمع کر لیتے۔[1]

یہ حدیث متعدد وجوہ کی بنا پر اس باب میں ضعیف ترین ہے:۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث صرف بطریق یزید بن ابی حبیب از ابو الطفیل منقول ہے۔ محدثین میں سے کسی نے بھی کوئی ایسی روایت نہیں کی جس سے ابو الطفیل کے سماع کی تائید ہوتی ہو۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابو الطفیل مختار (ثقفی) کے علم بردار تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ رجعت کے قائل تھے۔[2]

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے صحیح بخاری کے مؤلف محمد بن اسماعیل سے روایت کیا ہے کہ میں نے قتیبہ سے کہا کہ آپ نے کس کی رفاقت میں لیث سے یزید بن ابی حبیب کی روایت از ابو الطفیل تحریر کی تھی؟ قتیبہ نے کہا خالد مدائنی کے ساتھ۔ بخاری کہتے ہیں کہ خالد احادیث میں ایسے الفاظ بڑھا دیا کرتا تھا جو ان میں نہیں ہوتے تھے۔[3]

اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ہمارے قول کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ الفاظ نہیں کہ حضورؐ نے عصر کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں پڑھا تھا۔ اور نہ یہ کہ آپ نے عشاء کو مغرب کے وقت ادا کیا۔[4]

---

[1] ابوداؤد، ج ۱ ص ۴۷۲) ترمذی (ج ۱ ص ۱۷۹، ۱۰۰ا)۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس کے روایت کرنے میں قتیبہ متفرد ہے۔ ہمارے علم کی حد تک کسی اور نے اس کو لیث سے روایت نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں اس حدیث کو صرف قتیبہ نے روایت کیا ہے۔ [2] یہ غلط ہے کہ وہ رجعت کے قائل تھے۔ (صغیر احمد شاغف بہاری)

[3] خالد بن قاسم مدائنی جس کی کنیت ابو الہیثم ہے ثقہ راوی نہ تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا قتیبہ نے یہ بات کہی تھی کہ اس نے خالد سے حدیث روایت کی ہے۔ یا اس نے لیث سے یہ حدیث اخذ کی، اور خالد نے بھی اس کے ساتھ تحریر کی؛ اور اس میں کیا حرج ہے کہ ایک ثقہ راوی نے اپنے استاد سے سُن کر حدیث تحریر کی اور اس کے ساتھ مل کر کسی اور نے بھی تحریر کی وہ کوئی بھی ہو۔ کیا یہ حدیث اس لیے ضعیف ٹھہرے گی کہ ایک ثقہ راوی کے ساتھ ضعیف نے بھی روایت کی۔

[4] یہ بات ترمذی کے الفاظ سے ثابت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "عصر کو ظہر تک اور عشاء کو مغرب تک مقدم کیا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا ہمارے مخالفین نے دو وقتوں کے مشترک ہونے، ایک نماز کو اس سے پہلی نماز تک متقدم کرنے، اور ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک مؤخر کرنے کے بارے میں جو دلائل دیئے تھے وہ سب باطل ٹھہرے۔ خصوصاً جب کہ حضورؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ "نمازِ ظہر کا وقت عصر کے شروع ہونے تک ہے" نیز یہ کہ مغرب کا آخری وقت شفق کے غروب ہونے تک ہے۔ اور عشاء کا وقت شفق غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے" یہ نص ہر قسم کے اشتراک کا ابطال کرتی ہے۔

جہاں تک نماز کو بھول جانے والے اور سونے والے کا تعلق ہے ہم قبل ازیں رسولِ کریمؐ کی یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ "جو شخص سو جانے کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے یا اس کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کو بھول جانے والے اور سونے والے کے لیے نماز کا وقت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح مسافر کے لیے ظہر اور مغرب کا وقت آگے بڑھ جاتا ہے۔ یوم النحر کی رات مزدلفہ میں بھی یہی صورتِ حال درپیش ہے۔ عرفہ کے روز عرفہ کے مقام پر عصر کا وقت منتقل ہو جاتا ہے۔ وقت کا انتقال، یا اس کا دراز ہونا، یا اس کی حد بندی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کی جا سکتی ہے۔ ہمارے مخالفین نے جو کچھ بھی کیا ہے اس میں کسی قیاس کا بھی التزام نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

باقی رہا امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول کہ ظہر کا وقت ہر چیز کے سایہ کے دو چند ہونے تک رہتا ہے۔ اور پھر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حنفیہ نے اس ضمن میں اس حدیث سے احتجاج کیا ہے جس کے بارے میں مذکور ہے کہ اس کو ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے ابومسعود سے روایت کیا ہے کہ جبرئیل رسولِ کریمؐ کے پاس اُس وقت آئے جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔ جبریل نے آپؐ کو ظہر کی نماز کا حکم دیا[1]۔ وہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ اس کے بعد آپ نماز کے وقت سے آگاہ تھے۔ اس لیے کہ سایہ ایک جگہ ٹھہرتا نہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں حنفیہ اس حدیث سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے

---

[1] بیہقی (ج ۱ ص ۳۶۵- زیلعی نے نصب الرایۃ (ج ۱، ص ۱۱۶-۱۱۷) میں اس کو اسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب کیا ہے اس حدیث کو بیہقی نے المعرفہ میں اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ابنِ حزم نے کہا ہے یہ حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ ابوبکر ابومسعود کی وفات کے بعد پیدا ہُوا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حنفیہ اس حدیث کے بارے میں اپنی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہوئے ہیں، اُن کی عادت ہے کہ وہ احادیث کی طرف ایسے احکام کو منسوب کرتے ہیں جو ان میں مذکور نہیں ہوتے۔ اور جو احکام مذکور ہوتے ہیں ان کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ ہونے تک ممتد ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آپ نے نماز کا آغاز اُس وقت کیا تھا جب سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو نماز کا آغاز کرنا جائز ہے۔ اور یہی وقت ہے جس میں جبریلؑ نے آپ کو نمازِ ظہر پڑھنے کا حکم دیا تھا نہ کہ اس کے بعد۔

۵۰۷۔ امام ابوحنیفہؒ کے بعض مقلدین اپنے مدعا کے اثبات میں وہ مشہور حدیث ذکر کرتے ہیں جو بطریق (ایوب، از نافع از ابن عمرؓ) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا تمہاری اور اہلِ کتاب کی مثال یُوں ہے۔ پھر فرمایا کچھ مزدور ایسے تھے جنہوں نے صبح سے لے کر دوپہر تک ایک قیراط کے عوض کام کیا۔ وہ یہودی تھے۔ پھر کچھ لوگوں نے دوپہر سے لے کر عصر تک ایک قیراط کے عوض کام کیا۔ یہ نصاریٰ تھے۔ پھر کچھ لوگوں نے عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک دو قیراط کے عوض کام کیا اور وہ ہم ہیں یہود و نصاریٰ ناراض ہو کر کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ ہمارا کام زیادہ ہے اور معاوضہ کم؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا مَیں نے تمہارے حق سے کم دیا ہے؟ کہنے لگے "نہیں" فرمایا "یہ میرا فضل ہے جس کو چاہُوں دُوں"۔ (بخاری کتاب الاجارۃ، باب ۸)

۵۰۸۔ اور وہ حدیث صحیح جو بطریق (ابو بُردہ بن ابی موسیٰ اشعری از والد خود) از نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے وہ اسی کی مانند ہے۔ اس میں ہے کہ "ان کے مُستاجر نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے نمازِ عصر تک کام کیا تھا کہ" اپنا باقی ماندہ کام پُورا کر لو، اب تھوڑا سا دن باقی ہے"۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۲۷ والاجارہ، باب ۱۱)

ان دونوں حدیثوں کے ساتھ احتجاج کرنے والے نے کہا ہے کہ اگر ایک مثل سایہ سے زیادہ ہونے سے ظہر کا وقت ختم ہو جاتا اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا تو عصر کے وقت کی مقدار نمازِ ظہر کی مقدار جتنی ہوتی۔ اور یہ بات ان دونوں حدیثوں کے خلاف ہے۔

ابنِ حزم کہتے ہیں یہ ہیں ان لوگوں کے دُور از کار افکار و نظریات اور مغالطہ آمیزی جس کی بنا پر وہ احادیث کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرف اس بات کو منسوب کرتے ہیں جو اُن میں نہیں ہوتی۔

اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں یہ بات مذکور نہیں کہ عصر کا وقت ظہر سے وسیع تر ہے۔ اس میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ یہود و نصاریٰ نے کہا ہم نے زیادہ کام کیا ہے مگر معاوضہ ہمیں کم ملا ہے۔ ظاہر ہے کہ آخرت میں اس شخص سے گمراہ تر اور رُسوا تر کون شخص ہوگا جو یہود و نصاریٰ کے قول کو ـــــ جس کی تصدیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی ـــــ حجت ٹھہرائے۔

مزید براں یہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آپ نے فرمایا:

ظُہر کا وقت وہ ہے جب آدمی کا سایہ ایک مثل ہو عصر کا وقت ہونے تک۔" (مُسند احمد ۲: ۲۲۳) یہود نے جو بات کہی ہے وہ رسُولِ اکرمؐ کی تحدید کے خلاف نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے دن کے شروع سے لے کر عصر کے وقت تک کام کیا۔ انہوں نے کہا ہمارا کام زیادہ اور معاوضہ کم ہے۔ یہ بات صحیح ہے۔ اس لیے کہ جس سارے وقت میں انہوں نے کام کیا اُس وقت سے زیادہ ہے جس میں ہم نے کام کیا۔ بلکہ جن لوگوں نے بھی کام کیا ان کا کام ہمارے کام سے زیادہ ہے۔ ہر جگہ اور ہر وقت آغازِ زوال سے لے کر ہر چیز کے سائے کے ایک مثل ہونے تک جو وقت ہے وہ اس وقت سے زیادہ ہے جو سایہ کے ایک مثل سے زیادہ ہونے سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔ تمام گروہوں نے جو معاوضہ لیا ہے وہ ہمارے معاوضہ سے کم ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ "تھوڑا سا دن باقی رہا ہے۔" (بخاری کتاب الاجارہ باب ۱۱) اور یہ بات درست ہے۔ اس لیے کہ عصر کے وقت سے لے کر ان کے آخری حصہ تک تھوڑا وقت ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں آغازِ دن سے لے کر عصر تک زیادہ وقت ہے۔ نیز ہمارے قول کے مطابق دن کے آغاز سے لے کر نمازِ ظہر تک جو وقت ہے اُس کے مقابلہ میں بھی یہ وقت کم ہے۔ اس لیے کہ ہر چیز اپنے سے زیادہ کے مقابلہ میں کم ہُوا کرتی ہے پس ان دونوں احادیث کے پیشِ نظر ہمارے مخالفین نے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی تھی وہ باطل ٹھہری۔ وللہ الحمد۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کہے حضورؐ کا مقصد عصر کا آخری وقت بتانا تھا۔ اور وہ سُورج کی ٹکیہ غروب ہونے سے قبل اتنا وقت ہے جس میں تکبیر کہی جا سکے تو اس شخص کا قول بجا اور درست ہے۔ اس لیے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ کی بعثت اور قیامت دونوں باہم اسی طرح مربوط و متصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک انگلی کو دوسری کے ساتھ پیوست کیا (بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد)۔ اور ہم دیگر اُمتوں کے مقابلہ میں اسی طرح ہیں جس طرح سیاہ بیل کے جسم پر کوئی سفید بال ہو۔ (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ) رسولِ کریم کے ارشادِ گرامی کو اس بات پر محمول کرنا سب سے اولیٰ و افضل ہے اور اس طرح سب احادیث میں اتحاد و یگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کے سوا دوسرا مطلب مراد لینا ناروا ہے۔ و باللہ التوفیق

باقی رہا امام مالکؒ و شافعیؒ کا یہ قول کہ مغرب و عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک ممتد ہوتا ہے، تو یہ مبنی بر خطاء، بلا دلیل و برہان اور جملہ احادیث کے خلاف ہے۔ اور جو بات ایسی ہو وہ حتمی طور پر ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے جن لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ "کوتاہی تو بیداری میں ہے۔" (حوالہ حدیث ۵۰۲ میں گزر چکا)۔ آپؐ کا مقصد یہ ہے کہ تغافل شعاری اس امر میں ہے کہ ایک شخص جاگتا ہو، اور بلا وجہ ایک نماز کو مؤخر کرے۔ حتیٰ کہ دوسری کا وقت آ جائے۔ ان اصحاب کا مقصد یہ ہے کہ عشاء کے وقت کو نمازِ فجر کے ساتھ ملانا درست نہیں۔

یہ حدیث ہرگز ان کے موقف پر دلالت نہیں کرتی۔ وہ ہمارے ساتھ اس امر میں متفق ہیں جس میں اُمت کے کسی فرد نے اختلاف نہیں کیا کہ نمازِ فجر کا وقت ظہر تک ممتد نہیں ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ ہر نماز کا وقت اس کے بعد والی نماز کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ بلکہ جو شخص ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک ملتوی کرتا ہے وہ گنہگار ہے۔ خواہ اس کا آخری وقت دوسری نماز کے آغاز کے ساتھ متصل ہو یا نہ ہو۔ اس حدیث میں یہ بات بھی مذکور نہیں کہ جو شخص نماز کو یہاں تک مؤخر کرے کہ اس کا وقت جاتا رہے، خواہ دوسری نماز کا وقت شروع ہو یا نہ ہو وہ قصوروار نہیں ہے۔ بخلاف ازیں اس حدیث میں اس بات سے خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ مگر جن احادیث میں نمازوں کا آخری وقت بتایا گیا ہے ان میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی کسی عمل کے اس مقررہ وقت سے تجاوز کرتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا۔

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ "جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الظّٰلمون۔ (البقرۃ: ۲۲۹) ظالم ہیں۔"

پس جو شخص نماز کو اس کے مقررہ وقت سے مقدم کرے جس میں اللہ نے اس کو ادا کرنے کا حکم دیا اور اس میں کوتاہی کرنے سے منع کیا یا اس کو اس وقت سے مؤخر کرے، تو اس شخص نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔ لہٰذا وہ شخص ظالم اور گنہگار ہے۔ یہ وہ بات ہے جس سے مخالفین میں سے کوئی بھی انحراف نہیں کر سکتا۔

نماز کی دانستہ تاخیر کے گناہ ہونے پر تمام متقدمین و متاخرین کا یقینی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جو لوگ نماز کو قرض کے مماثل قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک قرض کی طرح نماز کو وقت سے پہلے ادا کیا جا سکتا ہے۔ نماز کو قرض کے مشابہ قرار دینے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ نماز کو بلا وجہ مؤخر کرنے والا اسی طرح گنہگار ہے جس طرح قرض کی ادائیگی میں بلا عذر ٹال مٹول کرنے والا۔ اس باب میں قیاس بھی یہی ہے مگر وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے دعویٰ پر اجماع کا دعویٰ کریں تو یہ جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ بعض علمائے سلف سے منقول ہے کہ نماز کو اس کے اصلی وقت سے مقدم کیا جا سکتا ہے۔ مگر نماز کو بلا عذر مؤخر کرنے کا جواز کسی سے منقول نہیں ــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

امام ابو حنیفہؒ اس مسافر کو جو تیزی سے اپنے سفر پر رواں دواں ہو اور زوال سے قبل اور بعد پڑاؤ نہ کرے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ نماز ظہر کو عصر کے وقت تک اور مغرب کی نماز کو عشاء تک ملتوی کرے۔ اس سے سُنن ثابتہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ ان احادیث کو حضرت انسؓ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ ہم قبل ازیں حضرت انسؓ کی روایت ذکر کر چکے ہیں۔ اور اس کی موجودگی میں عبداللہ بن عمر کی روایت کردہ حدیث کو نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

امام ابو حنیفہؒ کے بعض مقلدین نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ بڑی ہی عجیب ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "آپ غروبِ شفق کے بعد اُترے اور پہلے مغرب اور پھر عشاء کی نماز ادا کی۔"

(عون المعبود کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۷۵ میں اس کے قریب قریب الفاظ سے یہ روایت موجود ہے)۔

اس فریب خوردہ شخص نے کہا کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ غروبِ شفق سے پہلے مغرب کی نماز ادا کی۔ غروبِ شفق کے بعد کے الفاظ مقاربت کی بنا پر کہہ دیتے۔ (اس لیے کہ دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے قریب ہے) اسی طرح اس نے قرآن کریم کی اس آیت سے بھی احتجاج کیا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ (الطلاق ۲)

"جب مطلقہ عورتیں اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو حسب دستور انہیں روک کے رکھو یا مناسب طریقہ سے انہیں چھوڑ دو۔"

نیز رسول کریمؐ کی وہ حدیث جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ "کھاؤ پیو، حتیٰ کہ ابن اُمِّ مکتوم اذان کہے۔ وہ اندھا شخص ہے اور اس وقت تک اذان نہیں کہتا جب تک اسے یہ نہ کہا جائے کہ تو نے صبح کر دی ہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذان الاعمیٰ اذا کان لہٗ من یخبرہٗ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ ایسی غلط بات ہے جس کو کوئی پرہیزگار اور حیادار آدمی معمولی نہیں سمجھ سکتا، کہ ایک ثقہ راوی "بعد غروب الشفق" کہے مگر ایک کہنے والا یوں کہے کہ اس سے "قبل از شفق" مراد ہے۔ اس راہ پر چلنے والا تو روافض کا ہمنوا بن جاتا ہے جو الفاظ کے معانی کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ وہ "اَلْجِبْتَ وَالطَّاغُوْتَ" اور "اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" کی تفسیر ان کے ساتھ کرتے ہیں جن کے بہترین مصداق وہ خود ہیں۔ اس قسم کی تفسیر و توضیح سے تو ساری شریعت بے کار ہو جاتی ہے۔ تمام معقول باتیں بے وزن ہو کر رہ جاتی ہیں۔ در اصل یہ مغالطہ دہی کی بدترین کوشش ہے۔ ونعوذ باللہ من البلاء۔

باقی رہا یہ فرمان باری کہ "فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ" تو وہ اس طرح نہیں جس طرح اُس نے سمجھا ہے۔ یہ حقیقت پر مبنی ہے اور اس سے عدت کا پورا ہونا مراد ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی مفہوم ہرگز مراد نہیں۔ اللہ کی پناہ کہ اللہ تعالیٰ باطل کا حکم صادر کرے۔ حضورؐ کا یہ فرمان کہ "وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتا جب تک اسے یہ نہ کہا جائے کہ تو نے صبح کر دی ہے" اپنے ظاہری اور حقیقی مفہوم پر مبنی ہے۔ عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ کی اذان طلوع فجر کے بعد ہوا کرتی تھی نہ کہ اس سے پہلے۔" اور اگر وہ بات ہوتی جو انہوں نے سمجھی ہے تو طلوع فجر سے پہلے ہی کھانا پینا حرام ٹھہرتا۔ اور یہ وہ بات ہے جو نہ تو وہ خود کہتے ہیں، اور نہ ہی کوئی اور مسلم اس کے کہنے کی جسارت کر سکتا ہے۔

جہاں تک امام مالکؒ کے اس قول کا تعلق ہے کہ جس مریض کی عقل کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو وہ عصر کو ظہر کے ساتھ اور عشاء کو مغرب کے ساتھ مقدم کر سکتا ہے۔ یہ قول مبنی بر خطاء ہے۔ یہ معاملہ دو حال سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خالی نہیں۔ (پہلی صورت یہ ہے کہ ظہر کا وقت، ظہر کے علاوہ عصر کا وقت بھی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس مغرب کا وقت، عشاء کا وقت بھی ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے، بصورتِ اُولیٰ جب ظہر و مغرب کا وقت عصر اور عشاء کا وقت بھی ہے تو عصر کو ظہر کے ساتھ اور عشاء کو مغرب کے ساتھ مقدم کرنا مریض اور غیر مریض سب کے لیے جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ شخص عصر اور عشاء کی نماز ان کے اصلی اوقات میں ادا کر رہا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کے امام مالکؒ قائل نہیں ہیں۔

اور اگر ظہر کا وقت عصر کا وقت نہیں ہے اور مغرب کا وقت عشاء کا وقت نہیں ہے تو امام مالکؒ نے اس کو قبل از وقت نماز ادا کرنے کی اجازت دی جو کہ ناروا ہے۔ اور اگر اس بات کو جائز ٹھہرایا جائے تو پھر یہ بات بھی جائز ہونی چاہیے کہ ظہر کو زوال سے پہلے ادا کیا جائے اور مغرب کو غروبِ آفتاب سے پہلے پڑھ لیا جائے۔ اسی طرح نمازِ فجر کو طلوعِ فجر سے پہلے ادا کرنا درست ہوگا۔ اور یہ وہ بات ہے جو کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔ اس سے امام مالکؒ کے قول کا تناقض کھل کر سامنے آگیا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ظہر کا وقت صرف اس مریض کے لیے عصر کا وقت بھی ہے جس کی عقل کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ تو اس کے قائل کو دلیل پیش کرنے کے لیے مکلف کیا جائے گا جو کہ اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اور ہم نمازوں کو جمع کرنے اور دونوں وقتوں کے مشترک ہونے کے بارے میں ان سب کے اقوال کا ابطال کر چکے ہیں ۔۔۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق

اس ضمن میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے جس سے ہم آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم اس سے غافل ہیں جب کہ وہ ایک زائد بات پر مشتمل ہے۔

۵۰۹۔ اس حدیث کو ہم نے بطریق [ابوبشر جعفر بن ابی وحشیہ، از بشیر بن ثابت، از حبیب بن سالم، از نعمان بن بشیر] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت ادا کرتے جب تیسری چاند رات کو چاند غروب ہو جاتا۔[1]

---

[1] دارمی ص ۱۰۳، ابوداؤد (ج ۱ ص ۱۶۱) ترمذی (ج ۱ ص ۳۵) نسائی، ج ۱ ص ۹۲، حاکم (ج ۱ ص ۱۹۴-۱۹۵) ۲،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن حزمؒ کہتے ہیں بشیر بن ثابت سے صرف ابوبشر نے محض یہ حدیث روایت کی ہے۔ دوسری کوئی حدیث نقل نہیں کی، اس کی توثیق بھی کی گئی ہے اور اس پر نقد و جرح بھی کی گئی ہے۔ اس کا مجہول ہونا صحت سے قریب تر ہے۔

حبیب بن سالم نعمان بن بشیرؓ کے کاتب اور آزاد کردہ غلام تھے۔ مگر راویانِ حدیث میں وہ مشہور الحال[1] نہیں۔ اور اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ نماز عشاء کے آغاز کا وقت ہے۔ بلکہ اس امر کا امکان ہے کہ عشاء کا وقت اس سے پہلے شروع ہو جاتے۔

رات کو بارہ ساعات (گھنٹوں) میں تقسیم کیا گیا ہے[2]۔ اور تیسری رات کا چاند اڑھائی ساعت اور 1/14 ساعت کے وقت غروب ہوتا ہے۔ اور شفق جو کہ سُرخی کا نام ہے تیسری رات کے چاند سے بہت پہلے غروب ہو جاتی ہے۔ اور سفیدی پر مشتمل شفق تیسری رات کا چاند غروب ہونے کے ڈیڑھ ساعت بعد ساعاتِ مذکورہ سے غروب ہوتی ہے۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جاتے تو اس سے متنازعہ مسئلہ کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہوتا ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۳۶۔ نمازوں کو اوّل وقت ادا کرنا افضل ہے

تمام نمازوں کو اوّل وقت پڑھنا بہر حال افضل ہے۔ بجز نماز عشاء کے کہ اس کو آخر وقت تک مؤخر کرنا

م۔ بیہقی (ج ا ص ۳۷۲، ۴۸۰) حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ہم نے شرح تحقیق ابن الجوزی میں اس حدیث پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ ہم نے وہاں اس کی صحت کو راجح قرار دیا ہے۔

[1] اصل نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے "اس سے شعبہ بن حجاج نے روایت کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے سُن کر اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں اس کا ذکر کیا ہے یحییٰ بن معین سے اس کی توثیق منقول ہے۔ اس طرح وہ مجہول راوی نہ رہا۔ امام مسلم نے حبیب سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ راوی ٹھہرایا ہے۔

[2] ابن حزمؒ نے ہر رات کو چھوٹی ہو یا بڑی بارہ گھنٹوں میں تقسیم کیا ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ ساعت کی مقدار مختلف ہوتی ہے عصرِ حاضر میں شب و روز کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ اس طرح رات کے گھنٹے کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہم نے شرح التحقیق میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر نعمان بن بشیر کو اندازہ کرنے میں غلطی لگی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر وقت اور ہر جگہ افضل ہے۔ الا یہ کہ لوگوں کو اس سے تکلیف کا سامنا ہو۔ اندریں صورت ان کو سہولت پہنچانا بہتر ہے۔ البتہ گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا کرنے کے لیے آخری وقت میں ادا کرنا افضل ہے۔

اس کی دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے:

"وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (آل عمران - ۱۳۳) "اللہ کی مغفرت حاصل کرنے کے لیے جلدی کرو"

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ (الواقعہ ۱۲) "اور سبقت کرنے والے ہی مقرب ہیں جو نعمتوں والی جنت میں ہوں گے"

ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہوا کہ نیکی کی جانب سرعت و سبقت افضل ہے۔

۵۱۰۔ اس کی مؤید وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [محمد بن اسماعیل العذری و محمد بن عیسٰی قاضی طرطوشہ، ہر دو از محمد بن علی المطوعی الرازی، از محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپور، از ابو عمرو عثمان بن احمد السماک، از حسن بن مکرم، از عثمان بن عمر، از مالک بن مغول، از ولید بن عیزار، از ابو عمرو شیبانی، از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا "نماز اول وقت پر" میں نے عرض کی، اس کے بعد کیا؟ فرمایا "اللہ کی راہ میں جہاد" میں نے عرض کی، اس کے بعد کیا؟ فرمایا "والدین کی اطاعت"[1]۔

۵۱۱۔ وہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از یحییٰ بن حبیب الحارثی، از خالد بن حارث، از شعبہ، از سیار بن سلامہ] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو سنا کہ وہ ابو برزہ سے رسول کریمؐ کی نماز کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔ ابو برزہؓ نے کہا رسولِ اکرمؐ عشاء کو نصف رات تک مؤخر کرنے کی بھی پروا نہیں کرتے تھے عشاء

---

[1] مستدرک حاکم (ج ۱ ص ۱۸۸، ۱۸۹) بدیں اسناد و بدیگر اسانید۔ ان کے نزدیک یہ حدیث بخاری و مسلم کے شرائط کے مطابق صحیح ہے الذھبی نے اس کی موافقت کی ہے بیہقی نے اس حدیث کو حاکم (ج ۱ ص ۴۳۴) سے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتوں کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ ظہر اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا۔ اور عصر اس وقت جب کوئی شخص مدینہ کے آخری کنارہ پر پہنچ جاتا اور آفتاب خوب تابندہ و درخشندہ ہوتا۔ اور صبح کی نماز اس وقت جب ایک نمازی اپنے ہم نشین کو جسے وہ جانتا ہوتا تھا پہچان لیتا۔ آپ نماز فجر میں ساٹھ سے لے کر ایک سو تک آیات تلاوت کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ۔ ابوداؤد، الادب)

اس مضمون کی بکثرت احادیث نقل کی گئی ہیں۔

۵۱۲۔ [بدیں سند تا مسلم، از زہیر بن حرب و اسحاق بن راہویہ، ہر دو از جریر بن عبدالحمید، از منصور بن المعتمر، از حکم بن عتیبہ، از نافع از ابن عمرؓ] وہ کہتے ہیں ایک رات ہم نماز عشاء کے لیے رسول کریم کا انتظار کرتے رہے۔ آپ اس وقت تشریف لائے جب رات کی ایک تہائی یا اس سے زیادہ گزر چکی تھی۔ فرمایا تم ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو جس کا انتظار اہلِ مذاہب میں سے کوئی نہیں کر رہا۔ اگر میری اُمت پر یہ بات دشوار نہ گزرتی تو میں ان کو اسی وقت نماز پڑھاتا۔ پھر آپ نے مؤذن کو حکم دیا، اس نے تکبیر کہی اور آپؐ نے نماز ادا کی۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۵۱۳۔ ہم نے بطریق ثابت البنانی روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر کیا یا آدھی رات کے قریب۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الزینۃ)

۵۱۴۔ نیز بطریق ام کلثوم بنت ابی بکر از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب کافی رات گزر چکی تھی۔ (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب آدھی رات گزر گئی تو رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ ان احادیث میں دیگر احادیث کی نسبت اضافہ پایا جاتا ہے۔

۵۱۵۔ [بسند حدیث ۵۱۱ تا مسلم از محمد بن المثنّٰی، از محمد بن جعفر، از شعبہ، از ابوالحسن مہاجر، از زید بن وہب، از ابوذر رضی اللہ عنہ] روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں رسولِ کریمؐ کے مؤذن نے ظہر کی اذان دی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا "ٹھنڈا کرو، ٹھنڈا کرو" یا فرمایا انتظار کرو، انتظار کرو، بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ ہے جب گرمی سخت ہو جائے تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (آپ نے اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جب ہم نے) ریت کے ٹیلوں کے سایہ کو دیکھ لیا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ و بدء الخلق، مسلم، ابوداؤد ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

۵۱۶۔ ابن حزم کہتے ہیں ہم نے اس امر کو وجوب پر اس لیے محمول نہیں کیا کہ ہم نے [اسی سند کے ساتھ تا مسلم، از احمد بن یونس، از زہیر بن معاویہ، از ابو اسحاق السّبیعی، از سعید بن وہب، از خبابؓ] روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں شدتِ گرمی کی شکایت کی تو آپؐ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہ فرمایا۔ میں نے ابواسحاق سے پوچھا کیا ظہر کو جلدی پڑھنے کے بارے میں؟ انہوں نے کہا "جی ہاں! (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ہم نے نمازوں کے جن اوقات کو اختیار کیا ہے اُس کے بارے میں علمائے سلف سے بھی یہی منقول ہے جیسا کہ ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از سفیان ثوری، از حبیب بن ابی ثابت، از نافع بن جبیر بن مطعم روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا "آفتاب ڈھلے ظہر کی نماز پڑھا کرو اور اس کو ٹھنڈا کر لیا کرو۔

نیز ہم نے بطریق حجاج بن منہال، از یزید بن ہارون، از محمد بن سیرین، از المہاجر، روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا "ظہر کی نماز اس وقت پڑھا کرو جب آفتاب ڈھل جائے۔ عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج سفید اور صاف ہو۔ سورج غروب ہونے پر مغرب کی نماز ادا کرو عشاء کی نماز آدھی رات تک پڑھا کرو، فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھا کرو اور قراءت کو لمبا کرو"[1]

---

[1] میں نے حضرت عمرؓ کے ان دونوں آثار کو بدیں اِسناد و الفاظ نہیں پایا۔ البتہ امام مالکؒ نے موطا کے شروع باب وقوت الصلوٰۃ میں ان سے ملتے جلتے دو اثر ذکر کیے ہیں۔ یہ انہوں نے اپنے چچا سُہیل بن مالک از والدِ خود نیز ہشام بن عروہ از والدِ خود روایت کیے ہیں بیہقی نے بھی اس قسم کے دو آثار اسانید متعددہ کے ساتھ نقل کیے ہیں (ج ۱ ص ۳۷۰، ۳۷۶، ۴۴۵، ۴۵۶) مگر ص ۳۷۶ پر بطریق ایوب از محمد بن سیرین از مجاہد روایت کیا ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ آیا مجاہد صحیح ہے یا مُہاجر؟ یا یہ دونوں مستقل سندیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۱۷۔ نیز بطریق [مسلم بن حجاج، از ابوالربیع زہرانی، از حماد بن زید، از زبیر بن خرّیت، از عبداللہ بن شقیق] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے ہمیں ایک روز عصر کے بعد خطبہ دیا۔ حتیٰ کہ سورج ڈوب گیا اور ستارے نمودار ہو گئے۔ اور لوگ کہنے لگے نماز پڑھیے، نماز پڑھیے۔ اندریں اثنا بنی تمیم میں سے ایک شخص آیا جو بدستور "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" کہتے ہوئے نہ رکتا تھا۔ ابن عباسؓ نے اسے کہا "تیری ماں نہ ہو کیا تو مجھے سُنّت سکھاتا ہے؟ مَیں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے ادا کیا۔" (مُسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۱۴)

مزید براں ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از عثمان بن عبداللہ بن مَوہب روایت کیا ہے کہ ابوہریرہؓ سے نماز کی خامی اور کوتاہی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا نماز میں کوتاہی یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسری تک ملتوی کرو۔ (عبدالرزاق ۱ : ۵۸۲، ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۴۴)

۵۱۸۔ ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج، از نافع] روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے مَیں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ "جس کی عصر کی نماز جاتی رہی گویا اس کا اہل و مال برباد ہو گیا۔ مَیں نے نافع سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ یعنی آفتاب ڈوب گیا اور کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھ سکا۔

کہا جی ہاں! (عبدالرزاق ۱ : ۵۸۰، ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۴۲)

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ حدیث اور دوسری وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ "کوتاہی بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایک نماز کو مؤخر کیا جائے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے۔ یہ دونوں حدیثیں اس شخص کی تردید کرتی ہیں جس نے یہ بات کہنے کی جسارت کی ہے کہ رسُولِ کریمؐ نے غزوہ خندق کے دن دیدہ دانستہ عصر کی نماز نہ پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس لیے کہ حضورؐ دانستہ طور پر اس محرومی کا شکار ہوئے کہ گویا

ہیں۔ واللہ اعلم (حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو جو لکھا تھا وہ مصنف عبدالرزاق ۱ : ۵۲۵ و ۵۲۶ میں بھی مختلف سندوں سے موجود ہے۔ و ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۱۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

آپ کا اہل و مال تہس نہس ہو گیا۔ اور یہ کوتاہی آپ سے قصداً سرزد ہوئی۔ کوئی مسلم یہ بات کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

بدیں سند تا ابن جُریج وہ کہتے ہیں میں نے عطاء سے دریافت کیا اگر کوئی امام عصر کی نماز دیر سے پڑھتا ہو تو کیا میں اس کی اقتدا میں عصر کی نماز پڑھ لیا کروں؟ انہوں نے کہا ہاں! نماز با جماعت مجھے عزیز تر ہے۔ میں نے کہا اگرچہ آفتاب غروب ہونے کے لیے زرد پڑ چکا ہو اور پہاڑوں کے سر کے ساتھ مل چکا ہو؟ کہا ہاں! جب تک غروب نہ ہو (عبدالرزاق ۲: ۳۸۴)

ابن جُریج کہتے ہیں کہ طاؤس نمازِ عصر میں بعض اوقات جلدی کرتے اور گاہے تاخیر کرتے۔ مجھے ابراہیم بن میسرہ نے طاؤس کے بارے میں بتایا کہ وہ نمازِ عصر کو آفتاب زرد ہونے تک مؤخر کیا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۱: ۵۵۰)

وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ "میری اُمت اس وقت تک بھلائی پر قائم رہے گی جب تک نماز کو ستاروں کے جھرمٹ تک ملتوی نہیں کرے گی"۔ اس لیے صحیح نہیں کہ یہ مُرسَل روایت ہے۔ صرف الصَّلت[1] بن بہرام کے طریقہ

---

[1] الصَّلت بن بہرام ثقہ راوی ہے مگر اس حدیث کی اسانید میں اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اس حدیث کو امام احمد نے مسند (ج ۵، ص ۴۱۷) میں بطریق اسماعیل بن علیہ، از محمد بن اسحاق، از یزید بن ابی حبیب، از مرثد بن عبداللہ الیزنی، از ابوایوب) روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ایک قصہ مذکور ہے۔ امام احمد نے مسند (ص ۴۲۱-۴۲۲) میں اس حدیث کو بطریق محمد بن ابی عدی از محمد بن اسحاق نیز بطریق حماد بن خالد از ابن ابی ذئب، از یزید بن ابی حبیب، از مرثد، از ابوایوب روایت کیا۔ راوی کا معلوم نہ ہونا اس کی سند میں ضرر رساں نہیں۔ اس لیے کہ پہلی اسناد میں اس کا نام مذکور ہے۔ محمد بن اسحاق ثقہ راوی ہے۔ چونکہ اس نے تحدیث کی صراحت کی ہے اس لیے اس کی تدلیس میں کچھ مضائقہ نہیں اس حدیث کو ابوداؤد (ج ۱، ص ۱۶۱) حاکم (ج ۱، ص ۱۹۰-۱۹۱)، بیہقی (ج ۱، ص ۳۷۰) نے بطریق محمد بن اسحاق روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو بشرط مسلم صحیح قرار دیا اور الذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۲۱)، حاکم (ج ۱، ص ۱۹۱) نے بطریق عباس بن عبدالمطلب روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ کہتے ہیں "میں نے محمد بن یحییٰ سے سُنا، وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں بغداد کے لوگ پریشان تھے۔ چنانچہ میں اور ابوبکر الاعین عوام بن عباد بن عوام کے یہاں گئے۔ اس نے اپنے والد کی کتاب نکالی تو اس میں وہ حدیث موجود تھی۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

www.KitaboSunnat.com

سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔

حنفیہ کا مسلک: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں نمازِ فجر کا وقت صبحِ صادق طلوع ہونے سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے یعنی آفتاب سلام پھیرنے کے بعد نمودار ہو۔ وہ کہتے ہیں اس نماز کی تاخیر میرے نزدیک منہ اندھیرے پڑھنے سے افضل ہے۔ اس لیے کہ اس وقت حاضری زیادہ ہو جاتی ہے۔ ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے سے لے کر دو مثل سایہ ہونے تک ہے۔ موسمِ سرما میں ظہر کو جلدی ادا کرنا اور موسمِ گرما میں تاخیر کرنا مجھے عزیز تر ہے۔ عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہو کر غروبِ آفتاب سے پہلے تک ہے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے پوری طرح غروب ہونے سے پہلے عصر کی تکبیر کہہ لی جائے۔ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر شفق کے غروب ہونے تک ہے۔ نمازِ مغرب کو جلد ادا کرنا مجھے زیادہ عزیز ہے۔ عشاء کا وقت غروبِ شفق سے لے کر آدھی رات تک ہے اس کی تاخیر افضل ہے۔ اس کا وقت طلوعِ فجر تک دراز ہوتا ہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ نے جن باتوں میں ہماری مخالفت کی ہے ہم دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا ابطال کر چکے ہیں۔ بجز تاخیرِ نمازِ فجر کے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں ایک حدیث سے احتجاج کیا ہے[1] جو

۴۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ حزمؒ کا اس حدیث کو مسترد قرار دینا درست نہیں۔ نیز یہ کہ الصلت بن بہرام اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں ہے۔ اگر اس کی کوئی روایت اس میں ہے جس کو ہم نے نہیں دیکھا۔ ہمارے خیال میں ابن حزم کو شبہ ہوا ہے اور دو حدیثیں ان کے خیال میں باہم مخلوط ہو گئی ہیں۔

[1] اصل نسخہ کے حاشیہ پر یہاں یہ عبارت مرقوم ہے۔ محمود بن لبید، محمود بن ربیع نہیں ہے۔ ابوبکر بن العربی کو اس کے بارے میں وہم ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ وہی محمود بن لبید ہے جس سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے روایت کی ہے۔ ان کو یاد تھا کہ رسولِ کریمؐ نے ان کے گھر کے کنوئیں سے پانی لے کر کلی کی اور پھر ان کے منہ میں کلی کا پانی ڈالا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ دو راویوں کے الگ الگ نام ہیں۔ ایک محمود بن ربیع بن سراقہ بن عمرو بن زید ہے۔ ابن سعد نے ان کا نسب بیان کیا اور ان کی کنیت ابو نعیم ذکر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ان کی والدہ کا نام جمیلہ بنت ابی صعصعہ تھا۔ ابن ابی خیثمہ نے ان کی کنیت ابو محمد ذکر کی ہے۔ عاصم بن عمرو کی کوئی روایت ان سے ثابت نہیں۔ اُن سے زہری اور رجاء بن حیوہ نے روایت کی ہے۔ م (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بطریق محمود بن لَبید حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نمازِ فجر کو روشنی میں پڑھا کرو اس سے تمہارا اجر بڑھ جائے گا تم اس نماز کو جتنی زیادہ روشنی میں ادا کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں محمود بن لَبید ثقہ راوی ہے۔ اس کا نام محمود بن ربیع بن لَبید ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اگرچہ یہ ان کے لیے حجّت نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کا منہ اندھیرے فجر کی نماز ادا کرنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ حتیٰ کہ آپ نماز سے فارغ ہوتے تو (اندھیرے کی وجہ سے) عورتوں کو پہچانا نہ جاتا تھا۔ اور آدمی اپنے ہم نشین کو جسے وہ جانتا ہوتا تھا پہچان لیتا۔ یہ آپ کا دائمی عمل تھا۔ درحقیقت اِسفار کے معنی یہ ہیں کہ فجر پُوری طرح طلوع ہو جائے اور نمازِ فجر شک کی حالت میں ادا نہ کی جائے (یعنی اس بات میں شک نہ ہو کہ صبح صادق طلوع ہوتی یا نہیں)

اگر کہا جائے کہ اجر و ثواب صرف روشنی کے اندر نماز ادا کرنے میں ہے اندھیرے میں نہیں، بلکہ اس میں گناہ ہوتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ عربی زبان میں اس سے انکار نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا "اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سُن لیا اور ہم نے اطاعت

۲۔ دوسرا راوی محمود بن لبید بن رافع ہے جو اس حدیث کا راوی ہے۔ یہ مدنی ہے اور زمرۂ علماء میں شمار ہوتا ہے اس نے نبی کریمؐ سے روایت کی ہے۔ بخاری نے ان کو صحابی قرار دیا ہے، مگر ابو حاتم اس کو تسلیم نہیں کرتے مسلم نے ان کو طبقہ ثانیہ کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ محمود جن کا ذکر پہلے کیا گیا انہوں نے آپؐ کو دیکھا اور آپؐ کی صحبت سے مستفید ہوتے مگر انہوں نے آپؐ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ ان دونوں کو ثقہ راوی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابنِ ربیع کو یحییٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا اور محدث ابوزرعہ نے ابنِ لَبید کو۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان دونوں کے تعارف میں تحریر کیا ہے۔ ابُو عمر کہتے ہیں ابن لبید عمر میں ابن ربیع سے بڑے تھے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کا ذکر صحابہ میں کیا جائے۔ یہ بات صحیح ہے میرا خیال ہے کہ ابن حزمؒ اور ابن العربی نے ابن خُزیمہ کی پیروی کرنے کی وجہ سے غلطی کھائی جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن خُزیمہ سے اپنی کتاب الاصابہ (ج ۳ ص ۳۸۶) میں نقل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ أَقْوَمَ " (النساء-۴۶) کی اور "اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا" کا لفظ کہتے تو ان کے لیے بہتر اور درست تر ہوتا"

اور اس کے عکس میں بھلائی نہیں ہے۔ یہ بڑی غلط بات ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو خوابِ شیریں ترک کرنے کی تکلیف دیتے عورتیں اور مرد تکلیف برداشت کرکے نمازِ فجر میں شرکت کرتے اور اپنے اجر وثواب کو کم کر لیتے۔ اس طرح وہ اجر وثواب اور راحتِ جسمانی دونوں سے محروم رہتے۔ اللہ کی پناہ، یہ خیر خواہی کی ضد، دھوکہ بازی اور ظلم وتعدی نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارے علم کی حد تک حنفیہ نے صرف ابنِ مسعودؓ کی روایت سے احتجاج کیا ہے جو یوم النحر کو طلوعِ فجر کے بعد نمازِ فجر ادا کرنے سے متعلق ہے نیز ابنِ مسعودؓ کے اس قول سے کہ اس نماز کو آج اس جگہ میں اس کے اصلی وقت سے تبدیل کر دیا گیا ہے[1]۔ اس حدیث سے ان کے جملہ اقوال کا ابطال ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس حدیث کے تمام مندرجات کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نمازِ فجر کو اوّل وقت اندھیرے میں ادا کرنا بے وقت نہیں ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اس نماز کا یہی وقت ہے۔ بتائیے اس شخص سے گمراہ تر اور کون شخص ہوگا جو دراصل ایک حدیث کا مخالف ہو اور اپنے خصم کو یہ تاثر دیتا ہو کہ یہ حدیث اس کے حق میں حجت ہے۔

تاخیرِ عصر کے بارے میں احناف کا قول خلافِ قرآن ہے جس میں نیکیوں کی جانب سبقت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ تمام احادیث، اقوالِ سلف اور ظہر و مغرب کی تقدیم کے بارے میں اُن کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے۔

مالکیہ:- امام مالکؒ کے نزدیک ظہر وعصر کا وقت غروبِ آفتاب تک، مغرب وعشاء کا وقت طلوعِ فجر تک اور نمازِ فجر کا وقت طلوعِ آفتاب تک ہے۔ نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کرنا انہیں محبوب تر ہے۔ نمازِ ظہر کا بہترین وقت سردی وگرمی میں ان کے نزدیک یہ ہے کہ سایہ ایک ہاتھ ڈھل جائے عصر کا افضل ترین وقت یہ ہے کہ اس وقت ادا کی جائے جب سورج زندہ وتابندہ ہو۔ مغرب کی نماز جلد ادا کرنا بہتر ہے بجز مسافر کے۔ اس میں

---

[1] نیل الاوطار للشوکانی، ج ۱، ص ۴۲۳۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ حرج نہیں کہ وہ قدرے تاخیر سے پڑھے۔ عشاء کی نماز غروبِ شفق کے تھوڑی دیر بعد ادا کرنی چاہیے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:

امام مالکؒ کا یہ قول کہ ظہر کا وقت غروبِ شمس تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت نمازِ فجر تک دراز ہوتا ہے جملہ احادیث کے خلاف ہے۔ ہمارے علم کی حد تک یہ قول صحابہ و تابعین میں سے کسی سے منقول نہیں، بجز تنہا عطاء کے۔ عشاء کے بارے میں آپ کا موقف علمائے سلف میں سے کسی سے منقول نہیں۔

نمازِ ظہر کے وقت کے بارے میں امام مالکؒ کا اعتماد حضرت عمرؓ کی روایت پر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "نمازِ ظہر اُس وقت ادا کرو جب ایک ہاتھ سایہ ڈھل جائے۔ ہم حضرت عمرؓ کی روایات ذکر کر چکے ہیں کہ دن ڈھلے نماز پڑھی جائے۔ نیز یہ کہ نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کیا جائے۔ یہ احادیث حضرت عمرؓ سے ان کے بیٹے عبداللہؓ حضرت عائشہؓ، نافع بن جبیر، مُہاجر ابوالحسن، ابوالعالیہ، عُروہ بن زُبیر، ابوعثمان النہدی، مالک بن انس کے دادا مالک نے نقل کی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے فعل کی حیثیت سے بھی۔ مزید برآں اس قسم کی احادیث ہم نے حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ سے بھی نقل کی ہیں۔

اگر مالکیہ کہیں کہ ابنِ عباسؓ سے منقول ہے کہ "عشاء کا وقت نمازِ فجر تک باقی رہتا ہے" (عبدالرزاق ۱: ۵۸۴)۔ نیز ابوہریرہؓ سے منقول ہے (دوسرے الفاظ میں ابوہریرہؓ کی روایت ابن ابی شیبہ ۱: ۳۳۴) میں موجود ہے) کہ عشاء کا وقت فجر تک باقی رہتا ہے، تو ہم ان سے کہیں گے کہ انہوں نے ابنِ عباسؓ کے اس اثر کی مخالفت کی ہے۔ کیوں کہ اس اثر میں یہ بھی مرقوم ہے کہ نمازِ ظہر کا وقت عصر تک، اور مغرب کا وقت عشاء تک ہوتا ہے (عبدالرزاق ۱: ۵۸۴) اور ضابطہ یہ ہے کہ جب صحابہ میں اختلاف بپا ہو تو کتاب و سُنّت کی جانب رجوع کرنا فرض ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء۔ ۵۹)

"اگر کسی بات میں تمہارے درمیان نزاع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل

۳۳۷۔ نمازوں کے اوقات کی کمی بیشی

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ظہر کا وقت عصر کے مقابلہ میں ہر جگہ اور ہر وقت طویل تر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آفتاب ساتویں گھنٹہ کے شروع میں ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔ اور اصلی سایہ نکال کر دسویں گھنٹہ کے شروع تک بڑھتا رہتا ہے۔ پہلے خمس سے لے کر پہلے ثلث تک اس میں کسی جگہ اور کسی وقت بھی اضافہ نہیں ہوتا۔

نمازِ فجر کا وقت ہر جگہ اور ہر وقت نماز مغرب کے مساوی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ صبحِ صادق کے طلوع ہونے سے لے کر طلوعِ آفتاب تک تقریباً اتنا ہی وقت ہے جتنا کہ غروبِ آفتاب سے کر سرخ شفق کے غروب ہونے تک۔ اور یہ بات ہر جگہ اور ہر وقت پر صادق آتی ہے۔ یہ وقت موسم گرما میں بڑھ جاتا اور موسم سرما میں کم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ قوس بڑی چھوٹی ہوتی رہتی ہے۔ نمازِ فجر اور مغرب کا وقت ظہر و عصر کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ظہر کا وقت ایک چوتھائی دن سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ساعاتِ مختلفہ میں سے تین گھنٹے سے قدرے زیادہ ہوا۔

عصر کا وقت بالکل دن کی ایک چوتھائی کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا وہ دن کے بارہ گھنٹوں میں سے تین گھنٹے کے مساوی ہوتا ہے۔ جب کہ نمازِ فجر اور مغرب کا وقت اتنا نہیں ہوتا۔ ان دونوں نمازوں کا وقت زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات سوا گھنٹہ ہوتا ہے۔ یہ ساعات سال کے طویل ترین اور سب سے چھوٹے دن میں بارہ ہوتی ہیں۔ اس طرح ساعت چھوٹی بڑی ہوتی رہتی ہے مگر ان کی تعداد بارہ ہی رہتی ہے) علمِ ہیئت میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ ہمارے اور اہلِ ہیئت کے بیان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ سب سے وسیع تر وقت عشاء کی نماز کا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک تہائی رات سے زیادہ ہے۔ یا یوں کہیے کہ ایک تہائی رات اور ایک تکبیر کے برابر ہے۔ یہ ضابطہ ہر زمان و مکان کے لیے ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

۳۳۸۔ فجر و شفق

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ فجر دو قسم کی ہے اور شفق کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(پہلی فجر (صبح کاذب) وہ لمبی سی باریک دھاری ہے جو نیچے سے آسمان کی طرف بھیڑیے کی دُم کی طرح جاتی ہے۔ اس کے بعد اُفق پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس کے طلوع ہونے سے روزہ دار پر کھانا پینا حرام نہیں ہوتا، اس سے نمازِ فجر کا وقت شروع نہیں ہوتا۔ پوری امتِ مُسلمہ اس بات پر متفق ہے۔

(۲) دوسری فجر (صبحِ صادق) وہ سفیدی ہے جو طلوعِ آفتاب کی جگہ پر مشرق کے اُفق پر چھا جاتی ہے اور آفتاب کے منتقل ہونے سے منتقل ہو جاتی ہے۔ وہ آفتاب کی روشنی کی تمہید ہوتی ہے۔ پھر اس کی سفیدی بڑھتی چلی جاتی ہے بعض اوقات اس کی سُرخی گلابی مائل ہوتی ہے۔ اس کے ظہور سے روزے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس وقت فجر کی اذان کہی جاتی ہے اور نمازِ فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ اس کے ظہور و شیُوع کے ساتھ ہی نمازِ فجر کا وقت شروع ہو جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

جہاں تک شفق کی دو قسموں کا تعلق ہے ان میں سے ایک سرخ ہوتی ہے اور ایک سفید۔

ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، مالک، شافعی، ابو یوسف، محمد بن حسن، حسن بن حیّ، داؤد اور دیگر اہلِ علم کے نزدیک شفق کی سُرخی غروب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق کا موقف یہی ہے۔ البتہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضر کی حالت میں عشاء کی نماز اس وقت پڑھنی مستحب ہے جب سفیدی غروب ہو جائے تاکہ سُرخی کے غروب ہونے کا یقین ہو جائے۔ کیوں کہ بعض اوقات دیواریں اسے چھپائے رکھتی ہیں۔ امام ابو حنیفہ، عبداللہ بن مبارک، المزنی اور ابو ثور کہتے ہیں کہ سفیدی غروب ہونے کے ساتھ مغرب کا وقت ختم ہوتا اور عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شفق کی روشنی غائب ہونے کے ساتھ ہی مغرب کا وقت رخصت ہوتا اور عشاء کے وقت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ رسُولِ کریمؐ کی مقرر کردہ حد ہے۔ شفق کا لفظ سُرخی اور سفیدی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو رسُولِ کریمؐ کے قول کو بلا نص و اجماع مخصوص قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ جو چیز شفق کے نام سے موسوم ہے جب وہ غائب ہو جائے تو مغرب کا وقت ختم ہُوا اور عشاء کا وقت شروع ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ مغرب کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب ہر وہ چیز غائب ہو جائے جس کو شفق کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس امر کی قطعی و حتمی دلیل یہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول کریمؐ نے عشاء کے وقت کی تحدید یوں فرمائی کہ اس کا آغاز غروبِ شفق کے ساتھ اور اختتام رات کی پہلی تہائی پر ہوتا ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق نصف رات پر۔ ماہرینِ فلکیات کو معلوم ہے کہ سفیدی رات کی پہلی تہائی کے وقت غروب ہوتی ہے۔ اور یہی حد ہے جو آپؐ نے عشاء کے زیادہ تر وقت گزر جانے کی مقرر کی ہے۔ لہٰذا یقیناً یہ بات ثابت ہوئی کہ عشاء کا وقت رات کی پہلی تہائی تک باقی رہتا ہے۔ اس طرح نص سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عشاء کا وقت غروبِ شفق تک باقی رہتا ہے اور اس سے بلاشبہ سفیدی مُراد ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو یہ بات کُھل کر سامنے آئی کہ شفق سے سفیدی نہیں بلکہ سُرخی مراد ہے[1]۔

امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب ہم سفیدی غروب ہونے کے بعد نماز پڑھیں تو اجماعاً ہمیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ہم نے صحیح وقت پر نماز پڑھی ہے۔ اگر اس سے پہلے ادا کریں تو ہمیں پورا یقین نہیں ہوتا کہ ہم نے صحیح وقت پر نماز ادا کی ہے یا نہیں؟

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ کچھ بات نہیں۔ اس لیے کہ حنفیہ اگر اس بات کا التزام کریں تو ان کا پورا مذہب باطل ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہ بات نبیذ کے ساتھ وضو کرنے، ناک کو پانی دینے، ناک صاف کرنے، سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے اور نماز میں اعتدال و سکون کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ اور دیگر اختلافی مسائل جن سے روزہ اور حج باطل ٹھہرتے ہیں اور جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے وہ بھی اسی طرح ہیں۔ بنابریں حنفیہ پر لازم ہے کہ وہ ایسا کوئی شرعی کام نہ کریں جس میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہو کہ انہوں نے وہ کام اسی طرح کیا ہے جس طرح انہیں حکم دیا گیا تھا۔ اس طرح ان کے مذہب کے ننانوے اجزاء میں سے ایک جزء بھی ایسا نہیں جو بلاشبہ صحیح ہو۔

حنفیہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضورؐ عشاء کی نماز اُس وقت

---

[1] یہ ابنِ حزم کے عجیب ترین اور نہایت مضبوط ترین دلائل میں سے ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار، ج ۱، ص ۳۱۱ پر اس ملتی جلتی دلیل کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ دلیل شوکانی نے ابن سید الناس کی شرح ترمذی سے اخذ کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن سید الناس نے یہ دلیل ابن حزم سے لی ہے۔ ابنِ سید الناس اور ابنِ حزمؒ کے الفاظ بھی یکساں قسم کے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے جب تیسری رات کا چاند غروب ہو جاتا (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۳۳۰)۔ اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو جاتے تو ہمارے حق میں یہ عظیم ترین حُجّت ہے۔ اس لیے کہ سفید شفق بلا اختلاف و نزاع اس کے کافی دیر بعد تک موجود رہتی ہے۔

بعض اہلِ علم نے اس اثر سے احتجاج کیا ہے کہ "آپ عشاء کی نماز اس وقت ادا کرتے جب رات سیاہ ہو جاتی" (مُصنّف ابنِ ابی شیبہ ۱: ۳۳۵) ظاہر ہے کہ اگر سفیدی باقی ہو تو سیاہی نہیں پھیلتی۔

ابنِ حزم کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ آپ چاند کی چاندنی میں عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور ان کے اُصول کے مطابق چاندنی کی موجودگی میں سیاہی نہیں پھیل سکتی۔ سرخی کے بعد جو سفیدی باقی رہتی ہے چاندنی اس سے زیادہ تاریکی کو روکتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سفیدی کم اور باریک ہونے کی بنا پر سیاہی کو روک نہیں سکتی۔

حنفیہ نعمان بن بشیر کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور عشاء کی نماز اس وقت ادا کرتے جب تیسری رات کا چاند غروب ہو جاتا (مُصنّف ابنِ ابی شیبہ ۱: ۳۳۰) - یہ حدیث ان کے لیے حُجّت نہیں۔ اس لیے کہ ہم اس سے نہیں روکتے۔ بلکہ نصف شب تک عشاء کی تاخیر ہمارے نزدیک افضل ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے پہلے عشاء کا وقت شروع نہیں ہوتا۔

حنفیہ ایک ساقط الاعتبار موضوع روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ "حضور نے غروبِ شفق سے پہلے عشاء کی نماز ادا کی"۔[1]

اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے ـــــ اللہ کی پناہ کہ یہ حدیث صحیح ہو ـــــ تو اس سے صرف یہ ثابت ہو گا کہ نماز وقت سے پہلے جائز ہے۔ اور یہ بات ان کے اور ہمارے قول کے خلاف ہے۔

---

[1] مجھے یہ حدیث نہیں ملی، البتہ بیہقی ۱: ۳۷۲ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے فرمایا کہ سلیمان بن موسیٰ از عطاء بن ابی رباح از جابر روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے قبل پڑھی، اور یہ ساری روایتوں کے خلاف ہے لیکن بیہقی ہی نے ۱: ۳۷۲ پر سلیمان کی روایت اس طرح روایت کی ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے قبل پڑھی، شوکانی نے نعمان بن بشیر کی روایت کے بعد فرمایا کہ ابن عربی نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ (نیل ۱: ۴۱۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حنفیہ ثعلب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ شفق سفیدی کو کہتے ہیں۔ ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ شفق سرخی اور سفیدی دونوں کا نام ہے۔ ثعلب شریعت میں حجت نہیں ہے لہٰذا اس کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے اور اس کی نقل و روایت قابلِ اعتماد ہے۔

اس سے بھی عجیب تر بعض لوگوں کا یہ احتجاج ہے کہ شفق کا لفظ شفقت سے مُشتَق ہے جس کے معنی نرمی اور رقت کے ہیں۔ نرم کپڑے کو شفیق کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس لیے شفق سے سفیدی مراد ہے۔ اس لیے کہ سفیدی سے رقیق اجزاء مراد ہیں جو سُرخی کے بعد باقی رہتے ہیں۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ مغالطہ پر مبنی ہے۔ بخلاف ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ سُرخی اس کے زیادہ لائق ہے۔ کیوں کہ وہ شفقت اور حیاء کی پیداوار ہے۔ یہ سب فریب دہی کی کرشمہ سازی اور سنجیدگی کے بجائے استہزاء و تضحیک کا نتیجہ ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ نمازِ فجر کا آغاز فجرِ ثانی سے ہوتا ہے اس لیے عشاء کا آغاز شفقِ ثانی سے ہونا چاہیے۔ اس کا توڑ یوں کیا گیا ہے کہ چونکہ فجر دو قسم کی ہوتی ہے۔ اور نمازِ فجر کا وقت اس فجر کے ساتھ شروع ہوتا ہے جس کے ساتھ سرخی ہوتی ہے۔ لہٰذا نمازِ عشاء کا آغاز اس شفق کے ساتھ ہونا چاہیے جس کے ساتھ سرخی موجود ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو سرخی طلوعِ آفتاب کی تمہید ہے اس کا نمازِ فجر کے وقت کے چلے جانے پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا۔ اسی طرح مغرب کے وقت کے رخصت ہونے پر بھی سُرخی کا کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طوالع و غوارب تین تین ہیں۔ اور نمازِ فجر کے آغاز کا حکم طوالع میں سے اوسط پر مبنی ہے۔ اسی طرح نمازِ عشاء کا آغاز غوارب میں سے اوسط پر مبنی ہوگا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ تمام مغالطات اور دعاوی کاذبہ ہیں۔ ہم نے ان کو اس لیے تحریر کیا ہے تاکہ وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہُوا ہے اور اللہ نے اس کو دین میں قیاس کے ابطال کی توفیق دی ہے ان سے آگاہ و آشنا ہو جائے۔ نیز یہ کہ جو شخص غلطی کھا جانے کی بنا پر ان کا قائل ہو چکا ہے اس سے بصیرت حاصل کرے۔

وما توفیقنا إلّا باللہ تعالیٰ۔

۳۳۹۔ اس شخص کی نماز کا حکم جس کو وقت میں شک ہو | جو شخص فرضی نماز کے لیے تکبیر کہے اور اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شک ہو کہ آیا اس نماز کا وقت ابھی شروع ہوا ہے یا نہیں؛ اس کی نماز جائز نہیں۔ خواہ وہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اس لیے کہ جس طرح اسے نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس نے اس طرح وہ نماز ادا نہیں کی۔ اسے حکم یہ دیا گیا تھا کہ صحیح وقت پر اس کا آغاز کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ایسا کام کیا جس کا حکم ہم نے نہیں دیا وہ عمل مردود ہے۔" (مسلم عن عائشہ)

۳۴۰۔ جو بے وقت نماز پڑھے

جس نے اس یقین کے ساتھ نماز کا آغاز کیا کہ اس کا وقت ہو چکا ہے حالانکہ وقت نہیں ہوا تھا اس کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ اس نے حسب مامور نماز ادا نہیں کی۔ نماز اس وقت کافی ہو گی جب اسے یقین ہو کہ وقت ہو چکا ہے۔ اور درحقیقت وقت ہو بھی چکا ہو۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق

۳۴۱۔ فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا

جو شخص فجر کی سنتیں پڑھے اس کی نماز اس وقت تک درست نہ ہو گی جب تک سنتوں کے سلام پھیرنے اور فرضی نماز کی تکبیر کے درمیان دائیں کروٹ لیٹے نہیں۔ خواہ لیٹنا اس نے دانستہ ترک کیا ہو یا بھول کر۔ قطع نظر اس سے کہ اس نے وقتی نماز ادا کی ہو یا بھول جانے اور سو جانے کی وجہ سے قضا کر کے پڑھی۔ اگر فجر کی سنتیں ادا نہیں کیں تو لیٹنا ضروری نہیں اگر خوف، بیماری یا کسی اور وجہ سے دائیں کروٹ نہ لیٹ سکے تو حسب طاقت اس کی طرف اشارہ کرے۔

۵۱۹۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از عبیداللہ بن عمر بن میسرہ، از عبدالواحد ابن زیاد، از اعمش، از ابوصالح السمان، از] ابوہریرہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو سنتیں پڑھے تو چاہیے کہ دائیں کروٹ لیٹ جائے۔ مروان بن حکم نے کہا "کیا ہم میں سے ایک کا مسجد کی طرف چل کر جانا کافی نہیں کہ وہاں دائیں کروٹ لیٹنے کا حکم دیا؟ ابوہریرہؓ نے کہا نہیں۔ جب یہ بات عبداللہ بن عمرؓ تک پہنچی تو انہوں نے کہا "ابوہریرہؓ نے اپنے آپ پر بہت زیادتی کی ہے۔" ابن عمرؓ سے کہا گیا "کیا آپ ابوہریرہؓ کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے؟ ابن عمرؓ نے کہا نہیں۔ البتہ ابوہریرہؓ نے جرأت سے کام لیا اور ہم نے بزدلی دکھائی۔ یہ بات ابوہریرہؓ تک پہنچی تو کہنے لگے "اگر میں نے یاد رکھا اور وہ بھول گئے تو اس میں میرا کیا گناہ؟ (ابوداؤد، ترمذی، کتاب الصلوٰۃ۔ نووی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اسے بشرطِ شیخین قرار دیا ہے)

نیز ہم نے بطریق وکیع، از عاصم بن رجاء بن حیوہ از والدِ خود، از قبیصہ بن ذویب روایت کیا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں حضرت ابو الدرداء میرے پاس سے گزرے اور میں نماز پڑھ رہا تھا فرمایا رات کی نماز اور دن کی نماز میں لیٹ کر جدائی پیدا کرو۔[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ رسولِ کریمؐ کے اوامر سب فرض ہیں۔ حتیٰ کہ کسی دوسری نص یا قطعی اجماع سے ان کا مستحب ہونا ثابت نہ ہو جائے (صرف باطل دعاوی سے نہیں)۔ اگر ایسا ہو تو ہم اس کی تعمیل کے پابند ہوں گے۔ جب صحابہ کے مابین کوئی مسئلہ متنازع ہو تو اندریں صورت ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے کلام کی طرف رجوع کریں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۴۸)

اگر مخالفین کہیں کہ عبداللہ بن مسعود لیٹنے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم کہیں گے یہ ٹھیک ہے مگر ابو ہریرہؓ ان کے خلاف ہیں۔ اور ابو ہریرہؓ کے پاس حضورؐ کا امر بھی ہے اور عمل بھی (جیسا کہ اوپر گزرا)۔ اور اگر عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار صحابہ پر حجت ہے تو وہ حالتِ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ نماز کو قصر کرنے کی اجازت صرف حج، عمرہ یا جہاد کے سفر میں دیتے ہیں کسی اور سفر میں نہیں۔ وہ قرآن کو ایک رات میں ختم کرنے کی اجازت نہیں دیتے (مصنف عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ) مگر تم نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی۔ اب تم اس سنت کو تسلیم نہیں کرتے۔

ہمارے مخالفین کہتے ہیں اگر سنتوں کے بعد لیٹنا فرض ہوتا تو ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہتی۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پھر تم نے یہی بات عثمانؓ کے بارے میں کیوں نہ کہی جو منیٰ میں پوری نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ اور سعدؓ کا موقف بھی یہی ہے۔ اب تمہیں یوں کہنا چاہیے کہ اگر نماز کا قصر کرنا سنت ہوتا تو ان لوگوں پر یہ بات پوشیدہ نہ رہتی۔ اور تم نے یہ بات کیوں نہ کہی کہ اگر نماز کے آخر میں بیٹھنا فرض ہوتا تو حضرت علیؓ اس سے ضرور باخبر ہوتے۔ حضرت علیؓ تو کہتے ہیں وہ جب تم نے نماز کے آخری سجدہ سے سر اٹھا لیا تو

[1] مگر سوال یہ ہے کہ آیا فجر کی سنتیں رات کی نماز میں شمار ہوتی ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمہاری نماز مکمل ہو گئی۔ اگر چاہو اٹھ کھڑے ہو اور اگر چاہو بیٹھے رہو (شرح معانی الآثار ۱ : ۲۷۳)۔ اس کے نظائر و امثال لاتعداد ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ان کا قافیہ تنگ ہوتا ہے تو ایسی باتوں کی آڑ لیتے ہیں اور وہ اس کے اوّلین تارک ہوتے ہیں ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ جو صحابہ سنتوں کے بعد لیٹا نہیں کرتے تھے پھر ان کی نماز باطل ہوتی۔ ہم کہیں گے کہ مجتہد کو اس کی نماز کا اجر ملے گا۔ اگر چہ نص اسے معلوم نہ ہو سکی ہو۔ اصل فیصلہ تو اس کے بارے میں ہونا چاہیے جس پر حجت تمام ہو چکی ہو اور اس کے باوجود وہ اس پر عمل پیرا نہ ہو۔

پھر ہم ان کے استدلال کو انہی پر لوٹاتے ہوئے مالکیہ اور شافعیہ سے کہتے ہیں بتائیے! کہ جب ابن مسعودؓ اور ان کے ہمنوا ذکر کو چھونے سے وضو کو ضروری نہیں سمجھتے تھے تو کیا تمہارے خیال میں ان کی نماز باطل ہوتی؟ احناف سے کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کے نزدیک ناک یا پھنسی سے خون نکلے تو نماز فاسد نہیں ہوتی تو کیا تمہارے نزدیک ان کی نماز فاسد ٹھہری۔ پھر ان تمام کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر، ابن عباس، اُبی بن کعب، زید اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک جماع بلا انزال سے غسل لازم نہیں آتا تو کیا ان کی نمازیں فاسد ہوئیں؟ اس کے نظائر و امثال بے شمار ہیں۔

ایسی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جن کے پاس طعن و تشنیع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ الزام اُلٹا ان پر عائد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ہم سے زیادہ صحابہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کا یہ سوال جس طرح ہم پر عائد ہوتا ہے اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ پر بھی لازم آتا ہے۔

۵۲۰۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از عبداللہ بن یزید المقری، از سعید بن ابی ایوب، از ابوالاسود، از عروہ بن زبیر، از عائشہ رضی اللہ عنہا] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی سنتیں پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔" (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۲۶ - ۱۲۷ - کتاب الصلوٰۃ)

ابن حزم کہتے ہیں ہم نے بطریق حماد بن سلمہ، از ثابت البنانی روایت کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان کے رفقاء جب فجر کی سنتیں پڑھتے تو لیٹ جاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیز بطریق حجاج بن منہال، از جریر بن حازم، از محمد بن سیرین، روایت کیا ہے کہ ابو رافع، انس بن مالک اور ابو موسیٰ نمازِ فجر کی سُنتیں پڑھنے کے بعد اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جایا کرتے تھے۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۴۷)

نیز بطریق یحییٰ بن سعید القطّان، از عثمان بن غیاث بن عثمان روایت کیا ہے کہ کوئی شخص آتا اور حضرت عمرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہوتے وہ مسجد کی پچھلی جانب دو سُنّتیں پڑھتا، اپنا پہلو زمین پر رکھتا اور جماعت میں شامل ہو جاتا۔[1]

عبدالرحمٰن بن زید[2] نے کتاب السّبعہ میں لکھا ہے کہ سعید بن المسیّب، قاسم بن محمد بن ابی بکر، عُروہ بن زُبیرؓ ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید بن ثابت، عُبید اللہ بن عبداللہ بن عُتبہ اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ فجر کی دو سنّتوں اور فرضوں کے درمیان اپنے دائیں پہلو پر لیٹا کرتے تھے۔

اگر لیٹنے سے قاصر ہو تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتا" اور حضورؐ نے فرمایا "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دُوں تو اپنی استطاعت کی حد تک اس پر عمل کرو" (مسلم)

اس ضمن میں بھول جانے والے کا حکم دانستہ ترک کرنے والے کی مانند ہے۔ اس لیے کہ جو شخص کسی فرض کو بھول جائے مثلاً نماز اور طہارت وغیرہ اس کی تکمیل اس پر فرض ہے۔ کیوں کہ اس نے نماز کو حسبِ مامور ادا نہیں کیا۔ اِلّا یہ کہ کسی نص کی بنا پر اس سے ساقط ہو جائے۔

نسیان اور عمد کے درمیان فرق دو باتوں میں ہوتا ہے (۱) گناہ کا نہ ہونا کوئی جگہ بھی ہو (۲) جو شخص بھول کر

---

[1] ابنِ حزمؒ اس اثر سے کیوں کر احتجاج کر سکتے ہیں جب کہ ان کا موقف یہ ہے کہ تکبیر ہونے کے بعد جو شخص نفل پڑھنا شروع کر دے اس کی نماز باطل ہے؟ اور اگر وہ نوافل ادا کر رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو گئی تو اس کی نماز فاسد ہو گی (احمد شاکر) (اس روایت سے احتجاج تو الزامًا ہے۔ یہ روایت مصنّف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۵۱ پر موجود ہے لیکن بیچ کا جملہ "ویضع جنبہٗ فی الارض" نہیں ہے پتہ نہیں یہ طابع کی غلطی ہے یا ناسخ کی۔ واللہ اعلم — ابو الاشبال پاکستانی)

[2] مجھے نہیں معلوم کہ عبدالرحمٰن بن زید کون ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم متوفی ۱۸۲ھ مراد ہو جو کہ نہایت ضعیف راوی ہے۔ ممکن ہے اس نے فقہاءِ سبعہ کے فتاویٰ سے متعلق کوئی کتاب تحریر کی ہو۔ ہمیں اس کتاب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی عمل میں اضافہ کرے، حالانکہ جس کام کا وہ مامور تھا وہ اس نے پوری طرح ادا کر دیا، تو اس نے وہ کام کر دیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ بھول کر جو زائد کام کیا وہ لغو اور بے نتیجہ ہے۔

اگر نماز کا اعادہ کرنے کا وقت پلئے تو لازم ہے کہ سُنتوں کے بعد لیٹے اور فرضوں کو دُہرائے۔ اور اگر نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد اعادہ پہ قادر ہو تو اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ نماز کے بعد لیٹنا کافی نہیں اس لیے کہ یہ اس کا موقع نہیں ہے۔ اور بلا موقع و مقام جو کام کیا جائے وہ کفایت نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اس طرح ادا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا[1] ——— و باللہ تعالیٰ التوفیق

۳۴۲۔ نماز فجر کا فوت ہونا

اگر بھول کر یا سو جانے کی وجہ سے فجر کی نماز فوت ہو جائے تو جب یاد آئے اسے ادا کرے۔ خواہ آفتاب طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہو یا زیادہ فجر کی سُنتوں سے آغاز کرے، پھر لیٹ جائے۔ اس کے بعد فرض ادا کرے۔

---

[1] ابنِ حزمؒ نے اس مسئلہ میں حد درجہ مبالغہ آمیزی سے کام لیا اور ایسی بات کہی ہے جو ان کے کسی پیشرو نے نہیں کہی اور نہ ہی کسی دلیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جو احادیث فجر کی سُنتوں کے بعد لیٹنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ رات کو طویل قیام کرنے کے بعد نمازی آرام کرے اور فرضوں کو پوری مستعدی کے ساتھ ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔ اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جس حدیث میں لیٹنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ مگر یہ بات کہاں سے ثابت ہوتی کہ جو شخص نہ لیٹے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ہر چیز جو واجب ہو اس کی حیثیت شرط کی نہیں ہوتی۔ (امام شوکانی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن حق وہی ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں تبویب کے ذریعہ اشارہ کر دیا ہے یعنی لیٹنا مستحب ہے۔ اگر کوئی نہ لیٹے تو اس کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ لیٹنا اس لیے جاتا ہے کہ نمازی نماز کے انتظار کے لیے تھوڑا سا ستا لے۔ چنانچہ بخاری (ج ۲، ص ۱۲۷) اور مسلم (ج ۱، ص ۲۰۵) میں بطریق ابو سلمہ از عائشہؓ منقول ہے کہ رسول اکرمؐ "جب فجر کی سُنتوں سے فارغ ہوتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرنے لگ جاتے ورنہ لیٹ جاتے"۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ جو بات ہم نے کہی ہے اس سے صراحۃً ثابت ہوتی ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیے علامہ ابو الطیب م

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو شخص بھول جانے یا سو جانے کی بنا پر نماز سے غافل ہو جائے اس پر فرض ہے کہ اس جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ اگرچہ وہ جگہ اس سے قریب ہی کیوں نہ ہو۔

۵۲۱۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از محمد بن بکر، از ابو داؤد، از موسیٰ بن اسماعیل، از أبان بن یزید العطار، از معمر، از زہری، از سعید بن المسیّب] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں آپؐ اور صحابہؓ کے سوتے رہنے کی وجہ سے نمازِ فجر کے فوت ہو جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپؐ نے نماز اس وقت ادا کی جب آفتاب طلوع ہوا۔ آپؐ نے فرمایا جہاں تم غفلت کا شکار ہوئے اس جگہ کو چھوڑ دو۔ آپؐ نے بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان و اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔ (ابو داؤد کتاب الصّلوٰۃ باب۱۱، عون المعبود، طبع دہلی، ج ۱، ص ۱۶۶)

۵۲۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق القاضی، از ابن الاعرابی، از محمد بن اسماعیل الصائغ، از عبداللہ بن یزید المقری، از اسود بن شیبان، از خالد بن سمیر، از عبداللہ بن رباح، از ابو قتادہ انصاریؓ] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمراء کا ایک لشکر بھیجا۔ جب ہم بیدار ہوئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا ہم گھبرا کر نماز کے لیے اُٹھے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا ٹھہر یئے ٹھہریئے! یہاں تک کہ سورج اونچا چڑھ آیا۔ آپؐ نے فرمایا "جس نے فجر کی سُنتیں پڑھنی ہوں پڑھ لے"۔ چنانچہ سُنتیں پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے سب کھڑے ہو گئے۔ پھر آپؐ نے اذان دینے کا حکم دیا پھر رسولِ کریمؐ کھڑے ہوئے اور ہمیں نماز پڑھائی (تا آخر)۔ (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ بسند مختلفہ باختلافِ یسیر)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اگر سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں لیٹنے کا ذکر نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ راوی بعض اوقات سکوت اختیار کرتا ہے۔ جس طرح اس حدیث میں وضو، نیت باندھنے کی تکبیر اور سلام پھیرنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث لیٹنے کے حکم سے پہلے کی ہو۔

ظاہر ہے کہ تمام سُنتیں کسی ایک حدیث یا کسی آیت یا سورت میں مذکور نہیں ہوتیں۔ اس کو علت بنانے

ء۔ شمس الحق عظیم آبادی ہندی کی کتاب (اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر، ص ۱۴۰-۲۰، طبع قدیم و ص ۵۲ تا ۵۴ طبع جدید۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پوری شریعت پر قدح وارد ہوتی ہے۔ اس لیے کہ شریعت کی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بکثرت آیات و احادیث میں سکوت نہ اختیار کیا گیا ہو۔ لہٰذا جو شخص بھی بھولی ہوئی نماز کے لیے اذان دینے، فرضی نماز سے قبل فجر کی سنّتوں کو ادا کرنے، اور آہستہ روی اور نقل مکانی کے سلسلہ میں رسول کریم کے حکم کو بہانہ بنائے، اس نے رسول کریم پر افترا پردازی کر کے اپنا ٹھکانہ جہنّم میں بنا لیا۔ حالانکہ حمّاد نے بطریق ثابت از عبداللہ بن رباح، از ابوقتادہ قضا شدہ نماز کے لیے اذان، اور فرضوں سے قبل فجر کی سنّتیں ادا کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ (ابوداوٗد کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۱)۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث کی بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول کریم نے ان سے کہا "جو تم میں سے کل کو یہ نماز پائے تو اس وقت اتنی ہی نماز اسی کے مانند ادا کرے (ابوداؤد) ہم کہیں گے، یہ ٹھیک ہے لیکن بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "تم میں سے ایک شخص اگلے روز اس نماز کو بروقت ادا کرے" (نسائی) ایک روایت میں یوں ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص جب کسی نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے ادا کرے اور کل کو اسے وقت پر ادا کرے" (ابوداؤد) یہ بھی مروی ہے کہ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم کل کو اس کی قضا پڑھیں؟ انہوں نے یہ بھی کہا "کیا ہم فلاں فلاں نماز نہ ادا کریں؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں زائد عبادت سے نہیں روکتا اور اسے تم سے قبول کرتا ہے" (نسائی) یہ جملہ روایات صحیح اور باہم یک رنگ و ہم آہنگ ہیں۔ البتہ ان الفاظ میں اشکال ہے "جو شخص تم میں سے صبح کی نماز پائے تو اس کے ساتھ اتنی ہی نماز اسی کے مانند پڑھے" مگر غور کرنے پر یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ ضمیر عربی زبان میں قریب ترین مذکور کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ نماز کی طرف۔ لہٰذا "معہا" کی ضمیر "غداۃ" کی طرف راجع ہے نہ کہ نماز کی طرف۔ مطلب یہ ہوا کہ اس نماز کی طرح ادا کرے اس پر اضافہ نہ کرے یعنی وہ نماز اسی طرح ادا کرے جیسے روز کرتا ہے۔ اس طرح جملہ احادیث باہم منطبق و متفق ہو جائیں گی۔ اس کے سوا دوسرا کوئی مطلب درست نہیں[1] ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۴۳۔ نماز کے شرائط اور اس کا طریقہ

نماز تبھی کفایت کرتی ہے جب پاکیزہ کپڑے پہن کر، پاک جسم کے ساتھ پاک جگہ میں ادا کی جائے۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں ہم نے

[1] محلّی مسئلہ نمبر ۲۸۶۔ نیز الاحکام (ج ۷، ص ۱۰۸) بھی دیکھیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان اشیاء کا تذکرہ کیا ہے جن سے اجتناب واجب ہے۔ جو شخص ان سے اجتناب کیے بغیر نماز ادا کرے اس نے حسب مامور نماز ادا نہیں کی۔ ہم نے رسولِ کریمؐ کے اس حکم کا تذکرہ کیا ہے کہ جس جگہ پر نماز ادا کی جائے اس کو صاف کیا جائے۔ ہم آگے چل کر مع الاسناد ایسی احادیث بیان کریں گے جن میں مساجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "میرے لیے ہر پاک زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ (المدثر۔۴) "اپنے کپڑوں کو صاف رکھ۔"

جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ثیاب سے قلب مراد ہے وہ بلا دلیل آیت کی تخصیص کرتا ہے۔ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں ثیاب اُن کپڑوں کو کہتے ہیں جو زیب تن کیے جاتے ہیں۔ اس کو بلا دلیل دل کی طرف منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی دو حالتیں ہیں، تیسری کوئی نہیں (۱) نماز کی حالت (۲) وہ حالت جب وہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جس شخص کے بدن یا کپڑوں یا دُبر میں ایسی چیز ہو جس سے اجتناب ضروری ہے تو وہ شخص نماز کی حالت میں اس سے پرہیز کرتا ہے دوسری حالت میں نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا نماز کی حالت میں یہ مباح ہے یا نہیں؟ جب وہ حالت نکل گئی جس میں نماز ادا نہیں کی جاتی تو اب یقینی اجماع کی بنا پر نماز کی حالت باقی رہی جس میں اللہ و رسولؐ کے اوامر و احکام کی تعمیل فرض ہے ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۳۴۴۔ نماز شروع کرنے کے بعد نجاست کا معلوم ہونا

اگر کسی شخص نے ٹھیک حالت میں نماز کا آغاز کیا۔ پھر اس کے بدن، کپڑوں یا نماز گاہ کو ایسی چیز لگ گئی جس سے اجتناب ضروری تھا، اگر اسے اس نجاست کا پتہ چل جائے تو کپڑے کو اُتار دے۔ خواہ وہ برہنہ رہے بشرطیکہ اسے سردی سے تکلیف نہ ہو۔ اس جگہ سے ہٹ جائے اور اس نجاست کو اُس چیز کے ساتھ زائل کرے جس کے ساتھ زائل کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ پھر اسی نماز کو جاری رکھے۔ اس کے سوا اس کے لیے کوئی اور بات ضروری نہیں۔ اگر بھول کر اس نے کوئی ایسا کام کیا جو نماز کی حالت میں اس پر فرض تھا تو اس کو ترک کر کے نماز کو مکمل کرے۔ اور اس کام کو اسی طرح انجام دے جس طرح اُسے حکم دیا گیا ہے۔ پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سجدۂ سہو کرے۔

اگر سلام پھیرنے کے بعد ایسی حالت درپیش ہو تو بھی اسی طرح کرے بشرطیکہ اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو۔ اگر وضو ٹوٹ گیا ہو تو جب یاد آئے نماز کا اعادہ کرے۔ اور اگر حالتِ نماز میں یہ صورتِ حال پیش آئی کہ ایسے کام کو ترک کیا کہ اس کے نہ کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، مثلاً سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا بھول گیا یا رکوع و سجدہ، دو سجدوں کے درمیانی جلسہ، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور تشہد کے بعد جلسہ میں طمانیت و اعتدال پر عمل پیرا نہ ہوا تو اس کی نماز مکمل ہے اور اس پر صرف سجدۂ سہو ضروری ہے۔

اگر دانستہ مذکورہ بالا کام کرے تو اس کی نماز باطل ہوتی، گویا اُس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ نماز کو اس کے وقت پر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بھول جانے کی وجہ سے جس کی نماز رہ جائے وہ ہمیشہ اس کا اعادہ کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ نے فرمایا "جو شخص کسی نماز کو بھول جائے یا سو جانے کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو جب اسے یاد آئے اسے ادا کر لے" (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

بھول جانے والا وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو جانتا ہو اور پھر اسے یاد نہ رہے۔ اور بحکم لغت و ضرورت نماز کا ایک حصہ بھی نماز ہی ہوتا ہے۔ یہی حکم ہے اُس شخص کا جو طہارت کو بھول جائے۔ یا اپنے بعض اعضاء کو یا ستر عورت کو ڈھانکنا بھول جائے۔ اگر اسی حالت میں نماز کا آغاز کیا تو اس کا اعادہ کرے۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جو شخص دانستہ ان باتوں کا ارتکاب کرے وہ نماز کو اس کے وقت پر ہی ادا کرنے کا مجاز ہے۔ اور جن باتوں کا تذکرہ ہم نے کیا ہے وہ سب یکساں ہیں۔

باقی رہا جاہل یعنی وہ شخص جس کو ان باتوں کا پتہ نماز کی حالت میں یا اس کے بعد چلے۔ مثلاً اس کے کپڑوں یا بدن پر یا نماز کی جگہ پر ایسی چیز لگی تھی جس سے اجتناب واجب تھا مگر اسے معلوم نہ تھا، تو یہ شخص جو کچھ بھی اُس نے پڑھا ہے نماز کے وقت کے اندر اس کا اعادہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا ستر کھلا ہو اور اُسے معلوم نہ ہو، یا جس کو طہارت یا نماز کے کسی فرض کا علم نہ ہو اور بعد ازاں پتہ چلے، تو یہ لوگ نماز کے وقت میں اعادہ کر سکتے ہیں اس کے بعد نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ سرزمینِ حبشہ اور دیگر بلاد میں اقامت گزیں تھے اور فرائض اُتر رہے تھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مثلاً تحویلِ قبلہ کا حکم۔ فرائض میں اضافہ بھی ہو رہا تھا، تاہم آپؐ نے ان کو کسی چیز کے اعادہ کا بھی حکم نہیں دیا جس شخص کے بارے میں آپؐ کو معلوم تھا کہ اس نے نماز کو مکمل نہیں کیا اسے نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ جس شخص کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو جب اُسے علم حاصل ہو اُس کا اعادہ کرے بشرطیکہ وقت موجود ہو۔

باقی رہا وہ شخص جسے مجبور کیا گیا ہو یا کسی بیماری اور ضرورت کی بنا پر عاجز ہو تو مذکورہ تمام مسائل میں اگر جبر یا عذر نماز کے بعد زائل ہُوا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ اس لیے کہ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

"جب مَیں تم کو کسی بات کا حکم دُوں تو اپنی استطاعت کی حد تک اس کی تعمیل کرو" (بخاری کتاب الاعتصام، مسلم و نسائی کتاب الحج، ابن ماجہ مقدمہ)

اور اگر یہ عذر نماز کے اندر زائل ہُوا تو اسی نماز پر بنا کرے اور جیسے کر سکتا ہو اس کی تکمیل کرے نیز جو کچھ اس نے قدرت حاصل ہونے سے پہلے کیا ہے اس کو ٹھیک تصوّر کرے۔ اس میں سجدہ سہو نہیں ہے ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

ہم نے جو کچھ اوپر ذکر کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے وہ کام کیا جس کا وہ مامور بہ ہے وہ نماز کے اندر جائز ہے قلیل ہو یا کثیر۔ اسی طرح نماز کی حالت میں جس چیز سے اجتناب فرض ہے اس کا ازالہ نماز کی حالت میں مامور بہ ہے، لہٰذا وہ نماز کے اندر جائز ہے۔

ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ نجاست والے کپڑے کو اُتار دے خواہ وہ برہنہ رہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اندریں صورت نمازی پر دو فرض جمع ہو گئے ہیں (۱) پردہ پوشی ، (۲) اس چیز سے پرہیز جس سے اجتناب واجب ہے۔ دونوں میں سے ایک پر عمل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ اگر نماز پڑھتے ہُوئے وہ اس چیز سے پرہیز نہ کرے جس سے پرہیز ضروری ہے تو اس نے دانستہ نماز کی حالت میں فعلِ حرام کا ارتکاب کیا۔ اس طرح اس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی۔ لہٰذا اس کی نماز نہیں ہوئی، اور جب اسے کپڑا نہیں ملا تو وہ اسی جیسے کپڑے کے ساتھ پردہ پوشی کے لیے مامور ہے۔ اس طرح وہ پردہ پوشی پر قادر نہیں ہے، اور جس بات کی آدمی میں قدرت نہ ہو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(البقرہ - ۲۸۶) مکلف نہیں کرتا۔"

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۔ (الانعام - ۱۱۹) "اس نے جس چیز کو تم پر حرام کیا ہے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے مگر وہ چیز جس کی طرف تم مجبور ہو جاؤ۔"

اور آدمی اس لباس کی طرف مجبور نہیں جس کے اتارنے پر قادر ہو۔ اور نہ ہی اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور ہے جس کو وہ چھوڑ سکتا ہو۔ البتہ جب مباح لباس دستیاب نہ ہو تو وہ برہنہ ہونے پر مجبور ہے۔ اگر سردی کا خطرہ دامنگیر ہو تو اس کے ازالہ کے لیے وہ لباس پہننے پر مجبور ہے پس وہ اسی لباس کو پہن کر نماز ادا کرے گا اور اس پر کوئی (کفارہ وغیرہ) نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس حالت میں وہ اس کے لیے مباح ہے۔

ہمارا یہ قول کہ اگر بھول کر نماز کی حالت میں ایسا کام کیا جو نماز میں فرض تھا، تو اسے ترک کر دے نماز کو مکمل کرے اور اس کام کو حسبِ مامور ادا کرے۔ خواہ سلام کے بعد ہو بشرطیکہ وضو نہ ٹوٹا ہو۔ اس لیے کہ نماز کی حالت میں جو کام بھول کر کیا جائے وہ معاف ہے، اور اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب - ۵) "اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو تم بھول کر کرو مگر وہ کام جو تمہارے دل دانستہ کریں۔"

نیز رسولِ کریمؐ کے اس فرمان کی بنا پر جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ:

"جو شخص نماز میں بھول کر کمی بیشی کرے" (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد بالفاظِ مختلفہ)۔ اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص نماز کو مکمل کرے اور سجدۂ سہو کرے۔ ظاہر ہے کہ اس شخص نے بھول کر نماز میں اضافہ کیا ہے۔ اگر دانستہ کرتا تو اس کی نماز باطل ہو جاتی۔

ہمارا یہ قول کہ اگر اس کا وضو ٹوٹ جائے تو جب یاد آئے اس کا اعادہ کرے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکے تو جب یاد آئے نماز ادا کرے" (احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اور نماز کا ایک حصہ بھی نماز ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا ادا کرنا اس پر فرض ہے۔ اور جس چیز کو بھول گیا ہو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسے ادا کرے۔ جن چیزوں کے بغیر نماز درست نہیں مثلاً وضو یا غسل یا نماز کی ترتیب، اگر ان کو بھول جائے تو اس کو مکمل کرے۔

ہمارا یہ قول کہ اگر اس کا ارتکاب اس نے نماز میں اس طرح کیا کہ اس کے دانستہ ترک کرنے سے نماز باطل نہ ہوتی ہو، اور جو کچھ ہم نے اس سے قبل کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے نماز کے تمام ارکان پوری طرح مکمل کر لیے اگرچہ ان زائد اعمال کے بغیر بھی نماز جائز تھی تاہم وہ نماز کے اندر شامل ہیں۔ اور اگر دانستہ ان میں ایسا کام کرے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی۔ اور ان میں وہ چیز بھی شامل ہے جو اس نے بھول کر نماز میں انجام دی اور اس میں اضافہ کر دیا جو اس کے لیے جائز نہ تھا۔ تو اندریں صورت اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا جیسا کہ ہم آگے چل کر سجود السہو کے باب میں ذکر کریں گے ـــــــ ان شاء اللہ تعالیٰ

ہم نے رسولِ اکرمؐ سے روایت کیا ہے کہ نجاست کی وجہ سے آپ نے اپنے جوتے اُتار دیئے تھے (ابوداؤد، دارمی، احمد)۔

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جب تم اپنے کپڑے میں نجاست دیکھو تو اسے اُتار کر نماز کو جاری رکھو۔ امام ابوحنیفہ اور مالکؒ نے نماز کی حالت میں نکسیر کا خون دھونے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ جس شخص کے کپڑے کو نجاست لگی ہو خواہ دانستہ ہو یا بھول کر وہ نماز کے وقت میں اس کا اِعادہ کر سکتا ہے اُس کے بعد نہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام مالکؒ کا یہ موقف درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں:

(۱) اس شخص نے مامور بہ نماز ادا کی ہے۔ (۲) اس نے مامور بہ نماز ادا نہیں کی۔

بصورتِ اوّل وہ ایک دن میں ظہر کی نماز دو دفعہ ادا نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ جو نماز وہ ادا کر چکا اس کو دوبارہ ادا کرنے کا کیا مطلب؟ بصورتِ ثانی جب اس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی تو وہ آئندہ جب چاہے ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا قول ہٰذا کا بطلان واضح ہوا۔

مزید برآں ان سے کہا جائے گا کہ بتایئے وہ کون سی نماز ہے جس کو بروقت ادا کرنے کا حکم تم دیتے ہو لیکن بعد از وقت نہیں؟ کیا یہ نماز تمہارے نزدیک فرض ہے یا نفل؟ تیسری کوئی قسم نہیں۔ نیز یہ کہ وہ کس نیت کے ساتھ اس کو ادا کرے گا؟ آیا فرضوں کی نیت کے ساتھ جو اس وقت میں اس کے لیے لازم الادا ہیں یا نوافل کی نیت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ؟ یا کسی نیت کے بغیر، نہ فرائض کی نیت اور نہ ہی نوافل کی ؟

اگر تم کہو کہ یہ فرائض ہیں اور ان کو فرضوں کی نیت کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے متفقہ طور پر یہ ضابطہ طے کر رکھا ہے کہ فرائض ہمیشہ ادا کیے جاتے ہیں اور وقت کے چلے جانے سے ساقط نہیں ہوتے۔ لہذا یہ تناقض ہے اور تم خود ہی اپنے ضابطہ کو توڑ رہے ہو۔ اور اگر یہ نوافل ہیں اور ان کو نفلوں کی نیت سے شروع کیا جاتا ہے تو فرض دنیا میں نوافل کا بدل نہیں بن سکتے۔ نیز کسی کے لیے روا نہیں کہ دانستہ طور پر فرائض کو ترک کر کے ان کے عوض نفل ادا کرے۔ اس کا فتویٰ دینا بھی حلال نہیں بلکہ بلاشبہ کفر کا مترادف ہے۔

اور اگر تم یہ کہو کہ اس نماز کو نہ فرائض کی نیت کے ساتھ ادا کیا جائے گا نہ نوافل کی نیت سے۔ تو یہ بات یقیناً باطل ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا "اعمال کے اجر و ثواب کا انحصار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی"۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد)

لہذا نیت کے بغیر اس کو عمل ہی قرار نہیں دیا جا سکتا پس تم نے نار وا باطل کا حکم دیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عمد و نسیان دونوں حالتوں میں اس کا اعادہ کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ قول مبنی بر خطا ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا "میری اُمت سے بھول چوک اور اس بات کو اٹھا لیا گیا ہے جس پر اُن کو مجبور کیا جائے" (طبرانی عن ثوبان) نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن	"جو کام تم بھول کر کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب۔۵)	جو تمہارے دل دانستہ کریں اس میں گرفت ہے"

احناف کا موقف

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نماز کی حالت میں جس کے پاؤں کی جگہ پر نجاست پڑی ہو، اور وہ بغلی درہم سے زیادہ ہو۔ خواہ کوئی بھی نجاست ہو اس کی نماز باطل ہوتی۔ خواہ بھول کر ہو یا دانستہ۔ اگر بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہو تو اس کی نماز عمد و نسیان دونوں حالتوں میں مکمل ہو گئی۔ اگر بغلی درہم سے زیادہ ہو اور اس کے ہاتھ یا زانو رکھنے کی جگہ پر یا اس کی بغلوں کے برابر ہو تو اس کی نماز عمد و نسیان دونوں حالتوں میں درست ہو گی۔ اگر سجدہ کی جگہ پر ہو تو اس کے بارے میں آپ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول کے مطابق عمد و نسیان دونوں حالتوں میں اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز ٹھیک ہے، اور دوسرے قول کے مطابق دونوں حالتوں میں نماز باطل ہوئی۔

زُفر کا قول بھی یہی ہے۔ ان تمام مسائل میں قاضی ابو یوسف کی رائے بھی یہی ہے۔ البتہ سجدہ گاہ کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اگر نجاست سجدہ گاہ پر ہو تو اس کا ایک سجدہ باطل ٹھہرا۔ گویا اس نے سجدہ کیا ہی نہیں۔ اگر نمازی نے حالتِ نماز میں یہ سجدہ (دوبارہ) کر لیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ اور اگر نماز ختم کرنے تک یہ سجدہ نہ کیا تو اس کی ساری نماز باطل ٹھہری۔

اس ضمن میں احناف کی دلیل ان کے قول سے بھی زیادہ ساقط الاعتبار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ اور زانو نہ بھی رکھتا تو اس کی نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوتا برخلاف پاؤں کے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ احتجاج للباطل بالباطل کی بدترین قسم ہے۔ اس میں نماز کی تخفیف و توہین پائی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق اگر کوئی شخص بلا عذر اپنی پیشانی زمین پر نہ بھی رکھے تو اس کی نماز درست ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جو شخص نماز پڑھتا ہو اور اس کے کپڑے پر ایک درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو، البتہ نجاست ایسی جگہ ہو جو اس کے جسم سے الگ رہتی ہے اور وہ جسم کے ساتھ نہ لگی ہو، نمازی جب رکوع و سجدہ اور قیام کے لیے جب حرکت کرتا ہے، اگر اس کے حرکت کرنے سے نجاست متحرک ہو جاتے تو اس کی نماز باطل ہوتی ورنہ نہیں۔

قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں اگر نمازی نے اوپر نیچے دو کپڑے پہن رکھے ہوں، اور وہ ایک کپڑے کے جا بجا ہوں، اگر نچلے کپڑے میں ایک درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو اور وہ اوپر تک نہ پہنچتی ہو تو بھی اس کی نماز باطل ہوتی۔ محمد کہتے ہیں اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ دو کپڑے ہیں۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں ہم ذاتِ باری تعالیٰ کے سپاس گزار ہیں کہ ہمارا دامن ایسے اقوال سے پاک ہے۔ علمائے سلف میں سے کوئی بھی ان میں سے کسی قول کا قائل نہیں۔ اللہ و رسول کے احکام سے تمسک کرنے والوں کے لیے جو اس کی صحت نقل کے ہر طرح ذمہ دار ہیں یہ اقوال بڑے ہی حیرت افزا ہیں۔ کائناتِ ارضی پہ بسنے والے مسلمانو! یہ بات کس قدر حیرت ناک ہے کہ کتاب و سُنّت سے استناد کرنے والوں سے تو یہ بات پوچھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے کہ فلاں قول کا قائل کون ہے؟ مگر جو شخص اپنی رائے سے اس قسم کے اقوال فاسدہ و متناقضہ بیان کرتا ہے اور سلف میں سے کوئی بھی اس کا ہمنوا نہیں ہوتا اس سے کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کس کا قول ہے؟

وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَلَهُ الْحَمْدُ عَلٰی هِدَایَتِهٖ لَنَا وَتَوْفِیْقِهٖ اِیَّانَا۔

۳۴۵۔ محبوس (قیدی) کی نماز

جو شخص کسی جگہ قید ہو، اور اس میں ایسی چیز ہو جس سے اجتناب لازم ہے مگر وہ اس کو اپنے جسم اور کپڑوں سے دُور کرنے پر قادر نہ ہو، تو وہ جیسے بھی ہو نماز ادا کرے۔ اس کی نماز اس کے لیے کفایت کرے گی۔ اگر اس کے سجدہ یا بیٹھنے کی جگہ پر (نجاست) ہو، اور دوسری کوئی جگہ موجود نہیں تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے جہاں تک ممکن ہو قریب ترین جگہ پر بیٹھے اور نجاست پر نہ بیٹھے اسی طرح اپنی پیشانی اور ناک اس سے قریب ترین جگہ پر رکھے مگر ان کو نجاست پر نہ رکھے۔ اگر کوئی شخص دانستہ اس پر بیٹھا یا اس پر سجدہ کیا حالانکہ وہ اس کے ترک کرنے پر قادر تھا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کی دلیل آیت کریمہ "لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا) اور رسول کریمؐ کی یہ حدیث ہے کہ "جب مَیں تمہیں کسی بات کا حکم دُوں تو جہاں تک ممکن ہو اس کی تعمیل کرو" (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جس بات کی انسان میں استطاعت نہ ہو اس کی تعمیل ضروری نہیں۔ البتہ جس بات کی قدرت ہو اس کی تعمیل ناگزیر ہے ـــــ وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق۔

۳۴۶۔ ستر عورت (پردہ پوشی) فرض ہے

دیکھنے والے کی آنکھ سے اپنے ستر کو چھپانا فرض ہے۔ تمام نمازوں میں یہ امر فرض کی حیثیت رکھتا ہے خواہ کوئی شخص موجود ہو یا نہ ہو۔ قرآن کریم میں فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔

"اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔"

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ (النور۔ ۳۰)

"مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس نے اپنی شرمگاہ کو اُس کے لیے کھولا جس کے لیے وہ مُباح نہیں تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

قرآن میں فرمایا :

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف۔۳۱) "ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کر لیا کرو"

اس بات پر اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ زینت سے ستر عورت مُراد ہے۔

۳۴۷۔معذور شخص کا حکم (ستر عورت کی پردہ پوشی کا ضروری ہونا) عامد کے لیے ہے۔لیکن جس کو وہ کپڑا میسّر نہ ہو جس میں نماز مباح ہے، یا اسے مجبور کیا جائے یا وہ بھول جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔اِس لیے کہ ارشادِ باری ہے کہ "وہ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا" (سورۃ بقرہ) نیز فرمایا "جو بات تم بھُول کر کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، گرفت اس بات پر ہے جو تمہارے دل دانستہ کریں" (سورۃ احزاب)

نیز حضورؐ نے فرمایا "میری اُمّت کو خطا و نسیان معاف کر دیا گیا ہے اور وہ بات (بھی معاف ہے) جس پر ان کو مجبور کیا جائے" (طبرانی عن ثوبان)

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں ہمارا فیصلہ وہی ہے جو ہم نے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو اس حال میں نماز ادا کرے جب کہ وہ ایسی چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اجتناب ضروری ہے۔اس مسئلہ میں اور مندرجہ ذیل مسائل میں کچھ فرق نہیں، دونوں بالکل یکساں قسم کے ہیں۔وہ مسائل حسبِ ذیل ہیں :

۱۔جو شخص بھُول کر برہنہ نماز ادا کرے تو جو فرائض اُس نے اس حالت میں ادا کیے ہیں ان کو نظر انداز کر کے حسبِ مامور دوبارہ ادا کرے۔

۲۔جو نماز اس نے کپڑے پہن کر ادا کی ہو اس پر بناء کرے اور سجدۂ سہو ادا کرے۔

۳۔نماز کا جو حصّہ اُس نے اس حالت میں ادا کیا، اگر وہ ایسا ہے کہ اگر اسے نہ بھی ادا کرتا تو نماز ہو جاتی وہ جائز ہے۔مگر اسے سجدۂ سہو ادا کرنا ہوگا ——— (وباللہ تعالیٰ التوفیق)

۳۴۸۔نماز کے کسی مؤخّر رُکن کو مُقدّم کرنا جائز نہیں اگر کوئی شخص بھُول کر، یا دانستہ یا لاعلمی کی بنا پر برہنہ حالت میں نماز کی تکبیر کہے یا نماز کی حالت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں ان امور سے اجتناب نہ کرے جن سے اجتناب فرض ہے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ اس نے نماز کا آغاز حسب مامور نہیں کیا۔ وہ اداکردہ نماز پر بنا بھی نہیں کر سکتا۔ کسی مؤخر رکن کو اس رکن سے مقدم نہیں کیا جا سکتا جو ترتیب میں اس سے پہلے ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے فرمایا "جس نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ رد کیے جانے کے لائق ہے" (بخاری، مسلم)

۳۴۹۔ ستر کی حدود مرد کے لیے عام ناظرین سے اور نماز کی حالت میں جن اعضاء کو چھپانا ضروری ہے وہ آلۂ تناسل اور دُبر کا حلقہ ہے۔ مرد کے لیے ران کا چھپانا ضروری نہیں۔ عورت کے لیے تمام جسم کو چھپانا ضروری ہے ماسوا چہرے اور ہاتھوں کے۔ ان جملہ امور میں آزاد مرد اور غلام نیز آزاد عورت اور لونڈی سب مساوی ہیں۔ ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

۵۲۳۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج، از سعید بن یحییٰ اُموی، از والد خود، از عثمان بن حکیم بن عباد بن حُنیف انصاری، از ابوامامہ بن سہل بن حُنیف، از مسور بن مخرمہ] روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بھاری پتھر اٹھا کر لایا، میں نے ایک معمولی سا تہبند باندھ رکھا تھا۔ میرا تہبند کھل کر گر گیا اور پتھر کی وجہ سے میں اسے تھام نہ سکا حتیٰ کہ میں نے پتھر کو اس کی جگہ پر پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر رسول کریمؐ نے فرمایا "وہاں جا کر اپنا تہبند لے لو اور برہنہ ہو کر نہ چلا کرو" (مسلم الطہارت باب ۵۳، ابوداؤد کتاب الحمام ۳)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تہبند باندھنا فرض ہے۔

۵۲۴۔ ران کے ستر عورت نہ ہونے کے بارے میں ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از یعقوب بن ابراہیم، از ابن عُلَیہ یعنی اسماعیل بن ابراہیم، از عبدالعزیز بن صہیب، از انس بن مالکؓ] روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم نے خیبر پہنچ کر نماز فجر اندھیرے میں ادا کی۔ رسول کریمؐ سوار ہو گئے اور ابوطلحہؓ بھی سوار ہوئے۔ میں ابوطلحہؓ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا تھا۔ رسول اکرمؐ خیبر کی گلیوں میں اپنی سواری کو دوڑا رہے تھے۔ میرے زانو رسول کریمؐ کی ران سے چھو رہے تھے۔ آپؐ نے اپنی ران سے چادر کو ہٹایا حتیٰ کہ میں رسول کریمؐ کی ران کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا (تا آخر) (بخاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الصلوٰۃ باب ۱۲، مسلم کتاب النکاح باب ۱۴، و المغازی باب ۴۵، ابو داؤد کتاب الخراج باب ۲۴، نسائی کتاب النکاح باب ۷۹)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ران ستر میں شامل نہیں۔ اور اگر ستر میں شامل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاک اور معصوم نبی کو اس کے کھولنے کی اجازت نہ دیتے۔ اور نہ ہی انس بن مالک اور دوسرے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ حالانکہ حضورؐ نے بچپن کے زمانہ میں اور قبل از نبوت بھی اپنے ستر کو کبھی نہیں کھولا تھا جیسا کہ

۵۲۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از زُہیر بن حرب، از رَوح بن عُبادہ، از زکریا بن اسحاق، از عمرو بن دینار] روایت کیا وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو یہ ذکر کرتے سُنا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ کعبہ کے لیے پتھر لارہے تھے اور آپؐ نے تہبند باندھ رکھا تھا۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا "بھتیجے! بہتر ہوتا کہ آپ تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لیتے تاکہ اس پر پتھر کا نشان نہ پڑتا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے تہبند کھول کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ اس کے نتیجہ میں آپ پر غشی طاری ہوگئی اور گر پڑے۔ اس کے بعد آپؐ کو کبھی برہنہ حالت میں نہ دیکھا گیا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۸، مسلم کتاب الطہارۃ، باب ۵۲)

۵۲۶۔ اسی طرح ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جُریج، از عمرو بن دینار] روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ کو یہ بیان کرتے سنا کہ جب کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ پتھر ڈھو رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے کہا اپنا تہبند کندھے پر رکھ لیجیے تاکہ پتھر کا نشان نہ پڑے۔ جب آپؐ نے ایسا کیا تو غش کھا کر زمین پر گر پڑے اور آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ پھر کھڑے ہو کر فرمانے لگے "میری چادر، میری چادر"۔ پھر آپؐ نے تہبند باندھ لیا۔ (عبدالرزاق، ۱: ۲۸۶ و بخاری کتاب الحج و المناقب، و مسلم کتاب الطہارہ باب ۵۲)

۵۲۷۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از زُہیر بن حرب، از اسماعیل بن ابراہیم یعنی ابن عُلَیّہ، از ایوب سختیانی، از البراء یعنی ابو العالیہ] روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن صامت نے میری ران پر ہاتھ مارا اور کہا میں نے ابوذر سے سوال کیا تو انہوں نے میری ران پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ہاتھ مارا جیسے مَیں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے۔ پھر کہا کہ مَیں نے رسُول کریمؐ سے سوال کیا جیسے تم نے مجھ سے سوال کیا ہے۔ آپؐ نے میری ران پر ہاتھ مارا جیسے مَیں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے۔ پھر فرمایا "نماز وقت پر ادا کیا کرو۔ اس کے بعد اگر تم اُن (حکّام و اُمراء) کے ساتھ نماز پاؤ تو اُن کے ساتھ مل کر پڑھ لیا کرو اور یہ نہ کہو کہ مَیں نماز پڑھ چکا ہوں لہٰذا اب نہیں پڑھوں گا۔[1]" (مسلم الصلوٰۃ ص ۹۴ ، ونسائی باب ۱۹۴ و ۲۴۷)

اگر ران ستر میں شامل ہوتا تو رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنا مقدس ہاتھ ابوذرؓ کے ران پر نہ مارتے اگر ابوذرؓ کے نزدیک ران ستر میں شامل ہوتا تو اس پر اپنا ہاتھ نہ مارتے۔ حضرت عبداللہ بن صامت اور ابوالعالیہ کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلم کے لیے روا نہیں کہ کسی انسان کے آلۂ تناسل یا حلقۂ دُبر کو کپڑوں سمیت چھُوئے۔ اسی طرح اجنبی عورت کے بدن کو بھی کپڑوں سمیت چھُوا نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی شخص کسی کے سرین پر کپڑوں سمیت لات مارے تو رسُول کریمؐ نے اس کا قصاص لینے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا "چھوڑیئے یہ بدبُودار ہے۔" (بخاری تفسیر سورۃ ۶۳۔ مسلم کتاب البر۔ ترمذی کتاب التفسیر سورۃ ۶۳۔ احمد ۳: ۳۳۸، ۳۸۵، ۳۹۳)

اگر معترض کہے کہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر فرار ہو گیا تھا حتیٰ کہ بنو اسرائیل نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے خُصیتَین پھُولے ہُوئے نہیں ہیں (بخاری ، مسلم الطہارۃ و نیز مسلم الفضائل و مُسند احمد ۲: ۳۱۵ و ۵۱۵)، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ حدیث دو وجہ سے آپ کی دلیل نہیں بن سکتی:

پہلی وجہ یہ ہے کہ مُوسوی شریعت میں پردہ کھولنے کا جو حکم تھا وہ ہماری شریعت میں نہیں ہے اسی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ بنو اسرائیل برہنہ غسل کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کر رہے تھے۔ کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ آپ نے بنو اسرائیل کو برہنہ غسل کرنے سے منع کیا ہو۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام فرطِ حیاء کی وجہ سے چھپ کر غسل فرماتے تھے۔ جس طرح رسُول کریمؐ نے حضرت عثمانؓ سے شرما کر اپنی پنڈلی چھپا لی تھی۔ حالانکہ پنڈلی کسی کے نزدیک بھی ستر میں شمار نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کی شرمگاہ کو دیکھا تھا

[1] صحیح مسلم ، ج ۱ ، ص ۱۰۴ ، ۱۰۵۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو کہ ستر میں شامل ہے۔ بخلاف ازیں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا جس سے ان پر واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ اس مرض میں مبتلا نہیں جس میں وہ آپ کو مبتلا سمجھتے تھے ظاہر ہے کہ شرمگاہ کو دیکھے بغیر بھی ایسی بات کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ دونوں رانوں کے درمیان جگہ خالی ہو اور اس مرض کا کوئی نشان نہ پایا جاتا ہو) اس طرح مخالفین کا احتجاج اس حدیث کے ساتھ باطل ٹھہرا۔

اگر مخالفین وہ احادیثِ ضعیفہ پیش کریں جن میں آیا ہے کہ ران ستر میں شامل ہے تو ان کا استدلال بے کار ہے۔ اس لیے کہ ایسی تمام احادیث ساقط الاحتجاج ہیں۔

باقی رہی جُرَہد سے مروی حدیث جو کہ ابن جرہد سے روایت کرتا ہے تو وہ مجہول ہے۔ اس طرح یہ حدیث دو مجہول راویوں سے منقول ہونے کے علاوہ منقطع بھی ہے۔

یہ روایت عمرو بن شعیب از والد اُو از جدّ اُو بھی منقول ہے مگر یہ روایت بذریعہ صحیفہ (عبداللہ بن عمرو بن العاص) ہے اور اس سند سے ایسے مسائل بھی اس صحیفہ میں مذکور ہیں جن کو ہم نے مختلف مقام پر ذکر کیا ہے جن کو مخالفین تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً اسی سند کے ساتھ اسی صحیفہ میں مروی ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فیصلہ کیا اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی وفات کے بعد اس کے وارث دعویٰ کریں کہ فلاں بچہ جسے میّت کی اولاد کے طور پر پکارا جاتا ہے اُسی مرنے والے کا ہے۔ اگر وہ بچہ اس لونڈی سے پیدا ہُوا ہو جو بروز مجامعت اس کی ملکیت تھی تو اس بچے کا نسب اس میت سے ثابت ہو جائے گا۔ جو وراثت قبل ازیں تقسیم ہو چکی اُس میں سے اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ اور جو تقسیم ہونا باقی ہے اُس میں سے اُس بچے کا حصّہ نکالا جائے گا۔ اور اگر اُس شخص نے جس کی طرف بچے کو منسوب کیا جاتا ہے اُس کی اولاد ہونے سے انکار کیا ہو تو اس کا نسب ثابت نہیں ہو گا۔ (ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۲۹، ابن ماجہ کتاب الفرائض باب ۱۴، دارمی کتاب الفرائض باب ۴۵)۔

اسی صحیفہ میں اسی سند کے ساتھ ایک مرفوع روایت اور بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ وضو کرتے وقت اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا جائے جس نے اس میں کمی بیشی کی اُس نے بُرا کیا اور اپنی جان پر ستم ڈھایا (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ)۔ اسی سند کے ساتھ مذکور ہے کہ آپؐ نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ واحمد ۲: ۱۷۹ فی حدیث طویل) نیز فرمایا جب کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عورت کا نکاح ہو جاتے اور اس کا خاوند اس کی عصمت کا مالک بن جائے تو عورت اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتی (ابوداؤد، البیوع باب ۸۶، نسائی العُمریٰ باب ۲)۔ علاوہ ازیں یہ روایت کہ "اگر کسی کی آنکھ اپنی جگہ پر موجود ہو (تو اس کی بصارت زائل ہو جانے سے) ایک تہائی دیت ادا کرنا ہوگی (ابوداؤد الدیات باب ۲۰ والنسائی القود باب ۳۷) اس کی امثلہ بے شمار ہیں۔

قبیصہ بن مُخارق کی روایت میں ہے کہ ران ستر میں شامل ہے۔ مگر اس کی سند میں سلیمان بن سلیمان، محمد بن عُقبہ اور جریر بن قطن تین مجہول راوی ہیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔

یہ الفاظ ابن جحش کی سند کے ساتھ بھی منقول ہیں۔ اس کی سند میں ابوکثیر مجہول راوی ہے۔ بطریق علی یہ حدیث منقطع ہے۔ ابن جریج نے اس کو حبیب بن ابی ثابت سے روایت کیا ہے۔ مگر ابن جُریج کا سماع حبیب سے ثابت نہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک غیر معروف راوی ہے جس کا نام معلوم نہیں۔ حبیب بن ابی ثابت نے اس کو عاصم بن ضَمرہ سے روایت کیا ہے۔ مگر حبیب کا سماع عاصم سے ثابت نہیں۔ ابن معین کہتے ہیں دونوں کے درمیان ایک ضعیف راوی ہے۔ ابن جُریج سے اس کو صرف ابوخالد نے روایت کیا ہے جو مجہول ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون ہے۔

یہ حدیث بطریق ابن عباسؓ بھی منقول ہے۔ اُس کی سند میں ابو یحییٰ القتات ضعیف راوی ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بسندِ دیگر ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس میں بہت سے مجہول راوی ہیں نیز بطریق سُفیان ثوری بھی منقول ہے مگر وہ "لاشئ" محض ہے[1]۔

اگر مذکورہ صدر آثار میں سے کوئی اثر بھی منقول نہ ہوتا تو بھی کسی عضو کے بارے میں یہ حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ ستر میں شامل ہے اور اس کے برہنہ رہنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ کسی نصِ قطعی یا اجماع سے اس کا ستر ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

---

[1] اس حدیث کی سند پر نقد و تبصرہ کے لیے دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۴۸۳، ۴۸۰) التلخیص ص ۱۰۸، نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۸، ۵۰۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۲۲۷-۲۳۲۔ ونیز تحفۃ الاحوذی کتاب الادب۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۲۸-اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از ابوبکر بن اسحاق، از سعید بن کثیر بن عفیر، از عبداللہ بن وہب، از یونس بن یزید، از ابن شہاب، از علی بن حسین، از والد اُو حضرت حُسین بن علی رضی اللہ عنہما] روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا غزوہ بدر کے مالِ غنیمت میں سے مجھے ایک بوڑھی اونٹنی ملی۔ (تا آخر) اس حدیث میں مذکور ہے کہ سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نظر اُٹھا کر آپ کے دونوں گھٹنوں اور ناف کو دیکھا۔ پھر راوی نے باقی ماندہ حدیث ذکر کی (بخاری کتاب البیوع والمغازی والخمس والشرب واللباس، مسلم الاشربۃ، ابوداؤد الامارۃ)

اگر ناف ستر میں شامل ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت حمزہؓ یا دوسروں کو اس کے دیکھنے کی اجازت نہ دیتے۔

۵۲۹-ہم نے بطریق [ابوداؤد، از مسلم بن ابراہیم، از ہشام الدستوائی، از ابوالزبیر] حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سرین مبارک کو موچ آگئی تھی اس لیے آپ نے اس پر سنگی کھچوائی۔ (ابوداؤد، کتاب الطب باب۵)

اگر سرین ستر میں شامل ہوتے تو آپ سنگی لگوانے والے کے سامنے اسے نہ کھولتے[1]

یہ حدیث ایسی سند پر مشتمل ہے کہ ہمارے مخالفین کی انتہائی خواہش ہے کہ ایسی سند ان کو مل جاتی جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم ناقابلِ احتجاج احادیث کے مقابلہ میں احادیثِ صحیحہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اللہ کی پناہ کہ ہم محض تقلید کی پُشت پناہی اور شریعت کی تخفیف کے لیے کسی جگہ ایسی دلیل سے احتجاج کریں جو کہیں بھی ہمارے نزدیک قابلِ احتجاج نہ ہو۔

جو بات ہم نے کہی ہے جمہور سلف اسی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریقِ محمد بن المثنیٰ، از سفیان بن عُیَینہ، از محمد بن المنکدر، از عبدالرحمٰن بن یربُوع، از جُبیر بن حُویرث روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو قُزح (کے پہاڑ) پر کھڑے دیکھا، آپ فرما رہے تھے "ارے لوگو! صبح کو کوچ کرو" میں

---

[1] ابنِ حزم کا یہ استدلال اس حدیث سے صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک طبّی ضرورت تھی جہاں انسان بوجہ مرض اپنے عضوِ مخصوص تک دیکھنے اور دکھانے کے لیے مجبور ہوتا ہے اسے عام حالات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھ رہا تھا کہ آپ کی ران کھلی ہوئی تھی [1]

۵۳۰۔ نیز ہم نے بطریق [بخاری، از عبداللہ بن عبدالوہاب الحجبی، از خالد بن حارث، از ابن عون یعنی عبداللہ، از موسیٰ بن انس بن مالک] روایت کیا ہے کہ انہوں نے یمامہ کے دن کا ذکر کیا اور کہا کہ انسؓ ثابت بن قیس بن شماس کے یہاں آتے جب کہ ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی اور ران کو حنوط (ایک خوشبو جو میت کو لگائی جاتی ہے) لگایا جا رہا تھا۔ ان کی رانیں کھلی ہوئی تھیں (بخاری کتاب الجہاد باب ۳۹) بخاری کہتے ہیں اس حدیث کو حماد نے بروایت ثابت از انس ذکر کیا ہے (حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ۶ : ۳۸ میں فرمایا کہ حماد بن سلمہ کی روایت ابن سعد اور طبرانی و حاکم نے مختلف طُرق سے روایت کی ہے)۔

نیز ہم نے بطریق محمد بن فضیل، عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ میں ابو جعفر محمد بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ بخار میں مبتلا تھے، اور آپ کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں۔ (تا آخر)

پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے افعال سے ثابت ہوتا ہے کہ فخذ یعنی ران ستر عورت نہیں ہے جیسا کہ ابو بکرؓ نے موسم حج میں حجاج کے سامنے اور ثابت بن قیسؓ نے حضرت انسؓ کے سامنے اپنا ران کھولے رکھا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی۔ اور یہی قول ہے ابن ابی ذئب کا اور سفیان ثوری کا اور ابو سلیمان کا۔ اور اسی پر ہمارا عمل ہے عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] اس اثر کو حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "تعجیل المنفعۃ" میں سعید بن عبد الرحمٰن کے ترجمہ میں مسند احمد کی جانب منسوب کیا ہے۔ مگر مجھے یہ اثر مسند احمد میں نہیں ملا۔ بلکہ جُبیر بن حُویرث کے ترجمہ میں ابن حجرؒ نے اس کو مسند شافعی کی جانب منسوب کیا ہے۔ چنانچہ یہ اثر مجھے مسند شافعی ص ۱۲۰ پر مل گیا۔ اس کی عبارت یوں ہے (بطریق سفیان از محمد بن المنکدر، از سعید بن عبد الرحمٰن بن یربوع از جبیر ابن حُویرث) روایت کیا ہے کہ میں نے ابو بکر صدیقؓ کو قُزح (کے پہاڑ) پر کھڑے دیکھا۔ آپ کہہ رہے تھے "اے لوگو! اخرب روشنی ہو جانے پر کوچ کیجیے" پھر آپ نے کوچ کیا گویا کہ میں آپ کی ران کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ زور سے اپنی چھڑی اونٹ کی گردن پر مار رہے تھے حتیٰ کہ اس کا چمڑا زخمی ہونے سے اُبھر آیا"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ۔ (النور۔ ۳۱)

"اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں بجز اُس زینت کے جو (خود بخود) ظاہر ہو اور اپنی چادریں اپنے پہلوؤں پر لپیٹ لیں اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنے پہلو چادر کے ساتھ ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت اس بارے میں نصِ قطعی ہے کہ عورت کو اپنا ستر، گردن اور سینہ چھپانا فرض ہے۔ اس آیت میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ چہرہ کھلا رکھنا مباح ہے[1]۔ اس کے سوا دوسرا کوئی مفہوم ممکن نہیں۔

اسی سورہ میں فرمایا:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ۔ (النور۔ ۳۱)

اور اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تاکہ جس زینت کو انہوں نے چھپایا ہوا ہے وہ ظاہر ہو جائے۔"

یہ آیت اس بارے میں نصِ قطعی ہے کہ دونوں پاؤں اور دونوں پنڈلیاں ستر میں شامل ہیں اور ان کو کھولنا جائز نہیں۔

۴۳۱۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از عمرو الناقد، از عیسیٰ بن یونس، از ہشام، از حفصہ بنت سیرین، از اُمِ عطیہؓ) روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر معمر خواتین حیض والیوں اور پردہ دار عورتوں کو باہر (عید میں شمولیت کے لیے) نکالا کریں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کسی کی چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا تو اس کی (مسلمان) بہن اس کو اپنی چادر پہنا دے۔ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

---

[1] ابنِ حزم کا یہ موقف صحیح نہیں بلکہ آیت میں چہرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے الا ما ظھر منھا کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ پردہ میں ہوتے ہوئے اگر بے خیالی میں ہاتھ پاؤں وغیرہ کھل جائیں تو اس پر گرفتِ الٰہی نہیں لیکن معلوم ہوتے ہی فوراً اسے ڈھانکنا فرض ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ابو الاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث میں خواتین کو نماز میں شمولیت کے لیے چادر اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جلباب عربی زبان میں ــــ جس میں رسولِ کریمؐ نے ہم کو مخاطب فرمایا ــــ اس چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے نہ کہ کچھ حصہ کو۔ لہٰذا ہم نے جو بات کہی تھی وہ صحیح ثابت ہوئی۔

۵۳۲- اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ہم نے بطریق (عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از امام بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید القطان، از سفیان ثوری، از عبدالرحمٰن بن عابس) روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو یہ بیان کرتے سنا کہ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں عید کی نماز ادا کی۔ آپؐ نے نماز ادا کرنے کے بعد خطبہ دیا۔ پھر بلالؓ کی رفاقت میں عورتوں کی مجلس میں گئے۔ ان کو وعظ و نصیحت کی اور صدقے کا حکم دیا۔ میں نے دیکھا کہ عورتیں ہاتھوں کے ساتھ زیور اُتار کر بلالؓ کے کپڑے میں ڈال رہی تھیں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۳۱۲ و ۳۸۰ و ۳۸۲ والنکاح باب ۱۲۵ والاعتصام باب ۱۷۰، ابوداؤد الصلوٰۃ باب ۲۵۱، نسائی الصلوٰۃ باب ۶۷۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسولِ کریمؐ کی موجودگی میں خواتین کے ہاتھ دیکھے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے ہاتھ اور چہرہ ستر میں شامل نہیں[1]۔ اس کے ماسوا کا چھپانا عورت پر فرض ہے۔

۵۳۳- جیسا کہ ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از سلیمان بن سیف، از یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ، از والد خود، از صالح بن کیسان، از ابن شہاب، از سلیمان بن یسار) روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ فضل بن عباسؓ سواری پر رسولِ کریمؐ کے ہم رکاب تھے (تا آخر) اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ فضل بن عباسؓ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے۔ اور وہ حسین عورت تھی۔ رسولِ اکرمؐ فضل کے چہرے

---

[1] ابن حزمؒ کا یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ عورتوں نے اپنے ہاتھوں کو کھولے نہیں رکھا تھا بلکہ بوقتِ ضرورت صدقہ دینے کے لیے صدقہ کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو بڑھایا تھا اور یہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں داخل ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو دوسری جانب موڑ رہے تھے۔ (بخاری کتاب الحج و المغازی مسلم ابوداؤد کتاب الحج، نسائی کتاب الحج و کتاب القضاۃ)

اگر چہرہ پردہ میں شامل ہوتا تو رسول کریمؐ لوگوں کی موجودگی میں اسے کھولنے کی اجازت نہ دیتے اور اس عورت کو چادر اوڑھنے کا حکم دیتے۔ اگر اس عورت کا چہرہ مستور ہوتا تو ابن عباسؓ کو معلوم نہ ہوتا کہ آیا وہ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ لہٰذا ہمارے قول کی صحت یقینی طور پر ثابت ہوئی۔[1] والحمد للہ کثیراً

باقی رہا آزاد عورت اور لونڈی کا فرق تو اللہ کا دین ایک ہے۔ اور طبیعت انسانی بھی یکساں ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں لونڈی اور آزاد عورت دونوں یکساں ہیں۔ حتیٰ کہ کسی نص سے دونوں کا فرق ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

اگر معترض کہے کہ مذکورہ صدر آیت قرآنی "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ" میں آزاد عورتوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ "بعل" عربی زبان میں آقا اور خاوند دونوں کو کہتے ہیں۔ اور لونڈی بھی بعض اوقات شادی کر لیتی ہے۔ اور ہمیں یہ بات معلوم نہیں کہ لونڈی کے بیٹے، باپ دادا، ماموں یا چچا نہیں ہوتے، جس طرح کہ آزاد عورتوں کے ہوتے ہیں۔

بعض لوگ جنہوں نے آیت کریمہ:

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔ (الاحزاب۔ ۵۹)　　"اپنے چہروں پر چادر لٹکا لیا کریں۔ یہ امر اُن کے لیے موجب شناخت (و امتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دیگا۔"

کی تفسیر میں غلطی کھائی ہے اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ فاسق لوگ اپنے فسق کی وجہ سے عورتوں کو چھیڑتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادریں اوڑھنے کا حکم دیا۔ تاکہ فاسق لوگ پہچان لیں کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور ان سے تعرض نہ کریں۔

---

[1] اس حدیث سے بھی استدلال صحیح نہیں کیونکہ مسئلہ پوچھنے والی حالتِ احرام میں تھی اور احرام میں چہرہ کھولے رکھنے کی اجازت ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں دیا، البتہ حالتِ احرام میں بھی دوسری عورتوں کو محرم کے لیے دیکھنا جائز نہیں اس لیے فضل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے سے روک رہے تھے۔ فافہم (ابو الاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اس فاسد تفسیر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یہ تفسیر یا تو ایک عالم کی لغزش اور توہّم پرستی پر مبنی ہے یا ایک کاذب وفاسق کی افترا پردازی ہے۔ اس تفسیر سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی لونڈیوں کو بے آبرو کرنے کی کھلی چھٹی دے دی تھی۔ یہ ایک ابدی آفت ہے۔ اہلِ اسلام کے یہاں اس بات پر کامل اتفاق پایا جاتا ہے کہ لونڈی کے ساتھ زنا بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح آزاد عورت کے ساتھ۔ نیز یہ کہ لونڈی کے ساتھ زنا کرنے والے پر بالکل اسی طرح حد لگائی جاتی ہے جس طرح آزاد عورت کے ساتھ زنا کرنے والے پر۔ دونوں کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ مزید براں آزاد عورت اور لونڈی میں حرمت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ انہی شکوک و شبہات کے پیشِ نظر یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ رسولِ کریمؐ کے بعد کسی کے قول کو قبول نہ کیا جائے جب تک اس قول کو رسولِ کریمؐ کی جانب منسوب نہ کیا گیا ہو۔

۵۳۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از ابن الاعرابی، از ابو محمد ابن الجارود القطان، از عفان بن مسلم، از حماد بن زید، از قتادہ، از محمد بن سیرین، از صفیہ بنت الحارث] امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی بالغ عورت کی نماز دوپٹہ اوڑھے بغیر قبول نہیں کرتا۔"[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم نے بطریق مالک از محمد بن ابی بکر، اور وہ اپنی والدہ سے، اور وہ

---

[1] ابوداؤد (ج ا ص ۲۴۴) حاکم (ج ا ص ۲۵۱)، البیہقی (ج ا ص ۲۳۳) بطریق حجاج بن المنہال۔ ترمذی (ج ا ص ۷۶)، بطریق قبیصہ۔ نیز دیکھیے المنتقیٰ ابن الجارود (ص ۹۱ طبع جدید ۶۸) بطریق ابونعمان والوالولید۔ بیہقی نے اس کو بطریق ابوالولید روایت کیا ہے۔ یہ سب حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ قتادہ سے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے بشرطِ مسلم صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداؤد نے اس کو بروایت سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ، از حسن، از رسولِ اکرمؐ معلول ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی علت نہیں جس نے مرسل بیان کیا اور مرفوع بیان کرنے والوں نے مرفوع، مرفوع کو مرسل سے رد نہیں کیا جائے گا۔

[2] اصل نسخہ میں اسی طرح ہے مگر یہ درست نہیں۔ موطا (ص ۵۰) میں اس کے خلاف مرقوم ہے۔ صحیح سند یوں ہے "بطریق مالک، از

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے اُمّ المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ عورت کتنے کپڑے پہن کر نماز ادا کرے؟ فرمایا لمبی قمیص میں جو اس کے پاؤں کی پُشت کو ڈھانپ لے اور دوپٹے میں۔

نیز بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از جابر، از اُمّ ثور وُہ اپنے خاوند بشر[1] سے روایت کرتی ہیں کہ مَیں نے ابنِ عباسؓ سے پُوچھا عورت کتنے کپڑے اوڑھ کر نماز ادا کرے؟ کہا قمیض اور دوپٹے میں۔ (عبدالرزاق ۳: ۱۲۸ و ابن ابی شیبہ ۲: ۲۲۵)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از اَوزاعی، از مکحول روایت کیا ہے۔ مکحول اس شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے اُم المومنین عائشہؓ سے سوال کیا تھا کہ عورت کتنے کپڑے پہن کر نماز ادا کرے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: حضرت علیؓ سے پوچھو اور جو جواب دیں مجھے بتاتے جائیں۔ چنانچہ اُس نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا دوپٹہ اور لمبی قمیص اوڑھ کر۔ اس نے حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر اُن کو حضرت علیؓ کے جواب سے آگاہ کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "حضرت علیؓ نے سچ کہا"۔ (عبدالرزاق ۳: ۱۲۸ و ابن ابی شیبہ ۲: ۲۲۵)

مزید برآں ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ، از عبداللہ بن ادریس، از قابوس بن ابی ظبیان از والد خود روایت کیا ہے کہ ایک لڑکی حضرت عائشہؓ کے عصر و عہد میں گھر سے باہر نکلا کرتی تھی جب کہ اس کی چھاتیاں نمایاں ہو چکی تھیں۔ جب اس ضمن میں حضرت عائشہؓ کو کہا گیا تو انہوں نے فرمایا "ابھی اسے حیض نہیں آیا"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باختلاف یسیر ۲: ۲۲۹)

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس سے آزاد عورتیں مراد ہیں لونڈیاں نہیں وہ جھوٹا ہے۔ اور وہ بالکل ان لوگوں کی طرح ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے صرف قریشی یا مُضَری یا عَربی خواتین مراد ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی فرق

محمد بن زید بن قُنفُذ، از والدۂ خود: اصلی نام محمد بن زید بن مُہاجر بن قُنفُذ ہے۔ اُس کی والدہ کا نام اُمِّ حرام ہے۔ التہذیب میں اس کا ترجمہ مذکور ہے۔ یہ اثر اُمِّ حرام سے منقول ہے۔ بیہقی (ج ۲، ص ۲۳۲-۲۳۳) نے اس کو بطریقِ مالک و عبدالرحمٰن بن عبداللہ روایت کیا ہے۔

[1] بشر اور اس کی بیوی کا ترجمہ کہیں میری نظر سے نہیں گزرا بجز ابن سعد (ج ۸، ص ۳۶۵) کے اس قول کے کہ اُمّ ثور سے جابر جعفیؒ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ یہ سب جھوٹے اقوال ہیں۔

نیز ہم نے بطریق (ابن المثنّٰی، از ابن فضیل، از خصیف[1]، از مجاہد) روایت کیا ہے کہ مجاہد فرماتے تھے کہ جو عورت بالوں کو ڈھانپے بغیر نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں کرتا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۲۸، و عبدالرزاق ۳: ۱۳۱)۔

نیز بطریق (ابن المثنّٰی، از عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابن جریج، از عطاء) روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ "لونڈی نماز پڑھتے وقت اپنے سر کو ڈھانپ لیا کرے۔" (عبدالرزاق ۳: ۱۳۴)۔ اسی معنی میں عبدالرزاق نے ثوری کی اسی سند سے ایک طویل روایت نقل کی ہے مزید براں بطریق عبدالرزاق، از ابن جریج، از سلیمان بن موسیٰ روایت کی ہے کہ جب عورت کو حیض آنے لگے تو سر ڈھانپے بغیر اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔ (عبدالرزاق ۳: ۱۳۱)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از ابن جریج، از عطاء۔ روایت کیا ہے کہ جب لونڈی نماز پڑھے تو اپنے سر کو دوپٹے یا کسی کپڑے کے ساتھ ڈھانپ لے۔ عہد رسالت میں لونڈیاں اسی طرح کیا کرتی تھیں (عبدالرزاق ۳: ۱۳۶)

جب لونڈی کسی غلام یا آزاد آدمی سے نکاح کر لیتی تو حضرت حسنؓ اسے سر ڈھانپنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

(عبدالرزاق ۳: ۱۳۴)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ ہم سے پوشیدہ نہیں (جیسا عبدالرزاق ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے)۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول حجت نہیں۔ جب سلف کے یہاں کوئی مسئلہ متنازعہ ہو تو کتاب و سنت کی طرف رجوع واجب ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض ٹھہرایا ہے۔ کتاب و سنت میں آزاد عورت اور لونڈی کی نماز میں کچھ فرق و امتیاز روا نہیں رکھا گیا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مقلدین ایسے مسائل میں حضرت عمرؓ کی مخالفت کی پروا نہیں کرتے جہاں اُن کی مخالفت ناروا ہے، اور جہاں

۳۔ نے روایت کی ہے۔ وہ اپنے خاوند بشر سے روایت کرتی ہیں کہ اُس نے ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ عورت کتنے کپڑے پہن کر نماز ادا کرے؟

[1] خصیف بن عبدالرحمٰن الجزری ثقہ راوی ہے۔ مگر وہ کثیر الوہم والخطاء راوی تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحابہ میں سے کوئی بھی اُن کے خلاف نہیں اور کتاب وسُنّت سے بھی اُن کی تائید ہوتی ہے۔ اور ایسا اس وقت کرتے ہیں جہاں امام ابوحنیفہ، یا مالکؒ یا شافعی کی رائے حضرت عمرؓ کے خلاف ہو۔

مثلاً حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ اگر مُحرم خرگوش کو مار ڈالے تو بکری کا ایک سالہ بچّہ کفارہ کے طور پر ذبح کرے۔ (عبدالرزاق ۴: ۵۰۴، بیہقی ۵: ۱۸۴)۔ اور اگر گوہ کو مار ڈالے تو بکری کا بچّہ ذبح کرے (بیہقی ۵: ۱۸۵)۔ آپ فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد میں مہر نہیں ہوتا (کتابُ النکاح میں مسنداً یہ روایت آرہی ہے)۔ نیز پگڑی پر مسح کے بارے میں آپ کا قول (ترمذی و فتح الباری) اور اس قسم کے سینکڑوں دیگر مسائل وفتاویٰ۔ جب آپ کا قول امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کی رائے سے ہم آہنگ ہو تو مقلّدین کے نزدیک وہ ایسی حجّت ہے جس کی خلاف ورزی روا نہیں۔ اگرچہ دیگر صحابہ اور کتاب وسُنّت ان کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ حضرت عمرؓ سے جو قول منقول ہے وہ لونڈیوں کے گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں ہے، نماز کے بارے میں نہیں۔ لہٰذا مُقلّدین کا استدلال حضرت عمرؓ کے قول کے ساتھ باطل ٹھہرا۔

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اگر اُمّ ولد (وہ لونڈی جو صاحبِ اولاد ہو چکی ہو) دوپٹہ کے بغیر نماز پڑھے تو نماز کے وقت کے اندر اس کا اعادہ کرے (المدوّنہ: ۹۰)۔ ہم نے حضرت ابن عباسؓ سے آیتِ کریمہ "وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا" کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا سے ہتھیلی، انگوٹھی اور چہرہ مُراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک اس سے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں مُراد ہیں۔ حضرت انسؓ اس سے ہتھیلی اور انگوٹھی مُراد لیتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح روایات ہیں۔ حضرت عائشہؓ اور تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے (تفسیر طبری، تفسیر قرطبی وغیرہ)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اگر مخالفین کہیں کہ شرعی حدود میں آزاد عورت اور لونڈی کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر یہ فرق آزاد مرد اور غلام کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ پھر سترِ عورت کے سلسلہ میں غلام و آزاد کو تم نے مساوی کیوں کر قرار دیا؟ حالانکہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور نص بھی وارد ہوئی ہے کہ لونڈی پر جملہ احکام میں اسی طرح نماز فرض ہے جیسے آزاد عورت پر۔ مثلاً طہارت، قبلہ اور عددِ رکوع وغیرہ۔ پھر سترِ عورت کے بارے میں تم نے آزاد عورت اور لونڈی میں تفریق کیسے کی؟ حالانکہ بزعمِ خویش وہ اصحابِ قیاس ہیں! یہ ہے ان کے قیاس کی حالت اور مقدار جس سے کوئی چیز بھی ادنیٰ تر نہیں ہوسکتی! پس مقلدین نے نہ تو نص کی پیروی کی اور نہ ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیاس کو بہچانا ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

اگر معترض یہ کہے کہ تمہارے نزدیک مندرجہ ذیل صورتیں جائز ہیں:۔

۱۔کوئی شخص کپڑے نہ ہونے یا کسی کے مجبور کرنے کی بنا پر برہنہ نماز ادا کرے۔

۲۔کسی کے مجبور کرنے سے ایسی جگہ نماز ادا کرے جس میں ایسی چیز موجود ہو جس سے اجتناب ضروری ہے۔

۳۔اس کے کپڑوں یا جسم پر ایسی چیز ہو جس سے اجتناب ضروری ہے۔مگر وہ شخص کسی کے مجبور کرنے سے اسی حالت میں نماز ادا کرے۔

تمہارے نزدیک یہ سب صورتیں جائز ہیں۔لیکن اگر بھول کر اس حالت میں نماز ادا کرے تو وہ تمہارے نزدیک جائز نہیں۔آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ نصوصِ شرعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آدمی اگر نماز کے ضروری ارکان کو بھول جاتے تو اس کی نماز ان کے بغیر کافی نہیں ہوگی، اور ان کا ادا کرنا ضروری ہو گا۔مثلاً کوئی شخص طہارت، تکبیر، قیام، رکوع، سجدہ اور جلسہ کو بھول جاتے اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جو شخص بھول کر کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ جائے یا بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو جاتے یا سجدہ کی جگہ رکوع کرے تو یہ اس کے لیے کافی نہیں ہو گا۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص نماز کو بھول جاتے یا سو جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکے تو یاد آنے پر اسے ادا کرے (حوالہ گزر چکا) اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز کا ایک جزو بھی نماز ہی کا حکم رکھتا ہے۔لہٰذا جو شخص بھول جانے کی وجہ سے حسبِ مامور اسے ادا نہ کرے تو وہ نماز کے ایک جزو کو بھول گیا اور اس نے وہ کام کیا جسے نماز نہیں کہا جاتا۔کیوں کہ اس نے اس طرح نماز ادا کی ہے جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا تھا۔بنا بریں ہم نے بھول جانے والے پر اس امر کو واجب قرار دیا ہے کہ جس بات کو وہ بھول گیا ہے اسے حسبِ مامور ادا کرے۔بخلاف ازیں جبر و اکراہ یا (کپڑا) نہ ہونے کی صورت میں ہم نے اس کی نماز کو جائز قرار دیا ہے۔کیوں کہ نصوصِ شرعیہ اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں کہ عدمِ استطاعت کی صورت میں یہ سب باتیں جائز ہیں۔

اگر معترض کہے کہ رسولِ کریمؐ نے نماز شروع کی تو جبریلؑ نے آکر بتایا کہ آپ کے جوتوں میں پلیدی لگی ہے چنانچہ آپؐ نے جوتے اتار دیئے اور نماز کو جاری رکھا۔ہم کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے مگر آپؐ پر جوتا پہننا اس وقت حرام ٹھہرا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب جبریلؑ نے آپؐ کو بتایا اس سے پہلے نہیں۔ لہٰذا اندریں حالت آپؐ کا نماز کو شروع کرنا جائز تھا۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے آئے تو اپنے جوتوں یا موزوں پر ایک نگاہ ڈالے۔ اگر ان میں کوئی چیز دیکھے تو اسے کھرچ دے اور جوتوں سمیت نماز ادا کرے۔" (ابوداود، مصنف عبدالرزاق، والبیہقی) یہ حکم آپؐ نے اس نماز کے بعد دیا۔ جو شخص جوتوں کو دیکھے بغیر نماز شروع کرے اور ران کو پلیدی لگی ہو تو اس نے خلافِ مامور نماز ادا کی ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

ستر کے بارے میں احناف کا موقف

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پردہ کی حدود میں فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ مرد کے لیے ناف سے لے کر زانو تک ڈھانپنا ضروری ہے۔ زانو پردہ میں شامل ہے اور ناف شامل نہیں۔ آزاد عورت کے لیے پورے جسم کو ڈھانپنا لازم ہے، ماسوا چہرہ، ہاتھوں اور پاؤں کے۔ لونڈی کا ستر وہی ہے جو مرد کا۔ احناف کے نزدیک لونڈی، اُمّ ولد (وہ لونڈی جس کے بطن سے اپنے آقا سے اولاد پیدا ہو چکی ہو) اور مدبّرہ (وہ لونڈی جس کا مالک اُسے کہے کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے) ننگے سر اور ننگے بدن نماز پڑھ سکتی ہے۔ صرف ایک تہبند ضروری ہے جس سے اس کی ناف سے لے کر زانو تک کا حصہ صرف مستور ہو۔ احناف کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی۔

مزید فرمایا ستر کے احکام میں فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر نماز شروع کرتے وقت یا قیام در کوع شروع کرتے وقت آدمی یا عورت کی شرمگاہ کا کچھ حصہ بقدر بغلی درہم کھلا ہو تو دونوں کی نماز باطل ٹھہری۔ اگر آدمی یا عورت کی شرمگاہ کا اتنا حصہ حالتِ قیام یا حالتِ رکوع و سجدہ میں کھلا ہوا اور انہوں نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس سے دونوں کی نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا۔ اگر مذکورہ حالات میں مرد یا عورت کی شرمگاہ کا کچھ حصہ بقدر بغلی درہم یا اس سے کم کھل گیا تو اس سے ان کی نماز کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا۔ خواہ دیر تک ننگا رہا یا تھوڑی مدت۔

اگر آدمی یا لونڈی یا آزاد عورت کی ران یا لونڈی اور آزاد عورت کی پشت یا سرین یا حُرّہ کے اعضا میں سے سینہ، شکم، پُشت، بال یا گردن کا چوتھائی حصہ یا اس سے زیادہ کھل جائے تو امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک ان کی نماز باطل ہوئی۔ اور اگر ان اعضاء کا چوتھائی سے کم حصہ کھلا تو نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا۔ ابویوسف کے نزدیک نماز تب باطل ہوگی جب فرج کے ماسوا باقی اعضاء کا نصف سے زیادہ حصہ کھل جاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اگر نماز پڑھنے کی حالت میں لونڈی آزاد ہو جائے تو دوپٹہ لے کر سر کو ڈھانپ لے اور نماز کو جاری رکھے۔ (یعنی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے) اگر کسی ضرورت کی بنا پر آدمی برہنہ نماز شروع کرے، پھر نماز کی حالت میں کپڑا دستیاب ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ اب اسے از سرِ نو نماز کا آغاز کرنا چاہیے۔ خواہ کپڑا نماز کے شروع میں دستیاب ہو یا آخر میں۔

اور اگر تشہد کے مقدار بیٹھ چکا ہو مگر سلام نہ پھیرا ہو تب بھی اس کی نماز باطل ہو گی۔ دوسری طرف امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص تشہد کے مقدار بیٹھ چکا ہو، پھر دانستہ اس نے ریاح خارج کر دیا، یا نادانستہ اس کا ریاح خارج ہو گیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ اب اس کے ذمے کوئی چیز باقی نہیں۔ گویا امام صاحب کے نزدیک کپڑے کی دستیابی بول و براز سے بھی بڑھ کر ہے (کہ ان کے نزدیک بقدرِ تشہد بیٹھ جانے کے بعد بول و براز سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن کپڑا مل جانے سے باطل ہو جاتی ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مقتدی پر حملہ کیا گیا حتیٰ کہ اس کا تہبند کھل گیا اور اس کی شرمگاہ برہنہ ہو گئی۔ پھر امام کی نماز مکمل ہونے تک وہ اسی طرح کھڑا رہا تو مقتدی کی نماز مکمل ہو گئی۔ اور اگر اس نے امام کے ساتھ رکوع یا سجدہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو گی۔

امام ابوحنیفہؒ کے اقوال پر ابن حزمؒ کا تبصرہ

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کیا ان اقوال کا علاج یا توڑ ممکن ہے؟ بجز اس کے کہ ان سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ ان اقوال میں جو مغالطہ پایا جاتا ہے اس کا اندازہ لگانا بھی بڑا دشوار ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں لونڈی کا ستر بھی وہی ہے جو حُرّہ کا۔ البتہ اس کے بال ستر میں شامل نہیں ہیں، اگر آزاد عورت کے بال، سینہ یا پنڈلی نماز کی حالت میں کھل جائے اور نماز کا وقت باقی ہو تو اس کا اعادہ کیا جائے ورنہ نہیں۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں فرج کے بارے میں امام مالکؒ کا قول ہمیں معلوم نہیں۔ اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ فرج کے کھل جانے سے ان کے نزدیک نماز کا وقت باقی ہو تو اعادہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ہم قبل ازیں اس قول کا کہ "وقت کے اندر اعادہ ضروری ہے" کا فساد واضح کر چکے ہیں یعنی کتاب الطہارۃ میں، لہٰذا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں عمد و نسیان سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر آدمی کا ستر — از ناف تا زانو — یا عورت کا ستر (یعنی آزاد عورت اور لونڈی کا پورا جسم ماسوا لونڈی کے بالوں کے اور ماسوا حرّہ اور لونڈی کے چہرے اور ہاتھوں کے) تھوڑا ہو یا بہت کھل جائے اور وہ اُسی وقت اس کو ڈھانپ لے تو اُس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔ اور اگر ستر کا کچھ حصہ — قلیل ہو یا کثیر — کھلا رہے اور ڈھانپا نہ جائے تو نماز باطل ہوئی۔ خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ کی یہ تقسیم بلا دلیل ہے۔

ابو سلیمان (یعنی داؤد بن علی الظاہری) کہتے ہیں اگر بھول کر ایسا کرے تو معاف ہے۔ اگر دانستہ کسی کا ستر کھل جائے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔

۳۵۰۔ برہنہ حالت میں نماز باجماعت جو لوگ تباہی و ہلاکت، سامان کے چھن جانے یا فقر و افلاس کی وجہ سے برہنہ ہوں وہ اسی حالت میں صف باندھ کر امام کے پیچھے نماز ادا کریں۔ بدستور رکوع، سجدہ اور قیام کریں اور اپنی نگاہ کو جھکائے رکھیں۔ جو شخص نماز کی حالت میں دانستہ کسی مرد یا عورت کی شرمگاہ کو دیکھے جو اس پر حرام ہے اس کی نماز باطل ہوئی۔ اگر بھول کر دیکھے تو نماز باطل نہیں ہوگی، مگر سجدہ سہو ادا کرنا لازم ہوگا۔ اگر اپنی بیوی کی شرمگاہ کو دیکھا اور دانستہ نماز کی طرف توجہ دینے کو ترک دیا تو اس کی نماز اُسی طرح باطل ہوئی جس طرح دیگر اشیاء کی طرف توجہ دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کی جانب توجہ دینے کو ترک نہ کیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرۃ۔ ۲۸۶)

"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا"

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ (الانعام۔ ۱۱۹)

"اس نے جو چیز تم پر حرام ٹھہرائی ہے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے سوا اس کے جس کی طرف تم لاچار ہو جاؤ"

چونکہ اُن کو اس بات کا مکلف نہیں کیا گیا جو اُن کے بس میں نہیں اور وہ ستر عورت ہے۔ لہٰذا وہ جس بات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی قدرت رکھتے ہیں ان کو اسی حالت میں نماز باجماعت کے حکم کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ لہٰذا جو بات ان کی قدرت سے خارج ہے وہ ان سے ساقط ہو گئی۔ اور جو بات اُن کی استطاعت میں ہے وہ باقی رہی۔ کیوں کہ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جس کی تم میں طاقت ہو وہ بجا لاؤ۔" (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)۔

جو شخص نماز کی حالت میں ایسی شرمگاہ کو دیکھے جو اس کے لیے حلال نہیں تو اس کی نماز باطل ہوتی۔ اس لیے کہ اس نے ایک ناروا فعل کا ارتکاب کیا اور حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی۔ اور جس نے حسب الحکم نماز ادا نہیں کی اس نے وہ نماز نہیں پڑھی جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا "جس کسی نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ کام رد کیے جانے کے لائق ہے۔" (مسلم)

اگر بھول کر ایسا کام کیا تو اس پر سجدۂ سہو ہے۔ اس لیے کہ اس نے بھول کر نماز میں ایسے کام کا اضافہ کیا ہے کہ اگر وہ دانستہ کرتا تو اس کی نماز باطل ہو جاتی۔

لیکن اگر اُس نے ایسی شرمگاہ کو دیکھا جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے خارج از نماز مباح ہے تو یہ اُن جملہ اشیاء میں شامل ہے جن میں سے بعض کو نماز کی حالت میں دیکھنا اس کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مباحات میں باہم کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اگر ان میں سے کسی چیز کے ساتھ نمازی کُلیتہً دانستہ مشغول ہو گیا تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور حسب الحکم نماز ادا نہیں کی ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں برہنہ لوگ بیٹھ کر انفرادی طور پر نماز ادا کریں۔ رکوع اور سجدہ اشارہ سے ادا کریں اگر نماز باجماعت ادا کریں تو کافی ہوگی۔ البتہ مقتدی بیٹھ کر نماز ادا کریں اور امام ان کے درمیان بیٹھے۔ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ بیان کیا ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کریں تو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک کافی ہوگی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں برہنہ لوگ انفرادی طور پر نماز پڑھیں۔ ایک دوسرے سے دُور کھڑے ہوں۔ اگر تاریک رات ہو تو کھڑے ہو کر نماز باجماعت ادا کریں۔ امام اُن کے آگے کھڑا ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں برہنہ لوگ انفرادی طور پر یا باجماعت کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ نماز میں رکوع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سجدہ کریں۔ امام ان کے درمیان کھڑا ہو۔ نظریں جھکا کر رکھیں۔ آدمی اپنے چہروں کو عورتوں سے ہٹا کر رکھیں اور عورتیں اپنے چہروں کو مَردوں سے دوسری طرف رکھیں۔ ان میں سے کسی کے لیے بھی نماز کا اعادہ ضروری نہیں۔

زُفر بن ھُذَیل کہتے ہیں کہ برہنہ آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ رکوع اور سجدہ کریں۔ اس کے سوا دوسری کوئی صورت ان کے لیے کافی نہیں۔

اس ضمن میں ابوسلیمان (یعنی داود بن علی الظاہری) کا قول وہی ہے جو ہمارا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے اقوال مبنی برخطا ہیں۔ اس لیے کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے یا تو ترکِ جماعت لازم آتا ہے جو ناروا ہے، یا قیام، رکوع اور سجدہ کو چھوڑنا پڑتا ہے جو کہ باطل ہے۔ یا امام کو آگے کھڑے ہونے کے حق سے محروم کرنا پڑتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ حالانکہ انہوں نے اس فتویٰ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے غضِ بصر سے اُن سب کی تلافی ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول میں سب ائمہ سے زیادہ تناقض پایا جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود وہ اپنے ستر مثلاً رانوں وغیرہ کو ڈھانپنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ حالانکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس ضمن میں نصّ وارد ہو چکی ہے۔

۵۲۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اَصبغ، از محمد بن عبدالملک بن اَیمن، از محمد بن شاذان، از زکریا بن عدی، از عبیداللہ بن عمرو الرقی، از عبداللہ بن محمد بن عقیل، از سعید بن المسیب، از ابوسعید خدریؓ] روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسُولِ کریمؐ کو یہ فرماتے سُنا کہ "اے گروہِ خواتین! جب تم سجدہ میں جاؤ تو اپنی نگاہ کی حفاظت کرو، تہبند چھوٹا ہونے کی وجہ سے مَردوں کا ستر دیکھنے نہ لگ جاؤ۔" (احمد ۳: ۱۶، مجمع الزوائد ۲: ۹۲ و ۹۳ و راجع الفتح ۱: ۳۹۹)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں میں نے اپنے استاد حمام سے "فاحفظوا ابصارکم" (بصیغہ جمع مذکر) تحریر کیا ہے۔ اللہ کی پناہ، رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلفظ کی غلطی صادر نہیں ہوئی۔ چونکہ خواتین کے ہمراہ ان کے چھوٹے بچے بھی تھے اس لیے حضورؐ نے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ ورنہ جمع مؤنث کا صیغہ یعنی "فاحفظن ابصارکن" ارشاد فرماتے۔ یہ حدیث اس ضمن میں نص کی حیثیت رکھتی ہے کہ تنگدست صحابہ حضورؐ کے ہمراہ نماز ادا کرتے تھے اور آپؐ کو اس کا علم بھی تھا۔ اُن کے پاس ایسا لباس نہیں ہوتا تھا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپ سکیں۔ بایں ہمہ وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قعدہ، رکوع اور سجدہ کو ترک نہیں کیا کرتے تھے تاہم ان جملہ احوال میں غضِ بصر کا حکم لازم تھا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۵۱۔ استقبالِ قبلہ کی اہمیت چہرے اور جسم کے ساتھ قبلہ رُو ہونا نمازی پر فرض ہے۔ البتہ سواری کی حالت میں نوافل ادا کرتے وقت قبلہ رُو ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص بیماری، تکلیف، دشمن کے خوف یا جبر کی بنا پر قبلہ رُخ ہونے سے قاصر ہو تو جس طرف بھی رُخ کرے اُس کی نماز ہو جائے گی۔ مگر ان جملہ احوال میں قبلہ رُو ہونے کی نیّت کرے۔

اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ۔۱۵۰)

"اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو"

مسجد حرام پہلے صرف بیت اللہ کا نام تھا۔ بعد ازاں بتدریج اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس مسئلہ پر پوری ملّتِ اسلامیہ متفق ہے کہ اگر کوئی شخص مکہ میں قیام پذیر ہوتے ہوئے نماز میں قبلہ رُو ہونے پر قادر ہو، مگر وہ دانستہ اپنا چہرہ اندر داخل ہو کر یا باہر سے مسجد حرام کے کسی حصہ کی جانب پھیرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر وہ اس کو جائز سمجھ کر ایسا کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ سواری پر نوافل ادا کرنے کا مسئلہ قبل ازیں بیان ہو چکا۔ اگر مریض، جاہل، ڈرنے والا اور جسے مجبور کیا گیا ہو قبلہ رُو ہونے پر قادر نہ ہو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ۔۲۸۶)

"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا"

۳۵۲۔ کعبہ کی تحقیق و تصدیق جسے کعبہ کی جہت معلوم نہ ہو اس پر لازم ہے کہ کسی باخبر آدمی سے اس کی تصدیق کرے۔ اس لیے کہ کعبہ کی صحیح جہت کا تعین اسی طرح ممکن ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں۔ جو شخص خانہ کعبہ میں موجود ہو اس کو بھی کسی کے بتلانے سے پتہ چلے گا کہ یہی خانہ کعبہ ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ شرعی امور میں ایک عادل آدمی کی خبر معتبر ہوتی ہے۔ اس کی دلیل ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۵۲ غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھنے کا مسئلہ

اگر کوئی شخص کعبہ کی جہت معلوم کرنے پر قادر ہو مگر وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اگر دانستہ ایسا کیا ہو تو نماز کے وقت کے اندر اس کا اعادہ کرے۔ اور اگر بھول کر ایسا کیا تو جب چاہے اعادہ کرے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عامد و ناسی دونوں کو نماز کے وقت قبلہ رُخ ہونے کا حکم دیا گیا تھا مگر دونوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی۔ ظاہر ہے کہ جس کام سے منع کیا گیا ہو وہ اس کام کی جگہ نہیں لے سکتا جس کا حکم دیا گیا ہو۔ بھول جانے والے کے بارے میں ہم قبل ازیں دلیل ذکر کر چکے ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ دلیل پیش کرے کہ اہلِ قبا نے بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نماز کا آغاز کیا تھا جب اُن کو خبر ملی کہ خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے تو حالتِ نماز ہی میں کعبہ کی جانب گھوم گئے۔ نماز کا جو حصہ وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے ادا کر چکے تھے انہوں نے اس پر بنا کی۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ و التفسیر و خبر الواحد، مسلم و نسائی کتاب الصلوٰۃ)

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ صحیح حدیث ہے۔ مگر یہ حدیث ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی، اور ہم اس کے مخالف بھی نہیں ہیں ——— وللہ الحمد

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضورؐ کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا مگر آپ نے منع نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ دین میں حجت صرف کلام الٰہی ہے یا حضورؐ کا قول و عمل، یا وہ بات جس کو دیکھ کر آپؐ نے منع نہ کیا ہو۔

حیرت ہے کہ مالکیہ صحابہ کی مخالفت کو عظیم جرم تصوّر کرتے ہیں بشرطیکہ اُن کے امام کے قول سے ہم آہنگ ہو۔ مگر اس مسئلہ میں انہوں نے صحابہ کے ایک جمِ غفیر کے عمل کی مخالفت کی ہے جن کا صحابہ میں کوئی بھی مخالف نہ تھا۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اہلِ قبا پر بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنا فرض تھا۔ اگر وہ بیت اللہ کی جانب مُنہ کر کے نماز ادا کرتے تو بلا اختلاف ان کی نماز باطل ٹھہرتی۔ شریعت کا اتباع اسی شخص کے لیے ضروری ہے جس تک شرعی حکم پہنچا ہو۔ جس کو یہ حکم نہ پہنچا ہو اس پر شریعت کی پیروی لازم نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم میں فرمایا:

لِأُنذِرَكُم بِهِۦ وَمَنۢ بَلَغَ ۔ "تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور اس کو جس کو یہ حکم پہنچے" (الانعام - ۱۹)

اس بات میں کسی جن وانس اور فرشتے کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ جو مسلمان حبشہ میں تھے یا جو کمزور اہل اسلام مکہ میں بود وباش رکھتے تھے وہ عرصہ دراز تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرتے رہے۔ مکہ والے تو تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے کافی روز بعد تک اور حبشہ والے غالباً ایک سال یا کئی سالوں تک بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرائے نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ تحویلِ قبلہ کی خبر اُن تک پہنچی۔ اُس وقت خانہ کعبہ ان کا قبلہ قرار پایا نہ کہ قبل ازیں۔ اسی طرح اہلِ قبا۔ کو جب یہ خبر ملی تو خانۂ کعبہ کی طرف منتقل ہوگئے، اس سے پہلے نہیں۔ اس لیے کہ یہ فریضہ سابقہ حکم کے لیے ناسخ تھا۔ اور یہی حق ہے جس کی خلاف ورزی کسی کے لیے جائز نہیں۔

بخلاف ازیں جس شخص کو تحویلِ قبلہ کی خبر پہنچ چکی ہو، وہ اسے جانتا ہو اور اس کا مخاطب ہو، مزید براں استقبالِ قبلہ سے کوئی عذر اسے مانع بھی نہ ہو اور اس کے باوجود وہ دوسری طرف منہ کرکے نماز ادا کرے تو اس نے حسب الحکم نماز ادا نہیں کی۔ اور جس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی گویا اس نے نماز ادا ہی نہیں کی اس لیے کہ جس بات سے منع کیا گیا ہو وہ مامور کی جگہ کفایت نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں جس نے مکہ کے سوا کسی اور جگہ امکانی کوشش کرنے کے بعد غیر قبلہ کی طرف نماز ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد پتہ چلا کہ قبلہ اس طرف نہ تھا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اگر سوچ بچار کے بعد تاریکی میں نماز ادا کی اور جو لوگ موجود تھے اُن سے دریافت نہ کیا پھر پتہ چلا کہ قبلہ دوسری جانب تھا تو وہ شخص نماز کا اعادہ کرے

ابن حزم فرماتے ہیں یہ فرق درست نہیں۔ اس لیے کہ سوچ بچار (تحری) بھی اجتہاد ہی کی ایک قسم ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں جس نے غیر قبلہ کی جانب منہ کرکے نماز پڑھی اگر اس کی پشت قبلہ کی طرف ہو تو نماز کا اعادہ کرے۔ اگر نماز پڑھ رہا ہو تو اسے توڑ کر از سر نو شروع کرے۔ اگر مشرق یا مغرب کی طرف رخ کیے ہو تو اعادہ نہ کرے بلکہ سابقہ نماز پر بنا کرے اور کعبہ کی جانب پھر جائے۔

ابن حزم فرماتے ہیں یہ تفریق فاسد ہے۔ کیوں کہ پوری ملتِ اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ کعبہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دانستہ انحراف نماز کے ٹوٹ جانے کا موجب ہے۔ کعبہ کی جانب پُشت کرنے کی طرح یہ کبیرہ گناہ ہے کعبہ سے دانستہ انحراف اور استدبار (کعبہ کی جانب پیٹھ کرنا) دونوں یکساں ہیں اور ان کے مابین کوئی فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اہل قبا بھی کعبہ کی طرف پُشت کیے ہُوئے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے جو تفریق کی ہے وہ اُن کے کسی پیش رَو سے منقول نہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جس شخص کی نگاہ سے آثار و علائم پوشیدہ ہوں یا جو تاریکی میں محبوس ہو یا نابینا ہو اور رہنما موجود نہ ہو تو یہ لوگ جس طرف بھی ممکن ہو نماز ادا کریں اور جب قبلہ کا پتہ چلے تو نماز کا اعادہ کریں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ کی یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ جب انہیں نماز کا حکم دیا گیا تھا تو وہ ایسی نماز کے مامور تھے جو مقبول ہو اور حکمِ الٰہی کے مطابق ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ وہ ایسی نماز کے مامور تھے جو حکمِ الٰہی کے مطابق نہ ہو اور غیر مقبول ہو۔

ان کے سوا تیسری کوئی صورت ممکن نہیں۔ بصورتِ اوّل جب اُن کی نماز حکمِ الٰہی کے مطابق ہے تو وہ اس کا عادہ کس لیے کریں؟ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے وہ فاسد ہے اس لیے کہ کوئی آمر نہ ایسی نماز کا حکم دے سکتا ہے اور نہ ہی مامور اس کی تعمیل کر سکتا ہے۔

ابوسلیمان (یعنی داؤد ظاہری) کہتے ہیں ان کی نماز بہر حال ہو جائے گی۔ اگر حالتِ نماز میں قبلہ معلوم ہو جائے تو وہ سابقہ نماز پر بنا کریں۔ اور دونوں کا فرق ہم قبل ازیں واضح کر چکے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ ایک تاریک رات میں ہم رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ تھے۔ ہمیں قبلہ کا پتہ نہ چلا اور ہر شخص نے اپنے سامنے منہ کر کے نماز ادا کر لی صبح ہوئی تو ہم نے رسولِ کریمؐ کی خدمت میں ماجرا بیان کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ-۱۱۵) "تو جدھر تم رخ کرو اُدھر ہی اللہ کی ذات ہے"

عطا حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں تھے تو ہم پر تاریکی چھا گئی اور ہم قبلہ کو پہچان نہ سکے۔ راوی کا بیان ہے کہ صحابہ کے مابین قبلہ کا جو اختلاف تھا انہوں نے اپنی اپنی اختیار کردہ جہتوں کی طرف لکیریں کھینچ دیں۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہُوا کہ یہ لکیریں قبلہ رُخ نہیں ہیں۔ ہم نے اس ضمن میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسولِ کریمؐ سے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"۔

ہم ان دونوں حدیثوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ دونوں صحیح نہیں۔ اس لیے کہ عبداللہ بن عامر کی حدیث کو صرف عاصم بن عُبَید اللہ نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت جابرؓ سے مروی حدیث کو صرف عبدالملک بن ابی سلیمان العرزمی نے عطاء سے روایت کیا ہے۔ اور عاصم اور عبدالملک دونوں ضعیف ہیں[1]۔ بالفرض اگر یہ دونوں حدیثیں صحیح بھی ہوتیں تو ہمارے لیے حجت ہوتیں۔ اس لیے کہ ان صحابہ کو قبلہ معلوم نہ تھا۔ اور نہ جاننے والے (جاہل) کی نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ جب کہ ناسی (بھول جانے والے) کا معاملہ اس سے مختلف ہے — وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۵۴۔ نماز کی نیّت فرض ہے

نماز کی نیت فرض ہے۔ اگر فرضی نماز ہو تو اس کے نام کے ساتھ نیت کرے (مثلاً ظہر یا عصر کے فرض) نیز قبلہ رُخ ہونے کی بھی نیت اپنے جی میں کرے۔ یہ نیت تکبیرِ تحریمہ سے قبل نیتِ احرام کے متصل ہونی چاہیے۔ دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو اور اگر نفلی نماز ہو تو نفل کی نیت کرے۔ جو اس طرح نیت نہ کرے اس کی نماز نہ ہو گی۔

اس کی دلیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ "اعمال کا اجر و ثواب نیت پر موقوف ہے۔ اور ہر آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی"۔ ہم قبل ازیں یہ حدیث مع سند ذکر کر چکے ہیں، یعنی

---

[1] ابن حزمؒ سے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ یہ حدیث دراصل عبداللہ کے باپ عامر بن ربیعہ کی روایت کردہ ہے۔ اس لیے کہ عبداللہ تابعی ہے۔ حضورؐ کی زندگی میں پیدا ہوا۔ آپ کو دیکھا مگر آپ سے ایک حرف بھی نہیں سُنا۔ اس حدیث کو طیالسی نے اپنی مسند (ص ۱۵۶ حدیث نمبر ۱۱۴۵) اور ترمذی نے کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴۱ و التفسیر سورۃ بقرہ میں روایت کیا، اس کو ضعیف کہا ہے۔ نیز ابن ماجہ (ج ۱ ص ۱۶۵) ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (ج ۱ ص ۱۴۱) دارقطنی (ص ۱۰۱) بیہقی (ج ۲ ص ۱۱) یہ سب محدثین اس حدیث کو بطریق (عاصم بن عبید اللہ، از عبداللہ بن عامر بن ربیعہ روایت کرتے ہیں) عاصم نہایت ضعیف راوی اور مضطرب الحدیث ہے۔ حضرت جابرؓ کی حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ نیز حاکم نے المستدرک (ج ۱ ص ۲۰۶) میں نقل کیا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ مگر الذہبی نے اپنے مختصر میں اس کو غلط ٹھہرایا ہے۔ بیہقی (ج ۲ ص ۱۲) میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی سند بھی صحیح اور قوی نہیں ہے۔ بیہقی کی یہ بات درست ہے (اور ابن حزمؒ کی تائید میں ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الطہارۃ کے شروع میں، نیز یہ آیت اس کی دلیل ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البیّنۃ ۔۵) "اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں"

نماز اللہ کی عبادت ہے۔ اگر نیّت اور آغازِ صلوٰۃ کے درمیان تھوڑا سا فصل بھی جائز ہوتا ـــــ خواہ ایک منٹ کا ہو یا ایک اشارۂ چشم کا ـــــ تو اتنا فاصلہ بھی جائز ہوتا اور اس سے زیادہ بھی۔ حتیٰ کہ یہ فاصلہ ایک یا دو منٹوں تک بھی بڑھایا جا سکتا تھا۔ اور یہ ظاہر البطلان ہے۔ یا مخالف اپنی رائے سے اس فاصلہ کی حد مقرر کرے جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ اور اگر نماز کی نیّت تکبیرِ تحریمہ سے متصل ہوتی مگر اس سے مقدّم نہ ہوتی تو آغازِ نماز کا پہلا جزو نیّت سے خالی رہ جاتا۔ اس لیے کہ نیّت کے معنی عمل کا قصد کرنے کے ہیں۔ اور عمل کا قصد بالارادہ عمل سے مقدّم ہوتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں آغازِ نماز سے پہلے نیّت جائز ہے۔ مگر جو شخص اس بات کا قائل ہے اسے تقدّم کی حد مقرر کرنی چاہیے کہ کس حد تک تقدّم جائز ہے اور کس حد تک جائز نہیں۔ ورنہ وہ تاریکی میں بھٹکتے رہیں گے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نیّت وہ کافی ہے جو تکبیر کے ساتھ ملی ہوئی ہو، نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ اور یہ غلط ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ہم نے جو بات کہی ہے داؤد اور ابوحنیفہؒ کا موقف بھی وہی ہے۔ البتہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز بلا نیّت جائز نہیں مگر نماز کی نیّت کیے بغیر اس کے لیے وضو جائز ہے۔ یہ کھلا ہوا تناقض ہے۔

۳۵۵۔ نماز میں نیّت کی تبدیلی

اگر نماز پڑھتے وقت بھول کر اس کی نیّت کسی اور نماز کی طرف منتقل ہو گئی، یا نوافل کی جانب پھر گئی، یا نماز سے فراغت کی جانب لوٹ گئی تو اس تبدیلی کے بعد جو نماز ادا کی اس کو نظر انداز کر دے اور نیّتِ صحیحہ کے ساتھ جو نماز ادا کی تھی اس پر بنا کرے۔ وہ نماز اس کے لیے کفایت کرے گی۔ پھر سجدۂ سہو ادا کرے۔ اور اگر نیّت کی یہ تبدیلی نماز کے کسی ایسے عمل کے بارے میں ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیتا تو اس کے ترک کرنے سے نماز باطل نہ ہوتی تو اندریں صورت صرف سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ اس لیے کہ اس نے حسبِ حکمِ ربانی نماز کے تمام اعمال پورے کر دیئے۔ البتہ اس نے بھول کر نماز میں ایک ایسے عمل کا اضافہ کیا ہے کہ اگر اسے دانستہ نماز میں شامل کرتا تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سجدۂ سہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لازم آتا ہے۔

۳۵۶۔ تکبیر تحریمہ فرض ہے

تکبیر تحریمہ فرض ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں۔ اس کی دلیل

۵۳۶۔ وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید القطان، از عبیداللہ بن عمر، از سعید المقبری، از والد او) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے۔ اندریں اثنا ایک شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا (تا آخر)۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "لوٹ جاؤ اور پھر نماز پڑھو کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی" تین مرتبہ آپؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس شخص نے کہا مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے نماز سکھلائیے۔ آپؐ نے فرمایا "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو تو تکبیر کہو" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۲۴۶ و ۲۷۳۔ والاستیذان باب ۱۸، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث میں حضورؐ نے تکبیر تحریمہ کا حکم دیا۔ لہٰذا جس شخص نے اسے ترک کر دیا اس نے رسول کریمؐ کے حکم کے مطابق نماز ادا نہیں کی۔ اور جس نے آپ کے حسب الحکم نماز ادا نہیں کی گویا اس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ جیسا کہ (اس حدیث میں) خود نبی اکرمؐ نے فرمایا:

چنانچہ امام مالکؒ، شافعی، احمد اور داؤد رحمہم اللہ تعالیٰ تکبیر تحریمہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر تکبیر تحریمہ کے بجائے کچھ ذکر کرلے تو کافی ہے۔ مثلاً کہے "اللہ اعظم" یا اس قسم کا کوئی اور جملہ۔ انہوں نے اذان کے عوض بھی ایسا جملہ کہنے کی اجازت دی ہے۔ مگر نماز شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایسا جملہ کہنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ حد درجہ کا مغالطہ، ہدم اسلام کا موجب اور فاسد قسم کی ایک نئی شریعت ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین اس ضمن میں ان آیات سے احتجاج کرتے ہیں:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۔ (الاعلیٰ ۱۴-۱۵)

"بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس آیت میں نماز کا طریقہ نہیں بتایا گیا۔ بخلاف ازیں حدیث میں ان اعمال کا ذکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا ہے جن کے بغیر نماز درست نہیں۔ لہٰذا اس آیت کی بنا پر حدیث کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا جا سکتا۔ آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ ذکرِ الٰہی نماز کے علاوہ بھی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آیت میں "فَصَلّٰی" کے الفاظ ہیں۔ جن میں صلوٰۃ کا عطف ذکر پر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکرِ الٰہی نماز سے پہلے ہے۔ جس طرح فرمایا "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ ۲۰/۱۴)" میرے ذکر کے وقت نماز قائم کرو۔" اللہ کے نام کا ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس بات کی نیت کی جائے کہ یہ کام میں خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے رہا ہوں۔

۳۵۷۔ تکبیرِ تحریمہ کے الفاظ

تکبیرِ تحریمہ میں یہ الفاظ کافی ہیں:

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَاللّٰہُ الْاَکْبَرُ، وَالْاَکْبَرُ اللّٰہُ، وَالْکَبِیْرُ اللّٰہُ، وَاللّٰہُ الْکَبِیْرُ، وَالرَّحْمٰنُ اَکْبَرُ" اسماءِ الٰہی میں سے کسی اسم کے ساتھ تکبیر کا لفظ کہے تو کافی ہے۔ ان کے سوا دیگر الفاظ کفایت نہیں کرتے۔ اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تکبیر کہو" اور یہ تمام تکبیر کے الفاظ ہیں۔ دیگر الفاظ پر تکبیر کا اطلاق نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہ، شافعی اور داؤد رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں "اللہ اکبر" کے سوا دیگر الفاظ کافی نہیں ہیں۔ تکبیر کی یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ بعض اہلِ علم نے دعویٰ کیا ہے کہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں "جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اللہ اکبر کہو"۔[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ باطل اور غیر معروف ہے۔ اگر ہم اس کو صحیح سمجھتے تو اس پر عمل پیرا ہوتے۔

اگر مخالفین کہیں کہ لوگ اسی پر عمل پیرا رہے ہیں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ:

۱۔ لوگ تو آیتِ کریمہ کے مطابق وضو کرتے وقت ترتیب پر عمل پیرا رہے ہیں مگر تم اس کی خلاف ورزی کو

---

[1] یہ بات بلا دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک اسی بات پر تواترِ عملی رہا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ "اللہ اکبر" کے الفاظ کے ساتھ کہی جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر کا حکم دینے سے یہی مراد ہے۔ اس سے زیادہ توضیح ممکن نہیں۔ مزید براں طبرانی نے الکبیر میں بدیں الفاظ روایت کی ہے کہ "لوگوں میں سے کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی حتیٰ کہ صحیح طریقہ سے وضو کرے پھر اللہ اکبر کہے"۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ "اس حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں"۔ (ابن حزم سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ جتنے الفاظ بیان کیے ہیں اس میں سے صرف اور صرف اللہ اکبر ہی ثابت ہے اور کوئی نہیں)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز ٹھہراتے ہو۔

۲۔ لوگ وضو میں ناک صاف کرنے اور ناک کو پانی دینے پر عمل پیرا رہے ہیں اور رسول کریم کا صحیح معمول بھی یہی تھا مگر تم کہتے ہو جو اس کو ترک کر دے اس کا وضو اور نماز کامل ہے۔

۳۔ لوگوں کا معمول یہ رہا ہے کہ نماز فجر اور باقی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کی کوئی سورت شامل کی جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ سورۃ کے بغیر بھی نماز مکمل ہے۔

۴۔ لوگ ہمیشہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین پر عامل رہے ہیں۔ مگر تم کہتے ہو کہ رفع الیدین کے بغیر بھی نماز مکمل ہے[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی تواتر اس وقت حجت ہوتا ہے جب تم چاہو۔ اور اگر نہ چاہو تو حجت نہیں۔ اس کے نظائر و امثال بے شمار ہیں ۔۔۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق

۳۵۸۔ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین

آغاز نماز میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز درست نہیں۔

۵۳۷۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از محمد بن المثنیٰ، از عبدالوہاب ابن عبدالمجید الثقفی، از ایوب سختیانی، از ابوقلابہ، از مالک بن حویرث] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک اور ان کے ساتھیوں کو فرمایا کہ "نماز اس طرح پڑھا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والادب والآحاد، دارمی کتاب الصلوٰۃ، مسند احمد ۵: ۵۳)۔

۵۳۸۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن

---

[1] ابن حزم نے مقلدین پر جو نقد و الزام عائد کیا ہے وہ الزامی طور پر تو صحیح ہے لیکن اس سے مسئلہ کی صحیح صورت واضح ہونے کے بجائے الجھ گئی۔ وہ اس طرح کہ کسی سنت و تواتر کو مقلدین ترک کر دیں اور کسی کو ابن حزم، پھر دونوں میں فرق کیا باقی رہا۔ یہاں مسئلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس وقت تک تحریمہ کے لفظ صرف اور صرف "اللہ اکبر" ہی عملاً و تواتراً اور سنداً و حکماً ثابت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجاج، ازابوکامل الجحدری، ازابوعوانہ، ازقتادہ، ازنصر بن عاصم، ازمالک بن حویرث] روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک کہ کانوں کے برابر ہے جاتے" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔

مزید براں ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، ازعمر بن عبدالملک، ازمحمد بن بکر، ازسلیمان بن اشعث، ازاحمد بن حنبلؒ، از سفیان بن عُیینہ، اززہری، ازسالم بن عبداللہ بن عمر، ازعبداللہ بن عمر) روایت کیا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے (تا آخر) (مسند احمد ۲: ۸، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اگر معترض کہے کہ پھر تم نے بعینہٖ اس حدیث کی بنا پر رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین کو فرض کیوں نہ قرار دیا؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ حدیث صحیح میں وارد ہُوا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، اور بعض اوقات نہیں کرتے تھے۔[1]

۵۲۹۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [حمام، ازعباس بن اصبغ، ازمحمد بن عبدالملک بن ایمن، ازمحمد بن اسماعیل الصائغ، اززہیر بن حرب ابوخیثمہ، ازوکیع، ازسفیان ثوری، ازعاصم بن کلیب، ازعبدالرحمٰن بن اسود، ازعلقمہ، ازعبداللہ بن مسعودؓ] روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کیا میں تمہیں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاتے اور پھر اس کا اعادہ نہ کیا۔[2]

جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے بھی تھے اور نہیں بھی کرتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو اس سے معلوم ہُوا کہ دونوں باتیں

---

[1] یہ بات صحیح نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین پر مداومت ثابت ہے۔

[2] ابوداؤد (ج ۱ ص ۲۷۲) بروایت عثمان بن ابی شیبہ، ازوکیع بدیں الفاظ "آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پھر ابوداؤد فرماتے ہیں اس حدیث کو طویل حدیث سے مختصر کیا گیا ہے۔ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے (پھر اس حدیث میں ابن مسعودؓ کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ کی نماز انہوں نے پڑھ کر بتائی، لیکن اس میں کوئی استثنا نہیں کیا یعنی اس دعوی سے ہمیشہ کی نماز بغیر رفع یدین ثابت ہوئی۔ لیکن ابن حزم اسے کبھی کبھار پر محمول کرتے ہیں جو اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں (ابوالاشبال پاکستانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(رفع الیدین کرنا اور نہ کرنا) مستحب ہیں فرض نہیں۔ ہمیں اسی طرح نماز ادا کرنی چاہیے۔ اگر ہم نے رفع الیدین کیا تو ہم نے آپ کی طرح نماز ادا کی۔ اور اگر رفع الیدین نہ کیا تو بھی ہماری نماز آپ کی طرح ہوئی۔

چنانچہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از احمد بن حنبل، از ولید بن مسلم، از زید بن واقد، از نافع مولی ابن عمرؓ روایت کیا ہے۔ نافع کہتے ہیں جب عبداللہ بن عمرؓ کسی نمازی کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کر رہا تو اسے کنکر مارتے اور رفع الیدین کرنے کا حکم دیتے۔ (مناقب امام احمد ص ۸۳، و معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۱۸ و تاریخ جرجان ۴۳۳)

ابن حزمؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسے شخص کو کنکر نہیں مار سکتے تھے جو ایسی بات کو ترک کر دے جس بات کے چھوڑ دینے کا اسے اختیار ہو۔

امام اوزاعیؒ سے منقول ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کو فرض قرار دیتے ہیں۔ ہمارے بعض متقدمین اصحاب کا موقف بھی یہی ہے۔

۳۵۹۔ امام و مقتدی ہر ایک پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے

سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے۔ امام ہو یا مقتدی، اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا با جماعت۔ فرائض ہوں یا نوافل، مرد ہو یا عورت فاتحہ سب پر فرض ہے۔

۵۴۰۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از علی بن عبداللہ، از سفیان بن عُیینہ، از زہری، از محمود بن ربیع، از عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے امّ القرآن (سورۃ الفاتحہ) نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۴۶، مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۱، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳۷۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ، باب ۶۹، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۲۸۱، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ۱۱)

اگر معترض کہے کہ تم نے کس دلیل کی بنا پر فاتحہ کو ہر رکعت میں فرض قرار دیا ہے؟

۵۴۱۔ ہم کہیں گے اس حدیث کی بنا پر جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید القطان، از عُبیداللہ بن عمر، از سعید المقبری] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے اس شخص کا واقعہ بیان کیا جس کو رسولِ اکرمؐ نے نماز دُہرانے کا حکم دیا تھا۔ اس نے عرض کی کہ وہ اس سے بہتر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز ادا نہیں کر سکتا۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو تو تکبیر کہو۔ پھر قرآن میں سے جس قدر پڑھ سکو پڑھو۔ پھر اطمینان سے رکوع کرو۔ پھر رکوع سے اٹھو حتیٰ کہ برابر کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر تمام نمازوں میں اسی طرح کرو" (حوالہ حدیث ۵۳۶ میں گزر چکا)

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

۳۶۰۔ مقتدی امام کے پیچھے صرف سُورۃ الفاتحہ پڑھے

مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ اور پڑھنا جائز نہیں۔

۵۴۲۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از عبداللہ بن محمد بن علی الباجی، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از احمد بن مسلم، از ابوثور ابراہیم بن خالد، از یزید بن ہارون، از محمد بن اسحاق، از مکحول، از محمود بن ربیع] حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ کریمؐ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی جب فارغ ہُوئے تو فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! یا رسُول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ فرمایا "سُورۃ الفاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ کیوں کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی" (ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی کتابُ الصّلوٰۃ)

عُلمائے سلف کی ایک جماعت نے سُورۃ الفاتحہ کو نماز میں واجب ٹھہرایا ہے۔

جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سُفیان ثوری، از سلیمان شیبانی، از جوّاب، از یزید بن شریک روایت کیا ہے کہ اُس نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کیا مَیں امام کے پیچھے پڑھا کروں؟ کہا ہاں! اس نے کہا امیر المومنین! اگر آپ پڑھ رہے ہوں تب بھی؟ فرمایا ہاں! اگرچہ مَیں پڑھ رہا ہوں۔ (عبدالرزاق ۲: ۱۳۰، ابن ابی شیبہ ۱: ۳۷۳، جزء القراءت امام بخاری، ص ۱۵)

جیسا کہ ہم نے بطریق حجّاج بن منہال، از ابوعوانہ، از ابراہیم بن محمد بن المنتشر، از والدِاو، از عبایہ بن رَدّاد، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا "کوئی نماز فاتحہ کے بغیر جائز ہے اور نہ ہی کافی ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی" ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین! اگر مَیں امام کے پیچھے یا سامنے ہوں تو پھر کیا کروں؟ فرمایا اپنے جی میں پڑھ لیا کرو۔ (طبقات ابن سعد ۶: ۱۴۷)

ابوعوانہ، سلیمان سے، وہ خَیثمہ سے اور وہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "وہ نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز نہیں یا کافی نہیں جس میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۶۰)

نیز ہم نے بطریق وکیع، از عبداللہ بن عون، از رجاء بن حیوہ، از محمود بن ربیع روایت کیا ہے کہ میں نے نماز پڑھی۔ میرے پہلو میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے کہا ابوالولید! کیا میں نے نہیں سنا کہ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی ہے؟ فرمایا ہاں! فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۵)

ہم نے بطریق وکیع، از اسماعیل بن ابی خالد، از العیزار بن حریث، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا "میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوں" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۵، و عبدالرزاق ۲ : ۹۴)

نیز ہم نے بطریق عبدالرزاق، از المعتمر بن سلیمان، از لیث، از عطاء، عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ "امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ خواہ جہراً پڑھ رہا ہو یا سراً" (عبدالرزاق ۲ : ۱۳۰، ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۳)

عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی نماز کی کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو ترک نہیں کرتے تھے" (عبدالرزاق ۲ : ۹۳)

دیگر صحابہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے "اپنے جی میں پڑھ لیا کرو" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۵)

عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: "ہر رکعت میں فاتحہ پڑھا کرو یا فرمایا ہر نماز میں" عروہ بن زبیر سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (عبدالرزاق ۲ : ۹۳)

معاذ[1]، عبداللہ بن عون سے، وہ رجاء بن حیوہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے "اگر کوئی شخص امام کی اقتدا

---

[1] معاذ سے ابوالمثنیٰ معاذ بن معاذ بن نصر التمیمی مراد ہے۔ اس کے شیخ کا نام ابوعون عبداللہ بن عون ابن ارطبان المزنی ہے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نماز پڑھ رہا ہو، امام خواہ جہراً پڑھے یا سراً، سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے"۔

حجاج بن منہال، ابو ہلال الراسبی[1] سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے ایک پڑوسی نے حسن بصری سے پوچھا میں جمعہ کی نماز امام کے پیچھے پڑھتا ہوں مگر اس کی قراءت مجھے سنائی نہیں دیتی (تو کیا میری نماز ہو جاتی ہے؟) فرمایا "سورۃ الفاتحہ پڑھ لیا کرو"۔ اس شخص نے کہا کوئی اور سورۃ بھی پڑھا کروں؟ فرمایا وہ امام تجھے کافی ہے"۔

ہم نے بطریق (حماد بن سلمہ، از محمد بن عمرو، از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف) روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا "امام دو مرتبہ خاموش رہتا ہے، ان میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کو غنیمت جانو۔ ایک تو اس وقت جب امام تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرتا ہے۔ دوسرے اس وقت جب وہ "وَلَا الضَّالِّيْنَ" کہتا ہے۔ اس ضمن میں بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں۔ (جزء القراءۃ للبخاری، ص ۶۵)

احناف کا موقف: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں۔ اگر امام اور منفرد "آیۃ الدَّین" (سورۃ البقرہ کے آخر میں طویل آیت جس میں قرضے کا ذکر ہے) یا اس قسم کی کوئی طویل آیت پڑھ لیں اور فاتحہ نہ پڑھیں تو نماز ہو جائے گی۔ اُن کے نزدیک نماز کی صرف دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ خواہ پہلی دو رکعتیں ہوں یا پچھلی۔ یا پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت اور آخری دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں۔ امام جہراً پڑھے یا سراً، مقتدی کسی حالت میں بھی کچھ نہ پڑھے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ہر نماز میں امام اور منفرد دونوں پر فرض ہے۔ اگر امام اور منفرد دونوں کسی رکعت میں فاتحہ نہ پڑھیں تو اس ضمن میں ان کے دو مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس رکعت کو نظر انداز کر کے دوبارہ ایک رکعت پڑھے۔ اور دوسرے قول کے مطابق صرف سجدۂ سہو کرنا کافی ہے۔ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں جب امام سراً پڑھتا ہو تو ان کے نزدیک مقتدی سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پڑھ سکتا ہے۔ باقی جن نمازوں میں امام سراً پڑھتا ہے مقتدی ہر رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے۔ یہ بات ان کے نزدیک مستحسن ہے۔ جن نمازوں میں امام جہراً پڑھتا ہے اُن میں مقتدی کو کچھ نہیں پڑھنا چاہیے۔

---

[1] اس کا نام محمد بن سلیم بصری ہے بنو راسبہ کے قبیلہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے راسبی کہلایا ۱۶۵ھ میں فوت ہوا اس میں قدرے ضعف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ کا آخری قول تو ہمارے قول کے مطابق ہے۔ امام اَوزاعی اور لیث بن سعد کا قول بھی یہی ہے۔ اس ضمن میں ہمارے اصحاب کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے امام سراً پڑھتا ہو یا جہراً۔ دوسرے گروہ کے نزدیک صرف سری نمازوں میں فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے جہری نمازوں میں نہیں۔ مگر اس بات میں ان کے یہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ہر رکعت میں امام اور منفرد پر سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جو لوگ سورۃ الفاتحہ کو نماز میں فرض قرار نہیں دیتے وہ اس آیت سے احتجاج کرتے ہیں:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (المزمل-۲۰)　　"قرآن میں سے جو پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔"

نیز وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز دہرانے کا حکم دیا اور اُسے فرمایا کہ "قرآن میں سے جو پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔" (حدیث المسیٔ فی الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں حضرت عبادہؓ سے مروی حدیث اس دوسری حدیث کی توضیح کرتی ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" سے صرف فاتحہ مُراد ہے۔ جو شخص حضرت عُبادہؓ سے مروی حدیث کو ترجیح دیتا ہے وہ اس آیت اور تمام احادیث پر عمل کرتا ہے۔ اس لیے کہ سورۃ الفاتحہ "مِمَّا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" میں شامل ہے۔ اور جو شخص حضورؐ کے ارشادِ گرامی کہ "قرآن سے جو آسان لگے پڑھ لیا کرو۔" کو ترجیح دیتا ہے وہ حضرت عبادہؓ سے منقول حدیث کی خلاف ورزی کرتا اور اس نماز کو جائز ٹھہراتا ہے جس کو رسولِ کریمؐ نے باطل ٹھہرایا تھا۔ اور یہ ناروا ہے خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کی یہ تقسیم کہ نمازی خواہ ایک طویل آیت پڑھے یا تین مختصر آیات۔ اس سے کم ممنوع ہے یہ ایسا قول ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی سے منقول نہیں اور نہ ہی کسی دلیل پر مبنی ہے۔ یہ قول قرآنِ کریم اور جملہ احادیث کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں سے جتنا بھی پڑھ لے کافی ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جہراً پڑھنے والے امام کا مقتدی کچھ نہ پڑھے وہ اِس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ　　"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سُنا کرو اور
وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ　　خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ	پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور
مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ	پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور
مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ (الاعراف: ۲۰۴-۲۰۵)	غافل نہ ہونا۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ یہ پوری آیت اُن کے خلاف حجّت ہے۔ اس لیے کہ اگر آیت کا ابتدائی حصّہ نماز سے متعلق ہے تو آخری حصہ بھی نماز کے بارے میں ہے۔ اور اگر آخری حصہ نماز سے متعلق نہیں تو ابتدائی حصہ بھی نماز سے غیر متعلق ہے۔ آیت میں صرف یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ذکرِ الٰہی سرّاً کیا جائے اور جہراً نہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین ابنِ اُکیمہ سے مروی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا "کیا بات ہے کہ میرے قرآن پڑھتے وقت ٹکراؤ ہوتا ہے" اس حدیث میں زُہری کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ "جن نمازوں میں حضورؐ جہراً پڑھا کرتے تھے لوگ ان میں کچھ پڑھنے سے باز رہتے" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کے روایت کرنے میں ابنِ اُکیمہ[1] منفرد ہے۔ محدثین کے نزدیک وہ مجہول راوی ہے۔ بشرطِ صحت یہ حدیث ہمارے مخالفین کے لیے حجّت نہیں۔ اس لیے کہ احادیث میں باہم جمع و تطبیق کی کوشش کرنا چاہیے نہ کہ تناقض و تعارض کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے حق ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، مخالفت نہیں کرتا، اس لیے یہ بات لازم ہے کہ آپ کے پورے کلام کو بظاہر جیسے بھی ہے اخذ کیا جائے۔ اس میں کمی بیشی سے احتراز کیا جائے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ قرآن میں باہم تصادم نہ ہونے پاتے (اور وہ اس طرح کہ مقتدی بھی اونچی آواز سے پڑھنے لگے) یہ ہے خلاصہ ہمارے قول کا ــــ وللہ الحمد ــــ اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے

---

[1] ابنِ اُکیمہ اللیثی کے نام میں اختلاف ہے بعض اہلِ علم اس کا نام عمارہ بتاتے ہیں۔ وہ ثقہ تابعی ہے۔ اس کی حدیث کو امام مالکؒ نے (موطا ص ۲۹-۳۰) میں بروایت زُہری، از ابنِ اُکیمہ از ابوہریرہؓ نقل کیا ہے۔ نیز ابوداؤد (ج ۱ ص ۳۰۵) ترمذی (ج ۱ ص ۲۴۶) نسائی (ج ۱ ص ۱۴۶) یہ سب بطریق مالک روایت کرتے ہیں۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ اس حدیث پر نقد و تبصرہ کے لیے دیکھیے عون المعبود شرح ابوداؤد، نیل الاوطار (ج ۲ ص ۲۳۸)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضورؐ کے کلام میں کمی بیشی پر مبنی ہے۔

حنفیہ اس ضمن میں ایک صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن عجلان سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ۔ جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی کرو۔ جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ جب بیٹھ کر نماز پڑھے۔ تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھا کرو" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کی مخالفت کی وجہ سے سب سے پہلے حنفیہ اور مالکیہ کو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگنی چاہیے اس لیے کہ وہ اس حدیث میں مندرج اکثر احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل امور پر غور فرمائیں۔

۱۔ حنفیہ و مالکیہ امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر کہتے ہیں اس کے ساتھ نہیں۔

۲۔ پھر وہ دیگر تکبیریں امام کے ساتھ کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ رکوع کرتے اور سر اٹھاتے ہیں۔ نہ امام سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ مگر اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

۳۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو" مگر حنفیہ ایک جھوٹی حدیث پر عمل کر کے اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور غیر موجود ظن کی پیروی کرتے ہیں

حیرت کی بات ہے کہ اس حدیث میں مذکور متعدد مسائل ہیں سے وہ صرف ایک مسئلہ کی بنا پر اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اُن کے لیے حجت نہیں بن سکتا۔ مگر اس کے ماسوا دیگر تمام مسائل و احکام کو نظر انداز کر دیتے ہیں

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے اور ہم دونوں قسم کی احادیث پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کے تمام ارشادات کے مابین جمع و تطبیق ضروری ہے اور آپ کے سب ہی اقوال واجب التعمیل ہیں۔ اس کے سوا کوئی بات درست نہیں۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا "جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو" دوسری حدیث میں فرمایا "جو اُمّ القرآن نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی"

ان تمام اوامر میں دو باتوں میں سے ایک پر عمل کرنا ضروری ہوگا تیسری کوئی وجہ ممکن نہیں۔

یہاں مندرجہ ذیل احتمالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ حضورؐ نے فرمایا جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو البتہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ ہمارا موقف یہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔آپ نے فرمایا ”جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی“ بجز اُس صُورت کے جب کہ امام پڑھ رہا ہو (یعنی اس وقت فاتحہ ضروری نہیں) جیسا کہ بعض اہلِ علم کا مسلک ہے۔

۳۔آپ نے فرمایا ”جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی“ اِلّا یہ کہ امام جہراً پڑھ رہا ہو (یعنی اس وقت فاتحہ ضروری نہیں ہے) جیسا کہ دیگر اہلِ علم کا قول ہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب ان وجوہ میں سے کسی ایک کو معمول بہ بنانا ازبس ناگزیر ہے تو ان میں سے کسی کو بلا دلیل و برہان ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ جب ہم نے اس صورتِ حال پر غور و فکر کیا تو ہمیں حضورؐ کی وہ حدیث ملی جو آپ نے نمازِ فجر سے فارغ ہو کر ارشاد فرمائی تھی۔ اور واضح رہے کہ نمازِ فجر میں قراءت جہراً پڑھی جاتی ہے۔ حضورؐ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی جی ہاں! یا رسُول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ فرمایا ”فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، اس لیے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی“ (حوالہ حدیث نمبر ۲۴۵ میں گزر چکا)

رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جمیع احادیث میں توفیق و تطبیق کے لیے یہ بات کافی ہے اور اس سے باہر نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

بعض لوگوں نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث ابن اسحاق سے مروی ہے۔ مزید برآں مکحول گاہے اس حدیث کو بروایت محمود بن ربیع از عُبادہ ذکر کرتا ہے اور گاہے بطریق نافع بن محمود بن ربیع از عُبادہ نقل کرتا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس اعتراض میں کچھ وزن نہیں۔ اس لیے کہ محمد بن اسحاق ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ زُہری نے ان کو ثقہ راوی قرار دیا ہے اور مدینہ میں اُن کے جو ہم عصر تھے اُن پر ترجیح دی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس سفیان ثوری، سفیان بن عُیَینہ، شُعبہ، حمّاد بن زید، حمّاد بن سلمہ، یزید بن زُریع، یزید بن ہارون، ابراہیم بن سعد، عبداللہ بن مبارک اور دیگر مُحدِّثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ شُعبہ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق امیر المحدّثین اور امیر المومنین فی الحدیث تھے۔

حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ یہاں محمد بن اسحاق کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں انہوں نے ابن اسحاق کی اس روایت سے احتجاج کیا ہے جس کو ان کے سوا کسی دوسرے نے روایت نہیں کیا۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابوالعاص کے مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو سابقہ نکاح کی بنا پر ابوالعاص کے گھر بھیج دیا تھا۔ مقلدین کا حال تو یہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کے خیالات سے ہم آہنگ ہو تو وہ حجت اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس کا راوی ثقہ ہوتا ہے۔ اور جب اُن کے خلاف روایت کرے تو وہ راوی مجروح ہو جاتا ہے ـــــــ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مکحول کا ہے اس حدیث کو محمود سے روایت کرتا ہے اور کا ہے نافع بن محمود سے، تو یہ بات حدیث کے لیے تقویت کی موجب ہے نہ کہ ضعف کی۔ اس لیے کہ محمود اور نافع بن محمود دونوں ثقہ راوی ہیں۔ یہ حدیث اگر نہ بھی مروی ہوتی تو" اذا قرء فانصتوا" سے جو بات لازم آتی وہ صرف یہ تھی کہ جب امام پڑھ رہا ہو تو خاموش رہو۔ مگر جب امام وقفہ کرے تو اس میں پڑھا کرو یعنی سکتاتِ امام میں اس کا وجوب باقی رہے گا۔ اس حدیث سے اس حالت میں قراءت کی نفی نہیں ہوتی۔ مزید براں اکثر ائمہ حدیث نے" اذا قرء فانصتوا" کے حدیث ہونے سے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں محمد بن عجلان نے ان الفاظ کے روایت کرنے میں غلطی کھائی ہے۔ دراصل یہ حدیث کے الفاظ نہیں۔ یہ بات ابن معین اور دیگر محدثین نے کہی ہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہم ثقہ راوی کی روایت کو بلا دلیل غلطی پر محمول نہیں کرتے۔ مگر ان الفاظ پر عمل کرنے کا طریقہ وہی ہے جو ہم نے بتایا (کہ امام جب خاموش ہو تو سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے اور جب پڑھ رہا ہو مقتدی اس وقت خاموش رہے) ـــــــ وباللہ التوفیق

ابن حزمؒ کہتے ہیں بعض نے کہا کہ" لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن" کے معنی یہ ہیں کہ کامل نماز نہیں ہوتی جس طرح آپؐ نے فرمایا لا ایمان لمن لا امانۃ لہ (مُسند احمد عن انس) "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں" یعنی اس کا ایمان کامل نہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ احتجاج درست نہیں۔ اس لیے کہ جب نماز مکمل نہیں ہوئی تو گویا وہ نماز ہی نہیں۔ اس لیے کہ ناقص نماز کامل کی جگہ نہیں لے سکتی۔ امانت کا بھی یہی حال ہے۔ امانت پوری شریعت کا نام ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (الاحزاب: ۷۲) "ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا"

یہ ٹھیک ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اور جس میں شریعت کا اتباع نہیں اس میں دین نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ دونوں الفاظ کا ظاہری مفہوم ہے جس سے اسے دوسری طرف منتقل کرنا درست نہیں۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی فی الصلوٰۃ عن عبادۃ)

بعض نے یہ بات کہنے کی جسارت کی ہے کہ "لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن" (مسلم، ابوداؤد، نسائی فی الصلوٰۃ عن عبادہ) تغلیط پر محمول ہے۔ (یعنی تاکید کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے آپؐ نے یوں فرمایا)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ رسُولِ کریمؐ کی تکذیب ہے جو کفر کی موجب ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کسی شخص کا کفر نہیں ہے جو کہے کہ آپ نے یہ کہہ کر سختی کا اظہار فرمایا اور یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں بکثرت احادیثِ ضعیفہ میں یہ الفاظ وارد ہوتے ہیں کہ "جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے" (مسند احمد، ابن ماجہ، دارقطنی، مُصنّف ابن ابی شیبہ) بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں "امام اُس کے لیے کافی ہے" (مجمع الزوائد ۲ : ۱۱۱)۔ یہ جملہ روایات یا تو مرسل ہیں اور یا جابر جُعفی کذّاب سے مروی ہیں۔ یا مجہول راویوں سے منقول ہیں۔ بفرضِ محال اگر یہ احادیث صحیح بھی ہوتیں تو حضورؐ کا ارشادِ گرامی "لاتفعلوا الابام القرآن" (حوالہ حدیث ۲۴۵ میں گزر چکا) "فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو" تمام احادیث کو منطبق کرنے کے لیے کافی تھا۔

اگر کوئی شخص وہ حدیث پیش کرے جس کو ہم نے بطریق البزّار، از محمد بن بشّار، از ابو عامر العقدی، از ھمّام، از قتادہ، از ابونضرہ، از ابوسعید، روایت کیا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے ہمیں سُورۃ الفاتحہ اور جو کچھ ہم پڑھ سکیں پڑھنے کا حکم دیا (ابنِ حزم نے بزار کی روایت لی ہے لیکن یہ روایت ابوداؤد، الصلوٰۃ باب ۱۳۷ میں موجود ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ قرآن میں سے جو پڑھ سکیں پڑھیں۔ لہٰذا اس سے دیگر اذکار مراد ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں ذکر کرنا اور اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔

مزید براں ہم نے عمران بن حُصَین (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۶۰) اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "فاتحہ اور کم از کم تین آیات کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی"۔ نیز ہم نے بطریق شعبہ، از ابراہیم بن محمد بن المنتشر، از عبایہ بن ردّاد، روایت کیا ہے کہ مَیں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا کہ "کوئی نماز [illegible] نہیں کرتی مگر دو آیتوں اور سُورۃ الفاتحہ کے ساتھ۔ اگر تم امام کے پیچھے ہو تو اپنے جی میں پڑھ لیا کرو" (طبقات ابن سعد ۶ : ۱۴۷)

ہم نے اس کے برخلاف حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ بطریق حمّاد بن سلمہ، از یحییٰ بن سعید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انصاری، از محمد بن ابراہیم التیمی، از ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف۔ کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں کچھ نہیں پڑھا تھا پھر فرمایا کیا تم نے پوری طرح رکوع اور سجدہ نہیں کیا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے نماز کا اعادہ نہیں کیا (عبد الرزاق ۲: ۱۲۲)

نیز ہم نے بطریق حارث از علیؓ روایت کیا ہے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا "میں نے نماز ادا کی ہے مگر اس میں کچھ نہیں پڑھا" حضرت علیؓ نے دریافت کیا کیا تم نے پوری طرح رکوع اور سجدہ کیا ہے؟ اس نے کہا کیا ہے حضرت علیؓ نے کہا "تمہاری نماز مکمل ہو گئی۔ ہر کوئی تو اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا" (بیہقی ۲: ۳۸۳)

ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دین میں کسی کا قول حجت نہیں ہے۔

۳۶۱۔ بعد میں آنے والا مقتدی سورۃ الفاتحہ مکمل کر کے رکوع کرے

جس شخص نے امام کی اقتدا میں نماز شروع کی اور سورۃ الفاتحہ کا آغاز کیا۔ ابھی اس نے فاتحہ مکمل نہیں کی تھی کہ امام نے رکوع کیا، تو یہ شخص فاتحہ کو مکمل کر کے رکوع کرے۔

اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کی کہ سورۃ فاتحہ ہر رکعت میں واجب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بسا اوقات میں تم سے پہلے رکوع کرتا ہوں۔ جب میں رکوع سے اٹھوں تو تم اس کی تلافی کر لیا کرو" ہم اس حدیث کو مع سند باب " وجوب ان لا یرفع الماموم راسہ" میں نقل کریں گے ـــــ ان شاء اللہ تعالیٰ

۳۶۲۔ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت نہیں ہوتی

اگر کوئی شخص آئے اور امام رکوع میں ہو آنے والا مقتدی اس کے ساتھ رکوع کرے اور اس رکعت کو شمار نہ کرے۔ کیوں کہ اس نے قیام اور قراءت کو نہیں پایا جب امام سلام پھیرے تو یہ رکعت ادا کرے۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اگر مقتدی امام کے ساتھ رکوع کو پالے تو اس رکعت کو شمار کرے۔ انہوں نے چند ثابت شدہ اقوال و اخبار کے ساتھ احتجاج کیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی اُن کے لیے حجت نہیں۔ ان میں سے ایک حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "جس نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کو پالیا (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں "جس نے نماز کے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا" (موطا)۔ ایک حدیث حضرت ابوبکرہؓ سے منقول ہے کہ "وہ مسجد میں آتے تو نمازی رکوع کی حالت میں تھے۔ وہ رکوع کے لیے جھک کر صف کی جانب چل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑے۔ جب رسُولِ کریمؐ نے نماز ختم کی تو فرمایا ”وہ تم میں سے کون تھا جو رکوع کیے صف میں شامل ہوا تھا۔ ابوبکرہؓ نے عرض کی وہ میں تھا۔ رسول کریمؐ نے فرمایا اللہ تمہاری حرص میں اضافہ کرے آیندہ اس طرح نہ کیا کرو“ (بخاری، نسائی، کتاب الصلوٰۃ، مسند احمد ۵ : ۳۹، ۴۲، ۴۵، ۴۶، ۵۰)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ نبوی ”جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا“ حق ہے۔ یہ دراصل اُن کے خلاف حُجّت ہے۔ اس لیے کہ نماز کا جو حصّہ اُس سے رہ گیا ہے اُس کی قضا اُس پر لازم ہے۔ یہ وہ بات ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ اگر اس نے رکوع کو پالیا تو اس نے وقفہ یعنی قیام کو پالیا۔

اسی طرح یہ حدیث کہ ”من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة“ بھی بلاشبہ حق ہے۔ مگر اس حدیث میں بھی یہ بات مذکور نہیں کہ اگر اس نے رکوع کو پالیا تو اس وقفہ یعنی قیام کو بھی پالیا جو رکوع سے پہلے تھا۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ رسُول کریم کی گفتگو میں اس بات کو شامل کردے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

جہاں تک حضرت ابوبکرہؓ سے مروی حدیث کا تعلق ہے یہ بھی مخالفین کے حق میں حجت نہیں۔ کیوں کہ اس میں مذکور نہیں کہ انہوں نے اس رکعت پر اکتفا کرلیا تھا اور اس کی قضا نہیں دی۔ لہٰذا مخالفین کا احتجاج کلیّۃً ساقط ہُوا ـــــ وللہِ الحمد

جب ان کے پیش کردہ تمام آثار و اخبار ساقط ہوئے تو وہ بات ثابت ہوگئی جو نبی کریمؐ سے منقول ہے اور جس کو ہم نے

۵۴۳۔ بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از ابوالولید الطیالسی، از شعبہ، از سعد بن ابراہیم، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ”نماز کے لیے اس حال میں آؤ کہ تم پر اطمینان طاری ہو۔ جتنی نماز تمہیں جماعت کے ساتھ مل سکے پڑھ لیا کرو اور جو فوت ہوجائے اس کی قضا کرو“ (ابوداؤد مع عون، ج ۱، ص ۲۲۴، کتاب الصلوٰۃ باب ۵۵)

نیز رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ”جتنی نماز تم پاؤ وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کرو“ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی کتاب الصلوٰۃ)

ہر صاحب خرد و دانش یقینی طور پر جانتا ہے کہ جو شخص امام کو دوسری رکعت کے شروع میں پائے تو اس کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پہلی رکعت مکمل طور پر جاتی ہی۔ اور جس نے پہلی رکعت میں سے صرف ایک سجدہ پا یا تو اس کا قیام، رکوع، اس کے بعد قومہ اور ایک سجدہ اور جلسہ فوت ہو گیا۔ اور جس نے پہلی رکعت کے دو سجدوں کا درمیانی جلسہ پا لیا تو اس کا قیام، رکوع، قومہ اور ایک سجدہ جاتا رہا۔ جس نے رکوع کے بعد قومہ کو پا لیا تو اس کا قیام، اور رکوع فوت ہو گیا۔ اور جس نے دو سجدے پا لیے تو اس کا قیام اور رکوع فوت ہو گیا۔ اسی طرح جس نے رکوع کو پا لیا تو اس کا قیام اور سورۂ فاتحہ کی قراءت فوت ہو گئی۔ حالانکہ دونوں فرض تھے اور ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح الفاظ میں نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز کا جو حصہ اس سے گزر گیا اس کی قضا کرے اور جو رہ جائے اس کو مکمل کرے۔ لہٰذا اس میں سے کسی چیز کی تخصیص بلا دلیل جائز نہیں اور ایسی دلیل موجود نہیں ہے۔ یہ لوگ بزعمِ خویش اصحابِ قیاس ہونے کے مدعی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے قیام کے فوت ہونے اور قیام ورکوع دونوں کے فوت ہونے میں تفریق کی ہے؟ چنانچہ وہ ایک کی قضاء کو ضروری سمجھتے ہیں اور دوسرے کی قضاء کو نہیں۔ اس طرح انہوں نے نہ تو قیاس پر عمل کیا اور نہ ہی نصوص کا اتباع ضروری سمجھا۔

حیرت کی بات ہے کہ اُن میں سے بعض لوگوں نے اپنے قول پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ یہ صاف جھوٹ ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از ابن عجلان، از عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "جب تم جماعت میں شرکت کرو اور وہ رکوع کر رہے ہوں تو اُس وقت تک تکبیر نہ کہو جب تک تم صف میں اپنی جگہ نہ لے لو" (مصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۵۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ "جب تک فاتحہ نہ پڑھو رکعت کو شمار نہ کرو" (جزء القراءۃ للبخاری والبیہقی)

چنانچہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از منصور، از زید بن وہب روایت کیا ہے کہ مَیں اور ابنِ مسعودؓ مسجد میں داخل ہوئے تو امام رکوع کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم نے بھی رکوع کیا اور صف میں برابر کھڑے ہو گئے۔ جب امام فارغ ہُوا تو مَیں کھڑا ہو کر قضا پڑھنے لگا۔ ابن مسعودؓ نے کہا "تم نے اسے پا لیا ہے" (یعنی تمہاری نماز مکمل ہو گئی)۔ (عبدالرزاق ۲: ۲۸۳، ابن ابی شیبہ ۱: ۲۵۵، والبیہقی ۲: ۹۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں زید بن وہب صحابی ہیں[1] اور وہ قضاء کو واجب قرار دیتے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے زید بن وہب کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے پھر کیا ہُوا؟ جب دو صحابی باہم مختلف الرائے ہوں تو اس وقت کتاب و سُنّت کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے کسی اور کی طرف رجوع جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا نہ تو ابن مسعودؓ کا قول زید پر حجت ہے اور نہ زید کا قول ابن مسعودؓ کے لیے واجب التعمیل ہے۔ بخلاف ازیں رسولِ اکرمؐ کا قول ان دونوں پر اور تمام جن و انس پر حجت ہے۔ اِس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ زید نے ابنِ مسعودؓ کے قول کی جانب رجوع کر لیا تھا۔ اگر رجوع کر بھی لیتے تو ان کا رجوع حجت نہ ہوتا۔ اس لیے کہ ان کا اختلاف تو ابنِ مسعودؓ سے ہو چکا تھا۔

چنانچہ ہم نے بطریق حجاج بن منہال، از ربیع بن حبیب، از محمد بن سیرین روایت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے جب تم قوم کے پاس آؤ اور وہ نماز پڑھ رہے ہوں۔ اور تم وہ تکبیر پالو جس کے ساتھ تم نماز میں داخل ہو سکو، نیز رکوع کی تکبیر تو تم نے وہ رکعت پالی۔ ورنہ رکوع اور سجدہ ان کے ساتھ کر لو مگر اس کو رکعت شمار نہ کرو۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم نے امام احمد بن حنبلؒ سے کلام نقل کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "جس شخص نے اِجماع کا دعویٰ کیا اس نے جھوٹ بولا۔ لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے مگر اسے معلوم نہیں ہوتا" غالباً یہ اصم اور بشر المریسی[2]

---

[1] ابنِ حزمؒ سے یہاں غلطی صادر ہوئی ہے۔ زید بن وہب الجہنی ابو سلیمان تابعی ہے۔ یہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات کے لیے گھر سے روانہ ہُوئے مگر راستہ میں فوت ہو گئے تھے جیسا کہ ابو نعیم اور بخاری نے تاریخ میں آپ سے روایت کیا ہے لہٰذا وہ صحابی نہیں ہے۔ ابن حجرؒ الاصابہ (ج ۲ ص ۴م) میں لکھتے ہیں کہ "ابنِ حزم نے اپنی کتاب المحلّٰی باب صفۃ الصلوٰۃ میں منصور کی زید بن وہب سے روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "میں اور ابن مسعودؓ مسجد میں داخل ہُوئے" پھر پُورا واقعہ بیان کیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ زید بن وہب صحابہ میں سے ہیں۔ اگر ابنِ مسعودؓ نے ان کی مخالفت کی تو دونوں میں سے کسی کا قول بھی حجت نہیں ہوگا۔ در اصل یہ غلطی اس لیے ابن حزمؒ سے واقع ہوئی کہ اس روایت کے سیاق سے بظاہر ان کا صحابی ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔

[2] اصم سے غالباً ابو علقمہ عبداللہ بن عیسیٰ الفروی مراد ہے جو عجائبات کا راوی ہے اور بشر مریسی سے بشر بن غیاث الضال المبتدع مراد ہے۔ یہ دونوں جھوٹے دعوے کرنے میں یکتائے زمانہ تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اقوال ہیں (یعنی دعویٰ اجماع)

ابن حزم کہتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا جس شخص نے ایسے معاملہ میں اجماع کا دعویٰ کیا جس کے بارے میں اسے یقینی طور پر معلوم نہیں کہ یہ تمام اہل اسلام کا قول ہے تو اس نے تمام اُمت پر جھوٹ باندھا اور ایک ظنی بات کو قطعی ٹھہرایا۔ الا یہ کہ رسول اکرمؐ کا فرمان ہے کہ "ظن سب سے جھوٹی بات ہے" (بخاری الوصایا والنکاح والفرائض والادب مسلم والترمذی البر مولانا حسن الخلق)

اگر معترض کہے کہ ابن مسعودؓ نے جو بات کہی ہے ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم نے یہ بات حضرت عمرؓ کے قول کے بارے میں کیوں نہ کہی جس کو ہم نے ابھی گزشتہ باب میں نقل کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ دو آیتوں کے بغیر نماز نہیں ہوتی (مصنف ابن ابی شیبہ ۱:۳۶۰) مگر اس شخص کے لیے تحکم آسان ہے جو کسی کے کلام کو اس کے عمل پر محمول نہیں کرتا۔

اگر معترض کہے کہ یہ جمہور کا قول ہے۔

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہرگز جمہور کی پیروی کا حکم نہیں دیا۔ یہ بات کسی آیت یا حدیث میں مذکور نہیں۔ البتہ موضوع احادیث کا مل جانا اس شخص کے لیے چنداں دشوار نہیں جو ان سے استدلال کرنے کو جائز تصور کرتا ہو۔

اگر معترض کہے کہ جب وہ شخص کھڑا ہو کر تکبیر کہے گا اور پھر رکوع کرے گا تو اس طرح اس نے گویا قیام کو پالیا۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ایک اور گناہ ہوا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے اس کو اس بات کا حکم نہیں دیا کہ امام تو رکوع کر رہا ہو اور وہ کھڑا ہو کر تکبیر کہنے لگے۔ مزید براں اس شخص سے نماز کا جو حصہ فوت ہو گیا ہے اس کی قضا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دینی چاہیے نہ کہ اس سے قبل۔

ہم ذیل میں چند اقوال ذکر کرتے ہیں جن سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہوتا ہے جو اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کرتا ہے۔

چنانچہ ہم نے بطریق حماد بن سلمہ، از حجاج بن ارطاۃ، از عبداللہ بن یزید نخعی، از یزید بن الاحمر[1] روایت کیا ہے کہ

[1] اصل مطبوعہ نسخہ میں زید بن احمد ہے لیکن صحیح یزید بن الاحمر ہے جیسا کہ مزی نے تہذیب الکمال میں عبداللہ بن یزید نخعی کے شیوخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص بحالتِ رکوع صف میں شامل ہوا اور مقتدیوں نے ابھی رکوع سے سر نہ اٹھایا ہو تو وہ رکعت شمار کرلے۔ اور اگر صف میں شامل ہونے سے پہلے انہوں نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو رکعت شمار نہ کرے (المعجم الکبیر للطبرانی ۹ : ۳۱۲)۔ حجاج کہتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول معمول بہ ہے۔

حماد بن سلمہ، ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہیں، وہ نافع مولی ابن عمرؓ سے کہ عبداللہ بن عمرؓ جب مسجد میں داخل ہوتے اور نمازی سجدہ کر رہے ہوتے تو وہ بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے۔ جب وہ سجدہ سے سر اٹھاتے تو ابن عمرؓ ایک سجدہ اور کر لیتے۔ مگر اس کو رکعت شمار نہ کرتے۔ (عبدالرزاق ۲ : ۲۸۶ میں ایک روایت اسی معنیٰ میں ہے)۔

ایوب کہتے ہیں میں ابوقلابہ کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا تو نمازی ایک سجدہ کر چکے تھے۔ ہم نے ان کے ساتھ دوسرا سجدہ کیا۔ جب انہوں نے دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا تو ہم نے ایک اور سجدہ کر لیا۔ جب ابوقلابہ نے نماز ختم کی تو سہو کے دو سجدے کیے۔

حماد بن سلمہ سے روایت ہے، وہ داؤد بن ابی ہند سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص آخری صف میں شامل ہو، اُس وقت امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا ہو اور نمازیوں نے نہ اُٹھایا ہو تو وہ شخص رکوع کرے اور اس نے وہ رکعت پالی۔ اس لیے کہ وہ صف اس کے آگے ہے۔ اور اگر وہ اس حال میں آئے جب کہ نمازی سجدہ کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ سجدہ کرے مگر اس کو رکعت شمار نہ کرے۔

(عبدالرزاق ۲ : ۲۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۴۳ مختصراً)

بدیں سند تا داؤد بن ابی ہند از ابوالعالیہ۔ وہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص آئے اور لوگ سجدہ کی حالت میں ہوں تو اُن کے ساتھ سجدہ کرے۔ جب امام سلام پھیرے تو کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھے۔ اس میں سجدہ نہ کرے تو اسے ایک رکعت شمار کرے۔ بدیں سند تا حماد، از قتادہ وحمید و اصحابِ حسن۔ وہ فرماتے ہیں اگر کسی شخص نے امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانوؤں پر رکھ لیے تو اس کی ایک رکعت ادا ہوگئی۔ اور اگر

مجمع الزوائد کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایک نسخہ میں تربد بن ۔۔۔۔ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن طبرانی کبیر میں بھی زید بن احمد ہی چھپا ہے البتہ الاحمر ہے۔ ابن حبان نے الثقات ۵/۳۲۵ اور بخاری نے التاریخ الکبیر ۸/۳۱۸ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زانوؤں پر ہاتھ رکھنے سے پہلے امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو اسے رکعت شمار نہ کرے۔ حماد کہتے ہیں ظن غالب ہے کہ یہ بات حسن بصری سے منقول ہے۔

ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور زفر کہتے ہیں اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے نمازی نے رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہہ لی تو اس نے رکعت کو پا لیا، وہ امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رکوع کرے۔

۳۶۴۔ تعوّذ ہر رکعت میں فرض ہے

قراءت سے پہلے ہر نمازی پر "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھنا فرض ہے۔ یہ بات ہر رکعت میں ضروری ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں فرمایا:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (النحل: ۹۸) "جب تو قرآن پڑھے تو راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ۔"

امام ابوحنیفہ اور شافعی کہتے ہیں ہر رکعت میں قراءت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھے۔ مگر وہ دونوں اس کو فرض نہیں سمجھتے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں قیام رمضان (تراویح) کے سوا کسی فرضی یا نفلی نماز میں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ نہ پڑھا جائے۔ وہ بھی تراویح کی پہلی رات میں دوسری راتوں میں ضرورت نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں، کتاب و سنت، اقوال صحابہ، اجماع اور قیاس میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اگر ایک شخص اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کی مخالفت کرے تو دونوں برابر ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ باقی رہا امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا قول کہ تعوذ فرض نہیں تو وہ مبنی بر خطا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (النحل۔ ۹۸)

یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دے مگر ایک شخص بلا دلیل و برہان یہ کہے کہ یہ بات فرض نہیں۔ خصوصاً اس دعا کا حکم کہ اے اللہ ہمیں شیطان کے مکر سے محفوظ رکھ۔ اس کا فرض ہونا ایک یقینی امر ہے۔ اس لیے کہ شیطان سے اجتناب و فرار اور اس سے نجات طلب کرنے کے فرض ہونے میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس کو قرآن کی تلاوت کے وقت لازم ٹھہرایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر تعوّذ فرض ہوتا تو جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں بتاتا کہ اس نے قرآن کی آیت پڑھی ہے تو اس پر بھی تعوّذ لازم ہوتا۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ دلیل اُن کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت تعوّذ کے استحباب پر وہ بھی متفق ہیں۔ مگر کسی کے قول کی حکایت کرتے وقت وہ تعوّذ کے قائل نہیں یعنی تعوّذ کو ہم واجب کہتے ہیں اور ہمارے مخالفین نہیں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہُوا کہ جو مسئلہ متنازعہ ہے وہ قراءتِ قرآن کے وقت تعوّذ کا ہے نہ کہ کسی کے قول کی حکایت کرنے وقت۔

ابن حزم فرماتے ہیں اب یہ مسئلہ باقی رہا کہ قراءتِ قرآن کے وقت نماز کے اندر یا باہر محوّلہ بالا آیت کے عموم کے پیشِ نظر تعوّذ فرض ہے۔

۴۴۴ - اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از احمد بن عون اللہ، از قاسم بن اصبغ، از محمد بن بشّار، از محمد بن جعفر، از شعبہ، از عمرو بن مُرّہ، از عاصم العَنَزی، از ابنِ جُبیر بن مُطعم، از والد خود] روایت کیا ہے کہ مَیں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز شروع کرتے وقت دیکھا، آپؐ نے پڑھا "اللّٰہ اکبر کبیرًا، اللّٰہ اکبر کبیرًا، اللّٰہ اکبر کبیرًا، الحمد للّٰہ کثیرًا، الحمد للّٰہ کثیرًا، الحمد للّٰہ کثیرًا، و سبحان اللّٰہ بُکرۃً واَصیلاً، اَللّٰھم انی اَعُوذبِك من الشّیطان من ھَمْزِہٖ و نَفْخِہٖ و نَفْثِہٖ" (ابوداؤد الصّلوٰۃ باب ۱۲۲، ابن ماجہ الصّلوٰۃ باب ۲)

۴۴۵ - نیز ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدّبری، از عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از سعید الجریری از یزید بن عبداللہ بن الشّخّیر، از عثمان بن ابی العاص الثقفی] روایت کیا ہے۔ مَیں نے عرض کی یا رسُول اللہ! شیطان میرے اور میری قراءت کے درمیان حائل ہو گیا۔ رسول کریمؐ نے فرمایا "اس شیطان کا نام خنزب ہے۔ جب تمہیں اس کا احساس ہو تو اَعُوذُ باللّٰہ پڑھا کرو اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دیا کرو۔" (عبدالرزاق ۲: ۸۵، مسلم کتاب الطّب باب ۱۰، مُسند احمد ۴: ۲۱۶)

ہم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "امام چار کلمات کو سِرًّا پڑھا کرے۔

(۱) تعوّذ (۲) تسمیہ (بسم اللہ) (۳) آمین (۴) رَبَّنا لك الحمد۔[1]

---

[1] حضرت عمرؓ کی روایت مجھے نہیں ملی البتہ ابراہیم نخعی سے عبدالرزاق ۲: ۸۷، اور مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۵۳۶ میں یہی روایت موجود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مزید براں ہم نے بطریق ابو حمزہ[1]، از ابراہیم نخعی، از علقمہ و اسود، ہر دو از عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: "تین کلمات کو امام خفیہ کہے (۱) تعوذ (۲) تسمیہ (۳) آمین۔

ہم نے بطریق عبد الرزاق، از ابن جریج روایت کیا ہے کہ میں نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ ابن عمرؓ تعوذ کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ نافع نے کہا وہ کہا کرتے تھے "اللّٰھم انّی اعوذ بك من الشّیطٰن الرّجیم" (عبد الرزاق ۲: ۸۴)

سفیان ثوری، منصور بن المعتمر سے، وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ پانچ کلمات کو آہستہ پڑھنا چاہیے۔ (۱) سُبحانَكَ اللّٰھُمَّ (۲) تعوّذ (۳) تسمیہ (۴) اٰمین (۵) ربّنا لك الحمد۔ (عبد الرزاق ۲: ۸۷، ابن ابی شیبہ ۲: ۵۳۶)

ہشام بن حسان، حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں تعوّذ اُس وقت پڑھتے جب نماز کا آغاز کرتے وقت سورہ فاتحہ پڑھتے تھے "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرّجیم" اور ابن سیرین ہر رکعت میں تعوّذ پڑھا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق ۲: ۸۶، بیہقی ۲: ۳۷)

معمر، ابن طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے کہ وہ سورہ فاتحہ سے پہلے تعوّذ پڑھا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق ۲: ۸۶)

نیز ہم نے بطریق معمر، از ایوب سختیانی، محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ سے قبل اور اس کے بعد تعوّذ پڑھا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق ۲: ۸۶)

ابن جریج عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ ہر قراءت سے پہلے تعوّذ واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم کہنا کافی ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ تعوّذ اس

ہے۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ سے جہر کی روایت مصنّف عبد الرزاق و ابن ابی شیبہ وغیرہ میں موجود ہے۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

[1] ابو حمزہ میمون الاعور قصّاب کوفی ضعیف راوی اور متروک الحدیث ہے (نیز ابن مسعودؓ کا عمل مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۵۳۶ میں دوسری سند سے مذکور ہے)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آیت (فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) کی وجہ سے واجب ہے؟ عطاء نے کہا جی ہاں (عبد الرزاق ۲: ۸۳)
نماز میں تعوّذ کے بارے میں سفیان ثوری، اوزاعی، داؤد اور دیگر اہلِ علم کا موقف بھی یہی ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں مندرجہ صدر صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کے یہی اقوال ہیں۔ اس میں کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ مگر مقلدین کسی کی بات کو تب مانتے ہیں جب ان کی تقلید سے ہم آہنگ ہو۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں جو لوگ ابنِ سیرین کے قول پر عمل پیرا ہیں وہ آغازِ قراءت سے قبل تعوّذ کو سنّت تصوّر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قرناً قرن سے قُرّاء کے بقول رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ مگر قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد خواہ وہ دو کلمے ہی کیوں نہ ہوں وہ تعوّذ کو فرض ٹھہراتے ہیں۔ اس لیے کہ آیتِ قرآنی سے قراءت کے بعد تعوّذ کا پڑھنا بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور جس کے لیے قراءت دشوار ہو تو اس حدیث کی بنا پر تعوّذ اس پر اس حالت میں فرض ہے اور پھر اس وقت جب وہ قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کرے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہر عصر و عہد کے قُرّاء کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ قراءت کا آغاز کرنے سے قبل اس کے ساتھ ہی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھا جائے۔ یہ بات عہدِ رسالت سے لے کر ہم تک نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ لہٰذا یہ ایک فیصلہ کُن بات ہے۔ رسولِ اکرمؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو ناک صاف کرے۔" اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ وضو کے شروع میں ناک جھاڑا کرتے تھے (ان دونوں روایتوں کے حوالے کے لیے مسئلہ ۱۹۸ دیکھیے) اسی طرح قراءت شروع کرنے سے قبل مگر قراءت سے متصل تعوّذ پڑھنا ہر شخص کے لیے ضروری ہے)

۳۶۴۔ جو شخص تعوّذ یا فاتحہ کو بھول جائے

جو شخص تعوّذ یا سورۃ الفاتحہ کے کچھ حصہ کو بھول کر رکوع کرنے لگ گیا ہو تو نماز میں جب بھی اسے یاد آئے اس کا اعادہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔ بشرطیکہ وہ امام یا منفرد ہو۔ اگر مقتدی ہو تو بھولی ہوئی بات کو نظر انداز کر دے۔ ہاں جب امام نماز سے فارغ ہو تو مقتدی کھڑا ہو کر جو رہ گیا تھا اس کو پڑھے اور سجدہ سہو کرے۔ ہم نے اس کی دلیل اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے بیان کی ہے جو نماز کے کسی فرض کو بھول جائے تو جو نماز اس نے حسبِ مامور ادا نہیں کی اس کا اعادہ کرے۔ اور جو حسبِ مامور ادا کی اس کو بھی دوبارہ ادا کرے (یعنی مسئلہ ۳۴۴) ——— وباللہ تعالٰی التوفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۶۵ جس کو سورۃ الفاتحہ یاد نہ ہو

جس کو سورۃ الفاتحہ یاد نہ ہو وہ نماز ادا کرے اور جتنا قرآن مجید پڑھ سکے پڑھے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ اس کے لیے کافی ہو گا۔ سورۃ الفاتحہ سیکھنے کی کوشش کرے۔ اگر فاتحہ کا کچھ حصہ یاد ہو اور کچھ یاد نہ ہو تو جو حصہ یاد ہو وہ پڑھے۔ اس کی نماز ہو جائے گی۔ باقی حصہ یاد کرنے کی کوشش کرے۔ اگر قرآن کا کچھ حصہ بھی یاد نہ ہو تو اسی طرح نماز ادا کرے۔ کھڑے ہو کر اپنی زبان میں اللہ کو یاد کرے۔ رکوع اور سجدہ کرے حتیٰ کہ نماز مکمل ہو جائے۔ اس کی نماز ہو جائے گی۔ سورۃ الفاتحہ کو سیکھنے کی کوشش کرے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن کی سات آیات کے بقدر پڑھے۔ یا سات آیات کے بقدر اللہ کا ذکر کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں مذکورہ صدر اقوال کے قائل نے سورۃ الفاتحہ کا عوض تلاش کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ شرعی احکام میں عوض کا تصور باطل ہے۔ الّا یہ کہ کتاب و سنت سے اس کا اثبات ہوتا ہو۔ مگر مسئلہ زیر قلم میں کتاب و سنت خاموش ہیں۔ اگر اس قائل کے قیاس کو درست تسلیم کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ جس شخص کے ذمہ ماہ رمضان کے ایک روزہ کی قضا ہو اس کی قضا تب درست ہو گی اگر قضا کا روزہ بھی اتنا ہی طویل ہو جتنا وہ روزہ جو فوت ہوا۔ اور یہ باطل ہے۔

ہمارے قول کی صحت کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (یعنی اللہ کسی کی وسعت سے زیادہ اسے مکلف نہیں کرتا) اور رسول اکرمؐ کی یہ حدیث ہے کہ

"جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جتنی تعمیل ممکن ہو کرو" (بخاری کتاب الاعتصام، مسلم و نسائی کتاب الحج، ابن ماجہ مقدمہ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص جس بات کو انجام دینے سے قاصر ہے وہ اس سے ساقط ہے۔ اور جس بات کی اس میں استطاعت ہے وہ اس پر لازم ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (المزمل ۲۰)　"قرآن میں سے جتنا پڑھ سکو پڑھ لو"

رسول اکرمؐ نے ایک نمازی کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا "جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھ لو" ہم قبل ازیں یہ حدیث مع سند ذکر کر چکے ہیں (دیکھو حدیث ۳۴۵)۔ لہٰذا جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھ سکے اور باقی قرآن پڑھ سکتا ہو تو سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اس سے ساقط ہو جائے گا اگر کم از کم وہ ایسے دو کلمات بھی پڑھ لے جن پر قرآن کا اطلاق ہو سکے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اور اگر یہ تعریف ایک کلمہ پر صادق آتی ہو تو وہی کافی ہے۔ اس لیے کہ "مَا تَيَسَّرَ" کے عموم میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

—— و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۴۶۔ بسم اللہ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا

جو شخص متعدد قراء کی روایت کے پیشِ نظر "بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ" کو قرآن کی ایک آیت سمجھ کر پڑھتا ہو اس کی نماز "بسم اللہ" کے بغیر درست نہیں۔ وہ قراء عاصم بن ابی النجود، حمزہ، الکسائی، عبداللہ بن کثیر اور دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم ہیں اور جو شخص اُن قراء کے مطابق پڑھتا ہو جو اس کو آیت تصور نہیں کرتے تو اسے اختیار ہے کہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ وہ قراء ابنِ عامر، ابو عمرو، یعقوب اور بعض روایات میں نافع سے بھی مروی ہے۔[۱]

---

[۱] ابنِ حزمؒ نے بسملہ پڑھنے کی روایت قراء سے مطلقاً ذکر کی ہے مگر یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ قراء صرف وصل کے وقت بسملہ نہیں پڑھتے یعنی جب قاری ایک سورت کو ماقبل والی سورت کے ساتھ ملاتا ہو۔ مزید براں جن قراء سے بسملہ کا ترک منقول ہے اُن سے اس کا اِثبات بھی منقول ہے۔ محض حذف کرنے کی روایت کسی قاری سے منقول نہیں۔ مزید براں بسملہ کے بارے میں یہ اختلاف فاتحہ کے سوا دوسری سورتوں کے بارے میں ہے۔

امام القراء ابوالخیر بن الجزری اپنی تصنیف "کتاب النشر فی القراآت العشر" ج ۱ ص ۲۶۲ میں رقمطراز ہیں:

"اس میں شبہ نہیں کہ بسملہ کے ساتھ فصل اور وصل کرنے والے قراء جب کسی سورۃ کا آغاز کرتے ہیں تو بسملہ پڑھتے ہیں بجز سورۃ التوبہ کے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سورۃ الفاتحہ کے شروع میں بسملہ کے اثبات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا خواہ اس کو کسی سورۃ کے ساتھ ملایا جائے جو اس کے پہلے ہو یا کسی کے ساتھ ملایا نہ جائے بلکہ اس سے آغاز کیا جائے۔ اس لیے کہ اگر فاتحہ کو کسی سورۃ کے ساتھ ملا یا بھی جائے تو حکماً اسی سے تلاوت کا آغاز تصور کیا جائے گا۔

حق بات یہ ہے کہ وصل کی حالت میں بسملہ کو حذف کر کے قراءت کرنا ایک شاذ اور غیر صحیح قراءت ہے۔ خواہ یہ قراءت سبعہ و عشرہ میں شامل کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ صحتِ قراءت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ قرآنی رسم الخط کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ جیسا کہ اس پر تمام قراء بلکہ تمام علماء کا اتفاق ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ صحابہ کرام ایک سو تیرہ جگہ قرآن میں بسملہ کا اضافہ کر دیتے حالانکہ وہ ان مقامات پر نازل نہیں ہوتی تھی جہاں اسے تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ہم بلا شبہ ملاحدہ کے لیے ایک نیا باب وا کر دیں گے۔ صحابہ کرام سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے حریص تھے کہ قرآن میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام مالک کہتے ہیں کہ نمازی صرف ماہِ رمضان کی پہلی رات کی تراویح میں بسملہ پڑھے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ بسملہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے بکثرت ضعیف اقوال کے ساتھ احتجاج کیا ہے جو احناف و موالکاف دونوں میں سے کسی فریق کے لیے بھی حجت نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت انسؓ کی روایت کردہ یہ حدیث کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے ساتھ نماز کا آغاز کیا کرتے تھے بسملہ نہ اس سے پہلے پڑھتے نہ اُس کے بعد (بیہقی ۲: ۵۰)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ۱: ۲۰۰) یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کھڑے ہوتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کرتے)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی حجت نہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی حدیث میں بھی مذکور نہیں کہ رسول کریمؐ نے بسملہ پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ ان میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ آپؐ بسملہ نہیں پڑھتے تھے۔ (بلکہ صرف عدم سماع کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آہستہ پڑھا ہو لیکن انسؓ اور ابوہریرہؓ نے دُور ہونے کی وجہ سے نہ سُنا ہو بلکہ جو قریب ہو وہ سُنا ہو جیسا کہ جہر کی روایتیں موجود ہیں)۔

۵ ۔ یہ احادیث دوسری احادیث کی معارض ہیں۔ ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق

شک و وہم راہ پکڑنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مصاحف میں سورتوں کے نام تحریر نہ کیے "آمین" کا لفظ تک تحریر نہ کیا حضرت عمرؓ نے رجم کے بارے میں اپنی اور کبار صحابہ کی شہادت اس لیے رقم نہ کی کہ کوئی شخص اس کو قرآن کا جزو سمجھنے نہ لگ جاتے۔ یہ بات آپ نے برسرِ منبر فرمائی۔ (جیسا کہ اکثر تفاسیر میں مذکور ہے)

جو لوگ نماز میں فاتحہ کو بسملہ کے بغیر پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا اُن سے صراحۃً یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ تمام قُراء بلا اختلاف اس بات پر متفق ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کے شروع میں بسملہ لکھی جائے۔ عملاً بھی تمام مصاحف میں اسی طرح کیا گیا ہے۔ یہ ایسی بیّن دلیل ہے جس سے جملہ اختلافات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب شرح التحقیق لابن الجوزی میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ بحث کسی دوسری جگہ آپ کو نہیں ملے گی ـــــــ والحمدللہ رب العلمین (احمد محمد شاکرؒ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(احمد بن حنبل، از وکیع، از شعبہ، از قتادہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "میں نے رسول کریم، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ بسملہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔" (مسند احمد ۳: ۲۷۵) اور اس طرح بھی روایت ہے کہ انہوں نے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جہر سے جہر نہیں کیا۔ (مسند احمد ۳: ۲۶۴)

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ مذکورہ صدر حضرات بسملہ سرّاً پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس حدیث سے بسملہ کا اثبات ہوتا ہے۔ دیگر احادیث بھی اسی کی ہم معنی ہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں حق بات یہ ہے کہ نص سے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ قراءت کی سب قسمیں حق اور قطعی ہیں جبریل کے ذریعے ان کو رسول کریم تک پہنچایا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص جیسے چاہے تلاوت کرے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ بسملہ ایک قراءت کے مطابق سورۃ الفاتحہ کی آیت ہے۔ مگر دوسری قراءت کے پیش نظر آیت نہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ دونوں قراءتیں صحیح ہیں۔

جس طرح (ھُوَ) سورۃ الحدید کی آیت (ھُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ) میں۔ یا (مِنْ) کا لفظ آیت کریمہ (مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ) میں جو کہ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں ہے۔ جو اہل علم ھُوَ اور مِنْ کو پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ دونوں سورتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جو ان کو نہیں پڑھتے ان کے نزدیک شمار نہیں ہوتے۔ ایسے الفاظ قرآن کے آٹھ مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ ان کا تذکرہ ہم نے اپنی تصنیف "کتاب القراآت" میں کیا ہے۔ اور اس قسم کے دیگر حروف جن کا ذکر و بیان طوالت کا موجب ہے۔ مثلاً سورۃ الکہف فی آیت "خَيْرًا مِّنْهَا" کے عوض "خَيْرًا مِّنْهُمَا" اور (حٰمٓ عٓسٓقٓ) میں (فَبِمَا كَسَبَتْ) میں میم سے قبل "ف" کا اضافہ۔ اور متعدد جگہوں میں "ھا" کا اضافہ۔ مثلاً (یٰسٓ) میں (وَمَا عَمِلَتْهُ) نیز سورۃ الزخرف میں (تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ) اور سورۃ البقرہ میں (لَمْ يَتَسَنَّهْ) وغیرہ کے اندر "ھا" کا اضافہ اور قرآن کریم کو سات قراءتوں کے مطابق اتارا گیا ہے۔ اور وہ سب کی سب حق ہیں۔ اور یقینی اجماع کی بنا پر یہ بھی انہی قراءتوں میں شامل ہیں ـــــ وَبِاللّٰهِ تَعَالَى التَّوْفِيْقُ

۳۶۷۔ نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کا شرعی حکم

جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ یا اس کا کچھ حصہ یا قرآن کریم کا کچھ حصہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں دانستہ ترجمہ کر کے پڑھے یا عربی الفاظ میں پڑھے مگر وہ ان الفاظ کے علاوہ ہوں جن میں وہ نازل ہوا تھا یا دانستہ کلمات کو آگے پیچھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرکے پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اور ایسا کرنے والا شخص فاسق ہُوا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قرآناً عربیاً" اور جو غیر عربی ہے وہ عربی نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ قرآن بھی نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن کے مرتبہ کی تبدیلی کلام اللہ کی تحریف ہے جن لوگوں نے تحریف کا ارتکاب کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ (المائدہ-۱۳) "وہ کلمات کو ان کی (اصلی) جگہ سے تبدیل کر دیتے ہیں" لہٰذا عربی ترجمہ یا مقدم مؤخر کرنا بھی حرام ہُوا۔

احناف کا موقف: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اس کی نماز ہو جائے گی۔ ان کے مقلدین اس آیت سے احتجاج کرتے ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ۔ (الشعراء-۱۹۶) "اور یہ پہلوں کے صحیفوں میں مذکور ہے"

امام ابن حزم فرماتے ہیں یہ آیت اُن کے لیے حجت نہیں اس لیے کہ جو قرآن رسُول اکرم کے ذریعے ہم پر نازل کیا گیا ہے پہلے لوگوں پر نازل نہیں کیا گیا تھا۔ پہلے لوگوں کے صحیفوں میں صرف اس کا ذکر اور اعتراف پایا جاتا ہے۔ اگر قرآن حضورؐ کے علاوہ کسی اور پر اُتارا جاتا تو یہ آپ کے لیے معجزہ نہ ہوتا اور نہ اس میں آپ کی کچھ فضیلت ہوتی۔ یہ وہ بات ہے جس کے کہنے کی کوئی مسلم جسارت نہیں کر سکتا۔

عاجز کا حکم: جو شخص عربی پڑھنے پر قادر نہ ہو وہ اپنی بولی میں اللہ کا ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ-۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا"

مگر سورۃ الفاتحہ یا قرآن کریم کے کسی حصہ کا ترجمہ نماز میں پڑھنا اس حیثیت سے جائز نہیں کہ ترجمہ کی تلاوت اس پر فرض ہے کہ یہ وہ قرآن نہیں جس کی تلاوت اس پر فرض ہے (بلکہ وہ قرآن کا ترجمہ ہے) جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس کو قرآن قرار دے کر وہ اللہ پر افتراپردازی کرنے والا ہو گا۔

۳۶۸۔ قرآنی سُورۃ سے پہلے تعوّذ ضروری نہیں

سُورۃ فاتحہ کے بعد جب امام اور منفرد دوسری سُورت پڑھے تو اُس کے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھنا ان دونوں کے لیے ضروری نہیں۔ کیوں کہ قراءت شروع کرتے وقت وہ تعوّذ پڑھ چکے ہیں۔ چونکہ اس نے فاتحہ کے ساتھ دوسری سُورت کو ملا لیا ہے اس لیے اس کا تعوّذ حسبِ مامور ہے۔ اور اگر تعوّذ کی تکرار ضروری ہوتی تو جھوٹے دعویٰ کے سوا اس کا کچھ مقصد نہ ہوتا۔ اگر قراءت کو اس طرح قطع کر دے کہ گویا اُسے ترک کر دیا، یا دوسری رکعت میں قراءت کا ارادہ کیا تو حسب الحکم تعوّذ پڑھے۔ وباللہ التوفیق۔

۳۶۹۔ فرائضِ نماز کا بیان

نماز میں رکوع فرض ہے۔ رکوع میں طمانیت فرض ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا رکوع کی حالت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرض ہے۔ جو ان میں سے کسی چیز کو دانستہ چھوڑ دے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور جو بھول کر ترک کرے تو اس کو نظر انداز کرے اور نماز کو مکمل کرے۔ پھر سجدۂ سہو کرے۔ اگر کمر میں خرابی کی وجہ سے طمانیت و اعتدال پر قادر نہ ہو تو جیسے بھی کر سکے کافی ہے۔ اور جس بات پر وہ قادر نہیں وہ اس سے ساقط ہو جائے گی۔

رکوع جانے سے قبل اللہ اکبر کہنا فرض ہے، رکوع سے اٹھنے کے بعد "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہنا ہر نمازی پر فرض ہے۔ خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ اگر مقتدی ہو تو سَمِعَ اللہ کے بعد "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" یا "وَلَکَ الْحَمْدُ" کہے۔ یہ مقتدی پر فرض ہے مگر امام اور منفرد پر فرض نہیں۔ تاہم اگر وہ کہہ دیں تو سنت ہے اور اچھی بات ہے۔

جب امام "وَلَا الضَّالِّیْنَ" کہے تو مقتدی کا "آمین" کہنا فرض ہے۔ اور اگر امام بھی آمین کہے تو یہ سنت اور عمدہ بات ہے۔ مقتدی کے لیے جائز نہیں کہ وہ امام سے پہلے یا اس کے ساتھ رکوع یا سجدہ کرے اور رکوع سے سر اٹھائے بلکہ اس کے بعد یہ سب کچھ کرنا چاہیے۔ جو شخص دانستہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھے اس کی نماز باطل ہوئی۔ اگر بھول کر ایسا کرے تو اس مدت کو اپنے سجدہ سے نکال دے اور سجدۂ سہو کرے۔ ہر رکعت میں قیام کے بعد دو سجدے فرض ہیں ان میں طمانیت و اعتدال فرض ہے ہر سجدہ کے لیے تکبیر بھی فرض ہے ہر سجدہ میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہنا فرض ہے۔

پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں، اور دونوں پاؤں کے سینہ یعنی اگلے حصہ کو اس چیز پر رکھنا جس پر نمازی کھڑا ہے فرض ہے۔ دو سجدوں کے درمیان جلسہ، اس میں طمانیت، اور اس کے لیے تکبیر کہنا فرض ہے۔

اگر کوئی شخص ان تمام باتوں میں سے کسی کو دانستہ ترک کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اگر کسی بات کو بھول کر ترک کرے تو اس کو نظر انداز کر کے صحیح طریقہ پر ادا کرے۔ پھر سجدۂ سہو کرے۔ اگر جہالت یا عذر کی بنا پر ان میں سے کسی امر کے ادا کرنے سے قاصر رہے تو وہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

پیشانی اور ناک پر سجدہ تبھی جائز ہے کہ وہ کھلے ہوتے ہوں اور مستور نہ ہوں۔ مگر باقی اعضاء پر سجدہ مستور ہونے کی حالت میں جائز ہے۔ اور اپنی نماز کی ہر رکعت میں وہی کچھ کرے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

۵۴۷۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری، از بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید، از عبیداللہ بن عمر، از سعید المقبری، از والد اُو، از] ابوہریرہؓ روایت کیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ رسول اکرمؐ مسجد میں داخل ہوئے۔ اندریں اثنا ایک شخص مسجد میں آکر نماز پڑھنے لگا۔ پھر آکر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور کہا لوٹ جا اور نماز پڑھ اس لیے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ اس نے جاکر نماز پڑھی اور پھر آکر آپ کو سلام کہا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور جاکر نماز پڑھو کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ یہ تکرار تین مرتبہ ہوئی۔ اس نے کہا مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے نماز سکھلائیے تو آپ نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ۔ پھر جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو۔ پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو۔ پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور برابر کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر اطمینان سے دوسرا سجدہ کرو۔ پھر تمام نمازوں میں اسی طرح کیا کرو۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ والاستیذان، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۵۴۸۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عبداللہ بن محمد بن عثمان، از احمد بن خالد، از علی بن عبدالعزیز، از حجاج بن منہال از ہمام بن یحییٰ، از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، از علی بن یحییٰ بن خلاد، از والد اُو، از عم اُو رفاعہ بن رافع] روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ اندریں اثنا ایک شخص آیا اور آکر مسجد میں نماز پڑھنے لگا۔ نماز پوری کرکے آیا اور آپ کو سلام کہا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ اور جاکر نماز پڑھو۔ تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ اس نے پھر نماز ادا کی اور آکر سلام عرض کیا۔ رسولِ کریمؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاکر نماز پڑھو، تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ اسی طرح کہا

اُس شخص نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ میری نماز میں کیا خرابی ہے؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک امرالٰہی کے مطابق پوری طرح وضو نہ کرے۔ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، سر کا مسح کرے اور ٹخنوں تک پاؤں دھوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور اس کی تحمید و تمجید کرے، جتنا قرآن پڑھ سکے پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے حتیٰ کہ اس کے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ پھر رکوع سے اُٹھ کر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے اور برابر کھڑا رہے۔

حتیٰ کہ ہر عضو اپنی اپنی جگہ لے لے۔ اپنی پیٹھ سیدھی رکھے۔ پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کرے اور اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکائے۔ حتیٰ کہ تمام جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ پھر تکبیر کہہ کر سر اُٹھائے، برابر ہو کر اپنی پشت پر بیٹھ جائے اور اپنی پیٹھ سیدھی کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح حضورؐ نے نماز کی کیفیت بیان فرمائی یہاں تک کہ فارغ ہوئے۔ پھر فرمایا "تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس طرح نہ کرے"۔[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث میں جس تحمید و تمجید کا ذکر کیا گیا ہے اس سے سُورۃ الفاتحہ مراد ہے۔

اس کی دلیل رسُولِ اکرمؐ کا یہ ارشاد ہے کہ "جب بندہ اپنی نماز میں کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جب کہتا ہے "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی (مسلم و نسائی قالہ ابن کثیر)

رکوُع و سجوُد میں پیٹھ سیدھی کرنا فرض ہے

۵۴۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از حفص بن عمر، از سلیمان یعنی الاعمش، از عمارہ بن عُمیر، از ابومعمر، از ابومسعود البدری] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے"۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر رکوع اور سجدہ میں پُشت سیدھی نہ بھی کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

سات اعضاء پر سجدہ کرنا فرض ہے

۵۵۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از احمد بن عمرو بن السرح و یونس بن عبدالاعلیٰ و حارث بن مسکین، تینوں از ابن وہب، از ابن جُریج، از عبداللہ بن طاؤس، از والدِ خود] حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں زانو اور دونوں پاؤں پر۔ نیز یہ کہ مجھے (رکوع اور سجدہ میں) بالوں اور کپڑوں کو اکٹھا

---

[1] اس کو حاکم نے مستدرک (ج ۱، ص ۲۴۱-۲۴۲) بروایت علی بن حمشاذ العدل، از علی بن عبدالعزیز۔ بیہقی نے اس کو السنن الکبریٰ (ج ۲، ص ۳۴۵) میں حاکم سے بسندِ خود روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے (ج ۴، ص ۳۴۰) نیز ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۴۹، ترمذی الصلوٰۃ، باب ۱۱۱، نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۰۶، ۲۶۳، ۴۲۴، ۵۲۰، ابن ماجہ طہارۃ باب ۱۵۷ و ابن الجارود فی المنتقیٰ ص ۱۰۳-۱۰۴۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

(اس کے برخلاف) ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی مگر اپنی ناک، دونوں ہاتھ اور دونوں زانو زمین پر نہ رکھے تو نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اپنی ناک زمین پر رکھ دے مگر پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں زانو نہ رکھے تب بھی نماز مکمل ہو جائے گی۔

سُنّت کے مطابق نماز پڑھنا فرض ہے

۵۵۱۔ ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از احمد بن حنبل، از یحییٰ بن سعید القطان، از ہشام الدستوائی، از قتادہ، از یونس بن جبیر، از حطان بن عبداللہ الرقاشی) روایت کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اکرم نے ہمیں خطبہ دیا جس میں آپ نے سُنّت (پر عمل کرنے) اور نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔ آپ نے فرمایا: "جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں سیدھی کر لیا کرو۔ پھر تم میں سے ایک تمہیں نماز پڑھائے۔ جب وہ (امام) تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کہے تم آمین کہو۔ اللہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ جب تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ امام تم سے پہلے رکوع کرتا اور تم سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے۔ لہٰذا تم جتنی دیر اس کے بعد رکوع میں جاؤ گے اتنی دیر بعد رکوع سے سر اٹھاؤ گے۔ لہٰذا اس سے تمہاری تاخیر کی تلافی ہو جائے گی۔

جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہو۔ اللہ تمہاری دعا سن لے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے تم کو سکھوایا ہے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" (جو شخص اللہ کی حمد بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بات سن لیتا ہے)۔ جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کیا کرو۔ امام تم سے پہلے سجدہ کرتا ہے اور تم سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاتا ہے۔ اس طرح تمہاری تاخیر کی تلافی ہو جاتی ہے (تا آخر)۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

عظیم جسارت امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات اُن کبائر میں سے ہے جن سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں

---

[1] مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کرتے وقت کپڑوں اور بالوں کو ہاتھوں کے ساتھ ملایا نہ جائے بلکہ ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ بھی سجدہ کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ "تم میں سے کسی کی نماز اُس وقت تک پوری نہ ہو گی جب تک وہ اس اِس طرح نہ کرے۔ اور تم ایسے ایسے کیا کرو، مگر، ایک شخص ان احادیث کو سُن کر کہے کہ "نماز ان کے بغیر بھی ہو جاتی ہے" محض اس شخص کی تقلید کرتے ہوئے جس سے خطا اس لیے سرزد ہو گئی کہ اس کو یہ حدیث نہیں ملی تھی یا، پہنچی تھی مگر اس نے حدیث کی تاویل کی جس میں اس کا ارادہ رسُولِ کریمؐ کی مخالفت کرنا نہ تھا۔

علیٰ ھٰذا القیاس، یہ امر باطل اور احادیثِ رسُول کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے کہ رسولِ کریمؐ چند اُمور کے بارے میں صراحتہً ارشاد فرمائیں کہ ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ مگر ایک شخص اپنے طور پر یہ بات کہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان بعض باتوں کے بارے میں درست ہے اور بعض کے بارے میں درست نہیں۔

اگر کوئی جھوٹا آدمی ان اُمور کے بارے میں اِجماع کا دعویٰ کرے تو اس نے پوری اُمّتِ اسلامیہ پر جھوٹ باندھنے کا ارتکاب کیا۔ کسی مسلم کے لیے یہ بات روا نہیں کہ وہ اس یقینی اور سچّی بات کی مخالفت کرے جو رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے حکم سے کہی ہو۔ اور وہ بھی ایک ظن کی بنا پر جو اس نے پوری ملّتِ اسلامیہ کے خلاف گھڑ لیا ہو۔ اس لیے کہ اس نے پُوری ملّتِ اسلامیہ کی جانب اس بات کو منسوب کیا کہ اس نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

ان (مقلدین) کا یہ قول بڑا ہی تعجب خیز ہے کہ مقتدی تکبیر (تحریمہ) امام کے بعد کہے۔ اسی طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرے۔ البتہ رکوع، قومہ اور سجدہ امام کے ساتھ کرے۔ یہ عجیب قسم کا تحکّم ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ تکبیر اور سلام پر بھی صادق آتے ہیں (لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ تکبیر بھی امام کے ساتھ کہیں اور سلام بھی اس کے ساتھ پھیریں)۔

اگر معترض کہے کہ رسُولِ کریمؐ کا فرمان ہے "جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کہو۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ امام "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" نہ کہے۔ اسی طرح اس میں یہ بھی مذکور نہیں کہ مقتدی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ نہ کہے۔ بخلاف ازیں ان کا وجوب اس حدیث میں مذکور ہے جو ہم نے پیش کی ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ جملہ شرعی احکام ایک ہی حدیث میں، یا ایک ہی آیت اور سُورت میں ذکر کر دیئے جائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکوع و سجود میں تسبیحات فرض ہیں

۵۵۲ - ہم نے بطریق [ہشام بن سعید الخیر، از عبدالجبار بن احمد مغربی طرسوسی از حسن بن حسین النجیمی، از جعفر بن محمد بن حسن بن سعید اصبہانی بمقام سیراف۔ از ابوبشر یونس[1] بن حبیب زبیری، از ابوداؤد طیالسی، از عبداللہ بن مبارک، از موسیٰ بن ایوب غافقی از عم خود ایاس بن عامر] از عقبہ بن عامر الجہنی روایت کیا ہے کہا جب آیت "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ" اتری تو حضورؐ نے فرمایا اس کو رکوع میں پڑھا کرو۔ جب آیت کریمہ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا اس کو سجدہ میں پڑھا کرو۔ (مسند ابوداؤد طیالسی ۱۳۵ حدیث ۱۰۰۰، و منحۃ المعبود ۱: ۹۰، و ابوداؤد و ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

ابن حزم کہتے ہیں امام احمد بن حنبل، ابوسلیمان یعنی داؤد ظاہری اور دیگر محدثین ان کو فرض قرار دیتے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ" پڑھا کرتے تھے (مسلم، ابوداؤد، نسائی الصلوٰۃ)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ

۵۵۳ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از مسدد، از سفیان، از سلیمان بن سحیم، از ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، از والد خود، از عم خود] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مرض الموت میں) اپنا چہرۂ مبارک پردہ سے باہر نکال کر دیکھا اور لوگوں

---

[1] میں نے یونس کا ترجمہ و تعارف بہت تلاش کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر التہذیب (ج ۴ ص ۱۸۲) میں لکھتے ہیں کہ وہ اصبہانی ہے۔ ابن عابدین اپنی تصنیف (ص ۱۲۸) میں لکھتے ہیں کہ وہ العجلی ہے۔ مگر ابن حزم نے اس کو زبیری کہا ہے۔ برادر مکرم علامہ ابوبکر الکتانی نے مجھے فاس (مراکش) سے تحریر کیا کہ یونس کا ترجمہ ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل میں مرقوم ہے۔ ابن ابی حاتم نے یونس کو اصبہانی، المصری اور العجلی لکھا ہے۔ الذہبی تذکرۃ الحفاظ (ج ۲، ص ۱۳۲) میں ان کی تاریخ وفات ۲۶۰ھ بیان کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے اس کو ثقہ راوی قرار دیا ہے۔ پھر الانساب سمعانی میں مجھے یونس کا طویل تعارف مل گیا (ورقہ ۲۰۰ مخطوطہ و مطبوعہ ۶ : ۲۷۰)۔ وہ لکھتے کہ یونس حبیب بن زبیر کا دختر زادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی نسبت زبیری درست ہے۔ المحلی کے ایک نسخہ میں (الزہری) لکھا ہے جو درست نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صفیں باندھ رکھی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے اب صرف نیک خواب باقی رہ گئے ہیں جو کوئی شخص دیکھے یا اس کے لیے دوسرا کوئی شخص دیکھے۔ واضح ہو کہ مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن خوانی سے منع کیا گیا ہے۔ رکوع میں تو اپنے رب کی تعظیم کرو۔ اور سجدہ میں دعا کی کوشش کرو، کچھ بعید نہیں کہ تمہاری دعا مقبول ہو۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الصلوٰۃ، ابن ماجہ کتاب الرؤیا)

ہم کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر اس حدیث میں ان کلمات کو ساقط قرار نہیں دیا گیا جن کے پڑھنے کا حکم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں دیا گیا تھا۔ بلکہ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ "رکوع میں اللہ کی تعظیم کرو" آپ کے قول "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" کے عین مطابق ہے۔ باقی رہی سجدہ میں دعا کی کوشش اور یہ دُعا "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوْحِ" تو یہ نیکی میں اضافہ کی موجب ہے۔ تسبیح کہہ کر ان کلمات کو بھی پڑھ لیا جائے تو اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا (یعنی دونوں میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا)۔

جس شخص سے نماز میں دو تکبیریں رہ گئی ہوں اور جس سے تین تکبیریں ساقط ہو گئی ہوں ان دونوں کے درمیان امام مالکؒ فرق کرتے ہیں مگر اُن کا یہ قول قطعاً بلا دلیل ہے۔ جو لوگ نماز کی حالت میں اپنی رائے سے عمل قلیل و کثیر میں فرق کرتے ہیں ہم اُن کے قول کا ابطال قبل ازیں کر چکے ہیں۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ فاسد قول ہے۔ وجہ فساد یہ ہے کہ قلت و کثرت ایک اضافی چیز ہے۔ جو چیز کثیر ہو وہ اپنے سے زیادہ کے مقابلہ میں قلیل ہوتی ہے اور جو قلیل ہو وہ اپنے سے قلیل تر کے مقابلہ میں کثیر ہُوا کرتی ہے۔ اور جو عمل واجب ہو اُس میں سے قلیل اور کثیر کا ترک کرنا امر ربانی کی خلاف ورزی کے اعتبار سے یکساں ہے۔ اسی طرح جو کام حرام ہو اس میں سے قلیل و کثیر ارتکاب محرّم کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس قلیل و کثیر مباح کے مابین کوئی فرق نہیں۔ اِلّا یہ کہ کسی نصّ کی بنا پر اعمال کی مقادیر کا فرق ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

تکبیرات، رفع یدین، تسمیع و تحمید فرض ہیں

۵۵۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از سُوَید بن نصر، از عبداللہ بن مبارک، از مالک بن انس، از ابن شہاب، از سالم بن عبداللہ بن عمر از والد او] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے۔ جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ رکوع سے سر اٹھا کر کہتے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" (بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

اسی طرح ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از مالک بسندِ خود اسی طرح روایت کیا ہے (بخاری کتاب الصلوٰۃ) نیز بطریق عبداللہ بن ابی اوفیٰ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ بذکر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) وابوسعید خدریؓ مرفوعاً روایت کیا ہے (ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۰ بذکر قول المقتدی اللّٰھم ربنا لک الحمد)

۵۵۵۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از ابوالیمان، از شعیب بن ابی حمزہ، از زہری، از ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام و ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ ہر نماز میں فرضی ہو یا غیر فرضی، رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں تکبیر کہا کرتے تھے چنانچہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔ پھر رکوع کو جاتے وقت تکبیر کہتے۔ رکوع سے سر اٹھاتے تو پہلے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے۔ پھر رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہتے (تا آخر)۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابوہریرہؓ کہتے "مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری نماز رسولِ کریمؐ کی نماز سے تم سب کی نسبت زیادہ ملتی جلتی ہے۔ پھر اس دنیائے فانی سے رحلت فرمانے تک آپؐ اسی نماز پر قائم رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۷۹، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴۱، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴۲)۔

یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے جس کو مالکیہ نے کسی حدیث کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی رائے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ اُن کے پاس صرف یہ دلیل موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہا کرو (موطا، بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ حدیث مالکیہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ اس حدیث میں نبی کریمؐ نے امام کو رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہنے سے اور مقتدی کو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنے سے منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس حدیث میں نہ یہ دونوں کلمات ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ ان کو ترک کرنے کا۔ لہٰذا ان کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے دیگر احادیث کی جانب رجوع کرنا چاہیے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسولِ کریمؐ جب امام ہوتے تو کہتے رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ اور تا وفات حضورؐ اس پر عمل پیرا رہے۔ لہٰذا مخالفین کے جملہ اقوال باطل ٹھہرے۔ مزید براں سلف کا عمل بھی اسی حدیث پر تھا۔

جیسا کہ ہم نے بطریق حمام، از ابنِ مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج، از نافع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب امام ہوتے تو کہا کرتے تھے" سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کَثِیْرًا" پھر سجدہ کرتے۔کبھی ان کلمات کو ترک نہ کرتے۔ (عبدالرزاق ۲: ۱۶۶ - حدیث نمبر ۲۹۱۴، لیکن مطبوعہ نسخہ غلط ہے اس کی تصحیح لازم ہے)۔

بدیں سند تا ابن جُریج، از اسماعیل بن اُمیہ، از سعید بن ابی سعید المقبری، انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو سُنا کہ جب وہ امام ہوتے تو یُوں کہتے: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کَثِیْرًا۔ آپ ان کلمات کو بآوازِ بلند پڑھتے اور ہم ان کی پیروی کرتے (عبدالرزاق: ۲: ۱۶۷)

ہم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب (مصنف ابن ابی شَیبہ ۱: ۲۴۷) عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

بدیں سند تا ابن جُریج، وہ عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ اگر آپ امام کے ساتھ ہوں اور وہ" سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے اور آپ بھی یہی کلمات دُہرا دیں تو اچھا ہے۔ اور اگر نہ دہرائیں تو بھی کافی ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ مل کر یہ کلمات ادا کریں تو یہ بات مجھے محبوب تر ہے۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔

(عبدالرزاق ۲: ۱۶۸)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام" رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہے اور مقتدی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ نہ کہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ تفریق بلا دلیل ہے۔ اگر حضورؐ کے اس قول سے احتجاج کریں کہ" جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کہو (شرح معانی الآثار للطحاوی)، تو اس میں تناقض پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ امام رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہے۔

اگر معترض کہے کہ رسُولِ کریمؐ امام ہونے کی حالت میں" رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہا کرتے تھے (شرح معانی الآثار، بیہقی، عبدالرزاق، ابن ابی شَیبہ)، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ رسُولِ کریمؐ نے نماز کی تعلیم دی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہا کرو (حوالہ گزر چکا)۔ آپ نے اس میں امام ہو یا مقتدی یا منفرد کسی کی تخصیص نہیں فرمائی۔

نماز میں آمین کہنا

ابن حزمؒ کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا امام اور منفرد کے لیے آمین کہنا مستحب و سنّت ہے۔ اور مقتدی کے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۵۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از یحییٰ بن یحییٰ، از مالک، از ابن شہاب روایت کیا، وہ سعید بن المسیب و ابوسلمہ بن عبدالرحمن، دونوں سے] وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس لیے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہم آہنگ ہو گئی اس کے پہلے گناہ بخش دیئے گئے"۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۵۵۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از نصر بن علی الجہضمی، از صفوان بن عیسیٰ از بشر بن رافع، از ابوعبداللہ ابن عم ابوہریرہؓ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھتے تو آمین کہتے، حتیٰ کہ جو لوگ آپ کے قریب پہلی صف میں ہوتے وہ سن لیتے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ الصلوٰۃ)

۵۵۸۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از سفیان ثوری، از عاصم الاحول، از ابوعثمان النہدی] روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم سے کہا "یا رسول اللہ! مجھ سے آمین نہ چھینئے دیجئے"۔[1]

۵۵۹۔ ہم نے (بدیں سند تا وکیع، از سفیان ثوری، از سلمہ بن کہیل، از حجر بن عنبس) روایت کیا وہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم کو "وَلَا الضَّالِّينَ" پڑھتے سنا پھر آپ نے اپنی آواز کو بڑھا کر

---

[1] ابوداؤد (ج ۱ ص ۳۵۳) بروایت اسحٰق بن راہویہ، از وکیع، از عاصم، از ابوعثمان، از بلالؓ۔ شارح ابوداؤد کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مگر کہا گیا ہے کہ ابوعثمان کی ملاقات حضرت بلالؓ کے ساتھ ثابت نہیں۔ وہ ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ "بلال نے کہا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرسل روایت ہے۔ دارقطنی نے بھی اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے مگر یہ تعلیل صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اسحٰق بن راہویہ حدیث کے امام اور جلیل القدر حافظ ہیں اور وہ اس کو موصولاً روایت کرتے ہیں۔ بدیں الفاظ "از ابوعثمان از بلال" ابوعثمان معمر شخص ہے اور اس نے دورِ جاہلیت کو پایا ہے۔ عہدِ رسالت میں مشرف باسلام ہوئے۔ ان میں تدلیس کا عیب بھی نہیں پایا جاتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آمین کہا۔ (ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ آثارِ متواترہ رسولِ اکرمؐ سے منقول ہیں کہ آپؐ امام ہونے کی حالت میں آمین کہتے اور جو لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے وہ سُن لیتے تھے۔ سلف کا عمل بھی اسی پر تھا۔

جیسا کہ ہم نے بطریق حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج روایت کیا ہے کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا کیا عبداللہ بن زبیرؓ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہا کرتے تھے؟ کہا ہاں! اور مقتدی بھی آمین کہتے حتیٰ کہ مسجد گونج جاتی۔ عطاء کہتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ مسجد میں داخل ہوتے، امام آپ سے پہلے کھڑا ہو چکا ہوتا تھا آپ امام کو آواز دیتے تھے کہ مجھ سے پہلے آمین نہ کہیں عطاء کہتے ہیں میں خود سنا کرتا تھا تمام امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہا کرتے تھے مقتدی بھی آمین کہتے حتیٰ کہ مسجد گونج جاتی۔ (عبدالرزاق ۲:۹۶، ۹۷)

بدیں سند تا عبدالرزاق، از معمر، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ بحرین میں علاء بن حضرمی کے موذن تھے۔ ابوہریرہؓ نے یہ شرط مقرر کی تھی کہ مجھ سے پہلے آمین نہ کہیں[1]۔ (عبدالرزاق ۲:۹۶)

ہم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، امام چار چیزوں کو خفیہ طور سے ادا کرے یعنی تعوذ، بسملہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔ (اس پر کلام گزر چکا)

علقمہ اور اسود دونوں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ امام تین چیزوں کو آہستہ کہے یعنی تعوذ، بسملہ اور آمین۔ (اس پر کلام گزر چکا)

عکرمہ کہتے ہیں میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ پکار کر آمین کہتے تھے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں صحابہ اسی پر عمل پیرا تھے۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق، داؤد اور جمہور اصحاب الحدیث امام اور مقتدی کو آمین بالجہر کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات ثابت ہے وہ آمین بالجہر ہے۔

سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ امام سرًا آمین کہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما

---

[1] اسی طرح ابوہریرہؓ مروان کے موذن تھے اور انہوں نے یہ شرط مقرر کی تھی کہ آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ کریں (بیہقی ج ۲، ص ۵۸-۵۹) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ اقامت کہنے اور صفیں درست کرنے میں مشغول ہوتے تھے۔ مروان ابوہریرہؓ کے فارغ ہونے سے پہلے نماز شروع کر دیتا حضرت ابوہریرہؓ اس کو اس بات سے منع کیا کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تقلید کو اختیار کیا ہے۔ حالانکہ دین میں قوت صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

امام مالکؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مقتدی آمین کہے اور امام نہ کہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ ایسا قول ہے جو کسی صحابی و تابعی سے قطعاً منقول نہیں۔ امام کو آمین سے روکنے کی مالکیہ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

البتہ امام مالکؒ کے بعض مقلدین کہتے ہیں کہ سُمی مولی ابی بکر اور سُہیل بن ابی صالح دونوں ابو صالح سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ ابوہریرہؓ سے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا جب قاری غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے اور اس کے مقتدی آمین کہیں اور ان کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے تو ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہ سُہیل کی روایت کے الفاظ ہیں (فتح الباری ۲ : ۲۲۰)۔ سُمی کے الفاظ یہ ہیں کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو (بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب التفسیر، ابوداؤد و نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔ وہ کہتے ہیں اس روایت میں امام کی آمین کا ذکر نہیں کیا گیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ احتجاج کی بدترین قسم ہے۔ کہ ایک حدیث ذکر کی جائے اور اس میں کوئی مسئلہ مذکور نہ ہو وہ مسئلہ دوسری حدیث میں مذکور ہو، مگر عدمِ ذکر کی بنا پر اس کو ساقط ٹھہرایا جائے۔ اس طرح تو تمام اسلامی احکام و شرائع کو ساقط کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ کسی ایک آیت یا ایک حدیث میں تمام شرعی مسائل ذکر نہیں کیے گئے۔

حیرت کی بات ہے کہ مالکیہ نے ابو صالح کی روایت سے احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ اس نے ابوہریرہ سے لفظاً روایت نہیں کیا۔ اس حدیث کو سعید بن المسیب اور ابوسلمہ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے (بخاری، مسلم، موطا کتاب الصلوٰۃ)۔ اور اگر اس حدیث کو سعید بن المسیب تنہا بھی ابوہریرہؓ سے روایت کرتے تو وہ ابو صالح جیسے راویوں کی ایک جماعت کے برابر تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ابو صالح کی روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ امام آمین نہ کہے۔ لہٰذا اس حدیث کے ساتھ مالکیہ نے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی تھی اس کا ازالہ ہوا۔

بعضوں کا قول ہے کہ رسول کریمؐ کے ارشادِ گرامی "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو" کا مطلب یہ ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو" (عمدۃ القاری)

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس کے قائل کو کہا جائے گا کہ تم نے رسول کریمؐ پر جھوٹ باندھا اور آپؐ کی طرف وہ بات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منسوب کی جو آپؐ نے نہیں فرمائی۔ تم نے بلا دلیل تحریف سے کام لیا۔ اس لیے کہ اہلِ لغت میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ "وَلَا الضَّالِّيْنَ کو آمین کہتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے فاسد قول کے اثبات میں ایک اور بےکار دلیل پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جو فرمایا تھا کہ "قَدْ أُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا" (یونس: ۸۹، تم دونوں کی دُعا مقبول ہوئی)۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ دعا مانگتے تھے اور حضرت ہارون آمین کہتے تھے[ل]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ بڑی تلخ بات ہے۔ اے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ یہ روایت اُس نے کہاں سے لی؟ یا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کس نے یہ بات اس تک پہنچائی؟ دراصل یہ ایک ایسے قائل کا قول ہے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ اُس نے یہ بات کہاں سے اخذ کی۔ اگر اس بات کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ہرگز حجت نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ آمین کہنے والے کو لغت میں بلاشبہ داعی (دُعا کنندہ) کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آمین کے معنی ہیں "اے اللہ تو ایسا ہی کر"۔ اس لیے آمین بلاشبہ دعا کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر دُعا کرنے والے (داعی) کو مؤمّن (آمین کہنے والا) نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح دُعا کو بھی آمین نہیں کہہ سکتے، جب تک کہ آمین کا لفظ نہ پکارا جائے۔ اس لیے منطقی اعتبار سے یُوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر آمین دُعا ہے مگر ہر دُعا آمین نہیں ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ امام ہونے کی صورت میں آمین کہا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ محض اپنی رائے کی بنا پر یہ لوگ حضرات صحابہ اور جمہور سلف سے الگ ہو گئے ہیں ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

باقی رہا سجدہ تو جو شخص عمامہ کے پیچ پر سجدہ کو جائز قرار دیتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ اگر عمامے کا پیچ ایک یا دو اُنگلی بھر موٹا ہو تو اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اور اگر دو یا تین گز یا اس سے زیادہ موٹا ہو تو اس کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ پھر بلا نہایت اس کے آگے بڑھتے جائیں گے۔ پھر گھٹتے گھٹتے ایک اُنگلی سے اسے عمامہ کے باریک پیچ تک لائیں گے۔ اور دریافت کریں گے کہ دونوں (موٹے اور انتہائی باریک پیچ) میں کیا فرق پایا جاتا ہے۔

[ل] یہ بات طبری نے تحریر کی ہے اور اس کو اپنی سند کے ساتھ بعض تابعین سے نقل کیا ہے (ج ۱۱، ص ۱۱۰۔۱۱۱) ابو الشیخ نے اس کو حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ مگر ہمیں اس کی سند کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ آیا صحیح ہے یا ضعیف۔ دیکھیے الدر المنثور (ج ۳ ص ۳۱۵) بشرطِ صحت بھی یہ حجت نہیں جیسا کہ ابنِ حزمؒ نے کہا ہے۔ (التمہید لابن عبد البر: ۱۱/۱۳ بھی دیکھیے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہے کہ اس کا جواب دینے کے لیے اُس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

جمہور سلف اس ضمن میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

۵۶۰۔ جیسا کہ ہم نے بطریق شعبہ، از اعمش روایت کیا ہے کہ میں نے زید بن وہب کو یہ کہتے سنا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کرتا تھا۔ حضرت حذیفہ نے اسے کہا "تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ اور اگر تمہاری موت واقع ہو جاتی تو تم اس فطرت پر نہ مرتے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا تھا۔ (بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ) حضرت ابن مسعودؓ نے دو آدمیوں کو نماز پڑھتے دیکھا۔ ان میں سے ایک چادر لٹکاتے ہوتے تھا اور دوسرا رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کرتا تھا۔ فرمایا چادر لٹکانے والے کو تو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ اور دوسرے کی نماز مقبول نہیں ہوگی (عبدالرزاق ۲: ۳۶۹۔ الطبرانی فی الکبیر ۹/۳۱۴ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے رجال ثقات ہیں لیکن یہ منقطع روایت ہے، مجمع ۲: ۱۲۲)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جس کے عمل کو دیکھتے تک نہیں وہ بلاشبہ ناپسندیدہ عمل ہو گا اور جب ناپسندیدہ ہے تو غیر مقبول بھی ضرور ہو گا۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ پوری طرح نہیں کرتا تھا۔ وہ کہنے لگے آپ چوبارا نماز دہراؤ، اللہ کی قسم ضرور دہراؤ۔ وہ اسی طرح کہتے رہے حتیٰ کہ اس نے نماز دہرائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "جب سجدہ کرنے لگو تو اپنی ناک کو زمین کے ساتھ ملا دو"

(عبدالرزاق ۲: ۱۸۱)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھ کر کہا "اپنی ناک کو زمین کے ساتھ ملاؤ"

(عبدالرزاق ۲: ۱۸۲)

سعید بن جبیر کہتے ہیں "جب تک تو اپنی پیشانی کے ساتھ ناک کو زمین پر نہ رکھے تمہارا سجدہ مقبول نہیں ہوگا" (عبدالرزاق ۲: ۱۸۲)۔

امام شافعیؒ، ابو سلیمان یعنی داؤد الظاہری، امام احمد اور دیگر اہل علم بھی یہی کہتے ہیں۔

ہم نے بطریق وکیع، از یزید بن ابراہیم، از محمد بن سیرین روایت کیا ہے کہ وہ پگڑی کے پیچ پر سجدہ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناپسند کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱: ۲۶۷)

محمود بن ربیع، حضرت عُبادہؓ بن صامت سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنی پیشانی سے پگڑی کو ہٹا دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ۱: ۲۶۷)

نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کو ناپسند کرتے تھے، اور پگڑی کو پیشانی سے ہٹا لیا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ۱: ۲۶۷)

ایوب ابنِ سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ میرے چہرے پر زخم آگیا تھا لہٰذا میں نے اس پر پٹی باندھ لی۔ میں نے عبیدہ سلمانی سے پوچھا کہ آیا پٹی پر سجدہ کر لیا کروں؟ انہوں نے کہا پٹی اتار دو۔

مسروق سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا تو اپنے پاؤں آسمان کی طرف اُٹھا دیتا۔ مسروق نے کہا اس شخص کی نماز مکمّل نہیں ہوئی۔

۳۷۰۔ جو شخص رکوع اور سجدہ کے لیے جُھک نہ سکتا ہو

جو شخص رکوع اور سجدہ کرنے کے لیے جھکنے پر قادر نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو جھکے۔ جو اشارے سے زیادہ جھکنے پر قادر نہ ہو تو اشارہ کرے۔ جو شخص بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی اور ناک زمین پر نہ رکھ سکتا ہو تو وہ اپنے سے اگلے شخص کی پیٹھ یا پاؤں پر سجدہ کرلے۔ امام ابوحنیفہ، سُفیان ثوری، اور امام شافعیؒ کا قول یہی ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ کسی کی پُشت پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔

ہمارے اس قول کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۶) "اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مُکلف نہیں کرتا"

نیز حضورؐ کا یہ ارشاد گرامی کہ "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جس بات کی تعمیل تم کر سکو کرو" (پچھلے صفحات میں کئی بار حوالہ گزر چکا)۔

ہم نے بطریق معمر، از اعمش، از المسیب بن رافع (از زید بن وہب) روایت کیا ہے کہ حضرت عُمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جس کو جمعہ کے روز تکلیف ہوتی ہو وہ اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۶۹) اور جو جمعہ کے روز بھیڑ میں مبتلا ہو حتیٰ کہ زمین پر سجدہ نہ کر سکے تو کسی آدمی کی پُشت پر سجدہ کرلے" (مُصنف ابن ابی شیبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱:۲۶۴ و ۲۶۵ والبیہقی ۳: ۱۸۳، عبدالرزاق ۳/۲۳۴) حسن (البصری) سے منقول ہے اگر شدید ازدحام ہو تو اپنے (مسلمان) بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کر لو۔ اور اگر چاہو تو جب امام اُٹھ کھڑا ہو اس وقت سجدہ کر لو۔ (عبدالرزاق ۳/۲۳۳، اور ابن ابی شیبہ ۱: ۲۶۴ میں اسی کے ہم معنی روایت موجود ہے)۔

طاؤس کہتے ہیں جب سخت بھیڑ ہو تو امام سمیت اپنے سر کے ساتھ اشارہ کرو، پھر اپنے بھائی پر سجدہ کر لو۔ (عبدالرزاق ۲/۲۳۳، اور مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۵ میں اسی کے ہم معنی روایت موجود ہے)۔

مجاہد سے دریافت کیا گیا کہ بھیڑ کی صورت میں آدمی دوسرے شخص کے پاؤں پر سجدہ کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۵۔ عبدالرزاق ۳/۲۳۳) مکحول اور زہری سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

معمر، ایوب سختیانی سے، وہ نافع سے وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب مریض رکوع اور سجدہ پر قادر نہ ہو تو سر کے ساتھ اشارہ کرے۔ (عبدالرزاق ۲/۴۷۷)

قتادہ اُمّ حسن بن ابی الحسن سے روایت کرتے ہیں۔ کہا میں نے ام المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو آشوبِ چشم کی وجہ سے تکیہ پر سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ (بیہقی ۲/۳۰۷، عبدالرزاق ۲/۴۷۷، ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ابو فزارہ نے اُن سے کسی مریض کے بارے میں پوچھا کہ آیا وہ پاک گدے پر سجدہ کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر مریض کپڑا لپیٹ کر اس پر سجدہ کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۱ و ۲۷۲ وعبدالرزاق ۲/۴۷۸)

۳۷۱۔ مٹی اور کیچڑ پر سجدہ کرنا جس شخص کے آگے کیچڑ ہو مگر اس سے اس کے کپڑے اور چہرہ آلودہ نہ ہوتے ہوں تو لازم ہے کہ وہ اسی پر سجدہ کرے۔ اور اگر اس پر سجدہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو اس پر سجدہ کرنا ضروری نہیں۔ ہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے پانی اور کیچڑ پر سجدہ کیا تھا۔ جب فارغ ہوئے تو پیشانی پر کیچڑ کا نشان تھا۔ (بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، موطا)

قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج) "اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں ڈالی"

۳۷۲۔ تشہد کا طریقہ دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھنا ہر نماز میں فرض ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرضی نماز ہو یا نفلی۔ سوا نماز وِتر کے ان اقسام کے جن کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔ اگر ایسی نماز پڑھ رہا ہو جس کی صرف دو رکعتیں ہیں تو اپنی سرین پر بیٹھے، وہ اس طرح کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو بچھا دے۔ اور جب ایسی نماز پڑھ رہا ہو جس کی تین یا چار رکعتیں ہیں تو دو رکعت کے بعد والے جلسہ میں اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے۔ آخری جلسہ میں جس میں سلام پھیرا جاتا ہے اس طرح بیٹھے کہ اپنی سرین کو زمین کے ساتھ لگا دے۔ دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو بچھا دے۔ ہر دو جلسہ میں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہر جلسہ میں التحیّات پڑھنا فرض ہے۔

۵۶۱۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از عیسٰی بن ابراہیم، از ابن وہب، از لیث بن سعد، از یزید بن ابی حبیب، از محمد بن عمرو بن حلحلہ، از محمد بن عمرو بن عطاء] روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ چند صحابہ کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز کا طریقہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی مذکور تھا کہ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے۔ جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں آگے بڑھا لیتے اور اپنی سرین پر بیٹھتے۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ، یہ حمید ساعدی والی روایت ہے)

امام شافعیؒ اور ابوسلیمان یعنی داؤد ظاہری کا مسلک بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ دونوں جلسے یکساں ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ بلا دلیل حدیث کی خلاف ورزی پر مبنی ہے۔

تشہّد:

۵۶۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از اسحاق بن راہویہ، از جریر بن عبدالحمید، از منصور بن المعتمر، از ابووائل] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ سلام (امن و سلامتی کا سرچشمہ) ہے جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھے تو یوں کہے "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (بخاری کتاب الدعوات، مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کو شعبہ (مسلم ونسائی)، سفیان ثوری (نسائی، ابن ماجہ)، اور زائدہ (مسلم) سب نے منصور سے، اس نے ابو وائل سے اس نے عبداللہ بن مسعودؓ سے (کتاب الصلوٰۃ میں) حرف بحرف روایت کیا ہے۔ یحییٰ القطان، ابو معاویہ، فضیل بن عیاض، ابو نعیم عبداللہ بن اُدریس اور وکیع تمام نے اس کو اعمش سے انہوں نے ابو وائل سے ان کی سند اور الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (تحفۃ الاشراف ۷/۳۶، فتح الباری ۲/۲۵۸، مصنف عبدالرزاق ۲/۱۹۹)، نیز ابو معمر عبداللہ بن سخبرہ، علقمہ، اسود اور ابو البختری نے اس حدیث کو ابن مسعودؓ سے اسی سند اور الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (تحفۃ الاشراف ۷/۱۳ و ۶۸ و ۹۵)

اگر کوئی شخص اس طرح تشہد پڑھے جس طرح حضرت ابو موسیٰ، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے رسول کریم سے روایت کیا ہے تو اچھا ہے (ابو موسیٰ کی روایت مسلم، ابو داؤد، نسائی میں ہے اور ابن عباس کی روایت مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں ہے اور ابن عمرؓ کی روایت ابو داؤد و دارقطنی میں ہے)۔

ہم نے امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، احمد اور داؤد کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے وہ تشہد اختیار کیا ہے جو ابن عباس سے منقول ہے۔ امام مالکؒ نے اس تشہد کو پسند کیا ہے جو حضرت عمرؓ سے موقوفاً روایت کیا گیا ہے۔ اس میں ان کے بیٹے عبداللہ اور وہ اصحاب جن کا ہم نے ذکر کیا ان کے خلاف ہیں۔

بعض متقدمین کا قول ہے کہ تشہد کے لیے بیٹھنا نماز میں فرض نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے۔ مگر تشہد فرض نہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں تشہد کے لیے بیٹھنا اور اس میں اللہ کا ذکر کرنا فرض ہے مگر تشہد فرض نہیں۔

مذکورہ صدر جملہ اقوال مبنی بر خطا ہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بیٹھ کر تشہد کا حکم دیا، لہٰذا تشہد فرض ہوا چونکہ بیٹھے بغیر تشہد پر عمل ممکن نہیں لہٰذا بیٹھنا بھی فرض ٹھہرا۔ اس لیے کہ جس چیز کے بغیر فرض کی ادائیگی ممکن نہ ہو وہ فرض کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ ہم نے بطریق شعبہ، مسلم ابو النضر[1]، از حملہ بن عبدالرحمٰن روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو فرماتے

[1] مسلم سے مسلم بن عبداللہ مراد ہے۔ اس کا ترجمہ تاریخ کبیر میں امام بخاری نے اور الجرح والتعدیل ۸/۱۸۷ میں ابن ابی حاتم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سُنا کہ "تشہد کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔" (عبدالرزاق ۲: ۲۰۶) نافع مولیٰ ابن عمرؓ کہتے ہیں جو شخص تشہد کے کلمات نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ اور ابو سلیمان کا قول بھی یہی ہے۔

بعض اہلِ علم کہتے ہیں اگر پہلا تشہد فرض ہوتا تو اسے بھول کر ترک کرنے سے نماز ادا نہ ہوتی۔

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ استدلال کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ جس سُنت سے تشہد کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اسی سُنت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُس کے بھول جانے سے نماز ہو جاتی ہے۔

ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ نماز میں قیام کی جگہ اگر کوئی شخص دانستہ بیٹھ جائے تو یہ حرام ہے۔ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر بھول کر ایسا کرے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ اسی طرح نماز پوری ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص بھول کر سلام پھیر دے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ لہٰذا ان کا یہ خیال ظاہر الفساد ہے ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۷۴۔ تشہد کے بعد مسنون دعا

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں جب نمازی تشہد کے دونوں جلسوں سے التحیات پڑھ کر فارغ ہو تو یہ دُعا پڑھنا فرض ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔"

یہ دُعا پڑھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح تشہد[1]، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

بیان کیا ہے اور الدولابی الکنیٰ (ج ۲، ص ۱۲۷) میں لکھتے ہیں "ابوالنضر مسلم بن عبداللہ اس سے شعبہ نے روایت کی ہے۔" حافظ ابن حجر لسان المیزان میں رقمطراز ہیں "مسلم بن النضر از شعبہ۔ ابن حبان نے (الثقات ۹/۱۵۶ میں) اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابن خُزیمہ کا قول ہے کہ میں اس سے آشنا نہیں ہوں۔ المیزان میں بھی اسی طرح ہے۔ مگر یہ کتابت کی غلطی پر مبنی ہے۔ باقی رہا "حملہ" تو اصل نسخہ میں "جبلہ" تھا۔ ہم نے سُنن البیہقی (ج ۲، ص ۱۳۹) سے اس کی تصحیح کی ہے۔ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں اس کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں "حملہ بن عبدالرحمٰن سے مسلم بن النضر نے روایت کی ہے" "النضر کو ابو النضر پڑھیے" ابن خُزیمہ کہتے ہیں میں ان دونوں سے واقف نہیں ہوں۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

[1] یہ بلا دلیل بات ہے۔ ان احادیث میں امر کا لفظ استحباب پر محمول ہے۔ اس لیے کہ رسولِ کریمؐ نے صحابہ کو آخری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۶۳- اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوھاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از نصر بن علی و محمد بن عبداللہ بن نُمیر و ابوکریب و زُھیر بن حرب، یہ سب وکیع بن جراح سے وہ اَوزاعی سے، وہ حسان بن عطیہ و یحییٰ بن ابی کثیر سے، حسان محمد بن ابی عائشہ سے، اور یحییٰ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا اور ان دونوں نے] حضرت ابُوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص تشہد میں بیٹھے تو چار چیزوں سے خدا کی پناہ طلب کرے۔ وہ یوں کہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ" (مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الاستعاذۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اگر معترض کہے کہ تم نے یہ حدیث بطریقِ مسلم بھی روایت کی ہے۔ مُسلم نے اس کو زُہیر بن حرب سے، وہ ولید بن مسلم سے۔ وہ اَوزاعی سے، وہ حسان بن عطیہ سے، اس نے محمد بن ابی عائشہ سے اور اس نے ابوہریرہؓ سے سُنا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہّد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ پھر مذکورہ صدر دُعا ذکر کی (مسلم کتاب الصلوٰۃ)۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کچھ فرق نہیں۔ ولید بن مسلم نے (آخری تشہد) کا جو اضافہ کیا ہے وہ ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے اور اس لیے مقبول ہے۔ یہ دُعا صرف آخری تشہد میں واجب ہے۔

ہم کہتے ہیں اگر محمد بن ابی عائشہ کی روایت کردہ ایک ہی حدیث ہوتی تو مذکورہ بالا مقصد پُورا ہو جاتا۔ مگر جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے وہ دو حدیثیں ہیں۔ ایک ابوسلمہ سے مروی ہے اور دوسری محمد بن ابی عائشہ سے۔ ولید نے وکیع بن الجراح سے جو روایت کی ہے اُس میں (آخری تشہد) کا اضافہ ہے۔ ابوسلمہ کی روایت اپنے عموم پر باقی ہے یعنی جس کو بھی تشہد کہا جاتا ہے اس کے سوا دوسرا کوئی مطلب مراد نہیں[1] ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

تشہد کے بعد بکثرت دعائیں سکھائی تھیں۔ اگر اس کے وجوب کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اس کے ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ (حق بات یہ ہے کہ تشہد کے بعد کسی بھی ماثورہ دعا کا پڑھنا ہی فرض ہے۔ اس کو شاذ کہنا خطا ہے۔ شاغف) (احمد شاکر)

[1] واللہ یہاں دوسرا مطلب ہی مقصود ہے (یعنی آخری تشہد)۔ بلاشبہ حدیث ایک ہی ہے اور اس کا محمل بھی متحد ہے ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طاؤس سے مروی ہے کہ ان کے بیٹے نے ان کے سامنے نماز ادا کی۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ نے یہ دُعا پڑھی ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ طاؤس نے اسے نماز دُہرانے کا حکم دیا (کچھ اختلاف کے ساتھ یہ روایت عبدالرزاق ۲: ۲۰۸ میں موجود ہے)۔

۳۷۴۔ تشہّد کے آخر میں درُود شریف پڑھنا مستحب ہے

تشہّد سے فارغ ہونے کے بعد درُود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۵۶۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شُعَیب، از محمد بن سلمہ، از ابن القاسم، از مالک، از نُعَیم بن عبداللہ المجمر، از محمد بن عبداللہ بن زید انصاری (اور عبداللہ بن زید انصاری وہ ہیں جن کو خواب میں اذان کی تعلیم دی گئی تھی) از ابو مسعود انصاری] روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سعد بن عبادہ کی مجلس میں تشریف لائے۔ بشیر بن سعدؓ نے آپؐ سے عرض کی یا رسُول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درُود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ ہم آپؐ پر درُود کیسے بھیجیں؟ یہ سُن کر رسُولِ اکرمؐ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ ہماری آرزو تھی کہ کاش آپ سے یہ سوال نہ کیا جاتا۔ پھر فرمایا یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى (اٰلِ) اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى (اٰلِ) اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ [۱] اور سلام اس طرح پڑھا کرو جیسے تمہیں معلوم ہے (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ، ترمذی کتاب التفسیر)

۵۶۵۔ مزید براں ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از اسحاق بن راہویہ، از روح، از مالک، از عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، از والد خود، از عمرو بن سلیم]

راوی نے تشہّد کا ذکر علی الاطلاق کیا اور دوسرے ثقہ راوی نے اس کو آخری تشہّد کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مُطلق کو مقیّد پر محمول کیا جاتا ہے بشرطیکہ مخرج ایک ہو۔ راوی بعض اوقات بھول جاتا ہے اور بعض دفعہ اختصار سے کام لیتا ہے۔ جو لوگ احادیث کے اسانید و الفاظ سے آگاہ ہیں ان پر یہ بات خوب روشن ہے۔ (یہاں ابن حزمؒ سے سہو ہو گیا ہے لیکن یہ سہو بھی کسی کی تقلید کی بنا پر نہیں بلکہ حدیثِ رسُول کی پیروی کی خاطر لہٰذا وہ ماجور ہیں)۔ [۱] دونوں جگہ بریکٹ میں دیا گیا (آل) سُنن نسائی سے اضافہ ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ فرمایا یوں کہو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔" (بخاری کتاب الانبیاء و کتاب الدعوات، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اگر معترض کہے کہ تم نے تشہد کے بعد درود شریف کو ان دونوں حدیثوں کی بنا پر فرض کیوں نہ قرار دیا؟ نیز اس آیت کی بنا پر جس میں فرمایا "صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔ جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ درود شریف نماز میں فرض ہے اور کسی شخص کے لیے روا نہیں کہ حضورؐ کی جانب اس بات کو منسوب کرے جو آپؐ نے نہیں فرمائی۔ ہم کہتے ہیں کہ درود شریف ایک مسلم پر عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ جب ایک دفعہ اس کی تعمیل کر لی تو وہ اس فریضہ سے سبکدوش ہو گیا۔ پھر نماز یا غیر نماز میں اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ اس سے اسے مزید اجر و ثواب ملے گا۔ رسول کریمؐ نے حدیث صحیح میں فرمایا "جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس پر اللہ کی دس رحمتیں نازل ہوں گی۔" (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم وغیرہ)

اگر کہا جائے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھنے کا وجوب تم نے کہاں سے اخذ کیا؟ اور جب بھی حضورؐ کا ذکر کیا جائے اس وقت درود شریف کی تکرار کو تم نے واجب نہیں ٹھہرایا؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عمر بھر میں ایک دفعہ درود پڑھنا نص سے ثابت ہے، اس میں کمی نہیں کی جا سکتی اس سے زیادہ پڑھنے کے بارے میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ یہ عمر بھر میں کتنی دفعہ واجب ہے؟ نیز یہ کہ درود ایک سال، ایک ماہ، ایک دن، اور ایک گھنٹہ میں تمہارے نزدیک کتنی مرتبہ واجب ہے؟ کسی مخصوص عدد کی تحدید و تعیین تم سے بلا دلیل تسلیم نہیں کی جائے گی اور یہ تمہارے لیے ممکن نہیں۔ لہٰذا عقلاً یہ محال ٹھہرا۔ اگر کہیں کہ ہم درود کو بطور خاص نماز میں واجب ٹھہراتے ہیں۔

ہم کہیں گے کہ کسی آیت و حدیث میں یہ بات مذکور نہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اگر کوئی غیر شافعی معترض کہے کہ جب رسول کریمؐ کا ذکر کیا جائے اُس وقت درود پڑھنا واجب ہے، خواہ نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہو یا اُس کے بغیر۔

ہم کہیں گے کہ یہ بات کسی آیت یا حدیثِ صحیح میں مذکور نہیں۔ اس کا تذکرہ صرف اس حدیث میں کیا گیا ہے جس کو ہم نے بطریق ابوبکر بن ابی اُوَیس، از سُلیمان بن ہلال، از محمد بن ہلال، از سعد بن اسحاق بن کعب بن عُجرہ، از والدِ خود، روایت کیا ہے کہ کعب نے کہا (تا آخر)

مگر یہ سند قابلِ احتجاج نہیں۔ اس لیے کہ ابوبکر پر نقد و جرح کی گئی ہے۔ محمد بن ہلال مجہول ہے اور سعد بن اسحاق غیر معروف راوی ہے[1]۔

جو اہلِ علم اعتکاف کی حالت میں روزے کو فرض قرار دیتے ہیں اُن کے لیے لازم ہے کہ نماز میں درود کو بھی فرض قرار دیں۔ اس لیے کہ اس کا حکم سلام کے ساتھ دیا گیا ہے جو انہیں معلوم ہے۔ وہ مُعتکف کے لیے فرضیتِ صوم کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اعتکاف کا ذکر روزہ کے حکم پر مشتمل دو آیتوں کے درمیان کیا گیا ہے۔ سلام سے مراد یا تو وہ سلام ہے جو درُود کے اندر پایا جاتا ہے۔ یا السّلام علیکم ورحمۃ اللہ مراد ہے جس پر نماز کا اختتام ہوتا ہے۔ مگر اپنے استدلال کی کمزوری کی وجہ سے وہ اس کو آگے جاری نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے لیے واجب القبول دلائل کا التزام کرتے ہیں ــــــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۷۵۔ نماز میں تطبیق منسُوخ ہے

نماز میں تطبیق جائز نہیں اس لیے کہ اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ تطبیق کا مطلب یہ ہے کہ رکوع کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے

---

[1] ابنِ حزم نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے شاید وہ حدیث یہ ہے: عن کعب بن عجرۃ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم انّہ کان یقول فی الصلوٰۃ ... (فتح الباری ۱۱/۱۳۹)۔ ابوبکر عبدالحمید بن عبداللہ بن ابی اُوَیس ثقہ راوی ہے۔ البتہ نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اَزدی نے اس کو وضّاع قرار دے کر سنگین غلطی کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ الذہبی نے المیزان میں لکھا ہے یہ بہت بڑی لغزش ہے۔ محمد بن ہلال بن ابی ہلال مدنی ثقہ اور معروف راوی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ التہذیب میں رقمطراز ہیں "ابن حزمؒ نے اس کو مجہول قرار دے کر عظیم غفلت کا ثبوت دیا ہے۔ سعد بن اسحاق کے ثقہ راوی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ جب وہ اپنے دادا کعب سے روایت کرتا ہے تو وہ مُرسل ہوتی ہے۔ کیوں کہ سعد نے اس کا زمانہ نہیں پایا (لہٰذا یہ روایت مُرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ٹھہری)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درمیان رکھا جاتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس پر عمل پیرا تھے، اور تطبیق نہ کرنے والے کے ہاتھوں پر مارا کرتے تھے۔ آپ کے اصحاب و تلامذہ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔

۵۶۶۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [نوح بن حبیب القومسی، از عبداللہ بن ادریس، از عاصم بن کلیب، از عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید، از علقمہ] عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز کی تعلیم دی چنانچہ کھڑے ہو کر تکبیر کہی، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو گھٹنوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ڈال لیں۔ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا تو کہا "میرے بھائی نے سچ کہا ہم اس طرح کیا کرتے تھے، پھر ہمیں ہاتھوں کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑ لینے کا حکم دیا گیا۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ و ابن الجارود کتاب الصلوٰۃ)

۴۷۶۔ سلام پھیرنا فرض ہے

جب نماز مکمل ہو جاتے تو سلام پھیرے۔ سلام پھیرنا فرض ہے اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ یوں کہنا کافی ہے:

"السّلام علیکم" یا "علیکم السلام" یا "سلامٌ علیکم" یا "علیکم سلامٌ"

خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ افضل یہ ہے کہ یہ سب لوگ جن کا ہم نے ذکر کیا دائیں جانب "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ" اور بائیں جانب "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو:

۵۶۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن احمد بن ابی خلف، از موسیٰ بن داؤد، از سلیمان بن بلال، از زید بن اسلم، از عطاء بن یسار] حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے اور پتہ نہ چلے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار، تو شک کو دُور کرے اور جس بات پر یقین ہو اس پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مالک فی المؤطا ابوعوانہ کتاب الصلوٰۃ)

۵۶۸۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شُعیب، از حسن بن اسماعیل بن سلیمان المجالدی از فُضیل بن عیاض، از منصور بن المعتمر، از ابراہیم النخعی، از علقمہ] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا (تا آخر)۔ اس حدیث میں آپ نے یہ بھی فرمایا "مَیں تو ایک انسان ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ تم میں سے جو کوئی نماز میں سے کوئی چیز بھول جائے تو جس کو درست سمجھتا ہو اس کا قصد کرے پھر سلام پھیرے اور پھر سہو کے دو سجدے کرے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والنذور، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ہر نماز میں سلام پھیرنے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کے اوامر و احکام فرض کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے سلام کا لفظ اس کا مقتضی ہے۔

۵۶۹۔ نیز ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از سفیان ثوری و معمر، ہر دو از حماد بن ابی سلیمان، از ابوالضحیٰ، از مسروق] عبداللہ بن مسروق سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم سے سُنی ہوئی جن باتوں کو میں بھول گیا ہوں ان میں یہ بات شامل نہیں کہ آپ دائیں جانب منہ کرکے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتے، حتی کہ چہرۂ مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔ اسی طرح بائیں جانب منہ کرکے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتے تھے۔ حتی کہ آپؐ کے چہرے کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔ (عبدالرزاق ۲/۲۱۸)

اس حدیث کو ابوالاحوص (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابومعمر (مسلم کتاب الصلوٰۃ) نے بھی مرفوعاً حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔ مزید براں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر دونوں اس حدیث کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (نسائی کتاب الصلوٰۃ)

سلف بھی اسی پر عمل پیرا تھے جیسا کہ

۵۷۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ، ابونعیم الفضل بن دکین، از زہیر بن معاویہ، از ابواسحاق السبیعی، از عبدالرحمٰن بن اسود، از والد خود و علقمہ] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھکتے، اٹھتے، کھڑے ہوتے اور بیٹھتے تکبیر کہتے دیکھا ہے۔ آپ دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے چہرے کی سفیدی نظر آجاتی۔ میں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی اسی طرح کرتے دیکھا ہے (ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ہم نے اس حدیث کو حضرت عمار بن یاسر، علی بن ابی طالب، ابن مسعود رضی اللہ عنہم نیز انصار کی ایک جماعت اور دیگر صحابہ سے صحیح ترین سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے اس کو علقمہ، اسود، خیثمہ، عبدالرحمٰن بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابی لیلیٰ اور نخعی سے بھی روایت کیا ہے۔ امام شافعی، سفیان ثوری، ابوحنیفہ، حسن بن حیّ، احمد بن حنبل، اسحاق، ابوسلیمان اور جمہور اصحاب الحدیث کا مسلک یہی ہے۔ حسن بن حیّ کہتے ہیں کہ دونوں سلام ایک ساتھ فرض ہیں۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں دونوں سلام اختیاری حیثیت رکھتے ہیں اور فرض نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں اگر کوئی شخص بقدر تشہد بیٹھ لے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ اگر دانستہ یا نادانستہ اس کی ہوا نکل جائے یا دانستہ کھڑا ہو جائے یا گفتگو اور کوئی کام کرنے لگے تو یہ مباح ہے اور اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

اگر لونڈی برہنہ سر نماز ادا کر رہی ہو اور نماز کے آخری حصہ میں آزاد ہو جائے اور وہ سلام پھیرنے سے قبل بقدر تشہد بیٹھ چکی ہو تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

جو شخص بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو، اور نماز کے آخر میں تندرست ہو گیا۔ قبل ازیں سلام سے پیشتر وہ بقدر تشہد بیٹھ چکا تھا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

جس شخص نے اجتہاد کر کے غیر قبلہ کی جانب رخ کیے نماز ادا کی۔ نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد قبل از سلام اسے اصلی قبلہ کا پتہ چلا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ البتہ دس جگہوں میں سلام فرض ہے۔ اور جو کسی وجہ سے سلام نہ پھیر سکے اس کی نماز باطل ہے۔ خواہ وہ سلام سے پہلے بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو۔ وہ دس مقامات حسب ذیل ہیں:

۱۔ جس نے تیمم کر کے نماز ادا کی اور سلام پھیرنے سے قبل بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اس نے پانی دیکھ لیا۔

۲۔ جس نے برہنہ بدن نماز ادا کی اور بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے اسے کپڑا دستیاب ہو گیا۔

۳۔ جس نے نماز فجر ادا کی اور بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے سورج کی ٹکیہ نمودار ہوگئی۔ اگر اس نے طلوع آفتاب کے بعد قہقہہ لگایا جب کہ اس کی نماز باطل ہو چکی تھی البتہ اس نے سلام نہیں پھیرا تھا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا۔

۴۔ نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے جس کے مسح کی مدت ختم ہوگئی ہو۔

۵۔ جس نے جمعہ کی نماز ادا کی، لیکن جمعہ کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ وہ بقدر تشہد بیٹھ چکا تھا مگر ابھی سلام نہ پھیرا تھا۔ (تو اس کی جمعہ کی نماز باطل ہوئی)

۶۔ جو شخص نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھ چکا تھا پھر سلام پھیرنے سے پہلے اسے یاد آیا کہ اس کی ایک نماز فوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گئی تھی جس کے بعد کم از کم پانچ نمازیں گزر گئیں تو اس کی نماز باطل ہوئی۔

۷۔ وہ مستحاضہ جو کسی نماز میں مصروف تھی اور اس کا وقت گزر گیا قبل ازیں وہ بقدرِ تشہد بیٹھ چکی تھی مگر ابھی سلام نہ پھیرا تھا۔

۸۔ جس شخص نے اس حالت میں نماز پڑھی جب کہ وہ قرآن کا کچھ حصہ بھی پڑھنے پر قادر نہ تھا، مگر بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے اُسے کوئی سُورت یاد آگئی۔

۹۔ جس نے کسی زخم پر مسح کیا اور نماز کے آخر میں بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے اس کا زخم ٹھیک ہو گیا۔

۱۰۔ جس نے سفر کی حالت میں نماز ادا کی، جب دو رکعتوں کے آخر میں بقدرِ تشہد بیٹھ چکا اور ابھی سلام نہ پھیرا تھا کہ اقامت کی نیّت کر لی تو وہ دو رکعت اور پڑھے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مذکورہ صدر تمام لوگوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اسے از سرِ نو ادا کرنا لازم ہو گا۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے لیٹ کر نماز ادا کرے اور اس سے زیادہ وہ پر قادر نہ ہو۔ پھر سلام پھیرنے سے قبل اور بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد تندرست ہو جائے یا ایک شخص تندرست ہونے کی حالت میں نماز کا آغاز کرے۔ پھر بیماری میں مبتلا ہو جائے اور بیٹھ کر یا اشارے سے نماز ادا کرنے لگے قبل ازیں وہ بقدرِ تشہد بیٹھ چکا ہو مگر ہنوز سلام نہ پھیرا ہو۔ ان دونوں مسائل کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ اس کی نماز باطل ہوئی اور وہ نئے سرے سے نماز کا آغاز کرے۔ دوسرے قول کے مطابق اس کی نماز مکمل ہوئی۔

حنفیہ کے اقوال پر ابنِ حزمؒ کا تبصرہ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہم نے احناف کے یہ اقوال ان کا تناقض ظاہر کرنے کے لیے نقل کیے ہیں۔ وہ کسی بات پر قائم نہیں ہیں نہ سلام کے فرض ہونے پر اور نہ ہی اس کے ترکِ وجوب پر۔ دراصل ان کا کوئی مضبوط موقف ہی نہیں ہے۔ ہم ایسے اقوال سے سلامتی پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکّر و امتنان پیش کرتے ہیں۔

مُوجبِ حیرت تو یہ بات ہے کہ حنفیہ اس امر کا اظہار نہیں کرتے کہ اس ضمن میں امام ابو حنیفہ کے دو قول ہیں۔ بخلاف ازیں وہ اس غلط موقف پر ڈٹے رہے کہ سلام کی فرضیت کو ساقط کر دیا جائے بجز ان دس مقامات کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ وہ ان مقامات کے سوا کسی دوسری جگہ بھی سلام کو واجب قرار نہیں دیتے۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ت پر وہ پوری طرح متحد الرائے ہیں۔

جہاں تک حسن بن حی کے قول کا تعلق ہے اس کی صحت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

مالکیہ کا موقف: امام مالکؒ کہتے ہیں سلام فرض ہے۔ اگر کسی وجہ سے کوئی شخص سلام نہ پھیر سکے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ وہ کہتے ہیں کہ امام اور منفرد کے لیے فقط ایک سلام ہے۔ مقتدی کی بائیں جانب اگر کوئی بھی نہ ہو تاہم وہ دو سلام پھیرے۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا سلام وہ امام کو کہے۔ اگر اس کے بائیں جانب نمازی ہوں تو تیسری مرتبہ ان کو سلام کہے۔ (یعنی مقتدی اس صورت میں تین سلام کہے)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ قول بھی بلا دلیل ہے اور یہ تقسیم بھی، جو کتاب و سُنت، اِجماع و قیاس یا اقوالِ صحابہؓ سے ثابت نہیں ہوتا۔ امام جب سلام پھیرتا ہے تو کسی کو سلام کہنا مقصود نہیں ہوتا۔ اور اگر ایسا کرے تو اس کی نماز باطل ٹھہرے گی۔ اس لیے کہ کسی کو سلام کہہ کر گویا امام اس کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسُول کے علاوہ کسی کے ساتھ گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نمازی کے ساتھ کوئی ہو یا نہ ہو وہ امام ہی کی طرح سلام کہتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ سلام نماز سے فارغ ہونے کی علامت ہے اور اس سے کسی کو سلام کہنا مقصود نہیں۔ لہٰذا بسہولت تمام یہ دونوں قول باطل ٹھہرے۔ وللہ الحمد

ابن حزمؒ کہتے ہیں اب ان لوگوں کا قول باقی رہا جو سلام کی فرضیت کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ یا جو ایک سلام کے قائل ہیں۔ اور ان کے اس قول میں کوئی اضطراب نہیں پایا جاتا۔ جو لوگ سلام کو فرض تصور نہیں کرتے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کو

۱۷۵۔ ہم نے بطریق [عاصم بن علی، از زہیر بن معاویہ، از حسن بن حُر، از قاسم بن مُخَیمِرہ] روایت کیا ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حدیث سنائی اور عبداللہ بن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تشہد سکھایا۔ پھر راوی نے تشہد کا ذکر کیا اور کہا "جب تو نے یہ کہا تو اپنی نماز مکمل کر لی۔ اگر کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہو، اور اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ۔" (ابو داؤد، دارقطنی، بیہقی کتاب الصلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس اضافہ کے روایت کرنے میں قاسم بن مُخَیمِرہ منفرد ہے۔ غالباً یہ اس کا اپنا کلام ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا علقمہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے ہے۔ ابراہیم نخعی نے یہ حدیث علقمہ سے روایت کی ہے اور وہ قاسم کی نسبت بہتر حافظ وضابط ہے۔ مگر اس نے اس اضافے کا ذکر نہیں کیا۔[۱]

۵۷۲۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از محمد بن جبلہ، از علاء بن ہلال الرقی، از عبیداللہ بن عمرو الرقی، از زید بن ابی انیسہ، از حماد بن ابی سلیمان، از ابراہیم نخعی، از علقمہ بن قیس] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ”ہمیں معلوم نہ تھا کہ نماز میں کیا پڑھیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فصیح و بلیغ کلمات سکھائے۔ آپؐ نے فرمایا یوں کہا کرو:

”اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبٰتُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ“۔

علقمہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے جس طرح ہمیں قرآن سکھاتے تھے۔ (نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۴۷)

بفرضِ محال اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ یہ اضافہ حضورؐ کا فرمودہ ہے تو قبل ازیں ہم نے آپ کا جو حکم نقل کیا ہے وہ ایک زائد حکم ہے جسے ترک کرنا روا نہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ وہ سلام پھیرنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان،

---

[۱] یہ اضافہ باتفاقِ محدثین مُدرج ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں بعض راویوں نے زُہیر سے روایت کرکے ان الفاظ کو نبی کریمؐ کے کلام سے ملا دیا۔ دراصل یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔ شبابہ نے زُہیر سے اس کی تفصیل بیان کی اور اس کو عبداللہ بن مسعودؓ کا کلام قرار دیا۔ اس کا قول ان لوگوں کی نسبت اقرب الی الصواب ہے جو اس کو حدیث نبوی میں شامل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ابن ثوبان نے اس حدیث کو اسی طرح حسن بن حُر سے روایت کیا ہے اور اس کے آخری حصہ کو ابن مسعود کا قول ٹھہرایا ہے۔ نیز اس لیے کہ حُسین جعفی، ابن عجلان اور محمد بن ابان نے اس حدیث کو حسن بن حُر سے روایت کیا ہے مگر حدیث کے آخر میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ مزید برآں جو راوی علقمہ اور دیگر رُواۃ سے تشہد کے بارے میں ابن مسعود کی روایت نقل کرتے ہیں وہ سب اس کے زائد ہونے پر متفق ہیں۔ یہ حدیث باسانید کثیرہ مع اضافہ و بلا اضافہ روایت کی گئی ہے۔ بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

از سفیان ثوری، از ابو اسحاق السَّبیعی، از ابو الاحوص، روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا "نماز کا آغاز تکبیر سے ہوتا ہے اور اختتام سلام سے" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۹ میں اسی کے ہم معنی روایت ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اضافہ یا تو ابن مسعودؓ کے بعد والے راویوں سے ہے۔ یا ابن مسعودؓ کا منسوخ شدہ قول ہے۔ ظاہر ہے کہ دین میں حجت صرف رسولِ کریمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ سلام پھیر کر نماز سے فراغت حاصل کی جائے۔

جو اہل علم ایک ہی سلام کے قائل ہیں اور اس سے زیادہ کو ناپسند کرتے ہیں انہوں نے چند احادیث و آثار سے احتجاج کیا ہے:

ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جس کو ہم نے بطریق ابو المُصعب، از دراوردی، بروایت سعد نقل کیا ہے۔ مگر بروایتِ سعد جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ دو سلام پھیرا کرتے تھے۔

وہ چند ضعیف آثار کے ساتھ بھی احتجاج کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک بطریق محمد بن الفرج، از محمد بن یونس مروی ہے۔ مگر یہ دونوں راوی مجہول ہیں۔ ایک قول بطریق حسن مرسل ہے۔ دوسرا محمد بن زہیر سے منقول ہے جو ضعیف راوی ہے۔ ایک اثر ابن لہیعہ سے مروی ہے مگر وہ ساقط الاعتبار راوی ہے (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۲۲ و مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۰۱ وغیرہ)۔ بفرضِ محال اگر ان اخبار و آثار کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو دو سلام پر مشتمل حدیث میں جو اضافہ ہے اس سے اخذ و احتجاج بہر حال اولیٰ و افضل ہے۔

اگر معترض حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پیش کرے کہ "جب ہم حضورؐ کی اقتدار میں نماز پڑھتے تو کہا کرتے تھے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ" یہ کہہ کر حضرت جابر بن سمرہؓ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ دونوں طرف اشارہ کیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا "تم اپنے ہاتھوں سے کس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہو، گویا کہ یہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ تمہارے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھ کر دائیں بائیں اپنے (مسلمان) بھائیوں کو سلام کہا کرو" (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر حضورؐ کا یہ فرمان اس سلام کے بارے میں ہے جس کے بعد نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو یہ بلاشبہ منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں ارشاد فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"نماز میں لوگوں کے کلام جیسی کوئی بات موزوں نہیں" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد عن معاویہ بن الحکم)

یہ ایسی بات ہے جس کے محکم اور غیر منسوخ ہونے میں ملتِ اسلامیہ کے کسی فرد نے اختلاف نہیں کیا، مگر بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ بعض حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ پہلے نماز کی حالت میں سلام کہنے اور سلام کا جواب دینے کی اجازت تھی جو اس حدیث سے منسوخ ہوئی ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

المحلیٰ مترجم جلد دوم تمام ہوئی، جلد سوم کا آغاز کتاب الصلوٰۃ کے بقیہ مسائل "فرض نماز میں سہو" ـــــ "نماز میں گفتگو کرنا جائز نہیں" وغیرہ سے ہوگا۔

والحمد للہ اوّلاً واخراً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المحلی اردو

تالیف
امام ابن حزم اندلسیؒ

ترجمہ
پروفیسر غلام احمد حریریؒ

جلد سوم

مرکز الدعوۃ والارشاد
۵- چیمبرلین روڈ موچی دروازہ
لاہور - پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام ابن حزم اندلسی

المحلّٰی

اردو

یوسفی

ترجمہ

پروفیسر غلام احمد حریری

ناشر

مرکز الدعوۃ والارشاد

۵ چمبرلین روڈ موچی دروازہ لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (بخاری)

دو ہزار سے زائد احکام و مسائلِ زندگی پر مشتمل فقہ الحدیث کی بلند پایہ کتاب

المحلّٰی اردو

تالیف

حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید المعروف بہ امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ

المتوفی : ۴۵۶ھ

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی ، فیصل آباد

نظر ثانی

مولانا ابو الاشبال صغیر احمد شاغف بہاری (جدہ)

جلد سوم

مرکز الدعوۃ والارشاد چمبرلین روڈ موچی دروازہ ۰ لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیرِ اہتمام ———— شیخ محمود باحاذق

زیرِ نگرانی ———— (پروفیسر) حافظ محمد سعید، (پروفیسر) ظفر اقبال

زیرِ انتظام ———— اعجاز احمد تنویر

ناشر ———— شعبہ تصنیف وتالیف

مرکز الدعوۃ والارشاد

۵۔ چیمبرلین روڈ (الفضل مارکیٹ) بیرون موچی دروازہ

(لاہور۔ پاکستان)

مطبع ———— جاوید ریاض پرنٹرز، لاہور

طبع اوّل ———— جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ

دسمبر ۱۹۹۲ء

ٹیلیفون ۲۳۱۱۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

المحلّیٰ اُردو جلد سوم

کتاب الصلوٰۃ کے بقیہ مسائل

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۳۷۷	فرض میں سہو	۱
۳۷۸	نماز میں گفتگو کرنا جائز نہیں	//
۳۷۹	سورۃ فاتحہ کے علاوہ امام کو اور کوئی آیت نہیں تلائی جا سکتی	۲
۳۸۰	نماز میں بھول کر گفتگو کرنا	۳
۳۸۱	نماز میں کپڑوں یا بالوں کا قصداً اکٹھا کرنا درست نہیں	۸
۳۸۲	نماز میں نظر نیچی کرنا فرض ہے	//
۳۸۳	نماز میں ہنسی اور مسکراہٹ	۹
۳۸۴	کنکریوں یا سجدہ کی جگہ کو چھونا	//
۳۸۵	قاطع صلوٰۃ کا ذکر	۱۰
۳۸۶	نماز و دعا میں آنکھ اوپر اٹھانا حلال نہیں	۱۹
۳۸۷	عورت کا آدمی کے قریب نماز پڑھنا	۲۱
۳۸۸	نماز میں کمر پہ ہاتھ رکھنا	۲۳
۳۸۹	رکعتوں اور سجدوں کی تعداد کی پابندی	۲۵
۳۹۰	سجدہ میں بازوؤں کا بچھانا جائز نہیں	۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۹۱	نمازی کے لیے آگے یا دائیں طرف تھوکنا جائز نہیں	۲۸
۳۹۲	اُونٹ کے بیٹھنے کی جگہ پر نماز دُرست نہیں	۳۱
۳۹۳	حمام اور قبرستان میں نماز جائز نہیں	۳۵
۳۹۴	غَصَب کی زمین پر نماز جائز نہیں	۴۲
۳۹۵	مَردوں کی نماز ایسے کپڑوں میں جائز نہیں جن میں ریشم یا سونا لگا ہُوا ہو	۴۷
۳۹۶	رکوع و سجود میں قراتِ قرآن جائز نہیں	۵۵
۳۹۷	جلسہ میں قرآنِ مجید کی قرات	۵۷
۳۹۸	مسجدِ ضِرار میں نماز جائز نہیں	۵۸
۳۹۹	فخر و ضَرر کے لیے بنائی گئی مسجد میں نماز جائز نہیں	//
	مساجد کو مزیّن کرنے کی ممانعت	۵۹
	محلوں میں مسجدیں بنانے اور صاف ستھرا رکھنے کا حکم	//
	تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی کی طرف سفر جائز نہیں	۶۰
۴۰۰	جہاں اللہ و رسُول اور دینی اُمور کا مذاق اُڑایا جائے اُس جگہ نماز جائز نہیں	۶۱
۴۰۱	نماز میں مُصحف سے تلاوت جائز نہیں	۶۲
۴۰۲	نماز میں سلام کا جواب کس طرح دیا جائے	۶۳
۴۰۳	کھانے کی موجودگی اور بول و براز کی حاجت کے وقت نماز جائز نہیں	//
۴۰۴	لہسن و پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں نہ آئے	۶۵
۴۰۵	نماز میں اُنگلیاں چٹخانا	۶۷
۴۰۶	نماز میں ٹیک لگانا	//
۴۰۷	انگوٹھی کے ساتھ نماز کا حکم	۶۸
۴۰۸	نماز میں نیت کی تبدیلی	۶۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۰۹	ــ کاہن کے پاس جانے والے کی نماز مقبول نہیں	۶۹
۴۱۰	ــ مقتدی اگر امام کی متابعت بھول جائے	۷۰
۴۱۱	ــ کن لوگوں کے پیچھے نماز باطل ہے ؟	۷۱
۴۱۲	ــ جن لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ان کے پیچھے عدمِ واقفیت کی بنا پر نماز پڑھنے کا حکم	؍؍
۴۱۳	ــ ناواقفیت کی وجہ سے احکام و اعتقاد میں تاویل کرنیوالے کی اقتدار	۷۲
۴۱۴	ــ امام کی زیادتی کی اقتدا جائز نہیں	؍؍
۴۱۵	ــ صف کے پیچھے منفرد کی نماز	۷۳
۴۱۶	ــ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں	۸۴
۴۱۷	ــ امام کی اقتدا فرض ہے	۸۵
۴۱۸	ــ نابینا یا کمزور نظر والا انسان	۸۸
۴۱۹	ــ چار مقامات میں امام سے پہلے تکبیر کہنا جائز ہے	۸۹
۴۲۰	ــ مسجد میں کسی جگہ سے کسی کو اٹھایا نہیں جا سکتا	۹۲
۴۲۱	ــ امام کے آگے نماز پڑھنا جائز نہیں	؍؍
۴۲۲	ــ وضو ٹوٹنے والے امام کا نائب	۹۴
۴۲۳	ــ بھگوڑے غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی	۹۶
۴۲۴	ــ نماز کو باطل کرنے والی چیزوں کا بیان	۹۷
۴۲۵	ــ چوری یا غصب شدہ چیز یا سونے چاندی کے برتن اٹھانے کی صورت میں نماز	۹۸
۴۲۶	ــ حالتِ نماز میں کندھوں پر کپڑا ہونا	۹۹
۴۲۷	ــ نماز میں سارے جسم کو ایک کپڑے میں لپیٹنا منع ہے	۱۰۰
۴۲۸	ــ تکبّر سے کپڑا لٹکانے والے کی نماز جائز نہیں	۱۰۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۲۹	ـــ کافر و فاسق کے کپڑے میں نماز	۱۰۴
۴۳۰	ـــ جسم پر زعفران لگا یا ہو تو نماز نہیں ہوتی	۱۰۵
۴۳۱	ـــ نماز میں آدمی کے لیے تالی بجانا جائز نہیں	۱۰۷
۴۳۲	ـــ خوشبو لگا کر عورت مسجد میں نہیں آسکتی	۱۰۸
۴۳۳	ـــ عورت کے لیے اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال ملانا جائز نہیں	۱۰۹
۴۳۴	ـــ بعض ملعون عورتوں کی نماز ہو جاتی ہے	۱۱۰
۴۳۵	ـــ کعبہ کی چھت پر نماز جائز ہے	۱۱۱
۴۳۶	ـــ سامنے مصحف ہو تو نماز جائز ہے	۱۱۲
۴۳۷	ـــ نمازی کے سامنے مختلف اشیاء کا ہونا	۱۱۳
۴۳۸	ـــ نماز اور درج ذیل مقامات	//
۴۳۹	ـــ چمڑے اور اُون پر بھی نماز جائز ہے	۱۱۴
۴۴۰	ـــ اژدحام کی وجہ سے زمین پر سجدہ ممکن نہ ہو تو کیا کرے ؟	۱۱۶
۴۴۱	ـــ امام اُونچی نیچی جگہ پر کھڑا ہو سکتا ہے	۱۱۷

(فصل)

وہ اعمال جو نماز میں مستحب ہیں اور فرض نہیں

۴۴۲	ـــ رفع الیدین	۱۲۰
	ـــ اقوال و دلائل کا تجزیہ	۱۲۱
۴۴۳	ـــ تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعائیں	۱۳۱
۴۴۴	ـــ امام بحالتِ جماعت نماز کو لمبی نہ کرے	۱۳۶
۴۴۵	ـــ نمازوں میں قرائت	۱۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	ـــ فجر کی نماز میں قرأت	۱۴۰
	ـــ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت	〃
	ـــ مغرب کی نماز میں قرأت	۱۴۱
	ـــ عشار کی نماز میں قرأت	۱۴۲
۴۴۶	ـــ جہری قرأت	۱۴۸
۴۴۷	ـــ پہلی رکعت کی طوالت	۱۵۳
۴۴۸	ـــ نماز میں ہاتھ باندھنا	۱۵۴
۴۴۹	ـــ امام تکبیر کب کہے ؟	۱۵۵
۴۵۰	ـــ آیاتِ رحمت و عذاب	۱۶۰
۴۵۱	ـــ قومہ کی دعائیں	۱۶۲
۴۵۲	ـــ رکوع و سجود وغیرہ کی بمقدار قیام کے برابر ہو تو بہتر ہے	۱۶۵
۴۵۳	ـــ رکوع و سجود کی خوبصورتی	۱۶۶
۴۵۴	ـــ دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر اُٹھنا	۱۶۸
۴۵۵	ـــ نماز میں چار جلسے ہیں	۱۷۰
۴۵۶	ـــ سجدہ میں زمین پر پہلے ہاتھوں کو رکھنا فرض ہے	۱۷۴
۴۵۷	ـــ دونوں طرف سلام پھیرنا مستحب ہے	۱۷۶
۴۵۸	ـــ تشہد کے بعد درود شریف	۱۸۱
۴۵۹	ـــ قنوت	۱۸۸
	ـــ مانعینِ قنوت	۱۹۲
	ـــ کیا قنوت صرف حالت جنگ میں ہے ؟	۱۹۷
	ـــ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے مقلدین	۱۹۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	ـــــامام مالکؒ و شافعیؒ	۱۹۸
	ـــــان دلائل کا تجزیہ	۱۹۹
	ـــــقُنوت قبل از رُکوع	//
	ـــــوِتر میں قنوُت	۲۰۰
۴۶۰	ـــــتشہّد میں اُنگلی سے اِشارہ	۲۰۵
۴۶۱	ـــــرکُوع و سُجُود وغیرہ کی تکبیر کب کہی جائے ؟	//
۴۶۲	ـــــنماز میں وُضو کا ٹوٹنا	۲۰۷
۴۶۳	ـــــنماز میں تکبیر چھُوٹنا	۲۱۳
۴۶۴	ـــــاِزدِحام کے باعث جب نماز کا کوئی حصّہ رہ جائے	۲۱۴
۴۶۵	ـــــبال برابر جگہ بھی خشک نہیں ہونی چاہیے	۲۱۶
۴۶۶	ـــــقرآن مجید کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ	//

(فصل)

سُجُودِ سہو کا بیان

۴۶۷	ـــــسُجُودِ سہو کی صورتیں	۲۱۹
۴۶۸	ـــــنماز میں سہو کی مُختلف صورتیں	۲۲۵
	ـــــاِمام ابو حنیفہ کا مَسلک	//
	ـــــامام ابنِ حزم کا تبصِرہ	۲۲۶
۴۶۹	ـــــجب اِمام سے سہو ہو	۲۲۹
۴۷۰	ـــــجب مُقتدی سے سہو ہو	۲۳۰
۴۷۱	ـــــبے وُضو سجدۂ سہو	۲۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۷۲ ـــ سجدۂ سہو کا افضل طریقہ	۲۳۲
۴۷۳ ـــ سُجُودِ سہو اور سلام	۲۳۵
ـــ نوافل میں سجدۂ سہو	۲۳۶
۴۷۴ ـــ غیر اللہ کے لیے سجدہ پر مجبور کیا جانا	۲۴۱
۴۷۵ ـــ عُذر کی صورت میں نماز	۲۴۲
۴۷۶ ـــ حالتِ نماز میں عذر کا ختم ہو جانا	۲۴۴
۴۷۷ ـــ نماز میں وسوسے	۲۴۶
۴۷۸ ـــ جب نماز پڑھتے ہوئے کوئی بھولی ہوئی نماز یاد آئے	۲۴۸
ـــ امام ابو حنیفہ کا مذہب	〃
ـــ امام مالک کا مذہب	〃
ـــ امام ابنِ حزم کا تنقید و تبصرہ	۲۴۹
۴۷۹ ـــ بھولی ہوئی نماز دُوسری نماز کے وقت یاد آئے	۲۵۱
ـــ امام مالک کا مذہب	〃
ـــ امام ابنِ حزم کا تنقید و تبصرہ	〃
۴۸۰ ـــ جب معلوم نہ ہو کہ کون سی نماز بھول گیا ہے	۲۵۲
۴۸۱ ـــ کشتی میں نماز	۲۵۶
۴۸۲ ـــ اَقوامِ عالم کے عبادت کدوں میں نماز	۲۵۷
۴۸۳ ـــ سُترہ کی حد	〃
۴۸۴ ـــ نماز میں رُونا	۲۶۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز باجماعت

۴۸۵	نماز باجماعت ادا کرنا فرض ہے	۲۶۲
	نماز باجماعت کا ستائیس گنا زیادہ ثواب ہے	۲۶۶
	عورتوں کے لیے نماز باجماعت فرض نہیں	۲۷۳
	رمضان المبارک میں عورتوں کا مسجد میں قیام	۲۸۱
۴۸۶	وہ عذر جن کے باعث جماعت سے پیچھے رہا جاسکتا ہے	۲۸۲
	کھانے کی موجودگی میں ترک جماعت	۲۸۳
	بدبودار چیزیں کھانے کے باعث ترک نماز	//
	بارش کے باعث ترک جماعت	۲۸۴
	امام کی لمبی قرأت کے باعث ترک جماعت	۲۸۶
۴۸۷	امامت کون کرائے؟ نیز دیکھیے صفحہ 300	۲۸۷
	امام مالکؒ کا مذہب	۲۸۹
	افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت	۲۹۰
۴۸۸	وجۂ فضلیت صرف قرأت و فقاہت و نیکی و عمر ہے	۲۹۳
۴۸۹	اگر امام بغیر وضو و طہارت امامت کرائے	۲۹۸
۴۹۰	نابالغ کی امامت	۳۰۳
۴۹۱	عورت کی امامت	۳۰۵
	عورت مردوں کی امام کیوں نہیں بن سکتی؟	۳۰۶
۴۹۲	امام کا نماز میں بے وضو ہو جانا	۳۰۸
	امام ابو حنیفہؒ کا مذہب	۳۰۹
	امام ابن حزمؒ کا تبصرہ	//

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۹۳ ـــ امام کے لیے مُصحف سے دیکھ کر قرات کرنا جائز نہیں ۳۱۲

۴۹۴ ـــ امام اور مقتدی کی نیت کا اختلاف ۳۱۳

۴۹۵ ـــ ایک جماعت کے بعد دُوسری جماعت ۳۳۳

ـــ امام مالکؒ کا مذہب ۳۳۴

ـــ امام ابنِ حزم کا تبصرہ //

۴۹۶ ـــ دوبارہ نماز باجماعت کی ایک اور صورت ۳۳۶

(فصل)

حکمِ مساجد

۴۹۷ ـــ محراب بنانا مکروہ، صفائی واجب اور خوشبو مستحب ہے ۳۳۸

ـــ مساجد کی صفائی ۳۳۹

۴۹۸ ـــ وہ اُمور جو مسجد میں مُباح ہیں ۳۴۰

۴۹۹ ـــ مَساجد میں مُشرکوں کا داخلہ ۳۴۳

۵۰۰ ـــ مسجد میں کھیل کود بھی جائز ہے ۳۴۹

۵۰۱ ـــ مسجد میں گمشُدہ چیزوں کا اعلان جائز نہیں //

۵۰۲ ـــ مسجد میں پیشاب کرنا جائز نہیں ۳۵۰

ـــ مسجدوں میں صفائی اور ان میں خوشبو لگانا //

۵۰۳ ـــ مسجد کے اُوپر یا نیچے کوئی گھر نہیں ہونا چاہیے ۳۵۱

۵۰۴ ـــ مسجدوں میں خرید و فروخت کرنا جائز ہے ۳۵۳

۵۰۵ ـــ صلٰوۃِ وُسطیٰ //

۵۰۶ ـــ نماز کے بعد بآوازِ بلند اللہ اکبر کہنا ۳۶۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۰۷ ــــ سلام کے بعد امام کا مصلّٰی پر بیٹھنا ۳۶۶

۵۰۸ ــــ جب امام تشہّد میں بیٹھا ہو ۳۶۷

۵۰۹ ــــ نمازی کا دائیں بائیں رُخ کرنا ۳۷۰

۵۱۰ ــــ جب اِمام رکُوع ، سجدہ یا جلسہ کی حالت میں ہو ۳۷۱

(فصل)

مسافر کی نماز

۵۱۱ ــــ نمازِ قصر کی رکعات ۳۷۲

۵۱۲ ــــ حالتِ سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں ؍؍

ــــ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ۔ ؍؍

ــــ امام مالکؒ کا مسلک ۳۷۳

ــــ امام شافعیؒ کا مسلک ؍؍

ــــ امام ابنِ حزمؒ کا تبصرہ ۳۷۳ تا ۳۸۲

تمّت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۰۷ ــــ سلام کے بعد امام کا مصلّی پر بیٹھنا	۳۶۶
۵۰۸ ــــ جب امام تَشَہُّد میں بیٹھا ہو	۳۶۷
۵۰۹ ــــ نمازی کا دائیں بائیں رُخ کرنا	۳۷۰
۵۱۰ ــــ جب اِمام رکُوع، سجدہ یا جَلسہ کی حالت میں ہو	۳۷۱

فصل

مسافر کی نماز

۵۱۱ ــــ نمازِ قصر کی رَکعَات	۳۷۲
۵۱۲ ــــ حالتِ سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں	//
ــــ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک۔	//
ــــ امام مالکؒ کا مسلک	۳۷۳
ــــ امام شافعیؒ کا مسلک	//
ــــ امام ابنِ حزمؒ کا تبصرہ	۳۷۳ تا ۳۸۲

تمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین

ابتدائیہ

۱۹۹۱ء میں راقم کو جب حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی محترم محمود باحاذق اور حامد باحاذق صاحبان کے گھر ایک ضیافت میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ یہ دونوں بھائی عالمی سطح پر سلفی دعوت کی نشر و اشاعت اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے منصوبوں میں نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ ان میں بھرپور حصہ بھی لیتے ہیں۔ کثر اللہ امثالھم فینا وبارک اللہ فی حیاتھم و اعمالھم۔

ضیافت میں دورانِ گفتگو پانچویں صدی کے عظیم المرتبت فقیہہ اور امام ابنِ حزم اندلسیؒ کی مشہور کتاب "المحلیٰ" کے اُردو ترجمہ کی اشاعت کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔ یہ کتاب جیسا کہ اہلِ علم جانتے ہیں، عربی میں ہے اور اسے اُردو کا قالب پہنانے کا خیال بھی اُن سلفی احباب کو آیا جن کا تعلق برِ صغیر پاک و ہند سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، لیکن عرصہ دراز سے سعودی عرب میں رہائش پذیر ہیں۔

ان احباب میں نامور سلفی عالم اور حدیث و رجال کے ماہر مولانا صفیر احمد شاغف بہاری حفظہ اللہ اور مذکورہ برادران سرفہرست ہیں۔ چنانچہ کئی سال قبل انہوں نے "المحلی" کے اُردو ترجمہ کے کام کا آغاز کیا تھا، پہلے اس کا ترجمہ کرایا جو پروفیسر مولانا غلام احمد حریری مرحوم نے کیا، پھر اس پر نظر ثانی اور احادیث کی تخریج کا کام خود حضرت مولانا شاغف بہاری صاحب نے اپنے ذمہ لیا۔ اور وہ اپنی گوناگوں علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ یہ نہایت محنت طلب کام بھی سرانجام دے رہے ہیں وفقہ اللہ وایدہ

ترجمہ اور نظر ثانی و تخریج کے بعد اس کی اشاعت، احبابِ مذکور نے حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کے سپرد کر دی، جو احیاء آثار اسلاف میں معروف اور جدید ذوقِ طباعت سے بھی بہرہ ور تھے۔ چنانچہ اسکی پہلی دو جلدیں حضرت مولانا بھوجیانی کے قائم کردہ ادارہ "دارالدعوۃ السلفیۃ" کے زیر اہتمام نہایت معیاری انداز سے شائع ہوئیں پہلی جلد حضرت مولانا کی زندگی (فروری ۱۹۸۴ء) میں شائع ہوگئی تھی جبکہ دوسری جلد انکی وفات کے بعد مارچ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔ تاہم بقیہ جلدوں کی اشاعت میں بوجوہ تاخیر ہو رہی تھی جسطرح کہ دوسری جلد، پہلی جلد کی اشاعت کے ۶ سال بعد شائع ہوئی۔

مذکورہ ضیافت میں جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا تو اس کی جلد از جلد اشاعت کے لیے یہ تجویز پاس کی گئی کہ اسے کسی ایسے ادارہ کے سپرد کر دیا جائے جو اسے اولین فرصت میں مکمل طور پر شائع کر سکے تاکہ اس کی اشاعت میں مزید تاخیر نہ ہو اور باحاذق برادران نے اس کے لیے "مرکز الدعوۃ والارشاد" کا نام تجویز کیا جسے راقم نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد مولانا شاغف بہاری صاحب حفظہ اللہ سے اس کی منظوری لی گئی جو انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے دے دی اور تاکید کی کہ اپنے وسائل سے "مرکز الدعوۃ" اس کی اشاعت کے کام کو ممکن حد تک جلد سے جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

مرکز الدعوۃ والارشاد، الحمدللہ ایک عرصے سے دعوت وجہاد کے میدان میں پہلے ہی منظم اور موثر کردار ادا کر رہا ہے۔ ایک ماہوار مجلہ "الدعوۃ" بھی پابندی سے اس کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے جس نے تھوڑے سے عرصے میں سلفی دعوت و تبلیغ میں موثر حصہ لیا ہے اور اس کی اشاعت و مقبولیت کا دائرہ روز افزوں ہے فالحمد للہ علی ذلک۔ جہادی سرگرمیاں بھی اس کے زیر اہتمام جاری ہیں اور جہادی قافلے سرگرم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور رواں دواں ہیں جو افغانستان کے ساتھ ساتھ اب کشمیر کے محاذ پر بھی دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔

مریدکے میں ایک عظیم تعلیمی ادارہ اور سلفی بستی کا منصوبہ زیر تکمیل ہے اور ایک عظیم الشان مسجد بھی زیرِ تعمیر ہے۔ یہ منصوبہ اپنی نوعیت کا ایک ممتاز انفرادی منصوبہ ہے جہاں شرعی علوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم اور ٹیکنیکل تعلیم کا پروگرام ہے جو تکمیل کے بعد جماعت کے لیے ایک سنگِ میل ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اب "المحلّٰی" کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہ ایک نئے دَور کا آغاز کر رہا ہے اور علمی کتابوں کی اشاعت و توزیع بھی اس کے منصوبے کا اہم شعبہ ہوگا اور اس کی کامیابی کے لیے بھی ہم بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس راہ کی مشکلات بھی ہمارے لیے آسان فرمائے اور اپنی رضا کے لیے سلفی لٹریچر کی تیاری اور اس کی اشاعت کی توفیق سے نوازے۔

ہم کوشش کریں گے کہ جیسے جیسے "المحلّٰی" کا اردو ترجمہ حضرت مولانا شاغف بہاری حفظہ اللہ کی نظرثانی و تخریج احادیث کے بعد ہمیں موصول ہوتا رہے ہم ویسے ویسے اس کی فوری اشاعت کا اہتمام اللہ تعالےٰ کی توفیق سے کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ارادوں اور عزائم کے مطابق منصوبے کو جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم مولانا شاغف بہاری اور انکے رفقائے کرام کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان علمی منصوبے کی طرف توجہ مبذول کرائی اور ہمیں اس کا اہل سمجھ کر یہ ذمہ داری ہمارے سپرد کی جو یقیناً ہمارے ادارے کے تمام رفقاء کیلئے ایک اعزاز بھی ہے اور ایک امتحان بھی۔ اللہ کرے کہ ہم اس اعزاز کو برقرار رکھ سکیں اور اس امتحان میں سرخرو ہوسکیں۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

ہم ادارہ "دارالدعوۃ السلفیہ" کے ارکان بالخصوص اس کے ناظم حافظ احمد شاکر صاحب کے بھی ممنون ہیں کہ انہوں نے نہایت خوش دلی سے مولانا شاغف بہاری حفظہ اللہ کی حسبِ ہدایت اس علمی منصوبے کی تکمیل کی ہمیں اجازت عنایت فرما دی جس کا آغاز انہوں نے فرمایا تھا اور نہایت معیاری انداز سے اس پر کام جاری تھا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

چنانچہ "مرکز الدعوۃ والارشاد" اب تیسری اور چوتھی جلد شائع کر رہا ہے۔ تیسری جلد کی کتابت۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دار الدعوۃ السلفیہ۔ کے زیر اہتمام ہی ہوئی تھی، جسے شائع کرنے کی توفیق "مرکز الدعوۃ والارشاد" کو مل رہی ہے اور چوتھی جلد مرکز الدعوۃ میں موجود کمپیوٹر پر ہی کمپوز کرائی گئی ہے۔ یہ دونوں جلدیں بیک وقت شائع کی جا رہی ہیں تاکہ پچھلی تاخیر کی کچھ تلافی بھی ہو جائے اور اپنے ارادوں کے مطابق اس منصوبے کو تیزی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عملی اظہار بھی۔ ہماری کوشش ہوگی کہ بقیہ جلدیں بھی جلد شائع کی جائیں تاکہ مکمل کتاب سے اردو خواں حضرات استفادہ کر سکیں۔

بقیہ جلدوں کی پروف ریڈنگ اور دیگر انتظامی اور طباعتی امور کے لیے ہمیں اپنے مرکز کے ساتھی محترم بھائی اعجاز احمد تنویر صاحب کی خدمات حاصل ہیں۔ موصوف نے کئی بار ان دونوں جلدوں کو پڑھا ہے اور مقدور بھر کوشش کی ہے کہ کوئی لفظی غلطی باقی نہ رہے۔ علاوہ ازیں ہم نے طباعت اور جلد بندی میں بھی خوب سے خوب تر کے معیار کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس کے باوجود بتقاضائے بشریت کوئی سقم رہ گیا ہو تو قارئین توجہ دلائیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس ادنیٰ کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ واللہ المستعان

(پروفیسر) ظفر اقبال
مرکز الدعوۃ والارشاد
لاہور۔ پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ کے بقیہ مسائل

۳۷۷۔ فرض میں سہو مذکورہ اُمور جن کے بارے میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ فرض ہیں، ان میں سے اگر کسی میں سہو ہو گیا حتیٰ کہ رکوع کر لیا تو وہ اس رکعت کو شمار نہ کرے، اگر مقتدی ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو پڑھے اور اگر امام ہے یا کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اس رکعت کو لغو قرار دے دے اور نماز کی تکمیل کرلے البتہ سجدۂ سہو سب کو کرنا پڑے گا کیونکہ اس نے اس رکعت کو حسبِ مامور ادا نہیں کیا ہے اور ہر وہ امر جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اسے نماز کے فلاں حصہ میں ادا کیا جائے، اگر فی الواقع وہاں ادا نہ کیا جائے تو وہ درست نہ ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔ (الطلاق۔۱) "جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا، وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

۳۷۸۔ نماز میں گفتگو کرنا جائز نہیں نماز میں کسی کے ساتھ گفتگو کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ نماز کی اصلاح کے بارے میں دورانِ نماز امام سے بھی گفتگو نہیں کی جا سکتی، اگر کسی نے عمداً نماز میں کوئی گفتگو کرلی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر کسی نے دورانِ نماز اس قسم کا کوئی کلمہ کہہ دیا "رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا فُلَانُ" (اے فلاں شخص! اللہ تجھ پر رحم فرمائے)، تو بھی اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو:

۵۷۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از موسیٰ بن اسماعیل، از ابان بن یزید عطار، از عاصم بن ابی النجود از ابی وائل از] حضرت ابن مسعودؓ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہوئے ایک دوسرے کو سلام کہہ دیا کرتے تھے اور اپنی ضرورت کے کاموں کے لیے حکم دے دیا کرتے تھے، پھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اس حال میں کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو آپؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا آپؐ کے سلام کا جواب نہ دینے کے باعث میں قدیم وجدید ہموم وافکار میں مبتلا ہو گیا۔ جب آپؐ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اپنے حکم میں تبدیلی فرما دے اور اب اللہ تعالیٰ نے یہ تبدیلی فرمائی ہے کہ نماز میں گفتگو کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ فرما کر پھر آپ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۷۹۔ سورۃ فاتحہ کے علاوہ امام کو اور کوئی آیت نہیں بتلائی جا سکتی

کسی کے لیے جائز نہیں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ امام بھول جائے تو اسے کچھ بتلائے، اگر امام پر قرأت میں التباس پیدا ہو جائے، تو وہ رکوع کرلے یا کسی دوسری سورۃ کو شروع کرلے، اگر کوئی یہ جانتے ہوئے کہ نماز میں امام کو بتانا جائز نہیں، امام کو کچھ بتا دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم قبل ازیں اسناد کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں (یعنی مسئلہ ۳۶۰ میں) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَقْرَؤُونَ خَلْفِي؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔

"کیا تم میرے پیچھے کچھ پڑھتے ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا، سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو۔

امام کو بتانے والے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ اس نے قرأت قرآن کا قصد کیا ہے یا اس سے اس کا مقصود قراءت قرآن نہیں ہے، لہٰذا اگر مقصود قراءت قرآن ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنے سے منع فرما دیا ہے اور اگر مقصود قراءت قرآن نہیں تو پھر بھی جائز نہیں کیونکہ پھر اس کی حیثیت عام گفتگو کی سی ہو گی اور عام گفتگو سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور دوسرے صحابہ کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

اگر ہمارے مخالفین اس مسئلہ کے بارے میں وہ حدیث ذکر کریں جو بطریق یحییٰ بن کثیر اسدی از مسوّرؓ[1] بن یزید

---

[1] اس نام کا تلفظ مُسَوَّرؓ ہے۔ امیر ابن ماکولا نے اسی طرح ضبط کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب" میں آپ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُسدی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ایک آیت بھول گئے۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو ایک آدمی نے آپ کو وہ آیت یاد دلائی، آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے مجھے اس وقت کیوں نہ یاد دلایا؟ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۶۴، مسند احمد ۴/۷۴، وطبقات ابن سعد ۶/۳۲)

ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو منع فرما دیا تھا کہ وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور پڑھے، گویا آپ کا یہ فرمان ناسخ ہے لہٰذا کسی جھوٹے دعویٰ کے ساتھ اسے منسوخ قرار دینا جائز نہیں[1]۔

۳۸۰۔ نماز میں بھول کر گفتگو کرنا اگر کسی شخص نے بھول کر نماز میں کوئی گفتگو کر لی، تو اس کی نماز مکمل ہوگی خواہ گفتگو کم ہو یا زیادہ البتہ سجدہ سہو کرنا پڑے گا اگر کوئی جہالت کے باعث گفتگو کرے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں قصداً یا سہواً گفتگو کرنے کا ایک ہی حکم ہے اور وہ یہ کہ دونوں ہی سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نماز میں اگر قصد وارادہ سے کسی کو سلام کہا تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر بھول کر سلام کہہ دیا تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی اور یہ صریحاً تناقض ہے۔ ہمارے قول کے درست ہونے کی دلیل حسب ذیل ارشادِ الٰہی ہے:۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَ　　"اور جو بات تم سے غلطی سے ہو گئی ہو اس میں تم پر

نقل کیا ہے، ذہبی نے "المشتبہ" میں بھی اسی طرح ضبط کیا ہے "طبقات ابن سعد" میں اسے منسور ضبط کیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔

[1] امام اثنائے نماز میں اگر بھول جاتے یا اس پر قراءت کا التباس ہو جاتے تو مقتدی پر واجب ہے کہ وہ امام کو بتلائے جیسا کہ مسور بن یزید کی مذکورۃ بالا حدیث میں ہے اور نیز ابی بن کعبؓ سے ابوداؤد میں موجود ہے اسی طرح مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں بھی آثار مروی ہیں۔ اس بحث کے لیے عون المعبود، ج ۱ ص ۳۴۱ بھی دیکھیے۔ ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ یہ روایت منسوخ ہے، یہ غلط دعویٰ ہے اور صحیح یہ ہے کہ مقتدی کو جس طرح امام کو متنبہ کرنے کے لیے جبکہ امام سے کوئی غلطی ہو رہی ہو سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے اسی طرح لقمہ دینے کا حکم بھی ہے۔ (ابوالاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لٰکِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ۔ کچھ گناہ نہیں لیکن جو دل کے قصد سے کرو (اس پر
(الاحزاب - ۵) مواخذہ ہے)

۵۷۴۔ و نیز ہم نے بطریق [احمد بن عمر بن انس، از حُسین بن عبداللہ جُرجانی، از عبدالرزاق بن احمد بن عبدالحمید شیرازی، از فاطمہ بنتِ حسن بن ریّان مخزومی وراق بکار بن قُتیبہ قاضی از ربیع بن سُلیمان موذن، از بشر بن بکر از اوزاعی، از عطاء بن ابی رباح، از عُبید بن عُمیر از] حضرت ابنِ عباسؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے خطا، نسیان اور ہر اُس چیز کو معاف کر دیا ہے جس پر مجبور کیا گیا ہو۔[1]

۵۷۵۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ، از اسماعیل بن ابراہیم - ابن عُلیّہ از حجاج صوّاف، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ہلال بن ابی میمونہ، از عطاء بن یسار از] حضرت مُعاویہ بن حکم سُلمی روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا کہ ایک آدمی کو چھینک آئی، تو میں نے کہہ دیا "یرحمك اللہ" لوگوں نے مجھے ترچھی نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا تو میں نے عرض کیا افسوس! کیا بات ہے کہ تم لوگ مجھے ترچھی نگاہوں سے دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے میری یہ بات سن کر اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنا شروع کر دیا، میں نے محسوس کیا کہ یہ حضرات مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں، تو میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ پر میرے ماں باپ نثار! میں نے آپ سے پہلے اور بعد آپ سے اچھی تعلیم دینے والا کوئی معلم نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! مجھے آپ نے نہ ڈانٹا، نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا "نماز میں لوگوں کے کلام جیسی کوئی بات موزوں نہیں کیونکہ نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرائتِ قرآن کا نام ہے" او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم کتاب الصلوٰۃ و ابوداؤد و نسائی ایضاً کتاب الصلوٰۃ)۔

---

[1] اسے طحاوی نے "معانی الآثار" ج ۲ ص ۵۶ میں ربیع بن سلیمان سے روایت کیا ہے۔ یہ سند صحیح ہے۔ سیوطی نے "جامع صغیر" میں اسے حاکم (۲: ۱۹۹) کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن ماجہ نے ج ۱ ص ۳۲۲ میں اسے بطریق ولید بن مسلم از اوزاعی روایت کیا ہے امام ابنِ حزمؒ نے اسے "الاحکام" ج ۵ ص ۱۴۹ میں بھی اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ملاحظہ فرمایئے "تلخیص الحبیر" ج ۴ ص ۱۱۲، ۱۱۴، جامع العلوم لابن رجب، ص ۲۷۰ - ۲۷۲۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے قول کو باطل قرار دے رہی ہے، کیونکہ اس میں یقینی طور پر اس بات کی صراحت ہے کہ یہ حدیث نماز میں کلام کی حرمت کے بعد سے تعلق رکھتی ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی نماز کو باطل قرار نہیں دیا تھا۔

اگر کہا جائے کہ آپ نے اسے سجدۂ سہو کا بھی تو حکم نہیں دیا تھا تو ہم عرض کریں گے کہ اس سلسلہ میں صحیح طور پر ثابت شدہ امر یہ ہے کہ جس سے نماز میں کمی بیشی ہو جائے، وہ سجدۂ سہو کرے۔ پس ثابت ہوا کہ اس کو بھی اُس حکم کے ساتھ ملا لیا جائے، اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

۵۷۶۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از ابراہیم بن یعقوب از حسن بن موسیٰ از شیبان از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن از] حضرت ابوہریرہ روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ نے دو رکعتوں کے بعد ہی سلام پھیر دیا، تو بنو سُلیم کے ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا "اے اللہ کے رسُول! کیا نماز کم کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہ نماز میں کمی ہوئی ہے اور نہ ہی میں بھولا ہوں، اُس نے عرض کیا اے اللہ کے رسُول! آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں، آپ نے فرمایا کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ اُٹھے اور انہیں دو رکعت مزید پڑھائیں" (مسلم کتاب الصلٰوۃ ونسائی الصلٰوۃ فی الکبریٰ باب ۱۰۴)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس خبر سے متعلق دو قسم کے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے (۱) امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب اور (۲) ابن قاسم اور آپ کے ہم نوا کو۔

اصحاب ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ شاید اس خبر کا تعلق نماز میں کلام کی حُرمت سے پہلے کے دَور سے ہے۔ کہتے ہیں کہ مذکورہ شخص غزوۂ بدر میں شہید ہو گیا تھا۔ سعید بن مُسیّب اور امام زُہریؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ان الفاظ سے بھی استدلال کیا ہے جو بعض راویانِ حدیث نے ذکر کیے ہیں، یعنی "صلّی لنا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ نماز (مسلمانوں کو سکھانے) کے لیے پڑھی تھی

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ باطل، خلافِ واقعہ اور ظن کا ذب ہے۔ ان حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ شاید اس کا تعلق تحریم کلام سے پہلے سے ہو، یہ بھی باطل ہے کیونکہ نماز میں کلام کی حُرمت کا تعلق یقینی طور پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگِ بدر سے پہلے سے ہے، اس کی دلیل درج ذیل ارشادِ نبویؐ ہے:

۵۷۷۔ ہم سے [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابن نمیر از محمد بن فضیل از اعمش، از ابراہیم نخعی، از علقمہ از] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں: "ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا کرتے تھے (اس حال میں بھی کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے) آپ ہمارے سلام کا جواب دیتے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آتے اور آپ کو سلام کہا تو آپ نے سلام کا جواب نہ دیا اور فرمایا کہ نماز میں مشغولیت ہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ والمناقب، مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ابنِ مسعودؓ نے سرزمینِ حبشہ سے واپسی کے بعد جنگِ بدر میں شرکت فرمائی تھی نیز حضرت ابوہریرہؓ اور عمران بن حُصین بھی متأخر الاسلام ہیں اور یہ دونوں بھی حدیث ذوالیدین روایت کرتے ہیں، یہ تو جنگِ بدر کے کئی سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، اسی طرح حضرت مُعاویہ بن حُدیج بھی متأخر الاسلام ہیں۔ (اور ان سے بھی اسی طرح کی روایت ملتی ہے)

انہوں نے جو یہ کہا تھا کہ مذکورہ شخص جنگِ بدر کے دن شہید ہوگیا تھا، یہ بھی کئی اسباب کے باعث بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس سند کا سب سے اوپر کا راوی ابنِ مُسیّب ہے اور ان کی ولادت جنگِ بدر کے دس سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد ہوئی اور دوسرے اس لیے کہ جنگ بدر کے دن جو شہید ہوئے وہ ذوالشمالین ہیں، آپ کا نام عبد عمرو اور نسب خزاعی ہے جبکہ یہ نماز کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے والے ذوالیدین ہیں اور ان کا نام خرباق اور نسبت سُلمی ہے۔

ان کا حضرت ابوہریرہ کے اس قول "صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے یہ استدلال کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز سے متعلق ہے جو آپ نے مسلمانوں کو پڑھائی، جن میں حضرت ابوہریرہؓ بھی شامل تھے، یہ بھی باطل ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کے اس قول سے ثابت ہے کہ بینما انا اُصلّی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا) پس ان کے قول کا فساد ظاہر ہوگیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم بھول کر کلام کرنے کو قصد و ارادہ سے کلام پر قیاس کرلیتے ہیں؟ تو ہم ان سے یہ کہیں گے کہ قیاس تو سارے کا سارا باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت صحیح بھی ہو تو یہ بالکل باطل ہے کیونکہ قیاس کے قائل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قیاس تو کسی چیز کی نظیر پر ہوتا ہے، ضد پر نہیں اور بُھولنا تو قصد و ارادہ کی ضد ہے۔ پھر ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تم نے نماز میں سہواً کلام کو، نماز میں سہواً اسلام پر کیوں نہ قیاس کر لیا؟ یہ دونوں صورتیں باہمی زیادہ مشابہت رکھتی ہیں کیونکہ دونوں کلام ہی ہیں اور سہواً کلام کرنے اور قصد و ارادہ سے کلام کرنے کے مابین تو نہایت بیّن اور واضح فرق ہے ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

ابن قاسم اور آپ کے ہم نوا حضرات نے اس حدیث کی بنیاد پر یہ جائز قرار دیا ہے کہ لوگ نماز کی اصلاح کے سلسلہ میں دورانِ نماز امام سے گفتگو کر سکتے ہیں لیکن یہ استدلال بھی غلط ہے کیونکہ لوگوں نے تو فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کی تھی اور آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ دورانِ نماز قصد و ارادہ سے گفتگو کرنا نماز کے لیے ضرر رساں نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے گفتگو فرمائی کیونکہ آپ کے خیال میں نماز مکمل ہو چکی تھی نیز آپ کے لیے ویسے بھی کلام مباح ہے، اسی طرح اس دن لوگوں کا باہمی گفتگو کرنا اس لیے تھا کہ ان کے خیال میں نماز میں کمی کر دی گئی تھی اور جو پڑھی گئی وہ مکمل نماز تھی۔

۸۵۷۔ ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن جسور از محمد بن عبد اللہ بن ابی دلیم از محمد بن وضاح از ابو بکر بن ابی شیبہ، از محمد بن جعفر غندر، از شعبہ از حبیب بن عبد الرحمٰن از حفص بن عاصم از] حضرت ابو سعید بن مُعلّٰی روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نماز پڑھ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو بلایا لیکن مَیں نماز کی تکمیل کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہُوا اور جب حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا کیا بات ہے پہلے حاضر کیوں نہ ہُوئے؟ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے ارشادِ باری تعالیٰ نہیں سُنا کہ :

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ (الانفال۔۲۴)

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جبکہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں" (پھر راوی نے پوری حدیث کو بیان کیا۔

(بخاری کتاب التفسیر و فضائل القرآن، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ، ابن ماجہ کتاب الادب)

تو معلوم ہُوا کہ اس کا تعلق نماز میں کلام کی حُرمت کے بعد سے ہے کیونکہ حضرت ابو سعید اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر نہ ہُوئے، جب تک انہوں نے نماز کی تکمیل نہ کر لی۔ نیز یہ بھی معلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہُوا کہ نماز پڑھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام کر لینا مُباح تھا اور یہ آپ کا خاصہ تھا۔ اس میں الفاظ کو عموم پر محمول کیا جائے گا یعنی جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلائیں خواہ تم کسی بھی حالت میں ہو فوراً آپ کی بات پر لبیک کہو۔ اس بات پر بھی اہلِ اسلام کا یقینی اجماع ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز میں یہ بھی کہے :-

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ   "اے نبی! آپ پر سلامتی ہو"

ہمارے مدِمقابل حاضرین میں سے کسی کا بھی اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص قصد و ارادہ سے نماز میں یہ کہہ دے السلام علیك یا فُلاں! اس کی نماز باطل ہو جائے گی ـــــ وباللہ تعالی التوفیق

۳۸۱۔ نماز میں کپڑوں یا بالوں کا قصداً اکٹھا کرنا درست نہیں

نماز پڑھنے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ قصد و ارادہ سے نماز میں اپنے کپڑوں یا بالوں کو اکٹھا کرے کیوں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی قبل ازیں مع سند ذکر کر آتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ سجدہ سات ہڈیوں (دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور چہرہ) پر کروں اور یہ کہ بالوں اور کپڑوں وغیرہ کو اکٹھا نہ کروں (دیکھو مسئلہ ۳۶۹)

۳۸۲۔ نماز میں نظر نیچی کرنا فرض ہے

نمازی کے لیے فرض ہے کہ اپنی آنکھ کو ہر اُس چیز کی طرف دیکھنے سے بچائے جس کی طرف دیکھنا حلال نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ـــ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور: ۳۰-۳۱)

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں ـــ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔

جس شخص نے (اپنی تمام تر توجہ نماز ہی کی طرف مرکوز نہ رکھی اور) کوئی ایسا فعل سرانجام دے لیا جس کا کرنا حرام تھا تو اس نے گویا حسبِ امرِ الٰہی نماز کو ادا نہ کیا لہٰذا اس کی نماز نہ ہوگی ـــــ وباللہ تعالی التوفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ اگر کسی نے دوران نماز کسی انسان کی شرم گاہ کی طرف دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی!

۳۸۳۔ نماز میں ہنسی اور مسکراہٹ

نمازی پر فرض ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے قصداً نہ ہنسے اور نہ مسکرائے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر کسی سے سہواً ایسا ہو گیا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہو گا اور رہی قہقہہ پر تو اجماع ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ باقی رہا تبسم تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ۔ (البقرہ: ۲۳۸) "اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

قنوت کے معنی ہیں خشوع، اور تبسم ہنسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا ۔ (النمل۔۱۹) "تو وہ اس کی بات سے ہنس پڑے۔"

گویا جو نماز میں مسکرایا اس نے خشوع کو اختیار نہ کیا اور جس نے خشوع کو اختیار نہ کیا اس نے حسب امرِ الٰہی نماز کو ادا نہ کیا۔ روایت ہے کہ:

امام محمد بن سیرینؒ سے نماز میں تبسم کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے اس مذکورہ آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ تبسم بھی ہنسی ہے (ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۸۰)

قاسم بن محمد بن ابو بکرؓ کے طریق سے روایت ہے کہ آپ نے ہنسی کے باعث اپنے اصحاب کو نماز دہرانے کا حکم دیا تھا (وضو کا نہیں)، (عبدالرزاق: ۲/ ۳۷۷)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ قہقہہ و تبسم کے مابین استحسان کے قائلین نے فرق کیا ہے یعنی انہوں نے کثیر و قلیل عمل کے مابین فرق کیا ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ یہ فرق کرنا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ نماز میں ہنسنا مباح ہے یا حرام؟ اگر حرام ہے تو کمی و بیشی حرمت کے اعتبار سے برابر ہے اور اگر مباح ہے تو کمی و بیشی اباحت کے اعتبار سے برابر ہے ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق!

۳۸۴۔ کنکریوں یا سجدہ کی جگہ کو چھونا

نمازی کنکریوں یا سجدہ کی جگہ کو نہ چھوئے۔ ہاں ایک مرتبہ چھو سکتا ہے، ایک مرتبہ بھی نہ چھوئے تو افضل ہے۔ سجدہ کی جگہ کو نماز شروع کرنے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلے برابر کرلے۔ اس کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے :-

۵۷۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنّٰی از یحیٰی بن سعید قطان، از ہشام دستوائی، از یحیٰی بن ابی کثیر، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، از] حضرت مُعَیقیبؓ[1] روایت کیا کہ صحابۂ کرامؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نماز میں کنکریوں وغیرہ کو چھونے کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ چھو سکتے ہو۔ (اصحاب صحاح کتابُ الصّلوٰۃ)

۵۸۰۔ امام مسلم فرماتے ہیں، ابوبکر بن ابی شیبہ نے حسن بن موسٰی سے، وہ شیبان سے، وہ یحیٰی بن ابی کثیر سے، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، وہ حضرت مُعَیقیبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس شخص کی بابت فرمایا جو سجدہ کرتے ہوئے مٹی کو برابر کرتا ہے، اگر ضروری ہو تو ایک دفعہ کرلے۔ (مسلم کتاب الصّلوٰۃ، باب ۶۵)۔

۳۸۵۔ قاطعِ صلوٰۃ کا ذکر

نمازی کے آگے اگر کتّا ہو خواہ گزر رہا ہو یا نہ گزر رہا ہو، چھوٹا ہو یا بڑا ہو، زندہ ہو یا مُردہ ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، گدھے کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح عورت بھی خواہ گزر رہی ہو یا نہ گزر رہی ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اس سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ ہاں اگر عورت سامنے لیٹی ہوئی ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ نیز اگر عورتیں ایک دوسری کے آگے سے گزر جائیں تو اس سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔

اگر نمازی کے آگے ایک ہاتھ کے بقدر کوئی اونچی چیز ہو یعنی اتنی اونچی جتنا کہ کجاوے کا پچھلا حصہ ہوتا ہے

---

[1] مُعَیقیبؓ سے مراد ابن ابی فاطمہ دوسی ہیں، یہ زمانہ قدیم ہی میں مسلمان ہوتے تھے، حبشہ کی طرف ہجرت کی اور غزوۂ خیبر کے موقعہ پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔ ابن حجرؒ نے تہذیب میں ذکر کیا ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے۔ ابن مندہ نے بھی آپ کی اتباع میں یہی ذکر کیا ہے لیکن یہ غلط ہے یہی وجہ ہے کہ ابن ہشام اور ابن سعد نے شرکاء بدر میں آپ کا شمار نہیں کیا۔ ملاحظہ فرمائیے سیرۃ ص ۱۸۱، ۷۸۲، طبقات ج ۴ ق ۱ ص ۸۶-۸۷۔ ابن سعد نے آپ کا ذکر انصار و مہاجرین کے طبقۂ ثانیہ میں کیا ہے، جس نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں فرمائی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اس کے پیچھے سے خواہ کوئی چیز بھی گزر جائے، نماز کو نقصان نہیں پہنچاتی، خواہ وہ سُترہ سے اونچی ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح جس شخص نے نماز پڑھتے ہوئے اپنی گردن پر چھوٹی بچی کو اُٹھالیا، اُس کی نماز بھی باطل نہیں ہوگی خواہ نمازی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اس کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے:

۵۸۱ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ، از مخزومی ابوہشام مغیرہ بن سلمہ، از عبدالواحد بن زیاد، از عُبیداللہ بن عبداللہ بن اصم، از یزید بن اصم، از] حضرت ابوہریرہ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت، گدھا اور کتا نماز قطع کر دیتے ہیں، کجاوے کے پچھلے حصہ کے بقدر اگر کوئی (سُترہ) ہو تو وہ نماز کو ٹوٹنے سے بچا سکتا ہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۵۰)۔

۵۸۲ - ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از مسدّد، از یحییٰ بن سعید قطّان، از عُبیداللہ بن عمر، از نافع، از] حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آگے ایک نیزہ (بطور سُترہ) گاڑ کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ایضاً بطریق شعبہ از عبیداللہ بن ابی بکر بن انس، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۸۱)

اگر کہا جائے کہ بطریق حضرت ابوذرؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب کوئی نماز پڑھنے لگے اور اس کے آگے کجاوے کے آخری حصہ کے بقدر کوئی چیز ہو تو وہ سُترہ بن سکتی ہے، اگر ایسی کوئی چیز نہ ہو تو گدھا، عورت اور سیاہ رنگ کا کتا نماز کو توڑ دیتا ہے (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)۔

ہم عرض کریں گے کہ حدیث ابوہریرہؓ و انسؓ میں حضرت ابوذرؓ سے مروی حدیث کی نسبت زیادتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین میں جو امر زائد وارد ہو اسے قبول کرنا فرض ہے، جو شخص ایسا کرے، اس نے گویا حضرت ابوذرؓ سے مروی حدیث کے مطابق عمل کر لیا اور اس کی مخالفت نہیں کی، کیونکہ حدیث ابوذرؓ میں صرف سیاہ رنگ کے کتے کا ذکر ہے اور جس نے فقط حدیث ابوذرؓ پر ہی اکتفا کیا، اس نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ سے مروی روایت کی مخالفت کی ہے اور یہ جائز نہیں ہے[1]۔

[1] دیکھیے صفحہ آئندہ پر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے جو یہ کہا تھا کہ عورت اگر سامنے لیٹی ہوتی ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی، اس کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے۔

۵۸۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن علی از مسلم بن حجاج، از عمر بن حفص بن غیاث، از والدخود، از اعمش، از ابراہیم نخعی و مسلم ابوالضحیٰ ہر دو از مسروق،] از حضرت عائشہؓ روایت کیا، وہ فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور میں آپ کے اور قبلہ کے مابین چارپائی پر لیٹی ہوتی تھی، اسی دوران مجھے ضرورت پیش آتی تو میں پسند نہ کرتی کہ اٹھ کر بیٹھ جاؤں تاکہ آپ کو تکلیف محسوس نہ ہو بلکہ میں آپ کے پاؤں مبارک کی طرف سے نکل جاتی (بخاری، مسلم، کتاب الصلوٰۃ)

لہ (حاشیہ صفحہ سابق) مصنف سے یہاں عجیب و غریب قسم کی غلطی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آپ نے حدیث مطلق کو مقید کی نسبت زائد سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ امر معنی کی طرف راجع ہے۔ راجح بات یہ ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ثقہ راوی جب روایت میں کسی لفظ کا اضافہ کرے یا کسی قیدِ مزید کو ذکر کرے تو اس کی زیادتی کو قبول کر لیا جائے گا۔ اور جب مخرج ایک ہو تو اسی معنی میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ جب یہ اصول پیشِ نظر رکھا جائے تو پھر حدیث ابوذرؓ مصنف کی بات کی واضح طور پر تردید کر رہی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۹۴ میں حضرت عبداللہ بن صامت، حضرت ابوذرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور اس کے سامنے کجاوے کے آخری حصہ کے بقدر کچھ ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور اگر نہ ہو تو پھر گدھا، عورت اور سیاہ رنگ کا کتا (آگے سے گزر کر) نماز کو توڑ دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا ابوذرؓ! سرخ یا زرد کے بجائے کالے رنگ کے کتے کی تخصیص کیوں؟ انہوں نے فرمایا برادر زادے! میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال پوچھا تھا جو آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ سیاہ رنگ کا کتا شیطان ہوتا ہے۔ اس روایت کو امام بخاری کے علاوہ دیگر سب محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ سیاہ رنگ اور دوسرے رنگ کے کتوں میں فرق ہے، نیز یہ روایت اس بات پر بھی دلالت کناں ہے کہ اس رنگ کی زیادتی کی قید ایک حافظ کی طرف سے ہے لہٰذا اس کی رعایت رکھنا واجب ہے جس نے رنگ کے بغیر حدیث کو مطلقاً ذکر کر دیا ہے، اس نے گویا اختصار سے کام لیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ کے آگے (حالتِ نماز میں) بیٹھنے اور لیٹنے میں فرق کیا ہے۔ بیٹھنے کو آپ نے باعث اذیت بتایا ہے جبکہ لیٹنے کو اذیت کا باعث قرار نہیں دیا۔ چنانچہ ہمارے مذکورہ قول کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔ وللہ الحمد!

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ بنت ابی العاص کو گردن پر اٹھا کر نماز پڑھی ہے (دیکھو مسئلہ ۳۰۱)۔ لہٰذا جس صورت کو نص نے مستثنیٰ کیا ہم نے بھی مستثنیٰ کر دیا اور جس صورت کو نص نے باقی رکھا ہم نے بھی باقی رہنے دیا۔ سلف صالح میں سے ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

ہم نے بطریق حجاج بن منہال، از سفیان بن عُیینہ، از عبید اللہ بن ابی یزید روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا کہ کتا اور عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں (عبد الرزاق ۲/۲۷)

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید قطان از شعبہ، از قتادہ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن زید سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ، معجم کبیر طبرانی ۱۲/ ۱۰۱)۔ یہ دونوں سندیں اس قدر صحیح ہیں کہ ان سے زیادہ صحیح سند کوئی نہیں۔

ہم نے بطریق شعبہ از عبید اللہ بن ابی بکر بن انس، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۸۱)

ہم نے بطریق حجاج بن منہال، از حماد بن سلمہ، از حمید بکر بن عبد اللہ مُزَنی سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے قریب نماز پڑھ رہا تھا کہ ہمارے درمیان کتے کا ایک بچہ گھس آیا جو میرے آگے سے گزر گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ نماز کو دہرا لیں البتہ میں نہیں دہراؤں گا کیونکہ یہ میرے آگے سے نہیں گزرا ہے۔

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید قطان، از سُلیمان تیمی بکر بن عبد اللہ مُزَنی سے روایت کیا ہے کہ کتے کا ایک بچہ حضرت ابن عمرؓ کے آگے سے گزر گیا جس سے آپ کی نماز ٹوٹ گئی تھی (ابن ابی شیبہ ۱/۲۸۲)۔ یہ بھی نہایت صحیح ترین سند ہے۔

ہم نے بطریق علی بن مدینی از معاذ بن ہشام دستوائی، از والد خود، از قتادہ، از زرارہ بن اوفیٰ، از سعد بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہشام، از عامر، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ کُتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں۔ (بیہقی ۲/۲۷۴)

ہم نے بطریق عبداللہ بن مبارک از سلیمان بن مغیرہ، از حُمید بن ہلال، عبداللہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ حضرت حکم بن عمرو غفاری نے ایک سفر میں لوگوں کو نماز پڑھائی، آپ کے سامنے سُترہ بھی تھا۔ ایک گدھا آپ کے اصحاب کے سامنے سے گزر گیا تو آپ نے انہیں دوبارہ نماز پڑھائی (عبدالرزاق ۲/۱۸۔ومعجم کبیر طبرانی ۳/۲۲۴)

ہم نے بطریق حماد بن سَلمہ، از حُمید، از حسن بن مُسلِم مکی، از صَفیہ بنت شَیبہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ تم نے تو ہمیں کُتے اور گدھے کے برابر کر دیا ہے، نماز کو تو کُتا، گدھا اور بلّی توڑتی ہے۔

ہم نے بطریق سُفیان بن عُیَینہ، از زُہری، از سالم حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ کُتا اور گدھا نماز توڑ دیتے ہیں۔

عطاء اور ابنِ جُریج کا بھی یہی قول ہے مگر انہوں نے سیاہ رنگ کے کُتے کی تخصیص کی ہے نیز کہا ہے کہ حائضہ عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹتی ہے۔ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ کُتا اور حائضہ عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں۔

ہم نے بطریق شعبہ، از زیاد بن فَیّاض روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ مَیں نے ابوالاحوص — صاحب ابنِ مسعودؓ — سے سُنا، فرماتے تھے کہ کُتا، عورت اور گدھا نماز کو توڑ دیتے ہیں۔ (مُصنَّف ابن ابی شَیبہ ۱/۲۸۱)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سیاہ رنگ کا کُتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں۔ ہاں اگر عورت سامنے لیٹی ہوتی ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی نماز کو نہیں توڑتی۔ ہمارے علم میں حدیث عائشہ کے علاوہ ان ائمہ کرام کے پاس اور کوئی دلیل نہیں، اور حدیث عائشہ ان کے خلاف حُجت ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ نیز ان کی دلیل ایک یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک گدھیا پر سوار ہو کر آیا اور اُن دنوں بلوغت کے قریب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، میں صف کے آگے سے گزرا، نیچے اُتر آیا، گدھیا کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں داخل ہو گیا، کسی نے بھی میرے اس کام کی تردید نہ کی۔ (بخاری کتاب العلم والصلوٰۃ والحج والمغازی، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ کئی وجوہ کے باعث یہ حدیث ان کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اوّل اس لیے کہ:

۵۸۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن مثنیٰ، از محمد بن جعفر، از شعبہ، از] حکم بن عُتَیبَہ روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجُحَیفہؓ سے سُنا، وہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف تشریف لائے، آپؐ نے وضو فرمایا، اور ظہر کی دو رکعت نماز پڑھائی، آپؐ کے سامنے نیزہ (بطور سُترہ) گاڑا ہوا تھا۔ عون بن ابی جُحیفہ نے اپنے باپ سے اس روایت کو ذکر کرتے ہوئے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ نیزے کے پیچھے سے گدھا اور عورت گزر رہے تھے۔ (بخاری کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ والمناقب، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔

۵۸۵۔ [بدیں سند تا مسلم از عُبَیداللہ بن مُعاذ بن معاذ عنبری، از والد خود، از شعبہ از یعلیٰ بن عطاء روایت کیا، انہوں نے ابوعَلقمہ سے سُنا] انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سُنا، فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام ڈھال ہے، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو (مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۲)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ چیزوں میں سے جو امام اور مقتدی کے مابین حائل نہ ہو وہ نماز کو نہیں توڑتی؛ کیونکہ امام سب مقتدیوں کے لیے سترہ ہے خواہ صف کتنی میل لمبی ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ بلاشک اس بات پر یقینی طور پر اجماع ہے کہ جب امام کے آگے سُترہ ہو تو پھر مقتدیوں میں سے کسی کو سُترہ کا مکلف قرار نہیں دیا جاتا بلکہ سب کے لیے امام کا سُترہ ہی کافی ہوتا ہے جیسا کہ سب نے اس نیزہ پر ہی اکتفا کر لیا تھا جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن عباسؓ کی گدھی لوگوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سُترہ کے مابین حائل نہیں ہوتی تھی۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ گدھا، عورت اور کتّا نماز کو توڑ دیتے ہیں[1] اور ہمارے اور ان کے مابین یہ اصول مسلّمہ ہے کہ راوی صحابی اپنی روایت کے بارہ میں

---

[1] حضرت ابن عباسؓ سے روایتیں مختلف ہیں۔ آپ سے یہ بھی وارد ہے جو عدم قطع پر دلالت کرتا ہے اور جو آپ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ جانتا ہے۔ پھر اس کے علاوہ اگر کچھ اور یہ صحیح ہو ــــ اور ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا ــــ تو جو حضرت ابوہریرہؓ، انسؓ اور ابوالدرداء نے روایت کیا ہے، وہ بلاشک یقینی طور پر اس کے لیے ناسخ ہے۔ جس پر ان روایات سے قبل ان کا عمل تھا۔

انہوں نے دو حدیثیں اور بھی ذکر کی ہیں۔ ایک تو بطریق عباس بن عبداللہ بن عباس، از حضرت فضل بن عباسؓ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے، آپ نے نماز پڑھی گدھی اور کتیا آپ کے آگے تھیں[1]۔

اثبات قطع کے سلسلہ میں وارد ہے، اسے ایک دوسرے معنی پر محمول کیا جاتے گا جیسا کہ طحاوی نے معانی الآثار ج ۱ ص ۲۶۶ میں حضرت عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ پوچھا گیا کہ نماز کو کون سی چیز توڑ دیتی ہے؟ انہوں نے کہا کتّا اور گدھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں) یہ چیزیں نماز کو نہیں توڑتیں لیکن مکروہ ہے (کہ یہ چیزیں نمازی کے آگے سے گزریں)۔ نسائی نے ج ۱، ص ۱۲۲ میں حضرت صُہیب سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس سے سُنا فرماتے تھے کہ بنو ہاشم کا ایک نوجوان گدھے پر سوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سے گزرا، آپ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے، وہ نیچے اُترا اور صف میں داخل ہو گیا، بنو عبدالمطلب کی دو بچیاں دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے دونوں گھٹنوں کو پکڑ لیا، آپ نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور نماز سے علیحدہ نہیں ہوئے۔

[1] ابوداؤد نے اسے ج ۱ ص ۲۶۱ کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے، الفاظ یہ ہیں کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہمارے پاس جنگل میں تشریف لائے، حضرت عباسؓ بھی آپ کے ساتھ تھے، آپؐ نے صحرا میں نماز پڑھی، آپؐ کے آگے کوئی سترہ بھی نہ تھا، ہماری گدھی اور کُتیا آپ کے آگے کھیل رہی تھیں، آپؐ نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ نسائی نے اسے ج ۱ ص ۱۲۳ کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے اور اس روایت میں ہے کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور اس روایت کے آخر میں ہے کہ گدھی اور کُتیا کو نہ ڈانٹا گیا اور نہ پیچھے ہٹایا گیا۔ طحاوی نے بھی ج ۱ ص ۲۶۶ میں اس کے ہم معنی روایت ذکر کی ہے۔ (بیہقی ۲/ ۲۷۸ میں بھی یہ روایت ہے، ونیز مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۸ میں محمد بن عمر بن علی از فضل بن عباس بھی یہ روایت مروی ہے) لیکن محمد بن عمر، فضل بن عباس کے بعد پیدا ہوتے ہیں لہٰذا یہ روایت بھی صحیح نہیں)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے استدلال کرنا باطل ہے کیونکہ روایت صحیح نہیں۔ عباس بن عبید اللہ نے اپنے چچا فضل کا زمانہ نہیں پایا۔

دوسری حدیث انہوں نے یہ ذکر کی ہے، جو بطریق مجالد از ابوالوداک، حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی (ہاں جو سامنے آئے) اسے تم مقدور بھر پیچھے دھکیل دو۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۱۶ و ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۸۰)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ابوالوداک ضعیف ہے اور مجالد بھی انہی کی مانند ہے[1]۔ پھر اگر یہ سب کچھ صحیح ثابت بھی ہو جائے، تو یہ لازم نہیں آتا کہ ایک روایت کو لے لیا جائے اور باقی سب کو چھوڑ دیا جائے، محض خواہشِ نفس سے تو ایسا ہو نہیں سکتا، ہاں کوئی واضح دلیل ہو تو الگ بات ہے۔ اگر یہ آثار صحیح بھی ہوں —— حالانکہ صحیح نہیں ہیں —— تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کہ کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتے ہیں، پہلے کے احکام کے لیے ناسخ ہے جو یہ تھے کہ حیوانات میں سے کوئی چیز نماز کو نہیں توڑ سکتی، جیسا کہ گھوڑا، بلی اور خنزیر کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، تو یہ بات بالکل غیر مخفی اور باطل ہے کہ جس امر کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ ناسخ ہے اسے ترک کر دیا جائے اور جس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ منسوخ ہے، اسے لے لیا جائے۔ اور یہ بھی امر محال ہے کہ منسوخ

---

[1] ابوالوداک کا نام جبر بن نوف بکالی ہے۔ ثقہ ہیں۔ ابن معین (تاریخ عثمان الدارمی عنہ ترجمہ ۲۲۱) و ابن حبان (ثقات ۴/ ۱۱۷) نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام نسائیؒ کے اقوال آپ کی بابت مختلف ہیں کبھی تو فرمایا "صالح" ہیں اور کبھی فرمایا کہ "لیس بالقوی" اور جس راوی کے بارے میں ائمہ اس قسم کے الفاظ ذکر فرمائیں اس پر ضعیف ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ امام مسلمؒ نے بھی ان سے روایت ذکر کی ہے، باقی رہے مجالد تو یہ ابن سعید ہمدانی کوفی ہیں۔ امام احمدؒ اور کئی دیگر ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آپ کے بارے میں کلام کیا ہے لیکن آپ "صدوق" ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی آپ کو "صدوق" قرار دیا ہے، امام مسلمؒ نے دیگر رواۃ کے ساتھ ملا کر آپ کی روایت لی ہے۔ اس قسم کے راوی کی حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا، اس لیے امام ابوداؤدؒ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں میں تنازعہ ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ آپ کے بعد صحابہ کرام کا عمل کیا تھا (عون المعبود ۱/ ۲۶۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالت یا حکم پھر عود کر آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عود کر آنے کی وضاحت نہ فرمائیں۱؎

۱؎ راجح بات یہ ہے کہ ان اشیاء کے ساتھ نماز ٹوٹنے کی حدیث منسوخ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ نماز کو کوئی چیز توڑ نہیں سکتی، اس میں اشارہ ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس قسم کی اشیاء سے نماز کا ٹوٹ جانا مشہور و معروف تھا اور جو شخص حدیث کے معنی میں تأمل و تفکر کرے اس کے لیے گویا صراحت ہے پھر دوسری احادیث میں یہ بھی وارد ہے جو اس کی تائید کرتا ہے، الطحاوی ص ۱۴۰-۱۴۱، اور بیہقی، ج ۲ ص ۲۷۷، ۲۷۸ میں بطریق ابراہیم بن منقذ خولانی، از ادریس بن یحییٰ ابو عمرو معروف بالخولانی، از بکر بن مضر از صخر بن عبداللہ بن حرملۃ، انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے سُنا، وہ فرماتے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ان کے آگے سے ایک گدھا گزرا، تو عیاش بن ابی ربیعہ نے کہا سُبحان اللہ، سُبحان اللہ، سُبحان اللہ! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ ابھی ابھی کون سُبحان اللہ کہہ رہا تھا؟ انہوں نے کہا یا رسُول اللہ! مَیں نے کہا تھا، کیا گدھا نماز کو توڑتا نہیں؟ آپ نے فرمایا نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی۔ باغندی نے مسند عمر بن عبدالعزیز میں از عبداللہ بن ہشام بن عبیداللہ روایت کیا ہے (دیکھو حدیث ۷) پھر حافظ ابوالحسین محمد بن مظفر بن موسیٰ راوی مسند نے باغندی سے، از محمد بن موسیٰ حضرمی، از ابراہیم بن سعد دونوں ہی از ادریس بن یحییٰ روایت کیا ہے (دیکھو حدیث ۸)۔ اور ادریس بن یحییٰ کا ترجمہ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل ۱/۱/۲۶۵ میں دیا ہے اور انہیں صدوق و افاضل المسلمین میں شمار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن جوزیؒ نے "تحقیق" میں جب اپنے مذہب کی نصرت و حمایت کا ارادہ کیا تو اس حدیث کو صخر بن عبداللہ کے باعث ضعیف قرار دے دیا حالانکہ یہ ان کی شدید غلطی ہے کیونکہ انہوں نے خیال کیا ہے کہ شاید یہ "صخر بن عبداللہ حاجبی منقری" ہے، وہ کوفی اور متاخر ہے، مالک اور لیث سے روایت کیا ہے۔ ۲۲۰ھ کے قریب تک باقی رہا ہے۔

لیکن اس سند میں جو راوی ہے، وہ صخر بن عبداللہ بن حَرْمَلہ مُدلجی ہے، جو حجازی و قدیم ہے۔ ۱۳۰ھ کے قریب موجود تھے اور ثقہ ہیں۔ باغندی نے مسند عمر ص ۱، ج ۹ میں کہا ہے ہم نے ہشام بن خالد ازرق از ولید بن مسلم، از بکر بن مضر مصری از صخر بن عبداللہ مدلجی روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ مَیں نے عمر بن عبدالعزیز سے سُنا وہ عیاش بن ربیعہ مخزومی سے بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ہمارے سامنے سے ایک گدھا گزرا، عیاش نے کہا سُبحان اللہ! جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ سُبحان اللہ کس نے کہا تھا؟ عیاش نے کہا "مَیں نے یا رسُول اللہ! کیوں کہ مَیں نے سُنا ہے کہ گدھا نماز کو توڑ دیتا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی!"

مَیں نے "التحقیق لابن الجوزی" کی جو شرح لکھی ہے اس میں اس روایت کے بعد لکھا ہے کہ یہ سند صحیح ہے مگر عمر بن عبدالعزیز نے عیاش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض مخالفین نے فرمانِ باری تعالیٰ:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۔ (فاطر: ۱۰)

"اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتے ہیں۔"

سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ عملِ صالح کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی!

ابن حزمؒ فرماتے ہیں، حالانکہ ان حضرات کے نزدیک اگر آدمی اپنی عورت کا بوسہ لے لے، آلۂ تناسل کو چھولے اور درہم بغلی سے زیادہ پیشاب لگ جائے تو ان امور سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اگر جان بوجھ کر دُبر سے ہوا خارج کر دی جائے، تو سب کے نزدیک نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ عورتوں کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ان کی سب سے بہتر صف آخری صف ہے (حوالہ پہلے گزر چکا) اور صحیح یہ ہے کہ بعض عورتیں بعض کی نماز کو قطع نہیں کرتیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۳۸۶۔ نماز و دعا میں آنکھ اوپر اٹھانا حلال نہیں

نمازی کے لیے نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا حلال نہیں ہے اور نہ نماز کے علاوہ دعا وغیرہ میں آسمان

سے سماع نہیں کیا کیونکہ عیاش ۵۱ھ میں فوت ہو گئے تھے لیکن اسے حضرت انسؓ سے ایک دوسری روایت پر محمول کیا جائے گا۔ گویا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب اسے حضرت انسؓ سے سنا تو کبھی تو آپ سے روایت کر دیا اور کبھی اسے عیاش سے مرسلاً روایت کر دیا اور اس سے آپ کا ارادہ روایتِ قصہ کا تھا نہ کہ ذکرِ اسناد کا۔ رواۃ حدیث سے ایسا بکثرت ثابت ہے خصوصاً قدماء کے ہاں یہ معمول رہا ہے اور اس بات کی اس میں صریحاً دلالت ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ حکم مذکور ہے کہ عورت، گدھا اور کتا نماز کو توڑ دیتے ہیں، منسوخ ہیں۔ عیاش نے سنا تھا کہ گدھا نماز کو توڑ دیتا ہے۔ عیاش ان سابقین و مہاجرین میں سے ہیں، جنہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں، پھر مکہ میں محبوس ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں آپ کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہے یعنی آپ کو پہلے حکم کا تو علم ہوا لیکن نسخ کا علم نہ ہو سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو معلوم کروایا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی۔ یہ تحقیق دقیق اور استدلال ظریف ہے، سابقہ حضرات میں سے کسی کے ہاں ہم نے یہ نہیں دیکھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی طرف نظر اٹھانا جائز ہے۔

۵۸۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از ابوکریب از ابومعاویہ از اعمش، از مسیّب بن رافع از تمیم بن طرفہ از] حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ دورانِ نماز آسمان کی طرف اپنی آنکھیں اوپر اٹھانے سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں ان کی طرف واپس ہی نہیں آئیں گی۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ والدارمی ایضاً فی الصلوٰۃ)

صحیح طرق کے ساتھ یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (انس رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ ابن عمر کی روایت ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب الخشوع فی الصلوٰۃ وطبرانی کبیر ۱۲/۲۸۷ میں ہے۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آگے آرہی ہے)

۵۸۷۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات از ابن مفرج از عبداللہ بن جعفر بن ورد از یحییٰ بن ایوب بن بادی علاف از یحییٰ بن بکیر، از لیث بن سعد، از جعفر بن ربیعہ، از عراک بن مالک واعرج، دونوں از] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ دعا کے وقت آنکھیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھوں ہی کو اچک لیا جائے گا[1]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید شدید ہے اور وعید صرف حرام اور کبیرہ گناہ پر ہی ہوتی ہے، جو چیز مباح اور مکروہ ہو اس پر وعید بالکل نہیں ہوتی اور نہ ہی صغیرہ مغفورہ گناہ پر وعید ہوتی ہے۔ سلف میں سے ایک جماعت نے بھی یہی فرمایا ہے جیسا کہ درج ذیل روایت سے ثابت ہے۔

ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از زیاد بن فیاض تمیم بن سلمہ[2] سے روایت کیا ہے کہ

---

[1] مسلم نے ج ۱ ص ۱۲۷، نسائی نے ج ۱ ص ۱۸۷ میں اسے بطریق ابن وہب از لیث، از جعفر از اعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگ نماز میں بوقت دعا اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں ورنہ پھر ان کی نظروں ہی کو اچک لیا جائے گا۔

[2] یہ روایت مرسل ہے کیونکہ تمیم بن سلمہ نے ابن مسعود کو نہیں پایا، ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوتی جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن مسعودؓ نے کچھ لوگوں کو نماز میں آسمان کی طرف آنکھیں اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ لوگ نماز میں آسمان کی طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھنے سے باز آجائیں ورنہ ان کی نظریں ان کی طرف لوٹیں گی ہی نہیں! نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اپنے سر کو امام سے پہلے اٹھاتا ہے، اسے ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو کتے کے سر سے نہ بدل دے (عبدالرزاق ۲/۲ ۳۷، معجم کبیر طبرانی ۹/۴ ۲۷ وابن ابی شیبہ ۲/۲۴۰)

ہم نے بطریق حماد بن سلمہ از عمران بن حدیر ابو مجلزؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ شخص جو آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے، کیا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی نظر کو اچک لے؟ کیا وہ یہ نہیں دیکھتا کہ فرشتے اتر رہے ہیں!۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ حنفی اس شخص کی نماز کو باطل قرار دیتے ہیں جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے ایک طرف کوئی عورت بھی اسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہی ہو لیکن یہ اس عورت کو دور ہٹانے پر قادر نہ ہو، اسی طرح ان کے نزدیک اس شخص کی نماز بھی باطل ہے، جو بھول کر نماز میں گفتگو کرلے۔ مالکی اس شخص کی نماز کو باطل قرار دیتے ہیں جس نے ایسے پانی کے ساتھ وضو کرکے نماز پڑھ لی ہو جس میں روٹی بھگوئی گئی ہو اور شافعی اس شخص کی نماز کو باطل قرار دیتے ہیں جس کے کپڑوں پر اس کے جسم، داڑھی یا سر کا کوئی بال ہو حالانکہ ان میں سے کسی شخص کی نماز کے باطل ہونے کے سلسلہ میں کوئی نص یا دلیل نہیں ہے اور پھر یہ حضرات اس شخص کی نماز کو جائز قرار دیتے ہیں جس نے نماز میں قصداً کوئی ایسا کام کر لیا جس کی حرمت نص سے ثابت ہو یا جس کے سلسلہ میں کوئی شدید وعید آئی ہو ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۸۷۔ عورت کا آدمی کے قریب نماز پڑھنا

اگر کسی عورت نے ایک ایسے شخص کے پہلو میں نماز پڑھ لی جس کی یا جس کے امام کی اس نے اقتداء نہ کی تو یہ جائز ہے۔ اگر آدمی نے عورت کی امامت کی نیت نہ کی ہو لیکن عورت نے اقتداء کی نیت کرلی ہو تو آدمی کی نماز صحیح لیکن عورت کی نماز باطل ہو گی۔ اگر آدمی نے عورت کی امامت کی نیت کرلی اور عورت اس بات پر قادر رہے کہ اس سے پیچھے ہٹ کر نماز پڑھ لے تو دونوں ہی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر دونوں ہی ایک امام کی اقتداء کر رہے ہوں اور دونوں میں سے کوئی بھی کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو دونوں ہی کی نماز درست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گی۔ اگر عورت کسی دوسری جگہ منتقل ہونے پر قادر ہو مگر آدمی کو قدرت نہ ہو تو عورت کی نماز باطل مگر آدمی کی نماز صحیح ہو گی۔ اگر آدمی عورت کو پیچھے ہٹانے پر قادر ہو مگر وہ ایسا نہ کرے تو دونوں کی نماز باطل ہو گی۔

۵۸۸۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب، از عمرو بن علی از یحییٰ بن سعید قطان، از شعبہ از عبداللہ بن مختار، از موسیٰ بن انس بن مالک، از] حضرت انسؓ بن مالک روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور میرے گھر کی ایک عورت کو نماز پڑھائی، مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور عورت ہمارے پیچھے تھی۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۵۸۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از قُتیبہ بن سعید، از مالک بن اَنس، از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، از] حضرت انس بن مالکؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور یتیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف باندھی اور عورت ہمارے پیچھے تھی، آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں اور پھر تشریف لے گئے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ۔)

اس سے معلوم ہُوا کہ عورت ایک ہو، دو ہوں یا زیادہ، ان کا مقام آدمیوں کے پیچھے ہے، نہ تو کسی آدمی کے ساتھ عورت کھڑی ہو سکتی ہے اور نہ ہی آدمی سے آگے۔ اسی طرح آدمی خواہ ایک ہو یا دو یا زیادہ، ان کا مقام عورت سے آگے ہے، عورت خواہ ایک ہو، دو ہوں یا زیادہ۔

جس شخص نے ایسی جگہ سے تجاوز کیا جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور کسی ایسی جگہ نماز پڑھ لی جہاں سے اللہ نے اسے منع فرمایا ہے، تو اس نے اس عمل میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا اور اس نماز کو ادا نہ کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ یاد رہے معصیت، اطاعت سے کفایت نہیں کر سکتی! امام ابوحنیفہ[1] اور بعض اصحاب ابوسلیمان ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔

---

[1] بعض علماء حنفیہ نے جو یہ روایت ذکر کی ہے کہ "أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللَّهُ" یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ ابن مسعود کا کلام ہے۔ عبدالرزاق نے اسے مصنف (۳/۱۴۹) میں روایت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے نصب الرایہ (ج ا ص ۲۴۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاں اگر کوئی شخص ایسی جگہ نماز پڑھنے سے عاجز ہو گیا جہاں اسے حکم تھا تو اس کے لیے فرمانِ باری تعالیٰ یہ ہے :

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔ (الانعام - ۱۱۹) "جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں، وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں مگر اس صورت میں کہ تم ناچار ہو جاؤ (یعنی اضطراری کیفیت تم پر طاری ہو جائے)"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ" (حوالہ کئی بار گزرا)

۳۸۸ - نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا جس نے نماز میں قصداً کمر پر ہاتھ رکھ لیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح جو شخص اپنے ہاتھ یا دونوں ہاتھوں پر قصداً اعتماد کر کے بیٹھ گیا، اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔

۵۹۰ - ہم نے بطریق [حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبد الملک بن ایمن از اسماعیل بن اسحاق از یحییٰ بن حبیب بن عربی، از حماد بن زید، از ایوب سختیانی، از محمد بن سیرین، از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۴۷)

۵۹۱ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از سوید بن نصر، از عبداللہ بن مبارک، از ہشام بن حسان، از محمد بن سیرین، از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمر پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ وایضاً دارمی، ابوداؤد و بخاری کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی پہلا قول بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر کے خلاف ہو وہ مردود ہے" (بخاری و مسلم)

سلف میں سے ایک جماعت سے بھی یہی قول منقول ہے جیسا کہ درج ذیل روایات سے ثابت ہے :

ہم نے بطریق وکیع، از اعمش، از ابوالضحیٰ، از مسروق، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا، یہودیوں کا فعل ہے۔ آپ نے اسے انتہائی ناپسند سمجھا۔ (بخاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فی ذکر بنی اسرائیل وعبدالرزاق ۲/ ۲۷۳ وابن ابی شیبہ ۲/ ۴۷)

ہم نے بطریق وکیع، از ثور بن زید، از خالد بن معدان، امّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے نماز میں اپنے ہاتھ کو کمر پر رکھا ہوا تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جہنمی جہنم میں اسی طرح ہوں گے۔[1] (مصنّف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۷)

ہم نے بطریق وکیع، از سعید بن زیاد از زیاد بن صبیح حنفی روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پہلو میں نماز پڑھی، اور اپنے ہاتھ کو کمر پر رکھ لیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس سے منع فرمایا کرتے تھے (ابوداؤد، نسائی کتاب الصّلوٰۃ ومصنّف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۷)

حضرت ابن عباسؓ نے نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے کو مکروہ سمجھا اور فرمایا کہ ایسی حالت میں شیطان حاضر ہوتا ہے۔ (مصنّف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۷)

ہم نے بطریق سُفیان ثوری، صالح بن نبہان سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے ہاتھ کو کمر پر نہ رکھے کیونکہ ایسی حالت میں شیطان حاضر ہوتا ہے۔ (عبدالرزاق ۲/ ۲۷۴)

ہاتھ پر اعتماد کے سلسلہ میں درج ذیل روایات ملاحظہ فرمائیے!

۵۹۲ ۔ ہم نے بطریق [ضمام، از ابن مُفرّج، از ابن الاعرابی، از دَبری، از عبدالرزاق، از معمر، از اسماعیل بن اُمیّہ، از نافع، از] حضرت ابن عمرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا کہ کوئی شخص نماز میں اپنے ہاتھ پر اعتماد کرکے بیٹھے۔ (عبدالرزاق ۲/ ۱۹۷، ابوداؤد کتاب الصّلوٰۃ باب ۱۸۸)

نیز عبدالرزاق (از ابن جُریج) فرماتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن میسرہ نے خبر دی کہ انہوں نے عمرو بن شُرید سے سُنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے خبر دیتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کا نماز میں بائیں ہاتھ پر

---

[1] اسی معنی میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک مرفوع روایت بھی ہے کہ کمر پر ہاتھ رکھنا جہنمیوں کی راحت ہوگی۔ اس روایت کو ابن خزیمہ (۲/ ۵۷) وابن حبان (۴۸۰) نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے جیسا کہ "ترغیب" ج ۱ ص ۱۹۳ میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹھنا مَغضُوب عَلَیہِم لوگوں کی نشست ہے (یہ روایت مُرسل ہے۔ عبدالرزاق ۲/۱۹۸)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "ایسے نماز پڑھو جیسے تم نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ) پس جس مرد یا عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف نماز پڑھی تو اُس نے امرِالٰہی کے خلاف نماز پڑھی لہٰذا اس کی یہ نماز نہ ہوگی، نماز میں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے خلاف ہے اور اس مسئلہ میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

ہم نے بطریق نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگا رکھی تھی تو فرمایا کیا بات ہے تم نماز میں اس طرح کیوں بیٹھتے ہو، جس طرح مَغضُوب عَلَیہِم لوگ بیٹھتے ہیں۔ (عبدالرزاق ۲/۱۹۷)

۳۸۹ ۔ رکعتوں اور سجدوں کی تعداد کی پابندی

رکعتوں اور سجدوں کی تعداد کی پابندی فرض ہے، اس پابندی کے بغیر نماز درست نہیں۔ ہر قیام کے لیے ایک رکوع، ہر رکوع سے ایک بار سر اُٹھانا، دو سجدے اور ہر دو سجدوں کے درمیان جلسہ ہے۔ اُمت میں سے کسی کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔

جو شخص ایک سجدہ بھول جائے اور دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس کی پہلی رکعت نامکمل ہو گی اور دوسری کے لیے اُٹھنا لغو اور لاشئ ہو گا۔ اگر کسی نے قصد و ارادہ سے ایک سجدہ کو ترک کر دیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اس کا رکوع اور رکوع سے سر اٹھانا سب کچھ لغو ہو گا کیونکہ نسیان تو قابلِ معافی ہے اگر کوئی بھول نے کے بعد پھر دوسرا سجدہ کر لے تو اس کی رکعت پوری ہو جائے گی۔ اگر کوئی شخص اپنی نماز کی ہر رکعت میں سے ایک سجدہ بھول جائے ــــ اگر نماز صبح اور جمعہ کی ہے یا بحالتِ سفر ظہر، عصر یا عشاء کی ہے ــــ تو اس کی ایک رکعت درست ہو گی لہٰذا اسے دوسری رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔ اگر مغرب کی نماز ہے تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہے، اسے ایک سجدہ کر کے دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے، دوسری رکعت مکمل کر کے تشہد کے لیے بیٹھ جائے اور پھر تیسری رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کرے۔

اگر حالتِ حضر میں ظہر، عصر اور عشاء کی نماز ہے، تو اس کی دو رکعتیں صحیح ہوں گی جیسا کہ ہم نے قبل ازیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذکر کیا، اسے دوسری دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ اس کی دلیل حسب ذیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (آل عمران: ۱۹۵) "میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص کوئی ایسا عمل کرے، جو ہمارے امر کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے" (بخاری و مسلم)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ عمل جس کو اس کے موقعہ و محل پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سرانجام دیا جائے، وہ درست ہے اور ہر وہ عمل جسے موقعہ و محل کے بغیر، آپ کے فرمان کے برعکس انجام دیا جائے، وہ مردود ہے۔ یہی اصول ہمارے قول کی بنیاد ہے ـــــــ وَ لِلّٰہِ تعالیٰ الحمد!

امام شافعی، داؤد ظاہری اور کئی دیگر ائمہ کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت کے قیام، رکوع، رکوع سے سر اٹھانے اور سجدہ، سب کچھ کو باطل قرار دے لے اور دوسری رکعت کو صحیح شمار کرے۔

اور یہ غلط ہے کیونکہ آپ نے فاسد قیام، فاسد رکوع اور فاسد رفع کو صحیح قرار دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اس کے غیر موقعہ و محل پر رکھا ہے کہ اگر قصد و ارادہ سے کوئی ایسا کرتا تو اس کی نماز باطل ہو جاتی اور اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ نیز امام مالکؒ نے ایسے قیام، رکوع، سر کے اٹھانے اور سجدہ کو لغو قرار دیا ہے۔ جو باجماعِ اُمّت درست ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہمارا ارادہ تو یہ ہے کہ دو سجدوں کے مابین کسی اور عمل کو حائل نہ ہونے دیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ نے احرام کے درمیان نماز کو حائل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور قیام و قراءت کے مابین جو متصل ہی ہیں۔ اس عمل کو آپ نے باطل قرار دیا ہے، ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھول کر نماز میں کچھ ایسے اعمال کا دخول ہو گیا جو نماز میں سے نہ تھے، مثلاً سلام، کلام، چلنا پھرنا، ٹیک لگانا اور گھر میں داخل ہونا وغیرہ، ان میں سے کسی عمل نے بھی آپ کی نماز کو ذرّہ بھر نقصان نہ پہنچایا، پس معلوم ہوا کہ بھول کر انسان سے کوئی عمل نماز میں حائل ہو جائے تو وہ نقصان نہیں پہنچاتا۔

اگر کہا جائے کہ سجدہ سے اس نے یہ نیت نہیں کی تھی کہ اس کا تعلق پہلی رکعت سے ہے۔ اس نے نیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ کی تھی کہ اس کا تعلق دوسری رکعت سے ہے [illegible]
ہم عرض کریں گے کہ یہ امر نماز کے لیے نقصان دہ نہیں ہے [illegible]
سلام پھیر دیا تھا، اس کے بارے میں نیت یہ کی تھی کہ یہ جلسہ چوتھی رکعت کا ہے [illegible]
پھر آپ نے اسے دوسری رکعت ہی کا شمار کر لیا، اسی طرح جس شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین [illegible]
اسے اس کے یقین کے مطابق نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی طرح اگر اسے شک ہو کہ زیادہ پڑھ چکا ہے (تو سجدہ سہو کا حکم دیا)۔ اس صورتِ حال میں نماز پڑھنے والے کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ تیسری رکعت پڑھ رہا ہے لیکن شاید وہ چوتھی رکعت پڑھ رہا ہو، یہ صورتِ حال اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔

پھر ہم عرض کریں گے کہ یہ صورتِ حال تو تم پر بھی لازم آتی ہے اور وہ اس طرح کہ نمازی نے تکبیرِ تحریمہ سے تو اس رکعت کے لیے نیت کی ہوتی ہے جو تحریمہ سے متصل ہوتی ہے جسے تم نے باطل قرار دے دیا ہے، اس رکعت کے لیے تو نیت نہیں کی ہوتی جسے تم اب پہلی رکعت کہہ رہے ہو؟

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نماز کے آخر میں مسلسل چار سجدے کرے، نماز مکمل ہو جائے گی، لیکن یہ کلام حد درجہ فاسد ہے کیونکہ آپ نے مسلسل چار رکعتوں کے بارے میں تو یہ فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک بھی پوری نہیں ہوئی اور یہ بالکل باطل ہے۔ اور پھر آپ نے مسلسل چار سجدوں کا حکم دیا، جن کا اللہ تعالیٰ نے قطعاً کوئی حکم نہیں دیا ہے گویا آپ نے قصداً اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي کی مخالفت کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس تعلیم کی مخالفت کی ہے جو آپ نے نماز پڑھنے والے کو دی تھی، جو بطریق ابوہریرہؓ و رفاعہ بن رافع مروی ہے، ہم یہ سب کچھ قبل ازیں مع سند ذکر کر آئے ہیں۔ یہ حضرات اصحابِ قیاس ہونے کے دعویدار ہیں اور اس بارے میں ان کا اختلاف نہیں ہے کہ نمازی کے لیے جان بوجھ کر رکعت سے پہلے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ قصداً ایک رکوع کے بعد سجدہ سے پہلے دوسرا رکوع کرنا جائز ہے، اور پھر یہ حضرات بعینہٖ یہی امور جائز قرار دے رہے ہیں ——— وباللہ تعالی التوفیق

۳۹۰۔ سجدہ میں بازوؤں کا بچھانا جائز نہیں

نمازی کے لیے یہ حلال نہیں کہ سجدوں میں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے، اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے جسے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۹۳۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری از محمد بن بشار از شعبہ از قتادہ، از] حضرت انس بن مالکؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سجدوں میں اعتدال کو اختیار کرو اور کوئی اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ پھیلائے جیسا کہ کتا پھیلاتا ہے (بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابووائل، حضرت حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع وسجود صحیح طریقے سے نہیں کر رہا تھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا تم نے نماز پڑھی ہی نہیں (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۲۶ و باب ۲۸۳)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے ہاتھوں کو سجدوں میں پھیلا لیا، اس کے سجدے مکمل نہ ہوئے، اور جس کے سجدے مکمل نہ ہوتے، حضرت حذیفہؓ کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوئی۔ صحابہ کرام میں سے آپ (یعنی حضرت حذیفہؓ) کا کوئی اس مسئلہ میں مخالف بھی نہیں ہے۔

۳۹۱۔ نمازی کے لیے آگے یا دائیں طرف تھوکنا جائز نہیں

نمازی پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آگے یا دائیں طرف نہ تھوکے، خواہ نماز پڑھ رہا ہو یا نہ پڑھ رہا ہو، اسے حکم یہ ہے کہ حالتِ نماز میں اپنے کپڑے میں تھوک لے، یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دے، یا بائیں طرف دُور تھوک پھینک دے بشرطیکہ تھوک مسجد کو نہ لگے، یا اپنے پیچھے تھوک کو پھینک دے، بشرطیکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

مسجد میں حالتِ نماز کے علاوہ بھی تھوکنا بالکل جائز نہیں۔ ہاں اگر تھوک کو دفن کر دے تو پھر جائز ہے اس کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے۔

۵۹۴۔ ہم نے بطریق [حمام از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از دبری، از عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از منصور بن معتمر از ربعی بن حراش، از] طارق بن عبداللہ محاربی روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ جب نماز پڑھو تو اپنے آگے یا دائیں طرف تھوک نہ پھینکو، اگر بائیں جانب خالی ہو تو اس طرف تھوک دو ورنہ اپنے پاؤں کے نیچے، آپ نے پاؤں کے ساتھ زمین کی طرف اشارہ کیا اور پاؤں سے زمین کو کھودا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(عبدالرزاق ۱/۴۳۲، واحمد ۲/۴۹۶، والحاکم ۱/۲۵۶، وابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، اور ترمذی وحاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے موافقت کی ہے)

یہ حدیث اس سے بھی زیادہ جلیل المرتبت سند کے ساتھ مروی ہے اور وہ ہے از شعبہ از قتادہ، از حضرت انس بن مالکؓ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔" (بخاری، مسلم کتاب الصلوٰۃ) نیز از ہمام بن منبہ، از ابوہریرہؓ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری کتاب الصلوٰۃ) اور از ابن عمرؓ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری والدارمی کتاب الصلوٰۃ) - نیز حضرت ابوہریرہ (عبدالرزاق ۱/۴۳۰) - وحضرت حذیفہؓ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۶۴، و عبدالرزاق ۱/۴۳۲ وابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ) سے بھی ممانعت منقول ہے اور صحابہ کرام میں سے کوئی ان دونوں کا مخالف نہیں ہے۔

۵۹۵ - ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری، از بخاری، از آدم، از شعبہ، از قتادہ از] حضرت انس بن مالکؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا غلطی ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے۔ (بخاری، مسلم کتاب الصلوٰۃ)

۵۹۶ - [بدیں سند تا بخاری از حفص بن عمر، از شعبہ از قتادہ، از] حضرت انس بن مالکؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے آگے یا دائیں طرف نہ تھوکے بلکہ بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔ (بخاری، مسلم کتاب الصلوٰۃ)

یہ حدیث عموم کا تقاضا کرتی ہے اور حالتِ نماز و غیر نماز کو شامل ہے، سلف صالح کا بھی یہی مذہب تھا چنانچہ حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مسجد میں تھوک دیا اور چلے گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو آگ کا ایک شعلہ پکڑا ہوا تھا، اس کے ساتھ آپ نے تھوک کو ختم کر کے دفن کر دیا۔

بطریق سفیان ثوری، از ابو اسحاق سبیعی، عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس تھے، آپ نے تھوکنے کا ارادہ کیا، دائیں طرف اگرچہ جگہ خالی تھی لیکن آپ نے دائیں طرف تھوکنے کو پسند نہ فرمایا حالانکہ نماز میں بھی نہ تھے (عبدالرزاق ۱/۴۳۵)

بطریق سفیان ثوری، از خالد حذاء، از ابو نصرؒ، از عبداللہ بن صامت) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے[1]

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ بیمار تھے اور آپ نے بیماری ہی کی حالت میں فرمایا کہ میں جب سے مشرف بہ اسلام ہوا ہوں میں نے اپنی دائیں طرف نہیں تھوکا (عبدالرزاق ۱/۴۳۵)

بطریق ابن جریج از ابن نعیم روایت ہے، انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے سنا وہ اپنے بیٹے عبدالملک سے اُس وقت فرما رہے تھے جب انہوں نے راہ چلتے ہوئے اپنے دائیں طرف تھوک لیا تھا، آپ اپنے ساتھی کو تکلیف دے رہے ہیں، بائیں جانب تھوکا کیجیے (عبدالرزاق ۱/۴۳۵)

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از منذر بن ثعلبہ، ہمام بن حناس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عمرؓ نے نماز کے علاوہ بھی دائیں طرف تھوکنے سے منع کیا۔

بطریق ابواسحاق سبیعی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن میمون کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، انہوں نے تھوکنے کا ارادہ کیا مگر بائیں طرف جگہ نہ پائی تو پیچھے کی طرف جھانک کر تھوک دیا۔

بطریق ہمام بن یحیٰی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں محمد بن سیرین کے پاس گیا، اس وقت آپ نماز میں مصروف ہو چکے تھے۔ آپ نے تھوکنے کا ارادہ کیا، بائیں طرف دیوار تھی، آپ نے بائیں طرف سے تھوک کو مسجد سے باہر پھینک دیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے یہ مسئلہ اسی طرح منقول ہے اور کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی[۲] ——— و باللہ تعالیٰ التوفیق!

(حاشیہ صفحہ سابق) ابونصر کا نام حمید بن ہلال ہے۔ یہ ثقہ تابعی ہیں ان کا ترجمہ ثقات ابن حبان ۱۴۷/۴، اور تاریخ کبیر للامام بخاری ۳۴۴/۲ میں ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ابونضرہ چھپا ہے جو غلط ہے۔

[۱] ہمام بن حناس ثقہ تابعی ہیں، ان کا ترجمہ ثقات ابن حبان ۵۱۱/۵، اور الجرح والتعدیل ۱۰۷/۹ میں ہے۔

[۲] صحابہ کرام ہی سے نہیں بلکہ تابعین سے بھی یہ اسی طرح منقول ہے کیونکہ مصنف نے جن جن شخصیتوں کا تذکرہ کیا ہے یہ سب صحابہ نہیں بلکہ ان میں تابعین بھی شامل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۹۲۔ اُونٹ کے بیٹھنے کی جگہ پر نماز دُرست نہیں

اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ پر بھی نماز پڑھنا حلال نہیں۔ اس سے مُراد گھر یا چراگاہ کی جگہ ہے، جہاں پانی وغیرہ پینے کے بعد اُونٹ آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں یا بیٹھ جاتے ہیں، اگر یہ جگہ صرف ایک یا دو اونٹوں کے لیے ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ جب تین یا تین سے زیادہ کے لیے ہو تو پھر نماز پڑھنا حرام ہے۔

اِستدراک کے بعد دوبارہ ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ جگہ جسے اونٹوں کے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے لیے مخصوص کیا گیا ہو وہاں نماز درست نہیں ہے، خواہ وہ جگہ صرف ایک اُونٹ کے لیے ہو یا زیادہ کے لیے، جیسا کہ ہم اس کے بعد عرض کریں گے اِن شاء اللہ تعالیٰ[1]

اونٹ کی طرف مُنہ کر کے یا اونٹ پر سوار ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے، اگر اونٹ کسی ایسی جگہ آگیا ہو جو اونٹوں کے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی مخصوص جگہ نہ ہو تو وہاں بھی نماز جائز ہے جس شخص نے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لی خواہ دانستہ یا نادانستہ۔ اس کی نماز باطل ہوگی۔ اس کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے:۔

۵۹۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابو کامل فُضیل بن حُسَین جَحْدری، اور قاسم بن زکریا۔ ابو کامل نے تو از ابو عوانہ، از عثمان بن عبداللہ بن مَوْہَب بیان کیا اور قاسم بن زکریا نے از عبیداللہ بن موسیٰ از شیبان بیان کیا، اور پھر دونوں یعنی ابن موہب اور شیبان نے از جعفر بن ابی ثور، از] حضرت جابرؓ بن سَمُرہ روایت کیا کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا کیا میں اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لُوں، آپؐ نے فرمایا نہیں۔ (مُسلم، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۵۹۸۔ ہم نے بطریق [یونس بن عبداللہ از ابو عیسیٰ بن ابو عیسیٰ قاضی، از احمد بن خالد، از ابن وَضّاح، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از یزید بن ہارون، از ہشام بن حَسّان، از محمد بن سیرین، از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم بکریوں کے باڑوں اور اُونٹوں کے احاطوں کے علاوہ اور کوئی جگہ نہ پاؤ تو پھر بکریوں کے

---

[1] استدراک کی یہ عبارت نسخہ ۱۵۳ھ کی گئی ہے۔ اور یہ اضافہ نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ابن حزمؒ کے مراتب بلند فرمائے کہ پہلے تو ان سے خطا ہوئی لیکن جونہی دلیل سے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہُوا تو انہوں نے فوراً حق کی طرف رجوع کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باڑوں میں تو نماز پڑھ لو لیکن اُونٹوں کے احاطوں میں نہ پڑھو۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۳۸۵ بیہقی ۲/۴۴۹، دارمی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ و صححہ الترمذی فی الصلوٰۃ)

حدِ درجہ صحیح سند کے ساتھ یہ روایت حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے بھی مروی ہے گویا یہ نقلِ تواتر موجبِ علمِ یقین ہے (دیکھو تخریج تحفۃ الاحوذی ۱/۲۸۲ میں)

اس مسئلہ میں بعض مخالفین نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دیگر انبیاء کرام کی نسبت مجھے چھ خصوصی فضائل سے سرفراز کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آپؐ نے یہ ذکر فرمایا کہ ساری زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، لہٰذا تمہیں جہاں کہیں بھی نماز کا وقت آجائے، پڑھ لو۔" (مسلم، ترمذی) یہ دلیل پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ یہ فضیلت ہے اور فضائل منسوخ نہیں کیے جاتے۔ نیز انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ بھی پیش کیا ہے:

وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔ (البقرہ: ۱۴۴-۱۵۰)　　"مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اسی قبلہ کی طرف رُخ کیا کرو۔"

ہم عرض کریں گے کہ یہ سب کچھ برحق ہے اور یہاں نسخ کا کوئی دخل نہیں بلکہ واجب یہ ہے کہ تمام نصوص کو استعمال میں لایا جائے اور تمام نصوص کو استعمال میں لانے کی صرف یہی راہ ہے کہ اقل کو اکثر سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور اس صورت میں تمام نصوص کے مطابق عمل ہو جائے گا۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نصوص میں سے بعض کی مخالفت کرے یا اپنی خواہشِ نفس سے بعض کو بعض پر غلبہ دے دے۔

پھر اگر یہ مخالف شافعی یا حنفی ہیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ بیت الخلاء یا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر نماز پڑھنے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اور اگر مخالف مالکی ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ جوفِ کعبہ میں فرض نماز کی ادائیگی کی بابت آپ کیا فرمائیں گے؟ اور اگر مخالف ہمارے اصحابِ ظواہر میں سے ہیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ غصب شدہ زمین میں نماز ادا کرنے کے بارے میں آپ کا مذہب کیا ہے؟

کیونکہ یہ سب حضرات ان مقامات میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور ان مقامات کو آیتِ مذکورہ اور فضیلت منصوصہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مسجدِ ضرار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا (التوبہ۔ ۱۰۸)　"تم اس میں کبھی بھی نماز کے لیے کھڑا نہ ہونا"

یعنی مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کو حرام قرار دیا، حالانکہ وہ بھی زمین ہی میں سے ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ فضیلت باقی ہے اور زمین ساری کی ساری مسجد اور پاک ہے۔ ہاں وہ زمین مسجد نہیں ہے جس میں نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے (یا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) منع فرما دیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر اور اونٹ کی جہت میں بھی نماز پڑھی ہے؟ ہم عرض کریں گے کہ بالکل صحیح اور جو اس سے منع کرتا ہے، اس کا منع کرنا سراسر باطل ہے، جو شخص اونٹ پر نماز پڑھے، یا اونٹ کی سمت میں نماز پڑھ لے، وہ اونٹوں کے احاطہ میں تو نماز نہیں پڑھتا جس کی ممانعت آئی ہے۔ اونٹ کی طرف نماز پڑھنے کی ممانعت تو نہیں ہے۔

بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھتے ہوئے، کذب و جرأت سے کام لیتے ہوئے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آپ نے اونٹوں کے احاطوں میں نماز پڑھنے سے اونٹوں کے اڑیل ہونے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہونے کے باعث منع کیا ہے یا اس لیے کہ چرواہے وہاں پیشاب کر دیتے ہیں۔[1]

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف محض کذب کا انتساب ہے اور آپ کی طرف ایک باطل خبر کی نسبت ہے، جسے آپ نے قطعاً بیان نہیں کیا، اس قسم کی بات کا عام لوگوں کی طرف انتساب بھی گناہ اور فسق ہے، تو آپ کی طرف انتساب کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ اگر آپ کا ارادہ یہ ہوتا جو یہ ذکر کر رہے ہیں، تو آپ یقیناً بیان فرما دیتے۔

فرض کرو کہ یہ بات درست ہے جو انہوں نے کہی ہے ——— اور اللہ کی پناہ کہ درست ہو ——— کیونکہ اس کی ممانعت و حرمت ابھی تک اس کے باوجود باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ ممانعت کو تو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور پھر اپنی طرف سے ممانعت کے علل و اسباب ذکر کر دیتے ہیں اور پھر جس کی ممانعت صحت کے ساتھ ثابت ہے اسے جائز سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ کیا طریق کار ہے؟ ونعوذ باللہ من البلاء۔

---

[1] یہ قول اصحاب مالک و شافعی کی طرف منسوب ہے جیسا کہ نیل الاوطار میں امام شوکانی نے ذکر کیا ہے (۲/ ۱۲۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ اونٹوں کے احاطوں میں نماز نہ پڑھو (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۸۶) امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جس شخص کے پاس اونٹ کے احاطے کے علاوہ اور کوئی جگہ نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا اس میں نماز نہ پڑھے۔ آپ سے دوبارہ پوچھا گیا کہ اگر وہ کوئی کپڑا بچھالے تو؟ آپ نے فرمایا پھر بھی نہ پڑھے[1]۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ جو شخص اُونٹ کے احاطے میں نماز پڑھے، وہ ہر حال میں اسے دُہرائے۔

اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ آپ نے اونٹوں کی بابت فرمایا کہ انہیں شیاطین سے پیدا کیا گیا ہے (ابن ماجہ عن عبداللہ بن مغفل) تو ہم عرض کریں گے کہ یہ بالکل برحق ہے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو اونٹوں کے احاطوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے تو اس پر اس سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ بے شک ایک یا دو اونٹوں کے رہنے کے لیے جو جگہ مقرر کر دی جائے اس کو مبارک الابل یعنی اونٹوں کا باڑہ کہا جائے گا اور اس پر "عطن" کا لفظ یعنی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بھی بولا جائے گا۔ اور ہر "عطن" پر مبرک کا لفظ بولا جائے گا لیکن ہر مبرک کو عطن نہیں کہا جائے گا کیونکہ "عطن" کا لفظ اُس وقت بولا جاتا ہے جب اُونٹ پانی پی کر جس جگہ حوض کے پاس تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور بس۔ لیکن مبرک اس سے عام ہے اس لیے کہ اس کا اطلاق ہر حال میں اس کے بیٹھنے کی جگہ پر بولا جاتا ہے۔ لیکن جب کسی عطن یا مبرک سے اس کے عدمِ استعمال کی وجہ سے نام ختم ہو جائے تو پھر اس جگہ نماز جائز ہے۔

ہم نے جو یہ کہا تھا کہ اونٹوں کے احاطے میں نماز جائز نہیں، خواہ کوئی دانستہ پڑھے یا نادانستہ، تو یہ اس لیے کہ اس نے غیر موضع و مکان میں نماز ادا کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے زمان و مکان کی پابندی لگائی ہے اگر ان کی پابندی نہ کی جائے، تو نماز درست نہیں اور اگر کوئی زمان و مکان کی پابندی کیے بغیر پڑھ لے، تو اس نے گویا اس نماز کو ادا نہیں کیا جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، بلکہ اس نے کوئی اور ہی نماز پڑھی ہے ——— وباللہ

[1] "المدونہ" ج ۱ ص ۹۰ میں قاسم سے روایت ہے کہ میں نے امام مالکؒ سے اونٹوں کے احاطوں میں نماز پڑھنے کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا، ان میں کوئی خیر نہیں ہے (یہاں جو عبارت ہے وہ شوکانی نے نیل ۲/۱۳۷ میں ذکر کی ہے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ التوفیق۔

۳۹۲۔ حمام اور قبرستان میں نماز جائز نہیں

حمام میں نماز پڑھنا حلال نہیں، اس کے دروازے سے لے کر تمام حدود تک حکم یکساں ہے۔ اسی طرح حمام کی سطح، پانی گرم کرنے کی جگہ، چھت اور اس کی دیواروں کی بلندیوں پر بھی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ حمام خراب ہو چکا ہو یا اپنی صحیح حالت میں قائم ہو اگر حمام کی عمارت گر گئی ہو حتیٰ کہ اسے اب حمام کا نام ہی نہ دیا جاتا ہو تو پھر اس جگہ پر نماز جائز ہے۔

قبرستان میں بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، قبرستان خواہ مسلمانوں کا ہو یا کافروں کا سب کا ایک حکم ہے، اگر کافروں کے قبرستان کو اکھاڑ کر مدفون مُردوں کو باہر نکال کر دُور کر دیا جائے تو پھر اس جگہ نماز جائز ہے۔ اسی طرح نہ قبر کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ قبر کے اُوپر نماز جائز ہے۔ قبر خواہ کسی نبی کی ہو یا غیر نبی کی، سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔

اگر کوئی شخص نماز کے لیے قبر، یا قبرستان، یا حمام، یا اونٹوں کا احاطہ، یا کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ، ایسی جگہ جہاں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے کے علاوہ نماز کے لیے اور کوئی جگہ نہ پائے تو وہ واپس لوٹ جائے اور وہاں جمعہ و جماعت نہ پڑھے۔

اگر کوئی شخص ان مذکورہ مقامات میں سے کسی جگہ قید کر دیا جائے تو وہ اسی جگہ نماز پڑھے گا اور اس جگہ سجدہ کرنے سے اجتناب کرے گا جس جگہ سے اس کو بچنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن حتی الامکان وہ اپنے سامنے کی جگہ سے قریب تر ہو گا لیکن وہاں پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے نہیں رکھے گا بلکہ اکڑوں بیٹھ جائے، اگر بیٹھنے یا لیٹنے کے علاوہ اور کسی چیز پر قادر نہ ہو تو جیسے قدرت ہے، ایسے ہی پڑھ لے، نماز ہو جائے گی۔ اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:۔

۵۹۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عبداللہ بن محمد بن عثمان از احمد بن خالد از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از عمرو بن یحییٰ انصاری از والد خود، از] حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمام اور قبرستان کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے[1]۔ (حاشیہ صفحہ نمبر ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۰۰ - ہم نے بطریق [احمد بن محمد طلمنکی، از ابن مُفرِّج، از محمد بن ایوب رقّی از احمد بن عمرو بزار از ابوکامل جحدری، از عبدالواحد بن زیاد از عمرو بن یحییٰ مازنی، از والدِ خود از] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ حمام اور مقبرہ کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے[1]۔

امام بزارؒ فرماتے ہیں کہ عمرو بن یحییٰ سے ابوطُوالہ[2] عبداللہ بن عبدالرحمٰن انصاری اور احمد بن اسحاق[3] نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ بعض ایسے لوگوں کا کہنا ہے جو دینی اُمور میں گفتگو کرتے ہوئے انجام سے نہیں ڈرتے کہ اس حدیث کو سُفیان ثوریؒ نے مُرسلاً بیان کیا ہے اور اس کی اسناد میں موسیٰ بن اسماعیل نے حماد بن سلمہ[4]

(حاشیہ صفحہ سابقہ) دارمی ص ۱۶۸، ترمذی ج ۱ ص ۶۵، ۶۶، حاکم ج ۱ ص ۲۵۱ سب نے بطریق عبدالعزیز بن محمد از عمرو بن یحییٰ، از والدِ خود، از حضرت ابوسعید مرفوعاً روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد نے ج ۱ ص ۱۸۴ ونیز امام شافعی نے "الام" ج ۱ ص ۹۲ میں از سفیان بن عُیَینہ، از عمرو بن یحییٰ، از والدِ خود مرفوع مرسل روایت کیا ہے۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہٰذا) عبدالواحد بن زیاد کی روایت کو حاکم نے ج ۱ ص ۲۵۱ میں بطریقِ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی از عبدالواحد ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی نے ان تمام طرق کو ج ۲، ص ۴۳۴، ۴۳۵ میں ذکر فرمایا ہے۔

[2] ابوطُوالہ ثقہ اور حجّت ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں آپ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔

[3] احمد بن اسحاق، دونوں نسخوں میں یہ نام اسی طرح ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون ہیں؟ ظنِ غالب یہ ہے کہ یہ نام محمد بن اسحاق ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ امام ترمذی کا کلام ذکر کریں گے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ اس روایت کو محمد بن اسحاق نے موصولاً بھی ذکر کیا ہے۔

[4] موسیٰ بن اسماعیل کے شک کا ذکر ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۸۴ میں ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا امام حاکمؒ نے اسے بغیر شک کے موصول ومسند بھی ذکر کیا ہے، سفیان ثوری کا جو اسے مرسل ذکر کرنا ہے، تو یہ ترمذی وبیہقی کا خیال ہے، مجھے تو یہ روایت صرف بطریق سفیان بن عُیَینہ، امام شافعی کے نزدیک مرسل نظر آتی ہے اور یہ شاید سفیان نام کی وجہ سے اشتباہ ہوا ہے۔ عجیب وغریب بات یہ کہ امام بیہقی نے اسے بطریق یزید بن ہارون از ثوری موصول روایت کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں شک کیا ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ خصوصاً یہ حضرات تو کہتے ہیں کہ مُسنَد و مُرسَل ایک جیسی ہی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں اور پھر موسیٰ کے شک سے ان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جبکہ حجاج نے شک نہیں کیا؟ حجاج اگر موسیٰ سے بلند پایہ نہیں تو کم مرتبہ بھی نہیں! یا سفیان نے اسے جو مرسلاً بیان کیا ہے تو اس سے انہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جبکہ حماد اور عبدالواحد و نیز ابو طُوالہ اور ابنِ اسحاق نے مسند یعنی مرفوع روایت

ثوری مرسل ہے، اسے موصول بھی روایت کیا گیا ہے اور یہ موصول روایت لاشئی ہے۔ حدیث حماد بن سلمہ کے موصول ہونے کے سلسلہ میں عبدالواحد بن زیاد اور دَراوَردی یعنی عبدالعزیز بن محمد نے متابعت بھی کی ہے اور یزید بن ہارون حافظ و حجت ہیں لیکن یہاں فقط اپنے مذہب کی نصرت و حمایت مقصود ہے (یعنی بیہقی کا یہ کہنا کہ موصول روایت لاشئی ہے، یہ محض اپنے مذہب کی حمایت کے پیش نظر ہے)۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوسعید عبدالعزیز بن محمد سے دو طرح نقل کی جاتی ہے۔ ایک طریق میں ابوسعید کا ذکر ہے تو دوسرے طریق میں نہیں اور یہ ایک مضطرب روایت ہے۔ سفیان ثوری نے از عمرو بن یحییٰ از والد خود از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرسل روایت کیا ہے اور محمد بن اسحاق نے از عمرو بن یحییٰ، از والد خود روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی اکثر سندوں میں ابوسعید از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے لیکن اس مذکورہ سند میں ابوسعید کا ذکر نہیں ہے، گویا ثوری کی "از عمرو بن یحییٰ، از والد خود از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم" والی روایت زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے۔ ثوری یا ابن عُیَینَہ کا اسے مرسل ذکر کرنا یا موسیٰ بن اسماعیل کا شک ـــــ اگر شک ثابت ہو تو ـــــ اس حدیث کے لیے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ ثقہ راویوں کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور جو کسی امر کو حفظ کرے وہ اس پر حجت ہے، جو اسے حفظ نہ کر سکے۔

یہ حدیث ایک اور صحیح طریق سے بھی وارد ہے جو موصول روایت کرنے والوں کی تائید کرتا ہے۔ یہ روایت مستدرک حاکم میں بطریق بشر بن مُفَضَّل، از عمارہ بن غزیہ از یحییٰ بن عمارہ انصاری از والد عمرو بن یحییٰ از ابوسعید خدری مرفوع ہے۔ اسی وجہ سے حاکم نے اسے اس سند نیز "عبدالواحد اور دَراوَردی از عمرو، از والد خود" ان دو سندوں کے ساتھ روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب اسانید صحیح اور بخاری و مسلم کی شرط پر ہیں، علامہ ذہبیؒ نے بھی امام حاکمؒ کی موافقت کی ہے اور دونوں کا قول صحیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے اور یہ سب عادل ہیں۔

۶۰۱۔ ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن جسور، از احمد بن فضل دینوری، از محمد بن جریر طبری، از محمد بن بشار بندار، از عبدالرحمٰن بن مہدی از عبداللہ بن مبارک، از عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر از بُسر بن عُبید اللہ[1]، از ابوادریس خولانی از واثلہ بن اسقع، از] ابومرثد غنوی روایت کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الجنائز و نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۶۰۲۔ ہم نے بطریق [حمام از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از دبری، از عبدالرزاق، از معمر، از زہری، از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ از] حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ روایت کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ وفات قریب تھا، تو آپ اپنے چہرۂ اقدس پر اپنی چادر مبارک کو ڈال لیا کرتے اور جب حبس محسوس کرتے تو اسے اپنے چہرے سے ہٹا دیا کرتے اور فرمایا کہ "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے اس فرمان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ڈرا رہے تھے کہ کہیں تم بھی ان جیسے اعمال نہ شروع کر دینا (عبدالرزاق ۱/۴۰۶، بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۵۵، مغازی باب ۸۴، و ذکر بنی اسرائیل، و لباس باب ۱۹، مسلم، نسائی، کتاب الصلوٰۃ، احمد ۱/۲۱۸، ۶/۳۴، ۸۰، ۱۲۱، ۱۴۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۷۴، و ابن سعد ۲/۲/۳۴)۔

۶۰۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از اسحاق بن ابراہیم و ابوبکر بن ابی شیبہ۔ اور یہ الفاظ ابوبکر بن ابی شیبہ کے ہیں۔ از زکریا بن عدی، از عبیداللہ بن عمرو رقی از زید بن ابی انیسہ، از عمرو بن مرہ، از عبداللہ بن حارث نجرانی، از] حضرت جندبؓ روایت کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات سے پانچ دن پہلے یہ سنا، فرماتے تھے کہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو

---

[1] بُسر بن عُبید اللہ، بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بُسر نے پہلے تو ابوادریس کے واسطہ سے واثلہ سے حدیث کو سنا اور پھر براہ راست واثلہ سے بھی سنا یہی وجہ ہے کہ مسند احمد (۴/۱۳۵) اور صحیح مسلم (۱/۲۶۵) میں آپ سے یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مذکور ہوئی ہے، نیز ابوداؤد اور مسند میں سماع کی صراحت بھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں" یہ ایک لمبی حدیث ہے (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۵۶ وطبقات ابن سعد ۲/۲/۳۴)، نسائی کتاب التفسیر سورۃ النساء ح ۱۴۳)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد قبور مشرکین تھی، تو یہ آپ کے ذمہ جھوٹی بات لگائی گئی ہے کیونکہ آپ نے تو عمومی طور پر سب قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کی شدید مذمت فرمائی ہے جنہوں نے انبیاء وصلحاء کی قبروں کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کیا تھا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں، ہم نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے، مذکورہ متواتر آثار اس کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں اور کسی کے لیے بھی انہیں ترک کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

سلف صالح میں سے بھی بہت سے حضرات سے اسی طرح منقول ہے۔ چنانچہ حضرت نافع بن جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ قبروں کے درمیان، حمام اور درختوں کے جھنڈ[1] میں نماز پڑھنی منع ہے (عبدالرزاق ۱/۴۰۶)

بطریق سفیان ثوری، از حبیب بن ابی ثابت از ابی ظبیان، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بیت الخلا، حمام اور قبرستان میں نماز نہ پڑھو (عبدالرزاق ۱/۴۰۵ وبیہقی ۲/۴۳۵)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی اس مسئلہ میں ابن عباس کا مخالف ہو، اور اصحاب تقلید کی تقلید سے جب اس قسم کا قول موافق ہو تو پھر وہ حضرات اس کی بڑی قدر کرتے ہیں۔

بطریق سفیان ثوری، از مغیرہ بن مقسم، حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ صحابہ بیت الخلاء، حمام اور قبر کو قبلہ بنانا مکروہ سمجھتے تھے۔ (عبدالرزاق ۱/۴۰۵)

بطریق علاء بن زیاد، از والد خود، خیثمہ بن عبدالرحمٰن روایت ہے کہ حمام اور بیت الخلاء کی طرف منہ کرکے نماز نہ پڑھو اور نہ قبرستان کے درمیان میں پڑھو۔

---

[1] الحش میں ح پر زبر و پیش اور شین مشدد ہے جس کے معنی نخلستان یا بستان کے ہیں، کھجوروں کے جھنڈ وغیرہ میں لوگ رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے، اس وجہ سے یہاں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ حش کی جمع حشان اور حشان اور جمع الجمع حشاشین ہے۔ لسان میں بھی اسی طرح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جو حمام میں نماز پڑھے، اسے ہر صورت میں اسے دوہرانا پڑے گا۔

بطریقِ وکیع، از سفیان ثوری، از حُمَید، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے ایک قبر کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو مجھے منع کر دیا اور فرمایا کہ قبر آپ کے سامنے ہے (فتح الباری ۱/ ۴۳۷)۔

بطریقِ معمر از ثابت بُنانی، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، قبر کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو۔ ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ میرا ہاتھ پکڑ لیتے اور نماز کے ارادے کے وقت قبروں سے دُور ہو جاتے۔ (امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۸ "ھل تُنبش قبور المشرکین الجاھلیۃ" میں تعلیقاً بیان کیا ہے۔ وعبد الرزاق ۱/ ۴۰۴ وبیہقی ۲/ ۴۳۵)۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے بدترین لوگ ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ نہ قبر کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھو اور نہ قبر پہ نماز پڑھو۔ (معجم کبیر طبرانی ۱۱/ ۳۷۶)۔

بطریقِ ابن جُریج، از ابن شہاب، از سعید بن مُسَیَّب، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔[1]

---

[1] مُصنّف نے اس حدیث کو موقوف ذکر کیا ہے، میرا خیال ہے کہ آپ نے اسے عبد الرزاق (۱/ ۴۰۶) سے لیا ہے، امام احمد نے اسے "مسند" ج ۲، ص ۲۸۵ میں بطریقِ محمد بن بکر و عبد الرزاق از ابن جُریج روایت کیا ہے۔ ابن بکر نے تو اسے مرفوع بیان کیا۔ لیکن عبد الرزاق نے مرفوع بیان نہیں کیا، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، بخاری ج ۱ ص ۱۹۰، مسلم ج ۱ ص ۱۴۹، ابوداؤد، ج ۳، ص ۲۱۰، سب میں یہ روایت بطریقِ مالک از زہری، از سعید بن مُسَیَّب، از حضرت ابوہریرہؓ مرفوع مروی ہے۔ امام احمدؒ نے مُسند میں اسے اور بھی متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے ملاحظہ فرمائیے ج ۲ ص ۲۸۴، ۲۸۵، ۴۵۳، ۴۵۴ اور ۵۱۸، مسند احمد کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے"۔ مسلم میں جو روایت از یزید بن اصم از ابوہریرہ ہے اس میں بھی نیز "المحلّی" کے بعض نسخوں میں بھی یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن جریج سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کیا قبروں کے وسط میں یا قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو آپ مکروہ سمجھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں، اس کی ممانعت ہے۔ اگر آپ کے اور قبلہ کے مابین قبر ہو تو نماز نہ پڑھو اور اگر آپ کے اور قبر کے درمیان ایک ہاتھ برابر سترہ ہو تو پھر نماز پڑھ لو (عبدالرزاق ۱/۴۰۴)

ابن جریج فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن دینار سے قبروں کے وسط میں نماز پڑھنے کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، اس کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی (عبدالرزاق ۱/۴۰۶)۔

ابن جریج ہی سے روایت ہے مجھے عبداللہ بن طاؤس نے اپنے باپ سے خبر دی کہ مجھے صرف یہی معلوم ہے کہ آپ قبروں کے وسط میں نماز پڑھنے کو شدید طور پر مکروہ سمجھتے تھے (عبدالرزاق ۱/۴۰۷)

بطریق سفیان ثوری از منصور بن معتمرؒ روایت ہے کہ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں، صحابہ جب کسی جنازہ کے لیے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو وہ نماز جنازہ قبروں سے الگ ہو کر پڑھتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس نے قبرستان میں یا قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، اسے ہر حال میں یہ نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ جلیل القدر صحابہ کرام یعنی حضرت عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابوہریرہؓ، انسؓ اور ابن عباسؓ کا اس مسئلہ میں کوئی دوسرا صحابی مخالف نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، اوزاعیؒ اور سفیانؒ نے قبر کی طرف منہ کر کے، قبرستان میں اور قبر پر ان سب صورتوں میں نماز کو مکروہ سمجھا ہے البتہ امام مالکؒ ان صورتوں میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ آپ کے بعض مقلدین نے آپ کی طرف سے یہ دلیل دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ رنگ کی مسکین عورت کی قبر پہ نماز پڑھی تھی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بہت تعجب انگیز بات ہے کہ یہ حضرات اس حدیث کے مضمون کی مخالفت کرتے ہیں یعنی جو دفن کر دیا گیا ہو اس پر جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے لیکن جس چیز کی طرف اس حدیث میں کوئی اشارہ تک بھی نہیں ہے، اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

یہ سب آثار حق ہیں، چنانچہ ان مذکورہ مقامات میں نماز پڑھنا جائز نہیں البتہ نماز جنازہ جائز ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ قبرستان میں بھی پڑھی جا سکتی ہے، اس قبر پر بھی جس میں صاحبِ جنازہ مدفون ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی، جس امر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، ہم اسے حرام سمجھتے ہیں، آپ کی سُنت کے مطابق عمل ہمارے نزدیک تقرّبِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے آپ کا امر، نہی اور فعل سب برحق ہے، اس کے علاوہ سب باطل ہے۔ والحمد للہ رب العلمین!

ہم نے جو یہ عرض کیا تھا کہ اگر مذکورہ مقامات کے علاوہ، اسے کوئی اور جگہ نہ ملے تو واپس لوٹ آئے تو یہ اس لیے کہ اسے ایسی جگہ میسّر نہ آئی، جہاں نماز پڑھنا حلال تھی، اسی طرح اگر اس قدر بھیڑ ہو کہ اس کے لیے رکوع و سجود ممکن نہ ہو تو وہ بھی واپس آجائے اور ایسی جگہ نماز نہ پڑھے۔

قیدی چونکہ مقامِ قید کو چھوڑنے پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ اسے کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کی استطاعت ہوتی ہے لہٰذا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مصداق ہے کہ "جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو رک جاؤ اور جب حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ" (حوالہ پہلے گزر چکا) اس فرمان کی روشنی میں قیدی جس فریضہ کی ادائیگی سے عاجز ہے وہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اسے صرف وہی فرض ادا کرنا پڑے گا جس کی ادائیگی کی اسے قدرت ہے یا جس سے اجتناب کی اسے طاقت ہے۔ اللہ تعالےٰ کا بھی فرمان ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔"

۳۹۴ غَصب کی زمین پر نماز جائز نہیں

غصب شُدہ زمین یا بغیر حقِ ملکیت بیع فاسد، یا فاسد ہبہ یا کسی دوسرے فاسد طریقہ سے جو قبضہ کر لی گئی ہو اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں، اسی طرح کوئی غصب شُدہ کشتی ہو یا کشتی میں کوئی ایسا غصب شدہ تختہ لگا ہُوا ہو کہ اگر وہ نہ ہو تو پانی اسے غرق کر دے، اگر وہ کشتی سے باہر نکلنے پر قادر ہے مگر نکلتا نہیں اور اسی میں نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس کی نماز باطل ہو گی!

اسی طرح ناحق حاصل کیے ہوئے جلتے نماز، جانور، کپڑے یا عمارت وغیرہ میں بھی نماز جائز نہیں۔ اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح کشتی میں لگائے ہوئے کیل کانٹے وغیرہ یا وہ دھاگے جن سے کپڑوں کی سلائی کی گئی ہو، اگر ناحق طریقے سے حاصل کیے ہوئے ہوں تو ان میں بھی نماز جائز نہیں۔

اگر نمازی کو اس جگہ سے علیحدگی اختیار کرنے کی بالکل طاقت نہ ہو، نہ کشتی سے اتر کر باہر جا سکتا ہو یا تختہ پانی کو داخل ہونے سے نہ روکتا ہو، یا عمارت کو سائے اور پردے کے لیے استعمال نہ کرتا ہو یا اس شخص کی پہچان ہی سے مایوس ہو گیا ہو جس کی کسی چیز کو ناحق لیا تھا، یا کشتی اور عمارت کو تو غصب نہیں کیا تھا لیکن لوگوں نے ظلم سے اسے مغلوب کر دیا، تو ان سب صورتوں میں نماز جائز ہے، خواہ اسے اس جگہ سے الگ ہونے کی قدرت ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح اگر اسے سردی اور اس کی اذیت یا گرمی اور اس کی اذیت کا ڈر ہو تو ناحق حاصل کیے ہوئے کپڑے میں یا کپڑے پر نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ اس کپڑے کے مالک کو شدید ضرورت نہ ہو، وگرنہ نہیں۔ نیز مباح زمین یعنی جس کے مالک کو کوئی خطرہ نہ ہو اور نہ اس نے منع کیا ہو تو اس میں بھی نماز جائز ہے۔ اس کی دلیل حسب ذیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا	"مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں
بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ	کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے اور ان
تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ	بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اگر تم گھر میں کسی کو
اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ	موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس
وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا	میں مت داخل ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ (اس وقت)
هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ	لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لیے بڑی
(النور ۲۷-۲۸)	پاکیزگی کی بات ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں"۔ یہ حدیث صحیح ہے بطریق ابی بکرہ رضی اللہ عنہ (تحفۃ الاشراف ح - ۱۱۶۸۲) وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (فتح الربانی ۲۱۵/۱۲) اور نبیط بن شریط الاشجعی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(مسند احمد ۴/ ۲۰۵، ۲۰۶) مروی ہے۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "جس نے کوئی ایسا عمل کیا، جو ہمارے امر کے خلاف ہو تو وہ مردُود ہے۔" (بخاری، مسلم)

جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے کسی مکان میں داخل ہونا یا اس میں اقامت اختیار کرنا حرام قرار دیا ہو یا کسی کپڑے کو پہننا اور اس میں تصرّف کرنا یا کسی اور چیز کا استعمال کرنا حرام قرار دیا ہو اور وہ ان میں کسی حرام چیز کو نماز کے لیے استعمال کرے تو اس نے نماز ایسے ادا نہیں کی جیسے اسے حکمِ الٰہی تھا اور جو شخص حکمِ الٰہی کے مطابق نماز ادا نہ کرے، اس نے گویا بالکل ہی نماز ادا نہیں کی۔ نماز اطاعت و فرض ہے۔ قیام، قعود، اقامت اور کچھ لباس پہننا نماز میں فرض ہے، اگر نمازی کسی ایسے وقت بیٹھ گیا جب دورانِ نماز اس کے لیے بیٹھنا منع تھا، یا کسی حرام میں تصرّف کر لیا یا حرام چیز کو استعمال کر لیا تو اس نے معصیت کا ارتکاب کیا اور اس کا وہ بیٹھنا معصیت کا بیٹھنا ہُوا، اور یہ سراسر باطل ہے کہ حرام اور معصیت کا کام اطاعت و فرض کے قائم مقام ہو سکے یا ضلالت و فسق کا کام ہدایت و حق کے قائم مقام ہو سکے۔

بعض بے راہ رو لوگوں نے یہاں ایک اعتراض کیا ہے کہ اگر کوئی مذکورہ مقامات میں سے کسی میں طلاق دے دے، یا کسی غلام کو آزاد کر دے، یا نکاح کر لے، یا خرید و فروخت کرے یا ہبہ و صدقہ کر دے تو تم پر لازم کہ ان امور میں سے بھی کسی کو درست تسلیم نہ کرو جیسے کہ نماز کی ادائیگی کو درست تسلیم نہیں کرتے ہو؟ اسی طرح اگر کسی نے غصب شدہ مہندی کے ساتھ داڑھی کو رنگ لیا اور پھر نماز پڑھ لی، یا کسی نے مسروقہ مصحف سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا تاکہ بھُول نہ جائے یا کسی بھگوڑے غلام نے اسے قرآن سکھایا، تو کیا یہ باتیں بھی درست نہ ہوں گی جس طرح تم نماز کو درست تسلیم نہیں کرتے۔ الغرض انہوں نے یہاں بکثرت حماقتوں کا ثبوت دیا ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی زنا، قتل، شراب اور چوری پر بھی اصرار کرے اور پھر نماز بھی پڑھ لے، تو کیا اس صورت میں نماز ہو گی یا نہیں حالانکہ اس میں اور اس صورت میں کوئی فرق نہیں ہے؟

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہاں جس قدر اعتراضات وارد کیے ہیں، ان کا اس مسئلہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، جو ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ نماز کے لیے تو ضروری ہے کہ کسی ایک جگہ ادا کی جائے اس میں جلوس بھی فرض ہے۔ ستر شرم گاہ بھی فرض ہے۔ ہر اُس کام کا ترک کرنا بھی فرض ہے جو نماز میں مباح نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محدود اور وقت مقررہ کی پابندی بھی فرض ہے۔ پاکیزہ مکان کی رعایت بھی فرض ہے، پاک پانی کے ساتھ وضو یا پاک مٹی کے ساتھ تیمّم بھی فرض ہے اور نماز سے متعلق یہ مسائل ایسے ہیں کہ اس سے نہ ہمیں اختلاف ہے اور نہ انہیں، بلکہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں!

اس کے برعکس طلاق، نکاح، آزادی، خرید و فروخت، ہبہ و صدقہ اور تعلیم قرآن کا ان امور میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، کسی حالت کا حکم نہیں دیا گیا، کسی جلسہ کی کیفیت لازمی قرار نہیں دی گئی، قیام کی کوئی صورت مقرر نہیں کی گئی، کسی مکان موصوف کی پابندی ضروری نہیں لیکن یہ سب اعمال بھی مخصوص الفاظ، محدود اطوار اور مقررہ اوقات کے ساتھ معلق قرار دیئے گئے ہیں۔ اگر کسی نے نماز، نکاح، طلاق، خرید و فروخت، ہبہ وصدقہ اور دیگر اعمالِ شرعیہ میں سے کسی ایسے امر کی بھی مخالفت کی جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی حکم دیا ہے تو وہ غیر صحیح اور باطل ہو گا۔ نہ طلاق ہو گی، نہ نکاح ہو گا نہ عتق نہ ہبہ نہ صدقہ۔

اگر کوئی نماز میں فرض جلسہ کے بجائے کسی ایسے جلسہ کو اختیار کر لیتا ہے جو حرام تھا یا فرض قیام کے بجائے حرام قیام کو اختیار کر لیتا ہے، یا ایسے مقام کا پردہ کرتا ہے جس کا پردہ حرام تھا، ان اوقات کی بھی پابندی نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں، مکان کی بھی پابندی نہ کرے اور ان کے بجائے ایسے زمان و مکان کو اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیئے ہیں، یا جس پانی اور مٹی کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے، ان کے بجائے حرام پانی اور مٹی کو استعمال کر لے تو ایسے شخص اور اس کے مابین کوئی فرق نہیں جو قصد و ارادہ سے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ دونوں نے ہی حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کو طلاق دے دے، یا طلاق کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرے جو اللہ کے مقرر کردہ نہیں ہیں اور ان کے ساتھ حلال فرج کو حرام قرار دے لے، یا کسی خاوند والی عورت سے نکاح کرے، یا عدت میں نکاح کر لے، یا ایسے کلام کے علاوہ جو اللہ نے نکاح کے لیے مقرر کیا ہے کوئی اور کلام اختیار کرے اور اس کے ساتھ نکاح کو مُباح اور حرام فرج کو حلال کر لے، یا حرام بَیع کو اختیار کرے، یا کسی ایسے شخص سے کسی چیز کو خریدے جو اس کا مالک نہیں ہے، یا کوئی ایسی چیز ہبہ کر دے، جس کا اسے اختیار نہ ہو، یا کوئی حرام گردن آزاد کر دے مثلاً کسی غیر کے غلام کو آزاد کر دے، یا کپڑے کو بتوں کے نام پر صدقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر دے تو یہ سب کچھ باطل اور مردود ہے اور اس میں سے کچھ بھی صحیح نہیں۔ یاد رہے کہ شریعت کا اگر کوئی حکم کسی سبب سے باطل ہو جائے تو دوسرا حکم بھی اس سبب سے باطل نہیں ہوتا لیکن شریعت پر عمل صرف اس صورت ہی میں باطل ہو گا جب اسے امرِ الٰہی کے خلاف سر انجام دیا جائے!

اگر کسی نے غصب شدہ مہندی کے ساتھ داڑھی کو رنگ لیا اور اسی مہندی کے ساتھ نماز پڑھ لی، تو اس کی نماز نہیں ہو گی، اگر وہ مہندی کو اتار دے اور اس کے اتارنے کے بعد نماز پڑھے تو اس نے خلافِ حکم نماز نہیں ادا کی اس لیے کہ رنگ تو ایسی چیز ہے جس کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔

معاصی اور گناہ کے کاموں پر جو اصرار کرے تو اس کی بابت حکم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کے ہر فرد کے ہر اس قول و عمل کو معاف کر دیا ہے جس کے بارے میں اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہو۔

اگر کہا جائے کہ تم اس شخص کی نماز کو باطل قرار دیتے ہو جو نماز سے خُرُوج کی نیّت ہی کرے خواہ قول و عمل کو اختیار میں نہ لائے؟ تو ہم عرض کریں گے جی ہاں اس نے ضرور عمل کیا کیونکہ نیت نہ ہونے سے ہی وقوف، قعود، رکوع اور سجود بظاہر ایک ایسا عمل ہو گیا ہے جسے وہ غیر نماز کے لیے سر انجام دے رہا ہے لہٰذا اس کی نماز باطل ہو گی، کیونکہ اس نے قصد و ارادہ سے اعمالِ نماز میں ایک ایسا عمل حائل کر دیا ہے جو نماز میں سے نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے یہ نیت کر لی کہ اس کے وقت کے علاوہ وقت میں باطل کرے گا تو اس کی نماز باطل نہ ہو گی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی شخص مذکورہ امور میں سے کسی کو عجز کی بنا پر چھوڑ دے تو اس کے لیے فرمانِ الٰہی یہ ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔ (الانعام - ۱۱۹)

"جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں مگر اس صورت میں کہ ان کے کرنے کے لیے ناچار ہو جاؤ"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت سے خطاء، نسیان اور ہر اُس چیز کو معاف کر دیا ہے جس پر مجبور کیا جائے"[1] تو یہ شخص مُضطر اور مجبور ہے، اس کی نماز صرف اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت باطل ہو گی جب اُس کے بُطلان کے سلسلہ میں کوئی نصِ جلی وارد ہو، مثلاً اگر کوئی بے وضو ہو جائے تو پھر جائز نہیں کہ وضو کیے بغیر نماز کو جاری رکھے۔

کشتی اور وہ عمارت جس میں ظلم سے تصرّف کر لیا گیا ہو تو اس صورت میں چونکہ حرام چیز بعینہٖ برقرار نہیں ہوتی جسے نمازی استعمال میں لا رہا ہو لہٰذا اس کی نماز درست ہو گی، کیونکہ آثار تو ایسے اُمور ہیں جن کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی مغصوبہ چیز کے مالک کی پہچان سے مایوس ہو گیا ہو تو وہ مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہو جائے گی، یہ بھی چونکہ مسلمانوں ہی میں سے ایک ہے لہٰذا اس کے لیے استعمال جائز ہو گا[له]۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۳۹۵۔ مردوں کی نماز ایسے کپڑوں میں جائز نہیں جن میں ریشم یا سونا لگا ہوا ہو ـــــ

خصوصاً مردوں کی نماز ایسے کپڑے میں جائز نہیں جس کے طُول کی طرف چار انگلیوں سے زیادہ ریشم استعمال کیا گیا ہو، ہاں اگر قمیص کی جیب میں معمولی سا ریشم لگا ہو یا کفوں وغیرہ پر لگا ہو تو یہ مُباح ہے۔

ایسے کپڑے میں بھی نماز جائز نہیں جس میں سونا لگا ہو یا سونے کی انگوٹھی وغیرہ پہن رکھی ہو، اگر ایسا لباس پہننے پر مجبور کر دیا گیا ہو یا سردی کے خوف وغیرہ کے باعث کوئی مجبور و مُضطر ہو گیا ہو تو پھر نماز جائز ہو گی، یا اگر کسی بیماری کے علاج کے طور پر ریشمی لباس پہننے کی ضرورت پیش آگئی ہو تو پھر بھی نماز ہو جائے گی، اسی طرح اگر کسی نے سونے یا ریشم کو حفاظت کے لیے آستین میں چُھپایا ہُوا ہو تو اس کی نماز بھی درست ہو گی۔ اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

۶۰۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجاج، از عبیداللہ بن عمر قواریری اور محمد بن مُثنّٰی اور زُہیر بن حرب۔ ان سب نے از مُعاذ بن ہشام، از والدِ خود، از قتادہ، از شعبی، از] سُوید بن غَفلَہ روایت کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ ارشاد فرمایا کہ آنحضرت

(حاشیہ صفحہ ۴۶) مختلف لفظوں اور مختلف صحابہ سے یہ روایت کتب احادیث میں مروی ہے (دیکھو صحیح جامع الصغیر ۲/۱۰۲)

[له] غصب شدہ کپڑے یا جگہ میں نماز کے باطل ہونے کے بارے میں مُصنّف نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کے علی الرغم ہمیں اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں ملی ہم نے مصنف کی اس رائے کی تردید آپ کی کتاب "الاحکام" ج ۳ ص ۱۶۱ کی شرح میں کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ ہاں دو یا تین یا چار انگلیوں کے بقدر جائز ہے۔ (مسلم، ترمذی کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

۶۰۵ [بدیں سند تا مسلم از شیبان بن فرّوخ از جریر بن حازم از نافع، از] حضرت ابن عمرؓ روایت ہے کہ دنیا میں وہ شخص ریشم پہنتا ہے، جس کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے (مسلم کتاب اللباس)

۶۰۶ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری از علی بن مدینی، از وہب بن جریر بن حازم، از والدِ خود، از ابن ابی نجیح، از مجاہد، از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، از] حضرت حذیفہ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے اور حریر و دیباج کے پہننے اور (اس کے گدّوں وغیرہ پر) بیٹھنے سے منع فرمایا ہے (خ کتاب الاطعمۃ والاشربہ واللباس، م کتاب الاطعمۃ، ابو داؤد، ترمذی کتاب الاشربہ، نسائی کتاب الزینۃ والولیمۃ، ابن ماجہ کتاب الاشربۃ واللباس)

۶۰۷ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از احمد بن عون اللہ، از عبدالرحمٰن بن اسد کازرونی[۱]، از دبری، از عبدالرزاق، از معمر، از ایوب سختیانی، از نافع مولیٰ ابن عمرؓ، از سعید بن ابی ہند، از] حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سونا اور ریشم میری اُمّت کی عورتوں کے لیے حلال مگر مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔ (عبدالرزاق ۱۱/ ۶۸[۲])

---

۱ کازرونی، فتح زاء کے ساتھ ہے جیسا کہ صاحبِ قاموس نے اور علامہ ذہبی نے "المشتبہ" میں ضبط کیا ہے۔ علامہ سمعانی نے الانساب (۱۱/ ۱۶) میں اسے سکونِ زاء کے ساتھ ضبط کیا ہے اور میرے خیال میں یہ غلط ہے۔

۲ عبدالرزاق کی یہ حدیث جس کو انہوں نے معمر سے روایت کیا ہے اس کو امام احمد نے مسند ۴/ ۳۹۲، ۳۹۳ میں از عبدالرزاق، از معمر، از ایوب، از نافع از سعید بن ابی ہند، از مردِ نامعلوم، از ابوموسیٰ روایت کیا ہے، اس سند میں ایک مجہول شخص زائد ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ نیز ج ۴ ص ۳۹۲ میں "از عبدالرزاق، از عبداللہ بن سعید بن ابی ہند، از والدِ خود، از مردِ نامعلوم، از ابوموسیٰ روایت کیا ہے۔ و نیز ج ۴ ص ۳۹۳ میں از ابن جریج، از عبیداللہ عمری، از نافع، از سعید، از یکے از اہلِ بصرہ، از ابوموسیٰ روایت کیا ہے، پھر ج ۴ ص ۳۹۴ میں از محمد بن عبید اور ج ۴ ص ۴۰۷ میں از یحییٰ بن سعید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ھـ ــ رو از عبید اللہ، از نافع، از سعید از ابو موسیٰ روایت کیا ہے اور اس روایت میں شخص مجہول محذوف ہے، ترمذی نے ج ۱، ص ۳۲۱ کتاب اللباس میں اسے بطریق عبداللہ بن نُمیر روایت کیا ہے اور نسائی نے ۲/۴۲۵ کتاب الزینۃ میں بطریق یحییٰ، و یزید، و معتمر، بشیر بن مُفضَّل روایت کیا ہے بیہقی، ج ۲، ص ۴۲۵ میں بطریق عبداللہ بن مبارک مروی ہے، طحاوی ج ۲، ص ۳۴۶ میں بطریق حماد بن سلمہ، از عبید اللہ بن عمر، از نافع، از سعید از ابو موسیٰ مروی ہے، ابوداؤد طیالسی حدیث ۵۰۶- از عبداللہ بن نافع. از والدِ خود، از سعید، از ابو موسیٰ مروی ہے، ان سب حضرات نے اپنی اسناد میں مجہول شخص کا ذکر نہیں کیا عبداللہ بن نافع کے سوا باقی اسناد کے سب راوی ثقہ ہیں عبداللہ بن نافع ضعیف ہے۔ سعید بن ابی ہند ثقہ اور تابعی ہے۔ اس روایت میں ان سے اختلاف واقع ہے جیسا کہ آپ نے معائنہ کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب ج ۴، ص ۹۴ میں لکھا ہے کہ عبدالحق نے ذکر کیا ہے کہ لباسِ حریر کے سلسلہ میں مُصنّف عبدالرزاق میں اس حدیث کی سند اس طرح ہے" از معمر، از ایوب، از نافع، از سعید بن ابی ہند، از مردے، از ابو موسیٰ" لیکن "از مردے" کی زیادتی حدیثِ نافع میں نہ مُصنّف عبدالرزاق میں ہے اور نہ کسی دوسری کتاب میں، البتہ عبدالرزاق نے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن سعید بن ابی ہند سے سُنا، وہ اپنے باپ سے بیان کرتے تھے، وہ ایک آدمی سے، وہ ابو موسیٰ سے"، اس کو امام حاکم نے مستدرک میں بطریق احمد بن حنبل (۴/۳۹۲) از عبدالرزاق بیان کیا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ وہم ہے جو عبداللہ بن سعید بن ابی ہند سے حافظہ کی خرابی کے باعث سرزد ہُوا ہے۔ آپ نے گویا روایتِ نافع از سعید از ابو موسیٰ" کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن حجر نکت الظراف علیٰ اطراف المزی ۶/۴۱۵ میں فرماتے ہیں کہ دارقطنی کتاب العلل میں فرمایا کہ اس کو ابن مبارک نے اُسامہ بن زید از سعید بن ابی ہند از ابو مرہ مولیٰ امّ ہانی از ابو موسیٰ روایت کیا ہے اور یہ زیادہ درست ہے۔ کیونکہ سعید بن ابی ہند نے ابو موسیٰ سے کچھ بھی نہیں سُنا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہی خیال ابن حبّان کا بھی ہے۔

ابو زرعہ وغیرہ کئی محدثین نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف عبدالرزاق کے نسخوں میں نافع کی روایت میں اختلاف ہے، ابن حزمؒ نے یہاں جو روایت نقل فرمائی ہے اس میں مجہول شخص کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے مُصنّف عبدالرزاق کے حوالہ سے جو سند نقل فرمائی ہے اُس میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے البتہ عبدالحق نے جو روایت ذکر کی ہے، اس کی سند میں نیز مُسند احمد میں عبدالرزاق کے حوالہ سے جو سند ہے اس میں یہ زیادتی مذکور ہے۔

عبداللہ بن سعید بن ابی ہند ـــــ جن کی روایت کو امام حاکم نے رد کر دیا ہے ـــــ ثقہ ہیں اور بعض احادیث میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۰۸- ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسی از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از عفان بن مسلم از قتادہ، از] حضرت انس بن مالکؓ روایت کیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جوؤں کی شکایت کی تو آپ نے ریشم کی قمیص پہننے کی رخصت دے دی (بخاری کتاب الجہاد، مسلم، ترمذی کتاب اللباس)

۶۰۹- [بدیں سند تا مسلم از ابوبکر بن ابی شیبہ از محمد بن بشر از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ از] حضرت انسؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور زبیر بن عوامؓ کو خارش یا درد کے باعث ریشم کی قمیصیں پہننے کی اجازت دی۔ (بخاری کتاب الجہاد، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

خطا کر جاتے ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں بھی آپ سے اختلاف ہو گیا ہے، طحاوی نے اسے ج ۲، ص ۳۴۶ میں بطریق محمد بن جعفر، از عبداللہ بن سعید، از والد خود، از ابوموسیٰ روایت کیا ہے اور اس میں مجہول شخص کا ذکر نہیں کیا۔

ان سب طرق سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن ابی ہند نے اسے ایک آدمی کے واسطہ سے ابوموسیٰ سے سنا لیکن پھر انہوں نے اس آدمی کے ذکر کو محذوف کر کے روایت کو مرسل کر دیا۔ یہ بات بعید ہے کہ سعید نے اسے ابوموسیٰ سے سنا ہو کیونکہ ابوموسیٰ کی وفات کے سال کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ۴۲ھ سے لے کر ۵۳ھ تک کو آپ کا سن وفات قرار دیا گیا ہے جبکہ سعید کی وفات ۱۱۶ھ میں ہوتی ہے گویا ابوموسیٰ اور سعید دونوں کی وفات میں ۶۳ سے ۷۴ سال کا فرق ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ شوکانیؒ نے امام حاکمؒ سے بھی اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے لیکن اس سب کچھ کے باعث جو ذکر کیا گیا، مجھے یہ حدیث صحیح معلوم نہیں ہوتی!

ابن ابی حاتمؒ نے "المراسیل" ص ۲۸ میں اپنے باپ سے نقل فرمایا ہے کہ سعید کی ابوموسیٰ سے ملاقات ثابت نہیں، امام دارقطنیؒ نے بھی "العلل" میں یہی فرمایا ہے، امام ابن حبان اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت معلول ہے، صحیح نہیں، امام شوکانیؒ نے ان دونوں بزرگوں کے حوالہ سے ج ۲، ص ۷۵ میں بھی یہی فرمایا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۱۰۔ [بدیں سند تا مسلم، از یحییٰ بن یحییٰ، از خالد بن عبداللہ طحان از ابن جریج[1]، از] عبداللہ مولیٰ اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ روایت کیا کہ حضرت اسماءؓ نے سبز رنگ کا ایک بڑا سا کسروانی طیالسی جبہ نکالا جس کی کلی بھی ریشم کی تھی، اور جس کی چاک بھی ریشم کی بنی ہوئی تھی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ تھا، یہ حضرت عائشہؓ کے پاس ان کی وفات تک تھا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے، ہم اسے شفا کے لیے دھو کر بیماروں کو پلایا کرتے ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینہ، ابن ماجہ کتاب الجہاد واللباس)

ریشم اور سونے کو چھونا اور ملکیت بنانا اور اٹھانا نص اور اجماع سے جائز ہے، اگر کہا جائے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ ریشم کا لباس پہننے کو جائز سمجھتے تھے، تو ہم عرض کریں گے کہ بعض صحابہ کرامؓ سے اس کی حرمت بھی ثابت ہے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک لشکر کو بھیجا، جو کامیاب و کامران مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹا، تو حضرت عمر فاروقؓ اس لشکر کے استقبال کے لیے تشریف لائے، آپ نے جب دیکھا کہ انہوں نے ریشم کے جبّے اور عجمیوں کا لباس پہن رکھا ہے تو ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ جہنمیوں کے اس لباس کو اُتار پھینکو، چنانچہ صحابہ کرام نے اس لباس کو اُتار دیا۔

بطریق شعبہ، از عبداللہ بن ابی السفر، از شعبی سُوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ ہم شام میں فتوحات حاصل کر کے مدینہ منورہ واپس آئے اور جب مدینہ کے قریب پہنچے تو ہم نے دیباج وحریر کا لباس پہن لیا حضرت عمر فاروقؓ نے جب ہمیں دیکھا تو ہم پر کنکریاں پھینکیں، ہم نے اس لباس کو اُتار دیا تو آپ نے فرمایا "خوش آمدید! اے گروہِ مہاجرین، اللہ تعالیٰ نے حریر و دیباج تو پہلے لوگوں کے لیے بھی پسند نہیں فرمایا تو وہ تمہارے لیے اسے کیسے پسند فرماتا؟ اس کا استعمال درست نہیں مگر اتنا اور اتنا اور اتنا، شعبہ فرماتے ہیں کہ دو انگل

---

[1] مصنف نے اس حدیث میں عبدالملک سے مراد عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج لیا ہے جو غلط ہے، چنانچہ بیہقی نے "السنن الکبریٰ" میں بیان کیا کہ اس حدیث میں عبدالملک سے مراد "عبدالملک بن ابی سلیمان العرزمی" ہے، بیہقی (۲/۴۲۳) میں از جعفر بن محمد از یحییٰ بن یحییٰ روایت کیا ہے۔ اور یہ یحییٰ امام مسلم کے استاد ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے چار انگل تک جائز ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۵۶/۸، نیز طحاوی نے شرح معانی الآثار ۲۴۶/۴ میں اسی کے مانند روایت کیا ہے)

ابو الخیر سے روایت ہے کہ انہوں نے عُقبہ بن عامر جُہنی سے جبّہ میں ریشم کی کلی لگانے کی بابت سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں!

بطریق یزید بن ہارون از ہشام بن حسان از حفصہ بنت سیرین، از ابی ذُبیان خلیفہ بن کعب روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جب اس حدیث کو سُنا کہ جو دنیا میں ریشم پہنے گا وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا، تو فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ واللہ وہ جنت میں داخل ہی نہ ہو گا کیونکہ اہلِ جنّت کی صفت میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (الحج-۲۳)　　"وہاں ان کا لباس ریشمی ہو گا"

بطریق محمد بن مثنّٰی از عبد الرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری، از منصور بن معتمر از مجاہد روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ان کپڑوں کے استعمال سے اجتناب کرو، جن میں ریشم لگا ہو (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۶۱/۸)

بطریق عُبَیدُ اللہ بن عمرو رقّی، از زید بن ابی اُنیسہ، از زُبید، از ابو بُردہ، از ربعی بن حراش حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص ریشم کا لباس پہنے گا، اسے اللہ تعالیٰ آگ کا لباس پہنائے گا اور پھر تمہارے دنیا کے ایام میں نہیں بلکہ اپنے لمبے لمبے دنوں میں! (کنز العمال ۳۲۰/۱۵، ح ۲۲۰ ۴۱، مجمع الزوائد ۱۴۱/۵)

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو جُبّہ پہنے ہوئے دیکھا جس کے سینے پر ریشم لگا ہُوا تھا، آپ نے فرمایا اے گندے شخص! تمہارے سینے پر یہ کیا ہے؟ (طحاوی ۲۴۸/۴)

بطریق شعبہ، از ابو اسحاق سبیعی عبد الرحمٰن بن یزید سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ابنِ مسعودؓ کے پاس بیٹھا ہُوا تھا کہ اتنے میں آپ کا ایک بچہ آگیا جس نے ریشم کی قمیص پہن رکھی تھی، آپ نے اس قمیص کو پھاڑ دیا (عبد الرزاق ۷۰/۱۱)

ابنِ زُبیر سے روایت ہے کہ جس نے دنیا میں ریشم کا لباس پہنا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا"

لہ شوکانی نے نیل ج ۲، ص ۲۷، میں اس حدیث کو نسائی (کبریٰ کتاب الزینۃ، باب ۶۵) کی طرف منسوب کیا ہے، دیکھو تحفۃ الاشراف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(نسائی کتاب الزینۃ، بیہقی ۲/۴۲۲)

حضرات صحابہ کرامؓ کا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو پھر فرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (سورۃ نساء، آیت ۵۹) ، حضرت سمرہؓ نے شراب فروخت کر دی تھی (بخاری، مسلم کتاب البیوع)، ابوطلحہؓ نے روزے کی حالت میں اولے کھا لیے تھا (یعنی بارش کے اولے۔ مجمع الزوائد ۳/۱۷۱)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول وفعل حجت نہیں۔

ایسے کپڑے کے استعمال کی رخصت کے سلسلہ میں قطعاً کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے جس کا تانا ریشم سے تنا گیا ہو کیونکہ اس باب میں ابن عباسؓ سے جو روایت ہے، اس میں خُصَیف منفرد ہے جو ضعیف ہے[1] اور

۴/۳۲۰، دراصل یہ روایت عبداللہ بن زبیرؓ ہی کی ہے ـــــ اور اسی حدیث کے اندر ابن عمرؓ کا قول بھی ہے۔ علامہ سندی نے نسائی مجتبیٰ کتاب الزینۃ، ج ۲ ص ۲۹۲ کے حاشیہ میں السنن الکبریٰ سے نقل کیا ہے اور پھر فرمایا کہ یہ ابن عمرؓ کا ایک لطیف استنباط ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اس کلام کی دلالت حصر پر بھی ہو۔ یہ بات درست ہے۔ حاکم نے مستدرک ج ۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲، طحاوی نے معانی الآثار ج ۲، ص ۳۴۳ میں ابوسعید خدریؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا۔ اگر جنت میں داخل ہو بھی گیا تو پھر بھی اس کو نہیں پہن سکے گا، جب کہ دیگر اہلِ جنت پہنیں گے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ الفاظ ان احادیث کے مفہوم کو واضح کر دیتے ہیں، جن میں اختصار کے ساتھ صرف یہی ذکر ہے کہ ریشم پہننے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ امام ذہبیؒ بھی اس حدیث کے صحیح ہونے میں امام حاکمؒ کے ساتھ متفق ہیں، عبداللہ بن زبیر کی روایت بیہقی ۲/۴۲۲ میں ہے لیکن اس میں ابنِ عمرؓ کا یہ قول نہیں ہے۔ بخاری نے کتاب اللباس میں بھی یہ روایت بیان کی ہے لیکن اس میں بھی یہ زیادت نہیں ہے البتہ حافظ نے فتح الباری ۱۰/۲۴۴ میں نسائی سے نقل کیا ہے۔

[1] حدیثِ ابن عباسؓ کو ابوداؤد نے ج ۴، ص ۸۷، ۸۸ اور طحاوی نے ج ۲، ص ۳۴۸ میں بطریق خُصَیف بن عبدالرحمٰن جزری روایت کیا ہے، وہ تو ثقہ ہے لیکن ان سے بعض روایات میں اضطراب ہو گیا ہے، ان کے بارے میں سب سے زیادہ مبنی بر عدل وانصاف قول ابن عدی کا ہے کہ خُصَیف سے جب ثقہ راوی روایت کرے تو پھر کوئی حرج نہیں ہاں اگر ان سے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن روایت کرے، تو اس کی سب روایات باطل ہیں یعنی مصیبت عبدالعزیز کی طرف سے ہے خُصَیف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر جن روایات میں یہ ذکر آیا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے ریشمی لباس پہنا تو ان میں سے کسی روایت میں بھی یہ وضاحت صراحت نہیں ہے کہ صحابہؓ کرام کو یہ معلوم تھا کہ اس لباس کا تانا ریشم سے تنا ہُوا ہے۔

شعبہ، عامر بن عُبَیدہ باہلی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت انسؓ کو ریشمی جبہ پہنے ہُوئے دیکھا تو اس کی بابت سوال کیا، انہوں نے کہا کہ میں اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں (مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۳۵۲ دوسری سند سے)

معمر، عبدالکریم جزری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ کو ریشمی جُبّہ اور ریشمی چادر پہنے ہُوئے دیکھا اور میں اس وقت سعید بن جُبیر کے ساتھ طوافِ بیت اللہ کر رہا تھا سعید بن جُبیر نے فرمایا کہ اگر سلف انہیں دیکھتے تو سزا دیتے (عبدالرزاق ۱۱/۷۶)

اس سے معلوم ہُوا کہ صحابہؓ کرام ریشم کے بنے ہُوئے لباس کو پہننا حرام سمجھتے تھے، وگرنہ مباح چیز پر سزا دینے کے کیا معنی؟

حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ریشم کا لباس پہننے سے بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے تو ایک آدمی نے کہا کیا یہ آپ نے ریشم نہیں پہن رکھا؟ انہوں نے کہا سبحان اللہ! یہ تو خز (ریشم اور اُون کا بنا ہُوا کپڑا) ہے، اس آدمی نے کہا یہ تو بجا لیکن اس کا تانا ریشم کا ہے، آپ نے فرمایا مجھے اس کا علم نہیں ہو سکا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ آپ کے لیے ایسا کپڑا اختیار کیا جائے جو ریشم اور اُون سے بُنا ہوا ور جس کا تانا سُوت سے بنا ہُوا ہو۔ ہشام بن عُروہ فرماتے ہیں کہ انکے والد عروہ کا کپڑا ریشم و صوف سے بُنا ہُوا تھا عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے بھی ایسا ہی ثابت ہے۔

کی طرف سے نہیں، یہاں جو حدیث ہے اسے خُصَیف سے زُہَیر بن مُعاویہ اور شریک نے روایت کیا ہے خُصَیف کی متابعت بھی کی گئی ہے، چنانچہ امام حاکم نے مُستدرک ج ۴ ص ۱۹۲ میں بطریق احمد بن حنبل، از محمد بن بکر، از ابن جُریج از عکرمہ از سعید بن جُبیر، از ابن عباس روایت کیا ہے، یہ سند صحیح اور شیخین کی شرط پر ہے جیسا کہ امام حاکم اور ذہبی نے فرمایا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحابۂ کرامؓ کے بارے میں جو روایات ہیں کہ انہوں نے ریشمی لباس پہنا تو یہ حسب ذیل تین وجوہ و اسباب میں سے کسی ایک کے باعث تھا:

(۱) اس لباس کا تانا سُوت کے دھاگے سے بُنا ہُوا تھا۔

(۲) انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ یہ ریشم ہے، اس کے علاوہ صحابۂ کرامؓ کی بابت اور کوئی گمان کرنا جائز بھی نہیں۔

(۳) ریشم کا لباس پہننے کے باعث انہوں نے توبہ و استغفار کر لیا ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارے ہوئے ایام میں سے ایک دن کا قلیل حصّہ بھی اس جیسے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے کافی ہے، دوسرے لوگ اس اعتبار سے صحابۂ کرامؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ صحابۂ کرام کا ایک مُد کے بقدر جَو کا صدقہ، ہماری تمام عمر خواہ وہ سَو سال ہو، کے تمام اعمالِ صالحہ پر زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اُن کا تو نصف مُدجَو کا صدقہ، ہمارے اعمالِ خیر میں خرچ کیے ہوئے اُحد پہاڑ جتنے سونے سے بھی بڑھ کر فضیلت رکھتا ہے (جیسا کہ مسند احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ میں ابوسعید و ابوہریرہ سے مروی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کوئی اُحد پہاڑ کے ایک ضخیم پتھر کے بقدر سونا خرچ کرنے کی طاقت رکھتا ہو، پُورے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا تو بہت دُور کی بات ہے —— وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

سردی کی شدّت کے خوف کے باعث اگر کوئی مجبور ہو گیا ہو تو اس کے لیے حکم ربّانی یہ ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔ (الانعام - ۱۱۹)

"جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں مگر (اس صورت میں) کہ تم اس کے استعمال پر ناچار ہو جاؤ۔"

۳۹۶۔ رکوع و سجود میں قراءتِ قرآن جائز نہیں

کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رکوع و سجود میں قرآنِ مجید کی قرأت کرے، اگر کسی نے عمداً ایسا کر لیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر بھول گیا اور اطمینان سے رکوع و سجود کرنے اور تسبیح کرنے کے بعد ایسا ہُوا، تو نماز درست ہو گی اور سجدۂ سہو کفایت کر جائے گا اور اس کی نماز پُوری ہو جائے گی کیونکہ اس نے بھول کر نماز میں ایسا اضافہ کر دیا ہے، جو نماز میں سے نہ تھا، اور اگر تمام رکوع و سجود میں ہی اس نے ایسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا تو پھر رکعت یا سجدہ وغیرہ کو لغو قرار دینا پڑے گا کیونکہ اُس نے حکم کے مطابق ادائیگی نہیں کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے حکم کے مطابق نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔" (بخاری و مسلم)

۶۱۱۔ بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد، از احمد بن علی از مسلم بن حجاج، از زہیر بن حرب، از سفیان بن عُیَیْنَہ، از سلیمان بن سحیم، از ابراہیم بن عبداللہ بن معبد از والد خود، از] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹا کر دیکھا تو لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے، آپ نے فرمایا لوگو! نبوّت کے مُبَشِّرات میں سے صرف سچے خواب باقی رہ گئے ہیں جنہیں مسلمان دیکھتا ہے یا جو کسی مسلم کے لیے دکھایا جاتا ہے۔ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ رکوع یا سجدہ میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ رکوع میں تو رب کی عظمت بیان کرو اور سجدہ میں خوب دعا کرو کیونکہ سجدہ کی دُعا اس لائق ہے کہ اسے شرفِ قبولیت سے نوازا جائے (مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الصلوٰۃ، ابن ماجہ کتاب الرؤیا)

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر کہا جائے کہ اس معنی کی ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی مروی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ مجھے منع کیا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ تمہیں منع کیا ہے؟ (مسلم کتاب الصلوٰۃ، دیکھو تحفۃ الاشراف ح ۱۰۱۷۹) ہم عرض کریں گے کہ بجا ہے کہ اس روایت میں صرف علی رضی اللہ عنہ کو منع کیا گیا تھا لیکن ہم نے جو روایت ذکر کی ہے، اس میں یہ ممانعت سب کے لیے ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز سے منع فرما دیں تو ہمارے لیے بھی وہی حکم ہوتا ہے الّا یہ کہ کوئی نصّ آجائے جس سے تخصیص ثابت ہوتی ہو۔

اگر کہا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں یہ دعا کرتے ہوئے سُنا کہ:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ "پاک ہے تو اے اللہ! تو تمام تعریفوں کے لائق ہے۔ تو اے اللہ! مجھے بخش دے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ اس دُعا میں قرآن مجید کی تاویل و تعبیر کو پیشِ نظر رکھتے تھے (بخاری کتاب الصلوٰۃ والمغازی والتفسیر)۔

ہم عرض کریں گے کہ یہ روایت از سفیان ثوری، از منصور، از ابو الضحیٰ، از مسروق، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی کثرت سے سجدہ میں یہ دُعا کیا کرتے تھے کہ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ، اس دُعا میں آپ قرآن مجید کی تفسیر و تاویل کو پیشِ نظر رکھتے تھے، یعنی قرآنِ مجید میں جو یہ حکم ہے کہ:

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۔ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۔ (سورۃ النصر)	"جب اللہ کی مدد آپہنچی اور فتح حاصل ہوگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التسبیح والدعاء فی السجود، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء فی السجود)

اصل حدیث میں جو کچھ ثابت ہے وہ اسی طرح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید کی تاویل و تفسیر پیشِ نظر رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو اس سورہ میں جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وَاسْتَغْفِرْهُ، تو آپ اس حکم کی اطاعت کرتے ہوئے یہ دُعا مانگا کرتے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں قرآن مجید کی قراءت نہ کرو، سجدہ کی حالت میں بھی قرآن مجید کی قراءت نہ کرو (عبد الرزاق ۲/۱۴۴ و ابن ابی شیبہ ۲/۴۳۷)

حضرت مجاہدؒ سے بھی روایت ہے کہ رکوع و سجود میں قرآنِ مجید کی تلاوت نہ کرو کیونکہ رکوع اور سجود کو تو تسبیح کے لیے بنایا گیا ہے (عبد الرزاق ۲/۱۴۵، و ابن ابی شیبہ ۲/۴۳۷)

۳۹۷۔ جلسہ میں قرآن مجید کی قراءت

اگر کسی نمازی نے خواہ وہ امام ہو یا منفرد، جلسہ میں تشہد کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرلی یا قیام اور رکوع و سجود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی حالت میں قرآت و تسبیح کے بعد تشہد پڑھ لیا، تو اس کی نماز جائز ہوگی، خواہ وہ عمداً ایسا کرے یا بھول کر اس صورت میں سجدہ سہو بھی نہیں ہوگا البتہ قراءتِ قرآن کے علاوہ ان مقامات میں کوئی اور ذکرِ الٰہی کرے تو وہ ہمیں زیادہ پسند ہے۔

اس سلسلہ میں نماز کے جواز اور سجدۂ سہو کے ساقط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں ہوا ہے جس سے منع کیا گیا ہو بلکہ اس نے قرآنِ مجید کی قراءت کی ہے اور قراءتِ قرآن ایک اچھا عمل ہے، جب تک کہ اس سے منع نہ کیا گیا ہو، اسی طرح تشہد بھی ایک اچھا ذکر ہے۔

ہم نے جو یہ عرض کیا کہ "اگر کوئی اور ذکرِ الٰہی کرے تو وہ ہمیں زیادہ پسند ہے، یہ اس لیے کہ اس کے بارے میں کوئی حکم ہے اور نہ ترغیب! ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۹۸۔ مسجدِ ضرار میں نماز جائز نہیں

مسجدِ ضرار میں جو قبا کے قریب ہے، نماز عمداً یا بھول کر کسی صورت میں بھی جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ - الی قولہ - لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ (التوبہ: ۱۰۷-۱۰۸)

"جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں ان کے لیے گھات کی جگہ بنائیں .... تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس قابل ہے کہ اس میں جایا کرو (اور اس میں نماز پڑھایا کرو)۔"

تو اس فرمانِ باری تعالیٰ سے ثابت ہوا کہ یہ نماز کی جگہ نہیں ہے۔

۳۹۹۔ فخر و ضرر کے لیے بنائی گئی مسجد میں نماز جائز نہیں

اس مسجد میں نماز جائز نہیں جسے فخر و مباہات کے لیے بنایا گیا ہو، یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی دوسری مسجد کے نمازیوں کو تکلیف دینے کے لیے بنایا گیا ہو جب کہ انہیں پہلی مسجد کی اذان بھی سنائی دیتی ہو لہٰذا پہلی مسجد والے اگر اس مسجد کے گرانے کا قصد کریں تو کوئی حرج نہیں بلکہ ان پر واجب یہ ہے کہ اسے منہدم کر دیں، اسی طرح ہر اس مسجد کا منہدم کرنا بھی واجب ہے جسے صرف راہب لوگوں کے لیے بنایا گیا ہو یا جاہل لوگ صرف اس کا اس کی کسی مفروضہ فضیلت کے باعث قصد کرتے ہوں حالانکہ اس میں انبیاء کرام میں سے کسی نبی کے کوئی آثار وغیرہ نہ ہوں کیونکہ کسی بھی ایسی مسجد کی طرف قصد کر کے جانا بالکل جائز نہیں جس کے بارے میں دیگر مساجد کی نسبت کسی فضیلت کا گمان کیا جاتا ہو، ہاں مسجد مکہ، مسجد مدینہ اور مسجد بیت المقدس کی طرف ایسا قصد کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسجدوں کے قریب قریب بنائے جانے کی مذمت بھی فرمائی ہے۔

مساجد کو مزیّن کرنے کی ممانعت

۶۱۲- بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر، از ابوداؤد، از محمد بن صباح، از سفیان بن عیینہ، از سفیان ثوری، از ابوفزارہ از یزید بن اصم، از] حضرت ابن عباسؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مسجدوں کو چونا گچ بنایا جائے (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۲)

۶۱۳- [سند سابق کے ساتھ] حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم مسجدوں کو ضرور مزیّن کرو گے، جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنی عبادت گاہوں کو) مزیّن کیا تھا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۲، موارد الظمآن ص ۹۸۔ ابوداؤد نے موقوف اور ابن حبان نے مرفوع روایت کیا ہے)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ تشیید کے معنی ہیں عمارت کو بلند اور چونا گچ کرنا۔

محلوں میں مسجدیں بنانے اور صاف ستھرا رکھنے کا حکم

۶۱۴- [بدیں سند تا ابوداؤد از محمد بن علاء، از حسین بن علی، از زائدہ، از ہشام بن عروہ، از والدِ خود، از] حضرت عائشہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ مسجدوں کو محلوں میں بنایا جائے، خوشبو لگائی جائے اور انہیں صاف ستھرا رکھا جائے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہر جگہ مسجد بنائی جائے، بلکہ آپ نے حکم صرف یہ دیا ہے کہ مسجدوں کو محلوں میں بنایا جائے، آپ نے جس سے منع فرمایا ہو وہ بات اس جیسی نہیں ہو سکتی جس کا آپ نے حکم دیا ہو۔ جب یہ اصول صحیح ہے تو سب سے زیادہ صحیح مسجد وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور فعل کے مطابق بنائی گئی ہو اور ایسی مسجد وہ ہے جو محلے میں بنائی گئی ہو۔ حدیث میں "دُور" کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی محلّوں کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انصار کے دُور (محلّوں) میں سے بہترین محلہ بنی نجار کا ہے، پھر بنی عبدالاَشہل کا، پھر بنی حارث بن خَزرَج کا اور پھر بنو ساعدہ کا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد مختلف صحابہ سے)

مسجد اسی انداز سے بنانی چاہیئے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنے سامنے بنوائی، ہر اہلِ محلّہ کے لیے الگ مسجد ہو سکتی ہے اور اہلِ محلّہ کے لیے اپنے محلہ کی مسجد کے مؤذن کی اذان پر پانچوں نمازوں کے لیے لبیک کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و عمل سے جو چیز بھی کم یا زیادہ ہوگی وہ باطل اور منکر ہے اور ہر منکر چیز کا مٹا دینا ہی واجب ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے اور لونڈی اپنانے کو فرض قرار دیا ہے اور رہبانیّت سے منع فرمایا ہے لہٰذا ہر وہ چیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور خلفائے راشدین کے عہد کے بعد اختیار کی گئی ہو وہ بدعت اور باطل ہے۔

ابن مسعودؓ نے اس مسجد کو گرا دیا تھا جسے عَمرو بن عُتبہ نے کوفہ سے باہر بنایا تھا اور انہیں اس مسجد کی طرف لوٹا دیا جس میں باقاعدہ جماعت ہوتی تھی۔ جامع مسجد کو دیگر مساجد پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی کی طرف سفر جائز نہیں

مسجدِ مکّہ، مسجدِ مدینہ اور مسجدِ بیت المقدس کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کر کے جانا جائز نہیں، اس کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے:

۶۱۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب، از محمد بن منصور، از سفیان بن عُیَینہ، از زہری، از سعید بن مُسَیّب، از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے سوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کسی کی طرف شدِّ رِحال نہ کیا جائے (ان تین مسجدوں سے مراد) مسجدِ حرام، میری یہ مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) اور مسجدِ اقصیٰ ہے (بخاری آخر کتاب الصلوٰۃ، مسلم، ابوداؤد کتاب الحج، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳۱)

۶۱۶۔ہم نے بطریق [احمد بن محمد طلمنکی، از ابنِ مُفرج، از محمد بن ایوب صَمُوت از احمد بن عمرو بزار، از محمد بن معمر، از روح بن عبادہ، از محمد بن ابی حفصہ، از زہری از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ سفر صرف مسجدِ حرام، مسجدِ مدینہ اور مسجدِ ایلیاء کی طرف کیا جا سکتا ہے۔ (صحیح جامع الصغیر، ح ۷۲۰۹، ج ۶/۵۵ اور کتاب الجنائز للالبانی ۲۲۴، ۲۲۵، وا لارواء، ج ۳/۲۲۶)

۴۰۰۔جہاں اللہ و رسولﷺ اور دینی اُمور کا مذاق اُڑایا جائے اُس جگہ نماز جائز نہیں

جہاں اللہ تعالیٰ یا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم یا دین کی کسی بات کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو یا ان میں سے کسی چیز کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہو، اگر کسی کو اس کفر و استہزاء کے ختم کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ وہ وہاں سے اُٹھنے کی قدرت رکھتا ہو تو وہ نماز پڑھ لے، اس کی نماز درست ہوگی! فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ـ (النساء ـ ۱۴۰)	جب تم دیکھیں (سنو) کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے یا ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی اُن جیسے ہو جاؤ گے۔

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ـ (الانعام ـ ۶۸)	"جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں۔"

جو شخص کسی ایسی جگہ، جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، بیٹھنے کو جائز سمجھے، وہ مذاق اڑانے والے کافر ہی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مانند ہے، جو شخص کسی ایسی جگہ اقامت اختیار کرے جہاں اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے کو حرام قرار دیا ہے، تو اس کا وہاں اُٹھنا بیٹھنا معصیت ہے اور نماز کی ادائیگی اطاعت ہے اور یہ بات سراسر باطل ہے کہ معاصی، طاعات سے کفایت کر سکیں یا محرّمات فرائض کے قائم مقام ہو سکیں، ہاں اگر کوئی عاجز و لاچار ہو تو اس کے بارے میں ارشادِ الٰہی یہ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا "اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔" (البقرہ - ۲۸۶)

۱۰۴۔ نماز میں مُصحف سے تلاوت جائز نہیں کسی نمازی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مُصحف یا کسی دوسری چیز سے تلاوت کرے، خواہ امام ہو یا کوئی اور، اگر قصد و ارادہ سے ایسا کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی، اسی طرح دورانِ نماز آیات کو شمار کرنا بھی درست نہیں کیونکہ کتاب کے بارے میں غور و فکر کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ نماز میں اس کے مُباح ہونے کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہے۔ چنانچہ سلف میں سے ایک جماعت سے یہی منقول ہے اور اس سلسلہ میں حضرت سعید بن مُسیّب، حسن بصری، شعبی اور ابو عبد الرحمٰن سُلمی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور شافعی[1] نے اس شخص کی نماز کو باطل قرار دیا ہے، جو امامت کراتے وقت مُصحف سے دیکھ کر تلاوت کرے، ایک قوم نے اسے مُباح بھی قرار دیا ہے اور ہمیں حکم یہ ہے کہ تنازع کے وقت قرآن و سُنّت کی طرف رجُوع کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا "نماز ایک مصروفیت ہے۔"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ ومناقب الانصار، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، احمد ۱/ ۳۷۶، ۴۰۹)

---

[1] مُحلّٰی کے نسخہ ۱۶ کے حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے کہ امام شافعی کی طرف یہ انتساب غلط ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، آپ کے مذہب میں یہ بات مشہور نہیں بلکہ مشہور یہ ہے کہ اگر زبانی پڑھنے سے عاجز ہو تو پھر لازم ہے کہ دیکھ کر پڑھ لے۔ یہ تنقید صحیح ہے۔ ملاحظہ فرمایئے المجموع للنووی ج ۳ ص ۲۷۹، ج ۴ ص ۹۵، والعزیز للرافعی، ج ۳، ص ۳۴۶۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی نماز ایک ایسی مشغولیت ہے جس میں کوئی ایسا کام کرنا درست نہیں جس کے مباح ہونے کے بارے میں کوئی نص وارد نہ ہو[1] ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۴۰۲۔ نماز میں سلام کا جواب کس طرح دیا جائے

جس شخص کو نماز پڑھتے ہوئے سلام کیا جاتے تو وہ اشارے سے سلام کا جواب دے دے اور کلام نہ کرے، اشارہ ہاتھ یا سر سے کرے، اگر قصد و ارادہ سے کلام کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

جس شخص کو نماز میں چھینک آئے تو وہ کہے الحمدللہ رب العٰلمین، لیکن کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے جواب میں یرحمك اللہ کہے، اگر کوئی اس ممانعت کو جاننے کے باوجود یہ کہے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ ہم اس سلسلہ میں قبل ازیں معاویہ بن حکم کی حدیث اور جواب کے سلسلہ میں بھی حدیث ذکر کر آئے ہیں (دیکھو مسئلہ ۳۷۸ و ۳۸۰) لہٰذا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق!

۴۰۳۔ کھانے کی موجودگی اور بول و براز کی حاجت کے وقت نماز جائز نہیں

نمازی کا جب کھانا حاضر ہو خواہ دوپہر کا ہو یا شام کا تو اس وقت نماز جائز نہیں اور نہ اس وقت نماز جائز ہے جب اسے بول و براز کی حاجت ہو بلکہ فرض یہ ہے کہ پہلے کھانا کھالے، پھر نماز پڑھے یا پہلے بول و براز کی حاجت کو رفع کرے اور پھر نماز ادا کرے۔

۷۱۶۔ ہم نے بطریق (عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن عباد از حاتم بن اسماعیل از یعقوب بن مجاہد ابوحزرہ از) ابن ابی عتیق روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اور قاسم بن محمد دونوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ دیر گفتگو کی، اتنے میں کھانا آگیا تو قاسم بن محمد اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہاں؟ وہ کہنے لگے نماز پڑھنے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، بیٹھ جا مکار، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں نماز درست نہیں اور نہ اس وقت درست ہے جب کسی نے بول و براز کی حاجت کو روک رکھا ہو (مسلم کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد

---

[1] نوافل میں مصحف دیکھ کر امامت کرانے کا ذکر بخاری کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ العبد والمولیٰ میں ہے دیکھو فتح الباری ج ۲/ ۱۵۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"اگر وقت کے فوت ہو جانے کا خدشہ ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے کیونکہ اسے حکم یہی ہے کہ پہلے بول و براز اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو اور پھر نماز کی ادائیگی کرے تو اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ اس صورت میں نمازی کے لیے وقت بڑھا دیا جاتا ہے کیونکہ اسے حکم یہ ہے کہ ضرورت پُوری ہونے تک نماز کو مؤخر کرے ۔۔۔۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۴۰۴۔ لہسن و پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں نہ آئے

جس شخص نے لہسن، پیاز یا کراث[1] کھایا ہو اس پر فرض ہے کہ اس وقت تک مسجد میں نماز نہ پڑھے جب تک ان کی بدبُو نہ ختم ہو جائے، اگر بدبُو کے ختم ہونے سے پہلے ہی کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو فرض ہے کہ ایسے شخص کو مسجد سے باہر نکال دیا جائے اور اگر کسی نے اس حالت میں مسجد میں نماز پڑھ لی، تو اس کی نماز ہی نہیں ہو گی، اس کے علاوہ اور کسی شخص کو مسجد سے باہر نہیں نکالا جا سکتا حتیٰ کہ گندہ دہن، مجذوم اور کسی بھی آفت میں مبتلا شخص کو مسجد سے باہر نہیں نکالا جا سکتا۔

۶۲۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنّٰی از یحییٰ بن سعید قطان از عُبَیداللہ بن عُمرؓ از نافع از] حضرت ابن عمرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص اس درخت یعنی لہسن کو کھائے تو وہ ہرگز مسجد کے قریب نہ آئے (بخاری، مسلم کتاب الصلوٰۃ ابوداؤد الاطعمۃ)۔

۶۲۱۔ [بدیں سند تا یحییٰ بن سعید قطان، از ہشام دستوائی از قتادہ از سالم بن ابی الجعد از مَعدان بن ابی طلحہ] روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے جمعہ کے دن ایک لمبا خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ بھی کہا:

"لوگو! تم دو قسم کے پَودوں کو کھاتے ہو، مَیں انہیں خبیث سمجھتا ہُوں یعنی لہسن اور پیاز! مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ اگر آپ کسی آدمی کے مُنہ سے ان کی بُو محسوس کرتے تو حکم دیتے اور اسے مسجد سے بقیع کی طرف باہر نکال دیا جاتا۔" (مسلم کتاب الصلوٰۃ والفرائض)

[1] یہ ایک قسم کی سبزی ہے جو پیاز سے زیادہ مشابہ ہے اور یہ سعودی عرب میں عام ہے (ابو الاشبال)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نسائی کتاب الصلوٰۃ، ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ)

۶۲۲- [بدین سند تا مسلم از محمد بن حاتم از یحییٰ بن سعید از ابن جُریج از عطاء] حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لہسن، پیاز یا کراث کھاتے وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی ہر اُس چیز سے اذیت محسوس کرتے ہیں جس سے انسان اذیت محسوس کرتے ہیں۔ (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ، ترمذی کتاب الاطعمۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ہماری اس مسجد کے قریب نہ آئے اور نہ آپ نے کوئی اور ایسا لفظ استعمال فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ یہ حکم مسجدِ نبوی کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اور اس سے مراد مسلمانوں کی تمام مساجد ہیں جیسا کہ دوسری روایتوں میں اس کا بیان واضح ہے۔"

بطریق مُصعَب بن سعید روایت ہے کہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جب کوئی لہسن کھانے کا ارادہ کرتا تو وہ باہر چلا جاتا[1]

حضرت علی بن ابی طالبؓ اور تابعین میں سے شریک بن حنبل سے روایت ہے کہ کچا لہسن کھانا حرام ہے۔" یہ حرام تو نہیں کیونکہ مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ حضرت عطاء سے روایت ہے کہ لہسن کھانے والے کو سب مسجدوں میں آنے سے روکا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور شخص کو مسجد میں آنے سے روکا نہیں گیا اور یاد رہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے (وما ینطق عن الھویٰ) بلکہ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی کی بنیاد پر ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے۔ (وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا)

---

[1] مصعب بن سعید تابعی نہیں بلکہ بہت بعد کے ہیں اور یہ روایت بھی کہیں نہیں ملی اور اسی طرح بعد والی روایتیں بھی۔ البتہ ابوداؤد کتاب الاطعمۃ میں نہی کے الفاظ سے موجود ہے یعنی حضرت علیؓ کی روایت، واللہ اعلم۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۰۵۔ نماز میں اُنگلیاں چٹخانا

جو شخص اپنے قصد و ارادہ سے نماز میں اُنگلیاں چٹخائے یا اُنگلیوں کو ایک دوسری میں ڈالے، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغُلاً "نماز کی اپنی ایک مشغولیت ہے۔"

(حوالہ مسئلہ ۴۰۱ میں گزر چکا)

۴۰۶۔ نماز میں ٹیک لگانا

جس شخص نے کسی عصا، دیوار یا کسی انسان کے ساتھ ٹیک لگا کر نماز پڑھی، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اگر کسی کو طاقت نہ ہو تو وہ بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر لیٹ کر پڑھ لے لیکن ٹیک لگانا یا سہارا لینا ایک ایسا عمل ہے جس کا حکم نہیں ہے اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ (اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغُلاً) نماز کی اپنی ایک مشغولیت ہے۔

(حوالہ مسئلہ ۴۰۱ میں دیکھو)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

"اگر اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث مل جائے تو پھر ہم جواز کے قائل ہو جائیں گے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارے علم میں اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، جو روایت ہے وہ بطریق "عبد السلام بن عبد الرحمٰن وابصی، از والد خود" ہے اور نہ عبد السلام کا حال معلوم ہے اور نہ اس کے باپ[1] کا، پھر اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس سے نماز میں ٹیک لگانے کا جواز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ الفاظ یہ ہیں کہ ام قیس بنت محصن سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بڑی عمر کے ہو گئے اور گوشت بڑھ گیا تو آپ نے نماز کی جگہ ستون بنا لیے

[1] عبد السلام تو ثقہ و معروف ہے اور آپ کے باپ عبد الرحمن بن صخر بن عبد الرحمٰن بن وابصہ بن معبد کے بارے میں نہ جرح ہے اور نہ تعدیل، اللہ ہی اس کا حال جانتا ہے۔ البتہ یہ دونوں اس حدیث میں منفرد نہیں ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ان کا سہارا لیا کرتے تھے[1]

اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ دورانِ نماز ان کا سہارا لیا کرتے تھے بلکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور جب قیام کے بقدر قراءت باقی رہ جاتی تو کھڑے ہو کر قراءت کرتے اور پھر رکوع کرتے۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۰۷- انگوٹھی کے ساتھ نماز کا حکم

جس شخص نے انگشتِ شہادت، درمیانی انگلی، اُس کے ساتھ والی یا انگوٹھے میں انگوٹھی پہنی اور اسی طرح قصد و ارادہ سے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز نہیں ہوگی، ہاں اگر چھنگلیا میں انگوٹھی پہنی ہو تو پھر نماز ہو جائے گی۔

۶۲۳- ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن بشار از محمد بن جعفر از شعبہ، از عاصم بن کلیب از] ابو بُردہ بن ابی موسیٰ اشعری] روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سُنا، فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ (حوالہ آگے آرہا ہے)

۶۲۴- [بدیں سند از ہناد بن سری از ابی الاحوص از عاصم بن کُلیب] ابو بُردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ میں اپنی اس انگلی، یا درمیانی یا اس کے ساتھ والی میں انگوٹھی پہنوں۔ (مسلم کتاب اللباس، ابو داؤد کتاب الخاتم، نسائی کتاب الزینۃ، باب ۵۰، ۷۷، ۱۱۹، ابن ماجہ کتاب اللباس)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"شعبہ کی اس حدیث نے ہر اُس خبر کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے، جسے عاصم سے روایت کرنے والوں نے شک کیا ہے جس شخص نے کسی ایسی انگلی میں انگوٹھی پہن کر نماز پڑھ لی جس کی

---

[1] ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۵۷، از عبد السلام بن عبد الرحمٰن از والد خود، نیز بیہقی ج ۲ ص ۲۸۸ بطریق عبیداللہ بن موسیٰ اور دونوں ہی از شیبان بن عبد الرحمٰن، از حصین بن عبد الرحمٰن از ہلال بن یساف از وابصہ بن معبد از ام قیس بنت محصن۔ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ممانعت ہے، اس میں اور ریشم پہن کر یا حرام حالت میں نماز پڑھنے والے کے مابین کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان سب نے نماز میں ایسا کام کیا ہے جس کی ممانعت تھی اور اس اعتبار سے انہوں نے نماز حسبِ حکم ادا نہیں کی دلہٰذا ان کی نماز نہیں ہوتی)

۴۰۸۔ نماز میں نیّت کی تبدیلی

اگر نماز میں قصد و ارادہ سے کسی دوسری نماز کی طرف منتقل ہونے کی نیت کر لی، یا فرض سے نفل کی طرف، یا نفل سے فرض کی طرف تبدیلی کی نیت کر لی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے نماز کی ادائیگی اس طرح نہیں کی جس طرح اسے حکم تھا۔ اگر اُس نے بھُول کر ایسا کر لیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی لیکن خلافِ حکم عمل کو لغو قرار دینا پڑیگا خواہ عمل زیادہ ہو یا تھوڑا اور اس پر بنیاد رکھ کر عمل کو جاری رکھے جو اس نے حکم کے مطابق ادا کیا اس طرح نماز کو پورا کرے اور سجدۂ سہو کرے بشرطیکہ وضو نہ ٹوٹے، اگر وضو ٹوٹ جاتے تو نماز پھر ابتداء سے شروع کرے جیسا کہ ہم قبل ازیں مسئلہ ۳۷۵ بعنوان "نماز میں کلام اور عمل" ذکر کر گئے ہیں، اس میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۴۰۹۔ کاہن کے پاس جانے والے کی نماز مقبول نہیں

جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اسے سچا جانتے ہوئے اس سے کوئی سوال پوچھا اور اسے معلوم بھی ہو کہ کاہنوں کے پاس جانا حلال نہیں، تو چالیس راتوں تک اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی ہاں اگر توبہ کرے تو پھر اس کی نماز قبول ہوگی۔ اس کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے:

۶۲۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنّٰی عَنَزی از یحییٰ بن سعید قطّان از عبیداللہ بن عمر از نافع مولیٰ ابنِ عُمر از صفیہ بنت ابی عُبید از] بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا "جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس سے کوئی سوال پوچھا، تو چالیس راتوں تک اس کی نماز مقبول نہیں ہوگی۔ (مسلم کتاب الطب، و احمد فی المسند ۴/۶۸ و ۵/۳۸۰)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ:

"اگر اس روایت میں اس امّ المومنین کا نام مذکور نہیں ہے جس سے یہ روایت مروی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری ازواجِ مطہرات حد درجہ صداقت، عدالت، طہارت اور ثقاہت سے موصوف ہیں، ان میں سے کسی کا مخفی رہنا یا کسی دوسری عورت کا ان کے ساتھ اختلاط ممکن نہیں، ان کا معاملہ اس غیر معروف شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو مدعیِ صُحبت ہو۔

جس شخص نے کسی نجومی یا کاہن سے سوال کیا اور اس لیے نہیں کہ وہ اسے سچا سمجھتا ہے بلکہ اس کی تکذیب مقصود ہے، تو ایسا شخص درحقیقت کاہن سے سوال کرنے والا یا اس کے پاس جانے والا نہیں سمجھا جاتا۔

اگر کوئی شخص نجومی و کاہن وغیرہ کے پاس جانے کے بعد سچی توبہ کرے تو سچی اور صحیح توبہ سے تمام گناہ ساقط ہو جاتے ہیں ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ایسے شخص کی نماز مقبول ہو گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے، یہ تغلیظ پر مبنی ہے تو اس نے گویا عمداً کذب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی ہے، اور آپؐ کی طرف اگر کوئی شخص ایسی نسبت کرتا ہے تو اس کا جو انجام ہو گا وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، یعنی جہنم" (دیکھو حدیث من کذب علیّ الخ اس کی تخریج صحیح جامع الصغیر، ج ۵/۳۵۱، ح ۶۳۹۵ میں شیخ البانی نے کی ہے)۔

۱۰۴۱۔ مقتدی اگر امام کی متابعت بھول جائے

جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اس کے امام نے سلام پھیر دیا ہے، یا وہ یہ بھول گیا کہ وہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے اور اس نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہو گیا جسے وہ باجماعت نہیں پا سکا تھا، یا نوافل کے لیے یا بھول کر کسی حاجت کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس کے لیے فرض ہے کہ جب اسے یاد آئے تو بیٹھ جائے اور اگر تشہد نہیں پڑھ سکا تو تشہد پڑھے اور ضروری ہے کہ سلام امام کے سلام کے بعد پھیرے اور بیٹھنے کی حالت میں پھیرے۔

اگر بیٹھ کر سلام پھیرنے میں کوئی مجبوری ہو تو پھر جیسے اسے قدرت ہو، سلام پھیر دے اور سجدہ سہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرے، یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، اگر کرنے سے پہلے وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کر کے از سر نو نماز ادا کرے اور اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اگر مذکورہ امور میں سے کچھ یہ جانتے بوجھتے کر لیا کہ وہ امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ اگر کسی نے عمداً نماز میں کوئی ایسا عمل کر لیا جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا، یا جو نماز میں مباح نہیں، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی البتہ بھول چوک اور نسیان معاف ہے (دیکھو مسئلہ ۲۷۰ و مابعد)

اس بات پر نص اور اجماع ہے کہ سلام صرف اس جلسہ کے آخر ہی میں ہوتا ہے، جس میں تشہد ہو!

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۱۱۔ کن لوگوں کے پیچھے نماز باطل ہے

جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ کافر ہے، اس کے پیچھے نماز باطل ہے، اسی طرح اس کے پیچھے بھی باطل ہے، جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ جان بوجھ کر طہارت کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے یا نماز میں کھیل رہا ہے اس مسئلہ میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور پھر یہ نص سے ثابت ہے کہ "نماز وہ پڑھائے جو قرآن مجید کا سب سے زیادہ عالم ہو (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)۔ اور حدیث ابو موسیٰ میں ہے کہ "تم میں کا کوئی ایک نماز پڑھائے (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ) اور ظاہر ہے کہ کافر ہم میں سے نہیں ہے۔

و نیز کافر نمازیوں میں سے نہیں ہے اور نہ نمازیوں کی طرف اس کی نسبت کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح نماز میں کھیلنے کودنے والا بھی نمازی نہیں اور نہ کھیل کود کی حالت کو حالتِ نماز قرار دیا جا سکتا ہے، ان میں سے کسی کی اگر کوئی اقتداء کرتا ہے تو وہ نماز کی ادائیگی اس طرح نہیں کرتا جس طرح اسے حکم ہے

۴۱۲۔ جن لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ان کے پیچھے عدمِ واقفیت کی بنا پر نماز پڑھنے کا حکم

اگر کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لی، جس کے بارے میں گمان یہ تھا کہ وہ مسلمان ہے لیکن پھر معلوم ہوا کہ وہ تو کافر ہے، یا نماز کے ساتھ مذاق کرنے والا ہے، یا نابالغ ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے، یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، اگر کرنے سے پہلے وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کر کے ازسرِ نو نماز ادا کرے اور اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اگر مذکورہ امور میں سے کچھ یہ جانتے بوجھتے کر لیا کہ وہ امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ اگر کسی نے عمداً نماز میں کوئی ایسا عمل کر لیا جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا، یا جو نماز میں مُباح نہیں، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی البتہ بھول چوک اور نسیان معاف ہے (دیکھو مسئلہ ۳۷۰ و مابعد)

اس بات پر نص اور اجماع ہے کہ سلام صرف اس جلسہ کے آخر ہی میں ہوتا ہے، جس میں تشہّد ہو!

—— وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۱۱۔ کن لوگوں کے پیچھے نماز باطل ہے

جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ کافر ہے، اس کے پیچھے نماز باطل ہے، اسی طرح اس کے پیچھے بھی باطل ہے، جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ جان بوجھ کر طہارت کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے یا نماز میں کھیل رہا ہے، اس مسئلہ میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور پھر یہ نص سے ثابت ہے کہ "نماز وہ پڑھائے جو قرآن مجید کا سب سے زیادہ عالم ہو (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ)۔ اور حدیثِ ابوموسیٰ میں ہے کہ "تم میں کا کوئی ایک نماز پڑھائے (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ) اور ظاہر ہے کہ کافر ہم میں سے نہیں ہے۔

و نیز کافر نمازیوں میں سے نہیں ہے اور نہ نمازیوں کی طرف اس کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح نماز میں کھیلنے کودنے والا بھی نمازی نہیں اور نہ کھیل کود کی حالت کو حالتِ نماز قرار دیا جا سکتا ہے، ان میں سے کسی کی اگر کوئی اقتدار کرتا ہے تو وہ نماز کی ادائیگی اس طرح نہیں کرتا جس طرح اسے حکم ہے

۴۱۲۔ جن لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں اُن کے پیچھے عدمِ واقفیّت کی بنا پر نماز پڑھنے کا حکم

اگر کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لی، جس کے بارے میں گمان یہ تھا کہ وہ مسلمان ہے لیکن پھر معلوم ہوا کہ وہ تو کافر ہے، یا نماز کے ساتھ مذاق کرنے والا ہے، یا نابالغ ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اس کی نماز درست ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا مکلّف نہیں بنایا کہ ہم یہ معلوم کریں کہ لوگوں کے دلوں میں کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ فرمان ہے کہ:

لَمْ أُبْعَثْ لِأَشُقَّ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَإِنَّمَا كُلِّفْنَا ظَاهِرَ أَمْرِهِمْ [1]

"مجھے اس لیے مبعوث نہیں کیا گیا کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھوں بلکہ ہمیں ظاہر حالات کا مکلّف بنایا گیا ہے"

جب نماز کا وقت ہو جائے تو ہمیں حکم یہ ہے کہ ظاہر حالات پر نظر کرتے ہوئے اپنے میں سے کسی کو اپنا امام بنالیں، چنانچہ اس امام کی اقتداء میں جو نماز ادا کرے گا، اس نے گویا حکم الٰہی کے مطابق نماز ادا کر لی، اسی طرح وہ شخص جس کی نیت میں دین کے ساتھ مذاق کرنا ہے لیکن اس کی پہچان کا کوئی طریقہ نہ ہو تو اس کی اقتداء میں بھی نماز ہو جائے گی ــــــ وباللہ تعالی التوفیق۔

۴۱۳۔ ناواقفیت کی وجہ سے احکام اعتقاد میں تاویل کرنے والے کی اقتداء

بعض موجبات وضو کے بارے میں اگر کسی نے یہ تاویل کر لی کہ اس سے وضو فرض نہیں ہے تو اس کی اقتداء میں نماز جائز ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے نماز کے بعض فرائض کی نسبت تاویل کے باعث یہ اعتقاد کر لیا کہ یہ نوافل ہیں تو اس کی امامت میں بھی نماز درست ہوگی کیونکہ یہ لوگ جہالت کے سبب معذور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن حکم کی نماز کو درست قرار دیا تھا حالانکہ اس نے جہالت کے باعث نماز میں عمداً گفتگو کر لی تھی۔ (یہ حدیث پہلے مع حوالہ گزر چکی ہے نیز دیکھو تحفۃ الاشراف ۸/۴۲۶، ح ۱۱۳۷۸)۔

۴۱۴۔ امام کی زیادتی کی اقتداء جائز نہیں

جس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا امام رکعت یا سجدہ زیادہ کر رہا ہے تو اس زیادتی میں امام کی اتباع جائز نہیں بلکہ وہ اپنی جائز حالت پر برقرار رہے اور سُبحان اللہ کہہ کر امام کو خبردار کر دے اس

---

[1] یہ روایت اس طرح مجھے نہیں ملی البتہ اسی کے ہم معنی بخاری، مسلم ابو داؤد، اور نسائی میں ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ (دیکھو تحفۃ الاشراف ۳/۳۸۹، ح ۴۱۳۲) ابوالاشبال پاکستانی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ میں کسی کا بھی اختلاف نہیں (دیکھو عون المعبود ۱/ ۲۹۰) فرمان الٰہی بھی یہی ہے کہ :

لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ (النسآء۔ ۸۴) "تم اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں"

۱۵ ام: صف کے پیچھے منفرد کی نماز

جو شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی البتہ یہ صورت عورت کے لیے باعثِ مضرت نہیں ہے (یعنی عورت اکیلی بھی کھڑی ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی)

مقتدیوں پر فرض ہے کہ وہ صفوں کو مکمل کریں، پہلے پہلی صف مکمل کریں اور پھر بعد والی، خوب مل جل کر کھڑے ہوں۔ کندھوں کے ساتھ ملائیں اور پاؤں پاؤں کے ساتھ اگر کمی ہو تو وہ آخری صف میں ہونی چاہیے۔

اگر کوئی شخص پچھلی صف میں کھڑا ہوا اور اس سے اگلی صف میں خالی جگہ ہو جو اس کے وہاں کھڑا ہونے سے پُر ہو سکتی ہو اور یہ اُسے پُر نہ کرے، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر صف میں گنجائش باقی نہ رہ گئی ہو تو پھر صف سے ایک آدمی کو پیچھے کھینچ لے اور اس کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، اگر آدمی کو پیچھے کھینچنے کی قدرت نہ ہو تو پھر واپس لوٹ جائے اور صف کے پیچھے اکیلا نماز نہ پڑھے۔ ہاں اگر صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے منع ہو تو پھر نماز پڑھ لے، اس کی نماز درست ہو گی۔

۶۲۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک خولانی از محمد بن بکر از ابوداؤد از سلیمان بن حرب از شعبہ از عمرو بن مُرّہ از ہلال بن یساف از عمرو بن راشد از] حضرت وابصہ بن معبد اسدی سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صف کے پیچھے ایک شخص کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ نماز پڑھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، احمد ۴/ ۲۲۷، ۲۲۸، ابوداؤد طیالسی ص ۱۶۶، ح ۱۲۰۱، طحاوی ۱/ ۲۲۹، موارد الظمآن ص ۱۱۶، سنن دارمی ۱/ ۲۳۷، عبدالرزاق ۲/ ۵۹، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۹۲)

۶۲۷۔ ہم نے بطریق جریر بن عبدالحمید، از حصین بن عبدالرحمٰن، از ہلال بن یساف از زیاد بن ابی الجعد حضرت وابصہ بن معبدؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ نماز پڑھے (حوالہ اوپر والی حدیث میں دیکھو)

کچھ لوگوں نے اپنی آراء سے یہ کہا ہے کہ شاید آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے کسی ایسے امر کے باعث نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا ہو جسے ہم نہیں جانتے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ بات بالکل باطل ہے کیونکہ اگر حقیقت میں ایسا ہی ہوتا جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اسے ضرور بیان فرما دیتے اور پھر اگر اس طرح کی بات کو جائز قرار دیا جائے تو پھر جو شخص خوفِ الٰہی سے عاری ہو وہ ہر حدیث کو سن کر یہ کہہ سکتا ہے کہ شاید کسی چیز کی کمی رہ گئی ہو۔ لہٰذا وہ ہر حکم کو اسی طرح باطل کرتا جائے گا۔"

اس حکم کی مزید وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے

۸۲۸۔ ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن جسور، از وہب بن مسَرَّۃ از محمد بن وضّاح از ابوبکر بن ابی شیبہ از ملازم بن عمرو از عبداللہ بن بدر از عبدالرحمٰن بن علی بن شَیبان از والدِ خود] علی بن شَیبان روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیعت کی اور آپ کی امامت میں نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ اس نے سلام پھیرا، آپ نے فرمایا دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ جو صف کے پیچھے نماز پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن ابی شیبہ ۲/۱۹۳ وابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ، احمد بن حنبل ۴/۲۳ و موارد الظمآن، ص ۱۰۶ و ابن خزیمہ ۳/۳۰)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:

"مُلازِم ثقہ ہے، ابن ابی شیبہ اور ابن نمیر کے علاوہ اور بھی کئی محدّثین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، عبداللہ بن بدر بھی ثقہ اور مشہور ہے، عبدالرحمٰن پر اس سے زیادہ کسی نے اور کوئی عیب نہیں لگایا کہ ان سے اس روایت کو صرف عبداللہ بن بدر نے روایت کیا ہے اور یہ کوئی جرح نہیں ہے[1]۔"

---

[1] عبدالرحمٰن سے ان کے صاحبزادے یزید اور وعلہ بن عبدالرحمٰن نے بھی روایت کیا ہے، ابن حبانؒ نے ثقات (۵/۱۰۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ ہلال بن یساف نے حدیث وابصہ کو کبھی تو زیاد بن ابی الجعد سے روایت کیا ہے اور کبھی عمرو بن راشد سے تو یہ اس لیے تاکہ اس سے اس روایت کی قوت کو ظاہر کیا جائے اور عمرو بن راشد ثقہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ اور کئی دیگر محدثین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے[1]۔

ہیں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور صحیح (موارد الظمآن ص ۱۱۶) میں آپ سے روایت لی ہے، عجلی اور ابو العرب تمیمی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ اسناد بالکل صحیح ہے۔

[1] وابصہ کی روایت دو طرق سے ذکر کی گئی ہے، یعنی ایک بطریق ہلال، از عمرو بن راشد، از وابصہ اور دوسرے بطریق ہلال، از زیاد بن ابی الجعد از وابصہ، بعض محدثین نے یہ گمان کیا ہے کہ ہلال کے اس اختلاف کے باعث خبر کو ضعیف قرار دیا جائے گا اور یہ ایک غلط گمان ہے بلکہ یہ تو ایک ثقہ راوی سے دوسرے ثقہ راوی کی طرف منتقل کرنا ہے جو حدیث کے لیے باعث تقویت ہے جیسا کہ مصنف نے فرمایا ہے وینز عمرو بن مرّہ از زیاد بن ابی الجعد از وابصہ، یہ حدیث ترمذی، ج ۱ ص ۸ میں ہے اور یہی وہ روایت ہے جسے ہلال نے از عمرو بن راشد، از وابصہ بیان کیا ہے، یہ گویا اس بات کی تائید ہے کہ عمرو بن راشد اور زیاد، دونوں نے اسے وابصہ سے بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہلال بن یساف نے اس حدیث کو خود وابصہ سے سنا ہے، چنانچہ ترمذی نے بطریق ہناد از ابو الاحوص از حصین روایت کیا کہ ہلال بن یساف کا بیان ہے کہ ہم رقّہ میں تھے کہ زیاد بن ابی الجعد نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک شخص کے پاس لے گئے جو بنی اسد سے تھے اور انہیں وابصہ بن معبد کہا جاتا تھا، زیاد نے کہا کہ مجھ سے اس شیخ نے بیان کیا کہ ایک شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا تھا۔ اور یہ شیخ سن رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ نماز دوہرائے۔ ہلال کی وابصہ سے روایت کے سلسلہ میں یہ سند صریح ہے کیونکہ یہ "من باب العرض علی الشیخ" سے ہے اور علماء حدیث کے نزدیک سماع کی طرح یہ بھی حجت ہے، اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث حصین اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہلال کی وابصہ سے ملاقات ثابت ہے، امام احمد نے اسے از وکیع، از سفیان اور از محمد بن جعفر از شعبہ اور ابن ماجہ نے از ابی بکر بن ابی شیبہ از عبداللہ بن ادریس، اور طحاوی نے ج ۱ ص ۲۲۹ میں بطریق سعید بن منصور از ہشیم روایت کیا ہے اور پھر یہ چاروں از حصین از ہلال روایت کرتے ہیں کہ زیاد نے ہلال کو وابصہ کے پاس پہنچا کر ان کے سامنے ان کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی لیکن انہوں نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ وابصہ بھی اس وقت سن رہا تھا لیکن ترمذی کی روایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۲۹- ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابوالولید طیالسی از شعبہ از عمرو بن مُرّہ از سالم بن ابی الجعد از] حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ضرور صفوں کو درست کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بدل دے گا (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۲، مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۲۸)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ شدید قسم کی وعید ہے اور وعید کسی کبیرہ گناہ پر ہی ہوا کرتی ہے"۔

۶۳۰- (بدیں سند تا شعبہ از قتادہ] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَوُّوا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔[1] "اپنی صفوں کو سیدھا کرو کیونکہ صفوں کا سیدھا کرنا بھی اتمام نماز سے ہے"۔

اس امر کی تفسیر و تائید کرتی ہے۔

اس بات کی مزید تقویت کے لیے یہ عرض ہے کہ امام احمد نے اسے از ابی معاویہ، از اعمش، از شمر بن عطیہ از ہلال بن یساف از وابصہ بھی روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔

مذکورہ گزارشات کا خلاصہ یہ ہُوا کہ ہلال نے اس حدیث کو عمرو بن راشد اور زیاد بن ابی الجعد سے سُنا ہے جبکہ ان دونوں نے اسے وابصہ سے سُنا ہے، زیاد نے وابصہ کی موجودگی میں جبکہ وہ سُن بھی رہے تھے ہلال کو یہ حدیث سُنائی، گویا انہوں نے وابصہ سے ہی سُنا ہے۔

یہ حدیث بروایت زیاد اس طرح بھی آئی ہے جیسا کہ امام احمدؒ نے از وکیع، از یزید بن زیاد بن ابی الجعد اور وہ اپنے چچا عُبید بن ابی الجعد، از زیاد بن ابی الجعد، از وابصہ بن معبد" اور یہ سند بھی صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث زیاد کے پاس تھی اور ان سے ان کے اہل و عیال نے روایت کیا۔

[1] بخاری ج ۱ ص ۲۹۰ میں الفاظ یہ ہیں "فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلٰوةِ یعنی اس میں "من تمام الصلوٰۃ" (باقی اگلے صفحہ پر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"صف کا سیدھا کرنا، اقامتِ نماز میں سے ہے لہٰذا یہ بھی فرض ہے، کیونکہ اقامتِ نماز فرض ہے اور جو فرض کا جزء ہو وہ بھی فرض ہوتا ہے[1]"

۶۳۱- [بدیں سند تا امام بخاری از احمد بن ابی رجاء از معاویہ بن عمرو از زائدہ بن قدامہ از حمید طویل] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ صفوں کو سیدھا کرو اور خوب مل کر کھڑے ہوا کرو کیونکہ میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۲۳، ح ۶۸۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے پاؤں کو اپنے ساتھی کے پاؤں کے ساتھ ملایا کرتا تھا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۲۷، ح ۶۹۲)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:-

کے الفاظ نہیں ہیں، نہیں معلوم ابن حزمؒ یہ الفاظ بطریق بخاری کہاں سے لے آئے ہیں؟ ابن حجرؒ ج ۲ ص ۱۴۲، ۱۴۳ میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بطریق ابوالولید اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن دیگر محدثین نے بطریق ابی الولید "من تمام الصلوٰۃ" کے الفاظ ذکر کیے ہیں اسی طرح اسماعیلی نے ابن حذیفہ سے، بیہقی نے عثمان دارمی سے اور ان دونوں نے ابوالولید سے نیز امام ابوداؤد اور مسلم اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی یہ الفاظ اسی طرح ذکر کیے ہیں۔ (غالباً ابن حزم کے پاس جو بخاری کا نسخہ تھا اس میں اسی طرح مذکور ہوگا واللہ اعلم)

[1] حافظ ابن حجر "فتح الباری" ۲/۴، ۱ باب "اقامۃ الصف من تمام الصلوٰۃ" میں فرماتے ہیں کہ امام ابن حزمؒ نے اقامتِ صلوٰۃ کے الفاظ سے صفوں کی درستگی کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور وہ اس طرح کہ اقامتِ صلوٰۃ واجب ہے اور واجب کا ہر جزو واجب ہوتا ہے، تو اس استدلال کا ضعف مخفی نہیں ہے خصوصاً جبکہ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ رُواۃ اس عبارت پر متفق بھی نہیں ہیں۔ انتہیٰ

احمد شاکر فرماتے ہیں کہ ابن حزمؒ نے دونوں عبارتوں سے استدلال کیا ہے اور آپ کی دلیل قوی و صحیح ہے (لہٰذا ابن حجر کا نقد صحیح نہیں)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اس بات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اور اس باب میں بہت سی احادیث ہیں، پہلی صف وہ ہے جو امام کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔"

۶۳۲۔ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن حرب واسطی از عمرو بن ہیثم۔ ابوقطن از شعبہ از قتادہ از خلاس از ابی رافع از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی صف کے (اجر وثواب کے) بارے میں اگر تمہیں بھی وہ کچھ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تم اس کے لیے قرعہ اندازی کرو۔ (مسلم، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"قرعہ اس جگہ کے لیے ہوتا ہے جس میں سب کے لیے گنجائش نہ ہو اور اس کے باعث اختلاف اور کجی ہو اگر صفِ اوّل سے جلدی آنا مراد ہو[1] جیسا کہ بعض لاحاصل کلام کرنے والوں نے کہا ہے تو قرعہ اندازی حماقت ہوگی کیونکہ جلدی آنے میں تو کوئی ایسی رکاوٹ نہیں ہوتی جس کے لیے قرعہ اندازی کی ضرورت پیش آئے۔"

۶۳۳۔ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از اسماعیل بن مسعود جحدری از خالد بن حارث از سعید بن ابی عروبہ از قتادہؒ] حضرت انسؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی صف کو پورا کرو، پھر اس کو جو اس کے ساتھ ملی ہوتی ہے، اگر کچھ کمی ہو تو وہ آخری صف میں ہونی چاہیے۔ (ابوداؤد نسائی کتاب الصلوٰۃ)

---

[1] یعنی بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جو شخص پہلے آجاتے وہ پہلی صف ہی میں ہے، خواہ وہ آخری صف میں کھڑا ہو کیونکہ کسی صف مخصوص کی قید نہیں بلکہ مسجد میں جلدی آنا مراد ہے، یہ ایک غریب قول ہے، امام شوکانیؒ نے بھی اسے "نیل" ج ۲ ص ۲۳۲ میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ صفِ اوّل مسجد میں جلدی آنے سے تعبیر ہے، خواہ کوئی نماز آخری صف میں پڑھ لے چنانچہ بشر بن حارث سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ آپ آتے تو جلدی ہیں لیکن نماز آخری صف میں پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا قربِ قلوب مقصود ہے، قربِ اجساد مقصود نہیں، لیکن احادیث اس تاویل کی تردید کرتی ہیں لہٰذا امام ابن حزمؒ نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :

"جس شخص نے اس حدیث سے تنہا صف کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے وہ راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے، جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ اور یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کر کے نماز پڑھائی اور عورت ان دونوں کے پیچھے تھی" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔

لیکن یہ حدیث ان کے لیے حجت نہیں بن سکتی کیونکہ یہ حکم تو عورتوں کے لیے ہے کہ وہ آدمیوں کے پیچھے کھڑی ہوں، عورتیں اگر زیادہ ہوں تو ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ صفوں کو درست رکھیں کیونکہ حکم عام ہے، حدیثِ وابصہ کے باعث مذکورہ عورت والی حدیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس عورت والی حدیث کے پیشِ نظر حدیثِ وابصہ کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ جو شخص اس حدیث کو اس کے باعث ترک کر دیتا ہے وہ زیادہ بہتر نہیں ہے اس کی نسبت جو اس کے بجائے اس کو ترک کرتا ہے کیونکہ ان میں سے کوئی طرزِ عمل بھی صحیح نہیں ہے۔"

یہ حضرات حدیثِ ابن عباسؓ و جابرؓ[لے] سے بھی استدلال کرتے ہوئے بھٹک گئے کیونکہ اس میں تو یہ ذکر ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک جب آیا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب تنہا اقتدا کی نیت کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا، آپ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو گھما کر اپنے دائیں جانب کر دیا تو ان کا کہنا ہے کہ اس طرح گھومنے کی صورت میں حضرت جابرؓ و ابن عباسؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوتے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :-

"یہ بات جو ان حضرات نے ذکر کی ہے، یہ کوئی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ہم یہ پہلے ذکر کر آتے ہیں کہ

لے ابن عباس کی روایت بخاری، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ اور بخاری، مسلم، ترمذی کتاب الصلوٰۃ میں اور حضرت جابر کی روایت آگے حدیث ۱۳۲۴ میں آرہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ طرزِ عمل درست نہیں کہ بعض احادیث کو لے لیا جائے اور بعض کو ترک کر دیا جائے، یہ تو دین کے ساتھ مذاق ہوگا۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ حدیثِ جابر و ابنِ عباس کو لے لیا جائے اور حدیثِ وابصہ و علی بن شیبان رضی اللہ عنہما کو ترک کر دیا جائے یا اس کے برعکس کر لیا جائے کیونکہ یہ سب کچھ باطل اور دلیل کے بغیر محض تحکّم ہے اور حق یہ ہے کہ تمام احادیث کے مطابق عمل کیا جائے کیونکہ یہ سب احادیث برحق ہیں، ان کے خلاف عمل کرنا درست نہیں۔ جو شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہو جائے، اسے گھما کر دائیں جانب لے آنا برحق ہے، اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے یہ معلوم بھی ہے کہ اس طرف کھڑا ہونا درست نہیں اور امام بھی اسے دائیں جانب نہ لائے تو دونوں کی نماز باطل ہو جائے گی، صف کے پیچھے اگر کوئی تنہا پڑھتا ہے تو اس سے دونوں کی نماز باطل نہیں ہوگی اور پھر دائیں سے بائیں جانب گھمانا صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے کے مترادف تو نہیں ہے۔"

انہوں نے حضرت ابوبکرہؓ کی اس حدیث سے بھی غلط استدلال کیا ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر اسی حالت میں صف میں داخل ہو گئے (حوالہ مسئلہ ۳۶۲ میں گزر چکا اور آگے بھی آرہا ہے، دیکھو حدیث ۶۳۴)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں

یہ حدیث ان کے خلاف ہمارے لیے حجّت ہے وہ اس طرح جیسا کہ

۶۳۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد از حمید بن مسعدہ از یزید بن زریع از سعید بن ابی عروبہ از زیاد اعلم از حسن] روایت کیا کہ حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کی حالت میں ہیں، لہٰذا انہوں نے بھی صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری حرص کو زیادہ کرے، دوبارہ ایسا نہیں کرنا (بخاری، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ و بیہقی ۲/۹۰، عبدالرزاق ۲/۲۸۲ و طحاوی ۱/۳۹۵)

۶۳۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عبداللہ بن عثمان از احمد بن خالد از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از زیاد اعلم از حسن از] حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کیا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز پڑھا رہے تھے اور حالتِ رکوع میں تھے، آپ نے بھی مسجد میں داخل ہوتے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر اسی حالتِ رکوع میں ہی صف میں داخل ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ رکوع کی حالت میں کون صف میں شامل ہوا ہے، ابوبکرہؓ نے عرض کیا "میں"۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری حرص کو زیادہ کرے، دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (حوالہ اوپر والی روایت میں دیکھو)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس طرح صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لینا اور پھر صف میں شامل ہونا درست نہیں ہے"

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہؓ کو نماز دوہرانے کا حکم کیوں نہیں دیا جیسا کہ بُری طرح سے نماز پڑھنے والے اور صف سے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کو حکم دیا تھا؟

ہم عرض کریں گے کہ ہمیں یہ قطعی یقین ہے کہ صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لینا اُس وقت حرام ہوا جب آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ جب یہ بات درست ہے تو جو شخص ممانعت سے پہلے ایسا کر لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ فرض نہیں ہے اور اگر اس ممانعت سے پہلے بھی یہ امر حرام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نماز کے اعادہ کا حکم دیتے، جیسا کہ آپ نے دوسرے لوگوں کو حکم دیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص صف کے پیچھے منفرد کی نماز کو جائز قرار دیتا ہے یا صفوں کو سیدھا نہ رکھنے والے کی نماز کو درست سمجھتا ہے، وہ باطل پر ہے اور اس کے پاس اس سلسلہ میں قرآن، سُنّت اور اجماع کی روشنی میں کوئی دلیل نہیں ہے!

سلف صالح کا قول بھی یہی ہے، چنانچہ صحیح ترین سند کے ساتھ حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اُن لوگوں میں سے ہوں، جنہیں حضرت عمر بن خطابؓ نے نماز میں صف درست رکھنے کے لیے لات ماری تھی۔[1]

---

[1] یہ روایت اس طرح تو مجھے نہیں ملی البتہ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۲ میں ہے کہ ابوعثمان فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"حضرت عمرؓ فرض کے علاوہ اور کسی بات پر نہ کسی کو مار سکتے تھے اور نہ ناجائز طور پر کوئی سزا دے سکتے تھے"۔

بطریق یحییٰ بن سعید قطّان از عُبَید اللہ بن عمر از نافع، حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے صفوں کو درست کرنے کے لیے آدمی مقرر کر رکھے تھے، جب وہ اطلاع دیتے (کہ صفیں درست ہوگئی ہیں) تو پھر آپ تکبیر کہتے تھے (عبد الرزاق ۱/۴۷، و مالک فی الموطا ۱/۱۵۸، و تحفۃ الاحوذی ۱/۱۹۳)

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ جس مقتدی اور امام کے مابین نہر، دیوار یا راستہ حائل ہو تو وہ امام کے ساتھ نہیں ہے۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲/۲۲۳ و عبد الرزاق ۲/۸۱)

(مالک، از ابو النضر، از مالک بن ابی عامر) حضرت عثمانؓ بن عفان یہ خطبہ میں ارشاد فرماتے اور کم ہی اسے چھوڑتے کہ جب نماز کھڑی ہو جاتے تو صفوں کو درست کر لینا اور کندھے ملا لینا کیونکہ صفوں کی درستگی بھی تمام صلوٰۃ سے ہے۔ پھر آپ اس وقت تک تکبیر نہیں کہتے تھے جب تک آپ کے اس سلسلہ میں مقرر کردہ لوگ یہ نہ بتاتے کہ صفیں درست ہوگئی ہیں۔ (موطّا امام مالک ۱/۱۰۴ و مصنّف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۲ و عبد الرزاق ۲/۴۹)

یہ دو خلیفوں رضی اللہ عنہما کا صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں طرزِ عمل تھا۔ کسی بھی دوسرے صحابی نے اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا۔

حضرت عثمانؓ فرمایا کرتے تھے کہ صفوں کو درست کرو، پاؤں اور کندھوں کو ملا کر رکھو۔ (عبد الرزاق ۲/۴۹)۔

بطریق سفیان ثوری از اعمش از عمارہ بن عمران جُعفی[1] از سُوَید بن غَفَلہ روایت ہے کہ حضرت بلالؓ

ہیں سے ہوں جنہیں حضرت عمرؓ نے صفیں سیدھی کرنے کے لیے آگے بڑھایا تھا۔

[1] عمارہ بن عمران کا ترجمہ کسی کتاب میں نہیں ملا، میرے خیال میں ناقلین سے غلطی ہوئی ہے، صحیح نام عمران بن مسلم ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔۔ نماز میں ہمارے پاؤں پر مارتے اور ہمارے کندھوں کو سیدھا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق ۲/ ۴۷ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۵۲)

حضرت بلالؓ فرض کے ترک کے علاوہ اور کسی وجہ سے لوگوں کو نہیں مار سکتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ صفوں کا درست کرنا اتمام صلوٰۃ سے ہے۔ میرے دو دانت ٹوٹ جائیں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں صف میں کوئی خلل دیکھوں اور اسے پُر نہ کروں۔ (عبد الرزاق ۲/ ۵۰ و مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۸۰)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"جس چیز کا ترک مباح ہو، اس پر قطعاً کوئی اس طرح تمنا کا اظہار نہیں کر سکتا"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ستونوں کے درمیان کی جگہ سے اپنے آپ کو بچاؤ اور پہلی صف کو اختیار کرو۔ (معجم کبیر طبرانی ۱۱/ ۳۵۷، کنز العمال ۷/ ۶۳۵، ح ۲۰۶۴۲، عن ابن ابی شیبہ و عبد الرزاق ۲/ ۵۸)۔

عبید اللہ بن ابی یزید سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسور بن مخرمہ کو دیکھا کہ آپ صفوں کے درمیان گھس کر پہلی یا دوسری صف میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے (عبد الرزاق ۲/ ۵۲)

بطریق وکیع، از مسعر بن کدام، از عمرو بن مرہ، از سالم بن ابی الجعد روایت ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تم صفوں کو ضرور سیدھا رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بدل دے گا (یہ روایت مرفوعاً گزر چکی موقوفاً مجھے نہیں ملی)

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، کیا آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی نسبت کوئی تبدیلی محسوس کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم صفوں کو درست نہیں رکھتے ہو (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۲۲۶)

ونیز مصنف ابن ابی شیبہ میں صرف "عمران ہی ہے۔ لیکن عبد الرزاق میں بھی عمارہ بن عمران ہے۔ عمران بن مسلم جعفی اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور سوید بن غفلہ سے روایت بھی کرتے ہیں قبل ازیں ان سے المحلّی، ج ۳، ص ۶۵ زیر مسئلہ ۲۸۹ روایت بھی گزر چکی واللہ اعلم۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس اثر کو فتح الباری ۲/ ۱۴۲ میں سوید سے نقل کر کے صحیح قرار دیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعید بن جُبیر سے بھی صفوں کو درست رکھنے کا حکم منقول ہے۔ حضرت عطاء سے روایت ہے کہ لوگوں کو صفیں درست رکھنا چاہییے۔ عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ صفوں کو سیدھا رکھو کیونکہ صفوں کو سیدھا رکھنا بھی تکمیل صلوٰۃ سے ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آئے اور دیکھے کہ صف پُوری ہو چکی ہے، اگر گنجائش ہو تو صف میں داخل ہونے کی کوشش کرے، نہ گنجائش ہو تو صف میں سے کسی کو کھینچ لے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے، اگر اس صورت میں کسی نے اکیلے ہی نماز پڑھ لی تو اسے دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی۔ (عبدالرزاق ۲/ ۵۹، ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۲۲)

شُعبہ سے روایت ہے کہ میں نے حکم بن عُتیبہ سے پوچھا کہ جو شخص صف کے پیچھے نماز پڑھے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ (عبدالرزاق ۲/ ۵۹)

امام اَوزاعی، حسن بن حی، ایک قول کے مطابق سفیان ثوری، احمد بن حنبل[۱] اور اسحاق فرماتے ہیں کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے، اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے!

۴۱۶۔ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں

مسجد میں داخل ہونے والے شخص پر واجب ہے کہ وہ یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔　　"اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"

اور جب مسجد سے باہر نکلے تو پھر یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ　　"اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں"

یہ دعائیں پڑھنا مسجد میں آنے جانے کی شرائط میں سے ہیں، نماز کی شرائط میں سے نہیں ہیں، جو شخص دعائیں نہ پڑھے، اس کی نماز جائز ہوگی البتہ ان دعاؤں کے ترک کرنے کے باعث گناہگار ہوگا، اس کی دلیل حسب ذیل

---

[۱] عبداللہ نے اپنے باپ امام احمد بن حنبل سے مسند ج ۴ ص ۲۲۸ میں حدیثِ وابصہ کے بعد ذکر کیا ہے کہ میرے باپ اسی حدیث کے مطابق فرماتے تھے، امام ترمذی نے امام احمد، اسحاق، حماد بن ابی سلیمان، ابن ابی لیلیٰ اور وکیع سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث ہے:

۶۳۶- ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحییٰ بن یحییٰ از سلیمان بن بلال از ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن از عبدالملک بن سعید بن سُوَید انصاری از] ابی حُمَید یا ابی اُسید روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ یہ کہے "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور جب باہر نکلے تو پھر یہ دعا پڑھے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

"ان دونوں (صحابیوں) میں سے جو بھی ہو، وہ بہرکیف اپنے بعد آنے والے ہر شخص سے بہتر ہے"[1]

۴۱۷- امام کی اقتداء فرض ہے

ہر مقتدی پر فرض ہے کہ وہ امام سے پہلے نہ سر اٹھائے، نہ رکوع کرے، نہ سجدہ کرے، نہ تکبیر کہے، نہ کھڑا ہو اور نہ سلام پھیرے، ان میں سے کوئی امر امام کے ساتھ بھی انجام دینا درست نہیں ہے، اگر کسی نے قصد و ارادہ کے ساتھ ایسا کر لیا، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، ان تمام امور کو امام کے پیچھے پیچھے سر انجام دینا چاہیے، اگر کسی نے بھول کر امام سے پیش قدمی کر لی، تو اسے سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

۶۳۷- ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابو کامل جحدری از ابو عوانہ از قتادہ از یونس بن جُبیر از حطان بن عبداللہ رقاشی از] حضرت ابو موسیٰ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا اور اپنے اس خطاب میں آپ نے بہتری و بھلائی کی باتیں ارشاد فرمائیں اور ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو صفیں خوب درست کر لو پھر تم میں

---

[1] اس کا مقصد یہ ہے کہ راوی کو جو یہ شک ہے کہ یہ روایت ابوحمید سے مروی ہے یا ابواُسید سے تو یہ شک نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ دونوں ہی جلیل القدر صحابی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی ایک امامت کے فرائض انجام دے، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو، اس طرح کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہاری دُعاء کو قبول فرمائے گا، جب امام تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو، امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے ہی سر اٹھاتا ہے تو اس طرح حساب برابر ہو جاتا ہے۔ جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو، امام تم سے پہلے سجدہ کرتا ہے اور پہلے سر اٹھاتا ہے، تو اس طرح حساب برابر ہو جاتا ہے، اس طرح راوی نے باقی حدیث بھی ذکر کی[1]۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

۶۳۸ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از مُسَدَّد از یحییٰ بن سعید قطان از سفیان ثوری از ابواسحاق سَبِیْعی از عبداللہ بن یزید انصاری از] حضرت براء بن عازبؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہتے، تو ہم میں سے کوئی شخص اس وقت تک اپنی پُشت کو حرکت نہ دیتا، جب تک آپ سجدہ میں نہ چلے جاتے، جب آپ سجدہ میں چلے جاتے، تو پھر ہم سجدہ کرتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد ترمذی، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

بطریق عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی یہ روایت حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے (مسلم، ابوداؤد کتاب الصّلوٰۃ)

۶۳۹ [بدیں سند تا بخاری از حجاج بن منہال از شعبہ از محمد بن زیاد] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو امام سے پہلے اپنے سر کو اٹھاتا ہے، کیا وہ اس بات سے ڈرتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت میں بدل دے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

۶۴۰ ہم نے بطریق [حمام از ابن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن اَیمن از محمد بن اسمٰعیل ترمذی از حمیدی از سفیان بن عُیَیْنَہ از یحییٰ بن سعید انصاری از محمد بن یحییٰ بن حبان از ابن مُحَیْرِیْز از] حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ رکوع و سجود میں مجھ سے سبقت کرنے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ میرا جسم بھاری ہو گیا ہے لہذا

[1] مصنف نے اس حدیث کو اوّل، اوسط اور آخر سے مختصر کر کے ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکوع کرتے وقت میں تمہاری نسبت جتنی سبقت کروں، رکوع سے سر اٹھاتے وقت تم مجھے پالوگے، اسی طرح سجدہ کرتے وقت جتنی میں تمہاری نسبت سبقت کروں گا، اسی قدر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت تم مجھے پالوگے[1]

سلف سے بھی ایسا ہی منقول ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا یا جھکاتا ہے، اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ (مؤطا کتاب الصلوٰۃ وعبدالرزاق ۲/۳۷۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جو شخص امام سے پہلے اپنے سر کو اٹھا لیتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو کتے کا سر نہ بنا دے؟ (عبدالرزاق ۲/۳۷۳، وطبرانی کبیر ۹/۲۷۴، ح ۹۱۶۳-۹۱۶۵)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

"اس سے بڑھ کر اور کوئی وعید سخت نہیں ہوسکتی کہ انسان کو کتے یا گدھے کی صورت میں مسخ کر دینے کی دھمکی دی جائے اور نہ اس سے بڑھ کر اور کوئی سزا ہوسکتی ہے کہ انسان کی پیشانی کو شیطان کے ہاتھ میں دے دیا جائے"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ سجدوں میں اپنے اماموں سے آگے نہ بڑھو اگر کوئی اس میں سبقت کر بیٹھے تو اسے اسی اندازے کے بقدر سجدے میں سر زیادہ دیر تک رکھنا چاہیے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۷۵)

حضرت عمر بن خطابؓ سے بھی حرف بحرف اسی طرح روایت ہے (عبدالرزاق ۲/۳۷۵ والبخاری فی

---

[1] ابوداؤد نے ج ۱، ص ۲۳۹ کتاب الصلاۃ میں از مسدد از یحییٰ، از ابن عجلان از محمد بن یحییٰ بن حبان، اسی سند و معنی کے ساتھ اسے روایت کیا ہے، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ از ہشام بن عمار وغیرہ، مسند احمد، ج ۴، ص ۹۲ میں از یحییٰ بن سعید از ابن عجلان اور ج ۴ ص ۹۸ میں از سفیان از ابن عجلان ہے، بیہقی ج ۲، ص ۹۲ میں بطریق لیث بن سعد از ابن عجلان ہے، یہ سب اسانید حد درجہ صحیح ہیں۔ اس حدیث کی احمد اور ابوداؤد کی سندوں میں جو یحییٰ بن سعید ہیں ان سے مراد یحییٰ بن سعید بن فروخ قطان ہیں اور جو مؤلف کی سند میں ہیں وہ یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری ہیں، یہ قدیم ہیں، ۱۴۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ محمد بن یحییٰ بن حبان سے انہوں نے روایت کیا ہے قطان ان کی نسبت متاخر ہیں کیونکہ ان کی ولادت ۱۲۰ھ میں اور وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخ الکبیر فی ترجمۃ الحارث بن مخلد ۲/۲۸۱)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ :

"معصیت، حرام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور کرنے والا کام ہے جبکہ طاعت، فرض اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قریب کر دینے والا کام ہے۔ لہٰذا معصیت طاعت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

۴۱۸۔ نابینا یا کمزور نظر والا انسان جو شخص نابینا ہو اور وہ لمبے رکوع و سجود کے باعث تکلیف محسوس کرتا ہو تو وہ امام کے سر اٹھانے کے قریبی وقت تک اپنے رکوع کو مؤخر کر دے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ رکوع اطمینان سے کرے اور "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ" کہہ لے، اسی طرح اپنے سجدے کو بھی مؤخر کر دے لیکن اطمینان کے ساتھ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ" کہہ لے، پھر اپنا سر امام کے سر اٹھانے کے بعد اٹھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج۔۷۸) "اللہ نے تم پر دین کی (کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔"

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ۔۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔"

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ۔۱۸۵) "اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔"

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے قول سے تعجب ہے کہ انہوں نے پہلے تو یہ فرمایا کہ مقتدی کے لیے امام سے پہلے یا امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنا، یا امام سے پہلے یا امام کے ساتھ سلام پھیر دینا جائز نہیں لیکن پھر انہوں نے امام کے ساتھ ان سارے اُمور کو جائز قرار دے دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "جتنا حصہ تم امام کے ساتھ پالو، اسے پڑھ لو اور جتنا حصہ فوت ہو جائے، اسے مکمل کر لو" (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، موطا کتاب الصلوٰۃ) اس باب میں نصِ جلی ہے کہ مقتدی کے لیے اس وقت تک امام کی متابعت سے جدا ہونا جائز نہیں ہے، جب تک امام کی نماز مکمل نہ ہو جائے اور امام کی نماز اسی وقت مکمل ہوگی جب وہ مکمل طور پر سلام پھیر دے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۱۹- چار مقامات میں امام سے پہلے تکبیر کہنا جائز ہے

کسی کے لیے اپنے امام سے پہلے تکبیر کہنا جائز نہیں ہے البتہ حسب ذیل چار مقامات میں کہہ سکتا ہے:

اوّل: اس صورت میں کہ کوئی شخص امام کی اقتداء میں داخل ہوا، امام نے بھی تکبیر کہہ لی اور لوگوں نے بھی، اس کے بعد امام کو یاد آیا کہ وہ تو طہارت سے نہیں تھا، وہ لوگوں کی طرف اشارہ کر دے کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر امام باہر نکل کر طہارت حاصل کرے اور آکر از سرِ نو تکبیرِ تحریمہ کہے، لوگ اپنی پہلی تکبیر پر ہی بدستور قائم رہیں گے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ کیا تھا۔

دوم: امام بھی تکبیر کہہ لے اور لوگ بھی اس کے بعد تکبیر کہہ لیں، پھر امام بے وضو ہو جاتے تو وہ اس شخص کو جو ابھی ابھی آیا ہو اپنا قائم مقام بنا دے، وہ گویا اس کی جگہ امام بن جائے گا اور مقتدی اس سے پہلے ہی تکبیر کہہ چکے ہوں گے لہٰذا انہیں دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں، اس مسئلہ پر حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں سب کا اجماع ہے۔

سوم: مقررہ امام غائب ہو اور اس کے بجائے لوگ کسی دوسرے کو اپنا امام بنالیں، اس نے نماز شروع کر دی ہو لیکن اسی اثناء میں مقررہ امام بھی آجاتے تو وہ شخص پیچھے ہٹ جاتے اور امام صاحب آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں تو اس صورت میں امام کو تکبیر کہنی پڑے گی لیکن مقتدیوں کو نہیں کیونکہ وہ پہلے تکبیر کہہ چکے ہیں، یہ اسی طرح ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار کیا۔ ایک مرتبہ تو اس وقت جب آپ بنو عمرو بن عوف کی صلح کے لیے تشریف لے گئے تھے، بعد میں جب نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا امام بنالیا، اسی اثناء میں جب آپ تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکرؓ پیچھے آگئے اور آپؐ آگے بڑھ گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، اسی بنیاد پر جو وہ حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں پڑھ چکے تھے۔

اور دوسری مرتبہ اس وقت، جب آپ نے مسلمانوں کو آخری باجماعت نماز پڑھائی، اسے قبل ازیں بالاسناد ہم اپنی کتاب میں ذکر کر آتے ہیں (دیکھو مسئلہ ۲۹۹)

چہارم: کوئی شخص معذور رہا ہو اور وہ باجماعت نماز نہ پڑھ سکتا ہو یا جماعت ملنے سے مایوس ہو گیا ہو اور اس نے نماز شروع کر دی ہو، نماز شروع کرنے کے بعد امام بھی آگیا تو امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جو اس نے تکبیر کہی ہے یا نماز پڑھی ہے اس کا باقاعدہ لحاظ رکھے کیونکہ اس نے حسب حکم تکبیر کہی اور نماز پڑھی ہے اور جو حسب حکم کام سرانجام دے اسکی خوبی میں کیا شک ہو سکتا ہے اور بخوبی سرانجام دیئے ہوئے اعمال کو رائیگاں نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ قرآن و سُنّت سے کوئی نص ثابت ہو جائے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد: ۳۳) "اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو"

اسی طرح کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ امام سے پہلے سلام پھیرے، ہاں چار مقامات ایسے ہیں جن میں امام سے پہلے سلام پھیرا جا سکتا ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) صلوٰۃِ خوف میں مقتدی، امام سے پہلے سلام پھیر سکتا ہے، اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ صلوٰۃ خوف کے ابواب میں ذکر کریں گے!

(۲) اگر کوئی شخص باجماعت نماز ادا کرنے کے سلسلہ میں معذور ہو یا باجماعت نماز پانے سے مایوس ہو کر اس نے از خود نماز شروع کر دی ہو لیکن پھر امام آجائے اور یہ اس کا مقتدی بن جائے اور اس کی نماز امام سے پہلے پوری ہو جائے تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو سلام پھیر کر اُٹھ کھڑا ہو کیونکہ اس کی نماز امام سے پہلے مکمل ہو گئی ہے۔

اس مقتدی کے لیے ان افعال میں امام کی اقتداء جائز نہ ہو گی، جنہیں وہ اپنی نماز کی تکمیل کے سلسلہ میں سرانجام دیتا ہے، اسی طرح مقتدی کے لیے اپنی نماز میں اضافہ بھی جائز نہیں، اگر مذکورہ صورت میں امام کی اقتداء کو جاری رکھے گا تو اس کی نماز میں اضافہ ہونا ایک یقینی امر ہے لہٰذا اس کے لیے اقتداء کو جاری رکھنا جائز نہ ہو گا کیونکہ اس کی نماز مکمل ہو گئی ہے اور یہ امام کی اقتداء سے خارج ہو گیا ہے لہٰذا اسے سلام پھیر دینا چاہیے اگر چاہے تو تشہد و دعا کو جاری رکھے اور جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ یا اس کے بعد سلام پھیر دے (دیکھو مسئلہ ۳۱۲)۔

(۳) مسافر ایک ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو جو مقیم ہے یا مسافر ہے اور قصر کے سلسلہ میں تاویل کرتا ہے ـــــ تاویل کے باعث غلطی میں معذور ہو گا ـــــ تو جب یہ مسافر مقتدی دو رکعتیں پڑھ چکے گا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی اور اسے مذکورہ صورت کی طرح اختیار ہے کہ اگر چاہے تو سلام پھیر دے اور چاہے تو تشہد و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعا کو دراز کر دے، سلام پھیر کر اٹھنا چاہے تو اٹھ بھی سکتا ہے، اگر چاہے تو اسی امام کی اقتدا میں باقی نماز بھی پڑھ سکتا ہے، یہ باقی نماز نفل ہو گی۔

(۴) اگر کوئی امام اتنی لمبی قراءت شروع کر دے، جو کسی کے لیے ناقابل برداشت ہو، یا مال وغیرہ کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ امامت سے نکل جائے اور اپنی نماز الگ ہو کر پوری کر لے اور سلام پھیر کر چلا جائے۔ اس کی دلیل حسب ذیل ہے:

۶۴۱۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن عباد از سفیان بن عُیَیْنَہ از عمرو بن دینار از] حضرت جابر بن عبداللہ روایت کیا ہے کہ حضرت معاذؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے بعد اپنی قوم کو آ کر با جماعت نماز پڑھایا کرتے تھے، ایک رات انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے بعد اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ شروع کر دی، ایک آدمی نے سلام پھیر کر جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اور تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا صحابہ نے اس سے کہا تم منافق تو نہیں ہو گئے؟ اُس نے کہا اللہ کی قسم ہرگز نہیں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس واقعہ کو بیان کروں گا، چنانچہ اس نے آ کر آپ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا: "اے اللہ کے رسُول! ہم سارا دن کام کاج کرنے کے باعث تھکے ماندے ہوتے ہیں، حضرت معاذؓ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ شروع کر دی، آپ یہ سُن کر حضرت معاذؓ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے "معاذ! لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو؟ (اتنی لمبی سورتیں نہ پڑھا کرو) بلکہ فلاں فلاں سُورۃ پڑھا کرو..... پھر راوی نے باقی حدیث ذکر کی ہے (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

۶۴۲۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از محمد بن بشار از شعبہ از عمرو بن دینار از] حضرت جابرؓ بن عبداللہ روایت کیا کہ حضرت معاذؓ بن جبل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کرنے کے بعد اپنی قوم کو آ کر نماز پڑھاتے تھے[1]، ایک رات عشاء کی نماز میں آپ نے سُورۂ بقرہ

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شروع فرمادی، جس کے نتیجہ میں ایک آدمی سلام پھیر کر چلا گیا، جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے تین بار فرمایا "معاذ! تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو؟" اور پھر آپ نے اوساطِ مفصّل میں سے دو سورتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۱۱)

نص کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا بھی اجماع ہے۔

بطریق عبدالرزاق، از اسرائیل بن یونس از ابو اسحاق سبیعی از عاصم بن ضَمُرہ، حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ جب آدمی تشہد میں ہو اور اسے خدشہ ہو کہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے وہ بے وضو ہو جائے گا تو وہ امام سے پہلے سلام پھیر دے، اس کی نماز درست ہو گی۔ (عبدالرزاق ۲/۳۵۶)[1]۔

ہمیں نہیں معلوم کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کی مخالفت کی ہو، یہ سب صورتیں جو ہم نے ذکر کی ہیں، اسلاف میں سے ایک جماعت سے منقول ہیں۔

۴۲۰۔ مسجد میں سے کسی کو کسی جگہ سے اٹھایا نہیں جا سکتا

اگر کوئی شخص مسجد میں اگر کسی جگہ پہلے بیٹھ گیا ہے تو کوئی شخص اسے وہاں سے اٹھا نہیں سکتا، اگر ترک کیے بغیر اس جگہ کو کسی ضرورت کے باعث چھوڑا ہو تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے کیونکہ مسجد میں سب لوگ شریک ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے۔

۴۴۳ ۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابو داؤد از موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمہ از سہیل بن ابی صالح از والد خود، از] حضرت ابو ہریرہؓ روایت کیا کہ جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آ جائے، تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ (مسلم و ابو داؤد کتاب الادب)

۴۲۱۔ امام کے آگے نماز پڑھنا جائز نہیں

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ امام سے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھے، ہاں اگر کوئی شخص امام سے آگے قید کر دیا گیا ہو

---

[1] بیہقی نے ج ۲ ص ۲۵۶ میں اسے بطریق عبیداللہ بن موسیٰ از اسرائیل، از ابو اسحاق، از حارث، از علی روایت کیا ہے، حارث سے مراد حارث اعور ہے جو کذاب اور ضعیف ہے، عاصم بن ضَمُرہ کے بارے میں حق بات یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا کشتی وغیرہ میں سوار ہونے کی صورت میں اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو پھر جائز ہے، اس کی دلیل حسب ذیل ہے۔

۶۴۴۔ ہم نے بطریق (عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مُسلم بن حجّاج از ہارون بن معروف از حاتم بن اسماعیل از یعقوب بن مجاہد ابوحزرہ، از) عُبادہ بن ولید بن عُبادہ بن صامت روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے پاس گئے تو آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا — حضرت جابرؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ مَیں نے بھی آپؐ کے وضو کے برتن سے وضو کیا — جبّار بن صخر قضاء حاجت کے لیے چلے گئے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز شروع فرما دی، مَیں بھی آکر آپؐ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا پھر جبار بن صخر آئے وہ بھی آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے، تو آپؐ نے ہم دونوں کے ہاتھوں کو پکڑا اور اپنے پیچھے کھڑا کر دیا (مسلم کتاب الزھد والرقائق باب ۱۹، مسند احمد ۳/۴۲۱)

اس سے معلوم ہُوا کہ اگر دو یا دو سے زیادہ مقتدی ہوں تو وہ ضروری طور پر امام کے پیچھے کھڑے ہوں، مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جابر وجبّار کو پیچھے دھکیل دینا ایک ایسا امر ہے جس کی خلاف ورزی جائز نہیں، اسی طرح آپؐ نے حضرت جابرؓ کو جو اپنی دائیں طرف کھڑا کر لیا تھا، یہ بھی ایک ایسا حکم ہے جس کی مخالفت جائز نہیں، اگر کسی نے آپؐ کے امر کی مخالفت کی تو اس کی نماز درست نہ ہو گی۔

ایک قوم نے کہا ہے کہ اگر مقتدی دو ہوں، تو وہ دونوں امام کے دونوں طرف کھڑے ہو جائیں اور انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے ہم نے بطریق اعمش از ابراہیم حضرت علقمہ واسود سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ان دونوں کے درمیان کھڑے ہو گئے، ایک کو آپ نے اپنی دائیں جانب، دوسرے کو بائیں جانب کر لیا اور خود درمیان میں کھڑے ہو گئے، پھر دونوں کے ساتھ رکوع کیا، ان دونوں نے حالتِ رکوع میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے۔ آپ نے ان کے ہاتھوں پر مارا، پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے دونوں رانوں کے مابین کر لیا اور جب نماز سے فارغ ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو فرمایا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی طرح نماز پڑھی تھی ۔ (مسلم ، نسائی کتاب الصلوٰۃ مختلف طرق و الفاظ کے ساتھ)

یہ روایت بطریق ہارون بن عنترہ اور حارث بن ابی اُسامہ مروی ہے اور یہ دونوں متروک ہیں۔[1]

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اعمش کی روایت ثابت ہے لیکن اس میں ایسا کوئی ذکر نہیں کہ ابن مسعودؓ نے کس کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی امام کا دو مقتدیوں کے مابین کھڑا ہونا یا تطبیق ، اور جب اس کا بیان نہیں ہے تو پھر یہ جائز نہیں کہ یقین کو ظنوں کے باعث ترک کیا جائے ، پھر بالفرض یہ روایت صحیح اور مسند ثابت ہو بھی جائے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حضرت جابر و جبار کو جو دونوں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دونوں جانب کھڑے تھے ، پیچھے ہٹا دینا ہماری دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت کہ اس طرح جائز نہیں ، جب یہ جائز نہیں تو یہ معلوم ہُوا کہ یہ یقینی طور پر حرام ہے اور جس چیز کی بابت یہ ثابت ہو چکا ہو کہ یہ یقینی طور پر حرام ہے اسے کسی نص جلی کے بغیر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ــــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق !

۴۲۲ ۔ وضو ٹوٹنے والے امام کا نائب

جس امام کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ کسی کو اپنا نائب بنا دے تو یہ نائب اپنی نماز کا آغاز کرے گا ، اسے وہاں سے شروع نہیں کرے گا ، جہاں سے امام نے نماز کو چھوڑا تھا ، مقتدی صرف اتنی اقتدار کی پابندی کریں گے جتنی ان پر لازم ہے ، جو اقتدار لازم نہیں ہے اس کی پابندی نہیں کریں گے بلکہ اپنی حالت کو موقوف کر کے امام کا انتظار کریں گے کہ وہ بھی اس حالت تک پہنچ جائے جب امام اور مقتدیوں کی حالت ایک جیسی ہو جائے گی تو پھر یہ اس کی اقتدار کریں گے !

---

[1] ہارون بن عنترہ کی روایت ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۷ ، اور نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۰ ونیز مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ ج ۲ ص ۸۷ میں ہے ، ہارون کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن وہ متروک نہیں ہے البتہ حارث بن ابی اُسامہ کی روایت مجھے نہیں ملی ۔ امام ذہبیؒ اور ابن حجرؒ نے انہیں صاحب المسند کہا ہے ۔ غالباً یہ روایت انہوں نے اپنی مسند میں بیان کی ہو گی ۔ اور وہ بھی متروک نہیں ۔ لیکن ابن مسعود کی یہ روایت منسوخ ہے جیسا کہ اوپر مصنف نے روایتیں بیان کی ہیں ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر نائب امام مقتدی تھا تو وہ بدستور نماز کو جاری رکھے اور اپنے پیش رو امام کی نماز کی پابندی کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"اس سلسلہ میں ہمیں حنفیہ و مالکیہ کی بجز اس کے اور کوئی دلیل معلوم نہیں ہو سکی کہ ہمارا اور ان حضرات کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ "امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے"

کا مفہوم کیا ہے" (یہ حدیث باحوالہ گزر چکی ہے)

"وہ امام جو بے وضو ہو گیا ہے اور کسی کو اپنا نائب بنا کر خود باہر چلا گیا ہے، اس پر ہمارا اور حضرات حنفیہ و مالکیہ کا اجماع بھی ہے اور حس و مشاہدہ اس کی تائید بھی کرتا ہے کہ اس کی امامت باطل ہو گئی ہے کیونکہ وہ یہاں سے نکل کر اپنے گھر پہنچ کر رفع حاجت کر رہا ہوگا یا کچھ کھا رہا ہوگا یا نماز کے علاوہ کوئی اور کام کر رہا ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اگر وہ وضو کر کے واپس آجائے تو آپ کے نزدیک وہ مقتدی ہوگا، امام نہیں یعنی یقینی طور پر اب اس کی امامت باطل ہو گئی ہے"

اگر یہ حضرات یہ کہیں کہ ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی امامت تو باقی نہیں رہی لیکن اس کی امامت کا حکم باقی ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ بس یہی بات تو متنازعہ فیہ ہے اور تمہارا دعویٰ بے دلیل ہے یعنی جب یہ تم نے اقرار کر لیا کہ اس کی امامت باطل ہو چکی ہے اور وہ اب امام بھی نہیں ہے تو یہ بھی جائز نہیں کہ اس کی امامت کے حکم کو باقی رکھا جائے!

باقی رہا دوسرا امام (جسے نائب بنایا گیا ہے) تو ہمارا اور ان حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو ہم بھی تکبیر کہیں، جب وہ رفع الیدین کرے تو ہم بھی کریں، جب وہ رکوع کرے تو ہم بھی کریں، جب وہ سجدہ کرے تو ہم بھی سجدہ کریں جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر وہ امام ہے، مقتدی نہیں اور امام کو نماز اسی طرح پڑھنی چاہیے جیسے حکم ہے اور مقتدیوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ امام کی اقتدا کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر یہ حضرات یہ اعتراض کریں کہ تم تو کہتے ہو کہ مقتدی جب اپنی نماز کو پورا کرے تو امام کا انتظار نہ کرے؟ ہم عرض کریں گے، جی ہاں! ان کی نماز ابھی تک مکمل نہیں ہوئی لہٰذا ان پر واجب ہے کہ امام کا انتظار کریں جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا تھا، جب آپ تشریف لے گئے تھے اور پھر غسل کرنے کے بعد واپس تشریف لائے اور جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے نمازِ خوف میں آپ کا انتظار کیا تھا کیونکہ وہ ابھی تک مقتدی اور آپ ابھی تک امام تھے اور نماز کی ہنوز تکمیل نہیں ہوئی تھی لہٰذا اقتداء سے خارج ہو جانے کے سلسلہ میں ان کا عذر قابلِ قبول نہیں ہے، اسی طرح ان کے لیے یہ بھی درست نہیں ہے کہ نماز کے اس حصہ میں اس کی اقتداء کریں جو یہ پڑھ چکے ہیں کیونکہ اس طرح تو پھر یہ اپنے قصد و ارادہ سے نماز میں زیادتی کا ارتکاب کریں گے لہٰذا ضروری طور پر ان کے لیے امام کا انتظار واجب ہے، ـــــ وباللہ تعالی التوفیق

مقتدیوں میں سے جس کی نماز مکمل ہو جائے ـــــ وہ اگر چاہے تو سلام پھیر دے اور اگر چاہے تو تشہد کو لمبا کر دے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے ـــــ وباللہ تعالی التوفیق

۴۲۳۔ بھگوڑے غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی

جو غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ جائے، اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی تاوقتیکہ وہ واپس لوٹ آئے۔

ہاں اگر غلام اپنے آقا کی طرف سے کسی تکلیف یا کسی حرام کام کے باعث بھاگا ہو اور اس کی مدد کوئی نہ کرتا ہو تو اس نیت سے جب وہ اپنے آقا سے دُوری اختیار کرے گا تو اسے بھاگنے پر محمول نہیں کیا جائے گا، بھاگے ہوئے غلام کی نماز کے مقبول نہ ہونے کی دلیل حسبِ ذیل ہے:

۶۴۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن علی از مسلم بن حجاج، از یحییٰ بن یحییٰ از جریر از مغیرہ از شعبی روایت کیا کہ] حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا کرتے تھے کہ جب کوئی غلام بھاگ جائے تو اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔ (مسلم کتاب الایمان، نسائی کتاب المحاربۃ)

حضرت ابوہریرہ کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ بطریق محمد بن مثنّٰی از عبدالرحمٰن بن مہدی از شعبہ، حبیب بن ابی ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی بچہ ہی تھا کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو بھاگے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلام کی بابت فرماتے ہوئے سنا کہ اس کی نماز مقبول نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"حضرت ابوہریرہؓ صحابی ہیں، صحابہ کرامؓ میں سے کوئی اس مسئلہ میں آپ کا مخالف نہیں ہے، ہمارے مقابل تو اس سے بھی کم مرتبہ کی چیزیں بطورِ دلیل، جب ان کی تقلید کے موافق ہوں پیش کیا کرتے ہیں۔"

۴۲۴۔ نماز کو باطل کرنے والی چیزوں کا بیان

جس آدمی کو یہ یاد ہو کہ اس نے زرد رنگ کا لباس پہن رکھا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس کے پہننے کی ممانعت ہے لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز باطل ہو جاتے گی اور اگر اسے یاد نہ ہو یا علم نہ ہو تو پھر نماز باطل نہیں ہو گی، اگر زرد رنگ نمایاں نہ ہو تو پھر نماز جائز ہے۔ ممانعت مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے اس رنگ میں نماز جائز ہے۔

۴۲۶ ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع از محمد بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد از قعنبی از مالک از نافع از ابراہیم بن عبداللہ بن حنین، از والد خود از) حضرت علی بن ابی طالبؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر قس[1] کے کپڑوں، زرد رنگ کے لباس، سونے کی انگوٹھی کے پہننے اور رکوع میں قراءتِ (قرآن) سے منع فرمایا۔ (مسلم و ترمذی کتاب الصلوٰۃ واللباس، ابوداؤد کتاب اللباس، نسائی، کتاب الصلوٰۃ وکتاب الزینۃ، ابن ماجہ کتاب اللباس)

بعض سلف صالح کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ بطریق معمر از قتادہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو زرد رنگ کا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس بھڑکیلے لباس کو عورتوں کے لیے چھوڑ دو۔[2] (عبدالرزاق ۱۱/۷۸ وابن ابی شیبہ ۸/۳۷۰)

بطریق معمر از بدیل عقیلی از ابوالعلاء بن عبداللہ بن شخیر، از سلیمان بن صرد خزاعی روایت ہے کہ حضرت

---

[1] شام کی طرف قس ایک شہر تھا جہاں سے یہ کپڑے آتے تھے، مسند احمد ج اص ۱۴۴،۱۴۴،۱۵۴ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ وہ ضلعدار کپڑا مثل نارنگی جو شام سے آتا تھا۔

[2] یہ اثر مرسل ہے کیونکہ قتادہ صغار تابعین میں سے ہیں سنہ ۶۱ھ میں آپ کی ولادت اور سنہ ۱۱۷ھ میں وفات ہوئی، آپ نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو زرد یا سُرخ رنگ میں رنگے ہوئے دو کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا انہیں اُتار دو، شاید تمہیں اس سے بھی مشکل کام چھوڑنے پڑیں۔ (عبدالرزاق ۱۱/۷۹)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بہت ہی عظیم تشدید پر محمول ہے۔"

روایت ہے کہ اُمِّ فضل بنتِ غیلان نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک آدمی کو بھیج کر زرد رنگ کے لباس کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ عورتوں کے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عورتوں کے لیے اس کا جواز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بھی ثابت ہے۔"

۶۴۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از احمد بن حنبل از یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ـــــ اپنے باپ سے، از محمد بن اسحاق از نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ از] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ عورتوں کے لیے حالتِ احرام میں دستانے، نقاب اور وہ کپڑے پہننے منع ہیں جنہیں ورس (ایک خوشبودار بوٹی) اور زعفران لگا ہو، ان کے علاوہ وہ جو کپڑے چاہے زرد رنگ کے ہوں یا ریشم کے، زیور ہو یا شلوار، قمیص اور موزے وغیرہ سب پہن سکتی ہیں۔[1]

۴۲۵۔ چوری یا غصب شدہ چیز یا سونے چاندی کے برتن اُٹھانے کی صورت میں نماز

جو شخص اس حالت میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس نے چوری کی ہوئی یا غصب کی ہوئی کسی چیز کو اٹھایا ہُوا ہو یا سونے چاندی کا کوئی برتن اٹھایا ہُوا ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، ہاں ان میں سے کسی چیز کو اس نیت سے اٹھایا ہُوا ہو کہ حقدار کے پاس

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب ۳۲۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے، ابن اسحاق امام اور حجت ہیں، نافع سے اپنے سماع کی بابت انہوں نے صراحت کر دی ہے لہٰذا اگر آپ کے مدلس ہونے کی بابت ثابت ہو بھی جائے تو اس تصریح سے تدلیس کا شبہ دُور ہو جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واپس لوٹا دے گا یا برتن وغیرہ کو توڑ دے گا، تو پھر اس کی نماز صحیح ہو گی۔

اگر کوئی شخص اس حالت میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس نے آستین یا کمر میں سونے کا کوئی زیور لٹکا رکھا ہو جو اس کی بیوی کا ہو یا اسے فروخت کرنا چاہتا ہو یا اسی طرح ریشم کا کپڑا اور دینار وغیرہ چھپائے ہوئے ہو تو پھر اس کی نماز درست ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے حفاظت کے نقطۂ نگاہ سے منہ میں دینار یا موتی رکھے ہوں، تو نماز درست ہو گی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے نماز میں ایک ایسا کام کیا ہے جو کہ حلال نہ تھا اور جو شخص نماز میں کوئی ایسا کام کرے جو حلال نہ ہو تو اس نے گویا حسبِ امرِ الٰہی نماز ادا نہ کی لیکن اگر وہ نماز میں کوئی ایسی چیز اُٹھا لے جس کے اٹھانے کا اسے حکم ہے تو اس نے نماز میں وہی کام کیا ہے جس کا اسے حکم ہے لہٰذا اس کی نماز درست ہو گی ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۴۲۶ حالتِ نماز میں کندھوں پر کپڑا ہونا

آدمی اگر ایک کشادہ کپڑے میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر فرض ہے کہ اپنے ایک یا دونوں کندھوں پر اس کپڑے میں سے کچھ حصہ ڈال لے، اگر ایسا نہ کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی، اگر کپڑا کشادہ نہ ہو بلکہ تنگ ہو تو پھر اسے ازار کے طور پر باندھ لے، نماز ہو جائے گی، خواہ کسی دوسرے کے کپڑے اس کے پاس ہوں یا نہ ہوں۔

۶۴۸۔ ہم نے بطریق [عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابو عاصم نبیل از مالک از ابی الزناد از اعرج از] حضرت ابو ہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵)۔

۶۴۹۔ ہم نے بطریق [سفیان بن عُیینہ، از ابو الزّناد، از اَعرج از] حضرت ابُو ہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے دونوں کندھوں پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ:

"دونوں لفظوں (کندھا یا کندھوں) میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ جب کپڑے کا کچھ حصہ کندھے پر ڈال کر نماز پڑھے گا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اس حالت میں نماز پڑھی ہے کہ اس کے کندھوں پر کوئی کپڑا نہ تھا"

۶۵۰۔ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ہارون بن معروف از حاتم بن اسماعیل از یعقوب بن مجاہد ابوحزرہ از] عُبادہ بن ولید بن عبادہ بن صامتؓ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے باپ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی خدمت اقدس میں حاضری دی تو آپ نے ایک حدیث کے ضمن میں بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا کہ "اے جابرؓ! جب کپڑا کشادہ ہو تو دونوں طرف ڈال لو اور جب تنگ ہو تو پھر کپڑے کو کمر میں باندھ لو"

(حوالہ حدیث ۶۴۴ میں دیکھو یہ اسی حدیث کا ایک حصہ ہے)۔

یہ احادیث ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے سلسلہ کی تمام احادیث پر فیصلہ کن ہیں۔

بطریق حمّاد بن سلمہ از ایوب سختیانی نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے کپڑے کے بارے میں روایت ہے کہ اگر کشادہ ہو تو اسے اچھی طرح اوڑھ لو اور اگر چھوٹا ہو تو کمر میں باندھ لو۔

بطریق ابوعوانہ از مغیرہ از ابراہیم نخعی روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر ایک ہی کپڑا ہو اور کشادہ ہو تو اوڑھ لو اور اگر چھوٹا ہو تو ازار بنا لو۔

حضرت طاؤس سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں کندھوں کو نہ ڈھانپے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

۴۲۷۔نماز میں سارے جسم کو ایک کپڑے میں لپیٹنا منع ہے

کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے سارے جسم کو ایک ہی کپڑے سے ڈھانپ کر نماز پڑھے یعنی اس صورت میں کہ ہاتھ بھی کپڑے کے نیچے ہوں (اور انہیں بوقت ضرورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکالنا مشکل ہو)۔ اس مسئلہ میں مرد اور عورت دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے۔

۶۵۱۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبید بن اسماعیل از ابواسامہ از عبید بن عمر از خبیب بن عبدالرحمن از حفص بن عاصم از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کی بیع اور دو طرح کا کپڑا پہننے سے منع کیا۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے اس طرح کپڑا پہننے سے منع کیا کہ آدمی سارے جسم کو کپڑے سے ڈھانپ لے اور اس کے ہاتھ بھی کپڑے سے نیچے ہوں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب اللباس، ابن ماجہ کتاب اللباس)

۴۲۸۔ تکبر سے کپڑا لٹکانے والے کی نماز جائز نہیں

جو آدمی تکبّر اور فخر سے اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا، اس کی نماز نہیں ہوگی، عورت اپنے کپڑے کے دامن کو ایک ہاتھ کے بقدر لٹکا سکتی ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں، اگر کوئی عورت اس ممانعت کو جانتے ہوئے اس سے زیادہ لٹکائے گی، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

ہر کپڑا جسے آدمی پہنتا ہے۔ وہ ٹخنوں تک ہونا چاہیے، اس سے نیچے بالکل نہیں، اگر کسی نے گھبراہٹ کے عالم میں یا بھول کر کپڑا نیچے لٹکا لیا تو کوئی حرج نہیں!

۶۵۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنّٰی از یحییٰ بن سعید قطان از عبیداللہ بن عمر از نافع از] حضرت ابن عمرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف روزِ قیامت دیکھے گا بھی نہیں جس نے فخر و تکبّر کے باعث اپنے کپڑے کو لٹکایا۔ (مسلم کتاب اللباس باب)

یہ حکم عام ہے، شلوار، ازار، قمیص اور ہر اس لباس کو شامل ہے، جو پہنا جاتا ہے۔

اس روایت کو عبداللہ بن دینار اور زید بن اسلم نے بھی ابن عمرؓ سے مسند ذکر کیا ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی کتاب اللباس)

بطریق ابوذرؓ بھی یہ روایت نہایت شدید وعید کے ساتھ مروی ہے۔ (مسلم کتاب الایمان، ابوداؤد کتاب اللباس، ترمذی کتاب البیوع، نسائی کتاب الزکوٰۃ والبیوع والزینۃ، ابن ماجہ کتاب التجارات)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو عثمان نہدی حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ نماز میں تہ بند کو لٹکانے والا، اللہ کی طرف سے نہ حل میں ہے اور نہ حرم میں ہے[۱]۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ چادر لٹکانے والے کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھے گا بھی نہیں۔

(نسائی کتاب الزینۃ، وابن ابی شیبہ ۸/۳۸۸)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ کہا جاتا تھا کہ جس کی چادر ٹخنوں کو چھو رہی ہو، اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں فرماتا (ابن ابی شیبہ ۸/۳۸۹) حضرت مجاہد یہ حکایت اپنے سے قبل والوں سے بیان کرتے ہیں اور وہ صحابہ ہیں کیونکہ آپ صغار تابعین میں سے نہیں بلکہ اوساط میں سے ہیں۔

حضرت ذر بن عبداللہ مرہبی —— جو کبار تابعین میں سے ہیں[۲] —— سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے کپڑے کو گھسیٹے، اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی (مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۳۸۹)۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی کوئی اختلاف مروی نہیں ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

"جس شخص نے نماز میں کسی حرام فعل کا ارتکاب کر لیا، اس نے حسب حکم الٰہی نماز کو ادا نہ کیا اور جس نے حسب حکم الٰہی نماز کو ادا نہ کیا اس کی نماز نہیں ہوتی"۔

۶۵۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد سجستانی از نفیلی عبداللہ بن محمد

---

[۱] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، ج ۱ ص ۲۴۳ بطریق طیالسی از ابوعوانہ از عاصم از ابوعثمان از ابن مسعود مرفوعاً مروی ہے اس کے بعد امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عاصم سے ایک جماعت نے اسے ابن مسعودؓ سے موقوف بھی روایت کیا ہے مثلاً حماد بن سلمہ، حماد بن زید، ابوالاحوص اور ابومعاویہ نے، اور مسند طیالسی ص ۴۷ ح ۳۵۱ میں بھی از ابوعوانہ و ثابت از عاصم مروی ہے اور یہ سند صحیح ہے اگر کسی نے اسے موقوف بیان کیا ہے تو کوئی حرج نہیں، اسے مرفوع بیان کرنا ثقہ کی زیادتی ہے جو مقبول ہے

[۲] مرہبی، ہمدان کے ایک خاندان مرہبہ کی طرف نسبت ہے، مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس سے معلوم ہو کہ یہ ذر تابعین میں سے ہیں کیونکہ انہوں نے کسی صحابی سے کوئی روایت ذکر نہیں کی، ان کی روایات عبداللہ بن شداد، ابن مسیب اور ابن ابزیٰ جیسے تابعین سے ہیں، تو پھر نہیں معلوم کہ کبار تابعین میں سے کیسے ہوتے ؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

از محمد از زہیر بن مُعاویہ از موسیٰ بن عقبہ از سالم بن عبداللہ بن عمرؓ از] حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص از راہِ تکبر و فخر اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی طرف نہیں دیکھے گا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (یہ سُن کر) عرض کیا کہ اگر کوشش نہ کروں تو میری چادر کا ایک حصّہ نیچے کی طرف ڈھلک جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں، جو فخر و غرور کے باعث کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں۔ (بخاری کتاب المناقب واللباس والآدب، ابوداؤد کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

۶۵۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعیب از نوح بن حبیب قومسی از عبدالرزاق از معمر از ایوب سختیانی از نافع از] حضرت ابن عمرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فخر و غرور کے باعث اپنے کپڑے کو گھسیٹے گا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! عورتیں اپنے کپڑوں کے دامنوں کو کہاں تک لٹکا سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ایک بالشت لٹکا لیں، انہوں نے پھر عرض کیا کہ اس سے عورتوں کے پاؤں ننگے ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا ایک ہاتھ لٹکا لیں، اس سے زیادہ نہ لٹکائیں۔ (مسلم، ترمذی کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

۶۵۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شُعیب از محمد بن عبداللہ بن یزید مُقری، از سُفیان بن عُیینہ از] علاء بن عبدالرحمٰن از والد خود روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ مومن کی چادر، نصف پنڈلیوں تک ہونی چاہیے، نصف پنڈلی اور ٹخنوں کے مابین ہو تو پھر بھی کوئی گناہ نہیں البتہ جو ٹخنوں سے نیچے کپڑے کو لٹکائے گا، وہ جہنم میں ہوگا، جو شخص فخر و غرور کے باعث کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا[1] (نسائی کتاب الزینۃ فی الکبریٰ، باب ۵ و ابو عوانہ

---

[1] مُصنف نے اس حدیث کو یہاں ذکر نہیں فرمایا جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ جو شخص ازار کو فخر سے ٹخنوں سے نیچے لٹکا رہا ہو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے جیسا کہ عون المعبود، ج ا ص ۲۴۳ اور ج ۴ ص ۱۰۰ میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت ہے کہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فی مسندہ ج ۵ ص ۴۸۳، ابوداؤد و ابن ماجہ کتاب اللباس)

۴۲۹۔ کافر و فاسق کے کپڑے میں نماز

فاسق و کافر کے کپڑے میں اس وقت تک نماز جائز ہے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔ اس کی دلیل حسب ذیل فرمانِ الٰہی ہے:

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ۔ ۲۹) "اللہ نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔"

صحیح طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رومی جبّے میں نماز پڑھی تھی (دیکھو فتح الباری ۱/۲۶۵) ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ روئی، کتان، اون، بال، چمڑا سب کے لیے اور صرف عورتوں کے لیے ریشم پاک ہے اور ان میں سے ہر چیز کا استعمال مباح ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کی نجاست یا حرمت کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے اس وقت تک سچا تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک وہ قرآن اور سنتِ صحیحہ سے کوئی دلیل پیش نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔ (الانعام۔ ۱۱۹) "اللہ نے جو چیزیں تمہارے لیے حرام ٹھہرائی ہیں ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں۔"

نیز فرمایا:

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ (یونس۔ ۳۶) "کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں۔"

ایک شخص کپڑا لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا "جاؤ وضو کرو"۔ وہ گیا اور وضو کر کے واپس آ گیا، آپ نے پھر فرمایا جاؤ وضو کرو، وہ شخص گیا اور اس نے وضو کیا اور پھر آ گیا، ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اسے وضو کا حکم کیوں دیا؟ آپ نے فرمایا وہ چادر لٹکاتے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اس شخص کی اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا جو کپڑا لٹکا کر نماز پڑھ رہا ہو۔ یہ حدیث صحیح ہے، نووی نے ریاض الصالحین (کتاب اللباس) میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح اور مسلم کی شرط پر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے برتنوں کا استعمال دھوئے بغیر حرام قرار دیا ہے، اور استعمال کی اجازت بھی صرف اس صورت میں دی ہے کہ اور برتن موجود نہ ہوں؟ ہم عرض کریں گے جی ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے لیکن برتن اور چیز ہے اور کپڑا اور چیز۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے کپڑوں کو بھی حرام قرار دینے کا ہوتا تو اسے بھی اپنے پیغمبر کی زبانی بیان فرما دیتا، جیسا کہ برتنوں کی بابت فرما دیا۔

باعثِ تعجب بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ان کے کپڑوں میں نماز پڑھنے سے تو منع کیا لیکن بغیر ضرورت ان کے برتنوں کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے اور یہ بات حقائق کے بالکل برعکس ہے۔

امام سفیان ثوریؒ اور امام داؤد بن علیؒ مشرکوں کے کپڑوں میں نماز پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں۔ ہمارا قول بھی یہی ہے۔

۴۳۰۔ جسم پر زعفران لگا ہو تو نماز نہیں ہوتی

کسی آدمی کی اس وقت نماز جائز نہیں ہو گی جب اس نے اپنے جسم پر زعفران لگایا ہو، البتہ اگر اس نے اپنے کپڑوں، پگڑی یا داڑھی کو زعفران سے رنگا ہو تو نماز ہو جائے گی بلکہ داڑھی کو زعفران سے رنگنا تو بہت ہی بہتر ہے۔

۶۵۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از مسدّد از حمّاد بن زید و اسماعیل بن ابراہیم ابن عُلَیّہ از عبدالعزیز بن صُہَیب] حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی زعفران لگاتے۔ یہ اسماعیل کی روایت کے الفاظ ہیں اور حمّاد بن زید کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں "آپؐ نے منع فرمایا مردوں کو زعفران لگانے سے" (مسلم کتاب اللباس، ابوداؤد کتاب الترجّل، ترمذی کتاب الاستیذان، نسائی کتاب الحج والزینۃ)

۶۵۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از سلیمان بن اشعث از زُہیر بن حرب از محمد بن عبداللہ اَسدی از ابوجعفر رازی از] ربیع بن انس روایت کیا کہ انہوں نے اپنے دادا[1] دونا کو فرماتے ہوئے سُنا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کی نماز کو قبول

[1] امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ دونوں دادوں سے مراد زید اور زیاد ہیں ابن قطان فرماتے ہیں زید و زیاد غیر معروف (باقی نوٹ اگلے صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں فرماتا جس کے جسم پر خلوق لگا ہوا ہو۔ (ابو داؤد کتاب الترجل باب ۸)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"خلوق کے معنی زعفران ہیں، اس حدیث کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابو موسیٰؓ کا قول ہے[1]"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"ہجرت کے آغاز میں آدمی کے لیے زعفران لگانا جائز تھا لیکن اس حدیث نے اب زعفران لگانے کے جواز کو منسوخ کر دیا ہے، پہلے آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے جسم پر زعفران لگا ہوا دیکھا تو کوئی ممانعت نہیں فرمائی کیونکہ پہلے جائز تھا لیکن پھر آپ نے منع فرما دیا اور پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔"

۶۵۸۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از یعقوب بن ابراہیم از دراوردی۔ عبدالعزیز بن محمد از] زید بن اسلم روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی کو زعفران سے زرد کیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا "اے ابو عبدالرحمٰن آپ اپنی داڑھی کو زعفران سے زرد کیے ہوتے ہیں؟" آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی مبارک کو زعفران سے زرد کیا کرتے تھے اور اس سے زیادہ آپؐ کو کوئی اور رنگ محبوب نہ تھا، اور آپؐ اس سے اپنے سارے کپڑوں حتیٰ کہ عمامہ کو بھی رنگ لیا کرتے تھے۔ (ابو داؤد کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

(بقیہ نوٹ گذشتہ سے پیوستہ)

ہیں۔ اس اسناد کے علاوہ ان کا اور کہیں ذکر نہیں آیا، علامہ ذہبیؒ نے بھی آپ کی متابعت کی ہے اور ابو جعفر رازی۔ جن کا نام عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ہے ـــ اور اس کے علاوہ بھی نام بتایا جاتا ہے۔ وہ ثقہ، صدوق ہیں لیکن سیئ الحفظ اور غیر متقن ہیں، اور وہ اس سند میں منفرد بھی ہیں۔

[1] ٹھیک ہے! لیکن ابو موسیٰ تک صحیح سند کہاں ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں کو زعفران کے استعمال سے منع نہیں فرمایا لہٰذا ان کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔ "اللہ نے جو چیزیں تمہارے لیے حرام ٹھہرائی ہیں ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں" (الانعام-۱۱۹)

۴۳۱-نماز میں آدمی کے لیے تالی بجانا جائز نہیں

نماز میں آدمی کے لیے تالی بجانا جائز نہیں، اگر کوئی اس ممانعت کو جانتے ہوئے دانستہ ایسا کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر نماز میں کوئی چیز درپیش ہو تو آدمی کو "سُبحان اللہ" کہہ دینا چاہیے۔

عورت کو اگر کوئی امر درپیش ہو تو وہ تالی بجا دے اور اگر "سُبحان اللہ" کہہ دے تو زیادہ بہتر ہے۔ امام شافعیؒ اور امام داؤد کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی دوسرے شخص کو کسی کام کے سمجھانے کے ارادہ سے نماز میں سُبحان اللہ کہا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "عورت تالی نہ بجائے بلکہ سُبحان اللہ کہے"۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں کے یہ قول درست نہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ثابتہ کے خلاف ہیں۔

۶۵۹-ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابوالنعمان محمد بن فضل عارم از حماد بن زید از ابوحازم مدنی، از] حضرت سہل بن سعدؓ روایت کیا کہ انہوں نے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے جب دیکھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آتے ہیں تو انہوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیا، پس حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ جب تمہیں دوران نماز کوئی معاملہ درپیش ہو تو آدمیوں کو "سُبحان اللہ" کہنا چاہیے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہیے۔ (بخاری کتاب الاحکام باب ۳۶-ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ "تصفیق و تصفیح" یہ دونوں لفظ حدیث میں آتے ہیں اور دونوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معنی ایک ہیں، یعنی ایک ہاتھ کے صفحے سے دوسرے پر مارنا جس کو اُردو میں تالی بجانا کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آدمیوں کے لیے تسبیح اور عورتوں کے لیے تالی ہے۔

صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے اس مسئلہ میں اُن کی مخالفت منقول نہیں ہے۔

عورتوں کے لیے تسبیح کو اس لیے جائز قرار دے دیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور نماز بھی مقامِ ذکر ہے۔

۳۲۴۔ خوشبو لگا کر عورت مسجد میں نہیں آسکتی

عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ خوشبو لگا کر مسجد میں آئے، اگر کسی عورت نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، خواہ جمعہ کی نماز ہو یا نمازِ عشا ہو، عید کی نماز ہو یا کوئی اور نماز، ہر نماز کے لیے یہی حکم ہے۔

۶۶۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ از یحییٰ بن سعید قطّان از محمد بن عجلان از بکیر بن عبداللہ بن اشج از بُسر بن سعید از] حضرت زینب زوجہ عبداللہ بن مسعودؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الزینۃ)

۶۶۱۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از ابن سُلیم از ابن اعرابی از ابوداؤد از موسیٰ بن اسماعیل از حمّاد بن سلمہ از محمد بن عمرو از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف از] حضرت ابو ہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے منع نہ کرو لیکن جب وہ آئیں تو خوشبو لگا کر نہ آئیں۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۵۳)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"عورت اگر کوئی خوشبو جمعہ کے دن استعمال کرے اور جمعہ سے پہلے پہلے اس کی بُو ختم ہو جائے تو اس کا استعمال اس کے لیے جائز ہے ورنہ نہیں۔ عورت کو یا خوشبو چھوڑنا پڑے گی یا جمعہ ان دونوں میں سے جس کو بھی چھوڑ دے عورت کے لیے جائز ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۴۳۔ عورت کے لیے اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال ملانا جائز نہیں

کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس نے اپنے بالوں کے ساتھ کسی انسان وغیرہ کے بال یا اُون یا کسی دوسری چیز کو ملا رکھا ہو۔ اسی طرح آدمی کے لیے بھی یہ جائز نہیں۔

اگر کوئی عورت اپنی چوٹی یا چوٹیوں کو ریشم کے دھاگے، اُون، کتان، روئی یا چمڑے کے تسمہ یا سونے چاندی کے تار سے باندھے ہوتے ہو تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے لہٰذا اسے گناہ بھی نہیں ہو گا۔ اگر کوئی عورت اپنے سر پر کوئی اُونچی چیز رکھ کر اس پر دوپٹہ اوڑھے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔ (یعنی سر کے بالوں کو زیادہ بنانے کے لیے کوئی چیز دوپٹے کے نیچے نہ رکھے)۔

۶۶۲۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از حُمیدی از سفیان بن عُیَینہ، از] ہشام بن عروہ روایت کیا۔ عروہ نے فاطمہ بنت منذر سے سنا اور فاطمہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری بیٹی کو **چیچک** کی بیماری ہوئی جس کی وجہ سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے اور میں نے اس کی شادی کر دی ہے، تو کیا اس کے بالوں کے ساتھ اور بال لگا سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا بال ملانے والی اور جس عورت کے لیے ملا رہی ہو، دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ (بخاری، مسلم کتاب اللباس ونسائی کتاب الزینۃ، ابن ماجہ کتاب النکاح)۔

۶۶۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از عمرو بن یحییٰ بن حارث حمصی، از محبوب بن موسیٰ از ابن مبارک۔ از یعقوب بن قعقاع از قتادہ از ابن مسیّب از] حضرت معاویہ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا "لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جھوٹ سے منع کیا ہے، آپ کے پاس ایک سیاہ رنگ کی دھجی سی تھی، آپ نے اسے لوگوں کے سامنے پھینک کر فرمایا کہ اس قسم کی چیزیں عورت اپنے سر کے ساتھ ملا کر اوپر دوپٹہ اوڑھ لیتی ہے (یعنی اپنے بالوں کو زیادہ بنانے کے لیے، حالانکہ اس کے بال تھوڑے ہی ہیں لہٰذا یہ جھوٹ میں شامل ہے)۔ (بخاری کتاب الانبیاء فی ذکر بنی اسرائیل، مسلم کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہؓ کا یہ کہنا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں منع فرمایا ہے" یہ مرفوع عورتوں سب کے لیے ہے لہٰذا جس شخص نے کسی ایسی حالت میں نماز پڑھ لی، جو حرام ہے تو اس نے گویا حسبِ امرِ الٰہی نماز ادا نہ کی لہٰذا اس کی نماز نہیں ہو گی" ——— وباللہ تعالی التوفیق

۴۴۴۔ بعض ملعون عورتوں کی نماز ہو جاتی ہے

جو عورت کسی دوسری عورت کے سر میں بال ملانے کی خدمت سر انجام دیتی ہے وہ اور جسم پر نقش و نگار کرید کران میں سُرمہ بھرنے والی اور بھروانے والی (یعنی گوندنا گودنے والی اور گودوانے والی) نیز خوبصورتی کے لیے دانتوں کو کشادہ کرنے والی اور کروانے والی اور چہرے کے بالوں کو اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی عورتیں اگرچہ یہ سب ملعون ہیں لیکن ان کی نماز درست ہو گی۔ یہ تو صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی ہے لیکن ان کی نماز اس لیے درست ہو گی کہ وہ ان اعمال کے سر انجام دینے کے بعد، ان احوال سے بری ہونے پر قدرت نہیں رکھتی ہیں اور جو کسی فرض کی ادائیگی سے عاجز ہو وہ فرض اس سے ساقط ہو جاتا ہے گا، فرمانِ الٰہی ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ۔ ۲۸۶)　　"اللہ تعالی کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اس کی مقدور بھر اطاعت بجالاؤ" (بخاری کتاب الاعتصام، مسلم کتاب الحج و کتاب الفضائل، نسائی کتاب الحج باب، ابنِ ماجہ مقدمہ باب)

یعنی کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کیا جا سکتا تو یہ عورتیں جب ان احوال کے ازالے سے عاجز ہوں گی، تو ان کے ازالے کا حکم بھی ان سے ساقط ہو جائے گا البتہ نماز کا حکم بدستور باقی رہے گا، لہٰذا انہیں حسبِ مقدور نماز ادا کرنی پڑے گی۔

جس عورت نے اپنے بالوں میں اور بال لگا رکھے ہوں، وہ اس بات پر چونکہ قادر ہے کہ ان بالوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو نکال دے، لہٰذا وہ اگر انہیں الگ نہیں کرتی ہے تو بحالتِ نماز میں ایک ایسی چیز کو اٹھائے ہوئے ہے کہ اس کے اُٹھانے میں معصیتِ الٰہی کا ارتکاب کر رہی ہے لہٰذا وہ حسبِ امرِ الٰہی نماز ادا نہیں کر رہی ہے اس لیے اس کی نماز بھی نہیں ہو گی ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۴۳۵۔ کعبہ کی چھت پر نماز جائز ہے

کعبہ کی چھت پر نماز جائز ہے۔ کوہ ابوقُبَیس اور مکہ میں ہر مکان کی چھت پر خواہ وہ کعبہ سے بلند ہی کیوں نہ ہو اور کعبہ کے اندر بھی آپ نماز پڑھ سکتے ہیں، فرض نماز ہو یا نفل ان میں کوئی فرق نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کعبہ کے اندر فرض نماز جائز نہیں البتہ نفل پڑھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہم نے جو کہا ہے وہی امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور سلیمان وغیرہ کا بھی قول ہے۔ امام مالکؒ کے متبعین نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ جو شخص کعبہ کے اندر نماز پڑھے گا، اسے کعبہ کے کچھ دوسرے حصہ کی طرف پُشت کرنا پڑے گی، لہٰذا یہ درست نہیں۔ امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ دلیل صحیح نہیں کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ	"اور تم جہاں سے نکلو مسجد حرام کی طرف منہ کر کے
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ	نماز پڑھا کرو اور مسلمانو تم جہاں ہُوا کرو اسی مسجد
فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۔ (البقرہ - ۱۵۰)	حرام کی طرف رُخ کیا کرو"

اگر مالکیوں کی پیش کردہ اس دلیل کو درست تسلیم کر لیا جائے، تو پھر کسی کے لیے بھی مسجد حرام میں نماز پڑھنا درست نہ ہو گا کیونکہ قرآن مجید کی اس نصِ قطعی سے ثابت ہے کہ مسجدِ حرام قبلہ ہے لہٰذا جو کوئی مسجد حرام میں نماز پڑھے گا، اسے اس مسجد کے کسی نہ کسی حصہ کی طرف پُشت کرنا پڑے گی پس معلوم ہُوا کہ یہ قول ہی فاسد ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور پہلو بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ جو شخص مسجد حرام یا کعبہ میں نماز پڑھے گا، اسے یقینی طور پر کچھ حصہ اپنے دائیں بائیں چھوڑنا پڑے گا اور اس بات میں اہلِ اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ قبلہ کو آپ پسِ پُشت کر لیں یا دائیں اور بائیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس کی رعایت ملحوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم ہی نہیں دیا، ہمیں صرف اس بات

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا مکلف کیا گیا ہے کہ کعبہ یا مسجد حرام کی دیوار کا جو حصہ چہرے کے بالمقابل ہو اور جہاں کہیں بھی ہوں اُسے قبلہ قرار دے لیں۔

۶۶۴۔ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یوسف از مالک از نافع از] حضرت ابن عمرؓ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، اُسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ حجبی کعبہ میں داخل ہوئے، عثمان نے دروازہ بند کر دیا، آپؐ کچھ دیر اندر رہے، جب باہر تشریف لائے تو میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اندر کیا کام ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپؐ نے ایک ستون کو بائیں جانب، دو کو دائیں جانب اور تین کو پیچھے کی طرف کر کے نماز پڑھی ہے (بخاری کتاب الصلوٰۃ وکتاب الحج وکتاب الجہاد وکتاب المغازی، مسلم، ابوداؤد کتاب الحج، نسائی کتاب الصلوٰۃ وکتاب الحج، ابن ماجہ کتاب الحج)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"کسی نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ کی یہ نماز غیر قبلہ کی طرف تھی، آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ساری زمین مسجد ہے"، کعبہ شریف کا اندرونی حصہ تو سب سے زیادہ اطیب و افضل ہے اس مسجد میں فرض و نفل ادا کرنا رُوئے زمین کی سب مسجدوں کی نسبت افضل اور اعلیٰ ہے"

سوار، خائف اور مریض کے سوا اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غیر قبلہ کی طرف نفل پڑھے، قرآن، سُنّت اور اجماع کے بغیر فرض و نفل میں تفریق منع ہے (یہاں چونکہ غیر قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نمازِ نفل پڑھنے کا ثبوت موجود ہے لہٰذا فرق کیا گیا ہے) ــــــ و باللہ تعالیٰ التوفیق

کعبہ سے جو مکان اونچا ہو اس پر بھی نماز اس لیے جائز ہے کہ ہم پر فرض صرف یہ ہے کہ کعبہ شریف کی طرف منہ کریں ورنہ تعمیر و تجدید کے لیے کئی دفعہ کعبہ شریف کو گرایا بھی گیا تو اس وقت کسی نے یہ نہیں کہا کہ کعبہ کی عمارت اب نیچی ہے اور مکان اونچے ہیں لہٰذا نمازیں باطل ہیں۔

۴۳۶۔سامنے مُصحَف ہو تو نماز جائز ہے
جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے مُصحَف ہو تو نماز جائز ہو گی بشرطیکہ مُصحَف کی عبادت کا قصد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارادہ نہ کرے، نماز اس لیے جائز ہو گی کہ ممانعت کے سلسلہ میں کوئی نص یا اجماع نہیں ہے!

۴۳۷۔ نمازی کے سامنے مختلف اشیاء کا ہونا جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے قبلہ کی طرف آگ، پتھر، گرجا، چرچ، آتشکدہ، انسان ــــ مسلمان ہو یا کافر ــــ حائضہ عورت یا کوئی بھی دوسرا جسم ہو تو اس کی نماز جائز ہو گی البتہ کتا، گدھا یا عورت لیٹنے کے علاوہ کسی اور حالت میں ہو تو نماز نہیں ہو گی، کیونکہ ان کے علاوہ مذکورہ اشیاء میں سے کسی کی بابت قرآن، سنت اور اجماع سے کوئی ممانعت ثابت نہیں! اور پھر ظاہر ہے کہ نمازی کے آگے اجسام عالم میں سے کوئی جسم تو ہو گا لہٰذا ان اجسام میں تفریق کرنا باطل ہے کیونکہ یہ تفریق کا دعویٰ بلا دلیل و برہان ہو گا ــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۴۳۸۔ نماز اور درج ذیل مقامات گرجا، چرچ، آتشکدہ، مذبحہ ــــ جب پیشاب، گوبر اور خون وغیرہ سے اجتناب کیا جائے ــــ سرراہے، بطن وادی، مقامات خسف میں، اونٹ اور راونٹنی کے سامنے، گفتگو کرنے والے اور سوتے ہوئے آدمی کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ ان مقامات میں سے کسی میں نماز کی حرمت کے سلسلہ میں نص یا اجماع یقینی ثابت نہیں ہے، جب نص و اجماع سے ممانعت ثابت ہو جائے گی تو اسے اختیار کر لیا جائے گا۔

۶۶۵۔ ہم نے بطریق [ہمام از ابن مفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر و سفیان ثوری از اعمش از ابراہیم تیمی، از والد خود از] حضرت ابوذرؓ روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟" آپؐ نے فرمایا "مسجد حرام" میں نے عرض کیا "پھر کون سی؟" آپؐ نے فرمایا "مسجد اقصیٰ" میں نے عرض کیا "دونوں کی تعمیر میں کتنی مدت کا فرق ہے؟" آپؐ نے فرمایا "چالیس برس! پھر تمہیں جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، وہاں پڑھ لو کیونکہ وہ مسجد ہے۔ (عبدالرزاق ۱/۴۰۲، بخاری احادیث الانبیاء، مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۲۴، والتفسیر ح ۸۹، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ۲۷)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ نص جلی ہے کہ کعبہ بھی مسجد ہے، علاوہ ازیں قرآن مجید سے بھی یہ ثابت ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسی کوئی مسجد نہیں جس میں فرض نماز حرام اور نفل نماز حلال ہو"

بطریق حضرت ابوہریرہؓ، جابرؓ، حذیفہؓ اور انسؓ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہمیں جن فضائل سے نوازا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ساری زمین ہمارے لیے مسجد بنا دی گئی ہے" (ارواء الغلیل ح ٢٨٥) مذکورہ تمام مقامات چونکہ زمین سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان میں نماز جائز ہے، ہاں وہ مقامات جن میں نص سے نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوگئی، وہاں نماز پڑھنا جائز نہیں، مثلاً اونٹوں کا باڑہ، حمام، قبرستان، قبر پر اور قبر کی طرف منہ کرکے، غصب شدہ جگہ، نجس مقام اور مسجد ضرار، فقط یہ ہیں وہ مقامات جن میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

مذبحہ اور بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کی ممانعت بطریق زید بن جبیرہ مروی ہے اور وہ لاشئ ہے[1]۔ نیز بطریق عبداللہ بن صالح، کاتب لیث سے بھی یہ روایت مروی ہے اور وہ بھی ضعیف ہے[2] مقام خسف میں نماز پڑھنے کی ممانعت بطریق لہیعہ مروی ہے اور وہ لاشئ ہے[3]۔ راستوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت بطریق حسن از جابر (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ۱۲ میں) مروی ہے، اور حسن کا جابر سے سماع ثابت نہیں ہے۔

٤٣٩۔ چمڑے اور اون پر بھی نماز جائز ہے

چمڑے، اون اور ہر اس چیز پر نماز جائز ہے، جس پر بیٹھنا جائز ہو بشرطیکہ وہ پاک ہو۔ عورت کے لیے

[1] یہ روایت ترمذی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ اور یہ زید نہایت ہی ضعیف ہے، ساجی نے فرمایا کہ یہ زید داؤد بن حصین سے ایک منکر روایت بیان کرتا ہے یعنی فی النھی عن الصلوٰۃ فی سبعۃ مواطن (تہذیب التہذیب ٣/ ٤٠١)

[2] یہ حدیث عبداللہ بن صالح از لیث، از نافع از ابن عمرؓ از عمرؓ، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے اور ترمذی نے بھی کتاب الصلوٰۃ ٢٤٣ میں معلقاً روایت کیا ہے۔ عبداللہ ثقہ ہیں جنہوں نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے، ان کی تضعیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ یہ کثیر الخطا ہیں۔

[3] ابن لہیعہ مختلف فیہ راوی ہیں بعضوں نے ان کو ثقہ کہا ہے اور اکثر نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد، ج ١ ص ١٨٢ - ٤٨١ کتاب الصلوٰۃ میں از وہب، از ابن لہیعہ و یحییٰ بن ازہر از عمار بن سعد مرادی از ابی صالح غفاری از علیؓ مروی ہے اور بیہقی ج ٢ ص ٤٥١ میں بطریق ابوداؤد ہی مروی ہے گویا ابن لہیعہ متفرد نہیں ہے بلکہ اس میں علت یہ ہے کہ ابو صالح غفاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریشم پر نماز پڑھنا جائز ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور ابوسلیمان وغیرہ کا یہی قول ہے۔

عطاءؒ فرماتے ہیں کہ نماز صرف مٹی اور کنکریوں پر درست ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر یا نباتات پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"اس قول کی صحت کی کوئی دلیل نہیں ہے اور سجدہ درج ذیل سات اعضاء پر کرنا واجب ہے (۱-۲) دونوں ہاتھ (۳-۴) دونوں گھٹنے (۵-۶) دونوں پاؤں اور (۷) پیشانی وناک۔ امام مالک پیشانی کے علاوہ باقی اعضاء کو مذکورہ اشیاء پر رکھنا جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ اعضاء سجدہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور فرق کی کوئی وجہ بھی نہیں، نہ قرآن سے نہ سُنّت صحیح وسقیم نہ اجماع وقیاس سے نہ کسی صحابی کے قول سے اور نہ رائے وقیاس سے الغرض کسی ذریعہ سے بھی فرق کی کوئی دلیل ثابت نہیں ہے" — وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے بالوں کے ایک ٹاٹ پر نماز پڑھی۔ (عبدالرزاق ۱/۳۹۶)

حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ایک عبقری پر نماز پڑھا کرتے تھے اور وہ اُون کا ایک قسم کا بسترہ ہے[۱]

حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ایک حاشیہ دار بوریا پر نماز پڑھا کرتے تھے، یہ بھی اُون کا ہوتا ہے (عبدالرزاق ۱/۳۹۵)

کا حضرت علیؓ سے سماع معروف نہیں ہے لہٰذا ان سے آپ کی روایت مرسل ہے۔

[۱] عبدالرزاق ۱/۳۹۵، ومصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۰۰-بیہقی ج ۲، ص ۴۳۶، ابوعبید کہتے ہیں کہ عبقری بچھائیاں وغیرہ ہیں۔ جن میں مختلف رنگ اور نقش ونگار ہوں (غریب الحدیث ۳/۴۰۰) لسان (۴/۵۳۵) میں ہے کہ ابن سیدہ کا قول ہے کہ عبقری اور عباقری چٹائیوں کی ایک قسم ہے اور عبقر یمن کی ایک بستی ہے جس میں کپڑوں اور چٹائیوں کو مزین کیا جاتا تھا، یاقوت (حموی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایسی ہی روایت ہے (بیہقی ۲/ ۴۳۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۰۰)۔ نیز شریح، زہری اور حضرت حسن رحمہ اللہ کے بارے میں بھی اسی طرح روایات ہیں۔ مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی بھی اس سلسلہ میں مخالفت نہیں کی گئی ـــــ وباللہ تعالٰی التوفیق

۴۴۴۔ ازدحام کی وجہ سے زمین پر سجدہ ممکن نہ ہو تو کیا کرے

جب جمعہ وغیرہ کے دن ازدحام کے باعث سامنے زمین پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو سامنے آدمی کے پاؤں یا پُشت پر سجدہ کرلے، اس کا یہ سجدہ درست ہوگا۔ امام ابوحنیفہ، شافعی اور ابوسلیمان وغیرہ کا یہی قول ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح سجدہ جائز نہیں ہوگا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالٰی نے ہمیں سجدہ کا حکم دیا ہے لیکن کسی چیز کو مخصوص نہیں کیا کہ کس پر سجدہ کریں "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا" اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔"

۶۶۶ہم تک بطریق (یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن مسعود از احمد بن سعید بن حزم از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن احمد بن حنبل از والد خود از عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری از اعمش از مسیّب بن رافع از زید بن وہب از) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ جب گرمی شدید ہو تو کپڑے پر سجدہ کرلیا کرو اور جب بھیڑ زیادہ ہو تو آدمی کی پُشت پر کرلیا کرو[1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور طاؤس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب ازدحام ہو تو اپنے بھائی کی پُشت پر سجدہ

معجم البلدان میں) کہتے ہیں کہ شاید یہ کوئی قدیم شہر تھا، جو اب تباہ ہوگیا ہے۔

[1] یہ سند مطبوعہ مسند احمد میں نہیں ہے یا تو یہ سند مسند کے نسخوں سے ساقط ہوگئی ہے یا پھر امام احمد کی کسی دوسری کتاب میں ہوگی، مسند ج ۱ ص ۳۲ میں سند اس طرح ہے از سلیمان بن داؤد۔ ابوداؤد طیالسی از سلام یعنی ابوالاحوص از سماک بن حرب از سیار بن معرور، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو بنایا ہم مہاجر و انصار آپ کے ساتھ تھے

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرلو (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۵ و مُصنّف عبدالرزاق ۳/۲۳۳) حضرت مُجاہد فرماتے ہیں کہ اپنے بھائی کے پاؤں پر سجدہ کرلو (مُصنّف عبدالرزاق ۳/۲۳۳)

اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی حضرت عُمرؓ کی مخالفت نہیں کی۔

۴۴۱۔ امام اُونچی نیچی جگہ پر کھڑا ہوسکتا ہے

امام کے لیے جائز ہے، وہ سب مقتدیوں کی نسبت اُونچی یا نیچی جگہ پر کھڑا ہوسکتا ہے، عام، اکثر اور اقل سب حالات یکساں ہیں، اونچی جگہ پر کھڑے ہونے کی صورت میں اگر امام کے لیے سجدہ ممکن ہو تو بہتر ورنہ وہ بوقت سجدہ نیچے اُترکر سجدہ کرے، جہاں ممکن ہو وہاں وہ سجدہ کرلے اور پھر واپس اپنی جگہ چلا جائے۔ امام شافعیؒ و ابو سلیمان کا یہی قول ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے قامت کی مقدار کے مطابق یا اس سے کم کو جائز قرار دیا ہے، امام مالکؒ نے تھوڑی سی اونچائی کی اجازت دی ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ دونوں حدبندیاں ہی فاسد ہیں کیونکہ اس سلسلہ میں قرآن، سُنّت، اجماع، قیاس اور کسی صحابی کے قول سے کوئی نص موجود نہیں ہے اور نہ کوئی معقول رائے ہی اس کی تائید کرتی ہے قلیل و کثیر بلندی میں فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ تحریم، تحلیل اور تحدید قرآن و سنت ہی سے ہوسکتی ہے۔"

اگر امام کے لیے مقتدیوں سے چند انگلیاں اونچا کھڑا ہونا جائز ہے تو ان سے مزید چند انگلیاں اُونچا کھڑا ہونا بھی جائز ہوگا حتیٰ کہ اس طرح آپ ہزار انگلیوں کے بقدر اونچا کھڑے ہونے کو جائز قرار دے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جب ازدحام زیادہ ہو تو آدمی کو اپنے بھائی کی پُشت پر سجدہ کرلینا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو راستے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا مسجد میں نماز پڑھو۔ یہ حدیث مُسند طیالسی ص ۱۲ نمبر ۷۰ میں اسی سند کے ساتھ ہے اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو راستے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا...... الخ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۳ و ۲۶۰ میں بھی اسی کے مانند حضرت عُمرؓ کا قول و فعل مروی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکتے ہیں اور اگر اتنا اونچا کھڑا ہونا جائز نہیں بلکہ حرام ہے تو پھر ایک انگلی یا اس سے کم مقدار اونچا کھڑا ہونا بھی حرام ہو گا۔ اس سلسلہ میں جو شخص محض اپنی رائے سے فرق کرتا ہے، وہ اللہ اور رسول کے ذمّہ ایسی بات لگاتا ہے جو اللہ اور رسُول نے کبھی ارشاد نہیں فرمائی!

تعجب کی بات یہ کہ امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام کے ساتھ ایک جماعت بلندی پر کھڑی ہو کر نماز ادا کر رہی ہو تو پھر امام کی نماز ان لوگوں کے ساتھ بھی درست ہو گی، جو امام سے نیچے کھڑے ہوں گے۔ یہ عجیب، زیادتی اور تحکّم کی بات ہے! اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ امام مقتدیوں کی نسبت نشیبی جگہ میں کھڑا ہو، یہ تیسری بات ہے جس میں تحکّم کا مظاہرہ کیا گیا ہے حالانکہ یہ سب کچھ دعوٰی بے دلیل ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:-

"اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے صفیں درصفیں باندھ کر کھڑے ہوں، اس کی خلاف ورزی درست نہیں کیونکہ قبل ازیں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ صفوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق واجب ہے۔ اگر امام کا مصلّٰی دکان، کمرے یا کسی ایسے ٹیلے وغیرہ پر ہو جس میں امام کے پیچھے صف کی گنجائش نہ ہو تو وہ امام سے نیچے صف باندھ لیں"

۶۶۷- ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحیٰی بن یحیٰی و قتیبہ بن سعید از عبدالعزیز بن ابی حازم از] ابوحازم روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعدؓ کی خدمت میں کچھ لوگ آئے، تو آپ نے بیان کیا کہ مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو منبر پر کھڑے ہوتے دیکھا، پھر آپؐ نے منبر پر کھڑے ہونے کی حالت میں تکبیر کہی اور آپؐ کے پیچھے لوگوں نے بھی تکبیر کہی، پھر آپؐ نے ہاتھوں کو اٹھا کر تکبیر کہی اور پیچھے اُتر کر منبر کے پایہ کے پاس سجدہ فرمایا، پھر آپؐ منبر پر کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ آپ نے اسی طرح نماز کی تکمیل فرمائی، پھر آپؐ نے لوگوں کی طرف رُوئے سخن کر کے فرمایا لوگو! مَیں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کے طریقہ کو بھی معلوم کر لو۔ (بخاری، مسلم کتاب الصّلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اس سے زیادہ واضح بیان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ مقتدیوں کی نسبت وہ بلند جگہ پر کھڑا ہو سکتا ہے۔"

ہمارے مخالفین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ممانعت ہے کہ امام مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہو، یہ حدیث ساقط ہے، اس میں زیاد بن عبداللہ بکائی منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے[1] اور وہ حدیث جو ہم نے ذکر کی ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام کا اجماع ہے لہٰذا یہ ایک مضبوط دلیل ہے، کوئی خود ساختہ باطل بات دلیل نہیں بن سکتی۔

---

[1] بکائی، بکاء کی طرف نسبت ہے، جو بنو عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ ہے، یہ زیاد ثقہ اور صدوق ہیں بعضوں نے باعتبار حافظہ اس کو ضعیف قرار دیا ہے، یہ ابن اسحاق سے سیرت کے راوی ہیں اور ان سے پھر ابن ہشام نے روایت کی ہے۔ ان کی اس حدیث کو دارقطنی نے ص ۱۹۷ کتاب الصلوٰۃ کے آخری باب جو کتاب الزکاۃ سے قبل ہے اس میں اور حاکم نے ج ۱ ص ۲۱۰ میں بطریق زیاد بن عبداللہ، از اعمش، از ابراہیم از ہمام روایت کیا ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے مدائن میں لوگوں کو نماز پڑھائی اور ایک دوکان کے اوپر کھڑے ہو گئے حضرت ابومسعودؓ نے انہیں کپڑوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا، وہ واپس پیچھے لوٹ آئے، جب سلام سے فارغ ہوئے تو ابومسعودؓ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ امام اونچا کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے (نیچے) کھڑے ہوں ——— یہ حاکم کے لفظ ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں زیاد بکائی کے علاوہ اور کسی نے اسے روایت نہیں کیا، اور ابن حزمؒ نے انہی کی اتباع میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ زیاد اس روایت میں منفرد ہے حالانکہ یہ ان دونوں کی غلطی ہے، ابوداؤد نے ج ۱ ص ۲۳۲ اور حاکم نے ج ۱ ص ۲۱۰ میں بطریق یعلی بن عبید، از اعمش روایت کیا ہے لیکن اس میں روایت کے مرفوع ہونے کی تصریح نہیں ہے بلکہ ابومسعودؓ نے یہ کہا ہے "کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ اس سے منع کیا کرتے تھے" اور یعلی ثقہ اور حجت ہے۔

اس جیسی روایت کو اس پر محمول کیا جاتا ہے کہ یہ مرفوع ہے، زیاد کی روایت نے اس کی تشریح کر دی، ان میں سے ہر روایت نے دوسری کو مزید قوی کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہے، علامہ ذہبیؒ نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے "تلخیص" ص ۱۲۸ میں امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"بعض مخالفین نے اس پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ یہ تکبّر کی علامت ہے، لیکن یہ اعتراض بالکل باطل ہے کیونکہ ان حضرات نے مقتدیوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ امام کی نسبت اونچا کھڑے ہو سکتے ہیں اور ہم اس اعتراض کے برعکس یہ کہیں گے کیا یہ مقتدیوں کے تکبّر کی علامت نہیں ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں؟ اسی طرح ان پر یہ بھی لازم آئے گا کہ امام کو تلوار لٹکانے اور زرہ پہن کر نماز پڑھانے سے روک دیا جائے کیونکہ یہ صورت تو بلند جگہ پر کھڑے ہونے کی نسبت بھی زیادہ باعثِ تکبّر ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ، لیث بن سعدؒ اور امام بخاریؒ کا قول بھی ہمارے قول کے مطابق ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق

وہ اعمال جو نماز میں مُستحب ہیں اور فرض نہیں

۴۴۲۔ رفعُ الیدَین تکبیر تحریمہ کے علاوہ، رکوع، سجود، قیام اور جلوس کے لیے رفع الیدین مُستحب ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت فرض ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے، چنانچہ ایک گروہ نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ اور کسی وقت رفع الیدین کا قائل نہیں ہے۔ تکبیر تحریمہ کے لیے بھی یہ حضرات بادلِ نخواستہ ہی رفع الیدین کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہاتھوں کو تھوڑا سا اٹھانا چاہیے۔ ابن قاسم کی امام مالکؒ سے یہی روایت ہے (المدونۃ الکبریٰ ۱/۶۸)

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے لیے رفع الیدین سنت ہے، فرض نہیں، باقی نماز میں ان حضرات کے ہاں اور کسی جگہ رفع الیدین جائز نہیں۔

ابن خزیمہؒ (۳/۱۳) اور ابن حبانؒ (۳/۴۴۶) سے بھی اس کی تصحیح نقل کی ہے (لیکن اس کے علاوہ اس میں اختلاف بھی ہے کسی روایت میں امامت کو حضرت حذیفہؓ کی طرف اور کسی میں عمار کی طرف منسوب کیا ہے ان سب وجوہات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے پھر بھی صحیحین کی محولہ بالا روایت کو ہی ترجیح ہوگی اور اس روایت پر عمل نہیں ہوگا یا پھر وہ تاویل صحیح ہے جو ابن حبان نے کی ہے کہ تعلیم صلوٰۃ مقصود ہو تو امام اونچے مقام پر کھڑا ہو سکتا ہے ورنہ نہیں)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ رفع الیدین تکبیرِ تحریمہ، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کرنا چاہیے، امام شافعیؒ، احمد، ابو سلیمان اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے۔ اشہب، ابو المُصعَب، ابن وہبؒ وغیرہم کی امام مالکؒ سے یہی روایت ہے۔ نیز یہ کہ امام مالکؒ کا اپنا عمل اور فتویٰ بھی اسی قول کے مطابق تھا۔ (حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری ۱۸۲/۲ میں ابن عبد البرؒ کے حوالے سے مختصراً ذکر کیا ہے) دیکھو التمہید ۲۱۳/۹)

ایک گروہ ہر فرض و نفل نماز کی ہر تکبیر اور ہر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہٗ کہتے ہوئے رفع الیدین کا قائل ہے۔

اقوال و دلائل کا تجزیہ ابن قاسم نے امام مالکؒ سے جو روایت ذکر کی ہے، ہمیں اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں نہ کسی روایت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے، نیز حضرات صحابہ کرامؓ و تابعین میں سے اس کا کوئی قائل نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے ہمنوا حضرات کا استدلال اس روایت سے ہے جسے ہم نے بطریق حمام از عبداللہ بن محمد باجیؒ از محمد بن عبد الملک بن اَیمن از محمد بن اسماعیل صائغ از زُہیر بن حرب از وکیع از سفیان ثوری، از عاصم بن کُلیب از عبد الرحمٰن بن اسود از عَلقمہ، حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ کیا میں تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ دکھاؤں؟ پہلی تکبیر کے لیے تو آپؐ نے رفع الیدین کیا لیکن پھر نہ کیا[1]۔

ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابنِ مسعودؓ فقط تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ (المدونۃ الکبریٰ ۶۹/۱)

ہمیں نہیں معلوم کہ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور دلیل بھی ہو بلکہ یہ حدیث بھی ان کی دلیل نہیں بن سکتی

---

[1] ابو داؤد، ج ۱ ص ۲۷۲ از عثمان بن ابی شیبہ، ترمذی ج ۱ ص ۳۵ از ہنّاد، نسائی ج ۱ ص ۱۵۸ بطریق عبداللہ بن مبارک، طحاوی ج ۱ ص ۱۳۲ بطریق نعیم بن حماد، بیہقی ج ۲ ص ۷۸، بطریق محمد بن اسماعیل احمسی ان سب حضرات نے اس حدیث کو وکیع سے مذکورہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے، یہ صحیح حدیث ہے، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے لیکن رفع الیدین کے اثبات کی روایات اس کی نسبت زیادہ صحیح بلکہ یقینی طور پر متواتر ہیں۔ (لہٰذا یہ روایت صحیح ہونے کے باوجود شاذ ہوئی اور شاذ روایت قابلِ عمل نہیں ہوتی، جیسا کہ علم اصولِ حدیث سے واضح ہے) نیز ابنِ مسعودؓ سے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ ہم ذکر کرتے ہیں —— وباللہ تعالیٰ التوفیق

یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں صرف یہ ذکر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کسی وقت رفع الیدین فرض نہیں ہے اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو پھر ہر رفع وخفض اور تکبیر و تحمید کے وقت رفع الیدین فرض ہوتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر رفع کے وقت رفع الیدین ثابت ہے جیسا کہ ہم اس کے بعد ان شاء اللہ عزوجل ذکر کریں گے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "تم یُوں نماز پڑھو جیسا کہ مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" (بخاری کتاب الاذان) ہم اپنی اس کتاب کے "اذان واقامت کے وجوب کے باب" میں یہ حدیث سند کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں (یعنی مسئلہ ۳۱۵ و ایضاً مسئلہ ۳۵۸)۔

اگر ابن مسعودؓ کی یہ حدیث نہ ہوتی، تو پھر ہر نمازی پر فرض تھا کہ وہ ایسے نماز پڑھتا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ آپؐ جب بھی سر جھکاتے اور اوپر اُٹھاتے، رفع الیدین کرتے اور ابن مسعودؓ کی اس حدیث نے یہ واضح کر دیا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی رفع وخفض کے وقت

روایت میں باقی مقامات میں رفع الیدین کی نفی نہیں ہے بلکہ راوی کا بیان ہے کہ ابن مسعودؓ نے تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کیا۔ اگر اسے نفی پر محمول بھی کیا جائے تو بھی صحابہ کے ایک جم غفیر سے رفع یدین کا اثبات منقول ہے، اور اثبات ہمیشہ نفی کی نسبت مقدم ہوتا ہے۔ شاید حضرت ابن مسعودؓ نے پہلے دور کی نماز کی یہ کیفیت بیان کی ہو جیسا کہ آپ نے تطبیق کو (رکوع کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر رانوں کے درمیان رکھ لینا) کو بیان کیا ہے، حالانکہ وہ منسوخ ہے احمد شاکرؒ "التحقیق" لابن الجوزی کے حاشیہ میں اس مسئلہ کو نہایت شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہاں دوبارہ تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

رفع الیدین کے سلسلہ میں وارد شدہ احادیث کے لیے ملاحظہ فرمائیے "جزء رفع الیدین" للبخاری، معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۱۳۱، الام للشافعی ج ۱ ص ۹۰، مؤطا محمد بن حسن ۸۹، الرد علی اہل المدینہ لمحمد ایضاً ۲۲، نصب الرایہ للزیلعی ج ۱ ص ۲۰۵، سنن بیہقی ج ۲ ص ۶۸، شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۲۶۲ وغیر ذلک۔ مؤلف بھی اس سلسلہ میں بہت سی احادیث بیان فرمائیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رفع الیدین کرنا سُنت و مُستحب ہے، فرض نہیں۔

حضرت علیؓ و حضرت ابن مسعودؓ اگر رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے تو حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابن عباسؓ اور حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ایک جماعت کی بابت ثابت ہے کہ وہ رفع الیدین کیا کرتے تھے، تو ان میں سے بعض کا فعل بعض کے خلاف حجت نہیں ہے بلکہ ان سب پر حجت وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بہر حال اگر حضرت ابن مسعودؓ و حضرت علیؓ رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے تو یہ ثابت تو نہیں کہ انہوں نے رفع الیدین کو مکروہ سمجھا یا اس سے منع کیا ہے جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں۔

جو حضرات رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے قائل ہیں ان کا استدلال اس روایت سے ہے جسے ہم نے بطریق مالک و یونس بن یزید و سفیان بن عُیَینہ و ابن جُریج و زُبیدی و مَعمر وغیرہم از زُہری، از سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اُٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے البتہ سجدوں میں ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ (مالک کی روایت بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ میں ہے یونس بن یزید کی روایت بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ میں ہے سفیان بن عُیینہ کی روایت مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے، ابن جُریج کی روایت مسلم کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ زبیدی کی روایت ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ میں ہے، معمر کی روایت نسائی کتاب الصلوٰۃ میں ہے)۔

نماز میں رفع الیدین پر عمل حضرت جابرؓ بن عبداللہ، ابوسعیدؓ، ابوالدرداءؓ، ام الدرداءؓ اور ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ و ۲۳۹ والتمہید ۱۰/۲۱۹، وجزء رفع الیدین للبخاری ص ۶۲ و ۷۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی نماز میں رفع یدین پر عمل ثابت ہے، و نیز آپ لوگوں کو بھی یہ سکھایا کرتے تھے۔ جیسا کہ بطریق حمادؓ بن سلمہ از ازرق بن قیس از حطان بن عبداللہ رقاشی از ابوموسیٰ اشعریؓ مروی ہے (دارقطنی ۱/۲۹۲)

حضرات ابن الزبیرؓ، ابوھریرہؓ اور نعمان بن ابی عیاش سے بھی رفع یدین کرنے کی روایتیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مروی ہیں[1]۔ نیز جملہ صحابہ کرام کے متعلق بطریق ابوبکر بن ابی شیبہ از معاذ بن معاذ از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ وہ تکبیرِ تحریمہ، رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت یوں رفع الیدین کیا کرتے تھے گویا پنکھے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۵، التمہید ۹/ ۲۱۷، بیہقی ۲/ ۷۵، امام بخاری جزء رفع یدین ص ۸۱، حدیث ۳۰)

علاوہ ازیں عبدالرحمٰن بن سابط، حسن، قاسم، سالم، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابن سیرین، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، قتادہ، حسن بن مسلم، ابن ابی نجیح، عبداللہ بن دینار، مکحول، معتمر بن سلیمان، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اسماعیل بن عُلَیّہ، لیث بن سعد، اوزاعی، سفیان بن عُیَینہ، حُمَیدی، جَریر بن عبدالحمید، عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، احمد بن حنبل، اسحاق، مزنی، ابوثور، محمد بن نصر مروزی، محمد بن جریر طبری، ابن المُنذر، عبداللہ بن عبدالحکم کے دونوں صاحبزادوں، ربیع، محمد بن نُمَیر، یحییٰ بن معین، علی بن مَدِینی، یزید بن ہارون اور دیگر حضرات سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (التمہید ۹/ ۲۱۸، جزء رفع الیدین للامام بخاری، ص ۲۶)

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ جب بھی سر جُھکایا جائے اور اٹھایا جائے، رفع الیدین کرنا چاہیے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے جسے

۶۶۸۔ ہم نے بطریق [حمام بن احمد از عباس بن اَصْبَغ از محمد بن عبدالملک بن اَیمن از ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل از محمد بن عبدالاعلیٰ صنعانی از مُعتمر بن سُلیمان از عبیداللہ بن عمر از ابن شہاب از سالم بن عبداللہ بن عمرؓ از] حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے، رکوع کا ارادہ فرماتے، رکوع سے سر اٹھاتے، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد (تیسری کے لیے) اُٹھتے، تو ان تمام اُمور کے لیے رفع الیدین کرتے۔ (بخاری جزء

---

[1] ابن زبیر کی حدیث بیہقی ج ۲، ص ۷۳ میں ہے اور فعل و قول دونوں کا ذکر ہے نیز امام بیہقی نے روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابوہریرہؓ سے مروی روایت امام بخاری نے اپنی کتاب "جزء رفع الیدین" ص ۶۲ و ۶۳ حدیث رقم ۱۹ و ۲۲ میں ذکر کیا ہے، نعمان بن ابی عیاش تابعی ہیں۔ امام بخاری نے "جزء رفع یدین، ص ۱۳۵ حدیث ۵۹ میں ان کی یہ روایت ذکر کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رفع الیدین، ص ۱۵۲، حدیث ۷۷، وابن حبان ۳/ ۲۶۰ و ۲۶۹-۲۷۰)۔

۶۶۹۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عیاش از عبدالاعلیٰ، از عبیداللہ بن عمر از] نافع روایت کیا کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے اور جب دو رکعتوں کے بعد (تیسری کے لیے) اٹھتے تو رفع الیدین کرتے اور فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا۔ (بخاری، ابوداود کتاب الصلوٰۃ)

حماد بن سلمہ نے اس حدیث کو بطریق ایوب سختیانی، از نافع از ابن عمرؓ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۸۷، ۲ تعلیقاً، وفی جزء رفع الیدین ص ۱۳۰، ح ۷۲ و ۷۳، احمد ۲/ ۱۰۰، وبیہقی ۲/ ۷۰)۔

۶۷۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابن الاعرابی از ابوداود، از عثمان بن ابی شیبہ و محمد بن عبید محاربی از ابن فضیل از عاصم بن کلیب از محارب بن دثار از] حضرت ابن عمرؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہہ کر اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔ (ابوداود کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۱۹)

۶۷۱۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداود از احمد بن حنبل از ابوعاصم ضحاک بن مخلد از عبدالحمید بن جعفر از] محمد بن عمرو بن عطاء روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابوحمید ساعدیؓ سے سنا کہ دس صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں، جن میں ابوقتادہ بھی تھے بیان فرما رہے تھے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، صحابہ کرامؓ نے فرمایا وہ کیوں؟ واللہ آپ ہماری نسبت نہ تو زیادہ اقتدا کرنے والے تھے اور نہ صحبت کے اعتبار سے قدیم؟ آپ نے فرمایا بجا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا اچھا پھر بیان تو کرو۔ آپ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں تک اٹھاتے، پھر اللہ اکبر کہتے حتیٰ کہ ہر ہڈی اعتدال کے ساتھ اپنی جگہ پر قرار پکڑ لیتی، پھر آپ قراءت فرماتے، پھر تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھاتے اور انہیں کندھوں کے برابر تک لے جاتے، پھر رکوع کرتے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور نہایت اعتدال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ رکوع کرتے، نہ سر کو بہت اونچا اٹھاتے اور نہ بہت نیچا جھکاتے، پھر رکوع سے سر اُٹھاتے وقت کہتے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھاتے ..... پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔ اس حدیث میں آگے یہ ذکر بھی ہے کہ دو رکعتوں کی تکمیل کے بعد جب کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اسی طرح اُٹھاتے، جس طرح نماز کے آغاز کے وقت اٹھایا کرتے تھے، پھر باقی نماز میں بھی ایسا ہی کرتے ..... پھر باقی حدیث ذکر کی۔ یہ سُن کر سب صحابہ کرامؓ نے فرمایا آپ بالکل سچ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اسی طرح نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۶۷۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از ابن الاعرابی از ابوداؤد از عُبید اللہ بن میسرہ جُشمی، از عبدالوارث بن سعید از محمد بن جُحادہ از عبدالجبار بن وائل[1] از علقمہ بن وائل] حضرت وائل بن حُجر روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ تکبیر کہتے تو رفع الیدین کرتے، پھر کپڑا اوڑھ لیتے، بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑ لیتے اور دونوں ہاتھوں کو کپڑے میں داخل کر لیتے، جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو ہاتھوں کو کپڑے سے باہر نکال کر اُوپر اُٹھاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع الیدین فرماتے، پھر سجدہ کرتے اور چہرہ مبارک کو دونوں ہتھیلیوں کے مابین رکھتے، سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع الیدین کرتے حتیٰ کہ اسی طرح (نماز مکمل کرنے کے بعد) نماز سے فراغت حاصل کرتے۔ محمد بن جحادہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن ابی الحسن کے پاس اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اسی طرح ہے، کچھ لوگوں نے اسی طریق کار کو اپنایا ہے اور بعض نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۱۷)

۶۷۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن مُثنّٰی از معاذ بن ہشام دستوائی د

---

[1] بطریق ابوداؤد جو صحیح سند ہے وہ اسی طرح ہے البتہ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۶۲ میں "وائل بن علقمہ" ہے اور یہ غلط ہے کیونکہ علقمہ تو ابن وائل بن حُجر ہے، اور وہ عبدالجبار کا بھائی ہے، یہ بعض رواۃ کی طرف سے غلطی ہو گئی ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیے تہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالاعلیٰ و محمد بن ابی عدی از سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ ــــ معاذ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے قتادہ سے یہ روایت بیان کی ہے، پھر سب نے از نصر بن عاصم از] حضرت مالک بن حویرثؓ روایت کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں رکوع کو جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت، سجدہ کرتے وقت، سجدہ سے سر اٹھاتے وقت کانوں تک دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔ (مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، نسائی ایضاً کتاب الصلوٰۃ باب ۲۹۱، ۲۴۲، ۳۶۵، ۲۸۲، ۴۳۱)

یہ ابن ابی عدی اور عبدالاعلیٰ کے الفاظ ہیں، جبکہ حضرت معاذؓ نے حدیث بیان کرتے ہوئے، یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع الیدین کرتے، رکوع کرتے وقت بھی اسی طرح کرتے، نیز رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی اسی طرح کرتے۔

۶۷۴۔ ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن جسور از وہب بن مسرۃ از محمد بن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ از عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی از حُمید از] حضرت انسؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ (ابوبکر بن ابی شیبہ ۱/۲۳۵، اور یہ سند نہایت ہی صحیح ہے)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ آثار و احادیث جو ابن عمرؓ، ابو حُمیدؓ، ابو قتادہؓ، وائل بن حجرؓ، مالک بن حویرثؓ، انسؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں، یہ بالکل ظاہر اور متواتر ہیں اور علم یقین کا موجب ہیں۔"

امام ابن حزم مزید فرماتے ہیں کہ زُہری نے از سالم از ابن عمرؓ جو روایت کیا ہے، وہ اس کی نسبت زائد ہے جو علقمہ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے اور امر زائد کا اخذ کرنا واجب ہے کیونکہ ابن عمرؓ نے وہ بیان کیا ہے، جسے ابن مسعودؓ دیکھ نہیں سکے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا ہے اور یہ دونوں صحابی ثقہ ہیں اور دونوں نے وہ کچھ بیان کر دیا جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا، حضرت ابن مسعود رفع الیدین کو ایسے ہی دیکھ نہ سکے جیسا کہ آپ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کو دیکھ نہ سکے پس دونوں روایتوں کو اس بات پر محمول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے گا کہ دونوں حضرات نے اپنے اپنے مشاہدہ کو ذکر کیا ہے۔"

اور نافع ومحارب بن دثار دونوں نے ابن عمرؓ سے جو روایت بیان کی ہے اور ابو حمید، ابوقتادہ اور آٹھ دیگر صحابہ کرامؓ نے جو روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد اُٹھتے وقت بھی رفع الیدین کیا کرتے تھے، یہ بھی زہری کی اس روایت سے جسے وہ سالم از ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں اس کی نسبت ایک زائد امر ہے، ان میں سے ہر ایک صحابی ثقہ ہے اور اپنا اپنا مشاہدہ بیان کرنے میں قابلِ اعتماد، لہٰذا دونوں پر اعتماد کیا جائے گا اور امرِ زائد کو قبول کرنا بھی واجب ہو گا۔

حضرت انسؓ نے بوقتِ سجدہ جو رفع الیدین کی روایت ذکر کی ہے، اس میں ابن عمرؓ کی روایت کی نسبت ایک زائد امر بیان ہُوا ہے، ان میں سے بھی ہر راوی ثقہ ہے اور اس نے جو مشاہدہ کیا اسے روایت کر دیا ہے

اسی طرح مالک بن حویرثؓ نے جو رکوع کو جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے، سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین ذکر کیا ہے، یہ اس سلسلہ کی تمام روایات کی نسبت ایک زائد امر ہے، سب راوی روایت کرنے اور سُننے میں ثقہ ہیں اور مختلف روایات میں جو زائد امور بیان ہوں ان کو قبول کرنا فرض ہے اور ان کا ترک کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ امرِ زائد ایک مستقل حکم ہوتا ہے، جاننے والے اسے بیان کر دیتے ہیں اور نہ جاننے والوں کا سکوت مضر نہیں ہوتا، سب احکام کے سلسلہ میں یہ قاعدہ مسلّم ہے اور احکام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس کے مطابق ابن عمرؓ کا قول بھی ہے، جیسا کہ قبل ازیں ہم آپ کا عمل بھی ذکر کر آئے ہیں، حضرت حسن بصریؒ اور سب صحابہ کرامؓ کا قول و عمل اسی کے مطابق ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۶۷۵۔ ہم نے بطریق (یونس بن عبد اللہ از احمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم از احمد بن خالد از محمد بن عبد السلام خشنی، از محمد بن بشار از عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفی از عبید اللہ بن عمر، از نافع از) حضرت ابن عمرؓ روایت کیا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے، جب رکوع کرتے اور جب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے، اور جب سجدہ کرتے اور دو رکعتوں کے مابین بھی دونوں ہاتھوں کو اپنے سینہ تک اُٹھاتے تھے۔[1]

[1] امام بخاری نے جزء رفع الیدین، ص ۲۰ میں ابن عمرؓ سے روایت ذکر کی ہے کہ آپ نماز کے آغاز میں بوقتِ رکوع،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے اور ابن عمرؓ کا رفع یدین سجدے کے وقت کرنا جو خود ان کی روایت کردہ حدیث جس میں ترک الرفع عند السجود کا ذکر ہے، کی مخالفت ہے(۱) اسی وقت صحیح ہو گا کہ ان کے نزدیک

رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں کے بعد اٹھتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، پھر امام بخاری نے فرمایا ہے کہ وکیع نے از عمری از نافع از ابن عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ رکوع و سجود کے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ محفوظ امر وہ ہے جسے عبیداللہ ایوب، مالک ابن جُریج، لیث اور اہلِ حجاز سے متعدد حضرات اور اہل عراق نے از نافع، حضرت ابن عمرؓ سے بوقتِ رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفعِ یدین کی روایت ذکر کی ہے۔ اگر عمری کی از نافع از ابن عمرؓ حدیث صحیح بھی ہو تو یہ پہلی حدیث کے مخالف نہ ہو گی کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ "جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفعِ یدین کرتے"۔ اور یہ کوئی خاص اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ فعل کی زیادتی ہے اور زیادتی جب ثابت ہو جائے، تو مقبول ہوتی ہے عمری جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے اس سے مراد عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطابؓ ہیں۔ یہ اس حدیث کے راوی عبیداللہ کے بھائی ہیں، عمری ثقہ ہیں اگرچہ حافظہ کے اعتبار سے ان میں کچھ ضعف بھی ہے، ان کا بھائی عُبیداللہ ثقہ اور حُجت ہے، نافع سے روایت کرنے کے سلسلہ میں بعض حفاظ انہیں امام مالک کی نسبت مقدم سمجھتے ہیں، عبدالوہاب ثقفی بھی ثقہ و حجت ہیں صحیح سند کے ساتھ ابنِ عمرؓ کا بوقت سجدہ رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے، اس کی مزید تائید عمری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے انہوں نے از نافع، از ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ذکر کیا ہے۔

بظاہر یُوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کرنے کے بعد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوقتِ سجود رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کو بعض صحابہ کرامؓ سے اس کا ثبوت مل گیا تو آپ نے عملی طور پر رجوع فرما لیا اور قولی طور پر اسے روایت بھی کر دیا جیسا کہ امام ابن حزمؒ نے بھی فرمایا ہے۔ للہ درہ! (احمد شاکر) رفع یدین کے سلسلہ میں ساری روایتوں پر غور کرنے سے نماز میں حسب ذیل مقامات پر رفع یدین کا ثبوت سُنتِ صحیحہ و آثارِ صحابہ سے ملتا ہے (۱) بوقتِ تحریمہ (۲) بوقتِ رکوع (۳) بعد الرکوع (۴) دو رکعتوں کے بعد، لیکن بعد الرکوع رفع یدین کو بعض راویوں نے "وَاِذَا سَجَدَ" یعنی جب سجدہ کرنے روایت کر دیا۔ دونوں لفظوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی رکوع کے بعد اور سجدہ سے قبل۔ (ابوالاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل کرنا ثابت ہو[1]۔

۶۷۶۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نُبات از احمد بن عبدالبصیر از قاسم بن اَصبَغ از محمد بن عبدالسلام خُشنی از محمد بن مُثنّیٰ از] ابوسہل نصر بن کثیر سعدی[2] روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ منیٰ کی مسجد خیف میں میرے پہلو میں حضرت ابن طاؤس نے نماز پڑھی، جب آپ سجدۂ اولیٰ سے سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو چہرہ کے سامنے تک اٹھاتے، مَیں نے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے وُہَیب بن خالد سے کہا کہ یہ ایک ایسا کام کر رہے ہیں کہ مَیں نے کسی کو اس طرح کرتے ہوئے نہیں دیکھا؛ ابن طاؤس نے یہ سُن کر فرمایا مَیں نے اپنے باپ کو دیکھا وہ اسی طرح کیا کرتے تھے اور مجھ سے آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مَیں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا۔ (ابوداؤد الصلوٰۃ باب ۱۱۸، نسائی الصلوٰۃ باب ۴۳۴، والکنیٰ للدولابی ۱/۱۹۸)

۶۷۷۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نَبات از عبداللہ بن علی باجی از احمد بن خالد از حسن بن احمد از محمد بن عُبید بن حساب از حماد بن زید از] حضرت ایوب سَختیانی روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے طاؤس اور نافع مولیٰ ابن عمرؓ کو دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا، حماد کہتے ہیں، ایوب بھی اسی طرح کیا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۱)

۶۷۸۔ ہم نے بطریق [حمام از ابن مفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از] ابن جریج روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے عطاء سے کہا کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت،

---

[1] یہ ظن ہے وَالظَّنُّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح و صریح ثابت ہو جاتے تو پھر اسی پر عمل ہوگا۔ وگرنہ یُوں ہوگا یا ایسا ہوگا، یہ سب احتمال و ظنون ہیں، پھر مسلّمہ اصُول ہے کہ راوی کی روایت قابلِ قبول ہے اگر اس کا فعل اس کے خلاف ہو تو اسے سہو و نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ (ابوالاشبال شاغف)

[2] یہ نصر ضعیف ہے۔ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں نقل کیا کہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا ہے اور اس کی روایتیں بھی بہت مختصر ہیں۔ نیز امام بخاری کا قول نقل کیا کہ اس کے پاس مناکیر ہیں یعنی اس کی روایتیں منکر ہیں۔ (ابوالاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکوع سے سر اٹھاتے وقت، سجدۂ اولیٰ سے سر اٹھاتے وقت، دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اور دوسری رکعت کے بعد کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا "جی ہاں! میں نے عرض کیا کہ "آپ ہاتھوں کو کانوں کے پیچھے کر لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ مجھے حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ اس طرح کیا کرتے تھے۔ پھر میں نے آپ سے یہ بھی پوچھا کیا نفل نماز میں بھی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا "ہاں! ہر نماز میں رفع یدین کرنا چاہیے۔" (عبدالرزاق ۱/۷۰)

۴۴۳۔ تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعائیں

توجیہ سُنّت حسنہ ہے وہ یہ کہ امام اور منفرد تکبیر تحریمہ کے بعد ہر نماز میں "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ...... الخ" پڑھے خواہ نماز فرض ہو یا غیر فرض، جہری ہو یا سرّی جیسا کہ

۶۷۹۔ ہم نے بطریق [حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن احمد بن حنبل از والد خود از ابو سعید از عبدالعزیز بن عبداللہ بن ماجشون از عبداللہ بن فضل و ابو یوسف بن ابی سلمہ ماجشون از عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج از عبیداللہ بن ابی رافع از] حضرت علی بن ابی طالبؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو یہ دعاء استفتاح پڑھتے.......

۶۸۰۔ [بدیں سند تا ابن ایمن از احمد بن زہیر بن حرب از والد خود[1] از عبدالرحمٰن بن مہدی از عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ ابن ماجشون از عم خود ابو یوسف بن ابی سلمہ از عبدالرحمٰن اعرج، از عبیداللہ بن ابی رافع] حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو یہ دعائے استفتاح پڑھتے........

امام احمد اور زُہیر کی روایتوں میں متفقہ طور پر دعائے استفتاح کے الفاظ یہ ہیں:۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ ...... (میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی

---

[1] مُصنّف نے دونوں سندوں کو اکٹھا بیان کیا تھا جس سے قاری کو سمجھنے میں دشواری تھی لہٰذا دونوں کو علیحدہ بیان کر دیا گیا۔ (ابوالاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (الانعام - ۸۰)

ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔"

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ج وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

(الانعام - ۱۶۲-۱۶۳)

"بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العلمین ہی کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں۔"

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِيْ، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا، اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ، لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ، اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (مسند احمد ۱/۹۴، ۱۰۲، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ وترمذی کتاب الدعوات، الطیالسی ۲۲، ح ۱۵۲، وبیہقی ۲/ ۳۲ و ۳۳)

"اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، تو میرے سب گناہوں کو معاف فرما دے، تیرے سوا گناہوں کو اور کوئی معاف نہیں کر سکتا، مجھے اخلاق حسنہ کی ہدایت عنایت فرما، تیرے سوا کوئی یہ ہدایت نہیں فرما سکتا اور مجھ سے اخلاق سیئہ کو دور فرما دے، تیرے سوا انہیں مجھ سے اور کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں ساری کی ساری بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔ میں تیرے ساتھ ہوں، تیری طرف ہوں تو بابرکت و بلند ہے، میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :

"یہ دُعا بطریق حجاج بن منہال و ابوالنضر و معاذ بن معاذ از ابن ماجشون بھی مروی ہے[1] جابر بن عبداللہ اور کئی دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے" (جابر بن عبداللہ کی روایت نسائی کتاب الصلوۃ میں ہے و نیز محمد بن مسلمہ سے بھی)

۶۸۱ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زُہیر بن حرب و ابوبکر بن ابی شیبہ و محمد بن عبداللہ بن نُمیر و ابو کامل ـــ ابو کامل از عبدالواحد بن زیاد، و ابوبکر و ابن نمیر از ابن فضیل، و زہیر از جریر بن عبدالحمید، ـــ اور یہ الفاظ جریر کے ہیں ـــ و ہر سہ یعنی عبدالواحد و ابن فضیل، و جریر بالاتفاق از عمارہ بن قعقاع از ابو زرعہ بن عمرو بن جریر از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت شروع کرنے سے پہلے کچھ دیر سکوت فرماتے، میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں، آپ تکبیر تحریمہ اور قرائت کے درمیان کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں یہ دعا پڑھتا ہوں :

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنْ خَطَایَایَ کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ. اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِیْ مِنْ خَطَایَایَ بِالثَّلْجِ وَالْمَآءِ وَالْبَرَدِ.	"اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے مابین اس قدر دُوری پیدا فرما دے جس قدر تُو نے مشرق و مغرب کے مابین دُوری پیدا کی ہے۔ اے اللہ مجھے میرے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میری غلطیوں کو برف پانی اور اولوں سے دھو دے"

[1] حجاج بن منہال والی روایت صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۳۵ و منتقی لابن الجارود ص ۷۰ ح ۱۷۹ اور ابوالنضر کی روایت مسلم کتاب الصلوۃ باب ۱۲۴ و صحیح ابن حبان ۳/۱۹۸ و مسند احمد ۱/۱۰۲، اور معاذ بن معاذ کی روایت ابوداؤد کتاب الصلوۃ، باب ۱۲۲ اور ۳۶۱ و مسند ابی عوانہ ۲/۱۰۰ وغیرہ میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(بخاری، مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الطہارۃ باب ۴۸، ۲۱۱، و ۱/۱۷، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ والدعوات)۔ یہ روایت بطریق سفیان از عمارہ بن قعقاع بھی مروی ہے (نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۷۲)

اس کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت تو ہے لیکن آپ نے ہمیں اس کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا البتہ آپ کے اسوہ حسنہ کی پیروی ایک بہت عمدہ عمل ہے[1]۔ ہم اس بات کو بھی مستحب سمجھتے ہیں کہ امام قرائت سے فراغت کے بعد اور رکوع سے قبل بھی تھوڑا سا سکوت اختیار کرے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ثابت ہے :۔

۶۸۲۔ ہم نے بطریق (حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از احمد بن محمد برتی قاضی از ابومعمر، از عبدالوارث بن سعید تنوری از یونس ابن عُبید از) حضرت حسن بصریؒ روایت کیا کہ حضرت سمُرہ بن جندبؓ نے نماز پڑھائی، تکبیر کہی اور پھر کچھ دیر خاموش رہے، پھر آپ نے قرائت شروع کی، جب سورۃ ختم کر لی، تو پھر کچھ دیر سکوت فرمایا، پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا۔ حضرت عمران بن حُصینؓ نے پوچھا "یہ کیا؟" تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا، چنانچہ حضرت عمران نے اس سلسلہ میں حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کی خدمت میں خط لکھا تو انہوں نے بھی اس بات کی تصدیق فرما دی۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، دارمی، دارقطنی، بیہقی ایضاً فی الصلوٰۃ وحاکم ۱/۲۱۵)[2]

---

[1] اُسوہ حسنہ کی پیروی کتاب وسُنت کی روشنی میں فرض ہے جیسا کہ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ اور مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي سے واضح ہے۔ (ناشر)

[2] امام حاکمؒ نے اسے شرط صحیحین پر صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبیؒ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔ حسن کے حضرت سمُرہ سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے، حق بات یہی ہے کہ سماع ثابت ہے جیسا کہ امام علی بن مدینیؒ سے امام ترمذیؒ نے ج ۱ ص ۳۸ میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ امام علی بن عبداللہ فرماتے تھے کہ حسنؒ کی حضرت سمرہؓ سے حدیث صحیح ہے کیونکہ حسن کا حضرت سمرہؓ سے سماع ثابت ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کوئی شخص حسن کے حضرت سمرہؓ سے سماع کی بابت وہم میں مبتلا نہ ہو یہ سماع ثابت ہے (اس سلسلہ میں تفصیلی کلام کے لیے ملاحظہ فرمایئے نصب الرایہ جلد ۱، ۸۹، ۴۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:-

"ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ہر امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے جیسا کہ حضرت سمرۃؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے آپ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کیا۔ مقتدی پہلے سکتہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے اور جو نہ پڑھ سکے وہ دوسرے سکتہ میں پڑھ لے۔"

امام ابن حزمؒ مزید فرماتے ہیں کہ جمہور سلف کا اسی کے مطابق عمل رہا ہے۔"

ہم نے بطریق حماد بن سلمہ، از ابراہیم نخعی، از علقمہ روایت کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب جب نماز شروع فرماتے تو اللہ اکبر کے بعد یہ دعا پڑھتے:-

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

"اے اللہ! تو اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے تیرا نام بابرکت، اور تیری بزرگی بڑی اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت عمرؓ یہ دعا پڑھتے ہوئے، آواز بلند بھی کر دیا کرتے تھے جس سے ہم یہ خیال کرتے کہ آپ ہمیں بھی یہ دعا سکھانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ (سنن دارقطنی ۱/۳۰۰)

نیز بطریق عبدالرزاق از سفیان ثوری از منصور بن معتمر از ابراہیم نخعی، از اسود، حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ آپ تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھتے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ..... الخ (مصنف عبدالرزاق ۲/۷۵)

حضرت عمرؓ کا یہ عمل تمام صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں تھا اور کسی نے بھی آپ کی اس سلسلہ میں کوئی مخالفت نہیں کی۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ، ابن عمرؓ، طاؤسؒ اور عطاء یہ سب حضرات فرض نماز میں تکبیر کے بعد دعاء توجیہ یعنی ثناء پڑھتے تھے، اوزاعی، سفیان ثوری، ابوحنیفہ، شافعی، احمد، اسحاق، داؤد اور ان کے اصحاب بھی ثناء پڑھنے کے قائل تھے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں دعاء توجیہ یعنی ثناء کو نہیں جانتا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"جو شخص کسی بات کو نہیں جانتا، اس کی بات اس کے خلاف حجّت نہیں ہو سکتی، جو اُسے جانتا ہے۔"

آپ کے بعض مقلدین نے معارضہ کے طور پر وہ روایت پیش کی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور سورۂ فاتحہ کی قراءت سے نماز کا آغاز فرمایا کرتے تھے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

لیکن یہ روایت ان حضرات کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ ہماری دلیل بنے گی، کیونکہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ قراءت کے آغاز کرنے میں توجیہ داخل نہیں ہے کیونکہ دعاء توجیہ یعنی ثناء قراءت نہیں بلکہ ذکر ہے، تو صحیح بات یہ ہوئی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ نماز کو شروع کرتے، پھر ذکر کرتے اور پھر قراءت کا سورۂ فاتحہ سے آغاز کرتے۔ یہ مسلمہ اصول بھی یاد رہے کہ عادل راویوں سے جو امر زائد منقول ہے اسے رد نہیں کیا جا سکتا" ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

مقتدی اس دعاء کو نہ پڑھے کیونکہ یہ قرآن مجید کا حصہ ہے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنے سے منع فرما دیا ہے[1]، اگر سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بعد امام کے سکتے کے دوران پڑھ لے تو ٹھیک ہے۔

۴۴۴۔ امام بحالتِ جماعت نماز کو لمبی نہ کرے

امام پر واجب ہے کہ جب وہ جماعت کرائے تو ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ

---

[1] نماز کی اکثر دعائیں ایسی ہیں جن میں قرآن کا کوئی نہ کوئی جملہ یا حصہ اس میں موجود ہے لیکن جب سنّتِ نبوی سے ان مقامات میں پڑھنے کا ثبوت بسندِ صحیح ہے تو پھر اس دلیل سے کہ قرآن کا حصہ ہے اور فاتحہ کے علاوہ قراءت سے مقتدیوں کو منع کیا گیا ہے اس لیے مقتدی نہ پڑھے، یہ قیاس ہے اور ابنِ حزم قیاس کے منکر ہیں لہٰذا ان کے اصول کے مطابق بھی پڑھنا ہی چاہیے۔ حق بات یہ ہے کہ ان دعاؤں کو کوئی قراءت سمجھ کر مقامِ قراءت میں نہیں پڑھتا کہ اس حدیث سے ممنوع قرار دیا جائے جس میں ماعدا فاتحہ کی قراءت سے منع کیا گیا ہے۔ فافہم وتدبّر۔ (ابوالاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقتدیوں میں کتنی طاقت ہے۔ البتہ تنہا نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ وہ جس قدر چاہے لمبی نماز پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ اس نماز کا وقت نہ ختم ہو جائے۔ جسے اس نے اس نماز کے بعد پڑھنا ہے۔ تنہا پڑھنے والا اگر ہلکی نماز بھی پڑھ لے تو جائز ہے۔

۶۸۳۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد بلخی از فربری از بخاری از عبداللہ بن یوسف، از مالک از ابی الزناد از اعرج از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے، تو اسے تخفیف کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف، بیمار اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن جب کوئی تن تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو وہ جس قدر چاہے نماز کو لمبا کر سکتا ہے۔ (بخاری، ابوداؤد نسائی کتاب الصلوٰۃ و موطا امام مالک الصلوٰۃ ایضاً)

۶۸۴۔ [بدین سند تا بخاری از احمد بن یونس از زہیر بن معاویہ از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم] روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابومسعودؓ نے خبر دی کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم میں صبح کی نماز میں فلاں امام کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے جتنا اس دن ناراضگی کا اظہار فرمایا، وعظ و نصیحت میں اس قدر ناراضگی کا کبھی اظہار نہیں فرمایا تھا، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کچھ لوگ، دوسروں کو دین سے دور بھگانے والے ہیں تم میں سے جو شخص دوسروں کو نماز پڑھائے، وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف، بڑی عمر والے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ (بخاری کتاب العلم والصلوٰۃ والادب والاحکام، مسلم ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب العلم)

۶۸۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق قاضی از ابن الاعرابی از ابوداؤد، از موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمہ از سعید جریری، از ابوالعلاء، از مطرف بن عبداللہ بن شخیر از] حضرت عثمان بن ابی العاصی روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجیے؟ آپ نے فرمایا تم ان کے امام ہو، ضعیف آدمی کا لحاظ رکھو اور کسی ایسے شخص کو موذن بنالو جو اذان کی اجرت نہ لے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:-

"تخفیف کی حد یہ ہے کہ امام دیکھے کہ مقتدیوں میں جو سب سے زیادہ کمزور اور زیادہ ضرورت مند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو وہ جس قدر وقوف، رکوع، سجود اور جلوس کو گوارا کر سکتا ہو، اسی قدر کو اختیار کرے، چنانچہ سلف صالح سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔"

بطریق حماد بن سلمہ از ثابت بُنانی و حُمید حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے اور کسی کے پیچھے مَیں نے نماز نہیں پڑھی، جس کی نماز مختصر مگر مکمل بھی ہو، آپ کی نماز مختصر ہوتی تھی، حضرت ابوبکرؓ کی نماز بھی مختصر ہوتی تھی البتہ حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز کو لمبا کر دیا تھا۔ (مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

بطریق وکیع، از سعید بن ابوعروبہ ابو رجاء عطاردی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حضرت زُبیر بن عوامؓ سے پُوچھا "کیا بات ہے آپ اصحابِ رسولؐ، دیگر سب لوگوں کی نسبت ہلکی نماز پڑھتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہم وسوسوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ (مُصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۵۶ عبدالرزاق ۲/ ۳۶۷)۔

بطریق عبدالرزاق از ابن جُریج، از عطاء روایت ہے، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا کہ جب تم امام ہو، تو ہلکی نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگوں میں بوڑھے، کمزور، بیمار اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا پڑھو تو جس قدر چاہو لمبی پڑھ لو، نیز نماز کو گرمیوں میں، ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدّت جہنّم کی گرمی کے جوش کے باعث ہے۔ (عبدالرزاق ۲/ ۳۶۳)

حضرت طلحہؓ و حضرت عمارؓ سے بھی روایت ہے کہ نماز پڑھاتے ہُوئے تخفیف کو اختیار کرنا چاہیے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۳۶۷، وابن ابی شیبہ ۲/ ۵۶)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ گھر میں بہت لمبی نماز پڑھا کرتے تھے لیکن جب لوگوں کو پڑھاتے تو مختصر اور اسی کی رغبت دلایا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۲/ ۵۶، و عبدالرزاق ۲/ ۳۶)

حضرت عمرو بن میمون الاودیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی سخت بکری کا دُودھ دوہنے لگ جائے، تو مَیں اس کے فراغت حاصل کرنے تک پانچ نمازیں پڑھ سکتا ہوں، رکوع و سجود بھی مکمل کروں گا۔" (عبدالرزاق ۲/ ۳۶۷)۔

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں اگر مَیں کسی ذبح ہوتی ہوئی بکری کے پاس سے گزروں، جس کی کھال کو اُتارنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شروع کر دیا گیا ہو، تو اس کام سے فراغت سے پہلے پہلے میں پانچ نمازیں پڑھ سکتا ہوں۔

ہم نے طوالت کے سلسلہ میں جو حد ذکر کی تھی۔ تو وہ اس لیے کہ اوقاتِ نماز کے سلسلہ میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز اُس وقت پڑھی، جس وقت کل عصر کی نماز ادا فرمائی تھی۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ صبح کا وقت طلوعِ شمس اور عصر کا غروبِ آفتاب تک ہے، مغرب کا وقت جب تک شفق کی روشنی نہ ختم ہو اور عشاء کا نصف شب تک ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی نماز کو اس کے آخری وقت میں شروع کرے تو باقی نماز کو پھر وہ اگلی نماز کے وقت تک لے جائے گا، یعنی اس نے اپنی نماز کو شروع ہی اتنی تاخیر سے کیا ہے کہ اتنی تاخیر جائز نہ تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تفریط یہ ہے کہ نماز کو آپ اس قدر لیٹ کر دیں کہ دوسری کا وقت شروع ہو جائے۔ (حوالہ مسئلہ ۳۲۵ میں دیکھیے)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص نماز کو بروقت شروع کرے، تو وہ جس قدر چاہے، نماز کو لمبا پڑھ سکتا ہے الا یہ کہ ایسی طوالت ہو جس سے نص نے منع کر دیا ہو یا پھر اگلی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

۴۴۵۔ نمازوں میں قراءت

ہم نے یہ پہلے عرض کیا ہے کہ ہر رکعت میں فرض صرف سورۂ فاتحہ کی قراءت ہے، اس سے اگر کم و بیش کچھ زیادہ قراءت کرلے تو بہت بہتر ہے خواہ نماز فرض ہو یا غیر فرض، ہم کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ البتہ ہم یہ مستحب سمجھتے ہیں کہ نماز صبح میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت سے ساٹھ سے لے کر سو آیات تک قراءت کی جائے۔ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ تقریباً تیس آیات اور آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ تقریباً پندرہ آیات کی قراءت کی جائے۔ عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں جتنی قراءت کی جائے جبکہ عصر کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے۔

نمازِ مغرب میں عصر کی نماز کے مانند قراءت کرنی چاہیے، ہاں اگر مغرب میں اعراف، مائدہ، طور یا مرسلات میں سے کسی سورہ کی قراءت کرے تو بہت بہتر ہے۔ عشاء کی نماز کی ابتدائی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ والتّین اور سورۃ والشمس جیسی سورتوں کی قراءت کرنی چاہیئے۔

جمعہ کے دن صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ الم تنزیل السجدہ اور دوسری میں فاتحہ کے ساتھ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَان کی قراءت مستحب ہے۔ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ جمعہ اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ منافقون یا کبھی کبھی سورۃ اعلیٰ و غاشیہ کی قراءت مستحب ہے۔

اگر کوئی شخص تمام نمازوں میں سے کسی ایک کی ایک رکعت میں دو سورتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لے تو بہتر ہے، اگر کوئی سورۃ فاتحہ سے پہلے کسی اور سورہ کی قراءت کرے تو یہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے البتہ نماز ہو جائے گی[1]

امام اگر لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن پھر وہ مقتدیوں میں سے کسی کے عذر کو محسوس کرے تو نماز کو مختصر کر دے۔

فجر کی نماز میں قراءت

۶۸۶۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری، از بخاری از آدم از شعبہ از] سیار بن سلامہ ابوالمنہال روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم ابوبرزہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اس قدر قراءت فرماتے کہ فراغت کے بعد آدمی اپنے پاس بیٹھے ہوئے ساتھی کو پہچان سکتا تھا، آپ دونوں یا ایک رکعت میں ساٹھ سے لے کر سو آیات تک کی قراءت فرمایا کرتے تھے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

ظہر وعصر کی نماز میں قراءت

۶۸۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ از ہشیم از منصور بن زاذان از ولید بن مسلم ابوبشر عنبری از ابوالصدیق بکر بن عمرو ناجی از] حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ آپ ظہر کی ابتدائی دو رکعتوں

---

[1] اگر عدمِ علم کی بنا پر یا بھول کر ایسا کیا تو ٹھیک لیکن یہ جانتے ہوئے کہ سنّت یہ ہے کہ اوّل فاتحہ پھر کوئی دوسری "سورۃ پڑھی جائے" اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز ہونے میں شک ہے۔ واللہ اعلم ــــ شاعف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تیس آیات کے بقدر قراءت فرماتے ہیں اور آخری دو میں اس سے نصف کے بقدر ، عصر کی پہلی دو رکعتوں کے بارے میں ہمارا اندازہ یہ تھا کہ ان میں قراءت ظہر کی آخری دو رکعتوں کے بقدر ہوتی ہے اور آخری دو رکعتوں میں اس سے نصف (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۶۸۸- ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از ہارون بن عبداللہ حمّال از ابن ابی فُدیک از ضحاک بن عثمان از بکیر بن عبداللہ بن اشجّ از سلیمان بن یسار از] حضرت ابوہریرہ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی نماز کے علاوہ اور کسی کی نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا، سلیمان کہتے ہیں کہ آپ کی ظہر کی ابتدائی دو رکعتیں لمبی جبکہ آخری دو مختصر ہوتی تھیں۔ عصر کی نماز بھی مختصر ہوتی تھی، مغرب میں آپ قِصارِ مُفصّل، عشاء میں اَوساطِ مُفصّل اور صبح کی نماز میں آپ طِوالِ مُفصّل کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ (نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

مغرب کی نماز میں قراءت

۶۸۹- ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود از] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت اُمّ الفضل نے آپ کو سورہ مُرسلات کی تلاوت کرتے ہوئے سُنا، تو فرمایا "بیٹا! آپ نے اس سورہ کی تلاوت کرکے مجھے یاد دلا دیا کہ یہ وہ آخری سورہ ہے جس کی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ والمغازی، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۶۹۰- ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از عمرو ناقد از یعقوب بن ابراہیم بن سعد، از والد خود از صالح از زہری از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ از] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کیا ..... آپ نے یہ روایت ذکر کی اور اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کوئی نماز نہیں پڑھائی حتی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

مغرب کی یہ وہ آخری نماز ہے، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا، گویا یہ آپ کا آخری عمل ہے، کہاں ہیں وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے آخری عمل کی اتباع کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعویدار ہیں۔

۶۹۱- ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از محمد بن جُبیر بن مُطعم از] حضرت جُبیر بن مطعمؓ روایت کیا کہ اُنہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نماز مغرب میں سورہ طُور کی تلاوت کرتے ہوئے سُنا۔ (بخاری کتاب الصّلوٰۃ و کتاب الجہاد و کتاب المغازی و کتاب التفسیر، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۶۹۲- ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عُمر بن عبدالملک از محمد بن بکر بصری از ابوداؤد سجستانی از حسن بن علی حلوانی از عبدالرزاق از ابن جُریج از ابن ابی مُلیکہ از عُروہ بن زُبیر از] مروان بن حکم روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت نے مجھ سے کہا کیا بات ہے، آپ مغرب میں قصارِ مُفصّل کی تلاوت کرتے ہیں، حالانکہ مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ مغرب میں طوال کی دو لمبی سُورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ مَیں نے پوچھا کہ طوال کی دو لمبی سُورتوں سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا اس سے مراد سُورۃ اعراف ہے۔ ابنِ جُریج کہتے ہیں کہ مَیں نے اس سلسلہ میں ابن ابی مُلیکہ سے پُوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان سے سُورۃ المائدہ اور الاعراف مراد ہیں (بخاری، ابوداؤد، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

حضرت زیدؓ امیرِ مدینہ کی اس بات کی تردید کر رہے ہیں کہ وہ نماز مغرب میں ہمیشہ قصار مفصّل کی تلاوت کیوں کرتے ہیں نیز انہیں رغبت دلاتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نماز مغرب میں سُورۃ اعراف کی قرائت کرتے ہُوئے سُنا ہے، تو آپ اس کی قرائت کیوں نہیں کرتے؟

عشاء کی نماز میں قراءت

۶۹۳- ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قتیبہ بن سعید از لیث بن سعد از ابوالزّبیر از] حضرت جابرؓ بن عبداللہ روایت کیا کہ حضرت معاذؓ نے اپنے مقتدیوں کو عشاء کی نماز پڑھائی تو قرائت بہت لمبی کر دی، حتّٰی کہ ایک آدمی نے نماز کو توڑ کر الگ نماز پڑھ لی، حضرت معاذؓ کو جب اس کی خبر ہُوئی تو کہنے لگے کہ یہ منافق ہے۔ جب اس آدمی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حضرت معاذؓ کی شکایت کر دی، تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "معاذ! تم فتنہ باز بننے کا ارادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہو؟ جب لوگوں کو نماز پڑھاؤ، تو سورۃ "والشمس"، "الاعلیٰ"، "العلق" اور "واللیل اذا یغشٰی" پڑھ لیا کرو۔ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

سلف صالح سے بھی اسی طرح مروی ہے چنانچہ بطریق عبدالرزاق، از معمر از زہری، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو آپ نے مکمل دو رکعتوں میں سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی۔ (عبدالرزاق ۲/ ۱۱۳، ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۵۲، بیہقی ۲/ ۳۸۹، مؤطا ۲۸)

بطریق معمر از قتادہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے صبح کی نماز پڑھائی، تو سورۃ آل عمران کی قرأت کی۔ (عبدالرزاق ۲/ ۱۱۲)

بطریق سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ از اعمش، از ابراہیم تیمی از حصین بن سبرہ[1] روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے نماز صبح میں سورۃ یوسف کی تلاوت کی، دوسری رکعت میں سورۃ نجم کی تلاوت کی، سجدہ کر کے کھڑے ہوئے تو سورۃ زلزال کی تلاوت کی۔ (عبدالرزاق ۲/ ۱۱۶، وابن ابی شیبہ ۱/ ۳۵۵)

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از شعبہ از حکم بن عتیبہ از عمرو بن میمون روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ذوالحلیفہ میں صبح کی نماز پڑھائی تو آپ نے یہ دعاء استفتاح پڑھی:

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ

"اے اللہ! تو اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے، تیرا نام بابرکت، تیری عظمت بلند بالا و تیرے سوا کوئی معبود نہیں"

اس نماز میں آپ نے سورۃ کافرون اور اخلاص کی تلاوت فرمائی۔ تکبیر کو آپ مکمل طور پر ادا فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز میں سورہ قٓ اور ذاریات کی تلاوت فرمائی۔ (عبدالرزاق ۲/ ۱۱۸ مختصراً، وابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۲ مختصراً)

---

[1] حصین بن سبرہ کا مختصر ترجمہ تاریخ الکبیر (۳/ ۵) میں امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے اسی کے مانند ثقات ابن حبان (۴/ ۱۵۸) میں بھی ہے البتہ ابن ابی حاتم نے قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے (الجرح والتعدیل ۳/ ۱۹۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بابت روایت ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز میں سورہ کہیٰعص" کی قراءت فرمائی۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۶)

بطریق حماد بن سلمہ، از ایوب سختیانی ابوالعالیہ براء سے روایت ہے کہ میں نے یا کسی اور نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا میں ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کروں؟ آپ نے فرمایا وہ قرآن ہی تمہارا امام ہے، تھوڑا یا زیادہ جتنا چاہو پڑھ سکتے ہو، قرآن مجید کا کچھ پڑھنا بھی تھوڑا نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار ۱/۲۰۶ و عبدالرزاق ۲/۹۴ و ابن ابی شیبہ ۱/۳۶۱)۔

بطریق حماد بن سلمہ از قتادہ و ثابت بنانی و حمید و عثمان بتی روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ ظہر و عصر کی نماز میں سورہ "الاعلیٰ" اور "الغاشیہ" کی قراءت فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں کوئی لفظ سنا بھی دیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۶، ۳۶۲، معجم کبیر طبرانی ۱/۲۱۴ و عبدالرزاق ۲/۱۰۷، ان سب نے موقوفاً روایت کیا ہے اور نسائی باب القراءۃ فی الظہر، و ابن حبان ۳/۲۳۰، و ابن خزیمہ ۱/۲۵۷ میں مرفوعاً روایت ہے)۔

بطریق حماد بن سلمہ از ایوب سختیانی از نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نمازِ مغرب میں سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۸)

بطریق سفیان بن عیینہ از عثمان بن ابی سلیمان نوفلی از عراک بن مالک، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف فرما تھے، تو میں نے خاندانِ غفار کے ایک شخص کو نمازِ مغرب پڑھاتے ہوئے پایا، انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ مریم اور دوسری میں سورۃ مطففین کی قراءت کی۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۲۵ و کشف الاستار عن زوائد البزار ۱/۲۲۴، مجمع الزوائد ۲/۱۱۹، لیکن سب نے مغرب کی بجائے فجر کا ذکر کیا ہے)

امام شافعیؒ، امام داؤد اور جمہور اصحاب الحدیث انہی آثار و روایات کے مطابق عمل پیرا ہیں۔

۶۹۴- ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از محمد بن وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع از ہشام بن عروہ از والد خود از] حضرت ابوایوب انصاریؓ یا حضرت زید بن ثابت روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ مغرب کی دو رکعتوں میں سورۃ اعراف کی قراءت فرمائی۔ (مسند احمد ۵/۱۸۵ و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵/۴۱۸، و ابن خزیمہ ۱/۲۶۰، معجم کبیر طبرانی ۵/۲۶، و ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۷)

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے روایت ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے صحابہ کرامؓ کو صبح کی نماز پڑھائی اور پہلی رکعت میں سورۃ آل عمران کی ایک سو آیات اور دوسری رکعت میں باقی سورہ کی قراءت کی حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی کے مانند روایت ہے[1]!

۶۹۵۔ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عبد البصیر از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبد السلام خشنی، از محمد بن مثنیٰ از ہشیم بن عبید صیرفی از والد خود از۔] حضرت حسن بصری روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے خراسان کی طرف ایک غزوہ کیا۔ اس میں تین سو صحابہ کرامؓ ہمارے ساتھ تھے، تو ان میں سے جب کوئی نماز پڑھاتا تو وہ کسی ایک سورہ سے کچھ آیات کی قراءت کر کے رکوع کر لیتا تھا (ابن حجر نے فتح الباری ۲/۲۱۲ میں محلّٰی سے بغیر نکیر نقل کیا ہے)

ابن جُریج، عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ فرض نماز میں جس سورۃ کی جن آیات کو خواہ اوّل سے، اوسط سے یا آخر سے پڑھنا چاہو، پڑھ سکتے ہو، عطاء نے یہ بھی کہا کہ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ سارا قرآن ہی ہے (عبد الرزاق ۲/۱۰۲)

حضرت علقمہ صبح کی نماز میں سورۃ دُخان، طُور اور جن پڑھا کرتے تھے اور دوسری رکعت میں بقرہ کا آخری حصہ، آلِ عمران کا آخری حصہ اور کوئی چھوٹی سورہ پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۶۸)

حضرت ابو وائل سے روایت ہے کہ انہوں نے صبح کی نماز کی ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک آیت پڑھی (عبد الرزاق ۲/۱۱۷ و ابن ابی شیبہ ۱/۳۶۱)

---

[1] مصنف عبد الرزاق ۲/۱۱۳ میں ہے کہ فجر کی نماز میں سورۃ آلِ عمران پڑھی و نیز اسی میں اور مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۶۹ میں ہے کہ ابوبکر نے فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی اسی طرح حضرت عمر کے بارے میں مصنف عبد الرزاق ۲/۱۱۵ میں ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں میں آل عمران کی تلاوت کی اور مُصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۶۹ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عشاء کی پہلی دونوں رکعتوں میں آلِ عمران کی تلاوت کی یعنی دونوں رکعتوں میں تقسیم کر کے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں کوئی روایت نہ مل سکی۔ واللہ اعلم۔ (شاعف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۶۱)

بطریق مالک از نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ فرض نماز کی ایک رکعت میں دو، دو یا تین تین سورتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ (موطا ۱/۷۹)

بطریق وکیع از سفیان ثوری از ابو اسحاق سبیعی حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی، تو آپ نے دوسری رکعت میں سورۂ فیل اور قریش دونوں کی قرائت فرمائی (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۸، وعبد الرزاق ۲/۱۰۹)

طاؤس، ربیع بن خُثَیم[1]، سعید بن جبیرؒ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ سے اسی طرح روایت ہے۔ (عبد الرزاق ۲/۱۴۹ و مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۸ و ۳۵۹)

۶۹۶۔ ہم نے بطریق [عبد اللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن بشار و عمرو بن علی ابن بشار از یحییٰ بن سعید قطان، و عمرو بن علی از عبد الرحمن بن مہدی و یحییٰ و عبد الرحمن از سفیان ثوری از سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف از عبد الرحمن اعرج از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۃ الم تنزیل السجدہ اور سورۃ دہر کی قرائت فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

بطریق ابن عباس بھی یہ روایت ثابت ہے (مسلم ابوداؤد ترمذی، نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام شافعیؒ، ابو سلیمان اور اصحاب الحدیث نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔

۶۹۷۔ بطریق [مسلم بن حجاج از عمرو ناقد از اسماعیل بن ابراہیم ابن علیہ از ابن جریج از عطاء] روایت ہے وہ فرماتے

[1] محلّٰی کے دونوں اصل قلمی نسخوں اور مصنف کی کتاب "الاحکام" ج ۶ ص ۵۳ اور خزرجی کے "خلاصہ" میں اس نام کو خَیثم ضبط کیا گیا ہے جو غلط ہے اور درست خُثَیم ہے، حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب" میں اسی طرح تصغیر کے ساتھ ضبط کیا ہے، اسی طرح ابن دُرید نے "الاشتقاق" ص ۱۱۲، ۱۱۳ میں ذکر کیا ہے کہ ربیع بن خُثَیم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد تھے، حضرت ابن مسعودؓ انہیں دیکھتے تو کہتے وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ربیع کے معنی پہلے گزر چکے ہیں اور خُثَیم، اَخْثَم کی تصغیر ہے، اَخْثَم چوڑی ناک والے کو کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ہر نماز میں قرائت ہوتی ہے، ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، "اگر میں سورۂ فاتحہ سے زیادہ قرائت نہ کر سکوں؟ تو آپ نے فرمایا اگر زیادہ قرات کر لو تو بہت بہتر اور اگر اسی پر اکتفا کر لو، تو نماز ہو جائے گی! (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۶۹۸۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب از سلیمان — ابن بلال — از جعفر بن محمد از والد خود از] ابن ابی رافع روایت کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جمعہ کی دوسری رکعت میں سورۂ جمعہ کے بعد سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی۔ ابن ابی رافع کہتے ہیں کہ نماز سے فراغت کے بعد میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے جن دو سورتوں کی تلاوت کی ہے، کوفہ میں حضرت علیؓ بن ابی طالب جمعہ کی نماز میں ان کی قرائت کرتے تھے تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن ان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا۔ (مسلم، ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۶۹۹۔ [بدیں سند تا مسلم از عمرو ناقد از سفیان بن عیینہ از ضمرہ بن سعید از عبیداللہ بن عبداللہ روایت ہے کہ] ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر سے بذریعہ خط سوال کیا کہ جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ جمعہ کے علاوہ اور کس سورہ کی تلاوت فرمائی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۷۰۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن عبدالاعلیٰ از خالد بن الحارث از شعبہ از معبد بن خالد از زید بن عقبہ از] سمرہؓ بن جندب روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورہ اعلیٰ و غاشیہ پڑھا کرتے تھے (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے کہ "کوئی شخص جمعہ یا کسی دوسری نماز میں ایک مخصوص سورہ یا سورتوں کی تلاوت کو معمول بنا لے"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہؒ نے سنت نبوی کو مکروہ سمجھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مخالفت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی ہے۔" اور جن لوگوں نے بھی کسی ثابت شدہ عمل رسُول کو مکروہ سمجھا ہے ان سب نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت کی ہے۔

سُورۂ فاتحہ سے پہلے کسی سُورہ کے پڑھ لینے کے خلاف کوئی حکم تو نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کا عمل اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عمل چونکہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کو پہلے پڑھا جائے لہٰذا اس کی خلاف ورزی کو ہم نے مکروہ قرار دیا ہے، ایسا کرنے سے نماز کے باطل ہونے کا فتویٰ اس لیے نہیں دیا کہ ایسا کرنے کے سلسلہ میں کوئی ممانعت وارد نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط "پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔" (المزمّل-۲۰)

تعجّب ہے ان لوگوں پر جو اس سے تو منع کرتے ہیں مگر وضو، طواف اور اذان کو بے ترتیب اُلٹ پھیر کر کے کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جو شخص لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن پھر مقتدیوں میں سے کسی کے عذر کو محسوس کرتے ہوئے نماز کو ہلکی کر دے، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۰۷- ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابراہیم بن ابی موسیٰ فرّا از ولید بن مسلم از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از عبداللہ بن ابی قتادہ از] حضرت ابو قتادہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں جب نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو ارادہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کو لمبا کروں لیکن پھر بچے کے رونے کی آواز کو سُنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ بچے کی ماں کو مشقت میں ڈالوں۔ (بخاری، ابوداؤد، نسائیؔ، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

۴۴۶- جہری قرأت

صبح کی دونوں رکعتوں، مغرب کی ابتدائی دو رکعتوں، عشاء کی پہلی دونوں رکعتوں، جمعہ کی دونوں رکعتوں میں جہری قرأت مستحب ہے اور ظہر کی سب رکعتوں، عصر کی سب رکعتوں، مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں سرّی قرأت مُستحب ہے، اگر کسی نے اس کے برخلاف کر لیا تو یہ مکروہ ہو گا البتہ نماز ہو جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقتدی پر فرض ہے کہ وہ ضروری طور پر ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی سِرّی قرائت کرے اگر کسی نے جہری قرائت کر لی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی!

ہمارے اس موقف کی دلیل یہ ہے کہ جہری و سِرّی قرأت کی بابت ہم نے اوپر جو کچھ ذکر کیا ہے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ آپ نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا، آپ کے افعال کی پیروی اُسوہ اپنانے کے باعث ہے، وجوب کی بنیاد پر نہیں ہے[1]، آپ امام تھے اور منفرد کا حکم امام کے حکم کی مانند ہوتا ہے۔

۷۰۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنّٰی از محمد بن ابی عدی از حجّاج صواف از یحییٰ بن ابی کثیر از عبداللہ بن ابی قتادہ و ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف از] حضرت ابوقتادہؓ روایت کیا آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی نماز پڑھاتے ہوئے ابتدائی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دو اور سورتیں ملالیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بھی قرائت کا کچھ حصہ (خواہ ایک ہی آیت) جہری تلاوت فرما دیا کرتے تھے۔

۷۰۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعیب از محمد بن ابراہیم از سَلم بن قُتیبہ از ہاشم بن برید از ابواسحاق از] حضرت براء بن عازبؓ روایت کیا، آپ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ادا کیا کرتے تھے۔ آپ کبھی کبھی تلاوت کرتے ہوئے سورۂ لقمان یا ذاریات کی آیت سُنا دیا کرتے تھے۔ (نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

بطریق یحییٰ بن سعید قطان از اسماعیل بن مُسلم از ابوالمتوکل علی بن داؤد ناجی روایت ہے، حضرت عمر بن خطابؓ ظہر و عصر میں سورۂ ذاریات اور قٓ والقرآن المجید کی قرائت فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی سُنا بھی

[1] قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں تو اُسوہ حسنہ کی پیروی فرض ہی ثابت ہوتی ہے الّا یہ کہ کسی موقع پر کسی اُسوہ کو مختص کر دیا گیا ہو۔ (شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۵۶)

بطریق معمر از ثابت بنانی، حضرت انسؓ بن مالک ہمیں ظہر و عصر کی نماز پڑھایا کرتے تھے، ہم نے کبھی کبھی سنا کہ آپ نے سورۃ انفطار اور الاعلیٰ کی تلاوت فرمائی ہے۔ (عبدالرزاق ۲/ ۱۰۷)

حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت انسؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں یہ عمل کیا اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

بطریق عبدالرزاق از معمر حضرت قتادہؒ سے روایت ہے کہ جس نے مغرب کی نماز پڑھی اور اپنے دل میں قراءت کر لی اور اپنے نفس کو سنا دیا، تو نماز ہو جائے گی۔ (عبدالرزاق ۲/ ۱۱۰)

بطریق حماد بن سلمہ از داؤد بن ابی ہند از شعبی حضرت سعید بن عاصؓ ظہر یا عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ سے کچھ قراءت جہری ہو گئی، تو پھر آپ نے قراءت کو جہراً ہی جاری رکھا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ میں نے جب قراءت کو جہری کر دیا تو اس بات کو ناپسند کیا کہ اب اسے مخفی کروں (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۶۲) اس سلسلہ میں راوی نے سجدۂ سہو کا ذکر نہیں کیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"حضرت سعید بن عاصؓ کا یہ عمل حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں تھا اور کسی نے اس بات کا انکار نہ کیا"

بطریق وکیع از ربیع حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ سرّی نماز میں اگر جہری قراءت کر لی جائے تو اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔

بطریق وکیع از اسرائیل از جابر[1] از عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید[2] از اسود و علقمہ یہ دونوں حضرات سرّی قراءت والی نمازوں میں جہراً قراءت کر لیا کرتے تھے اور سجدۂ سہو نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۶۲)

۷۰۴۔ بطریق بخاری [از محمد بن بشار و محمد بن کثیر ابن بشار نے اسے غندر از شعبہ اور ابن کثیر نے از سفیان ثوری

---

[1] یہ جابر بن یزید جعفی ہے جو بہت سخت ضعیف ہیں۔ [2] اسود سے مراد ابن یزید بن قیس نخعی اور علقمہ سے مراد ابن قیس نخعی ہے، عبدالرحمٰن نے گویا اسے اپنے باپ اسود اور اپنے باپ کے چچا علقمہ سے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کیا ہے۔ پھر شعبہ و سفیان دونوں متفق ہیں اور سنداً اس طرح بیان کرتے ہیں، از سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف از طلحہ بن عبداللہ بن عوف روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی، تو آپ نے سورۂ فاتحہ کی قراءت کی اور فرمایا یہ اس لیے تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الجنائز)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"ہم نے جو یہ ذکر کیا تھا کہ جہری نمازوں میں سرّی اور سرّی نمازوں میں جہری قراءت کرنا مکروہ ہے، تو یہ اس لیے کہ اکثر و بیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ آپ جہری نمازوں میں قراءت جہری اور سرّی میں قراءت سرّی کیا کرتے تھے اور اس کی خلاف ورزی کرنے میں سجدۂ سہو اس لیے نہیں کہ جس چیز کے قصد و ارادہ کے ساتھ فعل یا ترک کو مباح قرار دیا گیا ہو، اس میں سجدۂ سہو نہیں ہوتا، سجدۂ سہو اس چیز میں ہوتا ہے جسے اگر کوئی قصد و ارادہ سے کرے تو نماز باطل ہو جائے یا قصد و ارادہ سے ترک کر دینے سے نماز باطل ہو جائے۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے سرّی نماز میں جہری یا جہری نماز میں سرّی قراءت کر لی تو ہم اسے مکروہ سمجھتے ہیں البتہ نماز مکمل ہو گی اور اس صورت میں سجدۂ سہو بھی نہیں ہے۔"

ابوسلیمان، ہمارے سب اصحاب اور خود ہمارا قول بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

"اگر سرّی نماز میں قراءت جہری کر لی یا جہری میں سرّی کر لی اور یہ فعل کثیر ہو تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا اور اگر ایسا فعل قلیل ہو تو پھر کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ غلط ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا مباح ہے تو قلیل و کثیر مباح ہو گا اور اگر منع ہے تو پھر قلیل و کثیر منع ہو گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کام کا زیادہ کرنا تو حرام ہو مگر تھوڑا کر لینا جائز ہو، ہاں اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی نص وارد ہوا اور اس نص سے زیادتی و کمی کی تفریق ثابت ہو تو پھر ایسا کہنا جائز ہو گا۔

پھر ہم یہ بھی پوچھیں گے کہ کثیر کی وہ کیا حد ہے، جسے کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے اور قلیل کی وہ کونسی حد ہے جس کے کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں حد بندی کی کوئی دلیل تو نہیں، ہاں محض تحکّم سے ایسا کرنا ممکن ہے، تو جس امر کے وجوب کی مقدار معلوم نہیں، اس کے وجوب کا حکم لگانا محال ہے۔"

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

"اگر امام جہری نماز میں سرّی یا سرّی میں جہری قرأت کرے اور اگر ایسا سہواً ہوا ہو تو اسے سجدۂ سہو کرنا پڑے گا اور اگر کسی نے ایسا عمداً کر لیا تو اسے سجدۂ سہو نہیں کرنا پڑے گا، نماز بھی مکمل ہو گی، اگر منفرد سہواً یا عمداً ایسا کرے تو نماز مکمل ہو گی۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

یہ قول دو اعتبار سے غلط ہے، ایک تو اس لیے کہ عمداً ایسا کرنے والے پر امام صاحب نے سجدۂ سہو واجب قرار نہیں دیا لیکن جو شخص بھول کر ایسا کرتا ہے، اس پر سجدۂ سہو کو واجب قرار دیا ہے حالانکہ وہ ایسی چیز کو بھول کر انجام دے رہا ہے جو آپ کے نزدیک مباح ہے لہٰذا اس صورت میں سجدۂ سہو کیسا؟

دوسرے اس لیے کہ آپ نے امام اور منفرد کے مابین جو تفریق کی ہے وہ بہت تعجب انگیز ہے اور امام مالک بھی اس مسئلہ میں ان کے ہمنوا ہیں، حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ سے پہلے کسی سے یہ قول منقول نہیں ہے جو انہوں نے فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں ان دونوں نے صحابہ کرامؓ کی ساری مرویات کی خلاف ورزی کی ہے۔"

قرأت جہری کرنے سے مقتدی کی نماز اس لیے باطل ہو جاتی ہے کہ فرمانِ باری ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۔ وَاذْكُر	"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ — اپنے پروردگار کو دل ہی میں عاجزی اور خوف سے
الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ - (الاعراف ۲۰۴-۲۰۵) — اور پست آواز سے یاد کرتے رہو۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدار کی جائے اور یہ بھی اسی حدیث میں ہے کہ "جب امام قرائت کرے، تو تم خاموش ہو جاؤ۔" (ابن ماجہ و مؤطا کتاب الصلوٰۃ)

لہٰذا ثابت ہُوا کہ مقتدیوں میں جو شخص خاموشی سے قرائت کو نہ سُنے اور جہری قرائت شروع کر دے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے اور حسب امرِ الٰہی نماز ادا نہیں کرتا لہٰذا اس کی نماز نہ ہوگی ـــــ و باللہ تعالیٰ التوفیق!

۴۴۷۔ پہلی رکعت کی طوالت

ہر نماز کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی نسبت کچھ لمبا کرنا مُستحب ہے۔

۷۰۵۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از موسیٰ بن اسماعیل از ہمام بن یحییٰ از یحییٰ بن ابی کثیر از عبداللہ بن ابی قتادہ از] حضرت ابوقتادہ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سُورۃ فاتحہ اور دوسری دو سُورتیں پڑھا کرتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں سُورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، کبھی کبھی ہمیں کوئی آیت بھی سُنا دیتے اور پہلی رکعت کو آپ دوسری رکعت کے بمقابلہ لمبا کیا کرتے تھے۔ عصر میں بھی اور صبح کی نماز میں بھی آپ ایسا ہی کرتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۷۰۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شُعیب از عمران بن یزید بن خالد دمشقی از اسماعیل بن عبداللہ بن سماعہ از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از] عبداللہ بن ابی قتادہ روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سُورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری دو سُورتیں پڑھا کرتے تھے، کبھی کبھی کوئی آیت بھی سُنا دیتے، پہلی رکعت ہمیشہ لمبی ہوتی تھی۔ (حوالہ پہلی روایت میں دیکھو)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :-

"ان روایات سے عموم ثابت ہوتا ہے جو ہر نماز کو شامل ہے کیونکہ یہ قضیہ قائمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنفسہا ہے۔"

بطریق عبدالرزاق از سفیان ثوری از اعمش از ابراہیم نخعی روایت ہے سب نمازوں کی پہلی رکعت میں لمبی قرأت ہے (عبدالرزاق ۲/۱۰۴ و ۳۶۱)

بطریق عبدالرزاق از اسرائیل از عیسیٰ بن ابی عَزّہ، امام شعبی سے بھی امام ابراہیم نخعی کے قول کی مانند روایت ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۱۰۴ و ۳۶۱)

بطریق عبدالرزاق از ابن جُریج حضرت عطاء سے روایت ہے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ امام ہر نماز کی پہلی رکعت کو لمبا کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہو جائیں، البتہ جب میں تنہا نماز پڑھتا ہوں تو پھر میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ پہلی اور پچھلی رکعتیں برابر ہوں۔ (عبدالرزاق ۲/۳۶۱)

۴۴۸۔ نماز میں ہاتھ باندھنا

نمازی کے لیے حالتِ قیام میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنا مستحب ہے۔

۷۰۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد، از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زُہیر بن حرب از عفان ــــ ابن مسلم از ہمام از محمد بن جُحَادہ از عبدالجبار بن وائل از علقمہ بن وائل از] حضرت وائل بن حجرؓ روایت کیا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، اَللّٰہُ اَکْبَر کہا اور کپڑے کو اوڑھ لیا پھر آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا.... اس کے آگے اس حدیث میں اور بھی باتوں کا ذکر ہے (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

۷۰۸۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات از احمد بن عبدالبصیر از قاسم بن اصبغ از محمد بن عبدالسلام خُشَنی از محمد بن مثنّٰی از عبدالرحمٰن بن مہدی از ہُشَیم از حجاج بن ابی زینب از ابوعثمان نَہدی از] حضرت ابن مسعودؓ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں نے نماز میں دائیں ہاتھ پر بائیں کو باندھ رکھا ہے تو آپؐ نے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑا اور بائیں پر باندھ دیا (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب آپ نماز میں قیام کو طویل کرتے تو ہتھیلی کی جڑ میں سے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے، ہاں اگر کپڑا درست کرنا ہوتا یا خارش وغیرہ کرنا ہوتی تو پھر چھوڑ دیتے۔ (بیہقی ۲/۲۹، ابن ابی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیبہ ۱/ ۳۹۰ تھوڑے اختلاف کے ساتھ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں (ابوداؤد کتاب الصلاۃ ضعیف سند کے ساتھ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: تین باتوں کا تعلق (علم) نبوت سے ہے (۱) افطار میں جلدی کرنا (۲) سحری تاخیر سے کھانا اور (۳) نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا (دارقطنی ۱/ ۲۸۴، بیہقی ۲/ ۲۹)

حضرت انسؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے، انہوں نے اخلاقِ نبوت اور زیرِ ناف الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے[1]۔

بطریق مالک از ابی حازم از سہل بن سعد روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔ (موطا امام مالک ۱/ ۱۵۹، بخاری کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ روایات اگرچہ مسند نہیں، تاہم کم از کم اتنا ضرور ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ کا عمل ہے۔"

حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، پھر آپ نے آپ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ آپ نے تکبیر کہتے ہوئے ہاتھوں کو چہرہ تک اٹھایا اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لیا۔ (حوالہ مسئلہ ۴۵۵ میں دیکھو)

ابومجلز، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، محمد بن سیرین، ایوب سختیانی اور حماد بن سلمہ ان سب حضرات سے روایت ہے کہ وہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، احمدؒ اور داؤدؒ کا بھی یہی قول ہے!

۴۴۹۔ امام تکبیر کب کہے؟

ہم اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ امام اس وقت تک تکبیر نہ کہے، جب تک ان کے پیچھے کھڑے ہونے والوں میں سے سب یا اکثر

---

[1] حضرت انسؓ کی روایت کنز العمال (۸/ ۵۱۱ ح ۲۳۸۸۹) طبع بیروت میں اس طرح ہے "مِنْ أَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْفِطْرِ وَتَأْخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْأَيْمَانِ عَلَى الْأَيْدِيْ فِي الصَّلٰوةِ" ابومحمد الجوهري في أماليه۔ اس روایت میں "تحت السرہ" کی زیادتی نہیں اور نہ ہی سند کا پتہ ہے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف۔ (شاغف)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لوگ درست طریقے سے کھڑے نہ ہو جائیں، اگر امام لوگوں کی درستگی سے پہلے تکبیر کہہ دے تو یہ بہت بری بات ہے البتہ نماز ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب اقامت کہنے والا "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" کے الفاظ کہے تو امام تکبیر کہہ دے اور ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ مؤذن کے اقامت شروع کرنے سے قبل بھی امام کے لیے تکبیر کہنا جائز ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :

"یہ دونوں قول غلط ہیں،

۷۰۹ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ہارون بن معروف وحرملہ بن یحییٰ از ابن وہب از یونس بن یزید از ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف از] حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ اقامت ہوئی اور ہم کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل ہم نے صفیں درست کر لیں، آپ تشریف لائے حتیٰ کہ جب مصلّٰی پر کھڑے ہو گئے، تو اللہ اکبر کہنے سے پہلے آپ کو کچھ یاد آیا اور آپ یہ فرما کر واپس تشریف لے گئے کہ اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، چنانچہ ہم کھڑے ہو کر آپ کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ غسل فرما کر تشریف لائے آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپ نے تکبیر کہی اور نماز پڑھائی (بخاری کتاب الطہارۃ باب ۹۶ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۸۲، ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب ۹۴، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۶)

۷۱۰ - ہم نے بطریق [حمام از ابن مفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر از ثابت بنانی از] حضرت انسؓ روایت کیا، آپ فرماتے ہیں کہ نماز کے لیے اقامت کہی جاتی اور اس کے بعد بھی آدمی اپنی کسی ضرورت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر لیا کرتا تھا، وہ قبلہ اور آپ کے مابین کھڑے ہو کر گفتگو کرتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طولِ قیام کے باعث بعض لوگوں کو نیند آنے لگ جاتی۔ (مصنف عبدالرزاق ۱/۵۰۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو یہ حکم بھی دیا کہ جب امام اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو تم بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہو (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی کتاب الصلوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول باطل ہے کیونکہ جب مؤذن کی اقامت مکمل ہونے سے پہلے امام تکبیر کہہ دے تو مؤذن کے لیے ممکن نہ ہوگا کہ امام کی تکبیر کے بعد اللہ اکبر کہہ سکے، گویا امام ابوحنیفہؒ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے خلاف حکم دے رہے ہیں۔

بطریق یحییٰ بن سعید قطان از عبید اللہ بن عمر از نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ صفوں کی درستگی کے لیے کچھ آدمی بھیج دیتے، وہ جب واپس آتے تو آپ اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے۔ (عبد الرزاق ۲/۴۷ و ۴۸ بسند آخر)

بطریق مالک از ابی النضر از مالک بن ابی عامر، حضرت عثمان بن عفانؓ اس وقت تک تکبیر نہ کہتے جب تک صفوں کی درستگی کے سلسلہ میں مقرر آدمی یہ خبر نہ دیتے کہ صفیں درست کی جا چکی ہیں، جب وہ خبر دے دیتے تو پھر آپؓ اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۲ و عبد الرزاق ۲/۴۹)

بطریق وکیع، از مسعر بن کدام، از عبد اللہ بن میسرہ، از معقل بن ابی قیس[1] حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ آپ نماز کی اقامت کے بعد بھی تھوڑا سا انتظار فرماتے۔

حضرت حسن بن علیؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

یہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں دو خلیفوں کا طرز عمل ہے اور اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے!

بطریق حجاج بن منہال از عبد اللہ بن داؤد خریبی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ نے مینار میں کھڑے ہو کر اذان کہی، وہاں اقامت کہہ دی اور پھر نیچے تشریف لا کر امامت کرائی۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام داؤد، امام محمد بن حسنؒ اور امام ابویوسفؒ کے دو قولوں میں

---

[1] مجھے اس معقل بن قیس کے احوال و تراجم نہیں ملے، شاید یہ وہی ہوں، جن کا ابن درید نے الاشتقاق ص ۱۲۶ میں ذکر کیا ہے اور وہ حضرت علیؓ کے اعوان و قائدین میں سے تھے اور پولیس افسر تھے۔ طبریؒ نے تاریخ میں ان کا بار بار ذکر کیا ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیے ج ۵ ص ۲۲۷، ۲۴۳، ۲۴۳، ج ۶ ص ۳۱، ۴۵، ۴۸، ۷۰، ۷۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۲۰۔ واللہ اعلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ایک قول ہمارے قول کے مطابق ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

"امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین نے اس اثر سے استدلال کیا ہے، جو بطریق وکیع، از سفیان ثوری، از عاصم اَحول، از ابو عثمان نَہدی حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے آمین نہ چھوٹنے دیجیے" (حوالہ حدیث ۵۵۸ میں دیکھو)

ان کا استدلال اس اثر سے بھی ہے جو بطریق عبدالرزاق، از معمر، از یحیٰی بن ابی کثیر، از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ بحرین میں حضرت علاء بن حضرمی کے مؤذن تھے، تو آپ نے ان سے کہا یا تو آپ آمین تک میرا انتظار کیا کریں، ورنہ میں اذان نہیں دیا کروں گا۔ (عبدالرزاق ۲/۹۶ و ۹۷)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اثروں سے استدلال دین کے ساتھ بدترین مذاق اور تدلیس کے ساتھ رسوائی کو گوارا کرنا اور ورع و تقویٰ سے تہی دامنی کا ثبوت ہے کیونکہ یہ حضرات تو مقتدی کو امام کے پیچھے کچھ پڑھنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتے، امام کو تو اجازت دیتے ہیں کہ وہ سورۃ فاتحہ کی قراءت سے قبل وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ..... الخ یا اس سلسلہ کی دیگر مروی دعائیں پڑھے لہٰذا یہ مشاہدہ و تجربہ کی بات ہے کہ اقامت کہنے والا جب قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہہ لے گا، تو اس کے بعد اسے صرف اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی کہنا ہے اور بس! اور یہ محال اور ناممکن ہے کہ صرف ان کلمات کے کہنے سے پہلے پہلے امام سورۃ فاتحہ کی قراءت مکمل کرے لہٰذا یہ ہرگز دلیل نہیں بن سکتی کہ امام اس وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے، جب مؤذن ابھی قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ ہی کہہ رہا ہو بلکہ امام اگر اقامت کے آغاز کے ساتھ ہی تکبیر کہہ کر سورۃ فاتحہ شروع کر دے تو وہ تکبیر کے ختم ہونے سے پہلے سورۃ فاتحہ کی قراءت مکمل نہیں کر سکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اقامت کے ان آخری تین کلمات کے کہے جانے سے پہلے ہی سورۃ فاتحہ کی قراءت کی تکمیل کر لے، انہیں دین کے ساتھ اس قسم کے مذاق اور اس قدر کمزور دلائل دیتے ہوئے شرم و حیا محسوس کرنی چاہیے تھی"

اگر کہا جائے کہ بلالؓ اور ابو ہریرہؓ نے جو یہ کہا کہ "آپ آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جایا کریں" تو اس کے کیا معنی ہیں؟ تو ہم عرض کریں گے کہ اس کے معنی بالکل واضح ہیں اور وہ یہ کہ آنحضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جب امام آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی، اس کے سابقہ سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔ (صحیح الجامع الصغیر ح ۱۷۱) حضرت بلالؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ ذرا ٹھہر کر آمین کہا کریں، تاکہ یہ بھی اپنی آمین کی آواز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین کی آواز کے ساتھ ملا لیں اور اس طرح فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے میں موافقت پیدا ہو جاتے اور حضرت ابوہریرہؓ نے علاء بن حضرمی سے جو کچھ کہا تھا اس کا بھی یہی مطلب تھا، پس ان دونوں اثروں سے استدلال باطل ٹھہرا۔

ان حضرات نے تکلف سے کام لیتے ہوئے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے

۱۱۷۔ ہم نے بطریق [احمد بن محمد طلمنکی از ابن مفرج از احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزار از محمد بن مثنی از حجاج بن فروخ از عوام بن حوشب از] حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ روایت کیا کہ حضرت بلالؓ جب قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ (کشف الاستار ۱/ ۲۵۲ و مجمع الزوائد ۲/ ۵ و ۲/ ۱۰۳، ولسان المیزان ۲/ ۱۷۸، بیہقی ۲/ ۲۲، اسے سب نے ضعیف کہا ہے)

امام بزار فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو کسی دوسری سند کے ساتھ اور کسی نے روایت نہیں کیا البتہ حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں اسی طرح کی ایک روایت ذکر کی گئی ہے لیکن یہ دونوں اثر مکذوب ہیں۔ حدیث ابن ابی اوفیٰ بطریق حجاج بن فروخ مروی ہے لیکن محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں جو روایت ہے وہ بطریق شریک قاضی مروی ہے اور یہ بھی ضعیف ہے لہٰذا ان سے استدلال باطل ہے۔ اور ہم نے اس سے قبل ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے اس کے خلاف روایتیں ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

"یہ حضرات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اجتماع عظیم کے متعلق ہم خبر واحد کو قبول نہیں کرتے۔ یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو اجتماع عظیم سے متعلق ہے اور اگر ایسا ہی ہے جیسا وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفحہ ۱۶۰ سے آگے صفحہ ۱۶۶ تک کا دوسرا حصہ غلطی سے چھوٹ گیا ہے

حضرات کہتے ہیں تو یہ مسئلہ تمام فقہاء سے مخفی نہ رہتا حالانکہ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک نہایت کمزور خبر کو قبول کر لیا ہے اور صحیح و ثابت شدہ آثار و مرویات کو چھوڑ دیا ہے۔"

۴۵۰۔ آیاتِ رحمت وعذاب

ہم ہر نمازی کے لیے اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ جب وہ کسی ایسی آیت کی تلاوت کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و رحمت کا سوال کرے اور جب کسی ایسی آیت کی قرائت کرے جس میں عذابِ الٰہی کا تذکرہ ہو تو پھر جہنم کی آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔

۱۲۱۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعَیب از محمد بن بَشّار از یحییٰ بن سعید قطان و عبدالرحمٰن بن مَہْدی و محمد بن عدی از شعبہ از اعمش از سعد بن عُبَیدہ از مُستَورِد بن اَحنَف از صِلَہ بن زُفَر از] حضرت حُذَیفہ رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ انہوں نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی آیتِ عذاب کے پاس سے گزرتے تو آپ قرائت کو موقوف کر کے، اللہ تعالیٰ سے عذاب سے پناہ مانگتے اور جب بھی آیتِ رحمت کے پاس سے گزرتے، تو قرائت کو موقوف کر کے، رحمت کی دعا مانگتے۔ اور آپ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ پڑھتے اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از اعمش، از ابوالضُّحیٰ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ جب اس آیت پر پہنچیں فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ (الطور-۲۷) "اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں عذابِ سَموم سے بچا لیا) تو آپ نے یہ دُعا کی (رَبِّ مُنَّ عَلَيَّ وَقِنِي عَذَابَ السَّمُومِ) کر دے اللہ مجھ پر احسان فرما اور مجھے عذابِ سموم سے بچا۔ (عبدالرزاق ۲/۴۵۱ و مختصر قیام اللیل ۱۲۷)۔

و بطریق سابق تا سفیان از سُدّی از عبد خیر ہمدانی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نماز میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى" پڑھا تو "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" کہا[1]۔ (عبدالرزاق ۲/۴۵۱)

[1] - مصنف نے دونوں روایتوں کو اکٹھا بیان کیا تھا۔ اردو قاری کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں کو الگ کر دیا گیا ہے۔ (مترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اٹھاتے، قیام اور قعود کے لیے تکبیر کہا کرتے اور دائیں بائیں السّلام علیکم ورحمۃ اللہ، السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ" کہہ کر سلام پھیرا کرتے تھے۔ سلام پھیرتے وقت آپ کے رُخِ انور کی سفیدی دیکھی جاسکتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (ترمذی الصلوٰۃ باب ۴۷ ونسائی الصلاۃ باب ۳۸۱، ۴۳۰، ۴۳۲، ۵۲۳)

۳۲۔ نیز بطریق عبدالرحمٰن بن مَہدِی از سفیان ثوری از ابو اسحاق سبیعی از ابو الاحوص حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے (ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ الصلوٰۃ)

۳۳۔ بطریق عبدالرزاق از مَعْمَر و سفیان ثَوری از حماد بن ابی سُلیمان از ابوالضُّحیٰ از مَسْرُوق حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۲/۲۱۰)

۳۴۔ بطریق یحییٰ بن سعید قطّان از شعبہ از حَکَم بن عُتَیْبَہ از مجاہد از ابومعمر حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معمول اسی طرح تھا۔ (مسلم الصلوٰۃ باب ۲۵)

۳۵۔ بطریق محمد بن یحییٰ بن حَبّان از عم خود وَاسِع بن حَبّان روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز کی کیفیت بتائیے، چنانچہ آپ نے جو کیفیت بتائی اس میں یہ بھی تھا کہ آپؐ نے (آخر میں) دائیں جانب اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہا اور بائیں جانب بھی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہا۔ (نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۵۲۳)

۳۶۔ بطریق اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وَقّاص از عم خود عامر بن سعد از والد خود حضرت سعد روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دائیں اور بائیں سلام پھیرتے، تو آپ کے چہرے کی سفیدی کو دیکھا جاسکتا تھا۔ (مسلم نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

یہ روائتیں بالکل ظاہر طور پر صحیح اور متواتر سندوں سے ثابت ہیں ونیز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا فعل بھی اسی طرح تھا، جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ (حدیث ۳۱)

بطریق حارِثہ بن مُضَرِّب روایت ہے کہ حضرت عَمّار بن یاسر جب سلام پھیرتے تو دائیں طرف منہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرکے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اور بائیں طرف منہ کرکے بھی السَّلام عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہتے (عبدالرزاق ۲/۲۲۰ و مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۹۹)

بطریق ابو وائل و ابو عبدالرحمٰن سُلمی حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے وقت اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہتے (بیہقی ۲/۱۷۸، عبدالرزاق ۲/۲۱۹ بطریق ابورزین، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۹۹ بطریق ابووائل وطحاوی ۱/۲۷۱ بطریق ابوعبدالرحمٰن)

بطریق حمّاد بن سَلَمہ عمار بن ابو عمّار سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسجدِ انصار والے دائیں بائیں دونوں جانب سلام پھیرا کرتے تھے جبکہ مسجد مہاجرین کے نمازی ایک ہی سلام پھیرا کرتے تھے۔

ابوعبدالرحمٰن سُلمی سے روایت ہے کہ ابن مسعودؓ نماز میں دو سلام پھیرا کرتے تھے (طحاوی ۱/۲۷۱)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمارؓ، ابن مسعودؓ اکابر مہاجرین میں سے ہیں، ابو عُبَیدہ بن عبداللہ، خیثمہ، اسود، علقمہ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی اور انہوں نے جن صحابہؓ سے ملاقات کی سب کا فعل یہی ہے۔ ابراہیم نخعی، حماد بن سلمہ، ابوحنیفہ، سفیان، حسن بن حییؒ، شافعیؒ، احمدؒ، داؤدؒ اور جمہور اصحاب حدیث کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام اور تنہا نماز پڑھنے والا ایک سلام پھیرے، وہ مقتدی جس کے بائیں جانب اور کوئی نہ ہو وہ دو سلام پھیرے، ان میں سے ایک امام کے جواب میں ہو اور وہ مقتدی جس کے بائیں جانب نمازی ہوں، وہ تین سلام پھیرے، تیسرا سلام بائیں جانب کے مقتدیوں کے جواب میں ہوگا۔

ایک سلام پھیرنے کی بابت آنحضرت صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ سے کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ کی روایات یا تو بطریق محمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن مفرج[1] از محمد بن یونس مروی ہیں اور یہ دونوں راوی مجہول ہیں، یا بطریق حسن (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۰۰/۱ میں) مُرسل ہے، یا بطریق زہیر بن محمد مروی ہے اور زہیر ضعیف ہے[2] یا بطریق ابن لہیعہ[3] مروی ہے اور وہ ساقط ہے۔

یہ روایت بطریق ابو المُصْعَب از دَرَاوَرْدِی، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (طحاوی ۲۶۶/۱) لیکن سعد سے دو سلام ہی ثابت ہیں جیسا کہ ہم نے اس سے قبل ذکر کیا ہے، اور یہ گویا عادل راوی کی زیادتی ہے پھر اگر ایک سلام والی روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے، تو دو سلام والی روایت میں اس کی نسبت ایک زائد حکم اور علم ہے اور یہ مسلّمہ اصول ہے کہ عادل راوی کی زیادتی کو ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک بہتر زیادتی ہوتی ہے۔

ہم نے یہ نہیں کہا کہ دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے جیسا کہ حسن بن حَیّ کہتے ہیں، اس لیے کہ دوسرا سلام آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہے، آپ نے اس کا حکم نہیں دیا اور آپ کے

---

[1] محلی کے بعض نسخوں میں یہ نام محمد بن فرج ہے بعض میں محمد بن مفرج لیکن مجھے نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کون شخصیت ہے ان کے احوال اور ان کے یہاں مذکور استاد محمد بن یونس کے حالات کہیں سے نہیں مل سکے اور نہ ان کے طریق سے ایک سلام پھیرنے کے سلسلہ میں کوئی حدیث مل سکی، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ مؤلف کا کیا ارادہ ہے۔

[2] زُہیر کی روایت ترمذی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ، دارقطنی ۳۵۷/۱، مستدرک جلد ۱ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱، اور بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ میں ہے۔ یہ روایت از زُہیر از ہشام بن عروہ، از والد خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے، حاکم نے اسے صحیحین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبیؒ نے آپ کی موافقت کی ہے۔ بیہقی نے بطریق عبدالوہاب بن عبدالمجید از عبیداللہ بن عمر از قاسم از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ آپ سامنے کی طرف "السلام علیکم" کہہ کر ایک ہی سلام پھیر اکرتی تھیں۔ بیہقی فرماتے ہیں از عبیداللہ از قاسم والی روایت کی متابعت وہیب اور یحییٰ بن سعید نے کی ہے، دَرَاوَرْدِی نے سند اس طرح بیان کی ہے از عبیداللہ، از عبدالرحمٰن بن قاسم، از والد خود، اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی صحت کی تائید ہوتی ہے، جسے زُہیر نے روایت کیا ہے اور زُہیر ثقہ ہے، بخاری و مسلم میں ان سے روایت مروی ہے۔

[3] روایت ابن لہیعہ مجھے نہیں ملی۔ ایک سلام کی حدیث پر علامہ شوکانی نے جلد ۲ صفحہ ۳۴۱-۳۴۳ میں بہت لمبی گفتگو کی ہے اور پھر لکھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ عُقیلی کا یہ قول صحیح نہیں کہ ایک سلام کی بابت کوئی چیز صحیح طور پر ثابت نہیں، ابن قیمؒ کا قول بھی یہی ہے کہ کسی بھی روایت بن صحیح طور پر یہ ثابت نہیں اور حق بھی یہی ہے۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک ہی سلام پھیرا لیکن یہ ایسا اختلاف ہے جس میں دونوں پہلو ہی جائز ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امر کی اطاعت واجب ہے، فعل کی نہیں [1]

امام مالکؒ نے جو مقتدی اور امام و منفرد کے مابین تفریق کی ہے، تو اس قول کی صحت کی کوئی دلیل نہیں نہ قرآن مجید سے، نہ سنت صحیحہ وسقیمہ سے، نہ اجماع سے، نہ قولِ صحابی سے اور نہ قیاس سے!

ہم نے جو یہ کہا کہ سلام سے مقصود صرف نماز سے خروج ہے، اس سے نہ تو کسی کو سلام کرنا مقصود ہے اور نہ کسی کے سلام کا جواب! اس کی دو دلیلیں ہیں ایک تو یہ کہ بطریق ابن مسعودؓ، آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ نماز میں باہم گفتگو نہ کیا کرو" (صحیح جامع الصغیر (۱/۸۹) بحوالہ نسائی ۱/۱۴۷) بحوالہ احمد ابوداؤد نسائی بیہقی)

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "نماز میں لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنا جائز نہیں، یہ روایت بطریق معاویہ بن حکم مروی ہے (مسلم الصلوٰۃ)

لہٰذا اگر سلام سے کسی کو سلام کرنا یا کسی کے سلام کا جواب دینا مقصود ہو تو یہ لوگوں سے گویا گفتگو ہو گی، جو کہ منسوخ ہے اور قطعاً حلال نہیں بلکہ اگر کسی نے اس نیت سے سلام پھیرا، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

دوسری دلیل یہ کہ ان حضرات کا ہمارے ساتھ اس امر پہ اتفاق ہے کہ جو شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو وہ بھی السلام علیکم کہے۔ حالانکہ اس کے پاس کوئی انسان نہیں ہوتا جسے سلام کیا جا رہا ہو، اسی طرح امام کے ساتھ بعض دفعہ ایک ہی مقتدی ہوتا ہے لیکن اس صورت میں بھی اسے جمع کے صیغہ کے ساتھ "السلام علیکم" ہی کہنا پڑتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس سلام سے مراد نہ تو کسی کو سلام کرنا ہے اور نہ کسی کے سلام کا جواب دینا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ روایت ذکر کرے، جو بطریق مسلم [از ابوبکر بن ابی شیبۃ وابو کریب، از ابو معاویہ از

[1] مصنف نے اکثر مقامات پر یہ فرق بیان کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں خصوصاً نماز کے سلسلے میں تو بقول صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" (بخاری) نماز کے سارے ارکان ہی واجب ہو جاتے ہیں الا یہ کہ کسی فعل کے بارے میں کوئی مخصوص حکم اس کے واجب نہ ہونے کا ثابت ہو جائے۔ شاغف۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعمش از مسیّب بن رافع از تمیم بن طرفہ] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، تو آپ نے فرمایا کیا بات ہے کہ میں تمہیں نماز میں اس طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں جس طرح یہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہوں، نماز میں سکونت اختیار کرو (مسلم ابوداؤد نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ونیز [مسلم از ابوکریب از ابن ابی زائدہ از مسعر از عبیداللہ ابن قبطیہ] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم سلام پھیرتے تو ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دونوں طرف "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" کہتے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ تم ہاتھوں سے اس طرح اشارے کیوں کرتے ہو جس طرح یہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہوں، بس یہی کافی ہے کہ تم اپنے ہاتھوں کو اپنے ران پر رکھتے ہوئے اپنے دائیں بائیں کے بھائی کو سلام کہہ دو۔ (مسلم ابوداؤد نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"اس حدیث میں ایک ہی سلام پر اکتفا کرنے کے سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں بلکہ ان سے تو دو سلام ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ آپ مُلاحظہ فرما رہے ہیں۔

جن لوگوں نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ سلام سے مقصود پاس بیٹھے ہوئے بھائی کو سلام کہنا ہے، تو ابتداء اسلام میں تو یہ بات بے شک تھی لیکن پھر منسوخ کر دی گئی کیونکہ اس میں یہ صراحت ہے کہ ابتداء میں لوگ نماز میں اس طرح کیا کرتے تھے لیکن پھر انہیں نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ نماز میں پہلے سلام مباح ہو اور پھر اسے منسوخ کر دیا گیا ہو اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اس سلام سے مراد وہ سلام ہے جس کے ساتھ نماز سے خروج ہوتا ہے، پس اس سے استدلال باطل ہو گیا، وباللہ تعالیٰ التوفیق۔"

۴۵۸۔ **تشہد کے بعد درود شریف** ہم یہ بھی مستحب سمجھتے ہیں کہ دونوں جلسوں میں تشہد کی تکمیل کے بعد درود شریف پڑھا جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○	اے اللہ! تو حضرت محمد ﷺ، آپ کی آل، ازواج اور اولاد پر رحمت نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو قابلِ ستائش اور بزرگی والا ہے اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل، ازواج اور اولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ پر سارے جہاں والوں میں برکت دی، بیشک تو قابلِ ستائش اور بزرگی والا ہے۔

۳۷ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن سلمہ از ابن قاسم از مالک از] نعیم بن عبداللہ مُجمِر روایت کیا کہ محمد بن عبداللہ بن زید انصاری۔ اور عبداللہ بن زید وہ ہیں جنہیں خواب میں اذان کا طریقہ سکھایا گیا ـــــ انہوں نے ابومسعود انصاری سے خبر دی کہ سعد بن عُبادہ کی مجلس میں آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، تو بشیر بن سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے، تو یہ فرمائیں کہ ہم کس طرح درود شریف پڑھا کریں؟ آپ نے فرمایا اس طرح پڑھو:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی	اے اللہ! تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کو اس طرح برکت دے جس طرح تو حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○ ابراہیم علیہ السلام کو سب جہانوں میں برکت دی بے شک تو قابل ستائش اور بزرگی والا ہے۔

(موطا مسلم ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، ترمذی فی تفسیر سورۃ احزاب، نسائی کتاب الصلوٰۃ و عمل الیوم واللیلۃ و تفسیر حدیث ۴۴۰)

۷۳۸ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسحاق بن ابراہیم ابن راہویہ از روح از مالک بن انس از عبداللہ بن ابی بکر از والد خود از عمرو بن سُلَیم از] حضرت ابو حُمَید ساعدی رض روایت کیا کہ صحابہ کرام رض نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود شریف کس طرح پڑھیں؟ آپ نے فرمایا اس طرح پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

اے اللہ تو رحمت نازل کر حضرت محمد ﷺ، آپ کی ازواج اور اولاد پر جس طرح تُو نے رحمت نازل کی حضرت ابراہیم ؑ کی آل پر اور حضرت محمد ﷺ آپ کی ازواج اور اولاد میں برکت فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم ؑ کو برکت دی بیشک تو قابل ستائش اور بزرگی والا ہے۔

(بخاری کتاب الانبیاء والدعوات، مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۷۳۹ [بسند سابقہ تا مسلم از محمد بن مثنیٰ از محمد بن جعفر از شعبہ] حَکَم بن عُتَیبہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ مجھے کَعب بن عُجْرَہ ملے تو فرمانے لگے،

لہ موطا میں ہے "كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ" لیکن نسائی کی روایت میں دونوں جگہ "آل" کا لفظ ہے، زرقانی نے جلد ا صفحہ ۲۹۹ میں لکھا کہ ایک روایت دونوں جگہ ہی آل کے لفظ کے حذف کے ساتھ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ پہلی حدیث میں بھی یہ لفظ دونوں جگہ بعد میں داخل کیا گیا ہے لیکن حافظ نے اس کا رد کیا ہے کہ اصل حدیث میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابراہیم ؑ اور آل محمد و آل ابراہیم کے الفاظ ثابت ہیں چنانچہ بعض رُواۃ نے بعض الفاظ کو یاد رکھا ہے جبکہ دوسروں نے یاد نہیں رکھا صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ا صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰ میں بطریق مالک جو روایت ہے، اس میں دونوں جگہ یہ الفاظ ثابت ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تمہیں تحفہ نہ دوں؟ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپؐ پر سلام کس طرح بھیجیں، لیکن یہ فرمایئے کہ آپؐ پہ درود شریف کس طرح بھیجیں، آپ نے فرمایا اس طرح۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○	اے اللہ! تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے آلِ ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو قابلِ ستائش و بزرگی ہے اور اے اللہ!
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○	تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل میں برکت دے جس طرح تو نے آلِ ابراہیمؑ کو برکت دی بے شک تو قابلِ ستائش اور بزرگی ہے۔

(بخاری کتاب الانبیاء والتفسیر والدعوات، مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

ان احادیث میں درود شریف کے جو الفاظ ہیں ہم نے ان تمام الفاظ کو جمع کر کے ابتداءمیں بیان کر دیا ہے اگر نمازی ان میں سے کسی ایک درود شریف کو پڑھ لے تو کافی ہے اور اگر بالکل نہ پڑھے تو مکروہ ہے البتہ نماز ہو جائے گی لیکن ان احادیث میں چونکہ درود شریف پڑھنے کا حکم ہے لہٰذا اسے پڑھنا فرض ہے، خواہ زندگی بھر میں ایک بار پڑھے، فرمانِ باری تعالیٰ بھی یہ ہے!

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (الاحزاب ۵۶)	اللہ کریم اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر پہ درود اور سلام بھیجا کرو۔

اگر آدمی حکم کی ایک بار بجا آوری کر لے تو فرض کی ادائیگی ہو جاتی ہے، ہاں اگر کسی حکم کے بارے میں یہ تصریح موجود ہو کہ اسے بار بار مقررہ مقدار و تعداد کے مطابق مقررہ اوقات میں بجا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لانا ہے، تو پھر حسب قواعد و شرائط ادائیگی لازم ہوگی! لیکن جو شخص یہ کہتا ہے کہ جس بات کا حکم ہو، اسے بار بار بجالانا چاہیئے، یہ بالکل باطل ہے کیونکہ اس طرح تو اسے بیحد و حساب مُکلّف بنایا جائے گا اور پھر اگر اسے لازمی قرار دیا جائے تو پھر ایک حکم کے سوا باقی سب باطل ہو جائینگے اور یہی وہ اِصْر و حَرَج ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا ہے۔

ہم نے نماز میں درود شریف نہ پڑھنے کو مکروہ اس لیے کہا کہ درود شریف پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور اس سے کوئی بدنصیب ہی محروم رہ سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا صحیح ارشادِ گرامی ہے کہ "جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے" (صحیح جامع الصغیر ۲۱۶/۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو شخص آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نماز میں درود شریف نہ پڑھے، اس کی نماز باطل ہو جائے گی، آپ نے دلیل یہ دی ہے کہ نماز میں جس طرح آپ پر سلام بھیجنا فرض ہے، جیسا کہ تشہد میں ہے، اسی طرح درود شریف بھی فرض ہے! آپ نے یہ بھی دلیل دی کہ عبدالرحمٰن بن بشر، ابو مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے تو سلام تو ہمیں معلوم ہو گیا لیکن یہ ارشاد فرمائیں کہ درود شریف کس طرح پڑھیں؟ آپؐ نے درود شریف کے وہ کلمات سکھائے جو مذکورہ روایات میں ذکر ہوئے ہیں۔ (نسائی الصلاۃ باب ۵۰:۳)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا سلام تو تم معلوم کر چکے ہو جیسا کہ اوپر مذکورہ روایات میں ہے اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ جس طرح سلام فرض ہے، اسی طرح صلوٰۃ بھی فرض ہے امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

اگر آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہوتا کہ صلوٰۃ بھی وہاں ہو جہاں سلام ہو تو پھر ان حضرات کی بات درست تھی لیکن جب آپ نے ایسا نہیں فرمایا تو اس کی فرضیت بھی ثابت نہ ہوگی اور جو آپ نے نہیں فرمایا، ہم اس کا حکم کس طرح دے سکتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے، تو وہ آنحضرت ﷺ کے ذمہ ایسی بات لگاتا ہے، جو آپ نے نہیں ارشاد فرمائی اور شریعت میں ایک ایسی بات کا اضافہ کرتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا[1]۔"

امام ابن حزم مزید فرماتے ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ اعتکاف میں روزہ فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کا ذکر روزے کے ساتھ کیا ہے، وہ ہر نماز میں آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنے کو بھی فرض قرار دے سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ نے درود و سلام یکجا ذکر کیا ہے۔"

اگر کوئی یہاں اس حدیث کو ذکر کرے جسے ابن وہب نے ابو ہانی[2] سے روایت کیا ہے، جسے ابو علی جنبی[3] نے فضالہ بن عبید سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا جس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس پہ درود بھیجا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اے نماز پڑھنے والے! تو نے عجلت سے کام لیا ہے، پھر آنحضرت

---

[1] جس شخص کو درود شریف کی صفت سے متعلق صحابہ کرامؓ کے آنحضرت ﷺ سے سوال کے الفاظ کا علم ہوگا، اسے اس بات کا یقین ہوگا کہ صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا تھا کہ صلوٰۃ و سلام کے حکم کا تعلق نماز ہی سے ہے بلکہ ابو مسعودؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ بشیر بن سعد نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ سلام کس طرح پڑھنا ہے، اب آپ یہ فرمائیں کہ جب ہم نماز میں درود شریف پڑھ رہے ہوں، تو کس طرح پڑھیں؟ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص (۱/۲۶۳) میں اس روایت کو ابن خزیمہؒ (ح ۷۱۱)، ابن حبان (۳/۲۲۳) دارقطنی (۱/۳۵۴) اور حاکم (۱/۲۶۸) کی طرف منسوب کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے اس فہم کو برقرار رکھا اور گویا آیت شریفہ کی تفسیر یہ ہوئی کہ اس سے نماز میں درود و سلام مراد ہے، سلام پڑھنا آپ نے تشہد میں سکھا دیا تھا اب صحابہ کرامؓ نے صلوٰۃ کی بابت سوال کر کے اسے سیکھنا چاہا جیسا کہ ان مذکورہ شواہد سے یہ بات واضح ہو گئی اسی لیے حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الاُم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ میں فرمایا جیسے یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں تشہد سکھایا کرتے تھے، اسی طرح آنحضرت ﷺ یہ بھی سکھایا کرتے کہ نماز میں درود شریف کیسے پڑھنا ہے، یہ جائز نہیں کہ تشہد تو واجب ہے لیکن آنحضرت ﷺ پر درود واجب نہیں ہے۔ صلوٰۃ و سلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات قرآن حکیم سے ثابت شدہ فرض میں اضافہ کر دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[2] ابو ہانی کا نام حُمید بن ہانی خولانی ہے ۱۴۲ھ میں فوت ہوئے، ابن وہب کے سب سے بڑے شیخ آپ ہی ہیں۔

[3] جنبی، قبیلہ کی طرف نسبت ہے، ابو علی کا نام عمرو بن مالک ہمدانی مصری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے سُنا کہ ایک آدمی نے نماز پڑھتے ہوئے اللہ کریم کی حمد و ثنا بھی کی ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر درود بھی بھیجا ہے، تو آپؐ نے فرمایا اب دُعا کرو وہ قبول ہوگی، اللہ تعالیٰ سے مانگو، مل جائے گا۔[1] (ابوداؤد نسائی الصلوٰۃ، ترمذی الدعوات)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز میں آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو آپؐ یہ نہ فرماتے کہ تو نے عجلت سے کام لیا ہے کیونکہ عجلت کرنے والے کی نماز باطل نہیں ہوتی بلکہ آپؐ یہ فرماتے کہ واپس جاؤ اور نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، بس اس حدیث سے اس قدر معلوم ہوا کہ نماز میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔"

اگر یہ حضرات کعب بن عجرہؓ کی اس حدیث کو پیش کریں جس میں یہ آیا ہے کہ جبرئیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے یہ بد دعا کی کہ وہ شخص ہلاک ہو جائے جس کے پاس آپ کا ذکر کیا جائے لیکن وہ درود نہ پڑھے، تو آپ نے کہا آمین! (المجمع ۱۰/۱۶۶، معجم طبرانی کبیر ۱۹/۱۴۴، حاکم ۴/۱۵۳، فضل الصلاۃ علی النبی ح ۱۹، لیکن ان میں سے کسی بھی روایت میں بھی ابوبکر بن ابو اویس کا ذکر نہیں (واللہ اعلم)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

[1] یہ نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں، اسے انہوں نے "از محمد بن سلمہ از ابن وہب" روایت کیا ہے، اسی کے ہم معنی ترمذی نے ج ۲، ص ۲۶۰ میں بطریق رشدین بن سعد، از ابو ہانی خولانی روایت کیا ہے۔ اسے حاکم نے بھی ج ۱، ص ۲۳۰، ۲۶۸ میں احمد نے ج ۶ ص ۱۸ میں، بیہقی نے جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ میں اور سب نے بطریق حیوۃ بن شریح از ابی ہانی روایت کیا ہے، ترمذی و حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، شوکانی نے اسے جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ میں ابوداؤد (الصلاۃ باب ۳۵۹) ابن خزیمہ (۱/۳۵۱) اور ابن حبان (۲/۳۱۹) کی طرف منسوب کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کے راوی ابوبکر بن ابی اُوَیس پر بہت شدید طعن کیا گیا ہے[1]، ابوبکر، محمد بن ہلال سے روایت کرتے ہیں، جو کہ مجہول ہیں، وہ سعد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں اور سعد کے نام میں اضطراب ہے جبکہ ان کا حال غیر مشہور ہے۔[2]

اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز یا غیر نماز میں جب آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کا ذکر آئے، اس وقت درود شریف پڑھنا واجب ہے، اس میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کی قطعاً کوئی تخصیص مذکور نہیں۔

"بعض حضرات نے اپنے قول کی تائید و حمایت میں حضرت ابو حُمیدؓ اور حضرت ابو اُسیدؓ کا قول بھی ذکر کیا ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں یہ اقوال اس شخص کے لیے دلیل بن سکتے ہیں جو صحابی کی تقلید کا قائل ہو، ہمارے لیے یہ دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ ہم تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ وباللہ تعالی التوفیق:

۴۵۹۔ قنوت

نماز میں قنوت کا پڑھنا ایک اچھا فعل ہے، جو ہر فرض نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھا جاتا ہے، صبح کی نماز ہو یا غیر صبح کی یا وتر ان سب میں قنوت پڑھا جاسکتا ہے، جو شخص ترک کر دے، تو کوئی حرج نہیں۔ قنوت "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کے بعد اس طرح پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ	یا اللہ! مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں میں داخل فرما دے جنہیں تو نے ہدایت دی اور مجھے عافیت دیکر

[1] ابوبکر بن اویس کا نام عبدالحمید بن عبداللہ ہے، ثقہ ہیں، بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے آپ کی روایت کو لیا ہے، ازدی نے آپ کی بابت لکھا ہے کہ حدیثیں وضع کیا کرتے تھے مگر ذہبیؒ کہتے ہیں کہ ازدی کی یہ بہت بڑی لغزش ہے۔ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ازدی نے اسے کوئی اور راوی سمجھ لیا لہٰذا ان کا قول یہاں باعث قدح نہیں ہے۔

[2] محمد بن ہلال ثقہ ہے سعد بن اسحٰق بھی ثقہ ہے، اس کے نام کے بارے میں بھی مجھے کسی اضطراب کا علم نہیں ہو سکا۔ اس حدیث کو مؤلف قبل ازیں مسئلہ ۳۷۴ میں بھی ضعیف قرار دے چکے ہیں مگر ہم نے حدیث کے الفاظ معلوم کیے بغیر وہاں بھی اس بات کی تردید کی تھی شوکانی نے (۳۲۳/۲) میں اس حدیث کو طبرانی کبیر ۱۴۴/۱۹ کی طرف منسوب کیا ہے اور حافظ عراقی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَوَلَّيْتَ ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ ○

ان لوگوں میں داخل کر دے جن کو تو نے عافیت دی اور میرا کارساز بن کر ان میں داخل کر دے جنکی تو نے کارسازی فرمائی اور جو کچھ مجھے دے رکھا ہے اس میں برکت عطا فرما اور اس تکلیف سے مجھے بچا جس کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے اس لیے کہ تو خود فیصلہ کرتا ہے اور تیرے فیصلہ کے خلاف اور کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، جس کو تو دوست رکھے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند ہے۔

اس دعاء کے بعد جس کے لیے چاہے دعا کرے، اگر پسند کرے تو اس شخص کا نام بھی لے سکتا ہے، اگر کوئی شخص رکوع سے پہلے قنوت کرے، تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی لیکن سنت یہی ہے کہ رکوع کے بعد کرے۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از عبیداللہ بن سعید از عبدالرحمن بن مہدی از سفیان ثوری و شعبہ از عمرو بن مرہ از عبدالرحمن بن ابی لیلی از] حضرت براء بن عازبؓ روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نماز صبح و مغرب میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی کتاب الصلاۃ، طیالسی صفحہ ۱۰۰، دارمی کتاب الصلاۃ، طحاوی معانی الآثار کتاب الصلاۃ بیہقی ۱۹۸/۲)

ہم نے بطریق [حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از احمد بن محمد برتی قاضی از ابومعمر از عبدالوارث بن سعد تنوری از ہشام بن ابی عبداللہ دستوائی از یحییٰ بن ابی کثیر از] ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف روایت کیا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میری نماز تم سب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی نماز کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ ظہر، عشاء، اور صبح کی نمازوں میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ پڑھ کر دعاء قنوت پڑھتے، مومنوں کے لیے دعائیں کرتے اور کافروں پر لعنت بھیجتے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز کی آخری رکعت میں سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے بعد درج ذیل دعاء قنوت پڑھی:۔

اَللّٰهُمَّ نَجِّ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ — اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰهُمَّ نَجِّ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ ، — اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے
اَللّٰهُمَّ نَجِّ عَيَّاشَ بْنَ اَبِي رَبِيْعَةَ — اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے
اَللّٰهُمَّ نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ — اے اللہ! کمزور مومنوں کو نجات دے

(بخاری مسلم ابوداؤد نسائی عبدالرزاق کتاب الصلاۃ ح ۴۹۸۱ مختصراً ومطولاً[1]۔

۴۲۷، ہم نے بطریق [حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از ابو عبداللہ کابُلی[2] از ابراہیم بن موسیٰ رازی از محمد بن انس از ابی الجہم[3]] حضرت براء بن عازبؓ روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے[4]۔

۴۲۸، ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از قتیبہ بن سعید از حماد بن زید از ایوب سختیانی از] محمد بن سیرین روایت کیا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے سوال کیا گیا کہ کیا آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھا ہے۔ آپؓ نے جواب دیا ہاں، پھر پوچھا گیا آپ نے رکوع

---

[1] یہ حدیث کتب حدیث میں مروی ہے اور در اصل دو حدیثوں کا مجموعہ ہے جو کہ مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہیں اگر ہم تفصیلی گفتگو کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی ملاحظہ فرمایئے صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۱۹، جلد ۲ صفحہ ۴۷، جلد ۴ صفحہ ۱۱۱، ۲۹۵، جلد ۶ صفحہ ۴۸، ۹۶، جلد ۸ صفحہ ۸۱، ۱۵۱ جلد ۹ صفحہ ۳۵، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۷، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۴۰۵، نسائی ج ۱ ص ۱۶۴، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۴۲، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۰۷۔

[2] کابُلی، کابُل کی طرف نسبت ہے اور ان کا نام محمد بن عباس بن حسن بن ماہان ہے۔ "انساب" (۲/۱۱) میں ان کے حالات موجود ہیں "انساب" میں آپ کے باپ کا نام حسن لکھا گیا ہے، جو غلط ہے، لسان المیزان ج ۵ ص ۲۱۵ میں بھی انکے حالات موجود ہیں اور اس میں نسبت کاہلی لکھی ہوئی ہے جو غلط ہے۔ بغداد میں ۲۷۷ھ میں انتقال ہوا۔ ثقہ ہیں امام دارقطنیؒ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ (دیکھو تاریخ بغداد ۳/۱۱۱)

[3] ابوالجہم کا نام سلیمان بن جہم بن ابی جہم انصاری ہے حضرت براء کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[4] بیہقی نے اسے جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ میں بطریق ابی حاتم رازی از ابراہیم بن موسیٰ از محمد یعنی مُطَرِّف از ابی جہم از براء روایت کیا ہے۔ اس سند میں مطرف کا ذکر ضروری ہے کیونکہ محمد بن انس قرشی نے اسے ابوالجہم سے بلا واسطہ روایت نہیں کیا بلکہ مُطَرِّف بن طریف نے ابوجہم سے روایت کیا ہے، مطرف کا نام شاید ناسخین کی غلطی کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حازمیؒ نے اسے "الناسخ والمنسوخ" صفحہ ۸۶ میں بطریق طبرانی از یعقوب بن اسحاق مخرمی، از علی بن بحر از محمد بن انس از مُطَرِّف از ابی جہم" روایت کیا ہے۔ اس پر حازمیؒ نے لکھا کہ سلیمان یعنی امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ مُطَرِّف سے اسے صرف محمد بن انس نے روایت کیا ہے (دارقطنی ۲/۴۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے قنوت پڑھا یا بعد میں، آپؓ نے فرمایا، رکوع کے بعد (بخاری مسلم ابوداؤد اور نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

"یہ سب روایات وہ نص ہیں، جن پر ہم نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے۔ وللہ الحمد۔"

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت انسؓ سے تو یہ بھی روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کیا قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں؟ تو آپ نے فرمایا پہلے![1]

ہم عرض کریں گے کہ حضرت انسؓ نے یہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں خبر نہیں دی بلکہ اپنے دور کے امراء کی بابت خبر دی ہے جیسا کہ آپ سے جب حج کے بعض امور کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے

---

[1] حضرت انسؓ کی اس روایت کو بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۲، ۷۳، مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۸، دارمی صفحہ ۱۹۰، طحاوی ۱/۱۴۳، بیہقی ۲/۲۰۷ اور مروزی کی کتاب الوتر صفحہ ۱۳۲ میں روایت کیا گیا ہے۔ بخاری کے الفاظ بروایت عاصمؒ یہ ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے قنوت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا "قنوت تھا" میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے یا بعد؟ تو انہوں نے فرمایا پہلے۔ میں نے عرض کیا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کے حوالے سے بتایا کہ آپ نے فرمایا کہ رکوع کے بعد ہے تو آپ نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا ہے آنحضرت ﷺ نے رکوع کے بعد ایک ماہ قنوت پڑھا تھا اور میرا خیال ہے کہ یہ اس وقت پڑھا تھا جب آپ نے ستر قراء کو ایک مشرک قوم کے پاس بھیجا تھا، آپ کے اور اس مشرک قوم کے مابین عہد و پیمان تھا لیکن اس مشرک قوم نے عہد شکنی کرتے ہوئے انہیں شہید کر دیا تھا تو آنحضرت ﷺ ایک ماہ تک ان پر بددعا کرتے رہے۔

حضرت انسؓ سے روایات مختلف ہیں اکثر راوی بعد از رکوع کہتے ہیں آپ کے علاوہ دیگر اکثر صحابہ کرامؓ سے روایات بھی بعد از رکوع ہیں لہٰذا اسے ہی ترجیح حاصل ہے۔ شاید حضرت انسؓ کسی عذر یا نسیان کے باعث قبل از رکوع کے قائل ہوں۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جسے مروزی نے کتاب الوتر صفحہ ۱۳۳ میں روایت کیا کہ محمد بن یحییٰ از ابراہیم بن حمزہ از عبدالعزیز بن محمد از حُمیدؒ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ رکوع کے بعد قنوت پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ نے قبل از رکوع قنوت شروع کر دیا تاکہ لوگ رکعت کو پالیں"۔ اس کی سند جید ہے جیسا کہ حافظ عراقی نے لکھا ہے۔ بیہقی نے جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ میں بطریق سفیان حضرت انسؓ سے روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ماہ قنوت پڑھا، میں نے عرض کیا کہ قنوت کس وقت تھا؟ آپ نے فرمایا بعد از رکوع"۔

امام بیہقی فرماتے ہیں اس میں گویا آپ نے خبر یہ دی کہ مطلق قنوت بعد از رکوع ہی ہے، یہ جو آپ نے فرمایا کہ مہینہ بھر قنوت پڑھا اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکوں پر لعنت کی پس بعد از رکوع قنوت کے سلسلہ میں راوی اکثر بھی ہیں اور زیادہ حفظ والے بھی لہٰذا یہی زیادہ بہتر ہے کہ بعد از رکوع ہو!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا عمل تو یہ ہے اور پھر فرمایا کہ جیسے تمہارے امرا کرتے ہیں ایسے ہی کرو۔ آپ کا یہ فرمانا یا بطور تقیہ تھا یا آپ کی ذاتی رائے تھی اور یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا قول حجت نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد بھی لوگوں کا یہی معمول رہا ہے، چنانچہ یحیٰی بن سعید قطانؒ سے روایت ہے کہ عوّام بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عثمان نہدی سے صبح کی نماز میں قنوت کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ بعد از رکوع پڑھنا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا یہ کس سے منقول ہے؟ فرمانے لگے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے (مختصر قیام اللیل صفحہ ۲۹۳، بیہقی ۲/۲۰۲، ابن ابی شیبہ ۲/۳۱۲)

شعبہ نے عاصم احول کے حوالہ سے ابو عثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ بعد از رکوع قنوت پڑھا کرتے تھے (بیہقی ۲/۲۰۸، ابن ابی شیبہ ۲/۳۱۲)

یاد رہے ابو عثمان نہدی نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی زیارت کی ہے۔

بطریق بخاری از مسدد از اسماعیل بن علیہ از خالد حذاء از ابو قلابہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قنوت مغرب اور فجر میں تھا (بخاری کتاب الصلاۃ باب ۲۷۷، ۳۹۷)

بطریق سفیان ثوری از سلمہ بن کہیل از عبداللہ بن معقل حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مغرب میں بعد از رکوع قنوت پڑھا اور کچھ لوگوں کے لیے بددعا کی (بیہقی ۲/۲۰۴، عبدالرزاق ۳/۱۱۳)

بطریق معمر از ایوب، از ابن سیرین روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے وتر میں بعد از رکوع قنوت پڑھا (عبدالرزاق ۳/۱۲۰)

علقمہ و اسود سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے کہ قنوت بعد از رکوع ہے (بیہقی ۲/۲۰۸)

یہ ہیں ائمہ ہدیٰ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور معاویہؓ اور ان کے ساتھ ساتھ ابی بن کعب اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی قنوت ثابت ہے۔

مانعین قنوت کچھ حضرات ایسے ہیں، جو قنوت کے قائل نہیں، چنانچہ ابو مالک اشجعی اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی قنوت نہیں پڑھا لہٰذا اے بیٹے! یہ بدعت ہے[۱] (ترمذی نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ واحمد ۳/۴۷۲ و ۶/۳۹۴ طیالسی ص۲۲۸ بیہقی ۲/۲۱۳ طحاوی ۱/۱۴۶)

علقمہ واسود راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک زمانہ دراز تک ہمیں نمازیں پڑھائیں لیکن قنوت نہ کیا۔ (عبدالرزاق ۳/۱۱۰)

اسود بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ صبح کی نماز میں قنوت نہیں کیا کرتے تھے بطریق سفیان از منصور از ابراہیم نَخعی اَبُو الشَّعثَاءؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے فجر کی نماز میں قنوت کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی اس طرح کرتا ہو۔ (عبدالرزاق ۳/۱۰۷)

امام مالکؒ، نافعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ فجر میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے (موطا ۱/۱۴۷، عبدالرزاق ۳/۱۰۶) حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت ہے کہ آپ قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۳/۱۰۷)

سُفیانؒ بن عُیَینَہؒ، ابن ابی نجیحؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کیا حضرت عمر بن خطابؓ نماز صبح میں قنوت پڑھا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے، جسے لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ (عبدالرزاق ۳/۱۰۸)

بطریق عبدالرزاق، از مَعمَرؒ زُہریؒ سے روایت ہے کہ آپ کہا کرتے تھے کہ معلوم نہیں لوگوں نے یہ قنوت کہاں سے شروع کر لیا ہے، آپ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے چند دن قنوت پڑھا اور پھر اسے ترک کر دیا۔ (عبدالرزاق ۳/۱۰۵)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یحیٰی بن یحیٰی لَیثیؒ اور بَقِیؒ بن مُخلَدؒ قنوت کے قائل نہیں تھے، چنانچہ

---

[۱] یہ الفاظ نسائی کے ہیں، مصنف نے اسے قدرے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابومالکؒ کا نام سعد اور ان کے باپ کا نام طارق بن اشیمؒ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی مسجدوں میں جو قرطبہ میں ہیں، اب بھی لوگ قنوت نہیں پڑھتے ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور ابن عباسؓ کے بارے میں جو یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ یہ حضرات قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔ تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ قنوت منع ہے کیونکہ ان سب حضرات کے بارے میں بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قنوت پڑھا کرتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ قنوت پڑھا بھی کرتے تھے اور اسے ترک بھی کر دیتے تھے، گویا دونوں طرح جائز ہے۔ قنوت ذکرِ الٰہی ہے پڑھ لیا جائے تو بہتر نہ پڑھا جائے تو تو کوئی حرج نہیں۔ یہ مباح ہے۔ فرض نہیں۔

ابو مالک اشجعی کے والد نے جو یہ کہا کہ یہ بدعت ہے، تو یہ اس لیے کہ انہیں اس کا علم نہ ہو سکا ہوگا اور جسے علم ہو اس کی بات علم نہ رکھنے والے کی نسبت زیادہ وزنی ہوتی ہے۔ حجت اس کی بات ہے جسے علم ہو نہ کہ اس کی جسے علم ہی نہ ہو[1]

ابن مسعودؓ کے بارے میں یہ نہیں آیا کہ آپ اسے مکروہ سمجھتے یا اس سے منع کرتے تھے بس صرف یہ آیا ہے کہ آپ نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ترکِ قنوت مباح ہے اور آپ کے علاوہ دیگر بہت سے صحابہ کرامؓ سے قنوت کا پڑھنا ثابت بھی ہے۔ ابن عمرؓ کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا ہوگا، جس طرح آپ کو مسح کا علم نہ تھا، تو آپ کا نہ جاننا اس کے حق میں باعثِ قدح نہیں ہے، جو اسے جانتے ہیں۔

امام زہریؒ قنوت سے بے خبر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسے منسوخ کہہ دیا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے اسی سند کے ساتھ آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ گائے کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ حکم منسوخ ہے کہ ہر تیس میں سے ایک تبیعہ اور ہر چالیس میں سے

---

[1] امام بیہقیؒ نے ابو مالک کے باپ طارق سے اس روایت کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ طارق بن اشیم نے اسے یاد نہ رکھا لہٰذا بدعت تصور کیا جبکہ دیگر حضرات نے اسے یاد رکھا لہٰذا ان کی بات حجت ہوگی جنہوں نے اسے یاد رکھا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک مُشتہٰ ادا کیا جائے بلکہ گائے کی زکوٰۃ بھی اونٹ کی طرح ہے (عبدالرزاق ۴/۲۵) لہٰذا اگر قنوت کے منسوخ ہونے کے سلسلہ میں زُہری کا قول حُجت ہے تو اسے بھی حجت تسلیم کرنا پڑے گا، جو یہ گائے کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ حجت نہیں تو نسخ قنوت کی بابت بھی آپ کا قول حُجّت نہیں ہو سکتا۔

مالکیوں پر تعجب ہے کہ جب ان کی تقلید کے موافق ہو تو پھر ابن عمرؓ کے قول کو بطورِ حجت پیش کیا کرتے ہیں لیکن یہاں انہوں نے بڑی آسانی سے ابن عمرؓ، ان کے صاحبزادے سالمؒ اور امام زُہریؒ کی مخالفت کی ہے حالانکہ یہ دونوں اہلِ مدینہ میں سے بہت بڑے عالم ہیں۔

ان لوگوں پر بھی تعجب ہے، جو ترکِ قنوت کے سلسلہ میں سالمؒ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ اسے لوگوں نے ایجاد کیا ہے حالانکہ ان کی رائے میں کسی قائل کا یہ قول حجت ہے کہ لوگوں نے صدقۂ فطر میں جو کے ایک صاع کے بجائے، گندم کے دو مُد کو برابر کر لیا تھا۔ اس قسم کے اعمال یعنی اپنی مرضی کے موافق اقوال کو قبول کر لینا اور غیر موافق کو ترک کر دینا یہ دین میں بالکل تحکّم بالباطل ہے۔

ان حضرات نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ اگر قنوت سُنّت ہوتا، تو ابن عمرؓ و ابن مسعودؓ سے یہ بات کیسے مخفی رہ سکتی تھی؟

ہم عرض کریں گے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے ساری زندگی یہ بات مخفی رہی کہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے چاہییں اس لیے آپ تاحیات تطبیق کے قائل رہے (عام کتب احادیث) ابن عمرؓ سے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ مخفی رہا (بخاری نسائی کتاب الطہارۃ) لیکن ان حضرات نے ابن مسعودؓ و ابن عمرؓ کے ان اقوال کو حجت نہیں سمجھا تو کیا بات ہے کہ قنوت کا ان سے مخفی رہنا کیسے حجت بن گیا؟ یہ تعجب کی بات ہے اور دین کے ساتھ تلعب! اور پھر یہ کہ قنوت کا مخفی رہ جانا ممکن ہے کیونکہ رکوع کے فوراً بعد یہ سکوت متصل ہے، اسے صرف وہی جان سکتا ہے، جو اس کی بابت سوال کرے، فرض تو نہیں کہ سب لوگوں کو یقینی طور پر اس کا علم ہو جائے حضرت ابن عمرؓ کو تو اس کا علم بھی ہو گیا تھا، جیسا کہ ہم ابھی ذکر کریں گے اور ابن مسعودؓ نے اس کا انکار نہیں کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نسخ قنوت کی دلیل یہ روایت ہے، جیسے تم نے بطریق معمر از زہری از سالم بن عبداللہ، از والد خود بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی آخری رکعت میں جب رکوع کے بعد سر اٹھایا تو فرمایا کہ اے اللہ! فلاں فلاں شخص پر لعنت کر، آپ نے کچھ منافقوں کے لیے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمادی کہ۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ○ (آل عمران-۱۲۸)

(اے پیغمبر!) اس کام میں تمہارا کچھ اختیار نہیں (اب دو صورتیں ہیں) یا اللہ ان کے حال پر مہربانی کرے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔

(بخاری کتاب التفسیر و المغازی والاعتصام نسائی کتاب الصلاۃ و التفسیر)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

"یہ روایت تو اثبات قنوت کے سلسلہ میں حجت ہے کیونکہ اس میں قنوت کی ممانعت نہیں ہے اسی طرح یہ روایت اس شخص کے قول کے باطل ہونے کے سلسلہ میں بھی دلیل ہے، جو یہ کہتا ہے کہ ابن عمرؓ قنوت سے واقف نہ تھے، ابن عمرؓ نے شاید نمازِ فجر میں قبل از رکوع قنوت کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ واقعی مقامِ انکار ہے اور یہی بات زیادہ بہتر ہے کیونکہ اسے تسلیم کرنے کی صورت میں یہ بھی لازم نہیں آتے گا کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی سنتِ ثابتہ کی مخالفت کی ہو، اس حدیث سے قنوت کا نسخ ثابت نہیں ہوتا بلکہ ثابت یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہے، آنحضرت ﷺ کے قبضہ میں نہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ان ملعون لوگوں کو توبہ کی توفیق دیدے یا اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ لوگ عنقریب ایمان

---

[1] بعض کوفیوں کا خیال ہے کہ یہ صبح میں نسخ قنوت پر دلالت کرتا ہے لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں ابوجعفر نحاس الناسخ والمنسوخ صفحہ ۸۹ میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند مستقیم ہے اور ناسخ و منسوخ کی بابت اس میں کوئی دلیل نہیں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ صرف یہ فرمائی کہ ہر چیز اس کے قبضۂ اختیار میں ہے اگر یہ ناسخ ہوتی تو پھر منافقوں پر لعنت کرنی جائز نہ ہوتی!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

لے آئیں گے۔"

کیا قنوت صرف حالتِ جنگ میں ہے؟

کچھ حضرات کا خیال ہے کہ قنوت صرف حالتِ جنگ سے مخصوص ہے۔ ان کی دلیل یہ روایت ہے جو بطریق ابن مُجالد[1]، از والد خود، از ابراہیم نخعی علقمہ و اسود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے ہاں جب حالتِ جنگ ہوتی، تو پھر سب نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے تا زیست کبھی قنوت نہ پڑھا، حضرت علیؓ نے صرف اہلِ شام سے جنگ کے وقت قنوت کو اختیار کیا، آپ سب نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ بھی قنوت پڑھا کرتے تھے اور حضرت علیؓ معاویہؓ کے لیے اور معاویہؓ علیؓ کے لیے قنوت میں بددعا کرتے تھے۔

---

[1] محلّٰی کے نسخہ ۱۶ میں ابن مجالد کے بجائے ابوالمجالد ہے مجھے نہیں معلوم ان میں سے کونسا نام یہاں درست ہے، اگر اس سے مراد اسماعیل بن مُجالد بن سعید ہے، تو یہ بات بعید ہے کیونکہ نخعی کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی جبکہ مجالد بن سعید ۱۴۴ھ میں فوت ہوئے۔ میں نے اس اثر کو کہیں نہیں پایا البتہ زیلعیؒ نے "نصب الرایۃ" جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ میں جو ذکر کیا ہے یہ اس کے قریب ہے کہ محمد بن حسن نے "الآثار" میں ذکر کیا ہے کہ ابوحنیفہ، از حماد بن ابی سلیمان، از ابراہیم نخعی اسود بن یزید سے روایت ہے کہ وہ کئی سال سفر و حضر میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ رہے، انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس مدت میں حضرت عمرؓ نے کبھی صبح کی نماز میں قنوت پڑھا ہو۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ اہل کوفہ نے قنوت حضرت علیؓ سے لیا ہے، آپ حضرت معاویہؓ سے لڑائی کے دنوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور اہل شام نے حضرت معاویہؓ سے قنوت کو سیکھا ہے آپ حضرت علیؓ سے لڑائی کے دنوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ طحاوی نے جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ میں بطریق ابی شہاب خیاط، از ابوحنیفہ، از حماد، از ابراہیم اسود سے روایت کیا ہے حضرت عمرؓ حالت جنگ میں قنوت پڑھتے تھے، جنگ نہ ہوتی تو قنوت نہیں پڑھتے تھے اسی طرح طحاوی نے جلد ۱ صفحہ ۱۴۸ میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ مغیرہ از ابراہیم حضرت علیؓ یہاں نماز صبح میں قنوت پڑھا کرتے تھے کیونکہ حالت جنگ میں تھے، آپ نماز فجر و مغرب میں اپنے دشمنوں کے حق میں قنوت میں بددعا کرتے تھے (شیخ احمد شاکر مرحوم نے اس طویل حاشیے میں سند کا خیال رکھا ہے لیکن متن میں مشابہت ان محولہ روایتوں میں نہیں ہے۔ البتہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ۲/۱۳۷ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایت ذکر کی ہے وہ لفظ بلفظ اس متن کے موافق ہے۔ اس روایت کو بیہقی نے طبرانی اوسط کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند و متن دونوں پہ کلام کیا ہے یعنی سند صحیح نہیں اور اس کا متن بھی مدرج ہے، سند صحیح اس لیے نہیں کہ اس کے ایک راوی محمد بن جابر پہ کلام ہے۔ متن مدرج اس لیے ہے کہ علیؓ و معاویہؓ کی لڑائی سے قبل ابن مسعودؓ فوت ہو چکے تھے معلوم یہ ہوتا ہے کہ علقمہ و اسود کو دیکھ کر کسی نے مُرسل، کے بجائے ابن مسعودؓ کا اضافہ کر کے مرفوع بنا دیا ہے واللہ اعلم (ابوالاشبال شاغف).

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم فرماتے ہیں :-

"یہ روایت حجت نہیں بن سکتی کیونکہ مُرسَل ہے اور مرسل روایت حجت نہیں ہوتی، اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے حالانکہ ان کے بارے میں اس سے زیادہ صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ قنوت پڑھا کرتے تھے اور وہ شخص جو مُثبِت ہو اور عالم ہو، اس کی نسبت زیادہ بہتر ہوتا ہے جو نافی ہو اور عالم نہ ہو، یا پھر اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ دونوں صورتیں ہی صحیح اور مُباح ہیں۔

اگر روایت مستند ثابت ہو جائے، تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نیز حضرت علیؓ و معاویہؓ حالت جنگ میں سب نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے لہٰذا اس روایت سے حالتِ امن میں قنوت کی نفی نہیں ہوتی پس اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے، تو پھر یہ ہمارے لیے دلیل بنے گی، نہ ثابت ہو تو دلائل کے باعث جو ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں، ہم اس سے مُستغنی ہیں۔ واللہ الحمد"

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے مقلدین

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے مقلدین کی رائے ہے کہ وتر کے علاوہ اور کسی نماز میں قنوت نہ پڑھا جائے، وتر میں قبل از رکوع قنوت پڑھا جائے، یہ سنت ہے، جو اسے ترک کر دے، اسے سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔

امام مالکؒ و شافعیؒ

امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صبح کے علاوہ اور کسی فرض نماز میں قنوت نہ پڑھا جائے، امام مالکؒ قبل از رکوع اور امام شافعیؒ بعد از رکوع کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو پھر سب نمازوں میں قنوت پڑھا جا سکتا ہے۔ اور وتر میں پندرہ رمضان کے بعد، بعد از رکوع قنوت پڑھنا چاہیئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان دلائل کا تجزیہ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :-

امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تائید و حمایت، صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے قول سے ثابت نہیں ہوتی یعنی وتر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہیں ہے اور جس نے وتر میں قنوت کو ترک کر دیا اس پر سجدہ سہو ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ امام مالکؒ نے جو صرف صبح کی نماز کی تخصیص کی ہے، اس کی تائید میں بھی کسی صحابی یا تابعی کا قول نہیں ہے۔ اسی طرح امام شافعیؒ نے جو صبح اور دیگر نمازوں میں قنوت کی تفریق کی ہے، اس کی تائید میں بھی صحابہ و تابعین میں سے کسی کا کوئی قول نہیں۔

اس باب میں حضرات صحابہ کرامؓ سے جو منقول ہے، ان بزرگوں نے اس سب کی مخالفت کی ہے حالانکہ اگر کوئی شخص کسی ایک روایت کے کچھ حصہ کی بھی مخالفت کر دے، تو اس پر یہ خوب برسا کرتے ہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں جو قول ہمارا ہے وہی قول امام سُفیانؒ ثوریؒ کا بھی ہے اور ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ جو شخص قنوت نہ پڑھے، میں اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھوں گا، آپ خود بھی نمازِ صبح میں قبل از رکوع قنوت پڑھا کرتے تھے، لیث سے قنوت کی کراہت بھی منقول ہے اور یہ بھی کہ آپ نمازِ صبح میں قنوت پڑھا کرتے تھے، اشہب سے بھی ترک قنوت منقول ہے۔

قنوت قبل از رکوع

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جو حضرات قبل از رکوع قنوت کے قائل ہیں، انہوں نے ایک اثر ذکر کیا ہے، جو بطریق یزید بن زُریع، از سعید بن ابی عَرُوبَہ، از قتادہ، از عَزْرَہ، از ابن اَبْزیٰ مروی ہے، لیکن اس میں عَزْرَہ قوی نہیں ہے[1]۔

---

[1] نسخہ ۱۶ میں دونوں جگہ یہ نام "عَزْرَہ" اور نسخہ ۴۵ میں "عَذْرَہ" ہے، نہیں معلوم ان میں سے درست نام کیا ہے شاید یہ دونوں ہی "عَبْدَہ" کی تصحیف شدہ شکل ہیں، طحاوی نے جلد ا صفحہ ۱۴۷ میں بطریق شعبہ از عبدہ بن ابی لُبَابَہ، از سعید بن عبدالرحمٰن بن اَبْزیٰ، از پدر خود روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز میں قبل از رکوع دو سورتوں کے ساتھ قنوت کیا، اسی طرح بیہقی نے جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ میں بطریق اوزاعی، از عبدہ روایت ہے اور عَبْدَہ ثقہ ہے منفرد بھی نہیں طحاوی نے اسی طرح بطریق شعبہ از حکم از مِقْسَم، از ابن عباس، از عمر، علاوہ ازیں دیگر اسانید کے ساتھ بھی روایت کیا ہے، پھر میں نے دیکھا نسائی جلد ا صفحہ ۲۴۸ میں یہ روایت بطریق ابن ابی عَرُوبَہ از قتادہ از عَزْرَہ از سعید بن عبدالرحمٰن بن ابی اَبْزیٰ از پدر خود، از ابی بن کعب روایت ہے (باقی نوٹ اگلے صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان حضرات نے اس سلسلہ میں حفص بن غیاث کا اثر بھی پیش کیا ہے[1] لیکن اس کی بابت کہا گیا ہے کہ ان سے غلطی ہوئی ہے اور ثابت بعد از رکوع ہی ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

جو شخص قبل از رکوع قنوت کرے، اس نے پسندیدہ امر کو اختیار نہیں کیا البتہ اس سے اس کی نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ یہ ذکرِ الٰہی ہے۔

وتر میں قنوت

۴۹۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد از قتیبہ بن سعید و احمد بن جواس حنفی از ابوالاحوص از ابواسحاق سبیعی، از برید بن ابی مریم از ابی الحوراء ربیعہ بن شیبان سعدی روایت ہے] حضرت حسن بن علیؓ روایت کیا کہ وتر میں پڑھنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ کلمات سکھائے۔ ابن جواس کی روایت ہے کہ قنوتِ وتر میں پڑھنے کے لیے آپؐ نے یہ کلمات سکھائے اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ ..... تَعَالَیْتَ[2] (یہ پوری دعا پہلے ذکر کی جا چکی ہے)

اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے وتر کی کیفیت مذکور ہے لیکن اس میں قنوت کا ذکر نہیں لیکن نسائی نے بطریق سفیان از زبید، از سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی، از پدر خود، از ابیؓ بھی روایت کیا ہے، اس میں وتر کی کیفیت اور قبل از رکوع قنوت کا ذکر ہے۔

[1] حفص بن غیاث سے مروی اثر معلوم نہیں اس سے کیا مراد ہے البتہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ میں ایک اثر مروی ہے شاید وہی مراد ہو۔

[2] طیالسی صفحہ ۱۶۳ ح ۱۱۷۹ از شعبہ از برید از ابوالحوراء مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بن علی کی خدمت میں عرض کیا آپ کو آنحضرت ﷺ کی کونسی دعا یاد ہے تو انہوں نے فرمایا، آپ ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے ..... یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند متصل بالسماع ہے اور برید و ابوالحوراء دونوں ثقہ ہیں۔ احمد نے بھی جلد ۱ صفحہ ۱۹۹ میں اسے از وکیع، از یونس بن ابی اسحاق از برید روایت کیا ہے نیز صفحہ ۲۰۰ میں از عبدالرزاق از سفیان، از ابواسحاق، از برید روایت کیا ہے اسی طرح احمد جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ دارمی صفحہ ۱۹۷ میں بطریق شعبہ از برید اور ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۳ نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۵۲، ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ مروزی کی کتاب الوتر صفحہ ۱۳۴ ان سب میں بطریق ابواسحاق از برید و نیز ابن الجارود صفحہ ۱۴۲ میں بطریق یونس بن ابی اسحاق از برید نیز بطریق ابواسحاق مروی ہے اور بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ میں بطریق ابواسحاق نیز بطریق علاء بن صالح از برید مروی ہے اور اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ برید کہتے ہیں کہ میں نے جب محمد بن حنفیہ سے اس دعا کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے والد صبح کی نماز کے قنوت میں اس دعا کو پڑھا کرتے تھے، اور احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۱، مسند حسین بن علی میں۔ بطریق شریک از ابواسحاق، روایت کیا ہے اس میں حسن کے بجائے حسین اور مجھے یقین قریب ہے کہ یہ شریک بن عبداللہ قاضی کی غلطی ہے کیونکہ اس کا حافظہ خراب تھا اور حاکم نے بھی اسے جلد ۳ صفحہ ۱۷۲ میں بطریق اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ از عم خود موسیٰ بن عقبہ، از ہشام بن عروہ، از پدر خود از حضرت عائشہؓ از حضرت حسن بن علی روایت کیا ہے اس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے تعلیم دی کہ وتر میں جب میں رکوع سے سر اٹھالوں اور سجدہ ابھی باقی ہو تو پھر یہ دعا پڑھوں ــ حاکم فرماتے ہیں یہ روایت صحیح اور شیخین کی شرط پر ہے اور حاکم کا کہنا صحیح ہے۔ اس حدیث کی اسناد میں موسیٰ بن عقبہ کے سلسلہ میں اختلاف کیا گیا ہے، چنانچہ محمد بن جعفر بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

"قنوت ذکر و دعا ہے لہٰذا ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ یہ اثر اگرچہ ایسا ہے کہ اس کو بطورِ حجت پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن آنحضرت ﷺ سے اس کے علاوہ کچھ اور منقول بھی نہیں لہٰذا ہم اسی کو اختیار کر لیتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ بھی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ضعیف حدیث، رائے سے زیادہ بہتر ہے[1]۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہمارا قول بھی یہی ہے۔ حضرت عمرؓ سے اسکے علاوہ قنوت کی ایک اور دعا بھی مروی ہے[2] لیکن مرفوع ہمیں زیادہ پسند ہے موقوف کے مقابلہ میں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی یہ دعاءِ قنوت آنحضرت ﷺ ہی سے سیکھی ہو گی تو ہم عرض کریں گے کہ جس روایت میں قطعی طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت ہو وہ زیادہ پسندیدہ ہے اس سے جس میں ظن و تخمین کے طور پر نسبت ہو۔ محض ظن و تخمین سے نسبت کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام نے منع فرمایا۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ ظن نہیں ہے تو تم حدیث میں یہ الفاظ داخل کر دو کہ یہ روایت مسند ہے اور حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے اسے روایت کیا ہے، اگر تم فی الواقع ایسی جسارت کر لو گے تو یہ جھوٹ ہو گا اور اگر تم ایسا کرنے سے انکار کرو تو گویا یہ تمہاری طرف سے اعتراف ہو گا کہ اس قول کو تم محض ظن کی بنا پر آنحضرت

(نوٹ گذشتہ سے پیوستہ)

ابی کثیر نے از موسیٰ، از ابو اسحاق، از برید روایت کیا ہے جیسا کہ مستدرک حاکم میں ہے اور یحییٰ بن عبداللہ بن سالم از موسیٰ از عبداللہ بن علی حسین بن علی از حسن بن علی مروی ہے جیسا کہ سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ میں ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ نے ان تینوں سے روایت کیا ہے اور ان کے برادر زادے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ ثقہ ہیں، بخاری نے ان سے روایت کی ہے ان سب طرق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابن حزمؒ نے جو کہا اس کے خلاف حجت ہے۔

[1] ابن حجر نے تہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۵۶ میں ابن حزمؒ کا یہ کلام نقل کیا ہے لیکن اس پر کوئی تعاقب نہیں کیا البتہ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ اس سے قبل والے حاشیے میں مفصل بیان ہوا ہے۔

[2] قنوت کے بارہ میں حضرت عمر کی روایت مروزی صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵ اور بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰-۲۱۱ وغیرہما میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی طرف منسوب کر رہے ہو حالانکہ ظن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ○ (النجم ۲۸)

اور ظن یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔

البتہ دعا کا ذکر نام لے کر کرنے کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے جیسا کہ

۴۵۷۔ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابو طاہر و حرملہ بن یحییٰ از ابن وہب از یونس بن یزید از ابن شہاب از سعید بن مسیّب و ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کیا کہ] حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب قرات سے فارغ ہو کر تکبیر کہہ کر رکوع کر لیتے اور پھر رکوع سے سر اٹھا کر "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ"، بھی پڑھ لیتے، تو پھر اس قیام کی حالت میں یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِ وَسَلَمَۃَ ابْنَ ھِشَامٍ وَعَیَّاشَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَۃَ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ اور کمزور مومنوں کو (دشمن سے) نجات دے دے!

اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلٰی مُضَرَ، وَاجْعَلْھَا عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ اَللّٰھُمَّ الْعَنْ لِحْیَانَ وَرِعْلًا وَّ ذَکْوَانَ وَعُصَیَّۃَ عَصَتِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔

اے اللہ! خاندانِ مضر پر اپنی گرفت کو سخت کر دے اور انہیں یوسفؑ کے دور جیسی قحط سالی میں مبتلا کر۔ اے اللہ لِحْیَانْ، رِعْل، ذَکْوَانْ اور عُصَیَّہ پر لعنت فرما کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔

پھر ہمیں یہ خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ نے اس دعا کو ترک کر دیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرما دی تھی۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (آل عمران - ۱۲۸)

اے پیغمبر اس کام میں تمہارا کچھ اختیار نہیں یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ ان کے حال پر مہربانی کرے یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ یقیناً ظالم ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۶۷۔ [بسند سابقہ از محمد بن مہران رازی از ولید بن مسلم از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں بعد از رکوع ایک ماہ تک قنوت کیا، سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کے بعد آپ یہ دعا کرتے "اَللّٰهُمَّ نَجِّ الْوَلِیْدَ .... كَسِنِیْ یُوْسُفَ" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے دعا کو ترک فرما دیا تھا میں نے جب اس کا ذکر کیا، تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ وہ آ گئے ہیں جن کے لیے حضورؐ دعا فرماتے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

آنحضرت ﷺ نے دعا اس لیے بند کر دی کیونکہ یہ آ گئے تھے امام ابن حزم مزید فرماتے ہیں کہ اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ دعاءِ قنوت وتر میں بہتر ہے یا فرض نمازوں میں چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اپنی حاجتیں فرض نماز میں دربارِ الٰہی میں پیش کرو۔ عمرو بن دینار اور اہل مکہ میں سے دیگر تابعین سے بھی یہ مروی ہے کہ فرض نماز سے مجھے اور کوئی نماز زیادہ محبوب نہیں ہے جس میں اپنی حاجت کے لیے دعا کر سکوں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲/۴۴۹)

حسن بصری فرماتے ہیں فرض نماز میں جو چاہو دعا کرو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲/۴۴۹)

عُرْوَہ بن زُبَیرؒ سے روایت ہے کہ وہ سجدوں میں یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ ○ اے اللہ! زُبیر بن عوّامؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

(مصنف عبدالرزاق ۲/۴۴۹ و ابن ابی شیبۃ ۲/۴۴۲) ابن جُریجؒ، شافعیؒ، مالکؒ، داؤدؒ اور کئی دیگر ائمہ کرام کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن عطاءؒ، طاؤسؒ اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ فرض نماز میں بالکل کوئی دُعاء نہ کی جائے (مصنف عبدالرزاق: ۲/۴۴۸)

عطاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی نماز میں کسی انسان کا نام لے کر دعا کر دی، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، (مصنف عبدالرزاق: ۲/۴۵۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن سیرین سے روایت ہے کہ نماز میں صرف وہ دعا مانگی جائے، جو قرآن مجید میں ہے (مصنف عبدالرزاق : ۲/۴۸۴۴)

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے نماز میں کسی انسان کا نام لے کر دعا کر دی، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، آپ نے کچھ مزید غلو سے کام لیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ جس شخص نے نماز میں چھینک آنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہا اور اس کی زبان نے بھی حرکت کی، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، نیز آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ نماز میں صرف قرآن مجید سے مشابہت رکھنے والی دعائیں ہی کی جائیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے نام لے کر کچھ لوگوں کے حق میں اور کچھ لوگوں کے خلاف دعائیں فرمائی ہیں اور اس سے آپ نے کبھی منع بھی نہیں فرمایا اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے، تو وہ جھوٹا ہے۔

کچھ لوگوں نے اس کی ممانعت میں دلیل کے طور پر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا ہے کہ نماز میں لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنا درست نہیں ہے" (صحیح جامع الصغیر، ح ۲۲۶۱) لیکن یہ حدیث ان کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں تو اس بات کی ممانعت ہے کہ کوئی نمازی دوسرے لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے گفتگو کرے۔ دعا لوگوں کے ساتھ کلام نہیں بلکہ یہ کلام تو اللہ کے ساتھ ہے ورنہ قرائت بھی لوگوں کے ساتھ گفتگو کہلائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو بحالت سجدہ قرآن مجید کی قرائت سے منع کیا ہے (کتب السنن) لیکن حالتِ سجدہ میں دعا کا حکم دیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول باطل ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حالتِ سجدہ میں قرآنی دعائیں درست نہیں جبکہ مقصود قرائت ہو، اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"تشہد کے بعد جو دعا زیادہ پسند ہو نمازی اسے اختیار کر کے دعا کرے" (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی دارمی کتاب الصلوٰۃ عن ابن مسعود) اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ نے حضرت ابنِ مسعود کی مخالفت کی ہے حالانکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی ابن مسعودؓ کی مخالفت نہیں کی"

۴۶۰۔ تشہد میں انگلی سے اشارہ

ہم اس بات کو مُستحب سمجھتے ہیں کہ نمازی جب تشہد میں بیٹھے، تو اپنی انگلی سے اشارہ کرے، اور اسے حرکت نہ دے[۱]، یہ اشارہ کرتے وقت دائیاں ہاتھ دائیں ران پر اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر ہی ہونی چاہیئے۔

۴۷ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سُلیم از ابن الاعرابی از ابوداؤد از قعنبی، از مالک از مسلم بن ابی مریم بیان کیا کہ] علی بن عبدالرحمٰن مُعاوِی نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے دیکھا کہ میں نماز میں کنکریوں کے ساتھ کھیلتا ہوں پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اس طرح کرو جس طرح آنحضرت ﷺ نماز میں کیا کرتے تھے، اور وہ یہ کہ جب آپ نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھ لیتے اور ساری انگلیوں کو بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے اور بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھ لیتے۔ (مسلم ابوداؤد نسائی موطا کتاب الصلوٰۃ)

۴۶۱۔ رکوع و سجود وغیرہ کی تکبیر کب کہی جائے

ہر نمازی کے لیے ہم یہ مُستحب سمجھتے ہیں کہ تکبیر اس وقت شروع کرے جب رکوع کے لیے جھکنے کا آغاز کرے، اسی طرح جب سجدہ کے لیے جھکنے کا آغاز کرے اور جب سجدہ سے سر اٹھانے کا آغاز کرے پھر جب دو رکعتوں کے بعد قیام کے لیے آغاز کر رہا ہو، اور رکوع سے سر اٹھانے کا آغاز کرتے وقت "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہنا بھی شروع کر دے، امام

[۱] حرکت دینا حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ نسائی وغیرہ میں موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے یہ درست نہیں کہ تکبیر کو لمبا کرے بلکہ جلدی سے کہہ لے اور جب تک تکبیر کو مکمل نہ کر لے، رکوع سجدہ، قَوْمَہ اور قَعْدَہ نہ کرے۔

۴۸ ۷۔ [ہم نے از حمام از ابن مُفرج از ابن الاعرابی از دَبَری از عبدالرزاق از معمر از زُہری، از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ نماز پڑھتے ہوئے، اس وقت تکبیر کہتے، جب کھڑے ہوتے، رکوع کرتے، سجدہ کا ارادہ کرتے، سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد دوبارہ سجدہ کرتے، جب بُنماز میں بیٹھتے اور جب دو رکعتوں کی تکمیل کے بعد اٹھتے اور جب سلام پھیرتے تو کہتے کہ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری نماز تم سب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ ہمیشہ آپ کی نماز کی یہی کیفیت رہی حتی کہ آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۶۱)[1]

حضرت علیؓ، ابن زُبیرؓ اور عمران بن حُصَینؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے، علیؓ وابن زبیرؓ کے تو عمل سے اس طرح ثابت ہے اور عمران بن حُصَینؓ نے اسے آنحضرت ﷺ کا عمل قرار دیا ہے۔[2]

۴۹ ۷۔ [ہم نے از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فِربَری از بخاری از یحییٰ بن بُکیر از لیث بن سعد از عقیل از ابن شہاب از ابوبکر بن عبدالرحمٰن روایت کیا کہ] حضرت ابوہُریرہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے، پھر رکوع کرتے وقت تکبیر کہتے، جب رکوع سے پُشت اٹھاتے تو "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہتے، پھر بقیہ حدیث ذکر فرمائی (یعنی یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے) (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی کتاب الصلاۃ)

امام ابوحنیفہؒ، احمدؒ، شافعیؒ، داؤد اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے اور امام مالکؒ کا

---

[1] مسلم نے بھی اسی طرح بطریق عبدالرزاق، از ابن جریج، از زہری، از ابوبکر بن عبدالرحمٰن، از ابوہریرہ اور بطریق یونس از ابن شہاب، از ابوسلمہ، از ابوہریرہ اور کچھ دیگر طرق کے ساتھ ج ا ص ۱۱۵ میں روایت کیا ہے۔ بخاری نے بطریق لیث از عقیل، از زہری، از ابوبکرؓ از ابوہریرہؓ جلد ا صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳ میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

[2] حضرت علیؓ اور عمرانؓ کی روایت تو بخاری جلد ا صفحہ ۲۱۱، ۲۱۲، مسلم جلد ا صفحہ ۱۱۰ میں ہے، ابن زُبیرؓ کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۴۷، طبع مدینہ میں مختصر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قول بھی یہی ہے مگر آپ کے نزدیک دو رکعتوں سے اٹھتے وقت تکبیر اس وقت کہی جائے جب آدمی بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے لیکن یہ ایک ایسا قول ہے جس کی قرآن، سنت، اجماع، قیاس اور کسی بھی صحابی کے قول سے تائید نہیں ہوتی، اس مسئلہ میں ان حضرات مو الک نے صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جماعت کی مخالفت کی ہے جن کی مخالفت کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ امام کے لیے فرض ہے کہ وہ تکبیر جلدی کہے، تو یہ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو" (دیکھو صحیح الجامع الصغیر ح ۲۲۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدیوں کے لیے بھی اللہ اکبر کہنا رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے فرض قرار دیا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے۔ اگر امام تکبیر کو بہت لمبا کرے گا، تو مقتدی مشکل میں پڑ جائیں گے، اس صورت میں وہ یا تو امام کے ساتھ ساتھ کہیں گے یا امام سے بھی پہلے کہہ لیں گے اور ایسا کریں گے تو ان کی تکبیر حسب امر نہ ہوگی اور جس کی تکبیر حسب امر نہ ہو، اس کی نماز بھی نہ ہوگی لہٰذا لمبی تکبیر کہنے والا امام لوگوں کی نمازوں کو خراب کرتا ہے اور اثم وعدوان میں مدد کا باعث بنتا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

۴۶۲۔ نماز میں وضو کا ٹوٹنا

ہر وہ حدث جس کے قصد و ارادہ یا نسیان کے ساتھ صدور سے وضو ٹوٹ جاتا ہو، وہ جب بھی تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک کی کسی حالت میں بھی پیش آئے خواہ غلبہ کی صورت میں یا اکراہ و نسیان کی حالت میں، اس سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جائیں گے اور لازم ہوگا کہ دونوں کو از سر نو شروع کرے، یہ جائز نہیں کہ وضو کر کے نماز کو وہیں سے شروع کرے، جہاں سے اس نے چھوڑا تھا۔ اس مسئلہ میں امام، مُقتدی اور منفرد سب کے لیے حکم ایک ہی ہے اور خواہ نماز فرض ہو یا نفل البتہ نماز نفل ہو تو پھر اعادہ فرض نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا دو میں سے ایک قول یہی ہے امام ابو سُلیمانؒ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ وضو کرنے کے بعد نماز وہیں سے شروع کرے، جہاں سے اس نے اسے چھوڑا تھا۔ مگر امام ابو حنیفہؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر نماز پڑھتے کوئی سو گیا اور پھر اسے احتلام ہو گیا تو اُسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غسل کر کے از سرِ نو نماز پڑھنی ہوگی، وہیں سے دوبارہ شروع نہ کرے، جہاں سے اس نے نماز کو چھوڑا تھا، اگر ایسا شخص غسل کرنے سے معذور ہو اور اس کے لیے تیمّم کا حکم ہو تو پھر نہیں معلوم کہ اس صورت میں ان کا قول کیا ہے؟ کیونکہ اگر غسل میں انہوں نے طولِ عمل کی رعایت پیشِ نظر رکھی ہے، تو تیمّم میں تو ایسا نہیں ہے کیونکہ بے وضو اور جُنبی کو تیمّم ایک جیسا ہی کرنا ہوتا ہے۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بحالتِ سجدہ مغلوب ہو کر امام بے وضو ہو جائے، تو اس صورت میں اگر امام نے تکبیر کہہ کر سر اٹھایا، تو اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر تکبیر کہنے کے بغیر سر اٹھا لیا تو پھر کسی کی نماز بھی باطل نہ ہو گی۔ اگر امام نے کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا دیا یا مقتدیوں نے امام کے مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے کسی کو نائب بنا دیا تو اس سے بھی کسی کی نماز باطل نہ ہو گی، اگر نہ امام نے کسی کو نائب بنایا اور نہ مقتدیوں نے حتیٰ کہ امام صاحب مسجد سے باہر نکل گئے تو امام اور مقتدیوں سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی لیکن امام کی نماز مکمل ہو گی۔ اگر امام مسجد سے باہر نکل گیا اور اس نے تالاب سے ایک برتن میں پانی لے کر وضو کر لیا، تو واپس آ کر وہیں سے نماز شروع کرے، جہاں اس نے چھوڑی تھی، اگر اس نے کنوئیں سے پانی نکال کر وضو کیا، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اسی طرح اگر بھول کر یا قصد و ارادہ سے بات چیت کر لی تو اس سے بھی نماز باطل ہو جائے گی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں!

" ان اقوال میں حد درجہ فساد و تناقض ہے، بغیر دلیل و برہان کے، اللہ تعالیٰ کے دین میں یہ محض تحکم پر مبنی ہیں اور ان میں سے اکثر اقوال ایسے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی سے یہ ثابت نہیں۔

اب ہماری گفتگو صرف اس موضوع پر ہو گی کہ اس صورت میں نمازی کو نماز از سرِ نو پڑھنا ہو گی، یا وہ وہیں سے شروع کرے، جہاں سے اس نے نماز کو چھوڑا تھا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ :-

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ وہاں سے شروع کرلے، جہاں سے اس نے چھوڑا تھا، ان کا استدلال دو ضعیف حدیثوں سے ہے ان میں سے ایک :-

۱ :- بطریق ابی جہم، از ابوبکر مطوعی[1]، از داؤد بن رشید، از اسمٰعیل بن عیاش از ابن جریج از پدر خود از ابن ابی ملیکہ مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو قے وغیرہ آئے، تو وہ وضو کرلے اور نماز وہیں سے شروع کرے، جہاں سے اس نے چھوڑا تھا، بشرطیکہ کلام نہ کیا ہو۔ (الکامل لابن عدی ۲۹۲/۱ میں یہ روایت بسند دیگر از ابن عیاش مروی ہے بیہقی ۲۵۵/۲)

نیز بطریق سعید بن منصور از اسماعیل بن عیاش، از ابن جریج از پدر خود و ابن ابی ملیکہ مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو قے آئے یا نکسیر پھوٹ جائے، تو اسے چاہیئے کہ نماز توڑ کر چلا جائے اور وضو کرکے وہیں سے نماز شروع کردے، جہاں سے اس نے نماز کو چھوڑا تھا۔[2]

یہ روایت بطریق انصاری، از ابن جریج، از پدر خود مرسل بھی ہے۔ بیہقی ۱۴۲/۱ و عبدالرزاق ۳۴۱/۲)

۲ :- اور دوسرا اثر بطریق عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم مروی ہے[3]۔

---

[1] مطوعی، مطوعہ کی طرف نسبت ہے اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد، سرحدوں کی حفاظت اور ہر وقت دشمنوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اس ابوبکر کا پورا نام محمد بن خالد بن حسن ہے، انساب (۳۱۸/۱۲) میں اس کے حالات موجود ہیں

[2] اس حدیث کو ابن ماجہؒ نے جلد ۱ صفحہ ۱۹۰، دارقطنیؒ نے جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ میں بہت سی سندوں کے ساتھ اور بیہقی نے جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ میں بطریق اسماعیل بن عیاش روایت کیا ہے بیہقیؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اسمٰعیل بن عیاش کی شامیوں سے روایت صحیح ہے لیکن اہل حجاز سے صحیح نہیں۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ ابن عیاش نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے اور ابن جریج نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے لیکن مسند نہیں کیونکہ اس میں عائشہؓ کا ذکر نہیں و نیز نصب الرایۃ ۳۸/۱۔

[3] شیخ احمد شاکرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی اور نہ اس کی اسنادی حیثیت کا علم ہو سکا، میرا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ حدیث ہے جیسے ابوداؤد ترمذی نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام نماز کو پوری کرکے بیٹھ جائے اور قصداً ہوا خارج کردے کلام کرنے سے قبل تو امام کی نماز ہوگئی اور مقتدی اپنی نماز پوری کرلیں۔ نصب الرایۃ جلد ۶۲/۲، ۶۳ واللہ اعلم ابوالاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ دونوں آثار اس قابل نہیں کہ دلیل بن سکیں کیونکہ اسماعیل بن عیاش ضعیف ہے بالخصوص جب وہ حجازیوں سے روایت کرے، تو محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ ناقابلِ حجت ہے اور عبدالرحمٰن بن زیاد بھی حد درجہ ساقط ہے۔

ایک اور ساقط اثر بھی ہے جو بطریق عمر بن ریاح بصری[1] ـــــ جو ساقط راوی ہے ـــــ از ابن طاؤس، از پدر خود از حضرت ابن عباسؓ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جب نماز میں نکسیر پھوٹتی تو آپ وضو کر کے نماز کو وہیں سے شروع کرتے، جہاں سے چھوڑا ہوتا۔ دارقطنی ۱/۱۵۶[2]

حنفی حضرات تناقض کا شکار ہیں انہوں نے ان دو روایتوں میں مذکور اشیاء پر ان سب احداث کو قیاس کر لیا ہے جو ان میں مذکور نہیں ہیں لیکن احتلام کو انہوں نے ان پر قیاس نہیں کیا اور یہ کھلا تضاد ہے، حالانکہ کسی بھی صحیح یا سقیم اثر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیشاب پاخانہ، ہوا اور مذی سے وضو ٹوٹنے کے بعد نماز کو وہیں سے شروع کیا جائے، جہاں سے وضو ٹوٹا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب نے دلیل یہ دی ہے کہ جتنی نماز وہ پڑھ چکا وہ صحیح ہے اور اسے بغیر نص کے باطل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

یہ استدلال صحیح ہے کیونکہ پڑھی ہوئی نماز کے باطل ہونے پر اگر نص وارد نہ ہوتی، تو ہم کبھی بھی اسے رائیگاں نہ کہتے لیکن چونکہ دلیل موجود ہے کہ جتنی نماز پڑھی ہو، تکمیل سے پہلے وضو ٹوٹ جائے، تو وہ بھی باطل ہو جاتی ہے۔

۷۵۰۔ [ہم نے از عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابن الاعرابی از ابوداؤد از احمد بن محمد بن حنبل از عبدالرزاق از معمر، از ھمام بن منبہ روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے

---

[1] یہ عمر بن ریاح بصری حضرت عبداللہ بن طاؤس کا آزاد کردہ غلام ہے اور دجال و متروک ہے ابن حبان لکھتے ہیں کہ یہ شخص ثقہ راویوں کے نام سے موضوع روایت بیان کرتا ہے۔

[2] ان مذکورہ احادیث پر تفصیلی گفتگو کے لیے ملاحظہ فرمائیے نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۲۱، ۲۲، ۲۵۳، ۲۵۴۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بے وضو ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں فرماتا جب تک وضو نہ کرے۔ (بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب الحیل اور مسلم وابوداؤد و ترمذی کتاب الطہارۃ۔)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کو کئی طُرُق سے روایت کیا ہے، پس جب یہ بات صحیح ہو گئی کہ بے وضو جب تک وضو نہ کرلے، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتا اور یہ بات نص کے ساتھ اور بغیر کسی اختلاف کے ثابت ہے کہ نماز اسی صورت میں صحیح ہو گی جب وہ متصل ہو گی اگر نماز کے اجزاء کے مابین کسی ایسی چیز کے ساتھ فرق آجائے جو نماز نہیں تو وہ نماز نہیں ہو گی۔

جو حضرات بے وضو ہو جانے والے کو وہاں سے نماز شروع کرنے کا کہتے ہیں، جہاں سے اس نے چھوڑا تھا، ان سے ہم پوچھیں گے کہ یہ بتاؤ کہ جب بے وضو ہونے والا نماز چھوڑ کر حدث کو دھونے یا استنجاء وغیرہ کر کے وضو کر رہا ہو گا، اس وقت وہ حالتِ نماز میں ہو گا یا نہیں ہو گا؟ کیونکہ دو کے سوا تیسری تو کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی!

اگر وہ کہیں کہ وہ حالتِ نماز میں ہے، تو انہیں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان جھٹلا رہا ہے کہ بے وضو کی اللہ تعالیٰ اس وقت تک نماز قبول نہیں کرتا، جب تک وہ وضو نہ کرلے اور یہ بھی محال و باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نماز کو دراز کر دے، جسے وہ قبول ہی نہیں کرتا لہٰذا معلوم ہوا کہ بے وضو ہونے سے اس کی نماز منقطع ہو گئی ہے البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا اجر باقی ہے، جیسے کہ اس بارے میں بھی قطعاً کوئی شک نہیں کہ اس کی حالت نماز کی نہیں ہے بلکہ ایسی حالت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نماز کو قبول ہی نہیں فرماتا۔

اگر یہ حضرات کہیں کہ اس کی حالت نماز کی نہیں ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ تم سچ کہتے ہو لہٰذا جب وہ حالتِ نماز میں نہیں ہے، تو اسے نماز اس انداز سے ادا کرنی چاہیئے کہ اتصال کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے اور اجزاءِ نماز کے مابین کسی ایسی چیز کو نہ آنے دے جس کا تعلق نماز سے نہیں ہے۔ اور یہ وہ دلیل ہے جس سے جان چھڑانا ان کے لیے مشکل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم اپنے موقف کی تائید میں حدیث سے استدلال کرنا چاہیں، تو ان کی نسبت ہمارے پاس زیادہ مضبوط دلیل ہے جسے ہم ذکر کرتے ہیں۔

۷۵۱۔ [ہم نے از عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد از عثمان بن ابی شیبہ از جریر بن عبدالحمید از عاصم احول، از عیسیٰ بن حطانؒ، از مسلم بن سلّام روایت کیا کہ] حضرت علی بن طلقؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو جائے تو وہ وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے[1]

اگر یہ ان صحابہ کا ذکر کریں جو وہیں سے نماز شروع کر لیتے تھے، جہاں سے چھوڑتے تھے، تو ہم کہیں گے کہ ہم نے عبداللہ بن احمد بن حنبل، از پدر خود از عبدالرحمٰن بن مہدی از عبداللہ بن مبارک از معمر از زہری از حضرت مسور بن مخرمہؓ روایت کیا ہے کہ جب نماز میں ان کی نکسیر پھوٹ جاتی، تو نماز دوبارہ پڑھتے اور جتنی پہلے پڑھ چکے ہوتے اسے شمار نہ کرتے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲/۳۴۲ میں مسور کا قول ہے فعل کا ذکر نہیں ہے۔)

دراصل سلف صالح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، چنانچہ بطریق وکیع، از اسماعیل بن ابی خالد، شعبی سے روایت ہے کہ آپ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا، جو بے وضو ہو جائے کہ وہ وضو کر کے باقی نماز کو پڑھ لے، خواہ اس دوران وہ گفتگو بھی کر لے کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۲/۱۹۶)

بطریق محمد بن مثنیٰ، از عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری، از مغیرہ بن مقسم از ابراہیم نخعیؒ

---

[1] دارقطنی (۱: ۱۵۳) ابوداؤد (جلد ۱ صفحہ ۸۳) ترمذی (جلد ۱ صفحہ ۲۱۸) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور میں نے امام بخاریؒ سے سنا فرماتے تھے کہ طلق نے اس ایک روایت کے علاوہ آنحضرت ﷺ سے اور کوئی حدیث روایت نہیں کی لیکن مجھے نہیں معلوم کہ یہ طلق بن علی سُحیمی کی حدیث ہو گویا آپ کے خیال میں یہ صحابی کوئی اور ہیں! ابن حجرؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ علی، طلق بن علی کے والد ہیں، زیلعی نے نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۶۴ میں اس حدیث کو نسائی الکبری فی عشرۃ النساء باب ۲۵ اور صحیح ابن حبان (موارد الظمآن صفحہ ۷۰) کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن قطان نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ مسلم بن سلام مجہول الحال ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور احمد نے بھی ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت ہے کہ بول و براز اور ہوا سے وضو ٹوٹنے کی صورت میں دوبارہ نماز پڑھے لیکن قے اور نکسیر سے وضو ٹوٹنے کی صورت میں اگر گفتگو نہ کرے، تو وضو کر کے وہاں سے نماز شروع کرے، جہاں سے اس نے ختم کی تھی۔ (عبدالرزاق ۲/۳۴۲، ابن ابی شیبۃ ۲/۱۹۵)

بطریق مُعتمر بن سلیمان تیمیؒ، از والد خود، از ابن سیرینؒ روایت ہے کہ جو شخص نماز میں سلام پھیرنے سے قبل بے وضو ہو جائے، اس کی نماز مکمل نہ ہوگی۔

مَعمَر، زُہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص نماز میں سلام پھیرنے سے قبل بے وضو ہو جائے، وہ نماز کو دوہرائے۔

سُفیان ثوریؒ، مالکؒ، ابن شُبرُمہؒ اور امام شافعیؒ کا دو میں سے آخری قول یہی ہے اور ہم بھی اسی پر عمل پیرا ہیں۔

۴۶۳۔ نماز میں نکسیر پھوٹنا

اگر نماز میں کسی کی نکسیر پھوٹ جائے اور اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ ناک کو پکڑے اور خون کپڑوں پر یا جسم کے ظاہری حصہ پر نہ گرنے دے بلکہ سامنے زمین پر خون کے قطرے گرنے دے تو ایسا کرے اور نماز کو بدستور جاری رکھے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نکسیر سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا۔ جب اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور کپڑوں یا جسم کے ظاہری حصہ پر بھی نہ لگا ہو تو دوبارہ طہارت کی اسے ضرورت نہیں، نماز میں بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اگر خون جسم یا کپڑے وغیرہ کو لگ گیا ہو اور قبلہ کی طرف سے رخ ہٹائے بغیر دھونا ممکن ہو تو حالتِ نماز ہی میں دھو لے، نماز مکمل ہوگی۔ پانی کی طرف تھوڑا چلنا یا زیادہ ایک جیسا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نجاست کو دھونا اور مُحرّمات سے اِجتناب کرنا فرض ہے اور اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں لہٰذا جب اس حالت میں وہ چلتا ہے تو اس کا یہ چلنا ادائے فرض کی خاطر ہے لہٰذا اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ اس نے کسی شرعی حکم کی مخالفت نہیں کی بلکہ حسبِ امرِ الٰہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز ادا کی ہے اور جو حسبِ امرِ الٰہی نماز ادا کرے، وہ محسن ہے اور محسنین کی بابت فرمانِ الٰہی ہے۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ○ (التوبہ ۹۱) نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے

اگر وہ اس حالت میں خون وغیرہ دھونے سے عاجز ہو تو وہ اسی طرح نماز پڑھتا رہے، اس کی نماز مکمل ہو گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی اسے استطاعت ہی نہیں، اس کے بجالانے کا وہ مکلف بھی نہیں، اگر وہ کپڑا دھونے کے لیے قبلہ سے رُخ ہٹائے، تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس طرح اس نے اس حکمِ الٰہی کی مخالفت کی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض قرار دیا تھا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں سجدوں کے ساتھ رکعت مکمل کرنے سے قبل نکسیر پھوٹ جائے، تو نماز توڑ کر از سرِ نو شروع کرے اور اگر دونوں سجدوں کے ساتھ رکعت مکمل کرنے کے بعد نکسیر پھوٹی ہو تو نماز کو ختم کر کے، خون کو دھوئے اور واپس آکر وہاں سے نماز شروع کرے، جہاں سے اس نے اسے ترک کیا تھا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے اور نہ صحیح یا سقیم کسی حدیث میں اور نہ کسی صحابی کا قول اس کی تائید کرتا ہے اور نہ قیاس۔ اور جو بات اس طرح کی ہو اسے قطعاً اختیار نہیں کیا جا سکتا۔"

۴۶۴۔ ازدحام کے باعث جب نماز کا کوئی حصہ رہ جائے

ازدحام کے باعث اگر رکوع، سجود، رکعت یا رکعات رہ جائیں تو نمازی اسی طرح کھڑا رہے اور اگر اس کے لیے فوت شدہ حصے کی تکمیل ممکن ہو تو کرے، اور پھر امام کی اتباع کو اختیار کرلے، خواہ امام کسی بھی حصۂ نماز کو پہنچ گیا ہو، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی نماز مکمل ہو گی اور کچھ اور اس پر لازم نہیں ہو گا، اگر امام کے سلام پھیرنے کے تھوڑی یا زیادہ دیر بعد مکمل کرنا ہی ممکن ہو تو ایسا کرے، نماز مکمل ہو گی۔ جمعہ اور غیر جمعہ ہر نماز کے لیے اس سلسلہ میں حکم یکساں ہے۔

اگر امام کے ساتھ ایک رکعت ہی پائے تو اسے پڑھ لے اور جو وہ پڑھ چکا ہے اسے بھی ملا لے اور اس کے بعد اپنی نماز کو مکمل کرلے، اس کے علاوہ اس کے ذمہ اور کچھ فرض نہ ہو گا۔ سہوا یعنی غفلت کی وجہ سے کوئی رکن رہ جائے یا ازدحام کے باعث کوئی حصہ نماز ادا نہ کر سکے، تو ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

ازدحام کے سبب اگر سجدہ صرف اگلے آدمی کی پشت یا پاؤں پر ہی ممکن ہو تو اسی طرح کرلے، نماز ہو جائے گی، اس کی دلیل حسب ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ (محمد - ۳۳) تم اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔

اگر کوئی شخص محض تکبیر تحریمہ یا اس سے کچھ زیادہ حصہ صحیح طریقے سے سرانجام دے سکا ہو تو اس کے لیے اس عمل کو بھی، آنحضرت ﷺ کی طرف سے کسی نص کے بغیر باطل کرنا جائز نہیں ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ○ البقرہ ۲۸۶ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اسکی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں، تو استطاعت کے مطابق اطاعت بجالاؤ" (بخاری کتاب الاعتصام، مسلم کتاب الفضائل والحج، نسائی کتاب الحج، ابن ماجہ مقدمۃ)

۷۵۲ [ہم نے از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از آدم از ابن ابی ذئب از زہری از سعید بن مسیّب و ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب نماز کے لیے اقامت کو سن لو تو نہایت سکون و وقار کے ساتھ نماز کے لیے آؤ، جلد بازی سے کام نہ لو، نماز کا جتنا حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جتنا حصہ فوت ہو جائے اس کی تکمیل کر لو (بخاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الصلاۃ)

۳۵۷ [از عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابو داؤد از مُسَدَّد از یحییٰ بن سعید قطّان از ابن عجلان از محمد بن یحییٰ بن حیان از ابن مُحَیرِیز روایت کیا کہ] حضرت مُعَاوِیَہ بن ابی سفیانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رکوع وسجود میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو کیونکہ مَیں جتنی سبقت رکوع کرتے وقت کروں گا، رکوع سے سر اٹھاتے وقت تم مجھے پا لوگے، کیونکہ میرا جسم ذرا بھاری ہو گیا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آدمی جتنی نماز امام کے ساتھ پالے، اسے پڑھ لے، رکوع وسجود میں امام سے سبقت نہ کرے، مقتدی رکوع میں سے جتنا حصہ فوت کرلے گا، اتنا حصہ امام سے بعد میں سر اٹھانے کے باعث پورا کرے گا۔ اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے پہلی دوسری تیسری یا چوتھی کسی رکعت کی تخصیص نہیں فرمائی اور فوت شدہ حصہ نماز کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

نیز آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت سے خطا ونسیاں اور ہر اس بات کو جس پر مجبور کیا گیا ہو، معاف فرما دیا ہے" (صحیح الجامع الصغیر ح ۳۵۰۹) یہ امر یقینی طور پر ہماری بات کی تصدیق کرتا ہے کہ آدمی نماز کی ادائیگی اسی طرح کرے جس طرح اسے استطاعت ہے، اس کے علاوہ سارے اقوال فاسد ہیں جن کی اصل کتاب وسُنّت واقوال صحابہ سے ثابت نہ ہو۔

۴۶۵۔ بال برابر جگہ بھی خشک نہیں ہونی چاہیئے

وضو وغُسل میں جس جس حصے کے دھونے کا حکم ہے اس میں سے اگر بال برابر جگہ بھی خشک رہ گئی، تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "اللہ تعالیٰ بے وضو کی اس وقت تک نماز قبول نہیں فرماتا، جب تک وہ وضو نہ کرلے (حوالہ گذر چکا) اور اس شخص نے جس کے اعضاء وضو وغُسل میں سے کچھ خواہ بال برابر ہی ہو خشک رہ گیا اس نے گویا وضو ہی نہیں کیا اور طہارت اس طور پر حاصل نہیں کی جیسے اسے حکم تھا۔

۴۶۶۔ قرآن مجید کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ

، جو شخص قصد وارادہ سے قرآن مجید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی تبدیلی کرے، وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔

جس شخص کی زبان عربی نہ ہو، وہ اپنی زبان میں نماز میں دعاء کر سکتا ہے۔ اپنی زبان میں قرآنِ کریم کا ترجمہ نہیں کر سکتا، اگر ایسا کرے گا، تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر فارسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ نماز میں پڑھ لیا، تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :-

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے :-

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰن (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلاۃ) — جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ط (یوسف-۲) — ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے۔

نیز فرمایا :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراهیم-۴) — ہم نے جو رسول بھیجا اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو واضح طریقہ پر احکام بیان کر دے۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی کے علاوہ کسی اور زبان کے ساتھ مبعوث نہیں فرمایا اور نہ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں قرآن مجید نازل فرمایا لہٰذا جس نے عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا، اس نے گویا اس قرآن کو نہ پڑھا، جسے اللہ کریم نے اپنے رسول پہ نازل فرمایا ہے بلکہ اس نے اپنی نماز کو کھیل بنا لیا اس لیے اس کی نماز ہرگز نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے نماز کی ادائیگی اس طرح نہیں کی، جیسے اسے حکم دیا گیا تھا۔

اگر یہ حضرات اپنے موقف کی تائید میں یہ آیت پیش کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿الشعراء ۱۹۶﴾ اسکی خبر پہلے رسولوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نفس قرآن کریم کا تذکرہ اور اس سے ڈرانے کا ذکر تو پہلی کتابوں میں موجود ہے لیکن یہ بالکل باطل اور صریحاً کذب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی پر یہ قرآن نازل کیا ہو۔ اگر پہلے بھی کسی پر نازل کیا ہوتا، تو یہ آپؐ کے لیے نہ باعث فضیلت ہوتا اور نہ آپؐ کا معجزہ!

ہمیں نہیں معلوم کو امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہو (کہ نماز میں قرآن مجید کا فارسی ترجمہ پڑھا جا سکتا ہے۔)

جسے سورۂ فاتحہ یاد نہ ہو، وہ نماز تو اس کے بغیر پڑھے گا اور اس پر لازم ہوگا کہ وہ اسے یاد کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۝ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔
(البقرہ - ۲۸۶)

اور یہ غیر مکلّف ہے کیونکہ اسے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی قدرت ہی نہیں اگر اسے قرآن مجید کا کوئی اور حصہ حفظ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے ہی پڑھ لے اور سورہ فاتحہ بھی یاد کرلے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص نہ پڑھے، اس کی نماز ہی نہیں ہوتی"(مسلم کتاب الصلوٰۃ) اور اللہ کریم کا فرمان ہے:۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۝ جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو۔
(المزمل - ۲۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سجودِ سہو کا بیان

۴۶۷۔ سجودِ سہو کی صورتیں

ہر ایسا کام جسے آدمی بھول کر نماز میں کر بیٹھے، کہ اگر اسے قصد و ارادہ سے کرتا تو اس کی نماز باطل ہو جاتی، اس سے سہو کے دو سجدے لازم ہو جاتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب بھی اسی کے مشابہ ہے مگر آپ دو رکعتوں کے بعد والے جلسہ کے ترک پر بھی سجدۂ سہو کے قائل ہیں اگرچہ آپ کے مذہب میں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرض نہیں۔ امام شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص صلب نماز سے کسی چیز کو سہواً ساقط کر دے، اس پر بھی سجودِ سہو لازم ہیں ابو سُلیمانؒ اور ہمارے اصحاب کے نزدیک صرف درج ذیل صورتوں میں سجودِ سہو لازم ہیں۔

۱۔ فرض نماز میں بھول کر سلام و کلام کرنا اور چلنا۔

۲۔ فرض نماز میں دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہو جانا۔

۳۔ شک ہو کہ معلوم نہیں کتنی نماز پڑھی ہے۔

۴۔ فرض نماز میں بھول کر ایک یا ایک سے زیادہ رکعات کا اضافہ کرنا۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ درج ذیل دس صورتوں میں سجدۂ سہو فرض ہے۔

۱۔ بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو جانا۔

۲۔ کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ جانا (امام ہو یا مقتدی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳ - نماز کی تکمیل سے قبل سلام پھیر دینا۔ (امام یا مقتدی)

۴ - نماز عید میں تکبیر کو بھول جانا۔ " " "

۵ - وتر میں قنوت کو بھول جانا۔ " " "

۶ - تشہد کو بھول جانا " " "

۷ - سورۃ فاتحہ کو بھول جانا " " "

۸ - کسی دوسری سورۃ کی قراءت کے بعد فاتحہ پڑھنا " " "

۹ - سری میں جہری قراءت کرنا۔ صرف امام کے لیے

۱۰ - جہری نماز میں سری قراءت کرنا۔ " " "

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان صورتوں میں اگر کسی کا قصد و ارادہ سے ارتکاب کر لیا، تو اس سے نماز مکمل ہو جائے گی اور سجودِ سہو بھی نہیں کرنا ہوں گے۔

نیز فرماتے ہیں اگر نمازی ایک سجدہ کو بھول گیا یا اسے یہ یاد نہ رہا کہ کتنی نماز پڑھی ہے، اگر پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے، تو نماز کو دوہرائے، اور اگر پہلے بھی کبھی یہ صورت پیش آئی ہے، خواہ ایک بار ہی تو سجدہ سہو کر لے۔ اگر مسجد سے نکلنے کے بعد اسے یہ یاد آیا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی اور اسے دوبارہ پڑھنا پڑے گی۔

امام مالکؒ کا مذہب سجود کے بارے میں مرتب نہیں ہے، آپ کے نزدیک جو شخص تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین یا تین سے زیادہ تکبیریں چھوڑ دے اس پر سجدۂ سہو لازم ہے۔ اگر ایسا نہ کرے حتٰی کہ وضو ٹوٹ جائے یا وقت زیادہ گزر جائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور اسے دوہرانا پڑے گا۔ جو شخص نماز میں دو تکبیریں بھول جائے آپ کے نزدیک اس پر بھی سجدہ سہو فرض ہے۔ اگر اس میں وضو ٹوٹ جائے یا وقت زیادہ گزر جائے تو نماز مکمل ہو گی اور سجدہ سہو فرض نہیں ہو گا۔ آپ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ اگر کوئی ایک تکبیر بھول جائے اس کے ذمہ سجدۂ سہو وغیرہ نہیں۔ اللہ اکبر کے بجائے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ لے، تو سجدۂ سہو کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لے ،اسی طرح اگر کوئی سری نماز میں جہری قراءت کرے یا جہری میں سری ۔ اگر یہ قلیل ہو تو اس پر کچھ نہیں اور اگر کثیر مقدار میں ہو تو پھر اسے سجود سہو کرنا پڑیں گے۔

اگر کوئی شخص دو یا دو سے زیادہ رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کی قراءت بھول جائے، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر ایک رکعت میں بھول جائے، تو امام مالکؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ صرف سجدۂ سہو کرے اور ایک یہ کہ ایک رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کرلے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :۔

"امام ابو حنیفہؒ کا قول اس قدر فاسد ہے کہ اسے درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ قرآن مجید، یا سنت صحیحہ یا سقیمہ، قیاس، قولِ صحابی یا رائے سدید کسی چیز سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی، ہمیں نہیں معلوم آپ سے پہلے کسی نے یہ کہا ہو۔

امام مالکؒ کا قول بھی قریباً قریباً اسی کے مانند بے اصل ہے اور اس بارہ میں کسی بھی دو مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے کہ ہر وہ فرض نماز جس کی چار رکعتیں ہوں، اس کی تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ بائیس تکبیریں اور ہوتی ہیں، نمازِ مغرب میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ سولہ اور تکبیریں ہیں۔ ہر دو رکعت والی فرض نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ دس تکبیریں ہیں لیکن تین یا دو تکبیروں میں بھول جانا ایک جیسا قرار دینا مگر ایک یا دو تکبیروں میں بھول جانے کے مابین تفریق کرنا عجائباتِ دنیا میں سے ہے، حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

امام شافعیؒ کے قول میں بھی واضح طور پر تضاد موجود ہے، آپ جلسہ اولی کے ترک پر سجودِ سہو کے قائل ہیں حالانکہ یہ آپ کے نزدیک فرض نہیں ہے لیکن تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیروں کے ترک پر سجدۂ سہو کے قائل نہیں ہیں، کسی ایسے عمل قلیل کے باعث بھی سجدہ سہو فرض قرار نہیں دیتے، جسے کثیر مقدار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ادا کیا جائے تو نماز فاسد ہو جائے۔ آپ نے اس قلیل عمل کی کوئی حد بھی مقرر نہیں کی، جس میں سجدۂ سہو ساقط ہے اور نہ اس کی کثیر مقدار کی حد بیان فرمائی ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اس میں سے اگر کسی کو سہواً گیا جائے، تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ یہ تفریق حد درجہ فاسد ہے۔

آپ نے "صلب نماز" کا جو ذکر کیا ہے، یہ بھی عجیب ہے کیونکہ لوگوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ نماز کی پشت، پیٹ، جگر اور انتڑیاں کون کون سی ہیں؟ اس جیسا قول بالکل فاسد ہے حتیٰ کہ اسے رد کرنا بھی تکلف ہے۔

ہمارے اصحاب کا قول یہ ہے کہ سجدۂ سہو صرف وہیں ہے جہاں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، یا حکم دیا ہے اور یہ بالکل واضح ہے کہ آپ نے صرف وہیں سجدہ کیا ہے، جہاں جہاں ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ قول بالکل صحیح ہے اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔ ہمارے پاس صحیح احادیث ہیں جو ہمارے قول کی درستگی پر دلالت کرتی ہیں، انہیں دوسری احادیث کے مُعارض قرار دینا صحیح نہیں بلکہ باطل اور ناجائز ہے کیونکہ سب احادیث پر عمل کرنا چاہیئے اور کسی کو ترک نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ان میں بھی حکم الٰہی مذکور ہے، جسے ترک کرنا حلال نہیں"۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قول کی درستگی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اعمالِ نماز کی دو قسمیں ہیں اور بغیر شک و شبہہ کے یہ یقینی امر ہے کہ تیسری کوئی قسم نہیں۔ نماز کے اعمال یا تو فرض ہیں، جن کے ترک سے معصیت لازم آتی ہے، یا فرض نہیں ہیں، جن کے ترک سے معصیت لازم نہیں آتی۔ جو اعمال فرض نہیں ہیں، ان کا کرنا یا نہ کرنا مباح ہے اگرچہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کا کرنا مندوب اور نہ کرنا مکروہ ہے۔ جس فعل کا ترک مباح ہے، اس کے ترک پر کچھ لازم نہیں آیا کرتا اور اگر کوئی لازم قرار دیتا ہے، تو وہ شریعت میں ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعمالِ نماز میں سے فرض وہ ہیں جن میں سے اگر کسی کو قصد وارادہ سے ترک کر دیا جائے۔ تو نماز باطل ہو جائے لیکن اگر سہو ہو جائے، تو نماز باطل نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ جو بات تم سے غلطی سے ہو گئی ہو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو دل کے قصد سے کرو گے اس پر مواخذہ ہوگا۔

(الاحزاب - ۵)

سہو سے نماز باطل نہیں ہوتی بلکہ اس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے لہٰذا یہ جائز نہیں کہ سہو کی بعض صورتوں میں تو سجدہ سہو کو لازم قرار دیا جائے اور بعض میں لازم قرار نہ دیا جائے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی نص ہے جیسا کہ۔

۷۵۴۔ [ہم نے از عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قاسم بن زکریا از حسین بن علی جُعفی از زائدہ از اعمش از ابراہیم از علقمہ روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی، آپ سے کچھ کمی یا بیشی ہو گئی ــــــ ابراہیم کو شک ہے کہ کمی ہوئی یا بیشی[1] ــــــ

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا نماز کے لیے کوئی نیا حکم آگیا ہے؟" آپ نے فرمایا "نہیں، تو ہم نے وہ عرض کر دیا جو نماز میں معاملہ پیش آیا تھا، آپ نے فرمایا "جب کسی آدمی سے نماز میں کوئی کمی بیشی ہو جائے، وہ دو سجدے کر لے۔ (مسلم ابوداؤد ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

۷۵۵ [ہم نے از عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شُعیب از اسماعیل بن مسعود جحدری از خالد بن حارث از شُعبہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی منصور کے سامنے قراءت کی اور آپ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا اور آپ نے یہ مجھے لکھ کر بھی عنایت فرمائی۔ از ابراہیم نخعی از علقمہ روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں بشر ہوں، جب بھول

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ میں ہے کہ ابراہیم کہتے ہیں بخدا یہ شک مجھے ہے!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاؤں، تو مجھے یاد دلا دیا کرو، جب تم میں سے کسی کو نماز میں کوئی شک پیدا ہو جائے، تو وہ زیادہ سے زیادہ کوشش کر کے جس بات کو زیادہ صحیح سمجھے، اسے بنیاد بنا کر، نماز کی تکمیل کرے اور پھر دو سجدے کر لے۔ (بخاری مسلم ابو داؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہی ارشاداتِ نبوی اس بات کی دلیل ہیں، جو ہم نے کہا ہے کہ جب بھی کسی سے نماز میں کوئی کمی بیشی ہو جائے، یا کوئی شک پڑ جائے، تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔ جو شخص حسب امرِ الٰہی نماز کے تمام فرائض کو انجام دے لے اس کی بابت یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے کسی کمی بیشی کا ارتکاب کیا ہے، یا وہ وہم میں مبتلا ہُوا ہے بلکہ اس نے تو حسبِ امر نماز کو مکمل کیا ہے۔ ایسا تو صرف اسی شخص کی بابت کہا جا سکتا ہے جس سے بھول جانے کے باعث فی الواقع کسی کمی بیشی کا ارتکاب ہو گیا ہو اور جس سے ایسا ہو گیا ہو، اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق"

سلف صالحین میں سے بھی ایک گروہ اس مسئلہ میں ہمارا ہمنوا ہے جیسا کہ ہم نے از حمّاد بن سَلَمۃ از سعید بن قَطَن روایت کیا کہ ابو زَید اَنصاریؓ نے فرمایا کہ جب نماز میں کسی کو کوئی شک پڑ جائے تو وہ سہو کے دو سجدے کر لے۔

نیز بطریق حَجّاج بن مِنْہال از ابو عَوَانہ از مُغیرہ بن مِقسَم از ابراہیم نَخَعیؒ روایت ہے کہ شک صرف قُعُود و قیام، کمی بیشی یا دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دینے کی صورت میں ہوتا ہے۔

و بطریق مَعمَر از قَتَادَہ از حضرت انسؓ روایت ہے کہ آپ فرض نماز کی ایک رکعت کو بھول گئے حتیٰ کہ نوافل پڑھنے لگ گئے، پھر آپ کو جب یاد آیا، تو آپ نے باقی فرض نماز ادا کی اور بیٹھنے کی حالت میں دو سجدے کر لیے (عبدالرزاق: ۲/ ۳۱۷)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

ہمیں نہیں معلوم کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ میں حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسؓ کی مخالفت کی ہو (یعنی اس پر سب صحابہ کرام کا اتفاق ہے۔)

ابن جریج سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عطاءؒ کی خدمت میں عرض کیا، کہ اگر مجھے یقین ہو کہ میں نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا (بھول کر) خواہ دس رکعتیں پڑھ لو، تو دو سجدہ سہو کرلو۔ (عبدالرزاق: ۲/۳۰۹)

عبدالرزاق، سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم سے نماز میں کوئی کمی یا بیشی ہو جائے، تو دو سجدۂ سہو کرلیا کرو۔

۴۶۸۔ نماز میں سہو کی مختلف صورتیں

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ عمل جس کا کوئی آدمی بھول کر نماز میں ارتکاب کرے مثلاً کسی سے کوئی گفتگو کرلے، شعر پڑھ لے، چل پھر لے یا لیٹ جائے، قبلہ سے رُخ پھیرلے یا کوئی بھی اور کام کرلے کھالے یا پی لے، ایک یا ایک سے زائد رکعتیں مزید پڑھ لے، یا فرض پڑھتے پڑھتے نوافل شروع کردے یا نماز کی تکمیل سے قبل ہی سلام پھیر دے تو جب بھی اسے یاد آئے خواہ اسے زیادہ عرصہ گزر چکا ہو یا کم، بشرطیکہ ابھی وضو نہ ٹوٹا ہو تو جتنا حصہ ترک ہوا ہے، اسے پورا کرنے کے بعد دو سجدۂ سہو کرلے، اگر وضو ٹوٹ گیا ہے، تو ساری نماز باطل ہو جائے گی اور از سرِنو پڑھنا پڑے گی جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا ہے۔ (مسئلہ ۴۶۲)

اس کی دلیل ہم اس سے پہلے مذکور مسئلہ میں، جو اس کے ساتھ متصل ہی ہے ذکر کر آئے ہیں۔ (یعنی مسئلہ ۴۶۷)

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھول کر نماز میں گفتگو کرلے اس کی نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر بھول کر سلام پھیر دے، تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ اگر بھول کر نماز میں کچھ کھا لیا یا ایک رکعت زیادہ پڑھ لی اور آخر میں تشہد کے بقدر جلسہ نہ کیا، تو اس سے نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر مغلوب ہو کر کسی نے بحالتِ نماز بول و براز کرلیا، تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر کسی نماز میں چھینک آئی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہہ دیا اور اس کی باقاعدہ زبان سے ادائیگی بھی کی تو اس سے بھی نماز باطل ہو جائے گی۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کا تبصرہ امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ کلام قطعاً ناشائستہ اور ناقابلِ اعتماد ہے کیونکہ یہ سنت کے بالکل مخالف ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں ان جیسے اقوال سے محفوظ رکھے۔

۷۵۶۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوجعفر محمد بن صبّاح و ابوبکر بن ابی شیبۃ از اسماعیل بن ابراہیم ابن عُلَیَّۃ از حجّاج صوّاف از یحییٰ بن ابی کثیر از ہلال بن ابی میمونہ از عطاء بن یسار روایت کیا کہ]

حضرت معاویہ بن حکم سُلَمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا تھا کہ حاضرین میں سے ایک شخص کو چھینک آئی، تو میں نے کہہ دیا "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ"، تو لوگوں نے مجھے کن اکھیوں سے دیکھنا شروع کر دیا، میں نے عرض کیا "لوگو! میری ماں مجھے گم پائے! کیا بات ہے تم مجھے ترچھی نگاہوں سے دیکھ رہے ہو؟" میری یہ بات سن کر انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے رانوں پر مارنے شروع کر دیے جس سے میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے خاموش کرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور میں ہوں کہ خاموش ہی نہیں ہو رہا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی۔ آپ پر میرے ماں باپ نثار ہوں میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد آپ سے بڑھ کر احسن انداز میں تعلیم دینے والا کوئی معلم نہیں دیکھا اللہ کی قسم! آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ کوئی دشنام دی بلکہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نماز میں لوگوں سے گفتگو کرنا جائز نہیں کیونکہ نماز تو تسبیح، تکبیر اور قراءتِ قرآن سے عبارت ہے۔ أو کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (مسلم ابوداؤد ونسائی کتاب الصلاۃ)

۷۵۷۔ [ہم نے بطریق حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از ابوقلابہ[1] یعنی ان پر اس حدیث کی قرات کی گئی

---

[1] ابوقلابہ کا نام عبدالملک بن محمد بن عبداللہ رقاشی، ضریر (نابینا) حافظ ہے، کنیت ابومحمد ہے لیکن ابوقلابہ زیادہ مشہور ہو گئی ۱۹۰ھ میں پیدائش اور شوال ۲۷۶ھ میں وفات ہوئی یاد رہے ابوقلابہ عبداللہ بن زید بن عمرو جرمی تابعی ان کے علاوہ اور شخصیت ہیں جو کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں فوت ہوئے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور میں سُن رہا تھا۔ از بشر بن عمر زہرانی ز رفاعہ بن یحییٰ امام مسجد بنی زُریق روایت کیا فرماتے ہیں کہ میں نے معاذ بن رفاعہ بن رافع سے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ میرے ابا جان رفاعہ بن رافع نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں نمازِ مغرب ادا کی، تو ایک آدمی کو چھینک آئی اور اس نے کہہ دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى — ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے، بہت زیادہ، طیب اور بابرکت جیسا کہ ہمارا رب پسند فرمائے اور خوش ہو!

آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ وہ اسے لکھنے اور لے کر آسمان پر چڑھنے کے لیے سبقت کا مظاہرہ کرے۔ (بخاری ابو داؤد ترمذی نسائی کتاب الصلاۃ، بیہقی ۲/۹۲)

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس شخص کو قابلِ رشک قرار دیا ہے جس نے نماز میں چھینک آنے پر اللہ تعالیٰ کی بلند آواز سے حمد و ثنا۔ بیان کی، اسی طرح جس شخص نے بھول کر نماز میں گفتگو کر لی تھی، آپ نے اسے بھی نماز دوہرانے کا حکم نہیں دیا اس مسئلہ کو ہم قبل ازیں بھی اپنی اس کتاب میں بیان کر چکے ہیں (یعنی مسئلہ ۴۶۲ میں) امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جو شخص قلیل و کثیر عمل کے مابین فرق کرے اور کثیر عمل کے باعث تو نماز کو باطل قرار دے لیکن قلیل کے باعث نماز کو باطل قرار نہ دے، یا کثیر عمل میں تو سجدۂ سہو کو واجب قرار دے مگر قلیل عمل میں واجب قرار نہ دے یا کثیر عمل کے لیے حد یہ قرار دی جائے کہ نمازی مسجد سے باہر نکل جائے اور قلیل کے لیے یہ کہ وہ مسجد سے باہر نہ نکلے، یہ سب اقوال حد درجہ فاسد ہیں۔

ہم ان سے پوچھیں گے کہ جس شخص نے حالتِ نماز میں قصد وارادہ سے ایک دفعہ ترت کو پھینکا تاکہ بُن جائے یا قصد وارادہ سے تل کا ایک دانہ پکڑ کر کھا لیا یا جان بوجھ کر ایک بات زبان سے کہہ دی، تو اس پر یقیناً یہ کہیں گے کہ یہ اعمال ایسے ہیں کہ ان کی کثیر و قلیل مقدار سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ہم ان حضرات سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جس شخص کو خارش ہو اور وہ نماز میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اول سے لے کر آخر تک کھولی کرتا رہے یا اس نے ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا ہو جسے وہ اول سے لے کر آخر تک نماز میں سمیٹ کر رکھنے کے لیے مجبور ہو تو کیا جائز ہو گا یا نہیں؟ اس کے جواب میں یقیناً یہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ جائز ہے۔

تو ہم عرض کریں گے کہ علم کے بغیر دعویٰ نہ کرو بلکہ نص یا اجماع پیش کرو کہ ان اعمال کو کثیر مقدار میں کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، قلیل مقدار میں کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ پھر ہمارا مطالبہ یہ بھی ہے کہ قلیل و کثیر کی حد بندی کے لیے نص اور یقینی اجماع پیش کرو محض جھوٹا دعویٰ پیش نہ کرو۔ اور ان کے لیے یہ پیش کرنا دشوار ہے۔

پس ہماری بات یقیناً درست ہے کہ ہر وہ عمل جسے نماز میں کرنا از روئے نص مباح ہے اس کی قلیل و کثیر مقدار مُباح ہے اور ہر وہ عمل جو نماز میں مباح نہیں ہے، اس کی کثیر یا قلیل کوئی مقدار بھی مباح نہیں ہے جب اسے قصد وارادہ سے کیا جائے، اگر سہو سے ارتکاب ہو جائے، تو اس سے سجدۂ سہو واجب ہو گا۔

مسجد سے نکلنا یا نہ نکلنا بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ بعض مساجد کا طول تین سو قدم سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے اور بعض سے صرف ایک قدم پیچھے ہٹانے سے آدمی باہر نکل سکتا ہے وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر سلام پھیر دیا، گفتگو فرمائی، مسجد سے باہر نکل کر گھر تشریف لے گئے پھر آپ کو جب معلوم ہوا، تو گھر سے مسجد میں واپس تشریف لائے اور باقی نماز کو پُورا کرنے کے بعد صرف دو سجدۂ سہو کیے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "جو شخص میری سنت سے اعراض کرے، وہ مجھ سے نہیں ہے (بخاری و مسلم) اور اس حدیث سے ان حضرات کا قول بھی باطل قرار پاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نماز میں ہر سہو کے عوض دو سجدے کیے جائیں۔

اسی طرح جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر سجدِ سہو کے ترک پر مدت دراز ہو گئی ہو تو نماز باطل ہو جائے گی اور اس کا اعادہ لازم ہو گا یا مدتِ دراز گزرنے کے بعد سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نماز درست ہوگی، یہ دونوں قول بھی حد درجہ فاسد ہیں اور اس کی دو وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ یہ دونوں قول بلا دلیل ہیں اور جو قول بلا دلیل ہو، وہ باطل ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان پر فرض ہے کہ تھوڑی اور زیادہ مدت کے مابین فرق کے لیے کوئی صحیح نص اور یقینی اجماع پیش کریں محض جھوٹ کے ساتھ دعویٰ پیش نہ کریں کیونکہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حق بات یہ ہے کہ جسے آنحضرت ﷺ سجدۂ سہو کا حکم دیں، اس پر اس کی ادائیگی فرض ہے اور یہ فرض کسی صاحب رائے کی رائے سے ساقط نہیں ہوسکتا اور وقت کی بھی صرف وہی حد بندی اسے ساقط کرسکتی ہے، جسے آنحضرت ﷺ نے مقرر فرمایا ہو۔

تعجب ہے کہ یہ لوگ اس بات کے تو قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کے آغاز و اختتام کے لیے وقت مقرر فرمایا ہے اور روزہ کے لیے بھی ابتدا و اختتام کا وقت مقرر کیا ہے اور ان دونوں کا عمل ساقط نہیں ہوسکتا خواہ وہ وقت باطل ہوجائے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا ہوا ہے، پھر سجدۂ سہو، جسے آنحضرت ﷺ نے نماز میں پیدا شدہ شک کی اصلاح کے لیے مقرر کیا ہے اور اسے مطلقاً بغیر کسی حد بندی کے رکھا ہے، اسے انہوں اپنی طرف سے وقت کی حد بندی کرکے باطل قرار دے دیا ہے۔

امام اوزاعی کا قول بھی ہمارے قول کی مانند ہے اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے بھی پہلا قول یہی ہے۔

۴۶۹۔ جب امام سے سہو ہو

جب امام سے کوئی سہو ہوجائے اور وہ سجدۂ سہو کرے تو مقتدیوں پر فرض ہے کہ وہ بھی امام کے ساتھ سجدہ کریں ہاں جس مقتدی کی ایک یا ایک سے زیادہ رکعت فوت ہوگئی ہو وہ اس کی قضا کے لیے کھڑا ہوجائے اور جب اپنی نماز کو مکمل کرلے، تو پھر سجدۂ سہو کرلے، اگر امام نے سلام سے قبل سجدہ سہو کیا ہو تو پھر مقتدیوں پر بھی فرض ہے کہ وہ امام کے ساتھ ہی سجدۂ سہو کریں اور اگر کسی پر فوت شدہ رکعت کی قضا باقی ہو تو وہ اس کی قضا پوری کرکے سلام پھیرتے ہوئے دوبارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سجدۂ سہو نہ کرے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جب سہو ہوا تو آپ نے سجدۂ سہو کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی کیا، آپ کو اس کا علم بھی تھا۔

جس شخص کی ایک یا ایک سے زیادہ رکعت چھوٹی ہو تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے ساتھ امام کی اقتدا سے خارج ہو جائے گا۔ اور اس پر اس چھوٹی ہوئی رکعت کی ادائیگی لازم ہوگی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز کا جتنا حصہ تم پا لو، اسے پڑھ لو اور جتنا فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو (بخاری، ترمذی نسائی ابن ماجہ موطا، دارمی وغیرہ)

لہٰذا اسے نماز کی تکمیل سے پہلے کسی اور شے میں مشغول ہونا جائز نہیں لہٰذا تکمیل کے بعد آخر میں سجدۂ سہو کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے بارے میں آپ کا حکم یہی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔

اگر امام سلام سے قبل سجدۂ سہو کرے، تو آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہٰذا جب سجدہ کرے، تو تم بھی سجدہ کرو" (ابن ماجہ وغیرہ) لہٰذا مقتدی پر فرض ہے کہ وہ امام کی ہر جگہ اقتدا کرے، خواہ مقتدی کے لیے نماز کی وہ ترتیب نہ ہو یعنی قیام قعود اور سجود ہر ہر فعل میں مقتدی کے لیے امام کی اقتدا واجب ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۷۰: جب مقتدی سے سہو ہو

جب مقتدی سے کوئی سہو ہو مگر امام سے نہ ہوا ہو، تو مقتدی پر فرض ہے کہ وہ سجدہ سہو کرلے جیسا کہ اگر وہ تنہا ہوتا یا امام ہوتا تو اسے سجدۂ سہو کرنا پڑتا تھا، ایسے ہی اسے اب بھی کرنا پڑے گا، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی دلیل جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی ذکر کی ہے کہ جس شخص سے نماز میں کوئی بھول چوک ہو جائے، اسے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ دو سجدۂ سہو کرے، اس کے لیے آپؐ نے امام یا مقتدی کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی، لہٰذا تخصیص جائز نہیں ہوگی۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ امام مقتدی کے سہو کو اٹھا لیتا ہے، اس کی بات باطل اور بے دلیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس نے محض اپنی رائے سے آنحضرت ﷺ کے مذکورہ حکم کی مخالفت کی ہے حالانکہ اس مسئلہ میں ہمارا اور ان کا بالکل اختلاف نہیں کہ جو شخص ایک رکعت یا ایک سجدہ کو ساقط کر دے یا بے وضو ہو جائے خواہ یہ سہواً ہو یا عمداً، امام اسے نہیں اٹھاتا لہٰذا اس کی کیا دلیل ہے کہ نماز فرض میں اگر کوئی فرض سہو کا شکار ہو جائے تو اسے امام اٹھا لیتا ہے یعنی امام کی اقتدا میں مقتدی پر سہو سے دو سجدۂ سہو فرض نہیں اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو یہ عجیب بات ہو گی۔

ابن سیرینؒ وغیرہ کا اس مسئلہ میں یہی قول ہے، ابو سُلیمان کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے نزدیک بھی صحیح قول یہی ہے۔

۱۷۴۔ بے وضو سجدۂ سہو

جو شخص حالتِ غیر طہارت میں سجدۂ سہو کرے، وہ ہو تو جائیں گے البتہ ہم اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

۷۵۸۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ مروانی از احمد بن شعیب از محمد بن بشار از محمد بن جعفر غندر و عبدالرحمن بن مہدی از شعبہ از یعلے بن عطاء از علی بن عبداللہ ازدی بارقی روایت کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے تھے کہ رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے[1]۔

---

[1] نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۴۴، امام نسائیؒ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث خطا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر انہوں نے لیے بہت سی صحیح سندوں کے ساتھ ابن عمرؓ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو" محدثین کی ایک جماعت نے اس طرح "دن" کے لفظ کے حذف کے ساتھ اسے روایت کیا ہے، حفاظ کی ایک جماعت نے "دن" کے لفظ کی زیادتی کو ضعیف قرار دیا ہے ان میں سے ابن معین اور ترمذی بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ امام حاکم کا قول اس سلسلہ میں مختلف ہے۔ ابن حجرؒ نے تلخیص صفحہ ۱۱۹ میں آپ سے یہ نقل کیا ہے کہ "علوم الحدیث" میں آپ نے فرمایا ہے کہ یہ واقعی خطا ہے، جیسا کہ امام نسائی کا قول ہے "مستدرک" میں آپ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اس کی تصحیح ابن خزیمہ، ابن حبان اور خطابی سے بھی نقل کی گئی ہے کیونکہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے، جو کہ مقبول ہے، جنہوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ علی بن عبداللہ بارقی متفرد ہے اور اس کا تفرد ضعف کا باعث نہیں ہے کیونکہ وہ ثقہ ہے۔ بیہقی نے جلد ۲ صفحہ ۴۸۷ میں اسے بطریق علی بن عبداللہ بارقی روایت کیا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ امام بخاری سے اس کی تصحیح روایت کی ہے، پھر ابن عمرؓ سے اسی طرح اسے موقوف روایت کیا ہے اور مرفوع روایت کے لیے یہ ایک قوی شاہد ہے۔ اس حدیث کے طرق و اسانید پر تفصیلی کلام کے لیے "تلخیص" اور بیہقی ملاحظہ فرمائیے!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"صلوٰۃ غیر مثنیٰ صرف وہی ہو سکتی ہے جس کا نام آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ غیر مثنیٰ رکھا ہو جیسے کہ چار چار رکعات والے فرائض یا وتر یا ظہر سے پہلے اور جمعہ کے بعد کی چار رکعتیں جن کے درمیان سلام نہیں ہوتا اور نمازِ جنازہ اس کے علاوہ جو ہے، وہ نماز نہیں، آنحضرت ﷺ نے سجدۂ سہو کا نام نماز نہیں رکھا" اور لازمی طور پر وضو صرف نماز کے لیے واجب ہے جیساکہ

۷۵۹۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن عمرو بن عبّاد بن جبلہ از ابو عاصم از ابن جریج بیان کیا کہ] سعید بن حویرث نے روایت کیا کہ انہوں نے ابن عباسؓ سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے بیت الخلاء کی حاجت کو پورا کیا، اس کے بعد آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو آپؐ نے پانی استعمال کئے بغیر کھانا کھالیا۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے سعید بن حویرث سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ زائد الفاظ بھی بیان کیے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپؐ نے وضو نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا میرا کوئی نماز پڑھنے کا ارادہ تو نہ تھا کہ میں وضو کرتا۔ عمرو نے کہا کہ میں نے سعید بن حویرث سے اس روایت کو سنا ہے۔

یہ روایت ہمیں از سفیان بن عیینہ و حماد بن زید، از عمرو بن دینار، از سعید بن حویرث بھی پہنچی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان اسی طرح روایت کیا ہے۔ (مسلم و شمائل ترمذی)

۷۲ا۔ سجدۂ سہو کا افضل طریقہ

افضل یہ ہے کہ سجدۂ سہو میں ہر ایک سجدہ کے لیے تکبیر کہی جائے، پھر تشہد کیا جائے اور پھر سلام پھیرا جائے، اگر کوئی صرف دو سجدوں ہی پر اکتفاء کرلے، تو یہ بھی جائز ہوگا۔ صرف دو سجدوں پہ اکتفاء تو اس لیے جائز ہے کہ ہم ابھی ابھی پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی نماز میں کوئی شک پڑ جائے یا اس سے کوئی کمی بیشی ہو جائے وہ دو سجدے کر لے ان کے علاوہ آپ نے اور کوئی حکم نہیں دیا اور ہم نے جو تکبیر، تشہد اور سلام کو افضل قرار دیا ہے تو اس کی دلیل حسب ذیل ہے۔

۷۶۰۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از محمد بن عُبَید بن حساب از حماد بن زید از ایوب سختیانی از محمد بن سیرین روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں دوپہر کی دو نمازوں ظہر یا عصر میں سے ایک پڑھائی اور دو رکعت پڑھانے کے بعد سلام پھیر دیا پھر آپ مسجد کے سامنے ایک ستون کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس پر آپ نے دونوں ہاتھ رکھ دیئے، اس طرح کہ ایک دوسرے کے اُوپر تھا، آپ کے چہرۂ اقدس سے غصّے کے آثار نمودار تھے، جلد باز لوگ جلدی جلدی مسجد سے نکل گئے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ نماز کم ہو گئی، نماز کم ہو گئی، حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی اگرچہ اس وقت موجود تھے لیکن یہ دونوں حضرات بھی آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا، جسے آنحضرت ﷺ ذوالیدین کے نام سے موسوم فرمایا کرتے تھے، انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم کر دی گئی ہے"؟ آپؐ نے فرمایا "میں نہ بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم کی گئی ہے"۔ اس نے پھر عرض کیا "یارسول اللہ! آپ بھول گئے ہیں"؟ آپؐ نے لوگوں کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "کیا ذوالیدین سچ کہہ رہے ہیں"؟ لوگوں نے اثبات میں سر ہلایا، تو آپ اپنی جگہ دوبارہ تشریف لے آئے اور دو رکعتیں پڑھائیں، پھر آپ نے سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدوں کی مانند بلکہ ان سے بھی لمبا ایک سجدہ کیا پھر تکبیر کہتے ہوئے سر مبارک اٹھایا پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدوں کی مانند بلکہ ان سے بھی لمبا ایک اور سجدہ کیا اور پھر سر مبارک اٹھاتے ہوئے تکبیر کہی۔

محمد بن سیرین سے۔ پوچھا گیا کیا آپ نے سجدہ سہو میں سلام بھی پھیرا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابوہریرہؓ کے حوالہ سے تو مجھے یہ یاد نہیں البتہ عمران بن حُصَین کے بارے میں مجھے یہ خبر ملی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پھر آپ نے سلام بھی پھیرا تھا۔ (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

۷۶۱۔ [بسند سابقہ محمد بن یحییٰ بن فارس از محمد بن عبداللہ بن مثنیٰ از اشعث بن عبدالملک[1] از محمد بن سیرین از خالد حذاء از ابوقلابہ از ابوالمہلب] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سہو ہو گیا تو آپ نے دو سجدے کیے، پھر تشہد کیا اور پھر سلام پھیر دیا۔ (ابوداؤد ترمذی نسائی کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"یہ آنحضرت ﷺ کے اعمال ہیں، اوامر نہیں، ان میں آپ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھا جائے تو بہت بہتر ہے۔"[2]

ابن جریج، عطا سے روایت کرتے ہیں کہ سجدۂ سہو میں قراءت، رکوع اور تشہد نہیں ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۱۵) حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ، از قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سجدۂ سہو میں تشہد کے لیے نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱ میں معمولی اختلاف کے ساتھ۔)

حضرت حسن رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان میں سلام بھی نہیں ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۱۵)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

سجود سہو میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" ضرور پڑھنا چاہیے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا اس کلمۂ تسبیح کی بابت ارشاد ہے کہ "اسے اپنے سجدوں میں پڑھا کرو۔" (مسند احمد)

---

[1] المحلی کے نسخہ ۱۶ میں اشعث بن عبداللہ ہے اور احتمال ہے کہ شاید یہی نام ہو کیونکہ اشعث بن عبدالملک اور اشعث بن عبداللہ دونوں نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے اور دونوں سے محمد بن عبداللہ بن مثنیٰ انصاری نے روایت کیا ہے لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ یہ راوی اشعث بن عبدالملک ہی ہے کیونکہ اسے بیہقی نے جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ میں بطریق ابن مثنیٰ از اشعث بن عبدالملک حمرانی روایت کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ اشعث حمرانی متفرد ہے۔

[2] بہت بہتر ہی نہیں بلکہ بحکم ربانی (مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ) (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) وغیرہ آیات کی روشنی میں امت پر اسوہ حسنہ کی پیروی فرض ہے۔ (ابوالاشبال شاغف)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو داؤد، ابن ماجہ عقبہ بن عامر سے) اور یہ حکم عام سب سجدوں کے لیے ہے۔

۳۴۷۔ سجودِ سہو اور سلام دو صورتوں کے علاوہ باقی ہر صورت میں سجودِ سہو بعد از سلام کرنا چاہئیں، یہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں اختیار ہے، چاہے بعد از سلام کر لیے جائیں یا قبل از سلام۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بھول کر آدمی جلسہ وتشہد کیے بغیر کھڑا ہو جائے، امام ومنفرد سب کے لیے حکم ایک ہی ہے جب بھول کر نمازی کھڑا ہو جائے، تو پھر اسے تشہد کے لیے بیٹھنا جائز نہیں اگر کوئی یہ جانتے بوجھتے ہوئے بیٹھے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر بھول کر بیٹھ گیا، تو نماز باطل نہ ہو گی کیونکہ یہ سہو ہے، اس سے صرف سجودِ سہو واجب ہوں گے البتہ نماز کو جاری رکھے اور جب آخری تشہد پورا کرے تو اسے اختیار ہے، چاہے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے اور اگر چاہے تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہر وہ نماز جس کی دو رکعتیں ہوں، اس کی بابت اسے معلوم ہی نہ ہو کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعتیں، ہر تین رکعت والی نماز کے بارے میں اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے، دو یا تین اور ہر چار رکعت والی نماز کے بارے میں اسے یاد نہ رہا ہو کہ اس نے چار رکعتیں پڑھی ہیں یا اس سے کم؟

اس صورت میں اقل پہ بنیاد رکھے اور اس وقت تک نماز پڑھتا رہے، جب تک یقین نہ ہو جائے کہ اس نے نماز پوری کر لی ہے، نماز کے آخر میں تشہد میں اختیار ہے، چاہے سلام سے قبل سجدۂ سہو کر لے اور پھر سلام پھیرے اور اگر چاہے تو سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے۔

اگر دورانِ نماز ہی یقین ہو جائے کہ اس کی نماز تو مکمل ہو چکی ہے، تو فوراً بیٹھ جائے، تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے پھر سجدۂ سہو کر لے اور اگر سلام پھیرنے اور سجدۂ سہو کرنے کے بعد یاد آئے کہ یقینی طور پر اس نے نماز زیادہ پڑھی ہے، تو نماز مکمل ہو گی اور اس کے ذمہ کچھ نہ ہو گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نوافل میں سجدۂ سہو فرض کی طرح نفل میں بھی بھول چوک پر سجدۂ سہو واجب ہے اس سلسلہ میں فرض اور نفل کے اعتبار سے مذکورہ مسائل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں سب سجود سہو بعد از سلام ہونے چاہئیں، امام شافعیؒ کے نزدیک سب قبل از سلام ہیں جبکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر بیشی ہو تو بعد از سلام اور اگر کمی ہو تو قبل از سلام!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے بعض آثار کو تو لے لیا ہے اور بعض کو ترک کر دیا ہے اور یہ جائز نہیں، امام شافعیؒ کا طرز عمل بھی اسی طرح ہے، آپ نے ایک نظری دلیل یہ بھی دی ہے کہ اگر کسی چیز کے جبر کو پورا کیا جائے، تو وہ اسی سے ہوتا ہے، اس سے الگ نہیں لیکن یاد رہے کہ نظری دلیل کو آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے معارضہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ قربانی اور روزہ حج کے سلسلہ میں ہونے والی کمی کے لیے جبر ہیں حالانکہ ان کی ادائیگی حج سے فراغت کے بعد کی جاتی ہے۔ رمضان المبارک میں دن کے وقت اگر کوئی قصد و ارادہ سے مباشرت کرے، تو گردن کی آزادی، صدقہ یا دو ماہ کے روزے، اس کمی کے لیے جبر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں سے بعض کی ادائیگی رمضان کی تکمیل کے بعد ہوتی ہے، ان سب کی ادائیگی بعد از رمضان بھی جائز ہے۔ یہ ان بعض آراء کی حقیقت ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشادات کی تائید کے بغیر دین میں داخل کر لیا گیا ہے۔

امام مالکؒ کا قول بھی محض فاسد رائے ہے، جس کی صحت کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے مخالف ہے جس میں آپ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ حکم دیا ہے کہ جب شک ہو کہ معلوم نہیں کتنی نماز پڑھی ہے، تو سلام سے پہلے سجدہ سہوہ کرنا چاہیئے اور یہ سہو زیادتی والا ہے پس یہ سب اقوال باطل قرار پائے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہمارے قول کے صحیح ہونے کی دلیل وہ حدیث صحیح ہے جسے

۷۶۲۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از حسن بن اسمٰعیل بن سلیمان از فضیل بن عیاض از منصور بن معتمر از ابراہیم نخعی از علقمہ روایت کیا کہ] حضرت ابن مسعودؓ نے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں بھول جائے، وہ کوشش کرے کہ یقینی امر کو معلوم کرے اور پھر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے۔ (بخاری مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ۔)

۷۶۳۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از عثمان بن ابی شیبہ از جریر از منصور از ابراہیم، از علقمہ روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں شک میں مبتلا ہو تو وہ کوشش کرکے یقینی امر کو معلوم کرکے اپنی نماز کو مکمل کرلے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرے (حوالہ اوپر والی حدیث میں مذکور ہے)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کو بہت ہی زیادہ اور عمدہ طریق سے روایت کیا ہے، اگر اس حدیث کے علاوہ اور کوئی دلیل وارد نہ بھی ہو تو پھر بھی سجود سہو بعد از سلام ہی جائز ہوں گے

۷۶۴ [ہم نے بطریق یونس بن عبداللہ بن مغیث از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از قتیبہ بن سعید از مالک بن انس از ابن شہاب، از اعرج روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن بحینہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد آپ بیٹھے بغیر ہی کھڑے ہو گئے، تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، جب آپ نے نماز کو مکمل کر لیا تو ہم نے آپ کے سلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا خیال رکھا، آپ نے تشہد مکمل کرنے کے بعد قبل از سلام دو سجدے کیے (صحاح ستہ کتاب الصلاۃ) آنحضرت ﷺ جب ایک بار کھڑے ہو گئے، تو پھر دوبارہ بیٹھے نہیں اور ہمیں آپ کا حکم یہ ہے کہ اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو (بخاری کتاب الصلاۃ)

۷۶۵ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از عُبیداللہ بن عمر جُشَمی از یزید بن ہارون از مسعودی یعنی ابوالعُمَیس عُتبہ بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعودؓ[1] از زیاد بن عِلاقہ روایت کیا کہ حضرت مُغیرہ بن شُعبہؓ نے نماز پڑھائی تو دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے، ہم نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا لیکن آپ بدستور نماز پڑھتے رہے، جب آپ نے نماز مکمل کر لی تو دو سجدہ سہو کر لیے اور فارغ ہونے کے بعد فرمانے لگے کہ آنحضرت ﷺ کو میں نے اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے[2]۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور دونوں کے مطابق عمل سنت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے بعض مقلدین نے کہا ہے کہ ابن بُحَینہؓ نے شاید آنحضرت ﷺ کے سلام کو نہ سُنا ہو لیکن امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ محض جھوٹے دعوے کے ساتھ معلول اور ظن کاذب کے ساتھ سنن کو ساقط قرار دینا ہے ایسی کوئی بات تو ثقہ راویوں کی کسی روایت کی بابت نہیں کہی جا سکتی چہ جائیکہ صحابی کی بابت کہی جائے کہ اسے وہم ہو گیا ہے ایسی بات صرف اسی وقت جائز ہے جب یقین ہو کہ واقعی وہم ہوا ہے۔ ظن کی بنیاد پر کہنا قطعاً جائز نہیں"، کیونکہ آنحضرت ﷺ

---

[1] المحلیٰ کے دونوں اصل نسخوں میں یہ نام اسی طرح ہے لیکن امام ابن حزمؒ کو یہاں بہت زیادہ غلطی لگ گئی ہے اور وہ یہ کہ اس سند میں جو مسعودی ہیں وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود ہیں اور ابوالعُمَیس مسعودی کے بھائی ہیں اور وہ عُتبہ بن عبداللہ بن عُتبہ بن عبداللہ بن مسعود ہیں۔ ابوالعُمَیس نے اس حدیث کو زیاد بن عِلاقہ سے روایت نہیں کیا بلکہ کسی اور سے روایت کیا ہے ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسے ابوعُمَیس نے ثابت بن عُبَید سے روایت کیا ہے اور وہ حدیث زیاد بن عِلاقہ ہی کی مانند ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ابوعُمَیس، مسعودی کے بھائی ہیں (جلد ۱ ص ۳۹۹-۴۰۰)

[2] ترمذی نے جلد ۱ صفحہ ۴۸ میں اسے از دارمی، از یزید بن ہارون روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور مسعودی متکلم فیہ ہے حق بات یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے، ان کے بھائی اور کئی دیگر راویوں نے اس روایت کے سلسلہ میں ان کی متابعت کی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے اس روایت کو کئی طرق سے روایت کیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا ارشاد ہے بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے" (بخاری مسلم ترمذی احمد موطا)

یہ بھی باطل ہے کہ آنحضرت ﷺ تو سلام پھیریں مگر صحابہ کرامؓ سلام نہ پھیریں یا صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کی طرح سلام پھیر دیں مگر ابن بحینہ اسے نہ سنیں، اس طرح کا دعویٰ تو صرف وہی کر سکتا ہے جس میں حیا کم ہو، دین میں کمزور ہو اور جھوٹ کو وہ آسان سمجھتا ہو۔

۷۶۶۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن احمد بن ابی خلف از موسیٰ بن داؤد از سلیمان بن بلال از زید بن اسلم از عطا بن یسار روایت کیا کہ] حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے تین رکعت یا چار؟ تو وہ شک کو ختم کر کے یقین پر بنیاد رکھ لے اور پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے۔ (مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

۷۶۷۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از محمد بن علاء ابوکریب از ابوخالد احمر از محمد بن عجلان از زید بن اسلم از عطا بن یسار روایت کیا کہ] حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پیدا ہو جائے، تو وہ شک کو ختم کر کے یقین پر بنیاد رکھے اور جب اسے یقین ہو جائے کہ نماز تمام ہوگئی ہے، تو دو سجدے کر لے، اگر نماز مکمل تھی تو یہ رکعت اور دو سجدے نفل متصور ہوں گے اور اگر نماز ناقص تھی، تو اس رکعت سے تمام ہو جائے گی۔ اور دو سجدے شیطان کے لیے باعث تذلیل ہوں گے (حوالہ اوپر والی حدیث میں مذکور ہے)

یہ روایت بطریق مالک مرسل بھی مروی ہے[1] اور یہ ہمارے قول کی دلیل ہے اور حدیث ابن مسعودؓ میں جس تحرّی کا ذکر ہے اس میں اس کی وضاحت ہے۔ اس سے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول بھی باطل معلوم ہوتا ہے کہ اگر پہلی مرتبہ ایسا ہو تو نماز کو دوہرا لے اور اس کے بعد ظن غالب کو تلاش کرے۔ یہ تقسیم

[1] ابوداؤد نے اسے از قعنبی، از مالک از زید بن اسلم، از عطا بن یسار مرسل روایت کیا ہے اور اسے مسلم، نسائی اور دارقطنی وغیرہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ متصل بھی روایت کیا ہے ملاحظہ فرمائیے شرح ابی داؤد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بالکل فاسد ہے کیونکہ بلا دلیل ہے۔

۷۶۸ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابو داؤد از حفص بن عمر حوضیؒ و مسلم بن ابراہیم از شعبہ از حکم بن عُتَیبَہ از ابراہیم از علقمہ روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں، تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کیا نماز میں اضافہ کر دیا ہے ؟" آپ نے فرمایا وہ کیوں ؟ عرض کیا گیا آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں، تو آپؐ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کر لیے۔ (صحاح ستہ کتاب الصلاۃ۔)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بھول کر پانچ رکعات پڑھ لے تو اس کی نماز باطل ہوگی الّا یہ کہ چوتھی رکعت میں وہ بقدرِ تشہد بیٹھا ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :۔

"یہ تقسیم سنت کے مخالف، قیاس سے خارج اور رائے سدید سے بعید ہے" ہم نے بطریق یحیٰی بن سعید قطانؒ از سفیان ثوری، از پدر او از حارث بن شُبَیل از عبداللہ بن شدّاد روایت کیا ہے کہ ابن عمرؓ دو رکعتوں کے بعد تشہد میں نہ بیٹھے اور نماز پڑھتے رہے، جب آپ نے نماز کے آخر میں سلام پھیرا دو سجدے کیے اور دو مرتبہ تشہد میں بیٹھے۔

۷۶۹۔ [ہم نے بطریق یوسف بن عبداللہ نمری از عبدالوارث بن سفیان از قاسم بن اَصبغ از احمد بن زُہیر بن حرب از پدر خود ابو مُعاویہ ضریر از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم روایت کیا کہ] حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آپ دو رکعتوں کے بعد (تشہد کے بغیر) اٹھ کھڑے ہوئے، مقتدیوں نے "سبحان اللہ" کہا مگر آپ کھڑے ہی رہے پھر جب نماز سے فارغ ہونے لگے تو دو سجدہ سہو کر لیے پھر فرمانے لگے تمہارا خیال تھا کہ میں بیٹھ جاتا حالانکہ میں نے اسی طرح کیا ہے، جس طرح کرتے آنحضرت ﷺ کو دیکھا[1]

[1] حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۲۲، ۳۲۳ بطریق یحیٰی بن یحیٰی، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ بطریق احمد بن عبدالجبار، دونوں از ابی معاویہ، حاکم نے اسے صحیح قرار دیتے ہوئے شیخین کی شرط پر بتایا ہے، ذہبیؒ نے بھی آپ کی موافقت کی ہے اور ان دونوں ائمہ کی بات درست ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفیان ثوری نے عبداللہ بن دینار سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں شک میں مبتلا ہو تو توجہ کرے حتیٰ کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے نماز کو مکمل کر لیا ہے، پھر بیٹھے ہوئے دو سجدے کرے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۰۶)

ابن عمرؓ نے تحرّی کی تفسیر اسی طرح بیان فرمائی ہے، جس طرح ہم نے بیان کیا۔

اگر کوئی شخص بطورِ دلیل یہ روایت پیش کرے جسے ہم نے بطریق عبدالرزاق، از معمر و سفیان بن عیینہ، از ایوب سختیانی، از ابن سیرین روایت کیا کہ حضرت عمران بن حُصَینؓ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں کہ سلام سہو کے دونوں سجدوں کے بعد ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۰۱)

تو ہم کہیں گے کہ ابن سیرین کا حضرت عمران بن حُصَینؓ سے سماع ثابت نہیں ہے[1] پس یہ روایت منقطع ہوئی پھر اگر مسند ثابت ہو بھی جائے تو آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے معارض ہے، جس میں بعد از سلام، سجدۂ سہو کا امر ہے بلکہ اسے بھی اس کے ساتھ ہی ملا دیا جائے گا اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سجدوں کے بعد، سجدوں کا سلام ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ نماز نفل میں بھی سجدۂ سہو واجب ہے (عبدالرزاق ۲/۳۲۵)

کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی عام ہے کہ جسے نماز میں کوئی وہم ہو جائے، وہ دو سجدے کرے، اس حکم عام میں نفل نماز بھی داخل ہے اور اسے محض ظن کی بنیاد پر اس سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وباللہ تعالیٰ التائید!

۴۷۴۔ غیراللہ کے لیے سجدہ پر مجبور کیا جانا

جس شخص کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ کسی بُت، صلیب یا کسی انسان کو سجدہ کرے

[1] امام احمد بن حنبلؒ نے وضاحت فرمائی ہے کہ ابن سیرینؒ کا عمرانؓ سے سماع ثابت ہے جیسا کہ حافظؒ نے "تہذیب" میں بھی نقل فرمایا ہے۔ مجھے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس کا اختصار ہے، جسے ابن سیرین نے سجودِ سہو کے سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصینؓ نے کہا ہے "پھر آپ نے سلام پھیر دیا" پھر ابن سیرین نے اسے روایت کرتے ہوئے اپنے سماع کی وضاحت کی اور اسے از خالد حذاء، از ابوقلابہ، از ابوالمہلب از عمرانؓ روایت کیا ہے۔ یہ بات پہلے بھی مسئلہ ۴۷۲ میں گزر چکی ہے البتہ مجھے یہ الفاظ نہیں ملے جو یہاں ہیں۔ (یہ الفاظ مصنف عبدالرزاق جلد ۲/۳۰۱ حدیث ۳۴۵۲ کے ہیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ورنہ اسے مارا پیٹا جائے گا، یا اذیت دی جائے گی یا اُسے یا اس کے سبب کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا، تو وہ اس بُت، صلیب یا انسان کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کر رہا ہے یا غیر قبلہ کی طرف! بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر قبلہ رُخ سجدہ کا حکم دیا گیا ہو تو کرے وگرنہ نہ کرے۔ لیکن یہ تقسیم فاسد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے قصد وارادہ کے ساتھ ہر جہت سجدہ کیا جاسکتا ہے اور اس کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ-۱۱۵) جدھر تم رُخ کرو، ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔

قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم صرف نماز کے لیے مخصوص ہے، صرف اکیلا سجدہ چونکہ نماز نہیں ہے لہٰذا وہ بلا طہارت، قبلہ رُخ کے علاوہ دوسری طرف حتیٰ کہ حائضہ کے لیے بھی جائز ہے کیونکہ اس سے ممانعت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل-۱۰۶) مگر وہ جو کفر پر زبردستی مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

۴۷۵- عذر کی صورت میں نماز

جو شخص کھڑا ہو کر نماز یا فرائض نماز میں سے کسی کی ادائیگی سے عاجز ہو تو وہ بیٹھ کر ادا کرے اور اگر بیٹھ کر بھی ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو لیٹ کر اشاروں سے ادا کرے۔ جس چیز کی ادائیگی کی قدرت نہ ہو، وہ ساقط ہو جائے گی اور نماز اس کے بغیر ہی درست ہو گی، اس پر سجدۂ سہو کی ضرورت بھی نہیں۔

لیٹنے کی صورت میں جس طرح ممکن ہو لیٹ لے، یا پہلو کے بل اور چہرہ قبلہ کی طرف ہو یا پُشت پر اس اعتبار سے کہ اگر سیدھا کھڑا ہو تو چہرہ قبلہ کی جانب ہو جائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو پھر جس طرح قدرت ہو نماز پڑھ لے خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو اور اس طرح جس کی آنکھوں کا آپریشن ہوا ہو، وہ بھی جیسے مقدور میں ہو نماز پڑھ لے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ-۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا

نیز فرمایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اللہ نے حرام چیزیں تم کو مفصل بتا دی ہیں مگر مجبوری کی
إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ - (الانعام - ۱۱۹) حالت میں معاف بھی ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا کہ میں جب تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ (مسلم وغیرہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی زبانی ہمیں علاج معالجہ کا حکم دیا ہے۔

۷۷۰- [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد، از حفص بن عمر نوحی از شعبہ از زیاد بن علاقہ روایت کیا کہ] حضرت اسامہ بن شریکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو صحابہ کرامؓ اس قدر کامل سکوت کے ساتھ تشریف فرما تھے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں، میں سلام کرکے بیٹھ گیا، اتنے میں کچھ اعرابی آئے اور انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! کیا علاج معالجہ کی اجازت ہے؟" آپ نے فرمایا تم علاج معالجہ کر سکتے ہو کیونکہ اللہ کریم نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر اسکی دوائی بھی پیدا فرمائی ہے۔ سوائے بڑھاپے کی۔ (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ کتاب الطب واحمد ۴/۲۷۸، والحاکم ۴/۱۹۸ و ۱۹۹)

اگر یہ حضرات اعتراض کریں کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو اس سے منع فرمایا تھا (المستدرک ۳/۵۴۶) تو ہم عرض کریں گے کہ کتنے ہی واقعات ہیں جن میں تم نے حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی ہے، حالانکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے آپ کی مخالفت نہیں کی تھی، اور نہ سنت ہی سے ان کی مخالفت ثابت تھی مثلاً آپ نے مستحاضہ کو حکم دیا کہ اسے ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ بھی اس مسئلہ میں آپ کے ساتھ ہیں، صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے مخالفت بھی منقول نہیں، سنتِ صحیحہ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھو محلّٰی اردو جلد اول صفحہ ۳۷۱)

اسی طرح آپ نے اور حضرت ام سلمہؓ نے فرض نماز میں عورتوں کی امامت کرائی (ابوداؤد دار قطنی بیہقی وغیرہ) صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے اس مسئلہ میں مخالفت ثابت نہیں ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں اگر حضرت عائشہؓ کی مخالفت ایک جگہ جائز نہیں، تو پھر کسی جگہ بھی جائز نہیں اور اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی ایک مقام میں آپ کے خلافِ سنت قول کی مخالفت مباح ہے، تو سنت سے ایسی ہر بات کی مخالفت واجب ہے۔

۴۷۶۔ حالتِ نماز میں عذر کا ختم ہو جانا

اگر کسی نے نماز کی ابتدا مرض کے باعث اشارہ کے ساتھ کی، یا بیٹھ کر یا خوف کے باعث سواری پر لیکن پھر مرض سے افاقہ ہو گیا، یا خوف ختم ہو کر امن ہو گیا تو افاقہ محسوس کرنے والا کھڑا ہو جائے اور امن میں ہونے والا سواری سے اتر کر پڑھنے لگ جائے اور جتنی جتنی نماز پڑھ چکے ہوں اسی پر بنا کریں اور باقی کو مکمل کر لیں، ان کی نماز درست ہو گی، خواہ پڑھی ہوئی نماز کم ہو یا زیادہ خواہ ابھی صرف تکبیرِ تحریمہ ہی کہی ہو یا اب صرف سلام باقی رہ گیا ہو، یہ سب صورتیں ایک ہی حکم رکھتی ہیں۔

اسی طرح اگر کسی نے صحیح سلامت حالت میں قبلہ رُخ ہو کر نماز شروع کی ہو، لیکن پھر اسے کوئی ایسا مرض لاحق ہو گیا ہو، جس نے اسے بیٹھنے پر، یا اشارہ سے پڑھنے پر یا غیر قبلہ کی طرف منہ کرنے پر مجبور کر دیا ہو یا خوف کے باعث سوار ہونے، پاؤں مارنے اور اپنا دفاع کرنے پر مجبور ہو گیا ہو تو وہ پڑھی ہوئی نماز کو ثابت رکھتے ہوئے باقی کی اسی طرح تکمیل کرے جس طرح ممکن ہو جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ ان صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، ان سب صورتوں میں نماز درست ہونے کی دلیل یہ ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ۔ (مسلم وغیرہ) اس مسئلہ میں امام مالکؒ، زفرؒ اور ابو سلیمانؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خوف کے بعد امن ہوا ہو تو نماز کو اسی طرح جاری رکھے، درست ہو گی لیکن اگر امن کے بعد حالتِ خوف کے باعث سوار ہو کر نماز پڑھنے پر مجبور رہا ہو تو پھر از سرِ نو نماز شروع کرے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یہ بالکل فاسد تقسیم ہے اور قلیل و کثیر عمل کے مابین فرق کرنا ہی فساد کی اصل جڑ ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا۔ (البقرہ - ۲۳۹) اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار جس حال میں ہو نماز پڑھ لو۔

بعض صحابہ کرامؓ نے دشمن کی طرف چلنے کی حالت میں بھی نماز ادا کی تھی[1]"

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بحالتِ مرض بیٹھ کر نماز کا آغاز کیا لیکن پھر دورانِ نماز ہی درست ہو گیا تو وہ اپنی نماز کو بدستور ادا کرتا رہے، اس صورت میں آپ کے قول میں اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اس صورت میں آپ کے قول میں اختلاف ہے جب بحالتِ مرض اشارہ کے ساتھ نماز کا آغاز کرے لیکن پھر دورانِ نماز ہی درست ہو جائے، اور جب تندرستی و سلامتی کی حالت میں کھڑے ہو کر نماز شروع کرے مگر پھر کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے، جو بیٹھنے پر مجبور کر دے یا لیٹ کر اشارہ کے ساتھ پڑھنے پر! اس صورت میں کبھی تو آپ فرماتے ہیں کہ پڑھی ہوئی نماز کو باقی رکھے اور اسی پر بنا کرے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ از سرِ نو آغاز کرے خواہ بقدر تشہد بیٹھنے اور سلام پھیرنے سے قبل یہ حالت طاری ہو یا اس سے بھی پہلے!

امام ابو حنیفہؒ کی یہ بات حد درجہ فاسد ہے اور دونوں صورتوں میں فرق کرنا بالکل باطل، جسے کوئی عقل مند آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور کسی سے اس قسم کی بیان کردہ تفریق کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی شان میں تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ یعنی یہ رسول اپنی مرضی سے تو کوئی بات کرتے ہی نہیں جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں وہ وحیِ الٰہی ہے

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ○

(النجم ۳-۴)

---

[1] عبد اللہ بن انیسؓ کی طرف اشارہ ہے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سفیان ہذلی کے قتل کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۴۸۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یہ وحی اس ذاتِ اقدس کی طرف سے ہے جس کی شانِ کریمی یہ ہے کہ :-

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیآء — ۲۳) وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہو گی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہو گی۔

قاضی ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اگر نماز کو تندرستی و سلامتی کی حالت میں کھڑے ہو کر شروع کیا لیکن پھر بیمار ہو گیا اور اشارہ کے ساتھ یا بیٹھ کر پڑھنے پر مجبور ہو گیا، یا بحالتِ مرض بیٹھ کر نماز کو شروع کیا مگر پھر تندرست ہو گیا تو یہ لوگ —— جب تک بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے تبدیلی نہ آئے —— اپنی پہلے سے شروع کی ہوئی نماز ہی پر بنیاد رکھیں۔ لیکن جس نے بحالتِ مرض اشارہ کے ساتھ نماز شروع کی مگر پھر —— بقدر تشہد بیٹھنے سے قبل —— درست ہو گیا تو اسے یقیناً از سر نو نماز شروع کرنا ہو گی۔

محمد بن حسن کہتے کہ جس نے بحالتِ مرض بیٹھ کر یا اشارہ سے نماز شروع کی اور پھر وہ درست ہو گیا تو وہ ضروری طور پر از سر نو نماز شروع کرے لیکن جس نے کھڑے ہو کر نماز کا آغاز کیا اور پھر بیمار ہو گیا اور بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے ہی بیٹھنے یا اشارہ سے پڑھنے پر مجبور ہو گیا، تو وہ اپنی پڑھی ہوئی نماز ہی پر بنیاد رکھے۔

امام ابن حزم ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ اقوال حد درجہ فاسد ہیں کیونکہ بالکل بے دلیل ہیں، انہیں ہم نے صرف اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ اہلِ سنت کو ان کے مبلغ علم اور فقاہت کا علم ہو جاتے۔"

۴۷۷۔ نماز میں وسوسے

اگر کسی کے دل میں بحالتِ نماز امورِ دنیا سے متعلق وسوسے پیدا ہوں تو یہ اگرچہ مکروہ ہیں مگر ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی، وسوسوں کی بدولت جب نماز میں کوئی سہو پیدا نہ ہو اور نمازی کو علم ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے تو ان سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے، جسے قبل ازیں ہم بالاسناد ذکر کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے، نفسوں میں پیدا ہونے والے وساوس سے درگزر فرمایا ہے جب تک کہ وسوسوں کے نتیجہ میں قول و عمل وجود میں نہ آئیں۔ (صحیح جامع الصغیر حدیث ۱۷۲۵ و ۱۷۲۶) اور ہم اسی کے قائل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کہا جائے کہ تم لوگ اس شخص کی نماز کو باطل قرار دیتے ہو، جو قصد وارادہ سے نماز سے نکلنے یا بلا سبب امام کی امامت سے خارج ہونے کی نیت کرے یا فرض سے نفل اور نفل سے فرض کی طرف انتقال کی نیت کرے یا قصد وارادہ کے ساتھ جانتے بوجھتے ہوئے ایک نماز سے دوسری کی طرف منتقل ہو جائے، اگر ان میں سے کسی کام کا سہواً ارتکاب ہو تو پھر تم سجدۂ سہو کو واجب کرتے ہو اور واجباتِ نماز میں سے کسی کو لغو قرار دینے پر بھی تم سہو کا حکم لگاتے ہو؟

ہم عرض کریں گے کہ جی ہاں یہ اس لیے کہ ان صورتوں میں نمازی کے جی میں جو وسوسہ پیدا ہوا عمل کے ذریعہ اس نے اسے عملی جامہ پہنا دیا ہے اور یہ حکم کے خلاف ہے لہٰذا اس کی نماز باطل ہو جائیگی اور اگر سہواً ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرتا ہے تو سجدۂ سہو فرض ہو گا۔

۱۷۷ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنیٰ از معاذ بن ہشام از پدر خود دستوائی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابو سلمہ بن عبدالرحمن روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور اس کی ہوا خارج ہو رہی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اتنی دور چلا جاتا ہے کہ اسے اذان نہیں سنائی دیتی جب اذان مکمل ہو جاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے جب تکبیر ہوتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے جب تکبیر مکمل ہو جاتی ہے تو پھر آجاتا ہے اور آدمی کے دل میں وسوسے پیدا کرتے ہوئے اسے کہتا ہے کہ وہ وہ بات یاد کر و، جو اسے یاد نہیں ہوتی، وہ یاد دلا دیتا ہے حتیٰ کہ ان خیالات میں کھونے کے باعث آدمی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے؟ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو یہ یاد نہ رہے کہ کتنی نماز پڑھی، تو وہ دو سجدے کرے بیٹھے ہوئے۔ (بخاری مسلم نسائی کتاب الصلاۃ۔)

شیطان کے ایسی ایسی باتیں یاد دلانے کے باعث، جو آدمی کو نماز سے غافل کر دیں، آنحضرت ﷺ نے اس سے نماز کو باطل قرار نہیں دیا اور نہ اس کے لیے سجودِ سہو کو مقرر کیا ہے، سجود سہو صرف اس صورت میں ہیں کہ آدمی کو خبر نہ ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔

ہم نے بطریق وکیع، از ہشام بن عروہ از پدر خود روایت کیا کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ میں نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب کرتا رہتا ہوں[1]۔

۴۷۸۔ جب نماز پڑھتے ہوئے، کوئی بھولی ہوئی نماز یاد آئے

جب کسی کو نماز پڑھتے ہوئے

بھولی ہوئی کوئی ایک یا ایک سے زیادہ فرض نمازیں یاد آئیں، یا نمازِ صبح پڑھتے ہوئے یاد آئے کہ وہ وتر پڑھنا بھول گیا تھا، تو وہ اپنی اسی نماز کو جاری رکھے، جسے اس نے شروع کیا ہوا ہے تا آنکہ اسے مکمل کرے پھر اس کے بعد وہ پڑھے، جو یاد آئی ہے، اُسے اسی میں شروع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد ۳۳) تم اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

اور نماز پڑھتے ہوئے، نمازی ایک ایسے عمل میں ہے جسے باطل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب نماز پڑھتے ہوئے، جو یاد آیا ہے، اگر وہ پانچ نمازیں ہیں یا اس سے کم، تو اس نماز کو قطع کر دینا چاہیئے، جس میں یاد آیا ہے اسی طرح صبح کی نماز کو توڑ کر وتر شروع کر دے اور پھر اس نماز کو پڑھے، جسے توڑا تھا اور اگر فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسے ہی جاری رکھے اور یاد آئی ہوئی نماز کو پھر پڑھے۔ اگر یاد آئی ہوئی نمازیں چھ یا چھ سے زیادہ ہوں، تو پھر بھی پہلے سے شروع کر رکھی ہوئی نماز ہی کو جاری رکھے اور یاد آئی ہوئی نماز کو بعد میں پڑھ لے۔

امام مالکؒ کا مذہب اگر یاد آنے والی نمازیں پانچ یا پانچ سے کم ہوں، تو جاری شدہ نماز کو پہلے مکمل کرے، پھر یاد آنے والی نماز کو پڑھے، پھر اسے دوبارہ پڑھے جس میں یہ بھولی ہوئی نمازیں یاد آئی ہیں۔ اگر یاد آنے والی نمازیں چھ یا اس سے زیادہ ہوں،

[1] یہ بات المحلیٰ میں مسئلہ ۳۰۳ کے ضمن میں بھی گزر چکی ہے۔ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" جلد ۳ صفحہ ۷۱ میں بضمن باب "آدمی کا دوران نماز کسی بات کو سوچنا" ذکر کیا ہے اور اس روایت کو ابن ابی شیبہ (۲/۴۲۴) کی طرف منسوب کیا ہے بخاری نے حضرت عمرؓ سے معلقاً روایت ذکر کی ہے کہ میں نماز میں لشکر ترتیب دیتا رہتا ہوں۔ ابن حجرؒ نے اسے ابن ابی شیبہ (۲/۴۲۴) کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے اور بات ایسے ہی ہے یعنی اس کی سند صحیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو پہلے سے شروع کی ہوئی نماز مکمل کرے اور اس کے بعد ان کی قضا دے اور اسے دوبارہ نہ پڑھے، جس میں یہ نمازیں یاد آئی ہیں۔

امام ابن حزم رح کا تنقید و تبصرہ

یہ دونوں قول فاسد ہیں، پہلا تو اس لیے فاسد ہے کہ یہ قول بالکل بے دلیل ہے، پانچ اور چھ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اس تفریق کے سلسلہ میں قرآن مجید، صحیح یا ضعیف سنت صحابی کے قول، قیاس اور رائے صحیح سے کوئی دلیل ثابت نہیں ہے۔ اس طرح آج کی نمازوں کی ترتیب اور کل یا پرسوں یا اس سے بھی پہلے کی نمازوں کی ترتیب کے وجوب کے سلسلہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر یہ حضرات آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ذکر کریں کہ "جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو وہ اسے وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے، اس کا کفارہ بس یہی ہے۔" (صحیح جامع الصغیر ح ۶۳۴۸)

ہم عرض کریں گے یہ ارشادِ نبویؐ برحق ہے، آپ نے خود طلوعِ آفتاب کے بعد بیدار ہو کر نمازِ صبح کو یاد کیا پھر لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی وضو و اذان اور نماز میں آپ کی اقتداء کریں۔ پہلے آپؐ نے اور صحابہؓ کرامؓ نے فجر کی دو رکعتیں پڑھیں اور پھر نمازِ صبح پڑھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کہ "اسے اس وقت پڑھے، جب اسے یاد آئے" کا مفہوم وہی ہے، جو آپ کے فرمان سے ثابت ہے، وہ نہیں جو آپ کے فرمان سے ثابت ہی نہیں آپ کے فرمان سے ثابت یہ ہے کہ نماز کو توڑا نہ جائے بلکہ اسے جاری رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ کا واضح ارشاد یہ ہے کہ "جو نماز تم پالو، اسے پڑھو اور جو فوت ہو جائے اسے بعد میں مکمل کر لو" اسی طرح آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ "نماز کی اپنی ایک مشغولیت ہے۔ (صحیح جامع الصغیر ح ۲۱۲۵) (بخاری ترمذی نسائی ابن ماجہ دارمی موطا کتاب الصلاۃ)

پھر ان حضرات نے جو پانچ یا پانچ سے کم اور پانچ یا پانچ سے زیادہ کے مابین جو فرق کیا ہے اس میں بھی انہوں نے ان ارشادات کی مخالفت کی ہے حالانکہ اس تفریق کی قطعاً کوئی دلیل نہیں۔ اگر اس سلسلہ میں یہ حدیثِ ابن عمرؓ ذکر کریں، "جو دورانِ نماز کسی نماز کو یاد کرے، تو اس کی وہ نماز ٹوٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے؁" تو ہم عرض کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے علاوہ اور کسی کی بات حجت نہیں ہے حالانکہ انہوں نے خود بھی پانچ سے کم یا پانچ سے زیادہ کے مابین تفریق کے اعتبار سے ابن عمرؓ کے قول کی مخالفت کی ہے۔

اگر یہ اجماع کا دعویٰ کریں، تو امت کے ذمہ جھوٹی بات منسوب کریں گے کیونکہ ان کی یہ بات بغیر علم کے ہے اور محض ظن ہے جو کہ حلال نہیں پھر امام احمد بن حنبلؒ کا قول اور امام شافعیؒ کے دو میں سے ایک قول، اس کی تکذیب کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ فوت شدہ نماز پہلے پڑھے، خواہ وہ بیس برس پہلے کی نماز ہو!

امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول بالکل باطل ہے کہ صبح کی نماز کو باطل کر کے وتر پڑھنے شروع کر دیئے جائیں حالانکہ صبح کی نماز فرض اور وتر کی نماز نفل ہے، وتر کے ترک سے آدمی گناہگار بھی نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ کا یہ قول بھی درست نہیں کہ اسی نماز کو مکمل کرے اور دوبارہ پھر اسے بعد میں پڑھ لے۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہے کہ امام مالکؒ نے اس نماز کی تکمیل کا بھی حکم دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نماز کو شمار بھی نہ کرے۔

شخص جسے حکم دیا گیا ہے کہ اپنی نماز کو جاری رکھے، یہ نماز یا تو امرِ الٰہی ہوگا یا نہیں ہوگا تیسری کوئی صورت نہیں۔

اگر یہ وہی نماز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو اس کے اعادہ کا حکم باطل ہے اور اگر یہ نماز ہی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم ہی نہیں دیا، تو اس کے بارے میں کوئی حکم دینا ہی جائز نہیں

اس مسئلہ میں طاؤسؒ، حسنؒ، شافعی، ابوثورؒ اور ابوسلیمانؒ وغیرہ کا قول ہمارے قول کے مطابق ہے اور اس اعتبار سے قطعاً کوئی فرق نہیں کہ بھولی ہوئی یا جس کے پڑھنے سے قبل نیند کا غلبہ طاری ہو گیا ہو، اسے دورانِ نماز یاد کرے یا نماز کی تکمیل کے بعد یاد کرے یا کسی دوسری نماز کے وقت میں نماز شروع کرنے سے قبل یاد کر لے۔ نظری اعتبار سے بھی ان صورتوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

؁ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ تو مجھے نہیں ملی لیکن اسی معنی کی روایتیں ابن عمرؓ کی موقوف و مرفوع بیہقی ۲/۲۲۱ و ۲۲۲ میں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۷۹ بھولی ہوئی نماز دوسری نماز کے وقت یاد آئے

ایک نماز کے وقت میں جب کوئی دوسری نماز یاد آئے تو اگر وقت میں گنجائش ہو تو یاد آنے والی نماز کو پہلے پڑھ لے، خواہ وہ ایک ہو یا پانچ یا دس یا اس سے بھی زیادہ، سب کو ترتیب کے ساتھ پڑھ لے، پھر اس کو پڑھے جس نماز کا وقت ہو، خواہ اسے باجماعت پڑھنا چاہتا ہو یا تنہا۔ اگر جماعت کا وقت ہو تو بھولی ہوئی نمازوں کے بجائے اسے باجماعت ادا کر لے، اگر اس کے برعکس اسے قضا کر کے پڑھے، تو پھر بھی جائز ہے۔

اگر موجودہ نماز کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو پہلے اسے پڑھ لے، اسکے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں خواہ نماز ایک ہو یا زیادہ، جب اسے پورا کرے جسکا وقت ہے تو پھر اسے پڑھے جسے یاد کر رہا ہے اگر بھولی ہوئی نماز کو شروع کرے اور موجودہ کا وقت ختم ہو جائے، تو دونوں ہی باطل ہو جائیں گی، جسے یاد کیا ہے، اسے پڑھے کیونکہ یہ اس کی نماز کی ادائیگی پر تو قادر ہی نہیں ہے جسے اس نے اپنے قصد و ارادہ سے ترک کیا ہے حتیٰ کہ وقت ہی ختم ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ، شافعی اور ابو سلیمان وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب

اگر یاد آنے والی نمازیں پانچ یا اس سے کم ہیں، تو یاد آنے والی نمازوں کو شروع کرے، خواہ موجودہ کا وقت ختم ہو جائے اور اگر یاد آنے والی نمازیں پانچ سے زیادہ ہوں، تو پہلے موجودہ وقت والی نماز کو ادا کرے۔

امام ابن حزمؒ کا تنقید و تبصرہ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :۔

"امام مالکؒ کے اس قول کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں، نہ قرآن سے نہ صحیح و سقیم سنت سے، نہ اجماع و قیاس سے، نہ قولِ صحابی سے اور نہ اس کی درستگی کی کوئی معقول وجہ ہے، یہ اس سے پہلے والے مسئلہ کے بالکل برعکس ہے، جبکہ اس میں امام ابو حنیفہؒ تضاد کا شکار تھے۔"

ہمارے قول کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ غزوہ خندق کے دن ظہر و عصر کی نمازوں کو بھول گئے تھے، آپ کو اس وقت یاد آئیں، جب سورج غروب ہو گیا، تو آپ نے اذان و اقامت کا حکم دیا اور ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر اذان و اقامت کا حکم دیا اور عصر کی نماز ادا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمائی، پھر اذان واقامت کا حکم دیا اور مغرب کی نماز بروقت ادا فرمائی۔ (بخاری مسلم نسائی ترمذی)

ہم نے اس طریق کار کو واجب اس لیے قرار نہیں دیا کہ یہ آپ کا عمل ہے، امر نہیں۔ موجودہ نماز کے فوت ہونے کا تو اندیشہ ہے لیکن وہ نماز جسے وہ اب یاد کر رہا ہے، نہ بھولنے والے کے لیے تو اس کا وقت ختم ہو گیا لیکن بھولنے کے باعث جس کی یہ نماز رہی ہے، اس کے لیے ساری عمر اس کا وقت ختم نہیں ہو گا اور موجودہ کو اگر قصد وارادہ سے مؤخر کرے گا، تو اس کا وقت ختم ہو جائے گا لہٰذا اس کیلئے حکم یہی ہے کہ اسے ادا کرے جیسا کہ اسے حکم ہے کہ بھولی ہوئی نماز کو بھی ادا کرے۔

یاد آنے والی نماز کے سلسلہ میں اس قدر تفریط سے کام لینا کہ کسی دوسری نماز کا وقت آجائے یا اسے پڑھنے میں مصروف ہو جائے اور موجودہ کا وقت ختم ہو جائے، تو یہ جائز نہیں۔ اگر یہ حضرات آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان پیش کریں کہ "اس وقت پڑھے جب اسے یاد آئے" (حوالہ گذر چکا) تو ہم عرض کریں گے کہ آپ حضرات نے سب سے پہلے اس ارشاد نبوی کی مخالفت کی ہے، جب آپ نے پانچ سے کم اور پانچ سے زیادہ کے مابین تفریق کی ہے البتہ ہم نے اس ارشاد نبوی کی مخالفت نہیں کی کیونکہ یقینی ت ہے کہ یاد آنے والی نمازوں میں سے کسی ایک کو دوسری سے پہلے پڑھے گا لہٰذا اسے ہی پہلے پڑھ لینا چاہیئے جس کے مؤخر کرنے سے وہ گناہگار ہو گا اور اسے مؤخر کرلے جس کے مؤخر کرنے سے گناہگار نہیں ہو گا۔ سعید بن مُسیّبؒ حسنؒ اور سفیان ثوریؒ کا قول بھی ہمارے قول کے مانند ہے۔

۴۸۰۔ جب معلوم نہ ہو کہ کونسی نماز بھول گیا ہے

جسے یہ تو یقین ہو کہ وہ ایک نماز بھول گیا ہے لیکن معلوم نہ ہو کہ وہ کونسی نماز ہے، تو امام مالکؒ، ابو یوسفؒ، شافعیؒ اور ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اسے چاہیئے کہ وہ ایک دن رات کی نمازیں پڑھے۔

اس سے تو پھر یہ بھی لازم آئے گا کہ اگر اسے یہ بھی یاد نہ ہو کہ وہ نماز سفر کی تھی یا حضر کی، تو آٹھ نمازیں پڑھے۔

امام سفیان ثوریؒ اور محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ تین نمازیں پڑھ لے، ایک میں تو صبح کی نیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر کے دو رکعتیں پڑھے اور دوسری میں مغرب کی نیت کے ساتھ تین رکعت پڑھے اور تیسری میں ظہر، عصر یا عشاء کی نیت کے ساتھ چار رکعتیں پڑھے۔

اس قول کی بنا پر اگر اسے یہ یاد نہ ہو کہ وہ نماز سفر کی ہے یا حضر کی تو پھر یہ لازم آئے گا۔ کہ صرف دو نمازیں پڑھے ایک میں دو رکعت پڑھے اور دوسری میں تین رکعت!

زُفَرؒ اور مُزَنیؒ کا قول ہے کہ ایک ہی نماز پڑھے جس کی چار رکعات ہوں، دوسری میں بیٹھے اور تیسری و چوتھی میں بھی، پھر سجدۂ سہو کرے۔ زُفرؒ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہو، جبکہ مُزَنی قبل از سلام کے قائل ہیں۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں چار رکعت پر مشتمل صرف ایک نماز پڑھ لے، صرف دوسری اور چوتھی میں بیٹھے پھر سجدۂ سہو کرے اور نماز کے ابتدا میں نیت یہ کرے کہ یہ وہ نماز ہے جو پڑھی نہ جا سکی تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ کونسی تھی؟ ہمارا قول بھی یہی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اوزاعیؒ قبل از سلام سجدہ سہو کے قائل ہیں، جب کہ ہمارے نزدیک سلام کے بعد سجدۂ سہو ہونا چاہیئے۔

ہمارے قول کی درستگی کی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نماز کو فرض قرار دیا تو وہ قطعی اور یقینی طور پر بلاشک وشبہ جس سے نہ ہمیں اختلاف ہے اور نہ ان کو، وہ ایک نماز تھی جو اس سے فوت ہوئی لہٰذا جو پانچ، آٹھ، تین یا دو نمازیں پڑھنے کا حکم دیتا ہے، یقینی طور پر اس نے ایسا حکم دیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا تھا، انہوں نے اس پر ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ ایسی نمازیں فرض کر دی ہیں، جو اس پہ فرض نہ تھیں لہٰذہ یہ بات یقینی طور پہ باطل ثابت ہوئی ایلئے اس کے علاوہ اور کوئی صورت جائز نہیں کہ اس پر صرف ایک ہی نماز کو فرض قرار دیا جائے جیسا کہ اس پر فرض تھی، پس ہمارے زفر اور مزنی کے علاوہ سب کے قول ساقط ہو گئے۔

ان حضرات نے ہم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ہمارے اور تمہارے نزدیک نماز کے لیے نیت فرض ہے اور تم اسے حکم دیتے ہو کہ ایک مشترک نیت کر لے، تم کو تو واجب کا علم ہی نہیں ہے، تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم عرض کریں گے کہ یہ اعتراض توان پہ لازم آتا ہے، جنہوں نے پانچ یا آٹھ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ بے شک ہمارے اور تمہارے نزدیک نیت فرض ہے تم نے ہر اس نماز کے لیے جس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے مشکوک یا یقینی طور پہ کاذب نیت کا حکم دیا ہے۔ دونوں میں سے ایک صورت یقینی ہے۔ کیونکہ اگر تم ہر نماز کے لیے اسے حکم دو کہ یہ وہ ہے، جو فوت ہو گئی تھی، تو تم نے اس کے ذمہ ایک باطل و کاذب بات کو واجب قرار دے دیا ہے، جو یقیناً جائز نہیں کیونکہ اسے یقین نہیں کہ فوت شدہ نماز کونسی ہے۔ اگر اسے یقین نہیں اور وہ قطعی طور پر اس کی نیت کر لیتا ہے تو وہ ایک باطل بات کی نیت کرتا ہے اور یہ حرام ہے اگر تم اسے یہ حکم دو کہ وہ ہر نماز کی ابتدا میں یہ نیت کرے کہ یہ وہ ہے جو علمِ الٰہی میں ہے کہ فوت شدہ ہے، تو یہی وہ بات ہے جس کے باعث تم نے ہم پر عیب چینی کی ہے حالانکہ دونوں صورتیں برابر ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ یہ ملامت اس سے ساقط ہو جائے گی کیونکہ وہ اس کے علاوہ اور کسی بات کی بالکل قدرت نہیں رکھتا۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا! اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "جب میں تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ۔" (مسلم وغیرہ)

اس سے معین نیت ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس کی اسے قدرت ہی نہیں ہے، اس کے ذمہ صرف وہ نیت واجب ہے، جو علمِ الٰہی کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ اس پر قادر ہے، پس یہ قول بھی ساقط ہوا، وباللہ تعالیٰ التوفیق!

زفر اور مزنی سے ہم کہیں گے کہ تم نے تیسری رکعت کے بعد بھی جلسہ کو لازمی قرار دیا ہے حالانکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی حکم نہیں دیا اور کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے لیے کسی ایسی بات کو لازم قرار دے لے جسے اللہ تعالیٰ نے لازم قرار نہ دیا ہو۔ اس طرح ان دونوں کا قول بھی ساقط ہو گیا کیونکہ اس طرح یہ بھی اس بات کے بعض حصوں کے مرتکب ہو گئے ہیں جس کا دوسروں نے ارتکاب کیا تو انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہ صرف ایک نماز کو واجب قرار دیا تھا، جس کے بارے میں اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسی نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے ؟ لہٰذا بعینہٖ اسی نماز کی نیت کی اسے قدرت نہیں ہے اسلئے اسے یقینی طور پہ مشکوک نیت کرنا ہوگی کہ یہ وہ نماز ہے جو فوت ہوچکی ہے اور اللہ کریم کے علم میں ہے کہ وہ کونسی ہے لہٰذا دو رکعتیں پڑھ کر جلسہ و تشہد میں بیٹھ جائے، تشہد کی تکمیل کے بعد اسے شک ہوگا، اگر وہ صبح کی نماز تھی، پھر تو مکمل ہے، اگر بحالتِ سفر، نمازِ قصر تھی تو پھر بھی مکمل ہے، اگر حضر کی کوئی اور نماز تھی یا نمازِ مغرب، تو پھر اس کا بعض حصہ مکمل ہوچکا ہے البتہ ابھی تک نماز کی تکمیل نہیں ہوئی۔

جس وقت یہ حالت ہوجائے، تو وہ فی الجملہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں داخل ہوگیا کہ جب یہ علم نہ ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے، تو اسے اس وقت تک پڑھتے ہی رہنا چاہیئے جب تک اسے تمامِ صلوٰۃ کا یقین ہوجائے لہٰذا اسے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوجانا چاہیئے، تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد بھی ابھی تک شک ہی ہوتا ہے کہ نماز مکمل ہوئی ہے یا نہیں، اگر نمازِ مغرب ہوتی تو پھر تو بیٹھ جاتا لیکن اس صورت میں چونکہ اسے یقین نہیں ہے کہ یہ نمازِ مغرب تھی یا ظہر و عصر و عشا میں سے کوئی بحالتِ حضر تھی!

جس وقت حالت یہ ہو اس وقت بھی وہ فی الجملہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں داخل ہے کہ جب یہ علم نہ ہو کہ کتنی نماز پڑھی ہے تو اس وقت تک پڑھتا رہے جب تک اسے نماز کے پورے ہوجانے کا یقین نہ ہوجائے، چار رکعتوں کے بعد چونکہ اسے نماز کے مکمل ہوجانے کا یقین ہوتا ہے البتہ اس بات میں شک ہوتا ہے کہ شاید نماز زیادہ ہوگئی ہے لہٰذا سلام پھیر دے اور سجدہ سہو کرلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کی زبانی حکم دیا ہے۔ یہی بات حق ہے اور قطعی الوجوب! والحمد للہ رب العٰلمین۔

امام زفرؒ اور مزنیؒ نے جو تیسری رکعت میں تشہد کیلئے بیٹھنے کو لازم قرار دیا ہے، تو یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس تشہد کے لیے خاص طور پر یہ نیت کرلے کہ یہ مغرب کی نماز ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اسے یہ یقین نہیں کہ یہ واقعی نمازِ مغرب ہے!

اگر اسے یقین ہو کہ یہ حالتِ سفر کی ایک نماز تھی، تو پھر بھی ایک ہی نماز پڑھے، دوسری میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹھ جائے اور پھر تیسری میں بھی بیٹھے اور سلام پھیر دے اور پھر سجدۂ سہو کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :۔

اگر ظہر و عصر کے بارے میں بھول جائے کہ وہ ایک دن کی تھیں یا دو دن کی یا اسے معلوم بھی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جس کو چاہے پہلے پڑھ لے کیونکہ قرآن، سُنّت اجماع قیاس اور قولِ صحابی میں سے کسی نص نے ان میں سے کسی کو یقینی طور پر پہلے پڑھنے کو واجب قرار نہیں دیا۔ امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور ابوسلیمانؒ کا بھی یہی قول ہے۔

مالکی کہتے ہیں کہ اگر معلوم نہ ہو کہ یہ ایک دن کی ہیں یا دو دن کی، تو تین نمازیں پڑھ لے یا تو ظہر کی نماز، دو عصروں کے مابین پڑھ لے، یا عصر کی نماز دو ظہروں کے درمیان پڑھ لے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں :۔

یہ خلط ملط کرنے کی انتہا ہے، ترتیب صرف اسی وقت واجب ہوتی ہے، جب اوقات اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ترتیب کے مطابق موجود ہوں، جب اصل اوقات خارج ہو جائیں تو پھر ترتیب فرض نہیں رہتی کیونکہ اس سلسلہ میں قرآن، سُنّت اور اجماع سے کوئی نص نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۸۱۔ کشتی میں نماز

اگر کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوں اور مشقت کے بغیر یا کشتی ضائع کیے بغیر خشکی کی طرف نکل کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو وہ امام کے ساتھ اذان و اقامت کہہ کر جس طرح مقدور ہو نماز پڑھ لیں، اگر کشتی کی حرکتوں کے باعث صفوں کی درستگی یا قیام سے عاجز ہوں یا کچھ لوگ کشتی کی نچلی منزل میں ہوں یا کشتی کے ہچکولوں کے باعث کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ اسی طرح پڑھ لیں، جس طرح ممکن ہو خواہ سب یا بعض امام سے آگے ہوں یا پیچھے یا ساتھ! جو کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے، وہ بیٹھ کر پڑھ لے لیکن جو کھڑا ہو کر پڑھ سکتا ہو، اس کے لیے فرض یہی ہے کہ وہ کھڑا ہو کر ہی پڑھے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے :۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ - ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

نیز فرمایا :-

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج - ۷۸)

اللہ نے تمہارے اوپر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی۔

اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "جب میں تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ۔ (مسلم وغیرہ)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قیام کی قدرت ہو، وہ بھی بیٹھ کر پڑھ لے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف ہے جو اس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بابت دیا ہے، امام صاحب نے دلیل یہ دی ہے کہ حضرت انسؓ نے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھی تھی۔ (ابن ابی شیبہ ۲/۲۶۶، عبدالرزاق ۲/۵۸۲) ہم عرض کریں گے کہ تمہیں کیا معلوم کہ آپ نے جب بیٹھ کر نماز پڑھی، اس وقت کھڑے ہونے پر قادر تھے اللہ تعالیٰ کی اس بات سے پناہ کہ حضرت انسؓ کے بارے میں ایسا گمان کیا جائے۔ کہ وہ کھڑے ہونے پر قادر ہوتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔

۴۸۲ - اقوامِ عالم کے عبادت کدوں میں نماز

گرجوں، چرچوں، بہارات آتشکدوں بت کدوں اور مندروں میں نماز جائز ہے بشرطیکہ وہاں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے اجتناب فرض ہے مثلاً خون اور شراب وغیرہ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ساری زمین میرے لیے مسجد اور باعث طہارت بنا دی گئی ہے جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہاں پڑھ لو (ابوداؤد ابن ماجہ مسند امام احمد وغیرہ)۔

۴۸۳ - سترہ کی حد

آدمی کے سترہ سے قریب کھڑے ہونے کی کم از کم حد یہ ہے کہ آگے سے بکری گزر سکے اور زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ ہے، اس سے زیادہ دور کھڑا ہونا جائز نہیں۔ اگر کوئی قصد و ارادہ کے ساتھ جب کہ نیت سترہ کی ہو، سترہ سے تین ہاتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ دور کھڑا ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر سترہ کی نیت نہ ہو تو پھر نماز درست ہو گی۔

ہر ایسی چیز جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہو، جب آدمی کے آگے سے گزر جائے اور اس کے اور آدمی کے مابین سترہ ہو یا سترہ کے بقدر فاصلہ ہو —— خواہ اس صورت میں سُترہ کی نیت ہو یا نہ ہو —— تو ایسی صورت میں نماز مکمل ہو گی، خواہ گزرنے والی چیز سترہ کے اُوپر سے یا اس کے پیچھے سے گزرے۔

سترہ کی مقدار کی حد ایک ہاتھ ہے، خواہ وہ کتنا ہی موٹا ہو، جب کوئی شخص نمازی کے آگے سے تین ہاتھ کی مسافت سے زیادہ سے گزُر رہا ہو تو اس صورت میں گزرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا نمازی کو بھی چاہیئے کہ اسے دفع نہ کرے، اگر تین ہاتھ یا اس سے کم مسافت سے گزرے تو وہ گناہگار ہوگا، اگر نمازی کا سُترہ تین ہاتھ سے کم ہو تو اس پر یا اس سے پیچھے گزرنے والے پر کوئی گناہ نہیں اس کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے۔

۴۷۷۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعیب از علی بن حجر و اسحاق بن منصور از سفیان بن عُیَینہ از صفوان بن سلیم از نافع بن جُبیر بن مُطعِم روایت کیا کہ] حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتے ہوئے اپنے آگے سُترہ رکھے ہُوئے ہو تو وہ سُترہ کے قریب کھڑا ہو، اس سے شیطان اس کی نماز کو قطع نہ کر سکے گا۔ (ابو داؤد نسائی کتاب الصلاۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آگے سترہ لیے ہوئے ہو اس پر فرض ہے کہ وہ سترہ کے قریب ہی کھڑا ہو، جو نماز پڑھتے ہوئے سترہ کے قریب کھڑا نہ ہو اس نے گویا حسبِ امرِ الٰہی نماز ادا نہ کی لہٰذا اس کی نماز نہ ہو گی۔ جب سترہ کے قریب کھڑا ہونا فرض ہے تو ضروری تھا کہ قریب کی مقدار کو بھی بیان کر دیا جاتا اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آنحضرت ﷺ ہم پر ایک چیز کو لازم قرار دیں اور پھر اس کی مقدار کو واضح نہ فرمائیں۔ آپؐ کا تو منصب ہی یہ تھا کہ آپ ہر ہر حکم کو ہم تک پہنچا دیں۔ اس کی پوری پُوری وضاحت فرما دیں، ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے۔

بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(المائدہ - ۶۷) ہیں وہ سب لوگوں کو پہنچا دو۔

نیز فرمایا :-

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ تاکہ جو ارشادات الٰہی لوگوں کے لیے نازل ہوئے

(النحل - ۴۴) ہیں، وہ ان پر ظاہر کر دو۔

لٰہذا جب ہم اس بارے میں ارشاداتِ نبوی کی طرف دیکھتے ہیں، تو ہماری راہنمائی کے لیے یہ ارشادات موجود ہیں۔

۷۷۳ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف بن نامی از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یعقوب بن ابراہیم دورقی از ابن ابی حازم عبدالعزیز از پدر خود روایت کیا کہ] حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جائے نماز اور دیوار کے مابین ایک بکری کے گزرنے جتنی جگہ تھی۔ (بخاری مسلم ابوداؤد کتاب الصلاۃ)

یہ گویا سترہ کی وہ کم از کم مقدار ہے جس کے مطابق نمازی کو کھڑا ہونا چاہیئے کیونکہ اگر اس سے بھی زیادہ قریب کھڑا ہو گیا، تو پھر رکوع و سجود کرنا ممکن نہ رہے گا اِلّا یہ کہ پیچھے ہٹ کر کرے اور اس تکلف کی ضرورت نہیں ہاں اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ ہو تو یہ ایک الگ بات ہے۔

۷۷۴۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن سلمہ از ابن قاسم از مالک از نافع روایت کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اسامہ بن زیدؓ، بلالؓ اور عثمان بن طلحہ حجبیؓ کعبہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا، جب باہر تشریف لائے، تو میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر کیا عمل سرانجام دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک ستون کو آپ نے بائیں ہاتھ، دو کو دائیں ہاتھ اور تین کو اپنے پیچھے کیا — اس وقت بیت اللہ کی عمارت چھ ستونوں پر مشتمل تھی —— پھر نماز پڑھی اور اپنے اور دیوار کے مابین تین ہاتھ کا فاصلہ رکھا۔ (بخاری کتاب الصلاۃ، الحج، المغازی، الجہاد، مسلم ابوداؤد کتاب الحج نسائی کتاب الصلاۃ والحج ابن ماجہ کتاب الحج)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"سترہ کے بعید ہونے کے بارے میں اس سے زیادہ فاصلہ اور کسی روایت میں مذکور نہیں ہے لہٰذا یہ اس سلسلہ میں آخری حد ہے۔ علاوہ ازیں اس بارے میں دیگر دلائل بھی ہم اپنی اس کتاب میں قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں (دیکھو مسئلہ ۳۸۵)

ہم سے پہلے بھی سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے چنانچہ ابن جریج، عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے اور ستون کے درمیان زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیئے۔" (عبدالرزاق ۲/۱۶)

آنحضرت ﷺ نے سترہ کے طور پر اپنے آگے نیزہ اور بھالا وغیرہ بھی گاڑھا اور اونٹ سے بھی سترہ کا کام لیا، سترہ کی بلندی کی حد یہ ہے کہ وہ پالان کے آخری حصہ کی اونچائی کے بقدر ہو۔ ابوسعید اور عطا سے بھی یہی قول مروی ہے (عبدالرزاق ۲/۱۳ و ۱۴) سترہ کے بارے میں آگے زمین پر لکیر کھینچ لینے کی بابت چونکہ کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں۔ (وباللہ تعالیٰ التوفیق)

۴۸۴۔ نماز میں رونا

اگر کوئی شخص خوفِ الٰہی یا کسی غم وغیرہ کے باعث نماز میں رو رہا ہو کہ روتے کو وہ روک ہی نہ سکتا ہو تو کوئی سجدۂ سہو وغیرہ نہیں اور اگر کوئی قصد و ارادہ سے روئے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

۷۷۵۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از سوید بن نصر از عبداللہ بن مبارک از حماد بن سلمۃ از ثابت بُنانی از مطرف بن شخیر[1] روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آپ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کے باعث ہنڈیا کے جوش جیسی آواز پیدا ہو رہی تھی۔[2] (ابوداؤد نسائی کتاب الصلاۃ)

---

[1] ابن شخیر سے مراد مطرف بن عبداللہ بن شخیر ہیں، آپ کے باپ کا نام عبداللہ بن شخیر ہے، جو کہ صحابی ہیں۔

[2] نسائی جلد ۱ ص ۱۷۹۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نفسِ حدیث میں یہ آپ کے رونے کی آواز کی کیفیت بیان ہوئی ہے، رونے کے غلبہ کی صورت میں دلیل یہ ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جب مَیں تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ" (مسلم وغیرہ) قصد و ارادہ سے رونا چونکہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے جواز کے سلسلہ میں چونکہ کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا اور آنحضرت ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "نماز بجائے خود ایک مشغولیت ہے" (صحیح جامع الصغیر، ج نمبر ۲۱۲۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں ہر ایسا عمل حرام ہے جس کے جواز کی کوئی دلیل نہ ہو یا اجماع نہ ہو۔ وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز باجماعت

۴۸۵- نماز باجماعت ادا کرنا فرض ہے

جو شخص اذان سنتا ہو، اس کے لیے فرض ہے کہ فرض نماز امام کے ساتھ مسجد میں باجماعت ادا کرے، اگر کوئی شخص بغیر عذر کے جماعت ترک کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر اذان نہ سنی ہو تو پھر بھی فرض ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ شخصوں کو اپنے ساتھ ملا کر باجماعت نماز ادا کرے، اگر ایسا نہ کرے، تو اس کی نماز نہیں ہو گی اِلّا یہ کہ اسے کوئی اور آدمی ہی نہ ملے جس کے ساتھ مل کر وہ نماز باجماعت ادا کرے، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو پھر جماعت کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

عورتوں کے لیے نماز باجماعت ادا کرنا فرض نہیں ہے، اگر وہ باجماعت ادا کر لیں تو بہت بہتر اور افضل ہے، اگر آزاد یا غلام عورتیں اپنے خاوندوں یا آقاؤں سے مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت مانگیں، تو انہیں اجازت دینا چاہیئے، اور عورتوں کو چاہیئے کہ جب وہ مسجدوں میں جانے کے لیے گھروں سے نکلیں تو ہر طرح کے بناؤ سنگار اور زیب و زینت و خوشبو کو ترک کر کے نکلیں، اگر وہ ان چیزوں کو ترک نہ کریں تو ان کی نماز نہ ہو گی اور اس وقت ان کو مسجدوں سے روکنا فرض ہو گا۔

۷۷۶- ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از قُتَیْبَہ بن سَعِید و یعقوب بن ابراہیم دَوْرَقی و اسحاق بن ابراہیم بن رَاہُوْیَہ از مردان بن مُعَاوِیَہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فزاری از عبیداللہ بن اصم از یزید بن اصم روایت کیا کہ] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی قائد نہیں، جو مجھے مسجد میں لے آیا کرے لہٰذا آپ مجھے گھر نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرما دیں، آپ نے اسے اجازت دے دی لیکن جب وہ واپس جانے کیلئے مڑا، تو آپ نے فرمایا کیا اذان سنتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا پھر اذان پر لبیک کہو! (مسلم نسائی کتاب الصلاۃ)

۷۷۷ - [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد البلخی از فربری از بخاری از مسدد از یزید بن زریع از خالد حذاء از ابو قلابہ روایت کیا کہ] حضرت مالک بن حویرث لیثیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے، تو اذان و اقامت کہو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ (بخاری کتاب الصلاۃ والجہاد والادب وخبر الواحد، مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

۷۷۸ [بسند سابقہ از محمد بن یوسف از سفیان از خالد حذاء از ابو قلابہ] حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں دو آدمی حاضر ہوئے جن کا سفر کا ارادہ تھا، آپ نے فرمایا جب تم سفر شروع کر دو، تو اذان اور اقامت کہتے رہو اور تم میں جو بڑا ہو نماز پڑھا دے (حوالہ اوپر والی حدیث میں گذر چکا ہے)

۷۷۹ [بسند سابقہ از معلی بن اسد از وہیب بن خالد از ایوب از ابو قلابہ] حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب میں اپنی قوم کے ایک وفد میں حاضر ہوا تھا ـــــــ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی اذان کہہ دے اور تم میں سے جو بڑا ہو، وہ امامت کرا دے۔ (حوالہ حدیث نمبر ۷۷۷ میں گذر چکا)

۷۸۰ [ہم نے بطریق احمد بن قاسم از پدر خود قاسم بن محمد بن قاسم از جد خود قاسم بن اصبغ از اسماعیل بن اسحاق قاضی از سلیمان بن حرب از شعبہ از حبیب بن ابی ثابت از سعید بن جبیر روایت کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اذان کو سنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور پھر بغیر کسی عُذر کے جواب نہ دے، اس کی نماز نہیں ہوتی۔[1]

۷۸۱۔ [ہم نے بطریق حمام بن احمد از عباس بن اَصبَغ از محمد بن عبدالملک بن ایمَن از ابراہیم بن محمد از ابن بُکیر از مالک از ابی الزّناد از اَعراج روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرا ارادہ ہے کہ میں حکم دوں کہ ایندھن اکٹھا کیا جائے، پھر نماز کے لیے اذان کا حکم دوں، پھر کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں لوگوں کے پاس جا کر ان کے گھروں کو نذرِ آتش کر دوں، اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر کسی کو معلوم ہو کہ اسے ایک موٹی سی ہڈی یا دو کھُروں کے درمیان کی اچھی سی ہڈیاں مل جائیں گی، تو وہ نمازِ عشاء کے لیے مسجد میں ضرور حاضر ہو۔ (بخاری کتاب الصلاۃ والاحکام نسائی کتاب الصلاۃ، موطا کتاب الصلاۃ)

یہ روایت ہم نے بطریق سُفیان بن عُیَینَہ از ابی الزّناد، از اَعرج از ابوہریرہؓ (مسلم الصلاۃ) اور بطریق شعبہ وعبداللہ بن نُمَیر و ابو معاویہ از اعمش، از ابی صالح، از ابوہریرہؓ (مسلم الصلاۃ) مسند بھی روایت کی ہے۔[2]

---

[1] اسے ابن ماجہ نے جلد ا صفحہ ۱۳۷ میں از عبدالحمید بن بیان، از ہُشَیم بن بَشیر، از شعبہ از عدی بن ثابت از سعید بن جبیر روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے، دارقطنی نے صفحہ ۱۶۱ میں از علی بن عبداللہ بن مبشر از عبدالحمید بن بیان، از ہُشَیم روایت کیا ہے، حاکم نے جلد ا صفحہ ۲۴۵ میں بطریق عَمرو بن عون و عبدالحمید بن بیان، از ہُشَیم از شعبہ روایت کیا ہے، دارقطنی و حاکم نے بطریق عباس دُوری از عبدالرحمٰن بن غزوان قراد ابی نوح از شعبہ روایت کیا ہے، حاکم نے شعبہ سے کچھ دیگر اسانید کے ساتھ بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کو غُندَر اور شعبہ کے اکثر اصحاب نے موقوف بیان کیا ہے۔ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے اگرچہ شیخین نے اسے روایت نہیں کیا، ہُشَیم اور قراد ابو نوح دونوں ثقہ ہیں، جب یہ دونوں اس حدیث کو موصول بیان کرتے ہیں تو پھر انہی کی بات درست ہوگی۔" ذہبیؒ نے بھی امام حاکمؒ کی موافقت کی ہے موقوف روایت کو مصنف آگے ذکر کریں گے۔

عجیب بات یہ ہے کہ امام دارقطنیؒ کا خیال ہے کہ قراد مجہول ہے حالانکہ یہ ثقہ و معروف ہیں، خود امام دارقطنیؒ انہیں "الجرح والتعدیل" صفحہ ۲۲۷ میں ثقہ قرار دے چکے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب" اور ہدی الساری میں آپ سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو ابوداود (جلد ا صفحہ ۲۱۶) دارقطنی اور حاکم نے بطریق ابی جناب، از مغراء عبدی از عدی بن ثابت از سعید بن جبیر روایت کیا ہے یہ سند ابو جناب کلبی کے باعث ضعیف ہے، ان کا نام یحییٰ بن ابی حیہ ہے لیکن سابقہ اسانید صحیح ہیں اور ان میں قناعت کا پورا پورا سامان ہے۔

[2] یہ سب روایات مسلم جلد ا صفحہ ۱۸۰ - ۱۸۱ میں ہیں مگر شعبہ کی روایت مجھے نہیں ملی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث کے آخر میں جو عشاء کی نماز کے ترک پر وعید ہے، اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ وعید دوسری نمازوں کے باجماعت ترک کرنے کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں قضیے الگ الگ ہیں کیونکہ ہمارے مخالفین کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ باقی نمازیں بھی باجماعت ادا کرنا اسی طرح واجب ہے، جس طرح کہ عشاء کی نماز واجب ہے اور آنحضرت ﷺ کسی باطل بات کا قصد نہیں فرما سکتے اور نہ حق کے علاوہ اور کسی بات پر وعید پیش فرما سکتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ نے پھر ان لوگوں کے گھروں کو آگ میں کیوں نہ جلایا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا "اس لیے کہ انہوں نے اہتمام کر کے باجماعت نمازیں ادا کرنا شروع کر دی تھیں! اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

۷۸۲۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سُلَیم از ابن الاعرابی از ابوداؤد از نُفَیلی یعنی عبداللہ بن محمد از ابوالملیح یعنی حسن بن عمر رقی از یزید بن یزید ابن جابر روایت کیا کہ] یزید بن اصم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا، بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے نوجوانوں کو حکم کروں کہ وہ ایندھن اکٹھا کریں اور پھر میں ان لوگوں کے گھروں کو جا کر جلا دوں جو بغیر کسی عذر کے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

یزید کہتے ہیں کہ میں نے یزید بن اصم سے کہا اے ابوعوف! آپ کی مراد نماز جمعہ سے تھی یا کسی اور نماز سے؟ انہوں نے کہا کہ میرے کان بہرے ہو جائیں، اگر میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان نہ سنا ہو، آپ نے اس بارے میں جمعہ وغیر جمعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ (مسلم ابوداؤد ترمذی کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ایک قوم نے آنحضرت ﷺ کی طرف بالکل جھوٹ یہ بات منسوب کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کا یہ اشارہ منافقین کی طرف تھا۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنے سے اللہ کی پناہ! یہ بالکل محال ہے کہ آپ کا ارادہ تو منافقین سے متعلق بات کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا ہوگا آپ تارکین نماز سے متعلق بات شروع کر دیں، جن کے بارے میں گفتگو کا ارادہ ہی نہ تھا۔

نماز باجماعت کا ستائیس گنا زیادہ ثواب ہے

اگر یہ حضرات ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ کی احادیث کو ذکر کریں جن میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تنہا پڑھنے کی نسبت باجماعت نماز ادا کرنے سے ستائیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ (صحیح جامع الصغیر حدیث نمبر ۳۷۱۴، مجمع الزوائد ۲/۳۸)

تو ہم جواباً کہیں گے کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور وہ سب بھی صحیح ہیں، جو ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص بلا عذر جماعت سے پیچھے رہنے والا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی لہٰذا ان دونوں قسم کی احادیث کو ان کے صحیح محل پر محمول کیا جائے گا، تعارض و تناقض پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ کے کلام میں تعارض و تناقض نہیں ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ فضیلت اس معذور کی نسبت سے ہے جس کے لیے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے، اگر کوئی ان دو حدیثوں کو اس کے علاوہ کسی اور محل پر محمول کرے گا، تو اس کا یہ طرز عمل آنحضرت ﷺ کی منشا کے خلاف ہوگا اور آپ کے اس ارشاد کی تکذیب کا باعث ہوگا کہ "معذور کے علاوہ اور کسی کے لیے بغیر جماعت کے نماز نہیں ہوتی" آپ کی وعید کو گویا اس نے کوئی اہمیت نہیں دی اور آپ کے اس حکم کی اس نے مخالفت کی ہے کہ اذان پر لبیک کہتے ہوئے، باجماعت نماز ادا کرنی چاہیئے، دو ہوں یا دو سے زیادہ نماز باجماعت ادا کریں۔ آپ کا یہ ارشاد بہت ہی زیادہ عظیم ہے۔

ہم نے جو یہ کہا یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	بے عذر مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ
غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي	میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنیوالے برابر نہیں ہیں۔
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ	اپنے مال اور جان سے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں
اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ	پر اللہ نے مرتبہ میں بڑائی دے رکھی ہے اور دونوں کو اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ	نے عام طور سے اچھا وعدہ دے رکھا ہے۔
اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ	اور مجاہدوں کو بیٹھ رہنے والوں پر ثواب عظیم
عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝	کی بزرگی عطا کی ہے کئی درجہ اپنی
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ ۔ (نسآء = ۹۵-۹۶)	طرف سے۔

جبکہ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان یہ فرمایا ہے کہ جہاد سے بغیر کسی عذر کے پیچھے رہنے والا انتہائی قابلِ مذمت ہے، جیساکہ دیگر بھی کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے مثلاً۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ	مومنو تمہیں کیا ہوگیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے
لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ	کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کیلئے) نکلو تو تم زمین سے چمٹ
اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا
مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	کی زندگی پر راضی ہو چکے ہو۔ دنیا
فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا	کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے اگر تم
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ	اللہ کی راہ میں جہاد کو نہ نکلے تو وہ تم کو دردناک عذاب دیگا
قَوْمًا غَيْرَكُمْ ــــ (التوبہ ۳۸-۳۹)	اور تمہارے بدلے دوسری کوئی قوم پیدا کر دے گا۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اللہ تعالیٰ نے (اوپر والی آیات میں) بیان یہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو گھروں میں بیٹھے رہنے والوں کی نسبت درجہ بلکہ درجات کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہے اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھے رہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں، جو کسی عذر کے سبب بیٹھے رہے ہوں، انہی سے اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اس سے وہ لوگ مُراد نہیں ہیں جو کسی عذر کے بغیر بیٹھنے والے ہیں کیونکہ انہیں تو (نیچے والی آیات میں) عذاب کی نوید سنائی گئی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "بیٹھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی نسبت نصف ثواب ملتا ہے" (صحیح جامع الصغیر حدیث نمبر ۳۷۱۰) اور اس مسئلہ میں ان کا ہمارے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو عذر کے بغیر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اسے تو قطعاً کوئی ثواب نہیں ملتا بلکہ اس کی بالکل نماز ہوتی ہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ اجر و ثواب کی یہ مذکورہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نسبت اس شخص کے اعتبار سے ہے جس کے لیے کسی خوف یا مرض وغیرہ کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھنا مُباح ہو یا وہ نفل نماز پڑھ رہا ہو۔

اگر وہ اس کے ساتھ صرف نفل نماز ہی کی تخصیص کریں تو ہم پوچھیں گے کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، صرف یہ دعویٰ ہے کہ معذور شخص کی نماز، اسی طرح ہے جس طرح کھڑے ہوکر پڑھنے والے تندرست آدمی کی نماز ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ بالکل جھوٹا اور آنحضرت ﷺ کے اس حکم عام کے خلاف ہے کہ "بیٹھ کر پڑھنے والے کو، کھڑے ہوکر پڑھنے والے کی نسبت نصف ثواب ملتا ہے، اس بارے میں آپ نے کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی" علاوہ ازیں اس کی دلیل یہ بھی ہے جو

۷۸۳۔ [ہم نے بطریق حمام بن احمد از عباس بن اَصبَغ از محمد بن عبدالملک بن اَیمَن از بکر بن حماد و قاضی احمد بن محمد بَرتی قاضی برتی نے آگے سند اس طرح بیان کی از ابو عمر عبداللہ بن عمرو رقی از عبدالوارث، اور بکر نے اس طرح بیان کی از مُسَدَّد از یحییٰ بن سعید قطان از عبدالوارث بن سعید تَنُّوری یہ دونوں متفق ہوکر بیان کرتے ہیں، از حُسَین مُعَلّم، از عبداللہ بن بُرَیدَہ از حضرت عمران بن حُصَینؓ قاضی بَرتی نے حدیث بیان کرتے ہو کہا کہ] عمران بن حُصَینؓ ـــ جنہیں بواسیر کی شکایت تھی ـــ نے آنحضرت ﷺ سے آدمی کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی بابت سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص کھڑا ہوکر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے، تو اسے کھڑا ہوکر پڑھنے والے کی نسبت نصف ثواب ملے گا، اور جو لیٹ کر پڑھے، اسے بیٹھ کر پڑھنے والے کی نسبت نصف ثواب ملے گا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مخالف تندرست آدمی کو اشارہ سے نفل پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے لہٰذا ان کی تاویل بالکل باطل ہوئی، وللہ تعالیٰ الحمد!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص نیکی کا کوئی کام کرے، وہ بہرکیف اس کی نسبت افضل ہے جو کسی عذر کے باعث اسے نہ کر سکا ہو، چنانچہ اس بارے میں وہ حدیث نص ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ "فقراء صحابہ کرامؓ نے یہ عرض کیا یا رسول اللہ! اصحابِ ثروت زیادہ اجر و ثواب حاصل کر گئے" تو آپ نے ان کو ذکرِ الٰہی سکھایا، جب اصحابِ ثروت صحابہ کرامؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلاموں کے آزاد کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی بھی شروع کر دیا، فقرا اصحابہ کرام نے اس کا پھر بارگاہِ نبوت میں ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا۔

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ (المائدہ-۵۴) یہ اللہ کریم کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

(بخاری کتاب الاذان والدعوات، مسلم کتاب الصلاۃ والزکاۃ، ابوداؤد ابن ماجہ دارمی کتاب الصلاۃ)

اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص حج کرے، وہ بہرکیف اس سے افضل ہے جو کسی عذر کے باعث فریضۂ حج کی ادائیگی سے قاصر ہو، دیگر اعمال کا معاملہ بھی اسی طرح ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے، مگر اسے کر نہ سکے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر اسے سرانجام بھی دے لے، تو اس کی دس نیکیاں لکھ لی جاتی ہیں" (بخاری کتاب الرقاق مسلم کتاب الایمان، ترمذی کتاب التفسیر، دارمی کتاب الرقاق) آپ کا یہ ارشاد عام ہے اور ہر اس شخص کو بھی شامل ہے جو کسی عذر یا بغیر عذر کے نہ کر سکے۔

اگر یہ حضرات یہاں اس حدیث کو ذکر کریں جس میں یہ آیا ہے کہ "جس شخص کا رات کو عبادت کا معمول ہو مگر وہ مرض یا غلبۂ نیند کے باعث کسی رات نہ اٹھ سکے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اتنا ثواب لکھ دیتا ہے جتنا اسے روز عبادت کے حساب سے ملتا ہے" (تھوڑے اختلاف کے ساتھ مسلم ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ دارمی وغیرہ میں یہ روایت ہے)

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی اللہ تعالیٰ نے تخصیص فرما دی ہے اور وہ جس امر کی چاہے تخصیص فرما سکتا ہے، اس بارے میں چونکہ نص ثابت ہے لہٰذا ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ انکار صرف رائے، ظن اور مجرد دعویٰ کا کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے شخص کو قیام کا اجر ملتا ہے لیکن جو شخص باقاعدہ قیام کرے، اسے دس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے، یہ ممکن بھی ہے اور سب نصوص کے مطابق بھی وباللہ تعالیٰ التوفیق!

اگر یہ حضرات یہ ذکر کریں کہ آنحضرت ﷺ کے پاؤں کو جب موچ آئی ہوئی تھی، تو آپؐ نے کاشانۂ نبوت ہی پر امامت کے فرائض انجام دیئے۔ (بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ دارمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مؤطا کتاب الصلوٰۃ) اسی طرح حضرت انسؓ کے گھر پر بھی آپ ﷺ نے ایک بار امامت فرمائی۔ (مسند امام احمد)

اس کا جواب یہ ہے کہ پاؤں میں موچ آنے کے باعث آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف نہیں لے جا سکتے تھے لہٰذا یا تو سب اہلِ مسجد وہاں تشریف لے آتے ہوں گے جس کے باعث آپؐ نے وہاں نماز پڑھا دی یا پھر اہلِ خانہ اور دیگر حضرات ہوں گے، جن کا آپؐ کے پاس قیام تھا اور آپؐ نے انہیں باجماعت نماز پڑھا دی یعنی یہ معذوری کے باعث تھا۔ حضرت انسؓ کے گھر آپؐ نے جو نماز پڑھائی، وہ فرض نہ تھی بلکہ نفل تھی۔ لہٰذا یہ سب مُعارِضات ان دلائل کے مقابلہ میں پیش نہیں کیے جا سکتے، جن سے جماعت کے ساتھ فرض نماز کی ادائیگی کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے داعی کی آوازِ "حَیَّ علی الصلوٰۃ" پر لبیک کہنے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فرض نماز باجماعت ادا کرنا فرض کفایہ ہے لیکن یہ محض دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، آپؒ نے پہلے تو یہ اقرار کیا کہ یہ فرض ہے مگر پھر آپؒ نے اسے ساقط قرار دے دیا جبکہ فرض کے سقوط کو نص کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ سلف میں سے ایک جماعت بھی اسی کی قائل تھی کہ فرض نماز باجماعت ادا کرنا فرض ہے؛ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اذان سننے کے بعد مسجد سے باہر نکل گیا تھا، آپؓ نے فرمایا کہ اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔ (راجع مسئلہ ۳۲۸)

ابوالاحوص روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ان پانچ نمازوں کی حفاظت کا بطورِ خاص اہتمام کرو اور وہاں ادا کرو، جہاں ان کے لیے اذان ہوتی ہے کیونکہ یہ سُننِ ہُدیٰ میں سے ہیں، ہم نے دیکھا کہ صرف واضح نفاق والے منافقین ہی پیچھے رہا کرتے تھے اس دور میں تو ادائیگیِ فرض کے احساس کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ایک شخص کو دو آدمی گھسیٹ کر لاتے اور مسجد میں صف میں لا کھڑا کرتے، اب تم نے گھر میں مسجد بنا رکھی ہے، اگر تم گھروں میں نمازیں پڑھنے لگو اور مسجدوں کو چھوڑ دو، تو اپنے نبی کی سُنّت کو چھوڑ بیٹھو گے اور اگر سُنّتِ نبیؐ کو ترک کر دو گے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو کافر ہو جاؤ گے (مسلم ابوداؤد و نسائی) ہم نے بطریق وکیع، از مسعر بن کدام، از ابی حُصَین، از ابو بُردہ بن ابی موسیٰ روایت کیا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اذان کو سُنے اور پھر بغیر عذر کے لبیک نہ کہے، تو اس کی نماز نہ ہو گی۔[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اذان کو سنے اور پھر بغیر عذر کے لبیک نہ کہے تو اس کی نماز نہ ہو گی۔ (کتاب الصلاۃ لابن القیم۔ مجموعۃ الحدیث ص ۵۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۵)

بطریق معمر، از ایوب سختیانی، از نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے گھر میں فرض نماز کی دو رکعتیں پڑھیں، پھر اقامت کو سنا تو مسجد تشریف لے گئے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ گھر میں اگر نماز ہو سکتی تو آپ اسے قطع نہ کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے کانوں کو پگھلائے ہوئے سیسے سے بھر لے، تو یہ اس کی نسبت بہتر ہے کہ اذان سُنے اور لبیک نہ کہے۔ (کتاب الصلاۃ لابن القیم۔ مجموعۃ الحدیث ص ۵۴۶)

بطریق سفیان ثوری، از منصور، از عدی بن ثابت انصاری ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جو شخص اذان کو سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے، اس نے گویا خیر و بھلائی کا ارادہ نہیں کیا اور نہ خیر و بھلائی نے اس کا ارادہ کیا ہے۔ (مجموعۃ الحدیث ص ۵۴۶، عبدالرزاق ۱/۴۹۸، بیہقی ۳/۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۵)

بطریق یحییٰ بن سعید قطان، ابو حیان یحییٰ بن سعید تیمی از پدر خود از حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد ہی میں ہوتی ہے، پوچھا گیا امیر المؤمنین! مسجد کا پڑوسی کون ہے"؟ آپ نے فرمایا "جو اذان سنے"۔ اسی طرح بطریق سُفیان بن عُیَینہ و سفیان ثوری، از ابو حیان از پدر خود از حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے۔[2] (مجموعۃ الحدیث ص ۵۴۵، عبدالرزاق ۱/۴۹۷،

---

[1] حاکم نے اسے جلد اصفحہ ۲۴۶ میں بطریق ابوبکر بن عیاش، از ابو حُصَین، از ابو بُردہ از ابو موسیٰ اشعری مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "جو شخص اذان سنے اور تندرست و صحیح سلامت ہو، اور مسجد میں آ کر نماز نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہو گی"۔ حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو تلخیص صفحہ ۱۲۳ میں "بزار" کی طرف مرفوعاً اور موقوفاً منسوب کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۵)

[2] یہ اور اس سے پہلے کی یہ دو سندیں صحیح ہیں دارقطنی نے صفحہ ۱۶۱ میں اسے بطریق حارث اعور از حضرت علی روایت کیا ہے کہ "جو شخص مسجد کا پڑوسی ہو اور مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنے مگر اس پر لبیک نہ کہے جبکہ اسے کوئی عذر بھی نہ ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی"۔ حارث بہت ہی ضعیف ہے، حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دو سندوں میں سلیمان بن

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیہقی ۳/۵۷، مصنف ابن ابی شیبۃ ۱/۳۴۵)

بطریق محمد بن جعفر، از شعبہ، از عدی بن ثابت روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے سنا حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو شخص اذان کو سُنے اور پھر مسجد میں آکر نماز پڑھے جبکہ کوئی عذر بھی نہ ہو، تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (مجموعۃ الحدیث صفحہ ۵۴۶) بیہقی ۳/۵۷، وعبدالرزاق ۱/۴۹۷)

حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ شہر اور دیہات میں بسنے والی اللہ کریم کی مخلوق جو بھی اذان واقامت کو سُن رہی ہے، اس کے لیے رُخصت نہیں کہ وہ نماز کو چھوڑے۔ ابن جُریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ آدمی اگر کپڑا بیچ رہا ہو اور اسے خدشہ ہو کہ اگر اٹھ کر چلا گیا تو گاہک ضائع ہو جائے گا، انہوں نے فرمایا نہیں، اس صورت میں بھی اسے رخصت نہیں، میں نے عرض کیا اگر بیمار ہو، یا آشوب چشم نہ رکنے والا یا ہاتھ میں کوئی درد وغیرہ ہو تو فرمانے لگے کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ مسجد میں ضرور پہنچے خواہ تکلف ہی کرنا پڑے، میں نے عرض کیا کہ اہل دیہات میں سے اگر کوئی اذان نہ سنے، خواہ مسجد قریب ہو تو آپ نے فرمایا اگر چاہے تو آجائے، چاہے تو نہ آئے (عبدالرزاق ۱/۴۹۹)

عطاءؒ بھی فرماتے ہیں کہ ہم سنتے تھے کہ جماعت سے صرف منافق ہی پیچھے رہ سکتا ہے۔

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت کے ترک کی رخصت صرف مریض یا خوفزدہ ہی کے لیے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۵۱) ہشام بن حسّان، حسن سے روایت کرتے ہیں کہ جب آدمی اذان کو سنے، تو اس نے گویا اپنے آپ کو پابند کر لیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۱/۵۰۷)

سُفیان بن عُیَینہ، عبدالرحمٰن بن حَرمَلہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن مُسیّب کے پاس تھا کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے بعض مسائل کی بابت سوال کیا، اتنے میں اذان ہو گئی، تو اس نے چلے جانے کا ارادہ کیا، آپ نے فرمایا کہ اذان ہو گئی ہے، اس آدمی نے کہا کہ میرے ساتھی چلے گئے ہیں اور یہ میری سواری بھی دروازے کے پاس کھڑی ہے، آپ

(نوٹ گذشتہ سے پیوستہ) داؤد یمامی منکر الحدیث ہے جیسا کہ امام بخاریؒ و ابو حاتم نے فرمایا ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں جسے میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت لینا حلال نہیں، دارقطنی کی حدیث جابر کی سند میں محمد بن سُکین ضعیف ہے، حافظؒ "تلخیص" صفحہ ۱۲۳ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ لوگوں میں مشہور ہے مگر ضعیف ہے!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا: مت جاؤ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے صرف منافق ہی باہر نکلتا ہے یا پھر وہ آدمی جس کا نماز کے لیے واپس لوٹنے کا ارادہ ہو، مگر یہ شخص یہ فرمان رسول سننے کے باوجود مسجد سے باہر چلا گیا، حضرت سعید فرمانے لگے، اس آدمی پہ توجہ رکھنا، چنانچہ ایک دن میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہی شخص پھر آیا تو سعید فرمانے لگے ابو محمد! اس آدمی کو نہیں دیکھا؟ یہ جو اذان سننے کے بعد مسجد سے باہر نکل گیا تھا، سواری سے گھر پڑا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا، سعید نے فرمایا مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ اس کو ضرور کوئی آفت لاحق ہوگی۔ (عبدالرزاق ۱/۵۰۷)

ابوسلیمانؒ اور ہمارے جمیع اصحاب کا بھی یہی قول ہے کہ نماز باجماعت فرض ہے! اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عورتوں

عورتوں کے لیے نماز باجماعت فرض نہیں

کے لیے جماعت فرض نہیں ہے، احادیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات اپنے حجروں میں ہی نماز ادا کرلیا کرتی تھیں اور مسجد میں تشریف نہیں لایا کرتی تھیں البتہ اس بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے کہ عورتوں کی نماز گھر میں افضل ہے یا مسجد میں باجماعت افضل ہے؟

ہمارے قول کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے، جو ہم نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ذکر کیا ہے کہ باجماعت نماز کی ادائیگی کا تنہا پڑھنے کی نسبت ستائیس گنا زیادہ ثواب ہے (حوالہ چند صفحے قبل گزر چکا) آپ کا یہ فرمان عام ہے، عورتوں کی اس سے تخصیص جائز نہیں ہے۔

۷۸۴۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از حرملہ بن یحیٰی از ابن وہب از یونس بن یزید از ابن شہاب از سالم بن عبداللہ بن عمر روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمہاری عورتیں جب مسجدوں میں جانے کے لیے اجازت طلب کریں۔ تو انہیں مت روکا کرو۔ یہ سن کر بلال بن عبداللہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہم تو انہیں ضرور روکیں گے، عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سنا تو انہیں اس قدر بری گالیاں دیں کہ میں نے انہیں اس طرح کی بری گالیاں دیتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے کبھی نہیں سنا تھا نیز آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں آنحضرت ﷺ کا فرمان سناتا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم انہیں ضرور روکیں گے۔ (دیکھو حوالہ مسئلہ ۳۲۱ میں)

۷۸۵۔ [بسند سابقہ از عمرو ناقد و زہیر بن حرب، از سفیان بن عُیَینَہ از زہری روایت ہے انہوں نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے سنا وہ اپنے باپ سے روایت کرتے تھے] آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کے لیے اجازت طلب کرے، تو اسے نہ روکے۔ (بخاری کتاب النکاح، مسلم نسائی کتاب الصلاۃ)

۷۸۶۔ [بسند سابقہ از محمد بن عبداللہ بن نُمیر از پدر خود و عبداللہ بن ادریس از عبیداللہ بن عمر از نافع روایت ہے کہ] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ منع کرو[1]۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

۷۸۷۔ [بسند سابقہ از ابو کُرَیب از ابو مُعاوِیہ از اعمش از مجاہد روایت ہے کہ] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں جانے سے نہ روکا کرو۔ (بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی کتاب الصلاۃ)

۷۸۸۔ [بسند سابقہ از ابو بکر بن ابی شیبہ از یحییٰ بن سعید قطّان، از محمد بن عجلان از بکیر بن عبداللہ اشج از بسر بن سعید روایت ہے کہ] زینبؓ زوجۂ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے، تو وہ خوشبو نہ لگائے۔ (مسلم کتاب الصلاۃ، نسائی کتاب الزینۃ)

۷۸۹ [ہم نے بطریق حمام از عباس بن اَصبغ از محمد بن عبدالملک بن اَیمن از محمد بن وضّاح از حامد بن یحییٰ البلخی از سفیان بن عیینہ از محمد بن عمرو بن عَلقمہ بن وقّاص لَیثی از ابو سَلَمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف روایت کیا کہ]

[1] ابن عمر کی اس حدیث کے متعدد الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عورتوں کے لیے باجماعت نماز ادا کرنا واجب نہیں ہے، ابوداؤد نے جلد ا صفحہ ۲۲۲ میں ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ عورتوں کو مسجدوں سے منع نہ کرو، ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں یہ زائد الفاظ صحیح ہیں۔ شوکانیؒ نے جلد ۳ صفحہ ۱۶۰ میں اور ابن حجرؒ نے جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ میں اسے صحیح ابن خزیمہ (۹۲/۳) کی طرف منسوب کیا ہے، حاکم نے جلد ا صفحہ ۲۰۹ میں اسے روایت کیا ہے اور انہوں نے اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکو، اور یہ جب جائیں تو انہیں بناؤ سنگار کے بغیر جانا چاہیئے۔ (دیکھو مسئلہ ۳۲۱)

ہمارا قول بھی یہی ہے، عورتیں جب خوشبو اور زیب و زینت لگا کر گھروں سے نکلیں گی، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہوں گی، اس حکم کے خلاف گھروں سے باہر نکلیں گی، جو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں انہیں دیا ہے لہٰذا اس صورت میں انہیں مسجدوں میں جانے کی اجازت دینا بالکل جائز نہیں۔

عہدِ رسالتؐ میں عورتوں کے مسجد میں آکر باجماعت نمازیں ادا کرنے کے بارے میں بہت سے آثار ہیں، جو حد درجہ صحیح ہیں، ان کا کوئی جاہل ہی انکار کر سکتا ہے مثلاً اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نمازِ صُبح پڑھا کر فارغ ہوتے، تو عورتیں اپنی اُوڑھنیاں اوڑھے ہُوئے واپس گھروں میں آجاتی تھیں اور نمازِ صبح سے فراغت کے بعد ابھی تک اس قدر تاریکی ہوتی کہ عورتیں پہچانی نہیں جاتی تھیں! (مسلم نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

ابوحازم نے حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں لوگوں کو نمازیں ادا کرتے ہوتے دیکھا کہ انہوں نے چادروں کو تنگ ہونے کے باعث گردنوں میں لٹکا رکھا ہوتا تھا، اسی وجہ سے کسی نے کہا تھا عورتو! تم اس وقت تک اپنے سر نہ اٹھایا کرو، جب تک پہلے آدمی نہ اُٹھالیں۔ (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی کتاب الصلاۃ)

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "جب میں نماز شروع کرتا ہوں، تو ارادہ یہ ہوتا ہے کہ لمبی نماز پڑھوں، اتنے میں کسی بچے کے رونے کی آواز کو سنتا ہوں، تو اس خدشے کے باعث نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کہ بچے کی ماں کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔" (ترمذی کتاب الصلاۃ)

بطریق ابوبکر بن ابی شیبہ حُسَین بن علی جُعفی، از زائدہ، از عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آدمی کی سب سے بہتر صف اگلی اور سب سے بدتر پچھلی ہے عورتوں کی سب سے بدتر صف اگلی اور بہتر پچھلی ہے، پھر فرمایا "اے گروہ زناں! جب آدمی سجدہ کریں، تو تم اپنی نظروں کو نیچے جھکا لیا کرو، مردوں کی چادریں چونکہ چھوٹی ہیں لہٰذا ان کی شرمگاہوں کی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مت دیکھو۔ (حوالہ مسئلہ ۳۲۱ میں دیکھو)

نیز حدیث ایوب، از نافع از ابن عمرؓ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے کاش! اس دروازے کو ہم عورتوں کے لیے وقف کر دیں، ابن عمرؓ پھر کبھی تا زیست اس دروازے سے داخل نہ ہوئے[1] (حوالہ مسئلہ ۳۲۱ میں دیکھو)

حضرت عمر بن خطابؓ بھی باب النساء سے داخل ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے[2] (حوالہ مسئلہ ۳۲۱ میں دیکھو)

نمازِ کسوف کے سلسلہ میں حضرت اسماءؓ سے جو روایت ہے، اس میں بھی ہے کہ انہوں نے دیگر عورتوں کے ساتھ مسجد میں آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ (بخاری مسلم)

یہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت ﷺ عورتوں کو راتوں اور اندھیروں میں گھروں سے نکل کر مسجدوں میں نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں کہ انہوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی اٹھا رکھا ہو، ان کے لیے ایک دروازہ بھی مخصوص کر دیا ہو، آپ جوان وغیر جوان سب عورتوں کو مسجد میں حاضر ہو کر نماز پڑھنے کا حکم بھی دیں، جس کے پاس اوڑھنے کے لیے چادر نہ ہو اسے ترغیب دیں کہ وہ کسی دوسری عورت سے مستعار لے لے اور پھر ان کے لیے افضل یہ ہو کہ وہ مسجدوں کے بجائے، گھروں میں پڑھ لیں، ایسا طرزِ عمل تو مسلمانوں کی ادنیٰ خیر خواہی چاہنے والا بھی اختیار نہیں کر سکتا چہ جائیکہ آنحضرت ﷺ اختیار فرمائیں، جن کی شفقت و رحمدلی کی خود رب کائنات نے یہ شہادت دی ہے کہ۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (التوبة - ۱۲۸)	تمہاری تکلیف آپؐ کو گراں معلوم ہوتی ہے اور بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پہ نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

۷۹۰ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسحاق بن ابراہیم از جریر بن عبدالحمید، از اعمش از زید بن وہب، از عبدالرحمٰن بن عبد

[1] ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۲۳، المحلّٰی جلد ۳ صفحہ ۷۷ [2] المحلّٰی جلد ۳ صفحہ ۷۷، ۷۸، امین یہ اثر پہلے بھی گزر چکا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رب الکعبۃ روایت کیا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھ سے پہلے بھی ہر نبی پر یہ فرض تھا کہ وہ اپنے علم کے مطابق، اُمّت کی خیر و بھلائی کی طرف راہنمائی کرے اور شر سے ڈرائے۔ (مسلم کتاب الامارۃ، ابوداؤد کتاب الفتن، نسائی کتاب البیعۃ، ابن ماجہ کتاب الفتن)

مخالفینِ حق نے اس سلسلہ میں ایک موضوع حدیث پیش کی ہے، جسے عبدالحمید بن مُنذِر انصاری نے اپنی پھوپھی یا دادی ام حُمَید سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میرے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ (الاصابۃ والاستیعاب ترجمۃ اُم حمید، اس حدیث پر تفصیلی بحث مسئلہ ۳۲۱ میں دیکھو)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں عبدالحمید بن مُنذِر مجہول ہے، اسے کوئی نہیں جانتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں ایک یہ روایت بھی ذکر کی ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ عورتوں کے ان احوال کو دیکھتے، جو انہوں نے اب اپنا رکھے ہیں، تو انہیں مسجدوں میں آنے سے منع فرما دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ (حوالہ مسئلہ ۳۲۱ میں دیکھو)

یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی اور اس کے آٹھ اسباب ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ کے دین کو قیامت تک کے لیے بھیجا ہے اور اس دین میں آپؐ کی طرف وحی یہ ہوئی کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کیا جائے، عورتیں آزاد ہوں یا لونڈیاں خاوندوں والی ہوں یا ان کے خاوند نہ ہوں، رات کو جائیں یا دن کو، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بعد میں عورتوں کے احوال کیا ہو جائیں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ عہدِ رسالت میں منع کیا اور نہ یہ فرمایا کہ ان کے احوال جب بدل جائیں، تو پھر انہیں منع کر دینا۔

(۲) آنحضرت ﷺ اگر ان کی تبدیلیٔ احوال کو دیکھتے تو منع فرما دیتے ۔۔۔ اگر اس اصول کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کے جواز کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ آپ نے تبدیلیٔ احوال کو محسوس نہیں فرمایا لہٰذا منع نہیں فرمایا اور نہ اس سلسلہ میں کوئی حکم دیا لہٰذا عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنا جائز نہیں۔

(۳) یہ کبیرہ گناہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی شریعت کے کسی ایسے حکم کو منسوخ کہ دیا جائے، جسے آپ نے منسوخ نہیں کیا بلکہ یہ بالکل کفر ہے۔

(۴) آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا قول دین میں حجت نہیں ہے۔

(۵) حضرت عائشہؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ عورتوں کو منع کرنا تمہارے لیے جائز ہے بلکہ انہوں نے اپنے گمان سے ایک بات کہی جس پر کبھی عمل نہیں ہوا یعنی صحابہ کرامؓ نے اس سلسلہ میں گویا آپ کی مخالفت کی۔

(۶) عورتوں میں زنا سے بڑھ کر اور کوئی برائی نہیں ہو سکتی، اس برائی کا وجود عہدِ رسالت میں بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں اظہارِ زیب و زینت سے منع فرمایا، اس بات سے بھی منع کیا کہ وہ اپنے پاؤں کو اس انداز سے زمین پر ماریں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے (نور: ۳۱) آنحضرت ﷺ نے ایسی عورتوں کو ڈرایا جو عریاں لباس پہننے والی ہوں اور جو خود مائل ہونے والی اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں، جن کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں جیسے ہوں تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکیں گی (مسلم موطا مسند احمد) آپ کو معلوم تھا کہ ایسی عورتیں آپ کے بعد بھی ہوں گی، مگر آپ نے ان اسباب کے باوصف انہیں مسجدوں میں آنے سے منع نہیں فرمایا۔

(۷) یہ بھی جائز نہیں کہ اسے بھی سزا دی جائے، جو جرم کا ارتکاب نہ کرے یعنی یہ بالکل باطل ہے کہ ان عورتوں کو بھی مسجد میں جانے سے روک دیا جائے، جنہوں نے اپنے احوال میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، فرمان باری تعالیٰ بھی ہے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۔ (الانعام - ۱۶۴)

جو شخص برائی کرے گا تو اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا کیونکہ کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۸) اس بارے میں ان کا اختلاف نہیں کہ عورتوں کو ملنے جُلنے کے لیے جانے، بازاروں میں خرید و فروخت کرنے اور دیگر ضروریات کے لیے گھروں سے نکلنے سے منع کرنا درست نہیں، انہیں مطلقاً ان امور کی اجازت دیئے رکھنے سے بڑھ کر ضلالت و بُطلان کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی حالانکہ ان میں سے بعض نے جو حالات اپنا رکھے ہیں، وہ اپنی جگہ مسلّم ہیں، ان اُمور سے انہیں منع نہ کرنا مگر مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا جو کہ توحید کے بعد افضل ترین عمل ہے ایسا شخص کی زبان کو زیب نہیں دیتا، جو استنباط و استدلال کی عقل رکھتا ہو، سنن ثابتہ و متواترہ کی مخالفت سے اللہ کی پناہ! (دیکھو مسئلہ ۳۲۱ ایضاً)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ صحیح بات وہ ہے جسے:۔

۷۹۱ [ہم نے بطریق عبد اللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابن الأعرابی از ابو داؤد از محمد بن مثنّٰی از عمرو بن عاصم کلابی از ہمام بن یحییٰ از قتادہ از مُورّق عجلی از ابو الاحوص روایت کیا کہ] حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں حجرہ کی نسبت اور مسجد میں گھر کی نسبت افضل ہے[1]

اس حدیث کو ہم نے دیگر الفاظ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ ۷۹۲ [ہم نے بطریق محمد بن سعید بن نبات از عباس بن اصبغ از محمد بن قاسم از محمد بن عبد السلام خشنی از محمد بن مثنّٰی از عمرو بن عاصم کلابی از ہمام از قتادہ از مورّق عجلی از ابو الاحوص روایت کیا کہ] حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت پردہ ہے، جب باہر نکلتی ہے، تو شیطان اسے مُزیّن کر کے پیش کرتا ہے، عورت اپنے رب ذوالجلال کے چہرہ اقدس کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے، جب اپنے گھر کے اندر چھپی ہوئی ہو، عورت کی نماز اس کے گھر کی کوٹھڑی میں گھر کی نسبت افضل ہے اور گھر میں نماز اسکے حجرہ کی نسبت افضل ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ حدیث ۱۶۸۵ اور ۱۶۹۰، وعبد الرزاق ۳/۱۵۰)

[1] مسئلہ ۳۲۱ کے ضمن میں اس حدیث پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ وہاں ہم نے ذکر کیا تھا کہ مصنف کو حدیث کے بارہ میں غلطی لگ گئی ہے کیونکہ صحیح الفاظ میں "صلاتھا فی مخدعھا" "مسجدھا" کی نسبت زیادہ صحیح ہیں جیسا کہ ابو داؤد میں ہے پس اس موہوم لفظ سے مصنف کا استدلال ساقط ہو گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

اس حدیث میں "مخدع" کا ذکر ہے "مسجد" کا بالکل ذکر نہیں ہے، اگر یہ روایت صحیح بھی ہو کہ اس کی گھر میں نماز مسجد کی نسبت افضل ہے تو پھر بھی یہ دلیل نہ بن سکے گی کیونکہ بلاشک و شبہ یہ منسوخ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی کوئی بھی سند ایسی نہیں جو درست ہو اور پھر یہ بھی امر قابلِ غور ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا آنحضرت ﷺ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ انہیں مسجد میں آنے جانے کے سلسلہ میں تکلف کرنا پڑتا ہے اور یہ آپؐ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنے میں رغبت رکھتی ہیں، تو آپؐ نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا اور بلاشک و شبہ آخری امر اس سلسلہ میں یہی ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں عورتیں مسجد ہی میں نماز ادا کرتی رہی ہیں!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

عورت کی مسجد سے مراد یہاں اس کے محلہ اور قوم کی مسجد ہے، یہ گمان کرنا جائز نہیں کہ اس سے مراد اس کے گھر کی مسجد ہے کیونکہ اگر اس سے فی الواقع یہی مراد ہوتی، تو آپؐ یہ فرماتے کہ اپنے گھر میں نماز، اپنی گھر کی نماز کی نسبت افضل ہے اور یہ یکسر درماندگی ہے اور یہ حرام ہے کہ اس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی جائے۔

ائمہ کرام کے اقوال بھی اس مسئلہ میں ہمارے قول کے مانند ہیں

چنانچہ معمر زہری سے روایت کرتے ہیں کہ عاتکہ بنت زید بن عمرو کے حبالۂ عقد میں تھیں، آپ مسجد میں نماز پڑھتیں، حضرت عمرؓ فرما میں اسے پسند نہیں کرتا، وہ جواب میں کہتیں میں اس وقت تک باز مجھے منع نہیں فرمادیتے" حضرت عمرؓ فرماتے نہیں میں اس سے منع نہیں حضرت عمر کو نیزا مارا گیا، اس دن بھی آپ مسجد میں تھیں[1] (عبدالرزاق ۳/۱۴۸)

حضرت عمرؓ کے نزدیک اگر عورت کے لیے مسجد کے بجائے گھر میں نماز پڑھنا

---

[1] اس حدیث پر تفصیلی گفتگو مسئلہ ۳۲۱ میں دیکھئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا تو آپ اسے مجبور کرتے ہوئے کم از کم یہ ضرور فرماتے کہ تم افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر رہی ہو خصوصاً جبکہ میں اسے پسند بھی نہیں کرتا۔ آپ نے ایسا نہیں کہا بلکہ بس اپنی خواہش کے اظہار پر اکتفا فرمایا ہے، یہ بھی ایک باطل امر ہے کہ یہ خاتون جو کہ صحابیہ ہیں ایک ایسے عمل کو پسند کریں جو بذاتِ خود افضل بھی نہ ہو اور ان کے خاوند کی ناراضگی کا باعث بھی بنے اور پھر حضرت عمر فاروقؓ جیسا ان کا خاوند بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑے رکھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان میاں بیوی کے نزدیک فضلِ عظیم اسی عمل میں تھا جس میں خاوند کی رضامندی کی موافقت کو ساقط کر دیا گیا، خاوند بھی ایسا جو کہ امیر المؤمنین بھی تھے اور شرفِ صحبتِ رسول ﷺ سے بھی مشرف اس نیک خاتون نے اپنے عظیم و جلیل خاوند کی خواہش کے برعکس اندھیروں میں مسجد میں جا کر باجماعت نماز کی ادائیگی کو ترجیح دی، جس شخص میں ادنیٰ سی بھی عقل ہو اس کے لیے اس واقعہ سے یہ مسئلہ ازحد واضح ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک میں عورتوں کا مسجد میں قیام

ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو حکم دیا کہ وہ رمضان المبارک میں مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کو نماز پڑھایا کریں۔ (عبدالرزاق ۳/۱۵۱، نیز دیکھئے مسئلہ ۳۲۱)

بطریق عرفجہ روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ لوگوں کو رمضان المبارک میں قیام کا حکم دیا کرتے تھے، آپ نے ایک امام آدمیوں کے لیے اور ایک عورتوں کے لیے مقرر فرما رکھا تھا۔ عرفجہ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے عورتوں کو نمازیں پڑھائیں۔ (عبدالرزاق ۳/۱۵۲)

یہ بھی قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے ایک صاحبزادے نے کہا کہ وہ عورتوں کو مسجدوں میں جا کر نمازیں پڑھنے سے ضرور منع کریں گے، تو آپ نے ان سے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں یہ ائمۃ المسلمین کا طرز فکر و عمل ہے اور پھر اس پر مستزاد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ کہ اطراف و اکنافِ عالم میں نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کا عمل اسی پہ چلا آرہا ہے (کہ وہ عورتوں کیلئے مسجدوں میں نمازوں کی باجماعت ادائیگی کو افضل سمجھتے ہیں) وباللہ تعالیٰ التوفیق

۴۸۶۔ وہ عذر جن کے باعث جماعت سے پیچھے رہا جا سکتا ہے آدمیوں کے لیے

وہ عذر جن کے باعث جماعت سے پیچھے رہا جا سکتا ہے (ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔)

بیماری، خوف، بارش، سردی، مال کے ضیاع کا خوف، کھانے کی موجودگی، مریض کے ضیاع یا میت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ، امام کا اس قدر لمبی نماز پڑھانا کہ مقتدیوں کو اس سے تکلیف ہو لہسن، پیاز یا کراث وغیرہ کا کھانا جب تک کہ ان کی بُو آرہی ہو، جنہوں نے ان میں سے کسی چیز کو کھایا ہو انہیں مسجد سے بھی باہر نکالا جا سکتا ہے ان کے علاوہ اور کسی کو مسجد سے باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ حتیٰ کہ مجذوم جسکے ہاتھ پاؤں سے بدبو آتی ہو یا اور کسی بھی بیماری میں مبتلا ہو یا چھوٹا بچہ اٹھانے والی عورت کو بھی مسجد سے باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ مرض اور خوف کے بارے میں تو قطعاً کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

نیز فرمایا :۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (انعام۔۱۱۹) جن چیزوں کا استعمال حالتِ اضطراری کے سوا جن تمام حالتوں میں اللہ نے حرام ٹھہرایا ان کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

مزید فرمایا :۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ (النحل۔۱۰۶) جو مجبور ہو گیا۔

اسی طرح ضیاعِ مال کے بارے میں دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے (بخاری مسلم دارمی موطا)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھانے کی موجودگی میں ترک جماعت

۷۹۳۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن عبّاد از حاتم بن اسمٰعیل از یعقوب بن مُجاہد ابوحزرہ سے روایت ہے کہ] ابن ابی عَتیق ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں اور بول و براز کے غلبہ کے وقت نماز نہیں ہوتی۔ (مسلم ابوداؤد کتاب الصلاۃ)

بدبودار چیزیں کھانے کے باعث ترک جماعت

۷۹۴۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن رُبیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعیب از اسحاق بن مَنصور از یحیٰی بن سعید قطّان از ابن جُریج از عطا روایت کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس درخت کو کھائے ـــــ پہلے دن تو آپ نے لہسن کا نام لیا ـــــ اور پھر فرمایا کہ لہسن، پیاز اور کراث کو۔ وہ ہماری مساجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں جس سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ (بخاری مسلم نسائی کتاب الصلاۃ، ترمذی کتاب الاطعمۃ)

۷۹۵۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن رُبیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعیب از محمد بن مُثنّٰی از یحیٰی بن سعید قطّان از ہشام دستوائی از قتادہ، از سالم بن ابی الجَعد، از مَعدان بن ابی طَلحہ روایت کیا کہ] حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا لوگو تم ان دو درختوں کو کھاتے ہو جو بدبودار ہیں یعنی پیاز لہسن، میں نے دیکھا کہ اگر آنحضرت ﷺ کسی کے منہ سے ان کی بو محسوس فرماتے، تو حکم دیتے کہ اسے مسجد سے نکال کر بقیع کی طرف بھیج دو۔ (مسلم نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

ان کے علاوہ اور کسی کو مسجد سے باہر نکالنا درست نہیں کیونکہ اگر کسی اور کی بابت بھی اللہ تعالیٰ کا اس طرح کا ارادہ ہوتا، اسے بیان فرما دیتا (وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا)

اگر کوئی شخص یہاں اس حدیثِ نبوی کو ذکر کرے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں کہ ”نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو کوئی بیماری متعدی ہے اور نہ بدشگونی جائز ہے، مجذوم سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔" (بخاری مسند احمد)

اس حدیث کے معنی اسی طرح ہیں جس طرح یہ فرمان باری تعالیٰ ہے (اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ) جو چاہو عمل کرو) یعنی مجذوم سے خواہ اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو، یہ متعدی بیماری تو ہے نہیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے مقدر میں لکھ رکھا ہے، بھاگنا اس سے بچا نہیں سکتا۔ اگر یہ معنی نہ بیان کیے جائیں، تو پھر حدیث کا آخری حصہ پہلے کے مخالف ہو گا اور یہ محال ہے۔

اگر یہاں فرار کے معنی یہی ہوتے، تو پھر یہ امر عام ہوتا اور اس سے اس کی بیوی بچوں کو بھاگنا بھی فرض ہو جاتا حتیٰ کہ وہ بھوک اور تکلیف سے مر جائیں اور یہ یقینی طور پر باطل ہے اور پھر اس بارے میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں بھی مجذوم تھے اور ان سے کوئی شخص نہیں بھاگا۔ معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہی ہے، جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

بارش کے باعث ترکِ جماعت

۷۹۶] ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی از ابراہیم بن احمد بلخی از فربری از بخاری از سعید بن عُفیر از لیث از عقیل بن خالد از ابن شہاب روایت کیا کہ] حضرت محمود بن رَبیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ عِتبان بن مالکؓ ــــ وہ انصاری صحابی جنہوں نے جنگِ بدر میں بھی شرکت فرمائی ــــ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! میری نظر خراب ہو گئی ہے، میں اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتا ہوں لیکن جب بارشیں شروع ہو جاتی ہیں، تو یہ وادی بہنا شروع ہو جاتی ہے، جو میرے اور میری قوم کے درمیان حائل ہے لہٰذا میں مسجد میں نہیں آ سکتا، اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں تاکہ میں اس جگہ کو جہاں آپ نماز پڑھائیں جائے نماز بنا لوں۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سن کر فرمایا کہ "ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا۔" عِتبانؓ کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ میرے گھر تشریف لائے (یہ ایک لمبی حدیث کا حصہ) (بخاری مسلم نسائی ابن ماجہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۹۷ [بسند سابقہ از مُسَدَّد از یحییٰ بن سعید قطّان از عبید اللہ بن عمر از نافع روایت کیا ہے کہ] حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک سرد رات میں ضَجْنَان[1] میں اذان کہی اور پھر یہ کلمہ بھی کہہ دیا۔

اَلَا صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ خبردار! لوگو اپنے گھروں میں ہی نمازیں پڑھ لو۔

پھر آپ نے ہمیں بتایا کہ آنحضرت ﷺ مؤذن کو جب اذان کہنے کا حکم دیتے، تو فرماتے کہ اذان کے بعد یہ بھی کہنا "اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ" خبردار! لوگو! اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھ لو۔ (بخاری کتاب الصلاۃ، دیکھو مسئلہ ۳۲۳)

۷۹۸ [ہم نے بطریق ہمام از ابن مُفَرِّج از ابن الاعرابی از دبری از عبد الرزاق از سفیان ثوری از خالد حذّاء از ابو قلابہ از ابو الملیح بن اُسامہ روایت کیا کہ] حضرت اُسامہ بن عُمیر ہُذلیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم صلح حُدیبیہ کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، بارش ہوئی کہ جس سے ہمارے جُوتوں کے تلوے بھی گیلے نہ ہوتے مگر مؤذنِ نبوی نے اذان دی جس میں یہ بھی کہا "اَنْ صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ"[2] یعنی اپنے ٹھکانے پر نمازیں پڑھ لو۔

۷۹۹ [بسند سابقہ از ابن جُریج از نافع از ابن عمر از نعیم بن نَحّام روایت ہے کہ] آنحضرت ﷺ کے مؤذن نے ایک سرد ترین رات میں اذان دی جبکہ میں لحاف اُوڑھے ہوئے لیٹا تھا میں نے خواہش کی اے کاش کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے یہ کلمہ نکال دے کہ وَلَا حَرَجَ، چنانچہ اذان سے فارغ ہوکر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ وَلَا حَرَجَ (یعنی اگر تم گھروں ہی میں نماز ادا کرو تو کوئی حرج نہیں) (عبد الرزاق ۱/۵۰۲)

۸۰۰ [ہم نے بطریق عبد اللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سُلیم از ابن الاعرابی از ابو داؤد از مُسَدَّد از اسماعیل بن عُلَیّہ از عبد الحمید صاحب زیادی از عبد اللہ بن حارث ابن عم محمد بن سیرین روایت کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ نے بارش کے دن اپنے مؤذن سے یہ کہا کہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے

[1] مکہ کے باہر ایک مقام کا نام ہے۔
[2] عبد الرزاق جلد ۱ صفحہ ۵۰۰ و مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۷۴ بطریق عبد الرزاق و دیگر اسانید کے ساتھ جلد ۵ صفحہ ۲۴ و ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۴۱۰ و نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۷ و طیالسی صفحہ ۱۸۷ احدیث نمبر ۱۲۲ یہاں بیان کردہ سند اور بعض دیگر اسانید مد درجہ صحیح ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعد حَیَّ عَلَی الصَّلاۃ نہ کہنا بلکہ یہ کہنا کہ

"صَلُّوا فِی بُیُوتِکُم" اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔

ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ ایسا اس شخص نے کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھا، جمعہ اگرچہ بڑی فضیلت کا حامل ہے مگر میں نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ تمہیں تکلیف میں مبتلا کروں اور تم کیچڑ اور بارش میں چلتے آؤ! (بخاری مسلم ابو داؤد ابن ماجہ کتاب الصلاۃ، دیکھو مسئلہ ۳۳۳)

۸۰۱۔ [ہم نے بطریق یوسف بن عبداللہ نمری از عبداللہ بن محمد بن یوسف اَزدی قاضی از اسحاق بن احمد از عُقیلی از موسیٰ بن اسحاق انصاری از ابوبکر بن ابی شیبہ از یحییٰ بن سعید قطان از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ روایت کیا کہ] کثیر مولیٰ ابن سمرہ نے فرمایا کہ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ کے پاس سے گزرا اور وہ اپنے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے لگے تمہارے امیر نے کیا خطبہ دیا ہے؟ میں نے کہا آپ نے جمعہ نہیں پڑھا؟ کہنے لگے کہ میں اس کیچڑ وغیرہ کی وجہ سے نہیں جا سکا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۱۵۲)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کا یہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں عمل ہے کہ کیچڑ وغیرہ کے باعث انہوں نے جمعہ ترک کیا اور مؤذن کو حکم دیا کہ وہ "اَلَا صَلُّوا فِی الرِّحَال" کہے، صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔"

امام کی لمبی قرات کے باعث ترکِ جماعت

امام کی لمبی قرات کے باعث ترکِ جماعت کے سلسلہ میں ہم قبل ازیں حدیثِ معاذؓ ذکر کر آئے ہیں، جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی لمبی قرات کے باعث ایک شخص نے نماز توڑ دی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس نماز توڑنے والے کو کچھ نہیں کہا تھا۔

۸۰۲۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن حجاج از یحییٰ از ہشیم از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم روایت کیا کہ) حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز سے پیچھے رہتا ہوں کیونکہ وہ بہت لمبی قرات کرتے ہیں، یہ سن کر آپ نے جس قدر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا، کبھی بھی وعظ و نصیحت کے موقعہ پر اس قدر اظہار نہیں فرمایا، اس دن آپ نے فرمایا لوگو! تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دین سے متنفر کرنے والے ہیں، تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے، وہ اختصار سے کام لے کیونکہ اس کے پیچھے بڑی عمر والے، کمزور اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ (بخاری مسلم ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

امام کی لمبی قرات کے باعث اس شخص کے فرض نماز سے پیچھے رہنے پر آپ نے کچھ نہیں کہا، اگر مجذوم، ہاتھ پاؤں سے بو آنے والے اور مُولی کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہوتا تو آنحضرت ﷺ حسب امر الٰہی اسے بھی ضرور بیان فرما دیتے۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔

۴۸۷۔ امامت کون کرائے؟

افضل یہ ہے کہ نماز باجماعت کا امام وہ شخص بنے جو قرآن مجید کا زیادہ پڑھنے والا ہو، خواہ فضیلت کے اعتبار سے دوسروں کی نسبت کچھ کم ہی ہو، اگر قراتِ قرآن مجید کے اعتبار سے سب برابر ہوں تو پھر جو زیادہ دینی سمجھ بوجھ رکھنے والا ہو، اگر بہت فقاہت و قرات میں بھی سب برابر ہوں، تو پھر وہ جو نیکی میں زیادہ پیش قدمی کرنے والا ہو، اگر سلطانِ وقت حاضر ہو جس کی اطاعت واجب ہے، یا اس کا امیر موجود ہو تو وہ بہر حال امامت کا زیادہ حق دار ہے اگر حاضرین کسی شخص کے گھر میں ہوں تو پھر سلطان کے علاوہ صاحب خانہ بہر حال میں امامت کا زیادہ حقدار ہے، اگر ان مذکورہ بالا امور میں بھی سب حضرات برابر ہوں تو پھر جو زیادہ معمر ہو، وہ امامت کرائے، اگر اس ترتیب کے برعکس کوئی امام بن جائے، تو نماز درست ہو گی ہاں اگر کوئی سلطانِ وقت یا صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امام بن جائے تو ان دونوں صورتوں میں امام اور ان کے مقتدیوں کی نماز نہ ہو گی۔ قبل ازیں ہم مالک بن حویرثؓ کی حدیث ذکر کر آئے ہیں کہ تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے کیونکہ وہ دونوں قرات، فقاہت اور ہجرت کے اعتبار سے مساوی تھے۔

۲۰۸۰۳ ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن بشار از یحییٰ بن سعید قطان از قتادہ از ابی نضرۃ روایت کیا کہ] حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تین شخص ہوں، تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے، جو زیادہ قاری قرآن ہو۔ (مسلم نسائی کتاب الصلاۃ)

یہ روایت بطریق عبداللہ بن مبارک، از جریری، از ابو نضرہ، از ابو سعید خدری، از آنحضرت ﷺ بھی مروی ہے۔ (مسلم)

۸۰۴ [بسند سابقہ از ابو سعید اشج و محمد بن مثنیٰ، اشج نے تو از ابی خالد احمر از اعمش روایت کیا ہے جبکہ ابن مثنیٰ کی سند از محمد بن جعفر از شعبہ ہے پھر شعبہ و اعمش دونوں اس طرح سند بیان کرتے ہیں کہ از اسماعیل بن رجاء، از اوس بن ضمعج، از ابی مسعود۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اوس بن ضمعج سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو مسعود بدری سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت کے فرائض وہ سرانجام دے جو کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر قراءت میں برابر ہوں، تو پھر وہ جو سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو اگر علم سنت کے اعتبار سے بھی برابر ہوں تو وہ جو ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو وہ جو اسلام کے اعتبار سے قدیم ہو، کوئی شخص کسی دوسرے کی بادشاہت میں امامت نہ کرائے اور نہ کسی کے گھر میں صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر عزت و اکرام کی جگہ پر بیٹھے (مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

اس ہجرت کی تفسیر آنحضرت ﷺ نے اس طرح بھی بیان فرمائی ہے کہ یہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے جیسا کہ

۸۰۵ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از آدم از شعبہ از عبداللہ بن ابی السفر و اسماعیل بن ابی خالد از شعبی روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں اور مہاجر وہ جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔[1]

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(بخاری کتاب الایمان و الرقاق، مسلم کتاب الجہاد)

امام مالکؒ کا مذہب

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ افضل شخص امامت کرائے، خواہ قرأت قرآن کے اعتبار سے کم ہی ہو، لیکن یہ غلط ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے خلاف ہے۔

۸۰۶۔ [ہم نے بطریق ہمّام از ابن مُفرّج از ابن الاعرابی از دَبری از عبدالرزاق از ابن جریج روایت کیا کہ] نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے سنا کہ مسجد قبا میں سالم مولیٰ ابو حُذیفہؓ صحابہ کرامؓ میں سے مہاجرین اوّلین اور انصار کی امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے جبکہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، ابو سلمہؓ زید بن حارثہؓ اور عامر بن ربیعہؓ جیسی شخصیتیں بھی تشریف فرما ہوتی تھیں۔ (عبدالرزاق ۲/۳۸۸)

۸۰۷۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابراہیم بن منذر از انس بن عیاض از عبیداللہ بن عمر از نافع روایت کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے قبل مہاجرین اوّلین قبا کے نزدیک مقام عُصبَہ میں پہنچے، تو سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ان کی امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے کیونکہ آپ قرآن مجید کو زیادہ پڑھنے والے تھے۔ (بخاری ابوداؤد کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ کرامؓ کا عمل ہے، جس سے آنحضرت ﷺ بھی آگاہ تھے، صحابہ کرامؓ میں سے بھی کسی نے اس مسئلہ میں کوئی مخالفت نہیں کی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت صُہیبؓ کو امام بنا دیا تھا؟ (الاصابۃ ترجمہ صہیب) تو ہم عرض کریں گے کہ اس طرح حضرت صُہیبؓ امام المسلمین کی طرف سے قائم مقام امیر کی حیثیت رکھتے تھے اور حضرت عمرؓ سلطان المسلمین ہونے کی حیثیت سے امامت کے اس وقت سب سے زیادہ حق دار تھے، اسی طرح یہ بھی آپ کے دائرۂ اختیار میں تھا کہ جس کو چاہیں جس جگہ چاہیں اپنی طرف سے قائم مقام مقرر فرما دیں!

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مصنف کی طرف سے یہ ایک بہت ہی بعید تاویل ہے کیونکہ حدیث میں ہجرت سے مراد ہجرت مدینہ ہی ہے، سبقت کے اعتبار سے مہاجرین کے درجے مختلف تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور سعید بن جُبَیرؓ سے روایت کیا ہے، ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب سفر میں تین شخص ہوں تو امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ قاریِ قرآن ہو، اگرچہ عمر کے اعتبار سے کم ہو جب یہ امامت کرائے گا، تو امیر بھی یہی ہوگا۔ ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا امیر ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۹۰ لیکن یہ روایت مرسل ہے اس لیے قابل حجت نہیں)

افضل کے ہوتے ہوئے مَفضُول کی امامت

افضل کے ہوتے ہوئے مَفضُول کی امامت بھی جائز ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے۔

۸۰۸۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن رَبِیع از محمد بن مُعَاوِیہ از احمد بن شُعَیب از محمد بن مثنّٰی از بکر بن عیسٰی از شعبہ، از نُعَیم بن ابی ہند از ابووائل از مسروق روایت کیا کہ] ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور حضور سرورِ کائنات ﷺ صف میں تھے (ترمذی نسائی کتاب الصلاۃ)

۸۰۹۔ [بسند سابقہ از علی بن حجر از اسماعیل بن عُلَیَّہ از حمید روایت ہے] حضرت انس نے فرمایا کہ آخری نماز جو آنحضرت ﷺ نے امت کے ساتھ ادا فرمائی، وہ تھی جو آپ نے ایک کپڑا اوڑھے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا میں ادا فرمائی۔ (نسائی کتاب الصلاۃ)

۸۱۰۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن رافع وحسن بن علی حُلوانی از عبدالرزاق از ابن جُرَیج از ابن شہاب از عبّاد بن زِیاد از عُروہ بن مغیرہ بن شعبہ روایت کیا کہ] حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک حدیث ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی معیت میں آیا، تو ہم نے دیکھا کہ لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنا امام بنا رکھا ہے اور وہ نماز پڑھا رہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے دو میں سے ایک رکعت کو باجماعت ادا فرمایا یعنی آپ نے دوسری رکعت لوگوں کے ساتھ پڑھی، جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے سلام پھیرا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو آنحضرت ﷺ اپنی نماز کی تکمیل کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے جس سے مسلمانوں کو گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے بکثرت تسبیح پڑھنا شروع کر دیا جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا "بہت خوب!" صحابہ کرام کے بروقت نماز پڑھنے پر آپ تحسین کا اظہار فرما رہے تھے۔ (بخاری مسلم ابو داؤد نسائی ابن ماجہ)

۱۱۰۸۔ [بسند سابقہ از ابن شہاب از اسمٰعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص، از حمزہ بن مغیرہ بن شعبہؓ] اسی حدیث کے مانند مگر اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو پیچھے ہٹا دوں لیکن آپ نے فرمایا نہیں رہنے دو۔ (مسلم نسائی ابن ماجہ)

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان کہ "امامت کے فرائض وہ سرانجام دے، جو قرآن کا زیادہ قاری ہو اگر برابر ہوں تو زیادہ فقاہت والا، اگر برابر ہوں تو ہجرت کے اعتبار سے قدیم، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو عمر کے اعتبار سے زیادہ بڑا"، استحباب پر محمول ہے، فرضیت پر نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ و عبدالرحمٰنؓ کی نسبت قرات، فقاہت، ہجرت اور عمر ہر اعتبار سے بڑھ کر تھے۔

ان دو حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز جائز ہے خواہ وہ کتنا ہی کم مرتبہ ہو کیونکہ ہر مسلمان کی فضیلت و دین کے اعتبار سے جو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نسبت ہے، وہ اس کی نسبت زیادہ قریب ہے جو حضرت ابو بکرؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ـــ حالانکہ وہ مسلمانوں میں سے افضل ترین تھے ـــ آنحضرت ﷺ سے تھی، اس دلیل سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن اس بارے میں ہمیں کوئی دلیل نہیں ملی کہ بادشاہ اور صاحب خانہ کی موجودگی میں بھی کوئی دوسرا امامت کرا سکتا ہے لہٰذا یہ صورت استحباب پر نہیں بلکہ وجوب پر ہی محمول ہوگی۔[1] بلکہ اس بارے میں جو دلیل ہے، وہ اس کے وجوب کی شدت میں اضافہ ہی کرتی ہے۔

[1] مصنف کا یہ مؤقف محلِ نظر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ایک سلطان کی بھی تھی اور مرجع امر و نہی کی بھی سلطان کی اطاعت ہم پر اس لیے واجب ہے کہ یہ آپ کا فرمان ہے اور آپؐ کی اطاعت اس لیے واجب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اس اعتبار سے آپؐ کی ذاتِ اقدس ـــ ہمارے ماں باپ نثار ہوں ـــ ایک سلطان کے مقام و مرتبہ سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اور یہ صحیح ہے جیسا کہ گزر چکا کہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتدا میں نماز پڑھی، جو آپ کی رعایا کے ایک فرد تھے حالانکہ حضرت عبدالرحمٰن نے یہ نماز آپ کی اجازت کے بغیر پڑھائی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸۱۲[ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سُلیم از ابن الاعرابی از ابوداؤد از عبداللہ بن محمد نفیلی از محمد بن سلمہ از محمد بن اسحاق از زہری از عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام از پدر خود روایت کیا کہ] حضرت عبداللہ بن زمعہؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو میں مسلمانوں کے ایک گروہ میں اس وقت موجود تھا، حضرت بلالؓ نے آپ کی خدمت میں نماز کے لیے عرض کیا، تو آپؐ نے فرمایا کسی سے کہو کہ وہ نماز پڑھا دے[1]، عبداللہ بن زمعہ جب مسجد میں آئے تو حضرت عمرؓ موجود تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت موجود نہ تھے، انہوں نے کہا عمرؓ! اُٹھیئے اور لوگوں کو نماز پڑھایئے، چنانچہ آپ آگے بڑھے اور تکبیر کہہ دی، آپ کی آواز بلند تھی، جب آنحضرت ﷺ نے آپ کی تکبیر کی آواز کو سنا تو فرمایا "ابوبکر کہاں ہیں"؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان اس (امامت) کا انکار کرتے ہیں"[2]۔ حضرت ابوبکرؓ کی طرف پیغام بھیجا گیا، آپ اس وقت پہنچے جب حضرت عمر نماز پڑھا چکے تھے، اس لیے آپ نے یہ نماز دوبارہ لوگوں کو پڑھائی[3] (ابوداؤد کتاب السنۃ)

۸۱۳-[ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از عبداللہ بن محمد بن عثمان از احمد بن خالد از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از داؤد بن ابی ہند از ابونضرہ روایت کیا کہ] ابوسعید مولیٰ ابی اُسید[4] فرماتے ہیں کہ میں نے جب شادی کی تو شب زُفاف صحابہ کرام کی ایک جماعت میرے گھر تشریف فرما تھی، جب نماز کا وقت

---

[1] محلّی کے دونوں نسخوں میں ہے کہ "ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں" یہ الفاظ غلط ہیں، ہم نے ان کی تصحیح ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۲۴۸ اور سیرۃ ابن اسحاق جسے ابن ہشام نے مرتب و مہذب کیا ہے صفحہ ۱۰۰۹ اور یہ حدیث ابن اسحاق کی ہے جو مسند احمد کے موافق ہے۔

[2] ابوداؤد، مسند احمد اور سیرت ابن ہشام میں یہ جملہ دوبارہ آیا ہے۔

[3] مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۲۲ بسند یعقوب از پدر خود، از ابن اسحاق مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے کہا "افسوس! ابن زمعہ تم نے یہ میرے ساتھ کیا کیا؟ جب تم نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے کہا تو اللہ کی قسم میرا یہ خیال تھا کہ تمہیں آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کبھی نماز نہ پڑھاتا۔ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! مجھے آنحضرت ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا لیکن میں نے جب ابوبکرؓ کو نہ دیکھا تو حاضرین میں سے تمہیں زیادہ حق دار سمجھا، ابن سعد نے اس کے مثل اسی کے ہم معنی از واقدی از محمد بن عبداللہ از زہری اپنی سند کے ساتھ جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۲۰-۲۱ میں روایت ذکر کی ہے۔

[4] یہ ابوسعید تابعی ہیں، ابن مندہ نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں ملاحظہ فرمایئے "الاصابہ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا، تو حضرت ابوذرؓ آگے بڑھنے لگے تاکہ نماز پڑھائیں مگر حضرت حذیفہؓ نے انہیں پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا کہ صاحب خانہ نماز پڑھانے کے زیادہ حقدار ہیں، انہوں نے ابن مسعود سے پوچھا کیا یہ بات اسی طرح ہے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں! ابوسعید کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں آگے بڑھ گیا اور میں نے نماز پڑھائی حالانکہ میں غلام تھا۔ (عبدالرزاق ۲/۳۹۲)

ابن جریج، عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی جماعت کسی جگہ پڑاؤ ڈالے، جب ان میں قریشی، عربی، آزاد کردہ غلام، اعرابی اور غلام ہوں اور ہر ایک کو الگ الگ غلام ملے اور ہر ایک اپنے اپنے خیمہ میں چلا جائے اور نماز کا وقت ہو تو کوئی دوسرے کے خیمے میں چلا جائے تو اس خیمے والا زیادہ حقدار ہے کہ امامت کرائے یا اپنا حق جس کو چاہے دیدے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۹۱ ومصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۷)

۴۸۸- وجۂ فضیلت صرف قرات وفقاہت ونیکی وعمر ہے

نابینا، بینا، خصی، غیر خصی، غلام، آزاد، ولد زنا اور قریشی نماز کی امامت کے لیے سب یکساں ہیں، ان میں سے ہر ایک پنجوقتی نماز کا امام ہو سکتا ہے، وجۂ فضیلت صرف قرات، فقاہت اور نیکی وعمر رسیدگی ہے۔

امام مالکؒ نے ولد زنا کی امامت اور غلام کے پنجوقتی نماز کا امام ہونے کو مکروہ سمجھا ہے لیکن اس قول کی کوئی معقول وجہ نہیں کیونکہ یہ قرآن مجید، صحیح وسقیم سنت، اجماع، قیاس اور کسی صحابی کے قول سے ثابت نہیں ہے اور پھر لوگوں کے عیوب ادیان واخلاق کے اعتبار سے ہوتے ہیں ابدان (اعراق انساب) کے اعتبار سے نہیں ہوتے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (الحجرات ۱۳) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

امام مالکؒ کے بعض مقلدین نے آپ کی طرف سے دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر ایسا کوئی امام ہوگا تو اس کے مقتدی جب اس کے بارے میں غور وفکر کریں گے، تو ان کی نماز میں خلل پیدا ہوگا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یہ بات حد درجہ غلط اور گری ہوئی ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جب کوئی غلیظہ یا بھینگا انسان نماز پڑھائے تو ولدِ زنا کی نسبت مقتدیوں کا خیال ان کی طرف زیادہ جائے گا اور پھر یہ کہ اگر اس سلسلہ میں دین میں کوئی حکم ہوتا تو اللہ تعالےٰ اپنے رسولؐ کی زبانی اسے ضرور بیان فرما دیتا وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا اور پھر پنجوقتہ نماز اور نوافل کی امامت میں فرق کرنا حد درجہ تعجب انگیز ہے"

فاسق کی امامت جائز ہے اگرچہ ہم اسے مکروہ سمجھتے ہیں، اگر فاسق زیادہ قاری قرآن اور زیادہ فقیہہ ہو تو وہ اس کی نسبت افضل ہے جو اس سے قراءت و فقاہت میں کم مرتبہ ہو اور آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جس سے گناہ سرزد نہ ہوتے ہوں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَـاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ — اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمہارے بھائی ہیں اور دوست ہیں۔

(الاحزاب - ۵)

نیز فرمایا ہے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ۔ — اپنے نیک غلاموں کا اور لونڈیوں کا نکاح کراؤ

(النور - ۳۲)

گویا اللہ تعالیٰ نے بطور نص فرمایا ہے کہ جس کا باپ معلوم نہ ہو، وہ ہمارا دینی بھائی ہے اور یہ بھی ہمیں خبر دی کہ غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی نیک لوگ ہو سکتے ہیں۔

۸۱۴۔ [ہم نے بطریق حمام از ابن مُفرّج از ابن الاعرابی از دَبری از عبدالرزاق، از ابن جُریج روایت ہے کہ] عبداللہ ابن ابی مُلیکہ نے بیان کیا کہ وہ اور ان کے والد و عبید بن عمیر اور مسور بن مخرمہ اور بہت سے لوگ وادی کے بالائی حصہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاتے، تو آپ کا غلام ابو عمرو مولی عائشہؓ نماز پڑھاتا، جو ابھی تک آزاد نہ تھا، یہ آپ کے خاندان یعنی بنی محمد بن ابی بکر اور عروہ کے امام تھے ہاں اگر عبداللہ بن عبدالرحمٰن[1] موجود ہوتے تو پھر یہ پیچھے آجاتے اور انہیں نماز پڑھانے کے لیے

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہتے، حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ جب ابوعمرو مجھے آنکھوں سے اوجھل پائے اور قبر کے گڑھے میں دفن کر دے تو وہ آزاد ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۹۳ و ۳۹۴)

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ غلام آزادوں کی امامت کرا سکتا ہے (ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۸)

شعبہ، حکم بن عتیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری اس مسجد کا امام غلام تھا اور شریح بھی اس مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۸)

بطریق وکیع از سفیان ثوریؒ از یونس مروی ہے حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ولد زنا اور دوسرے لوگ برابر ہیں۔ (ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۶)

نیز بطریق وکیع، از ربیع بن صُبیح مروی ہے کہ حضرت حسنؒ سے یہ بھی روایت ہے ولد زنا مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہی کی طرح ہے، امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے اور عادل ہو تو اس کی شہادت بھی جائز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۶)

بطریق وکیع از ہشام بن عروہ از پدر خود مروی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے جب ولد زنا کی بابت پوچھا جاتا، تو فرماتیں کہ اس کے والدین کی غلطی کا اس پہ کوئی اثر نہیں۔ فرمان الٰہی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی　　　کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(الانعام - ۱۶۴)　　　(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۶)

بطریق وکیع، از سفیان ثوری، از بردا بی العلاء مروی ہے امام زہریؒ نے فرمایا کہ اس عمل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے کئی لوگ مساجد کے امام بنے۔ وکیع فرماتے ہیں کہ اس عمل سے آپ کا اشارہ زنا کی طرف تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۶)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لے محلّی کے قلمی نسخوں میں یہ نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن ہی ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ تہذیب، میں ذکوان ابوعمرو کے حالات میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر حضرت عائشہؓ کے امام تھے، وہ نہ ہوتے تو آپ کے غلام ذکوان نماز پڑھاتے طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۰ میں بھی ایوب از ابن ابی ملیکہ اسی طرح مروی ہے اس میں عروہ بن زبیر کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان قریشیوں کو نمازیں پڑھایا کرتے تھے کیونکہ وہ زیادہ قاریِ قرآن تھے جب کہ ان میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر بھی موجود ہوتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفیان ثوری، حماد بن ابی سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے ولدِ زنا، اعرابی، غلام اور نابینا کی بابت پوچھا کہ کیا یہ لوگ امامت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں جب یہ اقامتِ صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ (عبدالرزاق ۲/۳۹۶)

شعبی فرماتے ہیں کہ ولدِ زنا کی شہادت بھی جائز ہے اور امامت بھی۔ (عبدالرزاق ۲/۳۹۷)

معمر سے روایت ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا کیا ولدزنا امام بن سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں اس کا کیا قصور؟ (عبدالرزاق ۲/۳۹۷)

آنحضرت ﷺ کے صحابی ابوزید رضی اللہ عنہ[1] بیٹھ کر نماز پڑھایا کرتے تھے کیونکہ ان کا ایک پاؤں نہیں تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ شل تھا، آپ کی امامت کے سلسلے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں، آپ مجلسِ شوریٰ کے بھی ممبر تھے۔

بطریق زہری، از حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوف عُبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جبکہ آپ محصور تھے اور کہا کہ "آپ تو عامۃ المسلمین کے امام ہیں اور ان حالات سے دوچار اور ہمیں امامِ فتنہ نماز پڑھاتے ہیں اور ہم اس میں حرج محسوس کرتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا نماز لوگوں کا سب سے حسین ترین عمل ہے، جب لوگ نیکی کا یہ عمل کریں تو تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ مگر جب وہ بُرے کام کریں، تو پھر ان سے اجتناب کرو۔ (بخاری کتاب الصلاۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حجاج اور نجدہ کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے حالانکہ ان میں سے ایک خارجی اور دوسرا مخلوق میں سب سے زیادہ فاسق ہے۔ (بیہقی ۳/۱۲۲ و عبدالرزاق ۲/۳۸۷)

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز ایک نیکی ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون کون لوگ میرے ساتھ شریکِ نماز ہوتے ہیں۔ (عبدالرزاق ۲/۳۸۶)

---

[1] محلّٰی کے بعض نسخوں میں ابن زید ہے لیکن میرے نزدیک ابوزید کو ترجیح ہے کیونکہ یہ ابوزید عمرو بن اخطب بن رفاعہ انصاری اعرج ہیں جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں، سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجہ میں ان کے سر کے بال بہت کم سفید ہوئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن جُرَیج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ اگر کوئی امام نماز بہت زیادہ تاخیر سے پڑھاتا ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ انہوں نے فرمایا مجھے باجماعت نماز ادا کرنا ہی زیادہ محبوب ہے۔ میں نے عرض کیا خواہ سورج زرد رنگ کا ہو جائے اور غروب ہونے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں میں چھپنے لگے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں جب تک غروب نہ ہو (عبدالرزاق ۲/۳۸۴) میں نے عطاء کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا کہ جو امام نماز صحیح طریقے سے نہ پڑھاتا ہو کیا اس سے الگ ہو کر نہ پڑھ لوں؟ فرمایا اسی کے ساتھ پڑھو اور جس قدر استطاعت ہو صحیح پڑھنے کی کوشش کرو، باجماعت نماز کی ادائیگی مجھے زیادہ محبوب ہے، جب امام رکوع سے سر اٹھائے اور رکعت کو پورا نہ کرے تو تم پورا کر لو، اگر سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد پورا نہ کرے، تو تم نماز کو پورا کر لو، اگر تشہد سے کھڑا ہونے میں جلدی کرے، تو تم نہ کرو، تم تشہد پورا کرو، خواہ وہ کھڑا ہی ہو جائے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۸۸ مختصراً)

بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از عُقبۃ روایت ہے کہ ابو وائل مختار کذّاب کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کر لیا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۲/۳۸۶)

ابو الاشہب سے روایت ہے کہ جب خوارج نے ظہور کیا تو میں نے یحییٰ بن ابی کثیر کی خدمت میں عرض کیا اے ابو النصر! ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا قرآن تمہارا امام ہے، جب یہ نماز پڑھتے رہیں، ان کے ساتھ مل کر پڑھو (عبدالرزاق ۲/۳۸۷)

ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ اعمش نے فرمایا کہ میں نے حضرت عَلقمہؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا امام نماز صحیح نہیں پڑھاتا، انہوں نے فرمایا لیکن ہم تو صحیح پڑھ لیتے ہیں اور خود اپنی نماز کو صحیح کر لیتے ہیں۔ (عبدالرزاق ۲/۳۸۸)

حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ مومن جب منافق کے پیچھے نماز پڑھے، تو اس کو نماز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور منافق جب مومن کے پیچھے نماز پڑھے، تو اس کو نماز کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۳۷۸)

قَتَادَہْ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مُسَیَّبْ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم حجاج کے پیچھے نماز پڑھ لیں ؟ انہوں نے فرمایا ہمیں اس سے بدتر کے پیچھے بھی نماز پڑھ لینی چاہیئے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

ہمیں نہیں معلوم کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک نے بھی مختار، عبیداللہ بن زیادؓ اور حجاج کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو حالانکہ ان سے بڑا فاسق اور کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ:۲) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرو۔

مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہو سکتی، جو شخص اسکی دعوت دے اسکی دعوت پر لبیک کہنا اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنا چاہیئے۔ بعد از کفر مساجد میں نمازوں کو معطل قرار دینے سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس لیے ترک جماعت میں تعاون کرنا حرام ہے۔"

روزہ، حج اور جہاد کے بارے میں بھی اصول یہی ہے، جو ان میں سے کسی عمل کی دعوت دے گا ہم اس پہ لبیک کہیں گے اور اگر کوئی ہمیں کسی گناہ کے کام کی دعوت دے گا، تو ہم نہ لبیک کہیں گے اور نہ کسی قسم کا تعاون کریں گے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو سُلیمانؒ کے بھی ان مسائل کے بارے میں یہی اقوال ہیں۔

۴۸۹- اگر امام بغیر وضو و بغیر طہارت امامت کرائے

اگر کسی نے حالتِ جنابت میں یا بے وضو قصداً یا بھول کر نماز پڑھا دی تو مقتدیوں کی نماز صحیح اور مکمل ہو گی ہاں اگر کسی کو علم ہو تو اس کی یقینی طور پہ نماز نہ ہو گی کیونکہ وہ نمازی نہیں ہے جب خود نمازی نہیں ہے، تو اس کی اقتدا کرنے والا نافرمان اور احکام الٰہی کا مخالف ہو گا اور جس کی نماز پڑھتے ہوئے یہ صفت ہو اس کی نماز نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گی۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام اگر قصد و ارادہ سے بے وضو ہو یا بھول کر، مقتدی کی نماز نہیں ہو گی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام بھول لینے کی وجہ سے بے وضو تھا، تو مقتدیوں کی نماز مکمل ہو گی اور اگر وہ قصد و ارادہ سے تھا، تو پھر ان کی نماز مکمل نہ ہو گی۔

امام شافعیؒ اور ابو سلیمانؒ کا قول ہمارے قول کی مانند ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

ہمارے قول کے درست ہونے کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔(البقرۃ - ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

اور ہماری طاقت میں یہ نہیں کہ ہمیں امام کے بارے میں یہ علم غیب ہو کہ ان کی طہارت کی صورتِ حال کیا ہے؟ ہر وہ امام جس کی اقتداء میں دنیا میں نماز ادا کی جاتی ہو، ممکن ہے ان میں سے کوئی حالتِ غیر طہارت میں ہو خواہ عمداً یا نسیاناً تو اس سے معلوم ہوا کہ شریعت نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ ہم اماموں کی بابت یہ علم یقین حاصل کریں کہ وہ طہارت حاصل کیے ہوتے ہیں یا نہیں۔

ہر شخص اپنی نماز پڑھتا ہے، امام کی نماز کا بطلان اگر صحیح بھی ثابت ہو جائے، تو اس سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوتی، اسی طرح اگر مقتدی کی نماز باطل ہو تو امام کی نماز کے صحیح ہونے سے یہ صحیح نہیں ہو جائے گی، اس اصول سے اگر کوئی تجاوز کرتا ہے، تو وہ تضاد کا اظہار کرتا ہے کیونکہ حنفیوں اور مالکیوں کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر امام مغلوب ہو کر بے وضو ہو جائے، تو اس کی طہارت ختم ہو جاتی ہے۔ مالکیوں کے نزدیک اس صورت میں نماز بھی باطل ہو جاتی ہے لیکن اس سے آگے اس مسئلہ میں ان کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ اس طرح امام کے بے وضو ہونے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مقتدیوں کی نہ نماز ٹوٹے کی اور نہ طہارت لہٰذا یہ اصول باطل ہو گیا کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متعلق ہے، اگر امام کی نماز فاسد ہو جائے، تو مقتدی کی بھی فاسد ہو جاتی ہے لیکن ہم نے جو صورت ذکر کی ہے اس میں امام کی نماز فاسد ہونے کے باوجود مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی انہیں اس پر غور کرنا چاہیے کیونکہ بزعمِ خود یہ حضرات اصحابِ قیاس ہیں۔

اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ان کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے تو امام کی نماز کی درستگی اسے درست نہیں کر سکتی تو انہوں نے اپنے ہی اصول کے مطابق یہ فرع کیوں نہ مستنبط کی کہ اگر مقتدی کی نماز درست ہو تو اسے امام کی نماز کی خرابی، خراب نہیں کر سکتی۔ اگر کسی دن قیاس کی کوئی صحیح صورت سامنے آئی ہو تو روئے زمین میں قیاس کی یہ صحیح ترین صورت ہے!

۸۱۵۔ [ہم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از فضل بن سہل از حسن بن موسیٰ از شیبان از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار از زید بن اسلم از عطاء بن یسار روایت کیا ہے کہ] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر امام نے ٹھیک نماز پڑھائی تو تمہیں ثواب ملے گا اور اگر ٹھیک نہیں پڑھائی تو بھی تمہاری نماز کا ثواب تمہیں ملے گا اور غلطی کا وبال ان پر ہو گا۔ (بخاری کتاب الصلاۃ) حدیث نمبر ۲۹۴

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہماری سب سے عمدہ دلیل یہ ہے جیسے۔

۸۱۶۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سلیم از ابن الاعرابی از ابوداود سجستانی از عثمان بن ابی شیبہ از یزید بن ہارون از حماد بن سلمہ از زیاد اعلم روایت کیا کہ] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز فجر کے لیے تشریف لائے، تکبیر ہو گئی مگر آپ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر آپ تشریف لائے تو آپؐ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپؐ نے نماز پڑھائی جب نماز سے فراغت حاصل کر لی، تو فرمایا میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں، میں حالت جنابت میں تھا۔

صحابہ کرامؓ نے اس تکبیر کو برقرار رہنے دیا، جو آپؐ نے حالتِ جنابت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کہی تھی[۱]

ہشام بن عروہؒ، اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو حالتِ جنابت میں نماز پڑھا دی، آپ نے تو پھر بعد میں نماز کو دوہرایا مگر ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ لوگوں نے بھی اس نماز کو دوہرایا ہو[۲]

بطریق معمر از زہری حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے نمازِ عصر لوگوں کو بے وضو پڑھا دی تھی، پھر آپ نے اسے دوہرایا لیکن آپ کے ساتھیوں نے اسے نہیں دوہرایا۔ (عبدالرزاق ۲/۳۴۷)

ابراہیم نخعی، حسن اور سعید بن جبیر سے روایت ہے، کہ جو شخص بلا طہارت نماز پڑھا بیٹھے، وہ تو دوہرائے لیکن مقتدی نہ دوہرائیں۔ (عبدالرزاق ۲/۳۴۸ و ۳۴۹) ان بزرگوں نے یہ کوئی فرق نہیں کیا کہ امام سے ایسا قصد و ارادہ سے سرزد ہو یا بھول کر۔

---

[۱] یہ ابن حزم کا خیال ہے لیکن اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں بعض میں ہے کہ آپؐ نے تکبیر تحریمہ کہہ لی تھی اور بعض میں ہے کہ ابھی آپ نے تکبیر نہیں کہی تھی۔ بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "پھر آپ تشریف لائے، تو آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپ نے تکبیر کہی تو ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی" اس مسئلہ کا تفصیلی بیان عون المعبود شرح ابی داؤد میں ملاحظہ فرمایئے۔

[۲] مؤطا صفحہ ۳۹ میں اس طرح ہے مالک، از ہشام بن عروہ از زُبَید بن صَلت روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مقام جرف کی طرف نکلا تو وہاں آپ نے دیکھا کہ آپ کو تو احتلام ہو گیا تھا اور آپ نے نماز پڑھ لی ہے لیکن غسل نہیں فرمایا، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم میں نے تو اب دیکھا ہے کہ مجھے احتلام ہو گیا تھا لیکن مجھے پہلے پتہ ہی نہ چل سکا اور میں نے غسل کے بغیر ہی نماز پڑھ لی" پھر آپ نے غسل فرمایا، کپڑے سے نشانات کو دھویا، جہاں نشانات نظر نہ آ رہے تھے وہاں پانی کے چھینٹے مارے، اذان دی، اقامت کہی اور پھر بڑے سکون سے چاشت کے وقت نماز پڑھی۔ موطا میں یہ روایت بھی ہے مالک، از یحییٰ بن سعید، از سلیمان بن یسار بےشک حضرت عمرؓ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی اور پھر اپنی زمین کی طرف مقام جرف میں گئے، وہاں آپ نے کپڑے میں احتلام کے آثار دیکھے تو فرمایا ہم نے چکنائی پائی اور رگیں ڈھیلی پڑ گئی ہیں، پھر آپ نے غسل کیا، کپڑے سے احتلام کے نشانات کو دھویا اور نماز کو دوہرایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن حزمؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ لوگوں نے بھی اس نماز کو دوہرایا ہو" یہ انہوں نے ان احادیث سے نتیجہ اخذ کیا ہے یا پھر یہ کسی ایسی روایت کے الفاظ ہیں، جو ہم نے نہیں دیکھی۔ (ابن حزم نے جو روایت بیان کی ہے وہ مصنف عبدالرزاق ۲/۳۴۸ میں ہے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عطا کہتے ہیں کہ بے وضو امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کو نہ دوہرائیں مگر جنبی امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کو دوہرالیں (عبدالرزاق ۲/۳۴۹) لیکن یہ تفریق بے معنی ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ امام و مقتدی دونوں ہی اس میں نماز دوہرائیں (عبدالرزاق ۲/۳۵۰، ۳۵۱ و ابن ابی شیبۃ ۲/۴۴) لیکن آنحضرت ﷺ کے سوا کسی کا قول حجت نہیں ہے اور پھر حضرت عمرؓ و ابن عمرؓ سے اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت بھی منقول ہے یہ اس صورت میں جب حضرت علیؓ سے یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے اس صورت میں نہیں جبکہ سند میں ایک تو عباد بن کثیر ہے، جو مُطرَح ہے اور دوسرا غالب بن عُبیدُ اللہ ہے، جو مجہول ہے اور پھر اسے عُبَیدُ اللہ بن زَحر نے علی بن زیدؔ[1] سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

ہمارے مخالفین نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس کی سند اس طرح ہے: ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ — یہ راوی کذاب ہے — ایک ایسے شخص سے روایت کرتا ہے جس کا نام ہی نہیں لیتا یعنی مجہول سے روایت کرتا ہے، از ابو جابر بیاضی — یہ راوی بھی کذاب ہے — کہ حضرت سعید بن مُسَیَّب سے روایت ہے کہ جو لوگ کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لیں جو کہ نسیان کے باعث حالتِ غیر طہارت میں ہو تو وہ نماز دوہرالیں۔ (عبدالرزاق ۲/۳۵۰ کچھ اختلاف کے ساتھ) اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو مرسل ہے جو حجت نہیں ہوتی لیکن اس سے مُستزاد اس میں تو دو راوی کذاب اور ایک مجہول ہے، پس صحیح روایت وہی ہے، جو حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے ہے

---

[1] محلی کے دونوں نسخوں میں علی بن زید ہی ہے لیکن عبداللہ بن زحر، علی بن یزید الہانی سے روایت کرنے میں معروف ہے اور مصنف عبدالرزاق میں علی بن یزید ہی ہے ان سے انہوں نے ایک نسخہ روایت کیا ہے۔ ابن حبان، عبیداللہ بن زحر کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ اثبات سے موضوعات روایت کرتے ہیں جب یہ علی بن یزید سے روایت کرے تو وہ طامات میں سے ہوتی ہے اور جب کسی حدیث کی خبر میں عبیداللہ بن زحر، علی بن یزید اور قاسم ابو عبدالرحمٰن جمع ہو جائیں، تو سمجھ لیجئے کہ اس کا متن انہی کے ہاتھوں نے بنایا ہے، ابن حجرؒ، تہذیب میں ابن حبانؒ کا یہ کلام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان تینوں میں سے صرف علی بن یزید متہم ہے باقی دو دراصل صدوق ہیں مگر غلطی کر جاتے ہیں لہٰذا میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں کہ اوپر متن میں یہ نام علی بن یزید ہے اگرچہ مجھے وہ اثر نہیں مل رہا جس کی طرف مصنف اشارہ کر رہے ہیں تاکہ اس کی سند کا جائزہ لے سکوں۔ محمد شاکر (وہ روایت مصنف عبدالرزاق کی ہے جیسا کہ متن میں حوالہ دیا جا چکا ہے۔ (شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت حد درجہ صحیح ہے اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے بھی اس کی مخالفت منقول نہیں۔

جس شخص کی زبان تلفظ کرتے ہوئے ایک حرف سے دوسرے کی طرف منتقل ہوجاتی ہو، یا جس کی زبان میں لکنت ہو یا عجمی زبان ہو یا لحن سے کام لیتا ہو، ان سب کی اقتدا کرنے والوں کی نماز جائز ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ (البقرۃ-۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

ان لوگوں کو صرف اسی امر کا مکلف قرار دیا گیا جس کی انہیں قدرت ہے، جس امر کی انہیں قدرت ہی نہیں، اس کا مکلف بھی قرار نہیں دیا گیا، انہوں نے حسب حکم نماز کی ادائیگی کر دی ہے اور جو شخص حسب امر الٰہی نماز ادا کر دے، وہ محسنین میں سے ہے، جن کی بابت ارشاد باری ہے۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (التوبہ-۹۱) نیکو کاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے۔

ان لوگوں پر تعجب ہے جو زبان حرکت کر جانے والے، لحن میں مبتلا ہونے والے اور لکنت والے کی نماز اس کے اپنے لیے تو جائز قرار دیتے ہیں مگر ان کی اقتدا کرنے والوں کی نماز کو باطل قرار دیتے ہیں مگر دوسری طرف جو بھول کر حالتِ جنابت میں نماز پڑھ لے، اس کی نماز کو تو باطل قرار دیتے ہیں لیکن اس کی اقتداء کرنے والوں کی نماز کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۹۰۔ نابالغ کی امامت

نابالغ کی امامت جائز نہیں، نہ فرض میں اور نہ نفل میں اور نہ نابالغ اذان دے سکتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فرض و نفل میں نابالغ کی امامت جائز ہے اور اسی طرح یہ اذان بھی دے سکتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نابالغ کی نفل نماز میں تو امامت جائز ہے مگر فرض میں جائز نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ نابالغ کی امامت کے جواز کے قائل حضرات کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے۔

۸۱۷۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابو داؤد از موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمہ از ایوب سختیانی روایت کیا کہ] حضرت عمرو بن سلمہ جرمی نے فرمایا کہ ہم رہگزر میں رہ رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آنے جانے والے لوگ ہمارے پاس سے گزرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ہمیں آپ کے ارشادات سناتے، مَیں اس وقت بچہ تھا مگر حافظہ اچھا تھا، مَیں نے لوگوں سے سُن سُن کر بہت سا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا، جب میرے والد نے بارگاہ نبوت میں ایک وفد کے ساتھ حاضری دی تو میں بھی اس وفد میں شریک تھا، آپؐ نے نماز کا طریقہ سکھایا اور فرمایا جسے قرآن مجید زیادہ آتا ہو، وہ امامت کے فرائض سرانجام دے، چنانچہ ان میں سے مَیں ہی زیادہ حافظ قرآن تھا کیونکہ مَیں نے پہلے ہی سے حفظ کرنا شروع کیا ہوا تھا لہٰذا انہوں نے مجھے آگے کیا اور میں نے انہیں نمازیں پڑھانا شروع کر دیں، میں نے ان دنوں ایک چھوٹی سی چادر اُوڑھے ہوتی تھی، جب مَیں سجدہ کرتا تو برہنہ ہو جاتا، ایک عورت نے کہا ہم سے اپنے امام کی شرمگاہ کو تو چھپاؤ۔ چنانچہ انہوں نے میرے لیے ایک عُمانی قمیص کو خرید لیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے بڑھ کر اور کوئی فرحت بخش بات میرے لیے نہ تھی، مَیں سات یا آٹھ برس کی عمر میں امامت کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ (بخاری کتاب المغازی، ابوداؤد نسائی کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہ عمرو بن سلمہؓ کا عمل ہے جب کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے آپ کی مخالفت بھی نہیں کی لیکن حنفیوں اور مالکیوں کا تو یہ حال ہے کہ صحابی کی مخالفت پر صرف اس وقت طعن و تشنیع کرتے ہیں جب اس صحابی کا عمل ان کی تقلید کے موافق ہو حالانکہ صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال کے سب سے بڑے تارک یہی ہیں۔"

خصوصاً حنفیوں اور مالکیوں میں سے کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جس مسئلہ میں کسی صحابیؓ سے کوئی مخالفت منقول نہ ہو، وہ اجماع ہوتا ہے، یہ عمرو بن سلمہؓ صحابی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں اپنے باپ کے ساتھ ایک وفد میں حاضر ہوئے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں تو قطعاً اس بات کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار، قول اور عمل کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف دیکھیں۔ اگر ہمیں یہ علم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی اور پھر آپ نے اسی طرح اسے برقرار رکھا تو ہم بھی اس کے قائل ہو جائیں گے لیکن جب اس سلسلہ میں کوئی اثر مروی نہیں ہے[1] تو پھر ہم پر واجب یہی ہے، جو

[1] کوئی اثر مروی ہو یا نہ ہو۔ اس پر سب سے زبردست دلیل یہ ہے کہ رب السماوات (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے تنازعہ کے حل کے لیے ہم پر واجب قرار دیا ہے یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع! چنانچہ جب ہم رجوع کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب نماز کا وقت ہو جانے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہہ دے اور جو سب سے زیادہ قاریٔ قرآن ہو، وہ نماز پڑھا دے" (بخاری مسلم نسائی دارمی) گویا مؤذن کو حکم ہے کہ وہ اذان کہے اور امام کو حکم ہے کہ وہ نماز کی امامت کے فرائض انجام دے۔ اسی طرح آپ کا ایک دوسرا فرمان یہ ہے کہ "چھوٹا بچہ اس وقت تک مرفوع القلم ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے" (بخاری ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ دارمی) تو اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ نہ تو مامور ہے اور نہ مکلف!

جب وہ نہ مامور ہے اور نہ مکلف، تو اسے اذان وامامت کا حکم بھی نہیں ہے، جب آپ ان کا حکم ہی نہیں ہے، تو یہ اس کی طرف سے ادا بھی نہ ہوں گی صرف اسی شخص کے ادا کرنے سے ادا ہوں گی، جسے ان کا حکم ہے اور جو شخص کسی ایسے کی اقتداء کرے، جسے نماز کا حکم ہی نہیں تو اس کی نماز نہیں ہوگی بالخصوص جبکہ اسے یہ علم بھی ہو کہ اسے نماز کا حکم ہی نہیں، اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ نابالغ ہے بلکہ اسے بالغ مرد سمجھے، تو پھر اس کی نماز ہو جائے گی، بالکل ایسے ہی جیسے کوئی نہ جاننے کی صورت میں کسی جنبی یا کافر کے پیچھے نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز ہو جائے گی کیونکہ لاعلمی کی ان دونوں صورتوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے[1] وباللہ التوفیق!

نابالغ کی فرض اور نفل میں امامت کے درمیان تفریق بالکل بے اصل ہے کیونکہ یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔

۴۹۱۔ عورت کی امامت

عورت عورتوں کو نماز پڑھا سکتی ہے مگر یہ جائز نہیں کہ وہ آدمیوں کی امامت کے فرائض انجام دے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے مگر امام ابوحنیفہؒ

(نوٹ گذشتہ سے پیوستہ) والارض، خالق کائنات، عالم الغیب والشہادۃ کو اس کا علم ہے اور اس کو اس کا بھی علم ہے کہ آئندہ امت اس پر عمل کرے گی لہٰذا بذریعہ وحی وہ اس سے منع کر دیتا لیکن اس نے اسے برقرار رکھا اب ہمارے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہے (ابوالاشبال پاکستانی)۔

[1] یہاں ابن حزمؒ نے جن دونوں روایتوں سے استدلال کیا ہے وہ بالکل بے محل ہے بلکہ یہاں وہ روایت کہ بچوں کو سات سال میں نماز کا حکم کرو اور دس سال پر ان کو مارو جیسا کہ ابوداؤد ترمذی دارمی نے روایت کیا ہے پس سات سال کا بچہ مامور ہوا لہٰذا اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ ابوالاشبال۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے مکروہ سمجھتے ہیں ہاں اگر عورت امام بن جائے، تو جائز ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں بلکہ یہ سنت ہے اور امام مالکؒ نے عورتوں کی امامت سے مطلقاً منع کیا ہے۔

عورت مردوں کا امام کیوں نہیں بن سکتی؟

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ عورت، مردوں کی امام اس لیے نہیں بن سکتی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ عورت آدمی کی نماز کو توڑ دیتی (مسلم نسائی ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ) اور صفوں میں اس کا مقام آدمیوں کے پیچھے ہے (مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ) امام کو یقینی طور پر مقتدیوں کے آگے کھڑا ہونا ہوتا ہے یا جب مقتدی اکیلا ہو تو پھر اس کی بائیں جانب کھڑا ہونا پڑتا ہے، لیکن اگر عورت آدمیوں کے آگے کھڑی ہوگی تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائیگی اور مردوں کی بھی، اسی طرح اگر عورت مرد کے پہلو میں کھڑی ہو جائے، تو اس جگہ سے تجاوز کے باعث جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے، خلافِ حکمِ شریعت نماز پڑھے گی۔ (اور اس صورت میں بھی اس کی نماز نہ ہوگی۔)

عورت، عورتوں کی امام اس لیے بن سکتی ہے کہ عورت جب کسی دوسری عورت کے آگے یا پہلو میں نماز پڑھے گی، تو اس سے اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی اور اس بارے میں قرآن و سنت سے ممانعت کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے لہٰذا یہ ایک نیکی کا کام ہے اور نیکی کے کاموں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (وافعلوا الخیر) اور یہ نیکی کے کاموں میں تعاون کی ایک صورت بھی ہے یعنی عورت کا امام بن کر عورتوں کو نماز پڑھانا اسی طرح عورتیں اگر اذان واقامت کہہ لیں تو یہ بھی ایک اچھا کام ہے

۸۱۸- [ہم نے بطریق محمد بن سعید بن نُبَاث از احمد بن عبدالبصیر از قاسم بن اَصْبَغ از محمد بن عبدالسلام خُشَنی از محمد بن مثنّٰی از عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری، از مَیْسَرہ بن حبیب نَہْدِی (ابوحازم از ریطہ حنفیہ روایت کیا کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے فرض نماز میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیئے۔ (عبدالرزاق ۳/۱۴۱، بیہقی ۳/۱۳۱، دارقطنی ۱/۴۰۴)

۸۱۹- [ہم نے بطریق یونس بن عبداللہ از احمد بن عبیداللہ بن عبدالرحیم از احمد بن خالد از محمد بن عبدالسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[ہمیں محمد بن بشار از یحییٰ بن سعید قطان از زیاد بن لاحق از تمیمہ بنت سلمہ روایت کیا کہ] ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے نماز مغرب میں عورتوں کی امامت کے فرائض سرانجام دیئے، عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوئیں اور قراءت جہری کی[1]

۸۲۰- [بسند سابقہ از یحییٰ بن سعید قطان از سعید بن ابی عروبہ از حضرت قتادہ مروی ہے کہ] اُمّ حسن بن ابی حسن نے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ رمضان المبارک میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں اور عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۸۸: قیام اللیل ۲۰۷)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہ بہترین سند ہے، سب راوی ثقۃ الثقات ہیں سند کیا ہے سونے کی لڑی ہے"۔

۸۲۱- [ہم نے بطریق حمام از ابن مُفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از ابن جریج از عطا روایت ہے کہ] عورت جب نماز کا ارادہ کرے اپنے لیے اقامت کہہ سکتی ہے طاؤس کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اذان واقامت کہہ لیا کرتی تھیں (عبدالرزاق ۳/۱۲۶)

۸۲۲- [بسند سابقہ از سفیان ثوری، از عمار دُھنی از حُجیرہ بنت حُصین روایت ہے کہ] ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے نماز عصر میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیئے اور آپ وسط میں کھڑی ہوئی تھیں (عبدالرزاق ۳/۱۴۰، دار قطنی ۱/۴۰۵، مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۸۸) ہم نے اس روایت کو بطریق وکیع از سفیان بھی روایت کیا ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے اور امامت کراتے وقت عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ (بیہقی ۳/۱۳۱ و عبدالرزاق ۳/۱۴۰)

حضرت ابن عمرؓ اپنی ایک باندی کو حکم دیتے وہ رمضان المبارک میں عورتوں کو باجماعت نماز پڑھاتی۔ حضرت عطاء، مجاہد اور حسن بھی فرماتے ہیں کہ عورت فرض ونفل میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دے سکتی ہے لیکن عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہو، نخعی اور شعبی سے بھی روایت ہے کہ عورت اگر رمضان المبارک میں درمیان میں کھڑی ہو کر عورتوں کو نماز باجماعت پڑھا دے تو کوئی حرج نہیں۔ (قیام اللیل، عبدالرزاق ۳/۱۴۰)

---

[1] یہ حدیث مسئلہ ۳۱۹ میں بھی ہے لیکن مجھے اس سند کے ساتھ کسی اور کتاب میں نہیں ملی۔ (ابو الاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ ابو ثورؒ فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دے بشرطیکہ درمیان میں کھڑی ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ۔

"عورت کے آگے کھڑے ہونے سے ممانعت کی بھی بالکل کوئی دلیل نہیں ہے، ہمارے نزدیک وہ عورتوں کے آگے کھڑی ہو کر بھی امامت کے فرائض سرانجام دے سکتی ہے۔ اسی طرح جو حضرات عورت کو عورتوں کا امام بننے سے منع کرتے ہیں، ہمارے نزدیک ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں بالخصوص جبکہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے اس کا جواز ثابت ہے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا، اس مسئلہ میں ان حضرات صحابہ کرامؓ کی کسی دوسرے صحابی سے مخالفت بھی مروی نہیں ہے، اس قسم کی دلیل جب ان کی خواہشات کے موافق ہو تو پھر اسے یہ بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتے ہیں اور اس کی مخالفت کو اجماع کی مخالفت قرار دیا کرتے ہیں لیکن جب حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال ان کی خواہشات کے موافق نہ ہوں تو پھر ان کے لیے ان کی مخالفت بہت آسان ہوتی ہے ۔ (وباللہ تعالیٰ التوفیق)"

۴۹۲ - امام کا نماز میں بے وضو ہو جانا

اگر امام نماز میں بے وضو ہو جائے یا اسے یاد آئے کہ وہ حالتِ طہارت میں نہیں ہے تو خود باہر آ جائے، اگر کسی کو اپنا قائم مقام بنا دے، تو بہتر ورنہ مقتدیوں میں سے کوئی خود ہی آگے بڑھ کر نماز مکمل کرا دے اور ایسا کرنا ضروری ہے ہاں اگر امام اشارہ سے یہ کہہ دے کہ انتظار کرو، تو پھر انتظار کرنا چاہیئے۔ انتظار اس لیے کہ ابھی ابھی ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو یاد آیا کہ آپ حالتِ جنابت میں ہیں، تو آپ تشریف لے گئے اور یہ اشارہ فرما گئے کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے انتظار کرتے رہو پھر غسل فرما کر واپس تشریف لائے، تو آپ نے انہیں نماز پڑھائی ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قائم مقام بنانے کی صورت میں دلیل یہ ہے جسے پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب قبا تشریف لے گئے تھے، تو مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا امام بنا لیا تھا مسلمان ابھی نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ واپس تشریف لے آئے، حضرت ابوبکرؓ نے جب آپ کی آمد کو محسوس کیا تو آپ پیچھے ہٹ آئے اور حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی۔ اور یہ اس لیے بھی کہ باجماعت نماز ادا کرنا فرض ہے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بھی ذکر کیا لہٰذا باجماعت ادائیگیٔ نماز کے لیے کسی امام کا ہونا ضروری ہے یا تو بے وضو ہونے والا امام خود کسی کو امام مقرر کر جائے اور یا پھر خود کوئی آگے بڑھ کر نماز پڑھا دے اور امام بن جائے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر حالتِ سجدہ میں کوئی امام بے وضو ہو جائے اور وہ تکبیر کہے بغیر سر اٹھائے اور کسی کو نائب امام بنا دے تو یہ جائز ہے اور سب کی نماز درست ہو گی اگر اس صورت میں امام نے تکبیر کہہ کر کسی کو اپنا نائب بنایا، تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

امام ابنِ حزمؒ کا تبصرہ

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہ اقوال حد درجہ فاسد اور خلط ملط ہیں، حق کی رونق کا ان پر قطعاً کوئی اثر نہیں ہے، مجھے نہیں معلوم کہ حالتِ سجدہ میں بے وضو ہونے کی صورت میں امام ان کے نزدیک حالتِ نماز میں ہو گا یا نہیں؟ اور کیا اس وقت اس کی امامت باقی ہو گی یا نہیں؟ دو صورتوں میں سے ایک تو یقینی ہو گی یعنی یہ حضرات اگر یہ کہیں کہ اس صورت میں امام حالتِ نماز میں ہے اور اس کی امامت ابھی تک باقی ہے، تو انہوں نے وضو نہ ہونے کی صورت میں بھی اسے نمازی اور امام تصور کر لیا ہے اور یہ ان کے اپنے ہی ایک دوسرے فاسد اصول کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اس شخص کی نماز کو باطل قرار دیا ہے، جو کسی ایسے امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو، جو عمداً یا بھول جانے کے باعث حالتِ غیر طہارت میں تھا، پھر ہم ان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی کہیں گے کہ اگر وہ حالتِ نماز میں ہے اور ابھی تک اس کی امامت باقی ہے، تو تکبیر کہنے سے وہ کیا گناہ سرزد ہو جاتا ہے جس سے اس کی اور اس کے سب مقتدیوں کی نماز باطل ہو جاتی ہے، یہ تو ذکر الٰہی سے تمہاری عداوت ہے اور گویا تمہارے اس قول کا بقیہ کہ جو شخص نماز میں چھینک آنے پر زبان سے "الحمد للہ رب العالمین" کہہ دے، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی لیکن قعدہ میں بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد کسی مُحْصَنَۃ (عفیفہ و پاکدامن عورت) پر زنا کی تہمت لگانے یا جان بوجھ کر ہوا خارج کرنے سے نماز باطل نہ ہوگی۔ تعالی اللہ!

کس قدر وحشت ناک ہیں یہ اقوال جنہیں قبول کرنا ہرگز حلال نہیں کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں، ہمارے لیے صرف وہ امور حلال ہیں، جن کی بابت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو کیونکہ ہم نے نماز، ذکر الٰہی اور دین کی ہر ہر بات صرف آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہی سے سیکھی ہے۔"

اور اگر یہ حضرات یہ کہیں کہ امام کی حالتِ نماز باقی نہیں رہی اور نہ ہی مقتدی اب امامت میں ہیں، تو ہم عرض کریں گے کہ اگر بے وضو ہونے کے باعث وہ امامت وطہارت سے باہر ہو گیا ہے تو اللہ اکبر کہنے کا کیا نقصان ہے کہ اس سے نماز ہی باطل ہو جائے اور اسی طرح مسجد سے باہر نکلنے کا مسئلہ اس قول میں بے پناہ سخاوت پائی جاتی ہے مثلاً مسجد بیت المقدس کا طول آٹھ سو ہاتھ سے بھی کچھ زیادہ ہی ہے اور بعض مسجدوں کا عرض تین ہاتھ کے قریب ہی ہوتا ہے اور اسی کے بقدر طول، ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ان بیہودہ اقوال سے محفوظ رکھا جو کہ صحتِ دماغ کے منافی ہیں۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

اگر کسی ایسے شخص کو قائم مقام بنا دے، جو ابھی ابھی نماز پڑھنے کے لیے آیا ہے اور ابھی تک اس نے تکبیر بھی نہیں کہی یا تکبیر کہہ لی ہے، یا جس نے امام کے ساتھ شروع ہی سے نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھی ہے یا انہیں مقتدی آگے بڑھا دیں یا از خود آگے بڑھ جائے یہ سب صورتیں جائز ہیں کیونکہ کسی امام کا قائم مقام بنانا جو ان کے لیے نماز کو پورا کرا دے فرض ہے، کیونکہ نماز کی باجماعت ادائیگی فرض ہے، قائم مقام امام نے اگر پہلی رکعت باجماعت نہیں پائی تھی اور دوسری میں ملا تھا، تو ایک رکعت ان کے ساتھ پڑھ لے پھر جب دونوں سجدے کر چکے تو مقتدیوں کو اشارہ کرے اور وہ بیٹھے رہیں اور خود کھڑا ہو کر دوسری رکعت کو پورا کرے تو بیٹھ کر تشہد پورا کرے پھر امام اور مقتدی سب کھڑے ہو جائیں اور دو رکعت پڑھ لیں، اگر نماز مغرب ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لیں، اگر صبح کی ہو تو پھر دو رکعت پڑھنے ہی سے نماز مکمل ہو جائے گی بہر کیف جب تشہد مکمل ہو جائے تو امام بھی سلام پھیر دے اور مقتدی بھی سلام پھیر دیں۔

اگر اس کی دو رکعتیں فوت ہوئی ہوں اور جلسہ میں آکر ملا ہو تو تکبیر کہے اور مقتدی اس کے جس قدر بھی ممکن ہو تشہد کو جلد مکمل کر کے کھڑے ہو جائیں اور مقتدیوں کے ساتھ مل کر باقی دو رکعتیں پڑھے، جب امام اپنا درمیانی تشہد پورا کرے تو باقی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور مقتدی بیٹھے رہیں باقی نماز پڑھنے کے بعد تشہد میں بیٹھے اور تشہد کی تکمیل کے بعد سلام پھیر دے اور مقتدی بھی سلام پھیر دیں، اگر نماز صبح کے تشہد میں آکر ملا ہو تو پھر بھی اسی طرح اپنی نماز مکمل کرے اور تشہد میں بیٹھ کر تکمیل کے بعد خود بھی سلام پھیر دے اور مقتدی بھی سلام پھیر دیں۔

اگر تین رکعتیں اس سے فوت ہوں اور چوتھی رکعت کے آغاز میں یہ قائم مقام امام بنا ہو تو اس چوتھی رکعت کو مکمل کرے اور دوسرے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد خود کھڑا ہو جائے اور مقتدی بیٹھے رہیں، پھر ایک رکعت پڑھ کر جلسہ و تشہد میں بیٹھے، پھر کھڑا ہو کر باقی نماز مکمل کرلے مختصر یہ کہ صرف اپنی نماز کی ادائیگی ملحوظ رکھے، اس طرح نہ پڑھے جس طرح اسے مقتدی ہونے کی صورت میں پڑھنا پڑتی کیونکہ اب تو یہ امام ہے اور امام نماز میں کسی کی اتباع نہیں کرتا بلکہ اسکی اتباع کی جاتی ہے مقتدیوں کو البتہ اس کی اقتداء کرنا پڑے گی۔ ان امور میں بھی اقتداء کرنا پڑے گی، جن کی ادائیگی کا وہ ارادہ نہیں رکھتے خواہ اس کے لیے انہیں وقوف کرنا پڑے کیونکہ ممکن ہے کہ ان کی کسی رکعت میں تین سجدے بھی ہو جاتے ہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر ایک رکعت میں تین سجدے نہیں کیے جا سکتے لہٰذا مقتدیوں کو وقوف کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہر شخص اپنی اپنی نماز پڑھتا ہے:۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۔ ہر شخص کی کارکردگی اسی کے لیے ہے

(الانعام۔ ۱۶۴)

اگر وہ شخص جسے قائم مقام بنایا گیا ہے صفوں کے آخر میں ہو تو وہ قبلہ رخ سیدھا چلتا ہوا امام کے کھڑے ہونے کی جگہ پہ پہنچ جائے کیونکہ امام کے لیے فرض ہے کہ وہ آگے کھڑا ہو اور سب مقتدی اس کے پیچھے ہوں لہٰذا اسے چونکہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ باقی نماز پڑھائے لہٰذا اسے اگر مصلّٰی کے پاس چل کر بھی جانا پڑے، تو جائے لیکن یہ جائز نہیں کہ چلنے کے دوران اپنے چہرہ کو قبلہ کی طرف سے ہٹائے اِلَّا یہ کہ کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے جس کے بغیر چارہ کار ہی نہ ہوں۔

۴۹۳۔ امام کے لیے مُصحف سے دیکھ کر قراءت کرنا جائز نہیں

کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ امام بن کر قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرے، اس کی نہ فرض میں اجازت ہے اور نہ نفل میں، اگر کسی نے یہ جانتے ہوئے کہ نماز میں اس طرح جائز نہیں، ایسا کر لیا، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر کسی مقتدی کو یہ علم ہو کہ اس کا امام اس طرح قراءت کر رہا ہے اور یہ جائز نہیں، نماز پڑھ لے تو اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنا اس لیے جائز نہیں کہ آدمی کو قرآن مجید کا جو حصہ حفظ نہ ہو اس کی قراءت کا اللہ تعالیٰ نے مکلف ہی قرار نہیں دیا (لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) کیونکہ یہ اس کی استطاعت سے باہر ہے۔

اور جب وہ مکلف نہیں تو اس کا بتکلف یہ عمل ساقط و باطل ہوگا اور دورانِ نماز مُصحف کی طرف دیکھنا ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے جواز کے سلسلہ میں کوئی نص نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّ فِی الصَّلَاةِ لَشُغْلًا کہ نماز کی اپنی ایک مشغولیت،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے (حوالہ گذر چکا) اسی طرح اگر کوئی شخص کھڑا ہونے سے عاجز ہو مگر وہ عصا یا دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز بھی باطل ہو گی کیونکہ اسے اس کا حکم نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے، اس کام کے کرنے کی نماز میں ہرگز اجازت نہیں ہے جس کا شریعت نے حکم نہیں دیا۔ اگر یہ امر باعث فضیلت ہوتا تو آنحضرت ﷺ اسے ضرور سرانجام دیتے مگر آپ نے قیام سے عاجز آنے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھی ہے اور حکم بھی یہی دیا ہے لہٰذا اگر کوئی ٹیک لگا کر نماز پڑھتا ہے، تو وہ آپ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اور آپ کا یہ مشہور فرمان ہے کہ جو شخص کوئی ایسا کام کرے، جو ہمارے عمل کے مطابق نہ ہو، وہ مردود ہے۔ حضرت سعید بن مُسَیَّب اور حسن کا بھی یہی قول ہے[1]۔

۴۹۴۔ امام اور مقتدی کی نیّت کا اختلاف

جو شخص کوئی فرض نماز بھول گیا ہو، خواہ کوئی نماز ہو اور وہ امام کو کوئی دوسری نماز پڑھاتے ہوئے دیکھے، تو اس کے لیے فرض ہے کہ جماعت میں شامل ہو جائے اور فوت شدہ نماز کو پہلے پڑھے، اس طرح نماز ہو جائے گی اور اس سے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا کہ امام اور مقتدی کی نیت میں اختلاف ہے۔

اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ فرض نماز، نفل پڑھنے والے کے پیچھے ادا کی جائے، یا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نوافل ادا کیے جائیں، یا فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے، کوئی اور فرض پڑھے جائیں یہ سب کچھ درست اور سنت ہے۔

اگر آدمی رمضان المبارک میں کچھ لوگوں کو نماز تراویح پڑھتے ہوئے دیکھے اور اس نے ابھی تک عشاء کی نماز مکمل کی ہو تو فرض کی نیت کر کے جماعت میں شامل ہو جائے، جب امام سلام

---

[1] مُصحف سے دیکھ کر امامت کرانے کے سلسلے میں ابن حزم نے جو کچھ لکھا ہے وہ حق و باطل دونوں کا مرکب ہے لہٰذا اس مسئلے کے صحیح حل کے لیے فتح الباری وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے حق بات یہ ہے کہ قراءت قرآن کا نماز میں حکم ہے اگر کوئی شخص دیکھ کر پڑھ لے تو جائز ہے حضرت عائشہ کے غلام ان کی امامت مُصحف سے کرتے تھے۔ ابوالاشبال۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھیرے اور اس کی نماز مکمل نہ ہوئی ہو تو سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو جائے، اگر امام دو اور رکعتوں کے لیے کھڑا ہو تو یہ بھی اسی کے ساتھ شریک ہو جائے اور ان میں بھی اقتدا کرے، پھر جب امام سلام پھیرے تو یہ بھی سلام پھیر دے، اسی طرح عشاء کے بجائے، اسے اگر فوت شدہ نماز یاد آئے تو اسے بھی پڑھ لے۔

یہ بھی جائز ہے کہ ایک امام ایک نماز کو دو بار یا اس سے بھی زیادہ دفعہ مختلف مساجد میں پڑھائے امام کی پہلی دفعہ پڑھی ہوئی نماز فرض اور باقی سب نفل ہوں گی، جبکہ الگ الگ مسجدوں کے نمازیوں کی یہ نمازیں فرض ہوں گی۔ اسی طرح جس نے ایک بار فرض نماز کو باجماعت ادا کر لیا ہو، اس کے جائز ہے کہ اسی نماز کی ایک بار یا ایک سے بھی زیادہ بار امامت کے فرائض انجام دے۔

اگر کسی کی صبح کی نماز فوت ہو گئی ہو اور وہ لوگوں کو ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے دیکھے، تو ان کے ساتھ دو رکعتیں تو صبح کی نیت سے پڑھ لے اور باقی دو کو ظہر کی نیّت سے پھر اپنی ظہر کی نماز کو مکمل کر لے، اسی اصول کے مطابق ہر نماز کی ادائیگی کر سکتا ہے، امام شافعیؒ اور ابو سلیمانؒ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابو حنیفہ و مالک فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ امام اور مقتدی کی نیت الگ الگ ہو۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہے کہ حنفی بغیر نیّت کے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے کیے ہوئے وضو و غسل کی بابت یہ جائز قرار دیتے ہیں کہ اس وضو سے نماز پڑھی جائے اور غسل غسلِ جنابت سے کفایت کر جائے، ان میں سے بعض حضرات اِفطار یا ترکِ صوم کی نیّت کے باوجود رمضان المبارک کے روزے کو جائز قرار دیتے ہیں اسی طرح یہ بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ نفل کی نیت سے رکھا ہوا روزہ فرض سے کفایت کر سکتا ہے، زوالِ آفتاب تک افطار کی نیّت کے باوصف روزہ رکھا جا سکتا ہے لیکن یہی حضرات جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نیتوں کو واجب قرار دیا ہے، وہاں یہ انہیں باطل قرار دے دیتے ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انہیں واجب قرار نہیں دیا، وہاں یہ انہیں واجب قرار دیتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض مالکی جمعہ کے دن کیئے ہوئے غسل جنابت کو غسل جمعہ سے کفایت کرنے والا بھی قرار دیتے ہیں۔ یہاں انہوں نے نیت کو ساقط قرار دے دیا ہے حالانکہ یہاں نیت فرض تھی اور وہاں یہ نیت کو فرض قرار دیتے ہیں، جہاں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ نے فرض قرار نہیں دی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ دراصل مسئلہ یہاں یہ ہے کہ امام اور مقتدی کی نیت میں اتفاق ویکسانیت واجب ہے یا نہیں؟ جب یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں نیت کی یکسانیت واجب نہیں ہے، تو وہ سارے مسائل صحیح ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں کیونکہ یہ سارے اسی اصول پر مبنی اور اس کا نتیجہ ہیں، چنانچہ ہم اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کسی بھی اصول سے یہ ثابت نہیں کہ امام اور مقتدی کی نیت میں اتفاق ویکسانیت واجب ہے اور ہر وہ مسئلہ جو قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت نہ ہو وہ غیر واجب بلکہ باطل ہوتا ہے دلائل شرعیہ تو اس کے سقوط پر واضح ہیں لہٰذا اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ امام و مقتدی کی نیت کا ایک ہونا واجب نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ امر ویسے ہی محال ہے کہ اللہ تعالٰی مقتدی کو یہ حکم دے کہ وہ امام کی نیت کے مطابق اپنی نیت بنائے کیونکہ (لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) اور یہ علمِ غیب ہماری وسعت میں نہیں کہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ امام کی نیت کیا ہے تاکہ اس کی موافقت کر سکیں۔ ہم پر صرف وہی فرض ہے، جو ہماری وسعت میں ہے اور جس کی ہم اپنی نیتوں کے قصد و ارادہ کے ساتھ قدرت رکھ سکیں اور ان امور کو ادا کر سکیں، جن کی ادائیگی ہم پر فرض ہے۔ یہ ایک ضروری اور سمعی و عقلی دلیل ہے۔

دوسری دلیل اس سلسلہ میں یہ ارشادِ باری تعالٰی ہے کہ:

لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ (النساء۔ ۸۴) تم اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہو۔

یہ نصِ جلی ان کے قول کے ابطال کے لیے کافی ہے، تاہم اگر یہ حضرات یہ دلیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش کریں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے" (مسلم وغیرہ)

ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ اسی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان مقامات کی نشاندہی بھی فرمادی ہے، جن میں امام کی اقتداء فرض ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی کہو، جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو"

یہ ہیں وہ مقامات جن میں ہمیں امام کی اقتداء کا حکم ہے، نیت میں امام کی اقتداء کا حکم نہیں ہے کیونکہ نیت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے یا پھر نیت کرنے والے کو!

تعجب کی انتہا ہے کہ جن لوگوں نے اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا تھا، وہ خود سب سے پہلے اس کی مخالفت کرتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ مقتدی امام کی اس وقت اقتداء نہ کرے، جب وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے جب پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیوں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا ہم کہتے ہیں کہ آپؐ نے اس سے منع بھی تو نہیں فرمایا اور اسی طرح نہ اس حدیث میں اور نہ کسی دوسری میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ امام و مقتدی کی نیت میں موافقت ضروری ہے۔

اسی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا جو یہ فرمان تھا کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے، تو تمہیں بھی بیٹھ کر ہی پڑھنی چاہیئے" اس کی مالکیوں نے مخالفت کی ہے، اس سے بڑھ کر اور تعجب انگیز بات کیا ہوگی کہ جس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں، اسی کے ایک حصہ کی خود مخالفت بھی کر رہے ہیں اور جو چیز اس میں مذکور ہی نہیں، اسے یہ واجب قرار دے رہے ہیں! ان جیسی باتوں سے اللہ کی پناہ!

آنحضرت ﷺ کا بالکل صاف صاف ارشاد ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی" (صحاح ستہ) یہ فرمان آپ کی طرف سے نص جلی ہے کہ ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اس سے معلوم ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ صحیح بات یہی ہے کہ امام کی ایک اپنی الگ نیت ہے اور مقتدی کی الگ، دونوں کی نیتوں کو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، اس کے علاوہ اس سلسلہ میں اور جو کچھ ہے، وہ بالکل باطل ہے جس میں کوئی شک نہیں (وباللہ تعالیٰ تتأید)!

۸۲۳- [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحییٰ بن یحییٰ از ہشیم از منصور از عمرو بن دینار روایت کیا کہ] حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ آنحضرت ﷺ کی معیت میں عشا کی نماز ادا کرتے اور پھر واپس آکر اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھاتے۔ (مسلم کتاب الصلاۃ)

۸۲۴- [بسند سابقہ از محمد بن عباد از سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار] حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، آنحضرت ﷺ کی امامت میں نماز پڑھتے اور پھر آکر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے، ایک رات آپ نے آنحضرت ﷺ کی امامت میں عشاء کی نماز پڑھی، پھر اپنی قوم کے پاس آکر ان کی امامت کرائی اور سورۃ بقرہ شروع کر دی، ایک آدمی صف سے نکل کر الگ ہو گیا، اس نے تنہا نماز پڑھی اور چلا گیا، لوگوں نے اس سے پوچھا اے فلاں کیا تو منافق ہو گیا ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں لیکن میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کروں گا چنانچہ اس نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سارا دن کام کاج کرتے ہیں، حضرت معاذؓ نے آپ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی اور پھر واپس آکر جب ہمیں پڑھانے لگے، تو سورۂ بقرہ شروع کر لی، حضورؐ نے حضرت معاذ کی طرف رُخ انور کرتے ہوئے فرمایا معاذؓ! لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو؟ فلاں فلاں سورہ پڑھ لیا کر۔ (مسلم ابو داؤد نسائی کتاب الصلاۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ حضرت معاذؓ پہلے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں اور پھر وہی نماز جا کر اپنی قوم کو پڑھاتے ہیں۔ آپ نے اس بات پر انکار نہ فرمایا بلکہ اسے برقرار رہنے دیا۔

۸۲۵- [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابو داؤد از عبیداللہ بن عمر بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مُیَسَّرہ از یحییٰ بن سعید قطعان از محمد بن عجلان از عبیداللہ بن مقسم روایت کیا کہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے بعد، اپنی قوم کے پاس آتے اور پھر انہیں یہی نماز پڑھاتے۔ (ابوداؤد کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کے یہ متعدد طرق اس لیے بیان کیے ہیں کہ بعض ایسے لوگ جنہیں ان کا دین جھوٹ بولنے سے نہیں روکتا یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ صرف عمرو بن دینار ہی سے مروی ہیں، ہم نے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ عُبَیدُ اللہ بن مقسم سے بھی مروی ہیں جو بالاتفاق ثقہ ہیں پھر یہ کہ اگر عمرو منفرد بھی ہوتے تو پھر کیا تھا؟ کوئی دو مسلمان بھی ایسے نہ ملیں گے، جن کا عمرو کے بارے میں اختلاف ہو، وہ تو آسمانِ دین کا چمکتا ہوا ستارہ، ثقہ، حافظ اور امام ہیں اور بلاشک وشبہ مقام ومرتبہ کے اعتبار سے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی فائق تر ہیں، جن کی آراء کو ان کے مقلدین سنن کے معارضہ کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں اور پھر یہ کہ عمرو نے براہِ راست حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شرفِ ملاقات حاصل کر کے کسبِ علم کیا ہے۔ عمرو کے لیے کیا یہ کم مرتبہ کی بات ہے کہ وہ زہری، نافع اور حماد بن ابی سلیمان کی طرح امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ میں شامل ہیں۔

عمرو کے کئی شاگرد امام مالک رحمہ اللہ وابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے بلکہ ان سے بھی جلیل القدر ہیں مثلاً ایوب رحمہ اللہ، منصور رحمہ اللہ، شعبہ، حماد بن زید رحمہ اللہ، سفیان رحمہ اللہ، اور ابن جریج رحمہ اللہ وغیرہم۔

اور پھر اس مسئلہ میں تنہا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر انحصار نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں اس سے بھی زیادہ وزنی دلائل موجود ہیں، جیسا کہ۔

۸۲۶- [ہم نے بطریق یونس بن عبداللہ از احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم از احمد بن خالد از محمد بن عبدالسلام خُشنی از محمد بن بشار از یحییٰ بن سعید قطان از اشعث بن عبدالملک حُمرانی از حسن بصری روایت کیا کہ) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی معیت میں نماز خوف پڑھی، پہلے تو ایک گروہ نے آپ ﷺ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور پھر دوسرے گروہ نے، اس طرح آنحضرت ﷺ کی چار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکعتیں ہوئیں مگر مقتدیوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔ (ابوداؤد اور نسائی کتاب الصلاۃ)

۸۲۷۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق بن سُلیم از ابن الاعرابی از ابوداؤد از عبیداللہ بن معاذ بن معاذ عنبری، از پدر خود از اشعث بن عبدالملک از حسن بصری روایت کیا کہ] حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بوقت ظہر نماز خوف پڑھائی، لشکر میں سے کچھ لوگوں نے تو آپ کے پیچھے صفیں باندھ لیں اور کچھ دشمن کے بالمقابل صف آرا رہے، آپ نے دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا، جنہوں نے آپ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھی تھیں، وہ چلے گئے اور میدان میں جاکر اپنے بھائیوں کی جگہ سنبھال لی اور انہوں نے آکر یہاں آنحضرت ﷺ کے پیچھے صفیں استوار کرلیں، آپ نے انہیں بھی دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا، اس طرح آنحضرت ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں۔ مگر مقتدیوں میں سے ہر ایک کے لیے دو دو رکعتیں ہوئیں۔ (ابوداؤد نسائی کتاب الصلوٰۃ)

حضرت حسن صلوٰۃ خوف کے سلسلہ میں یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یاد رہے حضرت حسنؒ کا حضرت ابوبکرہؓ سے سماع ثابت ہے

۸۲۸۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن منصور از سفیان بن عُیینہ از ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ روایت کیا کہ] حضرت حسنؒ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابوبکرہؓ سے سنا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو منبر پر جلوہ افروز دیکھا جبکہ حضرت حسن بن علیؓ بھی آپ کے ساتھ ہی تھے[1]..... (بخاری ابوداؤد ترمذی نسائی)

یہ ابوموسیٰ ثقہ ہیں، ان سے سفیان اور حسین بن علی جُعفی نے روایت کی ہے!

۸۲۹۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن

---

[1] احمد شاکر فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت "سنن نسائی" اور خصائص علی" میں نہیں ملی البتہ مسند احمد میں یہ جلد ۵ ص ۳۷-۳۸ میں ہے اور سفیان سے ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "ان ابنی ھذا سید" الخ (میرا یہ بیٹا سردار ہے شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرادے) بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۰۰ میں یہ حدیث بطریق ابن عُیینہ ہے اور اس میں حسن کے سماع کی صراحت بھی ہے۔ ابوداؤد، جلد ۴ صفحہ ۳۰۹، حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵ میں دیگر اسانید کے ساتھ بھی ہے (یہ روایت سنن نسائی کتاب الجمعہ باب مخاطبۃ الامام وھو علی المنبر کے تحت مذکور ہے۔ ابوالاشبال شاغف)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبۃ از عفان بن مسلم از ابان بن یزید عطار از یحییٰ بن ابی کثیر از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف روایت کیا کہ] حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی معیت میں آئے حتیٰ کہ جب مقام ذات الرّقاع میں پہنچے —— تو اذان شروع ہو گئی، آپ نے ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، تو وہ پیچھے ہٹ گیا اور پھر آپ نے دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی چار رکعتیں اور باقی قوم کی دو رکعتیں تھیں (بخاری کتاب المغازی مسلم کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

یہ حدیث یحییٰ نے ابوسلمہ سے سُنی ہے، اور ابوسلمہ نے جابر سے، اس کے علاوہ ہم تک یہ اور بھی کئی طرق سے پہنچی ہے مگر اختصار کے باعث ہم نے اسی پر اکتفا کیا ہے، یہ آنحضرت ﷺ کا آخری فعل ہے، ابوبکرہؓ اس موقعہ پر حاضر تھے اور آپ فتح مکہ و غزوۂ حنین کے بعد طائف کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں"

بعض درماندہ و لاچار قسم کے لوگوں نے خوفِ الٰہی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ سہارا پکڑنے کی کوشش کی ہے کہ حدیثِ جابرؓ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپؐ نے دو دو رکعتوں کے مابین سلام پھیرا تھا، ہم عرض کریں گے کہ بالکل غلط! کیونکہ بطریق قتادہ، از سلیمان یشکری، حضرت جابرؓ سے جو روایت ہے۔ اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپؐ نے دو رکعتوں کے مابین سلام پھیر دیا تھا۔[1]

اگر یہ حضرات اعتراض کریں کہ قُتیبۃ کے سُلیمان سے سماع کے بارے میں کلام ہے، ہم

[1] یشکری کی روایت کو طحاوی نے جلد ۱ صفحہ ۱۸۷ میں روایت کیا ہے، ابوداؤد نے جلد ۱ صفحہ ۴۸۴ میں حدیثِ ابوبکرہ کے بعد لکھا ہے کہ اسی طرح اسے یحییٰ بن ابی کثیر، از ابوسلمہ، از حضرت جابرؓ، از آنحضرت ﷺ روایت کیا ہے سلیمان یشکری نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ از جابر، از آنحضرت ﷺ حسن نے حضرت جابر سے بھی اسی طرح روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا دوبارہ دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا، نسائی میں جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ میں اسناد صحیحہ کے ساتھ یہ روایت ہے۔ بیہقی نے اسی طرح المعرفۃ میں بطریق شافعی از ثقہ ابن علیہ یا اس کے علاوہ دوسرا کوئی از یونس از حسن از جابر روایت کیا ہے جیسا کہ زیلعی نے نصب الرایۃ ۱/۲۵۱ میں نقل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض کریں گے کہ تم ہی کہا کرتے ہو کہ مرسل روایت مسند کے مانند ہی ہوتی ہے، مسند کے بارہ میں تم باطل سے جو تعلی کرتے تھے، اب وہ تمہارے پاس آگیا ہے تو اسے کیوں اختیار نہیں کرتے یہ ٹھیک ہے کہ کہا گیا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے مگر یہ قول صحیح نہیں ہے اور پھر خاص بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے بھی اپنی حدیث میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ آپؐ نے دو دو رکعتوں کے مابین سلام پھیر دیا تھا اور یہ کسی نے روایت نہیں کیا کہ آپ نے سلام نہیں پھیرا۔

اگر یہ صحیح ثابت بھی ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ نے دو دو رکعتوں کے مابین سلام نہیں پھیرا تھا، تو یہ بھی ہمارے مخالفین پر بڑا شاق گزرے گا کیونکہ یہ امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ کے مقلد ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کوئی مسافر چار رکعت نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز فاسد ہوگی ہاں اگر دو کے بعد بقدر تشہد بیٹھ جائے، تو پھر اس کی نماز صحیح ہوگی کیونکہ پھر بعد والی دو رکعتیں نفل شمار ہوں گی۔

اگر آنحضرت ﷺ دو رکعتوں کے مابین بقدر تشہد نہیں بیٹھے تھے، تو اس سے ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی نماز فاسد ہوگی، اور اگر یہ کہنے کی جسارت کر بیٹھیں، تو بلاشک وشبہ کافر ہو جائیں گے۔ اور اگر آنحضرت ﷺ دو رکعتوں کے مابین بقدر تشہد بیٹھے ہوں، تو دوسرے گروہ نے جب آکر نماز پڑھی، تو اس کی یہ فرض نماز تھی جبکہ آنحضرت ﷺ کی یہ نفل نماز تھی لیکن یاد رہے یہ قول ہمارا ہے، ان کا نہیں۔

مالکیوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی مسافر چار رکعت نماز پڑھ لے، تو اس نے نماز میں بہت برا کیا ہے لہٰذا اسے اسی وقت نماز کو دوہرا لینا چاہیئے۔ اگر آنحضرت ﷺ کی نماز کے بارے میں کوئی ایسی بات منہ سے نکالنے کی جسارت کرے گا، تو بلاشبہ کافر ہو جائے گا اور اگر وہ یہ کہیں کہ آپؐ نے دو دو رکعتوں کے مابین سلام پھیر دیا تھا تو یہ ان کی طرف سے گویا اقرار ہوگا کہ دوسرے گروہ نے تو آپؐ کے پیچھے فرض پڑھے تھے مگر آپ اس وقت نفل ادا کر رہے تھے۔

اس مسئلہ میں تمام صحابہ کرامؓ کی طرف سے اس صورت پر اجماع صحیح ہے، جو اس وقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضور سرورِ کائنات ﷺ کے ساتھ تھے، جو صحابہ کرامؓ اس وقت موجود نہ تھے، ان پر بھی اس قسم کا مسئلہ مخفی نہیں رہ سکتا، کیونکہ سب آنحضرت ﷺ کے مطیع فرمان تھے۔

امام مالکؒ کے بعض مفتوُن مقلدین نے یہ سہارا لیا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص تھا کیونکہ آپؐ کی اقتدار میں جو فرض نماز ادا کرنے میں خیر و برکت ہے، وہ دوسروں کی اقتدار میں کہاں؟

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ مسکین حق قبول کرنے کے بجائے، اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایک جھوٹی بات منسوب کر رہے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ یہ میرے لیے خاص ہے بلکہ صحیح بات وہ ہے، جو بطریق مالک بن حُویرثؓ مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تم "اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" (بخاری) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)

اور یہ کبھی کسی نے نہیں کہا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے کچھ باتیں جائز ہیں جو کسی دوسرے کے ساتھ پڑھتے ہوئے جائز نہیں، ایسی بات صرف وہی لوگ کہہ سکتے ہیں، جو اپنی فاسد تقلید کی مدد کرنا چاہتے ہیں، ونعوذ باللہ من الخذلان!

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے حدیث معاذؓ پر کچھ اعتراضات کیے ہیں، جنہیں ہم ذکر کرتے ہیں اگرچہ حدیث ابوبکرہؓ و جابرؓ کی موجودگی میں اس قسم کے اعتراضات کے ذکر کی ضرورت تو نہیں تاہم حق کی مدد کرنا ہمارے نزدیک باعثِ فضیلت اور باطل کا قلع قمع کرنا تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ امام و مقتدی کی نیت میں اختلاف جائز نہیں اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے بطریق ابن سنجر[1] جرجانی از ابوصالح عبداللہ بن صالح کاتبِ لیث، از لیث، از عبداللہ بن عیاش بن عباس قتبانی از پدر خود از ابوسلمہ از ابوہریرہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ

[1] محلّٰی کے ایک قلمی نسخہ میں یہ نام سحر ہے بغیر نقطوں کے لیکن مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کون ہے!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو اس وقت صرف وہی نماز ہوتی ہے جس کے لیے اقامت کہی گئی ہو۔ (مسند احمد ۲/ ۳۵۲، معانی الآثار ۱/ ۳۷۲)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ یہ ابو صالح کی روایت ہے اور وہ ساقط ہے"[1]

صحیح حدیث یہ ہے جس کی سند اس طرح ہے:۔ ایوب سختیانی و ابن جریج و حماد بن سلمہ و ورقا بن عمرو زکریا بن اسحاق از عمرو بن دینار، از عطا بن یسار از حضرت ابو ہریرہؓ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے، تو اس وقت صرف فرض نماز ہی ہوتی ہے یہ حدیث ہم باسند اس کتاب میں "کتاب الصلوٰۃ" کے شروع میں بھی بیان کر آئے ہیں (دیکھو مسألہ ۳۰۰)

پھر اگر ابو صالح کی روایت صحیح بھی ہو تو یہ ان کے خلاف حجت ہے، ان کے حق میں نہیں کیونکہ یہ خود اس کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ مالکیوں اور حنفیوں سب کا اتفاق ہے کہ جب نماز فجر کے لیے اقامت کہی جا چکی ہو اور کسی نے وتر نہ پڑھے ہوں یا صبح کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو وہ فرض شروع کرنے سے پہلے انہیں پڑھ لے۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ اس نے اس چیز کے لیے ان کے استدلال کو آسان کر دیا ہے، جو صحیح ہی نہیں ہے اور جو صحیح ہے، اس کا ابطال آسان کر دیا۔

پھر ان کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص ظہر یا عصر کی فرض نماز پڑھ رہا ہو، اس کے پیچھے نفل نماز پڑھنا درست ہے، ابو صالح کی جس باطل روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا، اب خود ہی سب سے پہلے اس کی مخالفت کر رہے ہیں، ہم تو اس حدیث کی بنیاد پر اس وقت کوئی بات کہیں گے جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ صحیح ہے اور پھر اس کے ساتھ دیگر سب صحیح احادیث کو

[1] ہرگز نہیں بلکہ ابو صالح ثقہ ہیں اس روایت کے ضعف کی وجہ عبداللہ بن عیاش بن عباس ہے کیونکہ وہ ضعیف ہے اور یہ روایت مجھے اس سند کے ساتھ نہیں ملی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملا لیں گے جو حضرت معاذؓ، جابرؓ، ابو بکرہؓ اور ابو ذرؓ سے مروی ہیں، ہم ان میں سے کسی کو ترک نہیں کریں گے۔

بعض نے ایک اور حدیث ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے جو بطریق عمرو بن یحییٰ مازنی از معاذ بن رفاعہ اصحاب رسول میں سے بنو سلمہ کے ایک آدمی سے روایت ہے، جسے سلیم کہا جاتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! ہم سارا دن کام کرتے رہتے ہیں اور شام کو گھروں میں واپس آتے ہیں، تو حضرت معاذؓ بہت لمبی نماز پڑھانا شروع کر دیتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "معاذؓ! لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے نہ بنو، یا تو اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھاؤ یا پھر میرے ساتھ پڑھی ہوئی نماز پر ہی اکتفا کرو۔ (احمد ۵/۷۴، الطحاوی ۱/۲۳۸، والاستیعاب ۲/۵۷۸)

اس حدیث کے باعث انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت معاذؓ، آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کو نفل بنا لیتے تھے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ تاویل غلط ہے اور اس کے حسب ذیل چھ اسباب ہیں۔

(۱) یہ بالکل جھوٹ اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور اس قسم کا طرز عمل صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جو تقویٰ و حیا سے عاری ہو۔

(۲) یہ حدیث ہی صحیح نہیں بلکہ منقطع ہے کیونکہ مُعاذ بن رِفَاعَہ نے نہ تو آنحضرت ﷺ ہی کو پایا اور نہ اس شخص کو، جس نے آپ ﷺ کے پاس حضرت معاذ بن جبلؓ کی شکایت کی تھی۔

۴۳۰۸-[ہم نے بطریق احمد بن محمد طلمنکی از ابن مُفَرِّج از محمد بن ایوب از احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار از محمد بن معمر از ابو بکر عبدالکبیر بن عبدالمجید حنفی روایت کیا کہ] اسامہ بن زید نے فرمایا کہ میں نے معاذ بن عبد اللہ بن خبیب[1]

[1] خُبَیْب، تصغیر کے ساتھ ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ابن حزم اس سند کے ساتھ حجت پکڑ رہے ہیں جس میں اسامہ بن زید لیثی ہے جس کے بارے میں الاحکام جلد ۵ ص ۱۳۶ میں لکھ چکے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور اس سے مروی حدیث پر یہ مکذوب ہونے کا حکم لگا چکے ہیں حالانکہ آپ کا یہ حکم غلط تھا، پھر اس سند میں معاذ بن عبد اللہ بن خبیب بھی ہے اور ابن حجر نے آپ ہی سے ان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ مجہول ہے، تو کیا اب آپ کے نزدیک اسامہ ضعیف کے بجائے قوی اور ابن خُبَیْب مجہول کے بجائے معروف ہو گئے ہیں؟

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ حضرت معاذ نے ایک حدیث بیان کی اس میں ہے کہ سلیم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ایسا آدمی ہوں کہ سارا دن کام کرتا ہوں اور شام کو اونگھ آنے لگتی ہے، عشاء کو حضرت معاذ دیر سے آتے ہیں۔ اور ایک رات انہوں نے بہت تاخیر کر دی تو میں نے علیحدہ ہو کر نماز پڑھ لی.... اس میں یہ بھی ہے کہ یہ سلیم غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ (کشف الاستار ۱/۲۵۶)

(۳) آنحضرت ﷺ تو یہ ارشاد فرمائیں کہ "جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے، تو پھر فرض کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی"، اور فرمان باری تعالیٰ بھی یہ ہو کہ:

وَسَارِعُوٓا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ اور اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف لپکو۔

(آلِ عمران-۱۳۳)

پھر حضرت معاذؓ - جو دین کا بہت زیادہ علم رکھنے والوں میں سے ہیں —— اپنی فرض نماز کو ضائع کر کے نفل کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرض نماز کے لیے اقامت کہی گئی ہو، حضور ﷺ جیسا امام ہو اور حضرت معاذؓ محض ابوحنیفہؒ و مالک کی رائے کی اتباع کے باعث فرض کو چھوڑ کر نفل کی ادائیگی میں مصروف ہو جائیں، ایسا کہنا تو صریحاً گمراہی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاذؓ کو محفوظ رکھا تھا۔

(۴) یہ بالکل بے ہودہ تاویل ہے، جسے حضرت معاذ کی طرف منسوب کرتے ہوئے انہوں نے شرم و حیا کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا ہے اور یہ تاویل بھی ایسی ہے، جو خود ان کے نزدیک بھی جائز نہیں اور وہ یہ کہ فرض نماز تیار ہو مگر بعض نمازی جنہوں نے ابھی تک اس فرض کی ادائیگی نہیں کی ہے، نفل نماز کی نیت کر کے امام کے ساتھ شریک جماعت ہو جائیں، بہر حال انہوں نے حضرت معاذؓ کی نسبت ایک ایسی بات کہہ دی ہے جو نہ ان کے نزدیک جائز ہے اور نہ دوسروں کے نزدیک! یہ ایک انتہائی برا فتنہ ہے جو عقل اور دین کو ختم کر دینے والا ہے، معلوم نہیں جو چیز بجائے خود ان کے نزدیک جائز نہیں، اسے حضرت معاذؓ کی طرف منسوب کرتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کونسی راحت نصیب ہوئی ہے!

(۵) تم اس بات کو تو جائز نہیں سمجھتے کہ فرض پڑھنے والے امام کے پیچھے نفل پڑھے جائیں یا نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض ادا کئے جائیں کیونکہ تمہارے نزدیک امام اور مقتدی کی نیتوں میں اختلاف نہیں ہونا چاہیئے، تو اب تم نے یہ کیونکر جائز قرار دے دیا کہ حضرت معاذؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے نفل نماز پڑھیں جبکہ آپ فرض ادا فرما رہے ہوں۔ شریعت یا عقل کے اعتبار سے ان دو باتوں میں کیا فرق ہے؟

یہاں یہ ایک صورت پہ دوسری کو قیاس کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض کی ادائیگی کو اس پہ قیاس کیوں نہ کر لیا کہ نفل حج ادا کرنے والے کے پیچھے فرض حج کی ادائیگی جائز ہے، وقوف، افاضہ اور دیگر تمام مناسک کی ادائیگی میں اس امام کی اقتدا جائز ہے۔ اگر قیاس کی کوئی صورت حق ہو سکتی ہے، تو یہ نہایت احسن اور اصح صورت ہے حالانکہ یہ بزعم خویش اصحاب قیاس ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ سنن کو چھوڑ کر محض اپنے نفسوں کے پجاری بنے ہوئے ہیں۔ طلب سنن کے ساتھ اشتغال و اعتنا کو یہ کیوں لازم نہیں پکڑتے!

وللحمد للہ علی عظیم نعمتہ۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ملمع سازی سے کام لیتے ہوئے، کچھ ایسی گفتگو کی ہے جو شعبدہ بازوں کے کلام سے مشابہت رکھتی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے فرق یہ بتایا ہے کہ نفل کے بعض اسباب فریضہ کے اسباب جیسے ہوتے ہیں اور جس نے کسی ایسی نماز کو شروع کر لیا جسے شروع کرتے ہوئے کوئی نیت نہ تھی تو اس کی نماز نفل ہوگی!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا کلام ہے کہ سامع تو کیا شاید متکلم بھی اس کا مفہوم نہ سمجھتا ہو، اسکے قائل کا صحیح مقام ہسپتال ہے، جس میں اس کے دماغ کا علاج کیا جائے اس سے یہ بھی کہا جائے گا کہ اس کلام کو دونوں معاملوں کے درمیان مساوی کر کے دیکھو، کیا تم پھر بھی قبول کر لوگے؟ یہ بات ہی سرے سے باطل اور کذب ہے کیونکہ جو شخص کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیت کیے بغیر نماز شروع کر لیتا ہے، تو وہ نماز ہی نہیں پڑھتا اور نہ اس طرح نماز پڑھنے کا اسے کوئی ثواب ملے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "وانما لکل امرئ ما نوی" (بخاری وغیرہ)

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اس ہذیان و یاوہ گوئی کرنے والے کی بات کی کوئی اہمیت نہیں، دین میں اہمیت صرف حضور اقدس ﷺ کے کلام ہی کو ہے۔

پھر اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو، جو بطریق معاذ بن رفاعہ مروی ہے، تو پھر بھی ان کے مطلب کی نہیں کیونکہ اس کا معنی بالکل واضح ہے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کہ "اِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ عَنْ قَوْمِكَ أَوْ اجْعَلْ صَلَاتَكَ مَعِي" کا معنی یہ ہے کہ "اگر تم نے نماز پڑھاتے ہوئے تخفیف سے کام نہیں لیا تو اپنی قوم کو نماز ہی نہ پڑھاؤ بلکہ اسی پر اکتفا کر لو، جو میرے ساتھ پڑھتے ہو"، ان الفاظ نبوی کا صرف یہی مفہوم ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

بعض نے ملمع سازی سے کام لیتے ہوئے یہ روایت بھی پیش کی ہے جو بطریق قتادہ از عامر احول[1]، از عمرو بن شعیب از خالد بن ایمن معافری[2] روایت ہے کہ مضافات والے اپنے اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی، تو آپ نے اس سے منع فرما دیا کہ وہ دن میں ایک نماز کو دوبارہ پڑھیں۔ (طحاوی ۱/۱۸۷)

اس سلسلہ میں ایک دوسری حدیث بھی ہے جسے میری طرف ابو سلیمان داؤد بن باب شاذ بن داؤد مصری[3] نے لکھ کر بھیجا فرمایا کہ ہم سے عبد الغنی بن سعید ازدی حافظ نے از ہشام بن محمد بن قرۃ رعینی از ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی از حسین بن نصر از یزید بن ہارون از حسین معلم از عمرو بن شعیب از سلیمان بن یسار روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمر کے پاس مقام بلاط

---

[1] پورا نام عامر بن عبدالواحد احول بصری ہے، یہ عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں، عاصم بن سلیمان احول ان کے علاوہ اور شخصیت کا نام ہے، قتادہ دونوں سے روایت کرتے ہیں [2] یہ خالد بن ایمن تابعی ہیں، ابن عبدالبر، ابن اثیر اور ابن حجر نے ایسا ہی کہا ہے [3] محلی کے دونوں نسخوں میں شاذ ہے مگر ایک نسخہ میں ساد ہے، معلوم نہیں کہ صحیح کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں گیا تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا، آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں پڑھتے؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے خیمہ میں پڑھ لی ہے اور اس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ فرض نماز کو دن میں دو بار پڑھا جائے[1]

انہوں نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاذ جب فرض نماز کو دن میں دو بار پڑھتے تھے اس وقت مباح تھی مگر پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ :-

"ابن عمر کی حدیث تو صحیح ہے، مگر خالد بن ایمن کی روایت کہ وہ حدیث ساقط ہے کیونکہ مرسل ہے" اور پھر یہ کہ ان دو روایتوں میں کوئی ایسی چیز نہیں، جو ان کے لیے حجت بن سکے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ قائل ہی جھوٹا ہے کبھی بھی یہ جائز نہ تھا کہ ایک فرض نماز کو فرض سمجھتے ہوئے دن میں اس کی دوبار ادائیگی کی جائے۔ کیونکہ اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے صرف پانچ نمازیں فرض کی تھیں ہاں البتہ وتر میں اختلاف ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پانچ نمازیں فرض کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اگرچہ پانچ ہیں مگر میں ان کا ثواب پچاس کے برابر دوں گا۔ (مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ) گویا اس ملمع ساز کی ملمع سازیاں باطل ہو گئیں!

(۶) آخری وجہ یہ ہے کہ حدیث کا معنی ایک ہی ہے اور وہی حق ہے اور یہ کبھی بھی جائز نہیں اور نہ ہی ہم نے کبھی یہ کہا ہے بلکہ اللہ کی پناہ کہ ہم یہ کہیں کہ ایک دن میں کوئی نماز دوبارہ پڑھی جا سکے، ہم نے تو یہ عرض کیا ہے کہ نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ اور اسی طرح فرض پڑھنے والے کے پیچھے دوسرے فرض بھی پڑھے

---

[1] مصنف نے بطریق طحاوی اس طرح روایت کیا ہے، شاید یہ کسی دوسری کتاب میں ہے، معانی الآثار جلد ا صفحہ ۱۰۷ میں جو اس سند سے روایت ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں "عن سلیمان مولیٰ میمونۃ" الخ ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۲۶ میں بطریق یزید بن زُریع از حسین معلم ہے، نسائی جلد ا صفحہ ۱۳۸ میں بطریق یحییٰ بن سعید از معلم ہے۔ بلاط مدینہ کے قریب ایک معروف مقام ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جا سکتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے" (بخاری وغیرہ) آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرامؓ میں سے کبھی بھی کسی نے اس سے منع نہیں کیا۔

یہ لوگ جو اس بات کے جواز کے قائل ہیں کہ ایک نماز کو دن میں دوبار ادا کیا جا سکتا ہے، مالکی تو یہ کہتے ہیں کہ وقت کے اندر نماز کو دوہرایا جائے، اور جو شخص ایک نماز کے وقت میں کسی دوسری کو یاد کرے، وہ پہلے موجودہ نماز کو پڑھے اور پھر اس کو جو اسے یاد آئی ہو، پھر اس کو دوبارہ پڑھے جو وہ پہلے بھی پڑھ چکا ہے لیکن ہم یہ نہیں کہتے۔

تعجب ہے کہ یہ حضرات ابن عمرؓ کے قول و عمل سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اسی مسئلہ میں انہوں نے ابن عمرؓ کی مخالفت کی ہے۔ بعض نے ایک ایسا قول کہا ہے جو پہلے ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قبیح ہے اور وہ یہ کہ حضرت معاذؓ یہ اس لیے کیا کرتے تھے کہ ان دنوں وہ لوگ حافظ قرآن نہ تھے!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس قول کا قائل اللہ کریم سے ڈرتا یا کذب سے حیا کرتا تو وہ باطل کی مدد اس طریقہ سے نہ کرتا جو اس سے بھی زیادہ باطل ہے اگر یہ شخص حضرات صحابہ کرامؓ کی قدر و منزلت اور ان کے علمی مقام و مرتبہ سے آگاہ ہوتا تو یہ بات نہ کہتا کیونکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ حبشی، ترکی، صقلی، رومی اور یہودی وغیرہ جب مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں تو ایک جمعہ بھی گزرنے نہیں پاتا مگر ان کے مرد اور عورتیں سورہ فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اتنی سورتیں جن سے نماز پڑھ سکیں، ضرور یاد کر لیتے ہیں۔ لیکن اس بے شرم و جاہل نے قطعاً حیا محسوس نہیں کیا اور انصار کے ایک عظیم خاندان اور ان کے چھوٹے خاندانوں یعنی بنو سلمۃ و بنو اُدَیؔ[1] کی طرف یہ بات

---

[1] اُدَیّ، حضرت معاذؓ کے اجداد میں سے ہیں، آپکا سلسلہ نسب اس طرح ہے مُعاذ بن جبل بن عَمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عَمرو بن اُدَیّ بن سعد بن علی خزرجی، اُدَیّ سَلمہ بن سعد کے بھائی ہیں، اس اُدَی کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا جیسا کہ شارح قاموس نے "روض" سے نقل کیا ہے، ان میں سے جنکی سب سے آخر میں وفات ہوئی وہ عبدالرحمٰن بن معاذ بن جبل ہیں بنو سَلمۃ انصار کا بڑا خاندان اور ان کے برادران چچازاد بنو اُدَیّ چھوٹا خاندان ہیں ملاحظہ فرمایئے المشتبہ للذہبی صفحہ ۸، طبقات ابن سعد جلد ۳ ق ۲ ص ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۲۰ شرح القاموس جلد ۱۲ صفحہ ۱۳ -

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منسوب کر دی کہ گویا انہوں نے نماز کے لیے قطعاً کوئی اہتمام ہی نہیں کیا حالانکہ ان میں سے تین آدمی تو ہجرت سے دو سال اور کچھ ماہ قبل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، جب کہ باقی سب حضرات بھی ہجرت سے کافی دیر پہلے مسلمان ہو گئے تھے لیکن تعجب کہ اس قائل کے بقول اتنا عرصہ گویا انہوں نے اسی طرح گزار دیا اور قرآن مجید کا اتنا حصہ بھی یاد نہ رکھا جس سے نماز کی امامت کے فرائض ہی سر انجام دے لیتے حالانکہ عربی ان کی مادری زبان تھی اور یہ لوگ دینی بصیرت کے حامل تھے اَللّٰھُمَّ الْعَنْ مَنْ لَا یَسْتَحِی مِنَ الْمُجَاھَرَۃِ بِالْبَاطِلِ وَالْکِذْبِ الْمَفْضُوحِ!

جہلاء کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مسجد بنی سلمہ، جس میں حضرت معاذ بن جبلؓ امامت کے فرائض سر انجام دیا کرتے تھے کہ اس میں تیئس (۲۳) تو وہ صحابہ کرامؓ نماز پڑھا کرتے تھے، جنہیں بیعتِ عقبہ کا شرف حاصل تھا اور تینتالیس (۴۳) ایسے تھے، جنہیں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت میسر آئی تو کیا ان فضلاء صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، جسے اتنا قرآن مجید حفظ ہو کہ وہ نماز پڑھا سکے۔ اس مسجد میں نماز ادا کرنے والے حضرات صحابہ کرام میں سے حضرت جابر بن عبداللہ، آپ کے والد، کعب بن مالک ابوالیسر[1]، حباب بن منذر، معاذ، معوذ، خلاد، بنو عمرو بن جموح، عقبہ بن عامر بن نابی[2]، بشر بن براء بن معرور جبار بن صخر رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل علم و فضل کے اسماء گرامی بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

نہایت صحیح ترین طریق سے روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک[3] فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل ہی میں نے قرآن کریم کی بہت سی سورتیں حفظ کر لی تھیں۔

---

[1] ابوالیسر کا نام کعب بن عمرو بن عباد بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی ہے طبقات جلد ۳ ق ۲ ص ۱۱۸، ۱۴۰۔

[2] نابی کا نام نابی بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد ہے طبقات جلد ۳ ق ۲ ص ۱۱۰

[3] کعب بن مالک، ان تین سعادت مندوں میں سے ہیں جو جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے کے باعث جن کی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی تھی۔ پورا قصہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ جھوٹ ہے جسے اس جاہل نے پیش کیا ہے محض ایک دعویٰ ہے، جسے اس نے خود ہی افتراء کیا ہے، یہ ایسی غلط بات ہے کہ صحیح تو کجا، ضعیف روایات میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں، کوئی وجہ نہیں کہ اس قسم کی غلط اور حد درجہ فرضی باتوں کو در خود اعتنا سمجھا جائے، ہمارا مقصد اس قسم کی باتیں بنانے والوں کی رسوائی، ضعفاء کو تنبیہ اور تقرب الٰہی کا حصول ہے۔

ہم ایک بار پھر ان سے کہیں گے کہ فرض کرو کہ یہ مکذوبہ بات اسی طرح ہو، جس طرح تم کہہ رہے ہو تو پھر کیا تمہارے نزدیک یہ صورت جائز ہو گی۔ کیا تم یہ تسلیم کر سکتے ہو کہ مسلمانوں میں سے ایک جم غفیر ہو اور ان میں ایک شخص کے سوا اور کوئی بھی اتنی صلاحیت نہ رکھتا ہو کہ اسے اتنا قرآن مجید یاد ہو کہ جماعت کرا سکے؟ اور یہ بھی کہ ایک پہلے دوسروں کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے اور پھر خود جماعت کرائے؟ یقیناً ان کا جواب ہو گا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تو ہم ان سے عرض کریں گے کہ پھر ایک جھوٹی بات گھڑنے میں تمہیں کیا راحت ملی جب کہ تم اس سے اپنی فاسد تقلید کے نیچے بھی نہ سی سکے؟۔

پھر ان کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا جائے گا کہ تم جس محل پہ چاہو اس روایت کو محمول کر لو لیکن ہمارا یہ سوال بدستور برقرار رہے گا کہ کیا آنحضرت ﷺ نے اسے سکھا کہ اس سے اقرار نہ لے لیا تھا؟ تو پھر تم آنحضرت ﷺ کے فعل و حکم کو باطل کرنے کے درپے کیوں ہو؟

بعض حضرات نے حدیث جابرؓ و ابوبکرہؓ کے سلسلہ میں اپنی رسوائیوں پہ یوں پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ شاید یہ نماز میں قصر کا حکم نازل ہونے سے قبل کا واقعہ ہو؟ یا شاید پھر کسی ایسے سفر میں پیش آیا ہو جس میں نماز قصر نہیں کی جاتی؟

ہم عرض کریں گے کہ یہ بھی ایک دوسرا جھوٹ اور سراسر باطل بات ہے کیونکہ حضرت ابوبکرہؓ متاخر الاسلام ہیں، مدینہ طیبہ میں انہوں نے کبھی کسی خوف یا صلوٰۃ خوف کا مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ مدینہ کے قرب و جوار میں بھی ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مقام نخل و ذات الرقاع میں پیش آیا اور یہ دونوں جگہیں مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت سے بھی زیادہ دور ہیں اور یہ بھی صحیح روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں نماز کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم نازل ہوا تھا، ہجرت کے بعد حضر کی نماز کو تو مکمل کر دیا گیا مگر سفر کی نماز بدستور دو رکعت ہی رہی۔ (کتب صحاح سنن والمسانید)

اس وضاحت سے متفق علیہ سنن سے ثابت شدہ حقائق کے ابطال کے لیے انہوں نے جو جو تاویلیں پیش کی تھیں، ان سب کا تار پود بکھیر دیا گیا ہے، پھر آنحضرت ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ کا جو عمل تھا، وہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔

بطریق حماد بن سلمۃ، از داؤد بن ابی ہند، از عمارؓ عنبری مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کا ایک عامل مقام کسکر (فارس کا ایک علاقہ) میں لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھاتے کے بعد سلام پھیر دیتا، پھر دو رکعتیں اور پڑھاتا اور سلام پھیر دیتا، حضرت عمرؓ کو بھی یہ خبر پہنچ گئی اور انہوں نے خود بھی آپ کی خدمت میں لکھا کہ میں اپنے اہل وعیال سے تو الگ تھلگ ہوں لیکن چونکہ میں دشمن کے بالمقابل نہیں ہوں، اس لیے میں نے یہ طریق نماز اختیار کیا ہے کہ لوگوں کو دو رکعتیں پڑھانے کے بعد سلام پھیر دیتا ہوں، پھر دو رکعتیں اور پڑھاتا ہوں اور سلام پھیر دیتا ہوں، حضرت عمر بن خطابؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم ٹھیک کرتے ہو۔

بطریق حمید بن ہلال از عبداللہ بن صامت روایت ہے کہ ہم صحابیِ رسول حضرت حکم بن عمرو غفاری کے ساتھ ایک لشکر میں تھے آپ ہمیں صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور سامنے ایک نیزہ تھا لیکن صفوں کے آگے سے گدھا گزر گیا، تو آپ نے نماز دوہرا دی اور فرمایا کہ میرے سامنے تو سترہ تھا لیکن جنکے سامنے سترہ نہیں تھا، ان کے سبب سے میں نے نماز دوہرا دی ہے... الحدیث (عبدالرزاق ۲/۱۸)

یہ ایک صحابی رسول کا عمل ہے کہ انہوں نے فرض پڑھنے والوں کی امامت کی۔

بطریق حماد بن سلمہ از داؤد بن ابی ہند، از عطاء خراسانی مروی ہے کہ حضرت ابو درداءؓ مسجد دمشق میں تشریف لائے جبکہ لوگ نمازِ عشاء پڑھ رہے تھے مگر آپ کو ابھی تک نمازِ مغرب پڑھنا تھی، چنانچہ آپ ان کے ساتھ ہی جماعت میں شریک ہو گئے جب انہوں نے اپنی نماز مکمل کر لی تو آپ نے کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لی اس طرح آپ نے تین رکعتیں تو مغرب کی شمار کر لیں اور دو رکعتوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نفل تصور کر لیا۔ قتادہ نے اپنی روایت میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ پھر اس کے بعد آپ نے نماز عشاء پڑھی (عبدالرزاق ۲/۷)

از معمر، از قتادہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص رمضان المبارک میں مسجد میں آئے جب لوگ نماز تراویح پڑھ رہے ہوں اور اس نے ابھی نماز عشاء نہ پڑھی ہو اور لوگوں کی بھی صرف دو رکعتیں ہی باقی رہ گئی ہوں، تو انہیں نماز عشاء کی نیت سے شریک جماعت ہو کر ادا کرے (عبدالرزاق ۲/۹)

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ جو شخص کسی ایسی جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہا ہو کہ ان کا ارادہ تو نماز عصر کا ہے مگر اس نے ابھی ظہر پڑھنی ہے، تو یہ ظہر کی نیت کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے، اس کی اپنی نیت اور ان کی اپنی نیت، حضرت عطاء خود بھی اس طرح کر لیا کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۶)

حضرت طاؤس سے بھی روایت ہے کہ جب لوگ قیام میں مصروف ہوں اور کسی نے ابھی تک عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو تو وہ ان کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھ لے اور اسے فرض شمار کرے (عبدالرزاق ۲/۶)

ابن جُریج نے عطاء سے اور حماد بن ابی سلیمان نے ابراہیم سے اور عبداللہ بن طاؤس نے اپنے والد سے اس مسئلہ کو اسی طرح روایت کیا ہے یعنی یہ مسئلہ ان جلیل القدر ثقات ائمہ کرام سے بھی مروی ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

"گزشتہ سطور میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہوا، ان کی کسی دوسرے صحابی سے مخالفت منقول نہیں ہے، اس قسم کی بات کو مقلدین اس وقت بہت اچھالا کرتے ہیں، جب ان کی تقلید کے موافق ہو۔"

"اس مسئلہ میں امام اوزاعی رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ احمد بن حنبل، ابو سُلیمان اور جمہور اصحاب الحدیث کا قول بھی ہمارے قول کے مانند ہے، وباللہ تعالیٰ التوفیق۔"

۴۹۵۔ ایک جماعت کے بعد دُوسری جماعت

اگر کچھ حضرات مسجد میں اس وقت آئیں جب امام راتب فرض نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جماعت کرا چکا ہو انہوں نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو، تو پھر سے دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اذان و اقامت وہی کفایت کر جائے گی، جو پہلے کہی گئی ہے، اگر اذان و اقامت کو بھی دُوہرا لیا جائے تو بہتر ہے۔ حکم صرف نماز کی باجماعت ادائیگی کا ہے۔ اذان و اقامت ہر اس شخص کے لیے کفایت کر سکتی ہے جو اس نماز کے وقت مسجد میں حاضر ہو، جس کے لیے یہ کہی گئی ہوں یا بعد میں آئے۔ احمد بن حنبلؒ اور ابو سلیمانؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں دوبارہ جماعت نہیں ہو سکتی الّا یہ کہ امام راتب موجود ہو۔ آپ کے بعض مقلدین نے دلیل یہ دی ہے کہ آپ نے اہل ہوس کے سدّباب کے لیے یہ فرمایا ہے۔

امام ابن حزمؒ کا تبصرہ اہل ہوس تو ہمارے اماموں کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہی نہیں بلکہ وہ تو اپنے گھروں میں نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ مساجد میں یہ لوگ نمازیں پڑھتے ہی نہیں، نہ امام کے ساتھ شروع کر کے اور نہ امام کے بعد۔ پس اس احتیاط کی کوئی وجہ نہیں، انہوں نے عجلت سے کام لیتے ہوئے اس سے روک دیا ہے اور ایک ایسے خدشہ کا اظہار کیا ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی باجماعت ادائیگی کو فرض قرار دیا تھا۔ مجھے یونس بن عبداللہ قاضی نے یہ خبر دی کہ محمد بن یبقی بن زرب قاضی[1] جب مسجد میں تشریف لاتے اور اگر امام راتب جماعت کرا چکا ہوتا اور انہوں نے ابھی تک وہ نماز نہ پڑھی ہوتی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں باجماعت نماز ادا کر لیتے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ لیکن اس مقصد کے لیے مسجد کے ایک کونہ کا انتخاب بھی عجیب ہے۔

امام ابن حزمؒ مزید فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی شخص کسی عذر کے بغیر قلّتِ اعتناء، خواہش نفس یا امام کے ساتھ دشمنی کے باعث باجماعت نماز کی ادائیگی نہیں کرتا، تو ہم اسے ایسا کرنے سے منع کریں گے

[1] یہ قرطبہ کے رہنے والے مالکی فقیہ و قاضی ہیں انکا ترجمہ سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۱۱ میں ہے انکی تاریخ وفات ۳۸۱ھ ہے۔ ابو الاشبال۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اگر باز نہ آیا تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق اس کے گھر کو جلا دیں گے۔

تعجب ہے کہ مالکی یہ کہتے ہیں کہ اگر اس طرح دوبارہ باجماعت نماز ادا کر لیں، تو ان کی نماز ہو جاتی ہے گی ؟ مسلمانو! اللہ کے لیے غور کرو کہ انہوں نے باجماعت نماز کی ادائیگی سے جو منع کیا ہے، اس سے انہیں کیا راحت ملی بجز اس کے کہ انہوں نے ایک ایسے عمل سے منع کر دیا جو ستائیس درجہ زیادہ اجر و ثواب کا باعث تھا۔ پھر وہ نماز بھی ہو جاتی ہے گی اس سے بڑھ کر کوئی فاسد قول نہیں ہو سکتا۔

بطریق سفیان ثوری، از یونس بن عُبَیْد از جعد ابی عثمان[1] مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے مگر اس وقت جماعت ہو چکی تھی، آپ نے اقامت کہہ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرمائی۔ (فتح الباری ۲/۱۰۹ و عبد الرزاق ۲/۲۹۲ و ابن ابی شیبہ ۲/۳۲۱ و بیہقی ۱/۴۰۷)

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ کے ساتھ اس وقت دس رفقاء تھے آپ نے اذان و اقامت کے بعد جماعت کرائی۔ (عبد الرزاق ۲/۲۹۱)

ایک اور روایت میں ہے جو بطریق معمر و حماد بن سلمہ از ابی عثمان، از حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ حماد نے مسجد کا نام بھی لیا اور کہا کہ یہ واقعہ مسجد رفاعہ میں پیش آیا۔ (بیہقی ۳/۷۰)

ابن جریج سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عطاء کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر دن یا رات کی کسی نماز کی جماعت ہو جانے کے بعد کچھ لوگ مسجد مکہ میں آئیں، تو کیا ان میں سے کوئی امام بن کر جماعت کرا دے ؟ انہوں نے فرمایا "جی ہاں ! اس میں کوئی حرج نہیں"۔ (عبد الرزاق ۲/۲۹۱)

سفیان ثوری، عبد اللہ بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ مسجد میں جماعت ہو چکی تھی مگر اس کے بعد میں نے ابراہیم کی امامت میں نماز ادا کی، آپ نے مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کر لیا تھا اور اذان و اقامت بھی نہ کہی۔ (عبد الرزاق ۲/۲۹۲)

مَعْمَر فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے لے کر بصرہ تک کے سفر میں ایوب سُختیانی کے ساتھ،

---

[1] جعد ابی عثمان کا نام جعد بن دینار لشکری بصری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک چشمہ والوں کی مسجد کے پاس سے گزرا، تو جماعت ہو چکی تھی، ایوب نے اذان واقامت کہی اور پھر آگے بڑھ کر جماعت کرا دی۔ (عبدالرزاق ۲/۲۹۲)

حماد بن سلمہ، عثمان بتیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حسن بصریؒ اور ثابت بنانیؒ کے ساتھ ایک ایسی مسجد میں گیا، جس میں نماز باجماعت ادا کی جا چکی تھی، ثابت نے اذان واقامت کہی اور حسنؒ نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ میں نے عرض کیا "ابو سعید! کیا یہ مکروہ تو نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں اس میں کوئی حرج نہیں!

اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ میں سے بھی کسی نے حضرت انسؓ کی مخالفت نہیں کی تھی!

۸۳۱۔ (ہم نے بطریق ابی بکر بن ابی شیبۃ از عبدہ بن سلیمان از سعید بن ابی عروبۃ از سلیمان اسود ناجی[۱] از ابی متوکل علی بن داؤد ناجی روایت کیا کہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں آیا، آپ نے فرمایا کوئی ہے، جو اس پر صدقہ کرے؟ ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور اس نے اسے جماعت کرا دی[۲]

اگر ہمارے مخالفین کو اس طرح کوئی مضبوط دلیل مل جاتی، تو اسے لے کر ایک دم اڑ پڑتے۔

۴۹۶۔ دوبارہ نماز باجماعت کی ایک اور صورت

جب دو یا دو سے زیادہ آدمی مسجد میں آئیں اور وہ دیکھیں کہ امام صاحب کچھ نماز پڑھا چکے ہیں، تو انہی کے ساتھ شریک ہو جائیں، جب امام سلام پھیر دے تو پھر ان کے لیے افضل یہ ہے کہ جب اس نماز کے فوت شدہ حصہ

---

[۱] محلیٰ کے دونوں قلمی نسخوں میں اس طرح ہے، ابن حبان نے بھی نام اسی طرح بتایا ہے لیکن اصح بات یہ ہے کہ یہ نام سلیمان اسود ہے، حاکم نے ان کی ولدیت سُحَیم ذکر کی ہے [۲] ترمذی جلد ا ص ۴۲۷ آپ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، ابوداؤد جلد ا ص ۲۲۴، ۲۲۵، حاکم جلد ا ص ۲۰۹، صحیح ہے مسلم کی شرائط کے مطابق ہے، ذہبی نے بھی یہی کہا ہے، شوکانی نے جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ میں اسے احمد، بیہقی اور ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ابن ابی شیبۃ ۲/۳۲۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تکمیل کے لیے کھڑے ہوں، تو اپنے میں سے ایک کو امام بنا لیں اور اس کی اقتدار میں باقی نماز باجماعت ادا کریں کیونکہ انہیں باجماعت نماز کی ادائیگی کا حکم ہے اگر الگ الگ نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں نص نہ ہوتی، تو ان کی یہ نماز جائز نہ ہوتی۔

بطریق عبدالرزاق از ابن سلیمان تیمی مروی ہے کہ لیث نے فرمایا کہ میں کچھ لوگوں کی معیت میں ابن سابط[1] کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ امام سجدہ کی حالت میں ہے، بعض نے تو سجدہ کر لیا اور بعض ابھی سجدہ کی تیاری کر رہے تھے، امام کے سلام کے بعد ابن سابط نے اپنی جماعت کو کھڑے ہو کر نماز پڑھا دی۔ میں نے عطاء سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح ٹھیک ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ ہمارے ہاں اس طرح نہیں کرتے، انہوں نے فرمایا کہ ڈرتے ہیں۔ (عبدالرزاق ۲/۲۹۳)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ لوگ متأخر ظالم بادشاہوں کے اعمال کی پابندی کرتے رہے ہیں۔

معمر، قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو لوگ مسجد میں امام کے ساتھ ایک رکعت پائیں، جب باقی کی قضا کے لیے کھڑے ہوں، تو ان میں سے کوئی صف میں کھڑے ہو کر امامت کے فرائض سرانجام دے!

---

[1] لیث سے مراد لیث بن سلیم اور ابن سابط سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن سابط ہے جو تابعی ہیں ۱۱۸ھ میں فوت ہوئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکمِ مساجد

۴۹۷۔ محراب بنانا مکروہ، صفائی واجب اور خوشبو مستحب ہے

مساجد میں محراب بنانا مکروہ ہے ان کی صفائی واجب اور ان میں خوشبو لگانا مستحب ہے، مساجد کے ملازمین سے جو شخص کمائی اور تصرف سے بے نیاز ہو اس کے لیے مساجد ہی میں رہنا مستحب ہے۔ محراب بنانا بدعت ہے آنحضرت ﷺ آگے بڑھ کر اکیلے ہی کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور آپ کے پیچھے پہلی صف بن جاتی۔

۸۳۲ [ہمیں بطریق عبدالرحمٰن ہمدانی از ابراہیم بن احمد بلخی از فربری از بخاری از سعید بن عُفَیر از لیث بن سعد از عُقَیل از ابن شہاب مروی ہے کہ] حضرت انس بن مالکؓ نے خبر دی کہ بروز دوشنبہ مسلمان نماز فجر ادا کر رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے، اچانک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پردہ کو سرکا کر دیکھا کہ مسلمان صفیں باندھے فریضہ نماز کی ادائیگی میں مصروف ہیں، آپ نے یہ منظر دیکھا تو تبسّم فرمایا، حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ پہلی صف میں مل جائیں آپ کا خیال تھا کہ شاید آنحضرت ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں، مسلمان بھی آنحضرت ﷺ کی صحت یابی سے بے پناہ مسرور ہوئے لیکن آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز کو مکمل کر لو، پھر حجرہ میں تشریف لے گئے اور پردہ الٹ دیا۔ (بخاری کتاب الصلاۃ و کتاب المغازی)

اگر حضرت ابوبکرؓ محراب میں ہوتے، تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکتے جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے پردہ اٹھایا تھا، یاد رہے یہ واقعہ اسی دن کا ہے جب آپ کی وفات حسرت آیات ہوئی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ مسجد میں محراب بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے[1]

بطریق سفیان ثوری، از منصور بن مُعتَمِر، از ابراہیم نخعی مروی ہے کہ آپ امام کے طاق میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، سفیان کہتے ہیں کہ ہم بھی اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ (عبدالرزاق ۲/۴۱۲)

مُعتَمِر بن سلیمان تیمی، اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت حسن رحمہ اللہ، ثابت بُنانی کے پاس تشریف لائے، تو نماز کا وقت ہو گیا ثابت نے کہا "ابو سعید آگے بڑھیے"، انہوں نے فرمایا نہیں آپ زیادہ حق دار ہیں، ثابت نے کہا" اللہ کی قسم میں کبھی آپ کے آگے کھڑا نہیں ہوں گا"، تو حضرت حسن رحمہ اللہ آگے تشریف لے گئے لیکن آپ نے محراب میں کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھائی، مُعتَمِر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ اور لیث بن ابی سُلَیم کو دیکھا کہ دونوں محراب سے الگ ہو کر نماز پڑھاتے تھے۔ (عبدالرزاق ۲/۴۱۳)

حضرت کعب سے روایت ہے کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے، جن کی عمریں کم ہوں گی، وہ اپنی مساجد کو مزین کریں گے، اور ان میں نصاریٰ کی نقالی کرتے ہوئے محراب بنالیں گے جب وہ اس طرح کے کام کرنے لگ جائیں گے، تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔ محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہ کا قول بھی اسی طرح ہے[2]

مساجد کی صفائی

مسجد کی صفائی کے سلسلہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ

(اللہ کی روشنی ان گھروں میں ہے جن کی عزت کرنیکا اللہ نے حکم دیا ہے اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے جس میں صبح و شام اللہ کی پاکی

---

[1] مصنف ابی شیبہ ۲/۵۹ میں ہے کہ حضرت علی محراب میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ ابوالاشبال۔

[2] احمد شاکر فرماتے ہیں کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنے دعوٰی کے مطابق محرابوں کی کراہت کے بارے میں کوئی صحیح دلیل پیش نہیں فرمائی (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۵۹ میں حضرت کعب والی روایت بھی ہے اور دوسرا اسناد کے ساتھ یہ روایت مرفوع بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا حق و مدلل ہے۔ اس کے علاوہ ابراہیم نخعی وغیرہ کا فتویٰ بھی اسی صفحہ میں مذکور ہے۔ ابوالاشبال۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ ۔ (النور ۳۶-۳۷) ایسے لوگ بیان کرتے ہیں جن کو ذکر الٰہی اور اقامت الصلاۃ سے دنیاوی کاروبار اور خرید و فروخت غافل نہیں کرتے ۔

تعجب ہے کہ کچھ لوگ غروب آفتاب سے قبل نماز مغرب اور قبل از زوال نمازِ جمعہ کے لیے تو مساجد میں آنے کو جائز سمجھتے ہیں لیکن دیگر نمازوں کے اوقات سے قبل مساجد میں آنے کو جائز نہیں سمجھتے ۔[۱]

۸۳۳۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد از محمد بن علاء از حسین بن علی جُعفی از زائدہ ، از ہشام بن عُروہ از پدر خود روایت کیا کہ] اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محلوں میں مسجدیں بنائی جائیں ، انہیں خوشبو لگائی جائے اور صاف ستھرا رکھا جائے ۔ (ابو داؤد ابن ماجہ کتاب الصلوۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :۔

" دور" کا لفظ جو اس حدیث میں آیا ہے ، تو اس سے مراد محلے ہیں مثلاً محلہ بنی عبدالاشہل ، محلہ بنی نجار ، آپ کا مقصد یہ تھا کہ ہر خاندان کے محلہ میں ایک ایک مسجد ہونی چاہیئے "

۸۳۴۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شعیب از اسحاق بن ابراہیم بن راھویہ از عائذ بن حبیب از حمید طویل روایت کیا کہ] حضرت انس نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی طرف تھوک دیکھا ، تو انتہائی ناراض ہوئے حتیٰ کہ ناراضگی کے باعث آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا ، یہ دیکھ کر انصاری عورت اٹھی اور اس نے اسے کھرچ دیا اور وہاں خوشبو لگا دی تب آپ نے اس کی تعریف کی اور فرمایا بہت اچھا ۔[۲] (نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

۴۹۸ - وہ امور جو مسجد میں مُباح ہیں

مسجد میں ایسی دُنیوی گفتگو جس میں کوئی

---

[۱] ابن حزم نے بطور طنز جملہ معترضہ یہ فرمایا ہے چونکہ آیت مذکورہ میں صبح و شام ذکر الٰہی ہوتا ہے ۔ ورنہ اصل مبحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ (ابوالاشبال)

[۲] مسجد و نماز میں تھوکنے کی بحث مسئلہ ۳۹۱ میں ملاحظہ فرمائیں ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گناہ کا پہلو نہ ہو جائز ہے البتہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا زیادہ افضل ہے۔ مسجد میں اشعار پڑھنا بھی جائز ہیں بچوں کو تعلیم دینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس میں رہنا اور رات بسر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس سے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، ضرورت کے لیے کسی جانور کو مسجد میں لے آنا بھی جائز ہے اور لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے کرنا بھی جائز ہے، مسجد سے گزرنا بھی جائز ہے ہاں اگر کسی نے ہاتھ میں کوئی نیزہ بھالا وغیرہ پکڑا ہو تو اسے آگے پھل یا دھار سے پکڑ لینا چاہیے۔ اگر ایسا نہ کرنے کے باعث کسی کو نیزہ بھالا وغیرہ لگ جائے تو اسے دیت دینا پڑے گی۔

۸۳۵۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از زکریا بن یحییٰ از عبداللہ بن نمیر از ہشام بن عروۃ از پدر خود روایت کیا کہ] حضرت عائشہ نے فرمایا کہ خندق کے دن بازو کی ایک رگ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو زخم لگ گیا تھا، آپ نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگوا دیا تاکہ قریب رہ کر عیادت کر لیا کریں، اسی مسجد میں بنو غفار کے کچھ لوگوں کے لیے بھی ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ ان کے خیمے میں خون بہہ کر آ گیا ہے، تو وہ گھبرا کر پوچھنے لگے خیمہ والو! یہ تمہارے خیمہ کی طرف سے آ رہا ہے؟ جب انہوں نے جائزہ لیا تو دیکھا کہ حضرت سعد کے زخم سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا ہے اور وہ اسی سبب سے وفات پا گئے۔ (بخاری کتاب الصلاۃ و کتاب المغازی مسلم کتاب المغازی ابوداؤد کتاب الجنائز، نسائی کتاب الصلاۃ)

اسی طرح ہے حدیث سوداء یعنی وہ کالی عورت جو مسجد میں رہا کرتی تھی، یہ حدیث بطریق ابو اسامہ از ہشام بن عروہ، از پدر خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے (بخاری کتاب الصلاۃ) اہل صفہ بھی مسجد ہی میں رہا کرتے تھے۔

۸۳۶۔ [بسند سابقہ از مسدد از یحییٰ بن سعید قطان از عبیداللہ بن عمر از نافع] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مجرد نوجوان تھے اور مسجد میں سو جایا کرتے تھے۔ (بخاری نسائی کتاب الصلاۃ)

۸۳۷۔ [بطریق مالک، از محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل، از عروۃ، از زینب بنت ابی سلمہ] مروی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بیمار ہوں؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں کے پیچھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوار ہو کر طواف کر لو۔ (بخاری کتاب الصلاۃ و کتاب الحج و کتاب التفسیر، مسلم ابو داؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الحج)

۸۳۸۔ [بسند سابقہ از عبداللہ بن محمد از عثمان بن عمر از یونس از زہری مروی ہے کہ] عبداللہ بن کعب بن مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مسجد میں ابن ابی الحدرد سے اپنے قرض کا تقاضا کیا، جس کے باعث ان کی آوازیں بلند ہو گئیں حتی کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حجرہ میں ان آوازوں کو سنا اور آپ باہر ان کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کعب! انہیں نصف قرض معاف کر دو، انہوں نے عرض کیا ٹھیک ہے اللہ کے رسول! میں معاف کرتا ہوں، پھر آپ نے ابو حدرد سے فرمایا جاؤ (اب ان کا باقی) قرض ادا کر دو۔ (بخاری کتاب الصلاۃ، کتاب الصلح کتاب الاشخاص، مسلم کتاب البیوع ابو داؤد کتاب القضاء، ابن ماجہ کتاب الاحکام)

۸۳۹۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از عمرو ناقد و اسحاق بن ابراہیم از ابن عیینہ از زہری از سعید بن مسیب روایت کیا کہ] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ مسجد میں حضرت حسانؓ کے پاس سے گزرے تو وہ شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے ذرا ان کی طرف گھور کر دیکھا تو انہوں نے کہا میں تو اس وقت بھی مسجد میں اشعار پڑھ لیا کرتا تھا جب یہاں تم سے بہتر ہستی جلوہ افروز تھی" الخ۔ (بخاری بدء الخلق مسلم فضائل، ابو داؤد ادب، نسائی الصلاۃ)

۸۴۰۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابراہیم بن موسی از ولید بن مسلم از اوزاعی از یحیی بن ابی کثیر روایت کیا کہ] عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں جب نماز شروع کرتا ہوں تو ارادہ یہ ہوتا ہے کہ نماز لمبی پڑھوں مگر پھر کسی بچے کے رونے کی آواز جب سن لیتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اس کی ماں کو مشقت میں ڈال دوں۔ (بخاری مسلم ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

یہ حدیث بطریق قتادہ از انس بھی مروی ہے (بخاری مسلم ابن ماجہ کتاب الصلاۃ) نیز رسول اللہ ﷺ نے امامہ بنت ابی العاص بن ربیع کو اٹھا کر نماز پڑھی یہ آپ کی لخت جگر زینبؓ کی صاحبزادی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی ۔ (بخاری ابوداؤد نسائی موطا کتاب الصلاۃ)

۴۱۸ ۔ [بسند سابقہ از موسیٰ بن اسماعیل از عبدالواحد از ابو بردہ بُرَید بن عبداللہ از ابو بردہ از جد خود عامر بن ابی موسیٰ] حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری مسجدوں یا بازاروں میں سے گزرے اور اس کے ہاتھ میں کوئی نیزہ ہو تو اس کے پھل کو ہاتھ سے پکڑ لے تاکہ کسی مسلمان کو زخمی نہ کردے ۔ (بخاری کتاب الصلاۃ وکتاب الفتن مسلم کتاب الادب ، ابو داؤد کتاب الجہاد ، ابن ماجہ کتاب الادب)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ۔

وہ حدیث جس میں مسجد میں اشعار پڑھنے کی ممانعت ہے ، وہ صحیح نہیں کیونکہ یہ بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے اور یہ ایک صحیفہ سے نقل کرتے ہیں[1]

نیز ہم نے ابن عمر، حسن اور شعبی سے مسجد سے گزرنے کے جواز میں روایتیں نقل کی ہیں (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱/۳۴۲)

۴۹۹ ۔ مساجد میں مشرکوں کا داخلہ

مشرکوں کا سب مساجد میں داخلہ جائز ہے البتہ حرم مکہ میں جس میں مسجد حرام اور کچھ دوسرا علاقہ بھی شامل ہے ، اس میں کافروں کے لیے ہرگز داخلہ کی اجازت نہیں ہے ۔ امام شافعیؒ اور ابوسلیمان کا بھی یہی قول ہے ۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی داخل ہوسکتے ہیں البتہ ان کے علاوہ دیگر ادیان سے وابستہ لوگوں کو اجازت نہیں ہے ۔

---

[1] عمرو بن شعیب والی حدیث کو منتقی میں احمد اور اصحاب سنن کی طرف منسوب کیا گیا ہے امام شوکانیؒ نے جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ اسے امام ترمذیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت حسن ہے ، ابن خزیمہؒ اسے صحیح کہتے ہیں اور یہی درست ہے کیونکہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی روایت کے بارے میں تحقیق یہی ہے کہ یہ روایت صحیح ہوتی ہے بشرطیکہ عمرو بن شعیب تک سند صحیح ہو اور دونوں روایتوں میں وجہ تطبیق یہ ہوسکتی ہے اچھے اشعار بشرطیکہ نمازیوں کی نماز میں خلل نہ پڑے تو پڑھ سکتے ہیں ورنہ نہیں ۔ واللہ اعلم ۔ (ابوالاشبال)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ کے نزدیک ہر کافر کا کسی بھی مسجد میں داخلہ مکروہ ہے، آپ کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ج (التوبہ - ۲۸)

یقیناً مشرک پلید ہیں لہٰذا اس سال کے بعد خانہ کعبہ کے قریب بھی نہ جائیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"اس آیت مبارکہ سے تو صرف مسجد حرام کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے لہٰذا بغیر نص کے دوسری مساجد کو اس میں داخل کرنا جائز نہیں، حرم تو مسجد کی تعمیر سے پہلے بھی تھا بلکہ اب اس میں کچھ اضافہ کر دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنا دی گئی ہے، (ابن ماجہ و ابوداؤد) اس سے معلوم ہوا کہ سارے کا سارا حرم پاک مسجدِ حرام ہے۔

۴۲۸- [ہم سے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یوسف ازلیث روایت کیا کہ] سعید بن ابی سعید نے حضرت ابوہریرہؓ سے سُنا وہ فرما رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا جو خاندانِ بنو حنیفہ کے ایک فرد ثُمامہ بن اُثال کو پکڑ لایا اور اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، آنحضرت ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو فرمایا "ثُمامہ کیا حال ہے؟ اس نے کہا خیر ہے جناب! اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ کا قتل کرنا حق ہوگا اور اگر آپ مجھ پر احسان فرمائیں گے تو میں شکر گزار ہوں گا اور اگر آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو جس قدر آپ چاہیں مانگ لیں۔" اسی حدیث میں ہے کہ تیسرے دن آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اسے آزاد کر دیا جائے، چنانچہ آزاد ہونے کے بعد وہ مسجد نبوی سے قریب ایک نخلستان میں چلے گئے، غسل کیا اور پھر مسجد میں واپس آکر (اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہوئے) کلمۂ شہادت پڑھا، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ (اور ساتھ ہی اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے عرض کرنے لگے) اے اللہ کے رسول پہلے کیفیت یہ تھی کہ روئے زمین پر آپ کا چہرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سب سے برا معلوم ہوتا تھا مگر اب ساری کائنات میں آپ کا چہرہ محبوب نظر آتا ہے، پہلے آپ کا دین سب سے زیادہ برا محسوس ہوتا تھا مگر اب آپ کا دین سب سے زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر راوی نے بقیہ حدیث بھی بیان کیا۔ (بخاری کتاب الصلاۃ، وکتاب الاشخاص وکتاب المغازی مسلم کتاب المغازی، ابو داؤد کتاب الجہاد، نسائی کتاب الطہارۃ)

اس حدیث سے امام مالکؒ کا قول باطل ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں اور دیگر کافروں میں فرق رکھا ہے اور انہیں الگ الگ بیان کیا ہے جیسا کہ فرمایا

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ (البینۃ-۱)

جو لوگ اہل کتاب سے کافر ہوئے اور جو مشرک ہیں وہ دونوں باز رہنے والے نہ تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ (الحج-۱۷)

جو ایمان لائے اور جو یہودی ہو گئے اور جو ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔

مشرک وہ ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، وہ نہیں ہوتا جو شریک نہ بنائے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ :-

امام ابو حنیفہؒ کے پاس اس سلسلہ میں اس کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں لیکن یہ آیات دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ○ (الرحمٰن : ۶۸)

ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔

حالانکہ انار بھی میوہ ہی ہے، اسی طرح فرمایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ (البقرۃ ۹۸) جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہوا۔

حالانکہ جبرئیلؑ و میکائیلؑ بھی فرشتوں میں سے ہیں، اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ (الاحزاب ۷) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیمؑ سے اور موسیٰؑ سے اور مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ سے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اس صورت میں صحیح ہوتی اگر اس کی کوئی دلیل نہ ہوتی کہ یہود، عیسائی مجوسی اور ستارہ پرست مشرک ہیں کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف اس وقت تک جُدا جُدا ہوتے ہیں جب تک اس بات کی کوئی دلیل نہ ہو کہ وہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا ایک ہی چیز کے بعض اجزا ہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان دو آیتوں کی نص کے سب سے پہلے مخالف خود امام ابو حنیفہؒ ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک مجوسی مشرک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں الگ الگ بیان کیا ہے لہٰذا اس سے ان کا یہ استدلال باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطف کے ساتھ بیان کیا ہے لہٰذا یہ دونوں گروہ الگ الگ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ (النساء ۴۸) اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔

اگر یہاں کفر ہونا اور شرک نہ ہوتا تو اس کا معنی یہ ہوتا کہ شرک کے خلاف اللہ جس کو چاہے معاف کر دے، یہ ایک ایسی بات ہے، جسے کوئی مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔

۸۴۳۔[ہم نے بطریق عبد اللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبد الوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسحاق بن راہویہ از جریر بن عبد الحمید از اعمش از ابو وائل روایت کیا کہ] عمرو بن شرحبیل نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے ؟'' آپ نے فرمایا ''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے ۔'' اس نے عرض کیا پھر کونسا ؟'' آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا ۔ (بخاری کتاب التفسیر وکتاب الأدب وکتاب المحاربین وکتاب التوحید، مسلم کتاب الایمان، ابو داؤد کتاب الطلاق ترمذی کتاب التفسیر)

۴۴۰ [بسند سابقہ از عمرو بن محمد بن بکیر ناقد از اسماعیل بن علیہ از سعید جریری] عبد الرحمٰن بن ابی بکرہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے ؟'' آپ نے یہ تین بار فرمایا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی شہادت یا جھوٹی بات ۔ (بخاری شہادات ، مرتدین استیذان ، ادب ، مسلم ایمان ، ترمذی بر وصلہ وشہادات وتفسیر)

۴۴۵ [بسند سابقہ از ہارون بن سعید ایلی از ابن وہب از سلیمان بن بلال از ثور بن زید از ابو الغیث] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سات تباہ کن باتوں سے اجتناب کرو ۔'' عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون سی باتیں ہیں ؟'' آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا جادو کرنا ، کسی ایسے نفس کا ناحق قتل جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو ، یتیم کا مال کھانا ، سود کھانا ، میدان جنگ سے فرار ہونا اور غافل ، مؤمن اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا ۔ (بخاری وصایا ، طب ، محاربین ، مسلم ایمان ، ابو داؤد نسائی وصایا)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

اگر یہاں کفر ہو اور شرک نہ ہو تو یہ کفر کبیرہ گناہوں سے خارج ہوگا اور والدین کی نافرمانی اور جھوٹی شہادت اس سے بھی بڑے گناہ ہوں گے حالانکہ اس کا کوئی مسلمان بھی قائل نہیں ، تو معلوم ہوا کہ صحیح بات یہی ہے کہ ہر کفر شرک اور ہر شرک کفر ہے ، یہ دونوں شرعی اصطلاحیں ہیں ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی معنیٰ میں استعمال کیا ہے ، امام ابو حنیفہؒ کی یہ بات کہ مشرک صرف وہ ہوتا ہے ، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے ، دو وجہ سے صحیح نہیں ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اول تو اس لیے کہ عیسائی اللہ تعالیٰ کا ایسا شریک مانتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی مانند پیدا کر سکتا ہو اور امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ مشرک ہی نہیں تو یہ ایک کھُلا تضاد ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ براہمہ اور یہ کہنے والے کہ یہ عالم ہمیشہ سے رہا ہے اور اس کا ایک خالق ہے، جو ازل سے رہا ہے اور علی بن ابی طالبؓ اور مغیرہ و بزیغ[1] کی نبوت کے قائل اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے حالانکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مشرک ہیں، اس میں بھی واضح طور پر تضاد موجود ہے۔

ایک تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ لغت میں مشرک صرف اسی کو کہیں گے جس پر تشریک کا لفظ واقع ہو سکتا ہو یعنی صرف وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنا دے، تو اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ کافر صرف اسی کو کہا جائے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اور اس کی ذات وصفات کا انکار کر دے جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرے اور انکار نہ کرے، اسے کافر نہیں کہا جائیگا۔ تو اس کا نتیجہ نکلے گا کہ کافر صرف دہریوں کو ہی کہا جائے اور یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور برہمنوں کو کافر نہ کہا جائے کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اقراری ہیں، اس کے نہ تو امام ابو حنیفہؒ قائل ہیں اور نہ کوئی مسلمان اس کا قائل ہو سکتا ہے۔

کیا جو شخص بھی کسی چیز کو ڈھانپ لے اسے کافر کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ کفر کے لغوی معنی تو ڈھانپنے کے بھی ہیں جب یہ بات باطل ہے کہ ہر ڈھانپنے والے کو کافر کہا جائے، تو اس سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہ ہے کہ کافر و مشرک یہ دو ایسے نام ہیں جو ہر اس شخص کے لیے رکھے گئے ہیں۔ جو دینِ اسلام میں سے کسی بات کا انکار کرے اس انکار کے باعث یہ آنحضرت ﷺ کا معاند ہو جائے گا کیونکہ آپ نے دین اسلام کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

---

[1] مغیرہ کا نام مغیرہ بن سعید عجلی مولی بجیلہ ہے، یہ وہی ہے جسے خالد بن عبداللہ قسری نے آگ میں جلایا تھا اور بزیغ بن خالد صالح فتنہ ابن اشعث میں قتل ہو گیا تھا تفصیل کے لیے دیکھئے ابن حزمؒ کی الفصل فی الملل والنحل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳-۱۸۶، عبدالقاہر بغدادی کی الفرق بین الفرق صفحہ ۴۳، ۴۴، ۲۱۴، ۲۲۹، ۲۳۵ اور تاریخ طبری جلد ۸ ص ۲۴۰، ۲۴۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۰۰۔ مسجد میں کھیل کود بھی جائز ہے

مسجد میں کھیل کود یہ دونوں مباح ہیں۔

۸۴۶] ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زُہیر بن حرب، از جریر بن عبدالحمید از ہشام بن عُروہ از پدر خود روایت کیا کہ] اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عید کے دن مسجد میں حبشیوں نے کھیل کود کا مظاہرہ شروع کر دیا، آنحضرت ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے اپنا سر آپ کے کندھے پر رکھ دیا اور ان کے کھیل کود کو دیکھنا شروع کر دیا حتّٰی کہ میں نے ہی واپس پلٹنے میں پہل کی۔ (مسلم کتاب العیدین)

۵۰۱۔ مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان جائز نہیں

مسجدوں میں گمشدہ چیزوں کا اعلان جائز نہیں، اگر کوئی ایسا اعلان کرے تو اس سے یہ کہا جائے "تجھے یہ نہ ملے" یا اللہ تعالیٰ تیری اس چیز کو تیرے پاس واپس نہ لوٹائے۔

۸۴۷] ہم نے بطریق ہمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از اسماعیل بن اسحاق قاضی حجبی[1] از عبدالعزیز دراوردی از یزید بن خصیفہ از محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم کسی آدمی کو مسجد میں کسی گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھو تو اس سے کہو:۔

لَا رَدَّ اللهُ عَلَيْكَ[2] اللہ تعالیٰ تیری اس چیز کو تیرے پاس واپس نہ لوٹائے

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

لَا وَجَدْتَ[3] تجھے یہ نہ ملے۔

---

[1] معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ حجبی کون ہے؟

[2] بیہقی نے جلد ۲ صفحہ ۴۴۷ میں اسے بطریق محمد بن ابی بکر، از دراوردی روایت کیا ہے نیز مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۵۷، بیہقی نے ابوعبداللہ مولیٰ شداد بن ہاد از ابوہریرہ بھی روایت کیا ہے۔

[3] مسلم، بیہقی نے اسے بُریدہ سے مرفوع روایت کیا ہے، نسائی نے جلد ۱ صفحہ ۱۱۸ میں جابر سے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۰۲۔ مسجد میں پیشاب کرنا جائز نہیں

مسجد میں پیشاب کرنا جائز نہیں، اگر کوئی پیشاب کر دے، تو اس پر پانی کا ایک ڈول ڈال دیا جائے، اسی طرح مسجد میں تھوکنا بھی جائز نہیں، اگر کوئی تھوک دے، تو اسے دفن کر دینا چاہیئے۔ مسجد حرام کے علاوہ کسی دوسری مسجد کو سونے چاندی سے بنانا بھی جائز نہیں۔

۸۴۸۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شعیب از قُتَیبَہ بن سعید از ابوعوانہ از قتادہ روایت کیا کہ] حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا غلطی ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے۔ (مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی کتاب الصلاۃ) حضرت ابوعُبَیدہ بن جَرّاحؓ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۳۶۵) اور حضرت معاویہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

۸۴۹۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بُخاری از ابوالیمان از شعیب از زُہری از عُبَیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اسے بُرا بھلا کہنا شروع کیا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پہ پانی کا ایک ڈول، ڈال دو کیونکہ تمہیں آسانی کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے، مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (بخاری کتاب الطہارۃ و کتاب الادب، نسائی کتاب الطہارۃ)

مسجدوں میں صفائی اور ان میں خوشبو لگانا

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مسجدوں کو صاف ستھرا رکھا جائے اور ان میں خوشبو لگائی جائے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں (مسئلہ ۴۹۷ میں) بھی بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں تَنظِیف و تَطیِیب کے جو دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ مسجد سے ہر حرام، بدبودار اور ناپاک چیز کو دور کر دیا جائے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ پیشاب وغیرہ کو بھی دور کیا جائے۔

۸۵۰۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از سلیمان بن اشعث از محمد بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صباح بن سفیان از سفیان بن عیینہ از سفیان ثوری از ابو فزارہ از یزید بن اصم روایت کیا کہ] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مسجدوں کو چونا گچ بنایا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمانو! تم مسجدوں کو ضرور اس طرح مزین کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔ (حوالہ مسئلہ نمبر ۳۹۹ میں دیکھو)

۸۵۱۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عمرو بن عباس از عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری از واصل روایت کیا کہ] ابو وائل نے فرمایا کہ میں شیبہ یعنی ابن عثمان بن ابی طلحہ حجبی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک بار میرے پاس اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح آپ بیٹھے ہیں اور انہوں نے فرمایا "میرا ارادہ ہے کہ بیت اللہ سے تمام سونا چاندی نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دوں"۔ میں نے کہا کہ پھر آپ ایسا کرتے کیوں نہیں؟ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ آپ کے پہلے دونوں ساتھیوں نے یہ کام نہیں کیا تھا، انہوں نے کہا ہاں یہ تو درست ہی ہے کیونکہ وہ ایسی شخصیتیں ہیں کہ ان کی اقتدا ملحوظ رکھی جانی چاہیے (بخاری کتاب الحج وکتاب الاعتصام، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الحج)

ابو درداء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن مجید کے نسخوں کو مزین اور مسجدوں کو مزخرف کرنا شروع کر دو گے تو تمہاری تباہی و بربادی شروع ہو جائے گی۔ (عبدالرزاق ۳/۱۵۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی قوم اپنی مسجدوں کو مزین کرنا شروع کر دے گی تو ان کے اعمال فاسد ہو جائیں گے۔ (عبدالرزاق ۳/۱۵۴) آپ جب تیمی خاندان کی مزین مسجد کے پاس سے گزرتے تو فرماتے کہ یہ تیم کا چرچ ہے۔ (عبدالرزاق ۳/۱۵۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر اس شخص سے یہ فرماتے جو مسجد بنانے کا ارادہ رکھتا کہ مسجد کو سرخ یا زرد رنگوں میں نہ رنگ کرنا۔

۵۰۳۔ مسجد کے اوپر یا نیچے کوئی گھر نہیں ہونا چاہیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا گھر نہیں چاہیئے جو کسی کی ملکیت ہو اگر کوئی اس طرح کی مسجد بنائے گا تو وہ مسجد نہیں ہوگی بلکہ وہ جگہ گھر والے ہی کی ملکیت ہو گی، اس کی دلیل یہ ہے کہ جیسے ہوا کو چونکہ ضبط و قرار نہیں لہٰذا وہ کسی کی ملکیت بھی نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ۔(الجن۔۱۸) مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

لہٰذا مسجد کسی ایسی جگہ ہونی چاہیئے جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ملکیت میں ہو، اس کے علاوہ اور کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ کیونکہ جب کوئی گھر انسان کی ملکیت میں ہو تو وہ اسے جس قدر چاہے بلند کر سکتا ہے اور اپنے گھر کے اوپر والی ہوا کو اپنی ملکیت سے خارج قرار نہیں دے سکتا اور وہ اسی کی ملکیت ہو گی کسی انسان وغیرہ کی ملکیت نہیں ہو سکتی، اسی طرح جب زمین پر مسجد بنائے اور شرط یہ لگائے کہ ہوا میں وہ جو چاہے کر سکے گا، یہ شرطِ فاسد ہوا کو مسجد کی ملکیت سے خارج قرار نہیں دے سکے گی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ" ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو، وہ فاسد و باطل ہے"(صحیح جامع الصغیر حدیث ۴۴۰۶)

ایک وجہ ناجائز ہونے کی یہ بھی ہے کہ جب کوئی زمین پر مسجد بنائے اور فضا کو اپنے لیے رکھ لے تو پھر چھت کی بابت سوال پیدا ہوگا یہ مسجد کی ہے یا مسجد بنانے والے کی؟ اگر چھت مسجد بنانے والے کی ملکیت قرار دی جائے تو یہ بلا چھت مسجد ہو گی اور چھت کے بغیر کوئی عمارت نہیں ہوتی اور اگر چھت مسجد کی قرار دی جائے، تو اس کے لیے پھر اس میں تصرف وغیرہ جائز نہیں کہ اس کے اوپر اور عمارت وغیرہ بنا لے۔ اور اگر مسجد بلندی پر ہو اور چھت مسجد کے لیے ہو تو یہ ایسی مسجد ہو گی جس کی زمین نہیں ہے اور یہ صورت بھی باطل ہے اور اگر اسے مسجد کے لیے قرار دیدیا جائے تو اس کا اس میں کوئی حق نہ ہو گا اور اس نے پھر گویا اپنے لیے ایسا گھر بنایا جس کی چھت نہیں اور یہ بھی ایک امر محال ہے۔

اگر کوئی مسجد کو زیر زمین بنا لے تو پھر اس کے لیے یہ جائز نہ ہو گا کہ اس کی دیواروں کے سروں پر کوئی اور عمارت بناتے۔ اگر مسجد بناتے وقت وہ کوئی ایسی شرط لگا لے گا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو شرط باطل ہوگی کیونکہ کتاب اللہ میں یہ موجود نہیں ہے۔ اور اگر مسجد کو اوپر بنالے، تو وہ جب چاہے دیواریں گرالے گا اور اس سے مسجد کا انہدام لازم آئے گا، اسے منع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ اسے اپنے مال میں تصرف کرنے سے منع کیا جا رہا ہے اور یہ بھی جائز نہیں۔

۵۰۴۔ مسجدوں میں خرید و فروخت کرنا جائز ہے

مسجدوں میں خرید و فروخت جائز ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ۔ (البقرہ۔۲۷۵) اور اللہ نے بیع و شراء کو حلال کیا ہے۔

اس بارے میں ممانعت صرف اس حدیث میں ہے، جو بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے اور یہ ان کا صحیفہ تھا جس سے روایت کرتے تھے[1] (یعنی ابن حزمؒ کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے)

۵۰۵۔ صلاۃ وسطیٰ

صلاۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس بارے میں لوگوں میں کافی اختلاف ہے چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ و اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ اس سے مراد ظہر کی نماز ہے، ابوسعید خدریؓ سے بھی یہی مروی ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے بھی باختلاف روایت، یہی مروی ہے جملہ صحابہ کرامؓ سے بھی یہی روایت ہے (بیہقی ۱/ ۴۵۸ و ۴۵۹، عبدالرزاق ۱/ ۵۷۶، ابن ابی شیبۃ ۲/ ۵۰۴ تفسیر قرطبی ۳/ ۲۰۹) تفسیر در منثور)

---

[1] حدیث عمرو بن شعیب کو ترمذی نے جلد ۱ صفحہ ۶۲ میں بیہقی نے جلد ۲ صفحہ ۴۴۸ میں روایت کیا ہے شوکانی نے اسے جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ میں احمد اور اصحاب سنن کی طرف منسوب کیا ہے، ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جبکہ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمد، اسحاق اور کئی دوسرے ائمہ کو دیکھا کہ وہ حدیث عمرو بن شعیب سے استدلال کیا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو کا سماع ثابت ہے اور حق بات یہ ہے کہ عمرو کی اپنے باپ اور دادا سے احادیث صحیح ہیں جبکہ عمرو تک سند صحیح ہو اور بہت سی روایات میں یہ تصریح ہے کہ شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے سماع کیا ہے ہم نے اس مسئلہ کی کئی جگہ تحقیق ذکر کی ہے، والحمدللہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ اس سے صبح کی نماز مراد ہے، ابن عباسؓ وابن عمرؓ سے بھی بہ اختلاف روایت یہی مروی ہے، حضرت علیؓ سے اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت مروی نہیں ہے، طاؤس، عطاء، مجاہد، عکرمہ اور مالک کا بھی یہی قول ہے، (عبدالرزاق، ابن ابی شیبۃ، بیہقی، تفسیر قرطبی، البغوی ۲/ ۲۳۵ و تفسیر درمنثور، طحاوی) بعض صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد نمازِ مغرب ہے، بطریق قتادہ، حضرت سعید بن مسیبؒ سے بھی یہی روایت ہے (تفسیر قرطبی، البغوی، فتح الباری فی تفسیر سورۃ البقرۃ) بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس سے عشاء کی نماز مراد ہے (فتح الباری) جبکہ جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سے نمازِ عصر مراد ہے۔ (محولہ بالا تمام مقامات پر دیکھو)

جن لوگوں کا قول یہ ہے کہ اس سے نمازِ ظہر مراد ہے، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز بوقت دوپہر ادا فرمایا کرتے تھے جبکہ لوگ قیلولہ گاہوں یا بازاروں میں ہوتے تھے اور اس وقت آنحضرت ﷺ کے پیچھے ایک یا دو صفیں ہوتی تھیں، اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ۔ (البقرۃ — ۲۳۸) — تمام نمازوں کی نگہداشت کرو۔ اور خاص کر درمیان والی نماز کی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگ نمازیں با جماعت ترک کرنے سے باز آجائیں گے یا پھر میں ان کے گھروں کو جلادوں گا، زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو! (احمد ۵/ ۱۸۳، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، تفسیر طبری ۲/ ۳۴۸، تفسیر قرطبی ۳/ ۲۰۹ فتح الباری تفسیر سورۃ البقرۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"اس سے کوئی واضح طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی مراد نمازِ ظہر ہے"

جن لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد نمازِ مغرب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نمازیں فرض ہوئیں تو پہلے نمازِ ظہر پڑھی گئی اس وجہ سے پہلی نماز یہ ہوتی ہے اور اس کے بعد نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عصر ہے، یہ گویا دن کی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد مغرب نماز وسطیٰ ہے جبکہ اس کے بعد دو نمازیں ہی اور ہوتی ہیں اور اس لیے بھی کہ فقہا نے اس نماز کا صرف ایک ہی وقت مقرر کیا ہے (فتح الباری تفسیر سورۃ البقرۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"یہ بھی کوئی پختہ دلیل نہیں کیونکہ نمازوں کی تعداد پانچ ہے خواہ آپ جہاں سے بھی شمار شروع کر دیں، پس تیسری نمازِ وسطیٰ ہے جو حضرات صرف ایک ہی وقت کے قائل ہیں، وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ صحیح بات یہی ہے کہ باقی نمازوں کی طرح اس نماز کے بھی دو ہی وقت ہیں۔"

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عشاء ہے، ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر نقد و تبصرہ کی ضرورت محسوس کی جائے۔

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مراد ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ نماز رات کی تاریکی اور صبح کی روشنی میں پڑھی جاتی ہے اور یہ ایک درمیانہ وقت ہے لہٰذا یہ درمیانی نماز ہوئی۔ (البغوی، و درمنثور)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی کوئی پختہ دلیل نہیں کیونکہ نمازِ مغرب کا بھی یہی حال ہے اور اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں کہ اس سے کس کو مراد لیا جائے؟

انہوں نے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص صبح کی نماز باجماعت پڑھے، اسے رات بھر کے قیام کا ثواب ملتا ہے اور جو عشاء کی نماز باجماعت ادا کرے اسے نصف رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ (مسلم ابوداؤد ترمذی کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے نماز صبح کی ظہر، عصر اور مغرب سے فضیلت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ صرف عشاء سے فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور پھر اس میں یہ بھی کوئی ذکر نہیں کہ یہ نمازِ وسطیٰ ہے۔ آنحضرت ﷺ سے جو صحیح طور پر ثابت ہے وہ آپ کا یہ فرمان ہے کہ "جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی گویا اس کا اہل و عیال تباہ ہوگیا۔ (موطا بخاری مسلم بغوی وغیرہ) اسی طرح انہوں نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ذکر کیا ہے کہ "تمہارے پاس دن اور رات کو باری باری فرشتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آتے رہتے ہیں اور نماز صبح و عصر میں وہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ (بخاری مسلم نسائی موطا)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صبح و عصر کا مشترکہ ذکر ہے اور یہ وضاحت نہیں کہ ان میں سے کونسی نماز وسطیٰ ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا جو یہ فرمان ہے کہ "اگر تمہیں اس بات کی استطاعت ہو کہ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کی نمازوں سے مغلوب نہ کئے جاؤ، تو ایسا کرو" (بخاری ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ)

یا یہ فرمان کہ جس نے صبح و شام کی دو نمازیں پڑھ لیں، وہ جنت میں داخل ہوگا" (بخاری مسلم وغیرہ۔ ان میں بھی صراحت نہیں (کہ نمازِ وسطیٰ کون سی ہے) نماز صبح کو وسطیٰ کہنے والوں نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ:۔

وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا۔ (الاسراء۔ ۷۸)

اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجبِ حضورِ (ملائکہ) ہے۔

لیکن اس آیت میں یہ قطعاً ذکر نہیں کہ نمازِ فجر، صلوٰۃ وسطیٰ بھی ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جیسے نماز صبح کا حکم دیا ہے، اسی طرح دوسری نمازوں کا بھی حکم دیا ہے، ارشاد ہے۔

أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ○ (الاسراء۔ ۷۸)

سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں قائم کرو اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجبِ حضورِ (ملائکہ) ہے۔

اس میں تو سب نمازوں کی ادائیگی کے لیے یکساں حکم ہے اور یہ بھی صحیح حدیث ہے کہ "فرشتے صبح اور عصر کی نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں" حوالہ اوپر گزر چکا اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی طرح نماز عصر میں بھی فرشتوں کی آمد ہوتی ہے، اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ صبح کے علاوہ دوسری نمازوں میں فرشتے نہیں آتے بلکہ وہ تو سب نمازوں میں آتے ہیں۔

انہوں نے اس سلسلہ میں ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس نماز کا پڑھنا بڑا دشوار ہے موسم سرما میں تو سردی کی وجہ سے اور گرما میں نیند اور راتوں کے چھوٹا ہونے کے باعث!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بالکل کوئی دلیل نہیں کہ اس سے مراد وسطی لی جائے بلکہ مشکل ترین نماز ظہر کی نماز ہے کیونکہ اس وقت گرمی بڑی شدید ہوتی ہے جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا ہے

امام ابن حزمؒ مزید فرماتے ہیں کہ یہ سارے دلائل جو انہوں نے پیش کئے ہرگز مثبت دلائل نہیں بلکہ یہ تو محض ظنون کاذبہ ہیں، جن کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا - (النجم ۲۸)

وہ صرف ظن پہ چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

اور آنحضرت ﷺ کا بھی فرمان ہے "ظن سے بچو کیونکہ ظن سب سے جھوٹی بات ہوتا ہے۔ (بخاری مسلم ترمذی موطا) ظنون کاذبہ کے سہارے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ نے اس سے یہ مراد لی ہے، معاذ اللہ من ذالک۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ چلئے ہر نماز ہی کا نام صلوٰۃ وسطیٰ رکھ لیتے ہیں (تفسیر قرطبی) لیکن یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ صرف ایک ہی نماز کی صفت بیان فرمائی ہے لہٰذا نہ تو ایک سے زیادہ کو وسطیٰ کہا جا سکتا اور نہ اس کے علاوہ کسی اور کو، جس کا اللہ تعالیٰ نے یہ نام رکھا ہے، قیام حجت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس سلسلہ میں کوئی اور بات کہتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی بات کہتا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ واجب ہے کہ ہم معلوم کریں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی واقعی مراد کیا ہے اور اس کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے آنحضرت ﷺ کا بیان، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ - (النحل - ۴۴)

تاکہ جو احکام لوگوں کے لیے نازل ہوئے ہیں، وہ ان پہ ظاہر کر دیں۔

پس ہم نے اس طریقہ سے اس پہ غور کیا تو ہمیں یہ احادیث نبویہ ملیں۔

۸۵۲ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن محمد مسندی و عبدالرحمٰن بن بشر از عبدالرحمٰن از یحییٰ بن سعید قطان و مسندی از یزید۔ و یزید و یحییٰ از ہشام بن حسان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

از محمد بن سیرین از عبیدہ سلمانی روایت کیا کہ] حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خندق کے دن فرمایا، انہوں نے غروبِ آفتاب تک ہمیں نمازِ وسطیٰ سے مشغول رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور گھروں —— یا فرمایا کہ پیٹوں —— کو آگ سے بھرے۔ (بخاری کتاب الجہاد کتاب التفسیر، کتاب المغازی کتاب الدعوات ؛مسلم ابو داؤد نسائی کتاب الصلاۃ ؛ترمذی کتاب التفسیر)

۸۵۳۔[ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسٰی از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنّٰی از محمد بن جعفر و ابن عدی از شعبہ از قتادہ از ابو حسّان مسلم اَجرَد از عبیدہ سلمانی روایت کیا کہ] حضرت علی نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا انہوں نے ہمیں نمازِ وسطیٰ کی ادائیگی سے مشغول رکھا حتّٰی کہ سورج غروب ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے۔" یہ ابن ابی عدی کے الفاظ ہیں اور محمد بن جعفر کے الفاظ یہ ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں یا ان کے گھروں اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھرے۔" (حوالہ حدیث ۸۵۲ میں دیکھو)

۸۵۴۔[ہم نے بطریق یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن مسعود از احمد بن رحیم از ابراہیم بن حماد از اسماعیل بن اسحاق از محمد بن ابی بکر مقدمی از یحیٰی بن سعید قطّان و عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری از عاصم بن ابی النجود روایت کیا کہ] زر بن حُبیش نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبیدہ سے کہا کہ حضرت علیؓ سے نمازِ وسطیٰ کی بابت پوچھو، چنانچہ انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ شاید اس سے نمازِ فجر مراد ہے لیکن غزوۂ احزاب کے دن میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا" انہوں نے ہمیں نمازِ وسطیٰ، نمازِ عصر سے مشغول رکھا، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں، پیٹوں یا گھروں کو آگ سے بھرے[1]۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کو بطریق حماد بن زید، از عاصم بن بَہدَلہ، از زر بن حُبیش، از حضرت علیؓ، از آنحضرت ﷺ روایت کیا ہے (مسلم بیہقی کتاب الصلاۃ) نیز بطریق مسلم، از ابوبکر بن ابی شیبہ، و زُہیر بن حرب و ابو کُریب، ابو مُعاویہ، از اعمش، از ابی الضُحٰی از شُتَیر بن شَکَل، از حضرت علی، از آنحضرت ﷺ بھی روایت کیا ہے (مسلم کتاب الصلاۃ بیہقی و عبدالرزاق ۶/۵۷۶)

---

[1] طبری نے تفسیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۵ میں اسے محمد بن بشار از عبدالرحمٰن بن مہدی روایت کیا ہے نیز از زکریا ضریر از عبیداللہ از اسرائیل از عاصم بھی روایت کیا ہے، یہ اسانید بہت زیادہ صحیح ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شُتَیْر تابعی اور ثقہ ہیں، ان کے والد صحابی ہیں، شُتَیْر کا حضرت علیؓ سے سماع ثابت ہے (بیہقی وعبدالرزاق ۱/۵۷۶)

علاوہ ازیں یہ اور بھی کئی طرق سے مروی ہے (مسلم وتفسیر طبری) پس یہ آثار اس قدر واضح ہیں کہ ان کے خلاف کسی دوسری بات کی گنجائش ہی نہیں۔ سلف میں سے ایک جماعت سے بھی اسی طرح منقول ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ذکر کریں گے۔

بعض مخالفین کا کہنا ہے کہ درج ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نماز عصر نہیں ہے مثلاً بطریق ابن جریج از نافع روایت ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے اپنے مصحف میں اپنے دستِ مبارک سے (حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى) کے بعد وصلاۃ العصر کے الفاظ لکھ لیے۔ (عبدالرزاق ۱/۵۷۸)

نیز بطریق عبدالرزاق، از داؤد بن قیس، از عبداللہ بن رافع ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن رافع کو قرآن مجید کا ایک نسخہ لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ والصلاۃ الوسطی کے بعد وصلاۃ العصر لکھ دینا۔ (عبدالرزاق ۱/۵۷۹ وابن أبي شيبة ۲/۵۰۴)

بطریق مالک، از زید بن اسلم، از قعقاع بن حکیم از ابو یونس مولی ام المومنین حضرت عائشہؓ روایت ہے کہ انہوں نے آپ کے لیے جو مصحف لکھا، اس میں آپ کے حکم سے والصلوۃ الوسطی کے بعد وصلاۃ العصر لکھنے کا بھی حکم دیا اور فرمایا کہ یہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا۔ (تفسیر در منثور ۲/۷۲۲)

بطریق حماد بن سلمۃ، از ہشام بن عروۃ از پدر خود روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے مصحف میں والصلوۃ الوسطی کے بعد "وصلاۃ العصر" بھی لکھا ہوا تھا۔ (طبری، عبدالرزاق ۱/۵۷۸ در منثور)

بطریق یحییٰ بن سعید قطان، از شعبہ، از ابی اسحاق مروی ہے کہ عمیر بن مریم فرماتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نے ابن عباسؓ سے سنا کہ آپ نے والصلاۃ الوسطیٰ کےؒ بعد صلاۃ العصر، فرمایا۔[1]

بطریق اسرائیل از عبدالملک بن عُمیرؒ مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ والصلوٰۃ الوسطیٰ کے بعد وصلاۃ العصر کے لفظ بھی پڑھا کرتے تھے۔ (در منثور ۱/۲۷)

ان آثار سے ان کا استدلال یہ ہے کہ اس سے نمازِ عصر مراد نہیں ہے۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض حد درجہ فاسد ہے کیونکہ ان میں آنحضرت ﷺ سے کچھ مذکور نہیں ہے یہ سب روایات حضرت حفصہؓ، ام سلمہؓ، عائشہؓ، ابن عباسؓ اور ابیّ بن کعبؓ پر موقوف ہیں ان میں صرف حضرت عائشہ ہی کی ایک روایت ایسی ہے جو کہ مرفوع ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے کلام کے معاوضہ میں کسی دوسرے کے کلام کو پیش کیا جائے، اگر وہ روایات کمزور ہیں تو یہ آثار بھی حد درجہ کمزور ہیں۔

پھر ہم یہ بھی کہیں گے کہ تمہارا استدلال عجیب ہے کیونکہ تم ہمارے ساتھ اس امر پر متفق ہو کہ کسی کے لیے اس کی قرأت جائز نہیں ہے اور نہ کوئی اسے اپنے مصحف میں لکھ سکتا ہے، اسی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روایات ناقابلِ استدلال ہیں۔ ہر وہ چیز جو آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہو، وہ حجت نہیں ہے کیونکہ بوقت تنازعہ اللہ تعالیٰ نے کتاب و سُنت کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں دیا ہے اگر کوئی ان دونوں کے علاوہ کسی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ حکم الٰہی کی نافرمانی اور مخالفت کرتا ہے۔ اور یہ دلیل کافی ہے۔

---

[1] تفسیر طبری ۲/۳۴۹ (و در منثور ۲/۲۲/۷، ابن أبي شیبۃ ۲/۵۰۴، و بیہقی ۱/۴۶۳) طبری نے بطریق وہب بن جریر، از شعبہ از ابی اسحاق از عمیر روایت کیا ہے اور در منثور میں بھی عمیر بن مریم ابن ابی شیبۃ میں عمیر بن نعیم ہے اور بیہقی میں ہبیرہ بن مریم ہے ان کے حالات نہیں ملے جس سے معلوم ہو کہ صحیح نام کیا ہے ابن سعد نے صرف عمیر ذکر کیا ہے یہ ام فضل بنت حارث ام بنی عباس بن عبدالمطلب کے آزاد کردہ غلام ہیں ان سے اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں بعض روایات میں عمیر مولی ابن عباس ہے یہ انکی ماں کے مولی ہیں جلد ۵ صفحہ ۲۱، ابن حجر نے تہذیب میں انکا نام عمیر بن عبداللہ بتایا ہے، ان کا ایک لڑکا ہے جس کا نام عبداللہ بن عمیر ہے شاید دراصل یہ عمیر ابو عبداللہ ہی ہے جو کہ بعض رُواۃ پر مشتبہ ہو گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی اس روایت میں تعارض بھی ہے۔ ام سلمہ کی روایت جو بطریق وکیع از داؤد بن قیس از عبداللہ بن رافع ہے اس میں "صلاۃ العصر" ہے، یعنی واؤ کے بغیر (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۴/۵۰) ابن عباس کی روایت جو بطریق وکیع از شعبہ از ابو اسحاق سبیعی از عمیر بن یریم ہے، وہ بھی اسی طرح بغیر واؤ کے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۴/۵۰)

حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں وکیع و عبدالرزاق نے داؤد بن قیس سے روایت کرنے میں اختلاف کیا ہے (یعنی عبدالرزاق نے واؤ کے ساتھ روایت کیا ہے اور وکیع نے بغیر واؤ کے) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں وکیع و یحییٰ نے شعبہ سے روایت کرنے میں وہی اختلاف کیا ہے اور وکیع یحییٰ و عبدالرزاق سے کم مرتبہ نہیں۔

ابی بن کعب کی روایت از اسماعیل بن اسحاق از محمد بن ابی بکر، از محبوب ابی جعفر از خالد حذاء ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ ابی بن کعب کی قراءت میں صلاۃ الوسطیٰ کے بعد صلاۃ العصر ہے، یہ پہلی روایت سے کم مرتبہ نہیں ہے یعنی اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ ابی بن کعب نے صلاۃ العصر کی قراءت واؤ کے ساتھ کی ہے یا واؤ کے بغیر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از ابی سہل محمد بن عمرو انصاری از محمد بن ابی بکر از ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے اس میں بھی صلاۃ العصر بغیر واؤ کے ہے۔ (تفسیر طبری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح ترین روایت یہی ہے اور ابو سہل محمد بن عمرو انصاری ثقہ ہے، اس سے ابن مہدی، وکیع، معمر اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ نے روایات لی ہیں۔

پس ان مذکورہ روایات سے استدلال باطل ٹھہرا کیونکہ اس سلسلہ میں بعض روایات بعض کی نسبت کچھ زیادہ قوی نہیں ہیں، پس واجب وہی ہے کہ اس طرف رجوع کیا جائے جو آنحضرت ﷺ سے صحیح روایات ثابت ہیں اور آپ ﷺ سے صحیح بات صرف یہی مروی ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر یہ حضرات اعتراض کریں کہ حضرات صحابہ کرامؓ سے "صلاۃ العصر" اور "وصلاۃ العصر" کی جو مختلف قراءت ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے، جب کہ آج ان کی تلاوت بھی جائز نہیں، ان میں صرف حفصہ ہی کی روایت ایسی ہے جو واؤ کے ساتھ ہی مروی ہے بغیر واؤ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہمارا جواب یہ ہوگا کہ یہ جسے آپ اختلافِ روایات سے تعبیر کررہے ہیں، یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ "واؤ" ہو یا نہ ہو معنیٰ ایک ہی ہے اور وہ ہے صفت کا عطف صفت پر اس کے علاوہ اور کوئی توجیہ بیان کرنا جائز نہیں، اس کی مثال یہ آیت کریمہ ہے "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" اس میں رسول اللہ جو ہیں، وہی خاتم النبیین ہیں، ﷺ!

دوسری مثال یوں جیسا کہ آپ کہتے ہیں۔

أَكْرِمْ إِخْوَانَكَ وَأَبَا زَيْدٍ الْكَرِيمَ وَالْحَبِيبَ أَخَا مُحَمَّدٍ۔	اپنے بھائیوں خصوصاً ابوزید کریم وحبیب جو کہ محمد کا بھائی ہے، ان کی عزت کرو۔

اس میں جو ابوزید ہیں وہی حبیب اور وہی محمد کے بھائی ہیں۔ اسی طرح "وصلاۃ العصر" میں واؤ صلاۃ وسطیٰ کے بیان کے لیے ہے کہ اس سے مراد نمازِ عصر ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ انہوں نے ہمیں صلاۃِ وسطیٰ صلاۃ عصر سے مشغول رکھا (حوالہ پہلے گزر چکا) قطعاً کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا اس ارشاد میں صفت کا عطف صفت پر ہے، اس تاویل کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ایک قول خود یہ نقل کیا ہے "والصلوٰۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر" حضرت عائشہؓ سے بھی یہی روایت صحیح ہے کہ اس سے مراد نمازِ عصر ہے آپ نے نزولِ آیت کے سلسلہ میں بھی جو الفاظ ذکر کیے ہیں، ان میں بھی یہی ہے "صلاۃ العصر" یعنی آپ کو معلوم تھا کہ یہ نمازِ عصر کی صفت ہے، آپ نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا، اس طرح یہ اضطراب ختم ہو جاتا ہے، اقوال متفق ہو جاتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختلاف دور ہو جاتا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات میں کوئی اضطراب ہو! اگر کوئی شخص اس بات کا انکار کرے، تو پھر وہ نہ اضطراب کو دور کر سکتا ہے اور نہ اپنے مطلوب کو پا سکتا ہے کیونکہ ان دونوں روایتوں کا پلہ یکساں ہے لہٰذا دونوں روایتوں کو ساقط قرار دینا پڑے گا، اور جو کچھ نبی ﷺ سے ثابت ہے وہی صحیح ہے لہٰذا مضطرب روایتوں کو لیکر اعتراض کرنا باطل ہو گا لہٰذا مخالفین کی تاویلیں باطل ہوں گی۔ وللہ الحمد۔

ان زائد الفاظ کی قراءت جائز نہیں کیونکہ اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ امہات المؤمنین رض، ابی بن کعب رض اور ابن عباس رض نے قرآن مجید میں کوئی ایسی بات داخل کی ہو، جو قرآن مجید میں سے نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے یہ لفظ بھی نازل ہوا تھا لیکن بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا، جیسا کہ

۸۵۵- [ہم نے بطریق حمام از ابن مفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از ابن جریج از عبدالملک بن عبدالرحمٰن از مادر خود ام حمید بنت عبدالرحمٰن روایت کیا] ام حمید فرماتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رض سے نمازِ وسطیٰ کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہم عہد رسالت کے آغاز میں والصلوٰۃِ الوُسطیٰ کے بعد وَصَلاۃِ العصرِ وقُومُوا للہِ قَانِتِین بھی پڑھا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۱/ ۵۷۸)

۸۵۶- [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ از یحییٰ بن آدم از فُضَیل بن مرزوق، از شقیق بن عُقبہ روایت کیا کہ] حضرت براء ابن عازب رض نے فرمایا کہ پہلے آیت اس طرح نازل ہوئی تھی "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ"، کچھ عرصہ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم اس کی قراءت کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر کے آیت مبارکہ اس طرح نازل فرمادی "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطیٰ" شقیق کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وسطیٰ سے مراد عصر ہے، انہوں نے فرمایا میں نے اس کے نزول اور نسخ کی ساری کیفیت بیان تو کر دی ہے؟ واللہ اعلم!

(مسلم کتاب الصلاۃ، ابوعوانۃ ۱/ ۳۵۴ و درمنثور ۱/ ۷۲۳)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ لفظ منسوخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر اس کا حکم باقی ہے جس طرح کہ آیتِ رجم ہے، وباللہ تعالیٰ التوفیق! امہات المؤمنینؓ میں سے جنہوں نے اس لفظ کو اپنے مصاحف میں لکھ رکھا تھا، انہوں نے اسے بطورِ تفسیر لکھ رکھا تھا واللہ اعلم۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ سلف میں سے بھی ایک گروہ اسی بات کا قائل ہے، چنانچہ بطریق یحییٰ بن سعید قطّان، از سلیمان تیمی، از ابو صالح سمّان حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صلوٰۃِ وسطیٰ سے نماز عصر مراد ہے (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۰۶/۲، طبری ۳۴۲/۲)

بطریقِ اسماعیل بن اسحاق، علی بن عبداللہ مدینی از بشر بن مُفَضَّل، عبداللہ بن عثمان، از عبدالرحمٰن بن نافع مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے ایک شخص نے نمازِ وسطیٰ کی بابت سوال کیا، تو آپ نے سائل سے کہا کیا آپ قرآن مجید نہیں پڑھتے؟ اس نے عرض کیا "پڑھتا ہوں" آپ نے فرمایا اچھا میں ایک آیت پڑھتا ہوں، اس سے آپ سمجھ جائیں گے، آپ نے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ" پڑھی اور فرمایا کہ جیسے اس سے مراد مغرب اور "مِنْ بَعْدِ صَلَاۃِ الْعِشَاءِ" سے مراد عشاء، اور "قرآن الفجر" سے مراد نمازِ صبح ہے، اسی طرح (حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی) صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ (تفسیر در منثور ۷۲۶/۱، عبدالرزاق ۵۳۹/۱، تاریخ بخاری ۳۵۷/۵ و ۳۵۸)۔

بطریقِ زہری، از سالم بن عبداللہ بن عمر مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صلوٰۃِ وسطیٰ سے نمازِ عصر مراد لیا کرتے تھے۔ (طبری ۳۴۳/۲، عبدالرزاق ۵۷۶/۱، در منثور)

بطریق یحییٰ بن سعید قطان، از سلیمان تیمی از قتادہ، از ابو ایوب یحییٰ بن یزید مراغی[1] مروی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ صلوٰۃِ وسطیٰ سے صلاۃ عصر مراد ہے (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۰۶/۲)

---

[1] محلّی کے دونوں نسخوں میں اس طرح ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ صحیح نام یحییٰ بن مالک ہے جیسا کہ طبقات ابن سعد جلد ۷ ق ۱ ص ۱۶۴، الکنیٰ للدّولابی جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ اور "تہذیب" وغیرہ میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قاسم بن محمد نے بھی حضرت عائشہؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۵۰۴)

بطریق سفیان بن عیینہ، از مسعر بن کدام، از سلمہ بن کہیل، از ابوالاحوص از حضرت علی بن ابی طالبؓ روایت ہے کہ نمازِ وسطیٰ وہی ہے جس کے بارے میں حضرت سلیمان بن داؤد سے تفریط ہو گئی تھی یعنی نماز عصر! (طبری ۲/۳۴۴، درمنثور ۱/۲۷۷ و ۲۸۹ وابن ابی شیبہ ۲/۵۰۵)

یحییٰ بن سعید قطان، از ابوحیان یحییٰ بن سعید تیمی از پدر خود مروی کہ ایک سائل نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کی خدمت میں عرض کیا "امیرالمومنین! نماز وسطیٰ کون سی نماز ہے"؟ اتنے میں عصر کی اذان شروع ہو گئی، تو آپ نے فرمایا یہی ہے۔

حضرت علیؓ و حضرت عائشہ سے اس کے سوا اور کوئی مفہوم صحیح سند کے ساتھ ثابت ہی نہیں۔

قبل ازیں ام المومنین ام سلمہؓ۔ ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ سے روایات ذکر کی جا چکی ہیں۔

ابوایوب انصاری سے بھی عصر ہی مروی ہے (تفسیر طبری)

یونس بن عبید، حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد نمازِ عصر ہے، ابوہلال نے قتادہ سے، معمر نے زہری سے اور معمر نے ایوب سختیانی، محمد بن سیرین عبیدہ سلیمانیؒ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے۔ سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبل، داؤد اور آپ کے سب اصحاب، اسحاق بن راہویہ اور جمہور اصحاب الحدیث کا بھی یہی قول ہے، ابن مسعودؓ اور سمرہؓ سے آنحضرت ﷺ کی ایک مرفوع روایت بھی اسی مفہوم کی مروی ہے (درمنثور، تفسیر ابن کثیر، ابن ابی شیبۃ، تفسیر طبری وغیرہ)

۵۰۶۔ نماز کے بعد باآوازِ بلند اللہ اکبر کہنا

نماز کے بعد بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر کہنا بہتر ہے۔

۸۵۷۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابن ابی عمر از سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار روایت کیا کہ] ابومعبد مولیٰ ابن عباس جو عمرو کے دادا ہیں[1]

[1] ابومعبد کا نام نافذ ہے، طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۱۶ میں ناقد واقع ہو گیا ہے جو تصحیف ہے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عمرو کے دادا تھے یا نانا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ حضرت ابن عباسؓ سے بیان کرتے تھے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی تکبیر کی آواز سے ہی یہ پہچانتے کہ آپ نے نماز مکمل فرمالی ہے۔(بخاری مسلم ابوداؤد نسائی، کتاب الصلاۃ)

اگر کوئی یہ کہے کہ ابومعبد اس حدیث کو بھول گئے تھے اور انہوں نے اس کا انکار کردیا تھا؟[1] تو ہم عرض کریں گے کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے عمرو اوثق الثقات ہیں اور بھول سے کوئی آدمی مُبّرا نہیں، پس ثقہ کے روایت کرنے سے حجت قائم ہوگئی ہے۔

۵۰۷۔ سلام کے بعد امام کا مصلی پر بیٹھنا

سلام کے بعد اگر امام مصلی پر بیٹھا رہے تو بہتر ہے، مُباح ہے مکروہ نہیں، اگر سلام کے بعد فوراً کھڑا ہوجائے تو یہ بھی جائز ہے۔

۸۵۸ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوکامل فضیل بن حسین جحدری از ابوعوانہ از ہلال بن حمید از عبدالرحمن بن ابی لیلی روایت کیا کہ] حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی نماز کا اندازہ لگایا تو میں نے آپ کے قیام، رکوع، رکوع کے بعد اعتدال، سجدہ، دو سجدوں کے مابین جُلسہ، سجدہ، جلسہ اور سلام و انصراف کے درمیان جلسہ کو قریباً قریباً برابر پایا۔(بخاری مسلم ترمذی نسائی کتاب الصلاۃ)

۸۵۹ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعَیب از محمد بن سلمہ از ابن وہب از یونس بن یزید روایت کیا کہ] ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے ہند فراسیہؓ نے خبر دی کہ اسے ام المومنین حضرت ام سَلَمہؓ نے بتایا کہ سلام کے بعد عورتیں فوراً کھڑی ہوجاتی تھیں، البتہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے والے مرد لوگ جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا بیٹھے رہتے، جب آنحضرت ﷺ کھڑے ہوتے تو پھر سب صحابہ کرامؓ بھی کھڑے ہوجاتے۔(بخاری نسائی ابوداؤد ابن ماجہ)

---

[1] مسلم میں اس حدیث کے ذکر کے بعد ہے، عمرو کہتے ہیں کہ میں نے ابومعبد کے پاس اس حدیث کا ذکر کیا، تو آپ نے اس کا انکار کردیا تھا اور کہا کہ میں نے تو آپ سے یہ حدیث بیان نہیں کی حالانکہ آپ نے اس سے قبل مجھے یہ حدیث بیان کی تھی (مسلم جلد ا ص ۱۶۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الصلاۃ ۔)

اس مسئلہ کے سلسلہ میں بہت سی صحیح اور مسند روایات ہیں۔

۸۶۰۔ [جیسا کہ بسند سابقہ از یعقوب بن ابراہیم از یحییٰ بن سعید قطان از سفیان ثوری از یعلیٰ بن عطاء مروی ہے کہ] جابر بن یزید بن اسود اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز صبح ادا کی جب آپ نماز پڑھ چکے، تو تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد ترمذی نسائی کتاب الصلاۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ سلف سے بھی یہ دونوں امر منقول ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ آپ سلام کے فوراً بعد اس طرح کھڑے ہو جاتے، گویا کھڑا ہونے سے پہلے آپ گرم پتھروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (عبد الرزاق ۲/۲۴۲)

حضرت ابن مسعودؓ سے اس کے خلاف مروی ہے، آپ سے پوچھا گیا کیا جہاں انسان نے فرض نماز پڑھی ہو کیا وہاں نفل بھی پڑھ سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں (عبد الرزاق ۲/۴۱۹)

اور اس سلسلہ میں امام وغیر امام کے مابین کوئی تفریق نہیں کی۔

بطریق سفیان ثوری از عبید اللہ بن عمر، از نافع مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جہاں امامت کے فرائض انجام دیتے، اسی جگہ نفل بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق ۲/۴۱۸)

ابن جریج، عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ امام سلام کے کچھ دیر بعد تک بیٹھا رہا کرتا تھا۔ عبد الرزاق ۲/۲۴۶)

ابراہیم بن میسرہ سے روایت ہے کہ حضرت طاؤس سے پوچھا گیا کہ فرض نماز پڑھنے کے بعد نفل کے لیے کیا جگہ تبدیل کر لینی چاہیئے تو انہوں نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دے رہے ہو؟ (عبد الرزاق ۲/۴۱۹)

۵۰۸۔ جب امام تشہد میں بیٹھا ہو

جو شخص مسجد میں اس وقت آئے جب امام تشہد میں بیٹھا ہو اور ابھی اس نے سلام نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھیرا ہو تو پھر اس پر فرض ہے کہ امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائے خواہ کسی دوسری مسجد میں ابتداء ہی سے جماعت میں شامل ہو جانے کی امید ہو یا نہ ہو، اگر اس وقت مسجد میں آئے جب امام نے سلام پھیر دیا ہو اور اگر اسے امید ہو کہ کسی دوسری مسجد میں بغیر مشقت کے جاکر وہ جماعت پا سکتا ہے، تو فرض ہے کہ اسی جگہ جاکر با جماعت نماز ادا کرے۔ وہاں دوڑ کر جانا درست نہیں خواہ اسے یہ علم ہی ہو چکا ہو کہ وہاں جماعت شروع ہو گئی ہے۔

۸۶۱۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از ابو نُعیم فضل بن دُکین از شیبان از یحییٰ بن ابی کثیر از عبداللہ بن ابی قتادہ روایت کیا کہ] حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی گئی، نماز سے فراغت کے بعد آپؐ نے پوچھا کیا بات تھی؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہم نماز کی طرف جلدی کرتے ہوئے دوڑے تھے، آپ نے فرمایا اس طرح نہ کیا کرو بلکہ جب تم نماز کے لیے آؤ تو بڑے سکون کے ساتھ آؤ، نماز کا جتنا حصہ امام کے ساتھ پا لو اسے پڑھ لو اور جو حصہ نہ پا سکو، اسے بعد میں مکمل کر لو۔ (بخاری مسلم کتاب الصلاۃ)

۸۶۲ [بسند سابقہ از آدم از ابن ابی ذئب از زہری از سعید بن مسیب مروی ہے کہ] حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان روایت کیا کہ جب تم اقامت کو سن لو، تو نماز کے لیے سکون و وقار کے ساتھ آؤ، نماز کا جتنا حصہ امام کے ساتھ با جماعت پاؤ، تو اسے پڑھ لو اور جو حصہ نہ پا سکو، اسے بعد میں مکمل کر لو۔ (بخاری کتاب الصلاۃ)

یہ ارشادات عموم کے حامل ہیں اور ہر اس حصے کو شامل ہیں، جسے آدمی جماعت میں سے پالے، خواہ وہ حصہ تھوڑا ہو یا بہت پس وہ روایت جس میں ہے کہ ''جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی، اس نے گویا نماز پالی۔ (صحیح جامع الصغیر) اس کی نسبت ان دونوں روایتوں میں ایک امر زائد مذکور ہوا ہے جسے ترک کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز کے بالکل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخری حصہ میں بیٹھے ہیں، آپ نے فرمایا تم نے بھی ان شاء اللہ جماعت پالی۔ (عبدالرزاق ۲/۲۰۵، وطبرانی کبیر ۹۳۵۸)

شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ جو شخص تشہد کو پالے، اس نے گویا جماعت پالی (عبدالرزاق ۲/۲۰۵)

حضرت حسن جب لوگوں کو بحالت سجدہ دیکھتے، تو ان کے ساتھ سجدہ ریز ہو جاتے۔ (عبدالرزاق: ۲/۲۰۵)

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اذان یا اقامت کو سنے اور وہ فرض نماز پڑھ رہا ہو تو کیا وہ نماز قطع کر کے جماعت میں شریک ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر اسے گمان ہو کہ وہ اس طرح فرض نماز کی جماعت میں سے کچھ حصہ پالے گا، تو پھر ٹھیک ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ ایک قوم کے پاس گئے، تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں، اتنے میں آپ کو کسی دوسری مسجد کی اذان کی آواز سنائی دی، تو آپ وہاں تشریف لے گئے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۲۰۵)

اسود بن یزید کے بارے میں بھی اسی طرح روایت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۲۰۵)

ابن جریج، عطاء سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے چل پڑا ہو تو وہ نہایت سکون و وقار کے ساتھ چلے کیونکہ وہ اس طرح بھی نماز ہی کے حکم میں ہے، جو حصہ پالے اسے پڑھ لے اور جو نہ پا سکے، اسے بعد میں مکمل کر لے، عطاء فرماتے ہیں کہ میرا اسی طرح معمول ہے۔ (عبدالرزاق ۲/۲۸۷ و ۲۸۸)

ثابت بنانی سے روایت ہے کہ نماز کی جماعت کھڑی ہو گئی اور حضرت انس بن مالکؓ نے اپنا دست مبارک مجھ پر رکھا ہوا تھا اور آرام آرام سے چل رہے تھے، جب مسجد میں پہنچے تو ایک رکعت ہو چکی تھی، ہم نے امام کے ساتھ نماز پڑھی اور فوت شدہ رکعت بعد میں پڑھ لی بعد میں حضرت انسؓ فرمانے لگے ثابت! کیا تمہیں میرے طرزِ عمل سے غم ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، تو انہوں نے فرمایا میرے بھائی زید بن ثابتؓ نے بھی میرے ساتھ اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح کیا تھا۔ (عبدالرزاق ۲/۲۸۹)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے جو شخص نماز باجماعت پڑھنے کے لیے چل پڑے اور ابھی راستہ میں ہو کہ اقامت ہو جائے تو وہ حسب معمول چال میں تیزی کیے بغیر چلتا رہے، جتنا حصہ امام کے ساتھ پا لے اسے پڑھ لے، اور جو حصہ نہ پا سکے، اسے بعد میں پورا کرے (عبدالرزاق ۲/۲۹۰)

سفیان بن زیادؒ[1] کہتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ نے مجھے مسجد کی طرف جلدی جلدی جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا میانہ روی اختیار کرو کیونکہ آپ حکم نماز ہی میں ہیں، ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ آپ کا ایک درجہ بلند فرما دے گا یا ایک غلطی معاف کر دے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۳۵۹)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"وہ حدیث جس میں ہے کہ تیز چلنے کے باعث ایک آدمی کا سانس اکھڑا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا "اللہ اکبر کبیراً" (ابوداؤد وغیرہ) اور حدیث ابی بکرہ (مسلم وغیرہ) ان دونوں میں بھی مسجد کی طرف دوڑ کر جانے کی ممانعت ہے۔"

۵۰۹۔ نمازی کا دائیں بائیں رُخ کرنا

ہر نمازی کے لیے نماز سے فراغت کے بعد دائیں رخ بیٹھنا مستحب ہے اگر بائیں رُخ بیٹھ جائے، تو مُباح ہے، اس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کراہت!

۸۶۳۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از حفص بن عمر از شعبہ از اشعث بن سلیم از پدر خود از مسروق روایت کیا کہ] حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو جوتا پہننے، بالوں میں کنگھی کرنے اور دیگر تمام امور میں دائیں طرف سے آغاز کرنا انتہائی محبوب

[1] لسان المیزان میں ہے کہ سفیان بن زیاد زُبیر بن عوام سے روایت کرتے ہیں اور ان سے داؤد بن فراہیج کے علاوہ اور کسی نے روایت بیان نہیں کی، ابن حبان نے آپ کا ثقات میں ذکر کیا ہے، ابن سعد طبقات جلد ۵ صفحہ ۲۲۸ میں داؤد کے حالات میں لکھتے ہیں کہ مجھے بطریق عبدالملک بن عمرو ابو عامر العقدی از شعبہ از داؤد بن فراہیج خبر پہنچی کہ داؤد نے فرمایا کہ میرے مولا سفیان نے بیان کیا ظن غالب یہ ہے کہ یہ داؤد کے مولی ہیں، اور یہ داؤد تابعی ہیں، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے سماع کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ (صحاح ستہ وغیرہ)

بطریق حجاج بن منہال، از ابو عوانہ از سُدِی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ جب نماز پڑھ لوں تو کس رُخ منہ کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دائیں طرف رُخ کرتے ہوئے دیکھا۔ (مسلم نسائی کتاب الصلاۃ، ومصنف ابن ابی شیبۃ میں مختصراً ہے ۱/۳۰۵)

بطریق حجاج بن منہال، از ابو عوانہ، از اعمش، از عمارہ بن عُمیر از اسود بن یزید از حضرت ابن مسعودؓ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اکثر و بیشتر بائیں طرف رُخِ انور کیئے دیکھا، عمارہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی گود کو قبلہ کے بائیں جانب دیکھا۔ (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ تھوڑے اختلاف کے ساتھ)

۵۱۰۔ جب امام رکوع، سجدہ یا جلسہ کی حالت میں ہو

جب امام رکوع سجدہ یا جلسہ کی حالت میں ہو تو بالکل جائز نہیں کہ آدمی تکبیر کہہ کر کھڑا رہے بلکہ تکبیر کہہ کر وہی حالت اختیار کرے جو اس وقت امام کی ہو اور یاد رہے کہ دو تکبیریں کہنی ضروری ہیں ایک تو تکبیرِ تحریمہ اور دوسری اس حالت کے لیے جس میں اس وقت امام ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔" (مسلم وغیرہ) نیز آپ کا فرمان ہے کہ "نماز کا جتنا حصہ پالو، اسے پڑھ اور جتنا حصہ نہ پاسکو، اسے بعد میں مکمل کر لو۔" (حوالہ اوپر گزرا)

آنحضرت ﷺ نے امام کی اقتداء کا حکم دیا ہے اور اقتداء کا تقاضا یہ ہے کہ امام کی ذرہ بھر بھی مخالفت نہ کی جائے، جو شخص تکبیر کہہ کر کھڑا رہا، اس نے تو گویا امام کی اقتداء نہ کی کیونکہ امام تو اس وقت کھڑا نہیں ہوتا، اگر کوئی ایسا کرے گا تو پھر خلافِ حکمِ الٰہی نماز پڑھے گا۔

یاد رہے قیام وغیرہ یا نماز کا جو حصہ فوت ہو جائے، اسے امام کے نماز پورا کرنے کے بعد پڑھنا ہے، اس سے پہلے نہیں! وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مُسافر کی نماز

۵۱۱۔ نماز قصر کی رکعات

سفر و حضر اور خوف ہر حالت میں صبح کی نماز صرف دو رکعت ہے اور اسی طرح مغرب کی تین، ظہر، عصر اور عشاء میں رکعات کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، تندرست ہو یا بیمار حضر میں ان میں سے ہر ایک نماز کی چار چار رکعتیں ہیں، سفر میں دو دو اور خوف میں صرف ایک ایک!

اس مذکورہ مسئلہ میں بالکل یقینی طور پہ اجماع ہے، مگر حالتِ خوف میں ایک رکعت ہونے کے بارے میں اختلاف ہے[1]۔

۵۱۲۔ حالتِ سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں

حالتِ سفر میں مذکورہ نمازوں میں سے ہر نماز کی صرف دو رکعتیں فرض ہیں، خواہ سفر اطاعت ہو یا معصیت، یا نہ اطاعت کا ہو اور نہ معصیت کا، حالتِ امن ہو یا خوف اگر کوئی قصد و ارادہ سے جانتے بوجھتے ہوئے پوری نماز پڑھ لے گا، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھول کر ایسا کرے گا تو اسے سلام کے بعد صرف سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

حالتِ خوف میں مذکورہ نمازوں کی صرف ایک رکعت پڑھنا سفر میں مباح ہے اگر کوئی دو رکعتیں پڑھ لے، تو بھی اچھا ہے اور اگر ایک ہی پڑھ لے، تو پھر بھی ٹھیک ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر سفر میں خواہ وہ اطاعت کے لیے ہو یا معصیت کے لیے نماز قصر کرنا فرض ہے، اگر کسی شخص نے

[1] اس اختلاف کا ذکر مؤلف آنے والے مسئلہ میں و نیز مسئلہ ۵۱۹ میں کریں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پوری نماز پڑھ لی اور دو کے بعد بقدر تشہد نہ بیٹھا، تو نماز باطل ہو جائے گی اور اسے بہر حال دوبارہ پڑھنا پڑے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں پوری نماز پڑھ لے، تو اسے فی الفور نماز دوہرانا ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

نمازِ قصر مباح ہے، اگر کوئی چاہے تو پوری نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قصر صرف مباح سفر میں ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ، مالک اور شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حالت خوف میں نمازِ قصر کی تعداد صرف ایک رکعت بالکل نہیں ہے بلکہ دو رکعتیں ہیں۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کا تبصرہ

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے کہ ہمارے قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے۔

۸۶۴ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از مسدد از یزید بن زریع از معمر از زہری، از عروہ روایت کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نماز کی دو رکعتیں ہی فرض تھیں لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، تو چار رکعتیں فرض کر دی گئیں اور نمازِ سفر کو پہلی حالت پر برقرار رہنے دیا گیا۔ (بخاری کتاب المناقب)

یہ روایت بطریق سفیان بن عیینہ، از زہری، از عروہ بھی مروی ہے (بخاری مسلم نسائی کتاب الصلاۃ)

اور بطریق مالک از صالح بن کیسان از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مروی ہے (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی کتاب الصلاۃ)

نیز بطریق ہشام بن عروہ از پدر خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مروی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۴۹)

۸۶۵ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ از احمد بن شعیب از محمد بن رافع از محمد بن بشر از یزید بن زیاد بن ابی الجعد از زبید یامی از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کیا کہ] حضرت کعب بن عجرہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے فرمایا کہ عید الاضحیٰ، عید الفطر، جمعۃ المبارک اور سفر میں صرف دو رکعتیں ہی ہیں، یہی پوری نماز ہے قصر نہیں کیونکہ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے اسی طرح بیان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا اور جو افترا باندھے، وہ خائب وخاسر ہے[1]

۸۶۶- [ہم نے بطریق حمام از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از ابو یحیٰی زکریا بن یحیٰی ناقد از محمد بن صباح جرجرائی از عبداللہ بن رجا از ہشام دستوائی از ایوب سختیانی از نافع روایت کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز سفر کی دو رکعتیں ہیں، جو شخص سنت کو ترک کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا۔

یہ روایت ابن عمرؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے! (کامل ابن عدی ۶/ ۲۲۴۸)

۸۶۷- [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابو کریب و اسحاق بن ابراہیم از عبداللہ بن ادریس از ابن جریج از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عمار از عبداللہ بابیہ روایت کیا کہ] یعلیٰ بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں عرض کیا کہ قرآن مجید میں ہے۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (النسآء-۱۰۱)

تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دینگے۔

لیکن اب تو لوگ امن میں ہو چکے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی اس بات سے تعجب کا اظہار کیا تھا جس سے آپ تعجب کر رہے ہیں اور اس بارے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا

---

[1] احمد شاکر نے فرمایا مجھے یہ سند سنن نسائی میں نہیں ملی شاید کسی ایسی جگہ ہو کہ مجھے نظر نہ آئی یا پھر شاید سنن کبریٰ میں ہو، (کبریٰ صلاۃ باب ۶۳ میں ہے) نسائی نے اسے از علی بن حجر از شریک از زبید جلد ا صفحہ ۲۱۱، ۲۱۲ میں، از عمران بن موسیٰ از یزید بن زریع، از سفیان بن سعید از زبید جلد ا صفحہ ۲۳۲ میں روایت کیا ہے لیکن ان میں کسی جگہ کعب بن عجرہ اور حضرت عمرؓ کے اس قول کہ جو افترا باندھے، وہ خائب وخاسر ہوا، کا ذکر نہیں ہے، نسائی نے سند اول سے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے حضرت عمرؓ سے نہیں سنا اور یہ بات صحیح ہے کیونکہ ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب حضرت عمر کی خلافت کے صرف چھ سال باقی تھے، یزید بن ہارون نے بھی ثوری سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا، یزید بن ہارون اس میں متفرد ہے، یہ کہنا غلط ہے ملاحظہ فرمایئے "تہذیب"، کعب بن عجرہ کی اس میں زیادتی صحیح سند سے ثابت ہے، جو کہ مرسل کے موصول ہونے پر دلالت کناں ہے، ابن ماجہ نے اسے جلد ا صفحہ ۱۷۰ میں از محمد بن عبداللہ بن نمیر، از محمد بن بشر روایت کیا ہے، اس میں بھی کعب بن عجرہ کی زیادتی موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ صدقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمایا ہے، پس اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کر لو۔ (مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ ترمذی کتاب التفسیر)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نماز کی دو رکعتیں فرض کی تھیں، پھر ہجرت کے بعد حضر میں چار رکعتیں فرض کر دیں اور سفر میں دو رکعتوں کو فرض رہنے دیا جب سفر کی نماز ہے ہی دو رکعتیں، تو پھر کسی کے لیے ان سے تجاوز جائز نہیں اگر کوئی تجاوز کرتا ہے، تو وہ خلافِ امرِ الٰہی نماز پڑھتا ہے اور اگر اسے اس بات کا علم ہے، تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سلسلہ میں کسی سفر کی تخصیص بھی نہیں فرمائی لہٰذا اسے عام ہی رکھنا چاہیئے اور پھر اس صدقہ کو بھی رد نہیں کرنا چاہیئے جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے کا حکم دیا ہے، جو اسے قبول نہ کرے وہ نافرمان ہوگا۔

جس نے بعض سفروں کی تخصیص کی ہے اور کہا ہے کہ سفرِ معصیت حرام ہے لہٰذا اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے؟ ہم عرض کریں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ سفر حرام ہے لیکن ہے تو سفر لہٰذا اس کا وہی حکم ہوگا جو کہ سفر کا ہے، تم کہتے ہو کہ یہ سفر حرام ہے لیکن پانی نہ ہونے کی صورت میں تم اسے تیمم کی اجازت دیتے ہو اور اس کے ساتھ نماز کی ادائیگی درست قرار دیتے ہو، جسے تم فرض قرار دیتے ہو لہٰذا نماز و تیمم اور قصر کے مابین کیا فرق ہوا؟ جیسے کہ زنا حرام ہے لیکن اس میں بھی ایسے ہی غسل کرنا ہوتا ہے جیسے صحبت حلال میں کیونکہ زنا سے بھی آدمی جنبی ہو جاتا ہے اور اس میں بھی ختنہ سے ختنہ ملتا ہے اور وہی حکم ہوگا جو اس سلسلہ میں حلال کا ہوتا ہے یا جو شخص ڈکیتی کرتے ہوئے زخمی ہو جائے اور کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے اجازت ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے، اس اعتبار سے اس شخص میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے زخمی ہوا ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم عام ہے کہ "کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو"

اگر ہم سے کوئی یہ کہے کہ جو شخص غیر سبیلِ حق میں سوار ہو کر یا لڑتے ہوئے یا چلتے ہوئے نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز نہیں ہوگی، تو ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم عرض کریں گے کہ یہ اس لیے کہ انہوں نے اپنی نمازوں میں کچھ ایسی حرکتیں کی ہیں، جو جائز نہیں لہٰذا اس سے ان کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ نماز میں چلے ہیں جبکہ چلنا حرام ہے اور قتال بھی حرام ہے، مالکیوں پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ نے تو نماز کے قصر کے سلسلہ میں سفر کو عموم پر رکھا تھا مگر انہوں نے اپنی آراء سے سفر کی تخصیص کر دی ہے اور کہا ہے کہ سفرِ معصیت میں قصر نماز جائز نہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریم مردار کے سلسلہ میں تخصیص کی تھی اور عموم کو باطل قرار دیا تھا جیسا کہ درج ذیل ارشادات سے واضح ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (الانعام-۱۴۵)

اگر کوئی مجبور ہو جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے تو تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (المائدہ: ۳)

اگر کوئی بھوک میں مجبور ہو جائے جبکہ وہ گناہ کا ارتکاب نہ کرنے والا ہو تو بے شک اللہ کریم بخشنے والا مہربان ہے۔

لیکن انہوں نے اپنی آراء سے کہا ہے کہ مردار و خنزیر کھانا مضطر کے لیے حلال ہے خواہ وہ گناہ کا ارتکاب کرنیوالا بغاوت و سرکشی کرنیوالا ڈکیتی کرنے والا، اور مسلمانوں کے مالوں اور جانوں کا ضائع کرنے والا ہو، یہ بہت عجیب معاملہ ہے۔

بعض حضرات نے اس سلسلہ میں یہ دلیل دی ہے کہ اس پر اپنے نفس کو قتل کرنا حرام تھا لہٰذا مردار کھانا جائز ہے، ہم عرض کریں گے کہ اس نے اپنے نفس کو قتل تو نہیں کیا بلکہ اس کے لیے اسی وقت مردار کھانا حلال ہو جائے گا، جب وہ اپنی فاسد نیت سے توبہ کرے گا اور توبہ اس پر ہمیشہ کے لیے فرض ہے۔

ابو سلیمان اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ قصر صرف حج، عمرہ اور جہاد کے سفر میں ہے اور سلف کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے جیسا کہ ہم نے بطریق محمد بن ابی عدی از شعبہ از اعمش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

از عمارہ بن عمیر، از اسود روایت کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ صرف حاجی یا مجاہد نماز قصر کرے (شرح معانی الآثار ۱/۴۲۷، عبدالرزاق ۲/۵۲۱)

طاؤس سے جب قصر نماز کی بابت سوال ہوتا، تو آپ فرماتے کہ جب ہم حج یا عمرہ کا سفر کرتے ہیں، تو دو رکعت پڑھتے ہیں۔

ابراہیم تیمی کا بھی یہی خیال تھا کہ قصر صرف حج، عمرہ یا جہاد کے سفر میں ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۴۶) ان کا استدلال اس آیتِ مبارکہ سے ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ (النساء — ۱۰۱)	اور جب تم سفر پہ جاؤ تو تم پہ کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دیں گے۔

انہوں نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف حج، عمرہ اور جہاد ہی کے سفر میں قصر کیا ہے؟

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں۔

"اگر صرف یہ آیت اور آنحضرت ﷺ کا فعل ہی ہوتا، تو پھر ان کی بات درست تھی لیکن اس سلسلہ میں جو یہ امر وارد ہے کہ سفر کی نماز صرف دو رکعتیں ہیں یا آپ نے جو صدقۃ الٰہی قبول کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس آیت و عمل کی نسبت ایک زائد امر ہے جسے ترک کرنا جائز نہیں۔"

شافعیوں کا کہنا یہ ہے کہ مسافر کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھ لے اور چاہے تو چار پڑھ لے جیسا کہ "لَا جُنَاحَ" سے بھی یہ واضح ہو رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قصر کرنا مباح ہے فرض نہیں، نیز انہوں نے یہ روایت بھی پیش کی ہے، جو بطریق عبدالرحمٰن بن اسود، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی معیت میں مدینہ منورہ سے لے کر مکہ مکرمہ تک عمرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے سفر کیا اور مکہ میں آکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں! دوران سفر میں نے نماز میں قصر بھی کیا اور پوری بھی پڑھی اور اسی طرح افطار بھی کیا اور روزہ بھی رکھا؟ آپ نے فرمایا عائشہؓ یہ طرزِ عمل بہت اچھا ہے۔" (نسائی و بیہقی کتاب الصلاۃ)

بطریق عطا حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ دورانِ سفر پوری نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور قصر بھی فرمالیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۲) حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں سب صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں پوری نماز پڑھی، تو سب نے پوری ہی پڑھ لی (عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ) خود حضرت عائشہؓ جن سے یہ روایت ہے کہ "نماز دو دو رکعت فرض تھی"، نے سفر میں پوری نماز پڑھی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۱)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

"یہ ہیں ان کے سب دلائل لیکن ان میں سے کوئی دلیل بھی ان کے حق میں نہیں کیونکہ آیت میں جو قصر مذکور ہے، وہ اور ہے اور اس وقت جو ہمارے سامنے زیر بحث ہے وہ اور جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی بیان کریں گے۔ ان کی بیان کردہ پہلی دو حدیثیں بھی قابلِ احتجاج نہیں کیونکہ وہ حدیث، جو بطریق عبدالرحمن بن اسود ہے، اس میں علا ابن زہیر منفرد ہے، اس کے علاوہ اور کسی نے اسے روایت نہیں کیا اور یہ راوی مجہول ہے[1]۔ اسی طرح حدیث عطا میں مُغیرہ بن زیاد منفرد ہے، اس کے علاوہ اور کسی نے اسے روایت نہیں کیا اور اس کی بابت امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے:

[1] حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب" میں اس علاء کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ ابن حزمؒ انہیں مجہول کہتے ہیں لیکن عبدالحق نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ثقہ و مشہور ہیں اور قصر کی بابت انہوں نے جو روایت ذکر کی ہے وہ صحیح ہے، لیکن ابن حبان کی رائے اس کے خلاف ہے، انہوں نے ضعفاء میں لکھا ہے کہ یہ ثقات سے ایسی روایات ذکر کرتے ہیں جو اثبات کی احادیث کے مشابہ نہیں ہیں لہٰذا اس کی ان روایات سے احتجاج باطل ہے، جو ثقات کے موافق نہ ہوں، ذہبیؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یحییٰ نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ ضعیف ہے اور ہر وہ حدیث جسے یہ مسند بیان کرے، وہ منکر ہوتی ہے۔

"حضرت عثمانؓ اور عائشہؓ کے فعل کی بابت یہ عرض ہے کہ انہوں نے ایسی تاویل کی ہے جس میں دوسرے صحابہ کرامؓ نے ان کی مخالفت کی ہے" جیسا کہ

۸۶۸ [ہم نے بطریق احمد بن عمر غذری از ابوذر ہروی از عبداللہ بن احمد بن حمویہ سرخسی از ابراہیم بن خزیم از عبد بن حمید از عبدالرزاق از معمر از زہری از عروہ روایت کیا ہے کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے (اسی میں ہے) زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہؓ دوران سفر پوری نماز کیوں پڑھتی تھیں جبکہ یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو دو رکعت فرض کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ نے جو منیٰ میں پوری نماز پڑھنے کے سلسلہ میں تاویل کی تھی، آپ کی بھی اس مسئلہ میں وہی تاویل تھی۔ (کتاب التفسیر)

بطریق عبدالرزاق، از زہری مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں اس لیے پڑھی تھیں کہ آپ کا حج کے بعد قیام کا پروگرام تھا، صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کی رفاقت کے باعث یہی پروگرام بنالیا لہٰذا انہوں نے بھی پوری نماز پڑھ لی (فتح الباری ۲/ ۴۷۱ و شرح معانی الآثار ۱/ ۴۲۵)

اس سلسلہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ و حضرت عائشہؓ سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ بطریق عبدالرزاق، از عبداللہ بن عمر، از نافع مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب منیٰ میں امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھ لیتے مگر گھر جا کر دوہرا لیتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ (تھوڑے فرق کے ساتھ موطا امام مالک میں ہے و معانی الآثار ۱/ ۴۷۰)

بطریق عبدالرزاق، از سعید بن سائب بن یسار مروی ہے کہ داؤد بن ابی عاصم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے منیٰ میں نماز سفر کی بابت پوچھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ منیٰ میں دو دو رکعتیں پڑھتے تھے لہٰذا اگر تم چاہو تو قصر کرلو اور اگر چاہو تو نہ کرو! (کتاب التفسیر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بطریق عبدالوارث بن سعید تنوری از ابو التیاح از مورق عجلی مروی ہے کہ صفوان بن محرز نے فرمایا کہ میں نے ابن عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نماز سفر کی بابت بتائیے؟ انہوں نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہیں آپ میری تکذیب نہ کر دیں، میں نے عرض کیا بالکل نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ نمازِ سفر صرف دو رکعت ہے، جو شخص سنت کی مخالفت کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا (عبدالرزاق ۵۱۹/۲ و ۵۲۰)

بطریق سعید بن منصور از مروان بن معاویہ فزاری از حمید بن علی عقیلی مروی ہے ضحاک بن مزاحم نے کہا کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص سفر میں چار رکعتیں پڑھے، وہ اسی طرح ہے جیسے حضر میں دو رکعتیں پڑھے۔ (کنز العمال و مجموعۃ الرسائل والمسائل لابن تیمیہؒ ۵۱/۲)

بطریق سفیان بن عیینہ، از جعفر بن محمد مروی ہے محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ منیٰ میں بیمار ہو گئے تو حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیجیے؟ انہوں نے فرمایا اگر تم چاہو تو تمہیں آنحضرت ﷺ کی نماز یعنی دو رکعتیں پڑھا دیتا ہوں، لوگوں نے کہا نہیں امیر المومنین کی نماز یعنی چار رکعتیں پڑھائیے حضرت عثمانؓ نے بھی انکار کر دیا (کہ دو پڑھائی جائیں)

بعد میں آنے والے لوگوں سے بھی اسی طرح مروی ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس سفر میں پوری نماز پڑھنے کا ذکر ہوا، تو آپ نے فرمایا نہیں سفر میں نماز کی دو ہی رکعت ہیں، ان کے علاوہ اور کچھ درست نہیں۔

جب کسی مسئلہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف ہو، تو اس کے رفع کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس کو قرآن و سنت کی طرف لوٹا دیا جائے۔ مگر مالکیوں اور حنفیوں نے یہاں بدترین تضاد کا ثبوت دیا ہے یہ حضرات جب کسی صحابی کے قول کو لینا اور اس کی روایت کو رد کرنا چاہتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ راوی اپنی روایت کو زیادہ بہتر جانتا ہے اور اس کی نسبت یہ ظن کرنا جائز نہیں کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی ہے، مگر صرف اس صورت میں کہ ان کے پاس کوئی ایسا علم ہو، جسے انہوں نے اپنی روایت سے بہتر سمجھا ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہاں ان حضرات نے حضرت عائشہؓ کی روایت کو تو لے لیا ہے مگر آپ کے عمل کو ترک کر دیا ہے اور نہایت بری بات یہ کہی کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے صحابہ کرامؓ نے (معاذ اللہ) فاسد نماز پڑھی لہٰذا ان کے لیے لازم تھا کہ اس نماز کو اسی وقت دوہراتے یا پھر کبھی دوہرا لیتے۔

ہم نے یہ جو عرض کیا تھا کہ نماز خوف کی ایک ہی رکعت ہے، تو اس کی دلیل یہ ہے۔

۸۶۹ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از یحییٰ بن یحییٰ و سعید بن منصور و ابوالربیع زہرانی و قتیبہ از ابو عوانہ از بکیر بن اخنس از مجاہد روایت کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی حضر کی نماز چار رکعت، سفر کی دو رکعت اور خوف کی ایک رکعت فرض قرار دی ہے۔ (مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کتاب الصلاۃ)

علاوہ ازیں بطریق حذیفہؓ، جابرؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، اور ابن عمرؓ ان سب صحابہ کرامؓ سے بھی آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی حد درجہ صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے (کتب صحاح و مسانید و مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ) اور فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا (النسآء - ۱۰۱)	اور تم جب سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دیں گے۔

۸۷۰ [ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہشام بن سعید خیر نے از عبدالجبار بن احمد مقرئ طویل از حسن بن حسین بن عبدویہ نجیرمی از جعفر بن محمد بن حسن اصفہانی از ابوبشر یونس بن حبیب بن عبدالقادر از ابوداؤد طیالسی از مسعودی عبدالرحمن بن عبداللہ میری طرف لکھا کہ] یزید فقیر یعنی یزید بن صہیب نے فرمایا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا کیا میں سفر میں دو رکعتوں والی نماز میں بھی قصر کروں؟ انہوں نے فرمایا نہیں سفر میں دو رکعتوں والی نماز میں قصر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایک رکعت نماز تو صرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میدانِ کارزار میں ہوتی ہے۔ (منحۃ المعبود ۱/۱۵۱)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :۔

اسی آیت کے پیشِ نظر ہم نے یہ کہا تھا کہ دورانِ سفر نمازِ خوف میں اگر چاہو تو ایک رکعت پڑھ لو اور اگر چاہو تو دو رکعت پڑھ لو کیونکہ قرآن مجید میں لفظ "لاجُناحَ" آیا ہے کوئی ایسا لفظ نہیں آیا جس سے امر وجوب ثابت ہوتا ہو، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کی معیت میں ایک رکعت بھی پڑھی ہے اور دو رکعتیں بھی پس اس سلسلہ میں اختیار ہے جس کے مطابق چاہے عمل کر لیا جائے جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا ہے"

المحلیٰ مترجم (اردو) جلد سوم تمام ہوئی۔ جلد چہارم کا آغاز کتاب الصلوٰۃ کے بقیہ مسائل مسئلہ نمبر ۵۱۳ "قصر صلوٰۃ کی مسافت" وغیرہ سے ہوگا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "